فقہ الاسلام

مِنْ ادلّۃ الاحکام

شارح مترجم ومخرج:

حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

ازافادات وتحقیقات: علامہ محمد بن علی الشوکانی

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی

شیخ عبداللہ بسام

شیخ حازم علی قاضی

نظر ثانی: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

حافظ ثناء اللہ خان مدنی حفظہ اللہ

پروفیسر عبدالجبار شاکر حفظہ اللہ

پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ حفظہ اللہ

تفہیم کتاب وسنت کا تحقیقی وطباعتی ادارہ

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

نام کتاب

فقہ الاسلام

شرح

بلوغ المرام

من ادلة الاحکام

تالیف:

ابو الفضل شہاب الدین احمد بن حجر العسقلانی

شارح مترجم ومخرج:

حافظ عمران ایوب لاہوری

تاریخ اشاعت: دسمبر ۲۰۰۶ء

مطبوعہ: چاچا حمید پرنٹرز لاہور

ناشر

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

لاہور (پاکستان)

Mobile: 0300-4206199

E-mail: fiqhulhadith@yahoo.com

website: www.fiqhulhadith.com

ڈسٹری بیوٹر

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور (پاکستان)

فون: 042-7321865, 0334-4229127

جدید اضافہ شدہ ایڈیشن
فقہ الحدیث
FIQHULHADITH
PUBLICATIONS
فقہ الاسلام
شرح
بُلوغ المرام
مِنْ ادلّۃ الاحکام
شارح مترجم ومخرج:
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ
ازافادات تحقیقات: علامہ محمد بن علی الشوکانی
محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی
شیخ عبد اللہ بسام
شیخ حازم علی قاضی
نظر ثانی: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
حافظ ثناء اللہ خان مدنی حفظہ اللہ
پروفیسر عبد الجبار شاکر حفظہ اللہ
پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ حفظہ اللہ
تفہیم کتاب وسنت کا تحقیقی وطباعتی ادارہ
فقہ الحدیث پبلیکیشنز
0300-4206199

بسم الله الرحمن الرحيم
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

شارح کا مختصر تعارف

نام	حافظ عمران ایوب
تاریخ پیدائش	31/01/1979 [لاہور]
دینی تعلیم	
1990-92	حفظ القرآن
1992-93	تجوید وقراءت، ترجمہ قرآن۔
1993-99	درس نظامی + وفاق المدارس [الشهادة العالمية ۔ ممتاز درجہ]
عصری تعلیم	
1996	میٹرک [فرسٹ ڈویژن]
1999	ایف۔اے [فرسٹ ڈویژن]
2001	بی۔اے [اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]
2004	ایم۔اے [اسلامیات، اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]
2008	ایم۔فل [اسلامیات، فرسٹ ڈویژن، پنجاب یونیورسٹی]
2009	پی۔ایچ۔ڈی [اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی]
تدریسی وتحقیقی ذمہ داریاں	
2000-04	جامعہ الدعوۃ الاسلامیہ مرید کے، لاہور۔
2004-05	دار الاندلس، لاہور۔
2005-06	اسلامک ریسرچ کونسل، ماہنامہ محدث، لاہور۔
تصنیف وتالیف	30 کے قریب تحقیقی مضامین [القلم، محدث، اعتصام، اخوۃ، الدعوۃ وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں]۔
	30 کے قریب کتابیں شائع ہو چکی ہیں [مزید زیر طبع وزیر تالیف ہیں]۔
دعوتی واصلاحی خدمات	اشاعتِ اسلام کے لیے گامزن ادارہ فقہ الحدیث پبلیکیشنز کی نظامت۔
	دینی وتحقیقی مواد پر مشتمل ویب سائٹ WWW.FIQHULHADITH.COM کی اِدارت۔

شارح کی چند دیگر کتب

تفہیم کتاب وسنت سیریز

اس سیریز میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق مکمل دینی رہنمائی یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
تمام احادیث کی تخریج کی گئی ہے اور ہر حدیث پر شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق لگائی گئی ہے۔
اس سیریز کی ابھی تک 14 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور باقی زیر تالیف ہیں۔

1. ایمان کی کتاب
2. توحید کی کتاب
3. سنت کی کتاب
4. طہارت کی کتاب
5. نماز کی کتاب
6. زکوۃ کی کتاب
7. روزوں کی کتاب
8. حج وعمرہ کی کتاب
9. جنازے کی کتاب
10. تجارت کی کتاب
11. نکاح کی کتاب
12. طلاق کی کتاب
13. اولاد اور والدین کی کتاب
14. دعاؤں کی کتاب
15. جاری ہے۔۔۔۔

احادیث ضعیفہ سیریز

اس سیریز میں معاشرے میں مشہور ضعیف ومن گھڑت روایات ائمہ سلف کی تحقیقات کی روشنی میں جمع کی گئی ہیں۔ اس کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہیں اور ایک زیر تالیف ہے۔

1. 100 مشہور ضعیف احادیث
2. 200 مشہور ضعیف احادیث
3. 300 مشہور ضعیف احادیث
4. 400 مشہور ضعیف احادیث
5. 500 مشہور ضعیف احادیث
6. 600 مشہور ضعیف احادیث (زیر تالیف)

احادیث صحیحہ سیریز

اس سیریز میں ذخیرۂ حدیث کی صحیح ترین کتب کا ترجمہ وتشریح اور تخریج وتہذیب کی گئی ہے۔ اس کی ابھی تک صرف ایک کتاب شائع ہوئی ہے اور مزید کچھ زیر تالیف ہیں۔

1. جواہر الایمان شرح اللؤلؤ والمرجان

متفرق تحقیقی کتب

درج بالا سیریز کے علاوہ مصنف کی چند دیگر تالیفات، تراجم وتحقیقات حسب ذیل ہیں:

1. فقہ الحدیث (تالیف)
2. تفسیر ابن کثیر (تحقیق وتخریج)
3. قصص الانبیاء (ترجمہ، فوائد، تحقیق وتخریج)
4. مؤطا امام مالک (تحقیق وتخریج)
5. فتاوی نکاح وطلاق (ترتیب وتحقیق وتخریج)
6. مشکلات سے نجات کی دعائیں (تالیف)
7. جنت کی کنجیاں (ترجمہ، فوائد وتخریج)
8. پانچ اہم دینی مسائل (تالیف)
9. مسنون عمرہ (تالیف)
10. فتنہ دجال اور اس سے نجات کا راستہ (تالیف)
11. احادیث قدسیہ (فوائد وتخریج)
12. اسلام کا نظام عفت وعصمت (تحقیق وتخریج)
13. فقہ الاسلام شرح بلوغ المرام (شرح، تخریج وتحقیق)

چند علماء و محققین کا مختصر تعارف
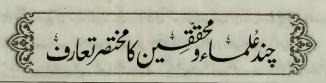
یعنی وہ علما و محققین جن کے اقوال و فتاویٰ اور علمی تحقیقات سے اس کتاب میں بطورِ خاص استفادہ کیا گیا ہے

ابن تیمیہ (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ): ساتویں صدی ہجری کے عظیم فقیہ، اصولی اور مفتی، جو تقریباً تمام مکاتب فکر کے ہاں معتبر ہیں۔ آپ کا مکمل نام ''تقی الدین ابو العباس احمد ابن تیمیہ'' ہے۔ ترکی میں پیدا ہوئے پھر دمشق ہجرت کر گئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی۔ شروع سے ہی شریف النفس، ذہین و فطین اور سریع الحفظ تھے۔ علم و فضل میں امامت کے درجے پر فائز ہوئے۔ شیخ الاسلام کہلوائے اور بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں۔

ابن قیم الجوزیۃ (۶۹۱ھ-۷۵۱ھ): آٹھویں صدی ہجری میں دینی اور اصلاحی خدمات انجام دینے والے ممتاز عالم دین اور ابن تیمیہ کے شاگرد رشید محمد بن ابو بکر بن ایوب بن سعد۔ انہوں نے اپنے استاد (ابن تیمیہ) کی کتب کی تہذیب کی، ان کے علم کو پھیلایا اور مختلف علوم میں بہت سی کتابیں لکھیں جیسے اعلام المؤقعین، زاد المعاد، مدارج السالکین، الوابل الصیب اور تلبیس ابلیس وغیرہ۔

ابن حجر العسقلانی (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ): صحیح بخاری کی مشہور شرح ''فتح الباری'' کے مصنف شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر الکنانی الشافعی۔ عالم دین، محدث، فقیہ، ادیب اور اپنے زمانے کے حافظِ اسلام۔ بہت سی قابل قدر کتب کے مصنف جیسے الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، تھذیب التھذیب، تقریب التھذیب، لسان المیزان، اسباب النزول، بلوغ المرام اور طبقات المدلسین وغیرہ۔

ابن حزم الاندلسی (۳۸۴ھ-۴۵۶ھ): علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری۔ شاعر، فلسفی اور فقیہ۔ قرطبہ میں پیدا ہوئے اور قرطبی کا لقب ملا۔ شدت سے سنت کی پابندی اور حفاظت کرنے والے۔ معروف فقہ کی کتاب ''المحلیٰ'' کے مصنف۔ آپ کی چند دیگر اہم تالیفات یہ ہیں الفصل فی الملل والاھواء والنحل، جمھرۃ انساب العرب، الامامۃ والخلافۃ، الاحکام فی اصول الاحکام اور نقط العروس وغیرہ۔

ابن باز (۱۳۳۰ھ-۱۴۲۰ھ): عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز۔ معروف سعودی عالم اور فقیہ اور سعودیہ میں قائم مستقل فتویٰ کمیٹی کے سابق مدیر اعلیٰ۔ نابینا تھے مگر ساری زندگی تعلیم و تعلم اور خدمتِ اسلام میں گزاری۔ آپ کے فتاویٰ تقریباً ۳۰ کے قریب جلدوں میں مجموع فتاویٰ ابن باز کے نام سے سعودیہ سے شائع ہو چکے ہیں۔

ابن عثیمین (۱۳۴۷ھ-۱۴۲۱ھ): محمد بن صالح بن محمد۔ سعودی عالم دین اور فقیہ۔ سعودیہ کی یونیورسٹی جامعۃ الامام کے سابق استاد، کبار سعودی علما کی فتویٰ کمیٹی ''ہیئت کبار علما'' کے سابق رکن۔ انہیں خدمتِ اسلام کے لیے عالمی شاہ فیصل ایوارڈ بھی دیا گیا۔ ان کے فتاویٰ بھی سعودیہ سے تقریباً ۲۰ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

النووی (۶۳۱ھ-۶۷۶ھ): محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف الشافعی۔ امام، حافظ اور جلیل القدر داعی۔ ہمیشہ

دنیوی لذتوں سے کنارہ کش رہے حتی کہ شادی نہیں کی۔ بہت سی کتب تالیف کیں جن میں سے چند معروف یہ ہیں۔ شرح مسلم، المجموع شرح المهذب، الاربعون النووی، الاذکار، ریاض الصالحین وغیرہ۔

الشوکانی (۱۱۷۳ھ۔۱۲۵۰ھ): محمد بن علی بن محمد۔ عظیم فقیہ اور مجتہد۔ یمن کے کبار علما میں سے ایک۔ ان کی فقہ میں شہرہ آفاق کتاب نیل الاوطار ہے، نیز تفسیر فتح القدیر بھی انہی کی تالیف ہے۔

عبد الرحمن مبارکپوری (م۱۳۵۳ھ): ہندوستان کے شہر مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ عربی، منطق، فلسفہ، فقہ اور اصول فقہ کے علوم بہت سے اساتذہ سے حاصل کیے۔ آپ کی معروف کتاب تحفہ الاحوذی ہے۔

شمس الحق عظیم آبادی (م بعد۱۳۱۰ھ): ہندوستان میں حدیث کے معروف عالم دین اور سنن ابوداود کی شرح عون المعبود کے مصنف۔

ابو عبد الله الحاکم (۳۲۱ھ۔۴۰۵ھ): محمد بن عبداللہ بن محمد۔ امام، حافظ، علامہ، محدث اور بہت سی کتب کے مصنف۔ آپ اپنے عہد میں ملکی سفیر بھی رہے۔ آپ کی معروف تصانیف میں المستدرك علی الصحیحین، تاریخ نیسابور، علوم الحدیث، المدخل اور الاکلیل وغیرہ شامل ہیں۔

شمس الدین الذهبی (۳۲۱ھ۔۴۰۵ھ): ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الدمشقی۔ امام، حافظ، اپنے زمانے کے محدث اور مؤرخ۔ تقریباً ۱۸ سال حدیث کا علم حاصل کیا اور اس کے لیے بہت سے سفر بھی کیے۔ امام سخاویؒ نے فرمایا ہے کہ تمام محدثین علم رجال اور دیگر فنونِ حدیث میں چار علما کے محتاج ہیں: امام مزی، امام ذہبی، حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ۔ امام ذہبی کی تصانیف میں تاریخ الاسلام، سیر اعلام النبلاء، طبقات الحفاظ، طبقات القراء، الکاشف اور المیزان فی الضعفاء وغیرہ شامل ہیں۔

شیخ البانی (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء): ابوعبدالرحمٰن محمد ناصر الدین بن نوح نجاتی بن آدم الالبانی۔ عصر حاضر کے عظیم محدث جنہوں نے اپنی شب وروز کی محنت شاقہ کے ذریعے مسلمانانِ عالم میں تحقیقِ حدیث کی جستجو اور خدمات محدثین کی یاد کو ایک بار پھر تازہ کر دیا۔ آپ کی کتب میں السلسلہ الصحیحہ، السلسلہ الضعیفہ اور ضعیف وصحیح سنن اربعہ معروف ہیں۔

شعیب ارناؤوط (۳۲۱ھ۔۴۰۵ھ): علوم قرآن، علوم حدیث، فقہ اور اصول میں مہارت رکھنے والے معروف عرب محقق۔ جن کی زیر نگرانی پہلی مرتبہ مسند احمد کی تخریج وتحقیق مکمل ہوئی ہے اور اسے مؤسسہ الرسالہ (بیروت) نے ۵۰ جلدوں میں شائع کیا ہے اور اس کا نام الموسوعة الحدیثية رکھا ہے۔

سعودی فتویٰ کمیٹی: اس کمیٹی کا نام اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء ہے۔ جو ۱۳۹۱ھ میں شاہی فرمان کے ذریعے سعودیہ میں قائم کی گئی۔ اس کے ارکان وقت کے قابل قدر اور جید علما ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی پیش آمدہ مسائل کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں تلاش کرتی ہے اور پھر اسے حکومت کے سامنے پیش کرتی ہے اور پھر سعودی حکومت اسی کی پیش کردہ سفارشات کے مطابق قانون سازی کرتی ہے۔ اس کمیٹی کے فتاویٰ "فتاویٰ اللجنة الدائمة" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کی تقریباً ۲۶ جلدیں ہیں جن میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ [النور : ٥٤]

''اور اگر تم اس (رسول ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔''

فرمانِ نبوی ہے کہ

﴿ أَلَا وَإِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ﴾

”خبردار! مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز (یعنی حدیث) بھی دی گئی ہے۔“

[صحيح : صحيح الجامع الصغير (٢٦٤٣)]

تقریظ
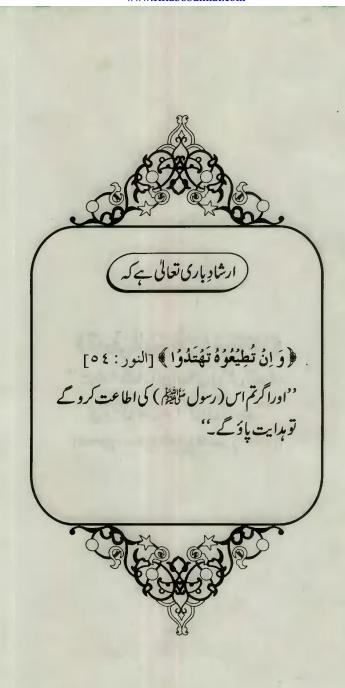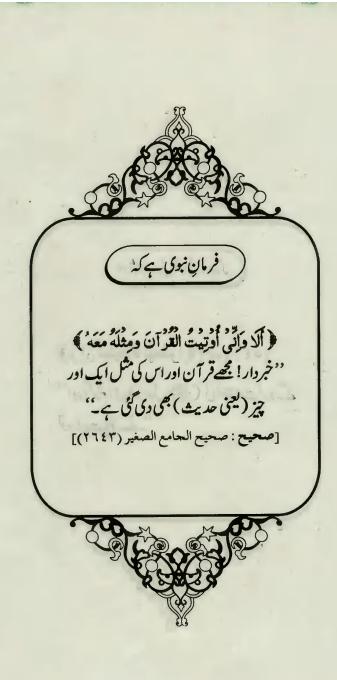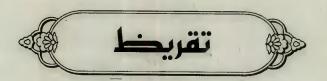
فقہ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی معروف حدیث کی کتاب **بلوغ المرام** کی اردو شرح ہے، جو **حافظ عمران ایوب لاہوری** سلمہ اللہ کی تالیف ہے۔ موصوف اس سے قبل بھی سلسلہ **فقہ الحدیث** کے نام سے متعدد کتب تالیف اور شائع کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے **فقہ الحدیث پبلیکیشنز** کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا ہوا ہے، جو شب و روز اشاعت حدیث کے کام میں معروف ہے۔

مختصر اور جامع ہونے کی وجہ سے بلوغ المرام کو اپنے زمانۂ تالیف سے ہی اہل علم میں قبول حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں اس کی متعدد شروح تالیف کی گئیں۔ **فقہ الاسلام** ان شروحات میں اس لحاظ سے ایک نہایت مفید اضافہ ہے کہ اسے سلفی علما کی تحقیقات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، تمام احادیث کی مفصل تخریج کے ساتھ ساتھ ان کے بارے میں تحقیقی اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں اور اس میں مسائل و احکام سے متعلقہ بہت سے دلائل و حوالہ جات بھی جمع کیے گئے ہیں۔

ان خصوصیات کی بنا پر اس اردو شرح کو بلوغ المرام کی دیگر شروحات میں انفرادیت حاصل ہے۔ لہٰذا یہ ایک قابل اعتماد اور مفید شرح ہے جو یقیناً شائقینِ تحقیق اور تشنگانِ علم کے لیے علمی استفادے کا بہترین ذریعہ ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مدیر شعبہ تحقیق و تالیف و ترجمہ، دارالسلام لاہور

فروری 2008ء ، صفر 1429ھ
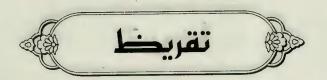
فقہ الاسلام عظیم مصنف ومحقق **حافظ ابن حجر عسقلانی** ؒ کی مختصر، جامع اور احادیث احکام پر مشتمل عظیم المرتبہ کتاب **بلوغ المرام** کی ایک نہایت جامع اور مفید اردو شرح ہے۔

اس کتاب کو دیکھتے ہی محسوس ہوا کہ یہ کتاب دلائل وحوالہ جات اور تحقیق وتخریج کا ایک عظیم ذخیرہ ہے۔ یہ کتاب عصر حاضر کے معروف ریسرچ سکالر **حافظ عمران ایوب لاہوری** ﷾ کی کاوش ہے۔ اس سے پہلے بھی موصوف کی بیسیوں تالیفات وتحقیقات (جن میں فقہ الحدیث، سلسلہ فقہ الحدیث، فتاویٰ نکاح وطلاق، قصص الانبیاء اور پانچ اہم دینی مسائل وغیرہ شامل ہیں) منصۂ شہود پر آ کر دادِ قبولیت حاصل کر چکی ہیں۔

موصوف کی تمام تالیفات کی یہ خوبی ہے کہ ان میں احادیث احکام کو اس قدر عمدہ انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ کسی بھی مسئلے اور اس کی دلیل کو تلاش کرنا نہایت آسان ہے، تمام احادیث تخریج وتحقیق سے مزین ہیں، بالخصوص **علامہ ناصر الدین البانی** ؒ اور بالعموم دیگر قدیم وجدید محققین کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے اور مختلف فقہاء وعلما کے فتاویٰ بھی نقل کیے گئے ہیں۔

پیش نظر کتاب **فقہ الاسلام** اس اعتبار سے نہایت مفید ہے کہ اس میں مذکورہ بالا تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ ہر حدیث کے تحت پہلے اس کے مشکل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے اور پھر اس کے مسائل وفوائد پر بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب مؤلف کی انتھک محنت وکوشش کی آئینہ دار ہے۔ جو اپنی جامعیت، تحقیق وتخریج کے اعلیٰ معیار اور عام فہم اسلوب کی وجہ سے جہاں علماء وطلباء کے لیے مفید ہے وہاں عوام الناس کے لیے بھی مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے قبول عطا فرمائے اور مؤلف کے لیے باعث نجات بنائے۔ (آمین!)

پروفیسر حافظ ثناء اللہ خان مدنی حفظہ اللہ

شعبۂ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج لاہور

12 دسمبر 2007ء

تقریظ
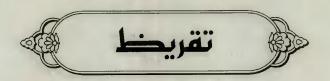
علومِ اسلامیہ کا افتخار علوم الحدیث کے ساتھ وابستہ ہے۔ حدیث کی حجیت اور ثقاہت کے تعین کے لیے جو فنون اور علوم وجود میں آئے ان کا تذکارِ جلیل ہم صاحبِ مقدمہ ابن الصلاح اور حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کے ہاں دیکھ سکتے ہیں۔ روایت و درایت کے انہی مسلمہ قواعد کی پیروی میں صحاح ستہ جیسی عظیم الشان کتبِ حدیث کی تدوین ہوئی۔ صحاح ستہ کی شروحات کے دفتر علوم الحدیث کی عظمتوں کے آئینہ دار ہیں۔ شروحِ حدیث میں ابوالفضل شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی ؒ نے فتح الباری میں جو معیار قائم کیا ہے وہ استناد و اعتماد کا بے مثال نمونہ ہے۔ ابن حجر عسقلانی ؒ کے پائے کے محدث نے جہاں نخبۃ الفکر تحریر کی وہاں احادیث کا ایک ایسا مجموعہ بھی تیار کیا جو **بلوغ المرام** کے عنوان سے معروف ہے۔

یہ مجموعۂ احادیث اپنی ثقاہت، حُسنِ انتخاب، اختصار، افادیت اور جامعیت کے لحاظ سے اہل علم میں قبولیتِ عامہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی علمی اور درسی افادیت کے پیش نظر اسے مدارس کے نصاب میں مطالعۂ حدیث کے بطور ایک مقبول متن کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہی باعث ہے کہ عربی، فارسی اور اردو میں اس کی متعدد شروحات لکھی گئی ہیں۔ فاضل نوجوان **حافظ عمران ایوب لاہوری** ﷾ نے بھی متعدد شروحات سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جدید اور مفید شرح **فقہ الاسلام** کے عنوان سے لکھی ہے، جس میں بطورِ خاص علامہ محمد بن علی الشوکانی ؒ، شیخ عبداللہ بسام ؒ، شیخ حازم علی قاضی اور محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی ؒ کی تحقیقات وافادات سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ تخریج اور اطراف کا بھرپور اہتمام بھی اس کتاب کی افادیت کا مظہر ہے۔ چونکہ اس کی احادیث متعدد انواع کے مسائل سے متعلق ہیں لہٰذا ان کی شرح کرتے ہوئے ائمہ اربعہ کے موقف اور دیگر قدیم وجدید علماء کے فتاویٰ پر انتقادی اور استفادی نظر ڈالی گئی ہے۔

اپنے اسلوب اور منہج کے لحاظ سے بلوغ المرام کی یہ شرح ایک ایسے معیار کو پیش کرتی ہے جس سے اہل علم اور مدارس کے شیوخ کے علاوہ عامۃ المسلمین بھی بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ جدید اردو شرح بلوغ المرام کی شروح میں ان شاء اللہ ایک بلند مقام حاصل کرے گی۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر ﷾

ڈائریکٹر جنرل دعوہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور

26 اپریل 2007ء

تقریظ
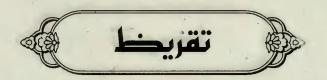
فقہ الاسلام بلوغ المرام کی شرح ہے جسے **حافظ عمران ایوب لاہوری** حفظہ اللہ نے ترتیب دیا ہے۔
موصوف نے اسے مرتب کرتے ہوئے انتہائی علمی اور معیاری اسلوبِ تحقیق اختیار کیا ہے۔ احادیث کی تخریج کے ساتھ ساتھ ان پر صحت وضعف کا حکم بھی لگایا ہے۔ مسائل کی توضیح وتشریح میں بہت عمدہ اسلوب اختیار کیا ہے اور عصری مسائل کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ زبان آسان اور سلیس اختیار کی ہے جس کے نتیجے میں ہر سطح کا قاری کتاب سے کما حقہ مستفید ہو سکتا ہے۔

امید ہے کہ موصوف اپنی ان عالمانہ تحقیقات کے سلسلہ کو آگے بھی جاری رکھیں گے اور امتِ اسلامیہ کی خیر خواہی اور دینی رہنمائی کے لیے نبوی تعلیمات کی نشر واشاعت میں ہمیشہ مصروف رہیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مؤلف حفظہ اللہ کی ان تحقیقی کاوشوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے اور انہیں آگے سے آگے پہنچایا جائے۔ (جزاہ اللہ خیرا واحسن الجزاء)

پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ حفظہ اللہ
شعبہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
مارچ 2008ء ، ربیع الاول 1429ھ

احکامِ احادیث پر مشتمل امام ابن حجر عسقلانیؒ کی مشہور کتاب **بلوغ المرام** دنیا بھر کے اکثر و بیشتر مدارسِ دینیہ کے نصاب کا حصہ ہے۔ اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار احادیث ہیں اور متعدد زبانوں میں اس کی شروح لکھی جا چکی ہیں، لیکن اردو زبان میں تا حال کوئی ایسی شرح دستیاب نہ تھی کہ جس میں تمام احادیث و آثار کی مکمل تخریج و تحقیق کی گئی ہو، قدیم و جدید مسائل اور احکام یکجا کیے گئے ہوں۔ **حافظ عمران ایوب** ﷾ نے اس علمی ضرورت کے پیش نظر زیر نظر شرح تیار کی ہے۔

اس میں تمام احادیث کی تخریج کی گئی ہے، صحت و ضعف کا تعین کیا گیا ہے اور اختلافی مسائل میں برحق موقف کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ائمہ اربعہ کے علاوہ علامہ ناصر الدین البانی، شیخ عبداللہ بسام، علامہ شوکانی، امام نووی، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور شیخ عبدالعزیز بن باز ﷭ وغیرہ کی تحقیقات کو پیش نظر رکھا گیا ہے، نیز سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کے اقوال و فتاویٰ بھی نقل کیے گئے ہیں۔

بلوغ المرام کی یہ شرح جدید و قدیم علوم کے امتزاج کی حامل ہے جو اس کی انفرادیت ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں (مثلاً معاشرت، تجارت، جرائم، حدود اور جہاد وغیرہ) سے متعلق فقہی رہنمائی میں عام لوگوں کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اسلوب عام فہم ہے۔ عربی متن کے ساتھ مشکل الفاظ کی لغوی توضیح اور پھر معنی و مفہوم اور مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ یہ مفید علمی و تحقیقی کاوش اہلِ علم، طلبہ اور عوام الناس کے لیے یکساں مفید ہے۔

ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور

تبصرہ از، امجد عباسی

اگست 2007ء

بلوغ المرام شرعی احکام کا مختصر اور نہایت عمدہ مجموعہ ہے۔اس میں ارکانِ اسلام سے لے کر ضروریاتِ زندگی تک تمام مسائل کو بہت خوبی سے جمع کیا گیا ہے۔اس کی انہی خوبیوں کی وجہ سے اہل علم نے ہر دور میں اسے قبولِ عام بخشا۔اس پر شروح وحواشی لکھے گئے۔مختلف زبانوں میں اس کے تراجم وحواشی شائع ہو چکے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب **فقه الإسلام** حافظ عمران ایوب لاہوری ﷾ کی اسی سلسلے کی نہایت عمدہ کاوش ہے اور ان کی شب وروز کی محنت کا نتیجہ ہے۔

ماشاء اللہ نوجوان ہیں، باہمت ہیں، بہت تھوڑے عرصہ میں نہایت ضخیم کتابیں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔اس کتاب میں انہوں نے ہر حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد اس کے مشکل الفاظ کی وضاحت، پھر اس کا مفہوم ذکر کر کے اس کے جملہ مسائل کو بیان کیا ہے۔اختلافی مسائل میں ائمہ اربعہ کی آراء ذکر کر کے برحق موقف کی وضاحت کی ہے۔مسائل کے ساتھ ساتھ فقہی آراء کا ذکر اور پھر راجح مسلک کے بیان نے اسے چار چاند لگا دیئے ہیں۔کتاب نہایت مفید ہے اور مطالعہ میں رہنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے اور اسے امت کے لیے نافع بنائے۔(آمین)

ہفت روزہ اعتصام، لاہور

تبصرہ از، ابوبکر ظفر

ستمبر 2007ء

پیش لفظ
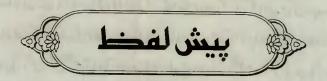
فقہ الاسلام سے مراد ہے اسلامی تعلیمات سے ماخوذ احکام و مسائل۔ چونکہ بلوغ المرام احادیثِ احکام پر مشتمل ہے اس لیے اس کی شرح کا نام "فقہ الاسلام" رکھا گیا ہے۔ ہر چند کہ بلوغ المرام کی دُنیا بھر کے اکثر و بیشتر دینی مدارس میں شاملِ نصاب ہونے کے باعث' مختلف زبانوں میں متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں لیکن اردو زبان میں تا حال کوئی ایسی شرح دستیاب نہ تھی کہ جس میں تمام احادیث و آثار کی مکمل تخریج و تحقیق کی گئی ہو' قدیم و جدید مسائل و احکام مدلل یکجا کیے گئے ہوں' ائمہ و فقہائے عظام اور کبار عرب علماء کے اقوال و فتاویٰ باحوالہ نقل کیے گئے ہوں اور اختلافی مسائل میں دلائل کے ذریعے برحق مؤقف کی نشاندہی کی گئی ہو۔ راقم الحروف چونکہ (اللہ کے خاص فضل و توفیق سے) اس سلسلے میں فقہ و تحقیق کا ذخیرۂ علمی اپنی پہلی کتاب "**فقہ الحدیث**" اور "**سلسلہ فقہ الحدیث**" کی متعدد کتب کی صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے اس لیے چند احباب و رفقاء نے بالاصرار بلوغ المرام پر بھی علمی و تحقیقی کام کرنے کی التماس کی۔ اگر چہ یہ کام ہمت آزما تھا مگر طلبائے علومِ دینیہ اور عوام الناس کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے راقم نے بتوفیقِ الٰہی اس کی ابتداء کر دی اور آج الحمد للہ ایک لمبے عرصے کی جاں گُسِل محنت کے بعد یہ مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں بلوغ المرام اور اس کی شرح میں موجود تمام احادیث کی مکمل تخریج کی گئی ہے۔ تخریج کے لیے معیاری نمبرنگ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ احادیث پر صحت و ضعف کا حکم لگانے کے لیے بالخصوص علامہ البانیؒ، شیخ عبد اللہ بسامؒ، شیخ حازم علی قاضیؒ اور بالعموم علامہ شوکانیؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ اور عصر حاضر کے شیخ عادل عبد الموجود، شیخ علی محمد معوض اور شیخ شعیب ارناؤوط وغیرہ کی تحقیقات کو پیش نظر رکھا گیا ہے (واضح رہے کہ شیخ عبد اللہ بسامؒ کی تحقیق ان کی کتاب توضیح الاحکام شرح بلوغ المرام سے، شیخ حازم علی قاضیؒ کی تحقیق سبل السلام پر ان کی تعلیقات سے اور علامہ البانیؒ اور امام شوکانیؒ وغیرہ کی تحقیق ان اہل علم کی مختلف کتب سے ماخوذ ہے)۔

ہر حدیث نقل کرنے کے بعد پہلے اس کے مشکل الفاظ کی لغوی توضیح پیش کی گئی ہے اور پھر اس کے معنی و مفہوم اور

مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ ہر عنوان سے متعلقہ ضروری احادیث' جو دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں' اس (☐) علامت کے بعد بالاختصار ان سے ماخوذ مسائل کا اضافہ کر کے احکام و مسائل کی تشنگی دور کی گئی ہے۔ مسائل میں دلائلِ کتاب و سنت اور ائمہ اربعہ کے مؤقف کی وضاحت کے علاوہ امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ، شمس الحق عظیم آبادیؒ، علامہ ناصر الدین البانیؒ، شیخ عبدالعزیز بن بازؒ، شیخ ابن عثیمینؒ، شیخ ابن جبرینؒ اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی وغیرہ کے اقوال و فتاویٰ بھی نقل کیے گئے ہیں۔ ابتدائے کتاب میں فقہ و حدیث سے متعلقہ چند ضروری اصطلاحات اور مختصر مقدمہ' جس میں حدیث سے متعلقہ بنیادی معلومات ہیں' درج کیا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں احادیثِ بلوغ المرام کے اطراف کی فہرست تیار کر کے لگائی گئی ہے تاکہ کسی بھی حدیث کی تلاش میں سہولت رہے۔ ترتیب سے اشاعت تک ہر مقام پر کوشش کی گئی ہے کہ کتاب ہر لحاظ سے حسن و خوبی سے ہم آہنگ اور اغلاط سے مبرا ہو۔ لیکن پھر بھی اگر قارئین کہیں سقم دیکھیں تو ضرور مطلع کریں تاکہ اس کی جلد از جلد تصحیح کی جا سکے۔

راقم الحروف کی اس ادنیٰ سعی کے بعد امید ہے کہ یہ تازہ کاوش طلبائے علومِ دینیہ اور مدرسین کے ساتھ ساتھ دیگر شائقینِ تحقیق اور تشنگانِ علم کے لیے بھی طمانیت کا باعث ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے عامۃ المسلمین کے لیے نافع بنائے۔ (آمین)

[ربنا تقبل منا انك أنت السميع العليم]

کتبہ
حافظ عمران ایوب لاهوری
7 نومبر 2006ء ، 14 شوال 1427ھ
فون: 0300-4206199
ای میل: hfzimran_ayub@yahoo.com

فہرست

حدیث کی اقسام
خبر کی تقسیم
ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے
متواتر
آحاد
متواتر لفظی
متواتر معنوی
مشہور
غیر مشہور
غریب
عزیز
مطلق
نسبی
مسند الیہ کے اعتبار سے
حدیث قدسی
مرفوع
موقوف
مقطوع
قوت وضعف کے اعتبار سے
مقبول
مردود
صحیح لذاتہ
صحیح لغیرہ
حسن لذاتہ
حسن لغیرہ
معمول بہ
المحکم
غیر معمول بہ
المنسوخ
اسباب رد
سند میں سقوط
راوی میں طعن

اسباب رد حدیث
خبر مردود
سند میں سقط
راوی میں طعن
سقط ظاہر
سقط خفی
عدالت میں طعن
ضبط میں طعن
اقسام
1 معلق
2 مرسل
3 معضل
4 منقطع
اقسام
1 مدلس
2 مرسل خفی
اسباب
1 کذب
حدیث کا نام: الموضوع
2 اتہام بالکذب
حدیث کا نام: المتروک
3 البدعة
4 الجہالة
اقسام:
1- مجہول العین
2- مجہول الحال
3- مبہم
5 الفسق
اسباب
1 فحش الغلط
2 کثرة الغفلة
حدیث کا نام: المنکر
3 سوء الحفظ
اقسام:
1- طاری
2- لازم
4 کثرة الأوہام
حدیث کا نام: المعلل
5 مخالفة الثقات
اقسام:
1- المدرج
2- المقلوب
3- المضطرب
4- المزید فی متصل الاسانید
5- المصحف والمحرف

ائمہ اربعہ اور اصحاب صحاح ستہ

اسماء	پیدائش ووفات	چند معروف اساتذہ	چند معروف تلامذہ
ابوحنیفہ ،نعمان بن ثابت تیمی	80ھ/150ھ	حماد بن ابی سلیمان، عطاء بن ابی رباح	قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن الشیبانی
مالک بن انس ،ابوعبداللہ	93ھ/179ھ	نافع مولی ابن عمر، قطن بن وہب	محمد بن ادریس الشافعی، عبداللہ بن وہب
شافعی ،محمد بن ادریس، ابوعبداللہ	150ھ/204ھ	مالک بن انس، محمد بن حسن الشیبانی	احمد بن حنبل، ابوعبید القاسم بن سلام
احمد بن محمد بن حنبل، ابوعبداللہ	164ھ/241ھ	محمد بن ادریس الشافعی، ابوداود الطیالسی	بخاری، مسلم، ابوداود
بخاری ،محمد بن اسماعیل	194ھ/256ھ	احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین	ترمذی، مسلم، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی
مسلم بن الحجاج القشیری، ابوالحسین	204ھ/261ھ	احمد بن حنبل، بخاری، یحییٰ بن معین	ترمذی، عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی
ابن ماجہ ،محمد بن یزید القزوینی، ابوعبداللہ	209ھ/273ھ	ابوبکر بن ابی شیبہ، ابراہیم بن منذر، ابوزرعہ	ابراہیم بن دینار، جعفر بن ادریس
ابوداود ،سلیمان بن اشعث السجستانی	000ھ/275ھ	احمد بن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ، اسحٰق بن راہویہ	ترمذی، عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی
ترمذی ،محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ	000ھ/279ھ	بخاری، مسلم، قتیبہ بن سعید، ابراہیم الہروی	حماد بن شاکر الوراق، حسین بن یوسف الفربری
نسائی ،احمد بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن	215ھ/303ھ	سراج الدین بلقینی، شرف الدین مناوی	ابوجعفر طحاوی، ابوجعفر ابن النحاس

بکثرت روایت کرنے والے صحابہ

اسماء	ابوہریرہؓ	عبداللہ بن عمرؓ	انس بن مالکؓ	عائشہؓ	جابر بن عبداللہؓ	عبداللہ بن عباسؓ	ابوسعید خدریؓ
تعدادِ روایات	5374	2630	2286	2210	1540	1160	1100

بکثرت روایت کرنے والے تابعین

عامر شعبیؒ	شعبہ بن حجاجؒ	عطاء بن ابی رباحؒ	عکرمہؒ مولیٰ ابن عباسؓ	سعید بن جبیرؒ	سعید بن میتبؒ	حسن بصریؒ

کتب صحاح ستہ کی تعدادِ روایات

اسماء	صحیح بخاری	صحیح مسلم	جامع ترمذی	سنن ابو داود	سنن نسائی	سنن ابن ماجه
تعداد روایات	7397 (مع مکررات) 2602 (بدون مکررات) بمطابق حافظ ابن حجرؒ	7563 (مع مکررات) 3033 (بدون مکررات) بمطابق فؤاد عبدالباقی	3956 (بین الاقوامی نمبرنگ) صحیح روایات: 3101 ضعیف روایات: 832 بمطابق شیخ البانیؒ	5274 (بین الاقوامی نمبرنگ) صحیح روایات: 4393 ضعیف روایات: 1127 بمطابق شیخ البانیؒ	5761 (بین الاقوامی نمبرنگ) صحیح روایات: 5314 ضعیف روایات: 447 بمطابق شیخ البانیؒ	4341 (بین الاقوامی نمبرنگ) صحیح روایات: 3503 ضعیف روایات: 948 بمطابق شیخ البانیؒ

اصطلاح	تعریف
اجتہاد	شرعی احکام کے علم کی تلاش میں ایک مجتہد کا استنباطِ احکام کے طریقے سے اپنی بھرپور ذہنی کوشش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔
اجماع	اجماع سے مراد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی خاص دور میں (امت مسلمہ کے) تمام مجتہدین کا کسی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔
استحسان	قرآن' سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دینا۔ اس کے علاوہ بھی اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔
استصحاب	شرعی دلیل نہ ملنے پر مجتہد کا اصل کو پکڑ لینا استصحاب کہلاتا ہے۔ واضح رہے کہ تمام نفع بخش اشیاء میں اصل اباحت ہے اور تمام ضرر رساں اشیاء میں اصل حرمت ہے۔
اصل	اصول کا واحد ہے اور اس کے پانچ معانی ہیں۔ (1) دلیل (2) قاعدہ (3) بنیاد (4) راجح بات (5) حالت مستصحبہ۔
امام	کسی بھی فن کا معروف عالم جیسے فن حدیث میں امام بخاری اور فن فقہ میں امام ابوحنیفہ۔
آحاد	خبر واحد کی جمع ہے۔ اس سے مراد ایسی حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد متواتر حدیث کے راویوں سے کم ہو۔
آثار	ایسے اقوال اور افعال جو صحابہ کرام اور تابعین کی طرف منقول ہوں۔
اطراف	وہ کتاب جس میں ہر حدیث کا ایسا حصہ لکھا گیا ہو جو باقی حدیث پر دلالت کرتا ہو مثلاً تحفۃ الأشراف از امام مزی وغیرہ۔
اجزاء	اجزاء جزء کی جمع ہے۔ اور جزء اس چھوٹی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص موضوع سے متعلق بالاستیعاب احادیث جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو مثلاً جزء رفع الیدین از امام بخاری وغیرہ۔
اربعین	حدیث کی وہ کتاب جس میں کسی بھی موضوع سے متعلقہ چالیس احادیث ہوں۔
الاعتبار	کسی حدیث کے لیے کتب حدیث سے متابع اور شاہد تلاش کرنا۔
الاجازۃ	شیخ اپنے شاگرد کو اپنی کل یا بعض مرویات روایت کرنے کی اجازت دینا۔
باب	کتاب کا وہ حصہ جس میں ایک ہی نوع سے متعلقہ مسائل بیان کیے گئے ہوں۔
تابع	وہ راوی جو کسی ایسے راوی کے موافق روایت کرے جس کے متعلق تفرد کا گمان کیا گیا تھا بشرطیکہ ان دونوں کی روایت ایک ہی صحابی سے ہو۔ اس موافقت کو متابعت کہتے ہیں۔
تعارض	ایک ہی مسئلہ میں دو مخالف احادیث کا جمع ہو جانا تعارض کہلاتا ہے۔

ترجیح	باہم مخالف دلائل میں سے کسی ایک کو عمل کے لیے زیادہ مناسب قرار دے دینا ترجیح کہلاتا ہے۔
تابعی	ایسا شخص جو حالتِ اسلام میں کسی صحابیِ رسول ﷺ سے ملا ہو اور پھر حالتِ اسلام میں ہی فوت ہوا ہو۔
تعدیل	کسی راوی کی وہ خوبیاں بیان کرنا جو اس کی حدیث قبول کرنے کا موجب ہوں۔
جائز	ایسا شرعی حکم جس کے کرنے اور چھوڑنے میں اختیار ہو۔ مباح اور حلال بھی اسی کو کہتے ہیں۔
جامع	حدیث کی وہ کتاب جس میں مکمل اسلامی معلومات مثلاً عقائد' عبادات' معاملات' تفسیر' سیرت' مناقب' فتن اور روزِ محشر کے احوال وغیرہ سب جمع کر دیا گیا ہو۔
الجمع بین الاحادیث	دو باہم متعارض احادیث سے ایسا مفہوم مراد لینا جس سے دونوں پر عمل ممکن ہو جائے۔
جرح	کسی راوی کی وہ کمزوریاں بیان کرنا جو اس کی روایت رد کرنے کا موجب ہوں۔
حدیث	ایسا قول' فعل اور تقریر جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔ سنت کی بھی یہی تعریف ہے۔ یاد رہے کہ تقریر سے مراد آپ ﷺ کی طرف سے کسی کام کی اجازت ہے۔
حدیثِ قدسی	وہ فرمانِ رسول جس کی نسبت آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہو۔
حسن	جس حدیث کے راوی حافظے کے اعتبار سے صحیح حدیث کے راویوں سے کم درجے کے ہوں۔
حرام	شارع علیہ السلام نے جس کام سے لازمی طور پر بچنے کا حکم دیا ہو نیز اس کے کرنے میں گناہ ہو جبکہ اس سے اجتناب میں ثواب ہو۔
خبر	خبر کے متعلق تین اقوال ہیں۔ (1) خبر حدیث کا ہی دوسرا نام ہے۔ (2) حدیث وہ ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور سے منقول ہو۔ (3) خبر حدیث سے عام ہے یعنی اس روایت کو بھی کہتے ہیں جو نبی ﷺ سے منقول ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو۔
راجح	ایسی رائے جو دیگر آراء کے بالمقابل زیادہ صحیح اور اقرب الی الحق ہو۔
الروایۃ بالمعنی	کسی حدیث کے سنے ہوئے الفاظ کے بجائے اس کا معنی اپنے الفاظ میں بیان کر دینا۔ جمہور ائمہ کے نزدیک یہ صرف اس وقت جائز ہے جب راوی صاحبِ فہم ہو اور الفاظ کی تبدیلی سے معانی پر کوئی اثر نہ ہو۔
سنن	حدیث کی وہ کتب جن میں صرف احکام کی احادیث جمع کی گئی ہوں مثلاً سنن نسائی' سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داود وغیرہ۔
سند	راویوں کا وہ سلسلہ جو متن تک پہنچائے۔
السماع من لفظ الشیخ	استاد کے منہ سے حدیث سننا۔
سد الذرائع	ان مباح کاموں سے روک دینا کہ جن کے ذریعے ایسی ممنوع چیز کے ارتکاب کا واضح اندیشہ ہو جو فساد و خرابی پر مشتمل ہو۔

شریعت	قرآن وسنت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے احکامات۔
شارع	شریعت بنانے والا یعنی اللہ تعالیٰ اور مجازی طور پر اللہ کے رسول ﷺ پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔
شاذ	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ایک ثقہ راوی نے اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کی ہو۔
شاہد	اگر کسی حدیث پر غرابت کا گمان کیا گیا ہو اور کسی دوسرے صحابی سے اس کے موافق روایت مل جائے تو اس دوسری روایت کو شاہد کہتے ہیں۔
صحیح	جس حدیث کی سند متصل ہو اور اس کے تمام راوی ثقہ دیانت دار اور قوت حافظہ کے مالک ہوں۔ نیز اس حدیث میں شذوذ اور کوئی خفیہ خرابی بھی نہ ہو۔
صحیحین	صحیح احادیث کی دو کتابیں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔
صحاح ستہ	معروف حدیث کی چھ کتب یعنی بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ۔
صحابی	ہر ایسا شخص جس نے حالت اسلام میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو اور پھر حالت اسلام میں ہی وفات پائے۔
ضعیف	ایسی حدیث جس میں نہ تو صحیح حدیث کی صفات پائی جائیں اور نہ ہی حسن حدیث کی۔
عرف	عرف سے مراد ایسا قول یا فعل ہے، جس سے معاشرہ مانوس ہو، اس کا عادی ہو، یا اس کا ان میں رواج ہو۔
علت	علم فقہ میں علت سے مراد وہ چیز ہے جسے شارع u نے کسی حکم کے وجود اور عدم میں علامت مقرر کیا ہو جیسے نشہ حرمت شراب کی علت ہے۔
علت	علم حدیث میں علت سے مراد ایسا خفیہ سبب ہے جو حدیث کی صحت کو نقصان پہنچاتا ہو اور اسے صرف فن حدیث کے ماہر علماء ہی سمجھتے ہوں۔
العالی والنازل	اگر ایک حدیث کی دو سندوں میں سے ایک سند کے واسطے دوسری سند کی نسبت کم ہوں تو کم واسطوں والی سند کو العالی اور زیادہ واسطوں والی سند کو النازل کہتے ہیں۔
فقہ	ایسا علم جس میں اُن شرعی احکام سے بحث ہوتی ہو جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہے۔
فقیہ	علم فقہ جاننے والا بہت سمجھدار شخص۔
فقہاء سبعہ	اہل مدینہ کے یہ سات فقیہ مراد ہیں۔ سعید بن مسیبؒ، قاسم بن محمدؒ، عروہ بن زبیرؒ، خارجہ بن زیدؒ، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰنؒ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ اور سلیمان بن یسارؒ۔
فصل	باب کا ایسا جزء جس میں ایک خاص موضوع سے متعلقہ مسائل مذکور ہوں۔
فرض	شارع علیہ السلام نے جس کام کو لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو نیز اسے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ ہو مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔

قیاس	قیاس یہ ہے کہ فرع (ایسا مسئلہ جس کے متعلق کتاب وسنت میں حکم موجود نہ ہو) کو حکم میں اصل (ایسا حکم جو کتاب وسنت میں موجود ہو) کے ساتھ اس وجہ سے ملا لینا کہ ان دونوں کے درمیان علت مشترک ہے۔
القراءۃ علی الشیخ	شاگرد کا استاد کے سامنے حدیث پڑھنا۔
کتاب	کتاب مستقل حیثیت کے حامل مسائل کے مجموعے کو کہتے ہیں' خواہ وہ کئی انواع پر مشتمل ہو یا نہ ہو مثلاً کتاب الطھارۃ وغیرہ۔
مستحب	ایسا کام جسے کرنے میں ثواب ہو جبکہ اسے چھوڑنے میں گناہ نہ ہو مثلاً مسواک وغیرہ۔ یاد رہے کہ علم فقہ میں مندوب' نفل اور سنت اسی کو کہتے ہیں۔
مکروہ	جس کام کو نہ کرنا اسے کرنے سے بہتر ہو اور اس سے بچنے پر ثواب ہو جبکہ اسے کرنے پر گناہ نہ ہو مثلاً کثرت سوال وغیرہ۔
مجتہد	جس شخص میں اجتہاد کا ملکہ موجود ہو یعنی اس میں فقہی مآخذ سے شریعت کے عملی احکام مستنبط کرنے کی پوری قدرت موجود ہو۔
مصالح مرسلہ	یہ ایسی مصلحت ہے کہ جس کے متعلق شارع علیہ السلام سے کوئی ایسی دلیل نہ ملتی ہو جو اس کے معتبر ہونے یا اسے لغو کرنے پر دلالت کرتی ہو۔
موقف	کسی مسئلہ میں کسی عالم کی ذاتی رائے جسے اس نے دلائل کے ذریعے اختیار کیا ہو۔
مسلک	اس کی بھی وہی تعریف ہے جو موقف کی ہے لیکن یہ لفظ مختلف مکاتب فکر کی نمائندگی کے لیے معروف ہو چکا ہے مثلاً حنفی مسلک وغیرہ۔
مذہب	لغوی طور پر اس کی بھی وہی تعریف ہے جو مسلک کی ہے لیکن عوام میں یہ لفظ دین (جیسے مذہب عیسائیت وغیرہ) اور فرقہ (جیسے حنفی مذہب وغیرہ) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
مراجع	وہ کتابیں جن سے کسی کتاب کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہو۔
متواتر	وہ حدیث جسے بیان کرنے والے راویوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہو جانا عقلاً محال ہو۔
مرفوع	جس حدیث کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔ اس کی چار قسمیں ہیں: مرفوع قولی، مرفوع فعلی، مرفوع تقریری اور مرفوع وصفی۔
مرفوع قولی	صحابی یا کوئی اور یوں حدیث بیان کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
مرفوع فعلی	صحابی یا کوئی اور یوں بیان کرے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح کیا۔
مرفوع تقریری	صحابی یا کوئی اور یوں کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں یہ کام کیا اور آپ ﷺ نے کچھ نہ کہا۔
مرفوع وصفی	صحابی یا کوئی اور رسول اللہ ﷺ کا کوئی وصف بیان کرے۔
موقوف	جس حدیث کو صحابی کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔

مقطوع	جس حدیث کو تابعی یا اس سے کم درجے کے کسی شخص کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ۔
موضوع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کسی من گھڑت خبر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔
مرسل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں کوئی تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے۔
معلق	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس میں ابتدائے سند سے ایک یا سارے راوی ساقط ہوں۔
معضل	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کے درمیان سے اکٹھے دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہوں۔
منقطع	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کی سند کسی بھی وجہ سے منقطع ہو یعنی متصل نہ ہو۔
متروک	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کے کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت ہو۔
منکر	ضعیف حدیث کی وہ قسم جس کا کوئی راوی فاسق، بدعتی، بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا یا بہت زیادہ غفلت برتنے والا ہو۔
مسند	حدیث کی وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی احادیث کو الگ الگ جمع کیا گیا ہو مثلاً مسند شافعی وغیرہ۔
مستدرک	ایسی کتاب جس میں کسی محدث کی شرائط کے مطابق ان احادیث کو جمع کیا گیا ہو جنہیں اس محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا مثلاً مستدرک حاکم وغیرہ۔
مستخرج	جس کتاب میں مصنف نے کسی دوسری کتاب کی احادیث کو اپنی سند سے روایت کیا ہو مثلاً مستخرج ابو نعیم الاصبہانی وغیرہ۔
معجم	جس کتاب میں مصنف نے اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہوں مثلاً معجم کبیر از طبرانی وغیرہ۔
مخضرم	ایسا شخص جس نے دورِ جاہلیت بھی پایا ہو اور زمانہ اسلام بھی لیکن قبولِ اسلام کے بعد زیارتِ رسول سے محروم رہا ہو۔
محکم	جس حدیث کے معارض نہ کوئی آیت ہو اور نہ کوئی حدیث۔
متن	کلام کا وہ حصہ جو سند ختم ہونے کے بعد شروع ہو۔
المکاتبۃ	شیخ کا اپنے شاگرد کی طرف حدیث لکھ کر بھیجنا۔
المناولۃ	شیخ کا اپنے شاگرد کو کتاب دینا۔
نسخ	بعد میں نازل ہونے والی دلیل کے ذریعے پہلے نازل شدہ حکم کو ختم کر دینا نسخ کہلاتا ہے۔
واجب	واجب کی تعریف وہی ہے جو فرض کی ہے۔ جمہور فقہا کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ حنفی فقہا اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔
الوجادۃ	شیخ کی تحریر کردہ احادیث پالینا خواہ کتابی شکل میں ہوں یا کسی اور صورت میں۔

مقدمة

حدیث کا معنی ومفہوم

لغوی اعتبار سے لفظ حدیث کا معنی ہے ''کسی چیز کا نیا اور جدید ہونا'' اس کی جمع خلاف قیاس ''احادیث'' آتی ہے۔ جبکہ اصطلاحی طور پر حدیث کی تعریف یہ ہے: ((کُلُّ مَا أُضِیفَ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ أَوْ تَقْرِیرٍ أَوْ صِفَةٍ)) ''ہر وہ قول' فعل' تقریر یا صفت جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو۔''

حدیث کی اہمیت وحجیت

(1) قرآن کی طرح حدیث بھی وحی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى ﴾ [النجم: ٣۔٤] ''آپ ﷺ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ ﷺ پر بھیجی جاتی ہے۔'' ایک روایت میں یہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ أَلَا وَإِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ﴾ ''خبردار! مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز (یعنی حدیث) بھی دی گئی ہے۔''(١)

(2) اطاعتِ الٰہی کے ساتھ اطاعتِ رسول کا بھی حکم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴾ [محمد: ٣٣] ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان میں سے کسی کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال برباد مت کرو۔''

(3) حدیث کے بغیر قرآنی احکام کو سمجھنا ناممکن ہے کیونکہ حدیث قرآن کی مفسر ہے جیسا کہ قرآن میں نماز' زکوۃ اور حج کی ادائیگی کا حکم تو موجود ہے مگر نماز کی تعداد رکعات' زکوۃ کا نصاب اور حج کا طریقہ کار وغیرہ موجود نہیں بلکہ یہ تفصیل صرف حدیث میں ہے۔

(4) حدیث کچھ ایسے احکام بھی بیان کرتی ہیں جن سے قرآن نے سکوت اختیار کیا ہے مثلاً عورت اور اس کی خالہ یا پھوپھی کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی حرمت وغیرہ۔

(5) اطاعتِ رسول حبِ رسول کا لازمی تقاضا ہے اور حبِ رسول کے بغیر انسان کا ایمان ہی مکمل نہیں۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴾ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (١)

(6) اطاعتِ رسول ہی ذریعہ ہدایت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ﴾ [النور: ٥٤] ''اور اگر تم اس (رسول ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔''

(7) عصر حاضر کے ایک نامور سکالر پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہؒ نے فرانس کی ایک لائبریری سے ہمام بن منبہؒ (شاگرد رشید حضرت

---

(١) [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (٢٦٤٣) ابوداود (٤٦٠٤) کتاب السنة: باب فی لزوم السنة]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کا وہ صحیفہ (مخطوطے کی صورت میں) دریافت کر کے طبع کروایا ہے جسے حدیث کا پہلا تحریری مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔ حجیت حدیث اور ردِ فتنۂ انکارِ حدیث کے لیے یہ صحیفہ ہی کافی ہے۔

کتابتِ حدیث

احادیث کی کتابت کا سلسلہ دورِ نبوی میں ہی آپ ﷺ کے حکم سے شروع ہو گیا تھا جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ ''ابوشاہ کو (احادیث) لکھ کر دو۔'' (۲) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے' مجھے اصحابِ رسول میں سب سے زیادہ احادیث یاد ہیں سوائے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کیونکہ وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (۳) ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''احادیث لکھ لیا کرو کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان دونوں ہونٹوں سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔'' (۴) ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ''علم کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرو۔'' (۵) علاوہ ازیں جن روایات میں کتابتِ حدیث سے ممانعت منقول ہے (۶) ان کا مفہوم یہ ہے کہ ابتدا میں اس خدشہ کے پیشِ نظر کتابتِ حدیث سے منع کیا گیا تھا کہ کہیں قرآن اور حدیث میں اختلاط نہ ہو جائے اور جب یہ خدشہ ختم ہو گیا تو کتابت کی اجازت دے دی گئی اور اس طرح کتابتِ حدیث سے ممانعت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

حدیث کی پہلی مدون کتاب

حدیث کی پہلی مدون و مرتب کتاب مؤطا بتائی جاتی ہے' یہ فقہی ترتیب پر مشتمل ہے۔ مؤطا عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے ''ایسا راستہ جس پر کثرت کے ساتھ لوگ چلے ہوں۔'' مراد ہے وہ طریقِ مستقیم جسے محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سلف صالحین' ائمہ دین اور اکابر علمائے ملت نے اپنایا۔ اہل علم نے کہا ہے کہ یہ کتاب 140ھ کے قریب ترتیب دی گئی۔ اس میں صحابہ و تابعین کے اقوال ملا کر کل 1720 روایات ہیں' جن میں مرفوع احادیث 600' مرسل روایات 222' موقوف روایات 613 اور اقوالِ تابعین 285 ہیں۔ مختلف ادوار میں مختلف علاقوں میں اس کی شروحات و تعلیقات لکھی گئیں' جن میں امام ابن عبد البر کی التمهيد اور الاستذكار' امام سیوطی کی تنوير الحوالك' امام زرقانی ؒ کی المنتقىٰ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کی المصفىٰ (فارسی میں) اور المسوىٰ (عربی میں) قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے مرتب امام مالک ؒ ہیں جن کا مکمل نام ''مالک بن انس بن عامر بن مالک'' اور لقب ''امام دار الهجرة'' ہے۔ آپ ؒ 93ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور 179ھ میں مدینہ میں ہی فوت ہوئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال حافظہ عطا فرمایا تھا' آپ اپنے اساتذہ

---

(۱) [المشكاة (۷) رواه البخاري ومسلم]

(۲) [صحيح: صحيح ابوداود' ابوداود (۲۰۱۷) كتاب المناسك: باب تحريم حرم مكة' ترمذی (۲٦٦۷) كتاب العلم: باب ما جاء في الرخصة فيه]

(۳) [صحيح: صحيح ترمذی' ترمذی (۲٦٦۸) كتاب العلم: باب ما جاء في الرخصة فيه]

(٤) [صحيح: صحيح الجامع الصغير (۱۱۹٦) السلسلة الصحيحة (۱۰۳۲) ابوداود (۳٦٤٦)]

(۵) [صحيح: صحيح الجامع الصغير (٤٤۳٤) السلسلة الصحيحة (۲۰۲٦)]

(٦) [صحيح: صحيح الجامع الصغير (۷٤۳٤)]

سے ایک مرتبہ جو احادیث سن لیتے پھر وہ کبھی نہ بھولتے۔ آپ تقویٰ و پرہیزگاری میں بھی عالی مرتبہ کے مالک تھے۔ ترتیب المدارک میں ہے کہ آپ مشاغلِ تعلیم وتعلم کے بعد ہر وقت اللہ کی عبادت اور تلاوتِ قرآن میں ہی مصروف رہتے اور بطورِ خاص شب جمعہ تو ساری عبادت میں ہی گزارتے۔ حق گوئی میں اس قدر بے باک تھے کہ آپ کو اس کی خاطر حاکمِ وقت کی مخالفت اور اس کی طرف سے ایذائیں اور سزائیں تک برداشت کرنی پڑیں مگر آپ کے پائے بے ثبات کہیں بھی متزلزل نہ ہوئے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے پیدا فرمایا تھا اس کے لیے آپ کو اس جیسی عظیم صفات سے بھی متصف فرما دیا تھا۔

کتب سبعہ کا مختصر تعارف

کتب سبعہ سے مراد ہے حدیث کی معروف سات کتابیں۔ مسند احمد' صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ابوداود' جامع ترمذی' سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔ مسند احمد کے علاوہ باقی چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں۔ ان کتب کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

مسند احمد

تالیف: ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی، بغدادی۔ [ولادت: 164ھ (بغداد)، وفات: 241ھ (بغداد)]

تعداد احادیث: 27647 (یہ تعداد اس مسند احمد کی ہے جس کی تحقیق شیخ شعیب ارناؤوط کی زیر نگرانی حال ہی میں مکمل ہوئی ہے اور مؤسسۃ الرسالہ نے اسے پچاس جلدوں میں زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے)۔

خصوصیات: (1) اس میں ہر صحابی کی روایات الگ الگ ذکر کی گئی ہیں۔ (2) احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہونے کے باعث تقریباً ہر موضوع سے متعلقہ احادیث اس میں مل جاتی ہیں۔ (3) اس میں تقریباً تین سو ثلاثی روایات ہیں۔ (4) دیگر مسانید سے صحیح تر ہے۔

صحیح بخاری

تالیف: ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری۔ [ولادت: 194ھ (بخارا)، وفات: 256ھ (سمرقند)]

مکمل نام: الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ وسننہ وأیامہ ۔ ایک روایت میں یہ نام مذکور ہے الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ وسننہ وأیامہ ۔

تعداد احادیث: موصول مرفوع روایات کی تعداد مع مکررات 7397 اور مکررات کے بغیر 2602 ہے (جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے' البتہ بین الاقوامی نمبرنگ کے مطابق مکررات سمیت 7563 تعداد ہے۔ امام بخاریؒ نے 6 لاکھ احادیث میں سے 16 سال کے عرصہ میں ان روایات کا انتخاب فرمایا اور انہیں ترتیب دیا)۔

خصوصیات: (1) اس کتاب کو قرآن کے بعد حدیث کی سب سے زیادہ صحیح کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ (2) اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ (3) اس کے تراجم ابواب میں امام بخاریؒ نے بہت سارے فقہی مسائل بیان کر دیئے ہیں۔ (4) یہ جامع کتاب ہے یعنی اس میں تقریباً زندگی کے ہر شعبہ (مثلاً عقائد' احکام' سیر' تفسیر' فتن' مغازی اور مناقب وغیرہ) سے متعلق احادیث یکجا کی گئی ہیں۔

صحیح مسلم

تالیف: ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری، نیشاپوری۔ [ولادت: 204ھ (نیشاپور)، وفات: 261ھ (نیشاپور)]

تعداد احادیث: 3033 (محمد فواد عبد الباقی کی نمبرنگ کے مطابق) اور مکررات سمیت 7563 (بین الاقوامی نمبرنگ کے مطابق) علاوہ ازیں مکررات کے بغیر 4000 اور مکررات سمیت 7275 بھی تعداد بتائی جاتی ہے۔

خصوصیات: (1) اس کتاب کو قرآن کے بعد حدیث کی دوسری صحیح ترین کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ (2) اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ (3) اس میں قریب المعنی اور ملتی جلتی احادیث کو ایک ہی مقام پر یکجا کیا گیا ہے۔ (4) نیز ملتی جلتی روایات کے مختلف طرق و اسانید اور ان کے الفاظ کے فرق و اختلاف کو بھی نہایت ترتیب و احتیاط سے بیان کیا گیا ہے۔

❑ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو صحیحین کہتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کتب کی تمام روایات کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے لیکن صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی گئی ہے اور اس کی چند وجوہات یہ ہیں:

1- امام بخاری امام مسلم کی نسبت علم حدیث کو زیادہ جانتے ہیں اس لیے صحیح بخاری کو ترجیح حاصل ہے۔
2- اتصال سند میں امام مسلم کی نسبت امام بخاری کی شرائط سخت ہیں (امام بخاری کا قول ہے کہ راوی جس سے روایت کرے اس کے ساتھ کم از کم ایک بار ملاقات شرط ہے' جبکہ امام مسلم کے ہاں ایسی کوئی شرط نہیں)۔
3- صحیح بخاری کے رواۃ صحیح مسلم کے رواۃ کی نسبت کم مجروح ہیں۔
4- صحیح بخاری میں صحیح مسلم کی نسبت شاذ اور معلل روایات بہت کم ہیں۔
5- امام بخاری کے سامنے تصنیف حدیث کا کوئی نمونہ نہیں تھا مگر امام مسلم کے سامنے بخاری کا نمونہ موجود تھا۔
6- بخاری کی اکثر احادیث پہلے طبقہ سے ہیں جبکہ مسلم میں ایسا نہیں۔
7- امام بخاری امام مسلم کے استاد ہیں' اس لیے استاد کو بزرگی حاصل ہے۔

❑ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں صحیح کے ساتھ ساتھ ضعیف روایات بھی پائی جاتی ہیں۔

سنن ابو داود

تالیف: ابو داود سلیمان بن اشعث السجستانی۔ [ولادت: 202ھ (سجستان)، وفات: 275ھ (بصرہ)]

تعداد احادیث: 5274 (بین الاقوامی نمبرنگ کے مطابق)۔

خصوصیات: (1) یہ کتاب فقہی ترتیب پر مشتمل ہے۔ (2) اس میں امام ابو داود نے تقریباً ہر باب کا عنوان وہی قائم کیا ہے جو کسی امام نے اس سے مسئلہ استنباط کیا ہے۔ (3) امام ابو داود کے بقول اس میں صرف صحیح یا صحیح کے مشابہ روایات کو جمع کیا گیا ہے (لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں ضعیف روایات بھی موجود ہیں)۔

جامع ترمذی

تالیف: ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی۔ [ولادت: 209ھ (ترمذ)، وفات: 279ھ (ترمذ)]

تعداد احادیث: 3956 (بین الاقوامی نمبرنگ کے مطابق)۔

خصوصیات: (1) یہ کتاب فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہے۔ (2) ہر حدیث بیان کرنے کے بعد اس کا درجہ (یعنی صحیح، حسن، ضعیف اور غریب وغیرہ) بھی بیان کیا گیا ہے۔ (3) اگر حدیث ضعیف ہے تو اس کا وجہ ضعف بھی واضح کیا گیا ہے۔ (4) اختلافی مسائل میں

صحابہ وتابعین اور علماء وفقہاء کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔(5) صرف ایک ہی سند کے ساتھ حدیث بیان کر کے دوسری اسانید کی طرف محض اشارے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

سنن نسائی

تالیف: ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی۔[ولادت: 215ھ(خراسان کے شہر نساء میں)، وفات: 303ھ(مکہ)]

تعداد احادیث: 5761 (بین الاقوامی نمبرنگ کے مطابق)۔

خصوصیات: (1) امام نسائی نے پہلے السنن الکبریٰ مرتب کی؛ جس میں صحیح وسقیم ہر طرح کی روایات موجود تھیں۔ پھر اس کا اختصار کیا اور (مرتب کے بقول) صرف صحیح احادیث کو الگ کر دیا (لیکن فی الحقیقت اس میں ابھی بھی ضعیف روایات موجود ہیں) اور اس کا نام السنن الصغریٰ المسمی به المجتبیٰ رکھا؛ بعد میں یہ کتاب سنن نسائی کے نام سے معروف ہوگئی۔(2) اس میں سب سے کم ضعیف روایات ہیں۔(3) اہل علم نے کہا ہے کہ سنن نسائی کا درجہ صحیحین کے بعد ہے۔

سنن ابن ماجہ

تالیف: ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی۔[ولادت: 209ھ، وفات: 273ھ]

تعداد احادیث: 4341 (بین الاقوامی نمبرنگ کے مطابق)۔

خصوصیات: (1) اس میں اکثر وہ احادیث ہیں جو دوسری کتب صحاح میں موجود نہیں۔(2) اس میں مکرر احادیث نہیں ہیں۔(3) اس کی ترتیب فقہی ابواب پر مشتمل ہے۔

حدیث کی چند دیگر اہم کتب

1- سنن دارمی
2- سنن دارقطنی
3- سنن سعید بن منصور
4- السنن الکبری للنسائی
5- السنن الکبری للبیهقی
6- شعب الایمان للبیهقی
7- دلائل النبوة للبیهقی
8- معرفة السنن والآثار للبیهقی
9- کشف الأستار للبزار
10- صحیح ابن خزیمه
11- صحیح ابن حبان
12- مسند شافعی
13- مسند ابویعلی
14- مسند عبد بن حمید
15- مسند طیالسی
16- مسند حمیدی
17- مسند ابی عوانة
18- المعجم الکبیر للطبرانی
19- المعجم الأوسط للطبرانی
20- المعجم الصغیر للطبرانی
21- مصنف عبد الرزاق
22- مصنف ابن ابی شیبة
23- مستدرک حاکم
24- الأدب المفرد للبخاری
25- الالمام لابن دقیق العید
26- ریاض الصالحین للنووی
27- الترغیب للمنذری
28- صحیح الجامع الصغیر للألبانی
29- السلسلة الصحیحة للألبانی
30- ارواء الغلیل للألبانی

بلوغ المرام

بلوغ المرام احادیث احکام پر مشتمل حافظ ابن حجرؒ کی معروف ومقبول کتاب ہے جو دنیا بھر کے اکثر و بیشتر مدارسِ دینیہ کے نصاب کا حصہ بھی ہے۔اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار احادیث ہیں؛ جن میں سے اکثر صحیح اور چند ضعیف ہیں۔ ہماری ترتیب کے

مطابق اس کی احادیث 1574 ہیں' جن میں سے (علامہ البانی ؒ کی تحقیق کے مطابق) 1417 صحیح اور 157 ضعیف ہیں۔ مؤلف ؒ نے اس کی احادیث' ابواب اور کتب کو کتب فقہ کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ ہر حدیث کے بعد اس کا درجہ (یعنی صحیح' حسن یا ضعیف) بھی حسب ضرورت نقل کر دیا ہے۔ غالب طور پر ہر باب کی ابتداء میں صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کتاب کی احادیث اور پھر باب سے متعلقہ سنن یا دیگر کتب کی احادیث ذکر کی ہیں۔ اس کی متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں جن میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں: البدر التمام از شیخ حسین بن محمد المغربی الصعانی' سبل السلام از شیخ محمد بن اسماعیل الصنعانی' توضیح الاحکام از شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن البسام اور فتح العلام از شیخ محمد بن صدیق حسن خان وغیرہ۔

مؤلف بلوغ المرام کے مختصر حالات زندگی

نام ونسب: امام علامہ شہاب الدین حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن حجر عسقلانی ؒ۔

مقام وتاریخ پیدائش: آپ ؒ مصر میں 10 (بعض کے بقول 22 یا 13) شعبان 773ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپ ؒ نے مصر میں ہی پرورش پائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؒ کو غضب کی قوت حافظہ عطا کر رکھی تھی۔ 9 سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد ابن الفقیہ سے تجوید پڑھی۔ ابتدائی عمر میں ہی العمدۃ' الحاوی الصغیر' مختصر ابن الحاجب اور چند دیگر کتب حفظ کر لیں۔ دیگر محدثین کی طرح آپ ؒ نے بھی طلب علم (مثلاً علوم الحدیث' علوم الفقہ اور علوم التفسیر وغیرہ) اور تحقیق مسائل کی غرض سے مختلف علاقوں مثلاً حجاز' شام' فلسطین اور یمن وغیرہ کا سفر کیا۔

اساتذہ: آپ ؒ کے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں:

السراج بلقینی	السراج ابن الملقن	عبد الرحیم بن رزین	حافظ عراقی
جمال بن ظهیرہ	عز بن جماعہ	البرهان التنوخی	ابن هشام

مؤلفات: آپ ؒ نے کم وبیش 150 کتب تالیف کیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں:

فتح الباری	تهذیب التهذیب	تقریب التهذیب	تلخیص الحبیر
بلوغ المرام	الاصابة فی تمییز الصحابة	المطالب العالیة	الدرایة فی تخریج الهدایة

مناصب: پہلے حاکم وقت نے آپ ؒ کو منصب قضاء میں بلقینی ؒ کا نائب مقرر کیا' پھر 827ھ میں آپ کو مصری علاقوں کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا گیا' پھر کئی مرتبہ آپ اس عہدے سے دستبردار ہوئے لیکن آپ کو دوبارہ اس پر مقرر کر دیا جاتا بالآخر آپ جمادی الثانی 852ھ میں آخری مرتبہ دستبردار ہوئے اور اسی سال وفات پا گئے۔

وفات: آپ ؒ مصر میں ہی ہفتہ کے روز 8 (بعض کے بقول 18 یا 28) ذوالحجہ 852ھ میں فوت ہوئے۔ [جزاه الله خيرا وأحسن الجزاء]

❁ یقیناً حافظ ابن حجر ؒ کے متعلق یہ مختصر معلومات ان کے علم وفضل کی آگاہی کے لیے کافی تو نہیں مگر اس قدر اختصار کا رویہ اس لیے اپنایا گیا ہے تاکہ حفظ وضبط میں آسانی رہے' تفصیل کا طالب مطولات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

بلوغ المرام

کتاب الطھارۃ	طہارت کے مسائل
کتاب الصلاۃ	نماز کے مسائل
کتاب الجنائز	جنازے کے مسائل
کتاب الزکاۃ	زکوۃ کے مسائل
کتاب النکاح	نکاح کے مسائل
کتاب الصیام	روزوں کے مسائل
کتاب الحج	حج کے مسائل
کتاب البیوع	تجارت کے مسائل
کتاب النکاح	نکاح کے مسائل
کتاب الجنایات	جرائم کے مسائل
کتاب الحدود	حدود کے مسائل
کتاب الجھاد	جہاد کے مسائل
کتاب الأطعمة	کھانے کے مسائل
کتاب الایمان والنذور	قسموں اور نذر کے مسائل
کتاب القضاء	قضاء کے مسائل
کتاب العتق	آزادی کے مسائل
کتاب الجامع	جامع آداب کی کتاب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴾ [النجم : ۳۔ ٤]

"آپ ﷺ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ ﷺ پر بھیجی جاتی ہے۔"

فرمانِ نبوی ہے کہ

﴿ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَبَلَّغَهَا ﴾

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے میری بات سن کر آگے پہنچا دی۔"

[صحیح : ابن ماجه (۲۳۰)]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى نِعَمِهِ الظَّاهِرَةِ وَ الْبَاطِنَةِ قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا وَ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ عَلَى نَبِيِّهِ وَ رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ صَحْبِهِ الَّذِيْنَ سَارُوْا فِيْ نُصْرَةِ دِيْنِهِ سَيْرًا حَثِيْثًا وَعَلَى أَتْبَاعِهِمُ الَّذِيْنَ وَرِثُوا الْعِلْمَ ، وَ الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، أَكْرِمْ بِهِمْ وَارِثًا وَ مَوْرُوْثًا ـ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اس کی ظاہری، باطنی، پرانی اور نئی نعمتوں کی بنا پر اور درود وسلام اس کے نبی اور رسول محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر جو آپ کے دین کی نصرت وحمایت میں بہت تیز چلے اور ان کے تبعین پر جو علم کے وارث بنے اور علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ کیا ہی اچھے ہیں یہ وارث اور کیا ہی عمدہ ہے یہ ورثہ۔

أَمَّا بَعْدُ ، فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ يَشْتَمِلُ عَلَى أُصُوْلِ الْأَدِلَّةِ الْحَدِيْثِيَّةِ لِلْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ حَرَّرْتُهُ تَحْرِيْرًا بَالِغًا ، لِيَصِيْرَ مَنْ يَحْفَظُهُ مِنْ بَيْنِ أَقْرَانِهِ نَابِغًا وَ يَسْتَعِيْنَ بِهِ الطَّالِبُ الْمُبْتَدِئُ ، وَلَا يَسْتَغْنِيْ عَنْهُ الرَّاغِبُ الْمُنْتَهِيْ ـ

حمد وصلاۃ کے بعد! یہ ایک مختصر کتاب ہے جو احادیث میں موجود شرعی احکام کے بنیادی دلائل پر مشتمل ہے' میں نے اس کی تہذیب میں پوری تندہی سے کام لیا ہے تاکہ اسے یاد کر لینے والا اپنے ساتھیوں میں ماہر وممتاز بن جائے اور ابتدائی طالب علم بھی اس کے ذریعے مدد حاصل کرے اور منتہی شوقین بھی اس سے مستغنی نہ ہو سکے۔

وَقَدْ بَيَّنْتُ عَقِبَ كُلِّ حَدِيْثٍ مَنْ أَخْرَجَهُ مِنَ الْأَئِمَّةِ ، لِإِرَادَةِ نُصْحِ الْأُمَّةِ ، فَالْمُرَادُ بِالسَّبْعَةِ : أَحْمَدُ وَ الْبُخَارِيُّ وَ مُسْلِمٌ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ بِالسِّتَّةِ : مَنْ عَدَا أَحْمَدَ ، وَبِالْخَمْسَةِ : مَنْ عَدَا الْبُخَارِيَّ وَ مُسْلِمًا ،

میں نے ہر حدیث کے بعد اس محدث کا نام بھی ذکر کر دیا ہے جس نے امت کی خیر خواہی کی غرض سے اس حدیث کو روایت کیا۔ پس سبعة سے میری مراد احمدؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداودؒ، نسائیؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ ہے اور ستة سے میری مراد احمدؒ کے علاوہ باقی ائمہ ہیں اور خمسة سے مراد بخاریؒ اور مسلمؒ کے علاوہ باقی ائمہ ہیں اور کبھی میں (خمسہ) کی بجائے

وَقَدْ أَقُولُ : الْأَرْبَعَةُ وَ أَحْمَدُ ، وَ بِالْأَرْبَعَةِ: مَنْ عَدَا الثَّلَاثَةَ الْأَوَّلَ ، وَ بِالثَّلَاثَةِ : مَنْ عَدَاهُمْ وَ الْأَخِيرَ، وَ بِالْمُتَّفَقِ : الْبُخَارِيُّ وَ مُسْلِمٌ ، وَقَدْ لَا أَذْكُرُ مَعَهُمَا غَيْرَهُمَا ، وَ مَا عَدَا ذٰلِكَ فَهُوَ مُبَيَّنٌ ۔

اربعہ اور احمد کہہ دیتا ہوں اور اربعة سے مراد پہلے تینوں کے علاوہ باقی ائمہ ہیں اور ثلاثة سے مراد پہلے تینوں اور آخری کے علاوہ باقی ائمہ ہیں اور متفق سے مراد بخاری اور مسلم ہیں اور کبھی میں ان دونوں کے ساتھ ان کے علاوہ (دوسرے ائمہ) کا ذکر چھوڑ دیتا ہوں اور ان صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں ہر حدیث کو بیان کرنے والے ائمہ کا ذکر واضح طور پر کر دیتا ہوں۔

وَ سَمَّيْتُهُ بُلُوْغُ الْمَرَامِ مِنْ أَدِلَّةِ الْأَحْكَامِ ، وَاللّٰهَ أَسْأَلُ أَنْ لَا يَجْعَلَ مَا عَلِمْنَاهُ عَلَيْنَا وَبَالًا وَ أَنْ يَرْزُقَنَا الْعَمَلَ بِمَا يَرْضَاهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى ۔

میں نے اس کا نام بلوغ المرام من أدلة الأحکام رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے علم کو ہمارے لیے وبال نہ بنائے بلکہ ہمیں اپنے پسندیدہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

لغوی توضیح عَلٰی نِعَمِهِ الظَّاهِرَةِ اس کی ظاہری نعمتوں پر' یعنی ایسی نعمتیں جن کا ادراک انسان کے لیے ممکن ہو مثلاً انسان کے اعضاء و جوارح' مختلف النوع سوآریاں اور کھانے وغیرہ۔ الْبَاطِنَة ایسی نعمتیں جن کا ادراک انسان کے لیے ممکن نہیں' ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے خواہ ان کا تعلق کائنات سے ہو یا انسان کے اپنے وجود سے۔ سَيْرًا حَثِيْثًا تیزی سے چلنا۔ حَرَّرْتُهُ میں نے اس کی تہذیب و تنقیح کی ہے۔ نَابِغًا ماہر و ممتاز۔ الْمُبْتَدِئُ ابتدائی طالب علم۔ الْمُنْتَهِيْ انتہا کو پہنچنے والا یعنی فن حدیث کا ماہر۔ بُلُوْغ پہنچنا۔ الْمَرَام مقصد۔

باب المیاہ — پانی کی (اقسام اور احکام) کا بیان

1- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْبَحْرِ: ((هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ ' وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سمندر کے پانی کے متعلق فرمایا ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔'' [اس حدیث کو چاروں یعنی ابوداود' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے' متن حدیث کے الفاظ ابن ابی شیبہ کے ہیں۔ امام ابن خزیمہؒ اور امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لفظ کتاب لغوی طور پر فرض' حکم' صحیفہ' وہ چیز جس میں لکھا جائے' جمع کرنا اور ملانا کے معانی میں مستعمل ہے اور یہ عربی گرائمر کے لحاظ سے باب کَتَبَ یَکْتُبُ (بروزن نصر) کا مصدر ہے۔ اس کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ کتاب مستقل حیثیت کے حامل مسائل کے مجموعے کو کہتے ہیں خواہ وہ کئی انواع (یعنی ابواب) پر مشتمل ہو یا نہ ہو۔ (۱)

لفظ طہارت باب طَهُرَ یَطْهُرُ (بروزن نصر، کرم) سے مصدر ہے اور پاکیزگی' صفائی ستھرائی' پاک ہونا' پاک کرنا سب اس کے معانی ہیں۔ لفظ طُهُوْر (طاء کے ضمہ کے ساتھ) ''پاک کرنا'' باب طَهُرَ سے مصدر ہے۔ اور لفظ طَهُوْر (طاء کے فتحہ کے ساتھ) ''پاک یا پاک کرنے والا'' بروزن فعول صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ طُهْر ''حالت حیض کے خلاف حالت کو کہتے ہیں۔'' تطهير (بروزن تفعیل) کا معنی ''پاک کرنا'' ہے۔ (۲) اصطلاحی اعتبار سے حدث کو رفع کرنے اور نجاست کو زائل کرنے کا نام طہارت ہے' جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام نوویؒ نے اس کی یہی تعریف کی ہے۔ (۳)

باب اسے کہتے ہیں جس میں ایک ہی نوع سے متعلق مسائل بیان کیے جائیں (٤) اور لفظ میاہ ماء کی جمع ہے جس کا معنی ہے ''پانی''۔ اگرچہ یہ لفظ جنس کے لیے مستعمل ہے لیکن اختلاف انواع (مثلاً کنوئیں کا پانی' سمندر کا پانی اور چشمے کا پانی

1- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۸۳) كتاب الطهارة: باب الوضوء بماء البحر' ترمذی (٦٩) نسائی (۱/۱۷٦) ابن ماجه (۳۸٦) احمد (۲/۳٦۱) مالك (۱/۲۲) مسند شافعی (۱/۱٦) ابن أبي شيبة (۱۰/۱۳۱) ابن الجارود (٤۳) حاكم (۱/۱٤۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱) [القاموس المحيط (ص/۱۱۹) الصحاح (۱/۲۰۸) أنيس الفقهاء (ص/٤٥)]

(۲) [القاموس المحيط (ص/۳۸۹) الصحاح (۲/۲۲۷) المصباح المنير (۲/۵۷۹)]

(۳) [المجموع (۱/۱۲٤) مغنى المحتاج (۱/۱٦)]

(٤) [تحفة الأحوذى (۱/۱۹) نيل الأوطار (۱/٤۳)]

وغیرہ) پر دلالت کے لیے اسے جمع لایا جاتا ہے۔(۵)

فھم الحدیث مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان دراصل ایک سائل کے جواب میں ہے کہ جس نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم سمندری سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس تھوڑی مقدار میں پانی ہوتا ہے' ہم اگر اس سے وضوء کریں تو پیاسے مر جائیں۔ اس پر آپ ﷺ نے سمندری پانی سے وضوء کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا' "اس کا پانی پاک ہے"۔(٦) مزید برآں یہ فرما کر "اور اس کا مردار حلال ہے" آپ ﷺ نے امت کے لیے ایک اور آسانی پیدا فرما دی کہ اگر سمندری سفر کے دوران پانی کی طرح خوراک بھی ختم ہونے کا خدشہ ہو تو سمندر کے مردہ جانوروں کو خوراک بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ سمندر کا وہی مردار حلال ہے جو صرف سمندر میں ہی زندہ رہ سکتا ہو' خشکی میں نہیں' جیسا کہ امام صنعانیؒ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔(۷)

اس حدیث سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ سمندری پانی سے وضوء کیا جا سکتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سمندری پانی کو صاف کر کے پینے کے قابل بنایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ پاک ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بلاتفریق سمندر کے تمام مردہ جانور حلال ہیں۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی یہی رائے ہے' جبکہ امام ابو حنیفہؒ سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کو ہی حلال قرار دیتے ہیں۔(۸) یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مفتی کو چاہیے کہ وہ سائل کو جواب دیتے ہوئے اُن امور کی بھی رہنمائی کر دے جن کی اسے مستقبل میں ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ نیز یہ سائل کون تھا؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں' البتہ مسند احمد میں ہے کہ یہ بنو مدلج کا کوئی آدمی تھا(۹) اور طبرانی نے اس کا نام عبداللہ ذکر کیا ہے۔(۱۰)

2- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ)) أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ پانی پاک ہے' اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" [اسے ابوداود' ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور احمد نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لفظ طَهُور کی وضاحت گزشتہ حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ لَا يُنَجِّسُهُ باب نَجَّسَ يُنَجِّسُ (بروزن تفعیل) سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے "ناپاک کرنا۔"

فھم الحدیث یہ فرمانِ نبوی بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بئر بضاعہ سے وضوء کر لیں؟ جبکہ وہ ایک ایسا کنواں ہے جس میں حیض آلود کپڑے اور کتوں کا گوشت پھینکا جاتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "پانی پاک ہے' اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجرد نجاست گرنے سے پانی ناپاک

2- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٦٧) کتاب الطھارۃ : باب ما جاء فی بئر بضاعۃ' ترمذی (٦٦) نسائی (١٧٤/١) احمد (٣١/٣) دارقطنی (٢٩/١) ابن الجارود (٤٧) بیھقی (٢٥٩/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام احمدؒ' امام ابن حزمؒ اور امام نوویؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [البدر المنیر (٦٠/٢) المجموع للنووی (٨٢/١)]

(۵) [نیل الأوطار (٤٣/١)] (٦) [موطا (ص / ٤٠)]
(۷) [سبل السلام (٧٢/١)] (۸) [أیضا]
(۹) [مسند احمد (٣٦٥/٥)] (۱۰) [کما فی مجمع الزوائد (٢١٥/١)]

نہیں ہوتا خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ' خواہ اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی وصف تبدیل ہو یا نہ۔ لیکن اس کا صحیح مفہوم تب واضح ہوتا ہے جب آئندہ روایت اور اس کے بعد قلتین والی روایت کو بھی اس کے ساتھ ملایا جائے۔ پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی' البتہ اگر نجاست گرنے کی وجہ سے اس کا رنگ' بو یا ذائقہ تبدیل ہو جائے تو پھر وہ نجس ہو جائے گا خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اسی طرح جب پانی دو قلوں (یعنی مٹکوں) سے زیادہ ہوگا تو اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا جب تک نجاست کی وجہ سے اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی وصف میں تغیر نہ ہو جائے اور جب پانی دو قلوں سے کم ہوگا تو بھی مجرد نجاست گرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوگا بلکہ اپنی اصل (طہارت) پر باقی رہے گا کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''پانی پاک ہے۔''(۱۱)

3- وَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيحِهِ وَطَعْمِهِ وَلَوْنِهِ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ وَضَعَّفَهُ أَبُو حَاتِمٍ - وَلِلْبَيْهَقِيِّ: ((الْمَاءُ طَهُورٌ إِلَّا إِنْ تَغَيَّرَ رِيحُهُ أَوْ طَعْمُهُ أَوْ لَوْنُهُ بِنَجَاسَةٍ تَحْدُثُ فِيهِ)) -

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر جو اس کی بو' ذائقے اور رنگ پر غالب آ جائے۔'' [اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابو حاتم نے اسے ضعیف کہا ہے۔ بیہقی کی روایت میں یہ لفظ ہیں]: ''پانی پاک ہے الا کہ اگر اس میں نجاست گرنے کی وجہ سے اس کی بو یا اس کا ذائقہ یا اس کا رنگ تبدیل ہو جائے (تو ناپاک ہو جاتا ہے)۔''

فهم الحديث اگر چہ مذکورہ روایت ضعیف ہے لیکن اس کے قابل عمل ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جیسا کہ امام ابن قدامہؒ، امام نوویؒ، امام ابن منذرؒ اور امام ابن ملقنؒ نے اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے۔ (۱۲)

4- وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ)) وَفِي لَفْظٍ ((لَمْ يَنْجُسْ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ حِبَّانَ -

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب پانی دو مٹکوں کے برابر ہو تو نجاست کو قبول نہیں کرتا۔'' اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: ''پانی ناپاک نہیں ہوتا۔'' [اس حدیث کو چاروں یعنی ابوداود' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ' حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح قُلَّة (قاف کے ضمہ اور لام کی تشدید کے ساتھ) کا معنی ہے ''بڑا مٹکا'' واضح رہے کہ جس روایت میں قلتین کو قبیلہ ہجر کے مٹکوں کے ساتھ مقید کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں مغیرہ بن سقلاب راوی منکر الحدیث

3- [ضعيف: ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (۵۲۱) كتاب الطهارة وسننها: باب الحياض' دارقطني (۲۰۸/۱) بيهقي (۲۵۹/۱) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کے ابتدائی الفاظ کو صحیح جبکہ بعد والے الفاظ کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

4- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۶۳-۶۵) كتاب الطهارة: باب ما ينجس الماء' ترمذي (۶۷) نسائي (۴۶/۱) ابن ماجه (۵۱۷) احمد (۲۷/۲) ابن خزيمة (۹۲) حاكم (۱۳۲/۱) ابن حبان (۱۱۷-الموارد) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۱) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: نيل الأوطار (۷۰/۱) الروضة الندية (۵۹/۱)]

(۱۲) [المغني لابن قدامة (۵۳/۱) المجموع للنووي (۱۱۰/۱) الإجماع لابن المنذر (۱۰)' (ص ۳۳) البدر المنير لابن الملقن (۸۳/۲) مزید دیکھئے: نيل الأوطار (۶۹/۱)]

ہے۔(۱۳) بالفرض اگر قبیلہ ہجر کے مٹکوں کے پانی کا حساب لگایا جائے تو دو مٹکوں کے پانی کی مقدار پانچ سو رطل بنتی ہے۔(۱٤)

فهم الحديث عموماً اس حدیث کا مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر پانی دو مٹکوں سے زیادہ ہوگا تو اوصاف ثلاثہ میں سے کسی وصف کے متغیر ہو جانے کے بعد ناپاک ہو جائے گا اور اگر پانی دو مٹکوں سے کم ہوگا تو مجرد نجاست گرنے سے ہی ناپاک ہو جائے گا خواہ اس کا کوئی وصف تبدیل نہ بھی ہوا ہو۔ لیکن ہمارے نزدیک اس سلسلے میں راجح موقف یہ ہے کہ اس حدیث کو بھی اجماع یعنی ﴿إلا إن تغير ريحه أو طعمه أو لونه﴾ کے ساتھ مقید کیا جائے گا یعنی اگر پانی دو مٹکوں سے کم ہو گا تب بھی مجرد نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا بلکہ اپنی اصل طہارت پر ہی باقی رہے گا لیکن جب اس کا کوئی وصف تبدیل ہو جائے گا تو پھر وہ ناپاک ہوگا۔ امام شوکانیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(۱۵) نیز امام مالکؒ، اہل ظاہر، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کا بھی یہی موقف ہے۔(۱٦) علاوہ ازیں حدیث قلتین سے یہ استدلال کرنا کہ دو مٹکوں سے کم پانی مجرد گندگی گرنے سے نجس ہو جاتا ہے مفہوم (مخالف) ہے جو کہ صریح منطوق ﴿إلا أن تغير ريحه أو طعمه أو لونه﴾ کے خلاف ہے اور اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ جب مفہوم منطوق کے خلاف ہو تو قابل حجت نہیں ہوتا۔

5- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((لَا يَغْتَسِلْ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص بحالت جنابت کھڑے پانی میں غسل نہ کرے۔“ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

6- وَلِلْبُخَارِيِّ : ((لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ)) وَلِمُسْلِمٍ ((مِنْهُ)) وَلِأَبِي دَاوُدَ ((وَلَا يَغْتَسِلُ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ)) ـ

صحیح بخاری کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ”تم میں سے کوئی شخص بھی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے' پھر اس میں غسل بھی کرے۔“ مسلم کی روایت میں ہے کہ ”(پھر پیشاب کے بعد) اس سے (پانی لے کر غسل نہ کرے)۔“ اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ ”اور اس پانی میں غسل جنابت نہ کرے۔“

لغوی توضیح لفظ اَلدَّائِم باب دَامَ يَدُوْمُ (بروزن نصر) سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے ساکن اور ٹھہرنے والی چیز۔ الرَّاكِد بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ جُنُب (جیم اور نون کے ضمہ کے ساتھ) ایسے شخص کو کہتے ہیں جسے جنابت لاحق ہو اور جنابت ایسی حالت کا نام ہے جو جماع یا احتلام کی وجہ سے انزال کے بعد پیدا ہو۔(۱۷)

5- [مسلم (۲۸۳) كتاب الطهارة : باب النهي عن الاغتسال في الماء الراكد' نسائي (۱۲٤/۱) ابن ماجه (٦٠٥) دارقطني (٥٠/۱)]

6- [بخاري (۲۳۹) كتاب الوضوء : باب البول في الماء الراكد' مسلم (۲۸۲) ابو داود (٦٩) ترمذي (٦٨) نسائي (٤٩/۱) احمد (۲٦٥/۲) ابن خزيمة (٦٦)]

(۱۳) [تلخيص الحبير (۲۰/۱)]
(۱٤) [سبل السلام (۱۳/۱)]
(۱۵) [الدرر البهية' السيل الجرار]
(۱٦) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱۲٤/۱)]
(۱۷) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱۲۸/۱)]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے پانی میں غسل جنابت کرنا' یا اس میں پیشاب کرنا' یا پیشاب کے بعد اس میں غوطہ لگا کر نہانا' یا پیشاب کے بعد پانی کو باہر نکال کر اس سے غسل کرنا (سب) ممنوع ہے۔ شیخ عبداللہ بسام کا کہنا ہے کہ ممانعت کا ظاہر یہی ہے کہ خواہ پانی کم ہو یا زیادہ یہ عمل حرام ہے۔(۱۸) یاد رہے کہ یہ ممانعت اس لیے نہیں کہ ایسا کرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا بلکہ پانی ناپاک صرف اسی صورت میں ہوگا کہ جب نجاست گرنے کی وجہ سے اس کا رنگ' بو یا ذائقہ تبدیل ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پانی پاک ہے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کھڑے پانی سے وضوء یا غسل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی برتن کے ذریعے پانی باہر نکال کر استعمال میں لایا جائے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔(۱۹)

7- وَعَنْ رَجُلٍ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ أَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيعًا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ ۔

نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے کہ عورت مرد کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے یا مرد عورت کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے اور انہیں چاہیے کہ اکٹھے چلو بھریں۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔]

8- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

9- وَلِأَصْحَابِ السُّنَنِ : اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فِي جَفْنَةٍ فَجَاءَ يَغْتَسِلُ مِنْهَا ، فَقَالَتْ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ ((إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ)) ۔ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

اصحاب سنن نے یوں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی کسی زوجہ محترمہ نے ایک بڑے برتن میں غسل کیا' پھر آپ ﷺ آئے تا کہ اس (کے باقی بچے ہوئے پانی) سے غسل فرمالیں تو اس زوجہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا' میں حالت جنابت میں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''پانی ناپاک نہیں ہوتا۔'' [ترمذی اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لفظ صَحِبَ (بروزن سمع) فعل ماضی کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے ''ساتھی بننا۔'' یہاں صحابی کا نام مبہم

7- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۸۱) کتاب الطهارة : باب النهي عن ذالك' نسائی (۱/۱۳۰) احمد (۱۱۱/٤) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

8- [مسلم (۳۲۳) کتاب الحیض : باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة' احمد (۳٦٦/۱) بیهقی (۱۸۸/۱)]

9- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٦۸) کتاب الطهارة : باب الماء لا یجنب' ترمذی (٦٥) نسائی (۱۷۳/۱) ابن ماجه (۳۷۰) احمد (۲۳٥/۱) ابن الجارود (٤۸) ابن خزیمة (۱۰۹) دارقطنی (٥۲/۱) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۸) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۱۲۹/۱)]

(۱۹) [مسلم (۲۸۳) کتاب الطهارة : باب النهي عن الاغتسال في المآء الراكد]

ہے' لیکن صحابی کا مجہول ہونا کچھ نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ محدثین کا اتفاق ہے کہ ((الصحابۃ کلھم عدول)) "تمام صحابہ عادل ہیں۔" (۲۰) جَفْنَةٍ سے مراد ہے "بڑا برتن یا بڑا پیالہ"۔ (۲۱)

فھم الحدیث پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کے لیے عورت کے اور عورت کے لیے مرد کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا جائز نہیں' جبکہ دوسری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اصحاب سنن والی حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بظاہر پہلی حدیث دوسری دونوں احادیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں' بلکہ پہلی حدیث میں ممانعت کراہت پر محمول ہے اور یہ واضح کرنے کے لیے ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہ کریں تو اولیٰ و بہتر ہے اور دوسری احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کا جواز فراہم کرتا ہے کہ اگر کوئی مرد و عورت ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل کر لیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ امام صنعانیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۲۲)

10- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((طَهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ ، أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔ وَفِي لَفْظٍ لَهُ : ((فَلْيُرِقْهُ)) ، وَلِلتِّرْمِذِيِّ : ((أُخْرَاهُنَّ أَوْ أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ)) ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کسی کے برتن میں جب کتا منہ ڈال جائے تو اس برتن کی طہارت یوں ہوگی کہ اسے سات مرتبہ دھویا جائے' پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ (اچھی طرح ملا جائے)۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔] اور مسلم کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: "اس برتن (میں جو کچھ موجود ہو اس) کو انڈیل دینا چاہیے۔" اور ترمذی میں یہ لفظ ہیں: "آخری مرتبہ یا پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ (ملا جائے)۔"

لغوی توضیح لفظ وَلَغَ (بروزن فتح اور حسب) کا معنی ہے اطراف زبان کے ساتھ پینا اور اس سے مراد کتے اور دیگر درندوں کے پینے کا طریقہ ہے۔ فَلْيُرِقْهُ باب أراق يريق إراقة (بروزن افعال) سے امر غائب کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے "بہا دینا۔" (۲۳)

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابن سیرینؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ، امام ابو ثورؒ اور امام ابو عبیدؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ احناف کا کہنا ہے کہ سات مرتبہ دھونا مستحب اور تین مرتبہ دھونا واجب ہے۔ (۲۴) ان کی دلیل حضرت

10- [مسلم (۲۷۹) کتاب الطهارة : باب حکم ولوغ الکلب ' ابو داود (۷۱) ترمذی (۹۱) نسائی (۵۲/۱) ابن ماجه (۳۶۳-۳۶٤) أحمد (٤۲۷/۲) دارقطنی (٦٤/۱) ابن خزیمة (۹۵)]

(۲۰) [سبل السلام (۸٤/۱)] (۲۱) [مصباح اللغات (ص / ۱۱٦)]

(۲۲) [سبل السلام (۸۵/۱)] (۲۳) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱۳٤/۱)]

(۲٤) [المغني (۵۲/۱) كشاف القناع (۲۰۸/۱) المجموع (۱۸۸/۱) بداية المجتهد (۸۳/۱) بدائع الصنائع (۸۷/۱) الدر المختار (۳۰۳/۱)]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔(۲۵) حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات مرتبہ دھونے کا قول بھی منقول ہے۔(۲۶) اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی وہی قول اختیار کیا جائے جو فرمانِ رسول کے زیادہ قریب ہے۔علاوہ ازیں برتن کو مٹی کے ساتھ پہلی مرتبہ دھونا چاہیے یا آخری مرتبہ' تو اس سلسلے میں ترجیح صحیح مسلم کی حدیث کو ہی ہے کہ پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ دھویا جائے۔(واللہ اعلم)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کتے کا لعاب دہن نجس ہے۔کتے کا صرف لعاب ہی نجس ہے یا اس کا مکمل جسم' اس کے متعلق اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے کہ کتا اور اس کی ہر چیز نجس ہے۔(۲۷) مالکیہ کا کہنا ہے کہ نہ کتا نجس ہے اور نہ ہی اس کا لعاب۔(۲۸) احناف کا مؤقف یہ ہے کہ کتے کا صرف لعاب' منہ اور پاخانہ نجس ہے اس کے علاوہ بذاتِ خود کتا نجس نہیں کیونکہ اس سے پہرے وغیرہ کا کام لیا جاتا ہے۔(۲۹) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ کتے کا لعاب نص کی وجہ سے نجس ہے اور اس کے بقیہ اجزاء قیاس کی وجہ سے۔(۳۰) امام شوکانی رحمہ اللہ نے جس بات کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی وجہ سے کتے کا لعاب ہی نجس ہے' علاوہ ازیں اس کے باقی اعضاء مثلاً بال' گوشت اور کھال وغیرہ پاک ہیں کیونکہ اصل طہارت ہے اور اس کی ذات کی نجاست کے متعلق کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔(۳۱)

11- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ فِي الْهِرَّةِ: ((إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلی کے بارے میں فرمایا "یہ ناپاک نہیں ہے' یہ تو تم پر بکثرت چکر لگانے والا جانور ہے۔" [اس حدیث کو چاروں یعنی ابوداود' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لفظِ هِرَّة کا معنی ہے "بلی"۔ بلی کے لیے عربی میں قط اور سنور کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ طَوَّافِينَ جمع ہے طوّاف کی۔ اس کا معنی ہے "بہت زیادہ چکر کاٹنے والی"۔ چونکہ بلی کا اکثر گھروں میں گزر رہتا ہے اس لیے مشقت سے بچنے کے لیے اسے پاک قرار دیا گیا ہے۔

فهم الحديث مذکورہ حدیث کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے وضوء کا پانی رکھا ہوا تھا۔ اچانک

11- [حسن صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۷۵) كتاب الطهارة: باب سور الهرة' ترمذی (۹۲) نسائی (۵۵/۱) ابن ماجه (۳۶۷) احمد (۳۰۳/۵) ابن خزيمة (۱۰۴) ابن حبان (۱۲۱۔الموارد) دارقطنی (۷۰/۱) حاكم (۱۶۰/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

---

(۲۵) [دار قطنی (۸۳/۱) كتاب الطهارة: باب ولوغ الكلب في الإناء]

(۲۶) [نيل الأوطار (۷۶/۱) سبل السلام (۲۸/۱)]

(۲۷) [المغنی (۵۲/۱) مغنی المحتاج (۷۸/۱) كشاف القناع (۲۰۸/۱)]

(۲۸) [المنتقى للباجی (۷۳/۱) الشرح الصغير (۴۳/۱) الشرح الكبير (۸۳/۱)]

(۲۹) [فتح القدير (۶۴/۱) رد المحتار لابن عابدين (۱۹۲/۱) بدائع الصنائع (۶۳/۱)]

(۳۰) [مجموع الفتاوى (۲۱/۲۱۶۔۲۲۰)]

(۳۱) [المنتقى للباجی (۷۳/۱) السيل الجرار (۳۷/۱)]

ایک بلی آئی اور اس سے پانی پینے لگی۔ یہ دیکھ کر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بلی کے لیے برتن کو مزید جھکا دیا اور اس نے پانی پی لیا۔ پھر لوگوں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''بلی ناپاک نہیں''۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو خود بلی ناپاک ہے اور نہ ہی وہ چیز جسے بلی چھوئے یا جس میں منہ ڈال لے' البتہ یہ شرط ہے کہ بلی کے منہ کو کوئی ناپاک چیز نہ لگی ہو۔ یہ حدیث ایک اہم قاعدے کے حق میں دلیل بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ((المشقة تجلب التيسير)) ''مشقت آسانی کو کھینچ لاتی ہے۔''

شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے یہ الفاظ ''بلی نجس نہیں'' اس بات کا ثبوت ہیں کہ بلی کے تمام اعضاء اور اس کا بدن پاک ہے۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہین کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس چیز کا رکھنا ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے اس کا جوٹھا بھی پاک ہے۔(۳۲)

12- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ ((جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ ' فَزَجَرَهُ النَّاسُ ' فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ فَأُهْرِيقَ عَلَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''ایک دیہاتی آیا اور اس نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنا شروع کر دیا' لوگوں نے اسے ڈانٹا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکا۔ جب وہ پیشاب سے فارغ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک ڈول لانے کا حکم دیا' پھر اس جگہ پر (جہاں اس نے پیشاب کیا تھا) اسے بہا دیا گیا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَعْرَابِي کا معنی ہے دیہاتی' بدوی اور بادیہ نشیں۔ یہ منسوب ہے أعراب (یعنی دیہات) کی طرف۔ مسجد میں پیشاب کرنے والا دیہاتی کون تھا اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ذوالخویصرہ یمانی تھے اور ان کا پیٹ بھی بڑا تھا۔(۳۳)

فَزَجَرُوهُ میں فاء عاطفہ اور آخر میں ہ ضمیر منصوب متصل ہے اور زَجَرَ فعل ماضی ہے باب زَجَرَ يَزْجُرُ (بروزن نصر) سے۔

فهم الحديث اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا پیشاب ناپاک ہے' اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی بہانے کا حکم دیا۔ امام صنعانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔(۳۴) اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زمین کو پاک کرنے کے لیے اس پر پانی بہا دینا کافی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ پانی بہانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے اسے کھودنا ضروری نہیں۔(۳۵) تاہم احناف کا مؤقف یہ ہے کہ پانی بہانے کا عمل سخت زمین کے ساتھ خاص ہے' اگر زمین نرم ہو تو اسے کھودنا واجب ہے۔ یاد رہے کہ انہوں نے جن دلائل کی وجہ سے یہ مؤقف اپنایا ہے وہ ضعیف ہیں۔(۳٦)

12- [بخاری (۲۲۰) کتاب الوضوء: باب صب الماء على البول في المسجد' مسلم (۲۸٤) ترمذی (۱٤۸) نسائی (۱۷٥/۱) ابن ماجه (٥۲۸) احمد (۱۱۰/۳-۱۱۱)]

(۳۲) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱٤۰/۱)]
(۳۳) [كما في سبل السلام (۹۲/۱)]
(۳٤) [سبل السلام (۹۲/۱)]
(۳٥) [نيل الأوطار (۸۸/۱)]
(۳٦) [نصب الراية (۲۱۲/۱) العلل المتناهية (۳۳۳/۱) البدر المنير (۲۹٤/۲) دار قطني (۳۱/۱) شرح معاني الآثار (۱٤/۱) أبو يعلى (۳۱۰/٦) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (۸۸/۱) شرح مسلم للنووي (۱۹٤/۲) الأم للشافعي (۱۱۸/۱) المغني (٤۹۹/۲) عون المعبود (٤۳/۲) فتح الباري (۲٤۷/۱)]

اس حدیث سے اور بھی بہت سے فوائد سامنے آتے ہیں مثلاً جاہل کے ساتھ نرمی برتنا۔ آپ ﷺ کا حسن اخلاق اور تعلیم دینے میں نرمی سے کام لینا۔ مساجد کا احترام (کیونکہ جب دیہاتی پیشاب سے فارغ ہوا تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا' مساجد میں پیشاب وغیرہ جیسے کام درست نہیں کیونکہ مساجد تو صرف ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں)۔ چھوٹے نقصان کو اختیار کر کے بڑے نقصان سے بچ جانا (جیسا کہ آپ ﷺ نے اُن صحابہ کو روکا جو اسے جھڑک رہے تھے' کیونکہ اگر اسے روکا جاتا تو ایک طرف جہاں اسے پیشاب روکنے کی وجہ سے جسمانی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا تو دوسری طرف صرف ایک جگہ ہی نہیں بلکہ مسجد کی بہت ساری جگہ کے ساتھ ساتھ اس کا لباس بھی پیشاب سے آلودہ ہو جاتا)۔

13- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ((أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ ' فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ : فَالْجَرَادُ وَالْحُوتُ ' وَأَمَّا الدَّمَانِ : فَالطِّحَالُ وَالْكَبِدُ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهُ وَفِيْهِ ضُعْفٌ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہمارے لیے دو مری ہوئی چیزیں اور دو خون حلال کئے گئے ہیں؛ پس دو مری ہوئی چیزیں ہیں ٹڈی اور مچھلی' اور رہے دو خون تو وہ ہیں جگر اور تلی۔'' [اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس میں کچھ ضعف ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹڈی اور مچھلی کسی بھی طرح (بغیر ذبح کیے) مر جائیں مطلق طور پر حلال ہیں' ان کی موت کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ٹڈی صرف اسی صورت میں حلال ہے جب وہ آدمی کے پکڑنے یا سر کے کٹنے سے مری ہو بصورت دیگر حرام ہے۔ اسی طرح احناف کا کہنا ہے کہ مچھلی وہ حلال ہے جو پکڑتے ہوئے یا دریا کے باہر پھینکنے سے یا کسی اور سبب سے مری ہو اور اگر خود بخود مر جائے یا کسی جانور کے مارنے سے مرے تو حلال نہیں۔ مذکورہ حدیث ان دونوں اقوال کا رد کرتی ہے کیونکہ اس میں کوئی شرط موجود نہیں۔ (۳۷)

علاوہ ازیں یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مچھلی اور ٹڈی اگر پانی میں مر جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ اس کا رنگ' بو یا ذائقہ ہی کیوں نہ تبدیل ہو جائے کیونکہ یہ تبدیلی نجاست گرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ پاک چیز کی وجہ سے ہوئی ہے اور یہی سبب ہے اس حدیث کو اس باب میں لانے کا۔ (۳۸)

14- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَنْزِعْهُ '

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے تو وہ اسے مکمل طور پر ڈبو کر پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پَر میں بیماری اور

13- [صحیح : صحیح ابن ماجه ' ابن ماجه (۳۲۱۸) کتاب الصيد : باب صيد الحيتان والجراد ' احمد (۹۷/۲) دارقطنی (۲۷۱/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

14- [بخاری (۳۳۲۰) کتاب بدء الخلق : باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم ' ابو داود (۳۸٤٤) ابن ماجه (۳۵۰۵) احمد (۲۲۹/۲) ابن الجارود (۵۵) ابن خزيمة (۱۰۵)]

(۳۷) [دیکھئے: اتحاف الكرام شرح بلوغ المرام ' مترجم (۳۷/۱)]

(۳۸) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱٤۷/۱)]

فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِي الْآخَرِ شِفَاءً)) دوسرے میں شفا ہے۔[اسے بخاری اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ ' وَزَادَ : ((وَإِنَّهُ يَتَّقِي ابوداود کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ] "مکھی اپنا وہ پر (مشروب بِجَنَاحِهِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ)) ۔ میں) ڈبوتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے۔"

لغوی توضیح لفظ الذُّبَاب عربی میں مکھی کو کہتے ہیں جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ فَلْيَغْمِسْهُ مشتق ہے غمس سے اس کا معنی ہے پانی میں اس طرح غوطہ یا ڈبکی لگانا کہ مکمل طور پر اس میں غائب ہو جانا۔ لِيَنْزِعْهُ مشتق ہے نزع سے، اس کا معنی ہے کھینچنا' نکالنا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکھی کو دفعِ ضرر کے لیے قتل کیا جا سکتا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر مکھی پانی یا کسی بھی مائع چیز میں گر کر مر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ اہل علم نے مکھی کے علاوہ ہر اُس جانور کو بھی مکھی پر ہی قیاس کیا ہے جس کا خون بہنے والا نہیں اور کہا ہے کہ شہد کی مکھی' بھڑ' مکڑی اور بچھو وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے' یعنی ان میں سے کوئی بھی جانور پانی میں گر کر مر جائے تو پانی پاک ہی رہتا ہے۔ امام ابن منذرؒ کا کہنا ہے کہ مجھے اس مسئلے میں امام شافعیؒ کے دو اقوال میں سے ایک کے سوا کسی اختلاف کا علم نہیں۔ ان کا ایک قول یہ ہے کہ ان اشیاء کے مرنے سے قلیل پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ناپاک نہیں ہوتا اور یہی قول صحیح ہے۔(۳۹) اس لیے مکھی کو نکال کر پھینکنے کے بعد اس مشروب کو پی لینا چاہیے کیونکہ وہ پاک ہے لیکن اگر کسی کی طبیعت نہ چاہے تو پھر اسے پینا واجب نہیں۔

15- وَعَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ ـ وَهِيَ حَيَّةٌ ـ فَهُوَ مَيِّتٌ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ ' وَاللَّفْظُ لَهُ ـ حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "زندہ جانور کا جو حصہ کاٹ دیا جائے وہ مردار ہے۔" [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے' امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے اور یہ الفاظ انہی کے ہیں۔]

لغوی توضیح الْبَهِيمَة سے مراد ہر وہ جانور ہے جو چار پاؤں والا ہو مگر درندہ نہ ہو۔

فہم الحدیث یہ فرمانِ نبوی دراصل اہل جاہلیت کے مذموم فعل کے رد میں تھا کیونکہ وہ زندہ جانوروں کا گوشت کاٹ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے مردار اور حرام قرار دیا۔ لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار اور حرام چیز ناپاک ہوتی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور راجح موقف یہ ہے کہ ہر حرام چیز ناپاک نہیں ہوتی بلکہ ناپاک صرف وہی ہوتی ہے جسے شارع علیہ السلام نے ناپاک قرار دیا ہو بصورت دیگر ہر چیز اپنی اصل (طہارت) پر ہی باقی رہتی ہے اور جن دلائل سے یہ ثابت کیا جاتا ہے مردار ناپاک ہوتا ہے ان سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ مردار کا کھانا حرام ہے اور اگر اس فلسفہ کو مان لیا جائے کہ ہر حرام چیز ناپاک بھی ہوتی ہے تو اس آیت کا کیا مفہوم ہوگا ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ [النساء: ۲۳] "تمہاری مائیں تم پر حرام کر دی گئیں ہیں۔" امام شوکانیؒ نے اس سلسلے میں یہی موقف اپنایا ہے۔(۴۰)

15- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۲۸۵۸) كتاب الصيد : باب في صيد قطع منه قطعة' ترمذي (۱۴۸۰) احمد (۲۱۸/۵) دارمي (۲۰۱۸) حاكم (۲۳۹/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۳۹) [المغني (۵۹/۱) بدائع الصنائع (۲۶/۱) المبسوط (۵۱/۱) المحلى (۱۴۸/۱) الإفصاح (۷۳/۱)]

(۴۰) [السيل الجرار (۴۰/۱)]

باب الآنية — برتنوں کا بیان

16- عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((لَا تَشْرَبُوْا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ' وَلَا تَأْكُلُوْا فِي صِحَافِهِمَا ' فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور نہ ہی ان کے پیالوں میں کھاؤ' کیونکہ دنیا میں یہ اُن (کافروں) کے لیے ہیں اور آخرت میں صرف تمہارے لیے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح لفظِ آنِيَة جمع ہے إِنَاء کی' اس کا معنی ہے برتن۔ صِحَاف جمع ہے صَحْفَة کی' اس کا معنی ہے پیالہ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے۔ البتہ یہ بات محل نظر ہے کہ آیا سونے یا چاندی کے برتنوں کے دیگر استعمالات بھی ممنوع ہیں یا نہیں۔ تو اس ضمن میں امام نوویؒ (٤١) نے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے اور ان کے دیگر استعمالات کی حرمت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے سوائے امام داودؒ کے' ان کا کہنا ہے کہ ان برتنوں میں صرف پینا حرام ہے' شاید ان تک ان برتنوں میں کھانے کی حرمت کی حدیث نہیں پہنچی۔ اسی طرح امام شافعیؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ ان برتنوں میں کھانا پینا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ امام ابن منذرؒ نے بھی سونے چاندی کے برتنوں میں پینے کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ (٤٢)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی حرمت تو ثابت ہوتی ہے' رہی بات ان کے دیگر استعمالات کی حرمت کی تو حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتی۔ دیگر استعمالات کو کھانے پینے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ ان برتنوں میں کھانے پینے سے ممانعت کی علت اہل جنت سے مشابہت ہے' جیسا کہ ایک حدیث سے بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو کہا ''مجھے کیا ہے کہ میں تم پر اہل جنت کا زیور دیکھتا ہوں۔'' (٤٣) حاصل کلام یہ ہے کہ اصل حلت ہے اور کسی بھی چیز کی حرمت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک اس کے متعلق مخالفت سے سالم دلیل نہ مل جائے اور اس مقام (یعنی سونے چاندی کے برتنوں کے دیگر استعمالات کی حرمت) میں مذکورہ صفت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ لہٰذا براءتِ اصلیہ کے قاعدے کو اختیار کرتے ہوئے اصل پر ٹھہرنا ہی قرین قیاس ہے۔ (٤٤) امام صنعانیؒ نے بھی اسی رائے کو برحق کہا ہے۔ (٤٥)

یہاں ایک اور مسئلہ قابل توجہ ہے کہ اگر کسی برتن پر سونے یا چاندی کا ملمع کیا گیا ہو تو کیا اس کا بھی یہی حکم ہے؟ تو اس

16- [بخاری (٥٤٢٦ـ ٥٦٣٣) کتاب الأطعمة : باب الأکل فی إناء مفضض ' مسلم (٢٠٦٧) ابو داود (٣٧٢٣) ترمذی (١٨٧٨) نسائی (١٩٨/٨) ابن ماجه (٣٥٩٠) احمد (٣٨٥/٥)]

(٤١) [شرح مسلم للنووی (٢٧٧/٧)]
(٤٢) [نیل الأوطار (١٢١/١)]
(٤٣) [احمد (٣٥٩/٥) ابو داود (٤٢٢٣) ترمذی (١٧٨٥) نسائی (١٧٢/٨)]
(٤٤) [نیل الأوطار (١٢١/١)]
(٤٥) [سبل السلام (١٠٠/١)]

سلسلے میں امام صنعانیؒ نے کہا ہے کہ (کتاب وسنت کے) زیادہ قریب یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر اس پر" سونے یا چاندی کا برتن" کا لفظ بولا جا سکتا ہو جس پر حدیث مشتمل ہے تو پھر اس کا بھی یہی حکم ہوگا بصورت دیگر نہیں۔(٤٦) علاوہ ازیں یہ بھی واضح رہے کہ سونے چاندی کے علاوہ دیگر جواہر (مثلاً یاقوت' زمرد اور مرجان وغیرہ) کے برتنوں میں کھانا پینا جائز ہے کیونکہ اصل اباحت ہے اور ان میں کھانے پینے کی ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔(٤٧)

17- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((اَلَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح لفظ يُجَرْجِرُ فعل مضارع ہے باب جَرْجَرَ يُجَرْجِرُ (بروزن فعللة) سے۔ اس کا معنی ہے "حلق میں پانی بہانا"۔(٤٨)

فهم الحديث اس حدیث سے بھی سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ نیز اس میں روزِ قیامت دنیاوی اعمال کی جزاء اور عذابِ جہنم کا بھی اثبات ہے کہ جس پر ایمان رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

18- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَعِنْدَ الْأَرْبَعَةِ: ((أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ))۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب چمڑہ رنگ دیا جاتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور سنن اربعہ میں یہ لفظ ہیں:] "جو بھی چمڑہ رنگ دیا جائے (پاک ہو جاتا ہے)۔"

19- وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((دِبَاغُ جُلُودِ الْمَيْتَةِ طُهُورُهَا)) صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مردہ جانوروں کے چمڑوں کو رنگنا ہی ان کی طہارت ہے۔" [ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح دُبِغَ فعل ماضی مجہول ہے باب دَبَغَ يَدْبَغُ (بروزنِ فتح) سے۔ اس کا معنی ہے "رنگنا" یعنی کچے چمڑے کو خاص مسالہ جات لگا کر رنگنا تاکہ اس کی بدبو وغیرہ زائل ہو جائے۔ اِهَاب کہتے ہیں چمڑے کو یا ایسا چمڑہ جو ابھی رنگا نہ گیا ہو۔

17- [بخاری (٥٦٣٤) كتاب الأشربة : باب آنية الفضة ' مسلم (٢٠٦٥) ابن ماجه (٣٤١٣) احمد (٣٠١/٦) مالك (٩٢٤/٢) دارمی (٢١٢٩)]

18- [مسلم (٣٦٦) كتاب الحيض : باب طهارة جلود الميتة بالدباغ ' ابو داود (٤١٢٣) ترمذی (١٧٢٨) نسائی (١٧٣/٧) ابن ماجه (٣٦٠٩) احمد (٢١٩/١) مالك (٤٩٨/٢) دارقطنی (٤٦/١)]

19- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٤١٢٥) كتاب اللباس : باب فی أهب الميتة ' نسائی (١٧٣/٧) احمد (٦/٥) ابن حبان (١٢٤) حاكم (١٤١/٤) بيهقی (١٧/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٤٦) [أيضا] (٤٧) [أيضا]

(٤٨) [ترتيب القاموس (جرجر)]

فہم الحدیث مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کے چمڑے کو بھی رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے خواہ اس کا گوشت کھانا حلال ہو یا حرام' جیسا کہ حدیث میں لفظ " أَيُّمَا " اسی کو ثابت کرتا ہے۔ اس مسئلے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں: امام شافعیؒ اور امام نوویؒ کا کہنا ہے کہ کتے اور خنزیر کے علاوہ باقی ہر جانور کا چمڑہ رنگائی کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ خنزیر کے علاوہ (کتے سمیت) سب جانوروں کا چمڑہ پاک ہو جاتا ہے۔ امام احمدؒ اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ رنگنے سے کوئی چمڑہ بھی پاک نہیں ہوتا۔ امام اوزاعیؒ اور امام ابن مبارکؒ کا موقف یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا چمڑہ پاک نہیں ہوتا۔ امام داودؒ اور اہل ظاہر کا موقف یہ ہے کہ چمڑہ خواہ کتے کا ہو یا خنزیر کا حدیث کے عموم کی وجہ سے ہر جانور کا چمڑہ پاک ہو جاتا ہے۔(۴۹) یہی موقف اقرب الی الحق معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) امام شوکانیؒ (۵۰)، امام ابن حزمؒ (۵۱)، امام صنعانیؒ (۵۲) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۵۳) نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

20- وَعَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِشَاةٍ يَجُرُّونَهَا ' فَقَالَ : ((لَوْ أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا)) قَالُوا : إِنَّهَا مَيْتَةٌ ' فَقَالَ : ((يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ وَالْقَرَظُ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک بکری کے پاس سے گزرے جسے لوگ کھینچ کر لے جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا" کاش تم اس کا چمڑہ ہی اتار لیتے۔" انہوں نے عرض کیا' یہ تو مردہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" اس کو پانی اور کیکر کی چھال پاک کر دیتی ہے۔ [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔]

21- وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بِأَرْضِ قَوْمِ أَهْلِ كِتَابٍ ' أَفَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ ؟ قَالَ : ((لَا تَأْكُلُوا فِيهَا إِلَّا أَنْ لَا تَجِدُوا غَيْرَهَا ' فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ہم اہل کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں' تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ان میں مت کھاؤ الا کہ تم ان کے علاوہ اور برتن نہ پاؤ تو دھو کر ان میں کھا لو۔" [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے اہل کتاب کے برتنوں کے استعمال کے لیے دو شرطیں سامنے آتی ہیں؛ پہلی یہ کہ

20- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۴۱۲۶) کتاب اللباس : باب فی أهب المیتة' نسائی (۱۷۴/۷) احمد (۳۳۴/۶) دارقطنی (۱۴۵/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

21- [بخاری (۵۴۸۸) کتاب الذبائح والصید : باب ما جاء فی التصید' مسلم (۱۹۳۰) ابو داود (۳۸۳۹) ترمذی (۱۴۶۴) ابن ماجه (۳۲۰۷) احمد (۱۹۵/۴)]

(۴۹) [شرح مسلم للنووی (۲۹۰/۲) نیل الأوطار (۱۱۵/۱) سبل السلام (۴۴/۱) قفو الأثر (۴۹/۱) الأم (۹/۱) المجموع (۲۷۱/۱) بدائع الصنائع (۸۵/۱) حاشية الدسوقی (۵۴/۱) المغنی (۶۶/۱)]

(۵۰) [نیل الأوطار (۱۱۵/۱)] (۵۱) [المحلی بالآثار (۱۲۸/۱)]

(۵۲) [سبل السلام (۴۳/۱)] (۵۳) [تحفة الأحوذی (۴۰۱/۵)]

اضطراری حالت اور دوسری یہ کہ انہیں دھو کر استعمال کیا جائے۔ بعض اہل علم نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اہل کتاب اور دیگر مشرکین کے برتن بذاتِ خود ناپاک ہیں۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو دھونے کے بعد یہ برتن کیسے قابل استعمال ہو سکتے؟ پھر ایک دوسری حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے برتن استعمال کرنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ صحابہ کرام نے سوال کرتے وقت یہ بھی ذکر کیا تھا کہ ہم اہل کتاب کو اپنی ہنڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے اور برتنوں میں شراب پیتے دیکھتے ہیں تو کیا ان کے برتن استعمال کر لیں؟ (٥٤) یعنی آپ ﷺ نے انہیں اس لیے منع فرمایا کہ وہ اپنے برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے اور شراب پیتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ ان کے برتن ہی ناپاک ہیں۔ (٥٥)

اس حدیث سے شراب کے نجس ہونے پر بھی استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ امام خطابی ؒ (٥٦)، امام ابن دقیق العید ؒ (٥٧)، امام ابن ہمام ؒ (٥٨) اور ملا علی قاری ؒ (٥٩) نے اس سے یہی استدلال کیا ہے۔ لیکن بعض دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ شراب نجس نہیں بلکہ پاک ہے کیونکہ اس کے نجس ہونے کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔ ان کا مستدل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں شراب کے لیے رجس کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں بتوں' فال کے تیروں اور آستانوں کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے لیکن اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں کہ ان میں سے کسی کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ ناپاک ہو جاتا ہے۔ درحقیقت شراب اور ان اشیاء کی نجاست حسّی نہیں بلکہ معنوی وحکمی ہے۔ امام ربیعہ رائے ؒ، امام لیث ؒ، امام اسماعیل بن یحییٰ مزنی ؒ (٦٠) اور محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی ؒ (٦١) اسی کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شک کی جگہوں سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

22- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ تَوَضَّؤُوا مِنْ مَزَادَةِ امْرَأَةٍ مُشْرِكَةٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ایک مشرکہ عورت کے مشکیزے سے وضوء کیا۔ [بخاری، مسلم۔ یہ فرمان ایک طویل حدیث سے ماخوذ ہے۔]

لغوی توضیح مَزَادَہ چمڑے سے بنے ہوئے مشکیزے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے علاوہ مشرکین کے بھی ایسے برتن جن میں نجاست نہ لگی ہو بوقتِ ضرورت استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مردار کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ اس مشرکہ عورت کا مشکیزہ چمڑے کا ہی بنا ہوا تھا اور وہ چمڑہ مشرکین کے ذبیحے سے حاصل شدہ تھا جو مردار ہے۔

22- [بخاری (٣٥٧١) كتاب المناقب : باب علامات النبوة فى الإسلام' مسلم (٦٨٢)]

(٥٤) [ابو داود (٣٨٣٩) كتاب الأطعمة : باب الأكل فى انية أهل الكتاب]

(٥٥) [مزید دیکھئے: نيل الأوطار (١٢٧/١)]

(٥٦) [معالم السنن (٢٥٧/٤)]

(٥٧) [كما نقله الزيلعى فى نصب الراية (٩٥/١)]

(٥٨) [فتح القدير (٥١/١)]

(٥٩) [فتح باب العناية (ص ٢٩٥)]

(٦٠) [تهذيب التهذيب (٢٢٣/٣) المجموع (٧٢/١) تفسير قرطبى (٨٨/٦)]

(٦١) [تمام المنة (ص/٥٥)]

علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مشرکین کی نجاست بھی شراب کی طرح حسی نہیں بلکہ معنوی ہے۔ یعنی انہیں ان کے عقائدِ باطلہ کی وجہ سے نجس کہا گیا ہے اس لیے نہیں کہ وہ دیگر نجاستوں کی طرح پلید ہیں اور انہیں چھونے والا بھی نجس ہو جائے گا۔ جیسا کہ بعض حضرات (مثلاً امام ابن حزمؒ (٦٢)) نے قرآن کی اس آیت ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبة : ٢٨] ''بے شک مشرکین نجس ہیں۔'' سے استدلال کرتے ہوئے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ راجح مؤقف یہی ہے کہ مشرکین کی نجاست معنوی ہے۔ امام شوکانیؒ (٦٣)، نواب صدیق حسن خانؒ (٦٤)، امام صنعانیؒ (٦٥) اور شیخ عبد اللہ بسامؒ (٦٦) اسی کے قائل ہیں۔

23- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ انْكَسَرَ، فَاتَّخَذَ مَكَانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِنْ فِضَّةٍ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ ـ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا پیالہ ٹوٹ گیا تو آپ نے اس ٹوٹی ہوئی جگہ پر چاندی کا تار لگوا لیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح قَدَح چھوٹے پیالے کو کہتے ہیں۔ الشَّعْب سے مراد ہے ٹوٹی ہوئی جگہ۔ سِلْسِلَه اگر دونوں جگہ سین پر زبر ہو تو معنی ہوگا ''ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا'' اور اگر دونوں جگہ سین کے نیچے زیر ہو تو معنی ہوگا ''زنجیر''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے مگر ٹوٹے ہوئے برتن کو جوڑنے کے لیے یا کسی اور غرض و ضرورت کی وجہ سے اتنی مقدار میں سونا یا چاندی لگا ہو تو اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

باب ازالة النجاسة وبيانها — نجاست کی تفصیل اور اسے دور کرنے کا بیان

24- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ: تُتَّخَذُ خَلًّا؟ قَالَ ((لَا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَسَنٌ صَحِيحٌ ـ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے شراب کا سرکہ بنانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ [اسے مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح إِزَالَه مصدر ہے باب أَزَالَ يُزِيلُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''زائل کرنا اور دور کرنا'' وغیرہ۔ خَمْر سے مراد انگور وغیرہ کا ایسا رس ہے جو نشہ پیدا کرے۔ خَلًّا انگور وغیرہ کے شیرے سے تیار کردہ سرکے کو کہتے ہیں اور اس کی جمع خلول ہے۔

فهم الحديث اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس یتیم بچوں کی شراب پڑی تھی۔ جب حرمت

23- [بخاری (٣١٠٩) كتاب فرض الخمس : باب ما ذكر من درع النبي وعصاه]

24- [مسلم (١٩٨٣) كتاب الأشربة : باب تحريم تخليل الخمر، ابو داود (٣٦٧٥) ترمذی (١٢٩٤) احمد (١١٠٩/٣)]

(٦٢) [المحلى بالآثار (١٣٧/١)]
(٦٣) [السيل الجرار (٣٨/١)]
(٦٤) [الروضة الندية (٨٧/١)]
(٦٥) [سبل السلام (٧٦/١)]
(٦٦) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٦٤/١)]

شراب کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے اسے ضائع کرنا یتیم بچوں کا بڑا نقصان تصور کیا اور نبی کریم ﷺ سے اس کا سرکہ بنانے کی اجازت طلب کی' لیکن آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ لہٰذا شراب کا سرکہ بنانا ممنوع و ناجائز ہے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے بنایا جائے۔ البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر شراب کا سرکہ بنا لیا جائے تو پھر اس کا استعمال مباح ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر چیز میں اصل حلت ہے جب تک ممانعت کی کوئی واضح دلیل نہ مل جائے اور یہاں سرکہ کے استعمال سے ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں اس لیے اس کا استعمال جائز ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سرکہ تو شراب سے بنایا گیا ہے اور شراب سے سرکہ بنانا تو ممنوع ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شراب سے سرکہ بنانا جائز نہیں لیکن اگر کوئی بنا لے تو اس نے یقیناً نافرمانی کی ہے مگر شراب اب شراب نہیں رہی بلکہ اس کی حالت بدل چکی ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ حالت بدل جانے سے حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ امام شوکانی ؒ (٦٧) ، امام ابوحنیفہ ؒ، امام ابن حزم ؒ، ایک روایت کے مطابق امام مالک ؒ اور امام احمد ؒ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ، شیخ عبداللہ بسام ؒ، شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ اور شیخ عبدالرحمٰن سعدی ؒ اسی کے قائل ہیں۔ (٦٨)

25- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ، أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَبَا طَلْحَةَ، فَنَادَى ((إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، فَإِنَّهَا رِجْسٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جب خیبر کا دن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ "بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول تمہیں گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں' کیونکہ یہ رجس (گندی چیز) ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حُمُر جمع ہے حِمَار کی' اس کا معنی ہے "گدھا"۔ أَهْلِيَّة اہل کی طرف نسبت ہے یعنی وہ جانور جس کی پرورش انسان گھر میں کرتا ہے۔ رِجْس ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے انسان برا اور گندا سمجھتا ہے خواہ وہ ناپاک ہو یا نہ ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور اس پر اہل علم کا اتفاق ہے' البتہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ (٦٩) علاوہ ازیں گدھے کا جوٹھا ائمہ اربعہ کے نزدیک پاک' جبکہ امام سفیان ثوری ؒ، امام اوزاعی ؒ اور حسن بصری ؒ وغیرہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ائمہ اربعہ کا موقف زیادہ درست ہے کیونکہ گدھے کے جوٹھے کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں اور اصل طہارت ہی ہے۔ امام ابن قدامہ ؒ، امام ابن قیم ؒ اور شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کی بھی یہی رائے ہے۔ (٧٠)

26- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِمِنًى، وَهُوَ عَلَى

حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی سواری پر مقام منیٰ میں ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور اس (اونٹنی) کا

-25 [بخاری (٢٩٩١) كتاب الجهاد والسير : باب التكبير عند الحرب' مسلم (١٩٤٠) نسائی (٢٠٤/٧) ابن ماجه (٣١٩٦) احمد (١١١/٣) دارمی (١٩٩١) ابن حبان (٥٢٧٤)]

-26 [صحيح : صحيح ترمذی' ترمذی (٢١٢١) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة بنی إسرائيل' نسائی (٢٤٧/٦) ابن ماجه (٢٧١٢) احمد (١٨٦/٤) دارمی (٣٢٦٠) شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٦٧) [الدرر البهية] (٦٨) [المحلى بالآثار (١٣٦/١) توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٧٠/١)]
(٦٩) [بخاری (١٧٤/٥)] (٧٠) [كما فی توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٧٦/١)]

رَاحِلَتِهِ، وَلُعَابُهَا يَسِيلُ عَلَى كَتِفِي)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

لعاب دہن میرے کندھوں پر بہہ رہا تھا۔[اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کا لعاب دہن پاک ہے اور اس پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے تمام ماکول اللحم جانوروں کا لعاب پاک قرار دیا ہے۔امام صنعانی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا لعاب پاک ہے۔(۷۱) شافعیہ اور حنابلہ نے ماکول اللحم کے ساتھ ساتھ تمام غیر ماکول اللحم جانوروں کے لعاب کو بھی پاک کہا ہے۔(۷۲) امام شوکانی ؒ (۷۳) نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔

27- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَغْسِلُ الْمَنِيَّ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ فِي ذَلِكَ الثَّوْبِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ الْغَسْلِ فِيهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (اپنے کپڑے سے) منی کو دھویا کرتے تھے' پھر اسی کپڑے میں نماز کے لیے نکلتے اور میں اس (کپڑے) میں دھونے کا نشان دیکھ رہی ہوتی تھی۔[بخاری، مسلم]

28- وَلِمُسْلِمٍ: ((لَقَدْ كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَرْكًا فَيُصَلِّي فِيهِ)) وَفِي لَفْظٍ لَهُ: ((لَقَدْ كُنْتُ أَحُكُّهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَابِسًا بِظُفُرِي مِنْ ثَوْبِهِ))۔

اور مسلم کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھی' پھر آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز ادا فرما لیتے تھے۔اور مسلم کی ہی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے خشک منی کو اپنے ناخن سے کھرچ کر اتار دیتی تھی۔

لغوی توضیح أَفْرُكُهُ مشتق ہے فرك سے اور اس کا معنی ہے "کھرچنا"۔ظُفُر ناخن کو کہتے ہیں اور اس کی جمع أظفار' أظافر اور أظافير آتی ہے۔أَحُكُّهُ حكّ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے "ملنا اور کھرچنا"۔يابس خشک کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے کپڑے کو منی لگ جائے تو اسے چاہیے کہ دھو کر اسے صاف کرلے اور اگر خشک ہو چکی ہو تو صرف اسے کھرچ دینا ہی کافی ہے۔فقہاء نے انہی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے منی کے پاک یا ناپاک ہونے کا حکم لگایا ہے۔امام ابوحنیفہ ؒ اور امام مالک ؒ نے منی کو ناپاک کہا ہے (البتہ امام ابوحنیفہ ؒ کا کہنا ہے کہ اگر منی خشک ہو تو بغیر دھوئے محض کھرچنے سے ہی کپڑا پاک ہو جاتا ہے)۔انہوں نے اُن تمام احادیث سے دلیل پکڑی ہے جن میں منی کو دھونے کا حکم ہے۔نیز ان کا کہنا ہے کہ یہ پیشاب کی جگہ سے خارج ہوتی ہے اس لیے ناپاک ہے۔امام شافعی ؒ

27- [بخاری (۲۲۹) کتاب الوضوء: باب غسل المنی وفرکه وغسل ما یصیب من المرأة' مسلم (۲۸۹) ابو داود (۳۷۳) ترمذی (۱۱۷) نسائی (۱۵۶/۱) ابن ماجه (۵۳۶)]

28- [مسلم (۲۸۸-۲۹۰) کتاب الطهارة: باب حکم المنی' ابو داود (۳۷۱) ترمذی (۱۱۶) نسائی (۱۵۶/۱) ابن ماجه (۵۳۷) احمد (۱۳۲/۶) دارقطنی (۱۲۵/۱)]

---

(۷۱) [سبل السلام (۶۳/۱)]

(۷۲) [المجموع (۲۲۷/۱) المغنی (۴۶/۱) مغنی المحتاج (۸۳/۱) کشاف القناع (۲۲۱/۱) فقه السنة (۱۶/۱)]

(۷۳) [نیل الأوطار (۷۹/۱)]

اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ منی پاک ہے کیونکہ کھرچنے سے یقیناً صحیح طور پر صفائی نہیں ہوتی مگر پھر بھی آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے اور اگر منی ناپاک ہوتی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اطلاع دے دیتے' جیسا کہ نماز میں جوتیوں پر لگی گندگی کی اطلاع دی تھی۔(۷۴) علاوہ ازیں مختلف کبار ائمہ مثلاً امام شوکانیؒ (۷۵)، امام ابن تیمیہؒ (۷۶)، امام صنعانیؒ (۷۷)، امام اسحاقؒ، امام داودؒ (۷۸)، امام ابن حزمؒ (۷۹) اور دورِ حاضر کے شیخ وھبہ زحیلی (۸۰) اور شیخ صبحی حلاق (۸۱) وغیرہ نے بھی منی کے پاک ہونے کا ہی موقف اپنایا ہے۔

29- وَعَنْ أَبِي السَّمْحِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابو السمح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لڑکی کے پیشاب سے آلودہ کپڑا دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب سے آلودہ کپڑے پر چھینٹے مارے جائیں گے۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح يُرَشُّ مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب رَشَّ يَرُشُّ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے ''چھینٹے مارنا''۔

فہم الحدیث مذکورہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شیر خوارگی کی عمر میں لڑکے اور لڑکی کے پیشاب کا حکم مختلف ہے۔ لیکن اس واضح اور صحیح حدیث کے باوجود بعض مکاتبِ فکر میں اس کے برعکس رائے اختیار کی گئی ہے مثلاً حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں دودھ پیتے لڑکے اور لڑکی دونوں کے پیشاب کو کپڑے سے دھونا لازم ہے۔(۸۲) اسی طرح امام اوزاعیؒ اور ایک قول کے مطابق امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کے پیشاب پر صرف چھینٹے مارنا ہی کافی ہے۔(۸۳) یہ دونوں آراء گزشتہ صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل تردید ہیں اور صائب رائے وہی ہے جو حدیث کے ظاہری مفہوم کے موافق ہے۔ امام احمدؒ، امام ثوریؒ، امام داودؒ، امام نخعیؒ، امام ابن وہبؒ اور امام مالکؒ سے ایک روایت کے مطابق یہی آخری (درست) رائے منقول ہے۔(۸۴)

-29 [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۳۷٦) كتاب الطهارة: باب بول الصبي يصيب الثوب' نسائي (۱/۱۵۸) ابن ماجه (۵۲٦) دارقطني (۱/۱۳۰) ابن خزيمة (۲۸۳) حاكم (۱/۱٦٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۷٤) [الأم للشافعي (۱/۱۲٤) المغني (۲/٤۹۷) المهذب (۱/٤۷) مغني المحتاج (۱/۷۹) كشاف القناع (۱/۲۲٤)]
(۷۵) [السيل الجرار، الدرر البهية]
(۷٦) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (۱/٦۵)]
(۷۷) [سبل السلام (۱/۷۹-۸۰)]
(۷۸) [عمدة القارى (۳/۲۱)]
(۷۹) [المحلى بالآثار (۱/۱۳٤)]
(۸۰) [الفقه الإسلامي وأدلته (۱/۳۱٦)]
(۸۱) [التعليق على الروضة الندية (۱/۸۳)]
(۸۲) [روضة الطالبين (۱/۱٤۱) شرح المهذب (۲/٦۰۹) بداية المجتهد (۱/۷۷) فتح القدير (۱/۱٤۰) الدر المختار (۱/۲۹۳)]
(۸۳) [المجموع (۲/۵٤۸) مغني المحتاج (۱/۸٤) شرح زرقاني على موطا (۱/۱۲۹)]
(۸٤) [شرح زرقاني على موطا (۱/۱۲۹) الكافي (۱/۹۱) قوانين الأحكام الشرعية (ص/٤۷) مغني المحتاج (۱/۸٤) كشاف القناع (۱/۲۱۷) المهذب (۱/٤۹)]

30- وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ـ فِي دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ ـ ((تَحُتُّهُ ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ تَنْضَحُهُ ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حیض کے خون کے متعلق' جو کپڑے کو لگ جائے' فرمایا "پہلے اسے کھرچو' پھر پانی کے ساتھ اچھی طرح ملو' پھر اس پر (خوب) پانی بہاؤ' پھر اس میں نماز پڑھ لو۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح تَقْرُصُهُ مشتق ہے قرص سے' اس کا معنی ہے "انگلیوں کے پوروں کے ساتھ اچھی طرح کپڑے کو ملنا" تَنْضَحُهُ مشتق ہے نضح سے اور اس کا معنی ہے "پانی کے چھینٹے مارنا"۔

فهم الحديث اس حدیث میں حیض آلود کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ ایسے کپڑے کو کھرچنے اور خوب اچھی طرح پانی کے ساتھ ملنے کے بعد بھی اگر اس میں خون کے کچھ نشان باقی ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں' ایسا کپڑا پاک ہے اور اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے' جیسا کہ آئندہ حدیث اس کی مؤید ہے۔

31- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَتْ خَوْلَةُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَإِنْ لَمْ يَذْهَبِ الدَّمُ؟ قَالَ: ((يَكْفِيكِ الْمَاءُ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! (حیض آلود کپڑا دھونے کے بعد بھی) اگر خون کا نشان نہ جائے (تو کیا کیا جائے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا' تیرے لیے پانی بہانا ہی کافی ہے اور اس کا نشان (اگر باقی ہے تو) تیرے لیے کچھ نقصان دہ نہیں۔ [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔]

باب الوضوء — وضوء کا بیان

32- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ ((لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوءٍ)) أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو میں انہیں ہر وضوء کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا۔" [اسے مالک' احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے' ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔]

30- [بخاری (۲۷۷_۳۰۷) كتاب الحيض : باب غسل دم المحيض' مسلم (۲۹۱) ابو داود (۳۶۰_۳۶۲) ترمذی (۱۳۸) نسائی (۱/۱۵۵) ابن ماجه (۶۲۹) احمد (۶/۳۴۵) ابن خزيمة (۲۷۵)]

31- [صحیح : صحيح ابو داود' ابو داود (۳۶۵) كتاب الطهارة : باب المرأة تغسل ثوبها الذى تلبسه فى حيضها' احمد (۲/۳۶۰) بيهقى (۲/۴۰۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعیف ہے اور اس کے لیے مرسل شاہد ہے۔]

32- [بخاری (۸۸۷) كتاب الجمعة : باب السواك يوم الجمعة' مسلم (۲۵۲) ابو داود (۴۶) ترمذی (۲۲) نسائی (۱/۳۲) ابن ماجه (۲۸۷) احمد (۲/۲۴۵) مالك (۱/۱۶۶) ابن خزيمة (۱۳۹)]

لغوی توضیح وُضُـوء (واؤ کے ضمہ کے ساتھ) مصدر ہے جس کا معنی ہے ''وضوء کرنا'' اور وَضُـوء (واؤ کے فتحہ کے ساتھ) ایسے پانی کے لیے بولا جاتا ہے جس سے وضوء کیا جاتا ہے اور وِضُـو (واؤ کے کسرہ کے ساتھ) اس برتن کو کہتے ہیں جس سے وضوء کیا جاتا ہے۔ دراصل وضوء وضاءة سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوبصورتی و نظافت ہے اور نماز کے وضوء پر (یہ لفظ) اسی لیے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ وضوء کرنے والے کو صاف اور خوبصورت بنا دیتا ہے۔ السّواك کا معنی ہے ''مَلنا یا مَلنے کا آلہ''۔ اس سے مراد وہ لکڑی ہے جو دانتوں کی میل کچیل صاف کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے مسواک کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں بیشتر احادیث میں مسواک کی شدت سے ترغیب دلائی گئی ہے مثلاً ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے مسواک کا اس قدر حکم دیا گیا حتی کہ مجھے اپنے دانت گر جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔''(۸۵) ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''مجھے مسواک کا حکم دیا گیا حتی کہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ اسے مجھ پر فرض نہ کر دیا جائے۔''(۸۶) مسواک کی ترغیب میں یہ فرمانِ نبوی بھی قابل توجہ ہے کہ ''مسواک کو لازم پکڑو' یقیناً یہ منہ کو پاکیزہ بناتی ہے اور رب کو راضی کرتی ہے۔''(۸۷) علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ مسواک کے ساتھ نماز کی فضیلت بغیر مسواک کیے پڑھی گئی نماز سے 70 گنا زیادہ ہے' وہ ضعیف ہے۔(۸۸)

33- وَعَنْ حُمْرَانَ ((أَنَّ عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ' ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ' ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا))۔

حضرت حمران رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضوء کا پانی منگوایا۔ پھر تین مرتبہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا' پھر کلی کی' پھر ناک میں پانی چڑھایا اور اسے جھاڑا' پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا' پھر اپنے دائیں بازو کو کہنی تک تین مرتبہ دھویا' پھر بائیں کو اسی طرح دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا' پھر اپنے دائیں پاؤں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھویا' پھر بائیں کو اسی طرح دھویا' پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس وضوء کی طرح وضوء کرتے دیکھا تھا۔

33- [بخاری (۱۵۹) كتاب الوضوء: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا' مسلم (۲۲٦) ابو داود (۱۰٦) نسائی (٦٤/۱) ابن ماجه (۲۸۵) احمد (۵۹/۱) دارقطنی (۸۳/۱) بیهقی (٤۹/۱)]

(۸۵) [حسن لغيره: صحيح الترغيب (۲۱٤) بزار في كشف الأستار (٤۹۷)]

(۸٦) [حسن: صحيح الجامع الصغير (۱۳۷٦) مسند احمد (٥٤٤/٤)]

(۸۷) [صحيح: صحيح الترغيب (۲۱۰) احمد (۱۰۸/۲)]

(۸۸) [ضعيف: احمد (۲۷۲/٦) مسند ابو يعلى (٤۷۳۸) مستدرك حاكم (۱٤٦/۱) بيهقى فى السنن الكبرى (۳۸/۱) ابن خزيمة (۱۷/۱)' (۱۳۷)' بزار في كشف الاستار' (۲٤٤/۱)' (۵۰۱) مجمع الزوائد (۹۸/۲) دارقطني في العلل (۲٤/٥) الكامل لابن عدى (۲۳۹٥/٦) شیخ عبدالرزاق مہدی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[التعليق على شرح فتح القدير (۲۳/۱)] شیخ شعیب ارنؤوط نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے' اس کی سند منقطع ہے کیونکہ محمد بن اسحاق نے یہ حدیث امام زہریؒ سے نہیں سنی۔[مسند احمد محقق (۲٦۳٤۰)] حافظ ابن حجرؒ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن معینؒ نے فرمایا: اس روایت کی کوئی سند بھی صحیح نہیں اور یہ روایت باطل ہے۔[تلخيص الحبير (٦۸/۱)]

لغوی توضیح تَمَضْمَضَ فعل ماضی ہے باب تَمَضْمَضَ يَتَمَضْمَضُ (بروزن تفعلل) سے اس کا معنی ہے منہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا۔ اِسْتَنْشَقَ مشتق ہے اسـتـنـشـاق (بروزان استفعال) سے اس کا معنی ہے ناک میں پانی چڑھانا۔ اِسْتَنْثَرَ مشتق ہے استـنـثـار (بروزان استفعال) سے اس کا معنی ہے ناک میں چڑھے ہوئے پانی کو باہر نکالنا۔ اَلْمِرْفَق کہنی کو اور اَلْكَعْب ٹخنے کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سر کے مسح کے سوا باقی اعضائے وضوء تین تین مرتبہ دھونا مسنون ہے۔ تاہم اگر کوئی دو دو مرتبہ یا ایک ایک مرتبہ دھوئے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ دیگر روایات سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔(۸۹) لیکن کم از کم ایک مرتبہ دھونا بہرحال واجب ہے۔

- وضوء سے پہلے نیت ضروری ہے کیونکہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ وضوء میں نیت ضروری نہیں۔ (۹۰) مگر ان کا موقف درست نہیں۔ امام ابن قیمؒ نے تفصیلاً احناف کے اس موقف کا رد کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ وضوء میں نیت ضروری ہے۔(۹۱) لیکن یہ یاد رہے کہ یہ نیت زبانی نہیں بلکہ دل سے ہوگی کیونکہ نیت کا محل دل ہی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ زبان سے نیت کرنا بدعت ہے۔(۹۲)

34- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ فِي صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ ـ قَالَ: ((وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاحِدَةً)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ ' بَلْ قَالَ التِّرْمِذِيُّ: إِنَّهُ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي الْبَابِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے وضوء کے طریقہ کے بیان میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کا ایک مرتبہ مسح کیا۔ [اسے ابو داود' ترمذی اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے' بلکہ ترمذی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ یہ حدیث اس باب میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سر کا مسح صرف ایک مرتبہ ہی فرض ہے۔ اہل علم کی اکثریت اسی کی قائل ہے۔ البتہ عطاءؒ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ باقی اعضاء کی طرح مسح بھی تین مرتبہ کرنا چاہیے۔(۹۳) امام شوکانیؒ نے ان کا رد کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ صرف ایک مرتبہ مسح کرنا ہی ثابت ہے اور جن روایات میں زیادہ مرتبہ کا ذکر ہے وہ ضعیف ہیں۔(۹۴) امام ابن قیمؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۹۵)

34- [صحیح: صحیح ابو داود (۱۱۱-۱۱۵) كتاب الطهارة: باب صفة وضوء النبي ﷺ' ترمذی (۴۸) نسائی (۶۷/۱) ابن ماجه (۴۳۶) احمد (۱۱۴/۱) ابن الجارود (۶۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۸۹) [بخاری (۱۸۵) عارضة الأحوذی (۴۶/۱) نسائی (۶۱/۱) دارمی (۱۸۰/۱) احمد (۳۸/۴-۳۹-۴۱)]
(۹۰) [الأم (۱۲۹/۱) الكافی (۱۶۴/۱) حاشية الدسوقی (۹۳/۱) المغنی (۱۱۰/۱) المبسوط (۷۲/۱) البحر الرائق (۲۴/۱)]
(۹۱) [أعلام الموقعين (۱۱۱/۳)]
(۹۲) [الفتاوی الكبری (۲۱۴/۱) مجموع الفتاوی (۲۶۲/۱۸)]
(۹۳) [الأم للشافعی (۲۶/۱) الروضة (۹/۱) المجموع (۴۲۶/۱) المبسوط (۵/۱-۷) حاشية الدسوقی (۹۸/۱)]
(۹۴) [نيل الأوطار (۲۴۷/۱)]
(۹۵) [زاد المعاد كما فی توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۰۸/۱)]

35- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِيْ صِفَةِ الْوُضُوْءِ - قَالَ : ((وَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِرَأْسِهِ، فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَأَدْبَرَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ - وَفِيْ لَفْظٍ لَهُمَا ((بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا إِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِيْ بَدَأَ مِنْهُ)) -

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ نے طریقۂ وضوء کے متعلق فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کا مسح یوں کیا کہ اپنے دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے لے آئے۔ [بخاری، مسلم] اور بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے آگے سے مسح شروع کیا حتی کہ اپنے ہاتھوں کو گدی تک لے گئے، پھر ان دونوں کو اسی جگہ کی جانب واپس لوٹا لیا جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔

لغوی توضیح قَفَا سے مراد ہے گردن کا پچھلا حصہ اور سر کا آخری حصہ جسے گدی کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل سر کا مسح واجب ہے کیونکہ یہ اس طریقۂ مسح کی تفصیل ہے جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور جس کا حکم دیا گیا ہے۔ امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۹۶) تاہم اس سلسلے میں فقہا کی مختلف آراء ہیں۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ کم از کم جتنے سر کے حصے پر مسح کا لفظ صادق آتا ہے اتنے حصے کا مسح فرض ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے سر کے چوتھائی حصے کے مسح کو واجب قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ نے مرد کے لیے مکمل سر کا مسح جبکہ عورت کے لیے صرف سر کے سامنے والے حصے کا مسح واجب قرار دیا ہے اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ مکمل سر کا مسح واجب ہے۔ (۹۷) یہی رائے اقرب الی الحق ہے۔

36- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِيْ صِفَةِ الْوُضُوْءِ - قَالَ : ((ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّاحَتَيْنِ فِيْ أُذُنَيْهِ وَمَسَحَ بِإِبْهَامَيْهِ ظَاهِرَ أُذُنَيْهِ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ -

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے وضوء کے بیان میں مروی ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی دونوں شہادت کی انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں کے ساتھ کانوں کے ظاہری حصے کا مسح کیا۔ [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ سر کے ساتھ کانوں کے اندرونی و بیرونی حصے کا مسح بھی مسنون ہے اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو کانوں کے مسح کا ہے کیونکہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ﴿الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ﴾ ''دونوں کان سر سے ہیں۔'' (۹۸) جب دونوں کان سر میں شامل ہیں تو چونکہ سر کا مسح فرض ہے لہٰذا کانوں کا مسح بھی فرض ہوا۔

35- [بخاری (۱۸۵-۱۹۱) كتاب الوضوء : باب مسح الرأس كله، مسلم (۲۳۵) ابو داود (۱۱۸) ترمذی (۳۵) نسائی (۷۲/۱) ابن ماجه (۴۳۴) احمد (۳۸/۴) مالك (۱۸/۱)]

36- [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۱۳۵) كتاب الطهارة : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، نسائی (۸۸/۱) ابن ماجه (۴۲۲) احمد (۱۸۰/۲) ابن خزيمة (۱۷۴) بيهقی (۷۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۹۶) [السيل الجرار (۸۵/۱)]

(۹۷) [المغنی (۱۷۶/۱) كشاف القناع (۱۰۹/۱) مغنی المحتاج (۵۳/۱) فتح القدير (۱۰/۱) بدائع الصنائع (۴/۱) بداية المجتهد (۱۱/۱)]

(۹۸) [صحیح : الصحيحة (۳۶)]

37- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلَى خَيْشُومِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو تین مرتبہ ناک (میں پانی ڈال کر اسے اچھی طرح) جھاڑے' کیونکہ شیطان اس کے نتھنے کی ہڈی پر رات گزارتا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اسْتَيْقَظَ فعل ماضی ہے باب استیقاظ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''بیدار ہونا''۔ خَيْشُوم ناک کے اندرونی اوپر والے حصے کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد ناک جھاڑنا مستحب ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ناک کی ہڈی پر شیطان رات گزارتا ہے' لیکن اس کی کیفیت کیا ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

38- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ (پانی کے) برتن میں نہ ڈالے حتیٰ کہ اسے تین مرتبہ دھو لے' کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے (جسم کے کس حصے پر) رات گزاری۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

فهم الحديث اس حدیث میں احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھنے کی ترغیب ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حکم وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے؟ امام احمدؒ اسے وجوب پر جبکہ جمہور علماء استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ جمہور کی رائے اقرب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر ہاتھ پر نجاست لگنے کا علم ہو تو پھر کسی بھی برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھونا بہر صورت ضروری ہے۔

39- وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔ وَلِأَبِي دَاوُدَ فِي رِوَايَةٍ: ((إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ))۔

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اچھی طرح مکمل وضوء کرو' انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرو الا کہ تم روزہ دار ہو (تو ایسا نہ کرو)۔'' [اسے ابوداود' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ] ''جب تم وضوء کرو تو کلی کرو۔''

لغوی توضیح أَسْبِغْ فعل امر ہے اسباغ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''مکمل طور پر اور اچھی طرح کوئی کام کرنا''۔ خَلِّلْ فعل امر ہے تخلیل (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''خلال کرنا''۔ خلال یہ ہے کہ ایک انگلی کو باقی انگلیوں کے درمیان داخل کر کے ملنا حتیٰ کہ انگلیوں کا درمیانی حصہ خوب تر ہو جائے۔

37- [مسلم (۲۳۸) كتاب الطهارة : باب الإيتار في الاستنثار والاستجمار' نسائي (۶۷/۱)]

38- [بخاري (۱۶۲) كتاب الوضوء : باب الاستجمار وترا' مسلم (۲۷۸) ابو داود (۱۰۳-۱۰۵) ترمذي (۲۴) نسائي (۶/۱) ابن ماجه (۳۹۳) احمد (۴۱۵/۲)]

39- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۱۴۲-۱۴۴) كتاب الطهارة : باب في الاستنثار' ترمذي (۳۸) نسائي (۶۶/۱) ابن ماجه (۴۰۷) احمد (۳۲/۴) ابن خزيمة (۱۵۰) ابن حبان (۱۵۹) حاكم (۱۴۷/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

فهم الحدیث مذکورہ حدیث میں اچھی طرح وضوء کرنے اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنے کی ترغیب ہے۔امام شوکانیؒ (۹۹) امام صنعانیؒ (۱۰۰)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۱۰۱) اور علامہ البانیؒ (۱۰۲) نے انگلیوں کے خلال کو واجب کہا ہے۔

40- وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ فِي الْوُضُوْءِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دورانِ وضوء اپنی داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء میں داڑھی کا خلال مستحب ہے واجب نہیں۔امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ثوریؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کا کہنا ہے کہ وضوء میں مستحب اور غسل جنابت میں واجب ہے۔امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ یہ احادیث وجوب پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ ان میں آپ ﷺ کے فعل کا ذکر ہے اور فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔(۱۰۳)

41- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِثُلُثَيْ مُدٍّ، فَجَعَلَ يَدْلُكُ ذِرَاعَيْهِ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے دو تہائی مد پانی پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے دونوں بازوؤں کو (دھونے کی غرض سے) ملنا شروع کر دیا۔[اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح مُد ایک پیمانہ ہے جو کم و بیش دو رطل کے برابر اور جدید وزن کے مطابق تقریباً 6 سو گرام بنتا ہے۔

فهم الحدیث اتنے کم پانی سے وضوء کرنے کا آپ ﷺ کا مقصد اُمت کو پانی کے ضیاع سے اجتناب کی ترغیب دلانا تھا۔

42- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَأْخُذُ لِأُذُنَيْهِ مَاءً غَيْرَ الْمَاءِ الَّذِي أَخَذَهُ لِرَأْسِهِ)) أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ ① ۔ وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ ② مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ بِلَفْظِ: ((وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ بِمَاءٍ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا' آپ اپنے کانوں کے مسح کے لیے اُس پانی کے علاوہ پانی لیتے تھے جو سر کے مسح کے لیے لیا ہوتا۔[اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔] مسلم کے پاس اسی سند سے یہ روایت ان الفاظ میں منقول

40- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۳۱) كتاب الطهارة: باب ما جاء في تخليل اللحية' ابن ماجه (۴۳۰) دارقطنی (۸۶/۱) ابن خزيمة (۱۵۱-۱۵۲) ابن حبان (۱۵۴-الموارد) حاكم (۱۴۷/۱-۱۴۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

41- [احمد (۳۹/۴) ابن خزيمة (۱۱۸) ابن حبان (۱۵۵-الموارد) بيهقی (۱۹۶/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

42- [① بيهقی (۱۶۵/۱) حاكم (۱۵۱/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو شاذ جبکہ اس کے بعد والی کو محفوظ کہا ہے۔ ② مسلم (۲۳۶) كتاب الطهارة: باب في وضوء النبي' أبو داود (۱۲۰) ترمذی (۳۵)]

---

(۹۹) [نيل الأوطار (۲۴۱/۱)] (۱۰۰) [سبل السلام (۸۹/۱)]

(۱۰۱) [تحفة الأحوذی (۱۵۶/۱)] (۱۰۲) [تمام المنة (ص/۹۳)]

(۱۰۳) [مزید دیکھئے: نيل الأوطار (۲۳۶/۱)]

غَيْرِ فَضْلِ يَدِهِ)) وَهُوَ الْمَحْفُوظُ۔ ہے: اور آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح ہاتھوں سے بچے ہوئے پانی کے علاوہ اور پانی سے کیا۔[اور یہی مسلم کی روایت محفوظ ہے۔]

فهم الحديث پہلی روایت' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کانوں کے مسح کے لیے الگ پانی لینا چاہیے' اسے اہل علم نے غیر محفوظ کہا ہے' اس لیے اس پر عمل لازم نہیں۔ لہٰذا کانوں کا مسح بھی اسی پانی سے کر لینا چاہیے جو سر کے مسح کے لیے لیا ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی جس میں مذکور ہے کہ ''کان سر میں شامل ہیں۔'' امام ابن قیمؒ نے کہا ہے کہ آپ ﷺ سے یہ بالکل ثابت نہیں کہ آپ نے کانوں کے مسح کے لیے الگ پانی لیا ہو۔ اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے کہا ہے کہ مجھے کسی مرفوع' صحیح اور کلام سے خالی حدیث کا علم نہیں جو کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینے پر دلالت کرتی ہو۔(۱۰۴) علاوہ ازیں دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھونے کے بعد سر کے مسح کے لیے الگ پانی لینا چاہیے۔

❑ یہاں یہ بات یاد رہے کہ گردن کے مسح کے متعلق کوئی بھی روایت ثابت نہیں۔ یہی وجہ ہے جمہور اہل علم' امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے واضح طور پر کہا ہے کہ گردن کا مسح سنت نہیں۔(۱۰۵) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ(۱۰۶) اور امام ابن قیمؒ(۱۰۷) کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے وضوء میں گردن کے مسح کے متعلق کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ امام نوویؒ نے تو اس عمل کو بدعت قرار دیا ہے۔(۱۰۸) نیز سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی اس عمل کے غیر مسنون ہونے کا ہی فتویٰ دیا ہے۔(۱۰۹)

43- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((إِنَّ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''بلاشبہ میری امت کے افراد روز قیامت اس حال میں آئیں گے کہ وضوء کے اثرات کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمکتے ہوں گے۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اس چمک کو زیادہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے ایسا کرنا چاہیے۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح غُرًّا اس چمک کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے اور تحجیل اس چمک کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی ٹانگوں میں ہوتی ہے۔ یہاں اس سے مراد اعضائے وضوء کی چمک دمک اور سفیدی ہے۔

فهم الحديث مذکورہ حدیث میں جہاں نمازی مسلمانوں کے لیے روز قیامت اعضاء کے چمکنے کی نوید سنائی گئی ہے وہاں یہ بھی ترغیب دلائی گئی ہے کہ اس چمک کو اگر کوئی زیادہ کر سکتا ہے تو کرے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چمک کو زیادہ کرنے کا کیا مطلب ہے۔ ایک مطلب وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ ؓ نے سمجھا یعنی بازوؤں کو کندھوں تک' قدموں کو گھٹنوں تک یا کم از کم مقررہ حد سے زیادہ دھونا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر وقت باوضوء رہنے کی کوشش کرنا اور تیسرا

43- [بخاری (۱۳٦) کتاب الوضوء: باب فضل الوضوء والغر المحجلون من آثار الوضوء' مسلم (۲٤٦) نسائی (۹٤/۱)]

(۱۰٤) [دیکھئے: توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۲۲٥/۱)]
(۱۰٥) [کما فی الفتاوی الکبری لابن تیمیة (٤۱۸/۱)]
(۱۰٦) [مجموع الفتاوی (۱۲۷/۲۱)]
(۱۰۷) [زاد المعاد (۱۹٥/۱)]
(۱۰۸) [المجموع (٤۸۹/۱)]
(۱۰۹) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۲۳٦/٥)]

مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ باوضوء ہونے کے باوجود ہر نماز کے لیے الگ وضوء کرنا وغیرہ۔ تاہم یہ یاد رہے کہ حدیث کے آخری الفاظ (یعنی جو زیادہ کرسکتا ہے......) نبی کریم ﷺ کے ہیں یا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول' اس میں اختلاف ہے اور اس کے متعلق سعودی مجلس افتاء کا یہی فتوی ہے کہ یہ الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ (۱۱۰) اس لیے بہتر یہی ہے کہ وضوء کی مقررہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے وضوء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امت محمد ﷺ کا یہ میزہ وخاصہ ہے کہ روزِ قیامت ان کے اعضائے وضوء چمکتے ہوں گے اور وہ باقی امتوں میں پہچانے جاتے ہوں گے۔ نیز اس میں آخرت اور جزاء کا اثبات بھی ہے کہ جس پر ایمان لانا سب مسلمانوں پر لازم ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ روزِ قیامت انسانوں کو روحوں اور جسموں (دونوں) کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

44- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطُهُورِهِ وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جوتا پہننے' کنگھی کرنے' وضوء کرنے اور اپنے ہر کام میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔ [بخاری' مسلم]

45- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوا بِمَيَامِنِكُمْ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جب تم وضوء کرو تو اپنی دائیں اطراف سے شروع کرو۔" [اسے ابوداود' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر اچھے کام میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا پسند تھا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے امت کو بھی اس کی ترغیب دلائی۔ امام نووی نے کہا ہے کہ شرع کا مستقل قاعدہ ہے کہ ہر اچھے کام کو دائیں جانب سے اور اس کے برعکس ہر کام (مثلاً بیت الخلاء میں داخل ہونا وغیرہ) کو بائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ علماء نے اجماع کیا ہے کہ وضوء میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا (یعنی پہلے دایاں ہاتھ دھونا اور پھر بایاں' اسی طرح پہلے دایاں قدم دھونا اور پھر بایاں) مسنون ہے اور جو اسے چھوڑے گا وہ فضیلت سے محروم ہو جائے گا لیکن اس کا وضوء بہر حال ہو جائے گا۔ (۱۱۱) امام شوکانی نے اس عمل کو مستحب کہا ہے۔ (۱۱۲) لیکن امام صنعانی نے کہا ہے کہ وجوب کا قول ہی زیادہ اولیٰ ہے۔ (۱۱۳)

- اہل علم کے مابین اس مسئلے میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ کیا وضوء میں ترتیب واجب ہے یا غیر مرتب وضوء

44- [بخاری (۱۶۸) کتاب الوضوء: باب التیمن فی الوضوء والغسل' ابو داود (۴۱۴۰) ترمذی (۶۰۸) نسائی (۷۸/۱) ابن ماجہ (۴۰۱) احمد (۹۴/۶)]

45- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۴۱۴۱) کتاب اللباس: باب فی الانتعال' ابن ماجہ (۴۰۲) احمد (۳۵۴/۲) ابن خزیمہ (۱۷۸) ترمذی (۱۷۶۶) نسائی فی السنن الکبری (۹۶۶۹) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ امام نووی نے اسے "المجموع" میں حسن کہا ہے۔]

(۱۱۰) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۲۰۱/۵)]

(۱۱۱) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۳۱/۱)]

(۱۱۲) [نيل الأوطار (۲۶۵/۱)] (۱۱۳) [سبل السلام (۱۵۷/۱)]

بھی کفایت کر جاتا ہے۔تو اس سلسلے میں راجح مؤقف یہی ہے کہ وضوء میں ترتیب واجب ہے۔امام شوکانیؒ (١١٤)، امام ابن قیمؒ (١١٥) اور نواب صدیق حسن خانؒ (١١٦) اسی کے قائل ہیں۔

❑ وضوء میں ترتیب کی طرح موالاۃ (یعنی پے در پے وضوء کرنا) بھی واجب ہے۔یہی وجہ ہے جب نبی ﷺ نے ایک آدمی کے قدم پر ناخن کے برابر خشک جگہ دیکھی تو اسے یہ نہیں فرمایا کہ وہ صرف قدم دھو لے بلکہ اسے دوبارہ وضوء کرنے کا حکم دیا۔(١١٧) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، (١١٨) امام ابن قدامہؒ، (١١٩) علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ (٢٢٠)، شیخ ابن عثیمینؒ (٢٢١) اور سعودی مجلس افتاء (٢٢٢) نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ وضوء میں موالاۃ واجب ہے۔

46- وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَالْخُفَّيْنِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضوء کیا تو اپنی پیشانی کے بالوں، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح نَاصِيَة سر کے اگلے حصے کو کہتے ہیں جہاں سے بال کاٹے جاتے ہیں اور اس کی جمع نواص اور ناصیات آتی ہے۔الْعِمَامَة کا معنی ہے ''پگڑی'' جو کہ معروف ہے اور اس کی جمع العمائم آتی ہے۔خُفَّيْن تثنیہ ہے خف کی، اس کا معنی ہے ''موزہ'' جو چمڑے سے بنا ہوتا ہے اور پاؤں میں ٹخنوں تک پہنا جاتا ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشانی کے بالوں اور پگڑی پر اور موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ صرف پیشانی کے بالوں پر مسح کفایت نہیں کرتا، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے۔علاوہ ازیں صرف پگڑی پر مسح کافی ہے یا نہیں اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔امام احمدؒ اسے صحیح جبکہ ائمہ ثلاثہ اسے غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔(٢٢٣) امام ابن قیمؒ کا کہنا ہے کہ بعض اوقات نبی کریم ﷺ سر پر اور بعض اوقات پگڑی پر اور بعض اوقات پیشانی کے بالوں اور پگڑی (دونوں) پر مسح کر لیتے تھے۔(٢٢٤) امام شوکانیؒ کا کہنا ہے کہ صرف سر پر، صرف پگڑی پر اور سر اور پگڑی دونوں پر مسح ثابت ہے اور ہر طرح سے صحیح ہے۔(٢٢٥) ہمارے علم کے مطابق بھی یہی رائے قوی ہے۔(واللہ اعلم)

46- [مسلم (٢٧٤) كتاب الطهارة : باب المسح على الخفين، ابو داود (١٥٠) ترمذي (١٠٠) نسائي (٧٦/١) ابن ماجه (٥٤٥) احمد (٢٤٤/٤) دارقطني (١٩٢/١) اصله في البخاري (٢٠٣)]

(١١٤) [السيل الجرار (٨٧/١)]

(١١٥) [زاد المعاد (٦٩/١)]

(١١٦) [الروضة الندية (١٤٠/١)]

(١١٧) [صحيح : صحيح ابو داود (١٦١) ابو داود (١٧٥) احمد (١٤٦/٣)]

(١١٨) [مجموع الفتاوى (١٣٥/٢١)]

(١١٩) [المغني (١٩٢/١)]

(٢٢٠) [عون المعبود (٦٨/١)]

(٢٢١) [فتاوى ابن عثيمين (١٤١/٤)]

(٢٢٢) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٢١٥/٥)]

(٢٢٣) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٢٣٥/١)]

(٢٢٤) [زاد المعاد (١٩٤/١)]

(٢٢٥) [نيل الأوطار (٢٥٧/٣)]

47- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ فِي صِفَةِ حَجِّ النَّبِيِّ ﷺ ـ قَالَ ﷺ: ((ابْدَؤُوْا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ)) أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ هٰكَذَا بِلَفْظِ الْأَمْرِ، وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ الْخَبَرِ ـ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا حج بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہاں سے ابتدا کرو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی ہے۔'' [نسائی نے امر کے لفظ (یعنی ابْدَأُوْا) کے ساتھ روایت کیا ہے اور مسلم کی روایت میں خبر (یعنی نَبْدَأُ ''ہم ابتدا کرتے ہیں'') کے لفظ ہیں۔]

فهم الحديث دراصل یہ فرمانِ نبوی صفا و مروہ کے درمیان سعی کے بارے میں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں پہلے صفا کا ذکر کیا ہے اس لیے ہم بھی صفا سے ہی سعی کا آغاز کریں گے۔ اس باب میں یہ حدیث لانے کی غرض یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وضوء کی ترتیب (یعنی پہلے چہرہ' پھر کہنیوں تک بازو' پھر سر کا مسح اور پھر پاؤں دھونا) بیان کی ہے اسی طرح مرتب وضوء کرو۔ لہٰذا وضوء میں ترتیب واجب ہے۔ مزید اس کا بیان گزشتہ حدیث نمبر 45 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

48- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ أَدَارَ الْمَاءَ عَلَى مِرْفَقَيْهِ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ـ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب وضوء کرتے تو اپنی کہنیوں پر پانی ڈالتے تھے۔'' [اسے دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھونے'' کا مطلب ہے کہنیوں سمیت دھونا۔ یعنی کہنیاں بھی دھونے کے حکم میں شامل ہیں۔ امام ابن قیمؒ نے اسی کو ثابت کیا ہے۔ (۲۲۶)

49- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کا وضوء نہیں ہوتا جس نے وضوء کی ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھی۔'' [اسے احمد' ابوداود اور ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

47- [مسلم (۱۲۱۸) کتاب الحج: باب حجة النبی' ابو داود (۱۹۰۵) ترمذی (۸٦۲) نسائی (۲۳۵/۵) ابن ماجه (۳۰۷٤) مالك (۳۷۲/۱) نسائی فی السنن الکبری (۲۹٦۷)]

48- [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (٤٦۹۸) السلسلة الصحیحة (۲۰٦۷) دارقطنی (۸۹/۱) بیهقی (٥٦/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

49- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۱۰۱) کتاب الطهارة: باب فی التسمیة علی الوضوء' ابن ماجه (۳۹۹) احمد (٤۱۸/۲) دارقطنی (۷۹/۱) حاکم (۱٤٦/۱) بیهقی (٤۳/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس کی متعدد سندیں اسے قوی بناتی ہیں۔ شیخ حازم علی قاضی کا کہنا ہے کہ اس ضمن میں مروی احادیث کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔]

(۲۲٦) [كما فی توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۲۳۹/۱)]

50- وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا نَحْوَهُ ' قَالَ أَحْمَدُ : لَا يَثْبُتُ فِيْهِ شَيْءٌ ۔

[اور ترمذی نے یہ روایت سعید بن زید اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے۔ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اس بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔]

فہم الحدیث یہ روایت علی الاقل حسن درجہ کی ہے اور حسن روایت قابل احتجاج ہوتی ہے۔ لہٰذا اس روایت سے کم از کم ابتدائے وضوء میں بسم اللہ پڑھنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ امام شوکانی " (۲۲۷) اور علامہ ناصر الدین البانی " (۲۲۸) نے یہی فتوی دیا ہے۔ اس روایت اور مسئلے پر مفصل بحث پڑھنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب " فقه الحديث : كتاب الطهارة : باب الوضوء " یا دوسری کتاب " طہارت کی کتاب " ملاحظہ فرمائیے۔

❑ واضح رہے کہ اگر کوئی شخص ابتدائے وضوء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس پر کوئی حرج نہیں کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا' بھول اور جبری کرائے گئے کام' کے گناہ کو معاف کر دیا ہے۔'' (۲۲۹) البتہ دورانِ وضو جب بھی یاد آئے اسی وقت بسم اللہ پڑھ لینی چاہیے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہے کہ صرف ''بسم اللہ'' پڑھنا ہی مسنون ہے' اس کے ساتھ ''الرحمٰن الرحیم'' کے الفاظ ثابت نہیں۔

51- وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَفْصِلُ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ ۔

حضرت طلحہ بن مصرفؒ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کے لیے الگ الگ پانی لیتے تھے۔ [اسے ابوداود نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

52- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِيْ صِفَةِ الْوُضُوْءِ - ((ثُمَّ تَمَضْمَضَ ﷺ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا يُمَضْمِضُ وَيَسْتَنْثِرُ مِنَ الْكَفِّ الَّذِيْ يَأْخُذُ فِيْهِ الْمَاءَ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وضوء کے بیان میں روایت ہے کہ پھر آپ ﷺ نے کلی کی اور تین مرتبہ ناک جھاڑا' آپ اسی ہاتھ سے کلی کرتے اور ناک جھاڑتے تھے جس میں پانی لیتے تھے (مراد ہے ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک جھاڑتے)۔ [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔]

50- [سعید بن زید کی حدیث کے لیے دیکھئے: حسن : صحیح ترمذی ' ترمذی (۲۵) ابن ماجه (۳۹۸) احمد (۷۰/۴) دارقطنی (۷۲/۱) اور ابوسعید کی حدیث کے لیے دیکھئے: حسن : صحیح ابن ماجه ' ترمذی فی العلل الکبیر (ص ۳۳) ابن ماجه (۳۹۷) احمد (۴۱/۳) دارمی (۶۹۱) دارقطنی (۷۱/۱) حاکم (۱۴۷/۱) بیهقی (۴۳/۱)]

51- [ضعیف : ضعیف ابو داود ' ابو داود (۱۳۹) کتاب الطهارة : باب فی الفرق بین المضمضة والاستنشاق' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ امام نوویؒ نے اس روایت کے ضعف پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔ [كما فی توضیح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۴۶/۱)]

52- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۱۱۱-۱۱۵) کتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی ' ترمذی (۴۸) نسائی (۶۷/۱) ابن ماجه (۴۳۶) احمد (۱۱۴/۱) ابن الجارود (۶۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(۲۲۷) [السیل الجرار (۷۷/۱)]

(۲۲۸) [تمام المنة (ص/۸۹)]

(۲۲۹) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۳۵۱۵) إرواء الغلیل (۸۲) ابن ماجة (۲۰۴۳ ' ۲۰۴۵)]

53- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ ـ فِيْ صِفَةِ الْوُضُوْءِ ـ ((ثُمَّ أَدْخَلَ ﷺ يَدَهُ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ، يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے وضوء کے بیان میں روایت ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ (پانی میں) داخل کیا، پھر ایک ہی ہاتھ (یعنی ایک ہی چلّو) سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ آپ یہ عمل تین مرتبہ کرتے تھے۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحديث مذکورہ بالا پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کلی کرنے اور ناک جھاڑنے کے لیے الگ الگ پانی لیتے تھے' لیکن دوسری دونوں روایات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ ﷺ ایک ہی چلّو سے دونوں کام کرتے تھے اور یہی بات درست ہے کیونکہ پہلی روایت کمزور ہے اور دوسری دونوں روایات صحیح ہیں۔ نیز یہ یاد رہے کہ ایک دوسری صحیح روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے منہ میں (کلی کے لیے) اور ناک میں پانی چڑھاتے تھے' مگر پھر بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑتے تھے۔(۲۳۰)

54- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا وَفِيْ قَدَمِهِ مِثْلُ الظُّفُرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ : ((ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوْئَكَ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ ـ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا' اس کے پاؤں میں ناخن کے برابر جگہ ایسی تھی جسے (دورانِ وضوء) پانی نہیں پہنچا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' واپس جاؤ اور اچھے طریقے سے وضوء کرو۔" [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کی ایڑیوں میں خشک جگہ دیکھ کر کہا کہ ان ایڑیوں کو آگ چھوئے گی۔(۲۳۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعضائے وضوء کو مکمل طور پر دھونا واجب ہے اور اگر کسی ایک عضو کا کچھ حصہ بھی خشک رہ گیا تو وضوء مکمل نہیں ہوگا۔ جمہور اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے بھی اسے واجب قرار دیا ہے۔(۲۳۲) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وضوء میں موالاۃ (یعنی پے در پے اعضاء دھونا) واجب ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے صرف پاؤں دھونے کا ہی حکم فرما دیتے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کا حکم دینے میں جلدی کرنی چاہیے۔

55- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مد پانی سے وضوء اور ایک صاع یعنی پانچ مد تک پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے۔ [بخاری، مسلم]

53- [بخاری (۱۸۵-۱۹۱) كتاب الوضوء : باب مسح الرأس كله، مسلم (۲۳۵) ابو داود (۱۱۸) ترمذی (۳۵) نسائی (۷۲/۱) ابن ماجه (٤٣٤) احمد (۳۸/٤) مالك (۱۸/۱)]

54- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (۱۷۳) كتاب الطهارة : باب تفريق الوضوء، ابن ماجه (٦٦٥) أحمد (١٤٦/٣) ابن خزيمة (١٦٤) دارقطنی (۱۰۸/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

55- [بخاری (۲۰۱) كتاب الوضوء : باب الوضوء بالمد، مسلم (۳۲۵) نسائی (۵۷/۱) احمد (۱۱۲/۳) دارمی (٦٨٩) ابن حبان (۱۲۰۳) ابن خزيمة (۱۱٦)]

(۲۳۰) [صحيح : المشكاة (٤١١) مسند احمد (۱۱۰/۱) نسائی (٦٧/۱)]

(۲۳۱) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (١٢٤) ابو داود (۹۷) ابن ماجه (٤٥٠) نسائی (۱۱۱) ترمذی (٤١)]

(۲۳۲) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٢٤٩/١)]

لغوی توضیح الصّاع ایک پیمانہ ہے جو تقریباً اڑھائی (2.50) کلوگرام کا ہوتا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا عموماً طریقہ یہ تھا کہ آپ وضوء اور غسل کے لیے مناسب پانی ہی استعمال کرتے تھے' پانی کے استعمال میں اسراف سے حتی الوسع اجتناب کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے اتنے پانی سے ہی وضوء اور غسل کی کوشش کرنی چاہیے جتنے پانی سے نبی ﷺ کیا کرتے تھے۔ تاہم اگر کوئی حسب ضرورت زیادہ پانی استعمال کرتا ہے تو وہ گناہگار تو نہیں ہوگا' لیکن یہ یاد رہے کہ اسراف سے بہرحال بچنا چاہیے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو دعا اور طہارت میں زیادتی کریں گے۔'' (۲۳۳)

56- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُسْبِغُ الْوَضُوءَ ثُمَّ يَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ' لَا شَرِيْكَ لَهُ' وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَزَادَ: ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ)).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے جو کوئی بھی وضوء کرے اور خوب اچھی طرح وضوء کرے' پھر کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں' تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (اس لیے کہ) وہ جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔'' [اسے مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ] ''اے اللہ! مجھے بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں سے بنا۔''

- وضوء کے بعد ایک دعا یہ بھی ثابت ہے ﴿ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ ﴾ ''اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ' میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔'' (۲۳٤)

باب المسح على الخفين — موزوں پر مسح کا بیان

57- عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ' فَتَوَضَّأَ' فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ نے وضوء شروع کیا۔ میں آپ کے موزے اتارنے کے

56- [مسلم (۲۳٤) كتاب الطهارة : باب الذكر المستحب عقب الوضوء' ابو داود (۱۶۹-۱۷۰) نسائى (۹۲/۱) احمد (۱۹/۱) دارمى (۷۱٦) أبو يعلى (۱۸۰)]

57- [بخارى (۲۰٦) كتاب الوضوء : باب إذا أدخل رجليه وهما طاهرتان' مسلم (۲۷٤) ابو داود (۱۵۱) ترمذى (۱۰۰) نسائى (۷٦/۱) ابن ماجه (۵٤۵) احمد (۲٤٤/٤) دارمى (۷۱۷)]

(۲۳۳) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۲۳۹٦) ابو داود (۹٦) المشكاة (٤۱۸)]

(۲۳٤) [صحيح : السلسلة الصحيحة (۲۳۳۳) صحيح الترغيب (۲۲۵) نسائى (۲۵/٦)]

خُفَّيْهِ ، فَقَالَ : ((دَعْهُمَا ، فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ)) فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

لیے جھکا' تو آپ نے فرمایا ''انہیں چھوڑ دو' میں نے جب انہیں پہنا تھا تو میں وضوء سے تھا'' پھر آپ نے ان پر مسح کر لیا۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَهْوَيْتُ فعل ماضی ہے باب افعال سے' اس کا معنی ہے ''جھکنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موزوں پر مسح جائز ہے۔موزوں پر مسح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایک رخصت ہے' جسے اپنانا چاہیے کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کو یہ بات نہایت پسند ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں کو اپنایا جائے۔''(۲۳۵) اور اس رخصت میں مرد اور خواتین برابر کے شریک ہیں۔امام ابن منذرؒ نے موزوں پر مسح کے جواز پر اجماع نقل فرمایا ہے۔امام ابن مبارکؒ نے کہا ہے کہ صحابہ کے مابین موزوں پر مسح کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔(۲۳۶) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح اتنے زیادہ صحابہ سے مروی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔(۲۳۷) امام ابن قدامہؒ(۲۳۸) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ (۲۳۹) نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔مسح کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں پانی سے تر کر کے انہیں خط کھینچتے ہوئے مکمل پاؤں پر پھیر دیا جائے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ موزوں پر مسح کے لیے شرط ہے کہ انہیں وضوء کی حالت میں پہنا گیا ہو۔جمہور علما، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ حالتِ حدث میں بھی موزے پہننے کے بعد اپنا وضوء مکمل کیا جا سکتا ہے۔(۲۴۰) جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔(۲۴۱)

58- وَلِلْأَرْبَعَةِ عَنْهُ إِلَّا النَّسَائِيَّ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ)) وَفِي إِسْنَادِهِ ضُعْفٌ ۔

اور ابوداود' ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ''نبی کریم ﷺ موزے کے اوپر اور نیچے (دونوں طرف) مسح کیا کرتے تھے۔''[اس کی سند میں ضعف ہے۔]

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ موزے کے اوپر اور نیچے دونوں طرف مسح مسنون ہے۔لیکن چونکہ یہ روایت کمزور ہے اور آئندہ صحیح روایت کے بھی خلاف ہے اس لیے قابل عمل نہیں۔

59- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : ((لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر دین کی بنیاد رائے (اور عقل) پر ہوتی تو موزے کا نچلا حصہ اوپر والے حصے سے مسح کے لیے زیادہ بہتر تھا' (لیکن) میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے' آپ اپنے

-58 [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۱۶۵) كتاب الطهارة : باب كيف المسح' ترمذی (۹۷) ابن ماجه (۵۵۰) احمد (۲۵۱/٤) دارقطنی (۱۹۵/۱)]

-59 [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۶۲) كتاب الطهارة : باب كيف المسح' دارمی (۷۱۵) دارقطنی (۱۹۹/۱) بيهقی (۲۹۲/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۳۵) [ابن خزيمة (۲۰۹/۳) ابن حبان (۳۳۳/۸)]
(۲۳۶) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۵۷/۱)]
(۲۳۷) [شرح مسلم (۱۷۰/۲)]
(۲۳۸) [المغنى لابن قدامة (۳۵۹/۱)]
(۲۳۹) [الصحيحة (تحت الحديث ۲۹٤۰) نظم الفرائد (۲٥٤/۱)]
(۲٤۰) [المغنى (۲۸۲/۱) المحلى (۱۰۰/۲) المجموع (٥٤۰/۱) بدائع الصنائع (۹/۱)]
(۲٤۱) [دیکھئے: شرح مسلم للنووی (۱۷۳/۲) المجموع (٥٤۰/۱)]

يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

موزوں کے اوپر والے حصے پر ہی مسح کرتے تھے۔[اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف موزے کے اوپر والے حصے پر ہی مسح کرنا مسنون ہے۔امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۲۴۲) جبکہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا کہنا ہے کہ موزے کے اوپر مسح فرض اور اس کے نیچے سنت ہے۔ (۲۴۳) پہلا موقف راجح ہے۔امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ مسح میں سنت صرف موزے کا اوپر والا حصہ ہے' نچلا نہیں۔ (۲۴۴) علاوہ ازیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر کرنا واجب ہے۔امام احمدؒ موزے کے اکثر حصے پر مسح کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اتنے حصے پر مسح واجب ہے جتنے پر مسح کا لفظ بولا جا سکتا ہو۔(۲۴۵)

60- وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ)) أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَصَحَّحَاهُ۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم سفر پر ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے کہ ہم تین دن اور ان کی راتیں موزے نہ اتاریں الا کہ حالتِ جنابت لاحق ہو جائے' تاہم پاخانہ' پیشاب اور نیند کی وجہ سے اتارنے کی ضرورت نہیں۔[اسے نسائی' ترمذی اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے' یہ لفظ ترمذی کے ہیں اور ترمذی اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح سَفْرًا مسافر کی جمع ہے جیسے رَاكِب کی جمع رَكْب' صَاحِب کی صَحْب اور تَاجِر کی جمع تَجْر آتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دورانِ سفر موزوں پر مسح جائز ہے جیسا کہ حضر میں جائز ہے۔البتہ مسافر اور مقیم کے لیے مسح کی مدت الگ الگ ہے۔مسافر کے لیے تین دن اور ان کی راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن اور رات مسح کی مدت ہے۔امام مالکؒ کا یہ قول درست نہیں کہ مسح کی کوئی مدت مقرر نہیں اس لیے ہمیشہ مسح کیا جا سکتا ہے۔(۲۴۶) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ سفر اگر انسان جنبی ہو جائے تو موزے اتار دینے چاہییں لیکن بول و براز یا نیند کی وجہ سے اتارنے کی ضرورت نہیں۔اگر انسان بے وضوء ہو اور موزے اتار دے تو مسح کی مدت ختم ہو جاتی ہے اب اسے مسح کرنے کے لیے دوبارہ باوضوء ہو کر موزے پہننے پڑیں گے۔

61- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن اور ان کی

60- [حسن: صحيح ترمذي' ترمذي (٩٦) كتاب الطهارة: باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم' نسائي (٨٤/١) ابن ماجه (٤٧٨) احمد (٢٣٩/٤) ابن خزيمة (١٩٣) ابن حبان (١٧٩۔الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

61- [مسلم (٢٧٦) كتاب الطهارة: باب التوقيت في المسح على الخفين' نسائي (٨٤/١) ابن ماجه (٥٥٢) احمد (٩٦/١)]

(٢٤٢) [اللباب (١٦٠/١)] (٢٤٣) [الأم (٤٨/١)]

(٢٤٤) [المغني لابن قدامة (٣٧٦/١)]

(٢٤٥) [المجموع (٥٥١/١) المغني (٢٩٧/١) المحلى (١/٢) بدائع الصنائع (١٢/١)]

(٢٤٦) [المنتقى للباجي (٧٨/١)]

لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ)) يَعْنِي فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ' أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن رات مقرر فرمائی ہے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

62- وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ((بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَرِيَّةً فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ - يَعْنِي الْعَمَائِمَ - وَالتَّسَاخِينِ - يَعْنِي الْخِفَافَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جہادی دستہ روانہ فرمایا تو انہیں پگڑیوں اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔[اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح عصائب جمع ہے عصابة کی اور اس کا لفظی معنی ہے ''پٹیاں'' (جو زخموں وغیرہ پر باندھی جاتی ہیں)۔ تساخین جمع ہے تسخان کی' اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ لفظ ہر اُس چیز پر بولا جاتا ہے جو قدموں کو سردی سے محفوظ رکھے خواہ وہ جراب ہو یا موزہ یا جوتا۔ نیز مذکورہ حدیث میں جو عصائب کا معنی (راوی کی طرف سے) ''پگڑیاں'' اور تساخین کا معنی ''موزے'' کیا گیا ہے وہ ان الفاظ کا حقیقی نہیں بلکہ مرادی معنی ہے۔

فهم الحديث اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے زخموں پر باندھی جانے والی پٹیوں پر بھی مسح کیا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم) علاوہ ازیں پھٹے ہوئے موزے پر مسح کے جواز میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اس پر مسح جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ اگر موزہ تین انگلیوں کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹا ہوا ہو تو پھر اس پر مسح جائز نہیں بصورت دیگر جائز ہے۔ امام مالکؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر موزہ بہت زیادہ پھٹا ہو تو اس پر مسح درست نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ جب تک اس پر موزے کا لفظ بولا جا سکتا ہے اس پر مسح جائز ہے۔ امام اسحاقؒ، امام ابن منذرؒ، امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کا بھی یہی موقف ہے۔ (۲٤٧)

□ جرابوں اور جوتیوں پر بھی مسح جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کیا اور جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا۔(۲٤٨) امام ابن قدامہؒ (۲٤٩)، امام ابن قیمؒ (۲۵۰)، شیخ ابن بازؒ (۲۵۱) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۵۲) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ جوتیوں اور جرابوں پر مسح جائز ہے۔

63- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - مَوْقُوفًا - وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - مَرْفُوعًا - : ((إِذَا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی وضوء کرے اور موزے پہن لے تو ان پر

62- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٤٦) كتاب الطهارة : باب المسح على العمامة' احمد (٢٧٧/٥) حاكم (١٦٩/١) بيهقى (٦٢/١) حافظ ابن حجرؒ نے ''الدرایۃ'' میں کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے' اسے امام بیہقیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ شیخ حازم علی قاضی کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں۔]

63- [دارقطنى (١٩٣/١) حاكم (١٨١/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو شاذ کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

---

(٢٤٧) [دیکھئے: توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٢٧٣/١)]

(٢٤٨) [صحيح : صحيح أبو داود (١٤٧'١٤٨) إرواء الغليل (١٠١) تمام المنة (ص/١١٣) ترمذى (٩٩) ابن ماجة (٥٥٩) نسائى (٩٢/١) ابن حبان (١٧٦) شرح معانى الآثار (٩٧/١) بيهقى (٢٨٣/١)]

(٢٤٩) [المغنى (٣٧٤/١)]

(٢٥٠) [تهذيب السنن (١٢٣/١)]

(٢٥١) [فتاوى ابن باز مترجم (٤٦/١)]

(٢٥٢) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٢٤٤/٥)]

تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا وَلَا يَخْلَعُهُمَا إِنْ شَاءَ إِلَّا مِنَ الْجَنَابَةِ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ ـ

مسح کرکے ان میں نماز پڑھے اور اگر چاہے تو انہیں نہ اُتارے الا کہ حالتِ جنابت لاحق ہو جائے (تو اُتار دے)۔" [اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

64- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ((رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، إِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّيْهِ: أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ـ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسافر کے لیے تین شب و روز اور مقیم کے لیے ایک دن رات (مسح کی مدت) کی رخصت دی ہے کہ اگر انسان باوضوء ہو کر موزے پہنے تو ان پر مسح کرلے۔ [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے حاکم نے صحیح کہا ہے۔]

65- وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ عِمَارَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ قَالَ ((نَعَمْ)) قَالَ يَوْمًا؟ قَالَ ((نَعَمْ)) قَالَ وَيَوْمَيْنِ؟ قَالَ ((نَعَمْ)) قَالَ وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ؟ قَالَ ((نَعَمْ وَمَا شِئْتَ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ ـ

حضرت اُبی بن عمارہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں موزوں پر مسح کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ انہوں نے کہا' ایک دن؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ انہوں نے کہا' اور دو دن؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ انہوں نے کہا' اور تین دن؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں اور جب تک تو چاہے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت قوی نہیں۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدتِ مسح مقرر نہیں جیسا کہ امام مالکؒ کا یہ موقف ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اور گزشتہ صحیح احادیث کے خلاف ہے اس لیے قابل عمل نہیں۔

باب نواقض الوضوء — وضوء توڑنے والی اشیاء کا بیان

66- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ ((كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ـ عَلَى عَهْدِهِ ـ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَخْفِقَ رُءُوسُهُمْ ثُمَّ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہدِ رسالت میں صحابہ کرام نماز عشاء کا (اس قدر) انتظار کرتے کہ (غلبۂ نیند کے باعث) ان کے سر جھکنے لگتے' پھر وہ نماز پڑھتے اور (نیا) وضوء نہیں

-64 [حسن: المشكاة (٥١٩) ابن ماجة (١٩٢) دارقطني (١٩٤/١) ابن خزيمة (١٩٢) ابن حبان (١٨٤ـ الموارد) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

-65 [ضعيف: ضعيف ابو داود' ابو داود (١٥٨) كتاب الطهارة: باب التوقيت في المسح' ابن ماجه (٥٥٧) دارقطني (١٩٨/١) حاكم (١٧٠/١) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ امام دارقطنیؒ اور امام ابن عبد البرؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں۔ امام بخاریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام نوویؒ نے تو اس روایت کے ضعف پر ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔]

-66 [مسلم (٣٧٦) كتاب الحيض: باب الدليل على أن نوم الجالس لا ينقض الوضوء' ابو داود (٢٠٠) ترمذي (٧٨) احمد (٢٦٨/٣) دارقطني (٣١/١)]

يُصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّئُونَ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ أَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ ۔

کرتے تھے۔[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور دار قطنی نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے۔]

لغوی توضیح نَوَاقِض جمع ہے نَاقِض کی' اس کا معنی ہے ''توڑنے والی چیز''۔ تَخْفِقَ فعل مضارع ہے باب خَفَقَ يَخْفِقُ (بروزن ضرب) سے اور اس کا معنی ہے ''جھکنا' اونگھ کی وجہ سے سر کا ہلنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُسی نیند سے وضوء ٹوٹتا ہے جو گہری ہو اور شعور کو زائل کر دے' محض اونگھنے یا سر ہلنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ نیند کے ناقضِ وضوء ہونے کے متعلق اہل علم کے 8 مختلف اقوال ہیں۔ جن میں ہمارے علم کے مطابق راجح قول یہی ہے کہ مطلقاً نیند ناقضِ وضوء ہے خواہ نیند بیٹھ کر آئے یا لیٹ کر یا کھڑے ہو کر بشرطیکہ وہ گہری ہو اور اس سے شعور زائل ہو جائے۔ امام ابن حزمؒ،(۲۵۳) علامہ ناصر الدین البانیؒ (۲۵۴) اور مفتی اعظم سعودیہ شیخ عبد العزیز بن بازؒ (۲۵۵) نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ جبکہ امام شوکانیؒ کی رائے یہ ہے کہ لیٹ کر یا تکیہ لگا کر سونے سے وضوء ٹوٹتا ہے بصورت دیگر نہیں۔ (۲۵۶) لیکن جن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف لیٹ کر سونے والے کی نیند ہی ناقض ہے وہ ضعیف ہیں۔ (۲۵۷)

67- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ ؟ قَالَ : ((لَا ، إِنَّمَا ذَٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَلِلْبُخَارِيِّ ((ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ)) وَ أَشَارَ مُسْلِمٌ إِلَى أَنَّهُ حَذَفَهَا عَمْدًا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے (بہت زیادہ) استحاضہ کا خون آتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں' یہ تو ایک رگ ہے (جس کے پھٹنے کی وجہ سے خون بہتا رہتا ہے) یہ حیض کا خون نہیں۔ لہٰذا جب تمہیں حیض کا خون آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ ختم ہو جائے تو اپنے آپ سے حیض کا خون دھو کر نماز شروع کر دو۔'' [بخاری، مسلم] اور بخاری میں یہ لفظ بھی ہیں ''پھر تم ہر نماز کے لیے وضوء کرو۔'' [مسلم نے اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ عمداً حذف کر دیے ہیں۔]

لغوی توضیح أُسْتَحَاضُ فعل مضارع مجہول ہے باب استفعال سے' یہ استحاضہ سے مشتق ہے اور استحاضہ اُس خون کو کہتے ہیں جو ایام ماہواری کے علاوہ کسی رگ کے پھٹ جانے کی وجہ سے عورت کی شرمگاہ سے خارج ہوتا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استحاضہ کا خون حیض کے خون سے الگ ہے' اس سے عبادات میں رکاوٹ نہیں پڑتی بلکہ یہ محض ناقضِ وضوء ہے۔ لہٰذا جس عورت کو یہ خون آتا ہو وہ نماز نہیں چھوڑے گی بلکہ ہر نماز کے لیے الگ

67- [بخاری (۲۲۸) کتاب الوضوء : باب غسل الدم؛ مسلم (۳۳۳) ابو داود (۲۸۲) ترمذی (۱۲۵) نسائی (۱/۱۲۴) ابن ماجه (۶۲۱) احمد (۶/۴۲)]

(۲۵۳) [المحلى بالآثار (۱/۲۱۲)]
(۲۵۴) [تمام المنة (ص/۱۰۱)]
(۲۵۵) [فتاوی ابن باز مترجم (۱/۴۹) فتاوی إسلامية (۱/۲۰۸)]
(۲۵۶) [نيل الأوطار (۱/۲۹۳)]
(۲۵۷) [تمام المنة (ص/۱۰۲)]

وضوء کرے گی۔ اس حدیث پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے ایسے شخص کے متعلق بھی یہی فتویٰ دیا ہے جسے سلسل البول (پیشاب کے قطروں کے مسلسل خروج) یا مسلسل ہوا کے خارج ہونے کی بیماری ہو۔ شیخ ابن جبرین کا بھی فتویٰ ہے۔(۲۵۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیض کا خون ناپاک ہے' اسی لیے آپ ﷺ نے اسے دھونے کا حکم دیا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت غیر محرم عورت کی آواز سنی جا سکتی ہے۔

68- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ ' فَسَأَلَهُ ' فَقَالَ : ((فِيهِ الْوُضُوءُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں بہت زیادہ مذی والا آدمی تھا تو میں نے مقداد رضی اللہ عنہ کو اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے پوچھنے کا حکم دیا' چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا ''اس سے وضوء لازم آتا ہے۔'' [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

لغوی توضیح مَذَّاء مبالغے کا صیغہ ہے' جس کا معنی ہے ''بہت زیادہ مذی والا ہونا''۔ مذی ایسا رقیق پانی ہے جو کمزور شہوت کے وقت' یا اپنی بیوی سے کھیلتے وقت' یا اس جیسے کسی کام کی وجہ سے بغیر اُچھلنے کے خارج ہو۔ علاوہ ازیں ودی ایسا سفید' گدلا' بغیر بدبو کے پانی ہے جو پیشاب کے بعد خارج ہو۔(۲۵۹)

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ مذی کے خروج سے غسل نہیں بلکہ صرف وضوء لازم آتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کے اُمور میں خبر واحد کو قبول کرنا چاہیے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مذی ناپاک ہے کیونکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی شرمگاہ کو دھونے اور وضوء کرنے کا حکم دیا تھا۔(۲۶۰) امام نوویؒ اور بعض دیگر اہل علم نے مذی کے نجس ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔(۲۶۱) علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود آپ ﷺ سے یہ مسئلہ حیاء کی وجہ سے دریافت نہیں کیا تھا کیونکہ آپ ﷺ کی بیٹی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) ان کے نکاح میں تھیں۔(۲۶۲)

69- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا' پھر نماز کے لیے نکلے اور وضوء نہیں کیا۔ [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور بخاری نے ضعیف کہا ہے۔]

68- [بخاری (۱۷۸) کتاب الوضوء : باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین ' مسلم (۳۰۳) ابو داود (۲۰۶) نسائی (۱۱۱/۱) ابن ماجه (۵۰٤) احمد (۱۲۹/۱) ابن خزیمة (۱۸-۲۲)]

69- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۱۷۹) کتاب الطهارة : باب الوضوء من القبلة ' ترمذی (۸٦) ابن ماجه (۵۰۲) احمد (۲۱۰/٦) دارقطنی (۱۳۹/۱) شیخ حازم علی قاضی نے ترجیح اسی کو دی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔]

---

(۲۵۸) [فتاوی إسلامية (۱۹۵/۱)]

(۲۵۹) [تحفة الأحوذی (۳۸۸/۱) فتح الباری (٤٥۱/۱) شرح مسلم للنووی (۲۱٦/۲)]

(۲٦۰) [بخاری (۱۷۸) مسلم (۳۰۳) أبو داود (۲۰٦) نسائی (۱۱۱/۱) ابن ماجة (۵۰٤) موطا (٤۰/۱) أحمد (۱۲۹/۱) عبدالرزاق (٦۰۱) بیهقی (۱۱۵/۱) ابن خزیمة (۱۹'۱۸) أبو یعلی (۳۱٤) ابن حبان (۱۰۸۷)]

(۲٦۱) [تحفة الأحوذی (۳۸۸/۱) فتح الباری (٤٥۱/۱) شرح مسلم للنووی (۲۱٦/۲)]

(۲٦۲) [بخاری (۱۷۸) مسلم (۳۰۳)]

لغوی توضیح قَبَّلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تفعیل سے' اس کا معنی ہے ''بوسہ لینا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا محض بوسہ لینے یا اسے چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اور عائشہ ؓ آپ کے سامنے جنازے کی طرح لیٹی ہوتی تھیں حتی کہ جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو انہیں پاؤں لگا دیتے۔(۲۶۳) اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔حنفیہ کا کہنا ہے کہ مطلق طور پر عورت کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔امام مالک ؒ کا کہنا ہے کہ جوان آدمی اگر شہوت سے عورت کو چھوئے تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔امام شافعی ؒ کا مؤقف یہ ہے کہ مجرد عورت کو چھونے سے ہی وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔(۲۶۴) ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ ؒ کا مؤقف راجح ہے۔علامہ ناصر الدین البانی ؒ (۲۶۵)، شیخ ابن باز ؒ (۲۶۶)، شیخ ابن عثیمین ؒ (۲۶۷) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۶۸) نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

70- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کوئی چیز (یعنی ہوا کی حرکت) محسوس کرے اور اس پر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ آیا اس سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں تو وہ اس وقت تک ہرگز مسجد سے نہ نکلے جب تک (ہوا خارج ہونے کی) آواز نہ سن لے یا بو نہ پالے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح بَطْنٌ پیٹ کو کہتے ہیں اور أَشْكَلَ فعل ماضی ہے باب افعال سے' اس کا معنی ہے ''مشکل ہو جانا یا مشتبہ ہو جانا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محض شک کی بنا پر وضوء نہیں ٹوٹتا بلکہ جب تک ہوا خارج ہونے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک دوبارہ وضوء کرنا ضروری نہیں خواہ کوئی نماز میں ہو یا نہ' جمہور علماء کا یہی مؤقف ہے۔اسی حدیث سے ایک قاعدہ بھی اخذ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ((اليقين لا يزول بالشك)) ''یقین شک کے ذریعے زائل نہیں ہوتا۔'' امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اصولِ اسلام میں سے ایک اصل اور قواعدِ فقہ میں سے ایک عظیم قاعدہ ہے اور وہ یوں کہ تمام اشیاء اپنی اصل پر ہی باقی رہیں گی جب تک ان کے برعکس حالت کا یقین نہ ہو جائے۔(۲۶۹) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔امام ابن رشد ؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۲۷۰)

70- [مسلم (۳۶۲) كتاب الحيض : باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ' ابو داود (۱۷۷) ترمذي (۷۵) إحمد (۲/۴۱۴)]

(۲۶۳) [صحيح : صحيح نسائي (۱۶۰) كتاب الطهارة : باب ترك الوضوء من مس الرجل امرأته من غير شهوة ' صحيح أبو داود (۷۰۷) نسائي (۱۰۱/۱)] حافظ ابن حجر ؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[تلخيص الحبير (۲۲۹/۱)]

(۲۶۴) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۹۱/۱)]

(۲۶۵) [الضعيفة (تحت الحديث / ۱۰۰۰) نظم الفرائد (۲۶۸/۱)]

(۲۶۶) [فتاوى إسلامية (۲۰۵/۱)]

(۲۶۷) [فتاوى إسلامية (۲۲۲/۱)]

(۲۶۸) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۲۶۸/۵)]

(۲۶۹) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۹۳/۱)] (۲۷۰) [بداية المجتهد (۴۱/۱)]

71- وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ : مَسَسْتُ ذَكَرِي ، أَوْ قَالَ : الرَّجُلُ يَمَسُّ ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ ، أَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((لَا ، إِنَّمَا هُوَ بَضْعَةٌ مِنْكَ)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ، وَقَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ : هُوَ أَحْسَنُ مِنْ حَدِيثِ بُسْرَةَ ۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا میں نے اپنی شرمگاہ (یعنی آلہ تناسل) کو چھوا ہے یا اس نے کہا کہ آدمی نماز میں اپنی شرمگاہ کو چھو لے تو کیا اس پر (دوبارہ) وضوء کرنا لازم ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "نہیں' یہ تو تمہارے اپنے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ابن مدینی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حدیث بسرہ سے زیادہ اچھی ہے۔]

72- وَعَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ : هُوَ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ ۔

حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے اپنی شرمگاہ کو چھوا اسے چاہیے کہ وہ وضوء کرے۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ سب سے زیادہ صحیح چیز ہے۔]

لغوی توضیح بَضْعَةٌ کا معنی ہے "گوشت کا ٹکڑا"۔

فهم الحديث مذکورہ بالا پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا' لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں احادیث متعارض ہیں۔ ان میں تطبیق یوں ہے کہ اگر کسی حائل (مثلاً کپڑے وغیرہ) کے اوپر سے شرمگاہ کو چھوا جائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا اور اگر بغیر کسی حائل کے چھوا جائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اس مؤقف کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے آلہ تناسل کو بغیر کسی پردے کے چھوئے تو اس پر وضوء واجب ہے۔"(۲۷۱) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۲۷۲) البتہ فقہاء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مؤقف یہ ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے (ان کی دلیل حدیث بسرہ ہے)' امام ابن حزمؒ کا بھی یہی مؤقف ہے۔(۲۷۳) جبکہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور

71- [صحیح : صحیح أبو داود' ابو داود (۱۸۲) كتاب الطهارة : باب الرخصة فى ذالك ' ترمذى (۸۵) نسائى (۱۰۱/۱) ابن ماجه (٤۸۳) احمد (۲۳/٤) ابن الجارود (۲۱) ابن حبان (۲۰۷ـ الموارد) دارقطنى (۱٤۹/۱) حاكم (۱۳۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

72- [صحیح : صحیح أبو داود ' ابو داود (۱۸۱) كتاب الطهارة : باب الوضوء من مس الذكر ' ترمذى (۸۲ـ۸۳) نسائى (۱۰۰/۱) ابن ماجه (٤۷۹) احمد (٤۰٦/٦) مالك (٤۲/۱) دارمى (۷۲۵) ابن خزيمة (۳۳) ابن حبان (۲۱۱ـ۲۱٤) حاكم (۱۳٦/۱) دارقطنى (۱٤٦/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۷۱) [صحيح : أحمد (۳۳۳/۲) طحاوى (۷٤/۱) الأم للشافعى (۳٤۳۱) مسند شافعى (۳٤/۱) ابن حبان (۲۱۰ـ الموارد) دار قطنى (۱٤۷/۱) حاكم (۱۳۸/۱) طبرانى صغير (٤۲/۱) بيهقى (۱۳۱/۱) شرح السنة (۲٦۳/۱)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۱۳۹۳)]

(۲۷۲) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۲٦۳/۵ـ۲٦۵)]

(۲۷۳) [المحلى (۲۳۹/۱)]

امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا (انہوں نے حدیث طلق سے استدلال کیا ہے)۔ (۲۷۴)

73- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ((مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ وَهُوَ فِي ذَٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ وَضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جسے (نماز میں) قے آ جائے یا نکسیر پھوٹ پڑے یا پیٹ سے کوئی چیز منہ تک آ جائے یا مذی نکل پڑے تو وہ نماز چھوڑ کر وضوء کرے اور پھر جہاں سے نماز چھوڑی تھی وہیں سے شروع کر دے بشرطیکہ اس دوران اس نے کوئی بات نہ کی ہو۔“ [اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور احمد وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

لغوی توضیح رُعَاف اس خون کو کہتے ہیں جو ناک سے بہہ پڑتا ہے' مراد ہے نکسیر۔ قَلَس کا معنی ہے معدے سے کسی چیز کا منہ تک پہنچ جانا' جو قے سے کم ہو اور منہ بھر کر نہ آئے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوا کہ قے آنے' نکسیر پھوٹنے' پیٹ سے کسی چیز کے منہ تک آنے یا مذی کے خروج سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے یہ قابل عمل نہیں۔ البتہ مذی کے متعلق دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اس کے خروج سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ اس مسئلے میں فقہا نے اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ قے آنے سے وضوء ٹوٹ جانے کے قائل ہیں (بشرطیکہ وہ منہ بھر کر آئے) اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ قے ناقض وضوء نہیں۔ (۲۷۵) امام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ قے کی وجہ سے وضوء مستحب ہے ضروری نہیں۔ (۲۷۶) شیخ ابن عثیمینؒ نے کہا ہے کہ قے سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں۔ (۲۷۷) قلس کے متعلق بھی قے کی مانند ہی اختلاف ہے۔ نکسیر کے متعلق امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ (۲۷۸) امام شوکانیؒ نے کہا ہے کہ خون کو ناقض کہنے والوں کے پاس کوئی بھی صحیح دلیل موجود نہیں۔ (۲۷۹) علامہ ناصر الدین البانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲۸۰) علاوہ ازیں مذکورہ بالا روایت میں جو وضوء کے بعد گزشتہ نماز پر بناء کرنے کا ذکر ہے وہ بھی قابل عمل نہیں کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے۔

73- [**ضعیف** : ضعیف ابن ماجه ' ابن ماجه (۱۲۲۱) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء في البناء على الصلاة ' دارقطنی (۱۵٤/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۲۷٤) [نيل الأوطار (۳۰۳/۱) المجموع (٤٦/۲) المبسوط (٦٦/۱) المغنى (۱۷۸/۱) المحلى (۲۳٥/۱)]

(۲۷٥) [بدائع الصنائع (۲٤/۱) المحلى (۲٥٥/۱) المغنى (۱۸٤/۱) المجموع (٦۲/۲) نيل الأوطار (۲۸۸/۱)]

(۲۷٦) [مجموع الفتاوى (۲۳٤/۲)] (۲۷۷) [فتاوى منار الإسلام (۹٤/۱)]

(۲۷۸) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسّام (۱٤۳/۱) نيل الأوطار (۲۸۹/۱) الهداية (۱٤/۱) المبدع شرح المقنع (۱٥۷/۱) المجموع (٥٤/۲)]

(۲۷۹) [السيل الجرار (۹۸/۱)] (۲۸۰) [تمام المنة (ص/٥۲)]

74- وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ؟ قَالَ ((إِنْ شِئْتَ)) قَالَ أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ؟ قَالَ ((نَعَمْ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں بھیڑ بکریوں کا گوشت کھا کر وضوء کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تو چاہے تو کر لے'' اس نے عرض کیا' کیا میں اونٹ کا گوشت کھا کر وضوء کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔اس کی اصل حکمت کیا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں البتہ بعض اہل علم نے اس کی حکمت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ دراصل اونٹ میں شیطانی قوت ہوتی ہے جیسا کہ اس کی طرف نبی ﷺ نے خود بھی یہ ﴿ إِنَّهَا مِنَ الْجِنِّ ﴾ ''یقیناً یہ جن ہے۔'' (٢٨١) کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔اس لیے اسے کھانے سے انسان میں شیطانی قوت پیدا ہو جاتی ہے جسے زائل کرنے کے لیے وضوء کو لازم کیا گیا ہے۔ (٢٨٢) بہر حال سبب و حکمت کوئی بھی ہو جب آپ ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کو لازم کر دیا تو لازم ہو گیا۔امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابن منذرؒ اور امام ابن خزیمہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ (٢٨٣) جبکہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔راجح موقف یہی ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔امام ابن قدامہؒ (٢٨٤)، امام ابن قیمؒ (٢٨٥)، علامہ البانیؒ (٢٨٦)، شیخ ابن بازؒ (٢٨٧) اور شیخ ابن عثیمینؒ (٢٨٨) نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

75- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ((مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَقَالَ أَحْمَدُ : لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضوء کرے۔'' [اسے احمد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور امام احمد نے کہا ہے کہ اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں۔]

فهم الحديث : اس حدیث میں غسل اور وضوء کا حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم اپنی میت کو غسل دے چکو تو تم پر غسل

74- [مسلم (٣٦٠) كتاب الحيض : باب الوضوء من لحوم الإبل ' ابن ماجه (٤٩٥) احمد (٨٦/٥)]

75- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٣١٦١) كتاب الجنائز : باب في الغسل من غسل الميت ' ترمذی (٩٩٣) ابن ماجه (١٤٦٣) احمد (٢٨٠/٢) ابن حبان (٧٥١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کثرت طرق کی وجہ سے اس روایت کو حسن کہا ہے۔شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

---

(٢٨١) [مسند احمد (٢٠٠٣٤)]
(٢٨٢) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٣٠٥/١)]
(٢٨٣) [الدراری المضية (ص/٦١)]
(٢٨٤) [المغنى لابن قدامة (٢٥٠/١)]
(٢٨٥) [أعلام الموقعين (٩٧/٢ـ١٠٠)]
(٢٨٦) [تمام المنة (ص/١٠٦)]
(٢٨٧) [فتاوى إسلامية (٢٠٦/١)]
(٢٨٨) [فتاوى إسلامية (٢٢٧/١)]

(ضروری) نہیں کیونکہ تمہاری میت پاکیزگی کی حالت میں فوت ہوئی ہے لہٰذا تمہیں اتنا ہی کافی ہے کہ تم اپنے ہاتھ دھولو۔'' (۲۸۹) ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان یوں منقول ہے کہ ''ہم میت کو غسل دیتے تھے تو ہم میں سے کچھ غسل کر لیتے تھے اور کچھ غسل نہیں کرتے تھے۔ (۲۹۰) جمہور علماء' امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابن قدامہؒ اور امام ابن عبد البرؒ وغیرہ (سب) کا یہی مؤقف ہے۔(۲۹۱)

76- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِيْ كَتَبَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَنْ ((لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ)) رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَوَصَلَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَهُوَ مَعْلُوْلٌ.

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو مکتوب رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کے لیے تحریر فرمایا تھا اس میں تھا کہ ''قرآن کو صرف طاہر ہی چھوئے۔'' [اسے مالک نے مرسلاً جبکہ نسائی اور ابن حبان نے موصولاً روایت کیا ہے اور یہ روایت معلول ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث میں موجود لفظ طاہر سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہونے کی وجہ سے اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہاں طاہر سے مراد مومن ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو نجس قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن ہر حال میں طاہر ہی رہتا ہے' اس لیے مومن خواہ بے وضوء ہو یا جنبی ہر حال میں قرآن پکڑ سکتا ہے۔ یہ مؤقف علامہ البانیؒ نے اختیار کیا ہے۔ (۲۹۲) بعض دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ لفظ طاہر شریعت اسلامیہ میں مومن کے علاوہ اُن حضرات پر بھی بولا جاتا ہے جو حدث اکبر اور حدث اصغر سے پاک ہوں۔ یعنی جو جنبی ہوا سے غیر طاہر اور جو جنبی نہ ہوا سے طاہر کہا جاتا ہے' اسی طرح جو بے وضوء ہوا سے غیر طاہر اور جو باوضوء ہوا سے طاہر کہا جاتا ہے۔ اس لیے قرآن چھونے کے لیے ہر طرح کی طہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ یعنی مومن ہونے کے ساتھ ساتھ' حدث اکبر یعنی حالت جنابت سے پاک ہونا اور اسی طرح حدث اصغر سے پاک ہونا یعنی باوضوء ہونا بھی ضروری ہے۔ ہمارے علم کے مطابق راجح مؤقف یہ ہے کہ قرآن پکڑنے کے لیے حدث اکبر سے پاک ہونا تو بہر صورت ضروری ہے اور اس پر اجماع ہے' جیسا کہ امام شوکانیؒ نے نقل فرمایا ہے۔ (۲۹۳) علاوہ ازیں احوط یہی ہے کہ باوضوء ہو کر ہی قرآن کو چھوا جائے۔ علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے طاہر سے مراد باوضوء ہی لیا ہے۔ (۲۹۴) اس مسئلے کی مفصل بحث پڑھنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''فقه الحديث : كتاب الطهارة : باب الوضوء'' یا دوسری کتاب ''طهارت کی کتاب'' ملاحظہ فرمائیے۔

76- [صحيح : ارواء الغليل (۱۲۲) صحيح الجامع الصغير (۷۷۸۰) نسائی (۵۷/۸) ابو داود فی المراسيل (۲۵۹) ابن حبان (۷۹۳) مالك (۱۹۹/۱) دارقطنی (۱۲۲/۱) بيهقی (۸۷/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۸۹) [حسن : أحكام الجنائز (ص/۷۲) حاكم (۳۷۶/۱) بيهقی (۳۰۶/۱) دارقطنی (۷۶/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[تلخيص الحبير (۱۳۸/۱)]

(۲۹۰) [صحيح : تمام المنة (ص/۱۲۱) دار قطنی (۷۲/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (۱۳۸/۱)]

(۲۹۱) [تفصیل کے لیے دیکھئے: المجموع (۱۴۳/۵) المغنی (۲۱۱/۱) الأصل (۶۳/۱) حاشية الدسوقی (۴۱۶/۱) الروض النضير (۳۳۳/۱) نيل الأوطار (۳۵۷/۱) الروضة الندية (۱۷۱/۱) سبل السلام (۱۴۹/۱)]

(۲۹۲) [تمام المنة (ص/۱۱۶)]

(۲۹۳) [نيل الأوطار (۳۱۵/۱)] (۲۹۴) [تحفة الأحوذی (۴۷۸۳۱)]

77- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے معلق ذکر کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَحْيَان جمع ہے حین کی' اس کا معنی ہے ''وقت'' خواہ کم ہو یا زیادہ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے' خواہ انسان جنبی ہو یا بے وضوء اور عورت خواہ حالت جنابت میں ہو یا حیض و نفاس میں۔ صرف ہم بستری کے وقت یا بول و براز کے وقت ذکر سے اجتناب کرنا چاہیے۔ نیز جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حالت جنابت میں قرآن نہیں پڑھاتے تھے اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے (۲۹۵) اور اگر اسے قابل حجت بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ حالت جنابت میں تلاوت قرآن سے اجتناب اولی و بہتر ہے' لیکن اگر کوئی اس حالت میں تلاوت کرتا ہے تو وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ''وہ جنبی کے لیے قراءتِ (قرآن) میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔'' (۲۹۶) براءتِ اصلیہ کے قاعدے سے بھی اسی مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

78- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَلَيَّنَهُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے اور دوبارہ وضوء کیے بغیر نماز پڑھی۔[اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔]

لغوی توضیح احْتَجَمَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب افتعال سے' اس کا معنی ہے ''پچھنے لگوانا''۔ پچھنے لگوانے کا مطلب ہے تکلیف دور کرنے کی غرض سے جسم کے کسی حصے سے سینگ یا اس کی مثل کسی آلے سے خون نکلوانا۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ جسم کے کسی حصے سے خون نکلنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ایک گھاٹی میں اتر کر صحابہ سے کہا ''آج رات کون ہمارا پہرہ دے گا؟ تو مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک آدمی کھڑا ہو گیا پھر انہوں نے گھاٹی کے دہانے پر رات گزاری۔ انہوں نے رات کا وقت پہرے کے لیے تقسیم کر لیا لہٰذا مہاجر سو گیا اور انصاری کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اچانک دشمن کے ایک آدمی نے آ کر انصاری کو دیکھا اور اسے تیر مار دیا۔ انصاری نے تیر نکال دیا اور اپنی نماز جاری رکھی۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا تو انصاری نے پھر اسی طرح کیا۔ پھر اس نے تیسرا تیر مارا تو اس نے تیر نکال کر رکوع و سجدہ کیا اور اپنی نماز کو مکمل کر لیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو جگایا جب اس نے اسے ایسی (خون آلود) حالت میں دیکھا تو کہا جب پہلی مرتبہ اس نے تمہیں تیر مارا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟ تو اس نے کہا میں ایک سورت کی تلاوت کر رہا تھا جسے کاٹنا میں نے پسند نہیں کیا۔ (۲۹۷) سعودی مستقل

77- [مسلم (۳۷۳) كتاب الحيض : باب ذكر الله في حال الجنابة وغيرها' ابو داود (۱۸) ترمذی (۳۳۸٤) ابن حبان (۸۰۲) احمد (۷۰/٦) ابن خزيمة (۲۰۷)]

78- [دارقطنی (۱٥۷/۱) بیهقی (۱٤۱/۱) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۲۹٥) [ضعيف : ضعيف ترمذی' ابو داود (۲۲۹) ترمذی (۱٤٦)] (۲۹٦) [بخاری تعليقا (٤۸٥/۱) كتاب الحيض]

(۲۹۷) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۹۳) أبو داود (۱۹۸) احمد (۳٤۳/۳) دارقطنی (۲۲۲/۱) ابن خزيمة (۳٦) ابن حبان (۲٥۰- موارد) حاکم (۱٥۷/۱) بیهقی (۱٤۰/۱)]

فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ہمیں کسی ایسی شرعی دلیل کا علم نہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ شرمگاہ کے علاوہ کسی جگہ سے خون نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔(۲۹۸) علامہ ناصر الدین البانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲۹۹)

79- وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((الْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ اسْتُطْلِقَ الْوِكَاءُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَزَادَ: ((وَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ)).

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" آنکھ دبر کا تسمہ ہے، جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو تسمہ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔"[اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے]"اور جو سو جائے وہ وضوء کرے۔"

80- وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دُونَ قَوْلِهِ: ((اسْتُطْلِقَ الْوِكَاءُ)) وَفِي كِلَا الْإِسْنَادَيْنِ ضَعْفٌ۔

یہ اضافہ ابوداود کی اُس روایت میں بھی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ" تسمہ ڈھیلا ہو جاتا ہے" نہیں ہیں۔[ان دونوں کی اسناد میں ضعف ہے۔]

81- وَلِأَبِي دَاوُدَ أَيْضًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - مَرْفُوعًا - : ((إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا)) وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ أَيْضًا۔

ابوداود میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مرفوع روایت بھی ہے کہ"صرف اس شخص پر وضوء لازم ہے جو لیٹ کر سو جائے۔"[اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔]

لغوی توضیح وِكَاءُ اُس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے تھیلی کا منہ باندھا جاتا ہے اور السَّهِ دبر یعنی پشت کو کہتے ہیں۔ اسْتُطْلِقَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب استفعال سے، اس کا معنی ہے ڈھیلا ہو جانا۔

فہم الحدیث کون سی نیند ناقض وضوء ہے اور کون سی نہیں، اس کے متعلق بحث گزشتہ حدیث نمبر 66 کے تحت گزر چکی ہے۔

82- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ((يَأْتِي أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فِي صَلَاتِهِ فَيَنْفُخُ فِي مَقْعَدَتِهِ فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ أَحْدَثَ، وَلَمْ يُحْدِثْ، فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ فَلَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا))

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" نماز میں تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور اس کی مقعد (یعنی پیٹھ) میں پھونک مارتا ہے، (اس طرح) اس کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ وہ بے وضوء ہو گیا ہے حالانکہ وہ بے وضوء نہیں ہوا ہوتا، لہٰذا جب کوئی ایسا وسوسہ پائے تو جب تک ہوا خارج ہونے کی آواز نہ سن

-79 [حسن: صحيح الجامع الصغير (٤١٤٨) ارواء الغليل (١١٣) المشكاة (٣١٦) احمد (٩٧/٤) دارمی (٧٢٢) أبو يعلى (٧٣٧٢) دارقطنی (١٦٠/١) بيهقی (١١٨/١) طبرانی كبير (٨٧٥/١٩) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن لغیرہ کہا ہے۔]

-80 [ابو داود (٢٠٣) كتاب الطهارة: باب في الوضوء من النوم' ابن ماجه (٤٧٧) احمد (١١١/١) دارقطنی (١٦٠/١) بيهقی (١١٨/١)]

-81 [ضعيف: ضعيف ابو داود' ابو داود (٢٠٢) كتاب الطهارة: باب في الوضوء من النوم' ترمذی (٧٧) احمد (٢٥٦/١) دارقطنی (١٥٩/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

-82 [بزار في كشف الأستار (٢٨١) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے اور یہ صحیح لغیرہ ہے۔]

(۲۹۸) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٢٦١/٥)]

(۲۹۹) [نظم الفرائد (٢٦٦/١)]

أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ ـ

لے یا بدبو نہ پالے نماز سے نہ پھرے۔" [اسے بزار نے روایت کیا ہے۔]

83- وَ أَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ـ

اور اس حدیث کی اصل صحیحین میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔

84- وَ لِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَحْوَهُ ـ

اور مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔

85- وَلِلْحَاكِمِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ـ مَرْفُوعًا ـ ((إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ فَقَالَ : إِنَّكَ أَحْدَثْتَ ، فَلْيَقُلْ : كَذَبْتَ)) وَ أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ بِلَفْظِ : ((فَلْيَقُلْ فِي نَفْسِهِ))ـ

اور حاکم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آئے اور کہے کہ تو بے وضوء ہو گیا ہے، تو وہ کہے، تو جھوٹ کہتا ہے۔" اور ابن حبان نے اسے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "(یہ کلمات) وہ اپنے دل میں کہے۔"

باب آداب قضاء الحاجة — آدابِ قضائے حاجت کا بیان

86- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ، وَهُوَ مَعْلُولٌ ـ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے۔" [اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور یہ معلول ہے۔]

لغوی توضیح اَلْخَلَاء خالی جگہ کو کہتے ہیں اور اس سے مراد وہ خاص مقام ہے جسے قضائے حاجت کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور خَاتَم انگوٹھی کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کے انگوٹھی اتارنے کا یہ سبب مذکور ہے کہ آپ کی انگوٹھی میں "محمد رسول الله" کا نقش تھا۔ (۳۰۰) لہٰذا جن اشیاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر یا مقدس نام ہوں انہیں قضائے حاجت کے مقام سے الگ کر لینا چاہیے اس ضمن میں فقہاء کی یہی رائے ہے۔ (۳۰۱) قرآن کو تو بالاولیٰ الگ کر لینا چاہیے لیکن اگر کہیں قرآن کے ضائع یا چوری ہونے کا اندیشہ ہو تو کپڑوں میں ہی کہیں قرآن کو چھپا لینا چاہیے (جیسے حافظ قرآن نے سارا قرآن اپنے دل میں چھپایا ہوتا ہے)۔ (۳۰۲)

83- [بخاری (۱۳۷) كتاب الوضوء : باب من لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، مسلم (۳٦۱) ابو داود (۱۷٦) نسائی (۹۸/۱) ابن ماجه (۵۱۳) احمد (٤۰/٤) ابن خزيمة (۲۵)]

84- [مسلم (۳٦۲) كتاب الحيض : باب الدليل على أن من تيقن الطهارة، ابو داود (۱۷۷) ترمذی (۷۵) احمد (٤۱٤/۲) ابن خزيمة (۲٤)]

85- [**ضعيف** : ضعيف ابو داود، احمد (۹٦/۳) حاكم (۱۳٤/۱) ابن حبان (۱۸۷ـ الموارد) انظر مسلم (۵۷۱)]

86- [**ضعيف** : ضعيف ترمذی، ابو داود (۱۹) ترمذی (۱۷٤٦) نسائی (۱۷۸/۸) ابن ماجه (۳۰۳) حاكم (۱۸۷/۱) ابن حبان (۱۲۵ـ الموارد) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو معلول اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے منکر کہا ہے۔]

---

(۳۰۰) [حاكم (۱۸۷/۱) بيهقی (۹۵/۱) تلخيص الحبير (۱۹۱/۱)]

(۳۰۱) [مزید دیکھئے المغنی (۱٦۲/۱) المهذب (۵/۱) مغنی المحتاج (۳۹/۱) الشرح الصغير (۸۷/۱) الدر المختار (۳۱٦/۱)]

(۳۰۲) [فتاوی اللجنة الدائمة (٤۰/٤)]

87- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے ''اے اللہ! میں خبیث جنوں اور خبیث چڑیلوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' [اسے ساتوں یعنی بخاری، مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح خُبُث، خَبِيث کی اور خَبَائِث، خَبِيثَة کی جمع ہے۔ اس سے مراد نر و مادہ جن وشیاطین ہیں۔

فهم الحديث ایک دوسری حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیت الخلاء میں داخلے کے وقت اس دعا کے ساتھ بِسْمِ اللّٰه کے الفاظ بھی پڑھنے چاہییں۔ (۳۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت الخلاء میں داخلے کے وقت مذکورہ بالا دعا پڑھنی چاہیے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر تعمیر شدہ بیت الخلاء موجود نہ ہوں اور کھلے میدان میں قضائے حاجت کے لیے جانا پڑے تو پھر جہاں بھی انسان قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کا ارادہ کرے وہاں بیٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے۔ اس حدیث سے جنات وشیاطین کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنات کا زیادہ تر بسیرا گندگی وغلاظت کے مقامات پر ہی ہوتا ہے اس لیے نجاستوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

88- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَغُلَامٌ نَحْوِي إِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَعَنَزَةً فَيَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (قضائے حاجت کے لیے) بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں اور میری عمر کا ایک لڑکا پانی کا برتن اور ایک چھوٹا نیزہ ساتھ لے جاتے' پھر آپ ﷺ (اس پانی سے) استنجاء کرتے۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح غُلَام اُس بچے کو کہتے ہیں جو ابھی حدِ بلوغت کو نہ پہنچا ہو' اس کی جمع أَغْلِمَه، غِلْمَه اور غِلْمَان آتی ہے۔ إِدَاوَة چھوٹے برتن کو کہتے ہیں جو پانی پینے کے لیے چمڑے سے بنایا جاتا ہے' اس کی جمع أداوى ہے۔ عَنَزَة چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں' اس کی جمع عنزات آتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی سے استنجاء کرنا مسنون ہے۔ بلکہ پانی سے استنجاء کرنا ہی افضل ہے کیونکہ پانی ہی طہارت میں اصل ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ ﴾ [الأنفال: ۱۱] ''اللہ تعالیٰ تم پر آسمان سے پانی برسا رہے تھے تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کر دیں۔'' ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواتین سے فرمایا'' اپنے شوہروں کو پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا حکم دو کیونکہ

87- [بخاری (۱٤۲) كتاب الوضوء: باب ما يقول عند الخلاء' مسلم (۳۷۵) ابو داود (٤) ترمذی (٥-٦) نسائی (۲۰/۱) ابن ماجه (۲۹۸) احمد (۹۹/۳) دارمی (٦٦٩)]

88- [بخاری (۱۵۰) كتاب الوضوء: باب الاستنجاء من الماء' مسلم (۲۷۱) نسائی (٤۲/۱) احمد (۱۱۲/۳) ابن الجارود (٤۱) طیالسی (۲۱۳٤) ابن خزيمة (۸۵) بيهقی (۱۰۵/۱)]

(۳۰۳) [صحيح: إرواء الغليل (۵۰) تمام المنة (ص/۵۸) صحيح الجامع الصغير (۳٦۱۱)]

میں ان سے حیا کرتی ہوں اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے تھے۔"(٣٠٤) البتہ اگر کوئی پتھروں سے استنجاء کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں' کیونکہ فرمانِ نبوی کے مطابق پتھر بھی کفایت کر جاتے ہیں۔(٣٠٥) نیز جس روایت سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ پانی اور پتھر دونوں کا استعمال افضل ترین ہے' وہ ضعیف ہونے کی بنا پر قابل احتجاج نہیں۔(٣٠٦) تاہم جس چیز سے استنجاء کیا جائے' اکثر اہل علم نے اس کی تین صورتیں بالترتیب ذکر فرمائی ہیں: ① پانی اور پتھر دونوں کے ساتھ استنجاء کرنا سب سے افضل ہے۔ ② اس کے بعد صرف پانی کے ساتھ استنجاء کرنا افضل ہے۔ ③ اس کے بعد صرف پتھروں کے ساتھ استنجاء کرنے کا نمبر ہے۔ واضح رہے کہ صرف پتھر کفایت تو کر جاتے ہیں لیکن افضل پہلی دو صورتیں ہیں۔(واللہ اعلم)(٣٠٧)

89- وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ ((خُذِ الْإِدَاوَةَ)) فَانْطَلَقَ حَتَّى تَوَارَى عَنِّي فَقَضَى حَاجَتَهُ ' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا "پانی کا برتن پکڑو (اور ساتھ چلو)۔" پھر آپ اتنی دور چلے گئے کہ مجھ سے چھپ گئے' وہاں آپ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح تَوَارَى فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تفاعل سے' اس کا معنی ہے "چھپ جانا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے قضائے حاجت کے وقت چھپنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تو تعمیر شدہ بیت الخلاء میسر ہوں تو انسان قضائے حاجت کے لیے ان میں داخل ہو جائے اور اگر کھلا میدان ہو تو لوگوں سے اس قدر دور چلا جائے کہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ "آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے جب بھی جاتے تو غائب ہو جاتے اور آپ کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔"(٣٠٨) ایک دوسری روایت میں تو آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ "جو قضائے حاجت کے لیے جائے اسے پردہ کر کے بیٹھنا چاہیے۔"(٣٠٩) امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ انسان لوگوں سے چھپے اور اگر کوئی دیوار یا ٹیلہ یا درخت یا اونٹ موجود ہو تو اس کے ذریعے چھپ جائے اور اگر کچھ بھی موجود نہ ہو تو اس قدر دور چلا جائے کہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔(٣١٠)
علاوہ ازیں مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے لیے خادم رکھ سکتا ہے خواہ وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو

89- [بخاری (٣٦٣) كتاب الصلاة : باب الصلاة فى الجبة الشامية ' مسلم (٢٧٤) نسائی (٦٣/١) احمد (٢٤٨/٣)]

(٣٠٤) [صحيح : صحيح ترمذی (١٨) كتاب الطهارة : باب ما جاء فى الاستنجاء بالماء ' ترمذی (١٩) إرواء الغليل (٤٢) نسائی (٤٢/١) أحمد (٩٥/٦) الأوسط لابن المنذر (٣١٩) ابن أبی شيبة (١٥٢/١) أبو يعلى (٤٥١٤) بيهقی (١٠٥/١)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المجموع (١٠١/٢)]

(٣٠٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٣١) أبو داود (٤٠)]

(٣٠٦) [ضعيف : تمام المنة (ص/٦٥) بزار (١٣٠/١) مجمع الزوائد (٢١٥/١)]

(٣٠٧) [دیکھئے: توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٣٣٠/١)]

(٣٠٨) [صحيح : صحيح أبو داود (٢) ابن ماجة (٣٣٥) حاكم (١٤٠/١) بيهقی (٩٣/١) شرح السنة (٢٨٢/١) ترمذی (٢٠) نسائی (١٨/١)]

(٣٠٩) [أبو داود (٣٥) ابن ماجة (٣٣٧) أحمد (٣٧١/٢) بيهقی (٩٤/١) دارمی (١٦٩/١) ابن حبان (١٢٢۔ الموارد)] اس روایت کو شیخ البانیؒ نے ضعیف جبکہ حافظ ابن حجرؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے حسن کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (١٦٩/١) فتح البارى (٢٥٧/١)]

(٣١٠) [المغنی لابن قدامة (٢٢٢/١۔٢٢٤)]

اوراس سے اپنے طہارت کے برتن اٹھانے کی خدمت لے سکتا ہے۔

90- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ : الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لعنت کا سبب بننے والی دو چیزوں یعنی لوگوں کے راستے میں اور سایہ دار جگہوں میں قضائے حاجت سے اجتناب کرو۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

91- وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ، عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((وَالْمَوَارِدَ)) وَلَفْظُهُ : ((اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَالظِّلِّ)) ۔

اور ابوداود نے معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں "اور گھاٹوں" کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں "تین لعنت کی جگہوں سے بچو؛ گھاٹوں پر، راستے میں اور سایہ دار جگہوں میں قضائے حاجت سے۔

92- وَلِأَحْمَدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَوْ نَقْعِ مَاءٍ)) وَفِيهِمَا ضَعْفٌ ۔

اور احمدؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "جہاں پانی جمع ہوتا ہو (وہاں بھی قضائے حاجت سے بچو)۔" [ان دونوں روایات میں ضعف ہے۔]

93- وَأَخْرَجَ الطَّبَرَانِيُّ النَّهْيَ عَنْ قَضَاءِ الْحَاجَةِ تَحْتَ الْأَشْجَارِ الْمُثْمِرَةِ وَضَفَّةِ النَّهْرِ الْجَارِي مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ ۔

اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے سے جو روایت نقل کی ہے اس میں پھل دار درختوں کے نیچے اور جاری نہر کے کنارے پر بھی قضائے حاجت سے ممانعت مذکور ہے۔

لغوی توضیح لَاعِنَيْن تثنیہ ہے لاعن سے مراد ہے "لعنت کا سبب بننے والی اشیاء"۔ مَلَاعِن جمع ہے مَلْعَن کی اس کا معنی ہے "لعنت کی جگہیں"۔ يَتَخَلّٰی فعل مضارع ہے باب تفعّل سے اس کا معنی ہے "پاخانہ کرنا"۔ اَلْمَوَارِد جمع ہے مَوْرِد کی اس کا معنی ہے "گھاٹ" مراد ایسی جگہیں ہیں جہاں لوگ پانی پینے یا نہانے وغیرہ کے لیے آتے ہوں۔ نَقْعُ مَاءٍ کا معنی ہے "جمع شدہ پانی"۔

فہم الحدیث ان روایات میں رسول اللہ ﷺ نے قضائے حاجت کے نہایت اہم آداب سکھائے ہیں۔ مذکورہ روایات میں جن مقامات کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً سایہ دار جگہیں، لوگوں کی گزرگاہیں اور گھاٹ وغیرہ، ان میں رفع حاجت کرنا تو ممنوع ہے ہی، لیکن ان جگہوں پر قیاس کرتے ہوئے دیگر ایسی جگہوں جن کی لوگوں کو ضرورت ہو یا جن میں لوگ جمع ہوتے ہوں یا جہاں رفع حاجت لوگوں کی طرف سے لعنت ملامت کا باعث بن سکتی ہو مثلاً باغات اور عام میدان وغیرہ، ان میں بھی قضائے حاجت سے اجتناب کرنا چاہیے۔ مذکورہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ ہر لحاظ سے کامل ہے، اس

90- [مسلم (٢٦٩) كتاب الطهارة : باب النهي عن التخلي في الطرق والظلال، ابو داود (٢٥) أحمد (٣٧٢/٢) ابن خزيمة (٦٧) ابن حبان (١٤١٥) حاكم (١٨٥/١) بيهقي (١٦٧/١) بيهقي (٩٧/١)]

91- [حسن : صحيح ابو داود، ابو داود (٢٦) كتاب الطهارة : باب المواضع التي نهى النبي عن البرل فيها، ابن ماجه (٣٢٨) حاكم (١٦٧/١) بيهقي (٩٧/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

92- [أحمد (٢٩٩/١) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعیف ہے لیکن یہ حسن لغیرہ ہے۔]

93- [ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد (٢٠٩/١) وقال رواه الطبراني في الأوسط، شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

میں جہاں عبادات اور دیگر مختلف احکام کی تفصیل موجود ہے وہاں گندگی وغلاظت سے بچنے' صفائی ستھرائی اور طہارت و پاکیزگی اپنانے اور ہر ایسے کام سے بچنے کی بھی کماحقہ ترغیب موجود ہے جس سے لوگ اذیت محسوس کریں۔

94- وَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَغَوَّطَ الرَّجُلَانِ فَلْيَتَوَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ صَاحِبِهِ وَ لَا يَتَحَدَّثَا ' فَإِنَّ اللّٰهَ يَمْقُتُ عَلَى ذٰلِكَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ السَّكَنِ وَ ابْنُ الْقَطَّانِ ' وَ هُوَ مَعْلُولٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جب دو آدمی قضائے حاجت کے لیے بیٹھیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے پردے میں رہے اور دونوں آپس میں باتیں نہ کریں' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔[اسے احمد نے روایت کیا ہے' ابن السکن اور ابن القطان نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ معلول ہے۔]

لغوی توضیح لَا يَتَحَدَّثَا مشتق ہے باب تفعّل سے' اس کا معنی ہے" باتیں کرنا"۔ يَمْقُتُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب مَقَتَ يَمْقُتُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے" ناراض ہونا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ قضائے حاجت ستر چھپانا واجب ہے۔ اسی طرح باتیں کرنا بھی ممنوع ہے کیونکہ اس میں قلتِ حیاء اور مروّت کا ضیاع ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے گزرتے ہوئے سلام کہا لیکن آپ نے اسے جواب نہ دیا۔ (۳۱۱) امام صنعانیؒ اور شیخ عبد اللہ بسامؒ کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں باتوں سے ممانعت حرمت کے لیے ہے۔ جبکہ جمہور علماء اسے صرف کراہت پر محمول کرتے ہیں۔ (۳۱۲) علاوہ ازیں مذکورہ بالا حدیث سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت" ناراض ہونا" بھی ثابت ہوتی ہے' جس پر بغیر کسی تحریف وتشبیہ کے من وعن ایمان لانا واجب ہے۔

95- وَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((لَا يَمَسَّنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" تم میں سے کوئی بھی پیشاب کرتے ہوئے اپنے آلہ تناسل کو دائیں ہاتھ سے مت چھوئے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء بھی نہ کرے اور نہ ہی پانی کے برتن میں سانس لے۔"[بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح لَا يَمَسَّنَّ مشتق ہے مسّ سے' اس کا معنی ہے" چھونا"۔ لَا يَتَمَسَّحْ نہی کا صیغہ ہے باب تفعّل سے' اس کا معنی ہے" پھیرنا یا ملنا" اور یہاں استنجاء کرنا مراد ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ قضائے حاجت دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھونا اور قضائے حاجت سے

94- [صحيح: السلسلة الصحيحة (۳۱۲۰) ذكره الحافظ في تلخيص الحبير (۱۹۰/۱) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کو معلول اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

95- [بخارى (۱۵٤) كتاب الوضوء: باب لا يمسك ذكره بيمينه إذا بال' مسلم (۲٦٧) ابو داود (۳۱) ترمذى (۱۵) ابن ماجه (۳۱۰) نسائى (۲۵/۱) احمد (۳۸۳/٤) دارمى (٦٧٣)]

(۳۱۱) [مسلم (۳۷۰) أبو داود (۱٦) ترمذى (۹۰) ابن ماجة (۳۵۳) نسائى (۳۵/۱) أبو عوانة (۲۱٦/۱) ابن الجارود (۳۸) شرح معانى الآثار (۸۵/۱)]

(۳۱۲) [سبل السلام (۲۲۷/۱) توضيح الأحكام (۳۳۹/۱)]

فارغ ہونے کے بعد دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا ممنوع ہے۔امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے استنجے کی ممانعت پر علماء کا اجماع ہے۔ (۳۱۳) امام شوکانی ؒ (۳۱٤)، امام صنعانی ؒ (۳۱٥) اور اہل ظاہر (۳۱٦) نے یہاں ممانعت کو تحریم پر محمول کیا ہے' یعنی ان کے نزدیک دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا حرام ہے۔ یہ واضح رہے کہ اس حکم میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ علاوہ ازیں اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پانی پیتے وقت اس میں سانس نہیں لینا چاہیے۔ اطباء اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ سانس باہر نکالتے وقت جراثیم خارج ہوتے ہیں' جو پینے کے پانی کے ساتھ دوبارہ معدے میں جا کر مختلف امراض کا باعث بنتے ہیں' اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

96- وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((لَقَدْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم قبلہ رخ ہو کر پاخانہ یا پیشاب کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجاء کریں یا تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجاء کریں یا گوبر اور ہڈی کے ساتھ استنجاء کریں۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

97- وَلِلسَّبْعَةِ عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا))

اور ساتوں کی روایت میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت نہ قبلہ کی جانب منہ کرو اور نہ ہی پیٹھ بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب رُخ کر لو۔''

لغوی توضیح أَحْجَار جمع ہے حَجَر کی' اس کا معنی ہے ''پتھر''۔ رَجِيع گوبر کو اور عَظْم ہڈی کو کہتے ہیں۔ شَرِّقُوْا اور غَرِّبُوْا باب تفعیل سے امر کے صیغے ہیں' ان کا معنی ہے ''مشرق یا مغرب کی جانب رخ کرنا''۔

فہم الحدیث مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قضائے حاجت کے وقت اپنا رُخ یا پیٹھ قبلہ کی جانب نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی مخالفت کی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر (کی چھت) پر چڑھا تو میں نے نبی کریم ﷺ کو شام کی طرف منہ اور کعبہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا۔'' (۳۱۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں پیشاب کے وقت قبلہ رُخ ہونے سے منع فرمایا لیکن میں نے آپ کو آپ کی وفات سے ایک سال پہلے قبلہ کی طرف رخ کرتے

96- [مسلم (٢٦٢) كتاب الطهارة : باب الاستطابة ' ابو داود (٧) ترمذى (١٦) نسائى (٣٨/١) ابن ماجه (٣١٦) احمد (٤٣٧/٥) ابن الجارود (٢٩) دارقطنى (٥٤/١) بيهقى (٩١/١)]

97- [بخارى (٣٩٤) كتاب الصلاة : باب قبلة أهل المدينة وأهل الشام والمشرق ' مسلم (٢٦٤) ابو داود (٩) ترمذى (٨) نسائى (٢١/١) ابن ماجه (٣١٨) احمد (٤٢١/٥) مالك (١٩٣/١) دارمى (٦٦٥) ابن خزيمة (٥٧) ابن حبان (١٤١٤) بيهقى (٩١/١)]

(٣١٣) [شرح مسلم (١٥٩/٢)]
(٣١٤) [السيل الجرار (٦٩/١)]
(٣١٥) [سبل السلام (٢٢٨/١)]
(٣١٦) [نيل الأوطار (١٣٨/١)]
(٣١٧) [بخارى (١٤٥) مسلم (٢٦٦) أحمد (١٢/٢) أبو داود (١٢) ترمذى (١١) نسائى (٢٣/١) ابن ماجة (٣٢٢) ابن خزيمة (٥٩) ابن حبان (١٤١٨) شرح السنة (٢٧٤/١) بيهقى (٦١/١) طحاوى (٢٣٤) ابن أبى شيبة (١٥١/١)]

ہوئے دیکھا۔(۳۱۸) ان روایات کے اختلاف کے باعث اس مسئلے میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ تاہم ہمارے علم کے مطابق ان بظاہر متعارض روایات میں تطبیق یوں ہے کہ یہ ممانعت کھلی فضا میں ہے عمارت یا تعمیر شدہ بیت الخلاء میں نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جن صحابہ نے قبلہ کی جانب ہو کر قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا تھا انہوں نے فضا میں نہیں بلکہ گھر میں دیکھا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مروان اصفرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا انہوں نے قبلہ کی جانب اپنی سواری بٹھائی پھر اس کی طرف پیشاب کرنے لگے تو میں نے کہا' اے ابو عبدالرحمٰن! کیا اس سے منع نہیں کیا گیا؟ تو انہوں نے کہا کیوں نہیں' لیکن اس عمل سے صرف فضاء میں منع کیا گیا ہے اور جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی اوٹ یعنی حائل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(۳۱۹) امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ، امام شعبیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ،(۳۲۰) امام شوکانیؒ(۳۲۱)، امام ابن حزمؒ(۳۲۲)، نواب صدیق حسن خانؒ(۳۲۳) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ(۳۲۴) کا کہنا ہے کہ فضا ہو یا عمارت ہر جگہ قبلہ رخ ہو کر یا قبلہ کی جانب پشت کر کے قضائے حاجت کرنا ممنوع و ناجائز ہے۔

علاوہ ازیں مذکورہ پہلی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنا ممنوع ہے۔ ان اشیاء سے استنجاء کی ممانعت کا سبب ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم ان دونوں اشیاء سے استنجاء نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائیوں (یعنی جنوں) کی خوراک ہیں۔''(۳۲۵)

98- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ((مَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو قضائے حاجت کے لیے آئے وہ پردہ کر کے بیٹھے۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

99- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ قَالَ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے نکلتے تو کہتے '' اے

98- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (٣٥) كتاب الطهارة : باب الاستتار فی الخلاء' ابن ماجه (٣٣٧) احمد (٣٧١/٢) دارمی (٦٦٢) بيهقی (٩٤/١) ابن حبان (١٣٢۔الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

99- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٠) كتاب الطهارة : باب ما يقول الرجل إذا خرج من الخلاء' ترمذی (٧) نسائی فی السنن الكبرى (٢٤/٦) ابن ماجه (٣٠٠) الأدب المفرد للبخاری (٦٩٣) احمد (١٥٥/٦) دارمی (٦٨٠) ابن الجارود (٤٢) ابن خزيمة (٤٨/١) حاكم (١٨٥/١) بيهقی (٩٧/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(٣١٨) [حسن : صحيح أبو داود (١٠) أبو داود (١٣) ترمذی (٩) ابن ماجة (٣٢٥) ابن خزيمة (٣٤/١) حاكم (١٥٤/١) أحمد (٣٦٠/٣) بيهقی (٩٢/١) شرح معانی الآثار (٢٣٤/٤)]

(٣١٩) [حسن : صحيح أبو داود (٨) كتاب الطهارة : باب الرخصة فی ذلك' أبو داود (١١)]

(٣٢٠) [شرح مسلم للنووی (١٥٦/٢۔١٥٧) نيل الأوطار (١٣٦/١۔١٣٧) تحفة الأحوذی (٦١/١۔٦٢)]

(٣٢١) [نيل الأوطار (١٤٢/١)]

(٣٢٢) [المحلی بالآثار (١٨٩/١)]

(٣٢٣) [الروضة الندية (١٠٥/١)]

(٣٢٤) [تمام المنة (ص/٦٠)]

(٣٢٥) [مسلم (٤٥٠) أحمد (٤٣٦/١) أبو داود (٨٥) ترمذی (١٨) طيالسی (٤٧/١) ابن أبی شيبة (١٥٥/١) أبو عوانة (٢١٩/١) ابن حبان (١٤٣٢) دارقطنی (٧٧/١) بيهقی (١٠٨/١) دلائل النبوة (٢٢٩/٢)]

((غُفْرَانَكَ)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ أَبُوْ حَاتِمٍ وَالْحَاكِمُ ـ

اللہ! تیری مغفرت مطلوب ہے۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابو حاتم اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت الخلاء سے باہر آتے وقت غُفْرَانَكَ کہنا مسنون ہے۔ علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ نبی ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ ﴾ ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کر دی اور مجھے عافیت دی۔'' وہ ضعیف ہے۔(٣٢٦)

100- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أَتَى النَّبِيُّ ﷺ الْغَائِطَ فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ وَلَمْ أَجِدْ ثَالِثًا ' فَأَتَيْتُهُ بِرَوْثَةٍ فَأَخَذَهُمَا وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ ' وَقَالَ : ((هٰذَا رِجْسٌ أَوْ رِكْسٌ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ ' وَزَادَ أَحْمَدُ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ : ((ائْتِنِي بِغَيْرِهَا)) ـ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے گئے اور مجھے حکم دیا کہ میں تین پتھر لے آؤں۔ لیکن مجھے دو پتھر ملے' تیسرا نہ ملا۔ تو میں (تیسرے پتھر کی جگہ) گوبر کا ٹکڑا لے آیا۔ آپ ﷺ نے دونوں پتھر لے لئے اور گوبر کے ٹکڑے کو پھینک دیا اور کہا ''یہ تو خود گندگی ہے۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور احمد اور دارقطنی نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔] ''اس کے علاوہ اور (کچھ) لے آؤ۔''

لغوی توضیح الرَّوْثَة چوپائے جانوروں کی گوبر یا لید کو کہتے ہیں' اس کی جمع رَوْث اور أَرْوَاث آتی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء کے لیے کم از کم تین پتھر (یعنی ڈھیلے) استعمال کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر تین پتھروں سے بھی کامل طہارت حاصل نہ ہو تو حسب ضرورت تین سے زیادہ پتھر بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی یہی رائے ہے۔ جبکہ امام مالکؒ کا کہنا ہے کہ مقصود صرف صفائی ہے وہ ایک پتھر سے حاصل ہو جائے تو وہی بھی کافی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مؤقف ہے۔(٣٢٧) علاوہ ازیں اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناپاک چیز سے استنجاء نہیں کرنا چاہیے۔

101- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى أَنْ يُسْتَنْجَى بِعَظْمٍ أَوْ رَوْثٍ)) وَقَالَ : ((إِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ''یہ دونوں پاک نہیں کرتے۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔]

100- [بخاری (١٥٦) کتاب الوضوء : باب لا يستنجى بروث ' ترمذی (١٧) نسائی (٣٩/١) ابن ماجه (٣١٤) احمد (٤١٨/١) دارقطنی (٥٥/١)]

101- [دارقطنی (٥٦/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٣٢٦) [ضعیف : إرواء الغليل (٥٣) تخريج الأذكار (٢١٨/١) ابن ماجة (٣٠١) كتاب الطهارة : باب ما يقول إذا خرج من الخلاء' نتائج الأفكار (٢١٩/١)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (١٢٩/١)]

(٣٢٧) [نيل الأوطار (١٣٨/١) سبل السلام (١٦٨/١) الروضة الندية (١٠٩/١)]

102- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" پیشاب (کے چھینٹوں) سے بچو' کیونکہ بالعموم عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔" [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔]

103- وَلِلْحَاكِمِ ((أَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ)) وَهُوَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ۔

اور حاکم کی روایت میں ہے کہ" اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔" [اس کی سند صحیح ہے۔]

لغوی توضیح اسْتَنْزِهُوا فعل امر ہے باب استفعال سے' اس کا معنی ہے" بچنا"۔

فهم الحديث ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں کے قریب سے گزرے تو فرمایا" انہیں عذاب دیا جا رہا ہے اور ان میں سے ایک کو عذاب دیئے جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا۔"(۳۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے چھینٹوں سے اجتناب کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور پیشاب کرنے کے اُن تمام طریقوں سے احتراز کرنا چاہیے جن سے چھینٹے پڑنے کا اندیشہ ہو۔ دورِ حاضر میں کموڈ (Commode) کا استعمال عام ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کموڈ ایک سیٹ نما فلش ہے' جس پر بیٹھ کر قضائے حاجت کی جاتی ہے۔ اس پر بیٹھ کر پیشاب کرتے ہوئے چھینٹوں سے بچنا انتہائی مشکل ہے لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے بچتے ہوئے سادہ فلش استعمال کیا جائے۔ تاہم کموڈ کے جواز کی صرف ایک صورت ہے کہ اس پر بیٹھ کر پیشاب کرنے سے چھینٹوں سے بچنا یقینی ہو۔ (واللہ اعلم) کموڈ کے علاوہ بعض مختلف مقامات پر ایسے ظرف بھی بنائے گئے ہیں جن میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا جاتا ہے۔ تو اس سلسلے میں یہ یاد رہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بوقتِ ضرورت جائز تو ہے (کیونکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت ہے (۳۲۹)) لیکن پیشاب کرنے کا فطری طریقہ بیٹھ کر ہی ہے اور کھڑے ہو کر صرف اسی صورت میں جواز ہے کہ انسان کو کوئی سخت حاجت درپیش ہو اور وہ پیشاب کے چھینٹوں سے بھی بچ سکتا ہو' بصورتِ دیگر جائز نہیں۔ (واللہ اعلم)

102- [دارقطنی (۱۲۸/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرسل کہا ہے۔]

103- [صحيح: صحيح الجامع الصغير (۱۲۰۲) صحيح الترغيب (۱۵۹) ابن ماجه (۳٤۸) احمد (۳۲٦/۲) حاكم (۱۸۳/۱) دارقطنی (۱۲۸/۱) امام دارقطنیؒ، امام شوکانیؒ اور امام نوویؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے شاذ کہا ہے۔]

(۳۲۸) [مسلم (۲۹۲) بخاری (۲۱٦) أبو داود طيالسی (۲٦٤٦) ابن أبی شيبة (۱۲۲/۱) أحمد (۲۲٥/۱) دارمی (۱۸۸/۱) أبو داود (۲۰) ترمذی (۷۰) نسائی (۲۸/۱) ابن ماجة (۳٤۷) بيهقی (۱۰٤/۱) ابن خزيمة (٥٦) ابن حبان (۳۱۱۸) ابن الجارود (۱۳۰)]

(۳۲۹) [بخاری (۲۲٤) مسلم (۲۷۳) أبو داود (۲۳) نسائی (۱۹/۱) ابن ماجة (۳۰٥) أحمد (۳۸۲/٥) أبو عوانة (۱۹۷/۱) ابن خزيمة (۳٥/۱) ابن حبان (۱٤۲٤) حميدی (٤٤۲) ابن ابی شيبة (۱۷٦/۱) الأوسط لابن المنذر (۲٥۲) بيهقی (۱۰۰/۱)]

104- وَعَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْخَلَاءِ أَنْ نَقْعُدَ عَلَى الْيُسْرَى وَ نَنْصِبَ الْيُمْنَى)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قضائے حاجت کے متعلق سکھایا کہ ہم بائیں پاؤں پر (بوجھ ڈال کر) بیٹھیں اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھیں۔[اسے بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث شیخ عبداللہ بسامؒ نے علماء کا قول نقل فرمایا ہے کہ یہ (مذکورہ بالا) کیفیت فضلات کے اخراج کو آسان بنا دیتی ہے۔ نیز ڈاکٹر محمد علی بار کا کہنا ہے کہ اخراجِ فضلات کے لیے قضائے حاجت کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ بائیں پاؤں پر وزن دے کر بیٹھا جائے (کیونکہ اسی طرف معدہ ہوتا ہے)۔(۳۳۰)

105- وَعَنْ عِيسَى بْنِ يَزْدَادَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَنْتُرْ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت عیسیٰ بن یزداد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے آلہ تناسل کو تین مرتبہ جھاڑے۔" [اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح فَلْيَنْتُرْ فعل امر کا صیغہ ہے باب نَتَرَ يَنْتُرُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "جھاڑنا"۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد (آلہ تناسل میں موجود باقی پیشاب کے قطروں کے اخراج کے لیے) تین مرتبہ آلہ تناسل کو اچھی طرح جھاڑنا چاہیے۔ لیکن چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے ایسا کرنا ضروری نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے تو اس عمل کو بدعت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ پیشاب طبعی طور پر خارج ہو جاتا ہے اور شیخ عبد الرحمٰن سعدیؒ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ عمل مستحب نہیں کیونکہ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں' نیز اس کے باعث انسان وسوسوں کا شکار ہو جاتا ہے (کہ کہیں پیشاب کے بعد قطرے نکل کر کپڑوں کو ناپاک نہ کر دیں وغیرہ وغیرہ)۔(۳۳۱)

106- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَأَلَ أَهْلَ قُبَاءٍ فَقَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُثْنِي عَلَيْكُمْ)) فَقَالُوا: إِنَّا نُتْبِعُ الْحِجَارَةَ الْمَاءَ' رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل قباء سے دریافت کیا کہ "(آخر کیا وجہ ہے؟) اللہ تعالیٰ تمہاری تعریف کرتا ہے۔" تو انہوں نے کہا کہ ہم پتھروں کے بعد (مزید صفائی کے لیے) پانی بھی استعمال کرتے ہیں۔[اسے بزار نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

104- [بيهقى (۱/۱۰۶)] مجمع الزوائد (۱/۲۰۶) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں۔[المجموع (۲/۸۹)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

105- [ضعيف: ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (۳۲۶) كتاب الطهارة وسننها: باب الاستبراء بعد البول' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

106- [بزار فى كشف الأستار (۲۴۷) طبرانى كبير (۱۰۶۵)] شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو پتھروں کے ذکر کے علاوہ صحیح کہا ہے۔]

(۳۳۰) [توضيح الأحكام (۱/۳۶۰)] (۳۳۱) [توضيح الأحكام (۱/۳۶۲)]

107- وَ أَصْلُهُ فِيْ أَبِيْ دَاوٗدَ ' وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِدُوْنِ ذِكْرِ الْحِجَارَةِ ۔

اور اس کی اصل ابوداود میں ہے اور ابن خزیمہ نے اس ضمن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح کہا ہے' جس میں پتھروں کا ذکر نہیں ہے۔

لغوی توضیح يُثْنِي فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَثْنَى يُثْنِي (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "تعریف کرنا"۔

فهم الحديث مذکورہ بالا روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ استنجاء کرتے ہوئے ڈھیلے اور پانی دونوں کا استعمال افضل ترین ہے' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ محققین نے ڈھیلوں کے ذکر کے علاوہ اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ تب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل قباء پانی کے ساتھ استنجاء کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔ لہٰذا پانی کے ساتھ استنجاء کرنا ڈھیلوں کے ساتھ استنجاء کرنے سے افضل ہے۔ (واللہ اعلم)

❑ استنجاء کے لیے بوقت ضرورت ٹشو پیپر یا ٹائلٹ پیپر کا استعمال بھی درست ہے بشرطیکہ اس کے استعمال سے کسی ضرر و نقصان کا اندیشہ نہ ہو' یہ جواز اس لیے ہے کیونکہ اس سے ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ لکڑی' کپڑا اور ہر وہ چیز جس کے ذریعے صفائی کی جا سکے' وہ (استنجاء میں) پتھروں کی مانند ہی ہے' یہی صحیح مذہب ہے اور اکثر اہل علم کا قول بھی یہی ہے۔(۳۳۲) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ استنجاء ہر ایسی جامد' پاک' (نجاست کی) ذات کو زائل کر دینے والی چیز سے جائز ہے جو پتھر کے قائم مقام ہو اور نہ تو وہ چیز قابل احترام ہو اور نہ ہی کسی حیوان کا جز ہو' مثلاً لکڑی' کپڑے کا ٹکڑا' اینٹ اور ٹھیکری وغیرہ۔(۳۳۳) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ استنجے میں رومال' اوراق یا ان جیسی اشیاء استعمال کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ قبل یا دبر سے نجاست کے مقام کو صحیح طور پر صاف کر دیں اور افضل یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ استنجاء کیا جائے اس کی تعداد طاق عدد میں ہو اور اس کے بعد پانی کا استعمال واجب تو نہیں البتہ سنت ضرور ہے۔(۳۳٤)

باب الغسل و حكم الجنب — غسل اور جنبی کے حکم کا بیان

108- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " پانی (یعنی غسل کا وجوب) پانی (یعنی منی کے خروج) سے ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

109- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی عورت کی چار شاخوں (یعنی دو بازو اور دو ٹانگوں) کے درمیان بیٹھے پھر اس سے کوشش کرے تو غسل واجب ہو گیا۔" [بخاری،

107- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٤) ترمذی (٣١٠٠) ابن ماجه (٣٥٧) حاكم (١٨٧/١) ابن خزيمة (٧٦)]

108- [مسلم (٣٤٣) كتاب الحيض : باب إنما الماء من الماء' بخاری (١٨٠) ترمذی (١١٢)]

(٣٣٢) [المغنى لابن قدامة (٢١٣/١)] (٣٣٣) [الروضة الندية (١١٠/١)]

(٣٣٤) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (١٠٧/٥)]

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَزَادَ مُسْلِمٌ ((وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ)) ۔ مسلم۔اور مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ] "خواہ انزال نہ ہو۔"

لغوی توضیح شُعَب جمع ہے شُعْبَة کی اس کا معنی ہے "شاخ" یہ لفظ کسی چیز کے کچھ حصے پر بھی بولا جاتا ہے۔

فهم الحديث پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل کا وجوب منی کے خروج کے ساتھ مشروط ہے جبکہ دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مجرد دخول سے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال نہ بھی ہوا ہو۔ بظاہر یہ دونوں احادیث متعارض ہیں اور ان کے تعارض کا حل یہ ہے کہ دوسری حدیث ناسخ اور پہلی منسوخ ہے یعنی پہلی حدیث والا حکم ابتدائے اسلام میں تھا' پھر بعد میں آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ مجرد دخول سے ہی غسل واجب ہو جائے گا۔ اس کی وضاحت حضرت أبي بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے' وہ فرماتے ہیں کہ "بلاشبہ وہ فتویٰ جسے لوگ بیان کرتے تھے "پانی کا استعمال پانی (یعنی منی) کے خروج سے ہے" ایسی رخصت تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے اسلام میں عنایت فرمایا تھا لیکن پھر اس کے بعد آپ نے ہمیں (مجرد دخول سے ہی) غسل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔[(۳۳۵)] خلفائے اربعہ جمہور صحابہ و تابعین اور فقہائے امت اسی کے قائل ہیں کہ انزال (منی کا خروج) ضروری نہیں بلکہ مجرد شرمگاہوں کے ملنے سے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے۔[(۳۳۶)] امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ غسل کے وجوب پر اجماع ہے جبکہ حشفہ (مرد کے عضو تناسل کا وہ حصہ جہاں سے ختنہ کے وقت کاٹا جاتا ہے) شرمگاہ میں غائب ہو جائے۔[(۳۳۷)] سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ مرد کے آلۂ تناسل کا حشفہ عورت کی شرمگاہ میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔(۳۳۸)

110- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ ۔ وَهِيَ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ ۔ قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ' فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ' إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ)) الحديث ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! یقیناً اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا' تو بتلایئے کیا عورت کو جب احتلام ہو تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں' جب وہ پانی دیکھے۔" [بخاری، مسلم]

111- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا مَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے متعلق فرمایا جو خواب میں وہ چیز دیکھتی ہے جو (ایک جوان) مرد

109- [بخاری (۲۹۱) کتاب الغسل: باب إذا التقى الختانان ' مسلم (۳۴۸) ابو داود (۲۱۶) نسائی (۱۱۰/۱) ابن ماجه (۶۰۸) احمد (۲۴۷/۲) دارمی (۷۶۱) دارقطنی (۱۱۳/۱)]

110- [بخاری (۲۸۲) کتاب الغسل: باب إذا احتلمت المرأة ' مسلم (۳۱۳)]

111- [① مسلم (۳۱۲) کتاب الحیض: باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها]' [② مسلم (۳۱۱) کتاب الحیض: باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها' ابن ماجه (۶۰۱) نسائی (۱۱۲/۱)]

---

(۳۳۵) [صحيح : صحیح ابن ماجة (۴۹۳) أبو داود (۲۱۵) ابن أبي شيبة (۸۹/۱) أحمد (۱۱۵/۵) دارمی (۱۹۴/۱) ترمذی (۱۱۰) ابن ماجة (۶۰۹) شرح معانی الآثار (۵۷/۱) دارقطنی (۱۲۶/۱) بیهقی (۱۶۵/۱) ابن خزیمة (۲۲۵)]

(۳۳۶) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۳۹۷/۱) تلخیص الحبیر (۱۳۵/۱) نصب الرایة (۸۲/۱)]

(۳۳۷) [شرح مسلم (۲۷۶/۲)]

(۳۳۸) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۲۹۳/۵)]

يَرَى الرَّجُلُ قَالَ ((تَغْتَسِلُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ①۔ زَادَ مُسْلِمٌ : فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : وَهَلْ يَكُونُ هٰذَا؟ قَالَ : ((نَعَمْ، فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟)) ②۔

دیکھتا ہے (مراد احتلام ہے) "وہ عورت غسل کرے۔" [بخاری ، مسلم۔ مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ] اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے (آپ ﷺ کے مذکورہ جواب کے بعد) دریافت کیا کہ کیا (عورت کو بھی) اس طرح ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! اگر ایسا نہ ہوتا تو (بچے کی ماں کے ساتھ) مشابہت کہاں سے ہوتی؟"

لغوی توضیح لَا يَسْتَحْيِي نفی معروف کا صیغہ ہے باب استفعال سے' اس کا معنی ہے "حیاء کرنا"۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے اور اس کے باعث ان پر بھی غسل فرض ہے۔ لیکن وجوب غسل کے لیے یہ شرط ہے کہ مرد یا عورت تری محسوس کریں جیسا کہ پہلی حدیث میں ہے اور اگر وہ تری یا اس کے اثرات نہ پائیں تو پھر غسل واجب نہیں۔ مزید اس مسئلے کی وضاحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اُس روایت سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو تری تو دیکھتا ہے لیکن اسے احتلام یاد نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "وہ غسل کرے گا" پھر ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جسے اتنا تو معلوم ہے کہ اسے احتلام ہوا ہے لیکن وہ تری نہیں پاتا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "اس پر کوئی غسل نہیں۔"(۳۳۹) امام ابن منذرؒ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ محتلم جب تری دیکھے تب ہی اس پر غسل واجب ہوتا ہے۔(۳۴۰) شیخ ابن جبرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ایسے شخص پر غسل لازم نہیں ہوتا جسے احتلام تو ہو لیکن وہ تری نہ پائے۔(۳۴۱) شیخ ابن بازؒ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۳۴۲)

علاوہ ازیں ماں کے ساتھ مشابہت کی جو بات رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ بعض اوقات بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور بعض اوقات ماں کے' تو دونوں میں سے جس کا پانی غالب آ جاتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ماں کو احتلام ہی نہ ہوتا ہو تو پھر بچہ ماں کے مشابہ کیسے ہو؟

112- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ : مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحِجَامَةِ وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چار چیزوں کی وجہ سے غسل فرمایا کرتے تھے؛ جنابت کی وجہ سے' جمعہ کے روز' سینگی لگوانے کی وجہ سے اور میت کو غسل دینے کی وجہ سے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث غسل جنابت مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے' اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ جمعہ کے روز غسل کے حکم کے متعلق آئندہ حدیث نمبر 115,114 ملاحظہ فرمائیے۔ سینگی لگوانے سے غسل نہ تو فرض ہے اور نہ ہی مستحب' کیونکہ فرضیت کی

112- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۳۴۸۔۳۱۶۰) کتاب الطھارۃ : باب فی الغسل یوم الجمعۃ' ابن خزیمۃ (۲۵۶) احمد (۱۵۲/۶) دارقطنی (۱۱۳/۱) بیھقی (۲۲۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

---

(۳۳۹) [حسن : صحیح أبو داود (۲۱۶) أبو داود (۲۳۶) ترمذی (۱۱۳) ابن ماجۃ (۶۱۲) دارمی (۱۶۱/۱) أحمد (۲۵۶/۶) ابن الجارود (۸۹) بیھقی (۱۶۸/۱)]

(۳۴۰) [الإجماع لابن المنذر (ص/۳۶)]

(۳۴۱) [فتاوی إسلامیۃ (۲۲۰/۱)]

(۳۴۲) [فتاوی ابن باز مترجم (۵۱/۱)]

کوئی دلیل نہیں اور یہ روایت' جو اس کا استحباب ظاہر کر رہی ہے' ضعیف ہے۔ نیز میت کو غسل دینے سے بھی غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ صرف مستحب ہے' اس مسئلے کی تفصیل بھی گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

113- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي قِصَّةِ ثُمَامَةَ بْنِ آثَالٍ ' عِنْدَمَا أَسْلَمَ ((وَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَغْتَسِلَ)) رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ ' وَ أَصْلُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے قصے کے متعلق مروی ہے کہ (اسلام قبول کرنے کے بعد) نبی ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا۔[اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری اور مسلم میں ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا قبولِ اسلام بھی موجباتِ غسل میں سے ہے۔ البتہ یہ غسل فرض ہے یا مستحب اس کے متعلق اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ، امام ابن منذرؒ اور امام ابوثورؒ نے مطلق طور پر اسے فرض کہا ہے' ان کی دلیل مذکورہ روایت میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اس غسل کو مستحب گردانتے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ صحابہ کا ایک جم غفیر کفر سے اسلام میں داخل ہوا ہے' اگر یہ غسل فرض ہوتا تو یہ حکم تواتر کے ساتھ آپ ﷺ سے منقول ہوتا۔ نیز انہوں نے اُس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ" قبولِ اسلام گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"(٣٤٣) ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں راجح مؤقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہے' کیونکہ مذکورہ بالا حدیث میں موجود رسول اللہ ﷺ کے مطلقاً غسل کے حکم سے وجوب ہی ثابت ہوتا ہے۔(٣٤٤) امام ابن قدامہؒ نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔(٣٤٥)

114- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ ((**غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ**)) أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جمعہ کے دن کا غسل ہر محتلم (یعنی بالغ) پر واجب ہے۔" [اسے بخاری، مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

115- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((**مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ**)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جس نے جمعہ کے روز وضوء کیا تو اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

113- [بخاری (٤٣٧٢) مصنف عبد الرزاق (١٩٢٢٦) أحمد (٤٨٣/٢) ابن خزيمة (٢٥٣) نسائی (١٠٩/١) ابن حبان (١٢٣٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

114- [بخاری (٨٧٩) كتاب الجمعة : باب فضل الغسل يوم الجمعة ' مسلم (٨٤٦) ابو داود (٣٤١) نسائی (٩٣/٣) ابن ماجه (١٠٨٩) احمد (٦/٣) مالك (١٠٢/١) ابن حبان (١٢٢٠) ابن خزيمة (١٧٤٢) دارمی (١٥٣٧)]

115- [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (٣٥٤) ترمذی (٤٩٧) نسائی (٩٤/٣) بيهقی (١٩٠/٣) احمد (١/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

---

(٣٤٣) [المغنی (٢٣٩/١) المجموع (١٥٣/٢) نيل الأوطار (٣٣٨/١) الفقه الإسلامی وأدلته (٥٢١/١)]

(٣٤٤) [نيل الأوطار (٣٣٨/١) الروضة الندية (١٦٢/١)] (٣٤٥) [المغنی لابن قدامة (٢٧٤/١)]

فهم الحديث مذکورہ بالا پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بالغ پر غسلِ جمعہ واجب ہے' جبکہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غسل محض افضل ہے واجب نہیں۔ غسلِ جمعہ کی مشروعیت پر تو تمام اہل علم کا اتفاق ہے البتہ اختلاف اس کے حکم میں ہے کہ یہ واجب ہے یا مستحب۔ جن حضرات نے بروز جمعہ غسل کو واجب قرار دیا ہے انہوں نے ایک تو مذکورہ بالا پہلی روایت سے استدلال کیا ہے اور دوسرے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صرف وضوء کر کے کچھ تاخیر سے جمعہ میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دورانِ خطبہ انہیں ڈانٹا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو (جمعہ کے دن) غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔''(٣٤٦) نیز حضرت عمرو بن سلیم انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ (جمعہ کا) غسل واجب ہے۔(٣٤٧) اس مؤقف کے حاملین میں حافظ ابن حجرؒ (٣٤٨)، امام ابن حزمؒ (٣٤٩)، امام ابن قیمؒ (٣٥٠)، علامہ البانی (٣٥١) اور شیخ ابن عثیمینؒ (٣٥٢) قابل ذکر ہیں۔ بعض دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ غسلِ جمعہ سنتِ مؤکدہ ہے فرض نہیں' ان کا کہنا ہے کہ بروز جمعہ غسل فرض کرنے کا ایک خاص سبب تھا اور وہ یہ کہ صحابہ تنگی حالات کے باعث موسم گرما میں بھی اُونی لباس پہنے ہوتے تھے' جس وجہ سے مسجد میں اُن کے پسینے کی بدبو پھیل جاتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ''اگر تم اس دن غسل کر لیا کرو تو بہتر ہے۔''(٣٥٣) معلوم ہوا کہ غسل جمعہ کی فرضیت ایک خاص سبب کی بنا پر تھی اور جب وہ سبب زائل ہو گیا تو فرضیت کا حکم بھی ختم ہو گیا۔ جمہور علماء، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں۔ (٣٥٤) علاوہ ازیں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (٣٥٥)، امام شوکانیؒ (٣٥٦)، نواب صدیق حسن خانؒ (٣٥٧)، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (٣٥٨) اور امام خطابیؒ (٣٥٩) بھی اسی مؤقف کے حامل ہیں۔ ہمارے علم کے مطابق دوسرا مؤقف راجح ہے۔ (واللہ اعلم)

116- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ مَا لَمْ يَكُنْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک جنبی نہ ہوتے (ہر حال میں) ہمیں قرآن پڑھاتے تھے۔[اسے احمد، ابوداود،

116- [ضعيف : ضعيف ترمذي ' ابو داود (٢٢٩) ترمذي (١٤٦) نسائي (١٤٤/١) ابن ماجه (٥٩٤) احمد (٨٤/١) ابن حبان (٩٢_الموارد) حاكم (١٠٧/٤) دارقطني (١١٩/١) ابن خزيمة (٢٠٨) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٣٤٦) [بخاري (٨٧٨) مسلم (٨٤٥) موطا (١٠١/١) ترمذي (٤٩٤) عبدالرزاق (٥٢٩٢) ابن حبان (١٢٣٠) شرح معاني الآثار (١١٨/١) بيهقي (٢٩٤/١)]

(٣٤٧) [بخاري (٨٨٠) كتاب الجمعة : باب الطيب للجمعة]

(٣٤٨) [فتح الباري (١٣/٣)]

(٣٤٩) [المحلى بالآثار (٢٥٥/١)]

(٣٥٠) [زاد المعاد (٣٦٥/١)]

(٣٥١) [تمام المنة (ص/١٢٠)]

(٣٥٢) [فتاوى منار الإسلام (٩٧/١)]

(٣٥٣) [بخاري (٩٠٣) مسلم (٨٤٧) أبو داود (٣٥٢) بيهقي (٢٩٥/١)]

(٣٥٤) [فتح القدير (٤٤/١) الدر المختار (١٥٦/١) القوانين الفقهية (ص/٢٥) الشرح الصغير (٥٠٣/١) كشاف القناع (١٧١/١) اللباب (٢٣/١) مراقي الفلاح (ص/١٨)]

(٣٥٥) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (١٨٦/١)]

(٣٥٦) [السيل الجرار (١١٧/١)]

(٣٥٧) [الروضة الندية (١٦٨/١)]

(٣٥٨) [تحفة الأحوذي (٢٤/٣)]

(٣٥٩) [كما في قفو الأثر (١٤٨/١)]

جُنُبًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَهٰذَا لَفْظُ التِّرْمِذِيِّ وَصَحَّحَهُ وَحَسَّنَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ ترمذی کے ہیں' ترمذی نے اسے صحیح اور ابن حبان نے اسے حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح يُقْرِئُنَا فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَقْرَأَ يُقْرِأُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''پڑھانا''۔

فهم الحديث اگر یہ روایت قابل حجت ہوتو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالت جنابت میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں محض آپ ﷺ کے فعل کا بیان ہے اور آپ ﷺ کے فعل سے حرمت نہیں بلکہ کراہت ہی ثابت ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے قراءت (قرآن) میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (۳۶۰) جو حضرات جنبی کے لیے قراءت قرآن جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ روایت بھی ہے جس میں آپ ﷺ نے حائضہ ہو جانے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا تھا کہ ''تم بیت اللہ کے طواف کے علاوہ تمام مناسک حج ادا کرو۔'' اور یہ بات معلوم ہے کہ طواف کے علاوہ مناسک حج میں ذکر، تلبیہ اور دعا وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں۔ (۳۶۱) امام ابن حزمؒ، امام داودؒ (۳۶۲) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ (۳۶۳) جنبی کے لیے قراءت قرآن کو جائز قرار دیتے ہیں' جبکہ امام شافعیؒ اسے مطلق طور پر حرام قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ جنبی صرف ایک آیت تلاوت کر سکتا ہے کیونکہ یہ قرآن نہیں۔ (۳۶٤) امام شوکانیؒ (۳٦٥) اور امام صنعانیؒ (۳٦٦) نے جنبی کے لیے قراءت کو حرام نہیں بلکہ مکروہ قرار دیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق راجح موقف یہی ہے کہ جنبی کے لیے قراءت قرآن حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے' کیونکہ حرمت کے سلسلے میں پیش کیے جانے والے دلائل یا تو ضعیف ہیں اور یا پھر ان میں حرمت کا واضح ثبوت نہیں اور کراہت اس لیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں طہارت کے علاوہ کسی اور حالت میں اللہ کا ذکر کروں۔'' (۳٦٧)

117- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ زَادَ الْحَاكِمُ ((فَإِنَّهُ أَنْشَطُ لِلْعَوْدِ)) ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستر ہو پھر وہ دوبارہ ہم بستری کا ارادہ کرے تو ان دونوں کے درمیان وضوء کر لے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ] ''یہ دوبارہ ہم بستری کے لیے زیادہ چستی کا باعث ہے۔''

118- وَلِلْأَرْبَعَةِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً)) وَهُوَ مَعْلُولٌ ۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے چاروں کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں بغیر پانی کو چھوئے ہی سو جاتے تھے۔ [یہ روایت معلول ہے۔]

117- [مسلم (۳۰۸) كتاب الحيض : باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له' ابو داود (۲۲۰) ترمذی (۱٤۱) ابن ماجه (۵۸۷) احمد (۲۸/۳) حاكم (۱۵۲/۱) بيهقی (۲۰۳/۱)]

118- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۲۲۸) كتاب الطهارة : باب فی الجنب يؤخر الغسل' ترمذی (۱۱۸) ابن ماجه (۵۸۱-۵۸۳) احمد (۱٤٦/٦) طيالسی (۱۳۹۷) بيهقی (۲۰۱/۱-۲۰۲) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

---

(۳٦۰) [بخاری تعليقا (٤۸۵/۱) كتاب الحيض]

(۳٦۱) [فتح الباری (٤۸٦/۱)]

(۳٦۲) [المحلی (۷۷/۱)]

(۳٦۳) [تمام المنة (ص/۱۱۷)]

(۳٦٤) [المجموع (۱۸۲/۲) بدائع الصنائع (۳۷/۱) المغنی (۱٤۳/۱) حاشية الدسوقی (۱۷٤/۱)]

(۳٦٥) [السيل الجرار (۱۰۸/۱)]

(۳٦٦) [سبل السلام (۱۹۱/۱)]

(۳٦۷) [صحيح : الصحيحة (۸۳٤) تمام المنة (ص/۱۱۸)]

فہم الحدیث پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے ایک مرتبہ ہم بستری کرنے کے بعد اسی رات دوبارہ ہم بستری کرنا چاہے تو اسے پہلے وضوء کر لینا چاہیے' کیونکہ پہلی مرتبہ ہم بستری کے بعد اس کے جسم میں جو سستی و کاہلی پیدا ہو چکی ہے وہ وضوء کے ذریعے زائل ہو جاتی ہے اور وہ دوبارہ ہم بستری کے لیے چست ہو جاتا ہے۔ اس روایت میں وضوء کے حکم کو اہل علم نے استحباب پر محمول کیا ہے۔ علاوہ ازیں دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم بستری کے بعد غسل جنابت کیے بغیر بھی سونا جائز ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ کم از کم سونے سے پہلے وضوء کر لیا جائے' کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی حالتِ جنابت میں سو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہاں' جب وہ وضوء کر لے۔''(۳۶۸) امام احمدؒ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضوء مستحب قرار دیا ہے' جبکہ اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ وضوء کے بغیر حالتِ جنابت میں سونا حرام ہے۔(۳۶۹)

119- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أُصُولِ الشَّعْرِ ثُمَّ حَفَنَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ أَفَاضَ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کا آغاز اس طرح فرماتے کہ (پہلے) اپنے دونوں ہاتھ دھوتے' پھر اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور اپنی شرمگاہ دھوتے' پھر وضوء کرتے' پھر پانی لیتے اور اپنی انگلیوں کو بالوں کی جڑوں میں داخل کر لیتے' پھر اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے' پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہا دیتے' پھر (آخر میں) اپنے پاؤں دھوتے۔[بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

120- وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((ثُمَّ أَفْرَغَ عَلَى فَرْجِهِ وَغَسَلَهُ بِشِمَالِهِ' ثُمَّ ضَرَبَ بِهَا الْأَرْضَ)) وَفِي رِوَايَةٍ: ((فَمَسَحَهَا بِالتُّرَابِ)) وَفِي آخِرِهِ: ((ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْدِيلِ فَرَدَّهُ)) وَفِيهِ: ((وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ بِيَدِهِ))۔

بخاری اور مسلم میں میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث یوں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالتے اور اسے اپنے بائیں ہاتھ سے دھوتے' پھر اس (بائیں ہاتھ) کو زمین پر مارتے۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ہاتھ کو مٹی پر ملتے۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تولیہ لائی تو آپ نے اسے لوٹا دیا۔ اسی روایت میں ہے کہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کے ساتھ پانی جھاڑنا شروع ہو گئے۔

119- [بخاری (۲۴۸) کتاب الغسل: باب الوضوء قبل الغسل' مسلم (۳۱۶) ابو داود (۲۴۲) ترمذی (۱۰۴) نسائی (۱۰۵/۱) ابن ماجه (۵۷۴) احمد (۵۲/۶) دارمی (۷۴۷) بیهقی (۱۷۵/۱)]

120- [بخاری (۲۵۷) کتاب الغسل: باب الغسل مرة واحدة' مسلم (۳۱۷) ابو داود (۲۴۵) ترمذی (۱۰۳) نسائی (۲۰۴/۱) احمد (۳۳۰/۶) ابن ماجه (۵۷۳) دارمی (۷۴۷) بیهقی (۱۷۳/۱)]

---

(۳۶۸) [بخاری (۲۸۹) کتاب الغسل: باب الجنب یتوضأ ثم ینام' مسلم (۳۰۶)]

(۳۶۹) [کما فی توضیح الأحکام (۳۹۳/۱)]

لغوی توضیح يُفْرِغُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَفْرَغَ يُفْرِغُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "ڈالنا' انڈیلنا"۔ حَفَنَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَفَنَ يَحْفِنُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "کسی چیز کے ساتھ ہتھیلی بھرنا" یہاں مراد ہے پانی کا چلّو بھرنا۔ أَفَاضَ بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَفَاضَ يُفِيضُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "بہانا"۔

فهم الحديث ان روایات میں غسل جنابت کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ غسل سے پہلے وضوء کرنا مستحب ہے الا کہ قدموں کو آخر میں دھونا چاہیے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر غسل کی جگہ صاف ستھری ہو تو پھر قدموں کو آخر میں دھونا ضروری نہیں بلکہ قدم وضوء کے ساتھ پہلے بھی دھوئے جا سکتے ہیں۔ غسل کی ابتداء دائیں اطراف سے کرنی چاہیے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کے دائیں حصے کو پہلے (دھونا) شروع کیا پھر بائیں کو شروع کیا۔ (۳۷۰) علاوہ ازیں کے بعد تولیے کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ بالا روایت میں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے تولیہ واپس کر دینے کا ذکر ہے لیکن یہی روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ تولیہ استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر تولیے کا استعمال آپ ﷺ کا معمول نہ ہوتا یا یہ عمل جائز نہ ہوتا تو میمونہ رضی اللہ عنہا کبھی بھی آپ ﷺ کو تولیہ نہ دیتیں۔ اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہو تب بھی اس حدیث سے تولیے کے استعمال کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ مجرد آپ ﷺ کا اپنا فعل ہے' آپ نے اس عمل سے امت کو منع نہیں کیا۔ شیخ ابن عثیمین نے بھی تولیے کے استعمال کے جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے۔ (۳۷۱) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وضوء یا غسل کے بعد ہاتھوں کو جھاڑنا جائز ہے اور جس روایت میں اس سے ممانعت کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔ (۳۷۲)

☐ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرد اور عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق نہیں۔ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ غسل جنابت کے طریقے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں اور نہ ہی ان دونوں میں سے کسی ایک (یعنی عورت) کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دھونے کے لیے اپنے بال کھولے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لے پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہا لے۔ (۳۷۳)

121- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ شَعَرَ رَأْسِي ' أَفَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ وَفِي رِوَايَةٍ: وَالْحَيْضَةِ؟ قَالَ: ((لَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِي عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں اپنے سر کے بالوں کو باندھ لیتی ہوں' تو کیا میں غسل جنابت کے لیے انہیں کھولوں؟ اور ایک روایت میں غسل حیض کا ذکر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں' تمہیں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین چلّو پانی ڈال لو۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح تَحْثِي فعل مضارع کا صیغہ ہے باب حَثَى يَحْثِي (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "چلّو ڈالنا"۔

121- [مسلم (۳۳۰) كتاب الحيض: باب حكم ضفائر المغتسلة' ابو داود (۲۵۱) ترمذی (۱۰۵) نسائی (۱۳۱/۱) ابن ماجه (۶۰۳) احمد (۳۱۵/۶) ابن الجارود (۹۸)]

(۳۷۰) [بخاری (۲۵۸) مسلم (۳۱۸) أبو داود (۲۴۰) نسائی (۲۰۶/۱)' (۴۲۴) ابن خزيمة (۲۴۵)]
(۳۷۱) [فتاوى إسلامية (۲۲۲/۱)]
(۳۷۲) [سبل السلام (۱۹۷/۱) نيل الأوطار (۳۶۲/۱) ابن أبي حاتم في العلل (۳۶/۱) تلخيص الحبير (۱۰۹/۱)]
(۳۷۳) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۳۲۰/۵)]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے اگر بالوں کو مینڈیوں کی صورت میں باندھا ہو تو غسل جنابت یا غسل حیض کے لیے انہیں کھولنا ضروری نہیں۔ لیکن ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ سے غسل حیض کے لیے مینڈیاں کھولنے کا حکم منقول ہے۔ (۳۷۴) امام صنعانیؒ نے ان بظاہر متعارض روایات کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ غسل حیض کے لیے مینڈیاں کھولنا مستحب ہے واجب نہیں۔ (۳۷۵) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں مینڈیاں کھولنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا ظاہر تو وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔ امام احمدؒ، امام طاؤسؒ، امام حسنؒ (۳۷۶) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۳۷۷)

122- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد (میں داخلہ) حلال قرار نہیں دیتا۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں قیام جائز نہیں۔ واضح رہے کہ یہ حکم عام حالات میں ہے اور اگر کوئی ضرورت پیش آ جائے تو پھر یہ دونوں مسجد میں جا سکتے ہیں۔ حائضہ کے متعلق وہ حدیث پیش نظر رہنی چاہیے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے حائضہ ہونے کے باوجود انہیں مسجد سے مصلیٰ لانے کو کہا۔ (۳۷۸) اور جنبی کے متعلق قرآن میں ہے کہ ﴿ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ ﴾ [النساء : ۴۳] یعنی جنبی مسجد میں ٹھہر نہیں سکتا البتہ مسجد میں سے گزر سکتا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی اور راستہ نہ ہو تو حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد سے گزرنا جائز ہے۔ جبکہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ ہر حال میں دونوں کا مسجد سے گزرنا ممنوع قرار دیتے ہیں۔ (۳۷۹) ہمارے علم کے مطابق حائضہ اور جنبی کے لیے عام حالات میں مسجد میں قیام درست نہیں البتہ بوقت ضرورت وہ مسجد سے گزر سکتے ہیں۔

123- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ)) مُتَّفَقٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن میں غسلِ جنابت کر لیا کرتے تھے اور اس میں ہمارے ہاتھ ایک دوسرے کے بعد داخل ہوتے تھے۔ [بخاری، مسلم۔

122- [ضعیف : ضعیف ابو داود، ابو داود (۲۳۲) کتاب الطهارة : باب فی الجنب یدخل المسجد، بخاری فی التاریخ الکبیر (۶۷/۱) بیهقی فی المعرفة (۴۴۲/۱) تلخیص الحبیر (۱۴۰/۱) نصب الرایة (۱۹۴/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن، جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

123- [بخاری (۲۶۱) کتاب الغسل : باب هل یدخل الجنب یده فی الإناء، مسلم (۳۲۱) ابو داود (۲۳۸) نسائی (۱۲۷/۱) ابن ماجه (۳۷۶) احمد (۱۲۷-۳۷/۶)]

---

(۳۷۴) [صحیح : الصحیحة (۱۸۸)]
(۳۷۵) [سبل السلام (۱۹۹/۱)]
(۳۷۶) [فتح الباری (۴۱۸/۱)]
(۳۷۷) [نظم الفرائد (۲۷۵/۱)]
(۳۷۸) [أحمد (۳۵/۶) مسلم (۲۹۸)]
(۳۷۹) [الأم (۱۲۰/۱) المغنی (۲۰۰/۱) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۲۴۴/۱) بدایة المجتهد (۳۷/۱) نیل الأوطار (۳۴۳/۱، ۳۴۴)]

عَلَيْهِ' وَزَادَ ابْنُ حِبَّانَ ((وَتَلْتَقِي أَيْدِينَا))۔ ابن حبان نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:] اور ہمارے ہاتھ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔

لغوی توضیح تَلْتَقِي فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِلْتَقَى يَلْتَقِي (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے 'ملنا'۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی اکٹھے ایک ہی برتن سے غسل کر سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے مکمل بدن کو (قابل ستر اعضاء سمیت) دیکھ سکتے ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ثابت ہوتی ہے ﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ٥ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴾ [المومنون: ٥-٦] ''اور وہ (مومن) لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' سوائے اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے' یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں۔''

124- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَأَنْقُوا الْبَشَرَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَاهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' بلاشبہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے' اس لیے تم بالوں کو اچھی طرح دھویا کرو اور چمڑے کو خوب صاف کیا کرو۔'' [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔]

125- وَلِأَحْمَدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا نَحْوُهُ' وَفِيهِ رَاوٍ مَجْهُولٌ۔

مسند احمد میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے اسی کی مثل مروی ہے اور اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

لغوی توضیح أَنْقُوا فعل امر ہے باب أَنْقَى يُنْقِي (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''صاف ستھرا کرنا''۔ الْبَشَرَ انسان کی جلد کے ظاہری حصے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل جنابت کے دوران جسم کے ہر حصے کو حتی کہ بال برابر جگہ کو بھی خوب اچھی طرح دھونا ضروری ہے۔ یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے جنابت کی وجہ سے (غسل کرتے ہوئے) ایک بال برابر جگہ بھی بغیر دھوئے چھوڑ دی تو اس کے ساتھ آگ سے اس طرح اور اس طرح کیا جائے گا (یعنی اسے روز محشر سزا دی جائے گی)۔''(٣٨٠) اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غسل جنابت کرتے ہوئے مکمل بدن کو اچھی طرح دھونا ضروری ہے۔ (واللہ اعلم) علاوہ ازیں غسل جنابت کے دوران کلی کرنا اور ناک

124- [ضعیف: ضعیف ابو داود' ابو داود (٢٤٨) كتاب الطهارة: باب في الغسل من الجنابة' ترمذی (١٠٦) ابن ماجه (٥٩٧) بیهقی (١٧٥/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

125- [احمد (١١٢/٦)]

(٣٨٠) [ضعيف: ضعيف أبو داود (٤٧) كتاب الطهارة: باب في الغسل من الجنابة' إرواء الغليل (١٣٣) ابن ماجة (٥٩٩) طبراني صغير (٨١/٢) بيهقي (١٧٥/١) أبو نعيم في الحلية (٢٠٤) دارمي (١٩٢/١) ابن أبي شيبة (١٠٠/١)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[تلخيص الحبير (١٢٤/١) اور شیخ حازم علی قاضیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٢٠٣/١)]

میں پانی چڑھانا واجب ہے یا سنت' اس میں بھی اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ نے کہا ہے کہ یہ دونوں عمل واجب ہیں' جبکہ مالکیہ اور شافعیہ نے کہا ہے کہ یہ مسنون ہیں۔ (۳۸۱) وجوب کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) (۳۸۲)

باب التیمم — تیمّم کا بیان

126- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا ، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ)) وَذَكَرَ الْحَدِيثَ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں: ایک مہینے کی مسافت سے مجھے (دشمنوں پر) رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے' میرے لیے (ساری) زمین کو مسجد اور حصول طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے' لہٰذا میری امت کے جس فرد کو (جہاں کہیں بھی) نماز مل جائے وہ (وہیں) نماز ادا کر لے۔" [اور راوی نے مزید حدیث ذکر فرمائی۔]

127- وَفِي حَدِيثِ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ : ((وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ)) ۔

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "اور جب ہمیں پانی میسر نہ ہو تو ہمارے لیے زمین کی مٹی باعث طہارت بنائی گئی ہے۔"

128- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ أَحْمَدَ : ((وَجُعِلَ التُّرَابُ لِي طَهُورًا)) ۔

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "اور میرے لیے مٹی طہارت کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔"

لغوی توضیح: لفظ تَيَمُّمٌ باب تَيَمَّمَ يَتَيَمَّمُ (بروزن تفعّل) سے مصدر ہے اور اس کا معنی ہے "ارادہ وقصد کرنا"۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ ﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ ﴾ [البقرة : ۲٦۷] "ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا۔" تیمم کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ مخصوص طریقے سے پاک مٹی کے ساتھ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا۔ (۳۸۳) مَسِيرَة مسافت کو، تُرْبَة مٹی کو اور طَهُورًا پاک کرنے والی چیز کو کہتے ہیں۔

126- [بخاری (۳۳۵) کتاب التیمم : باب وقول الله تعالى فلم تجدوا ماء فتيمموا ' مسلم (۵۲۱) نسائی (۲۱۰/۱) احمد (۳۰٤/۳) دارمی (۱۳۸۹) بیهقی (۲۱۲/۱)]

127- [مسلم (۵۲۲) کتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب ' دارقطنی (۱۷۵/۱) ابن خزیمة (۲۵٦) بیهقی (۲۱۳/۱)]

128- [صحیح : السلسلة الصحيحة (۳۹۳۹) احمد (۹۸/۱) بیهقی (۲۱۳/۱)]

(۳۸۱) [بداية المجتهد (٤۲/۱) المهذب (۳۱/۱) فتح القدير (۳۸/۱) الدر المختار (۱٤۰/۱) مراقی الفلاح (ص/۱۷) اللباب (۲۰/۱) الشرح الصغير (۱٦٦/۱) الشرح الكبير (۱۳۳/۱) القوانين الفقهية (ص/۲٦) مغنی المحتاج (۷۲/۱) سبل السلام (۲۰٤/۱)]

(۳۸۲) [السیل الجرار (۱۱۲/۱)]

(۳۸۳) [کشاف القناع (۱۸۳/۱) المغنی (۳۱۰/۱)]

فهم الحديث اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں اور پھر مصنف نے حسبِ ضرورت صرف دو کا ہی ذکر کیا ہے۔ باقی تین چیزیں یہ ہیں: ① مال غنیمت کا حلال ہونا۔ ② روزِ قیامت صرف آپ ﷺ ہی شفاعت کر سکیں گے ③ اور آپ ﷺ کو تا قیامت ساری انسانیت کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہیں پانی میسر نہ ہو تو مٹی کے ساتھ تیمم کر کے نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ امام ابن قدامہؒ نے تیمم کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔(۳۸۴) یہ یاد رہے کہ تیمم کے جواز کے لیے پانی کی عدم موجودگی شرط ہے جیسا کہ حدیث کے ان الفاظ ﴿ إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ ﴾ سے واضح ہے اور قرآن میں ہے کہ ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا ﴾ [النساء : ٤٣ ' المائدة : ٤] ''تم پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لو۔'' سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ تیمم ایسے شخص پر واجب ہے جس کے پاس پانی نہ ہو یا پانی تو ہو لیکن وہ اس کے استعمال سے عاجز ہو یا پانی کا استعمال اس کے لیے باعثِ نقصان ہو۔(۳۸۵)

129- وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ فِي حَاجَةٍ ، فَأَجْنَبْتُ ، فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ ، فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ ، فَقَالَ : ((إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ بِيَدَيْكَ هٰكَذَا)) ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً وَاحِدَةً ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِينِ وَظَاهِرَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ ((وَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ)) ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی حاجت کے لیے بھیجا' میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو میں نے چوپایوں کی طرح مٹی میں الٹ پلٹ ہونا شروع کر دیا۔ پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور یہ سارا قصہ بیان کر ڈالا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہیں تو صرف یہی کافی تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کے ساتھ اس طرح کرتے'' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک مرتبہ زمین پر مارا' پھر بائیں ہاتھ کو دائیں پر پھیرا' اپنے دونوں ہاتھوں کے باہر کے حصے اور چہرے (پر بھی پھیرا)۔[بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ]اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا' ان دونوں میں پھونکا' پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو ملا۔

لغوی توضیح فَتَمَرَّغْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَمَرَّغَ يَتَمَرَّغُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے زمین پر ''لیٹ کر الٹ پلٹ ہونا''۔

فهم الحديث اس حدیث میں تیمم کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ مختصر طور پر تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا جائے' پھر ان میں پھونکا جائے اور پھر انہیں دونوں ہاتھوں اور چہرے پر ایک مرتبہ پھیر لیا جائے۔ یہ تیمم وضوء اور غسل دونوں سے کفایت کر جاتا ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ چونکہ جنبی تھے اور حالتِ جنابت میں غسل واجب ہوتا ہے لیکن آپ ﷺ نے انہیں اس کے بدلے میں بھی صرف تیمم کرنے کی ہی تعلیم دی۔ فقہاء کے مابین تیمم کے طریقے میں اختلاف ہے۔ جمہور

129- [بخاری (۳۳۸-۳۴۷) کتاب التیمم : باب المتیمم هل ینفخ فیهما ' مسلم (۳۶۸) ابو داود (۳۲۲) ترمذی (۱٤٤) نسائی (۱۶۵/۱) ابن ماجه (۵۶۹) احمد (۲۶۵/٤) ابن الجارود (۱۲۵) دارقطنی (۱۸۲/۱) ابن خزیمة (۲۶۸)]

(۳۸٤) [المغنی لابن قدامة (۳۱۰/۱)]

(۳۸۵) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۳۳۱/۵)]

علما، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا کہنا ہے کہ تیمم میں ہاتھوں اور چہرے پر مسح کے لیے صرف ایک مرتبہ ہی زمین پر ہاتھ مارا جائے گا (جیسا کہ مذکورہ بالا صحیح حدیث میں ہے)۔ جبکہ احناف، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ تیمم یہ ہے کہ زمین پر دو مرتبہ ہاتھ مارا جائے' ایک مرتبہ چہرے کے لیے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔ (۳۸۶) ان کی دلیل آئندہ حدیث ہے جس میں دو ضربوں کا ذکر ہے لیکن وہ ضعیف ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تیمم میں صرف ایک ضرب ہی کافی ہے۔ امام شوکانیؒ (۳۸۷)، امام نوویؒ (۳۸۸) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۳۸۹) نے اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔

130- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((التَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ : ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تیمم دو ضربیں ہیں' ایک چہرے کے لیے اور دوسری کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔" [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔]

131- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((الصَّعِيْدُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ ' وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ ' لٰكِنْ صَوَّبَ الدَّارَقُطْنِيُّ إِرْسَالَهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مٹی مسلمان کا وضوء ہے خواہ اسے دس سال پانی نہ ملے اور جب اسے پانی مل جائے تو وہ اللہ سے ڈرے اور اپنے جسم پر پانی پہنچائے۔" [اسے بزار نے روایت کیا ہے اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے' لیکن دارقطنی نے اس کے مرسل ہونے کو ہی درست قرار دیا ہے۔]

132- وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ ' وَصَحَّحَهُ۔

اور ترمذی میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اسی کی مثل مروی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

لغوی توضیح الصَّعِيْد مٹی کو کہتے ہیں۔ صاحب قاموس (فیروز آبادی) نے کہا ہے کہ صعید سے مراد مٹی یا زمین کا بالائی حصہ ہے۔ (۳۹۰) امام زجاج کہتے ہیں کہ صعید زمین کے بالائی حصے کو کہتے ہیں وہ مٹی ہو یا کچھ اور۔ (۳۹۱) امام

130- [ضعيف جدا : ضعيف الجامع الصغير (۲۵۱۹) السلسلة الضعيفة (۳٤۲٦) دارقطني (۱۸۰/۱) حاكم (۱۷۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح موقوف کہا ہے۔]

131- [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۳۸٦۱) بزار في كشف الأستار (۳۱۰) دارقطني (۱۸٦/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی کا کہنا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے لیکن اس کے کچھ شواہد ہیں۔]

132- [صحيح : صحيح ترمذي ' ترمذي (۱۲٤) كتاب الطهارة : باب ما جاء في التيمم للجنب إذا لم يجد الماء ' ابو داود (۳۳۲-۳۳۳) نسائي (۱۷۱/۱) احمد (۱٤٦/۵) حاكم (۱۷٦/۱-۱۷۷) دارقطني (۱۸۷/۱)]

(۳۸٦) [فتح الباري (٦۰٦/۱) نيل الأوطار (۳۸۹/۱) تحفة الأحوذي (٤٦٦/۱) التاج المذهب (۵۵/۱) مغني المحتاج (۹۹/۱) الهداية (۲۵/۱) الإنصاف للمروزي (۳۰۱/۱) الروض النضير (٤٦۳/۱) المحلى لابن حزم (۱٤٦/۲)]

(۳۸۷) [نيل الأوطار (۳۹۰/۱)]

(۳۸۸) [المجموع (۲۱۰/۲)]

(۳۸۹) [تحفة الأحوذي (٤۷۰/۱)]

از ہریؒ نے کہا ہے کہ صعید سے مراد مٹی ہے۔(۳۹۲)

فهم الحديث اکثر اہل لغت کی رائے کے مطابق لفظ صعید کا معنی ہے زمین کا بالائی حصہ خواہ وہ مٹی ہو یا کچھ اور۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سطح زمین جو چیز بھی ہو اس سے تیمم کیا جا سکتا ہے' یعنی جہاں سطح زمین مٹی ہو گی وہاں مٹی سے تیمم کیا جائے گا' جہاں ریت ہو گی وہاں ریت سے اور جہاں کچھ اور ہو گا وہاں اسی سے تیمم کر لیا جائے گا۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ تیمم صرف مٹی سے ہی کیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لفظ صعید اگرچہ عام ہے لیکن نبی ﷺ کا یہ فرمان ﴿ وَجُعِلَ التُّرَابُ لِي طَهُورًا ﴾ اس کی مٹی کے ساتھ تخصیص کر دیتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث لفظ صعید کی تخصیص نہیں کرتی بلکہ اس کے ایک فرد کی وضاحت کرتی ہے اور صرف مٹی کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ بالعموم سطح زمین مٹی ہی ہوتی ہے۔(۳۹۳) اس لیے زمین کی سطح جو چیز بھی ہو گی اسی کے ساتھ تیمم کر لیا جائے گا۔ امام ابن قیمؒ نے اسی کو ثابت کیا ہے۔(۳۹٤)

علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تیمم وضوء کا قائم مقام ہے اس لیے اس کے بھی وہی احکام ہوں گے جو وضوء کے ہیں۔ یعنی جیسے وضوء کے لیے نیت اور بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے ویسے تیمم کے لیے بھی ضروری ہے۔(۳۹۵) اسی طرح جن اشیاء سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے ان سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایسا حدث جو وضوء کو توڑ دیتا ہے وہ تیمم کو بھی توڑ دیتا ہے' اس مسئلے میں اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں۔(۳۹٦) تاہم یہ یاد رہے کہ تیمم پانی ملنے سے بھی ختم ہو جاتا ہے خواہ انسان نماز میں ہو یا نہ اور یہ بات مذکورہ بالا حدیث کے ان الفاظ ''اور جب پانی مل جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اسے اپنے جسم پر ملنا چاہیے'' سے معلوم ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ثوریؒ اور امام ابن حزمؒ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ اگر انسان نماز میں ہو تو پانی ملنے کے باوجود اسے اپنی نماز مکمل کرنی چاہیے۔(۳۹۷) ہمارے علم کے مطابق پہلا موقف ہی راجح ہے کیونکہ اصل کی موجودگی میں نیابت ختم ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

133- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی سفر پر نکلے نماز کا وقت ہو گیا لیکن ان کے پاس پانی نہیں تھا' تو انہوں نے پاکیزہ مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی' پھر انہیں نماز کے وقت میں ہی پانی

133- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۳۳۸) كتاب الطهارة : باب في المتيمم يجد الماء بعد ما يصلي في الوقت' نسائي (۱۱۳/۱) حاكم (۱۷۸/۱) دارقطني (۱۸۸/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳۹۰) [القاموس المحيط (ص/۲٦٦)]
(۳۹۱) [معاني القرآن و إعرابه (۵۲/۲)]
(۳۹۲) [نيل الأوطار (۳۸٦/۱)]
(۳۹۳) [المجموع (۲۷۹/۲) المغني (۲۳٦/۱) بدائع الصنائع (٥٤/۱) حاشية الدسوقي (۱٥٦/۱) المحلى (۱۳۳/۲)]
(۳۹٤) [زاد المعاد (۲۰۰/۱)]
(۳۹۵) [الموسوعة الفقهية الميسرة (۲۲۳/۱)]
(۳۹٦) [المحلى (مسألة : ۲۳۳)]
(۳۹۷) [بدائع الصنائع (٥۷/۱) الأصل (۱۰٥/۱) المجموع (۳٦٤/۲) المحلى (۱۲۲/۲) المغني (۳٤۷/۱)]

فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ ثُمَّ أَتَيَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ: ((أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ)) وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ: ((لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ)).

دستیاب ہو گیا' تو ان میں سے ایک نے دوبارہ وضوء کر کے نماز ادا کر لی اور دوسرے نے نہ دہرائی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور یہ واقعہ آپ کے سامنے بیان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور یہ واقعہ آپ کے سامنے بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے نماز نہ دہرانے والے سے کہا "تو سنت کو پہنچا اور تیری نماز تجھے کافی ہو گئی" اور جس نے وضوء کر کے دوبارہ نماز ادا کی تھی' آپ نے اس سے کہا "تیرے لیے دوہرا اجر ہے۔"

لغوی توضیح أَجْزَأَتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے' اس کا معنی ہے "کفایت کرنا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کر کے نماز ادا کر لی جائے اور پھر نماز کے وقت میں ہی پانی مل جائے تو وضوء کر کے دوبارہ نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں۔ (۳۹۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ عہد رسالت میں حسب ضرورت اجتہاد کر لیا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد اگرچہ غلط ہو لیکن اس کا اجر پھر بھی ملتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اجتہاد کرنے والے سے کہا تھا تیرے لیے دو اجر ہیں (ایک نماز کی ادائیگی کا اور دوسرا اجتہاد کا)۔

134- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِي قَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ﴾ [النساء: ٤٣] - قَالَ: ((إِذَا كَانَتْ بِالرَّجُلِ الْجِرَاحَةُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْقُرُوحُ فَيَجْنِبُ فَيَخَافُ أَنْ يَمُوتَ إِنِ اغْتَسَلَ: تَيَمَّمَ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْقُوفًا وَرَفَعَهُ الْبَزَّارُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو (تو تیمم کر لو)" کے متعلق مروی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ جب آدمی کو اللہ کی راہ میں زخم لگے۔ پھر اسی حال میں وہ جنبی ہو جائے اور اسے اندیشہ ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو مر سکتا ہے تو وہ تیمم کر لے۔ [اسے دارقطنی نے موقوفاً روایت کیا ہے' بزار نے اسے مرفوع کہا ہے اور ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْجِرَاحَة زخم کو کہتے ہیں' اس کی جمع جُرُوح آتی ہے۔ زخمی کو جَرِيح کہتے ہیں اور اس کی جمع جَرْحَى آتی ہے۔ اَلْقُرُوح جمع ہے قَرْح کی' یہ اُن زخموں کو کہتے ہیں جو اسلحے کی وجہ سے انسان کو لگتے ہیں یا اُن پھوڑوں کو کہتے ہیں جو بیماری کی وجہ سے نکل آتے ہیں۔

فہم الحدیث مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں صرف قرآنی آیت ہی مستدل ہے کہ اگر تم مریض ہو یا سفر پر تو تیمم کر لو۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ مسافر کو جب پانی میسر ہو تو وہ تیمم نہیں کر سکتا' وہ صرف اسی صورت میں تیمم کرے گا جب اسے پانی دستیاب نہ ہو۔ البتہ مریض کو اگر پانی کے استعمال سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی تندرست کو پانی کے استعمال سے مرض لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ بھی تیمم کر سکتا ہے اور یہ صحیح حدیث

134- [ضعيف: ضعيف الجامع الصغير (٦٤٧) حاكم (١٦٥/١) ابن خزيمة (٢٧٢) ابن الجارود (١٢٩) دارقطني (١٧٧/١)]

(٣٩٨) [نيل الأوطار (٣٩٣/١)]

سے ثابت ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جب غزوہ ذات السلاسل میں بھیجا گیا تو وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سخت سرد رات کو مجھے احتلام ہو گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں لہٰذا میں نے تیمم کر لیا پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ لی۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو لوگوں نے اس بات کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حالت جنابت میں نماز ادا کر لی؟ میں نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا تھا کہ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء : ۲۹] ''اور تم اپنے نفسوں کو قتل مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہیں۔'' اس لیے میں نے تیمم کیا اور پھر نماز پڑھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنسے اور کچھ نہ کہا۔(۳۹۹) امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی یہی رائے ہے کہ اگر پانی کے استعمال سے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمم درست ہے' جبکہ امام احمدؒ کی رائے ان کے برخلاف ہے۔(۴۰۰) لیکن پہلی رائے ہی درست ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔(۴۰۱) علامہ ناصر الدین البانیؒ نے بھی یہی موقف اپنایا ہے۔(۴۰۲)

135- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((انْكَسَرَتْ إِحْدٰى زَنْدَيَّ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْجَبَائِرِ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِسَنَدٍ وَاهٍ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا کلائی کا ایک جوڑ ٹوٹ گیا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا (کہ میں کیا کروں)؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پٹیوں پر مسح کرنے کی اجازت دے دی۔ [اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح زَنْدَيَّ تثنیہ ہے زند کی' اس کا معنی ہے ''کلائی کا جوڑ''۔ جَبَائِر جمع ہے جَبِيرَة کی' یہ اُن پٹیوں کو کہتے ہیں جن کے ساتھ ٹوٹی ہوئی ہڈیاں جوڑی جاتی ہیں۔

فهم الحديث یہ روایت چونکہ ضعیف ہے اس لیے قابل عمل نہیں۔ لہٰذا اگر کسی انسان کی ہڈی ٹوٹی ہو اور اس پر پٹیاں بندھی ہوئی ہوں تو وہ انسان معذور ہے' اس میں اس حصے کو دھونے کی طاقت ہی نہیں اور جس کام کی انسان میں طاقت نہ ہو وہ اس کا مکلف نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة : ۲۸۶] ''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں پہنچاتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔''

136- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِي الرَّجُلِ الَّذِي شُجَّ، فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ - : ((إِنَّمَا كَانَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق مروی ہے جس کا سر پھٹ گیا تھا' تو اس نے اسی حال میں غسل کیا اور وہ مر گیا'' کہ

135- [ضعيف جدا : ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (٦٥٧) كتاب الطهارة وسننها : باب المسح على الجبائر' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

136- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٣٦) كتاب الطهارة : باب فى المجروح يتيمم' دارقطنی (١٨٩/١) بيهقى (٢٢٧/١) شیخ البانیؒ نے ((إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ ...... الخ)) کے علاوہ باقی حدیث کو حسن کہا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی کا کہنا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔]

---

(٣٩٩) [بخارى تعليقا (٤٥٤/١) كتاب التيمم' أحمد (٢٠٣/٤) أبو داود (٣٣٤) دار قطنى (١٧٨/١) حاكم (١٧٧/١) بيهقى (٢٢٥/١) صحيح أبو داود (٣٢٣)]

(٤٠٠) [المجموع (٣٢٩/٢) الأم (١٤٥/١) المغنى (٢٦١٣١) بدائع الصنائع (٤٨/١) شرح فتح القدير (١٠٩/١)]

(٤٠١) [الروضة الندية (١٧٨/١) السيل الجرار (١٢٥/١)] (٤٠٢) [تمام المنة (ص/١٣٢)]

يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِبَ عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ فِيهِ ضُعْفٌ ، وَفِيهِ اخْتِلَافٌ عَلَى رُوَاتِهِ ۔

اسے تو اتنا ہی کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا' اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی جسم دھو لیتا۔'' [اسے ابوداود نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں اختلاف ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت تو ضعیف ہے لیکن اس کے پیچھے ایک طویل واقعہ ہے وہ صحیح ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کے سر پر پتھر لگ گیا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا (اسی رات) اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے لیے تیمم کی اجازت ہے۔ انہوں نے جواب دیا' ہم تیرے لیے کوئی رخصت نہیں پاتے کیونکہ تم پانی (کے استعمال) پر قادر ہو' لہٰذا اس نے غسل کیا اور وہ فوت ہو گیا۔ پھر جب ہم (واپس) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا ''انہوں نے اسے قتل کر دیا' اللہ انہیں قتل کرے۔ انہوں نے علم نہ ہونے پر سوال کیوں نہ کیا کیونکہ جہالت کا علاج سوال ہی تو ہے۔''(٤٠٣) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو' پھر اسی حال میں جنبی ہو جائے اور اسے اندیشہ ہو کہ پانی کے استعمال سے اس کا مرض بڑھ سکتا ہے یا اسے موت کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے تیمم ہی کافی ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی یہی رائے ہے۔ (٤٠٤)

137- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَا يُصَلِّيَ الرَّجُلُ بِالتَّيَمُّمِ إِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً ، ثُمَّ يَتَيَمَّمُ لِلصَّلَاةِ الْأُخْرَى)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ جِدًّا ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ آدمی تیمم کے ساتھ صرف ایک نماز ہی پڑھے' پھر دوسری نماز کے لیے الگ تیمم کرے۔ [اسے دارقطنی نے نہایت ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت من گھڑت ہے' اس لیے قابل عمل نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اتنی نمازیں پڑھ سکتا ہے جتنی وضوء کے ساتھ پڑھتا ہے۔ امام صنعانیؒ نے کہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو پانی کے قائم مقام قرار دیا ہے اور یہ بات معروف ہے کہ پانی کے ساتھ وضوء تب ہی لازم ہوتا ہے جب حدث واقع ہو اور تیمم بھی اسی کی مثل ہے' ائمہ حدیث کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے اور دلیل کے اعتبار سے یہی مذہب قوی ہے۔ (٤٠٥)

باب الحيض — حیض کا بیان

138- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ فَاطِمَةَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش

-137 [موضوع : السلسلة الضعيفة (٤٢٣) دارقطني (١٨٥/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

-138 [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (٢٨٦-٣٠٤) كتاب الطهارة : باب من قال إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة ' ابن حبان (١٣٤٨) حاكم (١٧٤/١) دارقطني (٢٠٦/١) بيهقي (٣٢٥/١) نسائي (١٨١/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٤٠٣) [حسن : صحيح أبو داود (٣٢٥) أبو داود (٣٣٦) دارقطني (١٨٩/١) بيهقي (٢٢٧/١)]

(٤٠٤) [الأم (٤٢/١) حاشية الدسوقي (١٦٠/١) المجموع (٣٢٩/٢) المغني (٢٦١/١) المبسوط (١١٢/١)]

(٤٠٥) [سبل السلام (٢٩١/١)]

بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِنَّ دَمَ الْحَيْضِ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَاسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ۔

رضی اللہ عنہا استحاضہ کے مرض میں مبتلا تھیں' تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا" بلاشبہ حیض کا خون کالے رنگ کا ہوتا ہے جو بآسانی پہچانا جاتا ہے' اس لیے جب اس رنگ کا خون آئے تو نماز سے رک جا اور جب دوسرے رنگ کا خون ہو تو وضوء کر اور نماز پڑھ۔" [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح' جبکہ ابوحاتم نے اسے منکر کہا ہے۔]

139- وَفِي حَدِيثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ: ((وَلْتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ فَإِذَا رَأَتْ صُفْرَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ))۔

اور ابوداود میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ "اسے چاہیے کہ ٹب میں بیٹھ جائے' جب پانی کے اوپر زردی دیکھے تو ظہر اور عصر (دونوں نمازوں) کے لیے ایک غسل کرلے' اسی طرح مغرب اور عشاء کے لیے ایک غسل کر لے اور فجر کے لیے بھی الگ ایک غسل کر لے اور ان کے درمیان وضوء کرتی رہے۔"

لغوی توضیح لفظ حیض باب حَاضَ يَحِيضُ (بروزن ضرب) سے مصدر ہے اور اسی طرح لفظ محیض بھی اسی باب سے مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے "بہنا اور ماہواری کا خون جاری ہونا"۔ الْمِرْكَن ایسے بڑے ٹب کو کہتے ہیں جس میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں' اس کی جمع مَرَاكِن آتی ہے۔

فہم الحدیث حیض کے خون سے مراد وہ خون ہے جو عورتوں کو بلوغت کے بعد ہر ماہ کم وبیش چھ یا سات دن حسب عادت آتا ہے۔ اس خون کے آنے کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کوئی عمر مقرر نہیں۔ (٤٠٦) اس کے رنگ کے متعلق فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ خون سیاہ' سرخ' زرد اور خاکی رنگ کا ہوتا ہے۔ (٤٠٧) استحاضہ کا خون حیض سے الگ ہوتا ہے اور یہ کسی رگ کے پھٹنے کی وجہ سے آتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عورت کو حیض کا خون آئے تو اسے نماز سے رک جانا چاہیے لیکن اگر اسے استحاضہ کا خون آتا ہو تو اس پر نماز پڑھنا لازم ہے' البتہ وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرے گی۔ دوسری روایت میں جو رسول اللہ ﷺ نے مستحاضہ عورت کو ظہر وعصر کے لیے ایک غسل' مغرب وعشاء کے لیے ایک غسل اور فجر کے لیے ایک غسل کی ترغیب دلائی ہے' اسے وجوب پر نہیں بلکہ محض استحباب پر محمول کیا جائے گا کیونکہ پہلی روایت میں آپ ﷺ نے خود مستحاضہ کو ہر نماز کے لیے وضوء کا حکم دیا ہے۔ اس لیے یہ عورت کی صواب دید پر ہے اگر اس کی طبیعت یا موسم اجازت دے تو غسل کر لے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے' اس میں کوئی حرج نہیں۔

139- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٢٩٦) کتاب الطهارة: باب من قال تجمع بين الصلاتين وتغتسل لهما غسلا' شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٤٠٦) [فتاوى المرأة المسلمة (٢٦٦/١)]

(٤٠٧) [فتح القدير مع حاشية العناية (١١٢/١) اللباب (٤٧/١) الشرح الصغير (٢٠٧/١) مغنى المحتاج (١١٣/١) حاشية الباجوری (١١٢/١) كشاف القناع (٢٤٦/١) بدائع الصنائع (٣٩/١)]

140- وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَسْتَفْتِيهِ، فَقَالَ: ((إِنَّمَا هِيَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ ثُمَّ اغْتَسِلِي فَإِذَا اسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ أَوْ ثَلَاثَةً وَعِشْرِينَ وَصُومِي وَصَلِّي فَإِنَّ ذَلِكِ يُجْزِئُكِ وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، فَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي الْعَصْرَ ثُمَّ تَغْتَسِلِي حِينَ تَطْهُرِينَ وَتُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا، ثُمَّ تُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِي، وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الصُّبْحِ وَتُصَلِّينَ)) قَالَ: ((وَهُوَ أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں بہت زیادہ استحاضہ کے مرض میں مبتلا رہتی تھی، میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے متعلق فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا ''یہ تو محض شیطان کا ایک چوکہ ہے' لہٰذا تو چھ یا سات دن ایامِ حیض گزار' پھر غسل کر' جب تو پاک صاف ہو جائے تو چوبیس (24) یا تیئس (23) دن نماز پڑھ اور روزے بھی رکھ۔ بلاشبہ یہ تیرے لیے کافی ہے اور ہر ماہ اسی طرح کیا کر جیسے حیض والی عورتیں کرتی ہیں۔ پس اگر تجھ میں ظہر کو مؤخر کرنے اور عصر کو جلدی کرنے کی طاقت ہے تو پھر تو جب حیض سے پاک ہو جائے تو غسل کر لے اور ظہر و عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کر لے اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو جلدی کر لے' پھر غسل کر کے دونوں نمازوں کو جمع کر لے اور نماز فجر کے لیے الگ غسل کر کے اسے ادا کر لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' اور یہ دونوں باتوں میں سے مجھے زیادہ پسند ہے۔'' [اسے ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے' ترمذی نے اسے صحیح اور بخاری نے اسے حسن کہا ہے۔]

فهم الحديث مذکورہ بالا روایت کے ان الفاظ ''اور اگر تو طاقت رکھتی ہے'' اس بات کا ثبوت ہیں کہ دو نمازوں کے لیے غسل کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ علاوہ ازیں حدیث کے آخری الفاظ ''اور یہ دونوں باتوں میں سے مجھے زیادہ پسند ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ عورت کے لیے دو کام ہیں؛ ایک یہ کہ وہ ہر نماز کے لیے وضوء کرے اور دوسرا یہ کہ وہ دو نمازوں کو جمع کرے اور ان کے لیے غسل کر کے انہیں ادا کر لے' تو آپ ﷺ نے اس دوسرے کام کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔

141- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ شَكَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الدَّمَ، فَقَالَ ((امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي)) فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُم حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے استحاضہ کے خون کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''جس قدر تمہیں تمہارا حیض روکے رکھتا تھا اتنے ایام (نماز، روزہ) سے ٹھہری رہو' پھر غسل کر لو (اور نماز ادا کرو)۔'' تو وہ

140- [حسن: صحيح ابو داود' ابو داود (٢٨٧) كتاب الطهارة: باب من قال إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة' ترمذی (١٢٨) ابن ماجه (٦٢٧) حاكم (١٧٢/١) دارقطنی (٢١٤/١) احمد (٤٣٩/٦) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

141- [مسلم (٣٣٤) كتاب الحيض: باب المستحاضة وغسلها وصلاتها' ابو داود (٢٩٢) نسائی (١٨٢/١) وأما لفظ البخاری (٢٢٨)]

صَلَاةٍ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ ((وَتَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ)) وَهِيَ لِأَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ۔

ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ] "اور ہر نماز کے لیے وضوء کر۔" [ابوداود وغیرہ نے اسی روایت کو دوسری سند سے بیان کیا ہے۔]

لغوی توضیح شَكَتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب شَكَا يَشْكُو (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "شکوہ وشکایت کرنا"۔ اُمْكُثِي فعل امر کا صیغہ ہے باب مَكَثَ يَمْكُثُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "ٹھہرنا"۔ تَحْبِسُ فعل مضارع ہے باب حَبَسَ يَحْبِسُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے "روکنا"۔

فہم الحدیث مذکورہ روایت اور گزشتہ روایات کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ استحاضہ کے مرض میں مبتلا عورت اپنی عادت کے ایام کے مطابق عمل کرے گی یعنی اس بیماری سے پہلے اسے جتنے دن ایام ماہواری کا خون آتا تھا وہ اتنے دن نماز روزہ چھوڑ دے گی اور پھر غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے گی اور ہر نماز کے لیے الگ وضوء کرتی رہے گی' لیکن اگر اس کی عادت کے کچھ ایام مقرر نہیں تو پھر وہ قرائن کی طرف رجوع کرے گی یعنی وہ خون کی رنگت یا بو وغیرہ سے پہچانے گی کہ آیا یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا۔ جب اسے قرائن سے معلوم ہو جائے گا کہ حیض کا خون منقطع ہو چکا ہے تو وہ غسل کر کے نماز شروع کر دے گی اور اگر اسے قرائن سے بھی معلوم نہ ہو تو اپنی ہم عمر اور ہم مزاج خواتین کے ایام کا اندازہ لگا لینا چاہیے۔ علاوہ ازیں اس روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا دورانِ استحاضہ ہر نماز کے لیے غسل کیا کرتی تھیں' یہ ان کا اپنا فعل تھا' نبی کریم ﷺ نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا' جیسا کہ حدیث کے دوسرے الفاظ میں ہر نماز کے لیے وضوء کا ہی حکم ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ برحق بات یہ ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لیے صرف وضوء ہی واجب ہے اور غسل صرف انقطاعِ حیض کے وقت ہی واجب ہے۔(٤٠٨)

142- وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ ' وَاللَّفْظُ لَهُ ۔

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم (انقطاعِ حیض کے بعد غسل کر کے) پاکیزہ ہونے کے بعد گدلے اور زرد رنگ (کے مادے کے خروج کو) کچھ نہیں سمجھتی تھیں۔[اسے بخاری اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور لفظ ابوداود کے ہیں۔]

لغوی توضیح لَا نَعُدُّ فعل نفی کا صیغہ ہے باب عَدَّ يَعُدُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "شمار کرنا"۔ الْكُدْرَةَ گدلے رنگ کو کہتے ہیں اور اس کی جمع كُدَر آتی ہے۔ الصُّفْرَة زرد رنگ کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انقطاعِ حیض کے بعد اگر عورت کی شرمگاہ سے کوئی مادہ خارج ہو تو اسے حیض شمار نہیں کیا جائے گا خواہ وہ گدلے یا زرد رنگ کا ہو یا کسی اور رنگ کا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ اور اس جیسی احادیث حکماً مرفوع کے درجہ میں ہوتی ہیں' کیونکہ جب ایک صحابیہ زمانہ نبوت کے صحابہ کی عورتوں کا حال بیان کرے اور نبی ﷺ بھی ان کے پاس موجود ہوں اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی ہو تو وہ بات تقریری حدیث کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔(٤٠٩)

142- [بخاری (٣٢٦) كتاب الحيض : باب الصفرة والكدرة في غير أيام الحيض ' ابو داود (٣٠٧) نسائی (١٨٦/١) ابن ماجه (٦٤٧)]

(٤٠٨) [نيل الأوطار (٤٠٤/١)]

(٤٠٩) [مزید دیکھئے: توضيح الأحكام (٤٥٠/١)]

143- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ' أَنَّ الْيَهُودَ كَانُوا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوهَا ' فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود میں جب کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو وہ اس کے ساتھ نہیں کھاتے تھے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم سب کچھ کرو سوائے جماع ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

144- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ ' فَيُبَاشِرُنِي وَ أَنَا حَائِضٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ازار باندھ لیتی' پھر آپ مجھ سے مباشرت کرتے (یعنی جسم کے ساتھ جسم ملاتے) اور میں حائضہ ہوتی۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح النکاح کا لغوی معنی ہے "ملاپ" اور یہاں اس سے مراد ہے "جماع"۔ فَأَتَّزِرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِتَّزَرَ يَتَّزِرُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے "تہبند باندھنا"۔ يُبَاشِرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب بَاشَرَ يُبَاشِرُ (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے "جسم کے ساتھ جسم ملانا" البتہ مجازی طور پر اس سے جماع بھی مراد لے لیا جاتا ہے۔

فهم الحديث مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ عورت سے ہم بستری کے سوا سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حائضہ عورت سے فائدہ اٹھانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا' تہبند کے اوپر والا حصہ حلال ہے۔ (٤١٠) امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ آدمی شرمگاہ کے علاوہ حائضہ عورت سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ (٤١١) شیخ ابن عثیمین نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (٤١٢)

- مانع حیض ادویات کے استعمال کے متعلق شیخ ابن عثیمین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عورت کے لیے حیض روکنے والی ادویات استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اسے صحت کے حوالے سے کوئی ضرر و نقصان نہ ہو بشرطیکہ وہ اپنے خاوند سے اجازت لے کر ایسا کرے (لیکن اس کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر پر رضا مندر ہے اور ایسی ادویات سے اجتناب ہی کرے)۔ (٤١٣) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی ان گولیوں کے جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے۔ (٤١٤)

145- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے

143- [مسلم (٣٠٢) كتاب الحيض : باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ' ابو داود (٢٥٨) ترمذی (٢٩٧٧) نسائی (١٥٢/١) ابن ماجه (٦٤٤) احمد (١٣٢/٣)]

144- [بخاری (٣٠٢) كتاب الحيض : باب مباشرة الحائض ' مسلم (٢٩٣) ابو داود (٢٦٨) ترمذی (١٣٢) نسائی (١٨٩/١) ابن ماجه (٦٣٥) احمد (١٧٤/٦) مالك (٥٨/١)]

145- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٢٦٤) كتاب الطهارة : باب في إتيان الحائض ' ترمذی (١٣٦) ابن ماجه (٦٤٠) نسائی (١٥٣/١) احمد (٢٢٩/١) حاكم (١٧١/١) ابن الجارود (١٠٨) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔]

---

(٤١٠) [صحيح : صحيح أبو داود (١٩٧) كتاب الطهارة : باب في المذي ' أبو داود (٢١٢)]
(٤١١) [المغنى (٣٥٠/١)] (٤١٢) [فتاوى منار الإسلام (١١٣/١)]
(٤١٣) [مجموع الفتاوى شيخ عثيمين (٢٨٣/٤) فتاوى المرأة المسلمة (٢٦٩/١)]
(٤١٤) [فتاوى إسلامية (٢٤١/١)]

رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ فِی الَّذِی یَأْتِی امْرَأَتَهُ وَهِیَ حَائِضٌ۔ قَالَ: ((یَتَصَدَّقُ بِدِیْنَارٍ أَوْ نِصْفِ دِیْنَارٍ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ الْحَاکِمُ وَابْنُ الْقَطَّانِ وَرَجَّحَ غَیْرُهُمَا وَقْفَهُ۔

شخص کے متعلق فرمایا جو حالتِ حیض میں عورت سے ہم بستری کر بیٹھتا ہے کہ "وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے' حاکم اور ابن قطان نے اسے صحیح اور ان کے علاوہ دوسروں نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ حیض عورت سے ہم بستری کرنا حرام ہے' یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمائی ہے کہ ﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ﴾ [البقرۃ: ۲۲۲] "حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب مت جاؤ۔" شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حائضہ عورت سے ہم بستری حرام ہے۔(٤١٥) امام ابن حجر ہیثمیؒ نے تو اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔(٤١٦) علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ حیض بیوی سے ہم بستری کرنے والے پر دینار یا نصف دینار کفارہ لازم ہے۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے' جبکہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ ایسے شخص پر کفارہ لازم نہیں بلکہ صرف توبہ و استغفار ہی لازم ہے۔(٤١٧) ہمارے علم کے مطابق پہلا موقف ہی قابل ترجیح ہے کیونکہ حدیث کے قریب ہے۔ شیخ ابن عثیمینؒ(٤١٨) اور شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ(٤١٩) نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دینار یا نصف دینار کی تعیین کیسے ہو؟ تو اس سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کو پیش نظر رکھا جائے' وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ایام ماہواری کی ابتدا میں ہم بستری کرے تو دینار اور اگر خون کے انقطاع پر جماع و ہم بستری کرے تو آدھا دینار (صدقہ کرے گا)۔(٤٢٠) ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر (جماع کے وقت) سرخ خون آ رہا ہو تو دینار اور اگر زرد ہو تو آدھا دینار (صدقہ کرے گا)۔(٤٢١)

146- وَعَنْ أَبِی سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((أَلَیْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟)) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ' فِی حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔" [بخاری، مسلم۔ یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ عورت پر نماز اور روزہ حرام ہے۔ اس مسئلے پر اہل علم کا اجماع

146- [بخاری (٣٠٤) کتاب الحیض: باب ترك الحائض الصوم' مسلم (٨٠) ابن ماجه (١٢٨٨) نسائی (١٨٧/٣)]

(٤١٥) [مجموع الفتاوی (٦٢٤/٢١)]
(٤١٦) [الزواجر (٢٨١/١)]
(٤١٧) [نیل الأوطار (٤٠٨/١) تحفة الأحوذی (٤٤٤/١) معالم السنن (٨٣/١-٨٤) المغنی (٤١٦/١-٤١٧)]
(٤١٨) [فتاوی المرأة المسلمة (٢٨٠/١)]
(٤١٩) [فتاوی المرأة المسلمة (٢٧٩/١)]
(٤٢٠) [صحیح موقوف: صحیح أبو داود (٢٣٨) کتاب الطهارة: باب إتیان الحائض' أبو داود ٢٦٥]
(٤٢١) [صحیح موقوف: صحیح ترمذی (١١٨) کتاب الطهارة: باب ما جآء فی الکفارة فی إتیان الحائض' ترمذی (١٣٧)]

ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے نقل فرمایا ہے۔(٤٢٢) لیکن یہ یاد رہے کہ حائضہ عورت انقطاع حیض کے بعد روزوں کی قضا دے گی' البتہ اس پر نماز کی قضا لازم نہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزے کی قضا تو دیتی ہے لیکن نماز کی قضا نہیں دیتی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں ایسی حالت درپیش ہوتی تو ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔(٤٢٣) امام نوویؒ (٤٢٤)' امام شوکانیؒ (٤٢٥) اور امام ابن منذرؒ (٤٢٦) نے اس مسئلے پر اہل اسلام کا اجماع نقل فرمایا ہے۔

147- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا جِئْنَا سَرِفَ حِضْتُ' فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((افْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ 'فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم مقام سرف آئے تو میرے ایام شروع ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ تمام افعال سرانجام دو جو حاجی انجام دیتے ہیں' البتہ بیت اللہ کا طواف تب کرنا جب تم پاک ہو جاؤ۔" [بخاری' مسلم۔ یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔]

لغوی توضیح سَرِف مکہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ عورت اوراد و وظائف اور تلاوت قرآن کر سکتی ہے' کیونکہ طواف کے سوا حاجیوں کے باقی کاموں میں یہ کام بھی شامل ہیں اور جس روایت میں ہے کہ ﴿ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ ﴾ "حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں" وہ ضعیف ہے۔(٤٢٧)

148- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: مَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ؟ فَقَالَ: ((مَا فَوْقَ الْإِزَارِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَضَعَّفَهُ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا' عورت حائضہ ہو تو مرد کے لیے اس سے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو حصہ تہبند کے اوپر ہے۔"

[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔]

147- [بخاری (٣٠٥) كتاب الحيض : باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت' مسلم (١٢١١) ابو داود (١٧٨٢) ترمذی (٩٤٥)]

148- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (٢١٣) كتاب الطهارة : باب في المذى' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

---

(٤٢٢) [نيل الأوطار (٤٠٩/١)]

(٤٢٣) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٣٦) كتاب الطهارة : باب في الحائض لا تقضي الصلاة' أبو داود (٢٦٣) أحمد (٢٣٢/٦) بخاری (٣٢١) مسلم (٣٣٥) ترمذی (١٣٠) نسائی (١٩١/١) ابن ماجة (٦٣١) أبو عوانة (٣٢٤/١) دارمی (٢٣٣/١) طيالسي (١٥٧٠) ابن الجارود (١٠١) بيهقي (٣٠٨/١)]

(٤٢٤) [المجموع (٣٥١/٢-٣٥٥)]

(٤٢٥) [السيل الجرار (١٤٨/١)]

(٤٢٦) [الإجماع لابن المنذر (ص/٣٧)' (رقم/٢٨'٢٩)]

(٤٢٧) [منكر : ضعيف ترمذی (١٨) ترمذی (١٣١) شرح السنة (٤٢/٢) ابن ماجة (٥٩٥) العقيلي في الضعفاء (٩٠/١) تاريخ بغداد (١٤٥/٢) بيهقي (٨٩/١) دار قطني (١١٧/١)]

149۔ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَتِ النُّفَسَاءُ تَقْعُدُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِينَ يَوْمًا)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَاللَّفْظُ لِأَبِي دَاوُدَ، وَفِي لَفْظٍ لَهُ: ((وَلَمْ يَأْمُرْهَا النَّبِيُّ ﷺ بِقَضَاءِ صَلَاةِ النِّفَاسِ)) وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نفاس والی خواتین عہد رسالت میں چالیس دن عدت گزارتی تھیں۔[اسے ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے، یہ لفظ ابوداود کے ہیں اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ] اور نبی کریم ﷺ نے دورانِ نفاس چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں دیا۔[اسے حاکم نے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح نِفَاس مصدر ہے باب نَفِسَ يَنْفَسُ (بروزن سمع) سے اس کا معنی "بچہ جننا اور حائضہ ہونا" ہے اور اس کی جمع نُفَسَاء آتی ہے۔ اصطلاح میں یہ ایسے خون کو کہتے ہیں جو بچہ جننے کے وقت یا بعد میں عورت کو آتا ہے۔(٤٢٨)

فهم الحديث اس حدیث میں نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز بیان ہوئی ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ساٹھ دن ہے۔(٤٢٩) راجح موقف جمہور کا ہے۔ امام ابن قدامہؒ (٤٣٠)، امام شوکانیؒ (٤٣١) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (٤٣٢) نے یہی رائے اختیار کی ہے۔ واضح رہے کہ اگر چالیس روز کے بعد بھی خون آتا رہے تو اس کے متعلق شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر تو عورت کی پہلے سے یہ عادت ہو (کہ اسے ہر بچے کی ولادت پر چالیس روز سے اوپر دو یا تین دن خون آتا رہا ہے) تو وہ اسی کے مطابق عمل کرے گی اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ چالیس دن پورے کرنے کے بعد غسل کرے گی اور نماز اور روزے رکھے گی۔(٤٣٣) نفاس کی کم از کم کوئی مدت نہیں، اگر ایک روز کے بعد بھی خون ختم ہو جائے تو عورت پاک تصور کی جائے گی۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے اس کی کم از کم مدت گیارہ دن مقرر کی ہے جو بلا دلیل ہے۔(٤٣٤) علاوہ ازیں نفاس والی عورت باقی تمام احکام میں حائضہ کی مانند ہی ہے، یعنی نہ وہ نماز ادا کر سکتی ہے، نہ روزہ رکھ سکتی ہے، نہ شوہر اس سے ہم بستری کر سکتا ہے، نہ وہ قرآن پاک پکڑ سکتی ہے اور نہ ہی دورانِ حج طواف بیت اللہ کر سکتی ہے۔ اس پر اہل نے اجماع نقل کیا ہے۔(٤٣٥)

149- [حسن صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٣١١-٣١٢) كتاب الطهارة : باب ما جاء في وقت النفساء، ترمذی (١٣٩) ابن ماجه (٦٤٨) احمد (٣٠٠/٦-٣٠٤) حاكم (١٧٥/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن لغیرہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٤٢٨) [القاموس المحيط (ص/٥٣٤) المنجد (ص/٩١٣) أنيس الفقهاء (ص/٦٤)]

(٤٢٩) [المجموع (٥٣٩/٢) المغني (٣٤٥/١) المحلى (٢٠٣/٢) الإفصاح (١٠٨/١) بدائع الصنائع (٤١/١) مراقي الفلاح (ص/٢٣) مغني المحتاج (١١٩/١) حاشية الباجوري (١١٣/١) المهذب (٤٥/١) كشاف القناع (٢٢٦/١)]

(٤٣٠) [المغني لابن قدامة (٤٢٧/١)]

(٤٣١) [نيل الأوطار (٤١٤/١)]

(٤٣٢) [تحفة الأحوذي (٤٥٢/١)]

(٤٣٣) [فتاوى المرأة المسلمة (٢٩٧/١)]

(٤٣٤) [الأم (٦٤/١) المجموع (٢٢٨/١) المغني (٤٢٨/١-٤٢٩)]

(٤٣٥) [نيل الأوطار (٤١٥/١) المجموع (٥٢٠/٢)]

باب المواقیت — اوقاتِ نماز کا بیان
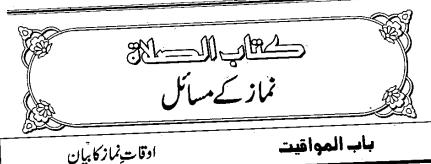
نماز اُن مخصوص اقوال وافعال کا نام ہے جن کی ابتدا تکبیر سے اور اختتام تسلیم سے ہوتا ہے۔ یہ ہجرت سے تقریباً تین برس قبل معراج کی رات فرض ہوئی۔ پہلے رکعاتِ نماز کی تعداد دو تھی' پھر بطورِ نمازِ سفر تو یہی تعداد باقی رہی لیکن حضر کی نماز سوائے مغرب کے چار رکعت کر دی گئی۔ نماز چند خصائص کی بنا پر دیگر شرعی واجبات سے جدا ہے' جن میں سے چند یہ ہیں: ① نماز آسمان میں فرض کی گئی' جبکہ دیگر واجبات زمین میں۔ ② فرضیتِ نماز کے وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا' جبکہ دیگر واجبات کے لیے فرشتے کا واسطہ ہوتا تھا۔ ③ فرض نمازوں کی تعداد پہلے پچاس تھی' پھر تخفیف ہوتے ہوتے پانچ رہ گئی لیکن ان کا ثواب پچاس کے برابر ہی رکھا گیا۔ ④ یہ ارکانِ اسلام میں سے دوسرا رکن ہے۔ ⑤ یہ ہر مکلف پر واجب ہے جبکہ دیگر عبادات عدمِ استطاعت کی وجہ سے بعض افراد پر فرض ہیں۔ (۱)

نماز کی اہمیت کے لیے یہی جان لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کم وبیش اسی مرتبہ اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص وجوبِ نماز کا انکار کرتے ہوئے نماز چھوڑ دے تو وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے اور اگر کوئی وجوبِ نماز کا تو اعتقاد رکھتا ہو لیکن سستی وکاہلی کے باعث نماز چھوڑ دے تو اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے لیکن راجح مؤقف یہی ہے کہ ایسا شخص جب دائمی طور پر نماز چھوڑ دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''بندے اور کفر وایمان کے درمیان (فرق کرنے والی) نماز ہے پس جب اس نے اسے ترک کر دیا تو اس نے شرک کیا۔''(۲) اسی طرح ایک دوسرا فرمان یوں ہے ''کفر وشرک اور (مسلمان) بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑ دینا ہے۔''(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''نماز چھوڑنے والے کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔''(۴) امام نوویؒ (۵)، امام شوکانیؒ (۶)، شیخ شنقیطیؒ (۷)، علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ (۸)، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (۹)، امام ابن قیمؒ (۱۰) اور شیخ ابن عثیمینؒ (۱۱) وغیرہ نے بے نماز کو کافر قرار دیا ہے۔

---

(۱) [تلخيص من توضيح الأحكام (۴۷۰/۱)]

(۲) [صحيح : شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائی (۸۲۲/۴)] اس کی سند صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے نیز امام منذریؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [الترغيب والترهيب (۳۷۹/۱)]

(۳) [مسلم (۸۲) أحمد (۳۷۰/۳) دارمی (۲۸۰/۱) أبو داود (۴۶۷۸) ترمذی (۲۶۱۸) ابن ماجة (۱۰۷۸) الحلية لأبی نعيم (۲۵۶/۸) بيهقی (۳۶۶/۳)]

(۴) [موطا (۷۴) كتاب الطهارة]

(۵) [شرح مسلم للنووی (۱۷۸/۴)]

(۶) [نيل الأوطار (۴۲۴/۱)]

(۷) [أضواء البيان (۳۱۱/۴)]

(۸) [تحفة الأحوذی (۴۰۷/۷)]

(۹) [الصارم المسلول (۵۵۴) مجموع الفتاوی (۹۷/۲۰)]

(۱۰) [كتاب الصلاة (ص/۶۲)]

(۱۱) [رسالة : حكم تارك الصلاة]

150- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ظہر کا وقت (تب شروع ہوتا ہے) جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی (یعنی قد) کے برابر ہو جائے اور عصر کے وقت کے آغاز تک رہتا ہے۔ نماز عصر کا (آخری) وقت سورج زرد ہونے تک ہے۔ نماز مغرب کا (آخری) وقت شفق غائب ہونے تک ہے۔ نماز عشاء کا (آخری) وقت رات کے درمیانے نصف تک ہے اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

151- وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْعَصْرِ: ((وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ))۔

صحیح مسلم میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے عصر کے متعلق مروی ہے کہ ''اور سورج سفید اور بالکل صاف ہو۔''

152- وَمِنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ))۔

اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''اور سورج بلند ہو۔''

لغوی توضیح لفظ صَلَاة مصدر ہے باب صَلّٰی يُصَلِّي (بروزن تفعیل) سے، یہ لفظ متعدد معانی میں مستعمل ہے جن میں دعا، نماز، تسبیح اور رحمت وغیرہ قابل ذکر ہیں، اس کی جمع صَلَوات آتی ہے۔ تَصْفَرَّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِصْفَرَّ يَصْفَرُّ (بروزن افعلال) سے، اس کا معنی ''زرد ہونا'' ہے۔ اَلشَّفَق اُس سرخی کو کہتے ہیں جو غروب آفتاب کے بعد اُفق پر ظاہر ہوتی ہے۔ نَقِيَّةٌ کا معنی ہے ''صاف شفاف'' مراد ہے ایسا سفید صاف رنگ جس میں کسی اور رنگ کی آمیزش نہ ہو۔ مُرْتَفِعَةٌ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب اِرْتَفَعَ يَرْتَفِعُ (بروزن افتعال) سے، اس کا معنی ''بلند ہونا'' ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث میں نمازوں کے اوقات کا بیان ہے۔ اسلام نے اوقات نماز کی حفاظت کا درس دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ [البقرة: ٢٣٨] ''نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔'' ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ [النساء: ١٠٣] ''یقیناً نماز (کی ادائیگی) مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے یہی نصیحت فرمائی تھی کہ ﴿ صَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا ﴾ ''نماز

150- [مسلم (٦١٢) كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب أوقات الصلوات الخمس، ابو داود (٣٩٦) احمد (٢١٠/٢)]

151- [مسلم (٦١٣) كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب أوقات الصلوات الخمس، ترمذى (١٥٢) نسائى (٢٥٨/١) ابن ماجه (٦٦٧) احمد (٣٤٩/٥) ابن الجارود (١٥١) دارقطنى (٢٦٢/١)]

152- [مسلم (٦١٤) كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب أوقات الصلوات الخمس، ابو داود (٣٩٥) نسائى (٢٦٠/١) احمد (٤١٦/٤)]

کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔'' (۱۲)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے دو اوقات ہیں ایک پہلا اور دوسرا آخری اور یہ یاد رہنا چاہیے کہ اول وقت پر نماز پڑھنا ہی افضل ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ظہر کا آخری اور نماز عصر کا ابتدائی وقت ایک مثل سایہ ہے۔ جمہور علما، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ ظہر کا آخری وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی اس رائے کو خود علمائے احناف نے بھی قبول نہیں کیا اور نہ ہی کسی مرفوع حدیث سے اس کا ثبوت ہی ملتا ہے۔ (۱۳) اس لیے اس سلسلے میں جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔ عصر کے آخری وقت کے متعلق اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب سورج زرد ہو جائے۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے دن نماز عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو گیا۔'' (۱٤) ان دونوں احادیث میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں کیونکہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو جاتا ہے اس وقت سورج بھی زرد ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ نیز جس روایت میں مذکور ہے کہ ''جس نے نماز عصر کی ایک رکعت غروب آفتاب سے پہلے حاصل کر لی تو اس نے مکمل نماز حاصل کر لی۔'' (۱۵) وہ بھی اس کے خلاف نہیں' کیونکہ اس حدیث میں اضطراری وقت بیان کیا گیا ہے' مراد یہ ہے کہ یہ اگرچہ عصر کے لیے پسندیدہ وقت تو نہیں لیکن کفایت بہرحال کر جاتا ہے۔ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس کا آخری وقت سورج زرد ہونے تک ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مختار وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل یا سورج زرد ہونے تک ہے اور آخری وقت غروب آفتاب ہے۔ (۱٦) اس سلسلے میں ہمارے علم کے مطابق امام شافعیؒ کا مؤقف راجح و برحق ہے۔

مغرب کا ابتدائی وقت غروب آفتاب (۱۷)، جبکہ آخری وقت شفق (یعنی سرخی) غائب ہونے تک ہے اور یہی عشاء کا ابتدائی وقت ہے۔ امام شافعیؒ کا مؤقف یہ ہے کہ نماز مغرب کا صرف ایک ہی وقت ہے اور وہ ہے ابتدائی' لیکن جمہور کا مؤقف ان کے برخلاف ہے۔ (۱۸) عشاء کے ابتدائی وقت کے متعلق بھی فقہاء کے مابین اختلاف ہے اور اس کی وجہ لفظ شفق کے معنی کی تعیین میں اختلاف ہے۔ جمہور علما، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا مؤقف یہ ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے۔ ان کی دلیل ایک تو وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''شفق سے مراد سرخی ہے۔'' (۱۹) اور دوسری دلیل اہل لغت کی اکثریت کی یہ رائے ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے۔ صاحب قاموس، صاحب

---

(۱۲) [مسلم (٦٤٨) أحمد (١٤٧/٥) أبو داود (٤٣١) ترمذي (١٧٦) نسائي (٧٥/٢) ابن ماجة (١٢٥٦) ابن خزيمة (١٦٣٧) أبو عوانة (٤٤٨/٤) ابن حبان (١٤٨٢) عبدالرزاق (٣٧٨٠) بيهقي (٣٠١/٢)]

(۱۳) [المغني (٣٧٠/١) الأم (١٥٣/١) حلية العلماء (٢٩/٢) المهذب (٥١/١) فتح القدير (١٥١/١) مغني المحتاج (١٢١/١) اللباب (٥٩/١) الدر المختار (٣٣١/١) القوانين الفقهية (ص/٤٣)]

(۱٤) [صحيح : صحيح ترمذي (١٢٧' ١٢٨)]

(۱۵) [مسلم (٩٥٨) ترمذي (١٧١) نسائي (٥١١) أبو داود (٧٥٩) ابن ماجة (١١٢) أحمد (٦٩١٨)]

(۱٦) [نيل الأوطار (٤٤٣/١) المهذب (٥٢/١) كشاف القناع (٢٩٠/١) شرح فتح القدير (١٥٢/١) الفقه الإسلامي وأدلته (٦٦٦/١)]

(۱۷) [بخاري (٥٦١) مسلم (٦٣٦) أحمد (٥٤/٤) أبو داود (٤١٧) ترمذي (١٦٤) ابن ماجة (٦٨٨) طبراني كبير (٦٢٨٩) بيهقي (٤٤٦/١) أبو عوانة (٣٦١/١) دارمي (٢٧٥/١) ابن حبان (١٥٢٣)]

(۱۸) [شرح المهذب (٣٣/٣) المبسوط (١٤٤/١) المغني (٢٤/٢) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف]

(۱۹) [عبدالرزاق (٢١٢٢) بيهقي (٣٧٣/١)]

مختار الصحاح، امام فراءؒ، امام خلیلؒ اور صاحب منجد نے شفق کا معنی سرخی ہی کیا ہے۔ (۲۰) امام ابوحنیفہؒ کا مؤقف یہ ہے کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو غروب آفتاب کے بعد اُفق میں سرخی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ انہوں نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ قابل احتجاج نہیں۔ (۲۱) یہی وجہ ہے کہ احناف کے ہاں بھی اس مسئلے میں فتویٰ جمہور کے مؤقف کے مطابق ہی دیا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس مؤقف سے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔ (۲۲)

حدیث میں عشاء کا آخری وقت نصف رات مذکور ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی یہی رائے ہے۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے عشاء کا آخری وقت ایک تہائی رات بتایا ہے اور جمہور علماء کا کہنا ہے کہ عشاء کا آخری وقت طلوع فجر تک ہے۔ (۲۳) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف امام ابوحنیفہؒ کا ہے' کیونکہ حدیث میں عشاء کے آخری وقت کے متعلق ''آدھی رات'' کے واضح لفظ موجود ہیں' جن میں کسی قسم کی تاویل وتبدیلی کی گنجائش نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ (۲۴)، امام ابن العربیؒ (۲۵)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری (۲۶)، نواب صدیق حسن خانؒ (۲۷) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ (۲۸) بھی اسی کے قائل ہیں۔

153- وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ، وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا فرماتے' پھر ہم میں سے کوئی ایک مدینہ کی آخری حدود میں اپنے گھر کی طرف لوٹ آتا اور سورج ابھی زندہ (یعنی سفید اور روشن) ہوتا تھا۔ آپ ﷺ عشاء کو تاخیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے اور نماز عشاء سے پہلے سونے اور نماز عشاء کے بعد (فضول) گفتگو کو آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے اور آپ نماز فجر سے اس وقت فارغ ہوتے جب آدمی اپنے ساتھ بیٹھنے والے کو پہچان لیتا اور آپ ﷺ (نماز فجر میں) ساٹھ سے سو آیات تلاوت فرماتے۔ [بخاری، مسلم]

154- وَعِنْدَهُمَا مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ

بخاری اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ

-153 [بخاری (٥٤٧) كتاب مواقيت الصلاة : باب وقت العصر' مسلم (٦٤٧) ابو داود (٣٩٨) ترمذی (١٦٨) نسائی (٢٦٢/١) ابن ماجه (٧٠١) احمد (٤١٩/٤)]

-154 [بخاری (٥٦٠-٥٦٥) كتاب مواقيت الصلاة : باب وقت المغرب' مسلم (٦٤٦) ابو داود (٣٩٧) نسائی (٢٦٤/١) احمد (٣٦٩/٣)]

(٢٠) [القاموس المحيط (ص/٨٠٨) مختار الصحاح (ص١٤٤) المنجد (ص/٤٣٨)]
(٢١) [نصب الرايه (٢٣٠/١)]
(٢٢) [نيل الأوطار (٤٦٧/١) المهذب (٥٣/١) مغني المحتاج (١٢٣/١) اللباب (٦٠/١) تحفة الأحوذي (٤٨٨/١)]
(٢٣) [نيل الأوطار (٤٦٩/١) تحفة الأحوذي (٥٢٨/١) عارضة الأحوذي (٢٧٧/١)]
(٢٤) [تحفة الأحوذي (٥٢٨/١)]
(٢٥) [عارضة الأحوذي (٢٧٧/١)]
(٢٦) [تحفة الأحوذي (٥٢٩/١)]
(٢٧) [الروضة الندية (٢٠٢/١)]
(٢٨) [تمام المنة (ص/١٤٢)]

عَنْهُ : ((وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا يُقَدِّمُهَا، وَأَحْيَانًا يُؤَخِّرُهَا : إِذَا رَآهُمْ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَؤُوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ)) ۔

کبھی نمازِ عشاء جلدی ادا فرما لیتے اور کبھی تاخیر سے۔(وہ اس طرح کہ) جب دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی ادا فرما لیتے اور جب دیکھتے کہ لوگوں نے تاخیر کر دی ہے تو نماز مؤخر کر دیتے اور نماز فجر اندھیرے میں ہی ادا فرماتے۔

155- وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : ((فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ انْشَقَّ الْفَجْرُ وَالنَّاسُ لَا يَكَادُ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا)) ۔

اور مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نماز فجر اس وقت پڑھاتے جب فجر پھوٹتی (یعنی صبح صادق طلوع ہوتی) اور لوگ ایک دوسرے کو پہچان نہیں پاتے تھے۔

لغوی توضیح رَحْل سے مراد ہے انسان کا مسکن ورہائش۔ أَقْصَى سے مراد ہے بعید ترین مقام۔ يَنْفَتِلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِنْفَتَلَ يَنْفَتِلُ (بروزن انفعال) سے اس کا معنی ہے "پھرنا" یہاں مراد ہے فارغ ہونا۔ الغَلَس آخری رات کے اندھیرے کو کہتے ہیں۔ أَبْطَؤُوا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَبْطَأَ يُبْطِئُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے "تاخیر کرنا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں نمازِ عصر کی ادائیگی اور سورج کے زرد ہونے میں بہت وقت ہوتا تھا' جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ نماز عصر ایک مثل سایہ ہونے پر ہی ادا کی جاتی تھی کیونکہ دو مثل سایہ ہونے کے فوراً بعد تو سورج زرد ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ نماز فجر آپ ﷺ اندھیرے میں ادا فرماتے تھے۔ ایک دوسری روایت جس میں مذکور ہے کہ "نماز فجر صبح کے خوب واضح ہو جانے پر پڑھا کرو' یہ تمہارے اجر میں اضافے کا موجب ہوگی۔"(۲۹) بظاہر اس حدیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اہل علم نے ان میں تطبیق یوں دی ہے کہ نماز فجر کا آغاز اندھیرے میں کیا جائے اور قراءت اتنی طویل کی جائے کہ صبح خوب روشن ہو جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "صبح کے خوب واضح ہو جانے" کا مطلب یہ ہے کہ طلوع فجر میں کوئی شک باقی نہ رہ جائے۔(۳۰) امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مؤقف یہی ہے کہ نمازِ فجر اندھیرے میں ہی ادا کرنا مستحب ہے' لیکن امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ نماز فجر خوب روشن کر کے پڑھنی چاہیے۔(۳۱) ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں راجح مؤقف ائمہ ثلاثہ کا ہی ہے کیونکہ جس عمل پر نبی کریم ﷺ تا دمِ حیات قائم رہے وہ یہ تھا کہ آپ نماز فجر اندھیرے میں ادا فرماتے تھے جیسا کہ

155- [مسلم (٤١٦) كتاب الصلاة : باب النهي عن مبادرة الإمام بالتكبير وغيره' ابو داود (٣٩٥) نسائي (٢٦٠/١) احمد (٤١٦/٤)]

(٢٩) [صحيح : صحيح أبو داود (٤٠٩) أبو داود (٤٢٤) ترمذي (١٥٤) نسائي (٢٧٢/١) ابن ماجة (٦٧٢) أحمد (٤٦٥/٣) دارمي (٢٧٧/١)]

(٣٠) [أعلام الموقعين (٢٩٠/٢) الروضة الندية (٢٠٣/١) نيل الأوطار (٤٧٧/١) تحفة الأحوذي (٥٠٥/١) ترمذي: كتاب الطهارة : باب ما جاء في الإسفار بالفجر]

(٣١) [تحفة الأحوذي (٤٩٨/١) نيل الأوطار (٤٧٧/١) اللباب (٦٠/١) القوانين الفقهية (ص/٤٥) الشرح الصغير (٢٢٢/١)]

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر ایک مرتبہ اندھیرے میں پڑھی اور پھر دوسری مرتبہ اسے خوب روشن کر کے پڑھا پھر وفات تک آپ ﷺ کی نماز (فجر) اندھیرے میں ہی رہی' آپ نے دوبارہ کبھی اسے روشن کر کے نہ پڑھا۔ (۳۲) اس سلسلے میں امام ابن قدامہ (۳۳)، حافظ ابن حجر (۳٤) اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوری (۳٥) کی بھی یہی رائے ہے کہ نماز فجر اندھیرے میں پڑھنا ہی افضل واولیٰ ہے۔

156- وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ مغرب ادا فرماتے' پھر ہم میں سے کوئی واپس پھرتا اور (روشنی ابھی اتنی باقی ہوتی تھی کہ) وہ اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح يُبْصِرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَبْصَرَ يُبْصِرُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''دیکھنا''۔ مَوَاقِعَ مَوقِع کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ''جائے وقوع''۔ نَبْل تیر کو کہتے ہیں اور اس کی جمع نبال اور أنبال آتی ہے۔

فهم الحديث یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ نمازِ مغرب اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے۔ شیخ تقی الدین نے نقل فرمایا ہے کہ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ (۳٦)

157- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِالْعِشَاءِ حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى ' وَقَالَ: ((إِنَّهُ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے نمازِ عشاء میں اتنی تاخیر کر دی کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا' پھر آپ باہر نکلے اور نماز پڑھی اور فرمایا ''یہ اس نماز کا (اصل) وقت ہے' اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا (تو میں اس کا یہی وقت مقرر کر دیتا)۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَعْتَمَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَعْتَمَ يُعْتِمُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''تاخیر کرنا''۔

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء کو ایک تہائی رات تک یا آدھی رات تک مؤخر کریں۔'' (۳۷) معلوم ہوا کہ نمازِ عشاء تاخیر سے ادا کرنا افضل ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تاخیر نصف شب سے تجاوز نہ کرے' کیونکہ نصف شب نمازِ عشاء کا آخری وقت ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ صرف عشاء ہی ایسی نماز ہے جس میں تاخیر مستحب ہے باقی نمازیں اول وقت میں پڑھنا ہی مستحب ہے۔

156- [بخاری (٥٥٩) كتاب مواقيت الصلاة : باب وقت المغرب ' مسلم (٦٣٧) ابن ماجه (٦٨٧) احمد (١٤٢/٤)]

157- [مسلم (٦٣٨) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب وقت العشاء وتأخيرها ' نسائی (٢٦٧/١)]

(٣٢) [حسن: صحيح أبو داود (٣٧٨) أبو داود (٣٩٤) ابن خزيمة (٣٥٢) موطا (٢٩) أحمد (١٢٠/٤) دارمی (١١٨٩) بخاری (٥٢١) مسلم (٦١٠)]

(٣٣) [المغنی لابن قدامة (٤٤/١)]

(٣٤) [كمافى تحفة الأحوذی (٥٠٣/١)]

(٣٥) [أيضا (٥٠٥/١)]

(٣٦) [كما في توضيح الأحكام (٤٨٠/١)]

(٣٧) [صحيح: صحيح ترمذی (١٤١) ترمذی (١٦٧) أحمد (٢٥٠/٢) ابن ماجة (٦٩١) حاكم (١٤٦/١) بيهقی (٣٦/١)]

158- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کرو (یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھو) یقیناً گرمی کی شدت جہنم کے سانس کی وجہ سے ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَبْرِدُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب أَبْرَدَ يُبْرِدُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''ٹھنڈے وقت میں داخل ہونا''۔ فَيْحِ جَهَنَّمَ سے مراد ہے جہنم کی حرارت یا جہنم کا سانس۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمیوں میں نماز ظہر ذرا تاخیر سے ادا کرنی چاہیے۔ جمہور علما اور ائمہ اربعہ اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس میں حکمت نمازیوں کو راحت پہنچانا ہے' تاکہ نمازی اطمینان بخش ہوا میں مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہاں جمہور اہل علم کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس حکم کا تعلق صرف گرم علاقوں کے ساتھ ہے' کیونکہ ٹھنڈے علاقوں میں اس کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے ٹھنڈے علاقوں میں نماز ظہر موسم گرما میں بھی وقت پر ہی ادا کی جائے گی۔

159- وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأُجُورِكُمْ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نماز فجر صبح کے خوب واضح ہو جانے پر پڑھا کرو' یہ تمہارے اجر میں اضافے کا موجب ہوگی۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ نماز فجر کو روشنی میں پڑھنا چاہیے۔ اس مسئلے کا تفصیلی بیان گزشتہ حدیث نمبر 154 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

160- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی اس نے نماز فجر پالی اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کی ایک رکعت پالی اس نے نماز عصر پالی۔'' [بخاری، مسلم]

158- [بخاری (٥٣٦) کتاب مواقیت الصلاۃ : باب الإبراد بالظهر فی شدة الحر ' مسلم (٦١٥) ابو داود (٤٠٢) ترمذی (١٥٧) نسائی (٢٤٨/١) ابن ماجه (٦٧٧) احمد (٢٣٨/٢) مالك (١٦/١)]

159- [حسن صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (٤٢٤) کتاب الصلاة : باب فی وقت الصبح ' ترمذی (١٥٤) نسائی (٢٧٢/١) ابن ماجه (٦٧٢) احمد (٤٦٥/٣) ابن حبان (٢٦٣ـالموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

160- [بخاری (٥٧٩) کتاب مواقیت الصلاة : باب من أدرك من الفجر ركعة ' مسلم (٦٠٨) ابو داود (٤١٢) ترمذی (١٨٦) نسائی (٢٥٧/١) ابن ماجه (١١٢٢) احمد (٢٥٤/٢) مالك (١٠/١)]

161- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا نَحْوَهُ، وَقَالَ ((سَجْدَةً)) بَدَلَ ((رَكْعَةٍ)) ثُمَّ قَالَ: ((وَالسَّجْدَةُ إِنَّمَا هِيَ الرَّكْعَةُ)).

صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی کی مثل مروی ہے' البتہ اس میں رکعت کے بدلے سجدے (کو پا لینے) کا ذکر ہے' پھر کہا کہ سجدہ سے مراد بھی رکعت ہی ہے۔

لغوی توضیح أَدْرَكَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے' اس کا معنی ہے ''پالینا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز کی ابتداء کرنا ہی ممنوع ہے' لیکن اگر کوئی پہلے ابتداء کر چکا ہو تو وہ اپنی نماز جاری رکھ سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازِ فجر کا وقت طلوع آفتاب تک اور نمازِ عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پانے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی باقی نماز بھی مکمل کر لے کیونکہ اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ یہ صرف نمازِ عصر کے ساتھ ہی خاص ہے یعنی اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے قبل نمازِ فجر کی ایک رکعت پالیتا ہے تو اس کی نماز طلوع آفتاب کے ساتھ ہی باطل ہو جائے گی۔ انہوں نے آئندہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نماز کی ادائیگی ممنوع ہے۔ [(۳۸)] حالانکہ پھر عصر کے بعد بھی غروب آفتاب تک نماز کی ادائیگی ممنوع ہے اس لیے دونوں نمازوں کا ایک ہی حکم ہونا چاہیے' نیز آئندہ حدیث کی مذکورہ بالا حدیث سے تخصیص بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں امام شافعیؒ کا موقف ہی راجح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ [(۳۹)]، امام شوکانیؒ [(۴۰)]، امام ابن قیمؒ [(۴۱)] اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ [(۴۲)] بھی اسی کے قائل ہیں۔

162- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلَفْظُ مُسْلِمٍ: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْفَجْرِ)).

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''صبح کی نماز (کی ادائیگی) کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی (دوسری) نماز (جائز) نہیں اور نمازِ عصر (کی ادائیگی) کے بعد غروبِ آفتاب تک کوئی (دوسری) نماز (جائز) نہیں۔'' [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ] ''نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز نہیں۔''

161- [مسلم (٦٠٩) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة ' نسائي (٢٧٣/١) ابن ماجه (٧٠٠) أحمد (٧٨/٦)]

162- [بخاري (٥٨٦) كتاب مواقيت الصلاة : باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس ' مسلم (٨٢٧) نسائي (٢٧٧/١) أحمد (٩٥/٣)]

(٣٨) [الأم للشافعي (١٥٦/١) المغني (١٦/٢ ٥) كشاف القناع (٢٥٧/١) شرح فتح القدير (٤١٧/١)]

(٣٩) [فتح الباري (٢٥٠/٢)] (٤٠) [نيل الأوطار (٤٨٢/١)]

(٤١) [أعلام الموقعين (٣٤١/٢-٣٤٤)] (٤٢) [تحفة الأحوذي (٥٨١/١)]

163- وَلَهُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ أَنْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا: حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ، وَحِينَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ))۔

اور مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز کی ادائیگی اور میت کی تدفین سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پہلا وہ وقت جب سورج طلوع ہو رہا ہوتی کہ وہ بلند ہو جائے۔ دوسرا وہ وقت جب سورج نصف آسمان پر ہوتی کہ وہ ڈھل جائے اور تیسرا وہ وقت جب سورج غروب ہونا شروع ہو جائے۔

164- وَالْحُكْمُ الثَّانِي عِنْدَ الشَّافِعِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ، وَزَادَ ((إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ))۔

اور دوسرا حکم (یعنی جب سورج نصف آسمان پر ہو) امام شافعیؒ نے ضعیف سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ''سوائے جمعہ کے دن کے (یعنی جب سورج نصف آسمان پر ہو تو نماز ممنوع ہے لیکن جمعہ کے دن ممنوع نہیں)۔''

165- وَكَذَا لِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ نَحْوَهُ

اور اسی کی مثل ابوداود میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لغوی توضیح نَقْبُرَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب قَبَرَ يَقْبُرُ (بروزن کرم) سے اس کا معنی ہے ''دفن کرنا''۔ تَضَيَّفُ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَضَيَّفَ يَتَضَيَّفُ (بروزن تفعّل) سے اس کا معنی ہے ''مائل ہونا''۔

فهم الحديث مذکورہ بالا احادیث سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین اوقات (یعنی جب سورج طلوع ہو رہا ہو، جب سورج نصف آسمان پر ہو اور جب سورج غروب ہو رہا ہو) میں نماز کی ادائیگی اور مردوں کی تدفین ممنوع ہے (البتہ اگر کوئی مجبوری ہو تو جائز ہے) اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر کی ادائیگی کے بعد طلوع آفتاب اور غروب آفتاب تک کسی بھی نماز کی ادائیگی ممنوع ہے (اور اس ممانعت کی حکمت ''مشرکین کی مشابہت سے اجتناب'' بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ عموماً ان اوقات میں ہی سورج کو سجدہ کیا کرتے تھے)۔ تاہم نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد فجر کی دو سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو ایسا کرنے کی اجازت دی تھی۔ (٤٣) نیز یہ بھی یاد رہے کہ نمازِ عصر کے بعد جب تک سورج روشن اور بلند ہو تب تک کوئی بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ وضاحت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے الا کہ اس صورت میں (جائز ہے کہ) سورج ابھی بلند ہو۔'' (٤٤)

163- [مسلم (٨٣١) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب الأوقات التى نهى عن الصلاة فيها، ابو داود (٣١٩٢) ترمذى (١٠٣٠) ابن ماجه (١٥١٩) نسائى (٢٧٥/١) احمد (١٥٢/٤)]

164- [مسند شافعى (٤٠٨)]

165- [ضعيف: ضعيف ابو داود، ابو داود (١٠٨٣) كتاب الصلاة: باب الصلاة يوم الجمعة قبل الزوال، شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(٤٣) [صحيح: صحيح ترمذى (٣٤٦) ترمذى (٤٢٢) أحمد (٤٤٧/٥) أبو داود (١٢٦٧) ابن خزيمة (١١١٦)]

(٤٤) [صحيح: صحيح أبو داود (١١٣٥) أبو داود (١٢٧٤)]

166- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ، لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے عبد مناف کی اولاد! بیت اللہ کا طواف کرنے والے کسی شخص کو منع نہ کرو اور نہ کسی نماز پڑھنے والے کو (نماز پڑھنے سے) خواہ وہ شب و روز کی کسی گھڑی میں یہ کام کرے۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَا تَمْنَعُوْا فعل نہی کا صیغہ ہے باب مَنَعَ يَمْنَعُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے ''روکنا''۔
طَافَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب طَافَ يَطُوْفُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''طواف کرنا، چکر لگانا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ نماز کے تین ممنوع اوقات سے بیت اللہ مستثنیٰ ہے یعنی بیت اللہ میں کسی بھی وقت نماز ادا کرنا درست ہے خواہ وہ ممانعت کا وقت ہو یا کوئی اور۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ، علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں' جبکہ جمہور علما اور امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ مسجد حرام میں بھی ممنوع اوقات کا لحاظ رکھا جائے گا۔ (٤٥) ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں دوسرا موقف ہی راجح ہے۔ شیخ البانیؒ (٤٦) اور شیخ صبحی حسن حلاق (٤٧) نے بھی یہی رائے قائم کی ہے' ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ حدیث میں صرف عبد مناف کی اولاد کو یہ حکم ہے کہ وہ کسی کو کسی وقت بھی بیت اللہ میں نماز سے نہ روکیں' اس میں یہ کہیں موجود نہیں کہ مکروہ اوقات میں نماز جائز ہے' اس لیے وہ حکم اپنی جگہ پر باقی ہے۔ (واللہ اعلم)

167- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُ وَقَفَهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''شفق سے مراد سرخی ہے۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر اس کے موقوف ہونے کو ہی درست قرار دیا ہے۔]

فہم الحدیث جمہور علما اور اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ شفق سے مراد سرخی ہی ہے' لیکن اکیلے امام ابوحنیفہؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق میں سرخی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس مسئلے کا مزید بیان گزشتہ حدیث نمبر 152 کے تحت ملاحظہ فرمایئے۔

168- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

166- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (١٨٩٤) كتاب المناسك: باب الطواف بعد العصر' ترمذی (٨٦٨) نسائی (٢٢٣/٥) ابن ماجة (١٢٥٤) احمد (٨٠/٤) حاكم (٤٤٨/١) ابن حبان (٦٢٦-الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

167- [دارقطنی (٢٦٩/١) ابن خزيمة (٣٤٢) بيهقی (٣٧٣/١) عبد الرزاق (٢١٢٢) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

168- [صحيح: صحيح الجامع الصغير (٤٢٧٩) ابن خزيمة (٣٥٦) حاكم (١٩١/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(٤٥) [تحفة الأحوذی (٧١٤/٣-٧١٥) الروضة الندية (٢١٢/١) سبل السلام (٢٣٨/١)]

(٤٦) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٢٤١/١)]

(٤٧) [التعليق على الروضة الندية (٢١٢/١)]

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْفَجْرُ فَجْرَانِ: فَجْرٌ يُحَرِّمُ الطَّعَامَ وَتَحِلُّ فِيهِ الصَّلَاةُ، وَفَجْرٌ تَحْرُمُ فِيهِ الصَّلَاةُ۔ أَيْ صَلَاةُ الصُّبْحِ۔ وَيَحِلُّ فِيهِ الطَّعَامُ)) رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَاهُ۔

فرمایا ''فجر دو قسم کی ہے۔ ایک فجر وہ ہے جو کھانا حرام کر دیتی ہے اور اس میں نماز جائز ہوتی ہے اور دوسری فجر وہ ہے جس میں نماز حرام ہے اور کھانا حلال ہے۔[اسے ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔]

169- وَلِلْحَاكِمِ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ، وَزَادَ فِي الَّذِي يُحَرِّمُ الطَّعَامَ: ((إِنَّهُ يَذْهَبُ مُسْتَطِيلًا فِي الْأُفُقِ)) وَفِي الْآخَرِ: ((إِنَّهُ كَذَنَبِ السِّرْحَانِ))۔

اور مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ''جو فجر کھانا حرام کرتی ہے وہ اُفق میں پھیل جاتی ہے اور دوسری بھیڑیے کی دُم کی مانند (آسمان میں اونچی چلی جاتی ہے)۔''

لغوی توضیح مُسْتَطِيلًا اسم فاعل کا صیغہ ہے باب اِسْتَطَالَ يَسْتَطِيلُ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''لمبا ہونا' بلند ہونا''۔ ذَنَب دُم کو اور السرحان بھیڑیے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث میں فجر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں؛ پہلی کو صبح کاذب اور دوسری کو صبح صادق کہتے ہیں۔ ان دونوں کی صفت اور احکام الگ الگ ہیں۔ پہلی بھیڑیے کی دُم کی مانند اوپر کو اٹھتی ہے' جبکہ دوسری اُفق یعنی آسمان کے اطراف واکناف میں پھیل جاتی ہے۔ پہلی فجر کے بعد کھانا حلال ہوتا ہے کیونکہ وہ سحری کا وقت ہوتا ہے اور نماز حرام ہوتی ہے کیونکہ ابھی نمازِ فجر کا وقت ہی نہیں ہوا ہوتا اور وقت سے پہلے نماز حرام ہے۔ دوسری فجر کے بعد کھانا حرام ہوتا ہے کیونکہ کھانے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے اور نماز حلال ہوتی ہے کیونکہ نماز کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔

170- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الصَّلَاةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَاهُ وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سب سے افضل عمل اول وقت میں نماز کی ادائیگی ہے۔'' [اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے' دونوں نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔]

فہم الحدیث اس سے مراد ہے بدنی عبادات میں افضل عمل یہ ہے ورنہ بعض دوسری احادیث میں ایمان باللہ کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے' وہاں مراد یہ ہے کہ قلبی عبادات میں افضل عمل ایمان باللہ ہے کیونکہ اس کا تعلق قلب سے ہے' اسی طرح جن روایات میں سب سے افضل عمل صدقہ کو قرار دیا گیا ہے ان سے مراد ہے مالی عبادات میں سب سے افضل عمل صدقہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ یادر ہے کہ نمازِ عشاء اول وقت میں نہیں بلکہ تاخیر سے پڑھنا افضل ہے' اس کا بیان گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

169- [صحيح : صحيح الجامع الصغير (٤٢٧٨) حاكم (١٩١/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

170- [صحيح : صحيح ترمذی' ترمذی (١٧٣) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الوقت الأول من الفضل' حاكم (١٨٨/١) اصله في البخاري (٥٢٧) ومسلم (١٣٩) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

171- وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَوَّلُ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَ أَوْسَطُهُ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ آخِرُهُ عَفْوُ اللّٰهِ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ جِدًّا۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اول وقت (میں نماز کی ادائیگی) رضائے الٰہی کا باعث ہے' درمیانے وقت (میں نماز کی ادائیگی) رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے اور آخری وقت (میں نماز کی ادائیگی) اللہ تعالیٰ سے معافی کا سبب ہے۔" [اسے دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

172- وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ، دُونَ الْأَوْسَطِ، وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا۔

اور ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل حدیث مروی ہے' لیکن اس میں "اوسط" کا لفظ نہیں اور وہ بھی ضعیف ہے۔

173- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَفِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ: ((لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ))۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نماز فجر (کی فرض رکعتوں) کے بعد صرف دو سجدوں (یعنی سنتوں) کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں۔" [اسے احمد' ابوداود' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ] "طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں۔"

174- وَمِثْلُهُ لِلدَّارَقُطْنِيِّ عَنِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

اور اسی کی مثل دارقطنی میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی دو فرض رکعتوں کے بعد صرف فجر کی دو سنتیں ہی ادا کی جا سکتی ہیں (اگر وہ کسی وجہ سے پہلے نہ پڑھی جا سکی ہوں) علاوہ ازیں اور کوئی نماز اس وقت ادا کرنا درست نہیں۔

175- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ بَيْتِي، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: ((شُغِلْتُ عَنْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر ادا کی' پھر میرے حجرے میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ میں نے ان رکعتوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "میں

171- [ضعیف: ضعیف الجامع الصغیر (۲۱۳۰) ضعیف الترغیب (۲۱۸) دارقطنی (۲۱۹/۱) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔]

172- [موضوع: ضعیف ترمذی' ترمذی (۱۷۲) کتاب الصلاۃ: باب ما جاء فی الوقت الأول من الفضل' حاکم (۱۸۹/۱)]

173- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۴۱۹) کتاب الصلاۃ: باب ما جاء لا صلاۃ بعد طلوع الفجر إلا رکعتین' ابن ماجه (۲۳۵) احمد (۱۰۴/۲) دارقطنی (۴۱۹/۱) بیهقی (۴۶۵/۲) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

174- [دارقطنی (۳۹۸/۱) بیهقی (۴۶۵/۲)]

175- [منکر: السلسلة الضعيفة (۹۴۶) نسائی (۲۸۱/۱) احمد (۳۰۶/۶) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ)) فَقُلْتُ : أَفَنَقْضِيهِمَا إِذَا فَاتَتَا ؟ قَالَ : ((لَا)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ـ

ظہر کے بعد دو سنتیں نہیں پڑھ سکا تھا وہ میں نے اب پڑھی ہیں۔" میں نے پھر عرض کیا' اگر یہ رکعتیں ہم سے رہ جائیں تو ہم بھی ان کی قضا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں۔" [اسے احمد نے روایت کیا ہے۔]

176- وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِمَعْنَاهُ ـ

اور ابوداود میں بھی عائشہ ؓ سے اسی معنی کی روایت مروی ہے۔

لغوی توضیح شُغِلْتُ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب شَغَلَ يَشْغَلُ (بروزن کرم) سے' اس کا معنی ہے "مشغول ہونا"۔

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کی ظہر کی سنتیں فوت ہو جانے کا یہ سبب مذکور ہے کہ آپ وفد عبد القیس کے ساتھ مصروف تھے اس لیے آپ کی یہ دو سنتیں رہ گئیں۔ (۴۸) انہیں قضاء کر کے آپ ﷺ نے عصر کے بعد پڑھا اور پھر ہمیشہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے رہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے۔ (۴۹) عصر کے بعد ان رکعتوں کو ہمیشہ ادا کرنے کا سبب ایک اور روایت میں یہ مذکور ہے کہ "آپ ﷺ جب بھی کوئی نماز ادا فرماتے تو اس پر ہیشگی اختیار فرماتے۔" (۵۰) اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی فرض یا نفل نماز رہ جائے تو کیا وہ عصر کے بعد ادا کر سکتا ہے کہ نہیں؟ کیونکہ آپ ﷺ نے خود عصر کے بعد غروب آفتاب تک کسی بھی نماز کی ادائیگی سے منع فرمایا ہے۔ تو اس سلسلے میں یہ یاد رہنا چاہیے کہ مذکورہ بالا حدیث جس میں اُم سلمہ ؓ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے انہیں اس سے منع فرما دیا' ضعیف ہونے کی بنا پر قابل عمل نہیں اور دوسری بات یہ کہ ایک صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عصر کے بعد جب تک سورج بلند اور روشن ہو کوئی بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے الا کہ اس صورت میں (جائز ہے کہ) سورج ابھی بلند ہو۔ (۵۱) حافظ ابن حجرؒ نے بھی یہی رائے اپنائی ہے۔ (۵۲) نیز صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک جماعت سے بھی عصر کے بعد نماز پڑھنا ثابت ہے۔ (۵۳) اس لیے جب تک سورج بلند ہو نفل یا فرض کوئی بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

176- [**ضعیف** : ضعیف ابو داود' ابو داود (۱۲۸۰) كتاب الصلاة : باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة' شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۴۸) [بخاری (۱۲۳۳)]
(۴۹) [بخاری (۵۹۱' ۵۹۲)]
(۵۰) [مسلم (۸۳۵) نسائی (۲۸۱/۱) ابن خزيمة (۱۲۷۸) ابن حبان (۱۵۷۷)]
(۵۱) [**صحيح** : صحیح أبو داود (۱۱۳۵) أبو داود (۱۲۷٤)]
(۵۲) [تلخيص الحبير (۱۸۵/۱) فتح الباری (۲۵۷/۲)]
(۵۳) [المحلى لابن حزم (۲/ ٤٢ـ٤٧) ابن أبي شيبة (۳۵۱/۲) شرح معاني الآثار (۲۱۰/۱)]

باب الأذان — اذان کا بیان

177- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : طَافَ بِي ـ وَأَنَا نَائِمٌ ـ رَجُلٌ ، فَقَالَ : تَقُوْلُ : اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ـ فَذَكَرَ الْأَذَانَ ، بِتَرْبِيعِ التَّكْبِيرِ بِغَيْرِ تَرْجِيعٍ ، وَالْإِقَامَةُ فُرَادَى ، إِلَّا : قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ ـ قَالَ : فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : ((إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ ......)) الْحَدِيْثَ ـ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ ـ

حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس خواب میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا تم اللہ اکبر اللہ اکبر کہو پھر اس نے مکمل اذان بیان کی اس نے بغیر ترجیع کے چار مرتبہ اللہ اکبر کہا لیکن اقامت میں ایک ایک مرتبہ کہا سوائے قد قامت الصلاۃ کے (کیونکہ اسے دو مرتبہ کہا جاتا ہے)۔ جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا (اور سارا خواب سنا دیا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”یقیناً یہ سچا خواب ہے۔“ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

178- وَزَادَ أَحْمَدُ فِيْ آخِرِهِ قِصَّةَ قَوْلِ بِلَالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ أَذَانِ الْفَجْرِ : ((الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ)) ـ

اور احمد نے اس روایت کے آخر میں اذانِ فجر میں بلال رضی اللہ عنہ کے اس قول ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ کے قصہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

179- وَ لِابْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مِنَ السُّنَّةِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْفَجْرِ : حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، قَالَ : الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ)) ـ

اور ابن خزیمہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ مؤذن جب فجر کی اذان میں ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ کہے تو کہے ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“۔

لغوی توضیح لفظ اذان مصدر ہے باب أَذَّنَ يُؤَذِّنُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے ”اطلاع دینا اور خبردار کرنا“ تَرْبِيْع کا معنی ہے ”چار مرتبہ کہنا“ اور تَرْجِيْع سے مراد ہے اذان میں کلمہ شہادتین (یعنی اشهد أن لا إله إلا الله اور أشهد أن محمدا رسول الله) کو پہلے دو مرتبہ ہلکی آواز سے کہنا اور پھر دوبارہ دو مرتبہ اونچی آواز سے کہنا۔

فهم الحديث اذان کی ابتدا ہجرت مدینہ کے بعد ہوئی۔ بعض روایات میں اگرچہ مکہ میں ہی ابتدائے اذان کا ذکر ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ”حق بات یہ ہے کہ ان روایات میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔“(٥٤) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمان (ہجرت کر کے) مدینہ آ گئے تو وہ نماز کے وقت کا اندازہ لگایا کرتے تھے اور

177- [حسن صحيح : صحيح ابو داود ، احمد (٤٣/٤) ابو داود (٤٩٩) ترمذی (١٨٩) دارقطنی (٢٤١/١) ابن خزيمة (٣٧١) ابن حبان (٢٨٧ ـ الموارد) ابن الجارود (١٥٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

178- [احمد (٤٣/٤) ابن ماجه (٧٠٧) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

179- [ابن خزيمة (٣٨٦) دارقطنی (٢٤٣/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٥٤) [فتح الباری (٢٧٩/٢)]

کوئی بھی نماز کے لیے اعلان نہیں کرتا تھا۔ پھر بعض نے عیسائیوں کی طرح ناقوس (یعنی گھڑیال) اور بعض نے یہودیوں کی طرح سینگ کا انتظام کرنے کا کہا' لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ کسی کو نماز کے لیے اعلان کرنے بھیجا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو اعلان کرنے کے لیے بھیجا۔(٥٥) اسی دوران حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا وہ خواب بیان کیا جس میں اذان کا ذکر تھا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھنے کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دے دیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اذان کا سلسلہ جاری رہا۔(٥٦)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان کے جو الفاظ سکھائے گئے تھے وہ یہ ہیں: ﴿ الله أكبر الله أكبر' الله أكبر الله أكبر' أشهد أن لا إله إلا الله' أشهد أن لا إله إلا الله' أشهد أن محمدا رسول الله' أشهد أن محمدا رسول الله' حيي على الصلاة' حيي على الصلاة' حيي على الفلاح' حيي على الفلاح' الله أكبر الله أكبر' لا إله إلا الله ﴾ اور اقامت کے الفاظ یہ تھے ﴿ الله أكبر الله أكبر' أشهد أن لا إله إلا الله' أشهد أن محمدا رسول الله' حيي على الصلاة' حيي على الفلاح' قد قامت الصلاة' قد قامت الصلاة' الله أكبر الله أكبر' لا إله إلا الله ﴾ (٥٧)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے الفاظ دُہرے اور اقامت کے الفاظ اکہرے کہنے چاہییں' البتہ قد قامت الصلاة کے الفاظ دوہرے ہی کہے جائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی آئندہ حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ "حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت میں قد قامت الصلاة کے علاوہ باقی تمام کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے کا حکم دیا گیا۔"(٥٨) جمہور علماء امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اقامت کے الفاظ بھی دو دو مرتبہ کہے جائیں گے' ان کی دلیل یہ روایت ہے "اذان اور اقامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات دوہرے ہوا کرتے تھے۔" لیکن یہ روایت ضعیف و ناقابل حجت ہے۔(٥٩) امام ابن حزمؒ کا کہنا ہے کہ دوہری اقامت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی (مذکورہ بالا) حدیث سے منسوخ ہو چکی ہے۔(٦٠) علاوہ ازیں امام شوکانیؒ(٦١)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(٦٢)، امام صنعانیؒ(٦٣) اور نواب صدیق حسن خانؒ(٦٤) نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ دونوں طرح ہی جائز ہے۔

❑ اذان کی فضیلت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "روزِ قیامت اذان دینے والوں کی گردنیں لوگوں میں سب

---

(٥٥) [بخاری (٦٠٤) مسلم (٣٧٧)]

(٥٦) [مزید دیکھیے: فتح الباري (٢٧٩/٢) تحفة الأحوذي (٥٨٩/١) نيل الأوطار (٤٩٢/١) الروضة الندية (٢١٥/١)]

(٥٧) [صحيح : صحيح أبو داود (٤٦٩) أبو داود (٤٩٩) ابن ماجة (٧٠٦) أحمد (٤٢/٤) بيهقي (٣٩٠/١) دارمي (٢٦٨/١) دارقطني (٢٤١/١) عبدالرزاق (١٧٨٧) ابن خزيمة (٣٧١) بيهقي (٢٤١/١)]

(٥٨) [بخاری (٦٠٥) مسلم (٣٧٨) أبو داود (٥٠٨) ترمذي (١٩٣) ابن ماجة (٧٣٠) أحمد (١٠٣/٣) دارمي (٢٧٠/١)]

(٥٩) [ضعيف : ضعيف ترمذي (٢٩) ابن خزيمة (٣٨٠)]

(٦٠) [تفصیل کے لیے دیکھیے: شرح المهذب (١٠٣/٣) فتح الوهاب للشيخ زكريا (٣٤/١) بدائع الصنائع (١٤٨/١) المبسوط (١٢٩/١) الخرشي (٢٢٩٣١) بداية المجتهد (٨٢/١) المحلى بالآثار (١٨٥/٢-١٩٤)]

(٦١) [نيل الأوطار (٥٠٧/١)]

(٦٢) [تحفة الأحوذي (٦٠٩/١)]

(٦٣) [سبل السلام (٢٥٤/١)]

(٦٤) [الروضة الندية (٢٢٢/١)]

سے زیادہ لمبی ہوں گی۔"(٦٥) اور ایک دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ "مؤذن کی آواز پہنچنے کی حد تک جو بھی جن، انسان اور دوسری اشیاء اسے (یعنی اذان کو) سنتی ہیں وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دیں گی۔" (٦٦)

180- وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ ' فَذَكَرَ فِيهِ التَّرْجِيعَ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔ وَلٰكِنْ ذَكَرَ التَّكْبِيرَ فِي أَوَّلِهِ مَرَّتَيْنِ فَقَطْ ' وَرَوَاهُ الْخَمْسَةُ فَذَكَرُوهُ مُرَبَّعًا ۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اذان کی تعلیم دی اور اس میں انہوں نے ترجیع کا ذکر کیا ہے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے لیکن اس میں اذان کی ابتداء میں صرف دو مرتبہ ہی اللہ اکبر کہنے کا ذکر ہے اور اسے پانچوں نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے ابتداء میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے کا ذکر کیا ہے۔]

لغوی توضیح عَلَّمَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب عَلَّمَ يُعَلِّمُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "سکھانا، تعلیم دینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجیع والی یعنی دوہری اذان مسنون ہے۔ ترجیع والی اذان سے مراد ہے اذان میں کلمہ شہادتین پہلے دو مرتبہ ہلکی آواز سے اور پھر دوبارہ دو مرتبہ بلند آواز سے کہنا۔ جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ نے اس اذان کو مستحب کہا ہے اور ان کی دلیل مذکورہ بالا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ یہ اذان مستحب نہیں۔ ان کا مستدل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا ذکر نہیں اس لیے یہ مسنون نہیں اور دوسرے یہ کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو صرف تعلیم دینے کی غرض سے آپ ﷺ نے دوہری اذان سکھائی تھی۔ (٦٧)

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگرچہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ترجیع کا ذکر نہیں لیکن ان کی روایت پہلی ہجری اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت 8 ہجری کی ہے اس لیے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ترجیع کا اضافہ ہے اسے قبول کیا جائے گا اور دوسری بات یہ کہ انہیں صرف تعلیم دینا مقصود تھا' تو اس سلسلے میں یہ یاد رہنا چاہیے کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ تاحیات مکہ میں مؤذن مقرر رہے' ان کی وفات 59 ہجری میں ہوئی۔ اتنا عرصہ وہ ترجیع والی اذان دیتے رہے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت یہ اذان سنتی رہی' اگر یہ اذان مسنون نہ ہوتی تو صحابہ کرام ضرور انہیں اس سے روک دیتے جبکہ ایسا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ (٦٨)

لہٰذا ہمارے علم کے مطابق راجح مؤقف یہی ہے کہ ترجیع والی اذان مسنون و مستحب ہے۔ امام ابن قیمؒ (٦٩)، امام شوکانیؒ (٧٠)، امام نوویؒ (٧١) اور امام صنعانیؒ (٧٢) نے بھی یہی مؤقف اپنایا ہے۔

180- [مسلم (٣٧٩) كتاب الصلاة : باب صفة الأذان ' ابو داود (٥٠٢) ترمذی (١٩٢) نسائی (٤/٢) ابن ماجه (٧٠٩) احمد (٤٠١/٦) ابن الجارود (١٦٢)]

(٦٥) [مسلم (٣٨٧) ابن ماجه (٧٢٥)]

(٦٦) [بخاری (٦٠٩' ٣٢٩٦) أحمد (٣٥/٣) نسائی (١٢/٢) بیهقی (٣٩٧/١) مؤطا (٦٩/١) عبدالرزاق (١٨٦٥) ابن خزيمة (٣٨٩)]

(٦٧) [شرح المهذب (١٠٤/٣) الهداية (٤١/١) سبل السلام (١٦٦/١ ـ ١٦٨) المبسوط (١٢٨/١)]

(٦٨) [تحفة الأحوذی (٥٩٧/١ـ٥٩٨)]

(٦٩) [زاد المعاد (٣٨٩/٢)]

(٧٠) [السيل الجرار (٢٠٣/١)]

(٧١) [شرح مسلم (٣١٧/٢)]

(٧٢) [سبل السلام (٢٥١/١)]

181- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ شَفْعًا وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ)) يَعْنِي : إِلَّا قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَلَمْ يَذْكُرْ مُسْلِمٌ الْاسْتِثْنَاءَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور قد قامت الصلاۃ کے علاوہ اقامت کے مکمل کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے کا حکم دیا گیا۔ [بخاری، مسلم۔ اور مسلم نے (قد قامت الصلاۃ کے الفاظ کا) استثناء ذکر نہیں کیا۔]

182- وَلِلنَّسَائِيِّ : ((أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِلَالًا)) ۔

اور نسائی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

لغوی توضیح يَشْفَعَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب شَفَعَ يَشْفَعُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے ''جوڑا بنانا'' یہاں مراد ہے دو دو مرتبہ کہنا''۔ يُوتِرَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَوْتَرَ يُوتِرُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے'' طاق بنانا' یہاں مراد ہے ایک ایک مرتبہ کہنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے چاہئیں۔ اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اذان چونکہ غیر حاضر لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے کہی جاتی ہے اس لیے اس میں بلند آواز اور تکرار کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن اس کے برخلاف اقامت حاضرین کو مطلع کرنے کے لیے کہی جاتی ہے اس لیے اس میں تکرار کی ضرورت نہیں اور قد قامت الصلاۃ ''تحقیق نماز قائم ہوگئی'' کے الفاظ دو مرتبہ اس لیے مسنون ہیں کیونکہ یہی تو اقامت کا مقصود ہیں۔

183- وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((رَأَيْتُ بِلَالًا يُؤَذِّنُ وَأَتَتَبَّعُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا ' وَإِصْبَعَاهُ فِي أُذُنَيْهِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ' وَلِابْنِ مَاجَهْ : ((وَجَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ)) وَلِأَبِي دَاوُدَ : ((لَوَى عُنُقَهُ ' لَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ' يَمِينًا وَشِمَالًا ' وَلَمْ يَسْتَدِرْ)) وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہتے ہوئے سنا' وہ اپنے چہرے کو ادھر ادھر پھیرتے تھے اور ان کی دونوں انگلیاں (انگشت ہائے شہادت) ان کے کانوں میں تھیں۔ [اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ] اور بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں۔ [اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ] بلال رضی اللہ عنہ جب حي علی الصلاۃ پر پہنچے تو انہوں نے دائیں اور بائیں اپنی گردن کو موڑا' لیکن وہ گھومے نہیں۔ [اس کی اصل صحیحین میں ہے۔]

لغوی توضیح فَا کی جمع أَفْوَاه آتی ہے' اس کا معنی ''منہ'' ہے۔ لَوَى فعل ماضی کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے'' موڑنا''۔ لَمْ يَسْتَدِرْ فعل نفی کا صیغہ ہے باب استفعال سے' اس کا معنی ہے ''گھومنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کہنے والے کے لیے اپنی دونوں انگشت ہائے شہادت کانوں

181- [بخاری (٦٠٥) كتاب الأذان : باب الأذان مثنى مثنى ' مسلم (٣٧٨) ابو داود (٥٠٨) ترمذی (١٩٣) ابن ماجه (٧٣٠) احمد (١٠٣/٣) ابن الجارود (١٥٩) حاكم (١٩٨/١)]

182- [نسائی (٣/٢)]

183- [بخاری (٦٣٤) كتاب الأذان : باب هل يتتبع المؤذن فاه ههنا ههنا ' مسلم (٥٠٣) ابو داود (٥٢٠) ترمذی (١٩٧) نسائی (٨٧/١) ابن ماجه (٧١١) احمد (٣٠٨/٤)]

میں ڈالنا مسنون ہے' تا کہ آواز مزید بلند ہو سکے اور اس لیے کہ دور سے دیکھنے والا (یا بہرہ آدمی) بھی سمجھ جائے کہ اذان دی جا رہی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤذن جب حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے کلمات پر پہنچے تو اسے گردن کو دائیں اور بائیں موڑنا چاہیے لیکن اپنا سینہ نہیں گھمانا چاہیے' اسے قبلہ رخ ہی رکھنا چاہیے۔ علامہ ناصر الدین البانیؒ نے کہا ہے کہ سینہ گھمانے کا طریقہ ثابت نہیں۔(۷۳)

184- وَعَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْجَبَهُ صَوْتُهُ ' فَعَلَّمَهُ الْأَذَانَ)) رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ـ

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کی آواز اچھی لگی تو آپ ﷺ نے انہیں اذان کی تعلیم دی۔[اسے ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا مؤذن مقرر کرنا چاہیے جس کی آواز اچھی ہو اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو اذان کہنے کے لائق ہو اسے اذان کی تعلیم دینی چاہیے۔

185- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِيدَيْنِ ' غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ ' بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ ایک دو مرتبہ نہیں (بلکہ) متعدد مرتبہ اذان اور اقامت کے بغیر نماز عیدین پڑھی۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

186- وَنَحْوُهُ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ

بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں کے لیے نہ تو اذان مسنون ہے اور نہ ہی اقامت۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ اذان اور اقامت پانچ فرض نمازوں کے علاوہ اور نمازوں (مثلاً نوافل' نماز جنازہ' نماز استسقاء اور نماز کسوف وغیرہ) کے لیے مشروع نہیں۔ امام نوویؒ نے جمہور سلف و خلف کا یہی مؤقف نقل فرمایا ہے۔(۷٤)

187- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ فِي الْحَدِيثِ الطَّوِيلِ فِي نَوْمِهِمْ عَنِ الصَّلَاةِ ـ ((ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ' فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ ' كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے (ایک طویل حدیث' جس میں سفری تھکاوٹ کے باعث نماز کے وقت سوئے رہ جانے کا ذکر ہے) مروی ہے کہ پھر (بیدار ہونے کے بعد) بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو نبی ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھی جیسے ہر روز پڑھتے تھے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

184- [ابن خزیمة (۳۸۵) دارمی (۱۱۹٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

185- [مسلم (۸۸۷) کتاب صلاة العیدین: باب' ابو داود (۱۱٤۸) ترمذی (۵۳۲) احمد (۹۱/۵)]

186- [بخاری (۹۵۹) کتاب الجمعة: باب المشی والرکوب إلی العید' مسلم (۸۸٦) بزار فی کشف الأستار (٦۵۷) مجمع الزوائد (۲۰٦/۲)]

187- [مسلم (٦۸۱) کتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها' ابو داود (٤۳۷)]

(۷۳) [تمام المنة (ص/۱۵۰)]

(۷٤) [کما فی توضیح الأحکام (۵۲۲/۱)]

188- وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ))۔

اور مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مزدلفہ آئے اور وہاں مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کی۔

189- وَلَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ)) وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ : ((لِكُلِّ صَلَاةٍ)) وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : ((وَلَمْ يُنَادِ فِي وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا))۔

اور مسلم میں ہی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مغرب اور عشاء ایک اقامت کے ساتھ جمع کر کے پڑھی۔ ابوداود نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ہر نماز کے لیے (الگ) اقامت کہی اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں میں سے کسی بھی نماز کے لیے اذان نہیں کہی۔

فهم الحديث پہلی روایت کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ خیبر سے واپس آ رہے تھے کہ رات کو کسی جگہ پڑاؤ کیا۔ آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ بیدار رہیں اور آپ ﷺ کو صبح نماز کے وقت بیدار کر دیں۔ آپ ﷺ سو گئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو بھی نیند آ گئی' پھر طلوع آفتاب کے بعد آنکھ کھلی۔ آپ ﷺ نے اس علاقے سے کوچ کا حکم دیا' چنانچہ دوسرے علاقے میں جا کر پڑاؤ ڈالا گیا اور وہاں اذان کے بعد معمول کے مطابق نماز ادا کی گئی۔ اس حدیث میں یہ ثبوت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے وقت سویا رہ جائے تو بیدار ہونے کے بعد اسے معمول کے مطابق نماز ادا کر لینی چاہیے اور اگر باجماعت نماز ادا کرنے کا ارادہ ہو تو اذان بھی کہہ لینی چاہیے۔ دراصل جو شخص کسی وجہ سے نماز کے وقت سویا رہ جائے اس کا نماز کا وقت وہی ہوتا ہے جب وہ بیدار ہو۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنا بھول جائے یا سویا رہ جائے تو جب اسے یاد آئے نماز پڑھ لے۔'' (۷۵)

دوسری دونوں روایات میں نمازیں جمع کرتے وقت اذان اور اقامت کہنے کا ذکر ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو نمازیں جمع کرتے وقت ایک اذان اور ہر نماز کے لیے الگ اقامت کہنی چاہیے۔ جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے علاوہ صرف ہر نماز کے لیے اقامت کہنا ہی کافی ہے۔ ان دونوں روایات کے بظاہر متعارض ہونے کی بنا پر اس مسئلے میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے۔ احناف کا کہنا ہے کہ دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا کی جائیں گی۔ امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے الگ اذان اور الگ اقامت کہی جائے گی اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا مؤقف یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان اور دو اقامتیں کہی جائیں گی۔ دراصل یہ اختلاف ایک ہی قصہ کے متعلق متعدد روایات کی بنا پر واقع ہوا ہے۔ محققین نے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح دے کر اس اضطراب کو ختم کیا ہے۔ نیز جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اذان کا اثبات ہے' جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کی نفی' تو اصول میں بھی یہ بات ثابت ہے کہ اثبات کو نفی پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ امام ابن قیمؒ (۷۶) اور امام شوکانیؒ (۷۷) نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ اس طرح قابل عمل طریقہ یہ ہوا کہ دو نمازوں کو جمع کرتے وقت ایک اذان اور دو اقامتیں کہی جائیں گی۔ (واللہ اعلم)

188- [مسلم (۱۲۱۸) كتاب الحج : باب حجة النبي ' ابو داود (۱۹۰۵) ابن ماجه (۳۰۷۴) احمد (۳۲۰/۳)]

189- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (۱۹۲۶-۱۹۲۸) مزید دیکھئے: مسلم (۱۲۸۸) نسائی (۲۶۰/۵)]

(۷۵) [مسلم (۶۸۱) كتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب قضاء الصلاة الفائتة.....' ابو داود (۴۳۸) نسائی (۲۹۴/۱) ترمذی (۱۷۷) ابن ماجة (۶۹۸) أحمد (۲۹۸/۵) ابن خزيمة (۹۵/۲) ابن الجارود (۱۵۳) دارقطنی (۳۸۶/۱)]

(۷۶) [كما في توضيح الأحكام (۵۲۵/۱)]

(۷۷) [السيل الجرار (۱۹۵/۱)]

190- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)) وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى، لَا يُنَادِي حَتّٰى يُقَالَ لَهُ: أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ ـ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي آخِرِهِ إِدْرَاجٌ ـ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلال (رضی اللہ عنہ) رات کے وقت اذان دیتا ہے، تم اس وقت تک کھاتے پیتے رہا کرو جب تک ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ اذان نہ دے دے۔ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا آدمی تھے، وہ اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک انہیں یہ نہ کہہ دیا جاتا "صبح ہو گئی، صبح ہو گئی"۔ [بخاری، مسلم۔ اس کے آخر میں ادراج ہے (یعنی ابن اُم مکتوم نابینا آدمی تھے...... آخر تک، راوی کا قول ہے)۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد کے لیے دو مؤذن مقرر کیے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ طلوع فجر سے پہلے بھی اذان دی جا سکتی ہے، لیکن یہ اذان کسی نماز کے لیے نہیں بلکہ محض لوگوں کو بیدار کرنے اور نماز کی تیاری کرنے کے لیے دی جائے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابینا آدمی بھی مؤذن بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ اسے کوئی وقت کی اطلاع دینے والا موجود ہو۔

191- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ بِلَالًا أَذَّنَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَرْجِعَ فَيُنَادِيَ: ((أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ نَامَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَضَعَّفَهُ ـ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دن) بلال رضی اللہ عنہ نے فجر سے پہلے اذان دے دی تو نبی ﷺ نے انہیں دوبارہ اذان دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے ان الفاظ میں اعلان کیا "خبردار بندہ سو گیا تھا۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ حدیث بظاہر گزشتہ حدیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلوع فجر سے پہلے اذان درست نہیں، جبکہ گزشتہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کی صحت میں ہی اختلاف ہے، جس بنا پر یہ روایت گزشتہ صحیحین کی روایت کے مقابلے کی نہیں اس لیے اُسے ترجیح حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسے صحیح و قابل حجت تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر یہ اُس موقع پر محمول ہوگی جب ابتدائے اسلام میں صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی اذان دیتے تھے۔ کیونکہ بعد میں ان کے ساتھ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ بھی اذان دینے لگے تھے اور صورت یہ تھی کہ بلال رضی اللہ عنہ طلوع فجر سے پہلے اور ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ طلوع فجر کے بعد اذان دیتے تھے۔ جمہور علماء، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے اور فجر سے پہلے اذان کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔(۷۸) لیکن پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔ علامہ ناصر الدین البانیؒ فرماتے ہیں کہ نماز فجر سے پہلے اذان دینا سنت ہے، جسے چھوڑ دیا گیا ہے، وہ شخص یقیناً مبارک کا مستحق ہے جو اسے زندہ کرے۔(۷۹)

190- [بخاری (۶۲۲-۶۲۳) کتاب الأذان: باب الأذان قبل الفجر، مسلم (۱۰۹۲) ترمذی (۲۰۳) نسائی (۱۰/۲) احمد (۱۲۳/۲) ابن الجارود (۱۶۳) ابن خزیمة (۴۰۱)]

191- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۵۳۲) کتاب الصلاة: باب فی الأذان قبل دخول الوقت، ترمذی (بعد الحدیث / ۲۰۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف شاذ کہا ہے۔]

(۷۸) [الأم للشافعی (۱۷۰/۱) شرح المهذب (۹۸/۳) بدائع الصنائع (۱۵۴/۱) المبسوط (۱۳۴/۱) الحجة علی أهل المدینة (۷۱/۱) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۴۲۰/۱)]

(۷۹) [تمام المنة (ص/۱۴۸)]

192- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جیسے مؤذن کہتا ہے۔''

193- وَلِلْبُخَارِيِّ عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَهُ۔

اور بخاری میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

194- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي فَضْلِ الْقَوْلِ كَمَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ كَلِمَةً كَلِمَةً سِوَى الْحَيْعَلَتَيْنِ ' فَيَقُولُ : ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ))

اور مسلم میں عمر رضی اللہ عنہ سے مؤذن کے قول کی مانند ہر کلمہ کہنے کی فضیلت کے بارے میں ہے سوائے حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے کہ (ان کلمات کے جواب میں) لاحول ولا قوۃ إلا باللہ کہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن کی اذان سننے والے پر لازم ہے کہ اس کا جواب دے اور اس کا جواب دینے کا طریقہ یہی ہے کہ جو کلمات مؤذن کہتا جائے وہی سننے والا بھی کہتا جائے الا کہ جب مؤذن حي علی الصلاۃ اور حي علی الفلاح کہے تو اس کے جواب میں یہ الفاظ نہیں بلکہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے۔ امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہر اذان سننے والے کے لیے عام ہے خواہ وہ باوضوء ہو یا بے وضوء ' جنبی ہو یا حائضہ ' البتہ دورانِ ہم بستری یا بول و براز کرتے ہوئے جواب نہیں دینا چاہیے کیونکہ اِس حالت میں ذکر کی کراہت ہے۔ (۸۰) اس کے شرعی حکم میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم نے کہا ہے کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے ' جبکہ بعض حنفیہ اور ظاہریہ نے اسے واجب کہا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کا قول ہی راجح ہے۔ (۸۱)

- اذان کا جواب دینے کی فضیلت ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اذان کا جواب دے حتی کہ 'اللہ اکبر' سے 'لا الٰہ الا اللہ' تک دل سے کہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (۸۲)
- یہاں ایک اور مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ کیا ایک ہی مؤذن کا جواب دیا جائے یا جتنے بھی مؤذنوں کی اذان سنائی دے؟ تو اس سلسلے میں ہمیں یہ سمجھ آئی ہے کہ صرف اسی کا جواب دینا چاہیے جس کی آواز پہلے سنائی دے' ہر ایک کا جواب دینا ضروری نہیں۔ (واللہ اعلم)
- دورانِ اذان رسول اللہ ﷺ کا نام سن کر انگوٹھوں کے ساتھ آنکھیں چومنے کے متعلق یاد رہے کہ جس روایت میں مذکور ہے کہ جس شخص نے مؤذن کے یہ کلمات "أشهد أن محمدا رسول الله" سن کر کہا "مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبدالله" پھر اپنے انگوٹھوں کا بوسہ لے کر انہیں اپنی آنکھوں پر لگایا وہ شخص کبھی آنکھ کی تکلیف میں مبتلا نہیں ہوگا۔ وہ روایت

192- [بخاری (۶۱۱) كتاب الأذان : باب ما يقول إذا سمع المنادى ' مسلم (۳۸۳) ابو داود (۵۲۲) ترمذی (۲۰۸) نسائی (۲۳/۲) ابن ماجه (۷۲۰) احمد (۹۶/۳) مالك (۷۶/۱)]

193- [بخاری (۶۱۳) كتاب الأذان : باب ما يقول إذا سمع المنادى ' نسائی (۲۵/۲)]

194- [مسلم (۳۸۵) كتاب الصلاة : باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ' ابو داود (۵۲۷)]

(۸۰) [سبل السلام (۳۶۴/۱)] (۸۱) [توضيح الأحكام (۵۳۳/۱)]

(۸۲) [مسلم (۳۸۵) كتاب الصلاة : باب استحباب القول مثل قول المؤذن ......' أبو داود (۵۲۷) أبو عوانة (۳۳۹/۱) شرح معانی الآثار (۸٦/۱) بيهقی (۴۰۹/۱)]

ضعیف ہے۔(۸۳) امام سخاویؒ نے کہا ہے کہ ایسی کوئی بھی روایت مرفوع ثابت نہیں۔(۸۴) اس لیے اس عمل سے بچنا چاہیے۔

❏ اذان کی طرح اقامت کا جواب بھی مشروع ہے۔اس کی دلیل یہی روایت ہے' کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم نداء سنو تو اس کا جواب دو اور لفظ نداء میں اذان اور اقامت دونوں شامل ہیں۔اس لیے اقامت کے جواب میں بھی وہی الفاظ دُہرانے چاہییں جو مؤذن اقامت کے لیے کہتا ہے اور جس روایت میں ہے کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے جواب میں أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا کہنا چاہیے' وہ ضعیف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں۔(۸۵)

195- وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' اجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي ' فَقَالَ : ((أَنْتَ إِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''تو ان کا امام ہے (یعنی تمہاری تقرری ہوئی)' ان میں کمزور لوگوں کا خیال رکھنا اور مؤذن اسے مقرر کرنا جو اذان کہنے کی اجرت نہ لے۔'' [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے' ترمذی نے اسے حسن اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اقْتَدِ فعل امر کا صیغہ ہے باب افتعال سے' اس کا معنی ہے ''اقتداء و پیروی کرنا'' لیکن یہاں مراد ہے ''لحاظ رکھنا' خیال رکھنا''۔ اتَّخِذْ بھی باب افتعال سے فعل امر کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے ''پکڑنا' مقرر کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کسی نیک کام میں طلب امامت کی خواہش کا اظہار کر سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو چاہیے کہ وہ مقتدیوں کے حال کا خیال رکھے اور نماز اتنی طویل نہ کرائے کہ بوڑھے' بیمار اور کمزور انسان اُکتا کر باجماعت نماز ہی ترک کر دیں۔یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤذن ایسا مقرر کرنا چاہیے جو اذان کی اجرت نہ لے۔ لیکن حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی تو میں نے اذان کہی' پھر جب میں نے اذان مکمل کی تو آپ ﷺ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی کی کوئی چیز تھی۔''(۸۶) بظاہر یہ حدیث مذکورہ بالا حدیث کے متعارض معلوم ہوتی ہے۔ان احادیث میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ اذان پر اجرت اگر مشروط ہو تو حرام ہے اور اگر بغیر مطالبہ کے مل جائے تو جائز ہے۔امام شوکانیؒ (۸۷) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۸۸) نے اسی تطبیق کو پسند فرمایا ہے۔علاوہ ازیں امام

195- [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (۱۴۸۰) المشكاة (۶۶۸) احمد (۲۱۷/۴) ابو داود (۵۳۱) ترمذی (۲۰۹) نسائی (۲۳/۲) ابن ماجه (۷۱۴) حاكم (۱۹۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۸۳) [السلسلة الضعيفة (۷۳)]

(۸۴) [المقاصد الحسنة (ص/۳۸۴) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (۳۰۰) كشف الخفاء (۲۰۶/۲)]

(۸۵) [ضعیف: ضعیف أبو داود (۱۰۴) إرواء الغليل (۲۴۱) أبو داود (۵۲۸) كتاب الصلاة: باب ما يقول إذا سمع الإقامة' بیهقی (۴۱۱/۱) الحلية لأبي نعيم (۸۱/۷)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے ضعیف کہا ہے [تلخيص الحبير (۳۷۸/۱)] اس کی سند میں شہر بن حوشب راوی متکلم فیہ ہے۔[میزان الاعتدال (۲۸۳/۲) تهذيب التهذيب (۳۶۹/۴)] اس کی سند میں ایک اور راوی (رجل من اهل الشام) مجہول ہے اور محمد بن ثابت العبدی بھی ضعیف ہے۔[میزان الاعتدال (۴۹۵/۳) تهذيب التهذيب (۸۵/۹)]

(۸۶) [حسن: صحیح نسائی (۶۱۳) نسائی (۶۳۳) أحمد (۴۰۹/۳) ابن حبان (۱۶۸۰)]

(۸۷) [نيل الأوطار (۵۲۸/۱)]

(۸۸) [تحفة الأحوذی (۶۴۵/۱)]

مالکؒ نے کہا ہے کہ اذان کی اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اذان پر شرط لگا کر اجرت وصول کرنا حرام ہے۔(۸۹) امام خطابیؒ نے اجرت لینے کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۹۰) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح موقف یہ ہے کہ مؤذن ایسا ہی مقرر کرنا چاہیے جو اذان کی اجرت نہ لے لیکن اگر مؤذن کا اذان کے علاوہ کوئی اور ذریعہ معاش ہی نہ ہو تو اسے اجرت دینے میں کوئی حرج نہیں' البتہ اس میں کراہت کا پہلو ضرور موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

196- وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ : ((إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ)) ...... الْحَدِيثَ ' أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ ـ

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا "جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے کوئی شخص تمہیں (وقت سے) مطلع کرنے کے لیے اذان دے۔" [اسے ساتوں نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان دینا واجب ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے اذان کہنے کا حکم دیا ہے۔ امام احمدؒ اور امام مالکؒ نے اذان کو واجب' جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے اسے مسنون و مستحب قرار دیا ہے اور بعض اہل علم اسے فرض کفایہ یا سنت مؤکدہ بھی کہتے ہیں۔(۹۱) لیکن راجح وجوب ہی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ(۹۲)، امام شوکانیؒ(۹۳)، نواب صدیق حسن خانؒ(۹۴) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ(۹۵) نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

197- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ : ((إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَإِذَا أَقَمْتَ فَاحْدُرْ ' وَاجْعَلْ بَيْنَ أَذَانِكَ وَإِقَامَتِكَ مِقْدَارَ مَا يَفْرُغُ الْآكِلُ مِنْ أَكْلِهِ)) ...... الْحَدِيثَ ' رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ ـ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا "جب اذان دو تو ذرا ٹھہر ٹھہر کر دو اور جب اقامت کہو تو ذرا تیز تیز کہو اور اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ کرو کہ جتنے میں کوئی کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جائے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔]

لغوی توضیح تَرَسَّلْ فعل امر کا صیغہ ہے باب تَرَسَّلَ يَتَرَسَّلُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے "ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا"۔ اِحْدُرْ بھی فعل امر ہے باب حَدَرَ يَحْدُرُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "جلدی جلدی پڑھنا"۔

فہم الحدیث یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن اہل علم نے اس میں موجود اذان اور اقامت کے بیان شدہ طریقے کو

196- [بخاری (۶۲۸) کتاب الأذان : باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد' مسلم (۶۷۴) ابو داود (۵۸۹) ترمذی (۲۰۵) نسائی (۲/۸-۹) ابن ماجه (۹۷۹) حاکم (۱/۱۹۹)]

197- [ضعیف جدا : ضعیف ترمذی' ترمذی (۱۹۵) کتاب الصلاة : باب ما جاء فی الترسل فی الأذان ' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۸۹) [نیل الأوطار (۱/۵۲۷) تحفة الأحوذی (۱/٦٤٥) الأم للشافعی (۲/٦٤)]

(۹۰) [معالم السنن (۱/۱٥٦)]

(۹۱) [بدایة المجتهد (۱/۱۰۳) المهذب (۱/٥٥) اللباب (۱/٦۲) بدائع الصنائع (۱/۱٤٦) الدر المختار (۱/۳٥٦) فتح القدیر (۱/۱٦۷)]

(۹۲) [مجموع الفتاوی (۱/٦۷-٦۸)]

(۹۳) [السیل الجرار (۱/۱۹۷)]

(۹٤) [الروضة الندیة (۱/۲۱٥)]

(۹٥) [تمام المنة (ص/۱٤٤)]

ہی مستحب قرار دیا ہے۔(۹۶)

198- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((لَا يُؤَذِّنُ إِلَّا مُتَوَضِّيءٌ)) وَضَعَّفَهُ أَيْضًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "صرف باوضوء شخص ہی اذان دے۔" [ترمذی نے اسے بھی ضعیف کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت اور اس معنی کی کوئی بھی روایت ضعف سے خالی نہیں' اس لیے بغیر وضوء کے بھی اذان دی جا سکتی ہے۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اذان بغیر وضوء اور بغیر قبلہ رُخ ہوئے بھی کفایت کر جاتی ہے لیکن افضل یہ ہے کہ انسان وضوء کر کے اور قبلہ رخ ہو کر ہی اذان دے۔(۹۷) اس افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ طہارت کی حالت میں ہی اللہ کا ذکر کرنا پسند فرماتے تھے' جیسا کہ مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔(۹۸) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی بغیر وضوء کے اذان دے گا تو گناہگار ہو گا یا اس نے کسی حرام کام کا ارتکاب کیا ہے' بلکہ اس کی اذان درست و قبول ہو گی۔

199- وَلَهُ عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ)) وَضَعَّفَهُ أَيْضًا۔

اور ترمذی میں زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو اذان دے وہی اقامت کہے۔" [ترمذی نے اسے بھی ضعیف کہا ہے۔]

200- وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : أَنَا رَأَيْتُهُ۔ يَعْنِي الْأَذَانَ۔ وَأَنَا كُنْتُ أُرِيدُهُ' قَالَ : ((فَأَقِمْ أَنْتَ)) وَفِيهِ ضُعْفٌ أَيْضًا۔

اور ابوداود میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اذان کو خواب میں دیکھا تھا اور میری خواہش تھی (کہ میں مؤذن مقرر کیا جاؤں' لیکن) آپ ﷺ نے فرمایا "تم اقامت کہا کرو۔" [اس میں بھی ضعف ہے۔]

فهم الحديث مذکورہ بالا پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت کہے' لیکن وہ ضعیف ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن کے علاوہ کوئی اور بھی اقامت کہہ سکتا ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ اس لیے چونکہ اصل اباحت

198- [ضعیف : ضعیف ترمذی' ترمذی (۲۰۰۔۲۰۱) کتاب الصلاۃ : باب ما جاء فی کراھیة الأذان بغیر وضوء' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

199- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۵۱٤) کتاب الصلاۃ : باب فی الرجل یؤذن ویقیم آخر' ترمذی (۱۹۹) ابن ماجه (۷۱۷) احمد (۱٦۹/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو شواہد کی بنا پر حسن' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

200- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۵۱۲۔۵۱۳) کتاب الصلاۃ : باب فی الرجل یؤذن ویقیم آخر' احمد (٤۲/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

---

(۹٦) [دیکھئے: توضیح الأحکام (۵۳۹/۱) سبل السلام (۳۷۱/۱)]

(۹۷) [المحلی (۹۰/۳)]

(۹۸) [صحیح : الصحیحة (۸۳٤) أبو داود (۱۷) کتاب الطهارة : باب فی الرجل یرد السلام وهو یبول؟' نسائی (۳۸) ابن ماجة (۳۵۰) دارمی (۲۸۷/۲)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے [الأذکار (ص/۷۷)] حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے متعلق رقمطراز ہیں کہ "امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔"]

وجواز ہے لہٰذا مؤذن کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اذان دے سکتا ہے۔ حافظ حازمیؒ نے اس پر اہل علم کا اتفاق نقل کیا ہے۔(۹۹)

201- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْمُؤَذِّنُ أَمْلَكُ بِالْأَذَانِ ، وَالْإِمَامُ أَمْلَكُ بِالْإِقَامَةِ)) رَوَاهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَضَعَّفَهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مؤذن اذان کا زیادہ حقدار ہے اور امام تکبیر (کہلانے) کا زیادہ مستحق ہے۔'' [اسے ابن عدی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔]

202- وَلِلْبَيْهَقِيِّ نَحْوَهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهِ۔

اور بیہقی میں بھی اسی کی مثل علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

203- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَا يُرَدُّ فعل نفی کا صیغہ ہے باب رَدَّ يَرُدُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''رد کرنا' لوٹانا وغیرہ''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان اور اقامت کا درمیانی وقفہ قبولیت دعا کا وقت ہے' اس لیے اس وقت دعا کرنا بہتر ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ شاید اس وقت میں قبولیت دعا کا سبب یہ ہے کہ فرمانِ نبوی کے مطابق نماز کا منتظر نماز میں ہی ہوتا ہے(۱۰۰) اور نماز میں دعا قبول کی جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جماعت سے پہلے آنا مستحب ہے تاکہ اس وقت کو حاصل کر کے اس میں دعا کی جستجو کی جا سکے۔

204- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اذان سن کر یہ دعا کی اس کے لیے روزِ قیامت میری شفاعت حلال ہوگی۔'' اے اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز

201- [ضعیف: ضعیف الجامع الصغیر (۵۹۰۱) الکامل لابن عدی (۱۲/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

202- [بیہقی (۱۹/۲)]

203- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۵۲۱) کتاب الصلاۃ: باب ما جاء فی الدعاء بین الأذان والإقامۃ' ترمذی (۲۱۲) احمد (۱۱۹/۳) ابن خزیمۃ (۴۲۵) نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ (۶۸) بیہقی (۱۰۴/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

204- [بخاری (۶۱۴) کتاب الأذان: باب الدعاء عند النداء' ابو داود (۵۲۹) ترمذی (۲۱۱) نسائی (۲۶/۲) ابن ماجہ (۷۲۲) احمد (۳۵۴/۳)]

(۹۹) [الإعتبار (ص/۱۹۵۔۱۹۶)]

(۱۰۰) [بخاری (۶۴۷) مسلم (۳۶۲)]

آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ۔

کے رب! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت (بلند مرتبہ) عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔" [اسے ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْوَسِيْلَه کی جمع وَسَائِل آتی ہے' اس کا معنی ہے "ایسی چیز جس کے ذریعے کسی دوسری چیز تک پہنچا جائے" اس سے مراد جنت میں ایک مقام ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کو نصیب ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا۔ (۱۰۱) مَقَامًا مَحْمُوْدًا سے مراد وہ مقام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ سجدہ ریز ہو کر اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے کلمات کے ذریعے اس کی حمد و ثناء بیان کریں گے اور پھر وہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت کے بعد آپ امت کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔

فھم الحدیث اس حدیث سے مذکورہ دعا کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے' اس لیے اسے اپنا معمول بنانا چاہیے۔ نیز یاد رہے کہ اس دعا میں ان الفاظ کا اضافہ "والدرجة الرفيعة" اور "وارزقنا شفاعته يوم القيامة" اور "إنك لا تخلف الميعاد" کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ (۱۰۲)

اس دعا کے علاوہ اذان کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھنا بھی مسنون ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو۔" (۱۰۳) اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ جو اذان سن کر یہ کلمات کہے گا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے " أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا"۔ (۱۰۴)

باب شروط الصلاة — شرائطِ نماز کا بیان

205- عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت علی بن طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نماز کے دوران اگر تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ واپس جائے (دوبارہ) وضوء کرے اور نماز دُہرائے۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

205- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (۲۰۵۔۱۰۰۵) كتاب الطهارة : باب من يحدث فى الصلاة' ترمذى (۱۱٦٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے بھی اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۱۰۱) [مسلم (۳۸٤)]
(۱۰۲) [تلخيص الحبير (۲۱۰/۱) المقاصد الحسنة (ص/۲۱۲) إرواء الغليل (۲٦۱/۱) المصنوع فى معرفة الحديث الموضوع (۱۳۲) فتح البارى (۹٤/۱) القول المبين فى أخطاء المصلين (ص/۱۸۳)]
(۱۰۳) [مسلم (۳۷٤) أبو داود (۵۲۳) ترمذى (۳٦۱٤) نسائى (۲۵/۲) أحمد (۱٦۸/۲) أبو عوانة (۳۳۷/۱) شرح معانى الآثار (۸۵/۱) بيهقى (۳۰۹/۱)]
(۱۰٤) [مسلم (۳۸٦) ابو داود (۵۲۵) ترمذى (۲۱۰) نسائى (۲٦/۲) مسند احمد (۱۸۱/۱) ابن حبان (۱٦۹۳۔ الإحسان) مستدرك حاكم (۲۱۳/۱)]

لغوی توضیح لفظِ شروط جمع ہے شرط کی، جس کا معنی ”کسی چیز کو لازم کر لینا“ ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف ہے ”جس کی نفی سے حکم کی نفی لازم ہو جبکہ اس کے وجود سے حکم کا وجود لازم نہ ہو (جیسے نماز کے لیے وضوء)۔“(۱۰۵) فَسَا مشتق ہے فسو سے اس کا معنی ہے ”دبر سے بغیر آواز کے ہوا خارج ہونا۔“ لِيُعِدْ اعادہ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ”دُہرانا، لوٹانا وغیرہ“۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور نماز بھی باطل ہو جاتی ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دورانِ نماز وضوء ٹوٹ جائے تو از سر نو وضوء کر کے دوبارہ ساری نماز ادا کی جائے گی۔ بظاہر یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُس روایت کے خلاف معلوم ہوتی جس میں مذکور ہے کہ جسے نماز میں قے یا قلس آ جائے یا نکسیر پھوٹ پڑے تو وہ دوبارہ وضوء کر کے وہیں سے نماز شروع کر لے جہاں سے چھوڑی تھی بشرطیکہ اس دوران اس نے گفتگو نہ کی ہو۔ تو یاد رہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مذکورہ بالا روایت کے پائے کی نہیں کیونکہ وہ ضعیف ہونے کی بنا پر قابلِ حجت نہیں، لہٰذا مذکورہ حدیث کے مطابق ہی عمل کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں یاد رہے کہ نماز میں تمام نواقضِ وضوء کا بھی یہی حکم ہوگا جو ہوا خارج ہونے کا ہے۔

206- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ((لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتے۔“ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح حَائِض سے مراد ہے بالغ و جوان عورت۔ خِمَار اُس کپڑے یا چادر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عورت اپنا سر ڈھانپتی ہے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے (حیض کی ابتداء، منی کا انزال یا زیرِ ناف بال اُگنے جیسی کسی بھی علامت کے ساتھ) تو اس کی نماز اوڑھنی کے بغیر نہیں ہوتی، اس پر چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ سارا جسم ڈھانپنے کے ساتھ سر ڈھانپنا بھی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں جن روایات میں عورت کے لیے تین یا دو کپڑوں کا تعین کر دیا گیا ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”عورت تین کپڑوں میں نماز پڑھے گی: قمیص، اوڑھنی اور شلوار۔“(۱۰۶) اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ وہ بغیر تہبند کے صرف قمیص اور اوڑھنی کے ساتھ ہی نماز پڑھ لیتی تھیں۔(۱۰۷) یہ تمام روایات کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔(۱۰۸) کیونکہ اگر ستر ڈھانپا جا سکے تو ایک کپڑے میں بھی نماز ہو سکتی ہے۔(۱۰۹) جیسا کہ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔(۱۱۰)

206- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (٦٤١) كتاب الصلاة: باب المرأة تصلي بغير خمار، ترمذی (٣٧٧) ابن ماجه (٦٥٥) حاكم (٢٥١/١) ابن خزيمة (٧٧٥) احمد (١٥٠/٦) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٠٥) [الإحكام للآمدي (١٢/١) الموافقات للشاطبي (١٨٧/١) البحر المحيط للزركشي (٣٠٩/١)]

(١٠٦) [صحیح: تمام المنة (ص/١٦٢)]

(١٠٧) [موطا (١٦٠/١) بيهقي (٢٣٣/٢)]

(١٠٨) [تمام المنة (ص/١٦٢)]

(١٠٩) [نيل الأوطار (٥٤٩/١)]

(١١٠) [بخاری (٣٦٥) مسلم (٥١٥) أبو داود (٦٢٥) نسائي (٦٩/٢) ابن ماجة (١٠٤٧) ابن خزيمة (٧٥٨) أحمد (٢٣٠/٢)]

207- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ : ((إِذَا كَانَ الثَّوْبُ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ فِي الصَّلَاةِ)) وَلِمُسْلِمٍ : ((فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا "جب کپڑا کشادہ وفراخ ہو تو اسے نماز میں (اچھی طرح) جسم پر لپیٹ لو" اور مسلم میں ہے کہ "(اگر کپڑا کشادہ ہو تو) کپڑے کے دونوں کنارے مخالف سمتوں میں کندھوں پر ڈال لو اور اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کا تہبند بنا لو۔" [بخاری، مسلم]

208- وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ شَيْءٌ))۔

اور بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "تم میں سے کوئی بھی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ بھی نہ ہو"

لغوی توضیح اَلْتَحِفْ فعل امر ہے باب اَلْتَحَفَ يَلْتَحِفُ (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے "ڈھانپنا' لپیٹنا" ۔لِحَاف بھی اسی سے ہے اور اس سے مراد ہر وہ کپڑا ہے جس کے ساتھ بدن کو ڈھانپا جائے' اس کی جمع لُحُف آتی ہے۔ خَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ کا معنی ہے "کپڑے کے دونوں کناروں کے درمیان مخالفت ڈالنا" یعنی کپڑے کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے پر اور بائیں کو دائیں کندھے پر ڈال لینا۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ستر ڈھانپنے کے بعد مرد حضرات کے لیے نماز میں کندھے ڈھانپنا بھی ضروری ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ یہ اُس صورت میں ہے جب اتنا کپڑا میسر ہو اور جب کپڑا ہی کم ہو تو پھر صرف تہبند باندھ لینا ہی کافی ہے' کندھوں پر کچھ رکھنے کی ضرورت نہیں' جیسا کہ مذکورہ بالا پہلی حدیث میں ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان پر حسب استطاعت ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا واجب ہے' لہٰذا جن واجبات پر عمل کی اس میں طاقت ہو اسے چاہیے کہ ان پر عمل کرے' لیکن جن پر عمل کی اس میں طاقت ہی نہ ہو تو وہ اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہ حدیث ایک شرعی قاعدے ((تَقْدِيمُ الْأَهَمِّ فَالْأَهَمِّ)) کے لیے بھی دلیل ہے' یعنی اگر انسان پر مختلف واجبات لاگو ہو رہے ہوں اور ان سب پر عمل کی اس میں طاقت نہ ہو تو وہ ان میں سے اُس کو ترجیح دے گا جو زیادہ اہم ہوگا۔

209- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ أَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ بِغَيْرِ إِزَارٍ؟ قَالَ : ((إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُورَ قَدَمَيْهَا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَ الْأَئِمَّةُ وَقْفَهُ ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا عورت بغیر تہبند کے محض قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "(ہاں) جب قمیص اتنی لمبی ہو کہ قدموں کے بالائی حصے کو ڈھانپ لے۔" [اسے ابو داود نے روایت کیا ہے اور ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو ہی درست کہا ہے۔]

207- [بخاری (٣٦١) كتاب الصلاة : باب إذا كان الثوب ضيقا' مسلم (٣٠١٠) ابو داود (٦٣٤)]

208- [بخاری (٣٥٩-٣٦٠) كتاب الصلاة : باب إذا صلى فى الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه' مسلم (٥١٦) ابو داود (٦٢٦) نسائی (٧١/٢) احمد (٢٤٣/٢)]

209- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (٦٤٠) كتاب الصلاة : باب فى كم تصلى المرأة' حاکم (٢٥٠/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح دِرْعٌ سے مراد ہے عورت کی قمیص یا کرتا۔ سَابِغًا کا معنی ہے لمبا چوڑا اور فراخ کرتا۔ یُغَطِّی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب غَطّٰی یُغَطِّی (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے ''ڈھانپنا''۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سر ڈھانپنے کے علاوہ عورت پر قدموں تک اپنے مکمل جسم کو بھی کم از کم ایک وسیع کپڑے کے ساتھ ڈھانپنا ضروری ہے۔ مزید یہ مسئلہ گزشتہ حدیث نمبر 206 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

210- وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَأَشْكَلَتْ عَلَيْنَا الْقِبْلَةُ، فَصَلَّيْنَا، فَلَمَّا طَلَعَتِ الشَّمْسُ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا إِلَى غَيْرِ الْقِبْلَةِ، فَنَزَلَتْ: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ.

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک تاریک رات میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے' ہم پر قبلہ کی سمت معلوم کرنا مشکل ہو گیا تو ہم نے (اندازے سے رُخ متعین کر کے) نماز پڑھ لی' پھر جب سورج طلوع ہوا تو (ہمیں معلوم ہوا کہ) ہم نے تو غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھ لی ہے' تو یہ آیت نازل ہوئی ''تم جہاں کہیں بھی پھرتے ہو اللہ کا چہرہ اسی طرف ہے۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں اسے قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو رہی ہو اور نہ ہی وہاں کوئی ایسا ذریعہ ہو جس سے قبلہ رخ معلوم ہو سکے تو وہ کوشش کر کے جس جانب کو بھی قبلہ رخ سمجھ کر نماز ادا کر لے گا اس کی نماز صحیح ہو گی اگرچہ بعد میں اسے یہ علم ہو کہ اس نے غیر قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھ لی ہے' اسے دوبارہ نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۱۱۱) نیز امام ابن قدامہؒ (۱۱۲)، امام شوکانیؒ (۱۱۳) اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ (۱۱۴) نے بھی یہی موقف اپنایا ہے۔ تاہم فقہاء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ احناف اور حنابلہ تو اسی (گزشتہ موقف) کے ہی قائل ہیں' جبکہ مالکیہ نے کہا ہے کہ اس نماز کا اگر وقت باقی ہو تو اسے دوبارہ پڑھنا لازم ہے اور شافعیہ کا کہنا ہے کہ اس کا وقت باقی ہو یا نہ ہو اسے دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ (۱۱۵) لیکن راجح موقف احناف اور حنابلہ کا ہی ہے۔ (واللہ اعلم)

❏ اگر دورانِ نماز قبلہ کا علم ہو جائے تو نماز میں ہی قبلہ کی جانب رخ پھیر لینا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ جب اہل قباء کو دورانِ نماز ایک صحابی نے قبلہ بدل جانے کا فرمان الٰہی سنایا تو انہوں نے نماز میں ہی شام سے کعبہ کی جانب رخ پھیر لیا۔ (۱۱۶) امام ابن قدامہؒ نے بھی یہی موقف اختیار فرمایا ہے۔ (۱۱۷)

210- [حسن: صحیح ترمذی' ترمذی (۳۴۵) كتاب الصلاة : باب ما جاء في الرجل يصلي لغير القبلة في الغيم' ابن ماجه (۱۰۲۰) دارقطنی (۲۷۲/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۱۱۱) [فتاوی ابن باز مترجم (۵٦/۱)]
(۱۱۲) [المغني لابن قدامة (۱۱۱/۲)]
(۱۱۳) [نيل الأوطار (٦۷۷/۱) السيل الجرار (۱۷۳/۱)]
(۱۱۴) [تحفة الأحوذي (۳۳۵/۱)]
(۱۱۵) [الفقه الإسلامي وأدلته (۷٦۱/۱) سبل السلام (۳۰۷/۱)]
(۱۱٦) [بخاری (۴۰۳) موطا (۱۹۵/۱) ترمذی (۴۳۱) أبو عوانة (۳۹۴/۱) نسائی (٦۱/۲) أحمد (۱٦/۲)]
(۱۱۷) [المغني لابن قدامة (۱۱۳/۱)]

211- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَوَّاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" مشرق ومغرب کے مابین قبلہ ہے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے قوی قرار دیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت میں مشرق ومغرب کے مابین تمام جگہ کو قبلہ کہا گیا ہے' حالانکہ تمام جگہ تو قبلہ نہیں بلکہ کچھ جگہ میں قبلہ ہے اور باقی اس کا اِردگرد ہے' لیکن اس سب کو ہی قبلہ کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ کعبہ سے دور دراز علاقوں میں ہوں ان پر عین قبلہ رخ ہونا واجب نہیں بلکہ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس سمت کی جانب رخ کرلیں۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ کا بھی یہی موقف ہے' لیکن امام شافعیؒ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جو شخص دور ہو اس پر بھی عین قبلہ رخ ہونا واجب ہے۔(۱۱۸) لیکن پہلا قول ہی راجح ہے۔ امام شوکانیؒ (۱۱۹)، امام صنعانیؒ (۱۲۰) اور امام ابن قدامہؒ (۱۲۱) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

212- وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' زَادَ الْبُخَارِيُّ : ((يُومِيءُ بِرَأْسِهِ ' وَلَمْ يَكُنْ يَصْنَعُهُ فِي الْمَكْتُوبَةِ))۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی سواری پر نماز پڑھتے دیکھا ہے' سواری جس طرف بھی رخ کرتی آپ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ [بخاری، مسلم۔ بخاری میں یہ اضافہ ہے کہ] آپ (رکوع وسجدہ کے لیے) اپنے سر کے ساتھ اشارہ فرماتے' لیکن فرض نماز میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

213- وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((وَكَانَ إِذَا سَافَرَ فَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ كَانَ وَجْهُ رِكَابِهِ)) وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

اور ابوداود میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی اونٹنی کو قبلہ رخ کر کے تکبیر کہہ دیتے پھر اونٹنی کا رخ جس جانب بھی ہوتا آپ نماز جاری رکھتے۔ [اس کی سند حسن ہے۔]

لغوی توضیح رَاحِلَہ سواری کو کہتے ہیں خواہ مذکر ہو یا مؤنث' اس کی جمع رَوَاحِل آتی ہے۔ يُوْمِي فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَوْمَى يُوْمِي (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "اشارہ کرنا"۔

211- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۳۴۲۔۳۴۴) کتاب الصلاة : باب ما جاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة ؛ ابن ماجه (۱۰۱۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

212- [بخاری (۱۰۹۳۔۱۰۹۷) کتاب الجمعة : باب صلاة التطوع على الدابة وحيثما توجهت به' مسلم (۷۰۱) احمد (۴۴۴/۳)]

213- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۲۲۵) کتاب الصلاة : باب التطوع على الراحلة والوتر' احمد (۲۰۳/۳) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ امام نوویؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

(۱۱۸) [الأم (۱۹۰/۱) روضة الطالبين (۳۲۹/۱) شرح فتح القدير (۲۳۴/۱) كشاف القناع (۳۰۵/۱)]

(۱۱۹) [نيل الأوطار (۶۸۲/۱)]

(۱۲۰) [سبل السلام (۳۰۸/۱)]

(۱۲۱) [المغنى لابن قدامة (۱۰۲/۲)]

فهم الحدیث ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز سواری پر بھی ادا کی جا سکتی ہے خواہ سواری کا رخ کسی جانب بھی ہو لیکن اس صورت میں بھی نماز شروع کرتے وقت قبلہ رخ ہونا لازم ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا التزام فرمایا۔

❑ واضح رہے کہ متعدد دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز کے لیے قبلہ رخ ہونا واجب ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔(۱۲۲) لیکن دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں' ایک جو مذکورہ بالا روایات میں بیان ہوئی ہے اور دوسری شدید جنگ کی صورت میں کہ جب قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرنا ممکن ہی نہ رہے تو پھر یہ حکم ہے کہ "پیادے' کھڑے ہو کر' اپنے قدموں پر یا سوار ہو کر' قبلہ رخ ہو کر یا قبلہ رخ نہ ہو کر (ہر طرح جیسے بھی ممکن ہو) نماز پڑھ لو۔"(۱۲۳)

❑ ہوائی جہاز' ریل گاڑی اور کشتی وغیرہ میں فرض نماز کے متعلق شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ انسان اجتہاد کر کے قبلہ رخ ہو جائے اور پھر اپنی نماز ادا کر لے' خواہ اسے بعد میں علم ہو کہ اس نے غیر قبلہ کی جانب نماز پڑھی ہے' اس کی نماز درست ہے۔اسی طرح ان سواریوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو انسان بیٹھ کر بھی نماز ادا کر سکتا ہے اور اس مسئلے میں دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو۔" [التغابن : ١٦] (١٢٤)

214- وَ عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : ((اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلَهُ عِلَّةٌ ـ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "قبرستان اور حمام کے سوا ساری زمین سجدہ گاہ ہے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس میں علت ہے۔]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے انسان نماز ادا کر سکتا ہے لیکن قبرستان اور حمام میں نماز ادا نہیں کر سکتا۔ قبرستان میں اس لیے منع کیا گیا تا کہ قبروں کی تعظیم اور پھر شرک نہ شروع ہو جائے اور حمام میں اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ ناپاک جگہ ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبروں پر مساجد بنانا ممنوع ہے۔

215- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ ((نَهَى أَنْ يُصَلَّى فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ : فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَالْحَمَّامِ وَمَعَاطِنِ الْإِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ تَعَالَى)) رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَضَعَّفَهُ ـ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات جگہوں میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے' کوڑا پھینکنے کی جگہ' ذبح خانہ' قبرستان' عام گزرنے کا راستہ' حمام' اونٹوں کا باڑا اور بیت اللہ کی چھت پر۔[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔]

214- [**صحیح** : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٩٢) كتاب الصلاة : باب فی المواضع التی لا تجوز فیها الصلاة' ترمذی (٣١٧) ابن ماجه (٧٤٥) احمد (٨٣/٣) حاكم (٢٥١/١) ابن خزیمة (٧٩) ابن حبان (٣٣٨_الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

215- [**ضعیف** : ضعیف ترمذی' ترمذی (٣٤٦) كتاب الصلاة : باب ما جاء فی كراهية ما يصلى إليه وفيه' ابن ماجه (٧٤٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(١٢٢) [نیل الأوطار (٦٧٧/١) الروضة الندية (٢٣٥/١)]

(١٢٣) [بخاری (٩٤٣) مسلم (٣٠٦) نسائی (١٧٣/٣) أحمد (١٥٥/٢) أبو عوانة (٣٥٨/٢) دارقطنی (٥٩/٢) بیهقی (٢٦٠/٣)]

(١٢٤) [فتاوی إسلامية (٢٥٣/١) فتاوی ابن باز مترجم (٥٧/١)]

لغوی توضیح اَلْمَزْبَلَة ایسی جگہ ہے جہاں گندگی' گوبر اور لید وغیرہ پھینکی جاتی ہے۔ اَلْمَجْزَرَة وہ جگہ جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ مَعَاطِنَ اونٹوں کے باڑوں کو کہتے ہیں' جہاں انہیں بٹھایا اور پانی وغیرہ پلایا جاتا ہے' اس کی واحد مَعْطَن ہے۔

فہم الحدیث پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر قابل عمل نہیں' اس لیے شرع کی دیگر ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اگر ان میں سے کوئی جگہ نماز کے لیے ممنوع ٹھہرتی ہے تو وہ ممنوع ہوگی بصورت دیگر نہیں۔ مثلاً حمام اور قبرستان میں گزشتہ اور آئندہ حدیث کی رو سے نماز ممنوع ہے۔ کوڑا پھینکنے کی جگہ پر اس لیے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ ناپاک جگہ ہے اور جائے نماز کا پاک ہونا ادائیگی نماز کے لیے واجب ہے۔ (١٢٥) اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے (ایک دوسری حدیث میں) آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (١٢٦) ان کے علاوہ باقی مقامات میں نماز کی ادائیگی اگر کسی صحیح حدیث سے ممنوع ثابت ہو جائے تو وہی حکم ہوگا بصورت دیگر اصل تو اباحت ہی ہے۔ (واللہ اعلم) نیز یہ یاد رہے کہ جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ لوگوں کی عام گزرگاہ اور کعبہ کی چھت پر نماز کو (خواہ فرض ہو یا نفل) جائز قرار دیتے ہیں۔ (١٢٧)

216- وَ عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ وَلَا تَجْلِسُوا عَلَيْهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "قبروں کی جانب نماز نہ پڑھو اور نہ ہی ان پر بیٹھو" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث قبروں کی جانب نماز پڑھنے اور ان پر بیٹھنے کے اہل علم نے دو دو مفہوم بیان کیے ہیں۔ قبروں کی جانب نماز پڑھنے کا ایک مفہوم تو واضح ہے کہ قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے' یہ اس وجہ سے ممنوع ہے کہ کہیں اصحاب قبور کی تعظیم نہ شروع ہو جائے جو شرک تک لے جاتی ہے اور اس کا دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ جو کام مساجد میں کیے جاتے ہیں وہ قبروں پر نہ کیے جائیں۔ قبروں پر بیٹھنے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ قبر پر ٹیک لگا کر یا پشت رکھ کر بیٹھنا (یہ اس لیے ممنوع ہے کیونکہ اس میں اہل قبر کی اہانت ہے) اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قبروں پر مجاور بن کر یا قضائے حاجت وغیرہ کے لیے بیٹھنا' یہ سب کام حرام و ممنوع ہیں۔ (١٢٨) علاوہ ازیں قبروں پر بیٹھنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی قابل ذکر ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھے اور وہ اس کے کپڑوں کو جلا کر جلد تک پہنچ جائے یہ اس کے لیے قبر پر بیٹھنے سے زیادہ بہتر ہے۔" (١٢٩)

217- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو (مسجد میں داخلے سے

216- [مسلم (٩٧٢) كتاب الجنائز : باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه ' ابو داود (٣٢٢٩) ترمذی (١٠٥٠) نسائی (٦٧/٢) احمد (١٣٥/٤) حاكم (٢٢١/٣)]

217- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٦٥٠) كتاب الصلاة : باب الصلاة في النعل ' احمد (٢٠/٣) ابن خزيمة (١٠١٧) ابن حبان (٣٦٠ـ الموارد) حاكم (٢٦٠/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٢٥) [الروضة الندية (٢٢٥/١) فقه السنة (١١١/١)]

(١٢٦) [صحيح : صحيح ترمذی (٢٨٥) ابن ماجة (٧٦٨) أحمد (٤٥١/٢) ابن خزيمة (٧٩٥) بيهقى (٤٤٩/٢) ترمذی (٣٤٨)]

(١٢٧) [توضيح الأحكام (٢٩/١)]

(١٢٨) [ملخصا ' اتحاف الكرام شرح بلوغ المرام ' از صفی الرحمن مبارکپوری (١٥٤/١)]

(١٢٩) [مسلم (٩٧١) أبو داود (٣٢٢٨) نسائی (٢٠٤٤) ابن ماجة (١٥٦٦) بيهقى (٧٩/٤) أحمد (٣١١/٢)]

الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أَذًى أَوْ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

پہلے اپنی جوتی کو) دیکھ لے اگر اپنی جوتی میں گندگی یا کوئی ناپاک چیز دیکھے تو اسے (زمین کے ساتھ) مَل کر صاف کر لے اور اس میں نماز پڑھ لے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

218- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذَا وَطِىءَ أَحَدُكُمُ الْأَذَى بِخُفَّيْهِ فَطَهُورُهُمَا التُّرَابُ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے موزوں کے ساتھ گندگی پر سے گزر جائے تو مٹی انہیں پاک کرنے والی ہے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَذًى اور قَذَرًا سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے بشری طبیعت نفرت کرے اور اسے برا سمجھے' مراد ہے "نجاست"۔ وَطِىءَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب وَطِىءَ يَطَأُ (بروزن سمع) سے' اس کا معنی ہے "روندنا"۔

فهم الحديث ان احادیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جوتی پر اگر نجاست لگ جائے (خواہ خشک ہو یا تر) مٹی پر رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابوثورؒ، امام اسحاقؒ اور امام شافعیؒ و امام احمدؒ سے ایک ایک روایت کے مطابق یہی مذہب منقول ہے۔ جبکہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ سے ایک روایت کے مطابق یہ مؤقف مروی ہے کہ جوتی زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوتی' اس پر لگی نجاست کو دھونا واجب ہے۔ (۱۳۰) پہلی رائے ہی حدیث کے قریب اور برحق ہے۔ امام شوکانیؒ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (۱۳۱) دوسری بات حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ جوتیوں سمیت نماز پڑھنا جائز ہے (بشرطیکہ وہ پاک ہوں)۔ اس کے متعلق ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ جوتوں سمیت نماز پڑھ لیتے تھے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں پڑھ لیتے تھے۔ (۱۳۲) اسی طرح ایک اور روایت میں یہ فرمانِ نبوی بھی منقول ہے "یہود کی مخالفت کرو بلاشبہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔" (۱۳۳) ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ (۱۳٤) اور امام شوکانیؒ (۱۳۵) نے جوتوں سمیت نماز پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا پہلی حدیث میں موجود فرمانِ نبوی کا سبب یہ تھا کہ ایک دن آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے ہوئے اچانک اپنے جوتے بائیں جانب اتار دیئے۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اُتار دیئے۔ آپ ﷺ

218- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۳۸٦) كتاب الطهارة : باب في الأذى يصيب النعل' حاكم (۱۶٦/۱) ابن خزيمة (۲۹۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن اس کی متعدد سندیں اسے قابل حجت بنا دیتی ہیں۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(۱۳۰) [المحلى بالآثار (۱۰۵/۱) نيل الأوطار (۹۲/۱)]

(۱۳۱) [نيل الأوطار (۹۲/۱)]

(۱۳۲) [بخاری (۳۸٦' ۵۸۵۰) مسلم (۵۵۵) ترمذی (٤٤۰) نسائی (۷٤/۲) أحمد (۱۰۰/۳) ابن خزيمة (۱۰۱۰)]

(۱۳۳) [صحیح : صحیح أبوداود (٦۰۷) أبو داود (٦۵۲) حاكم (۲٦۰/۱) بيهقی (٤۳۲/۲)]

(۱۳٤) [كما في تحفة الأحوذی (٤٤٤/۲)] (۱۳۵) [نيل الأوطار (٦۲۵/۱)]

نے نماز مکمل کر لی تو فرمایا "تمہیں اپنے جوتے اُتارنے پر کس چیز نے اُبھارا؟" انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے ہیں تو ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جبرئیل علیہ السلام نے آ کر مجھے خبر دی تھی کہ ان جوتوں میں گندگی ہے" اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد کی طرف آئے تو اسے چاہیے کہ وہ (اپنے جوتے) دیکھے اگر ان میں گندگی پائے تو انہیں زمین پر رگڑے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔"(١٣٦) اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ سب جوتوں سمیت نماز پڑھ لیتے تھے' وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص لاعلمی میں نجاست لگی جوتیوں یا کپڑوں سمیت نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی کیونکہ نبی ﷺ نے جتنی نماز گندگی لگی جوتیوں میں پڑھی تھی اسے دُہرایا نہیں۔

219- وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ نماز میں لوگوں کی گفتگو (بکسر) درست نہیں' اس میں تو صرف تسبیح' تکبیر اور تلاوتِ قرآن ہونی چاہیے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

220- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : ((إِنْ كُنَّا لَنَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، يُكَلِّمُ أَحَدُنَا صَاحِبَهُ بِحَاجَتِهِ ، حَتّٰى نَزَلَتْ ﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴾ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ ، وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عہدِ رسالت میں دورانِ نماز ایک دوسرے سے گفتگو کر لیا کرتے تھے حتیٰ کہ آیت "نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور اللہ کے لیے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ" نازل ہوئی تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا اور (دورانِ نماز) گفتگو سے منع کر دیا گیا۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں دورانِ نماز گفتگو کی اجازت تھی لیکن بعد میں اس سے روک دیا گیا اور اب یہ ناجائز و حرام ہے۔ اہل علم نے ان احادیث کی بنا پر متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص بھی دورانِ

219- [مسلم (٥٣٧) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته ، ابو داود (٩٣١) نسائي (١٤/٣) احمد (٤٤٧/٥)]

220- [بخاري (١٢٠٠) كتاب الجمعة : باب ما ينهى عنه من الكلام في الصلاة ، مسلم (٥٣٩) ابو داود (٩٤٩) ترمذي (٤٠٥) نسائي (١٨/٣) احمد (٣٦٨/٤)]

(١٣٦) [صحيح : إرواء الغليل (٢٨٤) أبو داود (٦٥٠) أحمد (٢٠/٣) طيالسي (٣٦٠) ابن ابي شيبة (٤١٧/٢) دارمي (٣٢٠/١) أبو يعلى (١١٩٤) ابن خزيمة (١٠١٧) حاكم (٢٦٠/١) بيهقي (٤٣١/٢)]

نماز جان بوجھ کر گفتگو کرے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ امام شوکانی ؒ (۱۳۷)، حافظ ابن حجر ؒ (۱۳۸)، علامہ عینی ؒ (۱۳۹) اور امام ابن منذر ؒ (۱۴۰) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ تاہم علماء نے دورانِ نماز بھول کر یا جہالت کی بنا پر کلام کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ نے کہا ہے کہ نماز میں خواہ جان بوجھ کر کلام کیا جائے یا بھول کر یا جہالت سے' نماز باطل کر دیتا ہے۔ جبکہ جمہور علماء نے کہا ہے کہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ (۱۴۱) ہمارے علم کے مطابق جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا یا بھول کر کیے ہوئے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔'' (۱۴۲) امام ابن حزم ؒ (۱۴۳) اور امام شوکانی ؒ (۱۴۴) نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

221- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' زَادَ مُسْلِمٌ : ((فِي الصَّلَاةِ)) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''(دورانِ نماز ضرورت پڑے تو) مرد سبحان اللہ کہہ کر امام کو مطلع کریں اور عورتیں تالی بجا کر۔'' [بخاری، مسلم۔ مسلم میں یہ اضافہ ہے ''نماز میں''۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دورانِ نماز امام بھول جائے اور اسے لقمہ دینا ہو تو مرد حضرات سبحان اللہ کہہ کر اسے متوجہ کریں اور عورتیں تالی بجائیں (یعنی ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر ماریں)۔ عورتوں کو صرف تالی بجانے کا طریقہ غالباً اس لیے سکھایا گیا ہے کہ ان کی آواز غیر مرد نہ سنیں' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ضرورت عورت کو چاہیے کہ وہ غیر مردوں سے بات چیت نہ کرے' البتہ اگر ضرورت پیش آ جائے تو پھر اس کا جواز بہر حال موجود ہے جیسا کہ صحابہ کرام عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اُمہات المومنین سے آ کر مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور وہ بتایا کرتی تھیں۔ لیکن اس صورت میں بھی عورت کو نرم اور لوچدار انداز اپنانے کی اجازت نہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے ان حضرات کا رد ہوتا ہے جنہوں نے مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی سبحان اللہ کہنے کا ہی حکم لگایا ہے جیسا کہ امام مالک ؒ وغیرہ کا مؤقف ہے۔ (۱۴۵)

222- وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الشِّخِّيرِ

حضرت مطرف اپنے باپ عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

221- [بخاری (۱۲۰۳) کتاب الجمعة : باب التصفيق للنساء ' مسلم (٤٢٢) ابو داود (٩٣٩) ترمذی (٣٦٩) نسائی (١١/٣) ابن ماجه (١٠٣٤) احمد (٢٤١/٢) ابن الجارود (٢١٠)]

222- [**صحيح** : صحيح ابو داود ' ابو داود (٩٠٤) كتاب الصلاة : باب البكاء في الصلاة ' نسائی (١٣/٣) احمد (٢٥/٤) ترمذی في الشمائل (٣٢٣) ابن خزيمة (٩٠٠) ابن حبان (٦٦٥-٧٥٣) حاكم (٢٦٤/١) شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳۷) [نيل الأوطار (١٥٨/٢)]
(۱۳۸) [فتح البارى (٩٠/٣)]
(۱۳۹) [عمدة القارى (٢٩٨/٦-٢٩٩)]
(۱۴۰) [الأوسط لابن المنذر (٢٣٤/٣)]
(۱۴۱) [الأوسط لابن المنذر (٢٣٦/٣) نيل الأوطار (١٥٨/٢) شرح مسلم للنووى (٢٧/٣) الأم (٢٣٦/١) شرح المهذب (١٦٩/٤) المبسوط (١٧٠/١) الهداية (٦١/١) سبل السلام (٣١٩/١) المغنى (٤٤/٢)]
(۱۴۲) [**صحيح** : صحيح ابن ماجة (١٦٦٢) إرواء الغليل (٨٢) ابن ماجة (٢٠٤٣)]
(۱۴۳) [المحلى بالآثار (٣١٤/٢)]
(۱۴۴) [السيل الجرار (٢٣٤/١)]
(۱۴۵) [دیکھیے: توضيح الأحكام (٤٥/٢)]

عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي ، وَفِي صَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

کہ انہوں نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا' آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی وجہ سے اس طرح آواز آرہی تھی جیسے اُبلتی ہوئی ہنڈیا کی آواز آتی ہے۔[اسے ابوداود، نسائی، ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَزِيز اُس آواز کو کہتے ہیں جو اُبلتی ہوئی ہنڈیا سے آتی ہے اور الْمِرْجَل سے مراد ہنڈیا ہے۔

فہم الحدیث اس روایت کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی مروی ہے کہ انہوں نے نماز فجر میں سورۂ یوسف کی تلاوت فرمائی' جب وہ اس آیت ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ﴾ پر پہنچے تو ان کی (رونے کی وجہ سے) ہچکیوں کی آواز سنی جا رہی تھی۔ (۱٤٦) لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان دورانِ نماز خشیتِ الٰہی کی وجہ سے رو پڑے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

223- وَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((كَانَ لِي مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مُدْخَلَانِ ، فَكُنْتُ إِذَا أَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي تَنَحْنَحَ لِي)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں دو اوقات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا' جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ میرے لیے کھنکھار دیتے۔[اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح تَنَحْنَحَ فعل ماضی کا صیغہ ہے (باب تفعلل سے)' اس کا معنی ہے کھنکھارنا' سینے سے آواز نکالنا۔

فہم الحدیث یہ روایت اگر قابل حجت ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی آواز جس میں الفاظ نہ ہوں اگر ضرورت کے وقت دورانِ نماز نکال لی جائے تو اس سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ (واللہ اعلم)

224- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((قُلْتُ لِبِلَالٍ : كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ ، وَهُوَ يُصَلِّي ؟ قَالَ : يَقُولُ هٰكَذَا ، وَبَسَطَ كَفَّهُ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا' جب نبی کریم ﷺ نماز میں ہوتے اور لوگ آپ کو سلام کرتے تو آپ انہیں کیسے جواب دیتے تھے؟ تو بلال رضی اللہ عنہ نے کہا' آپ ﷺ اس طرح کرتے تھے اور انہوں نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔[اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح بَسَطَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب بَسَطَ يَبْسُطُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''پھیلانا' دراز کرنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے نمازی کو سلام کیا جا سکتا ہے اور نمازی اس کا جواب ہاتھ کے اشارے

223- [ضعیف : ضعیف ابن ماجة ' نسائی (۱۲/۳) ابن ماجه (۳۷۰۸) احمد (۸۰/۱) اسے ابن السکن نے صحیح کہا ہے۔]

224- [حسن صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۹۲۷) كتاب الصلاة : باب رد السلام في الصلاة ' ترمذی (۳٦۸) احمد (۱۲/٦) ابن الجارود (۲۱٥) ابن الجارود (۲۱٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱٤٦) [سنن سعيد بن منصور (٤٠٥/٥)، (۱۱۳۸)]

سے دے سکتا ہے' اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ جمہور علما، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام نخعیؒ اور امام ثوریؒ کا کہنا ہے کہ دورانِ نماز اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دینا جائز نہیں۔ (١٤٧) ان کا مستدل ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ وہ نبی ﷺ کو نماز کی حالت میں سلام کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ انہیں جواب دیا کرتے تھے لیکن جب وہ ہجرت حبشہ کے بعد واپس پلٹے تو آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور پھر پوچھنے پر فرمایا کہ ''نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔'' (١٤٨) یعنی ان حضرات کا کہنا ہے کہ دورانِ نماز اشارے کے ساتھ سلام کا جواب ابتداء میں جائز تھا جب دورانِ نماز کلام سے روک دیا گیا تو نبی ﷺ دورانِ نماز سلام کا جواب دینے سے بھی رک گئے۔ حالانکہ حدیث سے واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس سلام کے جواب کا ذکر ہے وہ کلام کے ساتھ تھا اور مذکورہ بالا روایت میں اشارے کے ساتھ سلام کے جواب کا ذکر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کے ساتھ سلام کے جواب سے منع کیا گیا تھا اشارے کے ساتھ جواب سے نہیں۔

225- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: ((وَهُوَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي الْمَسْجِدِ)).

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی نواسی) امامہ بنت زینب کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھا کرتے تھے' جب سجدہ کرتے تو اسے بٹھا دیتے اور جب (سجدہ کر کے) کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔ [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ] آپ ﷺ مسجد میں لوگوں کی امامت کرا رہے تھے۔

لغوی توضیح حَامِلٌ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب حَمَلَ يَحْمِلُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''اٹھانا''۔ يَؤُمُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَمَّ يَؤُمُّ سے' اس کا معنی ہے ''امامت کرانا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کم سن بچے کو اٹھا کر نماز ادا کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی خواہ نماز فرض ہو یا نفل' خواہ انسان امام ہو یا مقتدی یا منفرد اور خواہ اس کی حاجت ہو یا نہ۔ امام مالکؒ اور بعض دیگر اہل علم کا خیال ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں' وہ اس حدیث کی تین طرح سے تاویل کرتے ہیں: ① یہ نفل نماز کی بات ہے فرض کی نہیں۔ ② آپ ﷺ نے بوقتِ ضرورت اسے اٹھایا کیونکہ کوئی اور اسے اٹھانے والا نہیں تھا۔ ③ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ پہلی بات تو سرے سے ہی غلط ہے کیونکہ صحیح مسلم میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ امامت کرا رہے تھے' جس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز فرض تھی نفل نہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپ نے بوقتِ ضرورت ایسا کیا' بھی درست نہیں کیونکہ

225- [بخاری (٥١٦) کتاب الصلاۃ: باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة' مسلم (٥٤٣) ابو داود (٩١٧) نسائی (٤٥/٢) احمد (٢٩٥/٥) ابن خزيمة (٨٦٨) مالك (١٧٠/١)]

(١٤٧) [المجموع (٣٥/٤) الحاوی (١٨٤/٢) رد المحتار (٣٧٣/٢) الهداية (٦٤/١) الاختيار (١٦٢/١) الحجة على أهل المدينة (١٥١/١) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف (٤٥٦/١)]

(١٤٨) [بخاری (١١٩٩) مسلم (٥٣٨) مسند شافعی (٣٥١) احمد (٣٧٧/١) ابوداود (٩٢٤) نسائی (١٩/٣) شرح معانی الآثار (٤٥١/١) بیهقی (٢٤٨/٢)]

آپ ﷺ کے گھر میں آپ کے اہل وعیال اور خادم موجود تھے' وہ اسے اٹھا سکتے تھے لیکن آپ نے پھر بھی اسے بلاضرورت اٹھایا۔ تیسری بات کہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے' دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس لیے راجح موقف وہی ہے جو ابتداء میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔(١٤٩) اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نماز میں ٹوپی یا پگڑی گر جائے تو اسے اٹھایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بچوں کا مسجد میں داخلہ جائز ہے بشرطیکہ ان کی وجہ سے دیگر نمازی حضرات کو پریشانی نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کوئی نجاست ظاہر نہ ہو بچوں کے اجسام اور کپڑے بھی پاک ہی ہوتے ہیں۔

226- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((اقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نماز میں دو سیاہ جانوروں (یعنی) بچھو اور سانپ کو قتل کر دیا کرو۔'' [اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سانپ اور بچھو کو ہر حال میں قتل کر دینا چاہیے خواہ انسان نماز میں ہی کیوں نہ ہو' کیونکہ جب نماز میں انہیں قتل کرنے کا حکم ہے تو نماز کے علاوہ بالاولیٰ انہیں قتل کر دینا چاہیے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوران نماز انہیں قتل کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی اگرچہ انہیں قتل کرنا نماز کی مصلحت کے لیے نہیں۔ جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔(١٥٠)

☐ مذکورہ بالا افعال کے علاوہ چند مزید افعال بھی رسول اللہ ﷺ سے دوران نماز ثابت ہیں' جنہیں عمل کثیر نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً منبر سے اتر کر سجدہ کرنا(١٥١)، پھونکنا(١٥٢)، تھوکنا(١٥٣)، تھوک کو جوتی سے ملنا(١٥٤)، چند قدم چلنا(١٥٥)، کسی کو ہاتھ لگا کر مطلع کرنا(١٥٦)، دوران نماز جوتیاں اتارنا(١٥٧) اور جمائی روکنا(١٥٨) وغیرہ۔

226- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٩٢١) كتاب الصلاة: باب العمل في الصلاة' ترمذی (٣٩٠) ابن ماجه (١٢٤٥) احمد (٢٣٣/٢) حاكم (١٠٦/١) ابن حبان (٥٢٨-الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٤٩) [توضيح الأحكام (٥٤/٢)]

(١٥٠) [نيل الأوطار (١٨٨/٢)]

(١٥١) [بخاری (٣٧٧) مسلم (٥٤٤)]

(١٥٢) [صحيح: صحيح أبو داود (١٠٠٥) أحمد (١٥٩/٢) أبو داود (١١٩٤) نسائی (١٣٧/٣) بيهقی (٣٢٤/٣)]

(١٥٣) [صحيح: صحيح أبوداود (٣٧٤) كتاب الطهارة: باب البصاق يصيب الثوب' أبو داود (٣٨٩)]

(١٥٤) [مسلم (٥٥٤)]

(١٥٥) [حسن: صحيح أبو داود (٨١٥) كتاب الصلاة: باب العمل في الصلاة' أبو داود (٩٢٢) ترمذی (٦٠١) نسائی (١٢٠٦)]

(١٥٦) [بخاری (٣٨٢) كتاب الصلاة: باب الصلاة على الفراش' مسلم (٥١٢) مؤطا (١١٧/١) أبو داود (٧١٣)]

(١٥٧) [حاكم (١٣٩٣١) مجمع الزوائد (٥٦/٢)]

(١٥٨) [بخاری (١٢١١) كتاب الجمعة: باب إذا انفلتت الدابة في الصلاة]

باب سترة المصلى — نمازی کے سترے کا بیان

227- وَعَنْ أَبِي جُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، وَوَقَعَ فِي الْبَزَّارِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ: ((أَرْبَعِينَ خَرِيفًا)).

حضرت ابوجہیم بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کام کا کتنا گناہ ہے تو اسے نمازی کے آگے سے گزرنے کے مقابلے میں چالیس (سال) تک وہاں کھڑا رہنا زیادہ پسند ہو۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں] اور مسند بزار میں ایک دوسری سند سے ہے کہ ''چالیس خزاں (تک کھڑا رہنا پسند ہو)۔''

لغوی توضیح لفظ سترۃ کا معنی ہے ''اوٹ یا پردہ''۔ اصطلاحی اعتبار سے سترہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے انسان بوقت نماز اپنی سجدہ گاہ کے سامنے نصب کرے، مثلاً لکڑی، نیزہ، دیوار، ستون، سیز اور گاڑی وغیرہ۔ الْمَارُّ اسم فاعل ہے باب مَرَّ يَمُرُّ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے ''گزرنے والا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سخت وعید سے بچنے کے لیے نمازی کے آگے سے گزرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے اور نمازی کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ وہ ایسی جگہ پر نماز نہ پڑھے جہاں سے لوگوں کا گزرنا ضروری ہو۔ اس حدیث کی وجہ سے امام نوویؒ (۱۵۹) اور امام صنعانیؒ (۱۶۰) نے نمازی کے آگے سے گزرنا حرام قرار دیا ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وعید صرف نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے لیے ہے، آگے بیٹھنے والے، لیٹنے والے یا کھڑے ہونے والے کے لیے نہیں، جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ امام ابن قیمؒ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ (۱۶۱) یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ گناہ اس وقت ہے جب نمازی نے اپنے سامنے سترہ نہ رکھا ہو ورنہ سترے کے پیچھے سے کوئی بھی گزر سکتا ہے، جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''پالان کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز تم میں سے کسی ایک کے سامنے موجود ہو تو پھر جو بھی اس کے سامنے سے گزر جائے اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' (۱۶۲) اسی طرح اگر انسان باجماعت نماز ادا کر رہا ہو اور اس کے سامنے سے کوئی گزر جائے تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ اس وقت مقتدیوں کے لیے امام سترہ کے قائم مقام ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خود سامنے سترہ رکھا لیکن صحابہ کو سامنے سترہ رکھنے کا حکم نہیں دیا (۱۶۳) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر

227- [بخاری (۵۱۰) كتاب الصلاة: باب إثم المار بين يدی المصلی، مسلم (۵۰۷) ابو داود (۷۰۱) ترمذی (۳۳۶) نسائی (۶۶/۲) ابن ماجه (۹۴۵) ابن خزيمة (۸۱۳) مالك (۱۵٤/۱) مجمع الزوائد (۶۱/۲)]

(۱۵۹) [شرح مسلم (٤٦٥/۳)] (۱۶۰) [سبل السلام (۳۲۷/۱)]

(۱۶۱) [كما فی توضيح الأحكام (۶۱/۲)]

(۱۶۲) [مسلم (٤۹۹) كتاب الصلاة: باب سترة المصلی، أبو داود (۶۸۵) ترمذی (۳۳۵) ابن ماجة (۹٤۰) أحمد (۱۶۱/۱)]

(۱۶۳) [بخاری (۷۶) مسلم (۵۰٤)]

آیا۔اس زمانے میں میں بالغ ہونے ہی والا تھا۔رسول اللہ ﷺ منٰی میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے لیکن آپ ﷺ کے سامنے دیوار نہ تھی' میں صف کے بعض حصے سے گزر کر سواری سے اترا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور صف میں داخل ہو گیا' کسی نے مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔(١٦٤)

❑ نمازی کے لیے سترے کو لازم قرار دیا گیا ہے' متعدد احادیث میں اس کا حکم موجود ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سترے کی طرف نماز پڑھے اور اس کے قریب ہو (کر کھڑا ہو)۔" (١٦٥) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے کہ "صرف سترہ کی جانب ہی نماز پڑھو۔" (١٦٦) جمہور علما اسے مستحب (١٦٧) جبکہ امام شوکانیؒ (١٦٨)، امام ابن حزمؒ (١٦٩) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ (١٧٠) نے اسے واجب قرار دیا ہے۔

❑ سترے اور نمازی کے درمیان فاصلہ کتنا ہونا چاہیے اس کے متعلق یہ حدیث پیش نظر رہنی چاہیے کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ میں داخل ہو کر نماز پڑھی تو دیوار اور آپ ﷺ کے درمیان تین بازوؤں کا فاصلہ تھا۔(١٧١)

228- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ - فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ - عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّيْ، فَقَالَ: ((مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے غزوۂ تبوک میں نمازی کے سترہ (کی لمبائی) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اونٹ کے پالان کے پچھلے حصے کی اونچائی کے برابر (ہونا چاہیے)۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے سترے کی کم از کم لمبائی کی مقدار معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے اونٹ کے پالان کے پچھلے حصے کی لکڑی کے برابر۔امام صنعانیؒ کہتے ہیں کہ یہ لکڑی بازو کے دو تہائی حصے کے برابر ہوتی ہے۔(١٧٢)

229- وَعَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لِيَسْتَتِرْ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَوْ بِسَهْمٍ)) أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے (ہر) ایک کو نماز میں سترہ رکھنا چاہیے خواہ تیر کو ہی سترہ بنا لے۔" [اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح سَهْم تیر کو کہتے ہیں' جسے کمان کے ذریعے پھینکا جاتا ہے اور اس کی جمع سِهَام آتی ہے۔

228- [مسلم (٥٠٠) کتاب الصلاة: باب سترة المصلي' نسائي (٦٢/٢)]

229- [صحيح: السلسلة الصحيحة (٢٧٨٣) احمد (٤٠٤/٣) حاكم (٢٥٢/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٦٤) [بخاري (٤٩٣' ١٨٥٧) كتاب الصلاة' مسلم (٥٠٤)]

(١٦٥) [حسن: صحيح أبو داود (٢٤٦) كتاب الصلاة: باب ما يؤمر المصلي أن يدرأ عن الممر بين يديه' أبو داود (٦٩٨) ابن ماجة (٩٥٤) بيهقي (٢٦٧/٢)]

(١٦٦) [ابن خزيمة (٨٠٠) حاكم (٢٥١/١) بيهقي (٢٦٨/٢)]

(١٦٧) [سبل السلام (٣٢٩/١)]

(١٦٨) [نيل الأوطار (١٩٨/٢)]

(١٦٩) [المحلى (٨/٤-١٥)]

(١٧٠) [تمام المنة (ص/٣٠٠)]

(١٧١) [بخاري (٥٠٦) أحمد (١٣/٦)]

(١٧٢) [سبل السلام (٤١٣/١)]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی چیز کو سترہ بنایا جا سکتا ہے خواہ وہ لکڑی ہو یا تیر' لاٹھی ہو یا کچھ اور' صرف اس کی لمبائی کجاوے کی لکڑی کے برابر ہونی چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سترہ کسی باریک چیز کو بھی بنایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں کسی جانور وغیرہ کو سترہ بنانا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ (۱۷۳)

230- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((يَقْطَعُ صَلَاةَ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ ـ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ ـ: الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ)) الْحَدِيثَ ' وَفِيهِ: ((الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمان مرد کی نماز کو' جبکہ اس کے سامنے پالان کے پچھلے حصہ کے برابر سترہ نہ ہو' عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔" اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "کالا کتا شیطان ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

231- وَلَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَحْوَهُ ' دُونَ الْكَلْبِ۔

اور مسلم میں اسی کی مثل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' لیکن اس میں کتے کا ذکر نہیں۔

232- وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا نَحْوَهُ ' دُونَ آخِرِهِ ' وَقَيَّدَ الْمَرْأَةَ بِالْحَائِضِ۔

اور ابوداود اور نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے' البتہ اس میں حدیث کا آخری حصہ نہیں اور عورت کے ساتھ حائضہ کی قید لگائی ہے۔

لغوی توضیح يَقْطَعُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب قَطَعَ يَقْطَعُ (بروزن منع) سے' اس کا معنی ہے "کاٹنا"۔ حِمَار گدھے کو کہتے ہیں' اس کی جمع حُمُر آتی ہے اور كَلْب کتے کو کہتے ہیں' اس کی جمع كِلَاب آتی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر گدھا' حائضہ عورت اور کالا کتا نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ یہ تینوں چیزیں نماز کو باطل نہیں کرتیں بلکہ صرف اجر و ثواب میں کمی کرتی ہیں۔ جبکہ امام احمدؒ کا موقف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ صرف کتا گزرے تو نماز باطل ہوتی ہے گدھے اور حائضہ عورت کے گزرنے سے نہیں ہوتی۔ (۱۷۴) جمہور نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ روایت ضعیف ہے (جو اس باب کے آخر میں ہے)۔ اگر بالفرض وہ روایت تسلیم کر بھی لی جائے تو یہ تین اشیاء اس مطلق روایت سے خاص ہو جائیں گی اور اصول میں یہ بات ثابت ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا لازم ہے۔ لہٰذا ہمارے علم کے مطابق راجح موقف یہی ہے کہ ان تینوں کے گزرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ' امام ابن قیمؒ' امام ابن حزمؒ اور شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ (۱۷۵)

230- [مسلم (۵۱۰) كتاب الصلاة: باب قدر ما يستر المصلى ' ابو داود (۷۰۲) ترمذی (۳۳۸) نسائی (۶۳/۲) ابن ماجه (۹۵۲) احمد (۱۵۱/۵) ابن خزيمة (۸۰۶)]

231- [مسلم (۵۱۱) كتاب الصلاة: باب قدر ما يستر المصلى ' ابن ماجه (۹۵۰) احمد (۴۲۵/۲)]

232- [صحيح: صحيح ابو داود ' ابو داود (۷۰۳) كتاب الصلاة: باب ما يقطع الصلاة ' نسائی (۶۴/۲)]

(۱۷۳) [صحيح: صحيح أبو داود (۶۴۱) كتاب الصلاة: باب الصلاة إلى الراحلة ' أبو داود (۶۹۲)]

(۱۷۴) [نيل الأوطار (۲۱۰/۲)] (۱۷۵) [كما فى توضيح الأحكام (۷۲/۲)]

❑ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اگر ان تینوں اشیاء کے علاوہ کوئی اور چیز نمازی کے آگے سے گزرے مثلاً کوئی آدمی وغیرہ تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ اس کے مبطل ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ شیخ ابن بازؒ نے اسی کو ثابت کیا ہے۔(۱۷٦)

233- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ : ((فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ)) ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی سترہ سامنے رکھ کے نماز پڑھنے لگے اور کوئی آدمی اس کے سامنے (یعنی سترے اور نمازی کے درمیان) سے گزرنے لگے تو نمازی کو چاہیے کہ اسے روکنے کی کوشش کرے' اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑائی کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔'' [بخاری، مسلم۔ اور ایک روایت میں ہے کہ] ''اس کے ساتھ اس کا ساتھی ہے۔''

لغوی توضیح يَجْتَازَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اجْتَازَ يَجْتَازُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''گزرنا''۔ لِيَدْفَعْ فعل امر کا صیغہ ہے باب دَفَعَ يَدْفَعُ (بروزن منع) سے' اس کا معنی ہے ''روکنا''۔ أَبَى فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَبَى يَأْبَى (بروزن منع) سے' اس کا معنی ہے ''انکار کرنا''۔ الْقَرِيْن ساتھی کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نمازی نے سترہ رکھا ہوا ور کوئی اس کے اور سترے کے درمیانی فاصلے سے گزرنا چاہے تو نمازی کو اسے پہلے اشارے وغیرہ سے روکنا چاہیے' لیکن اگر گزرنے والا نہ رکے تو اس سے لڑائی بھی کی جاسکتی ہے۔ جمہور علماء نے اس عمل کو مستحب جبکہ اہل ظاہر نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اتنے عمل سے نماز باطل نہیں ہوتی۔(۱۷۷)

234- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَلْيَخُطَّ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَلَمْ يُصِبْ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ ' بَلْ هُوَ حَسَنٌ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے لگے تو اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے' اگر کچھ نہ پائے تو چھڑی گاڑ لے اور اگر وہ بھی نہ ہو تو خط ہی کھینچ لے' پھر اس کے سامنے سے گزرنے والا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ [اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور جس نے اسے مضطرب کہا ہے اس کا گمان صحیح نہیں بلکہ یہ حسن درجہ کی روایت ہے۔]

لغوی توضیح فَلْيَنْصِبْ فعل امر ہے باب نَصَبَ يَنْصِبُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''گاڑنا' نصب

233- [بخاری (٥٠٩) کتاب الصلاۃ : باب یرد المصلی من مر بین یدیه' مسلم (٥٠٥) ابو داود (٧٠٠) نسائی (٦٦/٢) ابن ماجه (٩٥٤) احمد (٦٣/٣) ابن الجارود (١٦٧) ابن خزیمة (٨١٩) بیهقی (٦٧/٢)]

234- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (٦٨٩) کتاب الصلاة : باب الخط إذا لم یجد عصا' ابن ماجه (٩٤٣) احمد (٢٤٩/٢) ابن خزیمة (٨١١) ابن حبان (٤٠٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۱۷٦) [فتاوی إسلامیة (٢٤٣/١-٢٤٤)] (۱۷۷) [شرح مسلم (٤٦٤/٢) فتح الباری (١٦٧/٢)]

کرنا" اور عَصَا چھڑی کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بطور سترہ سامنے رکھنے کے لیے کچھ بھی میسر نہ ہو تو خط کھینچ لینا بھی کافی ہے' لیکن اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے۔

235- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ وَادْرَئُوا مَا اسْتَطَعْتُمْ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نماز کو کوئی چیز نہیں کاٹتی' البتہ تم حسب استطاعت (سامنے سے گزرنے والے کو) روکنے کی کوشش کرو۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے جمہور علما نے کہا ہے کہ کوئی بھی چیز' خواہ گدھا ہو یا کالا کتا' نمازی کے آگے سے گزر کر نماز باطل نہیں کرتی' لیکن چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔

باب الحث على الخشوع في الصلاة نماز میں خشوع وخضوع کی ترغیب کا بیان

236- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ ((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ' وَمَعْنَاهُ: أَنْ يَجْعَلَ يَدَهُ عَلَى خَاصِرَتِهِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کولہوں پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ [بخاری' مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔]

237- وَفِي الْبُخَارِيِّ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : ((أَنَّ ذَلِكَ فِعْلُ الْيَهُودِ فِي صَلَاتِهِمْ))۔

اور بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ یہودیوں کی نماز کا طریقہ ہے۔

لغوی توضیح مُخْتَصِرًا اسم فاعل کا صیغہ ہے' اس کا معنی خود مصنف نے بیان کر دیا ہے کہ کولہوں یعنی پہلوؤں پر ہاتھ رکھنا۔

فهم الحديث قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ﴿ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴾ [المومنون : ۲] "وہ اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں۔" نماز چونکہ اللہ ذوالجلال کی جناب میں عاجزی وانکساری اور مسکینی کی حالت بنا کر حاضر ہونے کا ہی نام ہے اور مذکورہ بالا ہیئت وکیفیت نماز میں خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کے خلاف ہے اس لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ نیز یہ یہودیوں کا طریقہ بھی ہے اور یہودیوں کی مشابہت سے بچنا بھی ضروری ہے اس لیے اس سے روک دیا گیا ہے۔

235- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۷۱۹) کتاب الصلاۃ : باب من قال لا یقطع الصلاۃ شیء' دارقطنی (۳۶۸/۱) بیهقی (۲۷۸/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

236- [بخاری (۱۲۲۰) کتاب الجمعة : باب الخصر في الصلاة' مسلم (۵٤٥) ابو داود (۹٤۷) ترمذی (۳۸۳) نسائی (۱۲۷/۲) احمد (۲۳۲/۲) ابن الجارود (۲۲۰) بیهقی (۲۸۷/۲) حاکم (۲٦٤/۱)]

237- [بخاری (۳٤٥۸) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب ما ذكر عن بني إسرائيل]

238- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا الْمَغْرِبَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب شام کا کھانا پیش کر دیا جائے تو نماز مغرب ادا کرنے سے پہلے کھانا کھالیا کرو۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح قُدِّمَ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب قَدَّمَ يُقَدِّمُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے ''پیش کرنا یا حاضر کرنا''۔

فہم الحدیث یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ انسان پوری توجہ اور کامل خشوع وخضوع سے نماز ادا کر سکے' کیونکہ عین ممکن ہے کہ اگر انسان اس صورت میں بھی کھانا چھوڑ کر نماز شروع کر دے تو اس کا دھیان نماز میں بھی کھانے کی طرف ہی لگا رہے اور وہ نماز میں وہ یکسوئی اختیار نہ کر سکے جو حقیقی مطلوب شریعت ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ انسان کو ہر ایسے کام سے اجتناب کرنا چاہیے جو نماز میں غفلت اور حضور قلب کے خاتمے کا سبب بنے۔ جمہور علما کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں جو کھانے کو نماز سے پہلے تناول کرنے کا حکم ہے وہ استحباب کے لیے ہے جبکہ اہل ظاہر نے اسے وجوب پر محمول کیا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے جمہور کے موقف کو ہی ترجیح دی ہے۔(۱۷۸)

239- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَى فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ ' وَزَادَ أَحْمَدُ : ((وَاحِدَةً أَوْ دَعْ)) ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو (سجدہ کرتے وقت سجدہ گاہ سے) کنکریوں کو نہ ہٹائے کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔'' [اسے پانچوں نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے] اور احمد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ'' (اگر ضرور کنکریاں ہٹانا چاہے تو) ایک مرتبہ ہٹا لے یا چھوڑ دے۔''

240- وَفِي الصَّحِيحِ عَنْ مُعَيْقِيبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ بِغَيْرِ تَعْلِيلٍ ۔

اور صحیح بخاری میں معیقیب رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل سبب کے بغیر مروی ہے۔

لغوی توضیح الْحَصَى سے مراد ہے چھوٹی کنکریاں' چھوٹے سنگریزے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران نماز سجدہ کے لیے جگہ صاف کرنے کے لیے سجدہ گاہ سے کنکریاں وغیرہ ہٹانا ممنوع ہے۔ لیکن اگر اشد ضرورت ہو تو صرف ایک مرتبہ ہٹانے کی اجازت ہے۔ جمہور علماء نے اس

238- [بخاری (٦٧٢) كتاب الأذان : باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة ' مسلم (٥٥٧) ترمذی (٣٥٣) نسائی (١١١/٢) ابن ماجه (٩٣٣) احمد (١١٠/٣) ابن خزيمة (٩٣٤)]

239- [ضعيف : ضعيف ابو داؤد ' ابو داود (٩٤٥) كتاب الصلاة : باب في مسح الحصى في الصلاة ' ترمذی (٣٧٩) نسائی (٦/٣) ابن ماجه (١٠٢٧) احمد (١٦٣/٥) ابن خزيمة (٩١٣-٩١٤) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

240- [بخاری (١٢٠٧) كتاب الجمعة : باب مسح الحصا في الصلاة ' مسلم (٥٤٦) ابو داود (٩٤٦) ترمذی (٣٧٩) نسائی (٧/٣) ابن ماجه (١٠٢٦)]

(١٧٨) [توضيح الأحكام (٨٦/٢)]

ممانعت کو کراہت پر محمول کیا ہے (۱۷۹) اور امام نوویؒ نے نماز میں اس عمل کی کراہت پر علماء کا اتفاق نقل فرمایا ہے۔(۱۸۰) اس ممانعت کا سبب حدیث میں ہی موجود ہے کہ اس جگہ رحمتِ الٰہی نمازی کی طرف متوجہ ہوتی ہے' اس لیے نمازی کو بھی کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کی توجہ نماز سے ہٹ کر کسی کام کی جانب مبذول ہو جائے۔ نیز اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نمازی کو چاہیے کہ وہ نماز ادا کرنے سے پہلے ہی سجدہ گاہ کو اچھی طرح صاف کر لے تاکہ دورانِ نماز اسے اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔

241- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: ((هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ تو ایک جھپٹا ہے جس کے ذریعے شیطان بندے کی نماز کو جھپٹ لیتا ہے۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

242- وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَصَحَّحَهُ: ((إِيَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ هَلَكَةٌ وَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ))۔

اور ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (جسے ترمذی نے صحیح کہا ہے) کہ ''نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے بچو کیونکہ یہ موجبِ ہلاکت ہے اور اگر ضرور دیکھنا ہو تو نوافل میں ایسا کر لیا کرو۔''

لغوی توضیح الْاِلْتِفَات مصدر ہے باب اِلْتَفَتَ يَلْتَفِتُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''اِدھر اُدھر دیکھنا''۔ اخْتِلَاس بھی مصدر ہے باب اخْتَلَسَ يَخْتَلِسُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''جھپٹا مارنا' تیزی سے کوئی چیز سلب کر لینا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اِدھر اُدھر جھانکنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ اس سے خشوع خضوع میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور نمازی کی توجہ نماز سے ہٹ جاتی ہے جو کہ نماز میں اس سے مطلوب ہے۔ جمہور علماء نے دورانِ نماز اس عمل کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔(۱۸۱) نیز اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ کراہت بلاضرورت اِدھر اُدھر جھانکنے میں ہے' لیکن اگر اس کی ضرورت پیش آ جائے تو پھر حسبِ ضرورت اس کا جواز بہرحال موجود ہے جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں) نماز ظہر پڑھاتے ہوئے آپ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی طرف دیکھا' پھر بعد میں آپ ﷺ نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا۔(۱۸۲) یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ بوقت ضرورت نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا ممنوع نہیں۔ (واللہ اعلم) علاوہ ازیں اس عمل کو شیطان کا جھپٹا اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ایسی حرکات کے لیے شیطان ہی انسان کو اُبھارتا ہے۔

241- [بخاری (۷۵۱) کتاب الأذان: باب الالتفات فی الصلاۃ' ابو داود (۹۱۰) ترمذی (۵۹۰) نسائی (۸/۳) ابن خزیمۃ (۴۸۴)]

242- [ضعیف: ضعیف ترمذی' ترمذی (۵۸۹) کتاب الصلاۃ: باب ما ذکر فی الالتفات فی الصلاۃ' شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں مقال ہے مگر صحیح احادیث اس کے متن کی صحت کو ثابت کرتی ہیں۔]

(۱۷۹) [نیل الأوطار (۱۸۳/۲)]
(۱۸۰) [شرح مسلم للنووی (۴۲/۳)]
(۱۸۱) [نیل الأوطار (۱۷۷/۲)]
(۱۸۲) [دیکھئے: بخاری (۶۸۳) مسلم (۴۱۳) ترمذی (۳۶۲' ۳۶۳) ابن خزیمۃ (۱۶۲۰) أحمد (۱۵۹/۶)]

243- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا يَبْصُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلٰكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ: ((أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اس لیے وہ نہ تو اپنے سامنے تھوکے اور نہ ہی دائیں جانب، البتہ اپنی بائیں جانب قدم کے نیچے تھوک لے۔'' [بخاری، مسلم۔ اور ایک روایت میں ہے کہ] ''بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوک لے۔''

لغوی توضیح فَلَا يَبْصُقَنَّ فعل نہی کا صیغہ ہے باب بَصَقَ يَبْصُقُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''تھوکنا''۔

فہم الحدیث ایک دوسری روایت جو آئندہ ''باب المساجد'' میں آ رہی ہے بظاہر مذکورہ بالا روایت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں مطلقاً مسجد میں تھوکنے کو گناہ کہا گیا ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا بتایا گیا ہے۔ ان میں اہل علم نے تطبیق یوں دی ہے کہ نماز میں قبلہ رخ اور دائیں جانب تو مطلقاً تھوکنا منع ہے، البتہ بوقت ضرورت بائیں جانب یا قدم کے نیچے اس کا جواز ہے، لیکن اس صورت میں بھی بعد میں تھوک کو مٹی کے ساتھ دفن کرنا یا مَل کر صاف کرنا ضروری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں کھنکھارا، پھر بلغم کو جوتی کے ساتھ مَل لیا۔(١٨٣) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ (مَلنا یا دفن کرنا) بھی تب ہی درست ہے جب مسجد میں کچھ بچھایا نہ گیا ہو، لیکن اگر مسجد میں چٹائیاں (قالین) یا اس کی مثل کوئی چیز بچھائی گئی ہو کہ جس کے باعث تھوک کو دفن کرنا ممکن نہ ہو تو یہ (یعنی مسجد میں تھوکنا) ایسا گناہ ہوگا جس کا کفارہ ادا نہیں کیا گیا۔(١٨٤) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان ایسی مسجد میں نماز ادا کر رہا ہو جس میں چٹائیاں یا قالین وغیرہ بچھائے گئے ہوں تو اسے بوقت ضرورت زمین پر تھوکنے کی بجائے کسی کپڑے یا رومال وغیرہ میں ہی تھوک کر اسے بعد میں دھو لینا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

244- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: ((أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک مختلف رنگوں والی چادر تھی جسے انہوں نے اپنے حجرے میں ایک جانب (بطور پردہ) لٹکا رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی اس رنگین چادر کو ہم سے ہٹا لو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں میرے سامنے آتی ہے (اور نماز میں خلل اندازی کا باعث بنتی ہیں)۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

245- وَاتَّفَقَا عَلَى حَدِيثِهَا فِي قِصَّةِ أَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَفِيهِ: ((فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي

بخاری اور مسلم ابوجہم رضی اللہ عنہ کی موٹی چادر کے قصے میں حدیث پر متفق ہیں، اس میں ہے کہ ''اس چادر نے مجھے میری نماز سے غافل کر

243- [بخاری (٤٠٥) كتاب الصلاة: باب حك البزاق باليد من المسجد، احمد (١٠٩/٣) دارمی (١٣٩٦) مسلم (٥٥١) نسائی (١٦٣/١) ابن ماجه (١٠٢٢)]

244- [بخاری (٣٧٤) كتاب الصلاة: باب إن صلى فى ثوب مصلب أو تصاوير، احمد (١٥١/٣)]

245- [بخاری (٣٧٣) مسلم (٥٥٦) ابو داود (٩١٤) نسائی (٧٢/٢) ابن ماجه (٣٥٥٠) احمد (٣٧/٦)]

(١٨٣) [مسلم (٥٥٢)] (١٨٤) [السيل الجرار (١٨٢/١)]

عَنْ صَلَاتِیْ))۔ دیا ہے۔"

لغوی توضیح قِرَامٌ اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو باریک اُون سے مختلف رنگوں میں بنایا گیا ہو۔ أَمِيْطِي فعل امر کا صیغہ ہے باب أَمَاطَ يُمِيْطُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے'' ہٹانا''۔ أَنْبِجَانِيَة موٹی اُونی چادر کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث ابوجہم رضی اللہ عنہ کی چادر کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نقش و نگار والی چادر بطور ہدیہ پیش کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز ادا فرمائی تو اس چادر کے نقوش آپ کی نماز میں خرابی کا باعث بنے' جس بنا پر آپ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ اس نقوش والی چادر کو ابوجہم رضی اللہ عنہ کے پاس واپس لے جاؤ اور اس سے موٹی اُونی چادر لے آؤ۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گھر اور اپنی جائے نماز سے فوری طور پر اُن اشیاء کو ہٹا دینا چاہیے جو نماز میں خلل اندازی کا باعث ہوں اور مساجد وغیرہ میں بھی ایسے نقش و نگار نہیں بنانے چاہییں جو نمازی کی توجہ خراب کرنے کا ذریعہ بنیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی جگہ پر نماز پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی' اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں دُہرائی۔(۱۸۵)

246- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ أَوْ لَا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھانے سے باز آ جائیں ورنہ (ایسا نہ ہو کہ) وہ ان کی طرف واپس ہی نہ آئیں (یعنی وہ اندھے ہو جائیں)۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھانا سخت منع ہے۔ امام نوویؒ نے نقل فرمایا ہے کہ نماز میں اس عمل کی حرمت پر اجماع ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ امام نوویؒ کی مراد ہے'' جمہور علماء کا اجماع'' کیونکہ امام احمدؒ نے اسے صرف مکروہ کہا ہے۔ امام ابن حزمؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ نماز میں آسمان کی طرف نظریں اٹھانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔(۱۸۶) اس ممانعت کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ عمل آدابِ نماز اور خشوع و خضوع جو روحِ نماز ہے' کے خلاف ہے۔

247- وَلَهُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ))۔

اور مسلم میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''جب کھانا حاضر ہو اور قضائے حاجت در پیش ہو تو نماز نہیں ہوتی۔''

فہم الحدیث یہ اشیاء چونکہ نماز میں یکسوئی اور خشوع خضوع کی خرابی کا باعث بنتی ہیں اس لیے ان کی موجودگی میں نماز سے روکا گیا ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی اس حالت میں نماز پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں۔

246- [مسلم (٤٢٨) كتاب الصلاة: باب النهي عن رفع البصر إلى السماء في الصلاة' ابو داود (٩١٢) ابن ماجه (١٠٤٥) دارمي (١٣٠١)]

247- [مسلم (٥٦٠) كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله' ابو داود (٨٩) مسند احمد (٤٣/٦) ابن خزيمة (٩٣٣)]

(١٨٥) [دیکھئے: سبل السلام (٤٣٦/١-٤٣٧)]

(١٨٦) [دیکھئے: سبل السلام (٤٣٨/١) توضيح الأحكام (١٠٢/٢)]

جمہور علماء کا کہنا ہے کہ نماز ہو جائے گی لیکن کامل نہیں ہوگی اس لیے اسے دوبارہ پڑھنا مستحب ہے۔ جبکہ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے جمہور کے موقف کو ترجیح دی ہے۔(۱۸۷)

248- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَزَادَ: ((فِي الصَّلَاةِ)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جمائی شیطان کی طرف سے ہے' لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ حسب استطاعت اسے روکے۔" [اسے مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی میں یہ اضافہ ہے کہ] "نماز میں۔"

لغوی توضیح فَلْيَكْظِمْ فعل امر کا صیغہ ہے باب كَظَمَ يَكْظِمُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "روکنا"۔

فہم الحدیث جمائی چونکہ سستی و کاہلی کا باعث بنتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے (۱۸۸) اور جو چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو وہ شیطان کو ضرور پسند ہوتی ہے اسی لیے اس کی نسبت شیطان کی طرف کر دی گئی ہے۔ اسے منہ بند کر کے یا ہاتھ کے ساتھ روکنا چاہیے اور آواز نہیں نکالنی چاہیے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ جمائی کے وقت آواز نکالنے سے شیطان خوش ہوتا ہے۔(۱۸۹) ایک دوسری روایت میں جمائی کو روکنے کے متعلق یوں فرمانِ نبوی منقول ہے کہ "جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ شیطان جمائی کے وقت منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔"(۱۹۰)

باب المساجد — مساجد کا بیان

249- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَ إِرْسَالَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں (یعنی محلوں) میں مساجد تعمیر کرنے اور انہیں صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ [اسے احمد' ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کے مرسل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔]

لغوی توضیح لفظ مَسَاجِد جمع ہے مَسْجِد کی' اس کا معنی ہے سجدہ گاہ اور اصطلاحی طور پر اس سے مراد ہر وہ مقام ہے جسے نماز کے لیے خاص کر لیا گیا ہو۔ الدُّوْر جمع ہے دَار کی' اس کا معنی ہے "گھر" اور یہاں مراد ہے علاقے اور محلے۔ تُنَظَّفُ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب تَنَظَّفَ يُنَظِّفُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "صاف ستھرا کرنا"۔

248- [مسلم (۲۹۹٤) کتاب الزهد والرقائق: باب تشمیت العاطس وکراهة التثاؤب' ترمذی (۳۷۰)]

249- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٤٥٥) کتاب الصلاة: باب اتخاذ المساجد فی الدور' ترمذی (٥٩٤) ابن ماجه (٧٥٩) احمد (٦/٢٧٩) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٨٧) [توضیح الأحکام (١٠٣/٢)]

(١٨٨) [بخاری (٦٢٢٦) ابو داود (٥٠٢٨) ترمذی (٢٧٤٧) نسائی فی السنن الکبری (١٠٠٤٣)]

(١٨٩) [بخاری (٦٢٢٣)]

(١٩٠) [مسند احمد (٣/٣١-٣٧) الأدب المفرد للبخاری (٩٤٩) مسلم (٢٩٩٥) ابو داود (٥٠٢٦)]

تُطَيَّبَ بھی فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب طَيَّبَ يُطَيِّبُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "خوشبودار بنانا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقوں اور محلوں میں مساجد تعمیر کرنی چاہییں۔ امام صنعانیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مساجد کی تعمیر کا حکم استحباب کے لیے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "میرے لیے ساری زمین کو پاکیزہ و مسجد بنایا گیا ہے لہٰذا جس شخص کو بھی نماز مل جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے جہاں اسے ملی ہے۔"(۱۹۱) مساجد کی تعمیر کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ "جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی مثل جنت میں (گھر) بنائیں گے۔"(۱۹۲) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا مناسب بندوبست کرنا بھی اہل اسلام پر لازم ہے۔

250- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَزَادَ مُسْلِمٌ: ((وَالنَّصَارَى))۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا تھا۔" [بخاری، مسلم۔ مسلم نے نصاریٰ کے لفظ کا بھی اضافہ نقل کیا ہے۔]

251- وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: ((كَانُوا إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا)) وَفِيهِ: ((أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ))۔

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ "یہ بدترین مخلوق ہیں"

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا حرام ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کی بعض بیویوں نے ایک گرجے کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ حضرت اُم سلمہ اور حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہما دونوں حبش کے ملک میں گئی تھیں۔ انہوں نے اس کی خوبصورتی اور اس میں رکھی گئی تصاویر کا بھی ذکر کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا "ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہوتا ہے تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے ہیں پھر اس کی تصویر اس میں رکھ دیتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔"(۱۹۳) ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ "بے شک بدترین لوگ وہ ہیں جن زندہ افراد پر قیامت قائم ہوگی اور جو قبروں کو مسجدیں بنا لیتے ہیں۔"(۱۹٤) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں یہ فرما رہے تھے "اللہ

250- [بخاری (٤٣٧) كتاب الصلاة : باب الصلاة في البيعة، مسلم (٥٣٠) ابو داود (٣٢٢٧) نسائی (٩٥/٤) احمد (٢٨٤/٢) ابن حبان (٢٣٢٦) بيهقی (٨٠/٤)]

251- [بخاری (٤٢٧) كتاب الصلاة : باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، مسلم (٥٢٨) نسائی (٤١/٢) احمد (٥١/٦)]

(١٩١) [سبل السلام (٤٤٢/١)]

(١٩٢) [بخاری (٤٥٠) مسلم (٥٣٣) ترمذی (٣١٨) ابن ماجة (٧٣٦) أحمد (٧٠/١) ابن خزيمة (١٢٩١) دارمی (٣٢٣/١)]

(١٩٣) [بخاری (١٣٤١) مسلم (٥٢٨) نسائی (١١٥/١) أبو عوانة (٤٠٠/٢) بيهقی (٨٠/٤) أحمد (٥١/٦) ابن أبي شيبة (١٤٠/٤) شرح السنة للبغوی (٥٠٩)]

(١٩٤) [حسن : أحكام الجنائز (ص/٢٧٨) أحمد (٣٨٤٤) طبرانی كبير (١٠٤١٣) ابن أبي شيبة (٣٤٥/٣) ابن حبان (٣٤٠)]

تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے' انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔''(۱۹۵) ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام ابن حجر ہیثمیؒ (۱۹۶) اور امام شوکانیؒ (۱۹۷) نے قبروں کو مساجد بنانا کبیرہ گناہ' اور شیخ سلیم ہلالی (۱۹۸) اور شیخ صالح بن فوزان (۱۹۹) نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ امام صنعانیؒ نے فرمایا ہے کہ قبروں کو مساجد بنا لینے میں یہ دونوں مفہوم ہی شامل ہیں: (1) قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔ (2) قبروں پر (مساجد بنا کر) نماز پڑھنا۔(۲۰۰) علامہ ناصر الدین البانیؒ نے کہا ہے کہ قبروں کو مسجدیں بنانے میں تین اُمور شامل ہیں: (1) قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔ (2) قبروں پر سجدے کرنا۔ (3) قبروں پر مسجدیں بنانا۔(۲۰۱)

252- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا ' فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ......)) الْحَدِيثَ ' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (کسی جانب) ایک دستہ روانہ کیا' وہ لوگ ایک آدمی (یمامہ کے سردار ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہ) کو (قیدی بنا کر) لے آئے اور اسے مسجد (نبوی) کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

لغوی توضیح رَبَطُوا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب رَبَطَ يَرْبِطُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''باندھنا''۔ سَوَارِي جمع ہے سَارِيَة کی اور اس کا معنی ہے ''ستون''۔

فهم الحديث حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو جب مسجد میں باندھا گیا اس وقت وہ مشرک تھے لیکن تین دن کے بعد جب انہیں رہا کیا گیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت مشرک کو مسجد میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ وہ روایت بھی اس کی دلیل ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا۔(۲۰۲) امام زرکشیؒ فرماتے ہیں کہ کافر کے لیے مسجد میں داخلہ اور اس میں ٹھہرنا ممکن ہے' کیونکہ کفار مسجد نبوی میں داخل ہوا کرتے تھے اور امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ''مسجد میں مشرک کے داخلے کا بیان'' اور اس کے تحت اُس دیہاتی کی حدیث نقل فرمائی ہے جو آپ ﷺ سے اسلام کے متعلق سوال کر رہا تھا اور یہود کی حدیث نقل فرمائی ہے جنہوں نے آ کر ذکر کیا تھا کہ ان کی ایک عورت اور مرد نے زنا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔(۲۰۳) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیدی کو مسجد میں باندھا جا سکتا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

252- [بخاری (۳٦۲) کتاب الصلاة : باب إذا کان الثوب ضیقا' مسلم (۱۷٦٤) ابو داود (۲٦۷۹) نسائی (۲/٤٦)]

(۱۹۵) [حسن : تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد للألبانی (ص / ۱۹)]۔

(۱۹٦) [الزواجر (۱/۱۲۰-۱۲۱)]

(۱۹۷) [نیل الأوطار (۳/٤۰)]

(۱۹۸) [موسوعة المناهي الشرعیة (۲/۲٦)]

(۱۹۹) [بحوث فقهية في قضايا عصرية (ص / ۲٦٤)]

(۲۰۰) [سبل السلام (۱/۲۱٤)]

(۲۰۱) [أحكام الجنائز وبدعها (ص / ۲۷۹)]

(۲۰۲) [شرح معاني الآثار (۱/۱۳) عن الحسن مرسلا' زاد المعاد (۳/٤۹۹) طبقات ابن سعد (۱/۲/۳۱)]

(۲۰۳) [كما في توضیح الأحكام (۲/۱۱۹)]

253- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرَّ بِحَسَّانَ يُنْشِدُ فِي الْمَسْجِدِ ' فَلَحَظَ إِلَيْهِ ' فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ أُنْشِدُ فِيهِ وَفِيهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے' وہ اشعار پڑھ رہے تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف گھور کر دیکھا تو انہوں نے کہا' (مجھے گھور و مت) میں تو اس وقت بھی مسجد میں اشعار پڑھا کرتا تھا جب اس میں وہ ذات موجود ہوتی تھی جو تم سے بہتر تھی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح يُنْشِدُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَنْشَدَ يُنْشِدُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''شعر سنانا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار پڑھنا جائز ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ ایسے اشعار پڑھنا ہر گز جائز نہیں جو توحید کے منافی اور شرکیہ اُمور پر مشتمل ہوں' یا جن میں فحاشی و بے حیائی کا عنصر موجود ہو۔ایسے اشعار نہ تو مساجد میں جائز ہیں اور نہ ہی مساجد سے باہر کسی اور جگہ۔نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ جو شعر پڑھا کرتے تھے وہ کفار کی ہجو پر مشتمل ہوتے تھے۔(٢٠٤) تاہم ایک روایت میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں شعر و شاعری کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(٢٠٥) اہل علم نے ان متعارض روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ ممانعت اہل جاہلیت کے اشعار' باطل و گمراہ فرقوں کے اشعار اور اُن اشعار کی ہے جو بے مقصد ہوں اور جو اشعار ایسے نہ ہوں ان کی اجازت ہے۔(واللہ اعلم)

254- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص مسجد میں کسی آدمی کو گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو کہے' اللہ تعالیٰ وہ چیز تمہیں واپس نہ لوٹائے' یقیناً مساجد اس مقصد کے لیے نہیں بنائی گئیں۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح يَنْشُدُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب نَشَدَ يَنْشُدُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''تلاش کرنا''۔ضَالَّة گمشدہ جانور کو کہتے ہیں لیکن دوسری اشیاء کو بھی اس پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔البتہ دوسری گمشدہ اشیاء کے لیے لغت میں ضائع اور لقطة کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں گمشدہ اشیاء کے اعلان سے احتراز کرنا چاہیے اور جو کوئی گمشدہ چیز کا اعلان کر رہا ہو اسے مذکورہ بددعا دینی چاہیے۔حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے باہر دروازے پر گمشدہ چیز کا اعلان کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ مسجد کا حصہ نہیں۔نیز اس حدیث میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ مسجد میں صرف وہی افعال سرانجام دینے چاہییں جو اس کی تعمیر سے مقصود ہیں یعنی نماز' ذکر الٰہی' وعظ و نصیحت اور تلاوت قرآن وغیرہ۔

253- [بخاری (٣٢١٢) كتاب بدء الخلق : باب ذكر الملائكة ' مسلم (٢٤٨٥) نسائی (٤٨/٢) احمد (٢٢٢/٥)]

254- [مسلم (٥٦٨) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب النهى عن نشد الضالة فى المسجد ' ابو داود (٤٧٣) ابن ماجه (٧٦٧) احمد (٣٤٩/٢)]

(٢٠٤) [بخاری (١٣٦/٤) كتاب بدء الخلق]

(٢٠٥) [حسن : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (٧٤٩) نسائی (٧١٥) ترمذی (٣٢٢) ابن خزيمة (١٣٠٦)]

255- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَهُ: لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم کسی کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو اسے کہو''اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے۔''[اسے نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں خرید وفروخت حرام ہے اور جو کسی خرید وفروخت کرنے والے کو دیکھے اس پر واجب ہے کہ وہ اسے کہے''اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے''۔ یہ ممانعت اس لیے ہے کہ مساجد کی تعمیر اللہ کی عبادت واطاعت کے لیے عمل میں لائی گئی ہے اور اگر اس میں خرید وفروخت شروع کردی جائے تو اس کی تعمیر کا مقصد ہی فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔علاوہ ازیں اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا بیع منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟ تو امام شافعیؒ اور دیگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تحریم کے باوجود بیع منعقد ہو جائے گی لیکن امام احمدؒ کہتے ہیں کہ منعقد نہیں ہوگی۔ (٢٠٦) امام ماوردیؒ نے کہا ہے کہ بالاتفاق بیع منعقد ہو جائے گی۔(٢٠٧)

256- وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُسْتَقَادُ فِيهَا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''مساجد میں نہ تو حدود قائم کی جائیں اور نہ ہی قصاص لیا جائے۔''[اسے احمد اور ابوداود نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح لَا يُسْتَقَادُ' قود سے ماخوذ ہے اور باب اِسْتَقَادَ يَسْتَقِيْدُ (بروزن استفعال) سے فعل نفی کا صیغہ ہے'اس کا معنی ہے''قصاص لینا''۔

فھم الحدیث یہ حدیث مسجد میں اقامتِ حدود اور حصولِ قصاص کی حرمت کی دلیل ہے۔امام شوکانیؒ (٢٠٨)، امام صنعانیؒ (٢٠٩) اور شیخ عبداللہ بسامؒ (٢١٠) اسی کے قائل ہیں۔بعض اہل علم نے اس ممانعت کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ جس پر حد قائم کی جارہی ہے یا جس سے قصاص لیا جارہا ہے اس سے خارج ہونے والے خون سے مسجد آلودہ ہو سکتی ہے یا اسی طرح اس کی بلند آواز سے آدابِ مسجد مجروح ہو سکتے ہیں'اس لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

255- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (١٣٢١) كتاب البيوع : باب النهي عن البيع في المسجد' نسائی (٥٢/٦) دارمی (١٤٠١) حاکم (٥٦/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

256- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٤٩٠) كتاب الحدود : باب في إقامة الحد في المسجد' حاکم (٣٧٨/١) احمد (٤٣٤/٣) دارقطنی (٨٥/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن لغیرہ کہا ہے۔]

(٢٠٦) [كما في توضيح الأحكام (١٢٥/٢)]

(٢٠٧) [كما في سبل السلام (٤٤٩/١)]

(٢٠٨) [نيل الأوطار (٦٦٥/١)]

(٢٠٩) [سبل السلام (٣٠٩/١)]

(٢١٠) [توضيح الأحكام (١٢٧/٢)]

257- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جنگ خندق کے روز حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگا دیا تا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث یہ جنگ شوال 5 ہجری میں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بازو کی رگ میں دشمن کا ایک تیر لگ گیا تھا' جس کی وجہ سے اُن کا خون رُکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے مسجد میں اپنے قریب ہی ان کے لیے خیمہ لگا دیا تھا تا کہ بآسانی ان کی عیادت کر سکیں۔ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ بوقتِ ضرورت مسجد میں مریض کا قیام' سونا' اس کی تیمارداری اور اس کے علاج معالجے کا انتظام جائز و درست ہے۔ امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔(۲۱۱)

258- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتُرُنِي، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ ......)) الْحَدِيثُ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ میرے لیے اَوٹ بنے ہوئے تھے اور میں مسجد میں (عید کے روز ڈھال اور نیزوں کے ساتھ) کھیلنے والے حبشیوں کو دیکھ رہی تھی۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْحَبَشَةُ جمع ہے حَبَشِی کی' اس سے حبشہ کے رہنے والے مراد ہیں۔ يَلْعَبُوْنَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب لَعِبَ يَلْعَبُ (بروزن علم) سے' اس کا معنی ہے ''کھیلنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جنگی مشقیں کرنا اور عسکری تربیت لینا جائز ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت بوقتِ ضرورت اجنبی مردوں کو دیکھ سکتی ہے' البتہ یہ یاد رہے کہ اس کے لیے شہوت کی نظر سے مردوں کو دیکھنا جائز نہیں۔

259- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ((أَنَّ وَلِيْدَةً سَوْدَاءَ كَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَكَانَتْ تَأْتِيْنِيْ فَتَحَدَّثُ عِنْدِي ......)) الْحَدِيثُ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کی لڑکی کا خیمہ مسجد میں تھا اور وہ میرے پاس آتی اور میرے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔

لغوی توضیح وَلِيْدَة کی جمع وَلَائِد آتی ہے' اس کا معنی ہے ''لونڈی''۔ خِبَاء خیمے کے معنی میں ہے اور تَحَدَّثُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَحَدَّثَ يَتَحَدَّثُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے ''باتیں کرنا' کلام کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بھی مسجد میں رات بسر کر سکتی ہے اور اس کے لیے مسجد میں خیمہ بھی

257- [بخاری (٤٦٣) كتاب الصلاة : باب الخيمة في المسجد للمرضى وغيرهم' مسلم (١٧٦٩) ابو داود (٣١٠١) نسائی (٤٥/٢) احمد (٥٦/٦)]

258- [بخاری (٩٤٩-٩٥٠) كتاب الجمعة : باب الحراب والدرق يوم العيد' مسلم (٨٩٢) نسائی (١٩٥/٣) احمد (٣٣/٦)]

259- [بخاری (٤٣٩-٣٨٣٥) كتاب المناقب : باب أيام الجاهلية]

(٢١١) [نيل الأوطار (٦٧٢/١)]

نصب کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کسی فتنہ وفساد کا خدشہ نہ ہو۔امام صنعانیؒ (۲۱۲) اور شیخ عبداللہ بسامؒ (۲۱۳) اسی کے قائل ہیں۔

260- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْبُصَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث کی وضاحت گزشتہ حدیث نمبر 243 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

261- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ لوگ مساجد کی تعمیر میں باہم فخر کرنے لگیں گے۔'' [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح يَتَبَاهَى فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَبَاهَى يَتَبَاهَى (بروزن تفاعل) سے اس کا معنی ہے ''باہم فخر کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب لوگ مقابلے بازی کے لیے مساجد تعمیر کریں گے' انہیں خوب بنا سنوار کر یوں فخریہ طور پر کہیں گے کہ میری مسجد تمہاری مسجد سے بلندی اور خوبصورتی میں بڑھ کر ہے (لیکن مساجد کی تعمیر کا اصل مقصد عبادت وریاضت الٰہی اور ذکر واذکار وغیرہ فوت ہو کر رہ جائے گا)۔اس حدیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ یہ عمل ناجائز وغیر مناسب ہے' لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

262- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَا أُمِرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے مساجد کو چونا گچ کرنے اور انہیں آراستہ ومزین کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح تَشْيِيدُ مصدر ہے باب شَيَّدَ يُشَيِّدُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے ''چونا گچ کرنا' نقش ونگار کرنا''۔

فهم الحديث کتب احادیث میں مذکورہ بالا فرمان نبوی کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی درج ہے ''تم

260- [بخاری (٤١٥) كتاب الصلاة : باب كفارة البزاق فى المسجد ' مسلم (٥٥٢) ابو داود (٤٧٤) ترمذی (٥٧٢) نسائی (٥٠/٢) دارمی (١٣٩٥)]

261- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٤٤٩) كتاب الصلاة : باب فى بناء المساجد ' نسائی (٣٢/٢) ابن ماجه (٧٣٩) احمد (١٣٤/٣) دارمی (١٤٠٨) ابن خزيمة (١٣٢٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

262- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٤٤٨) كتاب الصلاة : باب فى بناء المساجد ' بيهقى (٤٣٨/٢) ابن حبان (١٦١٤۔الاحسان) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔امام شوکانیؒ نے کہا ہے کہ اسے امام ابن حبانؒ نے صحیح کہا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔]

---

(٢١٢) [سبل السلام (٤٥٣/١)]

(٢١٣) [توضيح الأحكام (١٣٣/٢)]

ضرور مساجد کو اس طرح مزین کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے مزین کیا تھا۔"(۲۱٤) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں نقش و نگاری اور تزئین و آرائش کا کام خلافِ سنت اور ناجائز ہے۔ اہل علم نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ مساجد میں بیل بوٹوں اور آرائش کے کام کے باعث نمازی کی توجہ اللہ تعالیٰ سے ہٹ جاتی ہے' اس لیے اس سے روک دیا گیا ہے۔ نیز عہدِ رسالت مآب اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں مالی فراوانی کے باوجود کہیں بھی مساجد میں نقش و نگار کرانے کے آثار نہیں ملتے۔ سب سے پہلے خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اپنی ذاتی خواہش سے مسجد نبوی میں آرائش و زیبائش کا کام کرایا' اسے نہ تو اہل علم نے اس کی کوئی رائے دی تھی اور نہ ہی اس کے پاس سنت سے اس کا کوئی ثبوت تھا۔ علاوہ ازیں اس عمل سے اس لیے بھی اجتناب ضروری ہے کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے اور یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے بچنا ہی عین اسلام ہے۔

263- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((عُرِضَتْ عَلَيَّ أُجُورُ أُمَّتِي حَتَّى الْقَذَاةَ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَاسْتَغْرَبَهُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھ پر میری امت کے باعثِ اجر اعمال پیش کیے گئے حتیٰ کہ وہ تنکا بھی پیش کیا گیا جسے آدمی مسجد سے نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔" [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے' ترمذی نے اسے غریب جبکہ ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أُجُوْر اجر کی جمع ہے اور اجر اس ثواب کو کہتے ہیں جو نیکیوں کے بدلے میں ملتا ہے۔ اَلْقَذَاةَ تنکے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث یہ روایت تو ضعیف ہے' البتہ شریعت کی دیگر تعلیمات سے یہی معلوم ہوتا ہے مساجد کو صاف ستھرا اور پاکیزہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے' جیسا کہ اسی باب کی پہلی حدیث میں یہ حکم موجود ہے۔

264- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت (نفل) ادا کر لے۔" [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں آنے والے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرے۔ ان نوافل کو **تحیۃ المسجد** کہا جاتا ہے۔ اس نماز کے حکم میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ جمہور علماء اسے مستحب کہتے ہیں' جبکہ اہل ظاہر (۲۱٥)، امام شوکانیؒ (۲۱٦) اور امام صنعانیؒ (۲۱۷) وغیرہ نے اس کے وجوب کو ہی ترجیح دی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کی ادائیگی واجب نہیں بلکہ سنتِ مؤکدہ

263- [**ضعیف**: ضعیف أبو داود' ابو داود (٤٦١) كتاب الصلاة: باب في كنس المسجد' ترمذي (٢٩١٦) ابن خزيمة (١٢٩٧) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن اس کے شواہد ہیں اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

264- [بخاري (٤٤٤) كتاب الصلاة: باب إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين' مسلم (٧١٤) ابو داود (٤٦٧) ترمذي (٣١٦) نسائي (٥٣/٢) ابن ماجه (١٠١٣) احمد (٢٩٥/٥) ابن خزيمة (١٨٢٥)]

(٢١٤) [**صحيح**: صحيح ابو داود' ابو داود (٤٤٨) المشكاة (٧١٨)]
(٢١٥) [تحفة الأحوذي (٢٦٥/٢)]
(٢١٦) [سبل السلام (٣٦٦/١)]
(٢١٧) [نيل الأوطار (٢٩٢/٢)]

ہے۔ (واللہ اعلم) حافظ ابن حجرؒ (۲۱۸)، امام نوویؒ (۲۱۹)، امام ابن قدامہؒ (۲۲۰) اور امام ابن حزمؒ (۲۲۱) وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ انہوں نے جن دلائل کو پیش نظر رکھا ہے ان میں ایک روایت وہ ہے جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو فرض نمازوں کی تعداد پانچ بتلائی تو انہوں نے عرض کیا' کیا ان نمازوں کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا"نہیں' مگر یہ کہ تم خوشی سے کوئی نماز پڑھو۔"(۲۲۲) اور دوسری وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے صحابہ مسجد میں داخل ہوتے' پھر نکلتے اور وہ کوئی نماز (یعنی تحیۃ المسجد وغیرہ) نہیں پڑھتے تھے۔"(۲۲۳)

باب صفة الصلاة — نماز کے طریقہ ادائیگی کا بیان

نماز کے مفصل طریقہ ادائیگی کو جاننے سے پہلے نماز کا مختصر طریقہ ضرور ملاحظہ فرمایئے اور نماز کی وہ کیفیت اور طریقہ جو نبی کریم ﷺ اور امت اسلامیہ سے تواتر کے ساتھ ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان وضوء کرے' اپنے ستر کو ڈھانپے' قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو جائے' خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کی نیت اپنے دل میں کرے' ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں کی لو تک اٹھا کے "اللّٰه أكبر" کہے' اپنے ہاتھ سینے پر اس طرح باندھ لے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہو' اپنی نگاہیں سجدے کی جگہ پر رکھے' پہلے ثناء پڑھے پھر "أعوذ بالله" اور "بسم الله" کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھ لے۔

پھر رفع الیدین کرتا ہوا اللہ اکبر کہے اور رکوع میں چلا جائے' دوران رکوع کمر بالکل سیدھی ہو اور دونوں ہاتھ اس طرح گھٹنوں پر رکھے ہوئے ہوں کہ بازو بالکل سیدھے ہوں' رکوع میں سر کمر کے برابر ہونا چاہیے نہ زیادہ نیچے ہو اور نہ زیادہ اوپر' رکوع کی تسبیحات پڑھے' پھر "سمع الله لمن حمده" کہہ کر اور رفع الیدین کرتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے پھر "ربنا ولك الحمد" کہے اور اطمینان سے کھڑا ہو جائے' پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اس طرح سجدہ ریز ہو کہ پہلے زمین پر ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھے' سجدے میں سات اعضاء' یعنی دونوں ہاتھ' دونوں پاؤں' دونوں گھٹنے اور چہرہ (پیشانی اور ناک) زمین پر لگے ہونے چاہییں' سجدے میں کہنیاں زمین سے بلند اور پہلوؤں اور رانوں سے الگ رہیں۔

سجدے کی تسبیحات پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اور دائیں کو اس طرح کھڑا کر کے کہ انگلیاں قبلہ رخ ہوں پورے اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے اور "رب اغفرلی" یا دوسری دعا پڑھے' پھر اللہ اکبر کہے اور اسی طرح دوسرا سجدہ کرے' پھر اللہ اکبر کہہ کر اطمینان سے جلسۂ استراحت کے لیے قدرے بیٹھے اور پھر اپنے ہاتھوں پر وزن ڈالتا ہوا دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔

دوسری رکعت اسی طرح پڑھے' دوسری رکعت کے دوسرے سجدے کے بعد تشہد کے لیے اس طرح بیٹھے جیسے دو سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا اور "التحیات" پڑھے' تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملانا ضروری نہیں' آخری تشہد میں اپنی پشت کو اس طرح زمین پر رکھ کر بیٹھے کہ بایاں پاؤں دائیں جانب سے کچھ باہر آ جائے' اس تشہد میں "درود ابراہیمی" اور اس کے بعد "مسنون دعائیں" بھی پڑھے' مکمل تشہد میں اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے اشارہ کرتا رہے اور آخر میں دونوں طرف "سلام"

---

(۲۱۸) [فتح الباری (۶٤۰/۱)]

(۲۱۹) [شرح مسلم (۲٤٤/۳)]

(۲۲۰) [المغنی (۵۵٤/۲)]

(۲۲۱) [نیل الأوطار (۲۹۱/۲)]

(۲۲۲) [بخاری (٤٦) کتاب الایمان : باب الزکاۃ من الاسلام]

(۲۲۳) [ابن أبی شیبة (۳٤۲۸)]

پھیر دے اور یاد رہے کہ اگر صرف ایک طرف (یعنی دائیں جانب) ہی سلام پھیر دیا جائے تو کفایت کر جاتا ہے۔

265- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا)) أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَلِابْنِ مَاجَهْ بِإِسْنَادِ مُسْلِمٍ: ((حَتَّى تَطْمَئِنَّ قَائِمًا)).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم نماز کی ادائیگی کا ارادہ کرو تو (پہلے) اچھی طرح وضوء کرو پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہو پھر جتنا قرآن تمہیں یاد ہو اس میں سے جتنا بآسانی پڑھ سکتے ہو پڑھ لو پھر پورے اطمینان کے ساتھ رکوع کرو پھر (رکوع کے بعد کھڑے ہو جاؤ حتی کہ برابر ہو کر کھڑے ہو جاؤ پھر پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر (سجدے سے) اٹھو حتی کہ پورے اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر اپنی باقی ساری نماز میں اسی طرح کرتے جاؤ۔" [اسے ساتوں نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ بخاری کے ہیں۔ ابن ماجہ میں مسلم کی سند سے (رکوع سے کھڑے ہونے کے متعلق) ہے کہ] "پورے اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ۔"

266- وَمِثْلُهُ فِي حَدِيثِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَ ابْنِ حِبَّانَ - وَلِأَحْمَدَ: ((فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ)) - وَلِلنَّسَائِيِّ وَ أَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ((إِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ اللَّهَ تَعَالَى وَيَحْمَدُهُ وَيُثْنِي عَلَيْهِ)) وَفِيهَا: ((فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ، وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللَّهَ وَ كَبِّرْهُ وَ هَلِّلْهُ)) وَلِأَبِي دَاوُدَ: ((ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَبِمَا شَاءَ اللَّهُ)) وَلِابْنِ حِبَّانَ: ((ثُمَّ بِمَا شِئْتَ)).

اور احمد اور ابن حبان میں رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی طرح ہے اور احمد میں ہے کہ "اپنی کمر کو سیدھا کرو حتی کہ ہڈیاں (اپنے مقام میں) واپس آ جائیں۔" اور نسائی اور ابوداود میں رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "بلاشبہ تم میں سے کسی ایک کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وضوء نہ کرے، پھر تکبیر کہے اور پھر اللہ کی حمد و ثناء بیان کرے۔" اور اس میں یہ بھی ہے کہ "اگر تمہیں کچھ قرآن یاد ہو تو پڑھو ورنہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو، اللہ اکبر کہو اور لا الہ الا اللہ کہو۔" اور ابوداود میں ہے کہ "پھر ام الکتاب (یعنی سورۂ فاتحہ) پڑھو اور جو اللہ چاہے۔" اور ابن حبان میں ہے کہ "پھر جو تو چاہے۔"

لغوی توضیح تَعْتَدِلَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِعْتَدَلَ يَعْتَدِلُ (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے "برابر

265- [بخاری (۷۵۷) کتاب الأذان: باب وجوب القراءة للإمام والمأموم، مسلم (۳۹۷) ابو داود (۸۵۶) ترمذی (۳۰۳) نسائی (۵۹/۳) ابن ماجه (۱۰۶۰) احمد (۴۳۷/۲) ابن خزيمة (۴۶۱)]

266- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۸۵۷-۸۶۱) کتاب الصلاة: باب صلاة من لا يقيم صلبه فی الركوع والسجود، ترمذی (۳۰۲) ابن ماجه (۴۶۰) نسائی (۱۹۳/۲) احمد (۳۴۰/۴) دارمی (۱۳۲۹) حاكم (۲۴۲/۱) ابن حبان (۴۸۴-الموارد) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

ہونا'سیدھے ہونا''۔ تَطْمَئِنَّ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اطْمَئَنَّ يَطْمَئِنُّ (بروزن افعیلال) سے'اس کا معنی ہے ''مطمئن ہو جانا''۔ صُلْب پشت کو کہتے ہیں۔ الْعِظَام عَظْم کی جمع ہے'اس کا معنی ہے''ہڈیاں''۔

فهم الحديث اس حدیث کو اہل علم نے مسیئ الصلاۃ کی حدیث قرار دیا ہے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں جن اقوال وافعال کا ذکر ہے وہ واجب ہیں اور جو اس میں نہیں ہیں وہ واجب نہیں۔ (۲۲٤) لیکن حق بات یہ ہے کہ کچھ ایسے افعال بھی ہیں جو اس حدیث میں نہیں مگر واجب ہیں جیسے آخری تشہد اور نماز کے آخر میں سلام وغیرہ۔ البتہ ایک بات طے ہے کہ جو اقوال وافعال اس حدیث میں ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دینے سے نماز نہیں ہوتی' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان افعال کی صحیح ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے اسے پہلے بھی کہا تھا کہ دوبارہ نماز پڑھ تیری نماز نہیں ہوئی۔ اس حدیث کا مکمل قصہ یوں ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا' اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ اس آدمی نے نماز پڑھی پھر آپ ﷺ کے پاس آ کر سلام کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے سلام کا جواب دیا اور فرمایا'' واپس جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھو کیونکہ بے شک تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' وہ شخص واپس گیا اور اس نے دوبارہ نماز پڑھی۔ پھر آ کر سلام کہا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد دوبارہ فرمایا'' واپس جاؤ اور (دوبارہ) نماز پڑھو کیونکہ بے شک تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' پھر اس شخص نے بالآخر دوسری مرتبہ یا اس سے اگلی مرتبہ کہا' اے اللہ کے رسول! مجھے سکھا دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے اسے مذکورہ بالا طریقے سے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسیئ الصلاۃ کو نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے اس لفظ '' ثُمَّ (پھر)'' کا استعمال فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ان ارکان میں سے کوئی رکن جہالت کی بنا پر یا بھول کر بھی رہ جائے تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے صرف تعلیم ہی نہیں دی بلکہ دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم بھی دیا۔ نیز حدیث کے ان الفاظ'' پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو اللہ چاہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز کا ایک لازمی جز ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی' اس مسئلے کی تفصیل آئندہ حدیث نمبر 277 کے تحت آئے گی۔

267- وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ، فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوَى حَتَّى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا، وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، وَإِذَا

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' جب آپ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اٹھاتے' جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے پھر اپنی کمر کو جھکا لیتے' جب (رکوع سے) اپنا سر اٹھاتے تو برابر ہو جاتے حتی کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر آ جاتا' جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ یوں (زمین پر) رکھتے کہ نہ زیادہ بچھے ہوتے اور نہ سمٹے ہوتے اور (دوران سجدہ) دونوں پاؤں کی

267- [بخاری (٨٢٨) كتاب الأذان: باب سنة الجلوس في التشهد' ابو داود (٧٣٠) ترمذی (٣٠٤) ابن ماجه (٨٦٢) احمد (٤٢٤/٥) دارمی (١٣٥٦) ابن خزيمة (٥٨٧) ابن حبان (٤٤٢_الموارد)]

(٢٢٤) [نيل الأوطار (٦٨٨/١) سبل السلام (٣٧٧/١)]

جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى ، وَإِذَا جَلَسَفِي الرَّكْعَةِ الْأَخِيرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْأُخْرَى وَقَعَدَ عَلَى مَقْعَدَتِهِ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ ۔

انگلیاں قبلہ رخ کرتے' جب آپ دو رکعتوں کے بعد (پہلے تشہد میں) بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دائیں کو کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت کے بعد (دوسرے تشہد میں) بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو (دائیں ران کے نیچے سے) آگے بڑھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے اور پشت پر بیٹھ جاتے ۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حَذْوَ مقابل اور برابر کو کہتے ہیں۔ اَلْمَنْكِب کا معنی ہے''وہ جگہ جو کندھے اور بازو کو باہم ملاتی ہے'' عموماً اس کا ترجمہ کندھا ہی کیا جاتا ہے۔ رُكْبَة گھٹنے کو' ظَهْر کمر کو اور فَقَار اُس ہڈی کو کہتے ہیں جو پشت کے اوپر اور نیچے کے جوڑوں کو باہم ملاتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث میں نمازِ نبوی کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور فرمانِ نبوی ہے کہ ﴿ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي ﴾ ''اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو۔''(۲۲۵) اس لیے اسی طرح نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس طرح رسول اللہ ﷺ ادا فرمایا کرتے تھے۔

268- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ : ((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ)) إِلَى قَوْلِهِ : ((مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ ......)) إِلَى آخِرِهِ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : ((إِنَّ ذَلِكَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ)) ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے اٹھتے تو (پہلے) یہ دعا پڑھتے کہ ''میں نے (یکسو ہو کر) اپنے چہرے کو اس کی طرف متوجہ کیا جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے (اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ میری نماز' قربانی' جینا اور مرنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے) اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو میرا پروردگار اور میں تیرا بندہ ہوں......(آخر تک)۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے' اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] ''یہ دعا آپ ﷺ رات کی نماز (یعنی تہجد) میں پڑھا کرتے تھے۔''

لغوی توضیح وَجَّهْتُ فعل ماضی ہے باب وَجَّهَ يُوَجِّهُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''متوجہ کرنا' چہرہ پھیرنا''۔

فهم الحديث اس دعا کے مکمل الفاظ یہ ہیں: ﴿ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَالِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ، أَنْتَ رَبِّي وَ أَنَا عَبْدُكَ ، ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِي ذُنُوبِي جَمِيعًا ، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا

268- [مسلم (۷۷۱) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه ' ابو داود (۷٦۰) ترمذی (۳٤۲۱-۳٤۲۲) نسائی (۱۳۰/۲) احمد (۹٤/۱) دارمی (۱۲۳۸)]

(۲۲۵) [بخاری (٦۰۰۸) مسلم (۳۹۱) أبو داود (۵۸۹) ترمذی (۲۰۵) نسائی (۷۷/۲) ابن ماجة (۹۷۹)]

يَهْدِىْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَ اصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا ، لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ ، لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ ، وَ الْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدَيْكَ ، وَ الشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْكَ ﴾۔

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی ابتداء میں تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ سے پہلے یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے صحیح مسلم کے حوالے سے آخر میں جو الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ ''یہ دعا آپ ﷺ تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے'' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ صحیح مسلم میں دو سندوں سے یہ روایت مروی ہے لیکن ان میں سے ایک میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں۔ترمذی نے اسے تین سندوں سے روایت کیا ہے لیکن کسی ایک میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں' اسی طرح ابوداود نے اسے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن دونوں میں سے کسی میں بھی یہ الفاظ موجود نہیں' لہٰذا یہ محض مؤلف (یعنی حافظ ابن حجرؒ) کا وہم ہی ہے۔(۲۲۶) امام شوکانیؒ نے ''نیل الأوطار'' میں کہا ہے کہ اس روایت کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اوران الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ ''جب آپ ﷺ فرض نماز میں کھڑے ہوتے تب یہ دعا پڑھتے۔'' امام شافعیؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اسے فرض نماز کے ساتھ مقید کیا ہے۔(۲۲۷) اسی لیے شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ قول کہ یہ دعا صرف نفل نماز کے ساتھ خاص ہے فرض نماز میں مشروع نہیں' باطل ہے۔(۲۲۸)

269- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ سَكَتَ هُنَيْهَةً قَبْلَ أَنْ يَّقْرَأَ ، فَسَأَلْتُهُ ، فَقَالَ : ((أَقُوْلُ : اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اللّٰهُمَّ اغْسِلْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے تکبیر (تحریمہ) کہتے تو قراءت سے پہلے کچھ دیر خاموش رہتے۔میں نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''(اس وقفے میں) میں یہ دعا پڑھتا ہوں: اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری ڈال دے جس طرح تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری ڈالی ہے۔اے اللہ! مجھے میرے گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔اے اللہ! مجھے میرے گناہوں سے پانی' برف اور اولوں کے ساتھ دھو ڈال۔'' [بخاری، مسلم]

270- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ : ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ (تکبیر تحریمہ کے بعد وقفہ میں) یہ دعا پڑھا کرتے تھے ''پاک ہے تو اے اللہ! اپنی تعریف

269- [بخاری (٧٤٤) كتاب الأذان : باب ما يقول بعد التكبير ' مسلم (٥٩٨) ابو داود (٧٨١) نسائی (١٢٨/٢) ابن ماجه (٨٠٥) احمد (٢٣١/٢) دارمی (١٢٤٤) ابن حبان (١٧٧١)]

270- [مسلم (٣٩٩) كتاب الصلاة : باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة ' دارقطنی (٢٩٩/١-٣٠٠)]

(٢٢٦) [توضيح الأحكام (١٥٩/٢)]

(٢٢٧) [نيل الأوطار (٦/٢)]

(٢٢٨) [توضيح الأحكام (١٦٣/٢)]

وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْصُولًا وَمَوْقُوفًا۔

کے ساتھ اور تیرا نام بابرکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔" [اسے مسلم نے منقطع سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور دارقطنی نے اسے موصولاً اور موقوفاً روایت کیا ہے۔]

271- وَنَحْوُهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا عِنْدَ الْخَمْسَةِ، وَفِيهِ: وَكَانَ يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ: ((أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ))۔

اور پانچوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے بعد کہتے "میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں شیطان مردود سے' اس کی پھونک' اس کے تھوک اور اس کے چوکے سے۔"

لغوی توضیح سَكَتَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب سَكَتَ يَسْكُتُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "خاموش رہنا"۔ هُنَيْهَةً کا معنی ہے "کچھ دیر"۔ خَطَايَا جمع ہے خَطِيئَة کی' اس کا معنی ہے "گناہ"۔ الدَّنَس میل کچیل کو' الثَّلْج برف کو اور الْبَرَد اولوں (جو بعض اوقات بارش کے ساتھ آسمان سے گرتے ہیں) کو کہتے ہیں۔ هَمْز وسوسے کو (جس کے ذریعے شیطان انسان کو پاگل بنا دیتا ہے)' نَفْخ پھونک کو (جس کے ذریعے وہ انسان میں تکبر و غرور بھر دیتا ہے) اور نَفْث جادو کو (جس کے ذریعے وہ انسان کو گمراہ کر دیتا ہے) کہتے ہیں۔

فهم الحديث پہلی دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ان میں سے کوئی دعا پڑھنی چاہیے۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا ﴿ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي ...... ﴾ پڑھنی چاہیے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس دعا ﴿ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ ...... ﴾ کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے نماز سورۂ فاتحہ سے ہی شروع کرنی چاہیے۔(229) ہمارے علم کے مطابق تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف احادیث میں مختلف دعائیں پڑھنا ثابت ہے' اس لیے ان میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کر لینا کافی ہے۔

علاوہ ازیں مذکورہ بالا تیسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعائے استفتاح کے بعد سورۂ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھنا چاہیے' جس کے الفاظ مذکورہ حدیث میں موجود ہیں' ان الفاظ کے علاوہ بھی کچھ الفاظ چند دیگر روایات سے ثابت ہیں مثلاً ﴿ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴾ اور ﴿ أَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴾(230) تعوذ پڑھنے کے متعلق امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مؤقف یہ ہے کہ قراءت سے پہلے یہ مسنون ہے۔ جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ تعوذ نہیں پڑھنا چاہیے۔(231) مذکورہ بالا صحیح حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا مؤقف راجح ہے۔

اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا ہر رکعت میں قراءت سے پہلے تعوذ پڑھنا چاہیے یا صرف پہلی رکعت میں پڑھنا ہی کافی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اس آیت ﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ...... ﴾ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے

271- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٧٧٥) كتاب الصلاة : باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللهم بحمدك، ترمذی (٢٤٢) نسائی (١٣٢/٢) ابن ماجه (٨٠٤) احمد (٥٠/٣)]

(٢٢٩) [الفقه الإسلامي و أدلته (٨٧٥/٢) الروضة الندية (٢٦٨/١) رد المحتار (٤٥٦/١) نيل الأوطار (٥/٢)]

(٢٣٠) [حجة البالغة (٨/٢) الروضة الندية (٢٦٩/١) التعليق على السيل الجرار للشيخ محمد صبحي حلاق (٤٧٩/١)]

(٢٣١) [المغنى (١٤٥/٢) نيل الأوطار (١٣/٢)]

کہا ہے کہ ہر رکعت میں تعوذ پڑھنا چاہیے' امام ابن حزمؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲۳۲) امام نوویؒ نے کہا ہے کہ ہمارے مذہب میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ہر رکعت میں تعوذ پڑھنا چاہیے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا مؤقف یہ ہے کہ تعوذ صرف پہلی رکعت کے ساتھ ہی خاص ہے۔ (۲۳۳) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کا مؤقف ہی راجح ہے کیونکہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ''نبی کریم ﷺ جب دوسری رکعت سے اٹھتے تھے تو ﴿الحمد لله رب العلمين﴾ کے ساتھ قراءت شروع فرماتے تھے۔'' (۲۳۴) امام شوکانیؒ (۲۳۵) اور امام ابن قیمؒ (۲۳۶) اسی کے قائل ہیں۔

272- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةَ بِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ ' وَلَمْ يُصَوِّبْهُ ' وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ ' وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا ' وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا ' وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ ' وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ' وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى أَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيمِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ' وَلَهُ عِلَّةٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ اکبر اور الحمد للہ رب العالمین کے ساتھ نماز شروع کیا کرتے تھے' جب آپ رکوع کرتے تو اپنا سر مبارک نہ زیادہ اونچا اٹھاتے اور نہ زیادہ نیچے جھکاتے' جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک سجدے میں نہ جاتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے' جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک (دوسرے) سجدے میں نہ جاتے جب تک سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جاتے' آپ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھا کرتے تھے' اپنے بائیں پاؤں کو بچھا دیتے اور دائیں کو کھڑا رکھتے' شیطان کی چوکڑی سے منع فرماتے' درندوں کی طرح اپنے بازو بچھا کر بیٹھنے سے بھی منع فرماتے اور سلام کے ساتھ نماز کا اختتام فرماتے تھے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اس میں علت ہے (علت یہ ہے کہ اس روایت کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوالجوزاءؒ نے روایت کیا ہے' جبکہ ابوالجوزاءؒ کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ہی ثابت نہیں۔]

لغوی توضیح لَمْ يُشْخِصْ فعل نفی کا صیغہ ہے باب أَشْخَصَ يُشْخِصُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''اٹھانا''۔ لَمْ يُصَوِّبْ بھی فعل نفی کا صیغہ ہے باب صَوَّبَ يُصَوِّبُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''جھکانا''۔ عُقْبَةُ الشَّيْطَانِ شیطان کی چوکڑی کو کہتے ہیں' اس سے مراد ہے پشت کو زمین پر رکھ کر دونوں گھٹنے اور پنڈلیاں اٹھانا اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ لینا' بیٹھنے کی اس صورت کو اقعاء الکلب بھی کہتے ہیں۔ افْتِرَاشَ السَّبُعِ درندوں کے پھیلانے کی طرح' درندے اس طرح ہی بیٹھتے ہیں کہ اپنی دونوں ٹانگوں پر پشت رکھ لیتے ہیں اور دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر ان پر جھک جاتے ہیں۔

272- [مسلم (٤٩٨) كتاب الصلاة : باب ما يجمع صفة الصلاة وما يفتتح به ' أبو داود (٧٨٣) احمد (٣١/٦) ابن حبان (١٧٦٨)]

(٢٣٢) [تمام المنة (ص/١٧٦)]

(٢٣٣) [المجموع (٣٢٦/٣)]

(٢٣٤) [مسلم (٩٤١) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب ما يقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة ' ابن ماجة (٨٠٦) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها]

(٢٣٥) [نيل الأوطار (٣٠٣/٢)]

(٢٣٦) [زاد المعاد (٢٣٤/١)]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا آغاز صرف اللہ اکبر سے ہی کیا جائے گا۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ ہر ایسے لفظ کے ساتھ نماز کی ابتدا کی جا سکتی ہے جسے تعظیم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مثلاً اللہ اجل یا اعظم یا الرحمن اکبر۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ جائز نہیں ہیں البتہ اللہ اکبر یا واللہ اکبر یا واللہ الکبیر کہنا درست ہے۔(۲۳۷) راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں اقعاء کی صورت بنا کر اور درندوں کی طرح بیٹھنا بھی منع ہے۔

273- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ((كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے' اسی طرح جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی کندھوں تک اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ [بخاری، مسلم]

274- وَفِي حَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ : ((يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يُكَبِّرُ))۔

اور ابوداود میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھاتے' پھر تکبیر کہتے۔

275- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوُ حَدِيثِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لٰكِنْ قَالَ : ((حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ))۔

اور مسلم میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی مثل ہی مروی ہے' البتہ اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ' رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا مسنون ہے۔ بعض روایات میں تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت بھی رفع الیدین کرنے کا ذکر ہے۔(۲۳۸) امام بخاریؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ''جزء رفع الیدین'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور اس میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ''تمام صحابہ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔''(۲۳۹) جمہور صحابہ وتابعین' امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور

273- [بخاری (۷۳۵) كتاب الأذان : باب رفع اليدين في التكبيرة الأولى' مسلم (۳۹۰) ابو داود (۷۲۱) ترمذی (۲۵۵) نسائی (۱۲۱/۲) ابن ماجه (۸۵۸) احمد (۱٤۷/۱) دارمی (۱۲۵۰)]

274- [بخاری (۸۲۸) كتاب الأذان : باب سنة الجلوس في التشهد' ابو داود (۷۳۰) ترمذی (۳۰٤) ابن ماجه (۸٦۲) احمد (٤۲٤/٥) دارمی (۱۳٥٦) ابن خزيمة (٥۸۷) ابن حبان (٤٤۲_الموارد)]

275- [بخاری (۷۳۷) كتاب الأذان : باب رفع اليدين إذا كبر وإذا ركع' مسلم (۳۹۱) ابو داود (۷٤٥) نسائی (۱۲۳/۲) ابن ماجه (۸٥۹) احمد (۳٤٦/۳) دارمی (۱۲٥۱)]

(۲۳۷) [شرح المهذب (۲٥۲/۳) الحاوی للماوردی (۹۳/۲) روضة الطالبين (۳۳٦/۱) المبسوط (۳٥/۱) شرح فتح القدير (۲٤٦/۱) قدوری (ص/۳۹_٤۰)]

(۲۳۸) [بخاری (۷۳۹) كتاب الأذان : باب رفع اليدين إذا قام من الركعتين' أبو داود (۷٤۱) أحمد (۱۰۰/۲) نسائی (۱۲۲/۲)]

(۲۳۹) [دیکھئے: تحفة الأحوذی (۱۱۲/۲) تلخيص الحبير (۲۲۰/۱)]

امام مالکؒ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع الیدین کے قائل ہیں حتی کہ امام شافعیؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ رفع الیدین کو صحابہ کی اتنی بڑی جماعت نے روایت کیا ہے کہ شاید اس سے زیادہ تعداد کے ساتھ کبھی بھی کوئی حدیث روایت نہ کی گئی ہو۔ البتہ احناف کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی بھی جگہ پر رفع الیدن کرنا ثابت نہیں۔ (۲۴۰) انہوں نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا ''کیا ہے مجھے کہ میں تمہیں رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا کہ (تمہارے ہاتھ) سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں' نماز میں آرام کیا کرو۔'' (۲۴۱) اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس میں یہ کہیں موجود نہیں کہ رکوع کے وقت رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا ایک خاص سبب تھا اور وہ صحیح مسلم کی ہی دوسری روایت میں موجود ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں کے ساتھ دونوں جانب اشارہ بھی کرتے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم اپنے ہاتھوں کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُموں کی مانند کیوں حرکت دیتے ہو' تم میں سے کسی ایک کو تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اپنی ران پر رکھے پھر اپنے دائیں اور بائیں جانب (بیٹھے ہوئے) بھائی کو سلام کرے۔'' (۲۴۲)

اسی طرح رفع الیدین سے منع کی ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی تو ان سب نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کیا۔ (۲۴۳) اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوع و من گھڑت روایت قرار دیا ہے اور امام دارقطنیؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد خود اسے ضعیف کہا ہے۔ اسی طرح ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے نماز میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور پھر دوبارہ ایسا نہ کرتے۔ (۲۴۴) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں اور امام شوکانیؒ نے اس بات پر حفاظ کا اتفاق نقل کیا ہے کہ اس میں یہ لفظ ''پھر ایسا نہیں کرتے تھے'' مدرج ہیں۔ (۲۴۵) نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کچھ لوگ نماز میں بغلوں کے نیچے بت رکھ لیا کرتے تھے اس لیے رفع الیدین کا حکم دیا گیا اور پھر جب یہ علت نہ رہی تو حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی دلیل کوئی ضعیف روایت واثر بھی نہیں۔ اس لیے برحق بات یہی ہے کہ چاروں جگہوں پر رفع الیدین کرنا مسنون ہے۔ امام شوکانیؒ (۲۴۶)، نواب صدیق حسن خانؒ (۲۴۷)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۲۴۸)، مولانا عبدالحی

---

(۲۴۰) [جامع ترمذی (بعد الحدیث / ۲۵٦) تحفة الأحوذی (۱۱۳/۲) نیل الأوطار (٦۹۲/۱) الفقه الإسلامی و أدلته (۸۷۱/۲) الأم للشافعی (۲۱٦/۱) الحاوی (۱۱٦/۲) المبسوط (۱٤/۱) روضة الطالبین (۳۳۸/۱) كشاف القناع (۳٤٦/۱) شرح مسلم للنووی (۳۳۱/۲)]

(۲٤۱) [مسلم (٤۳۰) كتاب الصلاة : باب الأمر بالسكون فی الصلاة ' أبو داود (۱۰۰۰)]

(۲٤۲) [مسلم (٤۳۱) كتاب الصلاة : باب الأمر بالسكون فی الصلاة...... ' أحمد (۸٦/٥) أبو داود (۹۹۸) أبو عوانة (۲۳۸/۲)]

(۲٤۳) [دارقطنی (۲۹٥/۱) بیهقی (۷۹/۲)]

(۲٤٤) [ضعیف : ضعیف أبو داود (۱٥۳ ' ۱٥٤ ' ۱٥٥ ' ۱٥٦) كتاب الصلاة : باب من لم یذكر الرفع عند الركوع ' شرح معانی الآثار (۲۲٤/۱) دارقطنی (۲۹٤/۱) بیهقی (۷٦/۲) یہ روایت شریف راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانیؒ نے اس روایت اور اس معنی کی تمام دیگر روایات کو ضعیف کہا ہے۔]

(۲٤٥) [نیل الأوطار (٦۹٥/۱)]

(۲٤٦) [السیل الجرار (۲۲٦/۱) نیل الأوطار (٦۹۹/۱)]

(۲٤۷) [الروضة الندیة (۲٦۲/۱)]

(۲٤۸) [تحفة الأحوذی (۱۱۳/۲)]

لکھنوی حنفیؒ (۲۴۹) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۵۰) نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس موضوع پر مفصل بحث دیکھنے کے لیے التحقیق الراسخ 'از مولانا حافظ محمد گوندلویؒ، نور العینین' از حافظ زبیر علی زئی، جزء رفع الیدین' از امام بخاریؒ اور انسائیکلو پیڈیا آف الباب رفع الیدین 'از مولانا خالد گھرجاکھی ملاحظہ فرمائیے۔

نیز مذکورہ بالا احادیث میں جو بظاہر یہ اختلاف نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ رفع الیدین کرتے ہوئے کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے یا کانوں تک۔ تو اہل علم نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ بعض اوقات کندھوں تک اور بعض اوقات کانوں کے کناروں تک ہاتھ اٹھا لیتے تھے اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ ہتھیلیوں کو کندھوں تک جبکہ ہاتھوں کے پوروں کو کانوں تک اٹھاتے تھے۔ (واللہ اعلم)

276- وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَصَحَّحَهُ۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر رکھا۔'' [اسے ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہیے۔ حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں امامت کراتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں کے ساتھ پکڑ لیتے تھے۔ (۲۵۱) جمہور صحابہ و تابعین نماز میں ہاتھ باندھنا مسنون و مستحب قرار دیتے ہیں۔ جبکہ امام مالکؒ نماز میں ہاتھ کھلے چھوڑنے کے قائل ہیں (یاد رہے کہ یہ قول شاذ ہے' جمہور کا قول ہی برحق ہے)۔ (۲۵۲)

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہاتھ سینے پر باندھنے چاہییں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ''لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں بازو پر رکھیں۔'' (۲۵۳) واضح رہے کہ جب بائیں بازو (یعنی کہنی) پر دایاں ہاتھ رکھا جائے گا تو دونوں ہاتھ از خود سینے پر آ جائیں گے۔ بعض حضرات (مثلاً احناف وغیرہ) کا کہنا ہے کہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے چاہییں (۲۵۴) لیکن یہ یاد رہے کہ انہوں نے جس روایت سے استدلال کیا ہے اس میں ﴿تَحْتَ السُّرَّةِ﴾ کے لفظ ہیں اور وہ ضعیف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں۔ (۲۵۵) اس لیے راجح موقف

276- [صحيح: ابن خزيمة (٤٧٩) مسند احمد (١٨٣٧٥) نسائي في السنن الكبرى (٣١٠/١) بيهقي (٢٨/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(٢٤٩) [التعليق الممجد (ص/٨٩)] (٢٥٠) [فتاوى الإسلامية (٢٣٣/١)]

(٢٥١) [حسن: صحيح ترمذي (٢٠٧) ترمذي (٢٥٢)] (٢٥٢) [الفقه الإسلامي وأدلته (٨٧٣/٢) نيل الأوطار (٧٠٤/١)]

(٢٥٣) [بخاري (٧٤٠) كتاب الأذان: باب وضع اليمنى على اليسرى' موطا (١٥٩/١) أحمد (٣٣٦/٥)]

(٢٥٤) [شرح المهذب (٢٦٧/٣) الحاوي للماوردي (٩٩/٢) روضة الطالبين (٣٣٩/١) المبسوط (٢٣/١) سبل السلام (٢٣٧/١)]

(٢٥٥) [ضعيف: ضعيف أبو داود (١٥٧) كتاب الصلاة: باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلاة' أبو داود (٧٥٦) أحمد (١١٠/١) بيهقي (٣١/٢)] امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی تضعیف پر (علماء نے) اتفاق کیا ہے۔ [الخلاصة (٣٥٩/١)] اس کی سند میں عبدالرحمن بن اسحاق کوفی راوی (ضعیف ہے)' امام ابوداودؒ نے کہا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو اس (راوی کا) ضعف بیان کرتے ہوئے سنا ہے اور امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ اس راوی میں نظر ہے...... امام نوویؒ نے اس راوی کو بالاتفاق ضعیف قرار دیا ہے۔ [نيل الأوطار (٧٠٦/١) شرح مسلم للنووي (١٠٥/٣)]

بھی ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھے جائیں۔(۲۰۶)

□ واضح رہے کہ ہاتھ باندھنے کے تین طریقے منقول ہیں جیسا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر' کلائی پر اور بازو پر رکھا (یعنی کبھی ہاتھ کو ہاتھ پر' کبھی ہاتھ کو کلائی پر اور کبھی بازو پر رکھ لیتے تھے۔) (۲۰۷)

277- وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَفِيْ رِوَايَةٍ لِابْنِ حِبَّانَ وَ الدَّارَقُطْنِيِّ: ((لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں ہوتی جس نے اُم القرآن (یعنی سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی۔'' [بخاری، مسلم۔ ابن حبان اور دارقطنی کی ایک روایت میں ہے کہ]''جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ کفایت نہیں کرتی۔''

278- وَفِيْ أُخْرَى لِأَحْمَدَ وَ أَبِيْ دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ وَ ابْنِ حِبَّانَ : ((لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ ؟)) قُلْنَا : نَعَمْ' قَالَ : ((لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا)) ۔

اور احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن حبان کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''شاید تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو۔'' ہم نے عرض کیا' جی ہاں (ہم قراءت کرتے ہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا نہ کیا کرو (یعنی کچھ نہ پڑھا کرو) سوائے سورۂ فاتحہ کے' کیونکہ جس نے اسے نہ پڑھا اس کی کوئی نماز نہیں ہوتی۔''

لغوی توضیح لَا تُجْزِئُ فعل نفی کا صیغہ ہے باب أَجْزَئَ يُجْزِئُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''کفایت کرنا''۔

فہم الحدیث مسیئ الصلاۃ کو بھی نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ ''پھر تو سورۂ فاتحہ پڑھ''۔(۲۰۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص و نامکمل ہے' آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ فرمایا۔''(۲۰۹) ایک روایت میں ہے کہ جب مذکورہ بالا حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی تو

277- [بخاری (۷۵٦) كتاب الأذان : باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات' مسلم (۳۹٤) ابو داود (۸۲۲) ترمذی (۲٤۷) نسائی (۱۳۷/۲) ابن ماجه (۸۳۷) احمد (۳۱٤/۵) دارمی (۱۲٤۲) دارقطنی (۳۲۱/۱) ابن خزیمة (٤۸۸) ابن حبان (۱۷۸۹)]

278- [حسن : المشكاة (۸٥٤) ابو داود (۸۲۳) ترمذی (۳۱۰) احمد (۳۱٦/۵) ابن حبان (٤٦۰ـ الموارد) دارقطنی (۳۱۸/۱) حاكم (۲۳۸/۱) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۰٦) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: نيل الأوطار (۷۰٦/۱) تحفة الأحوذي (۹۳/۲ـ۱۰۰) التعليق على المشكاة للألباني (۲٤۹/۱)]

(۲۰۷) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٦۷) كتاب الصلاة : باب رفع اليدين في الصلاة' أبو داود (۷۲۷) التعليق على المشكاة للألباني (۲٤۹/۱)]

(۲۰۸) [ابن حبان (٤۸٤ـالموارد) أحمد (۱۰۰/۱ـ الفتح الرباني)]

(۲۰۹) [صحيح : صحيح أبو داود (۷۳٤) كتاب الصلاة : باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب' أبو داود (۸۲۱) مسلم (۳۹۵) ترمذی (۲٤۷) نسائی فی الكبرى (۸۰۱۲) أحمد (۲۸۵/۲) ابن خزيمة (٤۸۹)]

ابو سائبؒ (راوی) نے دریافت کیا کہ اے ابو ہریرہ! میں بعض اوقات امام کے پیچھے ہوتا ہوں؟ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے فارسی! اسے اپنے نفس میں (یعنی بغیر آواز نکالے) پڑھ لیا کر۔(٢٦٠) امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ''امام اور مقتدی کے لیے حضر و سفر ہر حال میں سری اور جہری سب نمازوں میں قرائت کے وجوب کا بیان۔'' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔'' (٢٦١)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص (خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد) کی کوئی بھی نماز (خواہ فرض ہو یا نفل' سری ہو یا جہری) سورۂ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ضروری ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ عظام اسی کے قائل ہیں۔ تاہم اس مسئلے میں فقہائے امت کا اختلاف بہر حال موجود ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں امام' مقتدی اور منفرد سب کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری' فرض ہو یا نفل۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے صرف سری نمازوں میں ہی پڑھی جائے گی اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ مقتدی قراءت ہی نہیں کرے گا خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ (٢٦٢) اس مسئلے میں راجح مؤقف امام شافعیؒ وغیرہ کا ہی ہے' جیسا کہ گزشتہ دلائل سے واضح ہے۔ امام خطابیؒ (٢٦٣)، امام قرطبیؒ (٢٦٤)، امام ابن حزمؒ (٢٦٥)، امام شوکانیؒ (٢٦٦)، علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ (٢٦٧) اور شیخ عبد العزیز بن بازؒ (٢٦٨) نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ نیز مولانا عبد الحیی لکھنوی حنفیؒ (٢٦٩) نے بھی یہی کہا ہے کہ کسی صحیح مرفوع حدیث میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی ممانعت مروی نہیں' اگر کوئی ایسی حدیث ہے تو یا اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ صحیح نہیں۔

279- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِـ: الْحَمْدُ	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کی ابتداء الحمد للہ رب العالمین

279- [بخاری (٧٤٣) كتاب الأذان: باب ما يقول بعد التكبير' مسلم (٣٩٩) ابو داود (٧٨٢) ترمذی (٢٤٦) نسائی (١٣٣/٢) ابن ماجه (٨١٣) احمد (١١١/٣) ابن خزيمة (٤٩١) دارقطنی (٣١٥/١) دارمی (١٢٤٠) ابن حبان (١٨٠٠)]

(٢٦٠) [موطا (٨٤/١) كتاب النداء للصلاة: باب القراءة خلف الإمام فيما لا يجهر فيه بالقراءة' مسلم (٣٩' ٤٠) أبو داود (٨١٢) ترمذی (٢٤٧) نسائی (١٣٥/٢) أحمد (٢٨٥/٢) دارقطنی (٣١٢/١) شرح معانی الآثار (٢١٦/١) ابن خزيمة (٤٨٩)]

(٢٦١) [بيهقی فی كتاب القراءة (٥٦) اس کی سند کو مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ [فص الختام (١٤٧)]

(٢٦٢) [شرح المهذب (٣٢٣/٣) المبسوط (١٩/١) الأم (٢١٠/١) الهداية (٤٨/١) الكافی لابن عبد البر (ص/ ٤٠) كشاف القناع (٣٤٠/١) بداية المجتهد (١١٩/١) مغنی المحتاج (١٥٦/١) المغنی (٣٧٦/١) الشرح الصغير (٣٠٩/١)]

(٢٦٣) [معالم السنن (٢٠٥/١)]

(٢٦٤) [تفسير قرطبی (١١٩/١)]

(٢٦٥) [المحلى بالآثار (٢٦٥/٢)]

(٢٦٦) [نيل الأوطار (٣٩/١)]

(٢٦٧) [تحفة الأحوذی (٢٤٠/٢)]

(٢٦٨) [الفتاوى الإسلامية (٢٣٥/١)]

(٢٦٩) [التعليق الممجد (١٠١)]

لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، زَادَ مُسْلِمٌ: ((لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا)) وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ خُزَيْمَةَ: ((لَا يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ)) وَفِي أُخْرَى لِابْنِ خُزَيْمَةَ: ((كَانُوا يُسِرُّونَ)) وَعَلَى هٰذَا يُحْمَلُ النَّفْيُ فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ، خِلَافًا لِمَنْ أَعَلَّهَا۔

کے ساتھ کیا کرتے تھے۔[بخاری، مسلم۔مسلم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] قراءت کے آغاز اور اختتام دونوں موقعوں پر بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔اور ابن خزیمہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ (بسم اللہ) پوشیدہ طور پر پڑھتے تھے اور مسلم کی روایت میں موجود نفی کو اسی پر محمول کیا جائے گا برخلاف ان کے جنہوں نے اسے معلول کہا ہے۔

فهم الحديث یہ روایات اُن حضرات کی دلیل ہیں جن کا موقف ہے کہ سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پوشیدہ طور پر پڑھنی چاہیے کیونکہ یہ اونچی آواز سے مسنون نہیں۔ان میں جمہور اہل علم' امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ بھی شامل ہیں۔جبکہ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنی چاہیے۔ان کی دلیل آئندہ حدیث ابی ہریرہ اور انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں ہے کہ انہوں نے نماز پڑھائی اور بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھی' پھر فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کر رہا ہوں۔(۲۷۰) علامہ ناصر الدین البانیؒ نے یہ موقف اپنایا ہے کہ اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنے کی کوئی بھی صریح صحیح حدیث موجود نہیں۔(۲۷۱) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح موقف یہ ہے کہ بسم اللہ آہستہ اور اونچی آواز سے دونوں طرح پڑھی جا سکتی ہے' البتہ ہلکی آواز سے پڑھنے کی احادیث زیادہ واضح اور صحیح ہیں۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ عام اوقات میں میں آہستہ پڑھنا ہی سنت ہے جبکہ بعض اوقات اونچی آواز سے پڑھنا بھی جائز و مباح ہے۔(۲۷۲) امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے لیکن اونچی آواز کی بہ نسبت ہلکی آواز سے زیادہ پڑھتے تھے۔(۲۷۳) امام شوکانیؒ نے دونوں طرح جائز قرار دیا ہے(۲۷۴) اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ(۲۷۵) نے کہا ہے کہ میرے نزدیک پوشیدہ پڑھنا اونچا پڑھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

280- وَعَنْ نُعَيْمِ الْمُجْمِرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَرَأَ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ

حضرت نعیم مجمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی' پھر سورۂ فاتحہ پڑھی حتی کہ جب ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی۔اور

280- [ضعیف: ضعیف نسائی' نسائی (۱۳٤/۲) كتاب الافتتاح: باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم' احمد (۲/۴۹۷) ابن الجارود (۱۸٤) بیهقی (۵۸/۲) حاکم (۲۳۲/۱) ابن خزیمة (۴۹۹) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۲۷۰) [دارقطنی (۳۰۸/۱) كتاب الصلاة: باب وجوب قراءة (بسم الله الرحمن الرحيم) في الصلاة والجهر بها' حاكم (۲۳۳/۱)]

(۲۷۱) [تمام المنة (ص/۱۶۹)]

(۲۷۲) [مجموع الفتاوى (۴۱۰/۲۲)]

(۲۷۳) [زاد المعاد (۱۹۹/۱)]

(۲۷۴) [نيل الأوطار (۲۳/۲)]

(۲۷۵) [تحفة الأحوذى (۶۱/۲)]

حَتّٰى إِذَا بَلَغَ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ قَالَ آمِينَ ' وَيَقُولُ كُلَّمَا سَجَدَ وَإِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوسِ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

جب بھی آپ سجدہ کرتے اور جب بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے۔ پھر جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔[اسے نسائی اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنی چاہیے' اس مسئلے کا بیان سابقہ حدیث کے تحت گزر چکا ہے۔ نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آمین بھی اونچی آواز سے کہنی چاہیے' اس مسئلے کا تفصیلی بیان آئندہ حدیث نمبر 282 کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ علاوہ ازیں آمین کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ''اے اللہ! میری دعا قبول فرما۔''

281- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا قَرَأْتُمُ الْفَاتِحَةَ فَاقْرَؤُوا ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ فَإِنَّهَا إِحْدَى آيَاتِهَا)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَوَّبَ وَقْفَهُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب تم سورۂ فاتحہ پڑھو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی پڑھا کرو کیونکہ یہ اس کی ایک آیت ہے۔''[اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کو ہی درست قرار دیا ہے۔]

282- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْآنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَقَالَ : ((آمِينَ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ حَسَّنَهُ وَ الْحَاكِمُ وَ صَحَّحَهُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔[اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

283- وَلِأَبِي دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ ۔

اور ابوداود اور ترمذی میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

فہم الحدیث ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے مقتدیوں نے اس قدر اونچی آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔(۲۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے اختتام پر آمین بلند آواز سے کہنی

280- [ضعیف : ضعیف نسائی ' نسائی (۱۳٤/۲) كتاب الافتتاح : باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم ' احمد (٤٩٧/۲) ابن الجارود (۱۸٤) بيهقی (٥٨/۲) حاكم (۲۳۲/۱) ابن خزيمة (٤٩٩) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

281- [دارقطنی (۳۱۲/۱) مزید دیکھئے: تلخيص الحبير (٤٢١/۱) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح موقوف کہا ہے۔]

282- [صحیح : السلسلة الصحيحة (٤٦٤) ابو داود (٩٣٤) ابن ماجه (٨٥٣) دارقطنی (۳۳٥/۱) حاكم (۲۲۳/۱) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

283- [صحیح : صحيح ابو داود ' ابو داود (۹۳۲) كتاب الصلاة : باب التأمين وراء الإمام ' ترمذی (٢٤٨) احمد (۳۱٦/۲) دارمی (۱۲٤٧) ابن حبان (۱۸۰٥) دارقطنی (۳۳٤/۱)]

(۲۷٦) [عبدالرزاق (٩٦/۲) الأوسط لابن المنذر (۱۳۲/۳)]

چاہیے۔ آمین کے مسنون ہونے پر تو سب ائمہ متفق ہیں، اختلاف اسی میں ہے کہ آمین اونچی آواز سے کہی جائے یا ہلکی آواز سے۔ اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ اور جمہور علما و محدثین تو اونچی آواز سے آمین کہنے کے ہی قائل ہیں۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ آمین ہلکی آواز سے کہنی چاہیے۔(۲۷۷) انہوں نے ایک تو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی اُس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور اس کے ساتھ اپنی آواز کو پست کیا۔(۲۷۸) اور دوسری وہ روایت پیش نظر رکھی ہے جس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بسم اللہ، تعوذ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔(۲۷۹) یہ روایات چونکہ اونچی آواز سے آمین کہنے سے متعلقہ صحیح احادیث کے مقابلے کی نہیں اس لیے راجح مؤقف یہی ہے کہ (جہری نمازوں میں امام اور مقتدی دونوں کو) آمین اونچی آواز سے ہی کہنی چاہیے۔ امام ابن قدامہؒ (۲۸۰)، امام ابن قیمؒ (۲۸۱)، امام شوکانیؒ (۲۸۲)، امام ابن حزمؒ (۲۸۳)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۲۸۴) اور نواب صدیق حسن خانؒ (۲۸۵) اسی کے قائل ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفیؒ (۲۸۶) نے کہا ہے کہ برحق بات یہی ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے۔ امام ابن ہمام حنفیؒ (۲۸۷) نے کہا ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنا سنت ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۲۸۸) نے کہا ہے کہ احناف بھی آمین بالجہر کے معترف ہیں۔

---

(۲۷۷) [الأم (۲۱٤/۱) شرح المهذب (۳۳۱/۳) الفقه الإسلامي وأدلته (۸۸۰/۲) حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء (۱۰۷/۲) المبسوط (۳۲/۱) الهداية (٤۸/۱) كشاف القناع (۳۳۹/۱) سبل السلام (۲٤۳/۱) نيل الأوطار (٤۸/۲)]

(۲۷۸) [شاذ: ضعيف ترمذي (٤۱) كتاب الصلاة: باب ما جاء في التأمين، ترمذي (۲٤۸) ابن ماجة (۸۵۵) أحمد (۳۱۸/٤) دارقطني (۳۳٤/۱)] یہ روایت شعبہؒ سے مروی ہے اور ((مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ)) والی روایت سفیانؒ سے مروی ہے اور سفیان شعبہ سے بڑا حافظ ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے امام ابوزرعہؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: ((حَدِيْثُ سُفْيَانَ فِيْ هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ)) اس مسئلے میں سفیانؒ کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ [ترمذي، كتاب الصلاة: باب ما جاء في التامين]

(۲۷۹) [طحاوی (۱۵۰/۱) آثار السنن (۱۲۵)] یہ اثر بہت زیادہ ضعیف ہے۔ [أبكار المنن (۲۰۱)] اس کی سند میں سعید بن مرزبان البقال راوی ہے جس کے متعلق امام ابن معینؒ نے ((لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ)) کہا ہے اور امام بخاریؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ [ميزان الاعتدال (۲۲۸/۳)]

(۲۸۰) [المغني (۱٦۲/۲)]

(۲۸۱) [أعلام الموقعين (۳۹٦/۲)]

(۲۸۲) [نيل الأوطار (٤۸/۲)]

(۲۸۳) [المحلى بالآثار (۲۹۵/۲)]

(۲۸٤) [تحفة الأحوذي (۷۹/۲)]

(۲۸۵) [الروضة الندية (۲۷۲/۱)]

(۲۸٦) [التعليق الممجد (۱۰۱) السعاية (۱۳٦۳۱)]

(۲۸۷) [فتح القدير (۱۰۷/۱)]

(۲۸۸) [فتاوى الرشيديه (۲۸۰) فتاوى شامي (۱۳٤/۱)]

284- وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ آخُذَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا فَعَلِّمْنِي مَا يُجْزِئُنِي مِنْهُ ' فَقَالَ : ((قُلْ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ)) الْحَدِيثَ ' رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں قرآن کا کچھ حصہ بھی یاد نہیں رکھ سکتا اس لیے مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجئے جو مجھے (نماز میں) اس سے کفایت کر جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تو سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم کہہ لیا کر۔" [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور دارقطنی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ بات تو گزشتہ اوراق میں گزر ہی چکی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی سورۂ فاتحہ یاد کرنے سے ہی عاجز ہو تو شریعت کا یہ اصول ہے کہ انسان کو کسی بھی ایسے کام کا مکلف نہیں ٹھہرایا جاتا جس کی اس میں طاقت نہ ہو اور یہ بھی اصول ہے کہ عجز سے واجبات ساقط ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔" اور فرمانِ نبوی ہے کہ "جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کر لیا کرو۔"(۲۸۹) اس لیے جو شخص قرآن یاد کرنے سے ہی عاجز ہے اسے ان الفاظ کی ادائیگی کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ نہایت عظیم ہیں کیونکہ انہیں (باقی تمام اذکار میں سے) سورۂ فاتحہ (جو قرآن کی سب سے عظیم سورت ہے) کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

285- وَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بِنَا فَيَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ - فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ - بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ سُورَتَيْنِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا ' وَيُطَوِّلُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى وَيَقْرَأُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے تو ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں تلاوت فرماتے اور بعض اوقات ہمیں کوئی آیت سنا بھی دیا کرتے اور پہلی رکعت کو (دوسری سے قدرے) لمبا کرتے اور پچھلی دو رکعتوں میں (صرف) سورۂ فاتحہ ہی تلاوت فرماتے۔ [بخاری، مسلم]

286- وَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((كُنَّا نَحْزِرُ قِيَامَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔ تو ہم نے اندازہ

284- [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (۸۳۲) نسائي (۱۴۳/۲) احمد (۳۵۳/۴) ابن خزيمة (۵۴۴) ابن حبان (۴۷۳۔الموارد) دارقطني (۳۱۴/۱) حاكم (۲۴۱/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

285- [بخاري (۷۷۶) كتاب الأذان : باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب ' مسلم (۴۵۱) ابو داود (۷۹۸) نسائي (۱۶۶/۲) ابن ماجه (۸۲۹) دارمي (۱۲۹۱) احمد (۲۹۵/۵) ابن خزيمة (۵۰۳)]

286- [مسلم (۴۵۲) كتاب الصلاة : باب القراءة في الظهر والعصر ' ابو داود (۸۰۴) نسائي (۲۳۷/۱) احمد (۲/۳)]

(۲۸۹) [صحيح : ارواء الغليل (۱۵۵) صحيح الجامع الصغير (۳۴۳۰) ابن ماجه (۲) المشكاة (۲۰۰۵)]

الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ ﴿ الم تَنْزِيلُ ﴾ السَّجْدَةِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ وَفِي الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْأُخْرَيَيْنِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

لگایا کہ آپ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں اتنا قیام کرتے کہ جتنے میں سورۂ الم تنزیل السجدہ پڑھی جا سکتی ہے اور پچھلی دو رکعتوں میں پہلی دو رکعتوں کے نصف کے برابر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی پچھلی دو رکعتوں کے برابر اور عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں عصر کی پہلی دو رکعتوں کے نصف کے برابر۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح يُطَوِّلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب طَوَّلَ يُطَوِّلُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "لمبا کرنا"۔ أَحْيَانًا حِين کی جمع ہے اس کا معنی ہے "بسا اوقات"۔ حَزَرْنَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَزَرَ يَحْزُرُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "اندازہ لگانا"۔

فهم الحديث پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر اور عصر کی نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں تو سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت تلاوت کرتے تھے لیکن پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ ہی پڑھا کرتے تھے' لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان نمازوں کی پچھلی دو رکعتوں میں بھی سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اہل علم نے ان میں تطبیق یوں دی ہے کہ دونوں طرح جائز ہے' بعض اوقات پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملا لینی چاہیے اور بعض اوقات صرف فاتحہ ہی پڑھ لینی چاہیے۔ نیز دوسری روایت سے ظہر وعصر کی نمازوں میں آپ ﷺ کی قراءت کا اندازہ بھی معلوم ہوتا ہے' اسے بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں پہلی رکعت کو قدرے لمبا کرنا چاہیے (تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد جماعت کے ساتھ پوری نماز حاصل کر سکیں)۔

287- وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ فُلَانٌ يُطِيلُ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ، وَفِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِهِ، وَفِي الصُّبْحِ بِطِوَالِهِ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ أَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ هَذَا)) أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ۔

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں آدمی ظہر کی پہلی دو رکعتیں لمبی کرتا ہے (یعنی طویل قراءت کرتا ہے) اور عصر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا ہے اور مغرب میں قصارِ مفصل (چھوٹی سورتیں)' عشاء میں اوساطِ مفصل (درمیانی سورتیں) اور فجر میں طوالِ مفصل (لمبی سورتیں) پڑھتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو اس سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔ [اسے نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

288- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت فرماتے ہوئے

287- [صحيح: صحيح نسائي' نسائي (٩٨٣) كتاب الافتتاح: باب القراءة في المغرب بقصار المفصل' احمد (٢٥٤/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

288- [بخاري (٧٦٥) كتاب الأذان: باب الجهر في المغرب' مسلم (٤٦٣) ابو داود (٨١١) نسائي (١٦٩/٢) ابن ماجه (٨٣٢) احمد (٨٤/٤) مالك (٧٨/١) دارمي (١٢٩٥) ابن خزيمة (٥١٤) ابن حبان (١٨٣٣)]

الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ سنا۔[بخاری، مسلم]

فهم الحدیث مفصل سورتوں سے مراد سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ الناس تک کی سورتیں ہیں۔ان کی بھی تین اقسام ہیں: طوالِ مفصل (سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ البروج تک)' اوساطِ مفصل (سورۃ البروج سے سورۃ البینہ تک) اور قصارِ مفصل (سورۃ البینہ سے سورۃ الناس تک)۔مذکورہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر میں طوالِ مفصل' عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل سورتیں پڑھنا مسنون ہے۔لیکن دوسری حدیث سے اس کے برخلاف مغرب میں طوالِ مفصل پڑھنا بھی ثابت ہو رہا ہے۔تو اہل علم کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول تو وہی تھا جو پہلی حدیث میں مذکور ہے لیکن بعض اوقات (بیانِ جواز کے لیے) اس کے خلاف بھی سورتیں پڑھ لیا کرتے تھے' جیسے مغرب میں لمبی سورتیں مثلاً سورۃ الطور' سورۃ المرسلات' (۲۹۰) سورۃ الاعراف (۲۹۱)' سورۃ المص' سورۃ الصافات اور سورۃ الدخان وغیرہ اور فجر میں چھوٹی سورتیں مثلاً معوذتین (۲۹۲) وغیرہ۔لہٰذا اسی طرح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسے رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔(۲۹۳)

289- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ﴿الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةَ﴾' ﴿وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ﴾ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بروز جمعہ نماز فجر میں (پہلی رکعت میں) الم تنزيل السجده اور (دوسری رکعت میں) هل أتى على الإنسان پڑھا کرتے تھے۔[بخاری، مسلم]

290- وَلِلطَّبَرَانِيِّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((يُدِيمُ ذٰلِكَ))۔

اور طبرانی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے روز فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدہر کا التزام مستحب ہے۔امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز یہ سورتیں اس لیے تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان میں تخلیق آدم اور احوالِ قیامت کا ذکر ہے اور صحیح احادیث میں ہے کہ تخلیق آدم جمعہ کو ہوئی اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔غالباً اسی مناسبت سے آپ ﷺ جمعہ کے روز یہ سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے بروز جمعہ نماز فجر میں یہ سورتیں پڑھنی چاہییں۔لیکن یہ یاد رہے کہ اگر کوئی ان سورتوں کے علاوہ دوسری سورتیں پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے مگر بہتر وہی

289- [بخاری (۸۹۱) کتاب الجمعة: باب ما يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة' مسلم (۸۸۰) نسائی (۱۵۹/۲)]

290- [ابن ماجه (۸۲٤) طبرانی في الصغير كما في مجمع الزوائد (۱٦۸/۲)]

(۲۹۰) [بخاری (۷٦۳) مسلم (۱۷۳) ابوداود (۸۱۰) نسائی (۱٦۸/۲) ترمذی (۳۰۸) ابن ماجه (۸۳۱) احمد (۳۳۸/٦) أبو عوانة (۱۵۳/۲) موطا (۷۸/۱) مسند شافعی (۷۹/۱) دارمی (۲۹٦/۱) ابن أبي شيبة (۲۵۷/۱) حمیدی (۳۳۸) عبد الرزاق (۲٦۹٤) ابن خزيمة (۵۱۹)]

(۲۹۱) [نسائی (۱۷۰/۲)]

(۲۹۲) [نسائی (۱۵۸/۲) مسند احمد (۱٤۹/٤) ابو داود (۱٤٦۳) حاکم (۵٤٠/۲)]

(۲۹۳) [مزید دیکھیے: فتح الباری (٤۹۵/۲)]

ہے جسے آپ ﷺ نے اپنایا۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے اہل علم نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ خطیب کو چاہیے کہ وہ موقع کی مناسبت سے وعظ و نصیحت کرے، جیسے نبی ﷺ جمعہ کی مناسبت سے سورتیں تلاوت کیا کرتے تھے اور مقصد یہ تھا کہ لوگ عبرت پکڑیں اور آخرت کے لیے مستعد ہو جائیں۔

291- وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَمَا مَرَّتْ بِهِ آيَةُ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ عِنْدَهَا يَسْأَلُ، وَلَا آيَةُ عَذَابٍ إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْهَا)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو جب بھی کوئی رحمت کی آیت گزرتی تو آپ وہاں ٹھہرتے اور رحمت طلب فرماتے اور جب کوئی عذاب کی آیت گزرتی تو اس سے پناہ مانگتے۔ [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت قرآن کے معانی و مطالب میں تدبر و تفکر کرنا اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرنا مستحب ہے خواہ کوئی تلاوت کرنے والا ہو یا تلاوت سننے والا اور اسی طرح خواہ کوئی نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ اسی طرح رحمت کی آیت پر اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت مانگنا اور عذاب کی آیت پر اس سے پناہ مانگنا بھی مستحب ہے۔ بعض اہل علم نے اسے صرف نفل نماز کے ساتھ ہی خاص کیا ہے کیونکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایسا نفل نماز میں کیا کرتے تھے۔ (۲۹۴) لیکن برحق بات یہ ہے کہ فرض نماز میں بھی ایسا کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ فقہا کے نزدیک قاعدہ و ضابطہ ہے کہ جب کوئی کام ایک نماز میں ثابت ہو جائے تو وہ دوسری نماز میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ (۲۹۵)

292- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”خبردار! مجھے رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن کی قرائت سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے تم رکوع میں پروردگار کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں دعا کی کوشش کرو، یہ اس لائق ہے کہ تمہاری دعا قبول کر لی جائے۔“ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح قَمِنٌ کا معنی ہے کہ اس لائق ہے یا اس کی مستحق ہے۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع و سجود میں قرآن کی تلاوت ممنوع ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رکوع میں رب العالمین کی تعظیم (یعنی **سبحان ربی العظیم**) اور سجدے میں کثرت سے دعا کرنی چاہیے۔ اس حدیث

291- [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۸۷۱) کتاب الصلاۃ : باب ما یقول الرجل فی رکوعه وسجوده، ترمذی (۲۶۲) نسائی (۱۷۶/۲) ابن ماجه (۱۳۵۱) أحمد (۳۸۲/۵) دارمی (۱۳۰۶) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

292- [مسلم (٤٧٩) کتاب الصلاۃ : باب النھی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود، ابو داود (۸۷٦) نسائی (۱۸۹/۲) احمد (۲۱۹/۱)]

(۲۹٤) [مسند احمد (۱۸۵۷٦)، (۲٤۰۸۸) ابن ماجه (۱۳۵۲)]

(۲۹۵) [دیکھیے: توضیح الأحکام (۲۱٦/۲)]

سے استدلال کرتے ہوئے امام احمدؒ اور محدثین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ رکوع وسجود میں تسبیح اور سجدے میں دعا واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے' جبکہ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ یہ محض مسنون ومستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے مسیئ الصلاۃ کو اس کا حکم نہیں دیا تھا' اگر یہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ اسے ضرور اس کا حکم دیتے۔(۲۹۶) شیخ عبداللہ بسامؒ نے امام احمدؒ کے مؤقف کو ہی ترجیح دی ہے۔(۲۹۷) نیز یہ یاد رہے کہ جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربي العظيم اور سجدے میں تین مرتبہ سبحان ربي الأعلى کہا کرتے تھے' وہ ضعیف ہے۔(۲۹۸) اس لیے امام شوکانیؒ نے کہا ہے عدد کی قید کے بغیر رکوع وسجود میں زیادہ سے زیادہ تسبیحات پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سجدے میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اس لیے اس دوران کثرت سے دنیا وآخرت کی بھلائی کے لیے دعائیں کرنی چاہئیں۔

293- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: ((سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع اور سجدے میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے "پاک ہے تو اے اللہ! اے ہمارے رب! اپنی تعریف کے ساتھ' اے اللہ! مجھے بخش دے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث مذکورہ بالا دعا کے علاوہ رکوع اور سجدے میں یہ دعائیں بھی آپ ﷺ سے ثابت ہیں:

① ﴿ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ ﴾۔(۲۹۹)

② ﴿ اللَّهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ وَأَنْتَ رَبِّي سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ فَأَحْسَنَ صُوَرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴾۔(۳۰۰)

③ ﴿ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ﴾۔(۳۰۱)

293- [بخاری (۸۱۷) كتاب الأذان : باب التسبيح والدعاء في السجود' مسلم (٤٨٤) ابو داود (۸۷۷) نسائی (۱۹۰/۲) ابن ماجه (۸۸۹) أحمد (٤٣/٦)]

(۲۹۶) [سبل السلام (۵۰۹/۱)]

(۲۹۷) [توضيح الأحكام (۲۲۰/۲)]

(۲۹۸) [ضعيف : ضعيف أبو داود (۱۸۷) ضعيف ابن ماجة (۱۸۷) ضعيف ترمذی (٤٣) المشكاة (۸۸۰) ضعيف الجامع (٥٢٥) أبو داود (٨٨٦) ترمذی (۲٦۱) ابن ماجة (۸۹۰) بيهقی (٨٦/٢)] شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (٤٩٠/١)]

(۲۹۹) [مسلم (٤٨٧) كتاب الصلاة : باب ما يقال في الركوع والسجود' أبو داود (۸۷۲) نسائی (۲۲٤/۲) أحمد (٣٤/٦) ابن خزيمة (٦٠٦) بيهقی (۸۷/۲)]

(۳۰۰) [مسلم (۷۷۱) كتاب صلاة المسافرين وقصرها' دارقطنی (۲۹۷/۱) أبو عوانة (۱۰۲/۲) طحاوی (۱٦٠/۱)]

(۳۰۱) [صحيح : صحيح أبو داود (٧٧٦) كتاب الصلاة : باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده' أبو داود (۸۷۳) نسائی (۱۹۱/۲) أحمد (٢٤/٦)]

294- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُولُ: ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرُّكُوعِ ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ : ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ)) ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي سَاجِدًا ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا ، وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے' پھر جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے' پھر جب رکوع سے اپنی کمر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے' پھر سیدھے کھڑے ہوکر ربنا ولک الحمد کہتے' پھر جب سجدے کے لیے جھکتے تو تکبیر کہتے' پھر جب (سجدے سے) اپنا سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے' پھر جب (دوسرا) سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے' پھر جب (دوبارہ سجدے سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے' پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح کرتے جاتے۔ پھر جب دوسری رکعت کے بعد تشہد بیٹھ کر کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔ [بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے نماز میں تکبیرات کہنے کے اوقات معلوم ہوتے ہیں۔ پہلی تکبیر جسے تکبیر اولیٰ اور تکبیر تحریمہ کہتے ہیں' واجب ہے اور باقی تکبیرات جنہیں تکبیرات انتقال کہتے ہیں امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک واجب جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسنون و مستحب ہیں۔ (۳۰۲) ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپ نماز میں جب بھی اٹھتے' جھکتے' کھڑے ہوتے یا بیٹھتے تو تکبیر کہتے تھے۔ (۳۰۳) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ اور سیدھے کھڑے ہوکر ربنا ولک الحمد کہنا چاہیے خواہ کوئی امام ہو یا مقتدی۔ امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ صرف امام اور منفرد سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا اور مقتدی صرف ربنا ولک الحمد ہی کہے گا۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو۔'' (۳۰۴) اس بات کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا مقصد یہ بتانا نہیں کہ امام اور مقتدی اس موقع پر کیا کہیں بلکہ محض یہ بتانا ہے کہ مقتدی کی ربنا ولک الحمد امام کی سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ہونی چاہیے۔ (۳۰۵) اس لیے امام' مقتدی اور منفرد کو دونوں کلمات ہی کہنے چاہئیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دونوں کلمات کہا کرتے تھے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۳۰۶)

295- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ دعا پڑھتے ''اے اللہ! اے ہمارے پروردگار!

294- [بخاری (۷۸٦) کتاب الأذان : باب إتمام التکبیر فی السجود' مسلم (۳۹۲) ابو داود (۷۳۸) نسائی (۲۳۳/۲) ابن حبان (۱۷٦۷)]

295- [مسلم (٤۷۷) کتاب الصلاة : باب ما یقول إذا رفع رأسه من الرکوع' ابو داود (۸٤۷) نسائی (۱۹۸/۲)]

(۳۰۲) [توضیح الأحکام (۲۲۵/۲)] (۳۰۳) [مسند احمد (٤۲۱۲) ترمذی (۲۵۱) نسائی (۱۱٤۲)]

(۳۰٤) [بخاری (۷۳۲) کتاب الأذان : باب إیجاب التکبیر وافتتاح الصلاة' مسلم (٤۱۱)]

(۳۰۵) [صفة صلاة النبی للألبانی (ص/۱۳۵) الحاوی للفتاوی (۵۲۹/۱)]

(۳۰٦) [الأم (۲۲۰/۱) شرح المهذب (۲۵۲/۳) الحاوی للماوردی (۱۲۳/۲) المبسوط (۲۰/۱) الکافی لابن عبدالبر (٤۳-٤٤) کشاف القناع (۳٤۸/۱) نیل الأوطار (۸۸/۲)]

مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ : ((اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ، مِلْءَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ ، أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

تیرے لیے ہی ہر قسم کی تعریف ہے اتنی کہ اس سے آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (سب) بھر جائے اور ہر وہ چیز بھر جائے جسے تو چاہے اس کے بعد اے تعریف اور بزرگی والے! سب سے سچی بات جو بندے نے کہی اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں (یہ ہے کہ) اے اللہ! جو تو عطا کرتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

296- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ : عَلَى الْجَبْهَةِ ۔ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى أَنْفِهِ ۔ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے سات ہڈیوں (یعنی اعضاء) پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی پر اور آپ ﷺ نے ہاتھ کے ساتھ اپنے ناک کی طرف اشارہ کیا، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے اطراف پر۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَعْظُم عَظْم کی جمع ہے، اس کا معنی ہے "ہڈیاں"۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سر اور ناک ملا کر ایک عضو بنتا ہے۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ اگر صرف سر یا صرف ناک پر بھی سجدہ کر لیا جائے تو کافی ہے۔(۳۰۷) یہ مؤقف مذکورہ بالا صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے۔ نیز اگر اس فلسفے کو تسلیم کر لیا جائے تو سجدے کے اعضاء سات کی بجائے آٹھ بن جاتے ہیں۔ اس لیے دوران سجدہ باقی چھ اعضاء کے ساتھ سر اور ناک دونوں کو زمین پر لگانا ضروری ہے ورنہ سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔ امام ابن منذرؒ نے اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے اور امام شوکانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۳۰۸)

❑ واضح رہے کہ بوقت ضرورت کسی کپڑے وغیرہ پر بھی سجدہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے تھے۔ جب ہم میں سے کسی کے لیے زمین پر پیشانی رکھنا مشکل ہو جاتا تو وہ اپنا کپڑا بچھاتا اور اس پر سجدہ کر لیتا۔(۳۰۹)

297- وَ عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ((كَانَ إِذَا صَلَّى وَسَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز ادا فرماتے اور سجدہ کرتے تو اپنے دونوں بازو پہلوؤں سے اس قدر الگ رکھتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگتی۔ [بخاری، مسلم]

296- [بخاری (۸۱۲) كتاب الأذان : باب السجود على الأنف، مسلم (۴۹۰) ابو داود (۸۸۹-۸۹۰) ترمذی (۲۷۳) نسائی (۲۰۸/۲) ابن ماجه (۱۰۴۰) احمد (۲۷۰/۱) دارمی (۱۳۱۹)]

297- [بخاری (۸۰۷) كتاب الأذان : باب يبدى ضبعيه ويجافى فى السجود، مسلم (۴۹۵) نسائی (۲۱۲/۲) احمد (۳۴۵/۵)]

(۳۰۷) [الأم للشافعی (۲۲۱/۱) شرح المهذب (۴۰۲۴/۳) الحاوی (۱۲۶/۲)]

(۳۰۸) [نيل الأوطار (۸۷/۲)]

(۳۰۹) [بخاری (۳۸۵) كتاب الصلاة : باب السجود على الثوب فى شدة الحر، مسلم (۶۲۰) أبو داود (۶۶۰) ترمذی (۵۸۴) نسائی (۲۱۶/۲) ابن ماجة (۱۰۳۳)]

لغوی توضیح فَرَّجَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب فَرَّجَ یُفَرِّجُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "کشادگی وفراخی کرنا"۔ إِبطَیهِ تثنیہ ہے إِبط سے اس کا معنی ہے "بغلیں" اس کی جمع آباط آتی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدے میں نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ اپنے بازو پہلوؤں سے اس قدر جدار کھتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگتی اس لیے اسی کیفیت سے سجدہ کرنا مسنون ومستحب ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی بغلیں باقی جسم کی طرح سفید تھیں۔

298- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم سجدہ کرو تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو (زمین پر) رکھو اور اپنی دونوں کہنیوں کو (زمین سے) بلند رکھو۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح كَفَّيْكَ میں كَ ضمیر مجرور متصل ہے اور كَفَّيْ تثنیہ ہے كَفٌّ کی اس کا معنی ہے "دونوں ہاتھ"۔ اسی طرح مِرْفَقَيْكَ میں بھی كَ ضمیر مجرور متصل ہے اور مِرْفَقَيْ تثنیہ ہے مِرْفَقٌ کی اس کا معنی ہے "دونوں کہنیاں"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدے میں مذکورہ کیفیت اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے علماء نے اسے واجب قرار دیا ہے البتہ بعض دوسرے اہل علم اسے استحباب پر بھی محمول کرتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ احادیث کا ظاہر تو وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔ (۳۱۰) امام صنعانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث (سجدے میں) اس ہیئت وکیفیت کے وجوب کا ثبوت ہے۔ (۳۱۱) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "سجدوں میں اعتدال اختیار کرو اور تم میں سے کوئی بھی کتے کی طرح اپنے بازو مت بچھائے۔" (۳۱۲) لہٰذا سجدے میں ہتھیلیاں زمین پر اور بازو زمین سے بلند رکھنے چاہییں اور جس روایت میں ہے کہ لمبے سجدے کی وجہ سے صحابہ نے تھکاوٹ کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے انہیں کہنیاں گھٹنوں پر رکھ کر آرام کی اجازت دے دی وہ ثابت نہیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ سجدے کی وہ تمام کیفیت جو گزشتہ اور آئندہ احادیث سے ثابت ہوتی ہے اس میں مرد اور خواتین برابر ہیں۔ ایسی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں جو ان دونوں میں تفریق کرتی ہو اور جس روایت میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے وہ نماز ادا کر رہی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین پر رکھ لیا کرو بلاشبہ عورت اس حکم میں مرد کی طرح نہیں۔" (۳۱۳) وہ مرسل ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں۔

298- [مسلم (٤٩٤) كتاب الصلاة: باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض' ابن خزيمة (٦٥٦) أحمد (٢٨٣/٤)]

(۳۱۰) [نيل الأوطار (٨٥/٢)]

(۳۱۱) [سبل السلام (٥٢١/١)]

(۳۱۲) [بخاری (٥٣٢) مسلم (٤٩٣) أبو داود (٨٩٧) ترمذی (٢٧٦) نسائی (٢١٣/٢) ابن ماجه (٨٩٢) أحمد (١١٥/٣-١٧٧-١٧٩-٢٠٢) دارمی (٣٠٢/١) أبو عوانة (١٨٣/٢) ابن أبی شيبة (٢٥٩/١) ابن حبان (١٩٢٦) بيهقی (١١٣/٢)]

(۳۱۳) [أبو داود فی المراسيل (٨٧)]

299- وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَكَعَ فَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، وَإِذَا سَجَدَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ)) رَوَاهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنی (ہاتھوں کی) انگلیاں کھلی رکھتے اور جب سجدہ کرتے تو انگلیاں ملا لیتے۔[اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح ضَمَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب ضَمَّ يَضُمُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''ملانا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے رکوع وسجود میں ہاتھوں کی انگلیوں کی مسنون کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھلی جبکہ سجود میں ملی ہونی چاہییں۔

300- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي مُتَرَبِّعًا)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چار زانوں پر بیٹھ کر نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا۔[اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث نبی کریم ﷺ نے چار زانو بیٹھ کر اس لیے نماز پڑھی کیونکہ گھوڑے سے گرنے کے باعث آپ کے پاؤں پر چوٹ آ گئی تھی، جس وجہ سے آپ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے سے قاصر تھے۔(٣١٤) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے اس طرح بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز ہے۔ نیز یہ عمل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے۔(٣١٥)

301- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَاللَّفْظُ لِأَبِي دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو سجدوں کے درمیان (بیٹھ کر) یہ دعا پڑھا کرتے تھے ''اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے، مجھے عافیت اور رزق عطا فرما۔'' [اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، یہ لفظ ابوداود کے ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث دو سجدوں کے درمیان مذکورہ دعا کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا بھی ثابت ہے ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي﴾ ''اے پروردگار! مجھے بخش دے، اے پروردگار! مجھے بخش دے۔''(٣١٦)

299- [صحيح: صحيح الجامع الصغير (٤٧٣٣) حاكم (٢٢٤/١) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

300- [صحيح: صحيح نسائي، نسائي (٢٢٤/٣)، (١٦٦١) كتاب قيام الليل وتطوع النهار: باب كيف صلاة القاعد، حاكم (٢٥٨/١) ابن خزيمة (٩٧٨-١٢٣٨) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

301- [حسن: صحيح أبو داود، أبو داود (٨٥٠) كتاب الصلاة: باب الدعاء بين السجدتين، ترمذي (٢٨٤) ابن ماجه (٨٩٨) حاكم (٢٦٢/١) احمد (٣٧١/١) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ روایت حسن یا صحیح ہے۔]

(٣١٤) [سبل السلام (٥٢٣/١)]

(٣١٥) [السنن الكبرى للبيهقي (٣٠٥/٢) بخاري تعليقا (١٠٧/١)]

(٣١٦) [صحيح: صحيح أبو داود (٧٧٧) كتاب الصلاة: باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده، أبو داود (٧٧٤)]

302- وعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فَإِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا' جب آپ نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک سیدھے ہو کر بیٹھ نہ جاتے۔

لغوی توضیح لَمْ يَنْهَضْ فعل نفی کا صیغہ ہے باب نَهَضَ يَنْهَضُ (بروزن منع) سے' اس کا معنی ہے ''اٹھنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طاق رکعت یعنی پہلی رکعت کے بعد دوسری کے لیے اور تیسری کے بعد چوتھی کے لیے اٹھنے سے پہلے کچھ دیر اطمینان سے بیٹھنا مسنون و مستحب ہے۔ اس بیٹھنے کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور احمدؒ نے اسے غیر مسنون کہا ہے۔ (۳۱۷) انہوں نے جن دلائل کو پیش نظر رکھا ہے ان میں سے ایک تو وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ ''نبی ﷺ نماز میں اپنے دونوں قدموں کے پنجوں پر کھڑے ہوتے تھے۔'' لیکن وہ ضعیف ہے۔ (۳۱۸) اسی طرح انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ''آپ ﷺ تیر کی مانند کھڑے ہو جاتے تھے۔'' یہ روایت بھی قابل حجت نہیں۔ (۳۱۹) ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ بڑھاپے میں اس طرح اطمینان سے بیٹھ کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ (۳۲۰) حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ تاویل دلیل کی محتاج ہے۔ (۳۲۱) علاوہ ازیں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ سے جدا ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ ''اسی طرح نماز ادا کرنا جیسے تم نے مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے'' اور وہی صحابی جلسہ استراحت کا اثبات بیان کر رہے ہیں یعنی جب خود راوی نے اسے بڑھاپے پر محمول نہیں کیا تو کسی اور کا ایسا کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ (۳۲۲)

303- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رکوع کے

302- [بخاری (۸۲۳) کتاب الأذان: باب من استوی قاعدا فی وتر من صلاته ثم نهض' أبو داود (۸٤٤) ترمذی (۲۸٦) نسائی (۲۳٤/۲) احمد (۵۳/۵)]

303- [بخاری (٤۰۸۹) کتاب المغازی: باب غزوة الرجیع ورعل وذکوان' مسلم (٦۷۷) نسائی (۲۰۳/۲) ابن خزیمة (٦۲۰) دارقطنی (۳۹/۲) احمد (۱٦۲/۳)]

(۳۱۷) [شرح المهذب (٤۱۹/۳) حلیة العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء (۱۲۳/۱) روضة الطالبین (۳٦۵/۱) المبسوط (۲۳/۱) کشاف القناع (۳۵۵/۱)]

(۳۱۸) [ضعیف: ضعیف ترمذی (٤۷) کتاب الصلاة: باب کیف النهوض من السجود' إرواء الغلیل (۳٦۲) ترمذی (۲۸۸)] امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ (اس حدیث کی سند میں) خالد بن الیاس راوی کہ جسے خالد بن ایاس بھی کہا جاتا ہے اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کہتے ہیں کہ خالد بن ایاس متروک ہے۔ [تحفة الأحوذی (۱۸۱/۲)] حافظ ابن حجرؒ بھی اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں۔ [تقریب التهذیب (۲۱۱/۱)] امام ذہبیؒ رقمطراز ہیں کہ امام بخاریؒ اس راوی کو کچھ حیثیت نہیں دیتے اور امام احمدؒ اور امام نسائیؒ اسے متروک کہتے ہیں۔ [میزان الإعتدال (٤۰۷/۲)]

(۳۱۹) [مجمع الزوائد (۱۳۸/۲) اس کی سند میں خطیب بن جحدر راوی کذاب ہے۔]

(۳۲۰) [کما فی تحفة الأحوذی (۱۷۸/۲)]

(۳۲۱) [الدرایة (۱٤۷/۱)]

(۳۲۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فتح الباری (٥٦٤/۲) نیل الأوطار (۱۰۱/۲) تحفة الأحوذی (۱۸۲/۲) سبل السلام (٤۳۰/۱)]

قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ ' يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ ' ثُمَّ تَرَكَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَلِأَحْمَدَ وَ الدَّارَقُطْنِيِّ نَحْوُهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ' وَزَادَ : ((وَ أَمَّا فِي الصُّبْحِ فَلَمْ يَزَلْ يَقْنُتُ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا)) ۔

بعد ایک ماہ قنوت فرمائی اور پھر اسے چھوڑ دیا' اس میں آپ ﷺ (عہد شکن) عرب قبائل پر بددعا کرتے تھے۔[بخاری، مسلم۔احمد اور دار قطنی میں ایک دوسری سند سے اسی طرح مروی ہے' البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ] صبح کی نماز میں آپ ہمیشہ قنوت کرتے رہے حتی کہ دنیا سے رحلت فرما گئے۔

304- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَقْنُتُ إِلَّا إِذَا دَعَا لِقَوْمٍ أَوْ دَعَا عَلَى قَوْمٍ)) صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ صرف اسی صورت میں قنوت فرماتے جب کسی قوم کے حق میں دعا یا کسی قوم پر بددعا کرنا چاہتے۔

305- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ الْأَشْجَعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((قُلْتُ لِأَبِي : يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ ' أَفَكَانُوا يَقْنُتُونَ فِي الْفَجْرِ ؟ قَالَ : أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا أَبَا دَاوُدَ ۔

حضرت سعد بن طارق اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ ابا جان! آپ نے رسول اللہ ﷺ' ابوبکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ' اور علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے' کیا یہ سب نماز فجر میں قنوت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا' اے بیٹے! یہ نئی چیز ہے۔[اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح قَنَتَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب قَنَتَ يَقْنُتُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''قنوت پڑھنا' دعا کرنا''۔ اس سے مراد قنوتِ نازلہ ہے جو مصیبت و آزمائش میں رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ أَحْيَاء جمع ہے حَيٌّ کی' اس کا معنی ہے ''قبیلہ''۔ دَعَا دَعْوٌ سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے ''دعا کرنا'' جب اس کے بعد لفظِ عَلَى آئے تو اس کا معنی بددعا کرنا ہوتا ہے۔ مُحْدَثٌ سے مراد ہے نئی ایجاد کردہ چیز یعنی بدعت۔ بدعت ایسے نئے کام کو کہا جاتا ہے جو عہد رسالت میں موجود نہ ہو' بعد کی ایجاد ہو۔

فہم الحدیث مذکورہ بالا پہلی دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مصیبت و آزمائش درپیش ہوتی تو رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد قنوت فرمایا کرتے تھے۔ پہلی روایت میں مسلسل ایک ماہ قنوت کرنے کا ذکر ہے' یہ ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے کتنی نمازوں میں قنوت فرمائی۔ البتہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ پانچوں نمازوں میں قنوت فرمائی تھی۔ (۳۲۳) اس مسلسل ایک ماہ بددعا کا سبب یہ تھا کہ بعض عرب قبائل (رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان) نے بدعہدی کر کے ستر (70) قاری و مبلغ صحابہ کو شہید کر دیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ نماز مغرب اور نماز فجر میں قنوت کی جاتی تھی۔ (۳۲٤) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

304- [صحیح : السلسلة الصحيحة (۹۳۹) ابن خزيمة (٦٢٠) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

305- [صحیح : صحيح ترمذی' ترمذی (٤٠٢) کتاب الصلاة : باب ما جاء في ترك القنوت' ابن ماجه (١٢٤١) نسائی (۲۰٤/۲) احمد (٤٧٢/٣) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳۲۳) [حسن : صحيح أبو داود (۱۲۸۰) کتاب الصلاة : باب القنوت في الصلوات' ابوداود (١٤٤٣) أحمد (۳۰۱/۱)]

کی ایک روایت میں ہے کہ وہ ظہر' عشا اور فجر کی نماز میں قنوت کرتے تھے' (جس میں) مومنوں کے لیے دعا کرتے اور کافروں پر لعنت کرتے تھے۔ (۳۲۵) مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات کے مطابق ایک نماز' دو نمازوں اور پانچوں نمازوں میں مسلسل بھی قنوت کی جاسکتی ہے۔ نیز جس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صرف اسی وقت قنوت فرماتے جب کسی قوم کے حق میں دعا یا کسی قوم پر بددعا کرنا چاہتے بصورتِ دیگر قنوت نہ فرماتے وہ بھی گزشتہ احادیث کے خلاف نہیں۔ کیونکہ جب حالات پر امن ہوں تو پھر قنوت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی' یہ تو درحقیقت اسی وقت مسنون ہے جب مسلمان ابتلاء و آزمائش کا شکار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ستر مسلمان دھوکے سے شہید کیے گئے تو آپ ﷺ نے ان کے قاتلوں پر بددعا کے لیے قنوت فرمائی لیکن اس کے بعد اسے ترک کر دیا۔

اہل علم نے مشروعیتِ قنوت کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ وتر کے سوا کسی نماز میں بھی قنوت مسنون نہیں۔ البتہ امام احمدؒ کے نزدیک کسی درپیش مصیبت کی وجہ سے نماز فجر میں امام قنوت کر سکتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ صرف نماز فجر میں ہی دائمی طور پر قنوت کی جاسکتی ہے۔ (۳۲۶) امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مصیبت درپیش نہ ہو تو پھر وتر کے سوا کسی نماز میں بھی قنوت مشروع نہیں۔ (۳۲۷) امام ابن قیمؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قنوت کرنا اور چھوڑنا دونوں طرح جائز و درست ہے۔ (۳۲۸) ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں راجح موقف یہ ہے کہ جب امتِ مسلمہ کسی آزمائش کا شکار ہو تو کسی بھی نماز میں قنوتِ نازلہ کی جاسکتی ہے۔ امام شوکانیؒ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۳۲۹)

جن حضرات نے قنوتِ نازلہ کو غیر مشروع کہا ہے انہوں نے مذکورہ بالا تیسری حدیث سے استدلال کیا ہے' جس میں ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حدیث قنوت کی نفی میں ہے جبکہ گزشتہ احادیث اس کے اثبات میں اور اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ جب نفی و اثبات کا تعارض ہو جائے تو اثبات کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ (۳۳۰) علاوہ ازیں بعض اہل علم نے اس تعارض کو یوں حل کیا ہے کہ قنوت بدعت اس صورت میں ہے جب بلاضرورت (پر امن حالات میں) بھی اس پر دوام والتزام اختیار کیا جائے۔

☐ دعائے قنوت کا طریقہ یہ ہے کہ امام نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر (۳۳۱) دعا مانگے اور مقتدی آمین کہیں۔ (۳۳۲) نیز قنوتِ نازلہ کی دعا یہ ہے: ﴿ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ ، اَللّٰهُمَّ الْعَنْ كَفَرَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ أَوْلِيَاءَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ

---

(۳۲۴) [بخاری (۷۹۸) كتاب الأذان : باب فضل اللهم ربنا لك الحمد]

(۳۲۵) [بخاری (۷۹۷) كتاب الأذان : باب فضل اللهم ربنا لك الحمد' أحمد (۳۳۷/۲) مسلم (۶۷۶) أبو داود (۱۴۴۰) نسائی (۲۰۲/۲) دارقطنی (۳۸/۲) بیهقی (۱۹۸/۲)]

(۳۲۶) [المجموع (۴۷۴/۳) الحاوی (۱۵۰/۲) رد المحتار (۴۴۸/۲) المبسوط (۱۶۵/۱) الهداية (۵۲/۱) الاختيار (۵۵۳/۱) المغنی (۵۸۵/۲) الحجة على أهل المدينة (۹۷۳/۱) ترمذی (بعد الحديث / ۴۰۲)]

(۳۲۷) [المغنی لابن قدامة (۵۸۵/۲)] (۳۲۸) [زاد المعاد (۲۷۲/۱)]

(۳۲۹) [نيل الأوطار (۱۹۳/۲)] (۳۳۰) [نيل الأوطار (۱۹۱/۲) تحفة الأحوذی (۴۵۱/۲)]

(۳۳۱) [صحيح : إرواء الغليل (۱۸۱/۲) أحمد (۱۳۷/۳)]

(۳۳۲) [حسن : صحيح أبو داود (۱۲۸۰) أبو داود (۱۴۴۳)]

كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِي لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴾۔(۳۳۳)

306- وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي قُنُوتِ الْوِتْرِ: ((اللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ: ((وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ)) زَادَ النَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ فِي آخِرِهِ: ((وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ))۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے کچھ کلمات سکھائے میں انہیں قنوتِ وتر میں پڑھا کرتا تھا (اور وہ یہ ہیں): ''اے اللہ! مجھے ہدایت دے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما' مجھے عافیت دے اور ان میں شامل فرما جنہیں تو نے عافیت دی' اور میری ان لوگوں میں سرپرستی فرما جن کی تو نے سرپرستی فرمائی' اور میرے لیے ان چیزوں میں برکت عطا فرما جو تو نے عطا کیں اور مجھے ان فیصلوں کے شر سے بچا جو تو نے کیے' اس لیے کہ تو ہی فیصلے کرتا ہے اور تیرے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا' یقیناً جس کا تو دوست بنا وہ ذلیل نہیں ہو سکتا' اے ہمارے رب! تو بہت بابرکت اور نہایت بلند ہے۔'' [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور طبرانی اور بیہقی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] ''اور جس سے تو نے دشمنی کی وہ معزز نہیں ہو سکتا۔'' [نسائی نے ایک دوسری روایت میں اس دعا کے آخر میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ] ''اور درود ہو نبی کریم ﷺ پر۔''

307- وَلِلْبَيْهَقِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا دُعَاءً نَدْعُو بِهِ فِي الْقُنُوتِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ)) وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ۔

اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں دعا سکھاتے تھے جسے ہم نماز فجر میں قنوت کرتے ہوئے مانگتے تھے۔ [اس کی سند میں ضعف ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وتروں میں یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن اس میں ذکر نہیں کہ یہ دعا رکوع کے بعد پڑھی جائے گی یا رکوع سے پہلے۔ تو اس سلسلے میں یہ یاد رہنا چاہیے کہ قنوتِ وتر رسول اللہ ﷺ سے صرف رکوع سے پہلے ہی ثابت ہے جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے (۳۳۴) اور جس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ

306- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۱٤۲۵) کتاب الصلاۃ : باب القنوت فی الوتر' ترمذی (٤٦٤) ابن ماجه (۱۱۷۸) احمد (۱۹۹/۱) دارمی (۱۵۹۳) حاکم (۱۹۲/۳) ابن خزیمة (۱۰۹۵) طبرانی کبیر (۲۷۰۸) ابن حبان (۵۱۲ـالموارد) بیهقی (۲۰۹/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ امام نوویؒ، امام حاکمؒ اور امام ابن ملقنؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

307- [بیهقی (۲۱۰/۲)]

(۳۳۳) [أحمد (۱۳۷/۳)]

(۳۳٤) [صحیح : صحیح ابن ماجة (۹۷۰) کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها : باب ما جآء فی القنوت قبل الرکوع' ابن ماجة (۱۱۸۲) إرواء الغلیل (٤٦۲)]

نے رکوع سے پہلے اور بعد میں قنوت کی وہ نماز فجر کے متعلق ہے قنوت وتر کے متعلق نہیں جیسا کہ یہ بات اسی حدیث میں موجود ہے۔(۳۳۵) تاہم بعض اہل علم نے خلفائے اربعہ کے عمل کی وجہ سے رکوع کے بعد بھی قنوت وتر کو درست قرار دیا ہے۔(۳۳۶) اور انہوں نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب قنوت نازلہ رکوع کے بعد ثابت ہے تو قنوت وتر بھی رکوع کے بعد کی جا سکتی ہے۔(۳۳۷) البتہ یہ یاد رہے کہ کسی بھی صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے قنوت وتر کے لیے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔(۳۳۸) جو حضرات ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل کو دلیل بنایا ہے۔(۳۳۹)

مذکورہ بالا دعا کے آخر میں نسائی نے جو یہ اضافہ نقل کیا ہے ''اور نبی کریم ﷺ پر درود ہو'' وہ ثابت نہیں۔(۳٤۰) نیز مذکورہ بالا دوسری (بیہقی کی) روایت سے استدلال کرتے ہوئے شافعیہ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ یہ دعا نماز فجر میں پڑھی جائے گی (۳٤۱) لیکن چونکہ وہ روایت ضعیف ہے اس لیے قابل حجت نہیں اور وہ گزشتہ صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے۔

☐ رسول اللہ ﷺ سے قنوت وتر میں یہ دعا پڑھنا بھی ثابت ہے: ﴿ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ ﴾۔(۳٤۲)

308- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ)) أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے (زمین پر) رکھے۔'' [اسے ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

309- وَهُوَ أَقْوَى مِنْ حَدِيثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ۔

اور یہ حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اُس حدیث سے قوی تر ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا' جب آپ سجدہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنوں کو (زمین پر) رکھتے تھے۔ [اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔]

308- [صحیح : صحیح أبو داود' أبو داود (۸٤۰۔۸٤۱) كتاب الصلاة : باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه' ترمذی (۲٦۹) نسائی (۲۰۷/۲) احمد (۳۸۱/۲۔۹) دارمی (۱۳۲۱) دارقطنی (۳٤٤/۱)]

309- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۸۳۸۔۸۳۹) کتاب الصلاۃ : باب تمام التکبیر' ترمذی (۲٦۷) ابن ماجہ (۸۸۲) نسائی (۲۳٤/۲) دارقطنی (۳٤۵/۱) دارمی (۱۳۲۰) دارقطنی (۳٤۵/۱) حاکم (۲۲٦/۱) ابن خزیمۃ (٦۲٦) ابن حبان (٤۸۷۔الموارد) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۳۳۵) [صحیح : صحیح ابن ماجۃ (۹۷۱) أیضا' إرواء الغلیل (۱٦۰/۲) ابن ماجۃ (۱۱۸۳)]
(۳۳٦) [نیل الأوطار (۲۵۸/۲)]
(۳۳۷) [بخاری (۱۰۰۲)]
(۳۳۸) [صحیح : صحیح نسائی (۱٦٤۹)]
(۳۳۹) [تحفۃ الأحوذی (۵۸۰/۲)]
(۳٤۰) [ضعیف : ضعیف نسائی (۱۰٦)]
(۳٤۱) [سبل السلام (۵۳۱/۱)]
(۳٤۲) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۲٦۵) أیضا' أبو داود (۱٤۲۷) ترمذی (۳۵٦٦) أحمد (۹٦/۱) ابن ماجۃ (۱۱۷۹) حاکم (۳۰٦/۱) بیہقی (٤۲/۳)]

310- فَإِنَّ لِلْأَوَّلِ شَاهِدًا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ' صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ مُعَلَّقًا مَوْقُوفًا۔

پہلی حدیث کے لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے شاہد ہے' اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے اور بخاری نے اسے تعلیقاً موقوف ذکر کیا ہے۔

لغوی توضیح فَلَا يَبْرُكْ فعل نہی کا صیغہ ہے باب بَرَكَ يَبْرُكُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "بیٹھنا"۔

فهم الحديث پہلی حدیث چونکہ زیادہ صحیح ہے اس لیے اس پر عمل کرتے ہوئے سجدے کے لیے جھکتے وقت پہلے (اونٹ کی مانند گھٹنے نہیں بلکہ) ہاتھ زمین پر رکھنے چاہییں۔ بالعموم محدثین عظام اور حنابلہ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ شوافع اور احناف نے دوسری حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھنے چاہییں۔ (٣٤٣) لیکن ان کا موقف ضعیف روایت پر مبنی ہونے کی بنا پر قابل عمل نہیں۔ پہلا موقف اس لیے قابل ترجیح ہے کیونکہ اس کی دلیل صحیح حدیث پر مبنی ہے اور دوسرے یہ کہ اگر دوسری حدیث کو قابل حجت مان بھی لیا جائے تب بھی پہلی حدیث کو ہی ترجیح حاصل ہو گی کیونکہ پہلی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے اور دوسری میں فعل اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تعارض آ جائے تو قول کو ہی ترجیح حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اصول میں یہ بات ثابت ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی پہلی حدیث کو ہی ترجیح دی ہے۔ (٣٤٤)

311- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى ' وَالْيُمْنَى عَلَى الْيُمْنَى ' وَعَقَدَ ثَلَاثًا وَخَمْسِينَ وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : ((وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَ أَشَارَ بِالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ))۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد کے لیے بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں دائیں گھٹنے پر رکھ لیتے اور ترپن (53) کی گرہ لگا کر اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] اپنی تمام انگلیاں بند کر دیتے اور اس انگلی کے ساتھ اشارہ کرتے جو انگوٹھے کے ساتھ ہے۔

لغوی توضیح عَقَدَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب عَقَدَ يَعْقِدُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "گرہ لگانا"۔ السَّبَّابَة کا معنی ہے گالی دینے والی' مراد ہے انگشت شہادت' انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی۔ اس انگلی کا نام "گالی دینے والی" اس لیے پڑا کیونکہ اہل جاہلیت اس انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے دوسروں کو گالی گلوچ کیا کرتے تھے (بلکہ آج بھی اسی طرح ہی کیا جاتا ہے)۔

فهم الحديث اس حدیث سے ایک تو تشہد میں دونوں ہاتھ رکھنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ دورانِ تشہد دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرنا مستحب ہے۔ اس اشارے کے لیے ہاتھ کی تین کیفیات منقول ہیں

310- [ابن خزيمة (٦٢٧) بخارى تعليقا]

311- [مسلم (٥٨٠) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب صفة الجلوس فى الصلاة ' ابو داود (٩٨٧) ترمذى (٢٩٤) نسائى (٢٣٧/٢) احمد (٦٥/٢) مالك (٨٨/١) دارمى (١٣٣٩)]

(٣٤٣) [نيل الأوطار (٨٢/٢) المحلى (١٢٩/٤-١٣٠)]

(٣٤٤) [زاد المعاد (٢٢٢/١)]

دوتو اوپر حدیث میں ہی موجود ہیں۔ایک یہ کہ ترپن کی گرہ لگائی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھے کو انگشت شہادت کے آخر پر رکھ لیا جائے۔دوسری کیفیت یہ کہ ساری انگلیاں بند کر کے صرف انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کیا جائے اور تیسری کیفیت حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کیا جائے۔(۳۴۵)

تشہد میں سبابہ انگلی کو حرکت دینے کے متعلق یہ یاد رہنا چاہیے کہ یہ حرکت پورے تشہد میں جاری رہنی چاہیے' رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ تشہد میں اپنی انگشت شہادت کو حرکت دیتے اور فرماتے تھے کہ "یہ انگلی شیطان کو لوہے سے زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے۔"(۳۴۶) جس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ تشہد میں انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے' وہ شاذ ہے۔(۳۴۷) نیز وہ روایت بھی ثابت نہیں جس میں ہے کہ آپ ﷺ تشہد میں لا الہ الا اللہ پر (کلمۂ توحید کی مناسبت سے) انگلی کے ساتھ اشارہ کیا کرتے تھے۔(۳۴۸) لیکن احناف اسی کمزور روایات پر مبنی مؤقف پر ہی عامل ہیں۔(۳۴۹)

312- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اِلْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ : اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ' أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ' وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ' ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ ' فَيَدْعُوْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ' وَلِلنَّسَائِيِّ : ((كُنَّا نَقُوْلُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ)) وَلِأَحْمَدَ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ التَّشَهُّدَ ' وَأَمَرَهُ أَنْ يُعَلِّمَهُ النَّاسَ)) ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دورانِ تشہد) یوں کہے "تمام قولی' بدنی اور مالی عبادات اللہ ہی کے لیے ہیں' اے نبی! تجھ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو' سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں" پھر وہ اس دعا کا انتخاب کرے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو اور پھر دعا کرے۔" [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور نسائی میں ہے کہ] ہم تشہد فرض ہونے سے پہلے کہا کرتے تھے۔[اور مسند احمد میں ہے کہ] نبی ﷺ نے انہیں تشہد سکھایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو بھی یہ سکھاؤ۔

312- [بخاری (۸۳۱-۶۲۳۰) کتاب الأذان : باب التشهد فی الآخرة ' مسلم (۴۰۲) ابو داود (۹۶۸) ترمذی (۲۸۹) ابن ماجه (۸۹۹) نسائی (۲۳۸/۲) احمد (۳۸۲/۱) دارقطنی (۳۵۳/۱) دارمی (۱۳۴۰)]

(۳۴۵) [صحیح : صحیح أبو داود (۶۶۶) کتاب الصلاة : باب الإشارة فی التشهد ' أبو داود (۷۲۶) عبدالرزاق (۳۰۸۰) بیهقی (۱۳۹/۲)]

(۳۴۶) [صفة الصلاة للألبانی (ص/۱۵۹)]

(۳۴۷) [ضعیف أبو داود (۲۰۸) تمام المنة (ص/۲۱۷) المشكاة (۹۱۲) ضعیف نسائی (۶۷)]

(۳۴۸) [السنن الكبرى للبیهقی (۱۳۲/۲)]

(۳۴۹) [تحفة الأحوذی (۱۹۶/۲)]

313- وَلِمُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ : ((التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ ......)) إِلَى آخِرِهِ ۔

اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں (اس طرح) تشہد سکھاتے تھے "اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ ...... إِلَى آخِرِهِ"

لغوی توضیح اَلتَّحِيَّاتُ جمع ہے تَحِيَّة کی' اس کا معنی ہے "عظمت و بزرگی" اس سے زبانی عبادات بھی مراد لی جاتی ہیں۔ الصَّلَوَاتُ جمع ہے الصَّلَاة کی' اس کا معنی ہے "نماز" اور اس سے بدنی عبادات بھی مراد لی جاتی ہیں۔ الطَّيِّبَاتُ جمع ہے الطَّيِّب کی' اس کا معنی ہے "تمام پاکیزہ اقوال وافعال اور اوصاف وغیرہ" اس سے مالی عبادات بھی مراد لی جاتی ہیں۔ أَعْجَبَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَعْجَبَ يُعْجِبُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "پسند ہونا' اچھا لگنا وغیرہ"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ درمیانہ تشہد واجب نہیں جبکہ امام احمدؒ، امام لیثؒ اور امام اسحاقؒ نے اسے واجب کہا ہے۔ (۳۵۰) آخری تشہد کے متعلق امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا مؤقف یہ ہے کہ یہ واجب ہے' جبکہ امام مالکؒ نے سلام تک بیٹھنا لازم قرار دیا ہے' تشہد کو واجب نہیں کہا۔ (۳۵۱) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ درمیانہ اور آخری دونوں تشہد واجب ہیں۔ امام ابن حزمؒ (۳۵۲)، امام شوکانیؒ (۳۵۳)، امام صنعانیؒ (۳۵۴)، نواب صدیق حسن خانؒ (۳۵۵) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ (۳۵۶) اسی کے قائل ہیں۔

تشہد کے کون سے الفاظ افضل ہیں' اہل علم نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ امام احمدؒ، امام ابو حنیفہؒ اور جمہور علماء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو افضل قرار دیا ہے اور امام شافعیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تشہد کو افضل کہا ہے۔ (۳۵۷) ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں پہلا مؤقف ہی راجح ہے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد صحیحین کی روایت میں ہے اور ایسے ثقہ راویوں نے نقل کیا ہے جنہوں نے اس کے الفاظ میں اختلاف نہیں کیا۔ امام مسلمؒ (۳۵۸)، امام ترمذیؒ (۳۵۹)،

313- [مسلم (۴۰۳) كتاب الصلاة : باب التشهد فى الصلاة ' ابو داود (۹۷۴) ترمذى (۲۹۰) ابن ماجه (۹۰۰) نسائى (۲۴۲/۲) احمد (۲۹۲/۱) دارقطنى (۳۵۰/۱)]

(۳۵۰) [الفقه الإسلامي وأدلته (۸۵۰/۲) المغنى (۲۱۷/۲) نيل الأوطار (۱۰۳/۱)]

(۳۵۱) [بداية المجتهد (۱۲۵/۱) المغنى (۵۳۲/۱) كشاف القناع (۴۵۳۳۱) فتح القدير مع العناية (۱۱۳/۱) بدائع الصنائع (۱۱۳/۱) تبيين الحقائق (۱۰۴/۱) الشرح الكبير (۲۴۰/۱) القوانين الفقهية (ص/۶۴) الفقه الإسلامي وأدلته (۸۵۰/۲)]

(۳۵۲) [المحلى بالآثار (۳۰۰/۲)]

(۳۵۳) [نيل الأوطار (۱۱۵/۲) السيل الجرار (۲۱۹۳۱)]

(۳۵۴) [سبل السلام (۴۴۳/۱)]

(۳۵۵) [الروضة الندية (۲۴۸/۱)]

(۳۵۶) [تمام المنة (ص/۱۷۰)]

(۳۵۷) [شرح المهذب (۳۴۳/۳) الأم (۲۲۸/۱) حلية العلماء فى معرفة مذاهب الفقهاء (۱۲۶/۲) المبسوط (۲۷/۱) كشاف القناع (۳۵۷/۱) سبل السلام (۲۶۷/۱)]

امام بزارؒ(٣٦٠)، حافظ ابن حجرؒ(٣٦١)، نواب صدیق حسن خانؒ(٣٦٢) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(٣٦٣) نے اسی کو افضل اور سب سے بہتر قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کے بعد حسب منشاء کوئی بھی دعا پڑھی جا سکتی ہے خواہ وہ ماثور ہو یا نہ۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ صرف مسنون و ماثور دعائیں ہی پڑھی جا سکتی ہیں۔ (٣٦٤) لیکن دلیل کے اعتبار سے جمہور کا مؤقف قوی ہے۔ (٣٦٥) علاوہ ازیں مذکورہ بالا جس روایت میں ہے کہ ''ہم تشہد فرض ہونے سے پہلے کہا کرتے تھے'' وہاں مولفؒ نے یہ حذف کر دیا ہے کہ کیا کہا کرتے تھے۔ تو صحابہ فرضیت تشہد سے پہلے یوں کہتے کہ **السلام علی اللہ ' السلام علی جبرائیل ' السلام علی میکائیل** تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرما کر تشہد کا حکم دے دیا۔

314- وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ وَلَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ ' وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ' فَقَالَ : ((عَجِلَ هٰذَا)) ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ : ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَمْجِيدِ رَبِّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ' ثُمَّ يَدْعُو بَعْدُ بِمَا شَاءَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا' اس نے نہ تو اللہ کی حمد بیان کی اور نہ ہی نبی ﷺ پر درود پڑھا' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس نے جلدی کی'' پھر آپ ﷺ نے اسے بلایا اور بتایا کہ ''جب تم میں سے کوئی دعا مانگنے لگے تو پہلے اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرے' پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور پھر جو چاہے دعا مانگے۔'' [اسے احمد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح عَجِلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب عَجِلَ يَعْجَلُ (بروزن علم) سے' اس کا معنی ہے ''جلدی کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے قبولیت دعا کا ایک لازمی ادب معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنی چاہیے' پھر نبی ﷺ پر درود پڑھنا چاہیے اور پھر جو دل چاہے دعا مانگنی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسی طرح دعا مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے نمازی! دعا کر اب تیری دعا قبول کی جائے گی''۔ (٣٦٦) نیز دعا کرتے وقت نبی ﷺ پر درود پڑھنے کے متعلق یہ فرمانِ نبوی یاد رہنا چاہیے کہ ''بلاشبہ دعا آسمان

314- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (١٤٨١) كتاب الصلاة : باب الدعاء' ترمذی (٣٤٧٧) نسائی (٤٤/٣) احمد (١٨/٦) ابن حبان (١٩٦٠) ابن خزيمة (٧١٠) حاکم (٢٣٠/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٣٥٨) [سبل السلام (٤٤٣/١)] (٣٥٩) [سنن ترمذی (٢٨٩)]

(٣٦٠) [تحفة الأحوذی (١٨٥/٢)] (٣٦١) [فتح الباری (٣٦٨/٢)]

(٣٦٢) [الروضة الندية (٢٤٩/١)] (٣٦٣) [تحفة الأحوذی (١٨٦/٢)]

(٣٦٤) [نيل الأوطار (١١٣/٢)] (٣٦٥) [سبل السلام (٤٤٤/١) نيل الأوطار (١١٣/٢)]

(٣٦٦) [صحيح : صحيح الترغيب والترهيب (١٦٤٣) كتاب الذكر والدعاء' ترمذی (٣٤٧٦) ابو داود (١٤٨١) نسائی (٤٤/٣) مسند احمد (١٨/٦) ابن حبان (١٩٦٠) ابن خزيمة (٧١٠)]

وزمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے‘ اس سے کچھ بھی اوپر نہیں چڑھتا جب تک تم اپنے نبی محمد ﷺ پر درود نہ پڑھ لو۔‘‘ (۳۶۷) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا میں مقاصد پر وسائل کو مقدم کرنا چاہیے۔

315- وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ بَشِيرُ بْنُ سَعْدٍ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ‘أَمَرَنَا اللّٰهُ أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ ‘فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ؟ فَسَكَتَ ‘ثُمَّ قَالَ : ((قُولُوا : اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ‘ وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ‘وَزَادَ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِيهِ : ((فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ‘ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِي صَلَاتِنَا))۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا‘ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہم آپ پر کیسے درود پڑھیں؟ آپ کچھ دیر خاموش رہے‘ پھر فرمایا: یوں کہا کرو’’ اے اللہ! محمد ﷺ اور آل محمد (ﷺ) پر اس طرح رحمت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی اور محمد ﷺ اور آل محمد (ﷺ) پر اس طرح برکت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں برکت نازل فرمائی‘ یقیناً تو خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔‘‘ اور سلام تو تمہیں (پہلے ہی) سکھا دیا گیا ہے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ] ہم جب نماز میں ہوں تو آپ پر کیسے درود پڑھیں؟۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کے بعد درود پڑھنا واجب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، امام شعبیؒ، امام اسحاقؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ جمہور علما، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام طحاویؒ نے اسے غیر واجب کہا ہے۔ (۳۶۸) امام شوکانیؒ (۳۶۹) اور نواب صدیق حسن خانؒ (۳۷۰) بھی اسی کے قائل ہیں۔ ہمارے علم کے مطابق وجوب کا قول قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نبی ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم دیا تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں معروف درودِ ابراہیمی کے الفاظ سکھا دیئے۔ صحابہ نے آیت سے سمجھا کہ آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم تشہد کے بعد ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی انہیں اسی پر قائم رکھا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ درود پڑھنا واجب ہے۔ امام صنعانیؒ (۳۷۱) اور علامہ البانیؒ (۳۷۲) بھی اسی کے قائل ہیں۔

315- [مسلم (٤٠٥) كتاب الصلاة : باب الصلاة على النبى بعد التشهد ‘ ابو داود (٩٨٠) ترمذى (٣٢٢٠) نسائى (٤٥/٣) احمد (١١٨/٤) مالك (١٦٥/١) دارقطنى (٣٥٤/١) حاكم (٢٦٨/١) ابن خزيمة (٧١١) ابن حبان (١٩٥٨)]

(٣٦٧) [صحيح لغيره : صحيح الترغيب والترهيب (١٦٧٦) ‘ (١٦٧٥) ترمذى (٣٨٦)]

(٣٦٨) [شرح المهذب (٤٤٧/٣) الأم (٢٢٨/١) الحاوى للماوردى (١٣٧/٢) روضة الطالبين (٣٧٠/١) المبسوط (٢٩/١) كشاف القناع (٣٥٩/١) سبل السلام (٢٧١/١)]

(٣٦٩) [السيل الجرار (٢٢٠/١) نيل الأوطار (١٩٩/٢)]

(٣٧٠) [الروضة الندية (٢٥١/١)]

(٣٧١) [سبل السلام (٤٤٨/١)]

(٣٧٢) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٢٧٢/١) صفة صلاة النبى للألبانى (ص/١٨١-١٨٢)]

❑ کیا درمیانے تشہد میں بھی درود پڑھنا چاہیے کہ نہیں اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے 9 رکعت نماز وتر ادا کی۔ آپ صرف آٹھویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے' اس میں آپ نے درود بھی پڑھا' پھر آپ کھڑے ہوئے اور پھر نویں رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے' اس میں بھی آپ نے درود پڑھا اور پھر دعا کے بعد سلام پھیر دیا۔ (۳۷۳)
اس حدیث سے اہل علم نے اخذ کیا ہے کہ درمیانے تشہد میں بھی درود پڑھنا چاہیے۔ علامہ البانی" اسی کے قائل ہیں۔ (۳۷٤)

316- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ أَرْبَعٍ ' يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ مُسْلِمٍ: ((إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِيرِ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ لے تو چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور یوں کہے' اے اللہ میں عذاب جہنم سے' عذاب قبر سے' موت وحیات کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔'' [بخاری' مسلم۔ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ] ''جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو (تب یہ دعا پڑھے)۔''

لغوی توضیح الْمَحْيَا زندگی کو اور الْمَمَات موت کو کہتے ہیں۔ زندگی کے فتنے سے مراد ہے دنیاوی مشکلات ومصائب اور موت کے فتنے سے مراد ہے برا خاتمہ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری تشہد میں ان چار چیزوں سے پناہ مانگنا ضروری ہے۔ امام شوکانی" (۳۷۵)' امام ابن حزم" (۳۷٦)' امام صنعانی" (۳۷۷) اور علامہ ناصر الدین البانی" (۳۷۸) نے اس دعا کو فرض کہا ہے۔ البتہ امام ابن حزم" نے اسے درمیانے تشہد میں بھی فرض کہا ہے لیکن حدیث کے واضح الفاظ ﴿التَّشَهُّدِ الْآخِيرِ﴾ اس کا رد کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جمہور علما نے اس دعا کو مستحب قرار دیا ہے۔ (۳۷۹) مزید برآں اس حدیث میں عذاب قبر اور مسیح دجال کی آمد کا ثبوت بھی موجود ہے۔

317- وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ: عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا سکھایئے جسے میں اپنی نماز میں پڑھتا رہوں آپ ﷺ

316- [بخاری (۱۳۷۷) كتاب الجنائز: باب التعوذ من عذاب القبر' مسلم (۵۸۸) ابو داود (۹۸۳) ترمذی (۳٦۰٤) ابن ماجه (۹۰۹) نسائی (۵۸/۳) احمد (۲۳۷/۲) دارمی (۱۳٤٤) ابن حبان (۱۹۵۸)]

317- [بخاری (۸۳٤) كتاب الأذان: باب الدعاء قبل السلام' مسلم (۲۷۰۵) ترمذی (۳۵۳۱) ابن ماجه (۳۸۳۵) نسائی (۵۳/۳) احمد (۱/۳-٤)]

(۳۷۳) [صحيح: صحيح نسائی (۱٦۲۳) كتاب قيام الليل: باب كيف الوتر بتسع' نسائی (۱۷۲۱) أبو عوانة (۳۲٤/۲) ابن ماجة (۱۱۹۱- بدون لفظ صلاة على النبی)]

(۳۷٤) [تمام المنة (ص/۲۲٤-۲۲۵)]
(۳۷۵) [نيل الاوطار (۱۲۹/۲)]
(۳۷٦) [سبل السلام (٤۵۰/۱)]
(۳۷۷) [المحلى بالآثار (۳۰۱/۲)]
(۳۷۸) [صفة صلاة النبی (ص/۱۸۲)]
(۳۷۹) [نيل الأوطار (۱۲۸/۲) سبل السلام (٤۵۰/۱)]

صَلَاتِي ' قَالَ : ((قُلْ : اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

نے فرمایا' یوں کہا کرو" اے اللہ! یقیناً میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے اور گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے اس لیے تو مجھے اپنی طرف سے مغفرت عطا فرما اور مجھ پر رحم فرما' یقیناً تو بخشنے والا مہربان ہے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز میں پڑھی جا سکتی ہے اور نماز میں دعا مانگنے کا مقام سجدہ اور تشہد ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مسائل جن کی ضرورت ہو' اہل علم سے دریافت کرنے چاہییں اور اہل علم پر بھی لازم ہے کہ وہ لوگوں کی خیر خواہی کریں اور ان کے لیے اُس راستے کی رہنمائی کریں جو ان کے لیے زیادہ نفع مند ہے۔

☐ تشہد میں یہ دعا بھی ثابت ہے: ﴿ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ﴾۔(۳۸۰)

318- وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ : ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ)) وَعَنْ شِمَالِهِ : ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ ۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی' آپ نے اپنی دائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے کہا السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته اور اپنی بائیں جانب سلام پھیرتے ہوئے کہا السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته۔[اسے ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ دونوں طرف سلام پھیرتے تھے۔ لیکن ایک طرف سلام پھیرنا بھی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔(۳۸۱) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ وبرکاته کے الفاظ بھی دونوں طرف ہی کہتے تھے۔ البتہ بعض روایات میں ورحمة الله تک سلام کہنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔(۳۸۲) نماز میں سلام پھیرنا واجب ہے' جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ "نماز کو سلام کے ساتھ ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔"(۳۸۳) جمہور صحابہ وتابعین' امام شافعیؒ اور امام احمدؒ

318- [صحيح : صحيح أبو داود ' أبو داود (۹۹۷) كتاب الصلاة : باب في السلام ' أحمد (۳۱٦/٤) سنن ابی داود کی روایت میں بائیں طرف سلام میں "وبرکاته" کے الفاظ نہیں ہیں۔ شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۳۸۰) [مسلم (۷۷۱) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب الدعاء في صلاة الليل و قيامه ' أبو داد (۷٦۰) صفة صلاة النبي للألباني (ص/۱۸۷)]

(۳۸۱) [مسلم (۷٤٦) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب جامع صلاة الليل...... ' أبو داود (۱۳٤۲) ابن ماجة (۱۱۹۱) أبو عوانة (۳۲۱/۲) ابن خزيمة (۷٤٦) ابن حبان (۲٤٤۲)]

(۳۸۲) [صحيح : أبو داود (۹۹٦) كتاب الصلاة : باب في السلام ' مسلم (۱۱۷) أحمد (٤٤٤/۱) ترمذي (۲۹۵) نسائي (٦۳/۳) ابن ماجة (۹۱٤) بيهقي (۱۷۷/۲) دارقطني (۳۵٦/۱)]

(۳۸۳) [حسن : صحيح أبو داود (۵۷۷) كتاب الصلاة : باب الإمام يحدث بعد ما يرفع رأسه من آخر ركعة ' أبو داود (٦۱۸) ترمذي (۳) ابن ماجة (۲۷۵)]

ایک طرف سلام کو واجب جبکہ دوسری طرف سلام کو سنت کہتے ہیں۔ امام مالکؒ نے ایک طرف سلام کو بھی سنت ہی کہا ہے اور احناف کا کہنا ہے کہ نماز سے خارج ہونے کے لیے سلام واجب نہیں بلکہ اگر نماز کے منافی کسی فعل (مثلاً حدث وغیرہ) کے ساتھ بھی نماز ختم کر دی جائے تو یہ جائز ہے' البتہ سلام سنت بہر حال ہے۔ (٣٨٤) احناف کا یہ مؤقف صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (٣٨٥)، امام نوویؒ (٣٨٦)، امام ابن حزمؒ (٣٨٧)، امام صنعانیؒ (٣٨٨)، علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (٣٨٩) اور علامہ البانیؒ (٣٩٠) نے سلام کو واجب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر اس سے پہلے وضوء ٹوٹ جائے تو نماز باطل ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔

319- وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ: ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے "نہیں ہے کوئی معبودِ برحق مگر اللہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ساری تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطا کرے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے اسے عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی بھی صاحبِ حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے ہاں کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

320- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے آخر میں ان کلمات کے ذریعے پناہ مانگا کرتے تھے "اے اللہ! تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ عمر کے رزیل ترین حصے (یعنی بڑھاپے) کی طرف لوٹایا جاؤں اور میں دنیا کے فتنے بلاشبہ میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اور میں

319- [بخاری (٨٤٤) كتاب الأذان: باب الذكر بعد الصلاة' مسلم (٥٩٣) ابو داود (١٥٠٥) نسائی (٧٠/٣) احمد (٢٤٥/٤) ابن خزيمة (٧٤٢) دارمی (١٣٤٩) ابن حبان (٢٠٠٥)]

320- [بخاری (٢٨٢٢) كتاب الجهاد والسير: باب ما يتعوذ من الجبن' ترمذی (٣٥٦٧) نسائی (٢٥٦/٨) احمد (١٨٣/١) ابن حبان (١٠٠٤-١٠١١)]

(٣٨٤) [المجموع (٤٦٢/٣) الأم (٢٣٤/١) رد المحتار (١٦٢/٢) الهداية (٥٣/١) المبسوط (٣٠/١)]

(٣٨٥) [مجموع الفتاوى (٦١٣/٢٢)]

(٣٨٦) [شرح مسلم (٩٠/٣)]

(٣٨٧) [المحلى بالآثار (٣٠٤/٢)]

(٣٨٨) [سبل السلام (٤٥٥/١)]

(٣٨٩) [تحفة الأحوذی (٤٤/١)]

(٣٩٠) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٢٧٥/١) صفة صلاة النبی (ص/١٨٨)]

فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ بزدلی سے سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الْجُبْن بزدلی کو کہتے ہیں اور أَرْذَلِ الْعُمُر کا معنی ہے عمر کا رزیل ترین حصہ یعنی بڑھاپا۔

فہم الحدیث حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا تشہد کے آخر میں اور سلام کے بعد دونوں موقعوں پر پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ اس میں نماز کے آخر میں اس دعا کے پڑھنے کا ذکر ہے اور آخر سے دونوں موقعے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

321- وَعَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا، وَقَالَ: ((اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ أستغفر الله کہتے اور پھر یہ دعا پڑھتے ''اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تیری طرف سے ہی سلامتی ہے تو بہت بابرکت ہے اے جلال واکرام والے!۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث تین مرتبہ استغفار سے بھی پہلے ایک مرتبہ الله أكبر کہنا چاہیے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''مجھے الله أكبر کے ساتھ نبی ﷺ کی نماز کے ختم ہونے کا علم ہوتا تھا۔''(۳۹۱) یعنی آپ سلام پھیرتے ہی الله أكبر کہتے اور پھر استغفار کرتے۔ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ استغفار تو گناہ کے بعد کیا جاتا ہے لیکن عبادت کے بعد استغفار کا کیا مطلب؟ تو اہل علم نے اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ نماز میں جو شیطانی وساوس وخیالات کی بنا پر نقص واقع ہو جاتا ہے اس کی تکمیل کے لیے استغفار کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب یہاں یہ بھی اشکال سامنے آتا ہے کہ نبی ﷺ خود بھی استغفار کرتے تھے تو کیا آپ کو بھی نماز میں شیطانی وساوس درپیش ہوتے تھے؟ تو اس کی توضیح یوں کی گئی ہے کہ نبی ﷺ خود تو شیطانی وساوس سے محفوظ تھے (۳۹۲) البتہ آپ ﷺ کا استغفار محض امت کو تعلیم دینے کے لیے تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہے کہ استغفار کے بعد مذکور دعا کے وہی الفاظ مسنون ہیں جو مذکورہ بالا حدیث میں ہیں اس میں ان الفاظ ﴿وَإِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَأَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ﴾ کا اضافہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

322- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَتِلْكَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان الله، 33 مرتبہ الحمد لله اور 33 مرتبہ الله أكبر کہا تو یہ 99 مرتبہ ہوا اور پھر 100 کا عدد پورا کرنے کے لیے اس نے '' لا اله الا الله وحده لا

321- [مسلم (۵۹۱) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ابو داود (۱۵۱۳) ترمذی (۳۰۰) ابن ماجه (۹۲۸) نسائی (۶۸/۳) احمد (۲۷۵/۵) ابن خزيمة (۷۳۷) ابن حبان (۲۰۰۳)]

322- [مسلم (۵۹۷) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ابن خزيمة (۷۴۹)]

(۳۹۱) [بخاری (۸۴۱، ۸۴۲) كتاب الأذان : باب الذكر بعد الصلاة، مسلم (۵۸۳) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب الذكر بعد الصلاة]

(۳۹۲) [مسلم (۲۸۱۴) كتاب صفة القيامة والجنة والنار : باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه]

تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ ، وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، غُفِرَتْ خَطَايَاهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

شریک له، له الملک، وله الحمد، وهو علی کل شیء قدیر" کہا، تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

323- وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى أَنَّ التَّكْبِيرَ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ۔

اور ایک دوسری روایت میں (100 کا عدد پورا کرنے کے لیے) 34 مرتبہ الله أکبر کہنے کا ذکر ہے۔

فهم الحديث اس حدیث کا ایک خاص سبب ہے اور وہ صحیح بخاری میں یوں موجود ہے کہ ایک روز فقراء مہاجرین نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مالدار لوگ سب بلند درجات اور انعام واکرام لے گئے، وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں جو ہم نہیں کرتے اور وہ غلام بھی آزاد کرتے ہیں جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیا میں تمہیں ایسا کام نہ سکھاؤں جس کے ذریعے تم اپنے سے آگے بڑھ جانے والوں کا ثواب بھی حاصل کر لو گے اور کوئی بھی تم سے افضل نہیں ہوگا سوائے اس کے جس نے تمہاری طرح عمل کیا۔" انہوں نے عرض کیا، ضرور سکھایئے۔ تو آپ ﷺ نے انہیں مذکورہ کلمات سکھا دیئے۔

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد مذکورہ اذکار کرنا مسنون و مستحب ہے اور دوسرے ان کی عظیم فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

324- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَهُ: ((أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ: لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُولَ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ بِسَنَدٍ قَوِيٍّ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا "اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں، ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہنا مت چھوڑنا "اے اللہ! مجھے اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت کی توفیق عطا فرما۔" [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

325- وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی اسے جنت میں

323- [مسلم (٥٩٦) كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ترمذی (٣٤١٢) نسائی (٧٥/٣)]

324- [**صحيح**: صحيح ابو داود، ابو داود (١٥٢٢) كتاب الصلاة: باب فى الاستغفار، احمد (٢٤٤/٥) نسائی (٥٣/٣) ابن خزيمة (٧٥١) حاكم (٢٧٣/١) ابن حبان (٢٠٢٠) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ امام نوویؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

325- [نسائی فی السنن الكبرى (٩٩٢٨) طبرانی كبير (٧٥٣٢) ابن السنی فی عمل اليوم والليلة (١٢٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ زَادَ فِيهِ الطَّبَرَانِيُّ :((وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ)) ۔

داخلے سے صرف موت نے روک رکھا ہے۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے] اور اس میں طبرانی نے قل هو الله أحد کا بھی اضافہ کیا ہے۔

فهم الحديث آیت الکرسی کے الفاظ یہ ہیں ﴿ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾۔اس حدیث سے آیت الکرسی کی عظیم فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔آیت الکرسی کی فضیلت میں چند اور احادیث بھی مروی ہیں جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سوتے وقت آیت الکرسی پڑھتا ہے' ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور وہ ساری رات شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔(۳۹۳) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو بالآخر ہر ایک کو پہنچنے والی ہے۔ نیز اس سے وجودِ جنت کا بھی اثبات معلوم ہوتا ہے۔

326- وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اسی طرح نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھو۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے نماز میں جو بھی اقوال و افعال ثابت ہیں وہ سب واجب ہیں سوائے ان کے جن کے غیر واجب ہونے کی صراحت دوسرے دلائل سے ہو جائے۔(۳۹۴)

327- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ ' وَإِلَّا فَأَوْمِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو اور اگر ان میں سے کچھ بھی نہ کر سکو تو اشارہ سے ہی پڑھ لو۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَوْمِ فعل امر کا صیغہ ہے باب أَوْمَى يُومِي (بروزن أفعال) سے' اس کا معنی ہے ''اشارہ کرنا''۔

فهم الحديث واضح رہے کہ اس حدیث میں موجود یہ الفاظ ﴿ وَإِلَّا فَأَوْمِ ﴾ بخاری کے نہیں بلکہ دارقطنی کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عذر نہ ہو تو فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنا واجب ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک انسان ہوش میں ہے نماز کسی صورت میں بھی معاف نہیں' وہ جس طرح بھی پڑھ سکتا ہے اسے پڑھنے کا حکم ہے خواہ اشارے سے ہی کیوں نہ

326- [بخاری (۶۳۱) کتاب الأذان : باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة وكذالك ' احمد (۵۳/۵) دارمی (۱۲۵۳)]

327- [بخاری (۱۱۱۷) کتاب الجمعة : باب إذا لم يطق قاعدا صلی علی جنب ' ابو داود (۹۵۲) ترمذی (۳۷۲) ابن ماجه (۱۲۲۳) احمد (۴۲۶/۴) ابن خزیمة (۹۷۹)]

(۳۹۳) [بخاری (۳۲۷۵) ' (۲۳۱۱) کتاب بدء الخلق : باب صفة إبليس وجنوده ' نسائی فی السنن الکبری (۱۰۷۹۵)]

(۳۹۴) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سبل السلام (۵۶۵/۱) توضیح الأحکام (۳۲۰/۲)]

پڑھے۔ پہلو پر لیٹنے کے متعلق جمہور علماء کا مؤقف یہ ہے کہ دائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے' جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ زمین پر کمر کے بل لیٹے اور پاؤں قبلہ رخ کر کے نماز پڑھے۔(۳۹۵) اس مسئلے میں جمہور کا مؤقف راجح ہے۔(۳۹۶)

328- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِمَرِيضٍ صَلَّى عَلَى وِسَادَةٍ، فَرَمَى بِهَا وَقَالَ: ((صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنِ اسْتَطَعْتَ وَ إِلَّا فَأَوْمِ إِيمَاءً، وَ اجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ قَوِيٍّ وَلٰكِنْ صَحَّحَ أَبُو حَاتِمٍ وَقْفَهُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مریض سے جس نے تکیہ پر نماز پڑھی تھی اور آپ ﷺ نے وہ تکیہ پھینک دیا تھا' فرمایا کہ ''اگر استطاعت ہے تو زمین پر نماز پڑھو ورنہ اشارے کے ساتھ ہی پڑھ لو اور سجدے کو رکوع سے نیچے کرو۔'' [اسے بیہقی نے قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' لیکن ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو ہی درست قرار دیا ہے۔]

لغوی توضیح وِسَادَة تکیے کو کہتے ہیں اور یہ بھی معنی کیا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جسے سر کے نیچے رکھا جاتا ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کسی اونچی چیز پر نہیں بلکہ صرف زمین پر ہی کرنا چاہیے اور اگر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو اشارے کے ساتھ نماز پڑھ لینی چاہیے۔ البتہ اشارے کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے رکوع اور سجدے میں یوں فرق کرنا چاہیے کہ سجدے کو رکوع سے ذرا جھکا یا جائے کیونکہ سجدہ رکوع سے زیادہ جھک کر کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے عیادتِ مریض کی مشروعیت بھی ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی کہ اگر مریض خلافِ شریعت کوئی کام کر رہا ہو تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

باب سجود السهو وغيره — سجود سہو وغیرہ کا بیان

329- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وَلَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ، وَ انْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ، كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، ثُمَّ سَلَّمَ)) أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ، وَهٰذَا

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں نماز ظہر پڑھائی' آپ دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور تشہد کے لیے نہ بیٹھے' لوگ بھی آپ کے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے حتی کہ جب نماز پوری ہوئی تو لوگ آپ کے سلام کا انتظار کرنے لگے کہ آپ نے بیٹھے ہوئے ہی تکبیر کہی اور سلام سے پہلے دو سجدے کیے' پھر سلام پھیرا۔ [اسے ساتوں نے روایت کیا ہے' یہ لفظ بخاری کے

328- [صحيح: السلسلة الصحيحة (٣٢٣) بيهقي في السنن الكبرى (٣٠٦/٢) بزار في كشف الأستار (٥٦٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

329- [بخاري (١٢٢٤) كتاب الجمعة: باب ما جاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة' مسلم (٥٧٠) ابو داود (١٠٣٤) ترمذي (٣٩١) نسائي (١٩/٣) ابن ماجه (١٢٠٦) مالك (٩٦/١) دارمي (١٤٩٩)]

(٣٩٥) [المجموع (٢٠٦/٤) حلية العلماء (٢٢١/٢) رد المحتار (٥٦٩/٢) المبسوط (٢١٣/١)]

(٣٩٦) [نيل الأوطار (٤٦٨/٢)]

لَفْظُ الْبُخَارِیِّ ' وَفِی رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : ((يُكَبِّرُ فِی كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ ' وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ ' مَكَانَ مَا نَسِیَ مِنَ الْجُلُوسِ))۔ ہیں اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] آپ ﷺ بیٹھے ہوئے ہر سجدے کے لیے تکبیر کہتے اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا' (درمیانہ تشہد) بیٹھنا بھول جانے کے بدلے۔

لغوی توضیح لفظِ سهو باب سَهَا يَسْهُو (بروزن نصر) سے مصدر ہے' اس کا معنی ہے ''بھول جانا' غافل ہو جانا یا دل کا کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانا''۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ بعض حضرات سہو اور نسیان میں کچھ فرق کرتے ہیں جو کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔(۳۹۷) سُجُودُ السَّهْوِ ان دو سجدوں کو کہتے ہیں جو نماز میں بھول کر کمی بیشی کر دینے کی صورت میں کیے جاتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ انسان تھے اور انسان ہونے کے ناطے بعض اوقات نماز میں بھول جایا کرتے تھے' یہی وجہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں آپ نے خود فرمایا ہے کہ ''بلا شبہ میں ایک انسان ہوں' میں بھی بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو اس لیے اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دہانی کرا دیا کرو۔''(۳۹۸) اور جس روایت میں آپ ﷺ کا یہ قول منقول ہے کہ ''میں عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں' وہ ضعیف ہے۔(۳۹۹)

علاوہ ازیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر درمیانہ تشہد بھول جائے تو سہو کے دو سجدے اس کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ ان سجدوں کے حکم میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ احناف انہیں واجب جبکہ شافعیہ' مالکیہ اور حنابلہ انہیں مسنون و مستحب قرار دیتے ہیں۔(۴۰۰) امام ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ دورانِ نماز ہر کمی بیشی میں یہ سجدے واجب ہیں۔(۴۰۱) جن حضرات نے ان سجدوں کو واجب کہا ہے انہوں نے اُن احادیث کو پیش نظر رکھا ہے جن میں ان کا حکم دیا گیا ہے۔(۴۰۲) اسی طرح یہ مسئلہ بھی محل اختلاف ہے کہ یہ سجدے سلام پھیرنے سے پہلے کیے جائیں یا بعد میں۔ احناف کا کہنا ہے کہ ہر سہو کا سجدہ سلام کے بعد ہی کیا جائے گا' امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ تمام سجدے سلام سے پہلے کیے جائیں گے' امام مالکؒ نے کہا ہے کہ نماز میں زیادتی کی صورت میں سلام کے بعد اور کمی کی صورت میں سلام سے پہلے کیے جائیں گے اور امام احمدؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ سجدہ سہو کے متعلق جو کچھ احادیث میں وارد ہے اسی پر عمل کیا جائے گا اور جس صورت کے متعلق کچھ بھی وارد نہیں اس میں سلام سے پہلے سجدے کیے جائیں گے۔ بعض حضرات کے نزدیک بھولنے والے کو اختیار ہے وہ چاہے تو سلام سے پہلے سجدے کرے اور چاہے تو بعد میں کرے۔(۴۰۳) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ سلام سے پہلے

---

(۳۹۷) [فتح الباری (۱۱/۳)]
(۳۹۸) [بخاری (۴۰۱) مسلم (۵۷۲)]
(۳۹۹) [الضعيفة (۱۰۱) شرح الزرقانی علی الموطا (۲۰۵/۱)]
(۴۰۰) [المغنی (۴۳۰/۲) فتح القدير (۳۵۵/۱) بدائع الصنائع (۱۶۳/۱) اللباب (۹۵/۱) الشرح الصغير (۳۷۷/۱)]
(۴۰۱) [المحلی بالآثار (۷۷/۳)]
(۴۰۲) [بخاری (۴۰۱) مسلم (۸۹۵) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب السهو فی الصلاة والسجود له]
(۴۰۳) [نيل الأوطار (۳۵۰/۲) بدائع الصنائع (۱۷۲/۱) رد المحتار (۵۴۰/۲) الهداية (۷۴/۱) المغنی (۴۱۵/۲) الأم (۲۴۶/۱) الكافی لابن عبدالبر (ص/۵۶۔۵۷) بداية المجتهد (۱۵۰/۱) ابن أبی شيبة (۳۸٦/۱) عبدالرزاق (۳۰۰/۲) شرح مسلم للنووی (۶۹/۳)]

اور بعد میں دونوں طرح سجود السہو کا جواز موجود ہے کیونکہ نبی ﷺ سے دونوں طرح ثابت ہے' البتہ افضل یہ ہے کہ احادیث میں جس سہو کا جو طریقہ بیان ہوا ہے اسی پر عمل کیا جائے۔ امام شوکانیؒ (٤٠٤)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (٤٠٥) اور نواب صدیق حسن خانؒ (٤٠٦) اسی کے قائل ہیں۔

نیز مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سہو کے ہر سجدے کے لیے تکبیر کہی جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح رہے کہ سجود السہو کے ساتھ تشہد پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور جن روایات میں یہ مذکور ہے وہ قابل حجت نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس کے متعلق یہی فتویٰ دیا ہے۔ (٤٠٧)

330- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ' ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا ' وَفِي الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ' فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ ' فَقَالُوا : أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ ' وَرَجُلٌ يَدْعُوهُ النَّبِيُّ ﷺ ذَا الْيَدَيْنِ ' فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ ؟ فَقَالَ : ((لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ)) فَقَالَ : بَلَى قَدْ نَسِيتَ ' فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ سَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ ' ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَكَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ' وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : ((صَلَاةَ الْعَصْرِ)) وَ لِأَبِي دَاوُدَ ' فَقَالَ : ((أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ ؟)) فَأَوْمَؤُوا : أَيْ نَعَمْ ' وَهِيَ فِي الصَّحِيحَيْنِ ' لٰكِنْ بِلَفْظِ : ((فَقَالُوا)) وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : ((وَلَمْ يَسْجُدْ حَتَّى يَقَّنَهُ اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوپہر کی دو نمازوں (ظہر وعصر) میں سے ایک میں دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا' پھر مسجد کے سامنے ایک لکڑی کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس پر اپنے ہاتھ رکھ لیے۔ لوگوں میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے لیکن وہ آپ سے (اس بارے میں) بات کرنے سے خائف تھے' اتنے میں جلد باز لوگ نکل گئے۔ تو صحابہ نے (آپس میں) کہنا شروع کر دیا کہ کیا نماز میں کمی کر دی گئی ہے؟ اور ایک آدمی جسے نبی ﷺ ذوالیدین کہہ کر پکارا کرتے تھے' نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم کر دی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں کمی کی گئی ہے۔ اس نے پھر کہا آپ ضرور بھول گئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے دو رکعتیں ادا کر کے سلام پھیر دیا' پھر اللہ اکبر کہہ کر عام سجدوں کی طرح یا ان سے کچھ لمبا سجدہ کیا' پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے اپنا سر اوپر اٹھایا' پھر اللہ اکبر کہہ کر (دوبارہ) سجدے میں سر رکھ دیا اور عام سجدوں کی مانند یا ان سے کچھ لمبا سجدہ کیا اور پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے اپنا سر اٹھایا۔ [بخاری، مسلم۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] وہ عصر کی نماز تھی۔ [اور ابوداود میں ہے کہ] آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے تو

330- [بخاری (٤٨٢) کتاب الصلاة : باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره ' مسلم (٥٧٣) ابو داود (١٠٠٨-١٠١٢) ترمذی (٣٩٩) نسائی (٢٠/٣) ابن ماجه (١٢١٤) احمد (٢٣٤/٢) دارمی (١٤٩٦) ابن خزيمة (٨٦٠)]

(٤٠٤) [نيل الأوطار (٣٠٥/٢)]

(٤٠٥) [تحفة الأحوذی (٤٢٣/٢)]

(٤٠٦) [الروضة الندية (٣٢٧/١)]

(٤٠٧) [دیکھئے: توضیح الأحکام (٣٣٥/٢)]

تَعَالَى ذَٰلِكَ))۔

لوگوں نے اشارے سے کہا کہ ہاں۔[یہ زیادتی صحیحین میں بھی ہے لیکن ان میں یہ لفظ ہیں کہ] انہوں نے کہا (یعنی اشارے سے نہیں بلکہ زبان سے کہا کہ ہاں ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے)۔[اور مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ] آپ ﷺ نے اس وقت تک سجدے نہیں کیے جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا یقین نہ دلا دیا۔

لغوی توضیح اَلْعَشِيِّ زوالِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کے درمیانی وقت کو کہتے ہیں۔ هَابَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب هَابَ يَهَابُ (بروزن سمع) سے' اس کا معنی ہے ''ڈرنا' خائف ہونا''۔ ذَا الْيَدَيْنِ کا معنی ہے دو ہاتھوں والا' اس صحابی کا نام خرباق بن عمرو رضی اللہ عنہ تھا' انہیں آپ ﷺ ذوالیدین اس لیے کہتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھ قدرے طویل تھے۔ يَقَّنَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب يَقَّنَ يُيَقِّنُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''یقین دلانا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان بھول کر نماز کی کچھ رکعات چھوڑ دے تو جتنی رکعات چھوڑی ہیں یاد آنے پر وہ پڑھنی پڑیں گی اور سہو کی تلافی کے لیے آخر میں دو سجدے کرنے پڑیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دورانِ نماز بھول کر کلام کر لیا جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں اور یہی مؤقف برحق ہے' البتہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ بھول کر کلام کرنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔(٤٠٨) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو لوگوں سے دریافت کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ کیا ذوالیدین سچ کہہ رہا ہے؟۔

331- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِهِمْ، فَسَهَا، فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَ الْحَاكِمُ وَ صَحَّحَهُ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں نماز پڑھائی اور آپ بھول گئے' چنانچہ آپ نے دو سجدے کیے' پھر تشہد پڑھا اور پھر سلام پھیرا۔[اسے ابوداود، ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے' ترمذی نے اسے حسن جبکہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت اُن حضرات کے دلائل میں سے ہے جو سجود السہو کے ساتھ تشہد پڑھنے کے بھی قائل ہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ روایت چونکہ شاذ ہے (اور شاذ ضعیف حدیث کی اقسام میں سے ہے) اس لیے قابل حجت نہیں' نیز اس معنی کی دیگر روایات بھی ضعیف و ناقابل حجت ہیں۔(٤٠٩) لہٰذا اس مسئلے میں راجح مؤقف یہی ہے کہ سجود السہو کے ساتھ تشہد ثابت

331- [شاذ : ضعیف ابو داود' ابو داود (١٠٣٩) كتاب الصلاة : باب سجدتي السهو فيما تشهد وتسليم' ترمذی (٣٩٣) حاكم (٣٢٣/١) ابن خزيمة (١٠٦٢) ابن حبان (٥٣٦۔الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو شاذ کہا ہے۔]

(٤٠٨) [الأوسط لابن المنذر (٢٣٦/٣) نيل الأوطار (١٥٨/٢) شرح مسلم للنووی (٢٧/٣) الأم (٢٣٦/١) شرح المهذب (١٦٩/٤) المبسوط (١٧٠/١) الهداية (٦١/١) سبل السلام (٣١٩/١) المغنى (٤٤٤/٢)]

(٤٠٩) [التعليق على الروضة الندية للحلاق (٣٣١/١) بيهقى (٣٥٥/٢) ضعيف أبو داود (٢٢٠) كتاب الصلاة : باب من قال يتم على أكثر ظنه؛ ضعيف الجامع (٦٨٤) أحمد (٤٢٨/١) أبو داود (١٠٢٨) نسائی (٢١٠/١)]

نہیں۔امام نوویؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(٤١٠)

332- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى تَمَامًا كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تین یا چار؟ تو وہ شک کو چھوڑ کر اس پر نماز کی بنا رکھے جس پر یقین ہو' پھر سلام پھیرنے سے پہلے (سہو کے) دو سجدے کر لے۔ پس اگر تو اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی تو یہ سجدے (چھٹی کے قائم مقام ہو کر) نماز کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے پوری نماز پڑھی ہو گی تو یہ سجدے شیطان کو ذلیل ورسوا کرنے کا باعث بن جائیں گے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح فَلْيَطْرَحْ فعل امر کا صیغہ ہے باب طَرَحَ يَطْرَحُ (بروزن منع) سے' اس کا معنی ہے ''چھوڑنا' پھینکنا''۔ شَفَعْنَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب شَفَعَ يَشْفَعُ (بروزن منع) سے' اس کا معنی ہے ''جفت یا جوڑا بنا دینا''۔ تَرْغِيمًا تذلیل واہانت کے معنی میں ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے نماز میں تعدادِ رکعات میں شک ہو جائے تو وہ یقین پر نماز کی بنا رکھے اور وہ کم تعداد ہی ہے' کیونکہ اس میں یقین کا امکان زیادہ ہے۔ جمہور علما، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ ایسے شخص کو انتہائی سوچ بچار کرنی چاہیے اگر گمان غالب کسی طرف ہو تو اس پر عمل کرے ورنہ اگر دونوں اطراف مساوی ہوں تو کم پر بنیاد رکھے۔ (٤١١) مذکورہ بالا حدیث اور وہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے مؤقف کا رد کرتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اسے علم نہ ہو کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو تو وہ اپنی نماز کو ایک رکعت ہی بنا لے اور اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ اس نے دو رکعتیں نماز پڑھی ہے یا تین تو وہ اپنی نماز کو دو رکعت ہی بنا لے اور اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ اس نے تین پڑھی ہیں یا چار تو وہ اسے تین رکعت بنا لے۔ پھر جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہو تو سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھے ہوئے ہی (سہو کے) دو سجدے کر لے۔'' (٤١٢)

332- [مسلم (٥٧١) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب السهو في الصلاة والسجود له ' ابو داود (١٠٢٤) ابن ماجه (١٢١٠) نسائي (٢٧/٣) احمد (٨٣/٣) دارقطني (٣٧١/١) دارمي (١٤٩٥)]

---

(٤١٠) [شرح مسلم (٧١/٣)]

(٤١١) [الأم (٢٤٤/١) بدائع الصنائع (١٦٨/١) المغني (٤٠٧/٢) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف (٥١١/٢) رد المختار (٥٦٣/٢) الكافي لابن عبدالبر (ص/٥٦)]

(٤١٢) [حسن : الصحيحة (٣٤١/٣)' (١٣٥٦) ترمذى (٣٩٨) أحمد (١٩٠/١) ابن ماجة (١٢٠٩) حاكم (٣٢٤/١)]

333- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَحَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ؟ قَالَ: ((وَمَا ذَاكَ؟)) قَالُوا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَثَنَى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: ((إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلَاةِ شَيْءٌ أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ وَلٰكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي، وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((فَلْيُتِمَّ ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدْ)) وَلِمُسْلِمٍ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَ الْكَلَامِ)).

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس اس طرح نماز پڑھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے قدموں کو موڑا اور قبلہ رخ ہو کر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیر دیا، پھر ہماری طرف چہرہ کیا اور فرمایا "اگر نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آتا تو میں تمہیں اس کی خبر دے دیتا لیکن میں صرف تمہاری مثل ایک انسان ہوں، میں بھی اس طرح بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، اس لیے جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد کرا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو وہ درستگی تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اسی کے مطابق نماز مکمل کرلے پھر سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرلے۔" [بخاری، مسلم۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ] "پھر وہ نماز مکمل کر کے سلام پھیر دے اور پھر سجدے کرے۔" [اور مسلم میں ہے کہ] نبی کریم ﷺ نے سلام اور کلام کے بعد سہو کے سجدے کیے ہیں۔

334- وَلِأَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: ((مَنْ شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ)) وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

اور احمد، ابوداود اور نسائی میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "جسے اپنی نماز میں شک ہو جائے وہ سلام پھیرنے کے بعد سہو کے دو سجدے کرلے۔" [اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث ایک دوسری روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ مذکورہ واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے سہواً ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ دی تھی۔ (٤١٣) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بھول کر نماز میں زیادتی ہو جائے تو سہو کے سجدے کرنے چاہئیں۔ اس حدیث میں جو آپ ﷺ نے درستگی تک پہنچنے کی کوشش کا حکم دیا ہے اس کا مطلب وہی ہے جو گزشتہ

333- [بخاری (٤٠١) کتاب الصلاۃ: باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان، مسلم (٥٧٢) ابو داود (١٠٢٠) ابن ماجہ (١٢١١) نسائی (٢٩/٣) احمد (٣٧٩/١) ابن خزیمۃ (١٠٢٨)]

334- [**ضعیف**: ضعیف ابو داود، ابو داود (١٠٣٣) کتاب الصلاۃ: باب من قال بعد التسلیم، نسائی (٣٠/٣) احمد (٢٠٥/١) ابن خزیمۃ (١٠٩/٢) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(٤١٣) [بخاری (١٢٢٦) کتاب الجمعۃ: باب إذا صلی خمسا، مسلم (٩١)]

حدیث کے تحت گزرا ہے کہ اگر رکعات کی تعداد میں دو یا تین کے درمیان شک ہو تو دو پر بنا رکھے اور اگر تین یا چار کے درمیان شک ہو تو تین پر بنا رکھے وغیرہ۔ نیز اس حدیث میں اُن حضرات کا بھی رد ہے جو بشریت رسول کے قائل نہیں۔

335- وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، فَاسْتَتَمَّ قَائِمًا، فَلْيَمْضِ، وَلَا يَعُودُ، وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَتِمَّ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَلَا سَهْوَ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهُ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ اللَّفْظُ لَهُ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کو شک ہو جائے اور وہ دو رکعتوں میں (تشہد پڑھے بغیر) سیدھا کھڑا ہو جائے تو وہ نماز جاری رکھے، واپس نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کر لے اور اگر وہ سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو (اور اسے یاد آ جائے) تو وہ بیٹھ جائے اس صورت میں اس پر سہو کے سجدے نہیں ہیں۔'' [اسے ابوداود، ابن ماجہ اور دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ لفظ دارقطنی کے ہیں۔]

لغوی توضیح اِسْتَتَمَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِسْتَتَمَّ يَسْتَتِمُّ (بروزن استفعال) سے، اس کا معنی ہے ''کوئی کام مکمل کر لینا''۔ فَلْيَمْضِ فعل امر کا صیغہ ہے باب مَضَى يَمْضِي (بروزن ضرب) سے، اس کا معنی ہے ''جاری رکھنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانہ تشہد اگرچہ واجب ہے لیکن سہو کے سجدے اس کی کمی پوری کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص درمیانہ تشہد بھول کر تیسری رکعت کے لیے مکمل طور پر کھڑا ہو جائے اور پھر اسے یاد آ جائے کہ اس کا تشہد رہ گیا ہے تو وہ کھڑا ہی رہے اور اپنی نماز مکمل کر کے آخر میں سہو کے دو سجدے کر لے۔ لیکن اگر تیسری رکعت کے لیے مکمل طور پر کھڑا ہونے سے پہلے ہی اسے یاد آ جائے تو وہ بیٹھ جائے، اس صورت میں اس پر سہو کے دو سجدے لازم نہیں۔ احناف اسی کے قائل ہیں جبکہ حنابلہ کا کہنا ہے کہ اس معمولی حرکت کی وجہ سے بھی اسے سہو کے سجدے کرنے پڑیں گے۔ (واللہ اعلم)

336- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ عَلَى مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ سَهْوٌ فَإِنْ سَهَا الْإِمَامُ فَعَلَيْهِ وَعَلَى مَنْ خَلْفَهُ)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَ الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو امام کے پیچھے ہے (یعنی مقتدی) اس پر سجدہ سہو نہیں، لیکن اگر امام بھول جائے تو امام اور مقتدی دونوں پر سجدہ سہو لازم ہے۔'' [اسے بزار اور بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام کو نماز میں سہو ہو جائے تو مقتدی بھی امام کی اقتدا میں سہو کے سجدے کریں گے، یہ بات دیگر صحیح روایات سے بھی ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو جب سہو ہوتا اور آپ سہو کے سجدے کرتے تو صحابہ بھی آپ کی اقتداء میں یہ سجدے کرتے۔ (٤١٤) البتہ دوسری بات کہ مقتدی کو سہو ہو جائے تو اس پر سہو کے سجدے

335- [صحيح: صحیح ابن ماجة، ابن ماجه (١٢٠٨) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها: باب ما جاء فيمن قام من اثنتين ساهيا، احمد (٢٥٣/٤) دارقطنی (٣٧٨/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح، جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

336- [ضعيف: إرواء الغليل (٤٠٤) بيهقی (٣٥٢/٢) دارقطنی (٣٧٦/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے]

(٤١٤) [صحيح: صحیح ترمذی (٣٢٠) كتاب الصلاة: باب ما جاء في سجدتي السهو قبل التسليم، ترمذی (٣٩١) بخاری (٨٢٩) مسلم (٥٧٠) أبو داود (١٠٣٤) نسائی (٣٤/٣) ابن ماجة (١٢٠٦، ١٢٠٧) موطا (٩٦/١)]

لازم ہی نہیں' اس وجہ سے محل نظر ہے کہ ایک تو مذکورہ روایت ضعیف ہے اور دوسرے یہ کہ کسی اور صحیح حدیث سے بھی ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔لہٰذا عمومی دلائل (جن میں سے ایک آئندہ حدیث بھی ہے) کی بنا پر اگر مقتدی کو نماز میں سہو ہو جائے تو اسے چاہیے کہ نماز مکمل ہونے کے بعد سہو کے دو سجدے کرے۔ (واللہ اعلم) اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے' شوافع اور احناف کا مؤقف یہ ہے کہ مقتدی اپنے سہو کے لیے سجدے نہیں کرے گا۔ جبکہ اہل ظاہر اور امام ابن حزمؒ نے مقتدی پر بھی اسی طرح سہو کے سجدے فرض قرار دیے ہیں جیسے کسی تنہا شخص یا امام پر فرض ہیں۔ (٤١٥) امام شوکانیؒ نے اسی دوسرے مؤقف کو ہی ترجیح دی ہے۔ (٤١٦) علاوہ ازیں وہ روایت جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ امام مقتدیوں سے کفایت کر جاتا ہے وہ اس طرح کہ اگر امام بھول جائے تو اس پر سہو کے دو سجدے کرنا لازم ہے اور اس کے مقتدیوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اس کے ساتھ سجدے کریں اور اگر مقتدیوں میں سے کوئی بھول جائے تو اس پر سجدے کرنا لازم نہیں' امام اسے کفایت کر جائے گا۔'' ضعیف و نا قابل حجت ہے۔ (٤١٧)

337- وَ عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهْ بِسَنَدٍ ضَعِيْفٍ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ہر سہو کے لیے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے ہیں۔'' [اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں جتنے سہو زیادہ ہوں گے اتنے ہی سجدے زیادہ کیے جائیں گے لیکن یہ روایت اس لیے قابل عمل نہیں کیونکہ یہ گزشتہ صحیحین کی (ذوالیدین والی) روایت کے مقابلے کی نہیں اور اس میں ہے کہ نبی ﷺ سے متعدد سہو (یعنی ظہر یا عصر کی نماز دو رکعت پڑھا دی' چل پڑے اور گفتگو کی وغیرہ) سرزد ہوئے لیکن نماز کے آخر میں آپ نے صرف دو سجدے ہی کیے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں (٤١٨) اور امام شوکانیؒ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ (٤١٩)

❑ واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ سے سجدہ سہو کے دوران کوئی خاص دعا یا ذکر ثابت نہیں۔

338- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((سَجَدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي "إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ")) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے سورۂ إذا السماء انشقت اور سورۂ اقرأ باسم ربك الذی خلق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدۂ (تلاوت) کیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

337- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (١٠٣٨) كتاب الصلاة : باب من نسى أن يتشهد وهو جالس' ابن ماجه (١٢١٩) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

338- [مسلم (٥٧٨) ابو داود (١٤٠٧) ترمذی (٥٧٣) ابن ماجه (١٠٥٨) نسائي (١٦١/٢)]

(٤١٥) [المحلى بالآثار (١٨١/٣)]

(٤١٦) [السيل الجرار (٢٨٥/١)]

(٤١٧) [ضعيف : بيهقي (٣٥٢/٢) دارقطني (٣٧٦/١)] اس کی سند میں خارجہ بن مصعب اور حکم بن عبیداللہ ضعیف ہیں اور ابوالحسین المدائنی مجہول ہے۔ [نيل الأوطار (٣٦٣/٢)]

(٤١٨) [توضيح الأحكام (٣٠٣/٢)] (٤١٩) [السيل الجرار (٢٨٥/١)]

فھم الحدیث اس حدیث سے سجدہ تلاوت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے حکم میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ جمہور اسے مستحب جبکہ امام ابوحنیفہؒ اسے واجب کہتے ہیں۔ (٤٢٠) جمہور نے آئندہ حدیث نمبر 341 سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت کی گئی مگر آپ نے اس میں سجدہ نہ کیا (اگر سجدہ تلاوت واجب ہوتا تو آپ یہ سجدہ ضرور کرتے)۔ اسی طرح ان کا مستدل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ ''انہوں نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل کی تلاوت کی حتی کہ سجدہ کی آیت آئی تو نیچے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ پھر جب اگلا جمعہ آیا تو انہوں نے دوبارہ وہی سورت تلاوت کی حتی کہ جب سجدے کی آیت آئی تو کہا ''اے لوگو! یقیناً ہمیں ان سجدوں کا حکم نہیں دیا گیا لہٰذا جو شخص یہ سجدے کرے گا اسے اجر و ثواب ملے گا اور جو یہ سجدے نہیں کرے گا اس پر کوئی گناہ نہیں۔'' (٤٢١) امام ابوحنیفہؒ نے وجوبِ سجدہ تلاوت کے لیے اُس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب ابن آدم کسی سجدہ کی آیت پر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے میری ہلاکت! ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا......'' (٤٢٢) اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں سجدہ تلاوت کے حکم کے الفاظ شیطان کے ہے اور شیطان کے الفاظ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا' نیز یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس مسئلے میں جمہور کا موقف (کہ سجدہ تلاوت سنت ہے) صریح دلائل کی بنا پر قوی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (٤٢٣)، حافظ ابن حجرؒ (٤٢٤)، امام نوویؒ (٤٢٥)، امام ابن حزمؒ (٤٢٦)، امام شوکانیؒ (٤٢٧)، امام ابن قدامہؒ (٤٢٨)، علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ (٤٢٩) اور شیخ ابن بازؒ (٤٣٠) اسی کے قائل ہیں کہ سجدہ تلاوت نہ تو قاری پر واجب ہے اور نہ ہی سامع پر' البتہ اگر کوئی کر لے تو افضل اور باعث اجر و ثواب ضرور ہے۔

سجودِ تلاوت کی تعداد میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک سجودِ تلاوت کی تعداد پندرہ ہے (ان کے نزدیک سورۂ حج کے دو سجدے ہیں) جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ سجودِ تلاوت کی تعداد چودہ ہے (یہ سورۂ حج کے دوسرے سجدے کو تسلیم نہیں کرتے)۔ (٤٣١) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں امام احمدؒ کا موقف راجح ہے کیونکہ اگرچہ وہ روایت جس میں سورۂ حج کے دو سجدوں کا ذکر ہے' ضعیف ہے لیکن اکثر و بیشتر امت کا عمل اسی پر ہے اور بعض صحابہ سے بھی اس پر عمل

---

(٤٢٠) [نصب الراية (١٧٨/٢) المغنى (٣٦٤/٢) الأم (٢٥٢/١) الهداية (٧٨/١) روضة الطالبين (٤٢٢/١) الدر المحتار (٧١٥/١) اللباب (١٠٣/١) الشرح الصغير (٤١٦/١) القوانين الفقهية (ص/٩٠) مغنى المحتاج (٢١٤/١) الفقه الإسلامى وأدلته (١١٢٧/٢) سبل السلام (٤٨١/١) بداية المجتهد (١٧٤/١) الكافى (ص/٧٧)]

(٤٢١) [بخارى (١٠٧٧) كتاب الجمعة : باب من رأى أن الله عزو جل لم يوجب السجود' عبدالرزاق (٥٨٨٩) بيهقى (٣٢١/٢) موطا (٢٠٦/١) شرح معانى الآثار (٣٥٤/٢)]

(٤٢٢) [مسلم (١١٥) كتاب الإيمان : باب إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة' ابن ماجة (١٠٥٢)]

(٤٢٣) [كما فى توضيح الأحكام (٣٦٥/٢)]

(٤٢٤) [فتح البارى (٢٦٠/٣)]

(٤٢٥) [شرح مسلم (٣٨٨/٣)]

(٤٢٦) [المحلى بالآثار (٣٢٨/٣)]

(٤٢٧) [السيل الجرار (٢٨٧/١)]

(٤٢٨) [المغنى لابن قدامة (٣٦٤/٢_٣٦٥)]

(٤٢٩) [تحفة الأحوذى (٢٠٩/٣)]

(٤٣٠) [فتاوى إسلامية (٣٥٣/١)]

(٤٣١) [المجموع (٥٥٧/٣) الحاوى (٢٠٢/٢) بدائع الصنائع (١٩٣/١) المبسوط (٦/٢) المغنى (٢٥٤/٢) تحفة الفقهاء (٣٦٩/١) بداية المجتهد (١٧٦/١) نيل الأوطار (٣٢٨/٢) سبل السلام (٤٨١/١)]

ثابت ہے جو اس کی مشروعیت پر دال ہے اور باقی تمام سجدے صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری (٤٣٢) اور علامہ البانی (٤٣٣) اسی کے قائل ہیں۔

339- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((ص لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْجُدُ فِيهَا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ ص کا سجدہ لازم نہیں، البتہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس میں سجدہ کیا کرتے تھے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الْعَزَائِم جمع ہے عَزِيْمَةٌ کی، اس سے مراد ہر وہ کام ہے جس کے کرنے کی تاکید کی گئی ہو۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنون اعمال میں بھی بعض بعض سے زیادہ مؤکد ہوتے ہیں۔

340- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَدَ بِالنَّجْمِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ نجم کا سجدہ کیا۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے قاری کے لیے سورۂ نجم کے سجدے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

341- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے سورۂ نجم تلاوت کی تو آپ نے اس میں سجدۂ تلاوت نہیں کیا۔[بخاری، مسلم]

فہم الحدیث یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ سجودِ تلاوت واجب نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے سورۂ نجم کا سجدہ کیا بھی ہے (جیسا کہ گزشتہ حدیث میں ہے) اور نہیں بھی کیا (جیسا کہ اس حدیث میں ہے) اور کسی کام کو کبھی کرنا اور کبھی نہ کرنا اس کے مسنون ہونے کا ہی ثبوت ہے کیونکہ واجب کام کو بجا لانا تو ہمیشہ ضروری ہوتا ہے۔

342- وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَيْنِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۂ حج کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔[اسے ابوداود نے مراسیل میں روایت کیا ہے۔]

339- [بخاری (١٠٦٩) كتاب الجمعة : باب سجدة ص، ابو داود (١٤٠٩) ترمذی (٥٧٧) نسائی (١٥٩/٢) احمد (٣٥٩/١) ابن حبان (٢٧٦٦)]

340- [بخاری (١٠٧١) كتاب الجمعة : باب سجود المسلمين مع المشركين، ترمذی (٥٧٥)]

341- [بخاری (١٠٧٣) كتاب الجمعة : باب من قرأ السجدة ولم يسجد، مسلم (٥٧٧) ابو داود (١٤٠٤) ترمذی (٥٧٦) نسائی (١٦٠/٢)]

342- [ضعيف : ضعيف الجامع الصغير (٣٩٨٣) ابو داود فی المراسيل (ص ١١٣) بيهقی فی المعرفة (١٥٣/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

---

(٤٣٢) [تحفة الأحوذی (٢١٣/٣)]

(٤٣٣) [تمام المنة (ص/٢٧٠)]

343- وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ مَوْصُولًا مِنْ حَدِيثِ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ' وَزَادَ : ((فَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهَا)) وَ سَنَدُهُ ضَعِيفٌ

اور احمد اور ترمذی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اسے موصولاً روایت کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ ''جس نے یہ دونوں سجدے نہ کیے وہ یہ سورت نہ پڑھے۔'' [اس کی سند ضعیف ہے۔]

فہم الحدیث اگر چہ مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے لیکن اکثر و بیشتر امت کا عمل اسی پر ہے کہ سورۂ حج کے دو سجدے ہیں' جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر 338 کے تحت بھی اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ البتہ دوسری روایت میں مذکور یہ بات کہ اسے وہی پڑھے جو اس کے دونوں سجدے کرے' محل نظر ہے کیونکہ ایک تو یہ روایت ضعیف ہے اور دوسرے یہ کہ سجودِ تلاوت کا مسنون ہونا راجح و برحق ہے اور مسنون ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ سجدے کرنا باعث ثواب ہے اور نہ کرنا باعث گناہ و وبال نہیں۔ اس لیے اگر کوئی سورۂ حج تلاوت کرے اور یہ سجدے نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

344- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ' قَالَ : ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُودِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ' وَفِيهِ : ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَمْ يَفْرِضِ السُّجُودَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ)) وَهُوَ فِي الْمُوَطَّأِ ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! یقیناً ہم آیات سجود سے گزرتے ہیں تو جس نے سجدہ تلاوت کیا اس نے درست کیا اور جس نے نہ کیا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ:] بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سجودِ تلاوت فرض نہیں کیے البتہ اگر قاری چاہے (تو کر لے)۔ [یہ روایت مؤطا میں بھی ہے۔]

فہم الحدیث یہ حدیث اُن حضرات کے دلائل میں سے ہے جنہوں نے سجودِ تلاوت کے سنت ہونے کا موقف اپنایا ہے۔

345- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ ' فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَهُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ فِيهِ لِينٌ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے سامنے قرآن پڑھتے تھے' آپ جب کسی آیتِ سجدہ سے گزرتے تو اللہ اکبر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔ [اسے ابوداود نے کمزور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت کے لیے جھکتے وقت اللہ اکبر کہنا چاہیے' لیکن یہ روایت چونکہ ضعیف ہے اس لیے اس سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ وہ روایت جس میں ہے کہ آپ ﷺ نماز میں جب بھی جھکتے یا اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت کے لیے جھکتے وقت بھی اللہ اکبر کہنا چاہیے۔

❑ سجودِ تلاوت میں نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ﴿ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ

343- [ضعیف : ضعیف ترمذی' ترمذی (٥٧٨) كتاب الصلاة : باب ما جاء في السجدة في الحج' احمد (١٥١/٤) حاكم (٢٢١/١) دارقطنی (٤٠٨/١) بیهقی فی السنن (٣١٧/٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

344- [بخاری (١٠٧٧) كتاب الجمعة : باب من رأى أن الله عزوجل لم يوجب السجود' مالك (٢٠٦/١) بیهقی (٣٢١/٢)]

345- [منکر : ضعیف ابو داود' ابو داود (١٤١٣) كتاب الصلاة : باب في الرجل يسمع السجدة وهو راكب وفي غير الصلاة' بیهقی فی السنن (٣٢٥/٢) شیخ عبداللہ بسام نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ضعف ہے لیکن اس کی اصل صحیحین میں ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴾۔(٤٣٤)

346- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ يَسُرُّهُ خَرَّ سَاجِدًا لِلّٰهِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تو اللہ کے حضور سجدے کے لیے گر جاتے۔[اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح يَسُرُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب سَرَّ يَسُرُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''فرحت وخوشی کا باعث ہونا''۔ خَرَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب خَرَّ يَخِرُّ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے ''گر پڑنا''۔

فہم الحدیث یہ حدیث سجدۂ شکر کے استحباب کا ثبوت ہے۔ یہ سجدہ کسی بھی نعمت کے حصول، مصیبت سے چھٹکارے اور خوشی کے موقع پر مشروع ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اس سجدے کو مشروع کہا ہے جبکہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نہ اسے مستحب کہتے ہیں اور نہ مکروہ۔(٤٣٥) مذکورہ بالا حدیث امام شافعیؒ وغیرہ کے مؤقف کی تائید میں ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ثابت ہونے کے باوجود ان دونوں اماموں (مالکؒ، ابوحنیفہؒ) سے سجدہ شکر کا انکار نہایت عجیب ہے۔(٤٣٦) نیز سجدۂ شکر سجدۂ تلاوت سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ سجدۂ تلاوت نماز میں بھی جائز ہے جبکہ سجدۂ شکر نماز میں جائز نہیں بلکہ بعض اہل علم نے تو یہاں تک کہا ہے کہ نماز میں سجدۂ شکر کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔(٤٣٧)

347- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَطَالَ السُّجُودَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: ((إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي فَبَشَّرَنِي فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا پھر اپنا سر اٹھا کر فرمایا کہ جبرئیل (علیہ السلام) میرے پاس ایک خوشخبری لے کر آئے تھے تو (وہ سن کر) میں نے اللہ کے حضور سجدۂ شکر کیا۔[اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث یہ خوشخبری کیا تھی؟ اس کے متعلق مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ وہ خوشخبری یہ تھی کہ جو بھی آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیں گے۔(٤٣٨) یہ باعث مسرت خبر سن کر آپ ﷺ نے

346- [**صحیح**: صحیح ابو داود، ابو داود (٢٧٧٤) كتاب الجهاد: باب في سجود الشكر، ترمذی (١٥٧٨) ابن ماجه (١٣٩٤) دارقطنی (٤١٠/١) بیهقی (٣٧٠/٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

347- [**حسن لغیرہ**: صحیح الترغيب والترهيب (١٦٥٨) كتاب الدعاء: باب الترغيب في إكثار الصلاة على النبي، احمد (١٩١/١) حاكم (٥٥٠/١) بیهقی فی السنن (٣٧١/٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

---

(٤٣٤) [**صحیح**: صحيح أبو داود (١٢٥٥) كتاب الصلاة: باب ما يقول إذا سجد، أبو داود (١٤١٤) ترمذی (٥٨٠) نسائی (٢٢٢/٢) أحمد (٣٠/٦) دارقطنی (٤٠٥/١) حاكم (٢٢٠/١) بیهقی (٣٢٥/٢)] یہ لفظ " **فتبارك الله أحسن الخالقين**" مستدرک حاکم میں زائد ہیں۔[نيل الأوطار (٣٤٠/٢)]

(٤٣٥) [الأم (٢٥١/١) رد المحتار (٥٩٧/٢) سبل السلام (٤٨٧/١) كشاف القناع (٤٤٩/١)]

(٤٣٦) [نيل الأوطار (٣٤٣/٢)]

(٤٣٧) [كما في توضيح الأحكام (٣٦٩/٢)]

(٤٣٨) [مسند احمد، البحر الزخار (٢١٩/٣-٢٢٠)]

بطورِ شکرانہ سجدہ کیا۔ اس سے بھی سجدۂ شکر کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

348- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ عَلِيًّا إِلَى الْيَمَنِ)) فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، قَالَ: ((فَكَتَبَ عَلِيٌّ بِإِسْلَامِهِمْ، فَلَمَّا قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْكِتَابَ خَرَّ سَاجِدًا شُكْرًا لِلّٰهِ عَلَى ذٰلِكَ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ راوی نے حدیث ذکر کی (جس میں) اس نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ یمن کے قبولِ اسلام کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھیجی۔ پس جب آپ ﷺ نے وہ مکتوب پڑھا تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر گئے۔ [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

فہم الحدیث یہ حدیث بھی سجدۂ شکر کی مشروعیت کی دلیل ہے۔ جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت سے متعلقہ آیات قرآن میں نازل ہوئی تھیں تو وہ بھی شکر کے لیے سجدے میں گر گئے تھے۔ (٤٣٩) امام صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سجدۂ شکر صحابہ کے نزدیک ثابت تھا۔ (٤٤٠)

باب صلاة التطوع — نفل نماز کا بیان

349- عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: ((سَلْ)) فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ: ((أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ)) فَقُلْتُ: هُوَ ذَاكَ، قَالَ: ((فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا "(جو مانگنا چاہتا ہے) مانگ" میں نے عرض کیا، میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس کے علاوہ بھی کچھ؟" میں نے عرض کیا، بس یہی مطلوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اپنے نفس کی طلب کے حصول کے لیے کثرتِ سجود (یعنی کثرتِ نوافل) کے ساتھ میری مدد کر۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح تطوع اُس کام کو کہتے ہیں جو اپنی خوشی سے کیا جائے اس کے کرنے کا حکم نہ ہو، اس سے مراد نفلی عبادت ہے۔ یہ باب تَطَوَّعَ يَتَطَوَّعُ (بروزن تفعّل) سے مصدر ہے۔ تطوع کے لیے یہ الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں: مندوب، مستحب، نفل، سنت، احسان اور فضیلت وغیرہ۔ (٤٤١) تطوع کا حکم اہلِ علم نے یہ بیان کیا ہے کہ "جس کے کرنے والے کو اجر و ثواب دیا جائے اور جس کے تارک کو گناہ نہ ہو۔" (٤٤٢) سَلْ فعل امر کا صیغہ ہے باب سَئَلَ يَسْئَلُ

348- [بيهقي في السنن (٣٧١/٢)]

349- [مسلم (٤٨٩) كتاب الصلاة: باب فضل السجود والحث عليه، ابو داود (١٣٢٠) نسائي (٢٢٧/٢) احمد (٥٩/٤)]

(٤٣٩) [بخاري (٣/٦-٩) مسلم (١٠٥/٨-١١٢)]

(٤٤٠) [سبل السلام (٥٩٨/١)]

(٤٤١) [إرشاد الفحول (٢٠/١) البحر المحيط للزركشي (٢٨٤/١) الإحكام للآمدي (١١١/١) الوجيز (ص/٣٩)]

(٤٤٢) [إرشاد الفحول (٢٠/١) المستصفى للغزالي (٧٥/١) الموافقات للشاطبي (١٠٩/١)]

(بروزن منع) سے اس کا معنی ہے 'سوال کرنا' مانگنا' طلب کرنا'' ۔ مُرَافَقَة رفاقت وساتھ کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں نبی ﷺ کی رفاقت حاصل کرنے کے لیے کثرتِ نوافل کی ضرورت ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں بڑے بڑے اہلِ علم بھی آج خود کو صرف فرائض تک ہی محدود کیے بیٹھے ہیں اور فرض نماز کے ساتھ نوافل وسنن کی ادائیگی کو کچھ اہمیت نہیں دیتے' اس حدیث کے پیش نظر ہم سب کو اپنا یہ رویہ تبدیل کرنا چاہیے۔ اس حدیث سے بعض اہلِ علم نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ ارکانِ نماز میں سجود سب سے افضل ہیں' یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں قیام و رکوع وغیرہ کو چھوڑ کر صرف سجود کا ہی ذکر فرمایا ہے۔

350- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ رَكَعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا: ((وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فِي بَيْتِهِ))۔

حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ کی دس رکعات یاد ہیں؛ دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو بعد میں' دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں ادا فرماتے' اسی طرح دو رکعتیں عشاء کے بعد اپنے گھر میں ادا فرماتے اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے۔ [بخاری، مسلم۔ اور ان دونوں کی ایک روایت میں ہے کہ] اور دو رکعتیں جمعہ کے بعد اپنے گھر میں ادا فرماتے۔

351- وَلِمُسْلِمٍ: ((كَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ))۔

اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ جب فجر طلوع ہوتی تو دو مختصر سی رکعتوں کے سوا اور کوئی نماز نہ پڑھتے۔

352- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں (کبھی) نہیں چھوڑتے تھے۔

فہم الحدیث ان احادیث میں اُن رکعات کا ذکر ہے جو شب وروز کی پانچ فرض نمازوں کے علاوہ ہیں اور ان کی نبی ﷺ پابندی کیا کرتے تھے۔ ان رکعات کو سُننِ رواتب یا سُننِ مؤکدہ کہا جاتا ہے' کیونکہ آپ ﷺ سے ان کی تاکید منقول ہے' البتہ جن رکعات کی آپ ﷺ سے تاکید وترغیب منقول نہیں انہیں سُننِ غیر مؤکدہ یا نوافل کہہ دیا جاتا ہے (حقیقت میں یہ سب رکعات نوافل ہی ہیں)۔ مذکورہ بالا حضرت ابن عمر ؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے جبکہ حضرت عائشہ ؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اہل علم نے ان میں تطبیق یوں دی

350- [بخاری (۱۱۸۰) کتاب الجمعة: باب الركعتين قبل الظهر' مسلم (۷۲۹) ابو داود (۱۲۵۲) ترمذی (۴۳۳) نسائی (۱۱۹/۲) مالك (۱۶۶/۱) ابن الجارود (۲۷۶)]

351- [بخاری (۱۱۷۳) کتاب الجمعة: باب التطوع بعد المكتوبة' مسلم (۷۲۳) ترمذی فی الشمائل (۲۸۵)]

352- [بخاری (۱۱۸۲) کتاب الجمعة: باب الركعتين قبل الظهر' ابو داود (۱۲۵۳) نسائی (۲۵۱/۳) احمد (۶۳/۶) دارمی (۱۴۳۹)]

ہے کہ بعض اوقات آپ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور بعض اوقات چار رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے' اس لیے دونوں طرح جائز ودرست ہے۔(٤٤٣) البتہ چار رکعتیں (رکوع وسجود اور اذکار وادعیہ وغیرہ میں) زیادہ ہونے کی وجہ سے افضل ضرور ہیں۔

353- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نوافل میں سے سب سے زیادہ اہتمام فجر کی دو سنتوں کا کیا کرتے تھے۔ [بخاری، مسلم]

354- وَلِمُسْلِمٍ: ((رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا))۔

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فجر کی دو سنتیں دنیا ومافیہا سے بہتر ہیں۔

فهم الحديث: ان احادیث سے فجر کی دو سنتوں کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ ان رکعات کی اسی اہمیت کے پیش نظر بعض اہل علم (مثلاً حسن بصریؒ وغیرہ) نے تو انہیں فرض قرار دے دیا ہے لیکن راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے' وہ انہیں سنن مؤکدہ قرار دیتے ہیں۔(٤٤٤) اسی طرح احناف نے ان رکعات کی اس قدر تاکید کی وجہ سے فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے باوجود بھی ان رکعتوں کی ادائیگی کو لازم قرار دیا ہے' لیکن ان کا یہ مؤقف اس صریح فرمانِ نبوی کے خلاف ہے ''جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔''(٤٤٥)

355- وَعَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمِهِ وَلَيْلَتِهِ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ' وَفِي رِوَايَةٍ: ((تَطَوُّعًا)) وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ' وَزَادَ: ((أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ))۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جس نے شب وروز میں بارہ رکعتیں ادا کیں اس کے لیے جنت میں گھر تعمیر کر دیا گیا۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ] ''نفلی طور پر''۔ [اور ترمذی میں بھی اسی طرح ہے البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ] ''چار رکعتیں ظہر سے پہلے' دو اس کے بعد' دو مغرب کے بعد' دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔''

353- [بخاری (١١٦٩) كتاب الجمعة: باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى' مسلم (٧٢٤) ابو داود (١٢٥٤) نسائی (٢٥٢/٣) بیهقی (٤٧٠/٢)]

354- [مسلم (٧٢٥) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب استحباب ركعتي سنة الفجر' ترمذی (٤١٦) نسائی (٢٥٢/٣) بیهقی (٤٧٠/٢)]

355- [مسلم (٧٢٨) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض' ابو داود (١٢٥٠) ترمذی (٤١٥) نسائی (٢٦١/٣) ابن ماجه (١١٤١) احمد (٣٢٦/٦) دارمی (١٤٣٨) ابن خزيمة (١١٨٥) حاكم (٣١١/١) ابن حبان (٢٤٥١)]

(٤٤٣) [فتح الباری (٣٧٧/٣)]

(٤٤٤) [نيل الأوطار (٢١٦/٢)]

(٤٤٥) [صحيح: إرواء الغليل (٤٩٧) صحيح الجامع الصغير (٣٧١) ابو داود (١٢٦٦) ابن ماجه (١١٥١) نسائی (٨٦٦) ترمذی (٤٢١)]

356- وَلِلْخَمْسَةِ عَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : ((مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ)) ۔

اور پانچوں نے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت کیا ہے کہ ''جس نے ظہر سے پہلے چار رکعتوں اور اس کے بعد چار رکعتوں کی پابندی کی اسے اللہ تعالیٰ نے آتشِ جہنم پر حرام کر دیا ہے۔''

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شب و روز میں سننِ مؤکدہ کی تعداد بارہ رکعت ہے' ان کی پابندی کرنی چاہیے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعتوں کا ذکر ہے جبکہ گزشتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ظہر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ تو ان میں اہل علم نے تطبیق یوں دی ہے کہ کبھی نبی ﷺ چار رکعتیں پڑھ لیتے تھے اور کبھی دو رکعتیں۔ لہٰذا دونوں طرح ہی جائز ہے۔ (٤٤٦) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سننِ رواتب مستحب ہیں واجب نہیں' یہی وجہ ہے کہ ان کے فاعل کو اجر و ثواب کی بشارت تو دی گئی ہے لیکن ان کے تارک کے لیے عذاب و سزا کا ذکر نہیں کیا گیا۔

357- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ صَحَّحَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں۔'' [اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر سے پہلے چار رکعت (نفل) ادا کرنا مستحب ہے۔ لیکن یہ چار رکعتیں سننِ مؤکدہ میں شامل نہیں کیونکہ اگر ان چار رکعات کو گزشتہ بارہ رکعات کے ساتھ ملا لیا جائے تو کل تعداد سولہ رکعت بن جاتی ہے اور یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ شب و روز میں سولہ رکعت پڑھتے تھے جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے یہی وضاحت فرمائی ہے۔ اس لیے یہ چار رکعات سننِ رواتب میں سے تو نہیں البتہ رحمتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ضرور ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں موجود ہے۔

❑ ظہر سے پہلے اور عصر سے پہلے چار چار رکعتیں دو دو کر کے بھی پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور بعد میں دو رکعتیں اور عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیر کر فاصلہ کرتے تھے۔ (٤٤٧) نیز ان چاروں رکعات کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (٤٤٨)

356- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (٤٢٧-٤٢٨) كتاب الصلاة : باب منه آخر' ابن ماجه (١١٦٠) نسائی (٢٦٥/٣) احمد (٤٢٦/٦) ابن خزيمة (١١٩١) حاكم (٣١٢/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

357- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (١٢٧١) كتاب الصلاة : باب الصلاة قبل العصر' ترمذی (٤٣٠) احمد (١١٧/٢) ابن خزيمة (١١٩٣) ابن حبان (٢٤٥٣) بيهقی (٤٧٣/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ روایت حسن ہے۔]

(٤٤٦) [توضيح الأحكام (٣٨٢/٢)]

(٤٤٧) [صحیح : صحیح ترمذی (٤٨٩) كتاب الصلاة : باب ماجاء في الأربع قبل العصر' ترمذی (٤٢٩) ابن ماجة (١١٦١) نسائی (١١٩/٢)]

(٤٤٨) [حسن : صحیح أبو داود (١١٣١) أبو داود (١٢٧٠)]

358- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ، صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ)) ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: ((لِمَنْ شَاءَ)) كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِابْنِ حِبَّانَ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى قَبْلَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ)) ۔

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مغرب سے پہلے نماز پڑھو مغرب سے پہلے نماز پڑھو" پھر تیسری مرتبہ فرمایا "(یہ حکم اس کے لیے ہے) جو پڑھنا چاہے" آپ ﷺ نے یہ اس کراہت کے باعث فرمایا کہ کہیں لوگ اسے سنت (لازمہ) نہ بنا لیں۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ] نبی کریم ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

359- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كُنَّا نُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَرَانَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا)) ۔

اور مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم غروب آفتاب کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور نبی ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہوتے تھے لیکن آپ نہ تو ہمیں اس کا حکم دیتے اور نہ ہی اس سے روکتے تھے۔

فھم الحدیث معلوم ہوا کہ غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل نماز مستحب ہے اور یہ آپ ﷺ سے قولی، فعلی اور تقریری (حدیث کی تینوں اقسام) سے ثابت ہے۔ اس لیے اذانِ مغرب اور جماعتِ مغرب کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ نمازی دو نفل ادا کر سکے۔ اور حدیث کے ان الفاظ "کہ کہیں لوگ اسے سنت نہ بنا لیں" کا مقصد یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے ان رکعات کو مستحب نہیں سمجھا بلکہ ان سے مقصود یہ ہے کہ کہیں لوگ ان رکعات کو ایسا مستقل طریقہ نہ بنا لیں کہ پھر جسے چھوڑنا ناجائز سمجھیں، حالانکہ ان رکعات کو چھوڑنے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ شب و روز میں چالیس رکعات کی پابندی کیا کرتے تھے۔ سترہ فرض نمازوں کی رکعات، بارہ رکعات وہ جن کا ذکر گزشتہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہوا ہے اور گیارہ رکعات نمازِ تہجد کی، تو یہ کل چالیس رکعات ہوئیں۔(٤٤٩)

360- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّفُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى إِنِّي أَقُوْلُ: أَقَرَأَ بِأُمِّ الْكِتَابِ؟)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز فجر سے پہلے دو سنتیں اس قدر ہلکی پڑھتے کہ میں کہتی، کیا آپ ﷺ نے اُم الکتاب (فاتحہ) بھی پڑھی ہے؟۔[بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی دو سنتیں مختصر پڑھنا مشروع ہے۔ جمہور اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ یہ دو سنتیں لمبی پڑھنی چاہییں (انہوں نے اُن روایات سے استدلال کیا ہے جن میں بالعموم لمبی

358- [بخاری (١١٨٣) كتاب الجمعة: باب الصلاة قبل المغرب، أبو داود (١٢٨١) ابن حبان (٦١٧-الموارد) مالك (١٢٧/١)]

359- [مسلم (٨٣٦) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب استحباب ركعتين قبل صلاة المغرب، ابو داود (١٢٨٢)]

360- [بخاری (١١٧١) كتاب الجمعة: باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، مسلم (٧٢٤) ابو داود (١٢٥٥) مالك (١٢٧/١)]

(٤٤٩) [سبل السلام (١٣/٢)]

نماز کو افضل قرار دیا گیا ہے (۴۵۰) حالانکہ وہ احادیث عام ہیں اور یہ خاص)۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ موقف صریح دلائل کے خلاف ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ نے مذکورہ حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ موقف اپنایا ہے کہ فجر کی سنتوں میں صرف فاتحہ ہی پڑھنی چاہیے۔ حالانکہ اس حدیث میں تو صرف یہی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو شک تھا اور دیگر صحیح احادیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں فاتحہ کے بعد بھی قراءت فرمایا کرتے تھے جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔ اس لیے جمہور کا موقف راجح ہے کہ فجر کی سنتوں میں قراءت کرنی چاہیے مگر مختصر۔ (۴۵۱)

361- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ فِي رَكْعَتَي الْفَجْرِ "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ")) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی سنتوں (میں سے پہلی) میں قل یأیها الکافرون اور (دوسری میں) قل هو الله أحد کی قراءت فرمائی۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت مستحب ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے علاوہ اور سورتوں کی تلاوت نہیں کی جاسکتی' بلکہ بعض دوسری روایات سے ان سورتوں کے علاوہ بھی قراءت کرنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کی سنتوں میں ﴿قُولُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا ...... الخ﴾ [البقرة : ١٣٦] اور ﴿قُلْ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ...... الخ﴾ [آل عمران : ٦٤] کی تلاوت فرمائی۔ (۴۵۲)

362- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَي الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو پر (کچھ دیر کے لیے) لیٹ جاتے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

363- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُودَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے تو اپنے دائیں پہلو پر لیٹے۔" [اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح شِقٌّ سے مراد پہلو ہے۔

361- [مسلم (٧٢٦) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب استحباب ركعتي سنة الفجر' دارمی (١٤٤٢)]

362- [بخاری (١١٦٠) كتاب الجمعة : باب الضجعة على الشق الأيمن بعد ركعتي الفجر' نسائی (٢٥٢/٣)]

363- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (١٢٦١) كتاب الصلاة : باب الاضطجاع بعدها' ترمذی (٤٢٠) احمد (٤١٥/٢) ابن خزيمة (١١٢٠) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٤٥٠) [مسلم (٧٥٦) ترمذی (٣٨٧) ابن ماجه (١٤٢١) احمد (٣٠٢/٣) حمیدی (١٢٧٦) طیالسی (٢٩) أبو یعلی (٢١٣١)]

(٤٥١) [تفصیل کے لیے دیکھئے: نيل الأوطار (٢٢٤/٢)]

(٤٥٢) [مسلم (٧٢٧) ابو داود (١٢٥٩) نسائی (١٥٥/٢) ابن خزيمة (١١١٥)]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد اور فرائض سے پہلے دائیں پہلو پر کچھ دیر لیٹنا مسنون ہے۔امام ابن قیمؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امام عبدالرزاقؒ نے مصنف میں معمرؒ، ایوبؒ اور ابن سیرینؒ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فجر کی رکعتوں کے بعد لیٹتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔(٤٠٣) مذکورہ بالا دوسری حدیث میں موجود آپ ﷺ کے حکم کی وجہ سے اہل ظاہر نے اس عمل کو واجب قرار دیا ہے (٤٠٤) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کا اس پر مداومت اختیار نہ فرمانا اس حکم کو استحباب کی طرف پھیر دیتا ہے (٤٠٥) لہٰذا یہ عمل مستحب ہے۔یقیناً یہ ایک ایسی سنت ہے جو تقریباً متروک ہو چکی ہے'اسے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

364- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔پس جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ لاحق ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے۔یہ رکعت اس کی پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی۔"[بخاری، مسلم]

365- وَلِلْخَمْسَةِ - وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ - بِلَفْظِ: ((صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى)) وَقَالَ النَّسَائِيُّ: هَذَا خَطَأٌ۔

اور پانچوں نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ" رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔"[ابن حبان نے اسے صحیح جبکہ نسائی نے اسے خطا کہا ہے۔]

لغوی توضیح مَثْنَى سے مراد ہے دو دو رکعتیں۔تُوتِرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَوْتَرَ يُوتِرُ (بروزن افعال) سے'اس کا معنی ہے" وتر بنا دینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کی نماز (یعنی تہجد) دو دو رکعت کر کے پڑھنا مسنون ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا بھی درست ہے۔رسول اللہ ﷺ سے چند دیگر احادیث سے بھی ایک وتر پڑھنا ثابت ہے۔(٤٠٦) علاوہ ازیں نو، سات، پانچ اور تین وتر بھی نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔جمہور علماء، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ وتروں کی جتنی تعداد بھی مختلف احادیث سے ثابت ہے ان میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ نہ تو

364- [بخاری (٩٩٠) كتاب الجمعة : باب ما جاء في الوتر' مسلم (٧٤٩) ابو داود (١٣٢٦) ترمذی (٤٣٧) نسائی (٢٢٧/٣) ابن ماجه (١٣٢٠) احمد (٥/٢) دارمی (١٤٥٩)]

365- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٢٩٥) كتاب الصلاة : باب في صلاة النهار' ترمذی (٥٩٧) ابن ماجه (١٣٢٢) نسائی (٢٢٧/٣) احمد (٣٠/٢) ابن حبان (٢٦١٤) دارمی (١٤٥٨) ابن الجارود (٢٧٨) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے لیکن لفظ " النهار " میں اختلاف ہے۔]

(٤٠٣) [زاد المعاد (٣١٩/١)]

(٤٠٤) [نيل الأوطار (٢٢٦/٢)]

(٤٠٥) [فتح الباری (٤٤/٣)]

(٤٠٦) [مسلم (٧٥٢ ' ٧٥٣) أحمد (٣١١٣١) نسائی (٤٣٩/١)]' [مزید دیکھئے : بخاری (١١٣٧) مسلم (٧٤٩) موطا (١٢٣/١) أبو داود (١٣٢٦) ترمذی (٤٣٧)]

تین وتر سے کم پڑھنا درست ہے اور نہ ہی زیادہ۔(۴۵۷) اس مسئلے میں جمہور کا مؤقف راجح ہے۔(۴۵۸) یہ یاد رہے کہ صرف نو رکعت وتر میں ہی آپ ﷺ دو مرتبہ تشہد بیٹھتے تھے؛ پہلی مرتبہ آٹھویں رکعت میں اور دوسری مرتبہ نویں رکعت میں اور باقی وتروں میں آپ ﷺ سے صرف آخری رکعت میں ہی تشہد بیٹھنا ثابت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ(۴۵۹) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(۴۶۰) نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ البتہ احناف نے نماز وتر کو نماز مغرب پر قیاس کیا ہے اور وہ تین رکعت وتر میں بھی مغرب کی طرح دو مرتبہ تشہد بیٹھنے کے قائل ہیں۔ ان کا یہ مؤقف اُس صریح حدیث کے خلاف ہے جس میں آپ ﷺ نے وتروں میں نماز مغرب کی مشابہت سے بچنے کا حکم دیا ہے۔(۴۶۱)

علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ دن کی نماز بھی دو دو رکعت ہے اسے اگرچہ امام نسائیؒ نے خطا کہا ہے لیکن وہ دیگر اہل علم کے نزدیک صحیح و ثابت ہے۔ اس لیے دن کے نوافل دو دو رکعت کر کے پڑھنے چاہییں' لیکن یہ یاد رہے کہ ظہر یا عصر کے نوافل چار چار رکعت کی صورت میں پڑھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

366- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے رات کی نماز کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ یہاں رات کی نماز سے مراد رات کے آخری حصے کی نماز ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔(۴۶۲) اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" بندہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے' اس لیے تم اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ۔"(۴۶۳) رات کے آخری حصے کی فضیلت میں وہ روایت بھی قابل ذکر ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی حصے میں آسمانِ دنیا پر تشریف لے آتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں کہ کون ہے جو مجھے پکارے میں اس کی دعا قبول کرلوں' کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کردوں۔(۴۶۴) یہی باعث ہے کہ آپ ﷺ نے رات کی نماز کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ" قیام اللیل کو لازم پکڑو' بلاشبہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی

366- [مسلم (۱۱۶۳) کتاب الصیام: باب فضل صوم المحرم' ابو داود (۲۴۲۹) ترمذی (۴۳۸) نسائی (۲۰۷/۳) ابن ماجه (۱۷۴۲) حاکم (۳۰۷/۱) بیهقی (۴/۳)]

(۴۵۷) [نیل الأوطار (۲۳۰/۲) الأم (۲۵۹/۱) المبسوط (۱۵۶/۱) المغنی (۵۷۸/۲) بدایة المجتهد (۱۵۷/۱)]

(۴۵۸) [دیکھئے: تحفة الأحوذی (۵۶۵/۲)]

(۴۵۹) [فتح الباری (۵۵۸/۲ - ۵۵۹)]

(۴۶۰) [تحفه الأحوذی (۵۶۷/۲)]

(۴۶۱) [دار قطنی (۲۴/۲) شرح معانی الآثار (۲۹۲/۱) بیهقی (۳۱/۳) حاکم (۳۰۴/۱) امام حاکمؒ نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام دار قطنیؒ نے اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔]

(۴۶۲) [مسند احمد (۳۰۳/۲ - ۳۲۹) مسلم (۱۶۹/۳)]

(۴۶۳) [ترمذی (۳۵۷۹) ابو داود (۱۲۷۷) حاکم (۳۰۹/۱)] (۴۶۴) [بخاری (۱۱۴۵) مسلم (۷۵۸)]

عادت، پروردگار کی قربت کا ذریعہ اور برائیاں مٹانے کا سبب ہے۔(٤٦٥)

367- وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((الْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَقْفَهُ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وتر ہر مسلمان پر حق ہے۔ جسے پانچ وتر پڑھنا پسند ہو وہ ایسا کر لے جسے تین وتر پڑھنا پسند ہو وہ اس طرح کر لے اور جسے ایک وتر پڑھنا پسند ہو تو وہ بھی ایسا کر لے۔" [اسے ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔]

368- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((لَيْسَ الْوِتْرُ بِحَتْمٍ كَهَيْئَةِ الْمَكْتُوبَةِ وَلَكِنْ سُنَّةٌ سَنَّهَا رَسُولُ اللّٰهِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَالنَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "وتر فرضوں کی طرح لازمی نہیں بلکہ سنت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا ہے۔ [اسے ترمذی، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن جبکہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث مذکورہ بالا پہلی حدیث امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے انہوں نے وتر کو واجب قرار دیا ہے۔ جبکہ دوسری حدیث جمہور کی دلیل ہے، انہوں نے وتر کو سنت مؤکدہ کہا ہے۔(٤٦٦) اس مسئلے میں راجح مؤقف یہی ہے کہ وتر واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ "وتر حق ہے" سے لزوم تو ثابت ہوتا ہے لیکن وجوب نہیں۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ "وتر حق ہے جس نے وتر نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں۔" لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔(٤٦٧) نیز دوسری روایت صحیح ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وتر فرض نماز کی طرح لازم نہیں ہے۔ لہٰذا جمہور کا مؤقف ہی برحق ہے۔ امام شوکانی (٤٦٨)، امام ابن قدامہ (٤٦٩)، امام ابن حزم (٤٧٠)، امام صنعانی (٤٧١)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری (٤٧٢) اور نواب صدیق حسن خان (٤٧٣) اسی کے قائل ہیں۔

367- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (١٤٢٢) كتاب الصلاة: باب كم الوتر، ابن ماجه (١١٩٠) نسائي (٢٣٨/٣) احمد (٣٥٧/٥) دارمي (١٥٨٢) دارقطني (٢٢/٢) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفا صحیح کہا ہے۔]

368- [صحیح: صحیح ترمذی، ترمذی (٤٥٣-٤٥٤) كتاب الصلاة: باب ما جاء أن الوتر ليس بحتم، ابن ماجه (١١٦٩) نسائي (٢٢٩/٣) احمد (٨٦/١) دارمي (١٥٧٩) ابن خزيمة (١٠٦٧) حاكم (٣٠٠/١) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن، جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٤٦٥) [حسن: هداية الرواة (٤٦/٢) ترمذي (٣٠٤٩)]

(٤٦٦) [الأم (٢٥٧/١) بدائع الصنائع (٢٧٠/١) المغني (٥٧٨/٢) الهداية (٦٥/١) نيل الأوطار (٢٣٨/٢)]

(٤٦٧) [ضعيف: إرواء الغليل (٤١٧) أبو داود (١٤١٩) كتاب الصلاة: باب فيمن لم يوتر، أحمد (٣٥٧/٥) حاكم (٣٠٥/١) بيهقي (٤٧٠/٢)] حافظ ابن حجر نے اسے ضعیف کہا ہے۔[تلخیص الحبیر (٢٠/٢)] امام زیلعی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[نصب الراية (١١٢/٢)]

(٤٦٨) [نيل الأوطار (٢٣٨/٢)]
(٤٦٩) [المغني (٥٩٥/٢)]
(٤٧٠) [المحلى بالآثار (٩٢/٢)]
(٤٧١) [سبل السلام (٥٢٩/٢)]
(٤٧٢) [تحفة الأحوذي (٥٥٤/٢)]
(٤٧٣) [الروضة الندية (٣٠٠/١)]

369- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ؛ ثُمَّ انْتَظَرُوهُ مِنَ الْقَابِلَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ ، وَقَالَ : ((إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ)) رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان میں قیام فرمایا' پھر اگلے روز صحابہ انتظار کرتے رہے لیکن آپ ﷺ باہر نہ آئے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں یہ نماز وتر تم پر فرض نہ کر دی جائے۔" [اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھائی۔ صحابہ نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ یہ نماز ادا کی۔ دوسری رات آپ ﷺ نے یہ نماز پڑھائی تو نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ تیسری یا چوتھی رات تو یہ تعداد ایک بڑے اجتماع کی صورت اختیار کر گئی لیکن نبی ﷺ اس رات نماز پڑھانے کے لیے تشریف نہ لائے۔ صبح کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا جتنی بڑی تعداد میں تم لوگ جمع ہو گئے تھے۔ میں نے اسے دیکھا لیکن یہ خدشہ میرے باہر آنے کے لیے رکاوٹ بنا رہا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے' یہ رمضان کا واقعہ ہے۔(٤٧٤)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز وتر اور رات کی نماز فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان میں رات کی نماز (یعنی نماز تراویح) با جماعت مسنون ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاریؒ فرماتے ہیں' میں رمضان کی ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں گیا' سب لوگ متفرق اور منتشر تھے۔ کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی کسی کے پیچھے کھڑا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میرا خیال ہے کہ اگر میں تمام لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے اسی عزم و ارادے کے ساتھ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام مقرر کر دیا۔ (حضرت عبد الرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ) پھر ایک رات جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں یہ لوگ سو جاتے ہیں اُس حصے سے بہتر ہے جس میں یہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مراد رات کے آخری حصے کی فضیلت سے تھی کیونکہ لوگ یہ نماز رات کے شروع میں ہی پڑھ لیتے تھے۔(٤٧٥)

اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ نماز تراویح با جماعت مسجد میں افضل ہے یا اکیلے اکیلے گھر میں۔ امام احمدؒ' امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے اسے مسجد میں با جماعت افضل قرار دیا ہے جبکہ امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اسے گھر میں اکیلے اکیلے افضل کہا ہے۔(٤٧٦) لیکن پہلا موقف ہی راجح ہے۔

369- [ابن حبان (٢٤٠٩) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔]

(٤٧٤) [بخاری (١١٢٩' ٢٠١٢) كتاب الجمعة : باب تحريض النبي على صلاة الليل ' مسلم (٧٦١) موطا (١١٣/١) نسائی (٢٠٢/٣) أحمد (١٦٩/٦) ابن خزيمة (٢٢٠٧) بيهقی (٤٠٢/٢)]

(٤٧٥) [بخاری (٢٠١٠) كتاب صلاة التراويح : باب فضل من قام رمضان ' موطا (١١٤/١)]

(٤٧٦) [نيل الأوطار (٢٦٥/٢) المغنی (٦٠٥/٢)]

370- وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ)) قُلْنَا: وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((الْوِتْرُ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی نماز کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔" ہم نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! وہ کون سی نماز ہے؟ آپ نے فرمایا "نماز وتر جو نماز عشاء اور طلوع فجر کے درمیان ہے۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

371- وَرَوَى أَحْمَدُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ نَحْوَهُ۔

اور احمد نے اسی طرح عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے۔

لغوی توضیح أَمَدَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَمَدَّ يُمِدُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "امداد کرنا"۔ حُمْر أَحْمَر کی جمع ہے' اس کا معنی ہے "سرخ"۔ النَّعَم چوپائے جانوروں کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد اونٹ ہیں۔

372- وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِسَنَدٍ لَيِّنٍ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وتر حق ہے' لہٰذا جس نے وتر نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں۔" [اسے ابوداود نے کمزور سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

373- وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ أَحْمَدَ۔

اور احمد کے نزدیک اس کا ایک شاہد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔

374- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے'

370- [ضعيف: ضعيف ابو داود' ابو داود (١٤١٨) كتاب الصلاة: باب استحباب الوتر' ترمذى (٤٥٢) ابن ماجه (١١٦٨) دارمى (١٥٧٦) حاكم (٣٠٦/١) دارقطنى (٣٠/٢) بيهقى (٤٦٩/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

371- [احمد (١٨٠/٢) دارقطنى (٣١/٢)]

372- [ضعيف: ضعيف ابو داود' ابو داود (١٤١٩) كتاب الصلاة: باب فيمن لم يوتر' احمد (٣٥٧/٥) بيهقى (٤٧٠/٢) حاكم (٣٠٥/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے۔]

373- [احمد (٤٤٣/٢) طبرانى فى الأوسط (٢٠٢٤)]

374- [بخارى (١١٤٧) كتاب الجمعة: باب قيام النبى بالليل فى رمضان وغيره' مسلم (٧٣٨) ابو داود (١٣٤١-١٣٣٤) ترمذى (٤٣٩) احمد (٣٦/٦) مالك (١٢٠/١)]

فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ' يُصَلِّي أَرْبَعًا ' فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ' ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا ' فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ' ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا ' قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ ؟ قَالَ: ((يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا عَنْهَا : ((كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ عَشْرَ رَكْعَاتٍ وَ يُوتِرُ بِسَجْدَةٍ وَ يَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ' فَتِلْكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً)) ۔

آپ چار رکعات ایسی (اچھی) ادا فرماتے کہ ان کے حسن وطوالت کے متعلق کچھ نہ پوچھیے۔ پھر چار رکعات ایسی ہی عمدہ وطوالت کے ساتھ ادا فرماتے' پھر تین رکعتیں ادا فرماتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کیا آپ وتر ادا فرمائے بغیر سو جاتے ہیں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اے عائشہ! میری آنکھیں سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔" [بخاری، مسلم۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ان دونوں کی ہی روایت میں ہے کہ] آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دس رکعتیں پڑھا کرتے تھے' پھر ایک وتر پڑھتے اور پھر فجر کی دو سنتیں۔ تو یوں یہ سب تیرہ رکعتیں ہوتیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل' قیام رمضان' نماز تہجد اور نماز تراویح ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا نماز تراویح گیارہ رکعات ہے (جن میں سے آٹھ نفل ہیں اور باقی تین وتر)۔ امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ نماز تراویح بیس رکعات ہے۔ (٤٧٧) انہوں نے جن روایات سے استدلال کیا ہے ان میں سے کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں۔ (٤٧٨) لہٰذا پہلا موقف ہی راجح ہے۔ امام شوکانیؒ (٤٧٩)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (٤٨٠) اور امام صنعانیؒ (٤٨١) نے اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس رکعتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور آخر میں ایک وتر پڑھ لیتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نماز تراویح تیرہ رکعت پڑھتے تھے' ان میں سے پانچ رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں اور آٹھ نفل ہوتے تھے' جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔

375- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ' يُوتِرُ مِنْ ذَلِكَ بِخَمْسٍ ' لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي آخِرِهَا)) ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے' جن میں سے پانچ وتر ہوتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ وتروں میں (تشہد کے لیے) صرف آخری رکعت میں ہی بیٹھتے تھے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ رکعت نماز وتر مسنون ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پانچ رکعت نماز وتر کے دوران صرف آخری رکعت میں ہی تشہد کے لیے بیٹھنا چاہیے۔ اس حدیث میں احناف کے اس موقف کا رد ہے کہ وتر صرف تین ہی ہیں اور یہ کہ تین وتروں میں بھی دو تشہد ہیں۔

375- [بخاری (١١٤٠) كتاب الجمعة : باب كيف كان صلاة النبي ' مسلم (٧٣٧) ابو داود (١٣٣٨) ترمذی (٤٥٨) نسائی (٢٤٠/٣) احمد (٥٠/٦) دارمی (١٥٨١)]

(٤٧٧) [المغنى (٦٠٤/٢) عمدة القارى (٢٠١/٩) تحفة الأحوذى (٦٠٨/٣)]
(٤٧٨) [تحفة الأحوذى (٦١٢/٣-٦١٦)]
(٤٧٩) [نيل الأوطار (٢٦٩/٢)]
(٤٨٠) [تحفة الأحوذى (٦٠٨/٣)]
(٤٨١) [سبل السلام (٥٣٣/٢)]

376- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَانْتَهَى وِتْرُهُ، إِلَى السَّحَرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رات کے ہر حصے میں رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھا ہے اور آپ کے وتر کی انتہا سحری تک تھی۔[بخاری،مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھا ہے۔ اس لیے رات کے کسی بھی حصے میں وتر پڑھا جا سکتا ہے۔ وتر کا وقت عشاء سے طلوع فجر تک ہے۔(٤٨٢) نیز یہ یاد رہے کہ تہجد گزار شخص کے لیے وتر پڑھنے کا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے اور جو تہجد گزار نہیں یا جس کے لیے رات کے آخری حصے میں بیدار ہونا ممکن نہیں اس کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ وتر پڑھ کر سوئے۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''تم میں سے جسے یہ خدشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں نہیں اٹھ سکے گا تو وہ وتر پڑھ لے پھر سو جائے۔''(٤٨٣)

377- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''اے عبداللہ! تو فلاں کی طرح نہ ہو جانا' وہ رات کا قیام کیا کرتا تھا پھر اس نے اسے ترک کر دیا۔''[بخاری،مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل واجب نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ اُس شخص کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیتے محض کسی دوسرے کے سامنے اس کے بیان پر اکتفاء نہ کرتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کی کوتاہی بیان کرنی ہو تو اس کا نام پردے میں رکھنا چاہیے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انسان فرائض کے علاوہ کوئی نیک کام شروع کرلے تو اسے وہ کام چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ اس پر مداومت اختیار کرنی چاہیے۔

378- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَوْتِرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ'

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے اہل قرآن! وتر پڑھا کرو کیونکہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے۔''

376- [بخاری (٩٩٦) كتاب الجمعة : باب ساعات الوتر' مسلم (٧٤٥) ابو داود (١٤٣٥) ترمذی (٤٥٦) ابن ماجه (١١٨٥) نسائی (٢٣٠/٣) احمد (٤٦/٦) بیهقی (٣٥/٣) دارمی (١٥٨٧)]

377- [بخاری (١١٥٢) كتاب الجمعة : باب ما يكره من ترك قيام الليل لمن كان يقومه' مسلم (١١٥٩) ابن ماجه (١٣٣١) نسائی (٢٥٣/٣) احمد (١٧٠/٢) ابن حبان (٢٦٤١) بغوی (٩٣٩)]

378- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٤١٦) كتاب الصلاة : باب استحباب الوتر' ترمذی (٤٥٣) ابن ماجه (١١٦٩) نسائی (٢٢٨/٣) احمد (٨٦/١) ابن خزيمة (١٠٦٧) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

---

(٤٨٢) [صحيح : صحيح ابن ماجة (٩٨) إرواء الغليل (٤٢٣) الصحيحة (١٠٨) أبو داود (١٤١٨) كتاب الصلاة : باب استحباب الوتر' ترمذی (٤٥٢) ابن ماجة (١١٦٨)] اس حدیث کی مزید اسناد اور شواہد دیکھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔[نصب الراية (١٠٩/٢) تلخيص الحبير (١٦/٢) إرواء الغليل (١٥٨/٢)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٣٩/٣)]

(٤٨٣) [مسلم (٧٥٥) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب من خاف أن لا يقوم' ترمذی (٤٥٥) أحمد (٣١٥/٣) ابن ماجة (١١٨٧) ابن خزيمة (١٠٨٦)]

فَإِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔ [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اہل قرآن سے مراد مومنین ہیں اور بطور خاص حفاظ قرآن ہیں۔ انہیں نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ وتر (یعنی نماز تہجد) پڑھا کرو' کیونکہ یہ قرآن یاد رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ''اللہ تعالیٰ وتر ہے'' سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور وہی ایک ایسی ذات ہے جو عبادت کے لائق ہے۔ ''وتر کو پسند فرماتا ہے'' کا مطلب ہے وتر پڑھنے والے کا عمل قبول فرما کر اسے اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز وتر سنت مؤکدہ اور مستحب ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس پر مسلمانوں کا اتفاق نقل کیا ہے' نیز انہوں نے کہا ہے کہ بعض اہل علم نے اسے واجب بھی کہا ہے۔(٤٨٤)

379- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اپنی رات کی آخری نماز کو وتر بناؤ۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث میں وتر کو رات کی آخری نماز قرار دیا گیا ہے لیکن ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے اور نبی ﷺ وتر کے بعد بھی دو نفل ادا کر لیا کرتے تھے' جیسا کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔(٤٨٥) اس لیے اگر کوئی شخص رات کو وتر پڑھ کر سو جائے اور پھر رات کے پچھلے حصے میں دوبارہ اٹھ جائے تو وہ نفل ادا کر سکتا ہے' البتہ وہ نوافل کے آخر میں دوبارہ وتر نہیں پڑھے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات میں دو وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام ابن مبارکؒ (٤٨٦) اور امام ابن حزمؒ (٤٨٧) وغیرہ کا بھی یہی مؤقف ہے اور یہی راجح و برحق ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جن حضرات کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص وتر پڑھ کر سو جائے اور پھر رات کے آخری حصے میں اٹھ کر نوافل پڑھنا چاہے تو پہلے ایک رکعت پڑھ کر اپنے پڑھے ہوئے وتر کو جوڑا بنا لے اور پھر حسب توفیق نوافل ادا کرنے کے بعد دوبارہ وتر پڑھ لے' ان کا یہ مؤقف اس حدیث ''ایک رات میں دو وتر نہیں'' کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود ہے۔ (واللہ اعلم)

379- [بخاری (٩٩٨) كتاب الجمعة : باب ليجعل آخر صلاته وترا' مسلم (٧٥١) ابو داود (١٤٣٨) نسائی (٢٣٠/٣) احمد (١٤٣/٢) بيهقی (٣٤/٣)]

(٤٨٤) [كما في توضيح الأحكام (٤٢٦/٢)]

(٤٨٥) [صحيح : صحيح ترمذی (٣٩٢) كتاب الصلاة : باب ما جآء لا وتران في ليلة' ترمذی (٤٧١) أحمد (٢٩٨/٦) ابن ماجة (١١٩٥)]

(٤٨٦) [تحفة الأحوذی (٥٨٨/٢) نيل الأوطار (٢٥٩/٢)]

(٤٨٧) [المحلى بالآثار (٩١/٢)]

380- وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

381- وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُوتِرُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُودَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ، وَزَادَ: ((وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ))۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (تین رکعت) نمازِ وتر (کی پہلی رکعت) میں سبح اسم ربك الأعلى (دوسری میں) قل يأيها الكافرون اور (تیسری میں) قل هو الله أحد پڑھا کرتے تھے۔ [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے، نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ] اور آپ ﷺ صرف آخری رکعت میں ہی سلام پھیرتے تھے۔

382- وَلِأَبِي دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، وَفِيهِ: ((كُلُّ سُورَةٍ فِي رَكْعَةٍ، وَفِي الْأَخِيرَةِ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ"))

اور ابوداود اور ترمذی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے اور اس میں ہے کہ ہر رکعت میں ایک سورت پڑھتے تھے اور آخری رکعت میں قل هو الله أحد اور معوذتين سورتیں پڑھتے تھے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تین رکعت نماز وتر پڑھی جائے تو پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھنی چاہیے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات آپ ﷺ تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین سورتیں (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) بھی ملا کر پڑھ لیا کرتے تھے۔

383- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ① وَلِابْنِ حِبَّانَ: ((مَنْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ وَ لَمْ يُوتِرْ فَلَا وِتْرَ لَهُ)) ②۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ابن حبان میں ہے کہ] "جس نے صبح ہونے تک وتر نہ پڑھے تو اس کا کوئی وتر نہیں۔"

380- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (١٤٣٩) كتاب الصلاة: باب في نقض الوتر، ترمذي (٤٦٨) نسائي (٣/٢٢٩)، احمد (٤/٢٢) ابن خزيمة (١١٠١) ابن حبان (٦٧١۔ الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

381- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (١٤٢٣) كتاب الصلاة: باب ما يقرأ في الوتر، ابن ماجه (١١٧١) نسائي (٣/٢٣٥) احمد (٥/١٢٣) دارقطني (٢/٣١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

382- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (١٤٢٤) كتاب الصلاة: باب ما يقرأ في الوتر، ترمذي (٤٦٣) ابن ماجه (١١٧٣) احمد (٦/٢٢٧) ابن حبان (٢٤٣٢) حاكم (١/٣٠٥) دارقطني (٢/٣٥) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

383- [① مسلم (٧٥٤) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب صلاة الليل مثنى مثنى، ترمذي (٤٦٨) ابن ماجه (١١٨٩) احمد (٣/١٤) دارمي (١٥٨٨)]، [② ابن حبان (٦٧٤۔ الموارد) ابن خزيمة (١٠٩٢) حاكم (١/٣٠١)]

384- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص وتر کے وقت سو یا رہ جائے یا اسے وتر پڑھنا بھول جائے تو جب صبح ہو تو وہ وتر پڑھ لے یا جب اسے یاد آئے۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث مذکورہ بالا پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر کا وقت طلوع صبح تک ہے، اگر صبح ہوگئی اور کسی نے ابھی تک وتر نہیں پڑھا تو پھر اس کا وتر ادا نہیں ہوگا، البتہ اس کی قضاء دی جا سکتی ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک وتر کی قضاء مستحب ہے۔ (۴۸۸) قضاء کے وقت میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ جب اسے یاد آئے اسی وقت وتر پڑھ لے حتی کہ صبح کے فوراً بعد بھی درست ہے، جبکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ صبح کے بعد وتر کی قضاء نہیں دی جا سکتی۔ (۴۸۹) پہلا موقف حدیث کے قریب ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔ (۴۹۰)

385- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمِعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ وَذٰلِكَ أَفْضَلُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جسے یہ خدشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہیں ہو سکے گا اسے چاہیے کہ رات کے پہلے حصے میں ہی وتر پڑھ لے اور جسے یہ توقع ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار ہو جائے گا تو اسے چاہیے کہ رات کے آخری حصے میں ہی وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخری حصے کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز وتر رات کے ابتدائی حصے میں بھی درست ہے اور آخری حصے میں بھی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بیدار رہ سکتا ہو اس کے لیے رات کے آخری حصے میں وتر پڑھنا افضل ہے۔

386- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ فَقَدْ ذَهَبَ كُلُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب فجر طلوع ہو جائے تو وتروں سمیت رات کی تمام نمازوں کا وقت

384- [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۱۴۳۱) کتاب الصلاۃ : باب فی الدعاء بعد الوتر، ترمذی (۴۶۵) ابن ماجه (۱۱۸۸) احمد (۳۱/۳) دارقطنی (۱۷۱/۱) حاکم (۳۰۲/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

385- [مسلم (۷۵۵) کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها : باب من خاف أن لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر أوله، ترمذی (۴۵۵) ابن ماجه (۱۱۸۷) احمد (۳۰۰/۳) ابن خزیمة (۱۰۸۶) ابن حبان (۲۵۶۵) بیهقی (۳۵/۳)]

386- [صحیح : صحیح ترمذی، ترمذی (۴۶۹) کتاب الصلاۃ : باب ما جاء فی مبادرة الصبح بالوتر، احمد (۱۴۹/۲) ابن خزیمة (۱۰۹۱) حاکم (۳۰۲/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں کمزوری ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔]

---

(۴۸۸) [نیل الأوطار (۲۶۲/۲)] (۴۸۹) [أیضا]

(۴۹۰) [تحفة الأحوذی (۵۸۲/۲)]

صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالْوِتْرُ فَأَوْتِرُوا قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

چلا جاتا ہے لہٰذا تم طلوع فجر سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کرو۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔]

387- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الضُّحَى أَرْبَعًا وَيَزِيدُ مَا شَاءَ اللّٰهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور جتنی اللہ چاہتا زیادہ بھی پڑھ لیتے تھے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

388- وَلَهُ عَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : ((أَنَّهَا سُئِلَتْ : هَلْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يُصَلِّي الضُّحَى ؟ قَالَتْ : لَا ، إِلَّا أَنْ يَجِيءَ مِنْ مَغِيبِهِ)) .

اور مسلم میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز ادا فرماتے تھے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا' نہیں الا کہ آپ سفر سے واپس تشریف لاتے۔

389- وَلَهُ عَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا : ((مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي قَطُّ سُبْحَةَ الضُّحَى وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا)) .

اور مسلم میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی چاشت کے نوافل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ میں یہ نوافل پڑھا کرتی تھی۔

لغوی توضیح اَلضُّحَى چاشت کے وقت کو کہتے ہیں۔ مَغِيْبِهِ سے مراد ہے سفر سے واپسی۔ سُبْحَةَ الضُّحَى کا معنی ہے ''چاشت کے نوافل۔'' واضح رہے کہ نمازِ چاشت سے مراد وہ نماز ہے جو طلوع آفتاب کے بعد ادا کی جاتی ہے اور نمازِ اشراق اور صلاۃ الاوابین بھی اسی نماز کے نام ہیں۔

فہم الحدیث مذکورہ بالا روایات بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہیں کیونکہ پہلی میں ہے کہ آپ ﷺ نمازِ چاشت پڑھا کرتے تھے' دوسری میں سفر کی قید ہے اور تیسری میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کبھی آپ ﷺ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔ تو اہل علم نے ان میں تطبیق یوں دی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دیکھا نہیں لیکن پھر بھی وہ یہ نماز پڑھتی تھیں' اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے کسی دوسرے سے آپ ﷺ کے متعلق سن لیا ہو گا کہ آپ ﷺ نمازِ چاشت ادا کرتے ہیں۔ یا انہوں نے جو نفی کی ہے اس سے مراد یہ ہو گا کہ آپ ﷺ کو سفر سے واپسی کے علاوہ میں نے کبھی یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور جس میں اثبات ہے اس سے مراد سفر کی قید ہو گی۔ بعض دوسرے اہل علم نے کہا ہے کہ چونکہ بخاری اور مسلم نمازِ چاشت کے اثبات پر متفق ہیں اور نفی صرف مسلم میں ہی ہے اس لیے بخاری اور مسلم کے اتفاق کو ترجیح حاصل ہے یعنی نمازِ چاشت ثابت ہے۔

387- [مسلم (٧١٩) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان وأكملها' ترمذی فی الشمائل (٢٨٩) ابن ماجه (١٣٨١) احمد (١٤٥/٦)]

388- [مسلم (٧١٧) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب استحباب صلاة الضحى' ابو داود (١٢٩٢) ترمذی فی الشمائل (٢٩٢) نسائی (١٥٢/٤) احمد (٣١/٦) ابن خزيمة (٥٣٩)]

389- [بخاری (١١٢٨-١١٧٧) كتاب الجمعة : باب تحريض النبی علی صلاة الليل' مسلم (٧١٨) ابو داود (١٢٩٣) نسائی (١٨٠/١) احمد (٣٣/٦) مالك (١٥٢/١)]

یہ تو بحث تھی مذکورہ بالا احادیث کے متعلق' علاوہ ازیں دیگر متعدد احادیث سے نمازِ چاشت کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک اس باب کی آخری روایت بھی ہے۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے میرے خلیل (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے تین چیزوں کی وصیت کی: ہر ماہ تین دنوں کے روزے رکھنا' چاشت کی دو رکعتیں پڑھنا اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا۔(٤٩١) ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! دن کی ابتدا میں چار رکعتیں پڑھو میں تمہیں دن کی انتہاء میں کافی ہو جاؤں گا۔''(٤٩٢) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انسان کے تین سو ساٹھ (360) جوڑ ہیں اور ہر جوڑ پر صدقہ ہے اور نماز چاشت کی دو رکعتیں ان تمام صدقوں سے کفایت کر جاتی ہیں۔''(٤٩٣)

یہ تمام احادیث نمازِ چاشت کی مشروعیت کے اثبات کے لیے کافی ہیں۔ اس نماز کی رکعات کی تعداد کم سے کم دو ہے' جیسا کہ مذکورہ بالا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ چار رکعات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے' جیسا کہ پہلی حدیث میں ہے اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں' جیسا کہ اس باب کی آخری حدیث میں اور حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ہے۔(٤٩٤) آئندہ جس روایت میں بارہ رکعات کا ذکر ہے وہ ضعیف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں۔ مزید برآں نماز چاشت کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوالِ آفتاب تک ہے۔

390- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ حِينَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اوابین کی نماز (یعنی نمازِ چاشت) اس وقت ہے جب شدت گرمی کی وجہ سے اونٹنی کے بچوں کے پاؤں جلتے ہیں۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَوَّابِينَ جمع ہے أَوَّاب کی' اس کا معنی ہے ''بہت زیادہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا''۔ تَرْمَضُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب رَمِضَ يَرْمَضُ (بروزن سمع) سے' اس کا معنی ہے ''(شدید حرارت وتمازت کے باعث) پاؤں جلنا''۔ الْفِصَالُ جمع ہے فَصِيْل کی' یہ اونٹنی کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اہل علم کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں نماز چاشت کا افضل وقت بیان ہوا ہے (اور وہ ہے جب سورج قدرے بلند ہو جائے اور اس کی حرارت ریت پر پڑنے کی وجہ سے اونٹنی کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں) ورنہ سورج طلوع

390- [مسلم (٧٤٨) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال' احمد (٣٦٦/٤) بيهقي (٤٩/٣) ابن خزيمة (١٢٢٧) ابن حبان (٢٥٣٩)]

(٤٩١) [بخاری (١٩٨١) كتاب الصوم : باب صيام أيام البيض ثلاث عشرة و أربع عشرة' مسلم (٧٢١) أبو داود (١٤٣٢) ترمذی (٧٦٠) نسائی (١٦٧٧)]

(٤٩٢) [صحيح : صحيح ترمذی (١١٤٦) كتاب الصلاة : باب ما جاء في صلاة الضحى' ترمذی (٤٧٥) أبو داود (١٢٨٩) أحمد (٢٨٦/٥) ابن حبان (٣٥٣٣) دارمی (٣٣٨/١)]

(٤٩٣) [مسلم (١٠٠٧)]

(٤٩٤) [بخاری (٣٥٧) كتاب الصلاة : باب الصلاة فى الثوب الواحد ملتحفا به' مسلم (٣٣٦) أبو داود (١٢٩٠) نسائی (١٢٦/١) ترمذی (٢٧٣٤) ابن ماجة (١٣٧٩)]

ہوتے ہی نمازِ چاشت کا وقت تو شروع ہو جاتا ہے۔

391- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ صَلَّى الضُّحَى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اسْتَغْرَبَهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے نمازِ چاشت کی بارہ رکعات ادا کیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں محل بنائیں گے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے غریب کہا ہے۔]

392- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْتِي ، فَصَلَّى الضُّحَى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ)) رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے آٹھ رکعت نمازِ چاشت ادا فرمائی۔

باب صلاة الجماعة والامامة — باجماعت نماز اور امامت کا بیان

393- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "باجماعت نماز اکیلے آدمی کی نماز سے ستائیں (27) گنا افضل ہے۔" [بخاری، مسلم]

394- وَلَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا))۔

اور بخاری مسلم میں ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ پچیس (25) گنا افضل ہے۔

395- وَكَذَا لِلْبُخَارِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، وَقَالَ : ((دَرَجَةً))۔

اور اسی طرح بخاری میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے انہوں نے جزء کی جگہ درجہ کا لفظ ذکر کیا ہے۔

لغوی توضیح فَذٌّ تنہا اور اکیلے کو کہتے ہیں اس کی جمع فُذوذ آتی ہے۔ نیز یہاں جزء اور درجہ ایک ہی معنی میں ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے باجماعت نماز کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ باجماعت نماز کو منفرد کی نماز سے پہلی حدیث میں

391- [ضعيف : ضعيف ترمذی، ترمذی (٤٧٣) كتاب الصلاة : باب ما جاء فی صلاة الضحى، ابن ماجه (١٣٨٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن شواہد کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

392- [ابن حبان (٦٣٠-الموارد) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند مرسل ہے۔]

393- [بخاری (٦٤٥) كتاب الأذان : باب فضل صلاة الجماعة، مسلم (٦٥٠) ترمذی (٢١٥) ابن ماجه (٧٨٩) نسائی (١٠٣/٢) احمد (٦٥/٢) مالك (١٢٩/١) دارمی (١٢٧٧)]

394- [بخاری (٦٤٨) كتاب الأذان : باب فضل صلاة الفجر في جماعة، مسلم (٦٤٩) ترمذی (٢١٦) ابن ماجه (٧٨٧) نسائی (١٠٣/٢) احمد (٤٧٣/٢) مالك (١٢٩/١) دارمی (١٢٧٦)]

395- [بخاری (٦٤٦) كتاب الأذان : باب فضل صلاة الجماعة، ابن ماجه (٧٨٨)]

ستائیس گنا اور دوسری میں پچیس گنا افضل کہا گیا ہے۔ ستائیس اور پچیس کے باہم متفاوت اعداد کے متعلق اہل علم کا کہنا ہے کہ ممکن ہے پہلے آپ ﷺ نے پچیس گنا فضیلت بتائی ہو اور پھر ستائیس گنا بتا دی ہو' بعض نے کہا ہے کہ ان اعداد میں کوئی منافات نہیں کیونکہ پچیس ستائیس میں داخل ہی ہے' بعض نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ یہ فرق مسجد کے قرب و بعد کی وجہ ہو سکتا ہے یعنی جو نزدیک سے آئے اسے پچیس گنا اور جو دور سے آئے اسے ستائیس گنا ثواب ملے' اسی طرح بعض نے اس فرق کو خشوع خضوع کے فرق پر محمول کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اُن حضرات کی دلیل ہے جو باجماعت نماز کو غیر واجب کہتے ہیں کیونکہ اس میں منفرد کی نماز کو بھی جائز و قابل قبول اور باعث اجر و ثواب کہا گیا ہے (اگرچہ اس کا درجہ جماعت کی نماز سے کم ہی ہے)۔

باجماعت نماز کے حکم میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے اسے سنت مؤکدہ' امام شافعیؒ نے فرض کفایہ اور امام احمدؒ اور اہل ظاہر نے اسے فرض عین کہا ہے۔ (٤٩٥) امام شوکانیؒ نے بھی سنت مؤکدہ کہنے والوں کی ہی تائید و توثیق فرمائی ہے۔ (٤٩٦) جبکہ امام ابن تیمیہؒ نے اسے فرض عین یا فرض کفایہ کہا ہے۔ (٤٩٧) امام ابن قیمؒ نے باجماعت نماز چھوڑنے کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ (٤٩٨) اسی طرح حافظ ابن حجرؒ (٤٩٩)، امام ابن حزمؒ (٥٠٠)، امام صنعانیؒ (٥٠١)، علامہ عینیؒ (٥٠٢)، علامہ البانیؒ (٥٠٣) اور شیخ عبدالعزیز بن بازؒ (٥٠٤) نے بھی باجماعت نماز کو فرض ہی کہا ہے۔

جن حضرات نے باجماعت نماز کو فرض عین کہا ہے ان کے دلائل میں سے ایک تو آئندہ حدیث ہے' دوسری اور تیسری دلیل آئندہ حدیث نمبر 398 اور 399 ہے (کہ جن میں اذان سننے والے پر مسجد میں حاضر ہونا لازم قرار دیا گیا ہے) اور جنہوں نے اسے غیر واجب کہا ہے انہوں نے آئندہ حدیث نمبر 400 سے استدلال کیا ہے کہ جس میں ہے کہ دو آدمی اپنے گھر میں نماز پڑھ کے آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تھی تو دوبارہ پڑھ لیتے اور یہ تمہارے لیے نفل بن جاتی۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی گھر میں پڑھی ہوئی نماز کو صحیح قرار دیا ہے اسی لیے تو دوبارہ نماز کو نفل کہا ہے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باجماعت نماز پڑھنا فرض نہیں۔ ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں وجوب کے قائل حضرات کے دلائل قوی ہیں۔ (واللہ اعلم)

واضح رہے کہ عورتوں پر مسجد میں حاضر ہو کر نماز پڑھنا ضروری نہیں بلکہ ان کے لیے گھر میں نماز پڑھنا ہی افضل ہے' لیکن اگر وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا چاہیں تو اس کا جواز بہرحال موجود ہے (بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو)۔ (٥٠٥)

---

(٤٩٥) [تحفة الأحوذی (٦٥٩/١) نیل الأوطار (٣٦٦/٢) المهذب (٩٣/١) اللباب (٨٠/١) بداية المجتهد (١٣٦/١) المجموع (٨٨/٤) مغنی المحتاج (٢٢٩/١) المغنی (١٧٦/٢)]

(٤٩٦) [السيل الجرار (٢٤٥/١)]

(٤٩٧) [الفتاوى الكبرى (١٢٥/١)]

(٤٩٨) [القول المبين فی أخطاء المصلين (ص/٢٨٠)]

(٤٩٩) [فتح الباری (٥/٣)]

(٥٠٠) [المحلى بالآثار (١٠٤/٣)]

(٥٠١) [سبل السلام (٥٠٦/٢)]

(٥٠٢) [عمدة القاری (١٥٩/٥)]

(٥٠٣) [تمام المنة (ص/٢٧٥)]

(٥٠٤) [فتاوی ابن باز مترجم (٩٥/١)]

(٥٠٥) [بخاری (٨٦٥) كتاب الأذان : باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس' مسلم (٤٤٢) أحمد (٧/٢) عبدالرزاق (٥١٠٧) حميدی (٦١٢) دارمی (٢٩٣/١) بيهقی (١٣٢/٣) شرح السنة (٨٦٣)]

396- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں پھر نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں پھر کسی آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر میں خود ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان پر ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو یہ علم ہو جائے کہ وہ خوب گوشت والی ہڈی یا دو اچھے بکری کے کھر ہی پالے گا تو وہ (ضرور) عشاء میں حاضر ہو۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

لغوی توضیح هَمَمْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب هَمَّ يَهُمُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "ارادہ کرنا"۔ حَطَب خشک لکڑی کو کہتے ہیں۔ فَيُحْتَطَب فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب اِحْتَطَبَ يَحْتَطِبُ (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے "لکڑیاں جمع کرنا"۔ فَأُحَرِّق فعل مضارع کا صیغہ ہے باب حَرَّقَ يُحَرِّقُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "جلا ڈالنا"۔ عَرْقًا اس ہڈی کو کہتے ہیں جس پر ابھی کچھ گوشت باقی ہو۔ سَمِينًا موٹے تازے کو کہتے ہیں اور مِرْمَاتَيْن مِرْمَاة سے تثنیہ ہے اس کا معنی ہے "بکری کے کھر"۔

فهم الحديث اس حدیث سے اُن حضرات نے استدلال کیا ہے جو با جماعت نماز کو فرض عین کہتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگر یہ سنت ہوتی تو آپ ﷺ اس طرح اسے چھوڑنے والے کو جلانے کی وعید نہ سناتے اور اگر یہ فرض کفایہ ہوتی تو فرض کفایہ کچھ افراد کے ادا کرنے سے کافی ہو جاتا ہے جبکہ وہاں کچھ افراد تو جماعت میں موجود تھے پھر بھی آپ نے نہ آنے والوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص پر نماز کے لیے مسجد میں آنا فرض عین ہے۔ اس کے برخلاف جن حضرات نے باجماعت نماز کو غیر واجب اور سنت مؤکدہ کہا ہے انہوں نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ محض آپ ﷺ نے لوگوں کو ڈرانے کے لیے فرمایا تھا، اگر واقعی جماعت چھوڑنا کبیرہ گناہ اور فرض عین ہوتا تو پھر آپ نے ان میں سے کسی کے بھی گھر کو جلایا کیوں نہیں۔

397- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ: صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "منافقین پر دو نمازیں سب سے زیادہ بوجھل ہیں؛ نماز عشاء اور نماز فجر اور اگر انہیں علم ہو جائے کہ ان میں حاضر ہونے کا کتنا اجر ہے تو وہ

396- [بخاری (٦٤٤) كتاب الأذان: باب وجوب صلاة الجماعة، مسلم (٦٥١) ابو داود (٥٤٨-٥٤٩) ترمذی (٢١٧) ابن ماجه (٧٩١) نسائی (١٠٧/٢) احمد (٢٤٤/٢) مالك (١٢٩/١) دارمی (١٢٧٤) ابن خزيمة (١٤٨١)]

397- [بخاری (٦٥٧) كتاب الأذان: باب فضل العشاء فی الجماعة، مسلم (٦٥١)]

مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ ضرور ان میں حاضر ہوں خواہ اپنی پشت پر گھسٹ کر ہی۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حَبْوًا کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک پشت پر گھسٹنا اور دوسرا بچوں کی طرح گھٹنوں پر گھسٹنا۔

فہم الحدیث منافقین پر ویسے تو تمام نمازیں ہی بوجھل ہیں (جیسا کہ قرآن میں ہے کہ "یہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی اور سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔" [النساء : ١٤٢]) البتہ یہ دو نمازیں اس لیے زیادہ بوجھل ہیں کیونکہ عشاء کا وقت آرام کا ہوتا ہے کہ جب انسان سارے دن کی محنت کے بعد تھکا ہوا گھر کو واپس لوٹتا ہے اور صبح کے وقت شیطان نے ان پر نیند کا غلبہ ڈال رکھا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے مذکورہ دونوں نمازیں باجماعت ادا کرنے کی عظیم فضیلت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اگر ان منافقین کو ان کے اجر کا علم ہو جائے تو انہیں زمین پر پشت کے بل گھسٹ کر بھی مسجد میں آنا پڑے تو پھر بھی ضرور آئیں۔

398- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ أَعْمَى فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ فَرَخَّصَ لَهُ ، فَلَمَّا وَلَّى ، دَعَاهُ ، فَقَالَ : ((هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ؟)) قَالَ : نَعَمْ قَالَ : ((فَأَجِبْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک اندھا آدمی آیا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے مسجد تک لے جائے۔ تو آپ ﷺ نے اسے (گھر میں نماز پڑھنے کی) رخصت دے دی' لیکن جب وہ واپس پلٹا تو آپ نے اسے بلایا اور کہا "کیا تم اذان سنتے ہو؟" اس نے کہا' ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "پھر اس کا جواب دو (یعنی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرو)۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَعْمَى اندھے آدمی کو کہتے ہیں (یہاں مراد حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں)۔ قَائِد قیادت سے ماخوذ ہے' یہ ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی منزل تک پہنچنے میں دوسروں کی رہنمائی کرے۔ وَلّٰی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب وَلّٰی یُوَلِّی (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "پھرنا' واپس پلٹنا"۔

فہم الحدیث یہ حدیث اُن حضرات کے دلائل میں سے ہے جن کا مؤقف ہے کہ ہر اذان سننے والے پر مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا فرض عین ہے' کیونکہ جب آپ ﷺ نے نابینا شخص کو بھی اذان سننے کے بعد گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی تو جو بینا ہے اس کے لیے مسجد میں پہنچنا تو بالاولیٰ لازم ہے۔ لیکن جن کے نزدیک باجماعت نماز سنت مؤکدہ ہے انہوں نے اس حدیث کو محض تاکید پر محمول کیا ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باجماعت نماز اسی پر لازم ہے جو اذان سنتا ہے اور جو (مسجد سے دور دراز کسی علاقے میں ہونے کی وجہ سے) اذان نہیں سنتا اس پر مسجد میں پہنچنا اگرچہ بہتر تو ہے مگر لازم نہیں اور اس کی نماز گھر میں بھی درست ہے۔ نیز آپ ﷺ کے نابینا شخص کو جماعت چھوڑنے کی رخصت دینے اور پھر اس سے رجوع کر لینے میں یہ احتمال ہے کہ اسی وقت آپ ﷺ پر (فرضیت جماعت سے متعلق) وحی نازل ہوئی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اجازت دینے کے بعد آپ ﷺ کا اجتہاد تبدیل ہو گیا ہو اور آپ نے اسے روک دیا ہو۔ (واللہ اعلم)

398- [مسلم (٦٥٣) كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء' نسائي (١٠٩/٢) بيهقي (٥٧/٣)]

399- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَ إِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، لٰكِنْ رَجَّحَ بَعْضُهُمْ وَقْفَهُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" جس نے اذان سنی اور وہ (نماز کے لیے مسجد میں) نہ آیا تو سوائے کسی عذر و مجبوری کے اس کی نماز نہیں ہوتی۔" [اسے ابن ماجہ، دارقطنی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے لیکن بعض نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔]

فهم الحديث یہ حدیث بھی اُن حضرات کی دلیل ہے جنہوں نے با جماعت نماز کو فرض عین کہا ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عذر و مجبوری ہو (مثلاً انسان بیمار ہو یا قضائے حاجت میں معروف ہو (٥٠٦) یا اسے سخت بھوک لگی ہو (٥٠٧) یا شدید بارش ہو رہی ہو (٥٠٨) یا دشمن کا خوف ہو وغیرہ وغیرہ) تو پھر اس کی نماز گھر میں درست ہے بصورت دیگر نہیں۔

400- وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، إِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ لَمْ يُصَلِّيَا، فَدَعَا بِهِمَا، فَجِيءَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا، فَقَالَ لَهُمَا: ((مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟)) قَالَا: قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا، قَالَ: ((فَلَا تَفْعَلَا، إِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ أَدْرَكْتُمَا الْإِمَامَ وَ لَمْ يُصَلِّ فَصَلِّيَا مَعَهُ، فَإِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ اللَّفْظُ لَهُ وَالثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو آپ کی نظر دو ایسے آدمیوں پر پڑی جنہوں نے (آپ کے ساتھ) نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے ان دونوں کو بلوایا تو انہیں آپ کے پاس لایا گیا (آپ ﷺ سے خوف کی وجہ سے) وہ کانپ رہے تھے' آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم دونوں کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کون سی چیز مانع تھی؟ انہوں نے عرض کیا' ہم اپنے گھروں میں (یہ) نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" ایسا نہ کرو جب تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے ہو پھر تم امام کو پاؤ اور اس نے ابھی نماز نہ پڑھی ہو تو اس کے ساتھ (دوبارہ) نماز پڑھ لو اور یہ (بعد والی) نماز تمہارے لیے نفل بن جائے گی۔" [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ انہی کے ہیں' اس کے علاوہ تینوں نے بھی اسے روایت کیا ہے' نیز ابن حبان اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

399- [صحیح: صحیح ابن ماجه' ابن ماجه (٧٩٣) كتاب المساجد والجماعات: باب التغليظ في التخلف عن الجماعة' ابو داود (٥٥١) ابن حبان (٢٠٦٤) دارقطنی (٤٢٠/١) حاكم (٢٤٥/١) بيهقی (٧٥/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

400- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٥٧٥-٥٧٦) كتاب الصلاة: باب فيمن صلى في منزله ثم أدرك الجماعة يصلي معهم' ترمذی (٢١٩) نسائی (١١٢/١) احمد (١٦٠/٢) ابن حبان (١٥٦٤) دارمی (١٣٦٧) دارقطنی (٤١٣/١) حاكم (٢٤٤/١) ابن خزيمة (١٢٧٩) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٥٠٦) [مسلم (٧٨/٢) مسند احمد (٤٣/٦)] (٥٠٧) [بخاری (١٧١/١-١٧٢)]
(٥٠٨) [بخاری (١٦٣/١) مسلم (١٤٧/٢) ابو داود (١٠٦٥) ترمذی (٤٠٩)]

لغوی توضیح تَرْعَدُ کا معنی ہے "کانپنا"۔ فَرَائِص جمع ہے فَرِيْصَة کی یہ اس گوشت کو کہتے ہیں جو کندھے اور پہلو کے درمیان ہوتا ہے۔ الرِّحَال جمع ہے الرحل کی اس سے مراد "رہائش گاہ" ہے۔

فہم الحدیث باجماعت نماز کو غیر واجب کہنے والوں کے دلائل میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ اس حدیث میں ان کا محل استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے گھر میں نماز پڑھنے والوں سے یہ نہیں فرمایا کہ گھر میں تو تمہاری نماز ہوئی نہیں دوبارہ فرض ادا کرو بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا دوبارہ اگر جماعت مل جائے تو نماز پڑھ لیا کرو اور بعد والی نفل بن جائے گی جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ پہلے والی فرض نماز (جو انہوں نے گھر میں پڑھی تھی) صحیح ادا ہو چکی ہے۔ لیکن واجب کہنے والوں نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ باجماعت نماز اس پر واجب ہے جس نے اذان سنی ہو اور یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ ان کے گھر مسجد سے دور ہوں اور انہوں نے اذان ہی نہ سنی ہو۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے نماز ادا کر چکا ہو اور پھر اسے وہی نماز جماعت کے ساتھ مل جائے تو اسے دوبارہ وہ نماز ادا کر لینی چاہیے خواہ وہ کوئی بھی نماز ہو۔ امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ صرف ظہر اور عشاء کی نماز دوبارہ پڑھی جا سکتی ہے فجر اور عصر اس لیے نہیں کیونکہ ان کے بعد نماز سے منع کیا گیا ہے اور مغرب اس لیے نہیں کیونکہ وہ دن کی طاق نماز ہے اگر اسے دوبارہ پڑھ لیا گیا تو وہ جفت بن جائے گی۔ امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے مؤقف کے خلاف ظاہر ہے۔ (۵۰۹)
نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرض پڑھانے والے امام کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی نماز درست ہے۔

401- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَلَا تُكَبِّرُوا حَتَّى يُكَبِّرَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَلَا تَرْكَعُوا حَتَّى يَرْكَعَ، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَلَا تَسْجُدُوا حَتَّى يَسْجُدَ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعِينَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَهَذَا لَفْظُهُ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے لہٰذا جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور تم اللہ اکبر نہ کہو جب تک وہ اللہ اکبر نہ کہے اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور تم رکوع نہ کرو جب تک وہ رکوع نہ کرے اور جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تو تم اللهم ربنا لك الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور تم سجدہ نہ کرو جب تک وہ سجدہ نہ کرے اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھو۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ اسی کے لفظ ہیں اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔]

لغوی توضیح لِيُؤْتَمَّ مشتق ہے باب ائْتَمَّ يَأْتَمُّ سے اس کا معنی ہے "اقتداء و پیروی کرنا"۔

401- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۶۰۳) کتاب الصلاة: باب الإمام يصلي من قعود، احمد (۳۱۴/۲) مزید دیکھئے: بخاری (۷۲۲) مسلم (۴۱۴) ابن ماجه (۸۴۶) نسائی (۱۹۶/۲) بیهقی (۷۹/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(۵۰۹) [سبل السلام (۵۹/۲)]

فهم الحدیث اس حدیث میں یہ ثبوت موجود ہے کہ امام کی پیروی واجب ہے۔ پیروی پیچھے پیچھے آنے کو کہتے ہیں یعنی نہ تو امام سے پہل کرنا جائز ہے اور نہ ہی بہت زیادہ تاخیر۔ امام سے پہل کرنے والے کے بارے میں ایک روایت میں سخت وعید موجود ہے' آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا ایسا شخص جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے اس بات سے ڈرتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر نہ بنا دے۔''(۵۱۰) لیکن یہ یاد رہے کہ اگر امام بھول کر یا جان بوجھ کر نماز کے منافی کوئی کام کرے مثلاً بولنا شروع کر دے' چل پڑے' لیٹ جائے یا دائیں بائیں دیکھنے لگے وغیرہ تو ایسے مبطلِ صلاۃ افعال میں امام کی اقتداء جائز نہیں۔ جمہور اہل علم اسی کے قائل ہیں۔(۵۱۱) علاوہ ازیں بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مقتدی کچھ نہ کہے اور جب مقتدی ربنا لک الحمد کہے تو امام کچھ نہ کہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہی مؤقف اپنایا ہے مگر امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ امام' مقتدی اور منفرد (سب) دونوں کلمات کہیں گے (۵۱۲) اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نماز پڑھاتے ہوئے دونوں کلمات ہی کہا کرتے تھے (یہی مؤقف راجح ہے)۔(۵۱۳)

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے۔ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ شافعیہ' احناف اور اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔(۵۱۴) انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دائیں طرف آپ ﷺ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔(۵۱۵) ہمارے علم کے مطابق یہی دوسرا مؤقف راجح ہے کہ (بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر نماز پڑھنا) دونوں طرح ہی جائز ہے۔ البتہ (بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے) بیٹھ کر ہی نماز پڑھنا افضل ضرور ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ امام ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔(۵۱۶)

402- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا، فَقَالَ: ((تَقَدَّمُوا فَأْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو پیچھے ہٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ''آگے آ جاؤ اور میری اقتداء کرو اور تمہارے پیچھے والے تمہاری اقتداء کریں۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

402- [مسلم (٤٣٨) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها' ابو داود (٦٨٠) ابن ماجة (٩٧٨) نسائی (٨٣/٢) احمد (١٩/٣) ابن خزيمة (١٦١٢) بيهقی (١٠٣/٣)]

(٥١٠) [بخاری (٦٩١) كتاب الأذان : باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام' مسلم (٤٢٧) أبو عوانة (١٣٧/٢) أبو داود (٦٢٣) نسائی (٩٦/١) ترمذی (٥٨٢) ابن ماجة (٩٦١) دارمی (٣٠٢/١) أحمد (٢٦٠/٢)]

(٥١١) [المسوى (١٧٣/١)]

(٥١٢) [الأم (٢٢٠/١) شرح المهذب (٢٥٢/٣) الحاوی للماوردی (١٢٣/٢) المبسوط (٢٠/١) الكافی لابن عبدالبر (٤٣-٤٤) كشاف القناع (٣٤٨/١) نيل الأوطار (٨٨/٢)]

(٥١٣) [بخاری (٧٨٩) كتاب الأذان : باب التكبير إذا قام من السجود' مسلم (٢٨) أبو داود (٧٣٨) نسائی (٢٣٣/٢) ابن حبان (١٧٦٧) بيهقی (٦٧/٢)]

(٥١٤) [بداية المجتهد (١٥٢/١) المغنی (٤٨/٢) التاج المذهب (١١١/١) الخرشی علی مختصر سيدی خليل (٢٤/٢) المجموع (٢٦٤/٤)]

(٥١٥) [بخاری (٦٨٣)]

(٥١٦) [الإحكام فی أصول الأحكام لابن حزم (٤٦٩/١)]

فهم الحديث اس حدیث سے ایک تو پہلی صف کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر پچھلی صفوں والے امام کو دیکھ کر اس کی اقتداء نہ کر سکتے ہوں تو اپنے سے اگلی صف والوں کو دیکھ کر ان کی اقتداء کریں۔ نیز اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اگر انسان کو خود کسی مسئلے کا علم نہ ہو تو اسے اہل علم کو پوچھ لینا چاہیے۔

403- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: احْتَجَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حُجْرَةً بِخَصَفَةٍ فَصَلَّى فِيهَا، فَتَتَبَّعَ إِلَيْهِ رِجَالٌ، وَجَاءُوا يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ. الْحَدِيثَ، وَفِيهِ: ((أَفْضَلُ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چٹائی کا ایک حجرہ سا بنا لیا اور اس میں نماز پڑھنے لگے، لوگ آپ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے اور آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ "فرض نماز کے سوا مرد کی نماز اپنے گھر میں افضل ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اِحْتَجَرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِحْتَجَرَ يَحْتَجِرُ (بروزن افتعال) سے، اس کا معنی ہے "حجرہ نما کوئی چیز بنا لینا"۔ خَصَفَة چٹائی کو کہتے ہیں۔ تَتَبَّعَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَتَبَّعَ يَتَتَبَّعُ (بروزن تفعّل) سے، اس کا معنی ہے "تلاش کرنا"۔

فهم الحديث یہ رمضان کا واقعہ ہے اور آپ ﷺ اس طرح رات کے وقت کیا کرتے تھے تاکہ دوسروں کو جگہ کی تنگی کے باعث تکلیف نہ ہو۔ اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز کی جماعت درست ہے اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

404- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى مُعَاذٌ بِأَصْحَابِهِ الْعِشَاءَ فَطَوَّلَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أَتُرِيدُ أَنْ تَكُونَ يَا مُعَاذُ فَتَّانًا؟ إِذَا أَمَمْتَ النَّاسَ فَاقْرَأْ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو نماز عشاء پڑھائی اور اسے لمبا کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اے معاذ! کیا تو (نمازیوں کو) فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟ جب تو لوگوں کو امامت کرائے تو والشمس وضحاها، سبح اسم ربك الأعلى، اقرأ باسم ربك اور والليل إذا يغشى پڑھا کر۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح فَتَّانًا مبالغے کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے "فتنہ میں مبتلا کرنے والا"۔ أَمَمْتَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَمَّ يَؤُمُّ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے "امامت کرانا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو نماز میں تخفیف کرنی چاہیے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز عشاء کو اتنا طویل کیا کہ پہلی رکعت میں پوری سورۂ بقرہ اور دوسری میں پوری سورۂ نساء پڑھ ڈالی۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں نماز میں

403- [بخاری (۷۳۱) کتاب الأذان: باب صلاة الليل، مسلم (۷۸۱) ابو داود (۱۴۴۷) ترمذی (۴۵۰) نسائی (۱۹۷/۳) احمد (۱۸۲/۵) ابن خزیمة (۱۲۰۳)]

404- [بخاری (۷۰۰) کتاب الأذان: باب إذا طول الإمام وكان للرجل حاجة، مسلم (۴۶۵) ابو داود (۷۹۰-۷۹۱) نسائی (۹۹۷/۲) احمد (۲۹۹/۳)]

اتنی زیادہ طوالت سے روک دیا۔ یہاں یہ یاد رہے کہ نماز میں تخفیف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نماز کے ارکان وفرائض کو ہی مکمل اطمینان اور خشوع وخضوع سے ادا نہ کیا جائے بلکہ تخفیف سے مراد قراءت میں زیادہ طوالت' رکوع وسجود اور تشہد میں بہت زیادہ طویل اذکار ودعاؤں سے اجتناب ہی ہے۔ البتہ اگر انسان اکیلا ہو تو جتنی چاہے طویل نماز پڑھے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 406 میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نماز میں تخفیف بھی فرماتے تھے اور مکمل خشوع وخضوع کا بھی اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ہلکی مگر مکمل (خشوع وخضوع والی) نماز پڑھنے والا ہو۔ (٥١٧) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نفل پڑھانے والے امام کے پیچھے فرض پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز درست ہے' کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز عشاء پہلے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھتے تھے اور پھر اپنے علاقے کی مسجد میں جا کر وہی نماز عشاء لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ وہ چونکہ اپنی فرض نماز پہلے پڑھ چکے ہوتے تھے اس لیے ان کی نماز نفل ہوتی تھی اور ان کے مقتدیوں کی فرض۔ اس مؤقف کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد سے واپس لوٹتے تو ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔ (٥١٨) امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ نفل کے پیچھے فرض نماز درست نہیں کیونکہ اس میں امام اور مقتدی کی نیت ایک نہیں' ان کا مؤقف ایک کمزور روایت پر مبنی ہے۔ (٥١٩) لہٰذا پہلا (امام شافعیؒ وغیرہ کا) مؤقف ہی راجح ہے کہ نفل کے پیچھے فرض نماز درست ہے۔ امام شوکانیؒ (٥٢٠)، امام ابن حزمؒ (٥٢١) اور نواب صدیق حسن خانؒ (٥٢٢) بھی اسی کے قائل ہیں۔

405- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ـ فِيْ قِصَّةِ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ وَهُوَ مَرِيْضٌ۔ قَالَتْ : ((فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِيْ بَكْرٍ، فَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ جَالِسًا وَأَبُوْبَكْرٍ قَائِمًا، يَقْتَدِيْ أَبُوْ بَكْرٍ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَيَقْتَدِي النَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِيْ بَكْرٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی اُس نماز کے متعلق روایت ہے جو آپ نے بیماری کی حالت میں لوگوں کو پڑھائی تھی' وہ بیان کرتی ہیں کہ آپ تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ آپ لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی۔ [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث نبی کریم ﷺ نے حالت مرض میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا لیکن جب دورانِ نماز ہی آپ ﷺ نے کچھ نشاط وچستی محسوس کی تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اس سے

405- [بخاری (٧١٣) كتاب الأذان : باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم' مسلم (٤١٨) ابن ماجه (١٢٣٢) أحمد (٩٦/٦) بيهقي (٨٢/٣)]

(٥١٧) [بخاری (٧٠٨) مسلم (٤٦٩)]
(٥١٨) [أخرجه الإسماعيلي كما في تلخيص الحبير (٣٨/٢)]
(٥١٩) [كشف الأستار للبزار (٤٧٤) المجمع (٨١/٢)] یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم کی راوی ضعیف ہے۔ [تقريب التهذيب (ص/١٤٤)]
(٥٢٠) [نيل الأوطار (٤٢٨/٢) السيل الجرار (٢٥٣/١)]
(٥٢١) [المحلى بالآثار (١٤١/٣)]
(٥٢٢) [الروضة الندية (٣١٣/١)]

معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ امام تھے کیونکہ آپ امام کی جگہ پر آ کر بیٹھے تھے (اور امام نماز میں مقتدی کے بائیں جانب کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ یہ دوسری احادیث سے ثابت ہے)۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے (اس مسئلے کا تفصیلی بیان گزشتہ حدیث نمبر 401 کے تحت گزر چکا ہے)۔ یہ بھی پتہ چلا کہ امام کے دائیں جانب مقتدی کھڑا ہو سکتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دورانِ نماز بھی امامت کی نیت کی جا سکتی ہے۔

406- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ، فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو امامت کرائے تو تخفیف کرے کیونکہ ان میں بچے، بوڑھے، کمزور اور ضرورت مند بھی ہیں، البتہ جب اکیلا نماز پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔'' [بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے لیے نماز میں تخفیف کرنا مستحب ہے اور اکیلے شخص کو حسب توفیق جتنی چاہے لمبی نماز پڑھنے کی اجازت ہے (بشرطیکہ وہ دیگر واجبات کی ادائیگی بھی کرے)۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام ایسے اُمور میں بوڑھوں اور کمزور لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے جن میں صحت مند اور طاقتور لوگ ان کے ساتھ شریک ہوں۔

407- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَبِي: جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ حَقًّا، فَقَالَ: ((إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا)) قَالَ: فَنَظَرُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ مِنِّي قُرْآنًا، فَقَدَّمُونِي وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِينَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے (اپنی قوم سے) کہا، میں تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حق لے کر آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان دے اور تمہاری امامت وہ کرائے جو قرآن مجید کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔'' پس انہوں نے نظر دوڑائی تو مجھ سے زیادہ قرآن کو جاننے والا انہیں کوئی نہ ملا تو انہوں نے مجھے (امامت کے لیے) آگے کر دیا اور اس وقت میری عمر چھ یا سات برس تھی۔ [اسے بخاری، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ امامت کا سب سے زیادہ مستحق شخص وہ ہے جو قرآن کا زیادہ حافظ ہو۔ البتہ اگر حفظ القرآن میں زیادہ لوگ برابر ہوں تو پھر وہ زیادہ مستحق ہو گا جو سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر اس میں بھی لوگ برابر ہوں تو پھر وہ مستحق ہو گا جس نے ہجرت پہلے کی ہو اور اگر اس میں بھی لوگ برابر ہوں تو وہ مستحق ہو گا جس نے پہلے اسلام

406- [بخاری (٧٠٣) كتاب الأذان: باب إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء، مسلم (٤٦٧) ابو داود (٧٩٤) ترمذی (٢٣٦) نسائی (٩٤/٢) احمد (٢٥٦/٢) مالك (١٣٤/١) ابن حبان (١٧٦٠) بیهقی (١١٧/٣)]

407- [بخاری (٤٣٠٢) كتاب المغازی: باب وقال الليث حدثنی یونس ...... ، ابو داود (٥٨٥) نسائی (٩/٢) احمد (٤٧٥/٣) ابن الجارود (٣٠٩) ابن خزیمة (١٥١٢)]

(٥٢٣) [نيل الأوطار (٤١٣/٢)]

قبول کیا ہو یا جو زیادہ عمر رسیدہ ہو (جیسا کہ اس کا بیان آئندہ حدیث میں ہے)۔ امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ قرآن کے بڑے عالم کو قرآن کے زیادہ فقیہ پر ترجیح دی جائے گی جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا موقف ان کے برعکس ہے۔ (٥٢٣) پہلا موقف حدیث کے زیادہ قریب ہونے کی بنا پر راجح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ (٥٢٤) اور امام شوکانیؒ (٥٢٥) اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ (٥٢٦) اسی کے قائل ہیں۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کم سن بچے کی امامت درست ہے۔ امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام مالکؒ نے اسے مکروہ کہا ہے اور امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ بچے کی امامت نوافل میں کفایت کرتی ہے فرائض میں نہیں۔ (٥٢٧) امام شافعیؒ کا قول ہی راجح ہے۔

408- وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا - وَفِي رِوَايَةٍ: سِنًّا - وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگوں کو امامت وہ کرائے جو قرآن کا زیادہ عالم ہو اور اگر اس میں لوگ برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو سنت کا زیادہ عالم ہو اور اگر اس میں بھی لوگ برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو ہجرت میں مقدم ہو اور اگر اس وصف میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ امام بنے جس نے اسلام پہلے قبول کیا ہو۔ اور ایک روایت میں اسلام کی جگہ عمر کا لفظ ہے (یعنی اگر ان اوصاف میں سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو وہ امامت کرائے) اور کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے دائرہ اقتدار میں امامت نہ کرائے اور نہ ہی کسی کے گھر میں اس کی مخصوص نشست پر بغیر اجازت بیٹھے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح سِلْمًا سے اسلام' سُلْطَانِهِ سے کسی کی سلطنت یعنی دائرہ اقتدار اور تَكْرِمَةٌ سے کسی کا وہ بستر یا تکیہ مراد ہے جو اس کے لیے خاص ہو اور کسی اور کے لیے اس پر بلا اجازت بیٹھنا درست نہ ہو۔

فهم الحديث اس حدیث میں بالترتیب امامت کے مستحق افراد کا ذکر ہے' اس کا مزید بیان گزشتہ حدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔ کسی کے دائرہ اقتدار سے مراد اس کا گھر' دفتر' مسجد یا مدرسہ وغیرہ ہر وہ جگہ ہو سکتی ہے جہاں اس کا حکم واجب التعمیل ہو اور وہ وہاں کا نگران ہو۔ یہ بات یاد رہے کہ کسی کے گھر میں اس کی مخصوص نشست پر بیٹھنا اور کسی کے دائرہ اقتدار میں امامت کرانا اجازت کے ساتھ مشروط ہے یعنی اگر وہ اس کی اجازت دے دے تو دونوں کام جائز ہیں۔

408- [مسلم (٦٧٣) كتاب المساجد ومواضع الصلاة: باب من أحق بالإمامة' ابو داود (٥٨٢) ترمذى (٢٣٥) ابن ماجه (٩٨٠) نسائى (٧٦/٢) احمد (١١٨/٤) دارقطنى (٢٠٨/١) ابن خزيمة (١٥٠٧) بيهقى (١١٩/٣)]

(٥٢٤) [فتح البارى (٢٠١/٢)] (٥٢٥) [نيل الأوطار (٤١٣/٢)]

(٥٢٦) [تحفة الأحوذى (٣٧/٢)]

(٥٢٧) [فتح البارى (٤١٥/٢) نيل الأوطار (٤٢٥/٢) المجموع (١٤٤/٤) الأم (٢٩٥/١) رد المحتار (٣٢١/٢) المبسوط (١٨٠/١) المغنى (٧٠/٣) الهداية (٥٦/١)]

409- وَلِابْنِ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : ((وَلَا تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلًا وَلَا أَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا وَلَا فَاجِرٌ مُؤْمِنًا)) وَإِسْنَادُهُ وَاهٍ ۔

اور ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرائے اور نہ کوئی دیہاتی کسی مہاجر کا امام بنے اور نہ ہی کوئی گناہگار کسی مومن کی امامت کرائے۔'' [اس کی سند ضعیف ہے۔]

فهم الحديث مذکورہ روایت کمزور ہے اس لیے قابل عمل نہیں لہٰذا مہاجر کی نماز دیہاتی کے پیچھے اور مومن کی نماز فاجر کے پیچھے درست ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ ہر اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے جس کی اپنی نماز ہو جاتی ہے۔ (٥٢٨) البتہ افضل یہ ہے کہ امام پسندیدہ لوگوں میں سے ہو۔ (٥٢٩) تاہم یہ یاد رہے کہ مردوں کی نماز عورت کے پیچھے درست نہیں کیونکہ ایک تو شریعت میں اس کا کہیں ثبوت موجود نہیں' دوسرے یہ کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حکمران بنایا ہے (٥٣٠) تیسرے یہ کہ عورت کا دین و عقل دونوں ناقص ہیں (٥٣١) اور چوتھے یہ کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کر دے۔'' (٥٣٢) امام ابن حزمؒ (٥٣٣) اور شیخ عبد اللہ بن حمید (٥٣٤) نے کہا ہے کہ عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔ امام شوکانیؒ (٥٣٥) اور نواب صدیق حسن خانؒ (٥٣٦) بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 419 میں ہے۔

410- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اپنی صفوں کو مضبوطی سے ملاؤ' انہیں ایک دوسرے کے قریب رکھو اور اپنی گردنیں برابر برابر رکھو۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح رُصُّوا فعل امر کا صیغہ ہے باب رَصَّ يَرُصُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''(دیوار کی) ایک اینٹ کو دوسری کے ساتھ اس قدر مضبوطی سے ملانا کہ درمیان میں کوئی خلا باقی نہ رہے''۔ حَاذُوا بھی فعل امر کا صیغہ ہے باب حَاذَى يُحَاذِي (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے ''ایک دوسرے کے برابر ہونا''۔ الْأَعْنَاقِ عُنُق کی جمع ہے' اس کا معنی ''گردن'' ہے۔

409- [ضعيف : ضعيف ابن ماجه ' ابن ماجه (١٠٨١) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب في فرض الجمعة ' بيهقي (١١٩/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

410- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٦٦٧) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف ' نسائي (٩٢/٢) احمد (٢٦٠/٣) ابن حبان (٢١٦٦) ابن خزيمة (١٥٤٥) بيهقي (١٠٠/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(٥٢٨) [نيل الأوطار (٤٢٣/٢)]

(٥٢٩) [صحيح : صحيح أبو داود (٥٥٤) كتاب الصلاة : باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون ' أبو داود (٥٩٣)]

(٥٣٠) [النساء : ٣٤]

(٥٣١) [بخارى (٢٩٣) كتاب الحيض : باب ترك الحائض الصوم]

(٥٣٢) [بخارى (٧٠٩٩) كتاب الفتن : باب الفتنة التى تموج كموج البحر ' ترمذى (٢٢٦٢) نسائى (٢٢٧/٨) بيهقى (٩٠/٣) شرح السنة (٢٤٨٦) أحمد (٤٧/٥)]

(٥٣٣) [المحلى بالآثار (١٣٥/٣)]

(٥٣٤) [فتاوى المرأة المسلمة (٣١٩/١)]

(٥٣٥) [السيل الجرار (٢٥٠/١)]

(٥٣٦) [الروضة الندية (٣١٢/١)]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے باجماعت نماز کے لیے صفیں ملانا اور برابر برابر ہو کر کھڑے ہونا مستحب ہے۔ صفیں برابر کرنے کے متعلق بعض دیگر احادیث میں بھی تاکید موجود ہے جن میں سے چند یہ ہیں: (1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنی صفیں برابر کرو کیونکہ صفوں کو برابر کرنا نماز قائم کرنے کا حصہ ہے۔''(٥٣٧) (2) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صفوں کو سیدھا کرو' کندھوں کو برابر کرو' خلا کو پر کرو' اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ' شیطان کے لیے (صف میں) خالی جگہیں مت چھوڑو' جس نے صف کو ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائے اور جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسے کاٹے۔''(٥٣٨) (3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ سے پہلے ہماری طرف چہرہ کر کے فرماتے ''ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے مل جاؤ اور برابر ہو جاؤ۔''(٥٣٩) (4) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت ڈال دیں گے۔''(٥٤٠) (5) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں' میں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا (ان میں سے ہر) آدمی اپنا ٹخنا اپنے ساتھی کے ٹخنے کے ساتھ ملاتا تھا۔(٥٤١) (6) اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (باجماعت نماز میں) ہم میں سے (ہر) ایک اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ اور اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم کے ساتھ ملاتا تھا۔(٥٤٢) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صف بندی کا درس دیتا ہے اور یہ تربیت کرتا ہے کہ مسلمان پہلے نماز میں مل کر کھڑے ہوں اور پھر اسی طرح دشمن کے خلاف بھی چونا گچ دیوار بن کر ڈٹ جائیں۔ مگر افسوس آج اس انتہائی تاکیدی سنت پر بھی عمل ہر جگہ مفقود ہی نظر آتا ہے' غالباً یہی وجہ ہے کہ آج امہ اسلامیہ کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور ساری اسلامی دنیا اختلاف و انتشار کا شکار ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس قیمتی سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

411- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مردوں کی بہترین صف پہلی اور بدترین آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری اور بدترین پہلی ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

411- [مسلم (٤٤٠) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها' ابو داود (٦٧٨) ترمذى (٢٢٤) نسائى (٩٣/٢) ابن ماجه (١٠٠٠) دارمى (١٢٦٨) ابن خزيمة (١٥٦١) احمد (٣٣٦/٢)]

(٥٣٧) [بخارى (٧٢٣) كتاب الأذان : باب إقامة الصف من تمام الصلاة' مسلم (٤٣٣) أبو داود (٦٦٨) ابن ماجة (٩٩٣) أحمد (١٧٧/٣) ابن خزيمة (١٥٤٣) شرح السنة (٣٨٢/٢) بيهقى (١٠٠/٣) دارمى (٢٨٩/١)]

(٥٣٨) [صحيح : صحيح أبو داود (٦٢٠) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف' أبو داود (٦٦٦)]

(٥٣٩) [أحمد (٢٦٨/٣) مسلم (٤٣٣) أبو يعلى (٣٢٩١) عبدالرزاق (٢٤٢٧) أبو عوانة (٣٩/٢) بيهقى (٢١/٢)]

(٥٤٠) [مسلم (٤٣٦) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها...... ' أبو داود (٦٦٣) نسائى (٨٩/٢) ترمذى (٢٢٧) ابن ماجة (٩٩٤) أحمد (٢٧٠/٤) عبدالرزاق (٢٤٢٩) بيهقى (١٠٠/٣)]

(٥٤١) [بخارى : كتاب الأذان : باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم]

(٥٤٢) [بخارى : أيضا]

فهم الحديث مردوں کی پہلی صف اس لیے بہترین ہے کیونکہ پہلی صف کی فضیلت رسول اللہ ﷺ نے بطورِ خاص بیان فرمائی ہے' فرمایا ''اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے اجر کا علم ہو جائے' پھر وہ انہیں صرف قرعہ ڈال کر ہی حاصل ہو' تو وہ ضرور قرعہ ڈالیں۔''(٥٤٣) ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔''(٥٤٤) نیز اس لیے بھی اسے بہتر کہا گیا ہے کیونکہ اس میں انسان امام کے قریب ہوتا ہے' وعظ و نصیحت کے وقت کامل یکسوئی اختیار کرتا ہے اور عورتوں کے ساتھ اختلاط سے بھی بچا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ جبکہ آخری صف میں یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ عورتوں کی آخری صف کو اس لیے بہتر کہا گیا ہے کیونکہ ان کے حق میں پردہ اور مردوں کی نظروں سے دوری ہی بہتر ہے۔ یہ یاد رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب عورتیں مردوں کے پیچھے نماز پڑھیں اور جب عورتیں مردوں سے الگ کسی مقام پر نماز پڑھیں تو پھر ان کی پہلی صف بھی افضل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی صفوں کو ملائیں گی خواہ وہ مردوں کے ساتھ نماز پڑھ رہی ہوں یا انہوں نے الگ کہیں جماعت کا اہتمام کیا ہو۔

412- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ' فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ' فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تو میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا' آپ ﷺ نے پیچھے سے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی دائیں جانب کر لیا۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم دو افراد کے ساتھ جماعت منعقد ہو جاتی ہے۔ جمہور اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ مالکیہ اور حنفیہ کا کہنا ہے کہ اگر دونوں میں سے ایک بچہ ہو تو پھر جماعت درست نہیں (حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس وقت ابھی بچے تھے)۔(٥٤٥) امام نخعیؒ کا کہنا ہے کہ اگر مقتدی اکیلا ہو تو اسے بھی امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے لیکن اگر بعد میں کسی اور کے آنے سے پہلے ہی امام رکوع میں چلا جائے تو مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے (یہ مؤقف بھی مذکورہ صحیح حدیث کے خلاف ہے)۔(٥٤٦) راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے۔(٥٤٧) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوافل کی جماعت درست ہے اور یہ بھی کہ اگر دو آدمی جماعت کرا رہے ہوں تو امام بائیں جانب اور مقتدی دائیں جانب کھڑا ہو گا اور اگر غلطی سے مقتدی بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام اسے پکڑ کر دائیں جانب بھی کر سکتا ہے اور اسے چاہیے کہ وہ دائیں جانب ہو جائے' اتنا چلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ نماز کی اصلاح کے لیے ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں جبکہ امام احمدؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس مسئلے میں جمہور علما کا مؤقف ہی راجح ہے۔(٥٤٨)

412- [بخاری (٧٢٦) كتاب الأذان : باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام' مسلم (٧٦٣) ابو داود (٦١٠) ترمذی (٢٣٢) نسائی (١٠٤/٢) أحمد (٢٨٤/١) مالك (١٢١/١) طيالسي (٥٣٨) ابن خزيمة (١٥٣٣) بيهقي (٧/٣) ابن حبان (٢٠٧١)]

(٥٤٣) [مسلم (٦٦٠) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف وإقامتها]

(٥٤٤) [صحيح : صحيح أبو داود (٦١٨) كتاب الصلاة : باب تسوية الصفوف' أبو داود (٦٦٤)]

(٥٤٥) [سبل السلام (٥٨٧/٢) كشاف القناع (٥٣٢/١) المغني (١٧٨/١) الشرح الكبير (٣٢١/١)]

(٥٤٦) [موسوعة فقه إبراهيم النخعي (٦٥٩/٢)]

(٥٤٧) [دیکھئے: نيل الأوطار (٣٩٣/٢)]

(٥٤٨) [كما في توضيح الأحكام (٥٠٠/٢)]

413- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقُمْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ خَلْفَهُ، وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی میں اور ایک یتیم بچہ آپ ﷺ کے پیچھے اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے نماز کے لیے کھڑی ہوئیں۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فہم الحدیث حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ انہوں نے اپنے گھر پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا اہتمام کیا تھا، پس جب آپ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ میں تمہارے لیے نماز پڑھتا ہوں۔ (٥٤٩) اس حدیث سے بھی نفل نماز کی جماعت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر دو مرد ہوں (خواہ ایک بچہ ہی ہو کیونکہ یتیم کا لفظ نابالغ بچے پر ہی بولا جاتا ہے) تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور عورت (خواہ اکیلی ہی ہو) مردوں کے پیچھے صف بنائے گی۔ یعنی صف کی ترتیب یوں ہوں گی پہلے مردوں کی صفیں اور ان کے پیچھے عورتوں کی۔ بچوں کو مردوں کے پیچھے اور عورتوں کے آگے کھڑا کرنا ثابت نہیں جیسا کہ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ "نبی ﷺ مردوں کو بچوں کے آگے کھڑا کرتے اور بچوں کو ان کے پیچھے اور عورتوں کو بچوں کے پیچھے۔" (٥٥٠) علامہ البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث چونکہ ضعیف ہے اور اس معنی کی کوئی اور روایت مجھے نہیں ملی اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ بچوں کو مردوں کے ساتھ کھڑا کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ صف میں وسعت بھی ہو اور آپ ﷺ کے پیچھے ایک یتیم بچے کا انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا بھی اس مسئلے میں حجت ہے۔ (٥٥١)

414- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَزَادَ أَبُو دَاوُدَ فِيهِ: ((فَرَكَعَ دُونَ الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ))۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ رکوع میں تھے۔ تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری حرص میں اضافہ کرے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اس میں ابوداود نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] انہوں نے صف سے پیچھے ہی رکوع کر لیا پھر (حالتِ رکوع میں ہی) چلتے ہوئے صف میں شامل ہوئے۔

413- [بخاری (٧٢٧۔ ٨٦٠) کتاب الأذان: باب المرأة وحدها تکون صفا، مسلم (٦٥٨) ابو داود (٦١٢) ترمذی (٢٣٤) نسائی (٨٥/٢) احمد (١١٠/٣) ابن خزیمة (١٥٣٩) مالك (١٥٣/١)]

414- [بخاری (٧٨٣) کتاب الأذان: باب إذا رکع دون الصف، ابو داود (٦٨٣) نسائی (١١٨/٢) احمد (٣٩/٥) بیهقی (١٠٦/٣)]

(٥٤٩) [دیکھئے: توضیح الأحکام (٥٠١/٢)]

(٥٥٠) [ضعیف: ضعیف أبو داود (١٣٢) کتاب الصلاة: باب مقام الصبیان من الصف، أحمد (٣٤٥/٥) أبو داود (٦٧٧) یہ حدیث شہر بن حوشب راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔[المجروحین (٣٦١/١) میزان الاعتدال (٢٨٣/٢) تقریب التهذیب (٣٥٥/١) الجرح والتعدیل (٣٨٢/٤)]

(٥٥١) [تمام المنة (ص/٢٨٤)]

فهم الحديث اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی امام کے ساتھ رکوع میں مل جائے تو وہ رکعت کو پا لیتا ہے (خواہ اس نے فاتحہ نہ بھی پڑھی ہو) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ رکعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اگر اس حدیث میں دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں تو یہ بھی تو مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کی اس رکعت کو تسلیم کر لیا تھا (البتہ یہ احتمال ضرور موجود ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو فاتحہ کے بغیر رکعت نہ ہونے کا علم ہوا اور انہوں نے خود ہی اٹھ کر وہ رکعت پڑھ لی ہو اور بعد میں آپ ﷺ نے انہیں یہ فرمایا ہو)۔(۵۵۲) لہٰذا راجح مؤقف یہی ہے کہ فاتحہ پڑھے بغیر رکعت نہیں ہوتی۔ امام شوکانی ؒ(۵۵۳)، امام ابن حزم ؒ(۵۵۴) اور نواب صدیق حسن خان ؒ(۵۵۵) اسی کے قائل ہیں۔ تاہم یہ یاد رہے کہ جمہور علماء، ائمہ اربعہ(۵۵۶)، امام ابن قدامہ ؒ(۵۵۷)، علامہ عینی ؒ(۵۵۸)، علامہ البانی ؒ(۵۵۹)، سعودی مجلس افتاء(۵۶۰)، شیخ عبدالرحمٰن سعدی ؒ(۵۶۱) اور شیخ ابن باز ؒ(۵۶۲) وغیرہ کا یہی فتویٰ ہے کہ رکوع حاصل کر لینے والے کی رکعت ہو جاتی ہے۔

415- وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ [اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

416- وَلَهُ عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ)) ①۔ وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ فِي حَدِيثِ وَابِصَةَ : ((أَلَا

اور ابن حبان میں ہی حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔“ طبرانی نے وابصہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ (آپ ﷺ نے اس آدمی

415- [صحيح : صحيح ابو داود 'ابو داود (٦٨٢) كتاب الصلاة : باب الرجل يصلي وحده خلف الصف ' ترمذي (٢٣٠-٢٣١) ابن ماجه (١٠٠٤) احمد (٢٢٨/٤) ابن حبان (٤٠٣-الموارد) طبراني (١٤٢/٢٢) بيهقي (١٠٤/٣) شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

416- [① ابن حبان (٢٢٠٢) مسند احمد (٢٣/٤) ابن أبي شيبة (١٩٣/٢) بيهقي (١٠٥/٣) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]' [② طبراني كبير (٤٤٥/١٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

---

(۵۵۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٤٠/٢-٤١) السيل الجرار (٢٦٥/١)]

(۵۵۳) [نيل الأوطار (٤١/٢)]

(۵۵۴) [المحلى بالآثار (٢٧٤/٢)]

(۵۵۵) [الروضة الندية (٣٢٦/١)]

(۵۵۶) [نيل الأوطار (٤٠/٢) السيل الجرار (٢٦٥/١) المجموع (١١٣/٤) مغني المحتاج (٥٠٤/١) فتح القدير (٣٤٤/١) المغني (٥٠٤/١) الإنصاف (٢٢٣/٢) المدونة الكبرى (٦٩/١)]

(۵۵۷) [المغني لابن قدامة (٥٠٤/١)]

(۵۵۸) [عمدة القاري (١٥٣/٣)]

(۵۵۹) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٣٤٥/١)]

(۵۶۰) [فتاوى اللجنة الدائمة (٤٠٤/٦)]

(۵۶۱) [الفتاوى السعدية (١٧١/١)]

(۵۶۲) [فتاوى إسلامية (٢٣٠/١)]

دَخَلْتَ مَعَهُمْ أَوْ اِجْتَرَرْتَ رَجُلًا ؟)) ②۔ سے فرمایا) ''تو ان کے ساتھ داخل کیوں نہ ہوا یا تو نے کسی آدمی کو کیوں نہ کھینچا۔''

لغوی توضیح اِجْتَرَرْتَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِجْتَرَّ يَجْتَرُّ (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے ''کھینچنا''۔ مراد یہ ہے کہ تم نے اگلی صف سے کسی آدمی کو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کیوں نہ کیا۔

فہم الحدیث مذکورہ دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی اکیلا ہو تو اکیلے ہی پڑھ لے اسے یہ نماز کافی ہو جائے گی۔ (٥٦٣) راجح مؤقف امام احمدؒ کا ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔ امام ابن حزمؒ (٥٦٤) اور امام صنعانیؒ (٥٦٥) بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ اس کے لیے فارغ کھڑے رہنے سے بہتر یہی ہے کہ وہ نماز شروع کر دے اگر اس کے ساتھ کوئی آ کر مل جائے تو ٹھیک ورنہ جتنی نماز اس نے اکیلے پڑھی ہے وہ بعد میں دوبارہ پڑھ لے۔ نیز اگلی صف سے کسی کو کھینچنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ ایک تو طبرانی کی جس روایت میں اگلی صف سے آدمی کو کھینچنے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے' دوسرے یہ ہے کہ اس پر یہ وعید بھی صادق آتی ہے کہ ''جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسے تباہ و برباد کر دے۔'' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور شیخ ابن بازؒ (٥٦٦) کا بھی یہی مؤقف ہے کہ اگلی صف سے کسی کو کھینچنا نہیں چاہیے کیونکہ جس روایت میں یہ مذکور ہے وہ ضعیف ہے۔ البتہ علامہ البانیؒ نے کہا ہے کہ کھینچنا تو حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے درست نہیں لیکن اگر وہ اکیلے ہی نماز شروع کر دے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ (٥٦٧)

417- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ ، وَلَا تُسْرِعُوا ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے سکون و وقار سے چل کر آؤ' جلدی مت کرو۔ پھر جتنی نماز (جماعت کے ساتھ) پالو اتنی پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے (بعد میں اٹھ کر) پورا کر لو۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نماز کے لیے مسجد میں آتے ہوئے سکون و وقار کو ملحوظ رکھنے کا حکم ہے اور جلد بازی یا دوڑ کر آنا منع ہے لہٰذا اُن حضرات کو توجہ کرنی چاہیے کہ جو عین جماعت کے وقت اپنے اپنے کاموں کو چھوڑتے ہیں اور پھر بھاگتے ہوئے نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نماز انسان امام کے ساتھ نہ پا سکے اسے بعد میں اٹھ کر پورا کر لینا چاہیے۔ اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ بعد میں جماعت کے ساتھ ملنے کی صورت میں امام کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز پہلی رکعتیں شمار ہوں گی یا پچھلی۔ جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ نماز پہلی شمار ہو گی جبکہ

417- [بخاری (٦٣٦) كتاب الأذان : باب لا يسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة والوقار ' مسلم (٦٠٢) ابو داود (٥٧٢) ترمذی (٣٢٧) ابن ماجه (٧٧٥) نسائی (١١٤/٢) احمد (٢٣٩/٢) مالك (٦٨/١) بيهقی (٢٩٨/٢)]

(٥٦٣) [نيل الأوطار (٤٥١/٢) المغنی (٦٤/٢) المجموع (٢٩٨/٤) معرفة السنن والآثار (١٨٤/٤)]

(٥٦٤) [المحلى بالآثار (٣٧٢/٢)] (٥٦٥) [سبل السلام (٥٩٣/٢)]

(٥٦٦) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (٥٩٥/٢)] (٥٦٧) [الضعيفة (٩٢٢)]

امام ابوحنیفہؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ یہ رکعتیں پچھلی نماز شمار ہوگی۔(۵۶۸) جمہور کا مؤقف راجح ہے(۵۶۹) کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو نماز باقی رہ جائے اسے اٹھ کر پورا کرلو۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اتمام کا حکم اس بات کا ثبوت ہے کہ امام کے ساتھ اس نے جتنی نماز پڑھی تھی وہ اس کی ابتدائی نماز تھی۔(۵۷۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ''امام کے ساتھ جو تم نماز پالو وہ تمہاری پہلی نماز ہے۔''(۵۷۱)

418- وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةُ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَانَ أَكْثَرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک آدمی کا کسی دوسرے آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور اجر و ثواب کا باعث ہے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر پڑھنا (پہلی صورت سے بھی) زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اسی طرح جتنے افراد زیادہ ہوں گے اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم دو افراد (یعنی امام اور ایک مقتدی) کے ساتھ جماعت منعقد ہو جاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جماعت میں افراد کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی وہ نماز اللہ کے نزدیک محبوب اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوگی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت محبت بھی ثابت ہوتی ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی مشروعیت صرف مردوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔

419- وَعَنْ أُمِّ وَرَقَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت طلب فرمائی تو آپ ﷺ نے انہیں اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دے دیا۔(۵۷۲)

418- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (۵۵۴) کتاب الصلاۃ: باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ' نسائی (۱۰۴/۲) احمد (۱۴۰/۵-۱۴۱) ابن حبان (۲۰۵۶) ابن خزیمۃ (۱۴۷۷) بیہقی (۶۱/۳) حاکم (۲۴۷/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

419- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (۵۹۱-۵۹۲) کتاب الصلاۃ: باب إمامۃ النساء' احمد (۴۰۵/۶) ابن خزیمۃ (۱۶۷۶) دارقطنی (۲۷۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔]

(۵۶۸) [نیل الأوطار (۳۸۲/۲)]

(۵۶۹) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الروضة الندية (۳۲۶/۱) السيل الجرار (۲۶۶/۱)]

(۵۷۰) [السيل الجرار (۱۶۶/۱)]
(۵۷۱) [بیہقی (۲۹۹/۲)]

(۵۷۲) [ابو داود (۵۹۱)' (۵۹۲) مسند احمد (۴۰۵/۶) بیہقی فی الدلائل (۳۸۱/۶)]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بھی مردوں کی طرح امامت کرا سکتی ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ عورت صرف عورتوں کی ہی امامت کرائے گی مردوں کی نہیں (جیسا کہ یہ مسئلہ قدرے تفصیل سے گزشتہ حدیث نمبر 409 کے تحت گزر چکا ہے)۔ جن حضرات نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے اُم ورقہ رضی اللہ عنہا کو گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا تھا اور گھر والوں میں مرد بھی ہوتے ہیں اس لیے عورت مرد کی بھی امامت کرا سکتی ہے' ان کا یہ مؤقف درست نہیں کیونکہ دارقطنی کی ایک روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں صرف گھر کی عورتوں کی امامت کرانے کا حکم دیا تھا۔(٥٧٣)

▫ واضح رہے کہ عورتوں کی امام مردوں کی طرح الگ صف میں تنہا کھڑی نہیں ہوگی بلکہ عورتوں کے ساتھ پہلی صف میں کھڑی ہو گی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کرائی اور ان کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔(٥٧٤)

420- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَخْلَفَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ، يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمَى)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا' وہ لوگوں کی امامت کراتے تھے اور وہ نابینا تھے۔[اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

421- وَ نَحْوُهُ لِابْنِ حِبَّانَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ۔

اور ابن حبان میں بھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے۔

فہم الحدیث امام صنعانی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ تقریباً تیرہ مرتبہ حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ نابینا شخص کی امامت بلا کراہت درست ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کسی کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ افضل شخص کی موجودگی میں مفضول کو امام مقرر کیا جا سکتا ہے اور مفضول کے پیچھے افضل کی نماز درست ہے۔ یہ مسئلہ اُس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔(٥٧٥)

422- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلُّوا عَلَى مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ صَلُّوا خَلْفَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس کی نماز جنازہ پڑھو اور جو لا الہ الا اللہ کہے اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لو۔"[اسے دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

420- [حسن صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٥٩٥) کتاب الصلاة : باب إمامة الأعمی' احمد (١٣٢/٣) ابن الجارود (٣١٠) بیهقی (٨٨/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

421- [ابن حبان (٢١٣٥)]

422- [ضعیف : تحقیق علی العقیدة الطحاویة (ص / ٤٢١) دارقطنی (٥٥/٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(٥٧٣) [دارقطنی (٢٧٩/١)]

(٥٧٤) [عبدالرزاق (١٤١/٣)' (٥٠٨٦) دارقطنی (٤٠٤/١) بیهقی (١٣١/٣) ابن أبی شیبة (٨٩/٢) حاکم (٢٠٣/١)]

(٥٧٥) [مسلم (٢٧٤) کتاب الصلاة : باب تقدیم الجماعة من یصلی بهم إذا تأخر الإمام' موطا (٣٥/١) أحمد (٢٤٩/٤) أبو داود (١٤٩) أبو عوانة (٢١٤/٢) عبدالرزاق (١٩١/١)]

فھم الحدیث یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن اہل علم کا کہنا ہے کہ دیگر دلائل کی رو سے یہ کسی حد تک قابل عمل ضرور ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ نے فرمایا ہے کہ جو بھی اپنے اسلام کو ظاہر کرے گا اس پر اسلام کے تمام ظاہری احکام جاری ہوں گے یعنی اسے غسل دیا جائے گا' اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی' اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور اسی طرح کے دیگر تمام کام کیے جائیں گے۔ البتہ جس کے متعلق نفاق یا زندقہ کا علم ہو جائے تو پھر اگرچہ وہ اسلام ظاہر کرنے والا ہو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (٥٧٦) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ مسلمان خواہ گناہگار ہی کیوں نہ ہو جب تک وہ شرک کا مرتکب نہ ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (٥٧٧) اور جن حضرات (مثلاً خودکشی کرنے والا (٥٧٨) اور مقروض (٥٧٩) وغیرہ) کی نماز جنازہ خود پڑھانے سے آپ ﷺ نے گریز کیا تھا اس کا مقصد محض زجر و توبیخ تھا' ان کی نماز جنازہ کا ناجائز ہونا نہیں تھا کیونکہ آپ ﷺ نے دوسروں کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تھا (مزید اس مسئلے کا بیان آئندہ کتاب الجنائز میں آئے گا)۔ علاوہ ازیں کلمہ گو مسلمان (جو مشرک نہ ہو) خواہ وہ کتنا ہی گناہگار ہو' جب اس کی اپنی نماز درست ہے تو اس کی امامت بھی درست ہے (وہ الگ بات ہے کہ افضل یہی ہے کہ امام نیک اور متقی انسان ہی ہو)' اس کا بیان گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

423- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے اور امام (دورانِ نماز) کسی حالت میں ہو تو اسے چاہیے کہ اسی طرح کرنا شروع کر دے جو امام کر رہا ہے۔" [اسے ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن دیگر صحیح احادیث اس کی مؤید ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی شخص مسجد میں آئے اور جماعت ہو رہی ہو تو آنے والے کو چاہیے کہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے خواہ وہ کسی حالت میں بھی ہو یعنی اگر وہ قیام کی حالت میں ہو تو یہ بھی اللہ اکبر کہے اور کھڑا ہو جائے' اگر وہ رکوع میں ہو تو یہ بھی رکوع میں چلا جائے اور اگر وہ سجدے میں ہو تو یہ بھی سجدے میں چلا جائے' البتہ یہ یاد رہے کہ جس رکعت میں سورۂ فاتحہ رہ گئی ہو گی وہ شمار نہیں ہو گی بلکہ وہ بعد میں دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔

423- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (٥٩١) کتاب الصلاة: باب ما ذكر في الرجل يدرك الإمام وهو ساجد كيف يصنع' شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن شاہد کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔]

(٥٧٦) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٨٥/٣)]

(٥٧٧) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٣٨٢/٨)]

(٥٧٨) [صحيح: صحيح نسائي (١٨٥٥) كتاب الجنائز: باب ترك الصلاة على من قتل نفسه' نسائي (١٩٦٦) ابن ماجة (١٥٢٦) كتاب الجنائز: باب في الصلاة على أهل القبلة]

(٥٧٩) [صحيح: صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (٢٤٠٧) كتاب الصدقات: باب الكفالة' ابو داود (٣٣٤٣) كتاب البيوع: باب في التشديد في الدين' نسائي (١٩٦٠) كتاب الجنائز: باب الصلاة على من عليه دين' ترمذي (١٠٦٣) كتاب الجنائز: باب الصلاة على من عليه دين]

باب صلاة المسافر والمريض — مسافر اور مریض کی نماز کا بیان

424- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أَوَّلُ مَا فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِلْبُخَارِيِّ: ((ثُمَّ هَاجَرَ، فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا وَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْأَوَّلِ)) زَادَ أَحْمَدُ: ((إِلَّا الْمَغْرِبَ فَإِنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ وَإِلَّا الصُّبْحَ فَإِنَّهَا تُطَوَّلُ فِيهَا الْقِرَاءَةُ)).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابتداء میں نماز دو رکعت فرض کی گئی تھی' پھر سفر کی نماز کو (دو رکعت ہی) برقرار رکھا گیا اور حضر کی نماز کو پورا (یعنی چار رکعت) کر دیا گیا۔ [بخاری، مسلم۔ اور بخاری میں ہے کہ] پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو نماز چار رکعت فرض کر دی گئی لیکن سفر کی نماز پہلی حالت (یعنی دو رکعت) پر ہی برقرار رکھی گئی۔ [احمد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] "سوائے مغرب کے کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں اور سوائے صبح کی نماز کے کیونکہ اس میں قراءت لمبی کی جاتی ہے۔"

لغوی توضیح أُقِرَّتْ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب أَقَرَّ يُقِرُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "برقرار رکھنا"۔ صَلَاةُ الْحَضَرِ سے مراد ہے "مقیم کی نماز"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر اور مغرب کے سوا باقی نمازوں کو سفر میں قصر کر کے ادا کرنا چاہیے۔ قصر سے مراد ہے چار رکعت والی نماز کو دو رکعت ادا کرنا۔ اس کے حکم میں اختلاف ہے' لیکن زیادہ قوی دلائل وجوب کے قائل حضرات کے ہی ہیں۔ انہوں نے مذکورہ روایت میں موجود لفظ فُرِضَتْ سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے ذریعے مسافر پر دو رکعتیں' مقیم پر چار رکعتیں اور حالت خوف میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے۔"(٥٨٠) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم دوران سفر صرف دو رکعت نماز ادا کریں۔"(٥٨١) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعت ہی ہے۔(٥٨٢) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طرز عمل تھا۔(٥٨٣) انہی دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام

424- [بخاری (١٠٩٠-٣٩٣٥) كتاب الجمعة: باب يقصر إذا خرج من موضعه' مسلم (٦٨٥) ابو داود (١١٩٨) نسائی (٢٢٥/١) احمد (٢٤١/٦) مالك (١٤٦/١)]

(٥٨٠) [مسلم (٦٨٧) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب صلاة المسافرين وقصرها' أحمد (٢٣٧/١) أبو داود (١٢٤٧) بيهقى (١٣٥/٣) ابن خزيمة (١٣٤٦)]

(٥٨١) [صحيح: صحيح نسائى (٤٤٣) كتاب الصلاة: باب كيف فرض الصلاة' نسائى (٤٥٨) ابن حبان (١٤٥١) (٢٧٣٥)' ابن خزيمة (٩٤٦) ابن ماجة (١٠٦٦) أحمد (٩٤/٢) بيهقى (١٣٦/٣) موطا (١٤٥/١)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على السيل الجرار (٢٢١/١)]

(٥٨٢) [صحيح: صحيح ابن ماجة (١٣٦٤) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها: باب تقصير الصلاة فى السفر' ابن ماجة (١٠٦٤) أحمد (٣٧/١) نسائى (١١١/٣) بيهقى (١٩٩/٣)]

(٥٨٣) [بخارى (١١٠٢) كتاب الجمعة: باب من لم يتطوع فى السفر دبر الصلاة وقبلها' مسلم (٦٨٩) أبو داود (١٢٢٣) نسائى (١٢٣/٣) ابن ماجة (١٠٧١) أحمد (٢٤/٢) ابن خزيمة (١٢٥٧)]

ابوحنیفہ ؒ نے دورانِ سفر قصر نماز کو واجب کہا ہے۔ نیز امام شوکانی ؒ (٥٨٤)، امام ابن حزم ؒ (٥٨٥)، امام خطابی ؒ (٥٨٦)، امام صنعانی ؒ (٥٨٧)، نواب صدیق حسن خان ؒ (٥٨٨) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری ؒ (٥٨٩) نے بھی یہی مؤقف اپنایا ہے کہ قصر نماز واجب ہے۔

تاہم ائمہ ثلاثہ اور چند دوسرے فقہا کا کہنا ہے کہ قصر نماز واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔ (٥٩٠) انہوں نے آئندہ روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ سفر میں قصر بھی پڑھتے تھے اور مکمل بھی۔ لیکن وہ روایت ثابت نہیں۔ (٥٩١) نیز انہوں نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں' میں نبی ﷺ کے ساتھ عمرہ رمضان کے لیے گئی تو آپ ﷺ نے قصر نماز پڑھی جبکہ میں نے مکمل پڑھی پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ نے قصر اور میں نے مکمل نماز پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا "اے عائشہ! تو نے بھی اچھا کیا ہے۔" مگر وہ روایت بھی ضعیف ہے۔ (٥٩٢)

425- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْصُرُ فِي السَّفَرِ وَيُتِمُّ وَيَصُومُ وَيُفْطِرُ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ إِلَّا أَنَّهُ مَعْلُولٌ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سفر میں نماز قصر بھی کرتے تھے اور پوری بھی ادا فرما لیتے تھے اور روزہ رکھتے بھی تھے اور چھوڑتے بھی تھے۔ [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یہ معلول ہے۔]

426- وَالْمَحْفُوظُ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ فِعْلِهَا' وَقَالَتْ: ((إِنَّهُ لَا يَشُقُّ عَلَيَّ)) أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ۔

اور محفوظ حضرت عائشہ ؓ کے فعل سے ہے اور انہوں نے فرمایا کہ روزہ مجھ پر گراں نہیں گزرتا۔ [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔]

425- [ضعیف: ضعیف الجامع الصغیر (٤٥٩٤) دارقطنی (١٨٨/٢) بیہقی (١٤١/٣) شیخ عبداللہ بسام ؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

426- [نسائی (١٢٢/٣) دارقطنی (١٨٧/٢) بیہقی (١٤٢/٣)]

(٥٨٤) [السيل الجرار (٣٠٦/١)]

(٥٨٥) [المحلى بالآثار (١٨٥/٣)]

(٥٨٦) [معالم السنن (٢٦٠/١)]

(٥٨٧) [سبل السلام (٦٠٨/٢)]

(٥٨٨) [الروضة الندية (٣٧٤/١)]

(٥٨٩) [تحفة الأحوذي (١٣٣/٣)]

(٥٩٠) [بدائع الصنائع (٩٧/١) المبسوط (٢٣٦/١) رد المحتار (٦٠٦/٢) المغني (١٤٨/٣) الأم (٣٢١/١) المجموع (٢٤١/٤) المدونة الكبرى (١١٥/١) الكافي لابن عبدالبر (٢٠٨/١) تفسير قرطبي (٣٥٢/٥) بداية المجتهد (١٢٠/١) قوانين الأحكام لابن جزي (ص/٩٩)]

(٥٩١) [دارقطنی (١٨٨/٢) بیہقی (١٤١/٣)] امام دارقطنی ؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں سعید بن محمد بن ثواب راوی مجہول ہے۔ [إرواء الغليل (٧/٣)] امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے جھوٹ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ [مجموع الفتاوى (١٤٥/٢٤)] حافظ ابن حجر ؒ رقمطراز ہیں کہ امام احمد ؒ نے اسے منکر کہا ہے اور اس کی صحت بہت دور کی بات ہے۔ [تلخيص الحبير (٩٢/٢)]

(٥٩٢) [دارقطنی (١٨٧/٢)] امام دارقطنی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ دراصل یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ عبدالرحمٰن بن اسود کے حضرت عائشہ ؓ سے سماع میں اختلاف ہے۔ [نيل الأوطار (٤٧٤/٢)] اور اس وجہ سے بھی کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے صحیح احادیث میں ثابت (کہ آپ نے ماہ رمضان میں کوئی عمرہ نہیں کیا) کے مخالف ہے جیسا کہ حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے اور سب ذوالقعدہ میں کیے سوائے اُس کے جو حج کے ساتھ کیا۔" [بخاري مع الفتح (٦٠٠/٣) مسلم (٩١٦/٢)] امام ابن تیمیہ ؒ نے اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔ [مجموع الفتاوى (١٤٦/٢٤)] خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: نصب الراية (١٩١/٢) تلخيص الحبير (٤٦/٢) إرواء الغليل (٨/٣) زاد المعاد (٤٦٥/١)]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے سفر میں مکمل نماز بھی پڑھی ہے لیکن یہ روایت ثابت نہیں۔ اس لیے درست موقف وہی ہے جو گزشتہ حدیث کے تحت بیان کر دیا گیا ہے کہ نبی ﷺ سے سفر میں پوری نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ البتہ دورانِ سفر روزہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دونوں طرح (رکھنا اور چھوڑنا) ثابت ہے۔ اس مسئلے کا مزید بیان آئندہ کتاب الصیام میں آئے گا۔

427- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخْصُهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ، وَفِي رِوَايَةٍ: ((كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یقیناً اللہ تعالیٰ کو اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنا اسی طرح پسند ہے جیسے اسے یہ ناپسند ہے کہ اس کی نافرمانی والے کام کیے جائیں۔" [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے] اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "(رخصتوں پر عمل اللہ کو ایسے پسند ہے) جیسے یہ پسند ہے کہ اس کے تاکیدی احکام (یعنی واجبات) پر عمل کیا جائے۔"

لغوی توضیح تُؤْتَى ایتان (آنا) سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ رُخَص رُخْصَة کی جمع ہے اس کا معنی ہے "سہولت اور آسانی" اصطلاحی طور پر اس سے مراد ایسی سہولت ہے جو تکلیف، بیماری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کسی حرام کام کو مباح کر کے دی گئی ہو جیسے نماز مکمل ادا کرنا واجب ہے مگر سفری مشقت کے باعث اسے مختصر کر کے سہولت دی گئی ہے اسی طرح کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ضروری ہے مگر بیماری کی حالت میں بیٹھ کر اور لیٹ کر بھی اسے ادا کرنے کی سہولت دی گئی ہے۔ عَزَائِم عَزِيْمَة کی جمع ہے اس کا معنی ہے تاکیدی حکم۔ یہ لفظ رخصت کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں کوئی کام بندوں پر مشکل ہوتا ہو وہیں اس میں کوئی سہولت کا پہلو رکھ دیتے ہیں اور کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بھی یہی مطلب ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: ۱۸۵] "اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں اور تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتے۔" اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں میں سے ایک رخصت قصر نماز بھی ہے اسے اپنانا چاہیے یہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

428- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ فَرَاسِخَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ کی مسافت پر (سفر کے لیے) نکلتے تو دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَمْيَال جمع ہے میل کی۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے نقل فرمایا ہے کہ میل کی مقدار تقریباً 1600 میٹر ہے۔(۵۹۳)

427- [صحيح: صحيح الجامع الصغير (١٨٨٦) احمد (١٠٨/٢) ابن خزيمة (٩٤٦) ابن حبان (٢٧٤٢) بزار في كشف الأستار (٩٨٨) بيهقي في السنن (١٤٠/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

428- [مسلم (٦٩١) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب صلاة المسافرين وقصرها، ابو داود (١٢٠١) احمد (١٤٦/٣)]

(٥٩٣) [توضيح الأحكام (٥٣٩/٢)]

فَرَاسِخ جمع ہے فرسخ کی' ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ اس روایت کے ایک راوی (شعبہ بن حجاج) کو تین میل یا تین فرسخ کے درمیان شک ہے' جیسا کہ امام خطابیؒ نے فرمایا ہے۔(۵۹۴) اہل علم نے احتیاطاً تین فرسخ یعنی نو میل کے لفظ کو ہی ترجیح دی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث میں نماز قصر کے لیے تین میل یا تین فرسخ مسافت کا ذکر ہے (یعنی جب کوئی اتنا سفر کرنے کے ارادے سے نکلے تو دو رکعت نماز ادا کرے)۔ کتنی مسافت پر نماز قصر کی جائے گی اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ تین دن کی مسافت پر قصر کی جائے گی جبکہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ چار برید (یعنی 48 ہاشمی میل) پر قصر کی جائے گی اور امام اوزاعیؒ نے کم از کم مسافت قصر ایک دن اور رات قرار دی ہے۔(۵۹۵) ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے میں راجح مؤقف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ قصر کے لیے مسافت کی کوئی حد متعین نہیں' نبی ﷺ جب بھی سفر پر جاتے تو قصر نماز ادا فرماتے' جس صحابی نے آپ کو جتنی مسافت پر نماز قصر کرتے ہوئے دیکھا اس نے اتنی ہی بیان کر دی' اسی وجہ سے اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ کتاب و سنت میں قصر نماز کے لیے مطلقاً سفر کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ "جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔"(۵۹۶) اسی طرح حدیث میں ہے کہ "آپ ﷺ دوران سفر دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔"(۵۹۷) مذکورہ آیت وحدیث (اور دیگر دلائل) میں یہ تعین نہیں کیا گیا کہ اتنے سفر پر قصر نماز درست ہے اس سے کم پر درست نہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی کوئی حد متعین نہیں کرنی چاہیے بعینہٖ جیسے ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کوئی حد متعین نہیں کرتے کہ "جو سفر پر ہو تو روزے چھوڑ سکتا ہے"۔ اس لیے عرف عام میں جتنی مسافت کو سفر کہا جاتا ہے اتنی پر نماز قصر ادا کر لی جائے گی۔(۵۹۸) امام ابن قیمؒ (۵۹۹)، امام شوکانیؒ (۶۰۰) اور نواب صدیق حسن خانؒ (۶۰۱) بھی اسی کے قائل ہیں۔

429- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کی جانب (سفر کے لیے) روانہ ہوئے' آپ ﷺ مدینہ واپسی تک دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فهم الحديث ایک روایت میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے وہاں (یعنی مکہ میں) قیام بھی کیا

429- [بخاری (۱۰۸۰) کتاب الجمعة : باب ما جاء فی التفسیر' مسلم (۶۹۳) ابو داود (۱۲۳۳) ترمذی (۵٤۸) نسائی (۱۱۸/۳) ابن ماجه (۱۰۷۷) احمد (۱۸۷/۳) ابن خزیمة (۹۵٦)]

(۵۹۳) [توضیح الأحکام (۵۳۹/۲)]

(۵۹٤) [کما فی سبل السلام (۱۰٤/۲)]

(۵۹۵) [بدائع الصنائع (۹۳/۱) رد المختار (٦۰۲/۲) المبسوط (۲۳۵/۱) الهدایة (۸۰/۱) الأم (۳۱۹/۱) المجموع (۲۱۰/٤) شرح مسلم للنووی (۲۱۷/۳) نیل الأوطار (٤۷۸/۲)]

(۵۹٦) [النساء : ۱۰۱]

(۵۹۷) [بخاری (۱۱۰۲) کتاب الجمعة : باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاة وقبلها' مسلم (٦۸۹) أبو داود (۱۲۲۳) ابن ماجه (۱۰۷۱)]

(۵۹۸) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: مجموع الفتاوی (۵۱/۲٤)]

(۵۹۹) [زاد المعاد (٤۸۱/۱)]

(٦۰۰) [نیل الأوطار (٤۸۰/۲) السیل الجرار (۳۰۸/۱)]

(٦۰۱) [الروضة الندیة (۳۷٦/۱-۳۷۹)]

تھا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا' ہم نے وہاں دس روز قیام کیا تھا۔(۶۰۲) اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے دورانِ اقامت بھی نماز قصر کر کے ہی ادا فرمائی۔ علاوہ ازیں کتنے روز قیام کی نیت ہو تو دورانِ اقامت قصر درست ہے اس کے متعلق تفصیل آئندہ حدیث کے تحت آئے گی۔ مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر کے ارادے سے علاقائی حدود سے نکلتے ہی قصر نماز شروع ہو جائے گی خواہ ابھی ایک میل کا فاصلہ بھی طے نہ ہوا ہو اور اپنے علاقے میں واپسی تک جاری رہے گی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (کوفہ سے سفر کے ارادے سے) نکلے تو اسی وقت نماز قصر پڑھنی شروع کر دی جبکہ ابھی کوفہ کے مکانات دکھائی دے رہے تھے اور پھر واپسی پر جب آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ یہ کوفہ سامنے ہے تو انہوں نے کہا کہ جب تک ہم شہر میں داخل نہ ہو جائیں نماز مکمل نہیں پڑھیں گے۔" (۶۰۳)

430- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يَقْصُرُ)) وَفِي لَفْظٍ: ((بِمَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ: ((سَبْعَ عَشْرَةَ)) وَفِي أُخْرَى: ((خَمْسَ عَشْرَةَ))۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے 19 روز قیام فرمایا' آپ قصر نماز ہی ادا کرتے رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مکہ میں 19 روز قیام فرمایا۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ] 17 روز قیام فرمایا [اور دوسری روایت میں ہے کہ] 15 روز قیام فرمایا۔

431- وَلَهُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((ثَمَانِيَ عَشْرَةَ))۔

اور ابوداود میں ہی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے 18 روز قیام فرمایا تھا۔

432- وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَقَامَ بِتَبُوكَ عِشْرِينَ يَوْمًا يَقْصُرُ الصَّلَاةَ)) وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ إِلَّا أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ۔

اور ابوداود میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے تبوک میں 20 دن قیام فرمایا اور آپ قصر نماز ہی ادا فرماتے رہے۔[اس کے راوی ثقہ ہیں البتہ اس کے موصول ہونے میں اختلاف ہے۔]

فهم الحديث واضح رہے کہ آپ ﷺ کا یہ قیام حالتِ تردد میں تھا کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا 19 دن وہاں قیام کا ارادہ نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ نے تو حسبِ ضرورت واحوال وہاں اقامت اختیار فرمائی تھی' اسی طرح جنگ تبوک کا حال ہے' کیونکہ جنگ میں یہ تو علم نہیں ہوتا کہ ہم کتنے روز میدان میں رہیں گے۔ اس لیے اس قیام کو حالتِ تردد پر محمول کیا جائے گا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسے تردد پر ہی محمول کیا ہے اور مذکورہ روایات سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ تردد کی حالت

430- [بخاری (۱۰۸۰) ابو داود (۱۲۳۰) ترمذی (۵۴۹) ابن ماجه (۱۰۷۵) نسائی (۱۲۱/۳) احمد (۲۲۳/۱) ابن خزیمة (۹۵۵) شیخ البانی رحمہ اللہ نے ((تسع عشرة)) یعنی 19 کے لفظ کو ترجیح دی ہے۔]

431- [ضعیف: ضعیف ابو داود' ابو داود (۱۲۲۹) كتاب الصلاة: باب متى يتم المسافر' ترمذی (۵۴۵) احمد (۴۳۰/۴)]

432- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۱۲۳۵) كتاب الصلاة: باب إذا أقام بأرض العدو يقصر' احمد (۲۹۵/۳) ابن حبان (۲۷۴۹) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

(۶۰۲) [صحیح: صحیح ابو داود' ابوداود (۱۲۳۳) كتاب الصلاة: باب متى يتم المسافر]

(۶۰۳) [بخاری (۱۰۸۹) كتاب تقصير الصلاة: باب يقصر إذا خرج من موضعه]

میں انسان زیادہ سے زیادہ 20 دن تک نماز قصر کر سکتا ہے۔(٦٠٤) نواب صدیق حسن خانؒ بھی اسی کے قائل ہیں (٦٠٥) جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ تردد اور شک کی حالت میں واپسی تک نماز قصر کی جا سکتی ہے۔(٦٠٦) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں احناف کا مؤقف ہی راجح ہے کیونکہ نبی ﷺ سے دورانِ تردد قصر نماز کے لیے دنوں کی کوئی تعیین منقول نہیں۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آذربائیجان کے علاقے میں چھ ماہ تک حالت تردد میں دو رکعت نماز ادا کرتے رہے۔(٦٠٧) اسی طرح بعض صحابہ رامہرمز کے علاقے میں نو ماہ تک (٦٠٨) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فارس کے علاقے میں دو سال تک قصر نماز ادا کرتے رہے۔(٦٠٩) لہٰذا جب انسان شک اور تردد کی حالت میں ہو اور اسے یہ علم نہ ہو کہ وہ کب واپس جائے گا تو وہ ہمیشہ قصر کر سکتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (٦١٠) اور امام صنعانیؒ (٦١١) نے اسی کو ترجیح دی ہے اور امام ترمذیؒ نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل فرمایا ہے۔(٦١٢)

علاوہ ازیں اگر انسان کو علم ہو کہ وہ کسی علاقے میں کتنے روز قیام کرے گا تو پھر کتنے دن وہاں اقامت اختیار کرنے والا نماز قصر کر سکتا ہے؟ اس مسئلے میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ اگر چار دن قیام کا ارادہ ہو تو (پہلے دن سے ہی) مکمل نماز پڑھے گا اور اگر تین دن قیام کا ارادہ ہو تو پھر قصر کرے گا۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو تو مکمل پڑھے گا اور اگر اس سے کم کا ارادہ ہو تو قصر کرے گا۔ (٦١٣) امام شوکانیؒ کا مؤقف یہ ہے کہ اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز قصر کرے گا۔(٦١٤) ان کا مستدل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ اور اس کے گرد و نواح میں دس دن قیام فرمایا تھا' ان دس دنوں میں بھی آپ ﷺ مناسک حج کے سلسلے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے' لیکن اس دوران آپ ﷺ نے صرف چار روز مسلسل مکہ میں قیام فرمایا تھا اور نماز قصر کر کے ادا فرمائی تھی۔ جیسا کہ یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ چار ذوالحجہ کی صبح کو مکہ میں داخل ہوئے اور پھر آٹھ ذوالحجہ کی صبح کو فجر کے بعد منیٰ روانہ ہو گئے (یہاں آپ ﷺ کو علم تھا کہ آٹھ تاریخ کو حج شروع ہو گا اور ابھی چار دن باقی ہیں لیکن پھر بھی آپ قصر نماز ادا کرتے رہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جب چار دن قیام کی نیت ہو تو نماز قصر کی جائے گی اور اگر اس سے زیادہ کی نیت ہو گی تو پھر قصر درست نہیں)۔(٦١٥) یہ امام شوکانیؒ کا مؤقف ہے۔ البتہ ہمارے علم

---

(٦٠٤) [نيل الأوطار (٤٨٤/٢)] (٦٠٥) [الروضة الندية (٣٨٠/١)]

(٦٠٦) [نيل الأوطار (٤٨٣/٢) سبل السلام (٦١٩/٢)]

(٦٠٧) [بيهقي في الكبرى (١٥٢/٣) و في المعرفة (٢٧٤/٤)] امام نوویؒ نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر (صحیح) کہا ہے۔[نصب الراية (١٨٥/٢)]

(٦٠٨) [بيهقي (١٥٢/٢)] امام نوویؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[نصب الراية (١٨٦/٢)] حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[الدراية (٢١٢/١)]

(٦٠٩) [تهذيب الآثار مسند عمر (٢٥٧/١)] (٦١٠) [مجموع الفتاوى (١٠/٢٤)]

(٦١١) [سبل السلام (٦١٩/٢)] (٦١٢) [جامع ترمذي (٥٤٨)]

(٦١٣) [الأم (٣١٩/١) المجموع (٢٣٨/٤) المغني (١٤٨/٣) فتح العلام (٢٥٩) المبسوط (١٠٧/٢) الهداية (٨٢/١)]

(٦١٤) [نيل الأوطار (٤٨٧/٢)]

(٦١٥) [بخاري (١٠٨١) كتاب الجمعة : باب ما جاء في التقصير وكم يقيم حتى يقصر' مسلم (٦٩٣) أبو داود (١٢٣٣) ترمذي (٥٤٨) نسائي (١١٨/٣) ابن ماجة (١٠٧٧) أحمد (١٨٧/٣) ابن خزيمة (٩٥٦)]' [مزید دیکھئے: بخاري (١٠٨٥) نيل الأوطار (٤٨٠/٢) السيل الجرار (٣٠٩)]

کے مطابق اس مسئلے میں بھی وہی اصول ہے کہ جب تک انسان عرف عام میں مسافر ہے قصر کر سکتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے دنوں کی کوئی تعیین نہیں فرمائی اور کوئی دوسرا اس کا تعین نہیں کر سکتا۔ (واللہ اعلم)

433- وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا ارْتَحَلَ فِي سَفَرِهِ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ، ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا، فَإِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْحَاكِمِ فِي الْأَرْبَعِينَ، بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ: ((صَلَّى الظُّهْرَ وَ الْعَصْرَ ثُمَّ رَكِبَ)) وَلِأَبِي نُعَيْمٍ فِي مُسْتَخْرَجِ مُسْلِمٍ: ((كَانَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ، فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَ الْعَصْرَ جَمِيعًا، ثُمَّ ارْتَحَلَ)).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب زوال آفتاب سے پہلے سفر کا آغاز فرماتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر دیتے، پھر (عصر کے وقت سواری سے) اترتے اور دونوں نمازیں اکٹھی ادا فرما لیتے اور اگر آغاز سفر سے پہلے آفتاب زوال پذیر ہو چکا ہوتا تو آپ ظہر کی نماز ادا فرما کر پھر سوار ہوتے۔ [بخاری، مسلم۔ اور حاکم کی اربعین میں بسند صحیح مروی ہے کہ] آپ ﷺ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھ لیتے پھر سوار ہوتے۔ [اور ابو نعیم کی مستخرج میں ہے کہ] جب آپ ﷺ سفر میں ہوتے اور آفتاب زوال پذیر ہو جاتا تو ظہر اور عصر اکٹھی ادا فرما لیتے، پھر وہاں سے روانہ ہوتے۔

434- وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، فَكَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ ظہر و عصر اکٹھی پڑھتے اور اسی طرح مغرب و عشاء بھی اکٹھی پڑھتے تھے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح ارْتَحَلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب ارْتَحَلَ يَرْتَحِلُ (بروزن افتعال) سے۔ اس کا معنی ہے "کوچ کرنا، دوبارہ سفر شروع کرنا"۔ تَزِيغَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب زَاغَ يَزِيغُ (بروزن ضرب) سے۔ اس کا معنی ہے "مائل ہونا، جھکنا" یہاں مراد ہے سورج کا نصف آسمان سے مغرب کی جانب ڈھلنا۔

فہم الحدیث پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ آغاز سفر میں صرف ظہر کی نماز ہی ادا فرماتے تھے لیکن حاکم اور ابو نعیم کی روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں ادا کر لیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں دوران سفر یوں جمع کرنا درست ہے کہ ایک کو دوسری کے وقت میں ادا کر لیا جائے۔ اسے جمع تقدیم و تاخیر کہتے ہیں۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ دوران سفر اس جمع کے جواز کے قائل ہیں۔ جبکہ احناف صرف جمع صوری کے ہی قائل ہیں (جمع صوری یہ ہے کہ ایک نماز کو اپنے آخری وقت میں اور دوسری کو

433- [بخاری (۱۱۱۲) کتاب الجمعة: باب إذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس، مسلم (۷۰٤) ابو داود (۱۲۱۸) نسائی (۲۸٤/۱) دارقطنی (۳۸۹/۱) احمد (۲٤۷/۳)]

434- [مسلم (۷۰٦) کتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، ابو داود (۱۲۰٦) ترمذی (۵۵٤) نسائی (۲۸۵/۱) احمد (۲٤۱/۵) مالک (۱٤۳/۱)]

اپنے اول وقت میں پڑھنا' یوں دونوں نمازیں جمع بھی ہوں جائیں گی اور ادا بھی اپنے اپنے وقت میں ہی ہوں گی)۔(٦١٦) پہلا موقف راجح ہے۔شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے بھی اسی کی تائید میں فتویٰ دیا ہے۔(٦١٧)

❑ نیز یہ یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ سے بغیر کسی سفر' بیماری' بارش اور خوف کے بھی نمازیں جمع کرنا ثابت ہے۔(٦١٨) لیکن یہ یاد رہے کہ سفر کے علاوہ صرف جمع صوری جائز ہے جمع تقدیم و تاخیر نہیں۔

435- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَقْصُرُوْا الصَّلَاةَ فِيْ أَقَلِّ مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ 'وَ الصَّحِيْحُ أَنَّهُ مَوْقُوْفٌ' كَذَا أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"چار برید سے کم فاصلہ پر نماز قصر مت کرو(اور چار برید) مکہ سے عسفان تک کا فاصلہ ہے۔"[اسے دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے'اسی طرح اسے ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح بُرُد جمع ہے برید کی'ایک برید 12 میل کا ہوتا ہے۔اس طرح چار برید 48 میل ہوا۔

فهم الحديث یہ روایت چونکہ ضعیف ہے اس لیے اس سے مسافت قصر کی تعیین نہیں ہو سکتی۔مزید برآں اس مسئلے کا تفصیلی بیان گزشتہ حدیث نمبر 428 کے تحت گزر چکا ہے۔

436- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَيْرُ أُمَّتِي الَّذِيْنَ إِذَا أَسَاؤُوْا اسْتَغْفَرُوْا' وَإِذَا سَافَرُوْا قَصَرُوْا وَ أَفْطَرُوْا)) أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ' وَهُوَ فِيْ مُرْسَلِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ مُخْتَصَرًا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو برائی کر کے استغفار کرتے ہیں اور جب سفر کرتے ہیں تو نماز قصر ادا کرتے ہیں اور روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔"[اسے طبرانی نے اپنی اوسط میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ بیہقی کے ہاں مراسیل سعید بن میبب سے ہے'بیہقی نے اسے مختصر بیان کیا ہے۔]

435- [ضعيف : إرواء الغليل (٥٦٥) السلسلة الضعيفة (٤٣٩) دارقطني (٣٨٧/١) بيهقي (١٣٧/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

436- [ضعيف : ضعيف الجامع الصغير (٢٩٠١) السلسلة الضعيفة (٣٥٧١) طبراني (١٥٧/٢) مجمع الزوائد (١٥٧/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(٦١٦) [المغني والشرح (١١٢/٢) المبدع (١١٧/٢) الإنصاف (٣٣٤/٢) المدونة (١١١/١) بداية المجتهد (١٢٥/١) المجموع (٣٧٠/٤) الروضة الندية (٣٩٥/١) فتح القدير (٤٨/٢) الحجة لمحمد بن حسن الشيباني (١٥٩/١)]

(٦١٧) [فتاوى إسلامية (٣٨٠/١)]

(٦١٨) [مسلم (٧٠٥) أحمد (٢٢٣/١) أبو داود (١٢١٤) ترمذي (١٨٧) نسائي (٢٩٠/١) شرح معاني الآثار (١٦٠/١) بيهقي (١٦٦/٣) صحيح أبو داود (١٠٧٤، ١٠٧٥)]

437- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ : ((صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی بیماری تھی، میں نے نبی ﷺ سے نماز کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھ لو۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

438- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : عَادَ النَّبِيُّ ﷺ مَرِيضًا فَرَآهُ يُصَلِّي عَلَى وِسَادَةٍ فَرَمَى بِهَا، وَقَالَ : ((صَلِّ عَلَى الْأَرْضِ إِنِ اسْتَطَعْتَ وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيمَاءً وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَصَحَّحَ أَبُو حَاتِمٍ وَقْفَهُ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مریض سے جس نے تکیہ پر نماز پڑھی تھی اور آپ ﷺ نے وہ تکیہ پھینک دیا تھا، فرمایا کہ ''اگر استطاعت ہے تو زمین پر نماز پڑھو ورنہ اشارے کے ساتھ ہی پڑھ لو اور سجدے کو رکوع سے نیچے کرو۔'' [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن ابوحاتم نے اس کے موقوف ہونے کو ہی درست قرار دیا ہے۔]

439- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي مُتَرَبِّعًا)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چار زانوں پر بیٹھ کر نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا۔ [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث مذکورہ بالا تینوں روایات کی تشریح بالترتیب گزشتہ حدیث نمبر 328,327 اور 300 کے تحت گزر چکی ہے۔

باب صلاة الجمعة — نماز جمعہ کا بیان

440- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ : أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ۔ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ ۔ ((لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر کی سیڑیوں پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے ضرور باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیں گے پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

437- [بخاری (۱۱۱۷) كتاب الجمعة : باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب، ابو داود (۹۵۲) ترمذی (۳۷۲) ابن ماجه (۱۲۲۳) احمد (۴۲۶/۴) ابن الجارود (۲۳۱)]

438- [صحيح : تمام المنة (ص ۳۱۴) السلسلة الصحيحة (۳۲۳) بيهقى فى السنن (۳۰۶/۲) بزار فى كشف الأستار (۵۶۸) شیخ عبداللہ بسام نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

439- [صحيح : صحيح نسائى، نسائى (۱۶۶۱) كتاب قيام الليل وتطوع النهار : باب كيف صلاة القاعد، بيهقى (۳۰۵/۲) حاكم (۲۵۸/۱) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

440- [مسلم (۸۶۵) كتاب الجمعة : باب التغليظ فى ترك الجمعة، دارمى (۱۵۷۰)]

لغوی توضیح أَعْوَاد جمع ہے عود کی' اس کا معنی ہے "لکڑی" یہاں مراد ہے منبر کی سیڑھی۔ الْجُمُعَات جمع ہے جمعه کی۔ لَيَخْتِمَنَّ تاکید کا صیغہ ہے باب خَتَمَ يَخْتِمُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "مہر لگانا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ کی ادائیگی واجب ہے۔ اس حدیث کے علاوہ یہ مسئلہ قرآن سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے ایمان والو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔"(٦١٩) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے محض سستی و کاہلی سے تین جمعے چھوڑ دیئے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیں گے۔"(٦٢٠) نماز جمعہ کے وجوب پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(٦٢١) جمہور علماء نے اسے فرض عین جبکہ دیگر اکثر فقہاء نے اسے فرض کفایہ کہا ہے۔(٦٢٢) راجح قول فرض عین کا ہی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ(٦٢٣)، امام نوویؒ(٦٢٤)، امام شوکانیؒ(٦٢٥)، امام ابن حزمؒ(٦٢٦)، امام ابن قدامہؒ(٦٢٧)، امام ابن منذرؒ(٦٢٨)، امام صنعانیؒ(٦٢٩)، شیخ عبداللہ بسامؒ(٦٣٠)، علامہ البانیؒ(٦٣١) اور شیخ ابن بازؒ(٦٣٢) (سب) نے اسے فرض کہا ہے اور بلا عذر اسے چھوڑنا ناجائز قرار دیا ہے۔

441- وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ نَنْصَرِفُ وَلَيْسَ لِلْحِيطَانِ ظِلٌّ نَسْتَظِلُّ بِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ' وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: ((كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَهُ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ نَرْجِعُ نَتَتَبَّعُ الْفَيْءَ))۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے' پھر فارغ ہو کر واپس لوٹتے تو اس وقت دیواروں کا اس قدر سایہ نہیں ہوتا تھا کہ ہم سائے میں بیٹھ کر آرام کر لیں۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] ہم آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت جمعہ ادا کرتے جب سورج ڈھلتا پھر ہم واپس لوٹتے تو سایہ تلاش کرتے (کیونکہ سایہ ہوتا ہی نہیں تھا یا بہت کم ہوتا تھا)۔

441- [بخاری (٤١٦٨) كتاب المغازى: باب غزوة الحديبية' مسلم (٨٦٠) ابو داود (١٠٨٥) ابن ماجه (١١٠٠) نسائى (١٠٠/٣) احمد (٤٦/٤) دارمى (١٥٤٦)]

---

(٦١٩) [الجمعة: ٩]

(٦٢٠) [حسن: صحيح أبو داود (٩٢٨) كتاب الصلاة: باب التشديد فى ترك الجمعة' أبو داود (١٠٥٢) ترمذى (٥٠٠) ابن ماجة (١١٢٥) نسائى (٨٨/٣) أحمد (٤٢٤/٣) ابن حبان (٢٥٨) ابن خزيمة (١٨٥٧) بيهقى (١٧٢/٣)]

(٦٢١) [توضيح الأحكام (٥٦٥/٢)]

(٦٢٢) [معالم السنن (٢٤٤/١)]

(٦٢٣) [فتح البارى (٤/٣-٥)]

(٦٢٤) [شرح المهذب (٣٤٩/٤)]

(٦٢٥) [نيل الأوطار (٥٠١/٢)]

(٦٢٦) [المحلى بالآثار (٢٥٢/٣)]

(٦٢٧) [المغنى لابن قدامة]

(٦٢٨) [الإجماع لابن المنذر (ص/٤٤) (رقم/٥٤)]

(٦٢٩) [سبل السلام (٦٣٠/٢)]

(٦٣٠) [توضيح الأحكام (٥٦٥/٢)]

(٦٣١) [تمام المنة (ص/٣٢٨)]

(٦٣٢) [فتاوى إسلامية (٣٩٩/١)]

442- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ، وَفِي رِوَايَةٍ: ((فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ))۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم قیلولہ اور دوپہر کا کھانا، دونوں کام جمعہ کے بعد کرتے تھے۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ] عہد رسالت میں (ہم ایسا کرتے تھے)۔

لغوی توضیح اَلْحِيطَانُ جمع ہے حَائِطٌ کی، اس سے مراد دیوار ہے۔ نُجَمِّعُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب جَمَّعَ يُجَمِّعُ (بروزن تفعیل) سے، اس کا معنی ہے ''جمعہ ادا کرنا''۔ نَتَتَبَّعُ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَتَبَّعَ يَتَتَبَّعُ (بروزن تفعّل) سے، اس کا معنی ہے ''تلاش کرنا''۔ اَلْفَيْءَ سائے کو کہتے ہیں۔ نَقِيلُ قیلولہ سے ہے اور قیلولہ دوپہر کے وقت کچھ دیر آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ نَتَغَدَّى غداء سے مشتق ہے، یہ ایسے کھانے کو کہتے ہیں جو دوپہر کو کھایا جاتا ہے۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ جلدی ادا فرمالیا کرتے تھے۔ جمعہ کا آخری وقت تو وہی ہے جو ظہر کا آخری وقت ہے البتہ اس کے ابتدائی وقت میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ نماز جمعہ کا اول وقت ظہر کا اول وقت ہی ہے یعنی بعد از زوال آفتاب۔ جبکہ امام احمدؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ نماز جمعہ زوال آفتاب سے پہلے بھی ادا کی جاسکتی ہے۔(٦٣٣) انہوں نے مذکورہ بالا دونوں احادیث اور ان احادیث سے استدلال کیا ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز جمعہ پڑھاتے جب سورج ڈھلتا تھا۔(٦٣٤) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نماز جمعہ پڑھاتے پھر ہم اپنے اونٹوں کے پاس جاتے اور انہیں لے کر چلتے جبکہ اس وقت سورج ڈھل رہا ہوتا تھا۔ مراد ایسے اونٹ ہیں کہ جن پر سیراب کرنے کے لیے پانی لایا جاتا ہے۔''(٦٣٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے مذکورہ احادیث کی وجہ سے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ ادا کرلیا کرتے تھے لہٰذا یہ بھی جائز ہے، البتہ افضل یہی ہے کہ زوال کے بعد ہی نماز جمعہ ادا کی جائے کیونکہ اغلباً آپ ﷺ کا یہی عمل تھا اور اس لیے بھی کہ اس وقت پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے۔(٦٣٦) یہی مؤقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) امام شوکانیؒ(٦٣٧) اور نواب صدیق حسن خانؒ(٦٣٨) بھی اسی کے قائل ہیں۔

443- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو

442- [بخاری (٩٣٩) کتاب الجمعة: باب قول الله تعالىٰ فإذا قضيت الصلاة ......، مسلم (٨٥٩) ابو داود (١٠٨٦) ترمذی (٥٢٥) ابن ماجه (١٠٩٩) احمد (٣٣٦/٥)]

443- [بخاری (٩٣٦) کتاب الجمعة: باب إذا نفر الناس عن الإمام، مسلم (٨٦٣) ترمذی (٣٣٠٨) دارقطنی (٥/٢) ابن خزيمة (١٨٥٢) بيهقی (١٩٧/٣)]

---

(٦٣٣) [تحفة الأحوذی (٣٦/٣) نيل الأوطار (٥٤٩/٢) شرح مسلم للنووی (٤١٣/٣) المغنی (١٤٤/٢) الشرح الكبير (١٦٣/٢) بداية المجتهد (١١٤/١) المجموع (٥١١/٤)]

(٦٣٤) [أحمد (١٢٨/٣) بخاری (٩٠٤) کتاب الجمعة: باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، أبو داود (١٠٨٤) ترمذی (٥٠٣) بيهقی (١٩٠/٣) شرح السنة (٥٧٢/٢)]

(٦٣٥) [أحمد (٣٣١/٣) مسلم (٨٥٨) کتاب الجمعة: باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، نسائی (١٠٠/٣)]

(٦٣٦) [توضيح الأحكام (٥٦٨/٢)]

(٦٣٧) [نيل الأوطار (٥٤٩/٢) السيل الجرار (٢٩٦/١)] (٦٣٨) [الروضة الندية (٣٤٦/١)]

النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ، فَجَاءَتْ عِيرٌ مِنَ الشَّامِ ، فَانْفَتَلَ النَّاسُ إِلَيْهَا حَتَّى لَمْ يَبْقَ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

کرخطبہ دیا کرتے تھے کہ شام سے ایک (تجارتی) قافلہ آ گیا' سب لوگ جلدی سے اس کی طرف بھاگے اور صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح عِیــــر اُن اونٹوں کو کہتے ہیں جن پر بہت سارا ساز و سامان لدا ہوا ہو' یہاں اس سے مراد تجارتی قافلہ ہے۔ اِنْفَتَلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِنْفَتَلَ يَنْفَتِلُ (بروزن انفعال) سے' اس کا معنی ہے'' جلدی سے بھاگ جانا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا مسنون ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جس نے کہا کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔ (٦٣٩) اس کے حکم میں اہل علم کا اختلاف ہے: جمہور اہل علم کھڑے ہو کر خطبہ دینا واجب قرار دیتے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے اسے سنت کہا ہے۔ (٦٤٠) امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ مجرد فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ (٦٤١) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بارہ افراد نماز جمعہ کے لیے کافی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر بارہ سے کم ہوں گے تو جمعہ نہیں ہوگا جیسا کہ امام مالکؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ جمعہ کے لیے کم از کم چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ امام کے علاوہ مزید دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ (٦٤٢) اس مسئلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جو جمعہ کے لیے نمازیوں کی تعداد کا تعین کرتی ہو اس لیے چونکہ جماعت کم از کم دو افراد سے منعقد ہو جاتی ہے تو نماز جمعہ کے لیے بھی دو افراد ہی کافی ہیں۔ امام شوکانیؒ (٦٤٣)، امام صنعانیؒ (٦٤٤)، امام ابن حزمؒ (٦٤٥) اور نواب صدیق حسن خانؒ (٦٤٦) اسی کے قائل ہیں۔

444- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرَى وَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ اللَّفْظُ لَهُ ، وَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ ، لٰكِنْ قَوَّى أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جس نے نماز جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت (جماعت کے ساتھ) حاصل کر لی تو وہ دوسری رکعت بھی اس کے ساتھ ملا لے' یقیناً اس کی نماز مکمل ہو گئی۔'' [اسے نسائی' ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے' یہ لفظ دار قطنی کے ہیں' اس کی سند صحیح ہے لیکن ابو حاتم نے اس کے مرسل ہونے کو قوی قرار دیا ہے۔]

444- [صحيح : إرواء الغليل (٦٢٢) نسائی (٢٧٤/١) ابن ماجه (١١٢٣) دارقطنی (١٢/٢) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(٦٣٩) [أحمد (٨٧/٥) مسلم (٨٦٦) أبو داود (١٠٩٤)]

(٦٤٠) [شرح المهذب (٣٨٣/٤) الأم (٣٤١/١) بداية المجتهد (١٢٦/١) المبسوط (٢٦/٢) الهداية (٨٣/١) الإختيار (٨٣/١)]

(٦٤١) [نيل الأوطار (٥٥٩/٢) السيل الجرار (٣٩٩/١)]

(٦٤٢) [المجموع (٣٧١/٤) بدائع الصنائع (٢٦٨/١) المبسوط (٢٤/٢) الهداية (٨٣/١) المغنى (٢٠٣/٣) البحر الزخار الجامع لمذاهب الأمصار (١١/٢-١٢) سبل السلام (٦٥٥/٢)]

(٦٤٣) [نيل الأوطار (٥١٢/٢)]

(٦٤٤) [سبل السلام (٦٥٥/٢)]

(٦٤٥) [المحلى بالآثار (٢٥١/٣)]

(٦٤٦) [الروضة الندية (٣٤٢/١-٣٤٤)]

لغوی توضیح فَلْيُضِفْ فعل امر کا صیغہ ہے باب أَضَافَ يُضِيفُ (بروزن اِفعال) سے اس کا معنی ہے "ملانا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ پا لے اس کی نماز جمعہ ہو جاتی ہے۔ نیز اس حدیث سے خطبہ جمعہ کے عدم وجوب پر بھی استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو شخص ایک رکعت ہی پائے گا یقیناً اس نے خطبہ تو نہیں سنا مگر اس کی نماز جمعہ صحیح ہے' جس سے معلوم ہوا کہ خطبہ جمعہ سننا واجب نہیں۔ امام شافعیؒ' امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے یہی موقف اپنایا ہے۔ (٦٤٧) نواب صدیق حسن خانؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (٦٤٨)

445- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ : ((كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّأَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے پھر آپ بیٹھ جاتے اور پھر کھڑے ہو کر (دوسرا) خطبہ دیتے' پس جس نے تمہیں یہ خبر دی کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَنْبَأَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَنْبَأَ يُنْبِئُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے "خبر دینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دو خطبے مسنون ہیں اور دونوں کھڑے ہو کر ہی دینے چاہئیں' دونوں کے درمیان بیٹھنا بھی مسنون ہے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قوت اور چستی کا اظہار ہوتا ہے۔

446- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ : صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُولُ : ((أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ' وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : كَانَتْ خُطْبَةُ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ : يَحْمَدُ اللّٰهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ ' ثُمَّ يَقُولُ عَلَى أَثَرِ ذٰلِكَ ۔ وَقَدْ عَلَا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں (مکمل چہرہ مراد ہے) سرخ ہو جاتیں' آواز بلند ہو جاتی اور غصہ سخت ہو جاتا (یوں معلوم ہوتا) گویا آپ کسی لشکر کو ڈرانے والے ہیں کہ صبح کو حملہ ہوا یا شام کو حملہ ہوا اور فرماتے "حمد وصلاۃ کے بعد' یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے' بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے' بدترین کام نئے ایجاد کردہ ہیں (مراد بدعات ہیں) اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ] جمعہ کے روز آپ ﷺ کا خطبہ یوں ہوتا تھا کہ آپ (پہلے) اللہ کی حمد وثناء بیان فرماتے' پھر خطبہ دیتے اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ [اور مسلم کی ہی

445- [مسلم (٨٦٢) كتاب الجمعة : باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة ' ابو داود (١٠٩٣) نسائی (١١٠/٣) ابن ماجه (١١٠٥) احمد (٨٨/٥) بيهقی (٢٠٧/٣)]

446- [مسلم (٨٦٧) كتاب الجمعة : باب تخفيف الصلاة والخطبة ' نسائی (١٨٨/٣) ابن ماجه (٤٥)]

(٦٤٧) [الروض النضير (٢١٤/٢) مغنى المحتاج (٢٩٦/١) بدائع الصنائع (٢٦٧/١) سبل السلام (٦٣٣/٢)]

(٦٤٨) [الروضة الندية (٣٥٤/١)]

صَوْتُهُ ۔ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : ((مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ)) وَلِلنَّسَائِيِّ : ((وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ))۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔" [اور نسائی میں ہے کہ] "اور ہر گمراہی آگ میں داخلے کا ذریعہ ہے۔"

لغوی توضیح اِحْمَرَّتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِحْمَرَّ يَحْمَرُّ (بروزن افعلال) سے اس کا معنی ہے "سرخ ہونا"۔ اِشْتَدَّ بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِشْتَدَّ يَشْتَدُّ (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے "سخت ہونا"۔ مُنْذِر ڈرانے والے کو اور جَيْش لشکر کو کہتے ہیں۔ صَبَّحَكُمْ اور مَسَّاكُمْ کا معنی ہے صبح کو تم پر حملہ آور ہو جائے شام کو تم پر حملہ کر دے۔ مُحْدَثَات سے مراد نئی اختراع کردہ اشیاء ہیں جنہیں دین کے نام پر ایجاد کر لیا گیا ہو انہی کو بدعات کہتے ہیں۔ بِدْعَة دین میں ایسے نئے کام کو کہتے ہیں جو عہد رسالت مآب میں موجود نہ ہو۔

فهم الحديث اس حدیث میں مسنون خطبہ جمعہ کے الفاظ مذکور ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ خطبہ میں یہ تین آیات بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے: (1) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران : ۱۰۲] (2) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [النساء : ۱] (3) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ [الأحزاب : ۷۰۔۷۱] نیز اس حدیث سے دوران وعظ خطیب کی کیفیت بھی معلوم ہوتی۔ خطیب کو چاہیے کہ ایسا انداز اپنائے جو پر اثر ہو اور زیادہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے۔

447- وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "بلاشبہ آدمی کی لمبی نماز اور مختصر خطبہ اس کی فقاہت کی علامت ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح قِصَر سے مراد ہے "مختصر" اور مَئِنَّة "علامت ونشانی" کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقلمند اور صاحب بصیرت خطیب وہ ہے جو مختصر مگر جامع خطبہ دے کیونکہ مختصر بات یاد رکھنا ہی آسان ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ ہمیشہ طویل خطبے سے اجتناب ہی کیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت طویل وعظ ونصیحت نہیں فرماتے تھے بلکہ چند مختصر کلمات پر ہی اکتفا فرماتے تھے۔ (۶۴۹)

448- وَعَنْ أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((مَا أَخَذْتُ "ق

حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سورۂ ق لسان محمد ﷺ سے سن سن کر یاد کر لی آپ ﷺ منبر پر لوگوں کو خطبہ

447- [مسلم (۸٦۹) كتاب الجمعة : باب تخفيف الصلاة والخطبة، احمد (۲٦۳/٤) ابن خزيمة (۱۷۸۲)]

448- [مسلم (۸۷۳) كتاب الجمعة : باب تخفيف الصلاة والخطبة، ابو داود (۱۱۰۰۔۱۱۰۳) نسائی (۱۵۷/۲) احمد (٤۳۵/٦) ابن خزيمة (۱۷۸۹)]

---

(٦٤٩) [حسن : صحيح أبو داود (۹۷۹) كتاب الصلاة : باب إقصار الخطب، أبو داود (۱۱۰۷)]

وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ" إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَؤُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

دیتے ہوئے ہر جمعہ کو اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر خطبہ جمعہ میں سورۂ ق مکمل یا اس کا کچھ حصہ پڑھنا مسنون ہے' لیکن اس پر بھی اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے کہ یہ سورت پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔(٦٥٠) ہر خطبہ جمعہ میں آپ ﷺ کے اس سورت کو اختیار کرنے کا سبب یہ تھا کہ اس میں موت' بعث بعد الموت اور احوالِ قیامت کا ذکر ہے' جو لوگوں کے لیے نصیحت حاصل کرنے اور عمل کی طرف راغب ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسبِ ضرورت بار بار ایک ہی وعظ کرنا بھی درست ہے۔

449- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا، وَالَّذِي يَقُولُ لَهُ: أَنْصِتْ، لَيْسَ لَهُ جُمُعَةٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے جمعہ کے دن اس وقت کلام کیا کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ایسے گدھے کی طرح ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہیں اور جس نے اسے کہا کہ خاموش ہو جاؤ اس کا بھی جمعہ نہیں ہوا۔" [اسے احمد نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جسے لا باس به کہا گیا ہے۔]

450-وَهُوَ يُفَسِّرُ حَدِيثَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي الصَّحِيحَيْنِ مَرْفُوعًا: ((إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ))۔

اور یہ حدیث صحیحین میں موجود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی (اس) مرفوع حدیث کی تفسیر کرتی ہے: "جمعہ کے روز اگر تم نے اپنے ساتھی کو کہا' خاموش ہو جا اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تم نے لغو حرکت کی۔"

لغوی توضیح أَسْفَارًا جمع ہے سِفر کی' یہ بڑی کتاب کو کہتے ہیں۔ أَنْصِتْ فعل امر کا صیغہ ہے باب أَنْصَتَ يُنْصِتُ (بروزنِ افعال) سے' اس کا معنی ہے "خاموش ہونا"۔ لَغَوْتَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب لَغَا يَلْغُو (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "باطل کر لینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ خطبہ باتیں کرنا منع ہے' اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اجر ضائع ہو جائے گا بلکہ باتیں کرنے والے کو روکنے والے کا بھی اجر ضائع ہو جائے گا' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا جمعہ نہیں ہوگا کیونکہ جن روایات میں یہ مذکور ہے وہ ضعیف ہیں۔(٦٥١) لہٰذا دورانِ خطبہ خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور مکمل توجہ خطیب کے وعظ کی

449- [ضعيف: ضعيف الترغيب (٤٤٠) كتاب الجمعة: باب الترهيب من الكلام والإمام يخطب والترغيب في الإنصات' احمد (٢٣٠/١) بزار في كشف الأستار (٦٤٤) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند محتمل التحسین ہے۔]

450- [بخاری (٩٣٤) كتاب الجمعة: باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب' مسلم (٨٥١) ابو داود (١١١٢) ترمذی (٥١٢) ابن ماجه (١١١٠) احمد (٢٢٤/٢) مالك (١٠٣/١) دارمی (١٥٤٨)]

(٦٥٠) [سبل السلام (١٣٤/٢)]

(٦٥١) [ضعيف: ضعيف أبو داود (٢٣٠) كتاب الصلاة: باب فضل الجمعة' أبو داود (١٠٥١) أحمد (٩٣/١) اس کی سند میں عطاء خراسانی کی بیوی کا آزاد کردہ غلام مجہول ہے۔ [الروضة الندية (٣٤٩/١)]

طرف رکھنی چاہیے۔ جمہور علماء کا مؤقف یہ ہے کہ دورانِ خطبہ خاموش رہنا واجب ہے اور ہر قسم کا کلام حرام ہے۔(٦٥٢)

451- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ، فَقَالَ ((صَلَّيْتَ؟)) قَالَ: لَا، قَالَ: ((قُمْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ))۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بروز جمعہ (مسجد میں) داخل ہوا، نبی ﷺ اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے (اس سے) دریافت فرمایا ''تو نے (دو رکعت تحیۃ المسجد کی) نماز پڑھی ہے؟'' اس نے عرض کیا، نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کھڑا ہو جا اور دو رکعت نماز پڑھ۔''

فہم الحدیث ایک اور روایت میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعتیں ادا کرے اور ان دونوں کو اختصار کے ساتھ پڑھے۔''(٦٥٣) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ خطبہ مسجد میں آنے والے کو دو رکعت نماز پڑھ کر بیٹھنا چاہیے۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا مؤقف اس کے برخلاف ہے(٦٥٤) مگر یہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ لہٰذا پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔(٦٥٥) شیخ ابن بازؒ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(٦٥٦) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی دو رکعتیں پڑھے بغیر مسجد میں بیٹھ جائے تو یہ رکعتیں اس سے فوت نہیں ہوں گی بلکہ اسے دوبارہ اٹھ کر دو رکعتیں پڑھنی چاہییں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دورانِ خطبہ امام کسی دوسرے سے مخاطب ہو سکتا ہے۔

452- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ((كَانَ يَقْرَأُ فِيْ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز جمعہ میں (پہلی رکعت میں) سورۂ جمعہ اور (دوسری میں) سورۂ منافقین کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

453- وَلَهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي

اور مسلم میں ہی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عیدین اور جمعہ میں (پہلی رکعت میں) سبح اسم ربك

451- [بخاری (٩٣١) كتاب الجمعة: باب من جاء والإمام يخطب، مسلم (٨٧٥) ابو داود (١١١٥) ترمذی (٥١٠) نسائی (١٠٣/٣) ابن ماجه (١١١٢) احمد (٢٩٧/٣) ابن الجارود (٢٩٣)]

452- [مسلم (٨٧٩) كتاب الجمعة: باب ما يقرأ في يوم الجمعة، ابو داود (١٠٧٥) ترمذی (٥٢٠) نسائی (١١١/٣) ابن ماجه (٨٢٠) احمد (٢٢٦/١) ابن خزيمة (٥٣٣)]

453- [مسلم (٨٧٨) كتاب الجمعة: باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، ابو داود (١١٢٢) ترمذی (٥٣٣) نسائی (١١٢/٣) احمد (٢٧١/٤) دارمی (١٥٦٨)]

---

(٦٥٢) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الأم (٣٤٥/١) المجموع (٣٩٣/٤) بدائع الصنائع (٢٦٤/١) المبسوط (٢٧/٢) الهداية (٨٤/١) المغني (١٩٧/٣) بداية المجتهد (١٢٧/١)]

(٦٥٣) [صحيح: صحيح أبو داود (٩٨٨) كتاب الصلاة: باب إذا دخل الرجل والإمام يخطب، أبو داود (١١١٧)]

(٦٥٤) [المجموع (٤٢٨/٤) المغني (١٩٢/٣) الأم (٣٣٨/١) بدائع الصنائع (٢٦٣/١)]

(٦٥٥) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٥٤٤/٢) تحفة الأحوذي (٥١/٣) شرح مسلم للنووي (٤٣٠/٣) فتح الباري (٧٣/٣) سبل السلام (٦٤٢/٢)]

(٦٥٦) [فتاوى إسلامية (٤٠٦/١)]

الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ)) ۔ الأعلی اور (دوسری میں) هل أتاك حدیث الغاشیه کی تلاوت فرماتے تھے۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز جمعہ میں جہری قراءت کیا کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جمعہ میں یہ سورتیں پڑھنا آپ ﷺ کا معمول تھا' اس لیے آپ ﷺ کی اتباع میں یہی سورتیں پڑھنی چاہئیں' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے علاوہ اور سورتیں نہیں پڑھی جا سکتیں۔ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ کو اختیار کرنے کا مقصد واضح ہے کہ اس میں اذانِ جمعہ کے بعد کاروبار چھوڑ دینے اور جمعہ کے لیے مساجد میں پہنچنے کا حکم ہے۔ سورۂ منافقین کو اختیار کرنے کا سبب منافقین کو نصیحت کرنا اور انہیں توبہ کی ترغیب دلانا تھا کیونکہ نماز جمعہ میں منافقین بھی کثرت سے شریک ہوا کرتے تھے۔ سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کو معمول بنانے کا سبب لوگوں میں فکرِ آخرت پیدا کرنا تھا کیونکہ ان دونوں میں اسی کا بیان ہے۔

454- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِيدَ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ فَقَالَ: ((مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز عید پڑھائی' پھر نماز جمعہ پڑھنے کی رخصت دے دی اور فرمایا "جو جمعہ کی نماز پڑھنا چاہے پڑھ لے۔" [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "یقیناً تمہارے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں پس جو چاہے اسے (نماز عید ہی) نماز جمعہ سے کفایت کر جائے گی لیکن ہم تو جمعہ ادا کریں گے۔" (٦٥٧) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جمعہ کے روز عید آ جائے تو عید پڑھنے کے بعد نماز جمعہ پڑھنے کی رخصت ہے' جو چاہے جمعہ پڑھ لے اور جو چاہے جمعہ چھوڑ کر صرف ظہر ادا کر لے۔ لیکن جو کسی وجہ سے عید نہ پڑھ سکے تو اسے نماز جمعہ میں ضرور شرکت کرنی چاہیے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ بھی مسلمانوں کی عید ہے۔

455- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں ادا کیا کرتے تھے۔ (٦٥٨) معلوم ہوا کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھنا افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور از کار و ادعیہ کی

454- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٠٧٠) كتاب الصلاة : باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد' ابن ماجه (١٣١٠) نسائي (١٩٤/٣) احمد (٣٧٢/٤) حاكم (٢٨٨/١) بيهقي (٤١٧/٣) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن شواہد کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔]

455- [مسلم (٨٨١) كتاب الجمعة : باب الصلاة بعد الجمعة' ابو داود (١١٣١) ترمذي (٥٢٢) نسائي (١١٣/٣)]

---

(٦٥٧) [صحيح : صحيح أبو داود (٩٤٨) أيضا' أبو داود (١٠٧٣) ابن ماجة (١٣١١) بيهقي (٣١٨/٣)]

(٦٥٨) [نسائي (١١٣/٣) كتاب الجمعة : باب صلاة الإمام بعد الجمعة' بخاري (٩٣٧' ١١٦٥) مسلم (٨٨٢) أبو داود (١١٢٨) ترمذي (٥٢١) ابن ماجة (١١٣٠) أحمد (١٠٣/٢)]

زیادتی کی وجہ سے اجر میں بھی یقیناً اضافہ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی صرف دو رکعتیں ہی پڑھنا چاہے تو اس کا بھی جواز موجود ہے جیسا کہ مذکورہ دوسری حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ اگر کوئی جمعہ کے بعد مسجد میں نفل پڑھنا چاہے تو چار پڑھے اور اگر کوئی گھر میں جا کر پڑھنا چاہے تو دو پڑھے۔(٦٥٩)

456- وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَهُ: إِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلَاةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ أَوْ تَخْرُجَ، فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَنَا بِذٰلِكَ: أَنْ لَا نَصِلَ صَلَاةً بِصَلَاةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ نے ان سے فرمایا تھا کہ جب تم جمعہ کی نماز ادا کرو تو اس کے ساتھ کوئی نماز نہ ملاؤ حتی کہ تم کلام کر لو یا وہاں سے نکل جاؤ' بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم کوئی نماز کسی نماز کے ساتھ نہ ملائیں جب تک کلام نہ کر لیں یا وہاں سے نکل نہ جائیں۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کے بعد فوراً اسی جگہ پر کھڑے ہو کر نوافل کی ادائیگی شروع نہیں کر دینی چاہیے بلکہ فرائض اور نوافل میں فرق کرنے کے لیے یا تو گفتگو کر لینی چاہیے یا پھر جگہ تبدیل کر لینی چاہیے۔ یہ حکم نماز جمعہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر نماز کے لیے ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان عام ہے جو ہر نماز کو شامل ہے۔ اہل علم نے کہا ہے کہ نوافل کے لیے فرائض کی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اختیار کرنا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ انسان نوافل گھر میں ادا کرے کیونکہ گھر میں نوافل کی ادائیگی کو رسول اللہ ﷺ نے افضل قرار دیا ہے۔(٦٦٠) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ نماز جمعہ اور دیگر نمازوں کے فرائض و نوافل کے درمیان فرق کرنا مسنون ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے یہی ثابت ہے۔(٦٦١)

457- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ: غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو غسل کرے' پھر جمعہ کے لیے (مسجد میں) آئے' پھر جتنی اس کے مقدر میں ہو نماز پڑھے' پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہے' پھر اس کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس کے دونوں جمعوں کے درمیانی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں' اور مزید تین دن کے بھی۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان "جتنی اس کے مقدر میں ہو نماز پڑھے" سے استدلال کرتے ہوئے اہل علم نے کہا ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے غیر محدود نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔ امام شوکانیؒ(٦٦٢) اور امام صنعانیؒ(٦٦٣) اسی کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے مکمل اہتمام اور مسنون طریقے سے جمعہ ادا کرنے والے کی بڑی فضیلت ظاہر ہوتی

456- [مسلم (٨٨٣) كتاب الجمعة : باب الصلاة بعد الجمعة' ابو داود (١١٢٩)]

457- [مسلم (٨٥٧) كتاب الجمعة : باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة' ابو داود (٣٤٣) ترمذى (٤٩٨)]

(٦٥٩) [سبل السلام (١٤٣/٢)]
(٦٦٠) [سبل السلام (١٤٤/٢)]
(٦٦١) [توضيح الأحكام (٦٠١/٢)]
(٦٦٢) [نيل الأوطار (٦٤٩/٢)]
(٦٦٣) [سبل السلام (٦٤٩/٢)]

ہے کہ ایسے شخص کے دس دن کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

458- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ : ((فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالَى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ)) وَأَشَارَ بِيَدِهِ : يُقَلِّلُهَا ـ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ مُسْلِمٍ : ((وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيفَةٌ)) ـ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا"اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جو مسلمان بندہ اس گھڑی میں نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتے ہیں۔"اور پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ وہ وقت بہت تھوڑا ہے۔[بخاری، مسلم۔اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ]"وہ بہت مختصر سا وقت ہے۔"

459- وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ رَجَّحَ الدَّارَقُطْنِيُّ أَنَّهُ مِنْ قَوْلِ أَبِي بُرْدَةَ ـ

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ"وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز پوری ہونے تک (کے درمیانی وقت میں) ہے۔"[اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور دارقطنی نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ ابو بردہ کا اپنا قول ہے۔]

460- وَ فِي حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ ـ

اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

461- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَ النَّسَائِيِّ : ((أَنَّهَا مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَ غُرُوبِ الشَّمْسِ)) ـ

اور ابوداود اور نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ گھڑی نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیانی وقت میں ہے۔

وَ قَدِ اخْتُلِفَ فِيهَا عَلَى أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ قَوْلًا أَمْلَيْتُهَا فِي شَرْحِ الْبُخَارِيِّ ـ

(حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ) اس سلسلے میں علماء کے چالیس اقوال ہیں، میں نے ان سب کو بخاری کی شرح (فتح الباری) میں لکھ دیا ہے۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فضائل جمعہ میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں ہر

458- [بخاری (۹۳۵) كتاب الجمعة : باب الساعة التي في يوم الجمعة، مسلم (۸۵۲) ابن ماجه (۱۱۳۷) نسائی (۱۱۵/۳) احمد (۲۳۰/۲) مالك (۱۰۸/۱) ابن الجارود (۲۸۲)]

459- [مسلم (۸۵۳) كتاب الجمعة : باب في الساعة التي في يوم الجمعة، ابو داود (۱۰۴۹) ابن خزيمة (۱۷۳۹)]

460- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (۱۰۴۶) كتاب الصلاة : باب فضل يوم الجمعة، ترمذی (۴۹۱) ابن ماجه (۱۱۳۹) نسائی (۱۱۳/۳) احمد (۴۵۱/۵) ابن خزيمة (۸۸۱) حاكم (۲۷۸/۱)]

461- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (۱۰۴۸) كتاب الصلاة : باب الإجابة أية ساعة هي في يوم الجمعة، نسائی (۹۹/۳) حاكم (۲۷۹/۱) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(جائز) دعا کرنے والے کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ یہ گھڑی کون سی ہے اس کی تعیین میں اختلاف ہے' زیادہ ظاہر دو قول ہیں جن کا بیان مذکورہ بالا دو احادیث میں ہوا ہے۔ ان کے علاوہ بعض روایات میں اسے دن کی آخری گھڑی کہا گیا ہے (٦٦٤) اور بعض میں اسے عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (٦٦٥) اس سلسلے میں زیادہ مناسب قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس گھڑی کو نماز جمعہ سے لے کر دن کے آخر تک تلاش کیا جائے اور اس دوران کثرت سے دعا کی کوشش کی جائے' جیسا کہ شیخ ابن جبرین نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (٦٦٦) یہاں ایک اشکال موجود ہے اور وہ یہ کہ اس تمام وقت میں انسان نماز ادا نہیں کر سکتا جبکہ مذکورہ بالا حدیث میں نماز پڑھتے ہوئے دعا کرنے کا ذکر ہے' تو اس کا حل یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز کا انتظار بھی تو نماز ہی شمار ہوتا ہے۔

462- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ فَصَاعِدًا جُمُعَةً)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ سنت جاری رہی ہے کہ ہر چالیس یا اس سے کچھ زائد افراد پر جمعہ ہے۔ [اسے دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث یہ اور اس معنی کی وہ تمام روایات جن میں جمعہ کے لیے افراد کی تعداد کا تعین کیا گیا ہے' سب ضعیف ہیں۔ لہٰذا راجح مؤقف یہی ہے کہ کم از کم جتنے افراد سے جماعت کا انعقاد ہو جاتا ہے اتنے افراد سے ہی جمعہ کا انعقاد بھی ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے کا مزید بیان گزشتہ حدیث نمبر 443 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

463- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَسْتَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر جمعہ میں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دعائے مغفرت فرمایا کرتے تھے۔ [اسے بزار نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت تو ثابت نہیں' البتہ وہ روایت صحیح ہے جس میں ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک قبولیت دعا کی گھڑی ہے اور وہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک کے درمیانی وقت میں ہے۔ اس کے پیش نظر اگر امام خطبہ جمعہ یا نماز جمعہ کے دوران اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے خیر و بھلائی کی دعا کرتا ہے تو یقیناً یہ مستحب ہے۔

464- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ خطبہ

462- [ضعيف جدا : إرواء الغليل (٦٠٣) دارقطني (٤/٢) بيهقي (١٧٧/٣)] شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

463- [بزار في كشف الأستار (٦٤١) طبراني كبير كما في مجمع الزوائد (١٩٠/٢)] شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

464- [مسلم (٨٦٢) كتاب الجمعة : باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة' ابو داود (١٠٩٣) ابن ماجه (١١٠٥) نسائي (١٠٩/٣)]

---

(٦٦٤) [حسن : صحيح ابن ماجة (٩٣٤) ابن ماجة (١١٣٩) أحمد (٤٥١/٥) موطا (١٠٨/١)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (٣٨٠/١)]

(٦٦٥) [صحيح : صحيح أبو داود (٩٢٦) كتاب الصلاة : باب الإجابة أية ساعة هي في يوم الجمعة' أبو داود (١٠٤٨)]

(٦٦٦) [فتاوى إسلامية (٤٠٠/١)]

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي الْخُطْبَةِ يَقْرَأُ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ، يُذَكِّرُ النَّاسَ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ أَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ۔

میں قرآن کی کچھ آیات تلاوت کر کے لوگوں کو نصیحت فرمایا کرتے تھے۔[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ خطبہ متعلقہ موضوع کی آیات تلاوت کر کے لوگوں کو تذکیر ونصیحت کرنی چاہیے اور پھر صحیح احادیث کی روشنی میں اُن آیات کی تفسیر وتشریح کرنی چاہیے۔ خطبہ میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے فضول قسم کی باتوں' لطیفوں' چٹکلوں اور من گھڑت روایات کا سہارا نہیں لینا چاہیے' بلکہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاثیر تو صرف قرآن وحدیث میں ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے اُن حضرات کا بھی رد ہوتا ہے جو صرف عربی کے چند کلمات کو خطبہ شمار کرتے ہیں اور تذکیر ونصیحت کو خطبہ کا نام نہیں دیتے۔

465- وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((**الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: مَمْلُوكٌ، وَامْرَأَةٌ، وَصَبِيٌّ، وَمَرِيضٌ**)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ، وَقَالَ: لَمْ يَسْمَعْ طَارِقٌ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ مِنْ رِوَايَةِ طَارِقٍ الْمَذْكُورِ عَنْ أَبِي مُوسَى۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جمعہ با جماعت ادا کرنا ہر مسلمان پر حق و واجب ہے مگر چار طرح کے افراد اس سے مستثنیٰ ہیں: غلام' عورت' بچہ اور مریض۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا' اور کہا ہے کہ طارق کا نبی ﷺ سے سماع ثابت نہیں اور حاکم نے بھی طارق کی روایت ابوموسیٰ کے واسطے سے ذکر کی ہے۔]

466- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((**لَيْسَ عَلَى مُسَافِرٍ جُمُعَةٌ**)) رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' مسافر پر جمعہ (واجب) نہیں۔'' [اسے طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام' عورت' بچے' مریض اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں' البتہ اگر وہ پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ نہ پڑھیں تو نماز ظہر ادا کر لیں۔ مسافر پر جمعہ کی عدم فرضیت سے متعلقہ روایت کی صحت میں چونکہ اختلاف ہے اس لیے اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابن حزمؒ (٦٦٧) فرماتے ہیں کہ مسافر پر جمعہ واجب ہے جبکہ جمہور علماء (٦٦٨) کا کہنا ہے کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں (ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دورانِ حج جمعہ نہیں بلکہ ظہر پڑھی تھی)۔ یہی مؤقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ امام صنعانیؒ (٦٦٩) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٦٧٠) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

465- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (١٠٦٧) كتاب الصلاة: باب الجمعة للمملوك والمرأة' دارقطنی (٣/٢) بیهقی (١٧٢/٣) حاكم (٢٨٨/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

466- [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (٥٤٠٥) طبرانی فی الأوسط (٨١٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن شواہد کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔]

(٦٦٧) [المحلی بالآثار (٢٥٢/٣)]

(٦٦٨) [نیل الأوطار (٥٠٥/٢-٥٠٦) سبل السلام (٦٥٩/٢) المجموع (٤٩٦/٤) البحر (٤/٢)]

(٦٦٩) [سبل السلام (٦٥٩/٢)] (٦٧٠) [فتاوی إسلامية (٣٩٧/١)]

467- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب منبر پر کھڑے ہوتے تو ہم اپنے رخ آپ کی طرف کر لیتے۔[اسے ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

468- وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ۔

اور اس کے لیے ابن خزیمہ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد بھی ہے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دے رہا ہو تو اپنا رخ اس کی طرف رکھنا چاہیے تاکہ مکمل توجہ اور یکسوئی سے وعظ سنا جا سکے۔ یہ روایت اگرچہ کمزور ہے لیکن اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔(٦٧١)

469- وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ حَزْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((شَهِدْنَا الْجُمُعَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى عَصًا أَوْ قَوْسٍ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت حکم بن حزن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ میں حاضر تھے' آپ لاٹھی یا کمان کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے۔

[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ خطبہ دیتے وقت لاٹھی' چھڑی یا اس کی مثل کسی چیز کا سہارا لینا مسنون و مستحب ہے۔ اہل علم نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس سے ایک تو خطیب جلد تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا اور دوسرے یہ کہ اس کے ہاتھ بلاوجہ حرکت کرنے سے بچے رہتے ہیں۔

باب صلاة الخوف — نماز خوف کا بیان

470- عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَمَّنْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ:

حضرت صالح بن خوات رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے روایت کیا ہے جس نے غزوہ ذات الرقاع کے دن نبی ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی تھی (اس کا بیان ہے کہ):

((أَنَّ طَائِفَةً مِنْ أَصْحَابِهِ ﷺ صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ، فَصَلَّى بِالَّذِينَ

''ایک گروہ نے آپ ﷺ کے ساتھ صف بندی کی اور ایک دوسرا گروہ دشمن کے سامنے صف بند ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں

467- [**صحیح**: صحیح ترمذی' ترمذی (٥٠٩) کتاب الصلاة: باب ما جاء فی استقبال الإمام إذا خطب' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

468- [ابن خزیمة (١٨٦٣)]

469- [**حسن**: صحیح ابو داود' ابو داود (١٠٩٦) کتاب الصلاة: باب الرجل یخطب علی قوس' احمد (٢١٢/٤) ابن خزیمة (١٤٥٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

470- [بخاری (٤١٢٩) کتاب المغازی: باب غزوة ذات الرقاع' مسلم (٨٤٢) ابو داود (١٢٣٨) ترمذی (٥٦٧) نسائی (١٧١/٣) احمد (٤٤٨/٣) مالك (١٨٣/١) دارقطنی (٦٠/٢) بیهقی (٢٥٣/٣)]

(٦٧١) [دیکھئے: سبل السلام (١٥٨/٢) توضیح الأحکام (٦٢٢/٢)]

مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرَى فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ، وَوَقَعَ فِي الْمَعْرِفَةِ لِابْنِ مَنْدَهْ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ أَبِيهِ۔

کو جو آپ ﷺ کے ساتھ صف باندھ کر کھڑے تھے ایک رکعت پڑھائی اور آپ ﷺ سیدھے کھڑے رہے۔ انہوں نے اپنے طور پر باقی نماز ادا کر لی اور چلے گئے اور دشمن کے سامنے صف بند ہو گئے۔ پھر دوسرا گروہ آیا آپ ﷺ نے اسے (اپنی) باقی ایک رکعت پڑھائی اور بیٹھے رہے۔ انہوں نے اس دوران اپنے طور پر نماز مکمل کر لی پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیر دیا۔" [بخاری، مسلم۔ یہ مسلم کے لفظ ہیں اور ابن مندہ کی معرفہ میں ہے کہ صالح بن خوات نے اپنے والد سے بیان کیا۔]

لغوی توضیح صلاۃ الخوف سے مراد وہ نماز ہے جو خوف کی حالت میں پڑھی جاتی ہے۔ حالتِ خوف سے مراد ہے جب اسلامی لشکر کفار کے لشکر کے بالمقابل ہو مگر فریقین ابھی باہم گتھم گتھا نہ ہوئے ہوں کیونکہ اگر ایسا ہو چکا ہو تو پھر جیسے بھی ممکن ہو نماز درست ہے۔ وِجَاهَ کا معنی ہے "سامنے"۔ اَلْعَدُوُّ دشمن کو کہتے ہیں' اس کی جمع أَعْدَاء آتی ہے۔

فہم الحدیث حسبِ احوال نبی ﷺ سے نماز خوف کے مختلف طریقے منقول ہیں۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے دس' بعض نے سولہ' جبکہ امام ابن قیمؒ نے چھ طریقے بیان کیے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔(٦٧٢) ان طریقوں میں سے ایک اس حدیث میں اور کچھ آئندہ احادیث میں مذکور ہیں۔ اہل علم نے ان تمام طریقوں کو' جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں' درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حسبِ ضرورت ان میں سے کوئی بھی اپنا لیا جائے تو کافی ہے۔ امام احمدؒ(٦٧٣)، امام نوویؒ(٦٧٤)، امام خطابیؒ(٦٧٥)، امام شوکانیؒ(٦٧٦)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(٦٧٧) اور نواب صدیق حسن خانؒ(٦٧٨) اسی کے قائل ہیں۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ بالآخر کس وجہ سے آپ ﷺ نے اتنے طریقوں سے نماز پڑھی۔ تو اہل علم اس کا جواب دو طرح سے دیتے ہیں' ایک یہ کہ خوف کی کمی بیشی اور مختلف احوال کے باعث جو طریقہ زیادہ فائدہ مند تھا وہی آپ ﷺ نے اپنا لیا' دوسرے یہ کہ زیادہ طریقوں سے اس لیے یہ نماز پڑھی تاکہ سب کا جواز ظاہر ہو جائے اور جسے اپنے حالات کے مطابق جو طریقہ مناسب لگے وہ اسی کو اختیار کر لے۔(٦٧٩)

علاوہ ازیں اس مسئلے میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا سفر و حضر میں نماز خوف پڑھی جا سکتی ہے یا صرف سفر میں۔ جمہور، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ نماز خوف سفر و حضر میں درست ہے۔ جبکہ امام مالکؒ نے نماز خوف کے لیے سفر کی شرط لگائی ہے۔ جمہور کا موقف ہی راجح ہے کیونکہ نماز خوف کے لیے سفر کی شرط کسی صحیح صریح دلیل سے ثابت نہیں۔(٦٨٠)

---

(٦٧٢) [نیل الأوطار (٦٢٢/٢۔٦٢٣) فتح الباری (١٠٢/٣) شرح مسلم للنووی (٣٩٠/٣) الروضة الندية (٣٦٨/١)]
(٦٧٣) [نیل الأوطار (٦٢٣/٢)]
(٦٧٤) [شرح مسلم (٣٩٠/٣)]
(٦٧٥) [معالم السنن (٢٦٩/١)]
(٦٧٦) [السيل الجرار (٣١٣/١)]
(٦٧٧) [تحفة الأحوذی (١٧٩/٣)]
(٦٧٨) [الروضة الندية (٣٧٠/١)]
(٦٧٩) [الروضة الندية (٣٧١/١)]
(٦٨٠) [ملاحظہ فرمائیے: نیل الأوطار (٦٢٤/٢)]

471- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ، فَصَافَفْنَاهُمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَصَلّٰى بِنَا، فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ، وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ، وَرَكَعَ بِمَنْ مَعَهُ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ، فَجَاؤُوا فَرَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ، فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نجد کی جانب کسی غزوہ میں شریک ہوا، ہم دشمن کے بالمقابل صف باندھے کھڑے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے ہمیں نماز پڑھائی، ایک جماعت نماز ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ کے ساتھ کھڑی ہوگئی اور ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ جو جماعت آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہی تھی اس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدے کیے، پھر وہ اس گروہ کی جگہ واپس چلی گئی جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی۔ اس جماعت کے افراد آئے، آپ ﷺ نے ان کو بھی دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا، لیکن پھر دونوں میں سے ہر گروہ کھڑا ہوا اور رکوع و سجود کر کے الگ الگ اپنی رکعت پوری کی۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

472- عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا صَفَّيْنِ: صَفٌّ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ، وَأَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى السُّجُودَ قَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ ......)) فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَفِي رِوَايَةٍ: ((ثُمَّ سَجَدَ وَسَجَدَ مَعَهُ الصَّفُّ الْأَوَّلُ فَلَمَّا قَامُوا سَجَدَ الصَّفُّ الثَّانِي،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف میں شریک تھا۔ ہم نے دو صفیں بنائیں، ایک صف رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑی ہوگئی جبکہ دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا، نبی ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور ہم سب نے بھی اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے بھی رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی اٹھایا، پھر آپ ﷺ اور آپ کے قریب والی صف سجدے میں چلی گئی لیکن پچھلی صف دشمن کے (مقابلے کے لیے اس کے) سامنے کھڑی رہی، جب آپ ﷺ نے سجود مکمل کیے تو آپ کے قریب والی صف کھڑی ہوگئی۔ [پھر راوی نے باقی حدیث بیان کی اور ایک روایت میں ہے کہ] پھر آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ پہلی صف نے سجدہ کیا، جب وہ کھڑے ہوگئے تو

471- [بخاری (٩٤٢) كتاب الجمعة: باب وقول الله تعالى وإذا ضربتم في الأرض، مسلم (٨٣٩) ابو داود (١٢٤٣) ترمذی (٥٦٤) نسائی (١٧١/٣) احمد (١٥٥/٢) مالك (١٨٤/١)]

472- [مسلم (٨٤٠) كتاب صلاة المسافرين وقصرها: باب صلاة الخوف، ابن ماجه (١٢٦٠) نسائی (١٧٥/٣) احمد (٣١٩/٣) بیهقی (٢٥٧/٣)]

ثُمَّ تَأَخَّرَ الصَّفُّ الْأَوَّلُ وَتَقَدَّمَ الصَّفُّ الثَّانِي)) وَذَكَرَ مِثْلَهُ ، وَفِي أَوَاخِرِهِ : ((ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

دوسری صف نے سجدہ کیا۔ پھر پہلی صف پیچھے چلی گئی اور دوسری صف آگے آ گئی اور اس کی مثل ہی ذکر کیا اور آخر میں نبی ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیر دیا۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

473- وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، وَزَادَ : إِنَّهَا كَانَتْ بِعُسْفَانَ ۔

اور ابوداود میں ابوعیاش زرقی سے اسی طرح مروی ہے البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ یہ نماز عسفان مقام میں ادا کی گئی تھی۔

474- وَلِلنَّسَائِيِّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ صَلَّى بِآخَرِينَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ)) ۔

اور نسائی میں ایک دوسری سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کے ایک گروہ کو (نماز خوف کی) دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا ' پھر دوسروں کو دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔

475- وَمِثْلُهُ لِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور ابوداود میں بھی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔

فهم الحديث مذکورہ بالا سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دونوں گروہوں کو الگ الگ سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھائیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نوافل کے پیچھے فرائض کی جماعت درست ہے کیونکہ جب دوسرے گروہ کو آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھائیں تو آپ ﷺ کی نماز نفل تھی (کیونکہ آپ کے فرض پہلے گروہ کے ساتھ ادا ہو چکے تھے) لیکن مقتدیوں کی فرض تھی۔ یہ نوافل کے پیچھے فرائض کی جماعت کے جواز کا ایسا واضح ثبوت ہے جسے کوئی رد نہیں کر سکتا لیکن مخالفین نے اس کا بھی حل نکالنے کی کوشش کی ہے ' جیسا کہ امام طحاویؒ نے اس حدیث کو ہی منسوخ کہا ہے ' حالانکہ اس کے نسخ کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ (٦٨١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث نوافل ادا کرنے والے کے پیچھے فرائض کی جماعت کے جواز کا ثبوت ہے۔ (٦٨٢)

473- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (١٢٣٦) كتاب الصلاة : باب صلاة الخوف من رأى أن يصلى بهم ' نسائی (١٧٧/٣) احمد (٥٩/٤) ابن الجارود (٢٣٢) دارقطنی (٥٩/٢) ابن حبان (٥٨٧ ۔ الموارد) حاکم (٣٣٧/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

474- [صحیح : صحیح نسائی ' نسائی (١٥٥٢) كتاب صلاة الخوف ' دارقطنی (٦١/٢) بیہقی (٢٥٩/٣) مزید دیکھئے : بخاری (٤١٣٦) مسلم (٨٤٣) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

475- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (١٢٤٨) كتاب الصلاة : باب من قال يصلى بكل طائفة ركعتين ' نسائی (١٧٨/٣) دارقطنی (٦١/٢) بیہقی (٢٥٩/٣) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٦٨١) [دیکھئے : سبل السلام (١٦٧/٢)]

(٦٨٢) [توضيح الأحكام (١٥/٣)]

476- وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى صَلَاةَ الْخَوْفِ بِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وَبِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وَلَمْ يَقْضُوا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان (یعنی پہلے گروہ) کو بھی ایک رکعت نماز خوف پڑھائی اور ان (یعنی دوسرے گروہ) کو بھی اور انہوں نے نماز پوری نہیں کی۔[اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

477- وَمِثْلُهُ عِنْدَ ابْنِ خُزَيْمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور ابن خزیمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں نماز خوف ایک رکعت بھی ادا کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، امام ثوریؒ اور امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ جمہور کا مؤقف ان کے خلاف ہے' ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو امام کے ساتھ رکعت نہ پڑھنے پر محمول کیا جائے گا یعنی انہوں نے امام کے ساتھ دوسری رکعت نہیں پڑھی بلکہ الگ اپنی اپنی رکعت پڑھ کر نماز پوری کر لی۔ امام شوکانیؒ نے جمہور کی تردید کرتے ہوئے پہلے مؤقف کو ہی ترجیح دی ہے۔(٦٨٣)

478- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((صَلَاةُ الْخَوْفِ رَكْعَةٌ عَلَى أَيِّ وَجْهٍ كَانَ)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" نماز خوف ایک رکعت ہی ہے خواہ کسی حال میں بھی (یعنی سوار ہو یا پیدال) ادا ہو۔[اسے بزار نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت اگرچہ کمزور ہے لیکن اس کی تائید اس صحیح روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ "یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان کے ذریعے مسافر پر دو رکعتیں' مقیم پر چار رکعتیں اور حالتِ خوف میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے۔" (٦٨٤) لیکن یہ یاد رہے کہ اس میں کم از کم نماز خوف کا ذکر ہے کیونکہ دیگر صحیح احادیث سے زیادہ رکعات پڑھنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ احادیث میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

479- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا : ((لَيْسَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ سَهْوٌ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مرفوعاً مروی ہے کہ "نماز خوف میں سجدہ سہو نہیں۔"[اسے دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

476- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٢٤٦) كتاب الصلاة : باب من قال يصلى بكل طائفة ركعة ولا يقضون' نسائي (١٦٧/٣) احمد (٣٨٥/٥) ابن حبان (٥٨٦_الموارد) بيهقي (٢٦١/٣) حاكم (٣٣٥/١) ابن خزيمة (١٣٤٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

477- [نسائي (١٦٩/٣) احمد (٢٣٢/١) ابن خزيمة (١٣٤٤) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

478- [بزار في كشف الأستار (٦٧٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

479- [ضعيف : ضعيف الجامع الصغير (٤٩١١) دارقطني (٥٨/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

---

(٦٨٣) [نيل الأوطار (٦٢٩/٢)]

(٦٨٤) [مسلم (٦٨٧) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة المسافرين وقصرها' أحمد (٢٣٧/١) أبو داود (١٢٤٧) بيهقي (١٣٥/٣) ابن خزيمة (١٣٤٦)]

فہم الحدیث یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر قابل عمل نہیں۔

❑ نیز یہ واضح رہے کہ جب گھمسان کی جنگ شروع ہو جائے اور خوف شدت اختیار کر جائے تو پھر سوار، پیدل، چلتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے ہر حال میں جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھنا درست ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾ [البقرۃ:۲۳۹] ''اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہو کر (جیسے بھی ممکن ہو نماز پڑھ لو)۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز خوف کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر خوف اس سے زیادہ سخت ہو تو پیدل اپنے قدموں پر کھڑے، یا سوار (اسی حالت میں) قبلہ رخ ہو کر یا قبلہ کے علاوہ کسی اور سمت میں (جیسے بھی ممکن ہو) نماز پڑھ لو۔ امام مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے کہا میں گمان کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہی بیان کی ہے۔(٦٨٥)

باب صلاة العيدين — نمازِ عیدین کا بیان

480- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ وَالْأَضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عید الفطر اس دن ہے جس دن لوگ روزے (مکمل کر کے انہیں) بند کر دیں اور عید الاضحیٰ اس دن ہے جس دن لوگ قربانی کریں۔''

[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح عِيدَيْنِ تثنیہ ہے عِيد سے، اس کی جمع أَعْيَاد آتی ہے، یہ باب عَادَ يَعُودُ (بروزن نصر) سے مشتق ہے، اس کا معنی ہے ''لوٹنا یا بار بار لوٹ کر آنے والا دن''۔ عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔ ان ایام کا نام عید اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ بار بار لوٹ کر آتے ہیں یا اس لیے کہ یہ بار بار خوشی و مسرت لے کر آتے ہیں۔ کتب سیر کے مطابق یہ عیدیں دو ہجری میں اور بعض دیگر اہل علم کے مطابق پہلی ہجری میں شروع ہوئیں۔ يُفْطِرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَفْطَرَ يُفْطِرُ (بروزن افعال) سے، اس کا معنی ہے ''روزہ چھوڑنا''۔ يُضَحِّي فعل مضارع کا صیغہ ہے باب ضَحَّى يُضَحِّي (بروزن تفعیل) سے، اس کا معنی ہے ''قربانی کرنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ روزے چھوڑنا اور قربانی کرنا یہ دونوں ایسے کام ہیں جو دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہی کیے جائیں گے، کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اکیلا ہی روزے چھوڑ کر عید منانا شروع کر دے (خواہ اس نے چاند ہی کیوں نہ دیکھا ہو) یا اسی طرح اکیلے ہی قربانی کرنے لگ جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اسلام کے ہاں صرف دو عیدوں کا ہی تصور ہے، لہٰذا جو حضرات تیسری عید کے بھی قائل ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

481- وَعَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنَ الصَّحَابَةِ ((أَنَّ

حضرت ابو عمیر بن انس رضی اللہ عنہ اپنے ایک صحابی چچا سے روایت کرتے ہیں کہ چند سوار آئے اور انہوں نے گزشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت

480- [صحیح : صحیح ترمذی، ترمذی (۸۰۲) کتاب الصوم : باب ما جاء في الفطر والأضحى متى يكون، دارقطنی (۲۲۵/۲) شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

481- [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۱۱۵۷) کتاب الصلاۃ : باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من يومه يخرج من الغد، ابن ماجه (۱۶۵۳) احمد (۵۷/۵) ابن الجارود (۲۶۶) دارقطنی (۱۷۰/۲) شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٦٨٥) [بخاری (٤٥٣٥) کتاب التفسیر : باب وقوموا لله قانتين]

رَکْبًا جَاءُوْا فَشَهِدُوْا أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُفْطِرُوا وَإِذَا أَصْبَحُوا أَنْ يَغْدُوا إِلَى مُصَلَّاهُمْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ ـ وَهٰذَا لَفْظُهُ ـ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ ـ

دی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ روزہ چھوڑ دو اور جب صبح ہو تو (نماز عید کے لیے) عیدگاہ آ جانا۔ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے یہ لفظ ابوداود کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔]

لغوی توضیح رَکْبًا جمع ہے رَاکِب اور رُکُوْب کی' مراد ہے ''سواروں کا گروہ''۔ یَغْدُوْ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب غَدَا یَغْدُوْ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''صبح کے وقت کہیں جانا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تاخیر سے عید کے متعلق علم ہو اور نماز عید کا وقت (جو زوال آفتاب تک ہے) گزر چکا ہو تو روزہ چھوڑ دینا چاہیے لیکن نماز عید اگلے روز ادا کرنی چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے نماز عید کے لیے آنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے وجوب کی دلیل آئندہ حدیث نمبر 484 بھی ہے۔ امام شوکانیؒ (٦٨٦)، امام صنعانیؒ (٦٨٧)، نواب صدیق حسن خانؒ (٦٨٨) اور علامہ البانیؒ (٦٨٩) اسی کے قائل ہیں۔ امام احمدؒ اسے فرض کفایہ اور امام ابوحنیفہؒ اسے اُس شخص پر واجب قرار دیتے ہیں جس پر جمعہ واجب ہے۔ جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اسے سنت مؤکدہ کہا ہے۔ (٦٩٠) راجح مؤقف یہ ہے کہ نماز عید ہر مکلف شخص پر فرض عین ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید عیدگاہ (یعنی مسجد سے باہر کسی کھلے میدان) میں ادا کرنا افضل ہے۔

482- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُو يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ يَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِي رِوَايَةٍ مُعَلَّقَةٍ ـ وَوَصَلَهَا أَحْمَدُ: ((وَيَأْكُلُهُنَّ أَفْرَادًا)) ـ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ کھجوریں کھایا کرتے تھے اور طاق عدد میں کھاتے تھے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ایک معلق روایت میں بھی یہی مذکور ہے اور احمد نے موصول روایت میں ذکر کیا ہے کہ] آپ ﷺ ایک ایک کر کے کھجوریں کھاتے تھے۔

483- وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ

حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے لیے کچھ کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن اس

482- [بخاری (٩٥٣) کتاب الجمعة: باب الأکل یوم الفطر قبل الخروج' ترمذی (٥٤٣) ابن ماجه (١٧٥٤) احمد (١٢٦/٣) ابن خزیمة (١٤٢٩)]

483- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (٥٤٢) کتاب الصلاة: باب ما جاء فی الأکل یوم الفطر قبل الخروج' ابن ماجه (١٧٥٦) احمد (٣٥٢/٥) دارمی (١٦٠٠) ابن خزیمة (١٤٢٦) ابن حبان (٢٨١٢) حاکم (٢٩٤/١) دارقطنی (٤٥/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(٦٨٦) [السیل الجرار (٣١٥/١)]
(٦٨٧) [سبل السلام (٦٧٧/٢)]
(٦٨٨) [الروضة الندیة (٣٥٨/١)]
(٦٨٩) [تمام المنة (ص/٣٤٤)]
(٦٩٠) [المغنی (٣٦٧/٢) کشاف القناع (٥٥/٢) فتح القدیر (٤٢٢/١) الدر المختار (٧٧٤/١) تبیین الحقائق (٢٢٣/١) مراقی الفلاح (ص/٨٩) الشرح الصغیر (٥٢٣/١) القوانین الفقهیة (ص/٨٥) مغنی المحتاج (٣١٠/١) المهذب (١١٨/١)]

حَتّٰی یَطْعَمَ وَلَا یَطْعَمُ یَوْمَ الْأَضْحٰی حَتّٰی یُصَلِّيَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

وقت تک کچھ نہیں کھاتے تھے جب تک نماز نہ پڑھ لیتے۔[اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث ان احادیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے نماز عید کے لیے باہر کھلے میدان میں نکلنا چاہیے اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ عید الفطر کے لیے جانے سے پہلے کچھ کھانا اور عید الاضحیٰ کے لیے جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے۔ عید الفطر کے روز نماز سے پہلے کوئی بھی میٹھی چیز کھائی جا سکتی ہے لیکن اگر کوئی سنت کے مطابق کھجوریں کھائے تو بہت بہتر ہے۔ کھجوریں طاق عدد میں کھانا اور ایک ایک کر کے کھانا مسنون ہے۔ اہل علم نے ایک ایک کر کے کھجوریں کھانے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ ایک تو یہ اخلاقی حوالے سے مستحسن ہے اور دوسرے یہ کہ ایک ایک کھجور کو اچھی طرح چبا کر کھانا نظام انہضام کی بہتری کے لیے مناسب ہے۔

484- وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيدَيْنِ: يَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ، وَ يَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر چلیں تا کہ وہ بھی امور خیر اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں۔ البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْعَوَاتِقَ جمع ہے عَاتِق کی، اس سے مراد ہے ''نوجوان بالغ لڑکیاں''۔ اَلْحُيَّضَ جمع ہے حَائِض کی، مراد ہے ''حائضہ عورت (جس کے ایام شروع ہوئے ہوں)''۔ تَعْتَزِلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِعْتَزَلَ يَعْتَزِلُ (بروزن افتعال) سے، اس کا معنی ہے ''الگ رہنا، دور رہنا''۔

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نماز عید کے لیے) نہ جا سکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھا دے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔''(۶۹۱) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید واجب ہے کیونکہ جب حائضہ اور بغیر چادر والی خواتین کو عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم ہے تو مردوں کو بالاولیٰ یہ حکم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین خواہ بوڑھی ہوں یا جوان، کنواری ہوں یا شوہر دیدہ، حائضہ ہوں یا طاہرہ انہیں عیدگاہ کی طرف جانا چاہیے اور کم از کم مسلمانوں کی دعائے خیر میں ضرور شرکت کرنی چاہیے۔ امام ابن قدامہؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عید کے دن عورتوں کے عیدگاہ کی طرف جانے میں کوئی حرج نہیں۔(۶۹۲) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی(۶۹۳) اور شیخ ابن جبرین (۶۹۴) کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ خواتین باپردہ ہو کر نکلیں گی، ان کے لیے بناؤ سنگھار کر کے بے حجاب ہو کر نکلنا قطعاً جائز نہیں۔ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بلاشبہ عورتوں کا نماز عیدین کے لیے نکلنا سنت مؤکدہ ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ باپردہ ہو کر نکلیں، زینب وزینت ظاہر کر کے نہ نکلیں۔(۶۹۵)

484- [بخاری (۹۷۴) كتاب الجمعة : باب خروج النساء والحيض إلى المصلى، مسلم (۸۹۰) ابو داود (۱۱۳۶) ترمذی (۵۳۹) ابن ماجه (۱۳۰۸) نسائی (۱۸۰/۳) احمد (۸٤/۵)]

(۶۹۱) [بخاری (۹۸۰) كتاب العيدين : باب إذا لم يكن لها جلباب فی العيد]

(۶۹۲) [المغنی لابن قدامة (۲۶۳/۳)]

(۶۹۳) [فتاوی اللجنة الدائمة (۲۸۶/۸)]

(۶۹٤) [فتاوی برائے خواتین (ص/۱۲۳)]

(۶۹۵) [فتاوی اللجنة الدائمة (۲۸۷/۸)]

❑ بچوں کو عید گاہ لے جانا بھی جائز ہے۔(٦٩٦)

485- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُصَلُّونَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عیدین کی نمازیں خطبہ سے پہلے ادا فرمایا کرتے تھے۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کے بعد خطبہ دینا مسنون ہے۔اس کی ایک اور واضح دلیل آئندہ حدیث نمبر 489 بھی ہے۔امام شوکانیؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ خطبہ نماز عید کے بعد دیا جائے۔(٦٩٧) سب سے پہلے جس شخص نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے کر سنت کی مخالفت کی تھی وہ مروان (اموی خلیفہ) تھا۔یہی وجہ ہے کہ اسی وقت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا تھا "اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی ہے۔" (وہ اس طرح کہ) تو نے نماز سے پہلے خطبہ شروع کر دیا ہے۔(٦٩٨)

486- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ الْعِيدِ رَكْعَتَيْنِ، لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا)) أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید کے دن دو رکعتیں ہی ادا فرمائیں، نہ ان سے پہلے کچھ پڑھا اور نہ ہی بعد میں۔ [اسے بخاری، مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نماز عیدین کی دو ہی رکعتیں ہیں (اس پر اجماع ہے) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عید گاہ میں ان دو رکعتوں کے علاوہ نہ ان سے پہلے کچھ پڑھنا مسنون ہے اور نہ بعد میں۔البتہ نماز سے فارغ ہو کر واپس گھر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے دو رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔(٦٩٩) مذکورہ واضح حدیث کے باوجود اہل علم نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔امام احمدؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ نہ تو نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا درست ہے اور نہ بعد میں۔احناف نے کہا ہے کہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھنا درست نہیں البتہ بعد میں پڑھی جا سکتی ہے۔امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ امام کچھ نہیں پڑھ سکتا لیکن مقتدی پہلے بھی اور بعد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔(٧٠٠) راجح موقف وہی ہے جو ابتداء میں بیان کر دیا گیا ہے۔(٧٠١)

485- [بخاری (٩٦٣) كتاب الجمعة : باب الخطبة بعد العيد، مسلم (٨٨٨) ترمذی (٥٣١) نسائی (١٨٣/٣) ابن ماجه (١٢٧٦) احمد (١٢/٢) بيهقی (٢٩٦/٣)]

486- [بخاری (٩٨٩) كتاب الجمعة : باب الصلاة قبل العيد وبعدها، مسلم (٨٨٤) ابو داود (١١٥٩) ترمذی (٥٣٧) ابن ماجه (١٢٩١) احمد (٣٥٥/١) نسائی (١٩٣/٣)]

(٦٩٦) [دیکھئے: بخاری (٩٧٥) كتاب العيدين : باب خروج الصبيان إلى المصلى، فتاوى اللجنة الدائمة (٢٨٩/٨)]

(٦٩٧) [نيل الأوطار (٥٩٣/٢)]

(٦٩٨) [مسلم (٤٩) كتاب الإيمان : باب بيان كون النهي عن المنكر من الايمان...... أبو داود (١١٤٠، ٤٣٤٠) ترمذی (٢١٧٢) نسائی (١١١/٨) ابن ماجة (١٢٧٥) أحمد (٢٠/٣) بيهقی (٢٩٦/٣)]

(٦٩٩) [حسن : صحيح ابن ماجة (١٠٦٩) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء في الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها، ابن ماجة (١٢٩٣)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (٤٢٣/١)] اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔[فتح الباری (١٥٩/٣)]

(٧٠٠) [المغنی لابن قدامة (٢٨٠/٣) نيل الأوطار (٦٠٣/٢) فتح الباری (١٥٩/٣) شرح مسلم للنووی (٤٤٨/٣)]

(٧٠١) [مزید دیکھئے: فتح الباری (١٥٩/٣)]

487- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الْعِيدَ بِلَا أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز عید اذان اور اقامت کے بغیر ادا فرمائی۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کے لیے نہ تو اذان کہنا مسنون ہے اور نہ ہی اقامت۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ اور کسی نماز کے لیے اذان و اقامت مشروع نہیں' جمہور سلف و خلف کا بھی یہی مؤقف ہے۔(۷۰۲)

488- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُصَلِّي قَبْلَ الْعِيدِ شَيْئًا، فَإِذَا رَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز عید سے پہلے کچھ نہیں پڑھا کرتے تھے' البتہ جب اپنے گھر کی طرف لوٹ جاتے تو جا کر دو رکعتیں ادا فرماتے۔ [اسے ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

489- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى، وَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ۔ وَالنَّاسُ عَلَى صُفُوفِهِمْ۔ فَيَعِظُهُمْ وَيَأْمُرُهُمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے روز عید گاہ کی طرف تشریف لے جاتے اور سب سے پہلے آپ ﷺ جس چیز کی ابتدا فرماتے وہ نماز ہوتی۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ پھیر کر کھڑے ہو جاتے' لوگ اپنی صفوں میں ہی ہوتے' تو آپ ﷺ انہیں نصیحت فرماتے اور احکام جاری فرماتے۔ [بخاری' مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ عید کے روز سب سے پہلے نماز عید ادا کرنی چاہیے۔ نماز عیدین عید گاہ میں ادا کرنی چاہیے۔ خطبہ نماز عید کے بعد دینا چاہیے۔ دوران خطبہ وعظ و نصیحت کرنا چاہیے۔ خطبہ میں امام کو لوگوں کی طرف اور لوگوں کو امام کی طرف رخ رکھنا چاہیے۔ امام کو خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے' منبر استعمال نہیں کرنا چاہیے وغیرہ۔ امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ عید کے لیے منبر استعمال نہیں فرمایا۔(۷۰۳) صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے مروان نے عید گاہ میں منبر رکھوایا تھا۔(۷۰۴) البتہ ابن حبان کی روایت میں ہے کہ نبی

487- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۱۱۴۷) كتاب الصلاة: باب ترك الأذان في العيد' ابن ماجه (۱۲۷۴) مزید دیکھئے: بخاری (۹۵۹) مسلم (۸۸۶) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

488- [حسن: صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (۱۲۹۳) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها: باب ما جاء في الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها' احمد (۳۶/۳) حاكم (۲۹۷/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

489- [بخاری (۹۵۶) كتاب الجمعة: باب الخروج إلى المصلى' مسلم (۸۸۹) نسائی (۱۸۷/۳) احمد (۳۶/۳)]

(۷۰۲) [كما في توضيح الأحكام (۴۱/۳)] (۷۰۳) [سبل السلام (۶۷۹/۲)]

(۷۰۴) [بخاری (۹۵۶)]

کریم ﷺ نے اپنی سواری پر خطبہ عید ارشاد فرمایا۔(٧٠٥) اس سے معلوم ہوا کہ کسی سواری وغیرہ پر بیٹھ کر خطبہ دینا مباح ودرست ہے۔

490- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ: ((التَّكْبِيرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُولَى وَخَمْسٌ فِي الْأُخْرَى، وَالْقِرَاءَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَنَقَلَ التِّرْمِذِيُّ عَنِ الْبُخَارِيِّ تَصْحِيحَهُ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں ہیں اور دونوں رکعتوں میں تکبیرات کے بعد قراءت ہے۔“ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے بخاری سے اس کی تصحیح نقل فرمائی ہے۔]

فهم الحديث حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز عیدین کی پہلی رکعت میں قرائت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرائت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔“(٧٠٦) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عیدین میں بارہ تکبیریں زائد ہیں' جن میں سے سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید، حضرت جابر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوایوب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، امام زہریؒ، امام مکحولؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ سب سے یہی مؤقف مروی ہے۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ زائد تکبیرات کی تعداد چھ ہے تین پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قراءت کے بعد۔(٧٠٧) پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔ امام شوکانیؒ (٧٠٨)، امام صنعانیؒ (٧٠٩)، علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ (٧١٠) اور نواب صدیق حسن خانؒ (٧١١) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

490- [حسن : صحيح ابو داود، ابو داود (١١٥١) كتاب الصلاة : باب التكبير في العيدين، ابن ماجه (١٢٧٨) احمد (١٨٠/٢) دارقطني (٤٨/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث شواہد کی وجہ سے قوی ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [العلل الكبير (ص/٩٣-٩٤)، (١٥٤)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٦٧٩/٢)]]

(٧٠٥) [الإحسان (٦٥/٧)، (٢٨٢٥) أبو يعلى (١١٨٢) امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔ [المجمع (٢٠٥/٢) ابن خزيمة (١٤٤٥) اس حدیث کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے جیسا کہ شیخ شعیب ارنؤوطؒ نے نقل کیا ہے۔ [التعليق على سبل السلام للشيخ صبحي حسن حلاق (٢٣١/٣)]]

(٧٠٦) [صحيح : صحيح ترمذي (٤٤٢) كتاب الجمعة : باب ما جاء في التكبير في العيدين، ترمذي (٥٣٦) ابن ماجة (١٢٧٩) ابن خزيمة (١٤٣٨) بيهقي (٢٨٦/٣) دارقطني (٤٨/٢) شرح معاني الآثار (٣٩٩٣٢)] اگرچہ اس حدیث کی سند میں کثیر بن عبداللہ راوی ضعیف ہے۔ [ميزان الاعتدال (٤٠٦/٣)] لیکن شواہد کی وجہ سے قوی و مضبوط ہو جاتی ہے۔[المجموع للنووي (١٦/٥)]

(٧٠٧) [المجموع (٢٠/٥) الأم (٣٩٥/١) المغني (٢٧٠/٣) بدائع الصنائع (٢٧٧/١) المبسوط (٤٠/٢) الهداية (٨٦٣١) الاختيار (٨٦٣١) بداية المجتهد (١٧١٣١)]

(٧٠٨) [نيل الأوطار (٦٠١/٢)]

(٧٠٩) [سبل السلام (٦٨١/٢)]

(٧١٠) [تحفة الأحوذي (١٠٧/٣)]

(٧١١) [الروضة الندية (٣٥٨/١)]

491- وَعَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفِطْرِ وَ الْأَضْحَى بِ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ' وَاقْتَرَبَتْ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازوں میں سورۂ ق اور سورۂ اقتربت الساعۃ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث معلوم ہوا کہ نماز عیدین میں یہ سورتیں پڑھنا مسنون ہے۔ان سورتوں کے علاوہ نماز عیدین میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے۔(۷۱۲) یاد رہے کہ یہ سورتیں پڑھنا واجب نہیں اس لیے حسب منشاء دوسری سورتیں بھی پڑھی جا سکتی ہے' لیکن سنت کی اتباع بہر حال بہتر ضرور ہے۔

492- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْعِيدِ خَالَفَ الطَّرِيقَ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی کریم ﷺ (عیدگاہ سے واپسی پر) راستہ تبدیل کر لیتے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

493- وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا نَحْوَهُ۔

اور ابوداود میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ سے واپسی پر راستہ تبدیل کرنا مستحب ہے۔راستہ تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس راستے سے عیدگاہ گیا ہے اس راستے سے واپس نہ آئے۔راستہ بدلنے میں آپ ﷺ کی حکمت کیا تھی اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: دونوں راستوں کے لوگوں کو سلام کہنا' دونوں راستوں پر چلنے کی برکت حاصل کرنا' تمام راستوں میں شعائرِ اسلام کا اظہار کرنا اور دونوں راستوں کی گواہی حاصل کرنا وغیرہ۔امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس فعل میں مذکورہ تمام اور ان کے علاوہ مزید حکمتیں بھی پنہاں تھیں۔(۷۱۳)

494- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا' فَقَالَ: ((قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللَّهُ بِهِمَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کے لیے دو روز مقرر تھے جن میں وہ کھیل کود کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان

491- [مسلم (۸۹۱) كتاب صلاة العيدين: باب ما يقرأ به في صلاة العيدين' ابو داود (۱۱۵۴) ترمذی (۵۳۴) ابن ماجه (۱۲۸۲) مالك (۱۸۰/۱) احمد (۲۱۷/۵) بیهقی (۲۹۴/۳)]

492- [بخاری (۹۸۶) كتاب الجمعة: باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد]

493- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۱۱۵۶) كتاب الصلاة: باب الخروج إلى العيد' ابن ماجه (۱۲۹۹) احمد (۱۰۹/۲) حاکم (۲۹۶/۱)]

494- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۱۱۳۴) كتاب الصلاة: باب صلاة العيدين' نسائی (۱۷۹/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۷۱۲) [مسلم (۸۷۸) كتاب الجمعة: باب ما يقرأ في صلاة الجمعة' أبو داود (۱۱۲۲) ترمذی (۵۳۳) نسائی (۱۴۲۴)]

(۷۱۳) [توضيح الأحكام (۴۹/۳)]

خَيْرًا مِنْهُمَا : يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔

دونوں دنوں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں' ایک عیدالاضحیٰ کا دن اور دوسرا عیدالفطر کا دن۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث اہل مدینہ کے کھیل کود کے دو دنوں سے مراد ''نیروز اور مہرجان'' ہیں۔ دراصل یہ دونوں دن اہل فارس کے عید کے دن تھے اور اہل عرب نے ان کی تقلید میں یہ دن مقرر کر رکھے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے صحابہ کو کفار کی خوشی اور ان کی عیدوں میں شریک ہونے سے روکا اور اہل اسلام کے لیے الگ دو خوشی ومسرت اور کھیل کود کے دن مقرر فرما دیئے؛ ایک عیدالفطر اور دوسرا عیدالاضحیٰ کا دن۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے روز کھیلنا کودنا اور فرحت ومسرت کا اظہار کرنا درست ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کی عیدوں اور خوشی کے تہواروں میں شرکت کرنا ناجائز ہے بلکہ بعض اہل علم نے تو اسے حرام تک کہا ہے۔

495- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا مسنون ہے۔ [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا مستحب ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ نیکیوں میں اضافہ ہو اور برائیاں مٹیں اور اس لیے بھی کہ اس میں تواضع کا پہلو موجود ہے۔ البتہ اگر عیدگاہ دور ہو یا کوئی اور عذر ہو تو سوار ہو کر جانا بھی منع نہیں۔

496- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّهُمْ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ لَيِّنٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہو گئی تو نبی کریم ﷺ نے انہیں مسجد میں ہی نماز عید پڑھا دی۔ [اسے ابوداود نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بارش وغیرہ جیسا کوئی عذر پیش آ جائے تو پھر مسجد میں بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ گو یہ روایت ضعیف ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفا بھی اسی طرح مروی ہے۔ (٧١٤) نیز اس قاعدے ''ضرورتیں ممنوع کاموں کو جائز بنا دیتی ہیں'' (٧١٥) سے بھی اس مسئلے کی تائید ہوتی ہے۔ علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر مسجد وسیع وکشادہ ہو تو مسجد میں نماز عید پڑھنا افضل ہے یا کھلے میدان میں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر علاقے کی مسجد کشادہ ہو تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ آبادی سے باہر نکلنا ہی افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ہمیشہ

495- [حسن : صحیح ترمذی' ترمذی (٥٣٠) كتاب الصلاة : باب ما جاء في المشي يوم العيد' ابن ماجه (١٢٩٦) بيهقي (٢٨١/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن لغیرہ کہا ہے۔]

496- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (١١٦٠) كتاب الصلاة : باب يصلي بالناس العيد في المسجد إذا كان يوم مطر' ابن ماجه (١٣١٣) حاكم (٢٩٥/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(٧١٤) [بيهقي (٣١٠/٣)]

(٧١٥) [القوانين الفقهية الكبرى للدكتور صالح بن غانم (ص/٢٤٧)]

اسی کو اختیار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آبادی سے باہر نماز عید کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر یہ سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں نماز پڑھ لیتا۔ (۷۱۶) ہمارے علم کے مطابق افضل یہی ہے کہ کھلے میدان میں نماز عید ادا کی جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر مداومت اختیار فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غیر افضل کام پر مداومت نہیں فرماتے تھے۔ (۷۱۷)

باب صلاة الكسوف — نماز کسوف کا بیان

497- عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ النَّاسُ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللّٰهَ وَصَلُّوا حَتَّى تَنْكَشِفَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((حَتَّى تَنْجَلِيَ)).

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں جس روز (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر) ابراہیم کی وفات ہوئی اسی دن سورج گرہن لگا۔ لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج کو گرہن لگا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' ان کو کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا' پس جب تم انہیں (گرہن کی حالت میں) دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو حتی کہ گرہن ہٹ جائے۔'' [بخاری، مسلم۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ] ''(اس وقت تک نماز پڑھو) جب تک سورج روشن نہ ہو جائے۔''

498- وَلِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّى يَنْكَشِفَ مَا بِكُمْ)).

اور بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''نماز پڑھو اور دعا کرو حتی کہ جو کیفیت تمہارے سامنے ہے وہ دور ہو جائے۔''

لغوی توضیح صلاة الكسوف سے مراد وہ نماز ہے جو سورج یا چاند گرہن کے وقت ادا کی جاتی ہے۔ كَسَفَ (بروزن ضرب)' تَكَسَّفَ (بروزن تفعّل)' إِنْكَسَفَ (بروزن انفعال) ان سب کا معنی ''سورج یا چاند کا گرہن زدہ ہونا'' ہے۔ لفظ خسوف کا بھی یہی معنی ہے لیکن بعض اہل علم نے کہا ہے کہ لفظ کسوف سورج گرہن کے لیے اور لفظ خسوف چاند گرہن کے لیے استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔

فهم الحديث دور جاہلیت کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سورج یا چاند کو اس دن گرہن لگتا ہے جس دن کوئی عظیم انسان پیدا ہوتا ہے یا فوت ہوتا ہے۔ (۷۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عقیدے کی تردید فرماتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں تو محض اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں' جنہیں اسی نے ایک خاص سمت میں چلتے رہنے کا حکم دے رکھا ہے' یہ بذات خود کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں۔ سورج اور چاند گرہن کا مقصد ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ

497- [بخاری (۱۰۴۳-۱۰۶۰) کتاب الجمعة: باب الصلاة فی کسوف الشمس' مسلم (۹۱۵)]

498- [بخاری (۱۰۴۰) کتاب الجمعة: باب الصلاة فی کسوف الشمس' نسائی (۱۴۶/۳) احمد (۳۷/۵)]

(۷۱۶) [ابن أبی شیبة (۱۸۵/۲) نیل الأوطار (۵۹۱/۲) سبل السلام (۶۸۶/۲) فتح الباری (۱۲۶/۳)]

(۷۱۷) [السیل الجرار (۳۲۰/۱)]

(۷۱۸) [کما فی توضیح الأحکام (۶۰/۳)]

ان دونوں (یعنی سورج اور چاند گرہن) کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں۔"(۷۱۹) علاوہ ازیں مذکورہ بالا حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورج یا چاند گرہن کے وقت دعا مانگنا اور نمازِ کسوف ادا کرنا مشروع ہے۔ اس نماز کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں' بس جب گرہن ہوگا اسی وقت ادا کی جائے گی۔ اس نماز کے حکم میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اسے واجب' جبکہ جمہور علما نے اسے سنتِ مؤکدہ کہا ہے۔(۷۲۰) علامہ البانیؒ بھی وجوب کے ہی قائل ہیں(۷۲۱) مگر ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں جمہور کا مؤقف راجح ہے۔ (واللہ اعلم) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ علما کے اتفاق کے ساتھ یہ نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔(۷۲۲) اس نماز کے لیے نہ تو اذان مشروع ہے اور نہ ہی اقامت' البتہ یہ الفاظ کہنا مسنون ہے ﴿الصلاة جامعة﴾ "یعنی نماز کے لیے سب جمع ہو جاؤ۔"(۷۲۳) نیز یہ نماز باجماعت ادا کرنا افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسے باجماعت ہی ادا کیا تھا۔(۷۲۴) جمہور علما نے کہا ہے کہ اگر مقررہ امام موجود نہ ہو تو مقتدیوں میں سے کسی کو امام بنا لینا چاہیے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۷۲۵)

499- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَهَرَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ' فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: ((فَبَعَثَ مُنَادِيًا يُنَادِي: الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ)).

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نمازِ کسوف میں بلند آواز سے قراءت کی اور دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔[بخاری، مسلم۔ یہ مسلم کے لفظ ہیں اور مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ] آپ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کو بھیجا جو الصلاة جامعة کا اعلان کرتا تھا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ کسوف میں جہری (یعنی آواز بلند) قراءت کرنا مسنون ہے۔ جس روایت میں ہے کہ ہم (دورانِ نمازِ کسوف) آپ ﷺ کی آواز نہیں سنتے تھے' وہ ضعیف ہے۔(۷۲۶) امام شوکانیؒ (۷۲۷)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(۷۲۸) اور علامہ البانیؒ(۷۲۹) نے جہری قراءت کے قول کو ہی ترجیح دی ہے۔ امام

499- [بخاری (۱۰٦٥ـ۱۰٦٦) کتاب الجمعة: باب الجهر بالقراءة فی الكسوف' مسلم (۹۰۱) ترمذی (٥٦٣) نسائی (۱۲۷/۳)]

(۷۱۹) [بخاری (۱۰٤۸) کتاب الكسوف: باب قول النبی ﴿يخوف الله عباده بالكسوف﴾]

(۷۲۰) [بدائع الصنائع (۲۸۰/۱) سبل السلام (٦۹۰/۲)]

(۷۲۱) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٤۱۰/۱) تمام المنة (ص/۲٦٤)]

(۷۲۲) [توضيح الأحكام (٦٤/۳)]

(۷۲۳) [بخاری (۱۰٤٥'۱۰٥۱) مسلم (۹۱۰) أبو داود (۱۱۹٤) نسائی (۱۳٦/۳) أحمد (۱۷٥/۲) ابن خزيمة (۱۳۷٥) شرح معانی الآثار (۳۲۹/۱) بيهقی (۳۲٤/۳)]

(۷۲٤) [حجة الله البالغة (۲۰/۲) بخاری (۱۰٥۲) کتاب الكسوف]

(۷۲٥) [تحفة الأحوذی (۱۷۱/۳)]

(۷۲٦) [**ضعيف**: ضعيف أبو داود (۲٥۳)]

(۷۲۷) [نيل الأوطار (٦٤۱/۲)]

(۷۲۸) [تحفة الأحوذی (۱۷۱/۳)]

(۷۲۹) [تمام المنة (ص/۲٦۳)]

احمدؒ، امام اسحاقؒ اور امام ابن منذرؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ سورج گرہن کے موقع پر سری جبکہ چاند گرہن کے موقع پر جہری قراءت کی جائے گی۔ (۷۳۰) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کسوف کی دو رکعتیں ہیں اور ان رکعات میں سے ہر ایک میں عام نمازوں کے برخلاف دو دو رکوع کیے جائیں گے (جمہور اسی کے قائل ہیں' جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ اس نماز کی ہر رکعت میں بھی عام نمازوں کی طرح ایک ایک رکوع ہی کیا جائے گا (۷۳۱))' پہلے رکوع کے بعد دوبارہ قراءت کی جائے گی (جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے) اور دوسرے رکوع کے بعد سجدہ اور دیگر ارکان ادا کیے جائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نماز کے لیے اذان کے ساتھ نہیں بلکہ ﴿الصلاة جامعة﴾ کے الفاظ کہہ کر لوگوں کو جمع کرنا مسنون ہے۔

500- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا، نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا، وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ سَجَدَ، ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں سورج گرہن ہوا۔ آپ ﷺ نے نماز کسوف ادا فرمائی' اس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کے برابر قیام کیا' پھر بہت لمبا رکوع کیا' پھر رکوع سے کھڑے ہو کر لمبا قیام کیا مگر پہلے (قیام) سے کم' پھر دوبارہ لمبا رکوع کیا لیکن پہلے رکوع سے کم' پھر سجدہ کیا' پھر لمبا قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے قدرے کم تھا' پھر ایک لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے قدرے کم تھا' پھر رکوع سے سر اٹھایا اور لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے کچھ کم تھا اور دوبارہ لمبا رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا' پھر سجدہ کیا' پھر جب سلام پھیرا تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ بھی دیا۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

501- وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: ((صَلَّى حِينَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ))۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو آپ ﷺ نے (نماز کسوف کے دوران) چار سجدوں میں آٹھ رکوع کیے۔

500- [بخاری (۱۰۵۲) كتاب الجمعة: باب صلاة الكسوف جماعة، مسلم (۹۰۷) ابو داود (۱۱۸۱) نسائی (۱۴۶/۳) مالك (۱۸۶/۱) احمد (۲۹۸/۱) بیهقی (۳۲۱/۳)]

501- [مسلم (۹۰۸) كتاب الكسوف: باب ذكر من قال إنه ركع ثمان ركعات، نسائی (۱۲۹/۳) دارمی (۱۵۲۶) بیهقی (۳۲۷/۳)]

(۷۳۰) [المغنی (۳۲۴/۳) المجموع (۵۷/۵) الأم (۴۰۶/۱) بدائع الصنائع (۲۸۱/۱) المبسوط (۸۶/۲) حاشية الدسوقی (۴۰۲/۱) نیل الأوطار (۶۴۱/۲)]

(۷۳۱) [كما فی توضیح الأحكام (۶۸/۳)]

502- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

503- وَلَهُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((صَلّٰى سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ))۔

اور مسلم میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سجدوں کے ساتھ چھ رکوع کیے۔

504- وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((صَلّٰى فَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَفَعَلَ فِي الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ))۔

اور ابوداود میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف ادا کی تو (پہلی رکعت میں) پانچ رکوع اور دو سجدے کیے اور پھر اسی طرح دوسری رکعت میں کیا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے ایک تو نمازِ کسوف کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور قیام اور رکوع کی مقدار کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر بعد والا قیام اور رکوع پہلے قیام اور رکوع سے کم تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازِ کسوف کی دو رکعات میں سے ہر رکعت میں دو، تین اور چار رکوع بھی کیے جاسکتے ہیں' البتہ مذکورہ بالا جس روایت میں ہر رکعت میں پانچ رکوع ادا کرنے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے' اسی طرح وہ روایات بھی ضعیف ہیں جن میں ایک رکوع کا ذکر ہے۔(۷۳۲) یہاں یہ بات یاد رہے کہ محققین کی تحقیق کے مطابق نمازِ کسوف کا واقعہ زمانہ نبوت میں صرف ایک مرتبہ ہی پیش آیا تھا۔ جیسا کہ امام ابن قیمؒ (۷۳۳)، امام شوکانیؒ (۷۳٤)، امام صنعانیؒ (۷۳۵) اور علامہ البانیؒ (۷۳٦) وغیرہ نے یہی تحقیق پیش کی ہے۔ جب یہ ایک ہی واقعہ ہے تو پھر یہاں مسئلہ کا حل صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ متعدد رکوعوں والی مختلف روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے' لہٰذا وہ روایت جو صحیحین میں ہے بلا شبہ قابل ترجیح ہے اور دوسری کوئی روایت اس پائے کی نہیں اور اس روایت میں نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع کرنے کا ذکر ہے۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام بخاریؒ (۷۳۷)، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۷۳۸)، امام شوکانیؒ (۷۳۹)، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علامہ البانیؒ (۷٤۰) نے دو رکوعوں والی روایت کو ہی ترجیح دی ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ کسوف کے بعد خطبہ مسنون ہے' جیسا کہ حدیث میں واضح لفظ

502- [احمد (۱٤۳/۱) ابن خزيمة (۱۳۸۸)]

503- [مسلم (۹۰٤) كتاب الكسوف: باب ما عرض على النبي في صلاة الكسوف' ابو داود (۱۱۷۸) احمد (۳۱۷/۳)]

504- [**ضعیف**: ضعيف ابو داود' ابو داود (۱۱۸۲) كتاب الصلاة: باب من قال أربع ركعات' احمد (۱۳٤/٥) حاكم (۳۳۳/۱) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۷۳۲) [**ضعیف**: ضعيف أبو داود (۲٥۳) كتاب الصلاة: باب من قال أربع ركعات' أبو داود (۱۱۸٤) ضعيف ترمذي (۸٦) ضعيف ابن ماجة (۲٦۰) نسائي (۱٤۰/۳) حاكم (۳۳۰/۱) بيهقي (۳۳٥/۳)]' [مزید دیکھیے: ضعيف أبو داود (۲٥۷) كتاب الصلاة: باب من قال يركع ركعتين' أبو داود (۱۱۹٤) شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ دو رکوعوں کے ذکر کے ساتھ روایت صحیح ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے۔]

(۷۳۳) [زاد المعاد (٤٥۳/۱)]
(۷۳٤) [نيل الأوطار (٦٤۱/۲)]
(۷۳٥) [سبل السلام (٦۹٦/۲)]
(۷۳٦) [تمام المنة (ص/۲٦۳)]
(۷۳۷) [كما في زاد المعاد (٤٥۳/۱)]
(۷۳۸) [مجموع الفتاوى (۱۱٥/۲٤)]
(۷۳۹) [نيل الأوطار (٦۳٥/۲)]
(۷٤۰) [كما في توضيح الأحكام (٦۹/۳)]

موجود ہیں کہ ﴿ فَخَطَبَ النَّاسَ ﴾ ''پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔'' امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نماز کسوف کے بعد خطبہ کی مشروعیت کا ثبوت ہے۔ امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ اسے غیر مشروع کہتے ہیں۔ (٧٤١) مذکورہ حدیث اور دیگر دلائل کی بنا پر جو حضرات نماز کسوف کے خطبے کا انکار کرتے ہیں ان کا مؤقف درست نہیں۔

505- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : مَا هَبَّتِ الرِّيحُ قَطُّ إِلَّا جَثَا النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ : ((اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَ لَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا)) رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَ الطَّبَرَانِيُّ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بھی تیز ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور یہ دعا کرتے ''اے اللہ اسے رحمت بنانا' عذاب نہ بنانا۔'' [اسے شافعی اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح هَبَّتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب هَبَّ يَهُبُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''تند و تیز آندھی چلنا''۔ الرِّيحُ آندھی اور ہوا کو کہتے ہیں۔ جَثَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب جَثَا يَجْثِيْ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''گھٹنوں کے بل بیٹھنا''۔

فهم الحديث یہ روایت ضعیف ہے اس لیے مذکورہ دعا ثابت نہیں البتہ وہ روایت صحیح ہے جس میں ہے کہ جب تیز آندھی چلتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعا فرماتے تھے: ﴿ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ ﴾ ''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی کا جو اس میں ہے اور اس چیز کی بھلائی کا جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اور میں تجھ سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس چیز کے شر سے جو اس میں ہے اور اس چیز کے شر سے جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے۔'' (٧٤٢)

506- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ صَلَّى فِيْ زَلْزَلَةٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَ أَرْبَعَ سَجَدَاتٍ ' وَقَالَ : هٰكَذَا صَلَاةُ الْآيَاتِ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے زلزلہ کی وجہ سے نماز پڑھی' اس میں چھ رکوع اور چار سجدے کیے اور فرمایا صلاۃ الآیات اسی طرح ادا کی جاتی ہے۔ [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔]

507- وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَهُ دُوْنَ آخِرِهِ ۔

اور شافعی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت ذکر کی ہے' لیکن اس میں اس کے آخری الفاظ (یعنی اسی طرح صلاۃ الآیات پڑھی جاتی ہے) نہیں ہیں۔

505- [ضعيف جدا : السلسلة الضعيفة (٤٢١٧) طبرانی کبیر (١١٥٣٣) مجمع الزوائد (١٣٥/١٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

506- [بیهقی (٣٤٣/٣)]

507- [شافعی فی الأم (٤٠٢/١)]

(٧٤١) [أيضا]

(٧٤٢) [مسلم (٨٩٩) كتاب صلاة الاستسقاء : باب التعوذ عند رؤية الريح والغيم والفرح بالمطر' ابو داود (٥٠٩٨) نسائی فی السنن الكبرى (١٨٣١) مسند احمد (٢٤٤٠١) ابن حبان (٦٥٨) بيهقی (٣٦١/٣)]

فهم الحدیث اس روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ یا اس طرح کی کوئی اور ناگہانی آفت پہنچنے پر نماز پڑھنی چاہیے لیکن چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے یہ نماز ثابت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے کہا ہے کہ ایسے ارضی وسماوی اُمور دورِ نبوی میں بھی رونما ہوتے تھے مگر آپ ﷺ سے ان مواقع پر نماز ثابت نہیں' لٰہذا اسی پر اکتفاء کرنا چاہیے جو سنت سے ثابت ہے۔

باب صلاة الاستسقاء — نماز استسقاء کا بیان

508- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مُتَوَاضِعًا مُتَبَذِّلًا مُتَخَشِّعًا مُتَرَسِّلًا مُتَضَرِّعًا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَمَا يُصَلِّي فِي الْعِيدِ وَلَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هٰذِهِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُو عَوَانَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نہایت تواضع کے ساتھ' سادہ لباس میں' بہت عاجز بن کر' خشوع خضوع اور بڑے تضرع کے ساتھ نماز کے لیے باہر نکلے' عید کی نماز کی طرح لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ تمہارے عام خطبے کی طرح خطبہ ارشاد نہیں فرمایا (بلکہ آپ ﷺ خطبہ کی حالت میں دعا' تضرع اور اللہ کی بڑائی و کبریائی بیان فرماتے رہے)۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابوعوانہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح صلاة الاستسقاء اس نماز کو کہتے ہیں جو قحط سالی کے وقت بارانِ رحمت طلب کرنے کے لیے ادا کی جاتی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں قحط سالی کا سبب ماپ تول میں کمی اور بارش سے محرومی کا سبب زکوٰۃ کی عدمِ ادائیگی کو قرار دیا گیا ہے۔(٧٤٣) اِسْتِسْقَاء باب استفعال سے مصدر ہے' اس کا معنی ہے ''پانی مانگنا یا بارش طلب کرنا''۔ مُتَوَاضِعًا کا معنی ہے تواضع اختیار کرنے والا' مُتَبَذِّلًا زیب وزینت چھوڑ کر سادہ لباس پہننے والا' مُتَخَشِّعًا خشوع کو ظاہر کرنے والا' مُتَرَسِّلًا اطمینان وسکون سے چلنے والا' مُتَضَرِّعًا عاجزی وانکساری ظاہر کرنے والا۔

فهم الحدیث اس حدیث سے نماز استسقاء کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے اسے غیر مشروع قرار دیا ہے۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی مشروعیت میں امام ابوحنیفہؒ کے سوا کسی نے اختلاف نہیں کیا۔(٧٤٤) اس حدیث سے یہ مسائل بھی معلوم ہوتے ہیں: نماز استسقاء کے لیے نہایت عاجزی وانکساری کی حالت میں نکلنا چاہیے۔ یہ نماز کھلے میدان میں ادا کرنا مسنون ہے۔ یہ نماز دو رکعت ہے۔ اس میں خطبہ بھی مشروع ہے۔ امام احمدؒ اس نماز میں ایک خطبے کی مشروعیت کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ دو خطبوں کے قائل ہیں۔(٧٤٥) خطبہ اللہ کی

508- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (١١٦٥) كتاب الصلاة : باب جماع أبواب صلاة الاستسقاء وتفريعها' ترمذى (٥٥٨) نسائى (١٥٦/٣) ابن ماجه (١٢٦٦) احمد (٢٣٠/١) ابن خزيمة (١٤٠٥) ابن حبان (٦٠٣۔الموارد) دارقطنى (٦٨/٢) حاكم (٣٢٦/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٧٤٣) [حسن : صحيح ابن ماجة (٣٢٤٦) كتاب الفتن : باب العقوبات' الصحيحة (١٠٦) ابن ماجة (٤٠١٩) حاكم (٥٤٠/٤)] حافظ ابوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (٢٤٦/٣)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (٢٦٥/٣)]

(٧٤٤) [سبل السلام (٦٩٩/٢) نيل الأوطار (٦٤٩/٢)]

(٧٤٥) [كما فى توضيح الأحكام (٨٠/٣)]

اطاعت کی ترغیب' نافرمانی سے بچنے کی تلقین' امام اور دوسرے لوگوں کے استغفار پر مشتمل ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہے کہ بارانِ رحمت کی طلب کے لیے نبی ﷺ سے نماز استسقاء کے سوا صرف دعا بھی ثابت ہے' جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 512 میں ہے۔

509- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قُحُوطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ بِالْمُصَلّٰى' وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُونَ فِيهِ' فَخَرَجَ حِينَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ' فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ' فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ' وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ تَدْعُوهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيبَ لَكُمْ)) ثُمَّ قَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ' اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ' أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ عَلَيْنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِينٍ)) ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ' فَلَمْ يَزَلْ حَتّٰى رُئِيَ بَيَاضُ إِبِطَيْهِ' ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ' وَقَلَبَ رِدَاءَهُ' وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ' ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ' وَنَزَلَ' فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ' فَأَنْشَأَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ' وَقَالَ: غَرِيبٌ' وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ ۔

حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے عیدگاہ میں منبر لے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ منبر رکھ دیا گیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے ایک دن کا وعدہ کیا جس میں وہ سب باہر نکلیں۔ پھر آپ ﷺ اس وقت نکلے جب سورج کا ایک کنارہ ظاہر ہوا' آپ ﷺ منبر پر بیٹھے' اللہ اکبر کہا اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ پھر فرمایا" تم لوگوں نے اپنے علاقوں میں قحط سالی کی شکایت کی ہے اور اللہ تعالیٰ تمھیں یہ حکم دے چکا ہے کہ تم اس سے دعا مانگو اور اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ تمھاری دعا کو قبول فرمائے گا۔" پھر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی" ہر قسم کی تعریف اس اللہ ذوالجلال کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' بڑا رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے' جزا کے دن کا مالک ہے' اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں' ہم پر بارش نازل فرما اور جو تو ہم پر نازل فرمائے اسے ایک لمبی مدت تک چلنے والی روزی بنا دے۔" پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح اوپر اٹھائے کہ وہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھتے گئے حتی کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی جانب پشت کر کے کھڑے ہوئے اور اپنی چادر کو پلٹایا۔ آپ ﷺ نے اس وقت اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر سے نیچے اتر گئے' پھر دو رکعت نماز پڑھائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر بادل پیدا کیا' وہ بادل گرجا' چمکا اور بارش شروع ہو گئی۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور غریب کہا ہے' اس کی سند جید ہے۔]

509- [حسن: صحيح ابو داود' ابو داود (١١٧٣) كتاب الصلاة : باب رفع اليدين في الاستسقاء' ابن حبان (٦٠٤ - الموارد) حاكم (٣٢٨/١) شیخ عبداللہ بسام ؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔]

510- وَقِصَّةُ التَّحْوِيلِ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَفِيهِ: ((فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقِبْلَةِ يَدْعُو، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ))۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں چادر پلٹنے کا قصہ یوں ہے کہ آپ ﷺ قبلہ رخ ہوئے اور دعا کرنے لگے، پھر دو رکعت نماز پڑھائی اور ان رکعتوں میں جہری قراءت فرمائی۔

511- وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ مِنْ مُرْسَلِ أَبِي جَعْفَرٍ الْبَاقِرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ لِيَتَحَوَّلَ الْقَحْطُ))۔

اور دارقطنی میں ابوجعفر باقر رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی چادر اس لیے پلٹی تا کہ قحط بھی پلٹ جائے۔

لغوی توضیح اَلْقَحْطُ باب قَحَطَ يَقْحَطُ (بروزن منع) سے ہے، اس کا معنی ہے "بارش کا رک جانا"۔ حَاجِبُ الشَّمْسِ سے مراد ہے "سورج کا کنارہ"۔ جَدْبَ دِيَارِكُمْ کا معنی ہے "تمہارے علاقوں کی خشک سالی"۔ بَلَاغًا إِلَى حِينٍ ایسی روزی جو لمبی مدت تک چلے۔ اَلْغَيْثُ بارش کو کہتے ہیں۔ رَعَدَتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب رَعَدَ يَرْعُدُ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے "گرجنا، کڑک پیدا ہونا"۔ بَرَقَتْ بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب بَرَقَ يَبْرُقُ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے "آسمان میں چمک کا پیدا ہونا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوتے ہیں: نماز استسقاء قحط سالی کے وقت مشروع ہے۔ یہ نماز باہر کھلے میدان میں جا کر ادا کرنی چاہیے۔ اس کا وقت نماز عید کا وقت ہی ہے، یعنی جب سورج قدرے بلند ہو جائے (لیکن یہ یاد رہے کہ یہ افضل وقت ہے، اس کے علاوہ یہ نماز ہر وقت سوائے مکروہ اوقات کے جائز ہے اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں)۔ نماز استسقاء کے لیے منبر باہر لے کر جانا جائز ہے۔ اس نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے (واضح رہے کہ دعا کے لیے الٹے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھانے چاہییں جیسا کہ اس باب کی آخری حدیث میں ہے)۔ امام کو چاہیے کہ قبلہ رخ ہو کر اپنی چادر یوں پلٹے کہ اس کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے کی طرف اور بائیں کو دائیں کی طرف پھیر دے (البتہ جس روایت میں امام کے ساتھ لوگوں کے چادر پلٹنے کا ذکر ہے اس کی صحت میں اختلاف ہے (٧٤٦))۔

512- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ، وَالنَّبِيُّ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَلَكَتِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا، اس وقت نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اموال ہلاک ہو

510- [بخاری (١٠٢٤) كتاب الجمعة: باب الجهر بالقراءة في الاستسقاء، مسلم (٨٩٤) ابو داود (١١٦١) ترمذی (٥٥٦) نسائی (١٦٤/٣) ابن ماجه (١٢٦٧) احمد (٣٩/٤) دارمی (١٥٣٣) دارقطنی (٧٦/٢)]

511- [دارقطنی (٦٦/٢)]

512- [بخاری (١٠١٦-١٠١٧) كتاب الجمعة: باب من اكتفى بصلاة الجمعة في الاستسقاء، مسلم (٨٩٧) ابو داود (١١٧٥) نسائی (١٥٤/٣) مالك (١٩١/١) ابن حبان (٢٨٥٧) بيهقی (٣٤٣/٣)]

(٧٤٦) [أحمد (٤١/٤) أبو داود (١١٦٤) شرح معاني الآثار (٣٢٤/١) حاكم (٣٢٧/١) ابن خزيمة (١٤١٥) ابن حبان (٢٨٦٧)] اس حدیث کو امام حاکمؒ، امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے صحیح کہا ہے۔ لیکن شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ "وتحول الناس معه" کے لفظ شاذ ہیں باقی حدیث قوی ہے۔ [تمام المنة (ص/٢٦٤) الضعيفة (٥٦٢٩)]

الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُغِيثُنَا ' فَرَفَعَ يَدَيْهِ ' ثُمَّ قَالَ : ((اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا اللّٰهُمَّ أَغِثْنَا)) فَذَكَرَ الْحَدِيثَ ' وَفِيهِ الدُّعَاءُ بِإِمْسَاكِهَا ' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

گئے' راستے بند ہو گئے' پس آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ہم پر بارش برسا دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا فرمائی "اے اللہ! ہم پر بارش نازل فرما' اے اللہ! ہم پر بارش نازل فرما۔" پھر ساری حدیث بیان کی اور اس میں بارش رکوانے کے لیے دعا کرانے کا ذکر ہے۔[بخاری' مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بارانِ رحمت کی طلب کے لیے صرف دعا بھی جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دورانِ خطبہ اگرچہ باہم گفتگو منع ہے مگر خطیب کے ساتھ گفتگو کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اس قدر کثرت کے ساتھ ثابت ہے کہ اس کا شمار مشکل ہے۔(۷۴۷) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی زندہ نیک انسان کی دعا کا وسیلہ جائز ہے۔ جیسا کہ اس کا ثبوت آئندہ حدیث بھی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ آپ ﷺ کو نہیں بلکہ آپ ﷺ کے چچا کو (جو زندہ تھے) وسیلہ بنا کر دعا کیا کرتے تھے۔ اہل علم نے وسیلے کی صرف تین انواع کو جائز قرار دیا ہے: ایک' اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا۔ (۷۴۸) دوسرے' اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا (۷۴۹) اور تیسرے' کسی زندہ صالح شخص کی دعا کا وسیلہ بنانا (جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے)۔ ان تینوں اقسام کے علاوہ وسیلے کی ہر نوع (مثلاً میت یا غائب کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا) ناجائز ہے۔(۷۵۰)

513- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ' وَقَالَ : اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَسْقِي إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا ' وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑتا تو عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے' اے اللہ! پہلے ہم تیرے پاس اپنے نبی کا وسیلہ لایا کرتے تھے' تو تو پانی برساتا تھا۔ اب ہم (اپنے نبی ﷺ کی وفات کے بعد) نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو تو ہم پر پانی برسا۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ) پھر خوب بارش برستی۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز استسقاء اور دعائے استسقاء قحط سالی کے وقت مشروع ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش طلب کرنے کے لیے (نماز کے علاوہ) صرف دعا بھی درست ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مصائب

513- [بخاری (۱۰۱۰) کتاب الجمعة : باب سوال الناس الإمام الاستسقاء ' ابن خزیمة (۱۴۲۱) ابن حبان (۲۸۶۱)]

(۷۴۷) [مجموع الفتاوی لابن تیمیة (۲۶۵/۵)]

(۷۴۸) [الأعراف : ۱۸۰]

(۷۴۹) [بخاری (۲۲۱۵) کتاب البیوع : باب اذا اشتری شیئا لغیرہ بغیر اذنه فرضی ' مسلم (۲۷۴۳) کتاب الذکر والدعاء : باب قصة أصحاب الغار الثلاثة والتوسل بصالح الأعمال ' مسند احمد (۵۹۷۴) ابن حبان (۸۹۷) شرح السنة للبغوی (۳۴۲۰)]

(۷۵۰) [التوسل للألبانی (ص ۴۳)]

ومشکلات سے نجات کے لیے کسی زندہ نیک انسان کو دعا کے لیے وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کس طرح دعا فرمایا کرتے تھے اس کے متعلق زبیر بن بکار نے الانساب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے' اے اللہ! آسمان سے آزمائشیں صرف گناہوں کی وجہ سے ہی نازل ہوتی ہیں اور گناہ صرف توبہ کے ذریعے ہی معاف ہوتے ہیں اور آج تیری قوم کے لوگوں نے تیرے نبی سے تعلق کی بنا پر مجھے تیرے سامنے لا کھڑا کیا ہے' تو یہ ہمارے گناہوں سے لبریز ہاتھ اور توبہ کے لیے جھکی ہوئی پیشانیاں تیرے سامنے ہیں' تو ہمیں بارش عطا فرما۔ پھر اسی لمحہ آسمان پر پہاڑوں کی مانند بادل آ جاتے اور خوب بارش برستی حتی کہ زمین سیراب ہو جاتی اور لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی۔(۷۵۱)

514- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَصَابَنَا - وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَطَرٌ' قَالَ : فَحَسَرَ ثَوْبَهُ حَتَّى أَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ وَقَالَ : ((إِنَّهُ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ (ایک دفعہ) ہمیں بارش نے آلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے بدن سے) کپڑا ہٹا دیا تا کہ آپ پر بارش پڑ سکے اور فرمایا "یہ اپنے پروردگار سے نئی نئی آنے والی ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حَسَرَ باب نصر اور ضرب سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے "ہٹانا"۔ حَدِيثُ عَهْدٍ بِرَبِّهِ کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ اپنے رب کے پاس سے نئی نئی نازل ہو رہی ہے کہ اسے ابھی نہ تو کسی نافرمان نے چھوا ہے اور نہ ہی اس نے کسی نافرمان کو یا نافرمانی کی جگہ کو چھوا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بارش رحمت ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ (۷۵۲) اور امام صنعانی رحمہ اللہ (۷۵۳) نے فرمایا ہے۔ نیز اس حدیث سے بارش میں نہانے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

515- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ : ((اللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا)) أَخْرَجَاهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کو (نازل ہوتے) دیکھتے تو یہ دعا فرماتے "اے اللہ! اس بارش کو نفع مند بنا۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بارش نازل ہوتی ہو تو یہ دعا مانگنی چاہیے ﴿ اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا ﴾۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ بارش کے وقت اس لیے بھی دعا فرمایا کرتے تھے کیونکہ وہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔(۷۵٤)

514- [مسلم (۸۹۸) كتاب صلاة الاستسقاء : باب الدعاء في الاستسقاء' ابو داود (۵۱۰۰) احمد (۱۳۳/۲)]

515- [بخاري (۱۰۳۲) كتاب الجمعة : باب ما يقال إذا مطرت' الأدب المفرد (٦٨٦) ابو داود (۵۰۹۹) نسائي (۱٦٤/۳) وفي عمل اليوم والليلة (۹۲۱) ابن ماجه (۳۸۸۹-۳۸۹۰) احمد (٤١/٦) ابن حبان (٦٠٠-الموارد) بيهقي (۳٦۱/۳)]

(۷۵۱) [دیکھئے: سبل السلام (۲۲۱/۲)]

(۷۵۲) [شرح مسلم (٤٦٤/۳)]

(۷۵۳) [سبل السلام (۷۰٦/۲)]

(۷۵٤) [حسن : السلسلة الصحيحة (١٤٦٩)]

516- وَعَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا فِي الْاَسْتِسْقَاءِ ((اَللّٰهُمَّ جَلِّلْنَا سَحَابًا، كَثِيفًا، قَصِيفًا، دَلُوقًا، ضَحُوكًا، تُمْطِرُنَا مِنْهُ رَذَاذًا، قِطْقِطًا، سَجْلًا، يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْإِكْرَامِ)) رَوَاهُ أَبُو عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعائے استسقاء میں یہ دعا فرمائی ''اے اللہ! ہم پر ایسے بادل کے ساتھ بارش کی بہت زیادہ باریک بوندیں برسا دے جو گہرا، کڑک والا، زور سے برسنے والا اور چمکنے والا ہو۔ اے بزرگی اور عزت والے!'' [اسے ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح جَلِّلْنَا فعل امر کا صیغہ ہے تجلیل سے اس کا معنی ہے ''ساری زمین پر چھا جانا''۔ كَثِيفًا کا معنی ہے ''گہرا اور تہہ بتہ''۔ قَصِيفًا ایسا بادل جس میں کڑک کی شدید آواز ہو۔ دَلُوقًا زور سے برسنے والا۔ ضَحُوكًا جس میں بہت زیادہ بجلی چمکتی ہو۔ رَذَاذًا چھوٹی چھوٹی بوندیں۔ قِطْقِطًا بارش کے بہت چھوٹے قطرے۔ سَجْلًا بہت زیادہ بارش۔

فهم الحديث یہ روایت بعض محققین کے نزدیک صحیح اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو یہ دعا بھی نماز استسقاء میں مسنون ہوگی بصورت دیگر نہیں۔

517- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((خَرَجَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَسْتَسْقِي، فَرَأَى نَمْلَةً مُسْتَلْقِيَةً عَلَى ظَهْرِهَا رَافِعَةً قَوَائِمَهَا إِلَى السَّمَاءِ تَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنَّا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِكَ، لَيْسَ بِنَا غِنًى عَنْ سُقْيَاكَ، فَقَالَ: ارْجِعُوا، فَقَدْ سُقِيتُمْ بِدَعْوَةِ غَيْرِكُمْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حضرت سلیمان علیہ السلام بارش طلب کرنے کے لیے نکلے تو انہوں نے ایک چیونٹی کو دیکھا جو پشت کے بل لیٹے ہوئے اپنی ٹانگیں آسمان کی جانب اٹھا کر یہ دعا مانگ رہی تھی ''اے اللہ! ہم بھی تیری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں، ہم بھی تیری بارش سے بے نیاز نہیں۔ یہ سنا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا، واپس لوٹ چلو، یقیناً تمہیں تمہارے غیر کی دعا کے ذریعے سیراب کر دیا گیا۔'' [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح نَمْلَة چیونٹی کو کہتے ہیں۔ مُسْتَلْقِيَة عَلَى ظَهْرِهَا اپنی گدی کے بل لیٹی ہوئی۔ قَوَائِم جمع ہے قَائِمَة کی، مراد ہے ''پاؤں''۔

فهم الحديث اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ گزشتہ انبیاء بھی علاقے سے باہر جا کر ہی دعائے استسقاء کیا کرتے تھے۔ تو جہاں تک علاقے سے باہر نکل کر نماز استسقاء یا دعائے استسقاء کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ تو ثابت ہے (جیسا کہ گزشتہ احادیث میں ہے) البتہ یہ روایت کمزور ہے۔

518- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَسْقَى فَأَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ إِلَى

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعائے استسقاء فرمائی اور اپنے دونوں ہاتھ الٹی جانب سے آسمان کی

516- [تلخيص الحبير (٢٠٢/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف، جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

517- [ضعيف : إرواء الغليل (٦٧٠) حاكم (٣٢٥/١) دارقطني (٦٦/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

518- [مسلم (٨٩٦) بخاري (١٠٣١)]

السَّمَاءِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔ طرف کرکے اشارہ فرمایا۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعائے استسقاء میں معمول کے برخلاف الٹے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھانا مسنون ہے۔بعض اہل علم نے اس حدیث سے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر کسی مصیبت (مثلاً قحط وغیرہ) کو دور کرنے کے لیے دعا مانگی ہو تو الٹے ہاتھوں کے ساتھ مانگنی چاہیے اور باقی دعائیں سیدھے ہاتھوں کے ساتھ مانگنی چاہییں۔امام نوویؒ نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب کی ایک جماعت اور بعض دیگر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔(۷۵۵) دعائے استسقاء میں الٹے ہاتھ اٹھانے کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ قحط سالی کی حالت بدل جائے' جیسا کہ چادر بدلنے میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے۔

باب اللباس — لباس کا بیان

519- عَنْ أَبِي عَامِرٍ الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ۔

حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت میں ضرور ایسی اقوام ہوں گی جو زنا اور ریشم کو حلال بنالیں گی۔"[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

لغوى توضيح يَسْتَحِلُّونَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِسْتَحَلَّ يَسْتَحِلُّ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے "حلال بنالینا"۔ الْحِر زنا کو اور الْحَرِيْر ہر قسم کے ریشم کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا اور ریشم دونوں اشیاء حرام ہیں مگر لوگ انہیں حلال بنالیں گی (جیسا کہ آج ایسا ہو چکا ہے)۔ریشمی لباس پہننے سے کیوں منع کیا گیا ہے اس کے متعلق اہل علم کا کہنا ہے کہ ایک تو اس سے کبر وغرور انسان میں پیدا ہو جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس سے عورتوں کی مشابہت لازم آتی ہے کیونکہ اسے عورتوں کے لیے مباح قرار دیا گیا ہے۔اس حدیث سے آپ ﷺ کا اعجاز بھی سامنے آتا ہے کہ جیسا آپ ﷺ نے فرمایا تھا ویسا ہی واقع ہوا۔

☐ واضح رہے کہ اگر چھوٹا بچہ ریشم پہن لے تو وہ گناہگار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مکلف نہیں' البتہ اسے پہنانے والا ضرور گناہگار ہوگا' لیکن امام شوکانیؒ کا موقف یہ ہے کہ مطلقاً بچوں کو ریشم پہنانا جائز ہے۔(۷۵۶)

520- وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَشْرَبَ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَأَنْ نَأْكُلَ فِيهَا' وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ' وَأَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے' باریک اور موٹا ریشم پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

519- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۴۰۳۹) كتاب اللباس: باب ما جاء في الخز' ابن حبان (۶۷۵۴' بيهقي (۳/۲۷۲) بخاري تعليقا (۵۵۹۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

520- [بخاري (۵۸۳۷) كتاب اللباس: باب افتراش الحرير' مسلم (۲۰۶۷) ابو داود (۳۷۲۳) ترمذي (۱۸۷۸) نسائي (۸/۱۹۸) ابن ماجه (۳۴۱۴) احمد (۵/۳۹۵) ابن الجارود (۸۶۵) دارقطني (۴/۲۹۳)]

(۷۵۵) [كما في توضيح الأحكام (۳/۱۰۵)]

(۷۵۶) [دیکھئے: تحفة الأحوذي (۵/۳۸۲) نيل الأوطار (۱/۵۵۹)]

لغوی توضیح الدِّیْبَاج موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشمی کپڑے کا بچھونا بنانا اور اس پر بیٹھنا بھی منع ہے۔ جمہور اس حدیث کی وجہ سے ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (۷۵۷) جبکہ احناف کا موقف یہ ہے کہ ریشمی کپڑے کا بچھونا بنایا جا سکتا ہے۔ (۷۵۸) امام زیلعیؒ نے فرمایا ہے کہ (مذکورہ) حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے حنفی مذہب مشکل میں پڑ گیا ہے۔ (۷۵۹) اس مسئلے میں جمہور کا موقف ہی راجح ہے۔ (۷۶۰) امام ابن قیمؒ نے بھی اسی کو ثابت کیا ہے۔ (۷۶۱)

521- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے مگر دو تین یا چار انگلیوں کے برابر۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشم پہننا حرام ہے، البتہ چار انگلیوں تک اگر کسی کپڑے میں لگا ہو تو اسے پہننا جائز ہے۔ اسی طرح اگر انسان کو خارش وغیرہ جیسی کوئی ایسی بیماری ہو جس میں اسے ریشم پہننے کی شدید ضرورت ہو تو پھر بھی اس کا حسب ضرورت جواز موجود ہے (جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے)۔ امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ کسی شدید ضرورت کی وجہ سے ریشم پہننا جائز ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ خواہ کتنی بھی ضرورت ہو ریشم پہننا جائز نہیں۔ پہلا موقف ہی راجح ہے۔ (۷۶۲)

522- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ فِي قَمِيصِ الْحَرِيرِ فِي سَفَرٍ، مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دوران سفر خارش کی وجہ سے ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دے دی۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حِكَّة خارش کو کہتے ہیں۔

521- [بخاری (۵۸۲۸) كتاب اللباس: باب لبس الحرير وافتراشه، مسلم (۲۰۶۹) ابو داود (۴۰۴۲) ترمذی (۱۷۲۱) نسائی (۲۰۲/۸) ابن ماجه (۳۵۹۳) احمد (۱۵/۱)]

522- [بخاری (۲۹۱۹) كتاب الجهاد والسير: باب الحرير في الحرب، مسلم (۲۰۷۶) ابو داود (۴۰۵۶) ترمذی (۱۷۲۲) ابن ماجه (۳۵۹۲) نسائی (۲۰۲/۸) احمد (۱۲۷/۳)]

(۷۵۷) [الأم (۱۸۵/۱) حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء (۶۷/۲) الخرشي على مختصر سيدى خليل (۲۴۵/۱) الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف (۴۷۵/۱)]

(۷۵۸) [ملتقى الأبحر للعلامه الفقيه إبراهيم بن محمد الحلبي (۲۳۲/۲-۲۳۳)]

(۷۵۹) [نصب الراية (۲۲۷/۴)]

(۷۶۰) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري (۴۷۲/۱۱) نيل الأوطار (۵۶۲/۱)]

(۷۶۱) [أعلام الموقعين (۳۶۶/۲)]

(۷۶۲) [دیکھیے: نيل الأوطار (۵۶۵/۱)]

523- وَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَسَانِي النَّبِيُّ ﷺ حُلَّةً سِيَرَاءَ فَخَرَجْتُ فِيهَا فَرَأَيْتُ الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ فَشَقَّقْتُهَا بَيْنَ نِسَائِي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے ایک دھاری دار ریشمی جوڑا عطا کیا' میں اسے پہن کر نکلا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرے میں غصہ کے آثار دیکھے' لہٰذا میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔[بخاری' مسلم۔ یہ مسلم کے لفظ ہیں۔]

لغوی توضیح كَسَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب كَسَا يَكْسُو (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''پہنانا''۔ حُلَّة سے مراد ہے جوڑا یعنی تہبند اور چادر (جس سے سارا جسم ڈھانپ لیا جائے)۔ سِيَرَاء کا معنی ہے ''دھاری دار''۔ شَقَّقْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب شَقَّقَ يُشَقِّقُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''پھاڑنا' ٹکڑے ٹکڑے کرنا''۔

فهم الحديث یہ لباس آپ ﷺ کو دومۃ الجندل کے (نصرانی) سردار اکیدر نے بطور ہدیہ دیا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ریشمی جوڑا پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا'' میں نے تمہیں یہ لباس پہننے کے لیے نہیں دیا تھا بلکہ اس لیے دیا تھا کہ تم اسے پھاڑ کر اپنی گھریلو عورتوں میں تقسیم کر دو۔''(٧٦٣) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشم پہننا مردوں کے لیے ناجائز جبکہ عورتوں کے لیے جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کا تحفہ قبول کرنا جائز ہے اور ایسا تحفہ قبول کرنا بھی جائز ہے جس کا استعمال ناجائز ہی کیوں نہ ہو۔

524- وَعَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں پر حلال کیا گیا ہے اور ان کے مردوں پر حرام۔'' [اسے احمد' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے سونا پہننا حلال ہے' خواہ وہ کسی بھی عمر کی ہوں۔ اسی طرح ان کے لیے ریشم پہننا بھی جائز ہے۔

525- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا أَنْعَمَ عَلَى عَبْدِهِ نِعْمَةً أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کو کسی نعمت سے نوازتے ہیں تو اس پر اس نعمت کا اثر دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔'' [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔]

523- [بخاری (٥٨٤٠) كتاب اللباس : باب الحرير للنساء' مسلم (٢٠٧١) ابو داود (٤٠٤٣) نسائی (١٩٧/٨) احمد (٩٠/١)]

524- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (١٧٢٠) كتاب اللباس : باب ما جاء فی الحرير والذهب' نسائی (١٦١/٨) احمد (٣٩٢/٤) بیهقی (٤٢٥/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

525- [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (١٧١٢) بیهقی (٢٧١/٣) ترمذی (٢٨١٩) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو شواہد کی وجہ سے حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٧٦٣) [مسلم (٢٠٧١)]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی بندے پر وسعت و فراخی کے ذریعے انعام کیا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے لباس، خوراک، رہائش اور سواری وغیرہ میں اس کا اظہار کرے یعنی عمدہ لباس پہنے، اچھا کھانا کھائے، بہترین سواری استعمال کرے۔ لیکن یہ شرط ہے کہ ان تمام کاموں میں فخر و تکبر (یعنی دوسروں کو حقیر جاننے) کی نیت نہ ہو۔ کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ "جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" یہ سن کر ایک صحابی نے عرض کیا 'اے اللہ کے رسول! ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لباس اور اس کے جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ تکبر ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا" (ایسی بات نہیں، بلکہ) اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو ہی پسند فرماتا ہے، تکبر تو حق کا انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔"(٧٦٤) معلوم ہوا کہ لباس اور دیگر اشیاء میں عمدگی کو اختیار کرنا تکبر نہیں، بلکہ تکبر یہ ہے کہ قیمتی چیزوں کا استعمال کر کے دوسروں کو حقیر اور کم تر سمجھا جائے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ محبت بھی ثابت ہوتی ہے۔

526- وَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قس (شہر) کے بنے ہوئے اور زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

527- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَى عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ: ((أُمُّكَ أَمَرَتْكَ بِهٰذَا؟)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ پر دو زرد رنگ کے کپڑے دیکھے تو فرمایا "کیا تمہیں تمہاری ماں نے ان کے پہننے کا حکم دیا ہے؟" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْقَسِّي سے مراد قس شہر کے ساختہ کپڑے ہیں، یہ شہر مصر میں واقع ہے، اس علاقے کے بنے ہوئے کپڑوں میں ریشم استعمال کیا جاتا تھا اس لیے ان سے منع کیا گیا۔ اَلْمُعَصْفَرُ وہ کپڑا ہے جو عصفر بوٹی سے رنگا گیا ہو۔ اس بوٹی سے رنگا ہوا کپڑا سرخ اور زرد رنگ کے درمیانی رنگ کا ہوتا تھا۔

فهم الحدیث مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشمی کپڑا اور زرد رنگ کا کپڑا پہننا مردوں کے لیے ممنوع ہے جبکہ خواتین کے لیے جائز ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے اس فرمان "تمہاری ماں نے تمہیں یہ پہنایا ہے؟" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کپڑا خواتین کے لیے تھا۔ علاوہ ازیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو سرخ لباس میں دیکھا۔(٧٦٥) اس حدیث سے سرخ کپڑا پہننے کا جواز جبکہ مذکورہ بالا احادیث سے ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ ممانعت صرف اُس سرخ کپڑے میں ہے جسے عصفر بوٹی سے رنگا گیا ہو۔(٧٦٦)

526- [مسلم (٢٠٧٨) كتاب اللباس والزينة : باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، ابو داود (٤٠٤٤) ترمذی (١٧٢٥) نسائی (١٨٩/٢) احمد (٩٢/١) مالك (٨٠/١)]

527- [مسلم (٢٠٧٧) كتاب اللباس والزينة : باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، نسائی (٢٠٣/٨) احمد (١٦٢/٢)]

(٧٦٤) [مسلم : كتاب الإيمان : باب تحريم الكبر وبيانه]

(٧٦٥) [بخاری (٣٥٥١) كتاب المناقب : باب صفة النبي، مسلم (٢٣٣٧) ابو داود (٤٠٧٢) ترمذی (١٧٢٤)]

(٧٦٦) [دیکھئے: نيل الأوطار (٥٧١/١) تحفة الأحوذی (٣٩٣/٥)]

528- وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَكْفُوفَةَ الْجَيْبِ وَالْكُمَّيْنِ وَالْفَرْجَيْنِ بِالدِّيبَاجِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ وَزَادَ: ((كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ فَقَبَضْتُهَا، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى يَسْتَشْفِي بِهَا)) وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ: ((وَكَانَ يَلْبَسُهَا لِلْوَفْدِ وَالْجُمُعَةِ))۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا وہ چوغہ نکالا جس کی آستینوں' گریبان اور چاک پر موٹا ریشم لگا ہوا تھا۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے' اس میں اتنا اضافہ ہے کہ] یہ چوغہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا' وہ فوت ہوئیں تو میں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ نبی کریم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے اور ہم اسے دھو کر (پانی) مریضوں کو پلاتے تھے اور اس کے ذریعے شفا طلب کرتے تھے۔ [بخاری نے الادب المفرد میں یہ اضافہ کیا ہے کہ] آپ ﷺ یہ چوغہ وفود سے ملاقات اور جمعہ کے لیے پہنا کرتے تھے۔

لغوی توضیح مَكْفُوفَةٌ وہ کپڑا جس کے کناروں پر کوئی دوسرا کپڑا مثلاً ریشم وغیرہ لگایا گیا ہو۔ اَلْجَيْبُ گریبان کو کہتے ہیں' اس کی جمع أَجْيَاب اور جُيُوب آتی ہے۔ اَلْكُمَّيْنِ تثنیہ ہے كُمّ کی' اس کا معنی ہے ''آستین'' اس کی جمع أَكْمَام آتی ہے۔ اَلْفَرْجَيْنِ تثنیہ ہے اَلْفَرْج سے' مراد ہے سینے پر وہ جگہ جہاں دونوں اطراف سے کپڑا ملتا ہے۔ اَلدِّيبَاج موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔ يَسْتَشْفِي فعل مضارع کا صیغہ ہے' باب اِسْتَشْفَى يَسْتَشْفِي (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''شفاء طلب کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس لباس میں تھوڑا بہت (یعنی زیادہ سے زیادہ چار انگلیوں کے برابر) ریشم لگا ہوا ہو اسے پہننا جائز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرنا (آپ کی وفات کے بعد بھی) اور شفا طلب کرنا جائز ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاص مواقع مثلاً خطبہ جمعہ' عیدین' درس وتدریس اور معزز لوگوں سے ملاقات وغیرہ کے لیے کوئی عمدہ اور بہترین لباس مختص کر لینا درست ہے' البتہ یہ یاد رہے کہ اس سے غرض فخر وتکبر نہ ہو۔

- جب بھی کوئی شخص نیا لباس پہنے تو اسے نیا لباس پہننے کی دعا پڑھنی چاہیے' آپ ﷺ نے فرمایا ہے ''جس شخص نے نیا لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھی: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي هٰذَا وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ ﴾ اس کے پچھلے اور اگلے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔'' (٧٦٧)

528- [مسلم (٢٠٦٩) كتاب اللباس والزينة : باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة' بخاري في الأدب المفرد (٣٤٨) ابو داود (٤٠٥٤) احمد (٣٤٨/٦)]

(٧٦٧) [حسن لغيره : صحيح الترغيب (٢٠٤٢) كتاب اللباس والزينة : باب الترغيب في كلمات يقولهن من لبس ثوبا جديدا' ابو داود (٤٠٢٣) حاكم (٥٠٧/١) امام حاکم نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

❑ اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانا منع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا تہبند گھسیٹتا ہوا چلے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر بھی نہیں کریں گے۔''(۷۶۸) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہو وہ جہنم میں ہوگا۔''(۷۶۹)

❑ انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہنی جا سکتی ہے۔(۷۷۰) البتہ یہ یاد رہے کہ دو انگلیوں (انگشت شہادت اور درمیانی انگلی) میں انگوٹھی پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس اور اس یعنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔(۷۷۱)

❑ کالی پگڑی پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے سیاہ رنگ کی پگڑی پہنی ہوئی تھی۔(۷۷۲)

---

(۷۶۸) [بخاری (۵۷۸٤) كتاب اللباس : باب من جر إزاره من غير خيلاء]

(۷۶۹) [بخاری (۵۷۸۷) كتاب اللباس : باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار]

(۷۷۰) [صحیح : صحيح ابو داود (۳۵۵۷) كتاب الخاتم : باب ما جآء في التختم في اليمين أو اليسار ' ابو داود (٤٢٢٦) ترمذی (۱۷٤٤)] ' [مزید دیکھئے: صحيح ابو داود (۳۵۵۸) كتاب الخاتم : باب ما جآء في التختم في اليمين أو اليسار ' ابوداود (٤٢٢٨)]

(۷۷۱) [صحیح : صحيح ابو داود (۳۵۵٦) كتاب الخاتم : باب ما جآء في خاتم الحديد ' ابو داود (٤٢٢٥) ترمذی (۱۷۸٦) ابن ماجة (۳٦٤٨)]

(۷۷۲) [صحیح : صحيح ترمذی ' ترمذی (۱۷۳۵) كتاب اللباس : باب ما جآء في العمامة السوداء ' شرح السنة (۱۷۱/٦)]
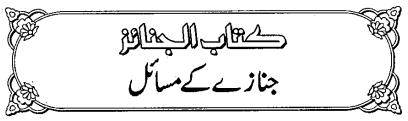
529- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ: الْمَوْتِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لذتوں کو کاٹ دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔" [اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لفظِ جنائز جَنَازَة کی جمع ہے اس سے میت مراد ہے اور اگر جیم پر فتحہ ہو یعنی جَنَازَة تو بعض نے اس سے بھی میت مراد لی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جِنَازَه (جیم کے کسرہ کے ساتھ) میت کو اور جَنَازَه (جیم کے فتحہ کے ساتھ) اس چارپائی کو کہتے ہیں جس پر میت ہو۔ یہ لفظ باب جَنَزَ يَجْنِزُ (بروزن ضرب) سے مشتق ہے اس کا معنی ہے "چھپانا"۔ أَكْثِرُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب أَكْثَرَ يُكْثِرُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی "زیادہ کرنا"۔ هَاذِم کا معنی ہے "قاطع یعنی توڑ دینے والی اور کاٹ دینے والی چیز"۔

فہم الحدیث ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے بعد آنے والے وقت کے لیے خوب اچھی طرح تیاری کرے وہ سب سے زیادہ عقل مند (مسلمان) ہے۔"(1) امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ موت کو یاد کرنا اور اس کے لیے تیاری کرنا مستحب ہے۔(2) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام دنیاوی مصروفیات و مشاغل میں موت کو ہرگز نہ بھولیں۔ اس کا فائدہ اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ذکرِ موت سے دلوں میں نرمی، عمل کی رغبت اور اطاعت کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اسی لیے موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ موت کو یاد دلانے والی اشیاء میں زیارتِ قبور اور عمر رسیدہ افراد سے میل ملاقات وغیرہ جیسے کام شامل ہیں۔

530- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا فَلْيَقُلْ: اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي مَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی بھی کسی نازل شدہ مصیبت و تکلیف کے باعث ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر ضرور ہی تمنا کرنا چاہے تو پھر یوں کہہ لے "اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے اور اس وقت مجھے فوت کر دینا جب میرے لیے وفات بہتر ہوگی۔" [بخاری، مسلم]

529- [حسن صحیح: صحیح ترمذی، ترمذی (۲۳۰۷) کتاب الزهد: باب ما جاء في ذكر الموت، ابن ماجه (۴۲۵۸) احمد (۲۹۳/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

530- [بخاری (۵۶۷۱) كتاب المرضى: باب تمني المريض الموت، مسلم (۲۶۸۰) ابو داود (۳۱۰۸) ترمذی (۹۷۰) ابن ماجه (۴۲۶۵) نسائی (۳/۴-۴) احمد (۱۰۱/۳) ابن حبان (۹۶۸) بيهقی (۳۷۷/۳)]

(1) [صحیح: صحیح ابن ماجة (۳۴۳۵) كتاب الزهد: باب ذكر الموت و الاستعداد له، ابن ماجة (۴۲۵۹)]

(2) [المغني لابن قدامة (۳۶۰/۳)]

لغوی توضیح لَا یَتَمَنَّیَنَّ فعل نہی کا صیغہ ہے باب تَمَنَّی یَتَمَنَّی (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے''آرزو کرنا''۔ ضُرّ تکلیف ونقصان کو کہتے ہیں۔ لَا بُدَّ لازمی اور ضروری کے معنی میں ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی تمنا کرنا ہرگز جائز نہیں خواہ کتنی بڑی مصیبت کیوں نہ نازل ہوئی ہو۔ قیس بن ابی حازم نے بیان کیا کہ ہم حضرت خباب بن اَرت رضی اللہ عنہ کے گھر ان کی عیادت کے لیے گئے۔ انہوں نے اپنے پیٹ میں سات داغ لگوائے تھے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وفات پا چکے ہیں وہ یہاں سے اسی حال میں رخصت ہوئے کہ دنیا ان کا اجر وثواب کچھ نہ گھٹا سکی اور ان کے عمل میں کوئی کمی نہیں آئی اور ہم نے اتنا (مال) پایا کہ جس کے خرچ کرنے کے لیے ہم نے مٹی کے سوا اور کوئی محل نہیں پایا (یعنی ہم نے عمارتیں تعمیر کرنی شروع کر دیں) ''اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اس کی دعا کرتا۔''(۳) علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (۴) نے موت کی تمنا کو ناجائز جبکہ شیخ سلیم ہلالی (۵) نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اس کی ایک تو یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ اُس صبر کے منافی عمل ہے جس کا مسلمانوں کو حکم ہے اور جس پر انہیں بہت زیادہ اجر وثواب کی نوید سنائی گئی ہے اور دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ مومن آدمی کے لیے لمبی عمر ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ جتنی زیادہ نیکیاں کرے گا اس کے درجات اتنے ہی زیادہ بلند ہو جائیں گے اور اس کے کچھ گناہ بھی ہوں گے تو اسے توبہ کا موقع مل جائے گا جیسا کہ یہ حکمت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔(۶)

531- وَعَنْ بُرَیْدَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : ((الْمُؤْمِنُ یَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِینِ)) رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن آدمی کو موت کے وقت پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے۔'' [اسے ابوداود' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح عَرَق پسینے کو اور جَبِین پیشانی کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ موت کے وقت مومن آدمی کے بقیہ گناہوں کو معاف کیا جا رہا ہوتا ہے اس لیے اسے پسینہ آتا ہے اور دوسرا یہ بیان کیا گیا ہے کہ مومن آدمی کو زندگی میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری' عبادت وریاضت' شرعی احکام کی پابندی اور رزق حلال کی طلب کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے اسی وجہ سے موت کے وقت اس پر پسینہ نمودار ہوتا ہے۔(۷)

531- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۹۸۲) کتاب الجنائز : باب ما جاء أن المؤمن یموت بعرق الجبین' ابن ماجه (۱۴۵۲) نسائی (۶/۴) احمد (۳۵۰/۵) شیخ عبد اللہ بسام نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳) [بخاری (۵۶۷۲) کتاب المرضی : باب تمنی المریض الموت' مسلم (۲۶۸۱) کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار : باب کراهة تمنی الموت لضر نزل به' احمد (۲۱۱۱۶) طبرانی کبیر (۳۶۳۲) حمیدی (۱۵۴) أبو نعیم فی حلیة الأولیاء (۱۴۶/۱) بیهقی (۳۷۷/۳) نسائی فی السنن الکبری (۱۹۴۹/۱) ابن حبان (۲۹۹۹)]

(۴) [أحکام الجنائز وبدعها (ص/ ۱۲)]　　(۵) [موسوعة المناهی الشرعیة (۶/۲)]

(۶) [بخاری (۵۶۷۳) کتاب المرضی : باب تمنی المریض الموت' مسلم (۲۶۸۲) کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار : باب کراهة تمنی الموت لضر نزل به' احمد (۸۱۹۶) ابن حبان (۳۰۱۵) شرح السنة للبغوی (۱۴۴۶) بیهقی (۳۷۷/۳)]

(۷) [ملاحظہ فرمایئے: توضیح الأحکام (۱۴۱/۳) سبل السلام (۲۴۴/۲)]

532- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ ① وَ أَبِي هُرَيْرَةَ ② رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ الْأَرْبَعَةُ ـ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اپنے مرنے والوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کرو۔'' [اسے مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح لَقِّنُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب لَقَّنَ يُلَقِّنُ (بروزن تفعیل) سے، اس کا معنی ہے ''تلقین کرنا' یاد دہانی کرانا''۔ مَوْتَاكُم میت کی جمع ہے' مراد ایسے افراد ہیں جن کی موت کا وقت قریب ہو۔

فہم الحدیث قریب المرگ کو کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے کی تلقین کرنے کا مقصد رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ''جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''(۸) یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ جب بھی کسی شخص کو موت کے قریب دیکھتے تو اسے کلمہ کہنے کی تلقین کرتے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک (قریب المرگ) انصاری شخص کی عیادت کی اور اسے فرمایا ''اے ماموں! لا الہ الا اللہ کہہ دو۔''(۹) امام نوویؒ(۱۰) اور جمہور اہل علم نے تلقین کے اس حکم کو استحباب پر محمول کیا ہے جبکہ ملا علی قاریؒ نے کہا ہے کہ حدیث کا ظاہر اس کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔(۱۱) علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۱۲)

533- وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اقْرَءُوا عَلَى مَوْتَاكُمْ يٰس)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ـ

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰس کی تلاوت کیا کرو۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب المرگ افراد کے پاس سورۂ یٰس کی تلاوت مستحب ہے' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اسی طرح وہ روایت بھی ضعیف ہے جس میں مذکور ہے کہ ''جس مردے پر سورۂ یٰس کی تلاوت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرما دیتے ہیں۔''(۱۳) علامہ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ قریب المرگ کے پاس سورۂ یٰس تلاوت کرنے کی

532- [① حديث أبي سعيد: مسلم (۹۱۶) كتاب الجنائز: باب تلقين الموتى لا إله إلا الله ' ابو داود (۳۱۱۷) ترمذی (۹۷۶) ابن ماجه (۱۴۴۵) نسائی (۵/۴) احمد (۳/۳) بیهقی (۳۸۳/۳)]

[② مسلم (۹۱۷) كتاب الجنائز: باب تلقين الموتى لا إله إلا الله ' ابن ماجه (۱۴۴۴) بيهقى (۳۸۳/۳)]

533- [ضعيف: ضعيف ابو داود ' ابو داود (۳۱۲۱) كتاب الجنائز: باب القراءة عند الميت ' ابن ماجه (۱۴۴۸) نسائی فی عمل اليوم والليلة (۱۰۷۴) احمد (۲۶/۵) ابن حبان (۷۲۰ ـ الموارد) حاكم (۵۶۵/۱) بيهقى (۳۸۳/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۸) [صحيح: صحيح أبو داود (۲۶۷۳) كتاب الجنائز: باب في التلقين' أبو داود (۳۱۱۶) أحمد (۲۳۳/۵) حاكم (۳۵۱/۱)]

(۹) [صحيح: أحكام الجنائز (ص/۲۰) أحمد (۱۵۲/۳) شیخ البانیؒ نے مسلم کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۰) [المجموع (۱۰۵/۵)]

(۱۱) [مرقاة المفاتيح (۸۴/۴)]

(۱۲) [تحفة الأحوذی (۲۳/۴)]

(۱۳) [أخبار أصبهان لأبي نعيم (۱۸۸/۱)] اس کی سند میں مروان بن سالم راوی ثقہ نہیں ہے۔ [ميزان الإعتدال (۹۰/۴) المجروحين (۱۳/۳)]

کوئی روایت بھی صحیح و ثابت نہیں۔(۱٤) یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن بازؒ نے بھی اس عمل کے غیر مستحب کا ہی فتویٰ دیا ہے۔(۱٥)

534- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى أَبِي سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهُ فَأَغْمَضَهُ ، ثُمَّ قَالَ : ((إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ أَتْبَعَهُ الْبَصَرُ)) فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهِ ، فَقَالَ : ((لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ عَلَى مَا تَقُولُونَ)) ثُمَّ قَالَ : ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت اُم سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو سلمہ ؓ کی وفات کے وقت تشریف لائے تو اس وقت اُن کی آنکھ کھلی تھی تو آپ ﷺ نے اسے بند کر دیا پھر فرمایا "بلاشبہ جب روح قبض کر لی جاتی ہے تو نظر اس کا پیچھا کرتی ہے۔" پھر ان کے گھر والے چیخنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا "اپنے لیے صرف خیر و بھلائی کی دعا ہی کرنا کیونکہ جو کچھ بھی تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔" پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی "اے اللہ! ابو سلمہ کو بخش دے' اس کے درجہ کو ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند فرما' اس کی قبر کو کشادہ کر دے اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دے اور اس کے باقی ماندہ لوگوں کی نگرانی فرما۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح شَقَّ بَصَرُهُ سے مراد ہے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جانا۔ أَغْمَضَ اغماض سے فعل ماضی کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے "بند کرنا"۔ ضَجَّ بھی ماضی کا صیغہ ہے باب ضَجَّ يَضُجُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "چیخنا چلانا"۔ تُؤَمِّنُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَمَّنَ يُؤَمِّنُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "آمین کہنا"۔ افْسَحْ فعل امر کا صیغہ ہے باب فَسَحَ يَفْسَحُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے "کشادہ کرنا"۔ نَوِّرْ باب تفعیل سے فعل امر کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے "روشن کرنا"۔ اخْلُفْ بھی فعل امر کا صیغہ ہے باب خَلَفَ يَخْلُفُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "نائب بننا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وفات کے وقت میت کی آنکھیں کھلی رہ جائیں تو فوراً بند کر دینی چاہییں۔ امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ اس عمل کے استحباب پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(۱٦) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میت کے لیے نماز جنازہ سے قبل بھی دعائے مغفرت کی جا سکتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے اہل و عیال کو اپنے عزیز کی موت کے وقت صرف خیر کی دعا ہی کرنی چاہیے کیونکہ ان کی دعا پر فرشتے آمین کہہ رہے ہوتے ہیں۔

535- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ فوت ہوئے تو آپ کو ایک دھاری دار چادر کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح سُجِّيَ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب سَجَّى يُسَجِّي (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے

534- [مسلم (۹۲۰) کتاب الجنائز : باب فی إغماض المیت والدعاء له إذا حضر' ابو داود (۳۱۱۸) ابن ماجه (۱٤٥٤)]

535- [بخاری (٥٨١٤) کتاب اللباس : باب البرود والحبرة والشملة' مسلم (۹٤۲) ابو داود (۳۱۲۰)]

(۱٤) [أحكام الجنائز (ص/۲۰)]

(۱٥) [مجموع فتاوی لابن باز (۹٤/۱۳)]

(۱٦) [سبل السلام (۲٤٨/۲)]

''ڈھانپنا''۔ بُـرد ایسی چادر کو کہتے ہیں جو دھاری دار ہو' اس کی أبْـرَاد آتی ہے۔ حِبَـرَة اس چادر کو کہتے ہیں جس میں بیل بوٹے بنائے گئے ہوں' اس کی جمع حُبُر اور حُبُرات آتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو (وفات کے بعد اور غسل سے قبل) کسی چادر وغیرہ کے ساتھ ڈھانپنا مستحب ہے۔ امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔(۱۷) امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(۱۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہوئے تھے' یہی وجہ ہے کہ آپ کے ساتھ بھی اسی طرح کیا گیا جیسے دوسرے فوت شدگان کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

536- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَبَّلَ النَّبِيَّ ﷺ بَعْدَ مَوْتِهِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ ؓ سے ہی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ (کی پیشانی) کا بوسہ لیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح قَبَّلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب قَبَّلَ يُقَبِّلُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''بوسہ دینا''۔

فهم الحديث ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون ؓ فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا بوسہ لیا۔(۱۹) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ تعظیم و تبرک کی غرض سے میت کا بوسہ لینا جائز ہے کیونکہ ایسی کوئی بات بھی منقول نہیں ہے کہ کسی ایک صحابی نے بھی حضرت ابوبکر ؓ کے اس فعل پر اعتراض کیا ہو لہٰذا یہ اجماع کی مانند ہی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے عمل میں بھی واضح ثبوت موجود ہے کہ میت کا بوسہ لینا جائز ہے۔(۲۰) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۲۱)، علامہ البانیؒ (۲۲) اور شیخ ابن بازؒ (۲۳) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ میت کا بوسہ لینا جائز ہے۔

537- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مومن کی روح اپنے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے۔'' [اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

536- [بخاری (۱۲٤۱) کتاب الجنائز : باب الدخول علی المیت بعد الموت' نسائی (٤/۱۱) احمد (٦/۱۱۷)]

537- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۱۰۷۸-۱۰۷۹) کتاب الجنائز : باب ما جاء عن النبی ﷺ أنه قال' ابن ماجه (۲٤۱۳) احمد (۲/٤٤۰) دارمی (۲۵۹۱) حاکم (۲/۲۷) ابن حبان (۳۰۵۷) بیهقی (٦/٤۹) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(۱۷) [نیل الأوطار (۲/٦۷۳)]

(۱۸) [شرح مسلم للنووی (٤/۲۵۸)]

(۱۹) [صحیح : صحیح أبو داود (۲۷۰۹) کتاب الجنائز : باب فی تقبیل المیت' أبو داود (۳۱٦۳) ترمذی (۹۸۹) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی تقبیل المیت' ابن ماجة (۱٤۵٦) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی تقبیل المیت' أحمد (٦/٤۳) عبد بن حمید (۱۵۲٦)]

(۲۰) [نیل الأوطار (۲/٦۷۳)]

(۲۱) [تحفة الأحوذی (٤/۳۸)]

(۲۲) [أحکام الجنائز وبدعها (ص/۳۱)]

(۲۳) [مجموع فتاوی لابن باز (۱۳/۱۰۲)]

لغوی توضیح امام ابن قیمؒ نے نقل فرمایا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نفس اور روح ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔(۲۴)

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فوت ہونے والے کو قرض معاف نہیں ہوتا اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے تمام حقوق العباد کا بھی یہی حکم بیان کیا ہے۔ امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ وفات کے فوراً بعد میت کا قرض ادا کر دینا چاہیے۔(۲۵) شیخ صالح بن فوزان نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۲۶) لہٰذا اگر میت کچھ مال چھوڑ جائے تو سب سے پہلے ورثاء کو چاہیے کہ اس سے اس کا قرض ادا کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن اطول رضی اللہ عنہ کا بھائی تین سو درہم ترکہ چھوڑ کر فوت ہو گیا چونکہ میت کے اہل وعیال بھی تھے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے عیال پر یہ درہم خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بے شک تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے روک دیا گیا ہے' اس کی طرف سے (پہلے) قرض ادا کرو۔''(۲۷) واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ میت کا قرض اس کے ترکے سے ہی ادا کیا جائے یا صرف اس کے ورثاء ہی ادا کریں بلکہ کوئی دوسرا بھی ادا کر سکتا ہے۔(۲۸) اور اگر کوئی بھی ادا کرنے والا نہ ہو تو حکومت وقت کو چاہیے کہ اس کی طرف سے قرض ادا کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''میں مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی ان کے زیادہ قریب ہوں لہٰذا جو فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور جس نے ترکے میں کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔''(۲۹) علاوہ ازیں ایک صحیح حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ادا کرنے کی نیت سے قرض لے اور پھر ادا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دیتے ہیں۔(۳۰)

538- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ - فِي الَّذِي سَقَطَ عَنْ رَاحِلَتِهِ فَمَاتَ : ((اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنی سواری سے گر کر فوت ہو گیا تھا ''اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور اسے (اس کے احرام کے) دو کپڑوں میں ہی کفن دو۔'' [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان حالت احرام میں فوت ہو جائے تو اسے بھی پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ ہی غسل دیا جائے گا۔ بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دینے کے تین طریقے بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ بیری

538- [بخاری (۱۲۶۷) کتاب الجنائز : باب کیف یکفن المحرم' مسلم (۱۲۰۶) ابو داود (۳۲۳۸) ترمذی (۹۵۱) نسائی (۱۴۴/۵) ابن ماجہ (۳۰۸۴) احمد (۲۲۰/۱) دارمی (۱۸۵۲) دارقطنی (۲۹۶/۲) ابن حبان (۳۹۶۵) بیہقی (۳۹۰/۳)]

(۲۴) [کما فی توضیح الأحکام (۱۵۹/۳)]

(۲۵) [المغنی لابن قدامۃ (۳۶۷/۳)]

(۲۶) [بحوث فقہیۃ فی قضایا عصریۃ (ص / ۲۵۶)]

(۲۷) [صحیح : أحکام الجنائز (ص/۲۶) ابن ماجہ (۲۴۳۳) کتاب الصدقات : باب الدین علی المیت' أحمد (۱۳۶/۴) بیہقی (۱۴۲/۱۰)]

(۲۸) [بخاری : کتاب الحوالات : باب إن أحال دین المیت علی رجل جاز]

(۲۹) [صحیح : صحیح ابن ماجہ (۱۹۵۹) کتاب الصدقات : باب التشدید فی الدین' ابن ماجہ (۲۴۱۵)]

(۳۰) [بخاری (۲۳۸۷) کتاب فی الاستقراض وأداء الدیون والحجر والتفلیس : باب من أخذ أموال الناس یرید أداءھا أو إتلافھا' ابن ماجہ (۲۴۱۱)]

کے پتوں کو پانی میں ڈال کر اس قدر ہلایا جائے کہ جھاگ نکل آئے اور پھر اس کے ساتھ میت کو ملا جائے اور غسل دیا جائے' دوسرا یہ کہ بیری کے پتوں کو پانی میں ڈال کر اُبال لیا جائے اور تیسرا یہ کہ پتوں کو جلا کر راکھ بنا لیا جائے' پھر اس راکھ کو میت کے بدن پر ملا جائے اور بعد میں پانی کے ساتھ غسل دے دیا جائے (یہ بھی یاد رہے کہ اگر بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو صابن وغیرہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ مقصود تو صفائی ہی ہے)۔ (۳۱) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالت احرام میں فوت ہونے والے کو انہی دو کپڑوں میں کفن دیا جائے گا جو اس نے پہن رکھے تھے' نہ تو اس کا سر ڈھانپا جائے گا اور نہ چہرہ اور نہ ہی اسے خوشبو لگائی جائے گی (جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے)۔ (۳۲) اس کی حکمت ایک دوسری روایت میں یوں بیان کی گئی ہے کہ ''اسے روزِ قیامت حالتِ احرام میں ہی اٹھایا جائے گا (اور محرم کے لیے چونکہ چہرہ ڈھانپنا اور خوشبو لگانا منع ہے اس لیے اس کی میت کے ساتھ ایسا کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے)۔'' (۳۳) علامہ ناصر الدین البانیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ محرم شخص کا نہ تو سر ڈھانپا جائے گا اور نہ ہی چہرہ۔ (۳۴)

539- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا أَرَادُوا غَسْلَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالُوا: وَاللّٰهِ مَا نَدْرِي أَنُجَرِّدُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ ثِيَابِهِ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا أَمْ لَا؟...... اَلْحَدِيثَ' رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو کہا' اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ ہم اپنے مرنے والوں کی طرح آپ ﷺ کے بھی کپڑے اتاریں یا نہ اتاریں؟۔[اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح نُجَرِّدُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب جَرَّدَ يُجَرِّدُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''بدن سے کپڑے اتارنا''۔

فهم الحديث مکمل حدیث یوں ہے کہ جب لوگوں نے آپ ﷺ کے کپڑے اتارنے کے متعلق اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر غنودگی طاری کر دی' پھر گھر کے ایک کونے سے یوں آواز آئی کہ آپ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دے دو۔ لہٰذا پھر صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو کپڑوں میں ہی غسل دے دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت کپڑے اتارنا مستحب ہے کیونکہ صحابہ اسی طرح کیا کرتے تھے' البتہ نبی ﷺ کے متعلق اختلاف اس لیے پیدا ہوا کیونکہ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ اور عظیم شان ان کے لیے آپ کے کپڑے اتارنے میں رکاوٹ بنی رہی۔ آپ ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور اس کام میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دو بیٹے فضل رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران نے آپ ﷺ کے ساتھ تعاون کیا۔ (۳۵)

539- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۳۱۴۱) كتاب الجنائز : باب في ستر الميت عند غسله' احمد (۲۶۷/۶) حاکم (۵۹/۳) ابن حبان (۲۱۵۶۔الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

---

(۳۱) [دیکھئے: اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام' مترجم (۳۶۰/۱)]

(۳۲) [بخاری (۱۲۶۵) كتاب الجنائز : باب الكفن في ثوبين' مسلم (۲۰۹۲) بیهقی (۳۹۰/۳) أبو نعيم في المستخرج (۱۳۹۔۱۴۰) أحكام الجنائز (ص/۲۲)]

(۳۳) [صحیح : صحیح نسائی (۱۷۹۶) كتاب الجنائز : باب كيف يكفن المحرم إذا مات' نسائی (۱۹۰۵) طبرانی کبیر (۱۶۵/۲)]

(۳۴) [أحكام الجنائز وبدعها (ص / ۲۲)] (۳۵) [دیکھئے: توضيح الأحكام (۱۶۶/۳)]

540- وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ وَنَحْنُ نُغَسِّلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ: ((اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ)) فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ، فَقَالَ: ((أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ: ((ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا)) وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((فَضَفَّرْنَا شَعَرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ فَأَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا)).

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم آپ ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو، اگر تم اس کی ضرورت محسوس کرو۔ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور آخر میں کافور یا (کہا کہ) کچھ کافور ڈال لینا (اور غسل سے فارغ ہو کر مجھے خبر دے دینا)۔ ہم نے جب غسل دے لیا تو آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ اسے اس کی قمیص بنا دو۔'' [بخاری، مسلم۔ اور ایک روایت میں ہے کہ] ''دائیں اطراف اور اعضائے وضوء سے غسل شروع کرو۔'' [اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ] ہم نے اس کے سر کے بالوں کی تین مینڈیاں بنا دیں اور انہیں اس کے پیچھے ڈال دیا۔

لغوی توضیح نُغَسِّلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب غَسَّلَ يُغَسِّلُ (بروزن تفعیل) سے، اس کا معنی ہے ''غسل دینا''۔ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَٰلِكَ کا معنی ہے ''اگر تمہیں اس کی ضرورت محسوس ہو''۔ سِدْر بیری کے پتوں کو کہتے ہیں۔ حِقْو تہبند کو کہتے ہیں۔ ضَفَّرْنَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب ضَفَّرَ يُضَفِّرُ (بروزن تفعیل) سے، اس کا معنی ہے ''مینڈیاں بنانا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو کم از کم تین مرتبہ غسل دینا چاہیے اور بوقت ضرورت پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ (۳۶) یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ طاق عدد میں غسل دیا جا سکتا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۳۷) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غسل دیتے وقت دائیں اطراف اور اعضائے وضوء سے ابتداء کرنا مستحب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۳۸) علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے بالوں کی تین مینڈیاں بنا کر پیچھے ڈال دی جائیں گی۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی کو صحیح اور واضح سنت طریقہ قرار دیا ہے۔ (۳۹) البتہ احناف اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ عورت کے بال اس کی پشت پر اور چہرے پر ڈالے جائیں گے۔ (۴۰) نیز آخری مرتبہ غسل دیتے وقت پانی میں کافور

540- [بخاری (۱۲۵۳) كتاب الجنائز: باب غسل الميت ووضوءه بالماء والسدر، مسلم (۹۳۹) ابو داود (۳۱٤۲) ترمذی (۹۰۰) نسائی (۳۱/٤) ابن ماجه (۱٤۵۸) احمد (۸٤/۵)]

(۳۶) [صحيح: صحيح أبو داود (۲٦۹۸) أبو داود (۳۱٤٦)]

(۳۷) [أحكام الجنائز (ص/٦٤)]

(۳۸) [شرح مسلم للنووی (۲۰٤/٤)]

(۳۹) [أعلام الموقعين (٤۰۰/۲)]

(۴۰) [الأم (٤٤۳/۱) الحاوی (۲۸/۳) الأصل (۳۹۰/۱) بدائع الصنائع (۳۰۸/۱) الإختيار (۹۳/۱) حاشية الدسوقی (٤۱۰/۱) المغنی (۳۹۳/۳) نيل الأوطار (٦۸۲/۲)]

ڈال لینا چاہیے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ احناف نے کہا ہے کہ کافور کو میت کے جسم پر ملنا چاہیے۔(٤١) امام شوکانی نے فرمایا ہے کہ جمہور کا مؤقف الفاظِ حدیث کے زیادہ قریب ہے۔(٤٢)

❑ غسل دیتے وقت میت کو مسواک کرائی جا سکتی ہے یا نہیں اس کے متعلق شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں' میت کو صرف وضوء کرایا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور اگر کوئی زندہ آدمی کی طرح اسے بھی کلی کے وقت مسواک کرا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(٤٣)

❑ واضح رہے کہ فرمانِ نبوی کی رو سے میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل کرنا اور میت کو اٹھانے والے کے لیے وضوء کرنا مستحب ہے۔(٤٤)

541- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كُفِّنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سحولیہ کے ساختہ تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا' ان میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح سَحُوْلِيَّة نسبت ہے سَحُول کی طرف' جو یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔ كُرْسُف روئی کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو ایسے تین کپڑوں میں کفن دینا مستحب ہے جن میں نہ تو قمیص ہو اور نہ ہی پگڑی۔ امام ابن قدامہؒ(٤٥)، شیخ ابن بازؒ(٤٦) اور سعودی مجلس افتاء(٤٧) نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ جمہور بھی اسی کے قائل ہیں' البتہ احناف اور امام مالکؒ نے کفن میں قمیص کو بھی مستحب کہا ہے (حالانکہ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں)۔(٤٨) علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سات کپڑوں میں کفن دیا گیا وہ بھی ثابت نہیں۔(٤٩)

541- [بخاری (١٢٦٤) كتاب الجنائز : باب الثياب البيض للكفن' مسلم (٩٤١) ابو داود (٣١٥١) ترمذی (٩٩٦) نسائی (٣٥/٤) ابن ماجه (١٤٦٩) مالك (٢٢٣/١)]

(٤١) [المغنی (٣٧٨/٣) الأم (٤٤٣/١) الحاوی (١١/٣) بدائع الصنائع (٣٠١/١) المبسوط (٦٠/٢) الهداية (٩٠/١) الإختيار (٩٢/١)]

(٤٢) [نيل الأوطار (٦٨١/٢)]

(٤٣) [مجموع فتاوى لابن باز (١١٥/١٣)]

(٤٤) [صحيح : إرواء الغليل (١٧٣/١) ترمذی (٩٩٣) كتاب الجنائز: باب ما جاء في الغسل من غسل الميت' ابن ماجة (١٤٦٣) عبدالرزاق (٦١١١) شرح السنة (١٦٨/٢) حاكم (٣٥٤/١)] حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ کثرتِ طرق کی وجہ سے کم از کم یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔[تلخيص الحبير (١٣٧/١)] امام ابن قیمؒ نے اس حدیث کی گیارہ اسناد بیان کی ہیں۔[تهذيب السنن (٣٠٦/٤)]

(٤٥) [المغنی لابن قدامة (٣٨٣/٣)]

(٤٦) [مجموع فتاوى لابن باز (١٢٧/١٣)]

(٤٧) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٣٦٢/٨)]

(٤٨) [الأم (٤٧١/١) الحاوی (٢٠/٣) بدائع الصنائع (٣٠٧/١) المبسوط (٧٢/٢) الهداية (٩١/١) حاشية الدسوقی (٤١٧/١) المغنی (٣٨٣/٣) نيل الأوطار (٦٨٨/٢)]

(٤٩) [ضعيف : أحكام الجنائز (ص/٨٥) نصب الراية (٢٦١/٢) نيل الأوطار (٦٨٨/٢) بزار (٦٤٦) ابن أبي شيبة (٢٦٢/٣) أحمد (٩٤/١)]

❑ کفن میں ایک کپڑا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک کپڑے میں ہی کفن دیا گیا۔(۵۰) اسی طرح دو کپڑے بھی ثابت ہیں جیسا کہ حالت احرام میں فوت ہونے والے کو دو کپڑوں میں کفن دیا گیا۔(۵۱) نیز یہ یاد رہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مرد اور عورت کے کفن میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان کے درمیان فرق کی کوئی دلیل موجود نہیں اور جن روایات میں عورت کے لیے پانچ کپڑوں کا ذکر ہے وہ ثابت نہیں۔(۵۲)

542- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((لَـمَّـا تُوُفِّـيَ عَبْـدُ اللّٰـهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی (رأس المنافقین) فوت ہوا تو اس کا بیٹا (عبداللہ) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا' آپ مجھے اپنی قمیص عنایت فرما دیجئے میں اس میں اسے کفن دوں' چنانچہ آپ ﷺ نے اسے اپنی قمیص عنایت فرما دی۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدفین سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدفین کے بعد کا واقعہ ہے۔آپ ﷺ نے دوبارہ اسے قبر سے باہر نکلوایا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔(۵۳) اہل علم نے تطبیق یوں دی ہے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اسے قمیص دینے کا پہلے وعدہ کیا ہو لیکن پھر عطا کرنے میں تاخیر کر دی ہو۔(۵۴) قمیص دینے کا سبب اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ چونکہ کسی بھی سائل کو خالی نہیں لوٹاتے تھے اس لیے جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے قمیص کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے انہیں عطا کر دی۔بعض نے کہا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے ایک مرتبہ (غزوۂ بدر کے موقع پر) اپنی قمیص رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دی تھی' تو آپ نے اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے ایسا کیا۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو تدفین کے بعد کسی ضرورت کی وجہ سے قبر سے نکالا جا سکتا ہے۔اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میرے والد کے ساتھ قبر میں ایک اور صحابی دفن تھے لیکن میرا دل اس پر راضی نہیں ہو رہا تھا اس لیے میں نے ان کی لاش نکال کر دوسری قبر میں دفن کر دی۔(۵۵) امام شوکانی رحمہ اللہ (۵۶) اور علامہ البانی رحمہ اللہ (۵۷) اسی کے قائل ہیں۔علاوہ ازیں اس حدیث سے آپ ﷺ کی اپنی امت کے لیے کمال شفقت ورحمت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جس سے رأس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی محروم نہیں رہا۔

542- [بخاری (۱۲۶۹) کتاب الجنائز : باب الكفن في القميص الذي يكف أو لا يكف ' مسلم (۲۷۷٤) ترمذی (۳۰۹۸) ابن ماجه (۱۵۲۳) نسائی (٤/۳٦) احمد (۲/۱۸)]

(۵۰) [بخاری (٤۰٤۵) کتاب المغازی : باب غزوة أحد]
(۵۱) [بخاری (۱۲٦۷) کتاب الجنائز : باب كيف يكفن المحرم]
(۵۲) [أحكام الجنائز وبدعها (ص / ۸۵)]
(۵۳) [بخاری (۱۲۸۵) مسلم (۲۷۷۳)]
(۵٤) [كما في توضيح الأحكام (۳/۱۷۵)]
(۵۵) [بخاری (۱۳۵۲) کتاب الجنائز : باب هل يخرج الميت من القبر واللحد لعلة ' نسائی (٤/۸٤)]
(۵٦) [أحكام الجنائز (ص/۲۰۳)] (۵۷) [نيل الأوطار (۳/٦۵)]

543- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اِلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "سفید کپڑے زیب تن کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے کپڑوں میں بہترین ہیں اور انہی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفید لباس رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میت کو سفید چادروں میں ہی کفن دینا چاہیے۔ امام نوویؒ (٥٨) اور ملا علی قاریؒ (٥٩) نے اسے مستحب کہا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ ثبوت موجود ہے کہ میت کو سفید رنگ کے کپڑے میں کفن دینا مستحب ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے اور یہی صحابہ اور ان کے بعد والوں کا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ایسے کام کو مستحب قرار نہیں دیتے کہ جس میں کوئی مصلحت نہ ہو۔ (٦٠)

544- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اچھا کفن پہنائے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث عمدہ اور اچھا کفن دینے سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا اصاف ستھرا، عمدہ، وسیع اور اس قدر ہو کہ میت کے جسم کو اچھی طرح ڈھانپ سکے اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ کفن کا کپڑا بہت زیادہ قیمتی ہو۔ امام نوویؒ (٦١) اور علامہ البانیؒ (٦٢) نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے۔

545- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ يَقُولُ: ((أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟)) فَيُقَدِّمُهُ فِي اللَّحْدِ وَلَمْ يُغَسَّلُوا وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ شہدائے اُحد میں سے دو، دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں جمع کرتے تھے۔ پھر دریافت فرماتے "ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا؟" (جسے زیادہ یاد ہوتا) اسے لحد میں آگے کرتے۔ ان شہداء کو نہ تو غسل دیا گیا تھا اور نہ ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

543- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (٣٨٧٨) كتاب الطب: باب في الأمر بالكحل، ترمذی (٩٩٤) ابن ماجه (١٤٧٢) احمد (٢٤٧/١) حاكم (٣٥٤/١) ابن حبان (٥٤٢٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

544- [مسلم (٩٤٣) كتاب الجنائز: باب في تحسين كفن الميت، ابو داود (٣١٤٨) احمد (٢٩٥/٣)]

545- [بخاری (١٣٤٧) كتاب الجنائز: باب من يقدم في اللحد، ابو داود (٣١٣٨) ترمذی (١٠٣٦) ابن ماجه (١٥١٤) نسائی (٦٢/٤) احمد (٤٣١/٥) بيهقی (١٤/٤)]

---

(٥٨) [شرح مسلم (١٢/٤)]

(٥٩) [كما في تحفة الأحوذی (٤٩/٤)]

(٦٠) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٧٥/٣)]

(٦١) [شرح مسلم للنووی (٢٦٠/٤)]

(٦٢) [أحكام الجنائز للألبانی (ص/٧٧)] مزید دیکھیے: تحفة الأحوذی (٥١/٣) نيل الأوطار (٦٨٦/٢)]

لغوی توضیح قَتْلٰی جمع ہے قَتِیْل کی' اس کا معنی ہے "مقتول"۔ اُحد مدینہ کے ایک معروف پہاڑ کا نام ہے' اس کے پاس تین ہجری میں جو کفر و اسلام کا دوسرا بڑا معرکہ ہوا تھا' جس میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے' اسے غزوۂ اُحد کہتے ہیں۔ اللَّحد بغلی قبر کو کہتے ہیں جس میں قبلہ کی جانب گڑھا کھود کر اس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت ایک کپڑے میں اور ایک قبر میں دو آدمیوں کو بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔ شیخ عبد اللہ بسامؒ (٦٤)، امام صنعانیؒ (٦٥)، علامہ البانیؒ (٦٦) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٦٧) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ ہر میت کو الگ قبر میں دفن کیا جائے لیکن بوقتِ ضرورت دو' تین یا اس سے زیادہ افراد کو بھی ایک قبر میں دفن کیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کو غسل نہیں دیا جائے گا بلکہ انہیں ان کے کپڑوں میں ہی دفن کر دیا جائے گا (٦٨) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "انہیں (یعنی شہداء کو) غسل نہ دو کیونکہ روز قیامت (ان کا) ہر زخم خوشبو پھینک رہا ہوگا۔" (٦٩) امام ابن حزمؒ (٧٠)، شیخ عبد اللہ بسامؒ (٧١) اور امام صنعانیؒ (٧٢) بھی اسی کے قائل ہیں۔ جمہور علماء، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شہید کو کسی حالت میں بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ شہید کو صرف حالتِ جنابت میں غسل دیا جائے گا (حالانکہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت موجود نہیں)۔ (٧٣)

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھنا واجب نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھنا جائز بھی نہیں۔ کیونکہ دیگر متعدد دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک روز نکلے اور آپ نے شہدائے اُحد پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ (٧٤) حضرت

---

(٦٤) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٧٦/٣)]

(٦٥) [سبل السلام (٢٦٣/٢)]

(٦٦) [أحكام الجنائز (ص/١٨٤)]

(٦٧) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٤٣٥/٨)]

(٦٨) [حسن: صحيح أبو داود (٢٦٨٧) كتاب الجنائز: باب في الشهيد يغسل' أبو داود (٣١٣٣)] امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔ [نيل الأوطار (٦٧٨/٢)] حافظ ابن حجرؒ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ [تلخيص الحبير (٢٤٠/٢)]

(٦٩) [صحيح: أحكام الجنائز (ص/٧٣) أحمد (٢٩٦/٣) الفتح الرباني (١٥٩/٧)]

(٧٠) [المحلى بالآثار (٣٣٦/٣)]   (٧١) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٧٦/٣)]

(٧٢) [سبل السلام (١٥٥/١)]

(٧٣) [المدونة الكبرى (١٦٥/١) الكافي (٢٤٠/١) بداية المجتهد (١٦٤/١) تفسير قرطبي (٢٧٠/٤) قوانين الأحكام (ص/١١٠) الأم (٢٦٧/١) شرح المهذب (٢٦٠/٥) حلية الأولياء (٣٠١/٢) المغني والشرح (٤٠١/٢) الإنصاف (٤٩٨/٢) المبسوط (٤٩/٢) تحفة الفقهاء (٢٥٨/١) بدائع الصنائع (٨٠٢/٢)]

(٧٤) [بخارى (١٣٤٤) كتاب الجنائز: باب الصلاة على الشهيد' مسلم (٢٢٩٦) كتاب الفضائل: باب إثبات حوض نبينا وصفاته' ابو داود (٣٢٢٣) كتاب الجنائز: باب الميت يصلى على قبره بعد حين' نسائى (١٩٥٣) ابن حبان (٣١٩٨) طبرانى كبير (٧٦٧/١٧) شرح السنة للبغوى (٣٨٢٣) بيهقى (١٤/٤) احمد (١٧٣٤٩)]

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے' ان کا مثلہ کر دیا گیا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ (۷۵) حضرت شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شہید المعرکہ کے آگے کھڑے ہوئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (۷۶) مذکورہ دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام ابن قیم (۷۷)، امام شوکانی (۷۸)، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری (۷۹)، علامہ البانی (۸۰) اور شیخ سلیم ہلالی (۸۱) نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ شہید کی نماز جنازہ واجب نہیں البتہ اگر کوئی پڑھتا ہے تو اس کا اختیار و جواز موجود ہے۔ امام ابوحنیفہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ تاہم ائمہ ثلاثہ کا کہنا ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ (۸۲)

546- وَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : ((لَا تَغَالَوْا فِي الْكَفَنِ فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيعًا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''بہت قیمتی کفن نہ دیا کرو کیونکہ یہ تو بہت جلد بوسیدہ ہو جاتا ہے۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قیمتی کپڑے کے ساتھ کفن دینا درست نہیں' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ علامہ البانی نے فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن اس کے باوجود قیمتی کفن پہنانا جائز نہیں کیونکہ اس میں مال کا ضیاع ہے جس کی ممانعت صحیح حدیث میں موجود ہے جیسا کہ فرمان نبوی ہے کہ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے: بہت زیادہ باتیں کرنا' مال کو ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔'' (۸۳) اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میرے اس کپڑے کو (جس پر زعفران کا دھبہ تھا) دھو لینا اور اس کے ساتھ دو اور کپڑے ملا کر مجھے کفن دینا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نے کہا یہ تو پرانا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ زندہ آدمی مردہ سے نئے کپڑے کا زیادہ حق دار ہے۔ (۸٤)

546- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۳۱۵٤) کتاب الجنائز : باب کراھیة المغالاۃ فی الکفن' بیھقی (۳/٤۰۳) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف الاسناد کہا ہے۔]

(۷۵) [حسن : أحكام الجنائز (ص/۱۰۷) صحيح أبو داود (۲٦۹۰) أبو داود (۳۱۳۷) كتاب الجنائز : باب في الشهيد يغسل]

(۷٦) [صحيح : صحيح نسائي (۱۸٤۵) كتاب الجنائز : باب الصلاة على الشهداء' أحكام الجنائز (ص/۱۰٦) نسائي (۱۹۵۵)]

(۷۷) [تهذيب السنن (٤/۲۹۵)]

(۷۸) [نيل الأوطار (۲/٦۹۷)]

(۷۹) [تحفة الأحوذي (۳/۱۱٦)]

(۸۰) [أحكام الجنائز (ص/۱۰۸)]

(۸۱) [موسوعة المناهي الشرعية (۲/۱۱)]

(۸۲) [الأم (۱/٤٤٦) الحاوي (۳/۳۳) المغني (۳/٤٦۷) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (۱/٤۲۵۳) المبسوط (۲/٤۹) الهداية (۱/۹٤۳) بدائع الصنائع (۱/۳۲٤) نيل الأوطار (۲/٦۹٦) تحفة الأحوذي (۳/۱۱٤-۱۱۵)]

(۸۳) [بخاري (۵۹۷۵) كتاب الأدب : باب عقوق الوالدين من الكبائر' مسلم (۵۹۳) أحمد (٤/۲٤٦)]

(۸٤) [بخاري (۱۳۸۷) كتاب الجنائز : باب موت يوم الاثنين' موطا (۱/۲۲٤)]

547- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: ((لَوْ مِتِّ قَبْلِي لَغَسَّلْتُكِ)) ...... الْحَدِيثَ، رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا ''اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو میں تجھے غسل دوں گا۔'' [اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

548- وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ((أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَوْصَتْ أَنْ يُغَسِّلَهَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیں۔ [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس وصیت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ (۸۵) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بھی ثابت ہے کہ بیوی بھی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ اگر مجھے اپنے اس معاملے کا پہلے علم ہو جاتا کہ جس کا مجھے تاخیر سے علم ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو صرف آپ کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔ (۸۶) اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ہی غسل دیا تھا۔ (۸۷) معلوم ہوا کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس عمل کو اجماع کی مانند قرار دیا ہے۔ (۸۸) امام ابن قدامہ رحمہ اللہ (۸۹)، امام ابن حزم رحمہ اللہ (۹۰)، امام صنعانی رحمہ اللہ (۹۱)، علامہ البانی رحمہ اللہ (۹۲)، شیخ ابن باز رحمہ اللہ (۹۳) اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ (۹۴) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ جمہور اہل علم بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے اس کے برعکس ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ (۹۵) یہ رائے گزشتہ صریح دلائل کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل تردید ہے۔

547- [حسن: صحیح ابن ماجه، ابن ماجه (۱٤٦٥) کتاب الجنائز: باب ما جاء في غسل الرجل امرأته، احمد (۲۲۸/٦) دارمی (۸۰) دارقطنی (۷٤/۲) ابن حبان (٦٥٥۲) بیهقی (۳۹٦/۳) شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

548- [دارقطنی (۷۹/۲) مسند شافعی (۵۷۱) بیهقی (۳۹٦/۳) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۸۵) [دارقطنی (۷۹/۲) ترتیب المسند للشافعی (۲۰٦/۱) الحلية لأبي نعيم (٤۳/۲) بيهقی (۳۹٦/۳) شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن کہا ہے۔ [التعلیق علی السیل الجرار (٦۸٥/۱)]]

(۸٦) [صحیح: صحیح ابن ماجة (۱۱۹٦) أبو داود (۳۱٤۱) کتاب الجنائز: باب في ستر الميت عند غسله، ابن ماجة (۱٤٦٤)] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [تلخیص الحبیر (٤۷۲/۳)] حافظ بوصیری رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [مصباح الزجاجة (٤۷٤/۱)]

(۸۷) [موطا: کتاب الجنائز: باب غسل الميت]

(۸۸) [نيل الأوطار (٦۷٦/۲)]

(۸۹) [المغنی لابن قدامة (٤٦۱/۳)]

(۹۰) [المحلی بالآثار (٤۰٥/۳)]

(۹۱) [سبل السلام (۷٤۲/۲)]

(۹۲) [أحكام الجنائز (ص/٦۷)]

(۹۳) [فتاوی إسلامیة (۲٥/۲)]

(۹٤) [مجموع فتاوی لابن عثیمین (۸٥/۱۷)]

549- وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ فِيْ قِصَّةِ الْغَامِدِيَّةِ الَّتِيْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجْمِهَا فِي الزِّنٰى ـ قَالَ : ((ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَصُلِّيَ عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے غامدیہ عورت کے قصہ میں مروی ہے' جسے نبی ﷺ نے جرمِ زنا کے ارتکاب کے باعث رجم کی سزا سنائی تھی' آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا' چنانچہ ایسا کیا گیا اور پھر اسے دفن کر دیا گیا۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الْغَامِدِيَّة غامد کی طرف نسبت ہے' جو ایک قبیلہ کا نام ہے۔اس کا قصہ یہ ہے کہ اس عورت نے آپ ﷺ کے پاس آ کر زنا کی وجہ سے حاملہ ہونے کا اعتراف کیا۔آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ بچے کو دودھ پلائے اور جب بچہ دودھ چھوڑ دے تو پھر حاضر ہو۔چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔پھر آپ ﷺ نے اسے رجم (زمین میں دھنسا کر پتھروں کے ساتھ قتل) کرنے کا حکم دیا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے شرعی حد لگائی گئی ہو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے خود بھی اس عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔(٩٦) امام شوکانیؒ نے اس عمل کے جواز پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(٩٧) امام ابن قدامہؒ(٩٨)، امام نوویؒ(٩٩)، امام صنعانیؒ(١٠٠) اور شیخ عبداللہ بسامؒ(١٠١) بھی اسی کے قائل ہیں۔

550- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَهُ بِمَشَاقِصَ ' فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ایسے آدمی کو لایا گیا جس نے نیزے کے ساتھ خودکشی کر لی تھی' آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح مَشَاقِص جمع ہے مِشْقَص کی' اس کا معنی ہے ''چوڑا نیزہ''۔

فهم الحديث اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی لیکن ایک دوسری

549- [مسلم (١٦٩٥) كتاب الحدود : باب من اعترف على نفسه بالزنى ' دارقطني (٩٢/٣)]

550- [مسلم (٩٧٨) كتاب الجنائز : باب ترك الصلاة على القاتل نفسه ' ترمذى (١٠٦٨) نسائى (٦٦/٤) احمد (٩٧/٥) بيهقى (١٩/٤)]

(٩٥) [المغنى (٤٦١/٣) الحاوى (٤٦١/٣) الأم (٤٧٢/١) بدائع الصنائع (٣٠٤/١) المبسوط (٧١/٢) حاشية الدسوقى (٤٠٨/١) نيل الأوطار (٦٧٦/٢)]

(٩٦) [بخارى (٦٨٢٠) كتاب الحدود : باب الرجم بالمصلى' مسلم (١٦٩١) كتاب الحدود : باب رجم الثيب فى الزنى' أبو داود (٤٤٣٠) كتاب الحدود : باب رحم ماعز بن مالك' ترمذى (١٤٢٩) كتاب الحدود : باب ما جاء فى درء الحد عن المعترف إذا رجع' نسائى (٦٢/٤) أحمد (٣٢٣/٣) ابن الجارود (٨١٣) دارقطنى (١٢٧/٣)]

(٩٧) [نيل الأوطار (٧٠٢/٢)]

(٩٨) [المغنى لابن قدامة (٥٠٨/٣)]

(٩٩) [شرح مسلم للنووى (٥٤٣/٤)]

(١٠٠) [سبل السلام (٦٦٧/٢)]

(١٠١) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٨٤/٣)]

روایت میں ہے کہ ''رہی بات میری تو میں اس کا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔'' (۱۰۲) اس سے یہ بات اخذ کی گئی ہے کہ عام افراد اس کا جنازہ پڑھ سکتے ہیں' عبرت کی غرض سے قوم کے معزز اور اشراف لوگوں کو اس کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ امام ابن قدامہؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۱۰۳) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ جو بھی اسلام کو ظاہر کرے گا (خواہ وہ کتنا ہی گناہ گار ہو) اس پر اسلام کے تمام ظاہری احکام جاری ہوں گے یعنی اسے غسل دیا جائے گا' اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی' اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ (۱۰۴) شیخ عبد اللہ بسامؒ (۱۰۵)، شیخ ابن بازؒ (۱۰۶) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۱۰۷) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (کیونکہ وہ مسلمان ہے) البتہ بغرضِ عبرت حاکم وقت یا کسی بزرگ شخصیت کو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

551- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الْمَرْأَةِ الَّتِي كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ، فَسَأَلَ عَنْهَا النَّبِيُّ ﷺ - فَقَالُوا: مَاتَتْ، فَقَالَ: ((أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي؟)) فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوا أَمْرَهَا، فَقَالَ: ((دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهَا)) فَدَلُّوهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَزَادَ مُسْلِمٌ، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللَّهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ)).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے' مسجد میں جھاڑو دینے والی عورت کے قصہ میں' مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے کہا' وہ تو فوت ہو گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟'' انہوں نے گویا اس کے (وفات کے) معاملہ کو معمولی سمجھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے اس کی قبر کے متعلق بتاؤ۔'' انہوں نے آپ ﷺ کو اس کی قبر کے متعلق بتایا تو آپ ﷺ نے اس کی (قبر پر جا کر) نماز جنازہ پڑھی۔ [بخاری، مسلم۔ مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ] پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ یہ قبریں اہل قبور کے لیے اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ میری نماز کی وجہ سے انہیں ان کے لیے روشن کر دیتا ہے۔''

لغوی توضیح تَقُمُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب قَمَّ يَقُمُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''جھاڑو دینا''۔ اس عورت کا نام اُم محجن تھا اور یہ سیاہ فام تھی۔ آذَنْتُمُونِي إِيذَان سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے ''اطلاع دینا''۔ ظُلْمَة اندھیرے کو کہتے ہیں۔

551- [بخاری (۱۳۳۷) كتاب الجنائز: باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن' مسلم (۹۵۶) ابو داود (۳۲۰۳) ابن ماجه (۱۵۲۷) احمد (۳۵۳/۲)]

---

(۱۰۲) [صحيح: صحيح نسائی (۱۸۵۵) كتاب الجنائز: باب ترك الصلاة على من قتل نفسه' نسائی (۱۹۶۶) ابن ماجه (۱۵۲۶) كتاب الجنائز: باب في الصلاة على أهل القبلة]

(۱۰۳) [المغنی لابن قدامة (۵۰۴/۳)]

(۱۰۴) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱۸۵/۳)]

(۱۰۵) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۳/ ۱۸۴-۱۸۵)]

(۱۰۶) [مجموع فتاوى لابن باز (۱۲۲/۱۳)]

(۱۰۷) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۳۹۴/۸)]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تدفین کے بعد قبر پر بھی نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔ جمہور علماء، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام ابن قدامہؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ قبر پر نماز جنازہ کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں' انہوں نے اس عمل کو صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی خاص قرار دیا ہے۔(۱۰۸) امام شوکانیؒ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ خصوصیت صرف دلیل سے ہی ثابت ہوتی ہے (اور اس عمل کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں)۔ (۱۰۹) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کی ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہو تو دوسری مرتبہ بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد کی صفائی کے لیے کوئی عورت بھی مقرر کی جا سکتی ہے (بشرطیکہ کسی فتنہ کا خدشہ نہ ہو)۔

552- وَ عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یَنْهٰی عَنِ النَّعْیِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ حَسَّنَهُ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ موت کی اطلاع دینے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ [اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

553- وَ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَعَی النَّجَاشِیَّ فِی الْیَوْمِ الَّذِی مَاتَ فِیهِ وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَی الْمُصَلّٰی، فَصَفَّ بِهِمْ وَ كَبَّرَ عَلَیْهِ أَرْبَعًا)) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی دن نجاشی کی وفات کی اطلاع دی جس دن اس کا انتقال ہوا۔ آپ ﷺ لوگوں کو جنازگاہ کی طرف لے گئے' ان کی صف بنوائی اور اس پر (نماز جنازہ میں) چار تکبیریں کہیں۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح نعی وفات کی اطلاع دینے کو کہتے ہیں۔ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہا جاتا تھا۔ اہل سیر نے لکھا ہے کہ ہجرت حبشہ کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر نجاشی نے اسلام قبول کیا تھا اور 9 ہجری میں غزوۂ تبوک کے بعد فوت ہوا تھا۔

فھم الحدیث واضح رہے کہ پہلی حدیث میں جو وفات کی اطلاع دینے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد اہل جاہلیت کا طریقہ ہے' جس کی صورت یہ تھی کہ لوگ موت کی اطلاع دینے والوں کو بھیجتے جو گھروں کے دروازوں اور بازاروں میں اعلان کرتے (اس میں نوحہ ہوتا اور اس کے ساتھ میت کے افعال حمیدہ کا بیان ہوتا) جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہی تفصیل بیان کی ہے۔(۱۱۰) علاوہ ازیں محض کسی کی وفات کی اطلاع دینا جائز ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے خود ایسا کیا۔ علامہ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر جاہلیت کے طریقے کے مشابہ نہ ہو تو وفات کی اطلاع دینا جائز ہے۔(۱۱۱) اس حدیث

552- [حسن : صحیح ترمذی' ترمذی (۹۸۶) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی کراهیة النعی' ابن ماجه (۱٤۷٦) احمد (۳۸۵/۵) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

553- [بخاری (۱۳۳۳) کتاب الجنائز : باب التکبیر علی الجنازة أربعا' مسلم (۹۵۱) ابو داود (۳۲۰٤) نسائی (۷۲/٤) ابن ماجه (۱۵۳٤) احمد (۲٤۱/۲) مالك (۲۲٦/۱)]

(۱۰۸) [تحفة الأحوذی (۱۱۹/٤) نیل الأوطار (۷۰۷/۲) الأم للشافعی (٤٦۱/۱) الحاوی (۵۹/۳) المبسوط (٦۷/۲) بدائع الصنائع (۳۱۱/۱) الهدایة (۹۱/۱) حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر (٤۱۳/۱) المغنی لابن قدامة (٤٤٤/۳)]

(۱۰۹) [نیل الأوطار (۷۰۸/۲)] (۱۱۰) [فتح الباری (٤۵۳/۳)]

(۱۱۱) [أحکام الجنائز (ص/٤۵)]

سے غائبانہ نماز جنازہ کا بھی ثبوت ملتا ہے کیونکہ نجاشی کی نعش حبشہ میں تھی اور آپ ﷺ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابن قدامہؒ اور امام ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مطلقاً جائز نہیں۔ (۱۱۲) ان کا کہنا ہے کہ یہ عمل صرف نجاشی کے ساتھ ہی خاص تھا۔ علامہ البانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل فاسد (اور بلا دلیل) ہے۔ (۱۱۳) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ نے یہ موقف اپنایا ہے کہ اگر کسی دوسرے علاقے میں فوت ہونے والے کی وہاں نماز جنازہ پڑھ لی گئی ہو تو پھر غائبانہ نماز جنازہ درست نہیں بصورت دیگر درست ہے۔ (۱۱۴) اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ بات کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ حبشہ میں نجاشی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے۔ (۱۱۵)

554- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : ((مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُونَ بِاللَّهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللَّهُ فِيهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "جو مسلمان آدمی بھی فوت ہو اور اس کے جنازے میں چالیس ایسے آدمی شریک ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس (میت) کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما لیتے ہیں۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میت کے لیے نمازیوں کی طرف سے شفاعت کا نام ہے' لہٰذا نمازیوں کی تعداد جتنی زیادہ ہو گی اتنا ہی میت کو فائدہ ہو گا۔ بعض روایات میں چالیس کی جگہ سو آدمیوں کا بھی ذکر ہے۔ (۱۱۶) اہل علم نے ان میں تطبیق یوں دی ہے کہ پہلے آپ ﷺ پر سو آدمیوں کی شفاعت کے متعلق وحی نازل ہوئی ہو گی تو آپ ﷺ نے سو کا ذکر کر دیا اور بعد میں جب چالیس کے متعلق وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے چالیس کا ذکر فرما دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے موقع محل کے مطابق تعداد کا ذکر فرمایا ہے۔ (واللہ اعلم)

- واضح رہے کہ میت اگر مسلمان ہو گی تب اس کے حق میں اتنے نمازیوں کی شفاعت قبول ہو گی' لیکن اگر میت کافر یا مشرک ہو گی تو پھر خواہ نمازیوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر جائے میت کو کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ کافر یا مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنا دعا میں زیادتی اور حد سے تجاوز ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے۔

554- [مسلم (۹٤۸) كتاب الجنائز : باب من صلى عليه أربعون شفعوا فيه ' ابو داود (۳۱۷۰) ابن ماجه (۱٤۸۹) احمد (۲۷۷/۱)]

(۱۱۲) [نيل الأوطار (۲۰۳/۲) الأم (۲۷۱/۱) روضة الطالبين (۱۳۰/۲) المجموع (۲۰۹/٤) الأصل (٤۲۷/۱) المبسوط (٦۷/۲) حاشية ابن عابدين (۲۹/۲) توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱۹۳/۳) المغني لابن قدامة (٤٤٦/۳)]

(۱۱۳) [أحكام الجنائز و بدعها (ص/۱۱۹)]

(۱۱٤) [نيل الأوطار (۷۰٤/۲) أحكام الجنائز (ص/۱۱۸) زاد المعاد (۲۰٥/۱ ـ ۲۰٦)]

(۱۱٥) [فتح الباري (۲۲٤/۳)]

(۱۱٦) [مسلم (۹٤۷) كتاب الجنائز : باب من صلى عليه مائة شفعوا فيه ' نسائي (۷٥/٤) وفي السنن الكبرى (۲۱۱۸) ترمذي (۱۰۲۹) كتاب الجنائز : باب ما جاء في الصلاة على الجنازة والشفاعة للميت ' أحمد (۲٦٦/۳) حميدي (۲۲۲) ابن حبان (۳۰۸۱) ابن أبي شيبة (۳۲۱/۳) طيالسي (۱٥۲٦) شرح السنة (۱٥۰٤) بيهقي (۳۰/٤)]

555- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِي نِفَاسِهَا فَقَامَ وَسَطَهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک ایسی عورت کی نماز جنازہ پڑھی جو حالت نفاس میں فوت ہوئی تھی۔ آپ ﷺ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر میت عورت ہو تو امام کو چاہیے کہ اس کے وسط میں کھڑا ہو۔ البتہ اگر میت مرد ہو تو اس کے سر کے پاس کھڑا ہونا چاہیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی تو اس کے سر کے پاس کھڑے ہوئے جب اسے اٹھالیا گیا تو ایک عورت کا جنازہ لایا گیا تو انہوں نے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے درمیان میں کھڑے ہوئے' پھر کسی نے دریافت کیا کہ مرد اور عورت کے جنازے کے لیے جہاں آپ کھڑے ہوئے ہیں رسول اللہ ﷺ بھی اس طرح کھڑے ہوتے تھے تو انہوں نے جواب دیا' ہاں۔ (۱۱۷) معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں امام کو مرد کے سر کے پاس اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہونا چاہیے۔ جمہور، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ امام شوکانیؒ (۱۱۸)، امام ابن قدامہؒ (۱۱۹)، امام صنعانیؒ (۱۲۰) اور شیخ ابن بازؒ (۱۲۱) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے' جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے دل کے برابر کھڑا ہونا چاہیے (ان کا موقف محض قیاس پر مبنی ہے جو صریح دلائل کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل تردید ہے)۔ (۱۲۲)

556- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دونوں بیٹوں (سہل اور سہیل) کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی تھی۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی اور اسی

555- [بخاری (۱۳۳۲) كتاب الجنائز : باب أين يقوم من المرأة والرجل' مسلم (۹٦٤) ابو داود (۳۱۹۵) ترمذی (۱۰۳۵) نسائي (۷۲/٤) ابن ماجه (۱٤۹۳) احمد (۱٤/٥) بيهقي (۳۳/٤)]

556- [مسلم (۹۷۳) كتاب الجنائز : باب الصلاة على الجنازة في المسجد' ابو داود (۳۱۸۹) ترمذی (۱۰۳۳) ابن ماجه (۱٥۱۸) نسائي (٦۸/٤) مالك (۲۲۹/۱) بيهقي (٥۱/٤)]

(۱۱۷) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۷۳٥) كتاب الجنائز : باب أين يقوم الإمام من الميت إذا صلى عليه' أحمد (۲٤۳/۷۔ الفتح الرباني) أبو داود (۳۱۹٤) ترمذی (۱۰۳٤) كتاب الجنائز : باب ما جاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة' ابن ماجة (۱٤۹٤) كتاب الجنائز : باب ما جاء في أين يقوم الإمام إذا صلى على الجنازة' ابو داود طيالسی (۷۷٦) ابن أبي شيبة (۳۱۲/۳) شرح معاني الآثار (٤۹۱/۱) بيهقي (۳۳/٤)]

(۱۱۸) [نيل الأوطار (۷٦/٤)]

(۱۱۹) [المغني لابن قدامة (٤٥۲/۳)]

(۱۲۰) [سبل السلام (۷٤/۲)]

(۱۲۱) [فتاوى إسلامية (۲۷/۲)]

(۱۲۲) [الفقه الإسلامي وأدلته (٤۹۱/۲) المجموع (۲۲٤/٥) نيل الأوطار (٦٦/٤) الهداية (٤٦۲/۱) شرح معاني الآثار للطحاوی (۲۸٤/۱) سبل السلام (۲۷٤/۲)]

طرح حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی ادا کی۔(۱۲۳)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز و درست ہے۔جمہور علماء، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ مسجد میں نماز جنازہ کی ادائیگی مکروہ سمجھتے ہیں(۱۲۴)' حالانکہ اس کی کراہت کی کوئی صحیح اور صریح دلیل موجود نہیں۔لہٰذا جمہور کا موقف ہی راجح ہے۔حافظ ابن حجرؒ(۱۲۵)، امام ابن قدامہؒ(۱۲۶)، امام نوویؒ(۱۲۷)، عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(۱۲۸)اور شیخ عبداللہ بسامؒ(۱۲۹)اسی کے قائل ہیں۔علامہ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ مسجد سے باہر جنازگاہ میں جنازے کی نماز ادا کی جائے جیسا کہ (اکثر و بیشتر) نبی کریم ﷺ کے زمانے میں (ایسا ہی) ہوتا تھا۔(۱۳۰)

557- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ((كَانَ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا وَإِنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُكَبِّرُهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ الْأَرْبَعَةُ ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیریں کہتے تھے لیکن ایک جنازے پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں' ہم نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا' رسول اللہ ﷺ بھی پانچ تکبیریں کہہ لیا کرتے تھے۔[اسے مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

558- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّهُ كَبَّرَ عَلَى سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ سِتًّا وَقَالَ إِنَّهُ بَدْرِيٌّ)) رَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَ أَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چھ تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ وہ بدری تھے۔ [اسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں چار سے زیادہ تکبیریں بھی کہی جا سکتی ہیں۔فی الحقیقت نبی کریم ﷺ سے صرف چار یا پانچ تکبیریں کہنا ہی ثابت ہے البتہ مختلف صحابہ سے نو تک تکبیریں کہنے کا ثبوت ملتا ہے۔(۱۳۱)

557- [مسلم (۹۵۷) كتاب الجنائز : باب الصلاة على القبر ' ابو داود (۳۱۹۷) ترمذی (۱۰۲۳) ابن ماجه (۱۰۰۵) نسائی (۷۲/٤) احمد (۳٦۷/٤) بیهقی (۳٦/٤)]

558- [بخاری (٤٠٠٤) كتاب المغازی : باب شهود الملائكة بدرا]

(۱۲۳) [ابن أبي شيبة (٤٤/٣)]

(۱۲٤) [نيل الأوطار (۱۳/۳) الحاوی (٥٠/٣) الأم (٤٦١/١) المبسوط (٦٨/٢) الهداية (٩٢/١) تحفة الفقهاء (٣٩٥/١) المغنی (٤٢١/٣) سبل السلام (٢٧٦/٢) توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٩٩/٣)]

(۱۲٥) [فتح الباری (٢٣٧/٣)]

(۱۲٦) [المغنی لابن قدامة (٤٢١/٣)]

(۱۲۷) [شرح مسلم للنووی (٢٦٨/٤)]

(۱۲۸) [تحفة الأحوذی (١٠٩/٤)]

(۱۲۹) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٩٩/٣)]

(۱۳٠) [أحكام الجنائز (ص/١٣٥)]

(۱۳۱) [حسن : أحكام الجنائز (ص/١٠٦) شرح معانی الآثار (٢٩٠/١)]

علامہ البانیؒ نے صحابہ کے عمل کو بھی حکماً مرفوع کہتے ہوئے قابل عمل کہا ہے۔ تاہم اہل علم کی اکثریت نے چار تکبیروں کو ترجیح دی ہے۔ جمہور علماء، ائمہ اربعہ، امام ابن قیمؒ، امام ابن منذرؒ، امام ابن عبد البرؒ اور علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ اسی کے قائل ہیں۔(۱۳۲) امام نوویؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ چار تکبیریں کہنے پر اجماع ہو چکا ہے' اس لیے نہ تو اس سے کم تکبیریں کہنا درست ہے اور نہ ہی زیادہ' نیز پانچ تکبیروں والی روایت منسوخ ہو چکی ہے۔(۱۳۳) واضح رہے کہ نسخ کا دعویٰ بلا دلیل ہے اس لیے درست نہیں۔ لہٰذا چار تکبیریں بھی کہی جا سکتی ہیں اور پانچ بھی کیونکہ نبی کریم ﷺ سے دونوں عدد ہی ثابت ہیں۔ امام شوکانیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔(۱۳٤)

▫ رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ کی صرف پہلی تکبیر میں ہی رفع الیدین ثابت ہے۔(۱۳۵) البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔(۱۳٦) جمہور، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا چاہیے۔ جبکہ احناف صرف پہلی تکبیر کے ساتھ ہی رفع الیدین کرنے کے قائل ہیں۔(۱۳۷) امام ابن حزمؒ، امام شوکانیؒ اور علامہ البانیؒ (۱۳۸) اسی کے قائل ہیں۔ لیکن امام ابن قدامہؒ (۱۳۹)، شیخ ابن بازؒ (۱٤۰) اور شیخ ابن عثیمینؒ (۱٤۱) وغیرہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کی وجہ سے ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے گا۔

559- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا' وَيَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى)) رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے جنازوں میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے اور پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔[اسے شافعی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

560- وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ

حضرت طلحہ بن عبد اللہ بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے

559- [شافعی فی الأم (۲۷۰/۱) وفی المسند (ص ۳۵۸)]

560- [بخاری (۱۳۳۵) كتاب الجنائز : باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة' ابو داود (۳۱۹۸) ترمذی (۱۰۲۷) نسائی (٤/٧٤_٧٥) حاكم (۳۵۸/۱) ابن الجارود (۵۳٤) بیهقی (۳۸/٤)]

---

(۱۳۲) [سبل السلام (۲۷۷/۲) تحفة الأحوذی (۸۳/٤) توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۰۳/۳) زاد المعاد (۵۰۸/۱) نيل الأوطار (۷۱۵/۲_۷۱۷)]

(۱۳۳) [شرح مسلم للنووی (۲۷۲/٤)]

(۳۱٤) [نيل الأوطار (۷۱٦/۲)]

(۱۳۵) [صحيح : صحيح ترمذی' ترمذی (۱۰۷۷) كتاب الجنائز : باب ما جاء فی رفع اليدين على الجنازة' دارقطنی (۱۹۲) بیهقی (۲۸٤) ابو الشيخ فی طبقات الأصبهانيين (ص/۲٦۲) أحكام الجنائز (ص/۱٤۷)]

(۱۳٦) [بخاری (قبل الحديث/۱۳۲۲) كتاب الجنائز : باب سنة الصلاة على الجنائز]

(۱۳۷) [جامع ترمذی (بعد الحديث / ۱۰۷۷) أحكام الجنائز للألبانی (ص/۱٤۷)]

(۱۳۸) [أحكام الجنائز وبدعها (ص / ۱٤۸) المحلى لابن حزم (۱۲۸/۵)]

(۱۳۹) [المغنی لابن قدامة (٤۱۷/۳)]

(۱٤۰) [مجموع فتاوى لابن باز (۱٤۸/۱۳)]

(۱٤۱) [مجموع فتاوى لابن عثيمين (۱۱۲/۱۷)]

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلَى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَقَالَ : لِتَعْلَمُوا أَنَّهَا سُنَّةٌ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو انہوں نے (اس میں) سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی اور فرمایا (میں نے اس لیے فاتحہ پڑھی ہے) تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث سنن نسائی کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (جنازے میں) فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی اور اونچی آواز سے قراءت کی پھر جب فارغ ہوئے تو کہا یہ سنت اور حق ہے۔(١٤٢) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھنی چاہیے۔واضح رہے کہ ہر نماز کے لیے سورۂ فاتحہ کو لازم قرار دیا گیا ہے اور نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے۔اگر مذکورہ بالا روایات نہ بھی ہوتیں تب بھی نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے اثبات کے لیے صرف یہی فرمانِ نبوی کافی تھا ''جس شخص نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔''(١٤٣) امام صنعانی ؒ(١٤٤)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری ؒ(١٤٥)، علامہ البانی ؒ(١٤٦)، شیخ ابن باز ؒ(١٤٧) اور شیخ ابن عثیمین ؒ(١٤٨) نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کو واجب قرار دیا ہے۔امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ نماز جنازہ میں کوئی قراءت نہیں اور فاتحہ بھی قراءت کی غرض سے نہیں بلکہ دعا کی غرض سے پڑھنی چاہیے۔(١٤٩) ان کا مؤقف مذکورہ بالا واضح احادیث کے خلاف ہونے کی بنا پر درست نہیں۔

❑ واضح رہے کہ نماز جنازہ میں جہری اور سری دونوں طرح قراءت کی جا سکتی ہے۔جہری کی ایک دلیل تو گزشتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت ہے اور دوسری آئندہ روایت ہے اور سری کی دلیل وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ہلکی آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھی جائے پھر تین تکبیریں کہی جائیں اور آخری تکبیر کے ساتھ سلام پھیر دیا جائے۔(١٥٠) حافظ ابن حجرؒ نے بھی نماز جنازہ میں جہری اور سری دونوں طرح قراءت کو درست قرار دیا ہے۔(١٥١)

---

(١٤٢) [صحيح : أحكام الجنائز وبدعها (ص / ١٥١) نسائی (١٩٧٨) كتاب الجنائز : باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة]

(١٤٣) [بخاری (٧٥٦) كتاب الأذان : باب وجوب القراءة للإمام والمأموم...... مسلم (٣٩٤) كتاب الصلاة : باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة ' أبو داود (٨٢٢) كتاب الصلاة : باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب ' ترمذی (٢٤٧) كتاب الصلاة : باب ما جاء أنه لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب ' نسائی (١٧٣/٢) ابن ماجة (٨٣٧) أبو عوانة (١٢٤/٢)]

(١٤٤) [سبل السلام (٧٥٣/٢)]

(١٤٥) [تحفة الأحوذی (٩٤/٣)]

(١٤٦) [أحكام الجنائز وبدعها (ص / ١٥٣)]

(١٤٧) [مجموع فتاوى لابن باز (١٤٣/١٣-١٤٤)]

(١٤٨) [مجموع فتاوى لابن عثيمين (١١٩/١٧)]

(١٤٩) [المبسوط (٦٤/٢) سبل السلام (٧٥٢/٢)]

(١٥٠) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/١٤٢) نسائی (٢٨١/١) كتاب الجنائز : باب الدعا ' ابن حزم (١٢٩/٥)]

(١٥١) [تلخيص الحبير (٢٤٩/٢)]

561- وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى جَنَازَةٍ، فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهِ: ((اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهِ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تو میں نے آپ ﷺ کی دعا میں سے یہ الفاظ یاد کر لیے "اے اللہ! اسے بخش دے' اس پر رحم فرما' اسے عافیت دے' اس سے درگزر فرما' اس کی باعزت مہمان نوازی کر' اس کی قبر کو کشادہ کر دے' اسے پانی برف اور اولوں سے دھو ڈال اور اسے گناہوں سے اس طرح صاف ستھرا کر دے جیسے تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کر دیتا ہے' اسے اس کے گھر سے بہتر گھر اور اس کے اہل و عیال سے بہتر اہل و عیال عطا فرما' اسے جنت میں داخل فرما اور اسے فتنہ قبر اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

562- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ يَقُولُ: ((اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ، اللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْأَرْبَعَةُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازے پر نماز پڑھتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے "اے اللہ! ہمارے زندوں' ہمارے مردوں' ہمارے حاضر' ہمارے غائب' ہمارے چھوٹوں' ہمارے بڑوں' ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو بخش دے۔ اے اللہ! تو ہم میں سے جسے زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جسے فوت کرے تو اسے حالت ایمان میں فوت کر۔ اے اللہ! ہمیں اس (مرنے والے) کے ثواب سے محروم نہ رکھ اور ہمیں اس کے بعد گمراہ نہ کرنا۔" [اسے مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

563- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوص دل سے دعا کرو۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث مذکورہ بالا احادیث میں میت کے لیے نماز جنازہ میں دعا کرنے کا ذکر ہے۔ دعا کے سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میت کے لیے اسی طرح پورے خلوص دل سے دعا کرنی چاہیے جیسے انسان چاہتا ہے کہ دوسرے اس

561- [مسلم (٩٦٣) كتاب الجنائز: باب الدعاء للميت فى الصلاة، ترمذى (١٠٢٥) ابن ماجه (١٥٠٠) نسائى (٧٣/٤) احمد (٢٣/٦)]

562- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (٣٢٠١) كتاب الجنائز: باب الدعاء للميت، ترمذى (١٠٢٤) ابن ماجه (١٤٩٨) احمد (٣٦٨/٢) حاكم (٣٥٨/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

563- [حسن: صحيح ابو داود، ابو داود (٣١٩٩) كتاب الجنائز: باب الدعاء للميت، ابن ماجه (١٤٩٧) ابن حبان (٣٠٧٦-٣٠٧٧) بيهقى (٤٠/٤) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

کے لیے مخلص ہو کر دعا کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا دعائیں من وعن نماز جنازہ میں پڑھی جا سکتی ہیں خواہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ دعائیں اونچی آواز سے بھی پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پیچھے جنازہ پڑھتے ہوئے پوری دعا ہی یاد کر لی' اگر آپ ﷺ نے اونچی آواز سے یہ دعا نہ پڑھی ہوتی تو عوف رضی اللہ عنہ اسے کیسے یاد کرتے؟۔ مذکورہ دعاؤں کے علاوہ یہ دعائیں بھی نماز جنازہ میں ثابت ہیں: ① ﴿اَللّٰهُمَّ إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ ' وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ' وَعَذَابِ النَّارِ ' وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ ' فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (١٥٢) ② ﴿اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ﴾ (١٥٣) بچے کے جنازے میں یہ دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَأَجْرًا﴾۔ (١٥٤)

□ واضح رہے کہ یہ تمام دعائیں نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جائیں گی جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ امام تکبیر کہے' پھر پہلی تکبیر کے بعد سری طور پر اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھے' پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے اور پھر خالص ہو کر (تیسری) تکبیر میں جنازے کے لیے دعا کرے۔ (١٥٥)

564- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ ' فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا إِلَيْهِ وَإِنْ تَكُ سِوَى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جنازہ لے جانے میں جلدی کرو۔ اس لیے کہ اگر مرنے والا نیک و صالح شخص ہے تو تم اس کو بھلائی کی طرف نزدیک کر رہے ہو اور اگر اس کے سوا ہے تو ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتارتے ہو۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَسْرِعُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب أَسْرَعَ يُسْرِعُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے "جلدی کرنا"۔ تَضَعُوْنَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب وَضَعَ يَضَعُ (بروزن منع) سے اس کا معنی ہے "رکھنا"۔ صَالِحَة نیک کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث "جنازہ لے جانے میں جلدی کرو" کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرو بلا ضرورت اس کی تدفین موخر نہ کرو اور دوسرا یہ کہ جنازہ لے جاتے وقت تیز تیز چلو۔ تو یاد رہے کہ یہ دونوں مفہوم ہی اس میں

564- [بخاری (١٣١٥) کتاب الجنائز: باب السرعة بالجنازة ' مسلم (٩٤٤) أبو داود (٣١٨١) ترمذی (١٠١٥) ابن ماجه (١٤٧٧) نسائی (٤٢/٤) احمد (٢٤٠/٢) بیهقی (٢١/٤)]

(١٥٢) [صحیح: أحکام الجنائز (ص/١٥٨) هداية الرواة (٢٠٩/٢) أبو داود (٣٢٠٢) کتاب الجنائز: باب الدعاء للمیت' ابن ماجة (١٤٩٩) کتاب الجنائز: باب ما جاء في الدعاء في الصلاة على الجنازة ' ابن حبان (٧٥٨) أحمد (٤٧١/٣) شیخ البانی رقمطراز ہیں کہ ان شاء اللہ اس کی سند صحیح ہے۔]

(١٥٣) [موطا (٢٢٧/١) أحکام الجنائز للألباني (ص/١٥٩)]

(١٥٤) [بخاري (قبل الحديث / ١٣٣٥) کتاب الجنائز: باب قراءة فاتحة الكتاب]

(١٥٥) [الأم للشافعي (٢٣٩/١) بیهقی (٣٩/٤) ابن الجارود (٢٦٥) حاکم (٣٦٠/١)]

شامل ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ میت کو جلدی جلدی اپنے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جنازہ لے کر دوڑ کے قریب) تیز تیز چلتے تھے۔ (١٥٦) حضرت ابوموسیٰ نے وفات کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب تم میرا جنازہ لے کر چلو تو تیز چلنا۔ (١٥٧) مذکورہ احادیث کی بنا پر جمہور علما (١٥٨)، حافظ ابن حجرؒ (١٥٩)، امام نوویؒ (١٦٠)، امام ابن قدامہؒ (١٦١)، امام صنعانیؒ (١٦٢) اور امام قرطبیؒ (١٦٣) نے جنازہ جلدی لے جانا مستحب قرار دیا ہے جبکہ امام ابن حزمؒ (١٦٤) اور علامہ البانیؒ (١٦٥) حدیث میں موجود حکم کی وجہ سے اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

565- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ)) قِيلَ : وَمَا الْقِيرَاطَانِ ؟ قَالَ : ((مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ لِمُسْلِمٍ : ((حَتّٰى تُوضَعَ فِي اللَّحْدِ)) وَلِلْبُخَارِيِّ : ((مَنْ تَبِعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا ، وَكَانَ مَعَهَا حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطَيْنِ ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ جَبَلِ أُحُدٍ)) ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص جنازے میں شریک ہو حتی کہ اس کی نماز جنازہ ادا کرے تو اسے ایک قیراط کے برابر ثواب ملے گا اور جو جنازے میں تدفین تک شریک رہے تو اسے دو قیراط کے برابر ثواب ملے گا۔ دریافت کیا گیا کہ دو قیراط سے مراد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' (دو قیراط) دو عظیم پہاڑوں کے برابر ہیں۔'' [بخاری، مسلم۔ مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ] ''حتی کہ میت کو بغلی قبر میں اتار دیا جائے (تب تک حاضر رہے)۔'' [اور بخاری میں ہے کہ] ''جو ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے چلے اور اس کی نماز جنازہ پڑھے جانے اور اس کی تدفین سے فراغت حاصل کر لینے تک اس کے ساتھ ہی رہے تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب لے کر لوٹتا ہے اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔''

565- [بخاری (١٣٢٥) كتاب الجنائز : باب من انتظر حتى تدفن ' مسلم (٩٤٥) ابو داود (٣١٦٨) ترمذی (١٠٤٠) نسائی (٤/٧٦-٧٧) ابن ماجه (١٥٣٩) احمد (٢/٤٠١) ابن حبان (٣٠٧٨) بيهقی (٣/٤١٢)]

(١٥٦) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٧٢٥) كتاب الجنائز : باب الإسراع بالجنازة ' أبو داود (٣١٨٢) أحمد (٥/٣٦) نسائی (٤/٤٢) حاكم (١/٣٥٥)]

(١٥٧) [حسن : أحكام الجنائز وبدعها (ص / ١٨) احمد (٤/٣٩٧) بيهقی (٣/٣٩٥)]

(١٥٨) [الروضة الندية (١/٤٢٨)]

(١٥٩) [فتح الباری (٣/٥٣٩)]

(١٦٠) [المجموع (٥/٢٧١)]

(١٦١) [المغنی لابن قدامة (٣/٣٩٤)]

(١٦٢) [سبل السلام (٢/٢٨٤)]

(١٦٣) [أيضا]

(١٦٤) [المحلی (٥/١٥٤)]

(١٦٥) [أحكام الجنائز (ص/٩٤)]

لغوی توضیح قیراط ایک پیمانہ تھا جو اس دور میں اجرت دینے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ مراد ہے "نصف دانق" اور ایک دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ قیراط انتہائی معمولی قیمت کا ہوتا تھا مگر یہی قیراط اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہاڑوں کے برابر ہے۔

فهم الحديث اس حدیث میں مسلمان کے جنازے میں شرکت اور تدفین تک ساتھ رہنے کا عظیم ثواب بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس ثواب کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے حصول ثواب کی نیت سے ہی یہ کام کیے جائیں (جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے)' اگر محض رسم ادا کرنا یا رشتہ داروں اور احباب ورفقاء کو دکھانا مقصود ہو تو پھر یہ ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

566- وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ((أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَهُمْ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَأَعَلَّهُ النَّسَائِيُّ وَطَائِفَةٌ بِالْإِرْسَالِ۔

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا' وہ جنازے کے آگے چلتے تھے۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی اور ایک گروہ نے اسے مرسل ہونے کی بنا پر معلول قرار دیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنازے کے آگے چلنا جائز ہے۔ ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنازے کے آگے' پیچھے' دائیں اور بائیں ہر جگہ حسب سہولت چلا جا سکتا ہے۔ (١٦٦) اختلاف اس بات میں ہے کہ کس جگہ چلنا افضل ہے۔ جمہور علماء، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جنازے کے آگے چلنا افضل ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ (١٦٧) امام شوکانیؒ (١٦٨)، نواب صدیق حسن خانؒ (١٦٩) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (١٧٠) نے آگے اور پیچھے دونوں جگہ چلنے کو برابر قرار دیا ہے (یعنی ان کے نزدیک کسی کو کسی پر ترجیح نہیں)۔ البتہ امام ابن حزمؒ (١٧١) اور علامہ البانیؒ (١٧٢) نے یہ موقف اپنایا ہے کہ جنازے کے پیچھے چلنا ہی افضل ہے کیونکہ جنازوں کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اتباع ہمیشہ پیچھے چل کر ہی کی جاتی ہے۔

566- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٣١٧٩) كتاب الجنائز: باب المشى أمام الجنازة' ترمذی (١٠٠٧) ابن ماجه (١٤٨٢) نسائی (٥٦/٤) احمد (٨/٢) دارقطنی (٧٠/٢) ابن حبان (٣٠٤٥) بیهقی (٢٣/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(١٦٦) [صحيح: صحيح أبو داود (٢٧٢٣) كتاب الجنائز: باب المشى أمام الجنازة' ابن ماجة (١٤٨١) كتاب الجنائز: باب ما جاء فى شهود الجنائز' أبو داود (٣١٨٠) أحمد (٢٤٧/٤) نسائى (٥٨/٤) ابن حبان (٧٦٩) حاكم (٣٥٥/١)]

(١٦٧) [الحاوى (٤١/٣) الأم (٤٥٥/١) بدائع الصنائع (٣٠٩/١) المبسوط (٥٦/٢) الهداية (٩٣/١) الاختيار (٩٦/١) حاشية الدسوقى (٤٢١/١) المغنى (٣٩٧/٣) نيل الأوطار (١٨/٣)]

(١٦٨) [نيل الأوطار (١٨/٣)]

(١٦٩) [الروضة الندية (٤٣٢/١)]

(١٧٠) [حجة الله البالغة (٣٧/٢)]

(١٧١) [المحلى بالآثار (٣٩٣/٣)]

(١٧٢) [أحكام الجنائز (ص/٩٦)]

567-وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ:((نُهِينَا عَنْ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع کیا گیا مگر تاکید سے منع نہیں ہوا۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین جنازوں میں شرکت نہیں کر سکتیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس ممانعت کو حرمت پر محمول کیا ہے جبکہ جمہور، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اسے کراہت پر محمول کرتے ہیں۔ انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک عورت کو دیکھ کر چونک اٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے عمر! اسے چھوڑ دو۔'' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔(۱۷۳) امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے یہ لفظ ''ہمیں تاکید سے منع نہیں کیا گیا'' اس بات میں ظاہر ہیں کہ ممانعت حرمت کے لیے نہیں بلکہ کراہت کے لیے ہے گویا اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا نے کسی قرینے کی وجہ سے یہ سمجھا اور اگر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس کی اصل حرمت ہی ہے۔ البتہ جمہور اہل علم اس کی کراہت کا ہی مؤقف رکھتے ہیں۔(۱۷٤)

568- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَجْلِسْ حَتَّى تُوضَعَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو جنازے کے پیچھے چلے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک اسے رکھ نہ دیا جائے۔''[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث میں دو مسائل ذکر ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ جنازہ دیکھ کر کھڑا ہو جانا چاہیے اور دوسرا یہ کہ جنازے کے ساتھ چلنے والے اس وقت تک نہ بیٹھیں جب تک جنازہ کندھوں سے اتار کر زمین پر نہ رکھ دیا جائے۔ تو اس سلسلے میں یہ یاد رہنا چاہیے کہ یہ دونوں قیام ہی منسوخ ہو چکے ہیں۔ امام ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کھڑے نہ ہوئے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے؟ تو انہوں نے کہا کھڑے ہوئے اور (بعد میں) بیٹھ گئے۔(۱۷۵) معلوم ہوا کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم پہلے تھا اب بعض کے نزدیک منسوخ اور بعض کے نزدیک استحباب پر محمول ہے جیسا کہ امام نوویؒ (۱۷٦) اور امام ابن حزمؒ (۱۷۷) کا مؤقف

567- [بخاری (۱۲۷۸) كتاب الجنائز : باب اتباع النساء الجنائز ' مسلم (۹۳۸) ابو داود (۳۱٦۷) ابن ماجة (۱۵۷۷) احمد (٤۰۸/٦) بيهقى (۷۷/٤)]

568- [بخاری (۱۳۱۰) كتاب الجنائز : باب من تبع جنازة فلا يقعد حتى توضع ' مسلم (۹۵۹) ابو داود (۳۱۷۳) ترمذی (۱۰٤۳) نسائی (٤٤/٤) احمد (٤۱/۳)]

(۱۷۳) [ضعيف : ضعيف ابن ماجة (۳٤٦) كتاب الجنائز : باب ما جاء في البكاء على الميت' الضعيفة (۳٦۰۳) ضعيف الجامع (۲۹۸۷) ابن ماجة (۱۵۸۷) نسائی (۱۸۵۸) كتاب الجنائز : باب الرخصة فى البكاء على الميت' مسند احمد (۹۷۳۷)]

(۱۷٤) [سبل السلام (۲۹۱/۲)]

(۱۷۵) [صحيح : صحيح نسائی (۱۸۱٦) كتاب الجنائز : باب الرخصة فى ترك القيام ' أحمد (۲۰۰/۱) نسائی (۱۹۲۵) عبدالرزاق (٦۳۱۳) طبرانی كبير (۲۷٤۳) بيهقى (۲۸/٤)]

(۱۷٦) [شرح مسلم للنووى (۳٤/٤)]

(۱۷۷) [كما فى نيل الأوطار (۲۳/۳)]

ہے۔اسی طرح جنازہ رکھے جانے تک نہ بیٹھنے کا حکم بھی منسوخ ہو چکا ہے جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک جنازے کو لحد میں نہ رکھ دیا جاتا پھر ایک یہودیوں کا عالم گزرا اور اس نے کہا اس طرح تو ہم کرتے ہیں تب آپ ﷺ نے بیٹھنا شروع کر دیا اور فرمایا ''تم بھی بیٹھا کرو اور ان کی مخالفت کرو۔'' (۱۷۸)

569- وَعَنْ أَبِي إِسْحَاقَ ((أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ أَدْخَلَ الْمَيِّتَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ الْقَبْرِ، وَقَالَ: هَذَا مِنَ السُّنَّةِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت ابو اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے میت کو قبر کے پاؤں کی جانب سے قبر میں داخل کیا اور کہا کہ یہ سنت طریقہ ہے۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کو آپ کے سر کی جانب (یعنی قبر کے پاؤں کی جانب) سے داخل کیا گیا۔ (۱۷۹) معلوم ہوا کہ میت کو قبر کے پاؤں والی جانب سے قبر میں اتارنا چاہیے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ میت کو قبلہ کی جانب سے چوڑائی کے رخ قبر میں داخل کیا جائے گا۔ (۱۸۰) امام شوکانیؒ (۱۸۱) اور امام ابن قدامہؒ (۱۸۲) نے امام شافعیؒ کے موقف کو ہی ترجیح دی ہے۔

570- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا وَضَعْتُمْ مَوْتَاكُمْ فِي الْقُبُورِ، فَقُولُوا: بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَأَعَلَّهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِالْوَقْفِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم اپنے مردوں کو قبروں میں اتارو تو یہ دعا پڑھو بسم الله وعلى ملة رسول الله۔'' [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے' ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور دارقطنی نے اسے موقوف ہونے کے ساتھ معلول قرار دیا ہے۔]

فهم الحديث معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ بعض روایات میں اس دعا کے یہ الفاظ

569- [صحيح: صحيح أبو داود' أبو داود (۳۲۱۱) كتاب الجنائز: باب في الميت يدخل من قبل رجليه' بيهقي (٤/٥٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

570- [صحيح: صحيح أبو داود' أبو داود (۳۲۱۳) كتاب الجنائز: باب في الدعاء للميت إذا وضع في قبره' ترمذی (۱۰٤٦) نسائي في عمل اليوم والليلة (۱۰۸۸) ابن ماجه (۱۵۵۰) احمد (۲/٦۹) دارقطنی (۱/۲۱۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۷۸) [حسن: صحيح أبو داود (۲۷۱۹) كتاب الجنائز: باب القيام للجنازة' أبو داود (۳۱۷٦) ترمذي (۱۰۲۰) كتاب الجنائز: باب ما جاء في الجلوس قبل أن توضع' ابن ماجة (۱۵٤٥) كتاب الجنائز: باب ما جاء في القيام للجنازة' بزار كما في تلخيص الحبير (۲/۱۱۲)]

(۱۷۹) [مسند شافعی (۱/۲۱۵)' (۵۹۷-۵۹۸) بيهقي (٤/٥٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۳/۲۲۷)]

(۱۸۰) [الحاوي (۳/٦۱) الأم (۱/٤٥۷) المغني (۳/٤۲٦) حاشية الدسوقي (۱/٤۱۹) الإختيار (۱/۹٦) الهداية (۱/۹۳) المبسوط (۲/٦۱) تحفة الفقهاء (۱/۳۹۹)]

(۱۸۱) [نيل الأوطار (۳/۲۹)]

(۱۸۲) [المغني لابن قدامة (۳/٤۲٥)]

بھی ثابت ہیں بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ۔(١٨٣)

571- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی مردے کی ہڈی توڑنے (کا حکم) زندہ انسان کی ہڈی توڑنے (کے حکم) کی طرح ہے۔'' [اسے ابوداود نے مسلم کی شرط کی سند سے روایت کیا ہے۔]

572- وَزَادَ ابْنُ مَاجَهْ ـ مِنْ حَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ـ: ((فِي الْإِثْمِ))۔

اور ابن ماجہ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ''گناہ میں۔''

فهم الحديث ''گناہ میں'' سے مراد یہ ہے کہ مردے کی ہڈی توڑنے کا گناہ اسی طرح ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنے کا ہے' لیکن ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کا جو حکم ہے وہی مردہ کی ہڈی توڑنے کا ہے۔ اس حدیث میں میت کے احترام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ حنابلہ نے کہا ہے کہ مردہ کی ہڈی توڑنا' اسے جلانا یا کاٹنا (الغرض کسی بھی طریقے سے اذیت پہنچانا) حرام ہے۔(١٨٤) امام ابن حجر ہیثمی اسے کبیرہ گناہ شمار کرتے ہیں۔(١٨٥) علامہ البانی نے اسے ناجائز کہا ہے۔(١٨٦) شیخ سلیم ہلالی نے کہا ہے کہ مسلمان کی حرمت وفات کے بعد بھی ہے اس لیے اس کی ہڈی توڑنا یا اسے کوئی اور نقصان پہنچانا جائز نہیں البتہ کافروں کی ہڈیوں کی کوئی حرمت نہیں۔(١٨٧) تاہم دورِ جدید چونکہ سائنسی ایجادات کا دور ہے کہ جن کا دورِ نبوت میں تصور تک موجود نہ تھا' اس لیے اہل علم جرم کی تحقیق وتفتیش کے لیے مردے کی چیر پھاڑ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔(١٨٨)

573- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((أَلْحِدُوا لِي لَحْدًا وَانْصِبُوا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا' میرے لیے بغلی قبر بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں چننا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

574- وَلِلْبَيْهَقِيِّ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

اور بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے' اس میں اتنا

571- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٣٢٠٧) كتاب الجنائز: باب فى الحفار يجد العظم' ابن ماجه (١٦١٦) احمد (٥٨/٦) مالك (٢٣٨/١) ابن حبان (٧٧٦) دارقطنى (١٨٨/٣) ابن الجارود (٥٥١) بيهقى (٥٨/٤) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

572- [ضعيف: ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (١٦١٧) كتاب الجنائز: باب فى النهى عن كسر عظام الميت' شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

573- [مسلم (٩٦٦) كتاب الجنائز: باب فى اللحد ونصب اللبن على الميت' ابن ماجه (١٥٥٦) نسائى (٨٠/٤) احمد (١٦٩/١)]

574- [بيهقى (٤٠٧/٣) ابن حبان (٣٠٤٨)]

---

(١٨٣) [أحمد (٦٩/٢) أبو داود (٣٢١٣) ترمذى (١٠٤٦) ابن ماجة (١٥٥٠) ابن أبى شيبة (٣٢٩/٣) ابن السنى فى عمل اليوم والليلة (٥٨٤)]
(١٨٤) [كشاف القناع (١٢٧/٢) أحكام الجنائز (ص/٢٩٦)] (١٨٥) [الزواجر (١٣٤/١)]
(١٨٦) [أحكام الجنائز وبدعها (ص/٢٩٥)] (١٨٧) [موسوعة المناهى الشرعية (٣٨/٢-٣٩)]
(١٨٨) [جيسا كه مولانا صفى الرحمن مباركپورى نے نقل فرمايا هے۔]

نَحْوَهُ ' وَزَادَ : ((وَرُفِعَ قَبْرُهُ عَنِ الْأَرْضِ قَدْرَ شِبْرٍ)) وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

اضافہ ہے کہ آپ ﷺ کی قبر زمین سے ایک بالشت برابر اونچی بنائی گئی تھی۔[ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

575- وَلِمُسْلِمٍ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ)) ۔

اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے' اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لغوی توضیح لَـحْـدًا بغلی قبر کو کہتے ہیں' مراد ہے قبر کے قبلہ رخ وہ گڑھا جہاں سے میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے۔ اِنْصِبُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب نَصَبَ يَنْصِبُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''نصب کرنا''۔ اللَّبِن کچی اینٹ کو اور شِبْر بالشت کو کہتے ہیں۔ يُجَصَّصَ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے تجصیص (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''پختہ کرنا' چونا گچ کرنا''۔ يُبْنَى بھی فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے' معنی ہے ''عمارت تعمیر کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے مختلف مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ بغلی قبر بنانا مستحب ہے' رسول اللہ ﷺ کو بھی پسند تھا' اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور سیدھی قبر دوسروں کے لیے ہے۔''(۱۸۹) تاہم دونوں طرح کی قبر بنانے کے جواز پر بہرحال اتفاق ہے۔ جیسا کہ امام نوویؒ(۱۹۰) اور شیخ عبداللہ بسامؒ(۱۹۱) نے نقل فرمایا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبر کو ایک بالشت سے زیادہ زمین سے اونچا نہیں بنانا چاہیے۔ اس کا طریقہ امام شافعیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ قبر پر صرف وہی مٹی ڈالی جائے جو اس میں سے نکلی ہے زائد مٹی نہ ڈالی جائے۔(۱۹۲) بلند قبریں بنانے والوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ ''تم ہر ذی روح کی تصویر کو مٹا دو اور ہر (شرعی مقدار سے) بلند قبر کو برابر کر دو۔''(۱۹۳) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبر کو پختہ بنانا' اس پر بیٹھنا اور اسے بلند کرنے کے لیے اس پر کوئی عمارت یا گنبد وغیرہ بنانا بھی ممنوع و ناجائز ہے۔ اکثر ائمہ ان افعال کی حرمت کے ہی قائل ہیں۔(۱۹۴) علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہے کہ قبر کو کوہان نما بنانا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر بھی کوہان نما ہی بنائی گئی تھی۔(۱۹۵)

575- [مسلم (۹۷۰) كتاب الجنائز : باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه ' ابو داود (۳۲۲۵) ترمذی (۱۰۵۲) ابن ماجه (۱۵٦۲) نسائی (۹۸٦/٤) احمد (۳۹۹/۳) حاکم (۳۷۰/۱)]

(۱۸۹) [صحيح : صحيح أبو داود (۱۲٦۱ ' ۱۲٦۲) أبو داود (۳۲۰۸) كتاب الجنائز : باب في اللحد ' ترمذی (۱۰٤۵) كتاب الجنائز : باب ما جاء في قول النبي اللحد لنا والشق لغيرنا ' نسائی (۸۰/٤) ابن ماجة (۱۵۵٤) كتاب الجنائز : باب ما جاء في استحباب اللحد ' بيهقی (٤۰۸/۳)]

(۱۹۰) [شرح مسلم للنووی (۳۹/٤)]

(۱۹۱) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲٤۲/۳)] (۱۹۲) [الأم (۲٤۵/۱)]

(۱۹۳) [مسلم (۹٦۹) كتاب الجنائز : باب الأمر بتسوية القبر ' أبو داود (۳۲۱۸) كتاب الجنائز : باب في تسوية القبر ' ترمذی (۱۰٤۹) كتاب الجنائز : باب ما جاء في تسوية القبور ' نسائی (۸۸/٤) أحمد (۸۹/۱) حاکم (۱۳٦٦) طيالسی (۱۵۵) عبد الرزاق (٦٤۸۷) ابو يعلى (۳٤۳)]

(۱۹٤) [دیکھئے : نيل الأوطار (۹۷/٤) موسوعة المناهي الشرعية (۳۹/۲)]

(۱۹۵) [بخاری (۱۳۹۰) كتاب الجنائز : باب ما جاء في قبر النبي وأبي بكر وعمر ' ابن أبي شيبة (۳۲٦/۳)]

576- وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ وَ أَتَى الْقَبْرَ فَحَثَى عَلَيْهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ وَهُوَ قَائِمٌ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی' قبر پر آئے اور کھڑے کھڑے ان کی قبر پر تین لپ مٹی ڈالی۔[اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت اگرچہ کمزور ہے لیکن ایک دوسری صحیح روایت سے یہ مسئلہ ثابت ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک نماز جنازہ پڑھائی پھر آپ ﷺ میت کی قبر کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے اس کے سر کی جانب سے تین لپ مٹی ڈالی۔(۱۹۶) امام شوکانیؒ (۱۹۷) اور شیخ عبداللہ بسامؒ (۱۹۸) نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی رو سے امت کے لیے بھی قبر پر کھڑے کھڑے تین لپ مٹی ڈالنا مسنون ہے۔

577- وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ: ((اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو اس کے قریب کھڑے ہو کر فرماتے "اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دعا کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی مانگو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔"[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی تدفین کے بعد اس کے لیے استغفار کرنا اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرنا مستحب ہے۔(۱۹۹) امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام ابن منذرؒ اور دیگر اہل علم نے بھی اس عمل کو مسنون و مستحب قرار دیا ہے۔(۲۰۰) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا مردوں کو فائدہ دیتی ہے۔

578- وَعَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ أَحَدِ التَّابِعِيْنَ ـ قَالَ: ((كَانُوْا

حضرت ضمرہ بن حبیبؒ جو ایک تابعی ہیں' سے روایت ہے کہ لوگ مستحب سمجھتے تھے کہ جب میت کی قبر برابر کر دی جائے اور

576- [دارقطنی (۷٦/۲) بزار فی کشف الأستار (۸٤۳) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

577- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۳۲۲۱) کتاب الجنائز: باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف' حاکم (۳۷۰/۱) بیهقی (٥٦/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

578- [تلخیص الحبیر (۲۷۰/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ امام ابن قیمؒ نے المنار میں فرمایا ہے کہ معرفت رکھنے والوں کے نزدیک اس حدیث کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ امام نوویؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام صنعانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔[دیکھئے: توضیح الأحکام (۲٥۲/۳)]

(۱۹٦) [صحیح: صحیح ابن ماجة (۱۲۷۱) کتاب ما جاء فی الجنائز: باب ما جاء فی حثو التراب فی القبر' ابن ماجة (۱٥٦٥)] حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (٥۱۱/۱)]

(۱۹۷) [نیل الأوطار (۳۰/۳)]

(۱۹۸) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۲٤۸/۳)]

(۱۹۹) [عون المعبود (۲۰۹/۳) مرعاة المفاتیح (۲۳۰/۱)]

(۲۰۰) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۲٥۱/۳-۲٥۳)]

يَسْتَحِبُّوْنَ إِذَا سُوِّيَ عَلَى الْمَيِّتِ قَبْرُهُ وَ انْصَرَفَ النَّاسُ عَنْهُ ' أَنْ يُقَالَ عِنْدَ قَبْرِهِ : يَا فُلَانُ ' قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ' يَا فُلَانُ ' قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ دِيْنِي الْإِسْلَامُ وَ نَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ)) رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ مَوْقُوْفًا ۔

لوگ واپس لوٹنے لگیں تو قبر کے پاس (اہل قبر کو مخاطب کر کے) یوں کہا جائے اے فلاں! لا الہ الا اللہ کہہ یوں تین مرتبہ کہتے ۔ اے فلاں! ربی اللہ ودینی الاسلام ونبیی محمد (میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں) کہو۔ [اسے سعید بن منصور نے موقوفاً روایت کیا ہے۔]

579- وَ لِلطَّبَرَانِيِّ نَحْوَهُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا مُطَوَّلًا ۔

اور طبرانی میں اسی طرح حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور طویل روایت مروی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تدفین کے بعد اہل قبر کو مخاطب کر کے کلمہ کی تلقین کرنی چاہیے لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس لیے قابل عمل نہیں اور نہ ہی اس معنی میں کوئی اور روایت ہی ثابت ہے۔

580- وَعَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ الْحُصَيْبِ الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ : ((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' زَادَ التِّرْمِذِيُّ : ((فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ))۔

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا' اب تم ان کی زیارت کرو۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] "یقیناً یہ (زیارت قبور) آخرت یاد دلاتی ہے۔"

581- زَادَ ابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((وَتُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا))۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ "یہ دنیا سے بے رغبت بناتی ہے۔"

لغوی توضیح فَزُوْرُوْهَا زیارت سے امر کا صیغہ ہے اور اجازت کے معنی میں ہے۔ تُذَكِّرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب ذَكَّرَ يُذَكِّرُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "یاد دہانی کرانا"۔ تُزَهِّدُ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب زَهَّدَ يُزَهِّدُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "بے رغبت بنانا"۔

فہم الحدیث ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا "اب قبروں کی زیارت کرو کیونکہ ان میں عبرت ہے۔"(۲۰۱) اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ "جو شخص (قبروں کی) زیارت کا ارادہ

578- [تلخیص الحبیر (۲/۲۷۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ امام ابن قیمؒ نے المنار میں فرمایا ہے کہ معرفت رکھنے والوں کے نزدیک اس حدیث کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ امام نوویؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام صنعانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔ [دیکھئے: توضیح الأحکام (۳/۲۰۲)]

579- [طبرانی کبیر (۸/۲۹۸)]

580- [مسلم (۹۷۷) کتاب الجنائز : باب استئذان النبی ربه فی زیارة قبر أمه ' ابو داود (۳۲۳۵) ترمذی (۱۰۵٤) نسائی (۸۹/٤) احمد (۵/۳۵۰) ابن الجارود (۸٦۳) ابن حبان (۳۱٦۸) حاکم (۱/۳۷٦) بیهقی (٤/۷٦)]

581- [ضعیف : ضعیف ابن ماجه ' ابن ماجه (۱۵۷۱) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی زیارة القبور ' حاکم (۱/۳۷۵) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ ان شاء اللہ اس کی سند حسن ہے۔]

(۲۰۱) [صحیح : أحمد (۳/۳۸) حاکم (۱/۳۷٤)] امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔ [بیهقی (٤/۷۷)] امام ہیثمیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ [المجمع (۳/۵۸)]

رکھتا ہے اسے زیارت کرنی چاہیے لیکن (وہاں) تم کوئی باطل کلام نہ کرو۔"(۲۰۲) اس سے معلوم ہوا کہ پہلے قبروں کی زیارت ممنوع تھی مگر بعد میں آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی اور اس کا مقصد یہ بتایا کہ اس سے آخرت یاد آتی ہے' دنیا سے بے رغبتی ہو جاتی ہے اور یہ مقام عبرت ہیں۔ صرف اسی غرض سے قبروں کی زیارت کرنی چاہیے اس کے علاوہ قبرون پر چراغاں کرنا یا فاتحہ خوانی یا میلوں اور عرسوں کا انعقاد کرنا قطعاً ثابت اور جائز نہیں' بلکہ یہ تمام افعال امت کو شرک میں مبتلا کرنے کے ذرائع ہیں۔

582- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَعَنَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت کمزور ہے البتہ وہ روایت درست ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کثرت کے ساتھ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔(۲۰۳) امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور لعنت ایسی خواتین کے لیے ہے جو بہت زیادہ زیارت کرتی ہیں کیونکہ مبالغے کا صیغہ اسی کا تقاضا کرتا ہے۔(۲۰۴) امام شوکانیؒ (۲۰۵)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۲۰۶)، ملا علی قاری حنفیؒ (۲۰۷) اور علامہ البانیؒ (۲۰۸) اسی کے قائل ہیں۔ معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے کثرت سے زیارتِ قبور ممنوع ہے' لیکن کبھی کبھار عبرت کی غرض سے جائز ہے جیسا کہ دیگر متعدد دلائل اس کا ثبوت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ممانعت کے بعد جب زیارتِ قبور کی اجازت دی تو عورتوں کو الگ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت میں خواتین بھی شامل ہیں۔ اسی طرح مردوں کے لیے قبروں کی زیارت کا جو سبب بیان کیا گیا ہے" کہ اس سے آخرت یاد آتی ہے" اس میں عورتیں بھی مردوں کی شریک ہیں۔ نیز وہ روایت بھی اس کا ثبوت ہے جس میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روز قبرستان سے آئیں تو میں نے عرض کیا' اے اُم المومنین! آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟ انہوں نے کہا' عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر کی زیارت کر کے۔ میں نے کہا' کیا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت سے منع نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا' ہاں لیکن پھر ان کی زیارت کی اجازت دے دی تھی۔(۲۰۹)

582- [ضعيف : السلسلة الضعيفة (۲۲۵) ترمذی (۱۰۵٦) ابن ماجه (۱۵۷٦) مسند احمد (۳۳۷/۲) ابن حبان (۳۱۷۸) بيهقی (۷۸/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔]

(۲۰۲) [صحيح : صحيح نسائی (۱۹۲۲) كتاب الجنائز : باب زيارة القبور' نسائی (۲۰۳۵)]

(۲۰۳) [حسن : صحيح ابن ماجة (۱۲۸۱ ' ۱۲۸۰) المشكاة (۱۷۷۰) إرواء الغليل (۲۳۲) ترمذی (۱۰۵٦) كتاب الجنائز : باب ما جآء فی كراهية زيارة القبور للنساء ' ابن ماجة (۱۵۷٦) كتاب الجنائز : باب ما جاء فی النهی عن زيارة النساء القبور ' أحمد (۳۳۷/۲) طيالسی (۲۳۵۸) ابن حبان (۳۱۷۸) بيهقی (۷۸/٤)]

(۲۰٤) [التذكرة (۱۱/۱) نيل الأوطار (٦۳/۳)]

(۲۰۵) [نيل الأوطار (٦۳/۳)]

(۲۰٦) [تحفة الأحوذی (۱۵۵/٤)]

(۲۰۷) [مرقاة شرح مشكاة (۲۵٦/٤)]

(۲۰۸) [أحكام الجنائز (ص/۲۳۵)]

(۲۰۹) [صحيح : أحكام الجنائز وبدعها (ص/۲۳۰) حاكم (۳۷٦۱) بيهقی (۷۸/٤) التمهيد لابن عبدالبر (۲۳۳/۳)] امام ذہبیؒ اور حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[الزوائد (۹۸۸/۱)]

583- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے اور سننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

584- وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ لَا نَنُوحَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (بیعت کے موقع پر) ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح نوحہ سے مراد ہے میت کے اوصاف کو گن گن کے اونچی آواز سے رونا، پیٹنا وغیرہ۔

فهم الحديث حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں، لیکن اس عہد کو پانچ عورتوں کے سوا کسی نے پورا نہیں کیا۔ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی مصیبت وآفت کے وقت یا کسی کی وفات کے وقت رونا، پیٹنا، چیخنا، چلانا، گریبان پھاڑنا اور بال نوچنا وغیرہ حرام ہے۔ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے (کسی کی موت پر) رخساروں کو پیٹا، گریبان کو پھاڑا اور جاہلیت کی باتیں بکیں وہ ہم میں سے نہیں۔''(۲۱۰) اسی طرح ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''نوحہ کرنے والی عورت اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو روزِ قیامت اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس پر گندھک کا کرتا اور خارش کی قمیض ہوگی۔''(۲۱۱) ان احادیث کے پیش نظر اکثر اہل علم (مثلاً امام نوویؒ(۲۱۲)، امام شوکانیؒ(۲۱۳)، علامہ البانیؒ(۲۱۴)، شیخ سلیم ہلالی(۲۱۵) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی(۲۱۶) وغیرہ) نے میت پر نوحہ خوانی کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ اگر غم کی وجہ سے خود بخود آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں تو ان کی ممانعت نہیں، ممانعت صرف ایسے رونے کی ہے جو آواز کے ساتھ ہو اور جس میں چیخ و پکار ہو۔جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 587 اس کا واضح ثبوت ہے۔

583- [ضعیف : ضعیف ابو داود، ابو داود (۳۱۲۸) کتاب الجنائز : باب فی النوح، أحمد (۶۵/۳) بیهقی (۶۳/۴) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔شیخ حازم علی قاضی نے اسے شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے۔]

584- [بخاری (۱۳۰۶) کتاب الجنائز: باب ما ینهی من النوح والبکاء والزجر عن ذلك، مسلم (۹۳۶) ابو داود (۳۱۲۷) نسائی (۱۴۸/۸)]

---

(۲۱۰) [بخاری (۱۲۹۴) کتاب الجنائز : باب لیس منا من شق الجیوب، مسلم (۱۰۳) کتاب الإیمان : باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب، ترمذی (۹۹۹) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی النهی عن ضرب الخدود وشق الجیوب، ابن ماجة (۱۵۸۴) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی النهی عن ضرب الخدود وشق الجیوب، احمد (۴۳۲/۱) أبو یعلی (۵۲۰۱) نسائی (۲۰/۴) شرح السنة (۲۸۸/۳)]

(۲۱۱) [مسلم (۹۳۴) کتاب الجنائز : باب التشدید فی النیاحة، ابن أبی شیبة (۳۹۰/۳) طبرانی کبیر (۳۴۲۵)، (۳۴۲۶) ابن حبان (۳۱۴۳) مستدرك حاکم (۱۴۱۳/۱) شرح السنة للبغوی (۱۵۳۳) بیهقی (۶۳/۴) أحمد (۳۴۲/۵)]

(۲۱۲) [شرح مسلم للنووی (۲۴۹/۴)]

(۲۱۳) [نیل الأوطار (۵۴/۳)]

(۲۱۴) [أحکام الجنائز وبدعها (ص / ۳۹)]

(۲۱۵) [موسوعة المناهی الشرعیة (۱۹/۲)]

(۲۱۶) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والإفتاء (۹ : ۱۶)]

585- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”میت کو قبر میں اپنے اوپر نوحہ کرنے والوں کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔“ [بخاری، مسلم]

586- وَلَهُمَا نَحْوَهُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور ان دونوں نے اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت بیان کی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ اس حدیث پر یہ اشکال واعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴾ ”کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ اٹھانے والا نہیں۔“ جبکہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کے رونے سے میت عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ علمائے کرام نے اس اشکال کو مختلف طریقوں سے رفع کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً اگر مرنے والا خود نوحہ کرتا ہو اور گھر والوں کو اس سے نہ روکتا ہو بلکہ اسے برقرار رکھتا ہو یا اپنی میت پر نوحہ کرنے کی وصیت کر کے گیا ہو (جیسا کہ یہ عام اہل عرب کی عادت تھی) تب اسے عذاب ہو گا ورنہ نہیں۔

587- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((شَهِدْتُ بِنْتًا لِلنَّبِيِّ ﷺ تُدْفَنُ ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ عِنْدَ الْقَبْرِ ، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی ایک بیٹی (حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا) کی تدفین کے موقع پر حاضر تھا۔ رسول اللہ ﷺ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی ہیں۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی وفات پر محض آنکھوں سے آنسو بہہ نکلنا ممنوع نہیں۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنی ایک بیٹی کے بچے کو موت وحیات کی کشمکش میں دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ پھر سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس (رونے) کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ رحمت ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اُن پر ہی رحم فرماتے ہیں جو لوگ خود رحم کرنے والے ہیں۔“(٢١٧) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو نکلنے کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا اور نہ ہی دل کے غم کی وجہ سے، ہاں وہ اس

585- [بخاری (١٢٨٦) كتاب الجنائز : باب قول النبي يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه، مسلم (٩٢٨) ابو داود (٣١٢٩) نسائی (١٧/٤) ابن حبان (٣١٣٦) بيهقی (٧٣/٤)]

586- [بخاری (١٢٩١) كتاب الجنائز : باب ما يكره من النياحة على الميت، مسلم (٩٣٣) ترمذی (١٠٠٠)]

587- [بخاری (١٢٨٥) كتاب الجنائز : باب قول النبي يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه، مسند احمد (١٢٦/٣)]

(٢١٧) [بخاری (١٢٨٤) كتاب الجنائز : باب قول النبي يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه، مسلم (٩٢٣) كتاب الجنائز : باب البكاء على الميت، أحمد (٢٠٤/٥) أبو داود (٣١٢٥) كتاب الجنائز : باب في البكاء على الميت، ابن ماجة (١٥٨٨) كتاب الجنائز : باب ما جاء في البكاء على الميت، ابن أبي شيبة (٣٩٢/٣) ابن حبان (٣١٥٨) بيهقی (٦٨/٤) عبد الرزاق (٦٦٧٠)]

کی وجہ سے عذاب دے گا' آپ ﷺ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔(۲۱۸)امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ رونے کی جس صورت سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے وہ ایسا رونا ہے جس میں آواز اور نوحہ شامل ہو وگرنہ مجرد آنسو بہہ جانے سے عذاب نہیں ہوتا۔(۲۱۹)امام ابن قدامہؒ(۲۲۰)اور شیخ ابن بازؒ(۲۲۱)بھی اسی کے قائل ہیں۔

588- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَدْفِنُوا مَوْتَاكُمْ بِاللَّيْلِ إِلَّا أَنْ تُضْطَرُّوا)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ ①، وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ، لٰكِنْ قَالَ: ((زَجَرَ أَنْ يُقْبَرَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ، حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهِ)) ②۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اپنے مردوں کو رات کے وقت دفن نہ کرو الا کہ تم مجبور ہو جاؤ۔'' [اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے' لیکن اس میں ہے کہ] آپ ﷺ نے رات کے وقت آدمی کو قبر میں اتارنے سے منع فرمایا ہے حتی اس کی نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔

لغوی توضیح لَا تَدْفِنُوا فعل نہی کا صیغہ ہے باب دَفَنَ يَدْفِنُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''دفن کرنا''۔ زَجَرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب زَجَرَ يَزْجُرُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''ڈانٹنا''۔

فهم الحدیث معلوم ہوا کہ رات کے وقت دفن کرنے سے صرف اس لیے منع کیا گیا ہے کہ نماز جنازہ میں کم افراد شریک ہو سکیں گے' اس لیے اگر میت کا نماز جنازہ دن میں پڑھا جا چکا ہو اور کسی وجہ سے رات کے وقت دفن کرنا پڑے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ایک صحابی کو رات کے وقت دفن کیا۔(۲۲۲)اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا گیا(۲۲۳)اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی رات کے وقت ہی دفن کیا تھا۔(۲۲۴)امام شوکانیؒ نے ان احادیث کی وجہ سے فرمایا ہے کہ رات کے وقت میت کو دفن کرنا جائز ہے۔(۲۲۵) جمہور اسی کے قائل ہیں۔(۲۲۶) جبکہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رات وقت تدفین کو مکروہ کہتے ہیں۔(۲۲۷) امام ابن حزمؒ(۲۲۸)اور علامہ البانیؒ(۲۲۹) نے فرمایا ہے کہ صرف مجبوری کی صورت میں رات کے وقت تدفین جائز ہے۔

588- [① صحيح : صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (۱۵۲۱) كتاب الجنائز : باب ما جاء في الأوقات التي لا يصلى فيها على الميت ' شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔] [② مسلم (۹۴۳) ابو داود (۳۱۴۸) نسائي (۳۳/۴) مسند أحمد (۲۹۵/۳) حاكم (۳۶۸/۱) بيهقي (۴۰۳/۳)]-

(۲۱۸) [بخاري (۱۳۰۴) كتاب الجنائز : البكاء عند المريض' مسلم (۹۲۴) كتاب الجنائز : باب البكاء على الميت' شرح السنة للبغوي (۱۵۲۹) ابن حبان (۳۱۵۹) بيهقي (۱۵۲۹)]

(۲۱۹) [شرح مسلم للنووي (۵۰۶/۳)]

(۲۲۰) [المغني لابن قدامة (۴۸۷/۳)]

(۲۲۱) [مجموع فتاوى لابن باز (۴۱۶/۱۳)]

(۲۲۲) [حسن : صحيح ابن ماجة (۱۲۳۴) كتاب الجنائز : باب ما جاء في الأوقات التي لا يصلى فيها على الميت ولا يدفن' ابن ماجة (۱۵۲۰)]

(۲۲۳) [بخاري تعليقا (قبل الحديث / ۱۳۴۰) كتاب الجنائز : باب الدفن بالليل]

(۲۲۴) [ابن أبي شيبة (۳۱/۳)' (۱۱۸۲۶-۱۱۸۲۷-۱۰) فتح الباري (۵۶۹/۳)]

(۲۲۵) [نيل الأوطار (۳۸/۳)]

(۲۲۶) [أيضا]

(۲۲۷) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۶۸/۳)]

(۲۲۸) [المحلى (۱۱۴/۵-۱۱۵)]

(۲۲۹) [أحكام الجنائز وبدعها (ص / ۱۷۶-۱۸۰)]

589- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ - حِينَ قُتِلَ - قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ)) أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ ۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع موصول ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جو انہیں (کھانا پکانے سے) مشغول رکھے گی۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے گھر والوں (اور دور سے آئے ہوئے ان کے رشتہ داروں) کے لیے کھانا پکانا مسنون ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ میت کا پڑوسی یا کوئی رشتہ دار میت کے گھر والوں کے لیے وفات کے دن ورات میں اتنا کھانا تیار کرے جو انہیں سیر کر دے' کیونکہ یہ سنت ہے۔ (۲۳۰) لیکن یہ یاد رہے کہ میت کے گھر والوں کا کھانا تیار کرنا اور پھر اہل علاقہ اور تعزیت کے لیے آنے والوں کا اسے کھانا' درست نہیں۔ جیسا کہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور تدفین کے بعد کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔ (۲۳۱) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ تدفین کے بعد میت کے گھر والوں کے پاس اکٹھے ہونا اور ان کے گھر سے کھانا' سلف اس لیے نوحہ کی ایک قسم شمار کرتے تھے کیونکہ یہ عمل میت کے گھر والوں پر مزید بوجھ ڈالنے اور انہیں مشغول کرنے کا باعث ہے حالانکہ وہ وفات کی وجہ سے پہلے ہی (سخت پریشانی میں گرفتار اور) مشغول ہیں۔ مزید برآں اس میں سنت کی مخالفت بھی ہے کیونکہ دوسرے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ وہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کریں لیکن انہوں نے سنت کی مخالفت کی اور اہل میت کو دوسروں کے لیے کھانا تیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ (۲۳۲)

590- وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ أَنْ يَقُولُوا : ((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ ' نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت سلیمان بن بریدہؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب صحابہ قبرستان کی طرف نکلتے تو رسول اللہ ﷺ انہیں سکھاتے کہ یوں کہا کرو ''اے مومنوں اور مسلمانوں کے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو۔ بلاشبہ ہم اگر اللہ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

589- [حسن : صحیح ابو داود ' ابو داود (۳۱۳۲) کتاب الجنائز : باب صنعة الطعام لأهل الميت ' ترمذی (۹۹۸) ابن ماجه (۱۶۱۰) احمد (۲۰۵/۱) حاکم (۳۷۲/۱) بیهقی (۶۱/٤) دارقطنی (۷۹/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔]

590- [مسلم (۹۷۵) کتاب الجنائز : باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها ' ابن ماجه (۱۵٤۷) نسائی (۹٤/٤) أحمد (۳۵۳/۵)]

(۲۳۰) [الأم للشافعی (۲٤۷/۱)]

(۲۳۱) [صحيح : أحكام الجنائز (ص/ ۲۱۰) ابن ماجة (۱۶۱۲) كتاب الجنائز : باب ما جاء في النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت' أحمد (۲۰٤/۲)] حافظ بوصیریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الزوائد (۵۳۵/۱)]

(۲۳۲) [نيل الأوطار (٤۸/۳)]

(فهم الحدیث) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیارتِ قبور مستحب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قبرستان میں داخلے کے وقت اہل قبور کے لیے سلامتی و عافیت کی دعا کرنا اور پھر اپنے لیے بھی عافیت کی دعا کرنا مشروع و مسنون ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اہل قبور کو حاجت روا' فریاد رس اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے دعائیں اور التجائیں کرنا شرک اکبر ہے اور اس غرض سے زیارتِ قبور بھی حرام ہے۔ حدیث کے ان الفاظ "من المومنين والمسلمين" سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ زیارت صرف مسلمانوں کے اہل قبور کے لیے سلامتی کی دعا کی جائے گی' کفار کے لیے نہیں۔ بلکہ کفار کو تو آگ کی بشارت دینی چاہیے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ یقیناً میرا باپ صلہ رحمی کیا کرتا تھا' اور یہ اور یہ (نیکیاں) کرتا تھا' تو وہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' جہنم کی آگ میں' گویا کہ وہ یہ بات سن کر غمگین ہو گیا۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کے والد کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' جہاں کہیں بھی تم کسی کافر کی قبر کے قریب سے گزرو تو اسے آگ کی بشارت دو۔"(۲۳۳) علامہ البانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کافر کی قبر کی زیارت کرے تو اس پر نہ تو سلام کہے اور نہ ہی اس کے لیے دعا کرے بلکہ اسے آگ کی بشارت دے اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔(۲۳۴)

591- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِقُبُورِ الْمَدِينَةِ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ: ((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی قبروں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو' اللہ ہمیں اور تمہیں بخش دے' تم ہم سے پہلے فوت ہونے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

592- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مردوں کو گالی مت دو کیونکہ انہوں نے جو آگے بھیجا ہے اس تک پہنچ چکے ہیں۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

593- وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ، لٰكِنْ قَالَ: ((فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ)).

اور ترمذی نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن اس میں ہے کہ "(مردوں کو گالی دے کر) تم زندوں کو اذیت دیتے ہو۔"

591- [ضعیف: ضعیف ترمذی' ترمذی (۱۰۵۳) کتاب الجنائز: باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

592- [بخاری (۱۳۹۳) کتاب الجنائز: باب ما ينهى من سب الأموات' نسائی (۵۳/۴) احمد (۱۸۰/۶) ابن حبان (۳۰۲۱) دارمی (۲۵۱۱) بیهقی (۷۵/۴)]

593- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۱۹۸۲) کتاب البر والصلة: باب ما جاء في الشتم' شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۳۳) [صحیح: السلسلة الصحيحة (۱۸) أحكام الجنائز (ص/۲۵۲) طبرانی کبیر (۱۹۱/۱) ابن السنی فی عمل اليوم والليلة (۵۸۸)]

(۲۳۴) [أحكام الجنائز وبدعها (ص/ ۲۵۱)]

لغوی توضیح لَا تَسُبُّوْا فعل نہی کا صیغہ ہے باب سَبَّ یَسُبُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''گالی دینا''۔ أَفْضَوْا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَفْضَى يُفْضِيْ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''پہنچ جانا''۔ قَدَّمُوْا بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب قَدَّمَ يُقَدِّمُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے ''آگے بھیجنا'' مراد ہے جو انہوں نے اپنے لیے عمل کیے۔

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''جب تمہارا ساتھی فوت ہو جائے تو اسے چھوڑ دو (یعنی اسے برا بھلا مت کہو)۔''(۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو سب وشتم کرنا جائز نہیں۔ حدیث کے ظاہری الفاظ اس کی حرمت کا تقاضا کرتے ہیں جیسا کہ امام صنعانیؒ نے فرمایا ہے۔(۲۳۶) شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مردوں کو گالی دینا مطلق طور پر حرام ہے خواہ میت مسلمان ہو یا کافر یا مسلمان فاسق ہو یا صالح۔(۲۳۷) البتہ اہل علم نے کفار وفساق کی اموات کے بعد ان کی برائیوں کو بیان کرنا جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کے برے اخلاق وعادات کو اپنانے سے بچے رہیں۔

---

(۲۳۵) [صحیح : السلسلة الصحيحة (۲۸۵) دارمی (۱۵۹/۲) ابن حبان (۳۱۲)]

(۲۳۶) [سبل السلام (۳۱۸/۲)]

(۲۳۷) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۷۸/۳)]

594۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى الْيَمَنِ ـ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ ـ وَفِيهِ: ((إِنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ، تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ـ
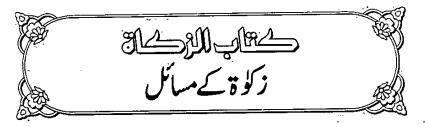
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا' پھر باقی حدیث ذکر فرمائی' اس میں یہ بھی ہے کہ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوۃ فرض کی ہے' جو ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی۔'' [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

لغوی توضیح لفظِ زکوۃ کا معنی ہے ''بڑھنا' نشوونما پانا اور پاکیزہ ہونا۔'' زکوۃ کی ادائیگی کے معنی کے لیے تین ابواب مستعمل ہیں۔ زَكَى يَزْكُوْ (بروزن نصر) زَكّٰى يُزَكِّي (بروزن تفعیل) اور تَزَكّٰى يَتَزَكّٰى (بروزن تفعّل)۔ صاحب قاموس نے زکوۃ کی تعریف یوں کی ہے کہ ''اپنے مال کو پاک کرنے کی غرض سے جو چیز بھی آپ نکالیں وہ زکوۃ ہے۔''(۱) زکوۃ کب فرض ہوئی اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علما کا کہنا ہے کہ یہ 2 ہجری میں رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی' بعض نے کہا ہے کہ یہ (قبل از ہجرت) مکہ میں ہی فرض ہو گئی تھی مگر اس کے تفصیلی احکام 2 ہجری میں مدینہ میں نازل ہوئے تھے۔(۲) شیخ ابن عثیمین ؒ نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔(۳) جبکہ شیخ صالح بن فوزان نے کہا ہے کہ زکوۃ دو ہجری میں فرض ہوئی۔(٤) اہل علم نے فرضیت زکوۃ کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ زکوۃ کو مال کی پاکیزگی' فقراء و مساکین سے تعاون' نفس کی بخیلی سے حفاظت اور مالی نعمت پر اللہ کے شکر کے لیے فرض کیا گیا ہے۔(٥) مذکورہ حدیث میں لفظ اِفْتَرَضَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِفْتَرَضَ يَفْتَرِضُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''فرض کرنا''۔ تُرَدُّ مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب رَدَّ يَرُدُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''لوٹانا''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے 10 ہجری میں یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ فرمایا تھا' آپ ﷺ نے انہیں زکوۃ سے بھی پہلے لوگوں کو کلمہ شہادت اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے خبردار کرنے کا حکم دیا تھا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل زکوۃ اموال سے زکوۃ کی ادائیگی فرض ہے۔ امام نوویؒ نے اس

594- [بخاری (١٤٥٨) كتاب الزكاة : باب لا تؤخذ أموال الناس في الصدقة، مسلم (١٩) ابو داود (١٥٨٤) ترمذی (٦٢٥) ابن ماجه (١٧٨٣) نسائی (٢/٥) احمد (٢٣٣/١) دارمی (١٦١٤)]

(١) [القاموس المحيط (ص/١١٦٣)]
(٢) [دیکھئے: فتح الباری (٤/٩-١٠) نيل الأوطار (٦٧/٣) فقه الزكوة للقرضاوی (٥٨/١)]
(٣) [مجموع فتاوى لابن عثيمين (١٨/١٥)]
(٤) [الملخص الفقهی للدکتور صالح بن فوزان (٣٢٠/١)]
(٥) [كما في الفقه الإسلامی وأدلته (١٧٩٠/٣)]
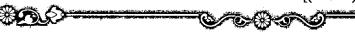
پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(٦) حدیث کے ان الفاظ ''زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں ہی تقسیم کر دی جائے گی'' سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس علاقے سے زکوٰۃ وصول کی جائے اسی میں تقسیم کی جانی چاہیے۔ اولین حق تو انہی کا ہے لیکن اگر وہاں کے لوگ محتاج نہ ہوں تو ایک علاقے کی زکوٰۃ دوسرے علاقوں میں بھی تقسیم کی جا سکتی ہے۔ جمہور علما ، امام مالکؒ ، امام شافعیؒ اور امام ثوریؒ نے دوسرے علاقے میں زکوٰۃ کی تقسیم کو ناجائز قرار دیا ہے جبکہ احناف اسے کراہت کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔(٧) راجح مسلک یہ ہے کہ کسی شرعی مصلحت وضرورت کے تحت زکوٰۃ کو دوسرے علاقوں میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ(٨) ، شیخ ابن جبرین(٩) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی(١٠) کا یہی فتویٰ ہے۔

❑ اگر کسی کو کسی چیز میں زکوٰۃ کی فرضیت کا علم ہی نہ ہو تو کیا وہ گناہگار ہے؟ اس کے متعلق شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ (اگر آپ کو پہلے علم نہیں تھا تو پھر جب بھی علم ہو جائے آپ پر لازم ہے کہ سابقہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کریں اور آپ کی (فرضیت زکوٰۃ کے حکم سے) جہالت آپ سے زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرے گی کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت ایسا حکم ہے جو دین میں ضروری طور پر معلوم ہے اور یہ حکم مسلمانوں پر مخفی بھی نہیں' نیز زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے تیسرا رکن بھی ہے۔ لہٰذا آپ پر واجب ہے کہ فوراً سابقہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کر دیں۔ مزید یہ کہ تاخیر کے لیے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار بھی کریں۔ اللہ ہمیں' آپ کو اور ہر مسلمان کو معاف فرمائے۔(١١)

595- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ : هَذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَالَّتِي أَمَرَ اللَّهُ بِهَا رَسُولَهُ : ((فِي كُلِّ أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُونَهَا الْغَنَمُ : فِي كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ ، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثَى ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ أُنْثَى ، فَإِذَا بَلَغَتْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے تحریر فرمایا کہ یہ زکوٰۃ کا وہ فریضہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ چوبیس اور اس سے کم اونٹوں پر بکریاں دی جائیں گی' ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے' جب اونٹوں کی تعداد پچیس (25) تک پہنچ جائے تو چھتیس (36) تک ایک ایک سالہ اونٹنی ہے' اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر دو سالہ نر اونٹ ہے' جب تعداد چھتیس تک پہنچ جائے تو پینتالیس (45) تک ایک دو سالہ اونٹنی ہے' جب تعداد چھیالیس (46) ہو جائے تو ساٹھ (60) تک تین سالہ اونٹنی ہے جو اونٹ کی جفتی کے قابل ہو' جب تعداد اکسٹھ (61) تک پہنچ جائے تو

595- [بخاری (١٤٥٤) كتاب الزكاة : باب زكاة الغنم ' ابو داود (١٥٦٧) ابن ماجه (١٨٠٠) نسائی (١٨/٥) احمد (١١/١) حاكم (٣٩٠/١) بيهقی (٨٥/٤) ابن حبان (٣٢٦٦) دارقطنی (١١٣/٢)]

(٦) [شرح مسلم للنووی (١١٨/٢)]

(٧) [الأم (٩١/٢) المغنی (١٣١/٤) المبسوط (١٨/٣) الاختيار (١٢٢/١) نيل الأوطار (١١٠/٣) تحفة الأحوذی (٣٠٤/٣)]

(٨) [الاختيارات الفقهية (ص / ٩٩_١٠٤) مجموع الفتاوى لابن تيمية (٨٥/٢٥)]

(٩) [فتاوى إسلامية (٦٥/٢)] (١٠) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٤١٧/٩)]

(١١) [مجموع الفتاوى لابن باز (٢٣٩/١٤)]

سِتًّا وَأَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْجَمَلِ ، فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَسِتِّينَ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ ، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِينَ إِلَى تِسْعِينَ فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْجَمَلِ ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ ، وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ مِنَ الْإِبِلِ فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا ، وَفِي صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِي سَائِمَتِهَا إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ شَاةٍ شَاةٌ ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ إِلَى مِائَتَيْنِ فَفِيهَا شَاتَانِ ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ ، فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ أَرْبَعِينَ شَاةٍ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ ، وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ ، وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْمُصَدِّقُ ، وَفِي الرِّقَّةِ : فِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ رُبْعُ الْعُشْرِ ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعِينَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا ، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ

پچھتر (75) تک چار سالہ اونٹنی ہے' جب تعداد چھہتر (76) تک پہنچ جائے تو نوے (90) تک دو' دو سالہ اونٹنیاں ہیں' جب اکانوے (91) ہو جائے تو ایک سو بیس (120) تک دو تین سالہ اونٹنیاں ہیں جو اونٹ کی جفتی کے قابل ہوں' جب تعداد ایک سو بیس سے بڑھ جائے تو پھر ہر چالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی اور ہر پچاس میں ایک تین سالہ اونٹنی ہے اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہی ہوں اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں الا کہ اس کا مالک چاہے' باہر چرنے والی بکریوں کی زکوٰۃ یوں ہے کہ جب ان کی تعداد چالیس (40) ہو جائے تو ایک سو بیس (120) تک ایک بکری ہے' جب تعداد ایک سو بیس سے بڑھ جائے تو دوسو (200) تک دو بکریاں ہیں' اگر تعداد دوسو سے بڑھ جائے تو تین سو تک تین بکریاں ہیں اور اگر تین سو سے بھی زیادہ ہو جائیں تو پھر ہر سو بکری پر ایک بکری ہے اور اگر کسی آدمی کی باہر چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں الا کہ ان کا مالک چاہے' زکوٰۃ کے ڈر سے نہ تو متفرق جانوروں کو اکٹھا کیا جائے اور نہ اکٹھے جانوروں کو جدا جدا کیا جائے' جو جانور دو شریکوں کے مشترکہ ہوں گے وہ برابر برابر ان کی زکوٰۃ ادا کریں گے' زکوٰۃ میں بوڑھا' بھینگا اور سانڈ نہ دیا جائے الا کہ زکوٰۃ دینے والا خود چاہے (تو سانڈ دے سکتا ہے)' چاندی کی زکوٰۃ یوں ہے کہ دو سو (200) درہموں میں چالیسواں حصہ ادا کیا جائے گا اور اگر صرف ایک سو نوے (190) درہم ہوں تو ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں الا کہ ان کا مالک چاہے' جس کے پاس چار سالہ اونٹنی کی زکوٰۃ کے برابر اونٹ ہوں لیکن اس کے پاس چار سالہ اونٹنی نہ ہو اور اس کے پاس تین سالہ اونٹنی ہو تو وہی اس سے قبول کر لی جائے گی' البتہ وہ اس کے ساتھ دو بکریاں بھی دے گا اگر اس کے پاس میسر ہوں تو یا پھر وہ بیس درہم دے دے گا اور جس کے پاس تین سالہ اونٹنی کی زکوٰۃ کے برابر اونٹ ہوں لیکن اس کے پاس تین سالہ اونٹنی نہ ہو بلکہ اس کے پاس چار سالہ اونٹنی ہو تو وہی اس سے قبول

فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ، وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ، أَوْ عِشْرِينَ دِرْهَمًا، وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ، وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ، فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ، وَيُعْطِيهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

کر لی جائے گی' البتہ زکوۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں دے گا۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح بِنْت مَخَاض ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی عمر کا پہلا سال مکمل ہو کر دوسرا شروع ہو چکا ہو اور اس کی ماں حاملہ ہونے کے قابل ہو جائے اگر چہ ابھی تک حاملہ نہ ہوئی ہو۔ ابن لبون وہ اونٹ ہے جو دو سال کی عمر مکمل کر کے تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ بنت لبون ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جو دو سال کی عمر پوری کر کے تیسرے سال میں قدم رکھ چکی ہو۔ حِقَّه ایسی اونٹنی جو تین سال کی عمر پوری کر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ جَذْعَه وہ اونٹنی جو اپنی عمر کے چار سال مکمل کر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہو۔ خَلِيطَيْن تثنیہ ہے خَلِيط سے' اس کا معنی ہے "شریک"۔ هَرِمَة بوڑھے جانور کو ذَاتُ عَوَار بھینگے کو اور تَيْس سانڈ کو کہتے ہیں۔ الرِّقَّة کا معنی ہے "چاندی"۔ الْمُتَصَدِّق زکوۃ دینے والے اور الْمُصَدِّق زکوۃ وصول کرنے والے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث میں اونٹوں' بکریوں اور چاندی کی زکوۃ کا نصاب بیان ہوا ہے۔ اس نصاب پر اجماع ہے جیسا کہ امام نوویؒ (۱۲) اور امام ابو عبیدؒ (۱۳) نے نقل فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس نصاب سے ایک بھی جانور یا درہم وغیرہ کم ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے دینا چاہے تو دے سکتا ہے جیسے کسی کے پاس چار اونٹ یا انتالیس بکریاں یا ایک سو نا نوے درہم ہوں تو اس پر زکوۃ تو واجب نہیں لیکن اگر وہ دینا چاہے تو اسے روکا نہیں جا سکتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں ہر قسم کی دھوکہ دہی سے باز رہنا چاہیے مثلاً زکوۃ کے ڈر سے اکٹھے جانوروں کو الگ کر لینا یا الگ الگ جانوروں کو اکٹھا کر لینا وغیرہ۔ اکٹھے جانوروں کو الگ کرنے کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی اکٹھے ہیں۔ دو سو دو (202) بکریاں ان کی ملکیت میں ہیں اس طرح دونوں پر تین بکریاں زکوۃ میں دینا لازم ہے مگر جب زکوۃ وصول کرنے والا ان کے پاس پہنچتا ہے تو دونوں اپنی اپنی بکریاں الگ کر لیتے ہیں یعنی اب ہر ایک کے پاس ایک سو ایک (101) بکریاں ہیں۔ اس طرح ان میں سے ہر ایک کو صرف ایک ہی بکری ادا کرنی ہوگی۔ الگ الگ کو اکٹھا کرنے کی صورت یہ ہے کہ تین آدمیوں میں سے ہر ایک کی چالیس چالیس بکریاں ہیں۔ الگ الگ کی صورت میں ہر ایک کو ایک ایک بکری زکوۃ دینا واجب آتی ہے اس طرح مجموعی طور پر تین بکریاں دینی پڑیں گی مگر جب زکوۃ وصول کرنے والا ان کے پاس پہنچتا ہے تو وہ دونوں اپنی اپنی بکریاں جمع کر لیتے ہیں اور تعداد ایک سو بیس (120) بن جانے کی وجہ سے تینوں پر صرف ایک بکری بطور زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (۱۴) امام شوکانیؒ نے ایسے ہر حیلے کو باطل قرار دیا ہے۔ (۱۵)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشترکہ جانوروں کے مالک زکوۃ کی ادائیگی میں برابر برابر شریک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب زکوۃ وصول کرنے والا دونوں کے مجموعے پر واجب زکوۃ ایک بکری کی صورت میں وصول کر لیتا ہے تو

---

(۱۲) [المجموع (٤٠٠/٥)]
(۱۳) [الأموال (ص/٣٦٣)]
(۱٤) [دیکھئے: فتح الباری (٣٦٨/٣) تحفة الأحوذی (٢٩٥/٣)]
(۱٥) [السيل الجرار (٨٢٨/١)]

یقیناً یہ ایک آدمی کی بکریوں میں سے وصول ہوئی ہے حالانکہ اس کے ذمہ تو نصف بکری ہے اور باقی نصف اس کے دوسرے ساتھی پر ہے۔ تو اب زکوۃ وصول کرنے والا دوسرے ساتھی سے نصف بکری کی قیمت وصول کر کے پہلے کے حوالے کر دے گا۔ اس طرح دونوں کی طرف سے ان پر واجب زکوۃ ادا ہو جائے گی' کسی بھی کمی بیشی کی شکایت نہیں رہے گی۔(۱۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ میں بوڑھا' بھینگا اور نر جانور نہیں دینا چاہیے' البتہ اگر مالک خود نر جانور دینے پر رضامند ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ''زکوۃ کی مد میں کوئی بھی عیب دار جانور نہ لیا جائے۔''(۱۷) یہاں یہ بات یاد رہے کہ جانوروں پر فرضیت زکوۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ سائمہ ہوں' معلوفہ نہ ہوں یعنی ان کی پرورش کا اکثر و بیشتر انحصار پہاڑوں' جنگلوں یا دیگر سبزہ دار جگہوں میں چرنے پر ہو نہ کہ گھریلو چارے پر۔(۱۸)

596- وَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ بَقَرَةً تَبِيعًا أَوْ تَبِيعَةً ، وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةً ، وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ عَدْلَهُ مَعَافِرِيًّا)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ اللَّفْظُ لِأَحْمَدَ وَ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَشَارَ إِلَى اخْتِلَافٍ فِي وَصْلِهِ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یمن کی طرف روانہ فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ وہ ہر تیس گائیوں پر ایک سالہ نر بچھڑا یا مادہ گائے وصول کریں اور ہر چالیس گائیوں پر ایک دو سالہ گائے وصول کریں اور ہر جوان سے ایک دینار یا معافری کپڑا لیں۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، یہ لفظ احمد کے ہیں، ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور اس کے موصول ہونے میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح تَبِيع گائے کا ایسا نر بچہ جو ایک سال کی عمر پوری کر کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور اسے تبیع اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اپنی ماں کے پیچھے چلنے لگتا ہے۔ تَبِيعَة تبیع کے مادہ کو کہتے ہیں۔ مُسِنَّة ایسا جانور جس کے دو دانت نکل آئے ہوں (یعنی دو سال مکمل کر کے تیسرے میں داخل ہو چکا ہو)۔(۱۹) حَالِم سے مراد بالغ ہے۔ مَعَافِرِي معافر کی طرف نسبت ہے' یہ ہمدان کے ایک قبیلے کا نام ہے' معافری کپڑے اسی کی طرف منسوب ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث میں گائے کی زکوۃ کا نصاب بیان ہوا ہے۔ امام نوویؒ نے گائے کی زکوۃ کے متعلق مروی احادیث میں سے اس حدیث کو سب سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔(۲۰) ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے کہا ہے کہ گائیوں پر وجوب زکوۃ

596- [صحیح : صحیح أبو داود' ابو داود (۱۵۷۶-۱۵۷۸) کتاب الزکاۃ : باب فی زکاۃ السائمة' ترمذی (۶۲۳) ابن ماجه (۱۸۰۳) نسائی (۲۵/۵) احمد (۲۳۰/۵) ابن خزیمة (۲۲۶۸) حاکم (۳۹۸/۱) ابن حبان (۷۹۴-الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۶) [دیکھیے : إرشاد الساری (۳۷۷/۳) تحفة الأحوذی (۲۹۵/۳)]

(۱۷) [صحیح : صحیح أبو داود (۱۳۸۶) کتاب الزکاۃ : باب زکاۃ السائمة' أبو داود (۱۵۶۸) ترمذی (۶۲۱) حاکم (۳۹۲/۱) أحمد (۱۴/۲)]

(۱۸) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقه الزکاۃ للدکتور یوسف قرضاوی (۱۶۹/۱-۱۷۳) الدر المختار مع رد المحتار (۲۰/۲-۲۱) الروض النضیر (۳۹۹/۲) الأموال ۳۸۰-۳۸۲) شرح الرسالة لابن ناجی (۳۳۵/۱)]

(۱۹) [دیکھیے: تحفة الأحوذی (۲۹۷/۳) التعلیقات الرضية علی الروضة الندية (۴۹۴/۱)]

(۲۰) [شرح مسلم (۷۶/۴)]

کے بارے میں سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔(۲۱) یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اہل علم نے بھینس کو بھی حکم میں گائے کی مانند ہی قرار دیا ہے' جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے اور امام ابن منذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۲۲) علاوہ ازیں اس حدیث میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کرنے کا بھی حکم ہے' جس کی مقدار حالات کے مطابق حاکم وقت مقرر کرے گا۔(۲۳)

597- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((تُؤْخَذُ صَدَقَاتُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى مِيَاهِهِمْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ ' وَلِأَبِي دَاوُدَ أَيْضًا : ((وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي دُورِهِمْ)) .

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں کی زکوٰۃ ان کے پانی پلانے کی جگہوں سے وصول کی جائے گی۔" [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابوداود میں بھی اسی طرح ہے کہ] "مسلمانوں کے صدقات صرف ان کے گھروں پر ہی وصول کیے جائیں۔"

لغوی توضیح مِيَاه جمع ہے مَاء کی' معنی ہے "پانی" مراد ہے گھاٹ جہاں لوگ جانوروں کو پانی پلانے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ دُوْر جمع ہے دَار کی اس کا معنی ہے "گھر" مراد ہے لوگوں کے علاقے' قبیلے اور رہائش گاہیں وغیرہ۔

فهم الحديث اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو چاہیے کہ لوگوں کے علاقوں اور رہائش گاہوں پر خود پہنچ کر زکوٰۃ وصول کریں کیونکہ اس میں لوگوں کے لیے سہولت ہے' انہیں اپنے پاس حاضر ہونے کی تکلیف نہ دیں۔ امام شوکانیؒ نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے۔(۲۴) شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رعایا کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا اور معاملات میں' حتی کہ جن امور کی ادائیگی ان پر واجب ہے اُن میں بھی' ان پر باعث مشقت تکلیف نہ ڈالنا واجب ہے۔(۲۵)

598- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ وَلَا فِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ' وَلِمُسْلِمٍ : ((لَيْسَ فِي الْعَبْدِ صَدَقَةٌ إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ)) .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم میں ہے کہ] "غلام میں زکوٰۃ نہیں سوائے صدقہ فطر کے۔"

597- [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۲۹۰۴)' (۷۴۸۴) السلسلة الصحيحة (۱۷۷۹) مسند احمد (۱۸۰/۲) ابو داود (۱۵۹۱) ابن الجارود (۳۴۵) بیهقی (۱۱۰/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

598- [بخاری (۱۴۶۳-۱۴۶۴) کتاب الزکاة : باب ليس على المسلم في فرسه صدقة' مسلم (۹۸۲) ابو داود (۱۵۹۴) ترمذی (۶۲۸) ابن ماجه (۱۸۱۲) نسائی (۳۵/۵) مسند احمد (۲۴۰/۲) دارمی (۱۶۳۲) ابن الجارود (۳۵۴) ابن حبان (۳۲۶۸)]

---

(۲۱) [فقه الزكاة (۱۹۳/۱)]

(۲۲) [مجموع الفتاوى لابن تيمية (۲۵/۲۵)]

(۲۳) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب: فقه الحدیث' جلد دوم' صفحه نمبر 793]

(۲۴) [نيل الأوطار (۱۱۷/۳)]

(۲۵) [توضيح الأحكام (۳۰۹/۳)]

فهم الحدیث معلوم ہوا کہ غلام اور گھوڑے میں زکوۃ نہیں۔ واضح رہے کہ غلام سے مراد ایسا غلام ہے جو انسان نے اپنی خدمت کے لیے رکھا ہوا اور گھوڑے سے مراد ایسا گھوڑا ہے جو اپنی سواری کے لیے مخصوص ہو' پھر ان میں زکوۃ نہیں ہوگی لیکن اگر انہیں تجارت کے لیے رکھا ہو تو پھر ان میں بھی تجارتی مال ہونے کی حیثیت سے زکوۃ لازم ہوگی۔ جمہور علما (۲٦)، سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۷) اور شیخ سلیم ہلالی (۲۸) نے یہی موقف اپنایا ہے جبکہ امام ابن حزمؒ اور اہل ظاہر (۲۹) کا کہنا ہے کہ تجارتی گھوڑے اور غلام میں بھی زکوۃ نہیں' ان کا موقف درست نہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غلام کی طرف سے صدقہ فطر کی ادائیگی واجب ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ غلام پر زکوۃ الفطر واجب ہے خواہ وہ خدمت کے لیے ہو یا تجارت کے لیے۔ (۳۰)

599- وَ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((فِي كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ: فِي أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ، لَا تُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا، مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا بِهَا فَلَهُ أَجْرُهَا، وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوهَا وَشَطْرَ مَالِهِ، عَزْمَةٌ مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا، لَا يَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْءٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ عَلَّقَ الشَّافِعِيُّ الْقَوْلَ بِهِ عَلَى ثُبُوتِهِ۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "باہر چرنے والے تمام اونٹوں میں چالیس پر ایک دو سالہ اونٹنی ہے' اونٹوں کو اپنے حساب سے جدا نہیں کیا جائے گا' جو اجر و ثواب کی نیت سے زکوۃ ادا کرے گا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور جو اسے روک لے گا تو ہم اس سے زبردستی وصول کریں گے اور (بطور جرمانہ) اس کا نصف مال بھی' یہ ہمارے پروردگار کے تاکیدی حکموں میں سے ایک ہے اور آل محمد کے لیے اس میں سے کچھ بھی حلال نہیں۔" [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور شافعی نے اس کے ثبوت پر اپنا قول معلق بیان کیا ہے (یعنی اگر یہ روایت صحیح ہے تو میرا قول اس کے مطابق ہے)۔]

لغوی توضیح مُؤْتَجِرًا کا معنی ہے "اجر و ثواب کے ارادے سے"۔ شَطْر نصف کو کہتے ہیں۔ عَزْمَة کا معنی ہے

599- [حسن : صحیح ابو داود' ابو دود (۱۵۷۵) کتاب الزكاة : باب فی زكاة السائمة' نسائی (۲٥/٥) أحمد (۲/٥-۳) دارمی (۱٦۷۷) ابن الجارود (۳٤۱) حاکم (۳۹۸/۱) بیهقی (۱۰٥/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

---

(۲٦) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے : نصب الراية مع الهداية (۳٦۳/۲) الأم للشافعي (۳٤/۲) شرح المهذب (۳۱۱/٥) الحاوی للماوردی (۱۹۱/۳) بدائع الصنائع (۳٤/۲) المبسوط (۱۸۹/۲) تحفة الفقهاء (٤٥۲/۱) كشاف القناع (۱٦۷/۲) فتح العلام (ص / ۳۲۳) نیل الأوطار (۱٥۳/٤)]

(۲۷) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۲۱۷/۹)]

(۲۸) [موسوعة المناهي الشرعية (۸۹/۲)]

(۲۹) [المحلى (۲۰۹/٥)]

(۳۰) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۳۱۲/۳)]

''تاکیدی حکم'' مراد ہے فرائض وواجبات۔ آلِ محمد سے مراد بنو ہاشم اور بنو مطلب شامل ہیں۔ (۳۱)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر چالیس اونٹوں پر ایک دو سالہ اونٹنی بطور زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ مسئلہ گزشتہ حدیث نمبر 595 میں بھی بیان ہوا ہے کہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے بڑھ جائے تو ہر چالیس اونٹوں پر ایک دو سالہ اونٹنی ہے۔ اونٹوں کو جدا کرنے والا مسئلہ بھی اسی حدیث کے تحت گزر چکا ہے کہ اکٹھے جانوروں کو زکوٰۃ کے ڈر سے الگ الگ نہیں کرنا چاہیے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ازخود زکوٰۃ کی ادائیگی پر راضی نہ ہو حاکم وقت اس سے زبردستی بھی زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے' زکوٰۃ روکنے والوں کے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا (۳۲) اور فرمانِ نبوی کے مطابق زکوٰۃ روکنے والوں کو قحط سالی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ (۳۳) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آلِ محمد کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں (اس مسئلے کا تفصیلی بیان آئندہ حدیث نمبر 640 کے تحت آئے گا)۔

600- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ ـ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ ـ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ' وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ حَتَّى يَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ ' فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ ' فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ ' وَلَيْسَ فِي مَالٍ زَكَاةٌ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ' وَهُوَ حَسَنٌ ' وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي رَفْعِهِ ـ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تیرے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم (زکوٰۃ) ہے اور جب تک تمہارے پاس بیس دینار نہ ہوں اور ان پر مکمل سال کا عرصہ نہ گزر جائے تب تک تم پر کوئی چیز نہیں (جب بیس دینار ہو جائیں) تو ان میں نصف دینار زکوٰۃ ہے اور جو اس سے زیادہ ہوگا تو اسی حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور کسی مال پر بھی اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر مکمل ایک سال نہ گزر جائے۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ روایت حسن ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔]

601- وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ

اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''جسے کوئی

600- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۱۵۷۳) كتاب الزكاة : باب في زكاة السائمة' ترمذى (۶۲۰) ابن ماجه (۱۷۹۰) نسائى (۳۷/۵) احمد (۹۸/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

601- [صحيح : صحيح ترمذى' ترمذى (۶۳۱) كتاب الزكاة : باب ما جاء لا زكاة على المال المستفاد ......' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرفوعاً ضعیف کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(۳۱) [دیکھئے: بخارى (۳۱۴۰' ۳۵۰۲) كتاب فرض الخمس : باب ومن الدليل على أن الخمس للإمام ' أحمد (۸۱/۴) أبو داود (۲۹۷۸) كتاب الخراج والإمارة والفيء : باب في بيان مواضع قسم الخمس وسهم ذى القربى ' نسائى (۴۱۳۶) كتاب قسم الفيء : باب ' ابن ماجة (۶۸۸۱) بيهقى (۳۴۱/۶)]

(۳۲) [بخارى (۱۳۹۹' ۱۴۰۰) كتاب الزكاة : باب وجوب الزكاة ' مسلم (۲۰) كتاب الإيمان : باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا : لا إله إلا الله محمد رسول الله ويقيموا الصلاة ' ابو داود (۱۵۵۶) ترمذى (۲۶۰۷) نسائى (۲۴۴۲) ' (۳۰۹۲) عبد الرزاق (۱۸۷۱۸) ابن حبان (۲۱۶) ابن منده (۲۴) بيهقى فى السنن الكبرى (۴/۷) تحفة الأشراف (۱۰۶۶۶)]

(۳۳) [حسن صحيح : صحيح الترغيب (۷۶۴) كتاب الصدقات]

عَنْهُ : ((مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ)) وَالرَّاجِحُ وَقْفُهُ ۔

مال حاصل ہو تو اس پر اس وقت تک کوئی زکوٰۃ نہیں جب تک اس پر سال کا عرصہ نہ گزر جائے۔" [یہی بات راجح ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔]

لغوی توضیح مَائَتَا دِرْهَمٍ کا معنی ہے "دو سو درہم (چاندی)"۔ موجودہ وزن کے مطابق دو سو درہم' تقریباً ساڑھے باون (52.5) تولے یعنی سات سو پینتیس (735) گرام چاندی کے برابر ہیں۔ عِشْرُونَ دِينَارًا "بیس دینار"۔ موجودہ وزن کے مطابق بیس دینار' تقریباً ساڑھے سات (7.5) تولے یعنی ایک سو پانچ (105) گرام سونے کے برابر ہیں۔ اسْتَفَادَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اسْتَفَادَ يَسْتَفِيدُ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے "حاصل ہونا"۔ الرَّاجِحُ وَقْفُهُ کا معنی ہے "اس روایت کا موقوف ہونا ہی راجح ہے' لیکن واضح رہے کہ یہ مرفوعاً بھی ثابت ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث میں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب بیان ہوا ہے۔ چاندی کا نصاب دو سو درہم اور سونے کا نصاب بیس دینار ہے' اگر اس سے کچھ بھی چاندی یا سونا کم ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی' ہاں اگر مالک خود اپنی مرضی سے دینا چاہے تو اور بات ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جتنا سونا یا چاندی نصاب سے زیادہ ہوگی اس میں بھی چالیسویں حصے کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ زائد مقدار کم ہو یا زیادہ۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھی مال میں فرضیتِ زکوٰۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ نصاب تک پہنچنے کے بعد اس پر ایک سال گزر چکا ہو' اگر سال پورا ہونے سے پہلے ہی مال نصاب سے کم ہو جائے تو وجوب ساقط ہو جائے گا۔(٣٤)

602- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ((لَيْسَ فِي الْبَقَرِ الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الرَّاجِحُ وَقْفُهُ أَيْضًا ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "کام کرنے والے بیلوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔" [اسے ابوداود اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کا بھی موقوف ہونا ہی راجح ہے۔]

فہم الحدیث عاملہ جانوروں سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں مختلف کاموں مثلاً کھیتی باڑی' کنوئیں سے پانی نکالنا' بوجھ اٹھانا وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو جائے' کیونکہ ان سے پیداوار حاصل کرنے کا کام لیا جاتا ہے اور یہ آلاتِ تجارت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ تمام اشیاء بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گی جو ذرائع آمدن کے طور پر استعمال ہوتی ہیں مثلاً کرائے کی دکانیں' کرائے کے مکان' کرائے کی گاڑیاں' فیکٹریوں کی زمین' مشینری اور عمارت وغیرہ کیونکہ ان پر وجوب زکوٰۃ کی کوئی دلیل نہیں۔ البتہ ان کی آمدن پر زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ وہ خود یا دیگر اموال کے ساتھ ملا کر نصاب کو پہنچتی ہو۔

603- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : ((مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو یتیم کے مال کا نگران بنے اسے چاہیے کہ یتیم کے مال کو تجارت میں لگائے اور اسے یونہی

602- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (١٥٧٢) كتاب الزكاة : باب في زكاة السائمة' دارقطني (١٠٣/٢)]

603- [ضعيف : ضعيف ترمذي' ترمذي (٦٤١) دارقطني (١٠٩/٢) شیخ عبد اللہ بسام نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

(٣٤) [اس مسئلے کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "زکوٰۃ کی کتاب" ملاحظہ فرمائیے۔]

فَلْيَتَّجِرْ لَهُ، وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ، وَلَهُ شَاهِدٌ مُرْسَلٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ۔

پڑا نہ رہنے دے کہ اسے زکوٰۃ ہی کھا جائے۔'' [اسے ترمذی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے' البتہ شافعی کے پاس اس کا ایک مرسل شاہد ہے۔]

لغوی توضیح وَلِیَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب وَلِیَ یَلِی (بروزن حسب) سے' اس کا معنی ہے ''نگران اور متولی بنا''۔ فَلْيَتَّجِرْ فعل امر کا صیغہ ہے باب اتَّجَرَ یَتَّجِرُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''تجارت کرنا''۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کے مال میں بھی زکوٰۃ فرض ہے' اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے مگر معنی صحیح ہے۔ جمہور علما کے نزدیک یتیم کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں مگر صرف اس کے پھلوں اور کھیتوں میں عشر واجب ہے (امام ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ ہمیں علم نہیں کہ ان سے پہلے بھی کوئی اس تقسیم کا قائل ہو)۔ (۳۵) راجح مسلک یہی ہے کہ یتیم کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ یہ مال کا حق ہے اور یہ کسی کے یتیم ہونے سے ساقط نہیں ہوتا' البتہ اس کی ادائیگی یتیم کے سرپرست پر لازم ہوگی۔ امام شوکانیؒ (۳۶)، امام ابن عبد البرؒ (۳۷)، امام ابن حزمؒ (۳۸)، امام ابن قدامہؒ (۳۹)، علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ (۴۰) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۴۱) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ نیز یہی حکم نابالغ بچے اور پاگل کے مال کا بھی ہے۔

604- وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ : ((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی قوم اپنی زکوٰۃ لے کر آتی تو آپ ﷺ (ان کے لیے) یہ دعا فرماتے ''اے اللہ! ان پر رحمت نازل فرما۔'' [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ دینے والوں کے لیے خیر و برکت کی دعا کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اپنی زکوٰۃ حاکم وقت یا اس کے مقرر کردہ کسی امیر تک پہنچا سکتا ہے۔

604- [بخاری (۱۴۹۷) كتاب الزكاة : باب صلاة الإمام ودعائه لصاحب الصدقة، مسلم (۱۰۷۸) ابو داود (۱۵۹۰) ابن ماجه (۱۷۹۶) نسائی (۳۱/۵) احمد (۳۵۳/۴) بیهقی (۱۵۷/۴)]

(۳۵) [الأم للشافعي (۳۵/۲) شرح المهذب (۳۰۰/۵) الحاوی (۱۵۲/۳) روضة الطالبين (۳/۲) كشاف القناع (۱۶۹/۲) سبل السلام (۱۸۳/۲) الاستذكار لابن عبد البر (۱۵۶/۳)]

(۳۶) [نيل الأوطار (۶۸/۳-۶۹)]

(۳۷) [الاستذكار لابن عبد البر (۱۵۶/۳)]

(۳۸) [المحلى بالآثار (۴/۴-۵)]

(۳۹) [المغنى (۶۹/۴)]

(۴۰) [تحفة الأحوذی (۱۵/۲)]

(۴۱) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۴۱۰/۹)]

605- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ الْعَبَّاسَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ، فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذَلِكَ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا مقررہ وقت سے پہلے زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔[اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث مقررہ وقت سے مراد یہ ہے کہ کسی قابل زکوۃ چیز کے نصاب تک پہنچنے کے بعد اس پر مکمل ایک سال کا عرصہ گزر جانا۔ یہ فرضیت زکوۃ کا وقت ہے۔ لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سے پہلے بھی زکوۃ ادا کی جا سکتی ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جیسے وقت سے پہلے نماز یا حج کی ادائیگی درست نہیں اسی طرح زکوۃ کی ادائیگی بھی درست نہیں۔(٤٢) لیکن مذکورہ بالا واضح حدیث اس موقف کی تردید کرتی ہے۔ امام ابن قدامہؒ(٤٣)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(٤٤)، امام ابن حزمؒ(٤٥) اور شیخ ابن بازؒ(٤٦) نے بھی وقت سے پہلے زکوۃ کی ادائیگی کے جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے۔

606- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ نہیں' پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں اور پانچ وسق کھجور سے کم میں زکوۃ نہیں۔''[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

607- وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنْ تَمْرٍ وَلَا حَبٍّ صَدَقَةٌ)) وَأَصْلُ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

اور مسلم میں ہی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''پانچ وسق سے کم کھجور اور غلے میں زکوۃ نہیں۔''[اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کی اصل بخاری اور مسلم میں ہے۔]

605- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (١٦٢٤) ترمذی (٦٧٨) ابن ماجه (١٧٩٥) احمد (١٠٤/١) دارمی (١٦٣٦) دارقطنی (١٢٣/٢) حاكم (٣٣٢/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

606- [مسلم (٩٨٠) كتاب الزكاة : باب' ابن ماجه (١٧٩٤) احمد (٢٩٦/٣) ابن خزيمة (٢٣٠٤)]

607- [مسلم (٩٧٩) كتاب الزكاة : باب' نسائی (٣٩/٥) مزید دیکھئے: بخاری (١٤٤٧) مسلم (٩٧٩) ابو داود (١٥٥٨) ترمذی (٦٢٦) ابن ماجه (١٧٩٣) احمد (٦/٣) نسائی (١٧/٥)]

---

(٤٢) [نيل الأوطار (١٠٩/٣)]

(٤٣) [المغنی (٧٩/٤)]

(٤٤) [تحفة الأحوذی (٤٠٢/٣)]

(٤٥) [المحلى بالآثار (٢١٣/٤)]

(٤٦) [فتاوى إسلامية (٥٧١/٢)]

لغوی توضیح أَوَاق جمع ہے أوقیہ کی'ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں اور پانچ اوقیہ میں دوسو درہم ہوئے۔ ذَوْد اونٹ کے معنی میں ہے' یہ اسم جمع ہے اس میں مذکر اور مؤنث دونوں شامل ہیں۔ أَوْسُق جمع ہے وَسَق کی' ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں اور ایک مد ایک رطل اور تہائی رطل کے برابر ہوتا ہے۔ جدید وزن کے مطابق ایک صاع تقریباً اڑھائی کلوگرام کے برابر ہوتا ہے اور پانچ وسق تقریباً بیس من کے برابر۔ حَبّ بیج کو کہتے ہیں مثلاً گندم اور جو وغیرہ۔

فهم الحديث اس حدیث میں پھلوں اور مختلف غلہ جات کی زکوٰۃ کا نصاب بیان ہوا ہے اور وہ ہے پانچ وسق یعنی تقریباً بیس من۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم غلے میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے عمومی دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ رائے اختیار کی ہے کہ غلہ خواہ کم ہو یا زیادہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔(٤٧) یہ رائے مذکورہ بالا صریح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں اور جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔ امام ابن قیمؒ (٤٨)، امام ابن حزمؒ (٤٩)، امام ابن قدامہؒ (٥٠)، امام ابن منذرؒ (٥١) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٥٢) نے بھی جمہور کی رائے کے مطابق ہی فتویٰ دیا ہے۔

608- وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلِأَبِي دَاوُدَ: ((إِذَا كَانَ بَعْلًا الْعُشْرُ وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّوَانِي أَوِ النَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ)).

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "وہ زمین جسے آسمان یا چشمہ سیراب کرتا ہو یا وہ خود بخود نمی کی وجہ سے سیراب ہو جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور جسے کنوئیں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداود میں ہے کہ] "اگر زمین (بارش کے بغیر صرف) زمینی نمی سے ہی سیراب ہو جاتی ہو تو اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور اگر زمین جانوروں کے ذریعے پانی لا کر یا کنوئیں سے پانی نکال کر سیراب کی جاتی ہو تو اس میں بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔"

لغوی توضیح اَلْعُيُوْن جمع ہے عَيْن کی' اس کا معنی ہے "چشمے"۔ عَثَرِيًّا سے مراد ایسی زمین ہے جو زمینی نمی ورطوبت کی وجہ سے ہی خود بخود سیراب ہوتی رہے۔ بِالنَّضْح سے مراد وہ جانور ہیں جن کے ذریعے پانی لا کر زمین کو سیراب کیا جاتا ہے مثلاً اونٹ' بیل اور گدھا وغیرہ۔ بَعْلًا ، عَثَرِيًّا کے معنی میں ہے۔ اَلسَّوَانِي جمع ہے سَانِيَة کی' یہ

608- [بخاری (١٤٨٣) كتاب الزكاة: باب العشر فيما سقى من ماء السماء' ابو داود (١٥٩٦) ترمذی (٦٤٠) ابن ماجه (١٨١٧) نسائی (٤١/٥) ابن خزيمة (٢٣٠٧) بيهقی (١٣٠/٤)]

(٤٧) [الحاوی (٢١٠/٣) الأم (٤٠/٢) المغنی (٦١/٤) الكافی لابن عبدالبر (ص/١٠١) المبسوط (٣/٣) بدائع الصنائع (٦٠/٢)]

(٤٨) [إعلام الموقعين (٣٤٨/٢)]

(٤٩) [المحلی بالآثار (٥٨/٤)]

(٥٠) [المغنی (١٦١/٤)]

(٥١) [كما فی نيل الأوطار (٩٨/٣)]

(٥٢) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٢٢٠/٩)]

بالنضح کے معنی میں ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین بغیر کسی مشقت ومحنت اور مالی تصرف کے سیراب ہوتی ہو مثلاً آسمانی بارش یا چشموں یا زمینی نمی کی وجہ سے تو اس کی پیداوار پر عشر یعنی دسواں حصہ زکوۃ واجب ہے' لیکن اگر زمین کسی محنت طلب ذریعے سے میراب ہوتی ہو مثلاً کنوئیں سے پانی کھینچ کر' جانوروں کی مدد سے پانی لا کر اور نہروں یا ٹیوب ویل وغیرہ کا پانی خرید کر زمین کو سیراب کیا جاتا ہو تو اس زمین کی پیداوار پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ زکوۃ ہے۔ امام نوویؒ (٥٣) اور امام شوکانیؒ (٥٤) نے اس مسئلے پر اتفاق نقل کیا ہے۔

609- وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُمَا : ((لَا تَأْخُذَا فِي الصَّدَقَةِ إِلَّا مِنْ هَذِهِ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ : الشَّعِيرِ وَ الْحِنْطَةِ وَ الزَّبِيبِ وَ التَّمْرِ)) رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا "صرف ان چار اجناس سے زکوۃ وصول کرو: جو' گندم' منقی اور کھجور۔" [اسے طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔]

610- وَ لِلدَّارَقُطْنِيِّ ' عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ((فَأَمَّا الْقِثَّاءُ وَ الْبِطِّيخُ وَ الرُّمَّانُ وَ الْقَصَبُ ' فَقَدْ عَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ)) وَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ ۔

اور دارقطنی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ککڑی' تربوز' انار اور گنے میں رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ معاف فرمائی ہے۔ [اس کی سند ضعیف ہے۔]

لغوی توضیح الشَّعِيرِ جو کو' الْحِنْطَة گندم کو' الزَّبِيب منقے (یعنی کشمش) کو' الْقِثَّاء ککڑی کو' الْبِطِّيخ تربوز کو' الرُّمَّان انار کو اور الْقَصَب گنے کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پھلوں اور غلہ جات میں سے صرف مذکورہ بالا چار اجناس میں ہی زکوۃ ہے' ان کے علاوہ باقی غلہ جات مثلاً مکئی' چاول اور دیگر اجناس میں زکوۃ نہیں خواہ کسی کے پاس ان کی مقدار کتنی ہی زیادہ ہو جائے۔ امام شوکانیؒ (٥٥)' علامہ البانیؒ (٥٦) اور چند دیگر علماء کا یہی موقف ہے۔ اس سلسلے میں فقہا کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا کہنا ہے کہ صرف ایسی کھیتیوں اور پھلوں میں زکوۃ ہے جو کھانے اور ذخیرہ کرنے کے قابل ہوں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ لکڑی' گھاس اور

609- [حاكم (٤٠١/١) بيهقي (١٢٥/٤) طبراني كبير (١٥١/٢٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

610- [دارقطني (٩٧/٢) حاكم (٤٠١/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(٥٣) [شرح مسلم (٦١/٤)]

(٥٤) [نيل الأوطار (٩٦/٣)]

(٥٥) [السيل الجرار (٤٣/٢)]

(٥٦) [تمام المنة (ص/٣٦٨)]

بانس کے علاوہ ہر ایسی چیز پر زکوٰۃ واجب ہے جسے زمین اُگاتی ہے۔اسی طرح داؤد ظاہری کا موقف یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے۔(۵۷) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح موقف اہل ظاہر کا ہے اور مذکورہ بالا روایت جس میں صرف چار اجناس سے ہی زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم ہے' ثابت نہیں۔لہٰذا عمومی دلائل کی بنا پر ہر زمینی پیداوار پر زکوٰۃ ہے بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچتی ہو۔(۵۸)

☐ واضح رہے کہ زمینی پیداوار پر نصاب تک پہنچنے کے بعد وجوب زکوٰۃ کے لیے سال گزرنا شرط نہیں بلکہ جب کٹائی ہو جائے تو اسی وقت زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ''اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔''(۵۹)

611- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَةَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ ۔

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ''جب تم (غلے کا) اندازہ لگاؤ تو ایک تہائی چھوڑ دیا کرو اور اگر تہائی نہیں چھوڑ سکتے تو چوتھائی چھوڑ دیا کرو۔'' [اسے احمد ،ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

612- وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ((أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُخْرَصَ الْعِنَبُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ وَتُؤْخَذُ زَكَاتُهُ زَبِيبًا)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَفِيهِ انْقِطَاعٌ ۔

حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ کھجور کی طرح انگور کا بھی اندازہ لگایا جائے اور اس کی زکوٰۃ میں منقیٰ وصول کر لیا جائے۔[اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس میں انقطاع ہے۔]

لغوی توضیح خَرَصْتُمْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب خَرَصَ يَخْرُصُ (بروزن نصر) سے'اس کا معنی ہے ''اندازہ وتخمینہ لگانا'' مراد یہ ہے کہ جب کھجور اور انگور درختوں پر پک جائیں تو سارے پھل پر نگاہ دوڑا کر اندازہ لگایا جائے کہ جب یہ انگور یا کھجور خشک ہو جائے گی تو اس وقت اس کا وزن کتنا رہ جائے گا' پھر اسی حساب سے پھلوں کے مالکان سے خشک کھجور اور خشک منقیٰ (یعنی کشمش) بطور زکوٰۃ وصول کر لی جائے' تہائی یا چوتھائی حصہ چھوڑنے کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ مالک خود اس مال سے صدقہ وخیرات کر سکے۔

611- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (۱٦۰٥) ترمذی (٦٤٣) نسائی (٤٢/٥) احمد (٤٤٨/٣) ابن حبان (۷۹۸_الموارد) حاكم (٤۰٢/۱) بيهقی (۱٢٣/٤) ابن خزيمة (٢٣۱۹)]

612- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (۱٦۰٣_۱٦۰٤) ترمذی (٦٤٤) نسائی (۱۰۹/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۵۷) [الفقه الإسلامي وأدلته (۱۸۸٤/٣) فتح القدير (٢/٢) اللباب (۱٥۱/۱) الشرح الكبير (٤٤۷/۱) الشرح الصغير (٦۰۹/۱) القوانين الفقهية (ص/۱۰٥) مغنی المحتاج (٢۸۱/۱) المهذب (۱٥٦/۱) المغنی (٦۹۰/٢) كشاف القناع (٢٣٦/٢) المجموع (٤٣٢/٥) مرعاة المفاتيح (۸۰/٦)]

(۵۸) [اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "زکوۃ کی کتاب" کا مطالعہ مفید ہے۔]

(۵۹) [الأنعام : ۱٤۱]

فهم الحديث مذکورہ بالا دونوں روایات ضعیف ہے مگر پھلوں کا درختوں پر تخمینہ واندازہ لگانا دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح خیبر کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اہل خیبر کی کھجوروں کا تخمینہ لگانے کے لیے بھیجا تھا۔ (٦٠) اسی طرح حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ہم غزوہ تبوک کے لیے نبی ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ جب آپ وادی قریٰ سے گزرے تو ہماری نظر ایک عورت پر پڑی جو اپنے باغ میں کھڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس کے پھلوں کا اندازہ لگاؤ (کہ ان سے کتنی کھجور نکلے گی) آپ ﷺ نے دس وسق کا اندازہ لگایا۔ پھر اس عورت سے فرمایا کہ یاد رکھنا اس میں سے جتنی کھجور نکلے...... پھر جب (واپسی پر) وادی قریٰ پہنچے تو آپ ﷺ نے اسی عورت سے پوچھا کہ تمہارے باغ میں کتنا پھل آیا تھا؟ اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے اندازے کے مطابق دس وسق آیا تھا۔ (٦١) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تخمینہ کے اس عمل کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے اسے اخبار الغیب کہہ کر ناجائز قرار دیا ہے۔ (٦٢) راجح موقف امام مالکؒ وغیرہ کا ہی ہے۔ امام ابن قیمؒ (٦٣)، حافظ ابن حجرؒ (٦٤)، امام شوکانیؒ (٦٥) اور امام ابن العربیؒ (٦٦) نے اسی کو ثابت کیا ہے۔

613- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ : أَنَّ امْرَأَةً أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا ، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ ، فَقَالَ لَهَا : ((أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا ؟)) قَالَتْ : لَا ، قَالَ : ((أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ ؟)) فَأَلْقَتْهُمَا - رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ -

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، جس کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا "کیا تو ان کی زکوۃ ادا کرتی ہے؟" اس نے عرض کیا "نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تجھے پسند ہے کہ تمہیں روز قیامت ان دونوں کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے جائیں؟" یہ سن کر اس نے ان دونوں کو پھینک دیا۔ [اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔]

614- وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا -

اور حاکم نے اسے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

613- [حسن : صحیح ابو داؤد، ابو داود (١٥٦٣) ترمذی (٦٣٧) نسائی (٣٨/٥) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

614- [حاکم (٣٨٩/١)]

(٦٠) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٤٧٣) كتاب الزكاة : باب خرص النخل والعنب، ابن ماجة (١٨٢٠)]

(٦١) [بخاری (١٤٨١) كتاب الزكاة : باب خرص التمر، مسلم (١٣٩٢) كتاب الفضائل : باب في معجزات النبي ﷺ، احمد (٢٣٦٦٥) ابن حبان (٤٥٠٣) ابن أبي شيبة (٥٣٩/١٤) بيهقى ١٢٢/٤]

(٦٢) [الكافي لابن عبدالبر (ص/١٠١) المغنى (١٧٨/٤) الأم (٤٢/٢) الحاوى (٢٢٠/٣) الحجة على أهل المدينة (٥١٠/١) نيل الأوطار (١٠٢/٣)]

(٦٣) [أعلام الموقعين (٢٦٤/٢)]

(٦٤) [فتح الباری (٤٠٣/٣)]

(٦٥) [نيل الأوطار (١٠٢/٣)]

(٦٦) [عارضة الأحوذى (١٤٤/٣)]

615- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا تَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَكَنْزٌ هُوَ؟ قَالَ: ((إِذَا أَدَّيْتِ زَكَاتَهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ سونے کا زیور پہنا کرتی تھیں، تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تم اس کی زکوٰۃ ادا کر دو تو پھر یہ کنز نہیں۔“ [اسے ابوداود اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اِمْرَأَة کا معنی ہے ”عورت“ یہ عورت کون تھی اس کے متعلق شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ اسماء بنت یزید بن سکن تھی۔ (٦٧) مَسَكَتَانِ تثنیہ ہے مَسَكَة کی، اس کا معنی ہے ”کنگن“۔ يُسَوِّرُكِ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب سَوَّرَ يُسَوِّرُ (بروزن تفعیل) سے، اس کا معنی ہے ”کنگن پہنانا“۔ كَنْز کا معنی ہے ”خزانہ“۔ قرآن میں چونکہ سونا چاندی کو خزانہ بنانے والوں کے متعلق سخت وعید آئی ہے (٦٨) اس لیے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ نیز چاندی کے زیورات میں بھی زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہے جیسا کہ عبداللہ بن شداد بن ہاد بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے تو آپ ﷺ نے میرے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے دیکھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں نے انہیں آپ کے لیے مزین ہونے کے لیے پہنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا، نہیں یا جو اللہ نے چاہا کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تو پھر جہنم کی آگ میں سے تمہارے لیے یہی کافی ہیں۔ (٦٩) امام صنعانیؒ نے فرمایا ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ کے متعلق فقہاء کے چار اقوال ہیں: ایک یہ کہ زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے (احناف اسی کے قائل ہیں)۔ دوسرا یہ کہ ان میں زکوٰۃ فرض نہیں، یہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ کا قول ہے۔ تیسرا یہ کہ زیورات کی زکوٰۃ انہیں عاریتاً دینا ہی ہے۔ چوتھا یہ کہ زیورات میں صرف ایک مرتبہ زکوٰۃ دینا ہی فرض ہے۔ (٧٠) راجح قول یہ ہے کہ سونے اور چاندی کی مانند زیورات میں بھی ہر سال زکوٰۃ فرض ہے۔ امام ابن حزمؒ (٧١)، امام ابن منذرؒ (٧٢)، شیخ ابن بازؒ (٧٣)، شیخ ابن عثیمینؒ (٧٤) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٧٥) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

615- [**حسن**: صحیح ابو داود، ابو داود (١٥٦٤) دارقطنی (١٠٥/٢) حاکم (٣٩٠/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٦٧) [توضيح الأحكام (٣٥٥/٣)]

(٦٨) [التوبة: ٣٤]

(٦٩) [**صحيح**: صحيح أبو داود (١٣٨٤) كتاب الزكاة: باب الكنز ما هو؟ و زكاة الحلي، أبو داود (١٥٦٥)]

(٧٠) [سبل السلام (٨١٩/٢-٨٢٠) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المبسوط (١٩٢/٢) الهداية (١٠٤/١) اللباب (١٤٨/١) الروض النضير (٦٠٤/٢) قوانين الأحكام الشرعية (ص/١١٨) المجموع (٣٢/٦) المغنى (٦٠٣/٢) المعرفة للبيهقى (١٤٠/٦) بيهقى فى السنن والآثار (١٤٠/٦)]

(٧١) [المحلى بالآثر (١٨٤/٤)]

(٧٢) [كما فى عمدة القارى شرح بخارى (٢٨٦/٧)]

(٧٣) [فتاوى إسلامية (٥٣/٢)]

(٧٤) [مجموع الفتاوى لابن عثيمين (١٢٣/١٨)]

(٧٥) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٢٦٥/٩)]

❑ واضح رہے کہ سونے چاندی کے علاوہ دیگر جواہرات مثلاً یاقوت' مرجان اور زمرد وغیرہ میں اور ان کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے الا کہ یہ تجارت کے لیے ہوں۔

616- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّهُ لِلْبَيْعِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ إِسْنَادُهُ لَيِّنٌ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سامانِ تجارت سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا کرتے تھے۔[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔]

لغوی توضیح نُعِدُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَعَدَّ يُعِدُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''تیار کرنا''۔

فهم الحديث اگرچہ مذکورہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ مسئلہ قرآن سے ہی ثابت ہے کہ مالِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔'' (٧٦) امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت' جن میں حسنؒ اور مجاہدؒ بھی شامل ہیں' سے مروی ہے کہ اس آیت ﴿ مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ سے مراد اموالِ تجارت میں سے خرچ کرنا ہے اور اس آیت کا عموم تمام اموال میں زکوٰۃ کو واجب کرتا ہے۔ (٧٧) امام رازیؒ نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ (٧٨) جمہور علماء' ائمہ اربعہ' فقہائے سبعہ (٧٩)' امام ابن قدامہؒ (٨٠)' امام ابن منذرؒ (٨١)' امام خطابیؒ (٨٢)' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (٨٣)' علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ (٨٤)' سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٨٥) اور شیخ ابن عثیمینؒ (٨٦) بھی اسی کے قائل ہیں۔

617- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔'' [بخاری' مسلم]

616- [ضعيف : إرواء الغليل (٨٢٧) ابو داود (١٦٥٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

617- [بخاري (١٤٩٩) كتاب الزكاة : باب في الركاز الخمس 'مسلم (١٧١٠) ابو داود (٣٠٨٥) ترمذى (٦٤٢) نسائى (٤٥/٥) ابن ماجه (٢٥٠٩) احمد (٢٢٨/٢) مالك (٢٤٩/١) بيهقى (١٥٥/٤)]

(٧٦) [البقرة : ٢٦٧]　(٧٧) [أحكام القرآن للجصاص (٥٤٣/١)]

(٧٨) [تفسير كبير للرازي (٦٥/٢)]

(٧٩) [السيل الجرار (٢٧/٢) المحلى بالآثار (٤٠/٤) المغنى (٢٤٨/٤) سبل السلام (٨٢٥/٢)]

(٨٠) [المغنى (٢٤٨/٤)]

(٨١) [الإجماع لابن المنذر (ص / ٥١)' (رقم / ١١٤)]

(٨٢) [معالم السنن (٢٢٣/٢)]

(٨٣) [القواعد النورانية الفقهية (ص / ٨٩ ـ ٩٠)]

(٨٤) [مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (١٧٣/٦)]

(٨٥) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (١٦٩/٩)]

(٨٦) [مجموع الفتاوى لابن عثيمين (٢٠٥/١٨)]

618- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : فِي كَنْزٍ وَجَدَهُ رَجُلٌ فِي خَرِبَةٍ ۔ : ((إِنْ وَجَدْتَهُ فِي قَرْيَةٍ مَسْكُونَةٍ فَعَرِّفْهُ ' وَإِنْ وَجَدْتَهُ فِي قَرْيَةٍ غَيْرِ مَسْكُونَةٍ فَفِيهِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ))

أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے خزانے کے متعلق فرمایا جو کسی آدمی کو بے آباد جگہ میں ملا ہو کہ ''اگر تم نے یہ خزانہ کسی آباد علاقے میں پایا ہو تو اس کا اعلان کرواور اگر تم نے اسے کسی بے آباد علاقے میں پایا ہو تو اس میں اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔''[اسے ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح رِکَاز کے معنی میں اختلاف ہے۔جمہور،امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد جاہلیت کے زمانے کا زمین میں مدفون خزانہ ہے جو بغیر کسی کثیر محنت و مشقت کے حاصل ہوا ہو۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ثوریؒ نے رکاز کو معدنیات کا ہی دوسرا نام قرار دیا ہے۔(۸۷) جمہور کا موقف راجح ہے کیونکہ ایک حدیث میں رکاز اور معدنیات کا ذکر الگ الگ ہوا ہے(۸۸) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں' ایک ہی چیز کے دو نام نہیں۔علامہ البانیؒ فرماتے ہیں کہ لغت میں رکاز کے دونوں معنے (مدفون خزانہ اور معدنیات) مراد ہیں لیکن شرعاً صرف جاہلیت کا دفینہ ہی مراد ہے۔(۸۹) امام بخاریؒ(۹۰) اور علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ(۹۱) بھی اسی کے قائل ہیں۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رکاز یعنی جاہلیت کے مدفون خزانے میں زکوۃ نہیں بلکہ مال غنیمت کی طرح خمس (یعنی پانچواں حصہ) واجب ہے جو بیت المال میں جمع کرایا جائے گا اور باقی سارے خزانے کا مالک (خواہ وہ کم ہو یا زیادہ) وہی ہوگا جسے یہ ملا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ خزانہ کسی آباد علاقے سے ملے تو پھر اس کی تشہیر کرنی چاہیے تاکہ اس کے مالک کو تلاش کیا جا سکے اور اگر سال بھر تشہیر کرنے کے بعد بھی مالک نہ ملے تو پھر اسے استعمال میں لانا جائز ہے گویا اس صورت میں اس کا حکم وہ ہوگا جو لقطہ یعنی گری پڑی چیز کا ہے۔

- واضح رہے کہ رکاز سے خمس نکالنے کے لیے نصاب شرط نہیں۔جمہور علما، امام شوکانیؒ، امام ابن منذرؒ اور امام صنعانیؒ نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔(۹۲)

618- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۷۱۰) نسائی (٤٤/٥) ابن الجارود (٦٧٠) دارقطنی (٢٣٥/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۸۷) [نيل الأوطار (١٠٦/٣) قوانين الأحكام الشرعية (ص/١١٩ـ١٢٠) مغنى المحتاج (٣٩٤/١) بدائع الصنائع (٦٥/٢) موطا : كتاب الزكاة : باب زكاة الركاز]

(۸۸) [بخاری (١٤٩٩) مسلم (١٧١٠) أبو داود (٣٠٨٥) ترمذی (١٣٩١) نسائی (٤٥/٥) ابن ماجة (٢٥٠٩) موطا (٢٤٩/١) مسند شافعی (٦٧١) طیالسی (٢٣٠٥) ابن أبی شیبة (٢٢٤/٣) أحمد (٢٢٨/٢) ابن الجارود (٣٧٢) بیهقی (١٥٥/٤) عبد الرزاق (١٨٣٧٣) حمیدی (١٠٧٩) شرح معانی الآثار (٢٠٤/٣) أبو یعلی (٦٠٥٠) طبرانی صغیر (١٢٠/١)]

(۸۹) [تمام المنة (ص/٣٧٦)]

(۹۰) [بخاری (قبل الحديث / ١٤٩٩) كتاب الزكاة : باب فی الركاز الخمس]

(۹۱) [مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (١٣١/٦)]

(۹۲) [دیکھئے: تمام المنة (ص / ٣٦٥)]

619- وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَخَذَ مِنَ الْمَعَادِنِ الْقَبَلِيَّةِ الصَّدَقَةَ)) رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقامِ قبلیہ کی کانوں سے زکوٰۃ وصول کی۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح مَعَادِن جمع ہے مَعْدِن کی' اس کا معنی ہے''کان''۔مراد ایسی جگہیں ہیں جہاں سے زمین کے قیمتی جواہر مثلاً سونا' چاندی اور تانبا وغیرہ نکالے جاتے ہیں' امام ابن اثیرؒ نے اس کی یہی وضاحت فرمائی ہے۔ (۹۳)

فہم الحدیث یہ روایت ضعیف ہے مگر اس میں موجود مسئلہ قرآن کی اس آیت ﴿ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ ﴾ کے عموم سے بھی ثابت ہے۔یعنی زمین سے نکلنے والی ہر قیمتی چیز پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس میں معادن بھی شامل ہیں۔ لہٰذا راجح مسلک یہی ہے کہ معدنیات میں خمس نہیں بلکہ زکوٰۃ واجب ہے۔جمہور،امام شافعیؒ،امام مالکؒ،امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں۔البتہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ معدنیات میں زکوٰۃ نہیں بلکہ خمس واجب ہے (کیونکہ ان کے نزدیک معدنیات اور رکاز میں کوئی فرق نہیں)۔(۹٤)

باب صدقة الفطر — صدقہ فطر کا بیان

620- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے غلام' آزاد' مرد' عورت' بچے' بوڑھے سب پر صدقہ فطر فرض کیا ہے۔ایک صاع (یعنی تقریباً اڑھائی کلو) کھجوروں سے یا ایک صاع جو سے اور اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ یہ فطرانہ نماز (عید) کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔[بخاری، مسلم]

621- وَلِابْنِ عَدِيٍّ وَ الدَّارَقُطْنِيِّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ: ((أَغْنُوهُمْ عَنِ الطَّوَافِ فِي هٰذَا الْيَوْمِ))۔

اور ابن عدی اور دارقطنی میں ضعیف سند کے ساتھ ہے کہ اس دن فقراء کو پھرنے سے بے نیاز کر دو۔

619- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۳۰٦۱) مالك (۲٤۸/۱) حاکم (۵۱۷/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

620- [بخاری (۱۵۰۳) کتاب الزکاة : باب فرض صدقة الفطر' مسلم (۹۸٤) ابو داود (۱٦۱۱-۱٦۱۳) ترمذی (٦۷٦-٦۷۷) ابن ماجه (۱۸۲٦) نسائی (٤۸/۵) احمد (۱۳۷/۲) دارمی (۱٦٦۱)]

621- [دارقطنی (۱۵۲/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۹۳) [النهاية لابن الأثير (۸۲/۳)]

(۹٤) [الفقه الإسلامي وأدلته (۷۷۹/۲) بداية المجتهد (۲۵۰/۱) الشرح الصغير (٦۵۰/۱) مغني المحتاج (۳۹٤/۱) المهذب (۱٦۲/۱) المغني (۱۷/۳)]

لغوی توضیح صدقة الفطر سے مراد ہے فطرانہ جو رمضان کے اختتام پر نماز عید سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے وقت فرضیت کے متعلق علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ 2 ہجری میں ماہِ رمضان میں عید سے دو روز قبل فرض ہوا' یہ بات امام قسطلانیؒ نے ذکر فرمائی ہے۔(۹۵) أَغْنُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب أَغْنَى يُغْنِي (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے''بے نیاز کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے تمام افراد کی طرف سے صدقہ فطر کی ادائیگی فرض ہے۔ امام ابن منذرؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(۹٦) یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ فطر کی ادائیگی نماز عید سے پہلے ادا کر دینی چاہیے تا کہ فقراو مساکین بھی دوسرے لوگوں کی طرح عید کی خوشیوں میں شامل ہو سکیں۔ حدیث کے الفاظ ﴿ من المسلمين ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر صرف مسلمانوں کی طرف سے ہی ادا کیا جائے گا' اگر کسی کا والد' والدہ' یا غلام وغیرہ کافر ہو تو اس کی طرف سے ادا نہیں کیا جائے گا۔ امام شوکانیؒ (۹۷) اور امام ابن قدامہؒ (۹۸) اسی کے قائل ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ (۹۹) نے تو اسے متفقہ مسئلہ قرار دیا ہے۔ جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ کافر غلام کی طرف سے بھی صدقہ ادا کیا جائے گا اور حدیث کے ان الفاظ ﴿ من المسلمين ﴾ کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ ان سے مراد مالک ہیں غلام نہیں (یہ تاویل بلا دلیل ہے اس لیے قابل اعتناء نہیں)(۱۰۰)۔ یہ حدیث اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ صدقہ فطر کے لیے نصاب کا مالک ہونا بھی ضروری نہیں۔ جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے اس کے وجوب کے لیے نصاب کی شرط لگائی ہے۔ (۱۰۱) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلوگرام) ہے۔

622- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((كُنَّا نُعْطِيهَا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَفِي رِوَايَةٍ: ((أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ)) قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا أَنَا فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ كَمَا كُنْتُ أُخْرِجُهُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔ وَلِأَبِي دَاوُدَ: ((لَا أُخْرِجُ أَبَدًا إِلَّا صَاعًا))۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دورِ نبوی میں طعام (گندم) سے ایک صاع' کھجور سے ایک صاع' جو سے ایک صاع یا منقیٰ (کشمش) سے ایک صاع فطرانہ ادا کیا کرتے تھے۔ [بخاری، مسلم۔ اور ایک روایت میں ہے کہ] یا پنیر سے ایک صاع۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو اسے اسی طرح نکالتا رہوں گا جیسے عہد رسالت مآب میں نکالا کرتا تھا۔ [اور ابوداود میں ہے کہ] میں تو ہمیشہ صرف ایک صاع ہی نکالوں گا۔

622- [بخاری (۱۵۰۸) كتاب الزكاة: باب صاع من زبيب' مسلم (۹۸۵) ابو داود (۱٦۱٦) ترمذی (٦۷۳) ابن ماجه (۱۸۲۹) نسائی (۵/۵۱) احمد (۳/۲۳) مالك (۱/۲۸٤) دارمی (۱٦٦٤) دارقطنی (۲/۱٤٦)]

(۹۵) [تحفة الأحوذی (۳/۳۹۱)]

(۹٦) [الاجماع لابن المنذر (ص/ ٤۹)' (رقم/ ۱۰۵) مزید دیکھئے موسوعة الاجماع فی الفقه الإسلامی (۱/٤۹۲) نيل الأوطار (۳/۱٤۳)]

(۹۷) [نيل الأوطار (۳/۱٤۵)] (۹۸) [المغنی (٤/۲۸۳)]

(۹۹) [فتح الباری (٤/۱٤۲)]

(۱۰۰) [مزید دیکھئے: شرح مسلم للنووی (٤/٦۹) تحفة الأحوذی (۳/۳۹۷) فتح الباری ۳/٤۳٦]

(۱۰۱) [الحاوی (۳/۳۸٤) الأم (۲/۸٤) بدائع الصنائع (۲/۷٤) المبسوط (۳/۱۰۸) الكافی (ص/۱۱۱) المغنی (۳/۸۹)]

فهم الحديث اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع ہی ہے خواہ جنس کوئی بھی ہو۔ جمہور علما اسی کے قائل ہیں جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ گندم اور منقیٰ سے نصف صاع بھی کفایت کر جاتا ہے (انہوں نے چند ضعیف روایات سے استشہاد کیا ہے جو قابل حجت نہیں)۔ (۱۰۲) جمہور کا موقف ہی راجح ہے۔ امام شوکانی ؒ (۱۰۳)، امام ابن قدامہؒ (۱۰۴) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۱۰۵) نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث میں مذکور اجناس ہی بطورِ فطرانہ دینا بہتر ہے، لیکن اگر کسی کو یہ میسر نہ ہوں تو جو چیز بھی بطورِ خوراک استعمال کی جاتی ہے وہ دی جا سکتی ہے۔ البتہ ضرورت کے وقت یا کسی عذر کی وجہ سے بعض اہل علم اجناس کے بدلے بطورِ فطرانہ قیمت دینے کے بھی قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شوکانی ؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۱۰۶) جبکہ جمہور علما (۱۰۷)، امام ابن حزمؒ (۱۰۸) اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۱۰۹) نے کہا ہے کہ صرف روزمرہ کی خوراک سے ہی صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔

623- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ: طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ، فَمَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَةٌ وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر روزہ دار کو لغو حرکات اور فحش گوئی سے پاک کرنے اور مساکین کو کھلانے کے لیے فرض کیا ہے۔ پس جس نے اسے نماز (عید) سے پہلے ادا کیا تو یہ مقبول صدقہ ہوگا اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔ [اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر کا معرف مساکین ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۱۱۰)، امام ابن قیمؒ (۱۱۱) اور علامہ البانی ؒ (۱۱۲) اسی کے قائل ہیں۔ البتہ بعض اہل علم (مثلاً امام ابن قدامہ ؒ (۱۱۳) وغیرہ) نے کہا ہے کہ اس کا معرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا معرف ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر وہی مقبول ہوگا جو نماز عید سے پہلے ادا کیا جائے گا اور جو نماز عید کے بعد ادا کیا جائے گا وہ صدقہ فطر نہیں بلکہ عام صدقہ شمار ہوگا۔ امام شوکانی ؒ (۱۱٤) اور امام ابن حزمؒ (۱۱۵) اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ جمہور اہل علم نے کہا ہے کہ صدقہ

623- [حسن: صحيح ابو داود، ابو داود (۱۶۰۹) كتاب الزكاة: باب زكاة الفطر، ابن ماجه (۱۸۲۷) دارقطنی (۱۸۳/۲) حاکم (۴۰۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۱۰۲) [الأم (۹۰/۲) المغني (۲۸۷/٤) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (۵۰٦/۱) الكافي لابن عبدالبر (ص/۱۱۲) المبسوط (۱۱۳/۳) الهداية (۱۱۷/۱) الإختيار (۱۲۳/۱)]

(۱۰۳) [نيل الأوطار (۱٤۷/۳)]

(۱۰٤) [المغني (۲۸۵/٤)]

(۱۰۵) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۳٦۹/۹)]

(۱۰٦) [السيل الجرار (۸٦/۲)]

(۱۰۷) [المغني لابن قدامة (۲۹۵/٤) روضة الندية (۵۱۷/۱)]

(۱۰۸) [المحلى بالآثار (۲۵۹/٤)]

(۱۰۹) [مجموع الفتاوى (۳۵/۲۵-۳٦)]

(۱۱۰) [مجموع الفتاوى لابن تيمية (۳۸/۲۵)]

(۱۱۱) [كما في تمام المنة (ص/۳۸۸)]

(۱۱۲) [تمام المنة (ص/۳۸۷)]

(۱۱۳) [المغني (۳۱٤/٤)]

(۱۱٤) [نيل الأوطار (۱٤۹/۳)]

(۱۱۵) [كما في توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۳۸۲/۳)]

فطر عید الفطر کے دن کے آخر تک بھی کفایت کر جاتا ہے۔(116) یہ مؤقف مذکورہ بالا واضح حدیث کے خلاف ہے اس لیے قابل تردید ہے۔

باب صدقة التطوع — نفلی صدقے کا بیان

624- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ)) ۔ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ ۔ وَفِيهِ: ((وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس روز سایہ عطا فرمائے گا جس روز اس کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔ پھر باقی حدیث بیان کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ ''(ان سات آدمیوں میں) ایک وہ آدمی ہے جو اس قدر چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح تَطَوُّع کا معنی ہے اپنی خوشی سے کوئی ایسا نیکی کا کام بجالانا جو فرض نہ ہو۔ لہٰذا نفلی صدقہ سے مراد وہ صدقہ ہوا جو انسان پر واجب نہیں' انسان اپنی خوشی سے محض رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے ادا کرے۔ سَبْعَةٌ سے مراد ہے ''سات افراد''۔ يُظِلُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَظَلَّ يُظِلُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''سایہ دینا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے چھپا کر صدقہ کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ چھپا کر صدقہ کرنے سے انسان ریاکاری سے بچا رہتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر دوسروں کو بھی ترغیب دلانا مقصود ہو تو ظاہر کر کے صدقہ کرنا بھی بہتر ہے۔ قرآن میں اس کے جواز کے متعلق یوں فرمانِ الٰہی موجود ہے کہ ﴿ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ [البقرة: ۲۷۱] ''اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر تم انہیں مخفی رکھ کے فقراء کو دو تو یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔'' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعث بعد الموت اور روزِ جزاء کا قیام برحق ہے۔ نیز اس حدیث سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا سایہ بھی ثابت ہوتا ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا حدیث میں اختصار کے پیش نظر سات افراد میں سے صرف ایک کا ہی ذکر کیا گیا ہے' باقی چھ افراد یہ ہیں: ① عادل حکمران۔ ② ایسا نوجوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نشو ونما پائی۔ ③ وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق رہتا ہو۔ ④ وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے باہم محبت کرتے ہوں۔ ⑤ وہ آدمی جسے کوئی خوبصورت عورت بدکاری کی دعوت دے لیکن وہ یہ کہہ کر ٹھکرا دے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ⑥ وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رو پڑے۔

624- [بخاری (۶۶۰) کتاب الأذان: باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاة وفضل المساجد' مسلم (۱۰۳۱) ترمذی (۲۳۹۱) نسائی (۲۲۲/۸) احمد (۴۳۹/۲)]

(۱۱۶) [نیل الأوطار (۱۴۹/۳)]

625- وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((كُلُّ امْرِئٍ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتَّى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ)) رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "ہر آدمی اپنے صدقہ کے سائے تلے ہو گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے۔" [اسے ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث میں بھی صدقہ و خیرات کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ احوالِ قیامت میں تخفیف کا سبب ہے۔ اس روز لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جانے تک صدقہ کرنے والا اپنے صدقہ کے سایہ تلے ہو گا کیونکہ اس روز سورج کے انتہائی قریب آ جانے کے باعث سائے کی اشد ضرورت ہو گی' لوگ اپنے اپنے اعمال کے برابر اپنے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے' جن میں سے بعض تو گردن تک ڈوبے ہوں گے۔ (۱۱۷) اس وقت صدقہ و خیرات کی اہمیت کا اندازہ ہو گا جسے آج لوگ معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں۔

626- عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ' وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ' وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ فِي إِسْنَادِهِ لِينٌ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان کسی بے لباس مسلمان کو لباس مہیا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز لباس پہنائیں گے اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھلائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائیں گے اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے مہر لگی ہوئی شراب سے پلائیں گے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔]

لغوی توضیح كَسَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب كَسَا يَكْسُو (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "پہنانا"۔ عُرْيٍ مصدر ہے باب عَرِيَ يَعْرَى (بروزن علم) سے' اس کا معنی ہے "ننگا ہونا"۔ ظَمَأٌ بھی مصدر ہے باب ظَمِئَ يَظْمَأُ (بروزن علم) سے' اس کا معنی ہے "پیاسہ ہونا"۔ الرَّحِيق خالص شراب کو کہتے ہیں اور الْمَخْتُوْم سے مراد ہے جسے مہر لگائی گئی ہو اور اس کا منہ بند کر دیا گیا ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقے میں بہتر یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا زیادہ محتاج ہو اس پر وہی چیز صدقہ کی جائے۔ اس حدیث میں جنت کی مختلف نعمتوں کا بھی اثبات ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جزا عمل کی جنس سے ہی دی جائے گی یعنی اگر کوئی کسی محتاج کو کپڑے پہنائے گا تو اسے بھی جنت کا لباس پہنایا جائے گا' جو کسی کو کھانا کھلائے گا تو اسے

625- [صحیح : صحيح الترغيب (۸۷۲) كتاب الصدقات : باب الترغيب في الصدقة' صحيح الجامع الصغير (۴۵۱۰) احمد (۱۴۸/۴) ابن حبان (۸۱۷۔الموارد) حاكم (۴۱۶/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

626- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (۱۶۸۲) ترمذی (۲۴۴۹) احمد (۱۴/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۸۶۴) ؟

بھی جنت کا کھانا کھلایا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

627- وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ان سے ابتداء کرو جو تمہاری کفالت میں ہیں۔بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی انسان غنی رہے اور جو (سوال سے) بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بچا لیتے ہیں اور جو استغناء اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتے ہیں۔'' [بخاری، مسلم۔یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

لغوی توضیح اوپر والے ہاتھ سے مراد ''خرچ کرنے والا'' اور نیچے والے ہاتھ سے مراد ''سوال کرنے والا'' ہے۔ تَعُوْلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب عَالَ يَعُوْلُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''کفالت کرنا''۔ يَسْتَعْفِفْ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اسْتَعَفَّ يَسْتَعِفُّ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''سوال سے بچنے کی کوشش کرنا''۔ يُعِفَّ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَعَفَّ يُعِفُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''بچنے کی توفیق دینا''۔ يَسْتَغْنِ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اسْتَغْنَى يَسْتَغْنِي (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''(جو کچھ بھی میسر ہو اسی پر) قناعت کر لینا''۔

فهم الحديث اس حدیث میں اغنیاء کو یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ مفلسوں اور محتاجوں پر خرچ کرتے رہیں کیونکہ دینے والا ہاتھ ہی بہتر ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خرچ کی ابتدا گھر والوں سے کرنی چاہیے اگر گھر والے ہی محتاج ہوں تو پھر باہر دوسروں کو مال تقسیم کرتے پھرنا کوئی دانشمندی نہیں۔ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''زیادہ فضیلت والا دینار وہ ہے جسے کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور وہ دینار ہے جسے کوئی اپنے اُس جانور پر خرچ کرے جو اللہ کی راہ میں لڑائی کے لیے (باندھا ہوا ہے) اور وہ دینار ہے جسے کوئی اللہ کی راہ میں اپنے (مجاہد) ساتھیوں پر خرچ کرے۔''(۱۱۸) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''ایک دینار وہ ہے جسے تو نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور ایک دینار وہ ہے جسے تو نے گردن آزاد کرنے میں خرچ کیا اور ایک دینار وہ ہے جسے تو نے کسی مسکین پر صدقہ کیا اور ایک دینار وہ ہے جسے تو نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔ان سب میں سے زیادہ ثواب کا باعث وہ دینار ہے جسے تو نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔''(۱۱۹) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جتنا ہو سکے سوال سے بچنا چاہیے اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق بھی عنایت فرما دیں گے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دے رکھا ہو اسی پر صبر وقناعت اختیار کرنا مستحب ہے۔

628- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دریافت کیا گیا' اے

627- [بخاری (۱٤۲۷) کتاب الزکاة: باب لا صدقة إلا عن ظهر غنی' مسلم (۱۰۳٤) نسائی (٥/٦٩) احمد (۳/٤٠٢) دارمی (۱٦٥۳)]

628- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۱٦۷۷) احمد (۲/۳٥۸) ابن خزیمة (۲٤٤٤) ابن حبان (۳۳٤٦) حاکم (۱/٤۱٤) بیهقی (٤/۱۸۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۱۸) [مسلم (۹۹٤) کتاب الزکاة: باب فضل الصدقة علی العیال والمملوك وإثم من ضیعهم أو حبس نفقتهم عنهم' ترمذی (۱۹٦٦) ابن ماجة (۲۷٦۰) بخاری فی الأدب المفرد (۷٤۸) احمد (۲۲٤٦۹) طیالسی (۹۸۷) بیهقی (٤/۱۷۸) نسائی فی السنن الکبری (٥/۹۱۸۲) ابن حبان (٤۲٤۲)]

(۱۱۹) [مسلم (۹۹٥) کتاب الزکاة: باب فضل النفقة علی العیال والمملوك وإثم من ضیعهم أو حبس نفقتهم عنهم' احمد (۱۰۱۲٥)]

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ((جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ۔

اللہ کے رسول! کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کم مال والے کا اور ان سے ابتدا کر جن کی تو کفالت کرتا ہے۔'' [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے پاس کم مال ہو لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے تو یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے گھر والوں پر خرچ کرنا چاہیے اور پھر دوسروں پر، گھر والوں کو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوا چھوڑ کر اوروں پر صدقہ کرتے پھرنا درست نہیں۔

629- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَصَدَّقُوا)) فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، عِنْدِي دِينَارٌ، قَالَ: ((تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى نَفْسِكَ)) قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: ((تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى وَلَدِكَ)) قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: ((تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى زَوْجَتِكَ)) قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: ((تَصَدَّقْ بِهِ عَلَى خَادِمِكَ)) قَالَ: عِنْدِي آخَرُ، قَالَ: ((أَنْتَ أَبْصَرُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''صدقہ کرو۔'' ایک آدمی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے اپنے آپ پر صدقہ (یعنی خرچ) کر۔'' اس نے کہا، میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے اپنی اولاد پر صدقہ کر۔'' اس نے کہا، میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے اپنی بیوی پر صدقہ کر۔'' اس نے پھر کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے اپنے خادم پر صدقہ کر۔'' اس نے پھر عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو زیادہ بصیرت رکھتا ہے (کہ اسے کس پر خرچ کرنا چاہیے)۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب ضرورت اپنے اوپر خرچ کرنا بھی صدقہ اور باعث اجر و ثواب ہے۔ پھر اولاد، بیوی اور خادم پر خرچ کرنا چاہیے اور اگر مزید ضرورت سے زیادہ مال موجود ہو تو پھر انسان کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اسے آئندہ ضرورت کے لیے محفوظ کر لے یا پھر کسی دوسرے محتاج پر صدقہ کر دے۔

630- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے صدقہ کرے (بشرطیکہ وہ صدقہ میں) اسراف نہ کرے تو اسے اس کے صدقہ کی وجہ سے اجر

629- [حسن: صحیح ابو داود، ابو داود (١٦٩١) کتاب الزکاۃ: باب فی صلة الرحم، نسائی (٦٢/٥) احمد (٢٥١/٢) ابن حبان (٤٢٣٣) حاکم (٤١٥/١) بیہقی (٤٦٦/٧) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

630- [بخاری (٢٠٦٥) کتاب البیوع: باب قول الله تعالی أنفقوا من طیبات ما کسبتم، مسلم (١٠٢٤) ابو داود (١٦٨٥) ترمذی (٦٧١-٦٧٢) نسائی (٦٥/٥) ابن ماجه (٢٢٩٤) احمد (٤٤/٦)]

، وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا اكْتَسَبَ ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ ، لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ مِنْ أَجْرِ بَعْضٍ شَيْئًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حاصل ہوگا اور اس کے شوہر کو بھی اجر ملے گا کیونکہ اس نے مال کمایا، نیز خزانچی کو بھی اجر ملے گا اور ایک کا اجر دوسرے کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اگر گھر کی کوئی معمولی چیز صدقہ کر دے تو وہ صدقہ کرنے کی وجہ سے، شوہر کما کر لانے کی وجہ سے، خزانچی حفاظت کی وجہ سے اور خادم خدمت کی وجہ سے اجر کا مستحق ہوگا، سب کو برابر اجر ملے گا۔ لیکن اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر کی کوئی قیمتی چیز صدقہ کر دے تو وہ اجر کی نہیں بلکہ وبال کی مستحق ہوگی۔ فرمانِ نبوی ہے کہ "کوئی عورت اپنے خاوند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کھانا بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ تو ہمارے عمدہ اموال میں سے ہے۔"(۱۲۰) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ فی الحقیقت کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے صدقہ کرے الا کہ جو بہت معمولی چیز ہو۔(۱۲۱) یہ تو بات تھی شوہر کے مال کی، علاوہ ازیں عورت کو اپنا مال بھی شوہر کی اجازت سے ہی خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ "کسی عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال سے بھی عطیہ دینا جائز نہیں۔"(۱۲۲)

631- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَتْ زَيْنَبُ امْرَأَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ ، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنَّكَ أَمَرْتَ الْيَوْمَ بِالصَّدَقَةِ ، وَكَانَ عِنْدِي حُلِيٌّ لِي ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِهِ ، فَزَعَمَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ وَوَلَدَهُ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((صَدَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ ، زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب آئی اور اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ نے آج صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، میرے پاس کچھ میرا ذاتی زیور ہے، میں اسے صدقہ کرنا چاہتی ہوں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اور اس کی اولاد میرے صدقے کی زیادہ مستحق ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا، "ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا ہے، تیرا شوہر اور تیری اولاد تیرے صدقے کی زیادہ مستحق ہے۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اہل علم نے کہا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے، کیونکہ اگر یہاں صدقہ سے مراد فرض زکوٰۃ نہ ہوتی تو پھر زینب رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے یہی مؤقف اپنایا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے

631- [بخاری (١٤٦٢) كتاب الزكاة : باب الزكاة على الأقارب]

(١٢٠) [حسن : هداية الرواة (٣٠٨/٢)، (١٨٩٣) صحيح ترمذي، ترمذي (٦٧٠) كتاب الزكاة : باب في نفقة المرأة من بيت زوجها، ابن ماجة (٢٢٩٥) كتاب التجارات : باب ما للمرأة من مال زوجها]

(١٢١) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٨١/١٠)]

(١٢٢) [صحيح : السلسلة الصحيحة (٨٢٥)]

نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔(۱۲۳) مذکورہ واضح حدیث کی وجہ سے جمہور کا موقف ہی راجح ہے۔سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۱۲۴) تاہم یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بیوی اسی صورت میں شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے جب قرآن میں مذکور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے کوئی ایک اس پر صادق آتا ہو یعنی وہ فقیر ومحتاج ہو یا مجاہد ہو وغیرہ وغیرہ۔

632- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آدمی ہمیشہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ قیامت کے روز آئے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کا کوئی ٹکڑا بھی نہیں ہوگا۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح مُزْعَة کا معنی ہے "ٹکڑا، لوتھڑا"۔

فہم الحدیث اس حدیث کو اہل علم نے مال بڑھانے کے لیے مانگنے پر محمول کیا ہے یعنی ہمیشہ بلاضرورت محض مالی اضافے کے لیے مانگتے رہنا جائز نہیں۔ یہ روزِ قیامت باعث ذلت ورسوائی اور سبب عذاب ہوگا۔ البتہ ضرورت مند اور محتاج شخص کے لیے مانگنا جائز ہے مگر وہ بھی ہمیشہ نہیں بلکہ حسب ضرورت۔ اہل علم نے کہا ہے کہ حاکم وقت سے بلاضرورت مانگنا بھی جائز ہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 635 میں ہے۔ علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے صرف تین آدمیوں کے لیے مانگنا جائز قرار دیا ہے اس کا بیان آئندہ حدیث نمبر 638 میں ملاحظہ فرمائیے۔

633- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا، فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو مال میں اضافے کی غرض سے لوگوں سے مانگتا ہے وہ صرف انگارے ہی مانگتا ہے، پس وہ چاہے تو انہیں کم کر لے اور چاہے تو زیادہ۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح جَمْرًا انگارے کو کہتے ہیں۔ فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ کا معنی ہے اگر چاہے تو کم کر لے اور چاہے تو زیادہ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے بھی بلاضرورت محض مال میں اضافے کے لیے مانگنے کی حرمت ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا مانگنے کا پیشہ ناجائز وحرام ہے۔

634- وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے اور (جنگل سے) لکڑیوں کا

632- [بخاری (۱۴۷۴) کتاب الزکاۃ: باب من سأل الناس تکثرا، مسلم (۱۰۴۰) نسائی (۹۴/۵) احمد (۱۵/۲)]

633- [مسلم (۱۰۴۱) کتاب الزکاۃ: باب کراهة المسألة للناس، ابن ماجه (۱۸۳۸) احمد (۲۳۱/۲)]

634- [بخاری (۱۴۷۱) کتاب الزکاۃ: باب الاستعفاف عن المسألة، ابن ماجه (۱۸۳۶) احمد (۱۶۴/۱)]

(۱۲۳) [نیل الأوطار (۱۴۰/۳) شرح المهذب (۱۳۸/۶) الأم (۶۹/۲) المغنی (۱۰۰/۴) المبسوط (۱۱/۳) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۲۶۱/۳) نصب الرایة مع الهدایة (۴۱۹/۲)]

(۱۲۴) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۶۲/۱۰)]

حَبْلَهُ فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ الْحَطَبِ عَلَى ظَهْرِهِ، فَيَبِيعَهَا، فَيَكُفَّ بِهَا وَجْهَهُ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

گٹھا اپنی کمر پر لا دلائے اور اسے فروخت کر دے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے چہرے کو مانگنے سے روک دے تو یہ اس سے بہتر ہے، کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے اور وہ اُسے دیں یا نہ دیں۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حَبْل رسّی کو اور حُزْمَة گٹھے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث میں کما کر کھانے کی ترغیب اور مانگنے کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ اہل علم نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ کمائی کا کون سا ذریعہ افضل ہے۔ امام شافعیؒ نے تجارت کو افضل قرار دیا ہے۔ امام ماوردیؒ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک زراعت افضل ہے کیونکہ یہ توکل کے زیادہ قریب ہے۔ امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ افضل ذریعہ وہ ہے جس کے متعلق حدیث میں نص بیان ہوئی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ "اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کبھی کسی نے کوئی کھانا نہیں کھایا۔" (۱۲۵)

635- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((الْمَسْأَلَةُ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا أَوْ فِي أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سوال ایک زخم ہے جس کے ذریعے آدمی اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے البتہ جو آدمی حاکم وقت سے یا کسی ضروری حاجت کے وقت سوال کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح كَدٌّ خراش اور زخم کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے بلا ضرورت مانگنے کی مذمت اور بوقت ضرورت ومجبوری مانگنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت سے بلا ضرورت بھی مانگا جا سکتا ہے کیونکہ حاکم بیت المال کا امین ہوتا ہے اور بیت المال میں ہر مسلمان کا حق ہے اور یقیناً اپنا حق مانگنے میں کوئی قباحت وبرائی نہیں۔

باب قسم الصدقات — صدقات کی تقسیم کا بیان

636- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی مالدار آدمی کے لیے صدقہ جائز نہیں سوائے پانچ قسم کے مالداروں کے: زکوۃ وصول کرنے والا عامل یا وہ مالدار جو صدقے کو

635- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۱۶۳۹) كتاب الزكاة: باب كم يعطى الرجل الواحد من الزكاة، ترمذی (۶۸۱) نسائی (۱۰۰/۵) احمد (۱۰/۵) طیالسی (۸۸۹) ابن حبان (۳۳۸۶) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

636- [صحیح: صحیح ابن ماجه، ابن ماجه (۱۸۴۱) ابو داود (۱۶۳۶-۱۶۳۷) احمد (۵۶/۳) دارقطنی (۱۲۱/۲) حاکم (۴۰۷/۱) بیهقی (۱۵/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۲۵) [بخاری (۱۶۹۶) مزید دیکھئے: توضیح الأحکام (۴۱۲/۳)]

رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ أَوْ غَارِمٍ أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَأَهْدَى مِنْهَا لِغَنِيٍّ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ۔

اپنے مال کے ساتھ خرید لے یا مقروض یا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا یا ایسا مسکین جس پر صدقہ کیا جائے اور وہ مسکین مالدار کو صدقے کا مال ہدیہ کردے۔" [اسے احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اسے مرسل ہونے کے ساتھ معلول قرار دیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ پانچ قسم کے مالداروں کے سوا کوئی مالدار زکوۃ کا مستحق نہیں۔ لیکن امام قرطبیؒ وغیرہ نے مسافر کو بھی اس میں شامل کیا ہے یعنی اگر مسافر راستے میں کسی وجہ سے (مال گم یا چوری ہو جانے کے باعث) محتاج ہو جائے تو اسے بھی زکوۃ کے مال سے دیا جا سکتا ہے خواہ وہ اپنے علاقے میں صاحب حیثیت اور غنی ہی کیوں نہ ہو۔(۱۲٦) امام شوکانیؒ (۱۲۷) اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی (۱۲۸) بھی اسی کے قائل ہیں۔ غنی کون ہے؟ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم یا اس کی قیمت کے برابر سونا ہو۔(۱۲۹)

❑ واضح رہے کہ مصارف زکوۃ آٹھ ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔(۱۳۰) ان کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے:

فقراء ومساكين: جو ضرورت مند ہوں اور ان کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے رقم اور وسائل موجود نہ ہوں۔

عاملين: ایسے سرکاری اہل کار ہیں جو زکوۃ وصدقات کی وصولی وتقسیم اور اس کے حساب وکتاب پر مامور ہوں۔

مؤلفة قلوبهم: اس کا معنی ہے جن کے دلوں میں الفت ڈالنا مقصود ہو۔ ان سے مراد ایک تو وہ کافر ہیں جو اسلام کی طرف مائل ہوں اور ان کی امداد کرنے سے ان کے قبول اسلام کی امید ہو۔ دوسرے وہ نومسلم ہیں جنہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لیے امداد کی ضرورت ہو۔ تیسرے وہ افراد بھی ان میں شامل ہیں جنہیں امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے سے روکیں گے۔

الرقاب: اس کا معنی ہے گردنیں چھڑانا۔ مراد ہے ایسے مسلمان جو قیدی ہوں (انہیں رہائی دلانے کے لیے زکوۃ کا مال صرف کیا جا سکتا ہے)۔

الغارمين: یعنی مقروض۔ اس میں ایک تو ایسا شخص شامل ہے جو اپنے اہل وعیال کا خرچ پورا کرنے کے لیے قرض لے کر مقروض ہو گیا ہو۔ دوسرا ایسا شخص جس نے کسی کی ضمانت دی ہو پھر وہ اس کا ذمہ دار قرار پایا ہو' یا ایسا شخص جس کا کاروبار خسارے کا شکار ہو گیا ہو اور اس وجہ سے وہ مقروض ہو گیا ہو۔

في سبيل الله: اس میں صرف وہ افراد شامل ہیں جو دنیا میں کسی بھی جگہ غلبہ اسلام کے لیے جہاد وقتال کے کام میں مصروف ہیں۔

ابن السبيل: اس سے مراد ایسا مسافر ہے جو دوران سفر امداد کا مستحق ہو گیا ہو خواہ وہ اپنے علاقے میں غنی ہی کیوں نہ ہو۔

---

(۱۲٦) [تفسیر قرطبی (۱۷۲/۸)]

(۱۲۷) [نیل الأوطار (۱۳۱/۳-۱۳۲) السیل الجرار (٦۰/۲)]

(۱۲۸) [فقه الزكاة (٦۷۰/۲)]

(۱۲۹) [صحيح: صحيح أبو داود (۱٤۳۲) كتاب الزكاة: باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى' أبو داود (۱٦۲٦) ترمذى (٦٥۰) ابن ماجة (۱۸٤۰) نسائى (۲٥۹۳) أحمد (٤٤۱/۱) ابن أبى شيبة (۱۸۰/۳) دارمى (۳۸٦/۱) شرح معانى الآثار (۲۰/۲) دارقطنى (۱۲۱/۲) حاكم (۳۰۷/۱) الحلية لأبى نعيم (۲۳۷/٤)]

(۱۳۰) [التوبة: ٦۰]

637- وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ خِيَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا أَتَيَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْأَلَانِهِ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَلَّبَ فِيهِمَا النَّظَرَ، فَرَآهُمَا جَلْدَيْنِ، فَقَالَ: ((إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا، وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ قَوَّاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ -

حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیارؓ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے انہیں حدیث بیان کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صدقہ کا مال مانگنے کے لیے آئے۔ آپ ﷺ نے ان میں نظر دوڑائی تو انہیں طاقتور پایا اور فرمایا ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں عطا کر دیتا ہوں لیکن صدقہ میں غنی اور طاقتور کمائی کے قابل آدمی کا کوئی حق نہیں۔''

[اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابوداود اور نسائی نے اسے قوی کہا ہے۔]

لغوی توضیح قَلَّبَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب قَلَّبَ يُقَلِّبُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''پھیرنا'' مراد ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں پر نظر کو گھما پھرا کر اچھی طرح دیکھا۔ جَلْدَيْن تثنیہ ہے جَلْد کی' اس کا معنی ہے ''طاقتور' مضبوط''۔ حَظٌّ حصے کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غنی اور ایسے صحت مند کے لیے صدقہ و زکوٰۃ حلال نہیں جو کمائی کے قابل ہو۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دینے والے کو بھی خوب اچھی طرح تحقیق کرنی چاہیے کہ آیا یہ شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے بھی یا نہیں۔ اگر مستحق ہو تو اسے زکوٰۃ دے دینی چاہیے اور اگر نہ ہو تو اسے نصیحت کرنی چاہیے۔

638- وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهِلَالِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ: رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُومَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ، فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةُ سُحْتًا يَأْكُلُهَا صَاحِبُهُ سُحْتًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ -

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سوال کرنا صرف تین افراد کے لیے درست ہے۔ ایک وہ شخص جس نے کسی کی ضمانت اٹھائی' اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتی کہ ضمانت حاصل کر لے اس کے بعد (سوال کرنے سے) رُک جائے۔ دوسرا وہ شخص جسے آفت پہنچ جائے' آفت نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا' اس کے لیے اُس وقت تک سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اس کی ضرورت پوری نہ ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہے اس کے قبیلہ کے تین ہوش مند انسان کھڑے ہوں اور (گواہی دیں کہ) فلاں انسان فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے اس وقت تک سوال کرنا جائز ہے جب تک اس کا فاقہ دور نہ ہو جائے۔ اے قبیصہ! ان کے علاوہ (کے لیے) سوال کرنا حرام ہے' سوال کرنے والا حرام مال کھائے گا۔'' [اسے مسلم' ابوداود' ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔]

637- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٦٣٣) نسائي (٩٩/٥) احمد (٢٢٤/٤) دارقطني (١١٩/٢) بيهقي (١٤/٧) شرح معاني الآثار (٣٠٣/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

638- [مسلم (١٠٤٤) كتاب الزكاة : باب من تحل له المسألة' ابو داود (١٦٤٠) نسائي (٨٩/٥) احمد (٦٠/٥) ابن الجارود (٣٦٧) دارمي (١٦٧٨) بيهقي (٧٣/٦) دارقطني (١٢٠/٢)]

لغوی توضیح جَائِحَة آفت ومصیبت کو کہتے ہیں خواہ وہ آسمانی ہو یا زمینی۔ اَلْحِجَا سے مراد ہے "عقلمند"۔ سُحْت کا معنی ہے "حرام"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مذکورہ تین آدمیوں کے لیے ہی سوال کرنا جائز ہے۔ان کے علاوہ جو بھی سوال کرے گا وہ حرام کا ارتکاب کرے گا اور اس کا کھانا بھی حرام ہوگا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے کی تحقیق وتفتیش کے لیے اس کے خاندان یا قبیلے کے تین افراد سے گواہی لینی چاہیے کہ آیا یہ آدمی واقعتاً مفلس ومجبور ہے۔

639- وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ)) وَفِي رِوَايَةٍ: ((وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آلِ محمد کے لیے صدقہ جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں (کے مال) کی میل کچیل ہے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ "صدقہ نہ تو محمد ﷺ کے لیے حلال ہے اور نہ ہی آلِ محمد (ﷺ) کے لیے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ وزکوۃ محمد ﷺ اور آلِ محمد (ﷺ) کے لیے حلال نہیں۔ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور پکڑ لی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کخ کخ تاکہ وہ اسے پھینک دیں اور مزید فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔" (۱۳۱) امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ آلِ محمد پر زکوۃ حرام ہے اور یہ بات متواتر دلائل سے ثابت ہے۔ (۱۳۲) امام ابن قدامہؒ (۱۳۳) اور شیخ عبد العزیز بن بازؒ (۱۳٤) نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

علاوہ ازیں کیا آلِ محمد پر نفلی صدقہ بھی حرام ہے؟ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔راجح بات یہی ہے کہ نفلی صدقہ بھی حرام ہے۔امام شوکانیؒ (۱۳۵) اور امام خطابیؒ (۱۳٦) اسی کے قائل ہیں۔امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ ظاہر بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر فرضی اور نفلی ہر قسم کا صدقہ حرام تھا کیونکہ ان سے اجتناب دلائل وعلامات نبوت میں سے تھا، اس لیے آپ اس میں کوئی خلل اندازی نہیں کر سکتے تھے۔جس حدیث میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا ذکر ہے اُس میں ہے کہ جس نے انہیں نبی کریم ﷺ کے متعلق خبر دی تھی، اُس نے آپ ﷺ کا یہ وصف بیان کیا تھا کہ وہ ہدیہ کی چیز تو کھائیں گے لیکن صدقہ کی چیز نہیں کھائیں گے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اس کے متعلق دریافت کرتے؟ اگر کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ اسے کھالو اور خود نہ

639- [مسلم (۱۰۷۲) كتاب الزكاة : باب كراهة المسألة للناس، ابو داود (۲۹۸۵) نسائی (۱۰۵/۵) أحمد (۱٦٦/٤) ابن خزيمة (۲۳٤۲) بيهقی (۳۱/۷)]

(۱۳۱) [بخاری (۱٤۹۱) كتاب الزكاة : باب ما يذكر فی الصدقة للنبی وآله، مسلم (۱۰٦۹، ۱٦۱) دارمی (۱٦٤۲) احمد (۹۳۱۹) عبد الرزاق (٦۹٤۰) طيالسی (۲٤۸۲) نسائی فی السنن الكبری (۸٦٤۵/۵) بيهقی (۲۹/۷) شرح السنة للبغوی (۱٦۰۵) ابن حبان (۳۲۹٤) ابن أبی شيبة (۲۱٤/۳)]

(۱۳۲) [السيل الجرار (۸۱/۱۰)]

(۱۳۳) [المغنی لابن قدامة (۱۰۹/٤)]

(۱۳٤) [مجموع الفتاوی لابن باز (۳۱/۱٤)]

(۱۳۵) [نيل الأوطار (۱۳٦/۳)]

(۱۳٦) [معالم السنن (۷۱/۲)]

کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو خود بھی ان کے ساتھ کھاتے۔ پس ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پر دونوں قسم کا صدقہ حرام کیا گیا تھا اور (آلِ محمد کے متعلق) صحیح بات یہ ہے کہ اُن پر بھی ہر دو قسم کا (یعنی فرضی اور نفلی) صدقہ حرام ہے۔(۱۳۷) تاہم جمہور اہل علم (۱۳۸)، شیخ ابن بازؒ (۱۳۹) اور شیخ ابن عثیمینؒ (۱۴۰) نے یہی مؤقف اپنایا ہے کہ آلِ محمد کے لیے نفلی صدقہ جائز ہے۔

اس مسئلے میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا سید سید کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ جنہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے ان کی دلیل کو امام شوکانیؒ نے ضعیف ثابت کیا ہے اور اس مؤقف کا اظہار کیا ہے کہ سید سید کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا کیونکہ کسی بھی سید کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں۔(۱۴۱)

640- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا، وَنَحْنُ وَهُمْ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((إِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ شَيْءٌ وَاحِدٌ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی جانب گئے۔ ہم نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے بنو مطلب کو خیبر کے خمس سے حصہ عطا فرمایا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا ہے' حالانکہ ہم اور وہ ایک ہی مرتبہ میں ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' بلاشبہ بنو مطلب اور بنو ہاشم ایک ہی چیز ہیں۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث ''ہم اور بنو مطلب ایک ہی مرتبہ پر ہیں'' سے مراد یہ ہے کہ جیسے وہ آپ ﷺ کے چچازاد ہیں اسی طرح ہم بھی چچازاد ہیں۔ دراصل عبد مناف کے چار بیٹے تھے: ہاشم' مطلب' نوفل اور عبد شمس۔ مطلب کی اولاد بنو مطلب' ہاشم کی اولاد بنو ہاشم' نوفل کی اولاد بنو نوفل اور عبد شمس کی اولاد بنو عبد شمس کہلائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو عبد شمس سے تھا اور حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا بنو نوفل سے۔ آپ ﷺ نے جب بنو مطلب کو خیبر کے خمس سے عطا فرمایا تو ان دونوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا بنو مطلب آپ ﷺ سے قرابت داری میں جس مقام پر ہیں ہم بھی (بنو نوفل اور بنو عبد شمس ہونے کی وجہ سے) اسی مقام پر ہیں (یعنی ہم سب چچا زاد ہیں) تو پھر یہ تفریق کیوں؟ آپ ﷺ نے اس کا جواب یوں دیا کہ ''بنو مطلب اور بنو ہاشم ایک ہی چیز ہیں'' یعنی بنو مطلب نے اسلام قبول کرنے کے بعد بنو ہاشم کا ہر جگہ پر ساتھ دیا اور ان کا تعاون کیا لیکن بنو نوفل اور بنو عبد شمس ہمیشہ بنو ہاشم کی مخالفت کرتے رہے اور ان سے لڑتے جھگڑتے رہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے بنو مطلب اور بنو ہاشم ایک ہی چیز ہیں جبکہ دوسروں کا ان سے تعلق اس طرح نہیں۔ اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بنو ہاشم کی طرح بنو مطلب پر بھی زکوٰۃ حرام ہے۔

641- وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو مخزوم

640- [بخاری (۳۱۴۰-۴۲۲۹) كتاب فرض الخمس : باب ومن الدليل على أن الخمس للإمام' ابو داود (۲۹۷۸-۲۹۸۰) نسائی (۱۳۰/۷) ابن ماجه (۲۸۸۱) احمد (۸۵/۴)]

641- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۱۶۵۰) ترمذی (۶۵۷) نسائی (۱۰۷/۵) احمد (۱۲۸/۶) ابن خزيمة (۲۳۴۴) ابن حبان (۳۲۸۲) حاكم (۴۰۴/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳۷) [المغنى لابن قدامة (۱۱۶/۴)]
(۱۳۸) [كما فى تفسير قرطبى (۱۷۶/۸)]
(۱۳۹) [مجموع الفتاوى لابن باز (۳۱۴/۱۴)]
(۱۴۰) [مجموع الفتاوى لابن عثيمين (۴۲۹/۱۸)]
(۱۴۱) [نيل الأوطار (۱۳۵/۳) السيل الجرار (۸۱۲/۱)]

النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ ، فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ : اصْحَبْنِي ، فَإِنَّكَ تُصِيبُ مِنْهَا ، فَقَالَ : لَا ، حَتَّى آتِيَ النَّبِيَّ ﷺ فَأَسْأَلَهُ . فَأَتَاهُ فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : ((مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَإِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الثَّلَاثَةُ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ .

کہ ایک آدمی (حضرت ارقم رضی اللہ عنہ) کو زکوۃ وصول کرنے پر مقرر فرمایا' اس نے ابورافع رضی اللہ عنہ سے کہا' میرے ساتھ چلو تمہیں بھی اس سے حصہ مل جائے گا۔ انہوں نے کہا' میں اس وقت تک نہیں آؤں جب تک نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے پوچھ نہ لوں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا" قوم کے غلام بھی انہی میں سے ہوتے ہیں اور ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔" [اسے احمد اور تینوں نے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آل محمد کی طرح ان کے غلاموں پر بھی صدقہ وزکوۃ حرام ہے۔ امام شوکانی ؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے۔ (۱٤۲) امام قرطبی ؒ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں اہل علم کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ (۱٤۳) تاہم اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آل محمد کے غلام زکوۃ کا مال بطور تنخواہ واجرت وصول کر سکتے ہیں یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ ؒ اور امام احمد ؒ نے اسے بھی حرام قرار دیا ہے۔ جبکہ جمہور علما بطور تنخواہ صدقہ لینا ان کے لیے جائز قرار دیتے ہیں۔ (۱٤٤) علامہ عبدالرحمن مبارکپوری ؒ نے پہلے موقف کو ہی ظاہر قرار دیا ہے۔ (۱٤٥)

642- وَعَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُعْطِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ الْعَطَاءَ ، فَيَقُولُ : أَعْطِهِ أَفْقَرَ مِنِّي ، فَيَقُولُ : ((خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ أَوْ تَصَدَّقْ بِهِ وَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز عطا فرماتے تو وہ عرض کرتے' یہ چیز مجھ سے زیادہ کسی محتاج کو عنایت فرما دیجیے۔ تو آپ ﷺ فرماتے" اسے لے لو اور اسے اپنا مال بنا لو یا اسے صدقہ وخیرات کر دو' جو مال تمہیں بغیر کسی حرص ولالچ اور سوال کے ملے اسے لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ ملے اس کے پیچھے اپنے آپ کو مت لگایا کرو۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح تَمَوَّلْ فعل امر کا صیغہ ہے باب تَمَوَّلَ يَتَمَوَّلُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے" اپنا مال بنا لینا۔" مُشْرِف کہتے ہیں کسی چیز کی حرص وطمع رکھنے والے کو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کی وصولی پر مقرر عامل کو اپنا معاوضہ لے لینا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمران اگر کوئی عطیہ دے تو اسے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ صرف لالچ اور حرص کے ساتھ سوال کرنا قابل مذمت ہے۔

642- [بخاری (۱٤۷۳) کتاب الزکاۃ: باب من أعطاه الله شيئا من غير مسألة' مسلم (۱۰٤٥) نسائی (۱۰٥/٥) احمد (۲۱/۱)]

(۱٤۲) [نيل الأوطار (۱۳۷/۳)]
(۱٤۳) [تفسير قرطبی (۱۷٦/۸)]
(۱٤٤) [فتح الباری (٤۱٦/۳-٤۱۷)]
(۱٤٥) [تحفة الأحوذی (۳٦۷/۳)]

643- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَقَدَّمُوا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ إِلَّا رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا فَلْيَصُمْهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔
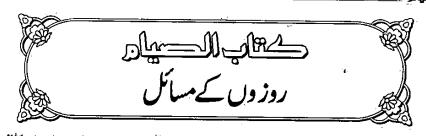
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''رمضان سے پہلے ایک یا دو دن روزے نہ رکھو مگر جو شخص (پہلے سے) روزے رکھ رہا ہو وہ یہ روزہ بھی رکھ لے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح لفظِ صِیَام مصدر ہے باب صَامَ يَصُومُ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے ''روزہ رکھنا اور رُک جانا (یعنی کھانے' پینے' بولنے' جماع کرنے یا چلنے وغیرہ سے رُک جانا)''۔ روزے دو ہجری میں فرض ہوئے اور نبی ﷺ نے نو سال ماہِ رمضان کے روزے رکھے۔(1) لَا تَقَدَّمُوا اصل میں لَا تَتَقَدَّمُوا تھا' پھر تکرار کی وجہ سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا' یہ فعل نہی کا صیغہ ہے باب تَقَدَّمَ يَتَقَدَّمُ (بروزنِ تفعّل) سے' اس کا معنی ہے ''مقدم کرنا' آگے بڑھنا'' مراد ہے رمضان سے پہلے استقبالِ رمضان کے لیے ایک یا دو دن کا روزہ مت رکھو۔

فهم الحديث ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ''جب شعبان نصف ہو جائے تو روزے مت رکھو۔''(2) معلوم ہوا کہ نصف شعبان کے بعد رمضان تک روزہ رکھنا منع ہے۔ بظاہر تو یہ حکم تحریم کے لیے ہی معلوم ہوتا ہے البتہ بعض نے اسے کراہت پر محمول کیا ہے۔ تاہم وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے جس کا روزے رکھنا معمول ہو یعنی اگر کوئی ہر سوموار اور جمعرات کو روزے رکھتا ہو تو وہ نصف شعبان کے بعد بھی ان ایام کے روزے رکھ سکتا ہے۔

644- وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ)) ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا' وَوَصَلَهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے مشکوک دن کا روزہ رکھا اس نے ابو القاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ [اسے بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے اور پانچوں نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

643- [بخاری (١٩١٤) كتاب الصوم : باب لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين' مسلم (١٠٨٢) ابو داود (٢٣٣٥) ترمذی (٦٨٤) ابن ماجه (١٦٥٠) نسائی (١٣٩/٤) احمد (٢٣٤/٢) دارمی (١٦٨٩) ابن الجارود (٣٧٨) دارقطنی (١٥٩/٢)]

644- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٢٣٣٤) كتاب الصوم : باب كراهية صوم يوم الشك' ترمذی (٦٨٦) ابن ماجه (١٦٤٥) نسائی (١٥٣/٤) دارمی (١٦٨٢) دارقطنی (١٥٧/٢) ابن خزيمة (٢٠٤/٣) حاكم (٤٢٣/١) ابن حبان (٨٧٨۔الموارد) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

---

(1) [المجموع (٢٥٠/٦) نيل الأوطار (١٥١/٣)]

(2) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٠٤٩) كتاب الصوم : باب في كراهية في ذلك' أبو داود (٢٣٣٧) ترمذی (٧٣٨) ابن ماجة (١٦٥١) أحمد (٤٤٢/٢) ابن أبي شيبة (٢١/٣)]

فهم الحدیث معلوم ہوا کہ مشکوک دن میں روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ مشکوک دن سے مراد ہے ماہ شعبان کا تیسواں دن ہے یعنی اگر اس رات مطلع ابر آلود ہو اور اس باعث چاند نظر نہ آ سکے تو یقیناً یہ شک رہے گا کہ آیا صبح رمضان ہے یا تیس شعبان؟ (۳) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ صحیح سنت مشکوک دن کے روزے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ (٤)

645- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوا لَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلِمُسْلِمٍ : ((فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَهُ ثَلَاثِينَ)) وَلِلْبُخَارِيِّ : ((فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ)).

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب تم (عید کا) چاند دیکھو تو روزہ چھوڑ دو اور اگر مطلع ابر آلود ہو جائے تو اس کا اندازہ لگالو۔'' [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں ہے کہ] ''اگر مطلع ابر آلود ہو تو پھر اس کے لیے تیس دن کی گنتی کا اندازہ لگالو۔'' [اور بخاری میں ہے کہ] ''پھر تم تیس دن کی گنتی پوری کرلو۔''

646- وَلَهُ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ)).

اور بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''پھر تم شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔''

لغوی توضیح أُغْمِيَ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب أَغْمَى يُغْمِي (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''پوشیدہ کرنا' چھپانا''۔ اقْدُرُوا فعل امر ہے باب قَدَرَ يَقْدُرُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''اندازہ لگانا''۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ رمضان کا چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے اور ماہ شوال کا چاند دیکھنے سے روزہ چھوڑنا فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر ماہ شعبان کے انتیسویں روز مطلع ابر آلود ہونے کے باعث رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو پھر روزہ نہیں رکھنا چاہیے بلکہ شعبان کے تیس دن پورے کر لینے چاہییں' کیونکہ شعبان کی بقاء ہی یقینی امر ہے جبکہ اس کا اختتام محض شک ہے اور یقین شک کے ذریعے زائل نہیں ہوتا۔

647- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنِّي رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ)) رَوَاهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ چاند دیکھ رہے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے تو آپ ﷺ نے (خود بھی) روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

645- [بخاری (۱۹۰۰) كتاب الصوم : باب هل يقال رمضان أو شهر رمضان ومن رأى كله واسعا' مسلم (۱۰۸۰) ابن ماجه (۱٦٥٤) نسائی (٤/١٣٤) احمد (٢/٦٣) مالك (١/٢٨٦) بيهقی (٤/٢٠٤)]

646- [بخاری (۱۹۰۹) كتاب الصوم : باب قول النبی إذا رأيتم الهلال فصوموا' مسلم (۱۰۸۱) نسائی (٤/١٣٣) أحمد (٢/٤١٥)]

647- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۲۳٤۲) كتاب الصوم : باب فی شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان' دارمی (۱٦۹۱) دارقطنی (٢/١٥٦) حاكم (١/٤٢٣) ابن حبان (٨٧١۔الموارد) بيهقی (٤/٢١٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۳) [سبل السلام (٢/٨٦١)]

(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (١٠/١٧٧)]

أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

648- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ ، فَقَالَ : ((أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟)) قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : ((أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ ؟)) قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : ((فَأَذِّنْ فِي النَّاسِ يَا بِلَالُ أَنْ يَصُومُوا غَدًا)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ رَجَّحَ النَّسَائِيُّ إِرْسَالَهُ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "کیا تو شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں؟" اس نے عرض کیا' جی ہاں۔ آپ ﷺ نے (پھر) دریافت فرمایا کہ "کیا تو شہادت دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟" اس نے عرض کیا' جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا' اے بلال! لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔ [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی نے اس کے مرسل کو ہی ترجیح دی ہے۔]

لغوی توضیح تَرَاءَ ى فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَرَاءَ ى يَتَرَاءَ ى (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے "چاند دیکھنے کی کوشش کرنا"۔ اَلْهِلَال چاند کو کہتے ہیں۔

فقہ الحدیث معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کے چاند کے متعلق ایک دیانتدار مسلمان کی گواہی کافی ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام مالکؒ، امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ نے صرف دو آدمیوں کی شہادت کو ہی قبول کیا ہے اور احناف کا کہنا ہے کہ اگر آسمان صاف ہو تو ایک بڑی جماعت کا گواہی دینا ضروری ہے لیکن اگر بادل وغیرہ کی وجہ سے آسمان پوشیدہ ہو تو پھر ایک بالغ' عاقل' عادل' مسلمان کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ (٥) جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔ امام شوکانیؒ (٦)، شیخ ابن بازؒ (٧) اور سعودی مستقل فتوی کمیٹی (٨) نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ علاوہ ازیں ماہ شوال کے چاند کے متعلق اکثر علماء کی رائے کے مطابق کم از کم دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے' جیسا کہ امام نوویؒ نے نقل فرمایا ہے۔ (٩) ان کی دلیل وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہ شوال کے چاند کے متعلق دو آدمیوں کی گواہی قبول فرمائی۔ (١٠) لیکن امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ محض آپ ﷺ کا کسی موقع پر دو آدمیوں کی گواہی قبول فرمانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ ایک کی گواہی

648- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (٢٣٤٠) كتاب الصوم : باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان' ترمذی (٦٩١) ابن ماجه (١٦٥٢) نسائی (١٣٢/٤) دارمی (١٦٩٢) دارقطنی (١٥٨/٢) حاکم (٤٢٤/١) بیهقی (٢١١/٤) ابن خزیمة (١٩٢٣) ابن حبان (٨٧٠۔الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(٥) [نيل الأوطار (١٥٢/٣) الفقه الإسلامي وأدلته (١٦٥١/٣) الأم (١٢٤/٢) شرح المهذب (٢٨٣/٦) الكافي لا بن عبد البر (ص/١١٩) الخرشي (٢٣٥/٢) المغني (٤١٦/٤) كشاف القناع (٣٠٤/٢) سبل السلام (٢١٦/٢)]

(٦) [السيل الجرار (١١٤/٢)] (٧) [فتاوى إسلامية (١١٠/٢)]

(٨) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٩٤/١٠)] (٩) [شرح مسلم (٢٠٧/٤)]

(١٠) [صحيح : صحيح أبو داود (٢٠٥١) كتاب الصوم : باب شهادة رجلين على رؤية هلال شوال' أبو داود (٢٣٣٩) أحمد (٣١٤/٤) بيهقي (٢٥٠/٤)]

قبول ہی نہیں کی جائے گی (بلکہ شوال کے چاند کے متعلق بھی ایک دیانتدار آدمی کی گواہی قبول کی جائے گی)۔(۱۱) یہی مؤقف راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)

ایک صحیح حدیث میں چاند دیکھنے کی یہ دعا مذکور ہے: ﴿ اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ رَبَّنَا وَتَرْضٰى رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ ﴾۔(۱۲)

649- وَعَنْ حَفْصَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَمَالَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ إِلَى تَرْجِيْحِ وَقْفِهِ ، وَصَحَّحَهُ مَرْفُوْعًا ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ ، وَلِلدَّارَقُطْنِيِّ : ((لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَفْرِضْهُ مِنَ اللَّيْلِ)) ۔

اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا کوئی روزہ نہیں۔'' [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور نسائی نے اس کے موقوف ہونے کی طرف ہی میلان ظاہر کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے مرفوعاً صحیح کہا ہے اور دارقطنی میں یہ لفظ ہیں کہ] ''جس نے رات کو ہی فرض نہ کیا اس کا کوئی روزہ نہیں۔''

لغوی توضیح لَمْ يُبَيِّتْ فعل نفی کا صیغہ ہے باب بَيَّتَ يُبَيِّتُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے ''رات کے وقت روزے کی نیت کرنا''۔لَمْ يَفْرِضْ بھی فعل نفی کا ہی صیغہ ہے باب فَرَضَ يَفْرِضُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے ''فرض کرنا''۔یعنی پختہ نیت کر لینا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر سے پہلے پہلے فرض روزے کی نیت کرنا بہر صورت ضروری ہے۔ امام شوکانیؒ (۱۳) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۱۴) نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ ہر روزے کی الگ نیت کرنا واجب ہے۔ امام شافعیؒ ، امام ابو حنیفہؒ ، امام ابن منذرؒ ، امام شوکانیؒ (۱۵) ، امام ابن قدامہؒ (۱۶) ، امام ابن حزمؒ (۱۷) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۱۸) نے یہی فتویٰ دیا ہے البتہ امام احمدؒ (۱۹) نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ پورے مہینے کے لیے ایک مرتبہ نیت کرنا بھی کافی ہے۔ نیت اس لیے ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہر عمل کے لیے نیت کو ضروری قرار دیا ہے (۲۰) اور چونکہ

649- [صحیح : صحیح ابو داود ، ابو داود (۲٤٥٤) کتاب الصوم : باب النیة فی الصیام ، ترمذی (۷۳۰) ابن ماجه (۱۷۰۰) نسائی (٤/۱۹٦) دارمی (۱٦۹۸) احمد (٦/۲۸۷) ابن خزیمة (۱۹۳۳) بیهقی (٤/۲۰۲) دارقطنی (۲/۱۷۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۱) [نیل الأوطار (۳/۱٥۳)]

(۱۲) [صحیح : دارمی (۱/۳۳٦) کتاب الصوم : باب ما یقال عند رؤیة الهلال ، صحیح ترمذی ، ترمذی (۳٤٥۱) کتاب الدعوات : باب ما یقول عند رؤیة الهلال]

(۱۳) [نیل الأوطار (۳/۱٦۳)]

(۱٤) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والإفتاء (۱۰/۲٤٤)]

(۱٥) [نیل الأوطار (۳/۱٦۳)]

(۱٦) [المغنی (٤/۳۳۷)]

(۱۷) [المحلی بالآثار (٤/۲۸٥)]

(۱۸) [فتاوی اللجنة الدائمة (۱۰/۲٤٦)]

(۱۹) [کما فی المغنی لابن قدامة (٤/۳۳۷)]

(۲۰) [بخاری (۱) کتاب بدء الوحی ، مسلم (۱۹۰۷) ابو داود (۲۲۰۱) ترمذی (۱٦٤۷) ابن ماجة (٤۲۲۷) نسائی (۱/٥۸) احمد (۱/۲٥) حمیدی (۲۸) ابن خزیمة (۱٤۲)]

روزہ بھی ایک عمل ہے لہٰذا اس کے لیے بھی نیت ضروری ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ نیت دل کا فعل ہے' زبان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں' جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۲۱) اور امام ابن قیمؒ (۲۲) نے اس مسئلے پر مفصل بحث کر کے یہی ثابت کیا ہے' لہٰذا جو حضرات روزے کی نیت ان الفاظ ﴿وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ﴾ میں کرتے ہیں' انہیں اپنے اس عمل پر غور کرنا چاہیے۔

650- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ' فَقَالَ: ((هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟)) قُلْنَا: لَا' قَالَ: ((فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ)) ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ' فَقُلْنَا: أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ' فَقَالَ: ((أَرِينِيهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا)) فَأَكَلَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور فرمایا "کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟" ہم نے کہا' نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا "تب میں روزہ دار ہوں۔" پھر آپ ﷺ ایک دوسرے دن ہمارے پاس آئے تو ہم نے کہا' اے اللہ کے رسول! ہمیں حلوہ بطورِ ہدیہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے بھی حلوہ دکھاؤ' میں نے روزے کی حالت میں صبح کی ہے۔" پھر آپ ﷺ نے (حلوہ) کھالیا۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حَيْس اس حلوے کو کہتے ہیں جو کھجور' پنیر اور گھی ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزے کی نیت طلوع آفتاب کے بعد بھی کی جاسکتی ہے۔ امام شافعیؒ' امام احمدؒ اور امام مالکؒ نے یہی مؤقف اپنایا ہے کہ نفلی روزے کی نیت زوالِ آفتاب سے پہلے کی جاسکتی ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ نفل کے ساتھ فرض روزے کی بھی نیت نصف النہار تک کی جاسکتی ہے۔ پہلا مؤقف راجح ہے۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزہ بلا عذر بھی توڑا جاسکتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ نفلی روزہ بلا عذر نہیں توڑا جاسکتا اور اگر کوئی توڑے گا تو اس پر قضاء واجب ہے۔ (۲۳)

651- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگ ہمیشہ خیر وعافیت سے رہیں گے جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کریں گے۔" [بخاری' مسلم]

650- [مسلم (۱۱۵۴) كتاب الصيام: باب جواز صوم النافلة بنية من النهار' ابو داود (۲٤٥٥) ترمذی (۷۳۳-۷۳٤) ابن ماجه (۱۷۰۱) نسائی (٤/۱۹۳)]

651- [بخاری (۱۹۵۷) كتاب الصوم: باب تعجيل الإفطار' مسلم (۱۰۹۸) ترمذی (٦۹۹) ابن ماجه (۱٦۹۷) احمد (٥/۳۳۷) ابن خزيمة (۲۰٥۹) دارمی (۱٦۹۹) بيهقی (٤/۲۳۷)]

(۲۱) [مجموع الفتاوى لابن تيمية (۱۸/۲٦۲)] (۲۲) [زاد المعاد (۱/٦۹)]

(۲۳) [المغنی (٤/۳۳۳) الأم (۲/۱۲٦) شرح المهذب (٦/۳۰٤) الإختيار (۱/۱۲۷) المبسوط (۳/٦۲) الهداية (۱/۱۱۸) تحفة الفقهاء (۱/۳٤٥) سبل السلام (۲/۲۱۷) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۳/۲۹۳) بداية المجتهد (۱/۲۰۲) نيل الأوطار (٤/۲۲۰)]

652- وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا)) ۔

اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے اپنے بندوں میں سب سے زیادہ پسند وہ ہیں جو افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔"

فهم الحديث ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لوگ روزہ افطار کرنے میں جب تک جلدی کرتے رہیں گے دین ہمیشہ غالب رہے گا کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر سے افطار کرتے ہیں۔"(٢٤) معلوم ہوا کہ تاخیر سے روزہ افطار کرنا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے' اس لیے ان کی مخالفت کرتے ہوئے جلدی روزہ افطار کرنا چاہیے۔ نیز واضح رہے کہ جلدی روزہ افطار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب آسمان صاف ہو اور غروب آفتاب کا یقین ہو جائے تو فوراً روزہ افطار کر لیا جائے' پھر بلا وجہ تاخیر نہ کی جائے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں جو منکر بدعات ایجاد کر لی گئی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے افطار میں تاخیر اور سحریوں میں جلدی کی ہے جو کہ سنت کی مخالفت ہے' یہی وجہ ہے کہ ان میں خیر کم اور شر زیادہ ہے۔(٢٥) امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ افطار میں جلدی کرنے اور سحری کھانے میں تاخیر کرنے سے متعلقہ احادیث صحیح و متواتر ہیں اور علما کا اجماع ہے کہ جلدی روزہ افطار کرنا اور تاخیر سے سحری کھانا قابل اتباع سنت ہے۔(٢٦)

653- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سحری کھایا کرو کیونکہ اس میں برکت ہے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث میں سحری کھانے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ سحری کی ترغیب میں چند اور روایات یہ ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں اور فرشتے ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔"(٢٧) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں مجھے سحری کی طرف بلایا اور فرمایا "آؤ مبارک کھانے کی طرف۔"(٢٨) سحری کا وقت صبح صادق کے خوب نمایاں ہو

652- [ضعيف: ضعيف ترمذی' ترمذی (٧٠٠-٧٠١) كتاب الصوم: باب ما جاء في تعجيل الإفطار' احمد (٢٣٧/٢) ابن خزيمة (٢٠٦٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

653- [بخاری (١٩٢٣) كتاب الصوم: باب بركة السحور من غير إيجاب' مسلم (١٠٩٥) ترمذی (٧٠٨) نسائی (١٤١/٤) ابن ماجة (١٦٩٢) احمد (٢١٥/٣) دارمی (١٦٩٦) ابن خزيمة (١٩٣٧)]

(٢٤) [حسن: صحيح أبو داود (٢٠٦٣) كتاب الصوم: باب ما يستحب من تعجيل الفطر' أبو داود (٢٣٥٣) ابن ماجة (١٦٩٨) أحمد (٤٥٠/٢) ابن أبي شيبه (١١/٣) ابن حبان (٣٥٠٣) حاكم (٤٣١/١) بيهقى (٢٣٧/٤)]

(٢٥) [فتح الباری (١٩٩/٤)] (٢٦) [كما في توضيح الأحكام (٤٧١/٣)]

(٢٧) [حسن صحيح: صحيح الترغيب (١٠٦٦) كتاب الصوم: باب الترغيب في السحور سيما بالتمر' ابن حبان في صحيحه (٣٤٦٧) طبرانی أوسط]

(٢٨) [صحيح لغيره: صحيح الترغيب (١٠٦٧) كتاب الصوم: باب الترغيب في السحور سيما بالتمر' أبو داود (٢٣٤٤) نسائی (١٤٥/٤) ابن خزيمة (١٩٣٨) ابن حبان (٣٤٥٦)]

جانے تک ہے۔(۲۹) البتہ تاخیر سے سحری کھانا مستحب ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ "بلا شبہ ہم انبیاء کا گروہ ہیں' ہمیں جلد افطاری کرنے اور تاخیر سے سحری کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔"(۳۰) ایک دوسری روایت میں ہے کہ "محمد ﷺ کے صحابہ لوگوں میں سب سے جلد افطار کرتے اور سب سے تاخیر سے سحری کھاتے۔"(۳۱)

654- وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ، فَإِنَّهُ طَهُورٌ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور کے ساتھ افطار کرے' اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی کے ساتھ کر لے' کیونکہ وہ پاک ہے۔"[اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کھجور سے روزہ افطار کیا جائے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی کے ساتھ افطار کر لیا جائے' مگر یہ روایت ضعیف ہے۔ البتہ وہ روایت صحیح ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز مغرب سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے' اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو چھواروں سے روزہ کھولتے' اگر چھوارے بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ پی لیتے۔(۳۲) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کھجور یا پانی کے ساتھ روزہ افطار کرنا مستحب ہے واجب نہیں' لہٰذا اگر کوئی ان دونوں اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ روزہ افطار کرنا چاہے تو درست ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ستو گھول کر روزہ افطار کیا۔(۳۳) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۳۴) تاہم نبی کریم ﷺ کا ہر عمل چونکہ پر حکمت ہے اس لیے کھجور سے افطاری کرنے کے بھی حکماء واطباء نے مختلف فوائد بیان کیے ہیں۔ اطباء کا کہنا ہے کہ دن بھر روزے کے بعد توانائی (وحرارت) کم ہو جاتی ہے اس لیے افطاری ایسی چیز سے ہونی چاہیے جو زود ہضم اور مقوی ہو...... اس کے لیے کھجور ایک ایسی معتدل اور جامع چیز ہے جس سے حرارت اعتدال میں آ جاتی ہے اور جسم گوناگوں امراض سے بچ جاتا ہے۔ اگر جسم کی حرارت کو کنٹرول نہ کیا جائے تو لو بلڈ پریشر' فالج' لقوہ اور سر چکرانا وغیرہ جیسی امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔(۳۵)

654- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (۲۳۵۵) كتاب الصوم : باب ما يفطر عليه' ترمذی (۶۵۸-۶۹۵) ابن ماجه (۱۶۹۹) احمد (۱۷/۴) دارمی (۱۷۰۱) ابن خزيمة (۲۰۶۷) ابن حبان (۸۹۲-الموارد) حاكم (۴۳۲/۱) بيهقی (۲۳۸/۴) بغوی (۴۳۴/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۲۹) [بخاری (۱۹۱۶) مسلم (۱۰۹۰) ابو داود (۲۳۴۹) ترمذی (۲۹۷۰) دارمی (۱۶۹۴) ابن حبان (۳۴۶۲) بيهقی (۲۱۵/۳) طبرانی كبير (۱۷۶/۱۷) ابن خزيمة (۱۹۲۵)]

(۳۰) [صحيح : الصحيحة (۳۷۶/۴) التعليقات الرضية على الروضة الندية للألبانی (۲۰/۲) رواه ابن حبان]

(۳۱) [صحيح : عبد الرزاق (۷۵۹۱)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[فتح الباری (۷۱۳/۴)]

(۳۲) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۰۶۵) أبو داود (۲۳۵۶) ترمذی (۶۹۹) نسائی فی السنن الكبری (۳۳۱۷)' (۲۵۳/۲) كتاب الصيام : باب ما يستحب للصائم أن يفطر عليه' احمد (۱۶۴/۳)]

(۳۳) [بخاری (۱۹۵۵) كتاب الصوم : باب متى يحل فطر الصائم]

(۳۴) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۳۳۵/۱۰)]

(۳۵) [دیکھئے: سنت نبوی اور جدید سائنس' جلد اول' صفحہ نمبر ۱۸۷)]

655- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ : فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ : ((وَأَيُّكُمْ مِثْلِي ؟ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي)) فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ، ثُمَّ يَوْمًا ، ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ ، فَقَالَ : ((لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ كَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ حِينَ أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے میں وصال سے منع فرمایا۔ اس پر مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول ! آپ خود تو وصال کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میری طرح تم میں سے کون ہے؟ مجھے تو رات میں میرا رب کھلاتا ہے اور وہی مجھے سیراب کرتا ہے۔" لوگ جب اس پر بھی وصال کا روزہ رکھنے سے نہ باز آئے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ دو دن تک وصال کیا۔ پھر عید کا چاند نکل آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر چاند نہ دکھائی دیتا تو میں اور کئی دن وصال کرتا۔" گویا جب لوگ وصال کے روزے سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے ان کو سزا دینے کے لیے ایسا کیا۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح وِصَال سے مراد یہ ہے کہ آدمی ارادی طور پر دو یا اس سے زیادہ دن تک روزہ افطار نہ کرے اور مسلسل روزہ رکھے' نہ رات کو کچھ کھائے اور نہ سحری کے وقت۔ اَلْمُنَکِّل اسم فاعل کا صیغہ ہے باب نَکَّلَ یُنَکِّلُ (بروزن تفعیل) سے' اس سے مراد ہے ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے میں وصال کرنا ممنوع و نا جائز ہے۔ جمہور اہل علم نے اسے نبی کریم ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اسے مکروہ کہتے ہیں جبکہ امام احمدؒ نے اسے سحری تک جائز قرار دیا ہے۔ امام ابن قیمؒ نے امام احمدؒ کے موقف کو سب سے زیادہ معتدل کہا ہے۔ (۳۶) نیز اس موقف کی تائید صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "وصال نہ کرو اور اگر تم میں سے کوئی وصال کرنا ہی چاہے تو سحری تک کر لے۔" (۳۷)

656- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ اللَّفْظُ لَهُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے جھوٹ بولنا' اس پر عمل کرنا اور جہالت کے کاموں کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" [اسے بخاری اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور لفظ ابوداود کے ہیں۔]

655- [بخاری (۱۹٦۵) کتاب الصوم : باب التنکیل لمن أکثر الوصال ' مسلم (۱۱۰۳) احمد (۲۸۱/۲) دارمی (۱۷۰٦)]

656- [بخاری (۱۹۰۳) کتاب الصوم : باب من لم یدع قول الزور والعمل به فی الصوم ' ابو داود (۲۳٦۲) ترمذی (۷۰۷) ابن ماجه (۱٦۸۹) احمد (۴۵۲/۲) بیهقی (۲۷۰/٤)]

(۳٦) [کما فی توضیح الأحکام (۴۸۱/۳)]

(۳۷) [بخاری (۱۸۲۷)]

لغوی توضیح قَوْلَ الزُّوْرِ جھوٹی بات کو کہتے ہیں' مراد ہر ایسا کلام ہے جو باطل ہو مثلاً جھوٹ' غیبت' بہتان' جھوٹی گواہی' جھوٹی قسم اور گالی گلوچ وغیرہ۔ الْجَهْلَ سے مراد ہر جہالت و بے وقوفی کی بات ہے مثلاً فحش گوئی وغیرہ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی حالت میں روزہ دار پر صرف کھانے پینے سے بچنا ہی واجب نہیں بلکہ ہر حرام کلام اور ہر حرام فعل سے بچنا بھی لازم ہے۔ اگرچہ حرام کلام وافعال سے بچنا روزے کے علاوہ بھی فرض ہے لیکن روزے میں یہ مزید مؤکد ہو جاتا ہے۔ دراصل روزے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے منع کردہ کاموں سے بچنے کی مشق کرانا ہے یعنی جیسے انسان اللہ تعالیٰ کے روکنے پر دورانِ روزہ کھاتا پیتا نہیں اسی طرح اسے اللہ تعالیٰ کے روکنے پر باقی حرام افعال سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اہل علم کا کہنا ہے کہ دورانِ روزہ حرام کلام وافعال کے ارتکاب سے روزہ بہر حال نہیں ٹوٹے گا' البتہ اس کے اجر وثواب میں نقص ضرور واقع ہوگا۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ اگر روزہ دار سے کوئی بدکلامی کرے یا اسے گالی دے تو اسے چاہیے کہ وہ صرف اتنا کہہ دے کہ ''میں روزہ دار ہوں۔'' (۳۸)

657- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَلَكِنَّهُ كَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ، وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: ((فِي رَمَضَانَ)).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بحالتِ روزہ (اپنی ازواج کا) بوسہ لیتے اور مباشرت بھی کرتے (یعنی جسم سے جسم ملاتے)' لیکن آپ ﷺ تم میں سب سے زیادہ اپنی خواہش پر قابو پانے والے تھے۔ [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں اور ایک روایت میں انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] رمضان میں۔

لغوی توضیح يُقَبِّلُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب قَبَّلَ يُقَبِّلُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''بوسہ لینا''۔ يُبَاشِرُ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب بَاشَرَ يُبَاشِرُ (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے ''جسم کے ساتھ جسم ملانا' معانقہ کرنا وغیرہ''۔ إِرْب کا معنی ہے ''خواہش نفس' ضرورت وحاجت وغیرہ''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہے اس کے لیے دورانِ روزہ اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اس کے ساتھ معانقہ وغیرہ کرنا درست ہے' لیکن جو شخص نفس پر قابو کی طاقت نہیں رکھتا اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔ روزہ دار پر اپنی بیوی سے ہم بستری کرنا حرام ہے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ ''روزہ دار پر بیوی کی شرمگاہ حرام ہے۔'' (۳۹) علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک اہم فائدہ موجود ہے اور وہ مباشرت کی تفسیر ہے (یعنی دورانِ روزہ جس مباشرت کی اجازت ہے وہ یہ کہ) روزہ دار اپنی بیوی کو شرمگاہ کے علاوہ چھوئے۔ (۴۰)

657- [بخاری (۱۹۲۷) کتاب الصوم : باب المباشرة للصائم' مسلم (۱۱۰۶) ابو داود (۲۳۸۲) ترمذی (۷۲۷) ابن ماجه (۱٦۸۷) احمد (٦/٤٢)]

(۳۸) [صحیح : صحیح الترغیب (۱۰۸۲) كتاب الصوم : باب ترهيب الصائم من الغيبة والفحش والكذب ونحو ذلك' صحیح ابن خزيمة (۱۹۹٦)' (۲٤۲/۳)]

(۳۹) [بخاری تعلیقا (قبل الحدیث / ۱۹۲۷) کتاب الصوم : باب المباشرة للصائم]

(٤٠) [نظم الفرائد (۵۲٦/۱)]

658- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حالتِ احرام میں اور دورانِ روزہ پچھنے لگوائے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی حالت میں پچھنے لگوانے سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نیز آئندہ روایت میں جو پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا ذکر ہے اس کے متعلق قوی تر احتمال یہی ہے کہ وہ منسوخ ہو چکی ہے' جیسا کہ آئندہ دوسری روایت سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے۔ جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام احمدؒ نے ان سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ دورانِ روزہ پچھنے لگوانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ (۴۱) صریح دلائل وقرائن جمہور کے مؤقف کو قابل ترجیح ثابت کرتے ہیں۔ امام ابن حزمؒ (۴۲) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ (۴۳) نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ تاہم اکثر ائمہ کی یہ رائے یقیناً لائق اعتناء ہے کہ اگر دورانِ روزہ پچھنے لگوانے سے کمزوری ہو جانے کے باعث روزہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

659- وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَى عَلَى رَجُلٍ بِالْبَقِيعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ فِي رَمَضَانَ، فَقَالَ: ((**أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ**)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بقیع میں ایک آدمی کے پاس آئے' وہ رمضان میں پچھنے لگوا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔'' [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور احمد، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

660- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَوَّلُ مَا كُرِهَتِ الْحِجَامَةُ لِلصَّائِمِ: أَنَّ جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَمَرَّ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((أَفْطَرَ هٰذَانِ)) ثُمَّ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابتداء میں روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانا اس لیے مکروہ ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے' نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو فرمایا ''ان دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔'' پھر بعد میں نبی کریم

658- [بخاری (۱۹۳۸۔۱۹۳۹) كتاب الصوم: باب الحجامة والقيء للصائم' ابو داود (۲۳۷۲۔۲۳۷۳) ترمذی (۷۷۵۔۷۷۷) ابن ماجه (۱۶۸۲) احمد (۲۸۶/۱)]

659- [**صحیح**: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۳۶۸) كتاب الصوم: باب فی الصائم یحتجم' ابن ماجه (۱۶۸۱) احمد (۱۲۳/٤) دارمی (۱۷۰۳) ابن حبان (۹۰۰۔الموارد) ابن خزیمة (۱۹۶۳) حاکم (٤۲۸/۱) بیهقی (۲٦٥/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

660- [دارقطنی (۱۸۲/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(٤۱) [نيل الأوطار (۱۷۱/۳) تحفة الأحوذی (٥٦۳/۳) المحلی بالآثار (۳۳٥/٤)]

(٤۲) [کما فی فتح الباری (۱٥٥/٤)]

(٤۳) [مختصر بخاری (٤٥٥/۱)]

رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدُ فِي الْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ ' وَكَانَ أَنَسٌ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ - رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَقَوَّاهُ -

ﷺ نے روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے کی رخصت دے دی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بحالت روزہ پچھنے لگوایا کرتے تھے۔[اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے اور قوی کہا ہے۔]

661- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اكْتَحَلَ فِي رَمَضَانَ ' وَهُوَ صَائِمٌ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ' وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ : لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان میں بحالت روزہ سرمہ ڈالا۔[اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔]

فهم الحديث گو یہ روایت ضعیف ہے مگر دورانِ روزہ سرمہ لگانے کا جواز دیگر صحیح روایات سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ روزے کی حالت میں بھی سرمہ لگا لیا کرتے تھے۔(٤٤) اسی طرح امام اعمشؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ روزہ دار کے لیے سرمہ ناپسند کرتا ہو اور امام ابراہیم نخعیؒ یہ رخصت دیا کرتے تھے کہ روزہ دار صبر (یعنی ایلوے کی بوٹی) کا سرمہ ڈال لے۔(٤٥) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے لیے سرمہ لگانے میں کوئی قباحت نہیں۔(٤٦) جمہور، احناف، امام شافعیؒ، امام شوکانیؒ (٤٧)، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ(٤٨)، امام ابن قدامہؒ(٤٩)، علامہ البانیؒ(٥٠) اور شیخ ابن بازؒ(٥١) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ البتہ امام احمدؒ، امام ابن مبارکؒ اور امام اسحاقؒ نے روزہ دار کے لیے سرمہ لگانا مکروہ قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ انہوں نے سنن ابی داود کی جس روایت سے استدلال کیا ہے' وہ ضعیف ہے۔(٥٢)

662- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"

661- [صحیح : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (١٦٧٨) كتاب الصيام : باب ما جاء في السواك والكحل للصائم ' بيهقى (٢٦٢/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

662- [بخارى (١٩٣٣) كتاب الصوم : باب الصائم إذا أكل أو شرب ناسيا ' مسلم (١١٥٥) ابو داود (٢٣٩٨) ترمذى (٧٢١) احمد (٣٩٥/٢) دارمى (١٧٢٦) دارقطنى (١٧٨/٢) ابن خزيمة (١٩٩٠) ابن حبان (٩٠٦_الموارد) حاكم (٤٣٠/١) بيهقى (٢٢٩/٤)]

(٤٤) [حسن موقوف : صحيح ابو داود (٢٠٨٢) كتاب الصيام : باب في الكحل عند النوم للصائم ' ابو داود (٢٣٧٨)]

(٤٥) [حسن : صحيح ابو داود (٢٠٨٣) كتاب الصيام : باب في الكحل عند النوم للصائم ' ابو داود (٢٣٧٩) بذل المجهود (١٩٤/١١)]

(٤٦) [عبد الرزاق بإسناد صحيح كما قال الحافظ في فتح البارى (١٥٤/٤)]

(٤٧) [نيل الأوطار (١٧٧/٣)]

(٤٨) [مجموع الفتاوى (٢٤١/٢٥)]

(٤٩) [المغنى لابن قدامة (٣٥٣/٤)]

(٥٠) [الموسوعة الفقهية الميسرة (٢٩٣/٣)]

(٥١) [مجموع الفتاوى لابن باز (٣٤٩/١)]

(٥٢) [ضعيف : ضعيف أبو داود (٥١٤) كتاب الصوم : باب في الكحل عند النوم للصائم ' أبو داود (٢٣٧٧) بخارى في التاريخ (٣٩٨/٧) طبرانى كبير (٨٠٢) بيهقى (٢٦٢/٤) اس حدیث کے متعلق امام ابوداودؒ نے خود ہی وضاحت فرما دی ہے کہ امام یحییٰ بن معینؒ نے مجھ سے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔]

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَلِلْحَاكِمِ: ((مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ نَاسِياً فَلَا قَضَاءَ وَلَا كَفَّارَةَ)) وَهُوَ صَحِيحٌ۔

جو روزے کی حالت میں بھول کر کھا لے یا پی لے تو اسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہیے' بلاشبہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔" [بخاری، مسلم۔ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ] "جو رمضان میں بھول کر روزہ افطار کر لے تو اس پر نہ تو قضا ہے اور نہ ہی کفارہ۔" [اور یہ روایت صحیح ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی حالت میں بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی ایسے شخص پر کوئی قضا یا کفارہ لازم آتا ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ (٥٣) شیخ ابن عثیمینؒ (٥٤) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٥٥) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ البتہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ بھول کر کھانے والے کا بھی روزہ باطل ہو جاتا ہے اور اس کے ذمہ قضا لازم ہوتی ہے۔ (٥٦) یہ موقف مذکورہ بالا صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل رد ہے۔

663- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَمَنْ اسْتَقَاءَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ أَعَلَّهُ أَحْمَدُ وَ قَوَّاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جسے (از خود) قے آ جائے اس پر (روزے کی) کوئی قضا نہیں اور جو جان بوجھ کر قے کرے اس پر قضا لازم ہے۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اسے معلول جبکہ امام دارقطنیؒ نے اسے قوی قرار دیا ہے۔]

لغوی توضیح ذَرَعَهُ الْقَيْءُ سے مراد ہے' بلا قصد و ارادہ از خود قے آ جانا۔ اِسْتَقَاءَ کا معنی ہے جان بوجھ کر قے کرنا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ امام ابن منذرؒ (٥٧)، امام خطابیؒ (٥٨) اور امام ابن حزمؒ (٥٩) نے اس مسئلے پر اہل علم کا اجماع نقل فرمایا ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں۔ (٦٠) نیز سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٦١) اور شیخ ابن بازؒ (٦٢) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ البتہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مطلقاً قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ واضح رہے کہ انہوں نے جس روایت سے

663- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٢٣٨٠) کتاب الصوم: باب الصائم يستقيء عامدا' ترمذی (٧٢٠) ابن ماجه (١٦٧٦) احمد (٤٩٨/٢) دارمی (١٧٢٩) دارقطنی (١٨٤/٢) ابن خزیمة (١٩٠٦) ابن حبان (٩٠٧۔الموارد) بیهقی (٢١٩/٤) حاکم (٤٢٧/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(٥٣) [نيل الأوطار (١٧٨/٣) الروضة الندية (٥٤٢/١) سبل السلام (١٣٧/٤)]
(٥٤) [فتاوى إسلامية (١٢٨/٢)]
(٥٥) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٢٦٩/١٠)]
(٥٦) [المغنى لابن قدامه (٣٢٧/٤)]
(٥٧) [الإجماع لا بن المنذر (ص/٥٢)' (١٢٤)]
(٥٨) [معالم السنن (٢٦١/٣)]
(٥٩) [المحلى (٢٥٥/٦)]
(٦٠) [ترمذی (بعد الحديث / ٧١٦)]
(٦١) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٢٥٤/١٠)]
(٦٢) [فتاوى إسلامية (١٣٤/٢)]

استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے۔(٦٣)

664- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ إِلَى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ، فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيمِ، فَصَامَ النَّاسُ، ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهُ، حَتَّى نَظَرَ النَّاسُ إِلَيْهِ، فَشَرِبَ، ثُمَّ قِيلَ لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ: إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ، فَقَالَ: ((أُولَئِكَ الْعُصَاةُ أُولَئِكَ الْعُصَاةُ)) وَفِي لَفْظٍ: فَقِيلَ لَهُ: ((إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ وَإِنَّمَا يَنْتَظِرُونَ فِيمَا فَعَلْتَ، فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَشَرِبَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال (10 ہجری میں) رمضان میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے' آپ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔حتیٰ کہ آپ کراع الغمیم (ایک وادی کا نام) پر پہنچے۔لوگ بھی (اس دن) روزے سے تھے۔پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اسے اٹھایا حتیٰ کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا تو آپ ﷺ نے اسے پی لیا' پھر اس کے بعد آپ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ ابھی بھی روزے سے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ لوگ نافرمان ہیں' یہ لوگ نافرمان ہیں۔''[اور ایک روایت میں ہے کہ] آپ ﷺ سے کہا گیا کہ لوگوں پر روزہ گراں گزر رہا ہے اور وہ صرف آپ کے عمل کا انتظار کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور اسے پی لیا۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

665- وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَجِدُ فِيَّ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ أَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَأَصْلُهُ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو سَأَلَ۔

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں اپنے آپ میں دورانِ سفر روزہ رکھنے کی قوت پاتا ہوں تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' یہ اللہ کی طرف سے ایک رخصت ہے' جو اسے اختیار کرے تو یہ بہتر ہے اور جو روزہ رکھنا چاہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔''[اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تھا۔]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ سفر روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں طرح درست ہے۔جمہور اسی کے قائل ہیں۔البتہ مذکورہ بالا پہلی روایت میں سفر میں روزہ رکھنے والوں کے متعلق جو آپ ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ

664- [مسلم (١١١٤) كتاب الصيام: باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان' ترمذى (٧١٠) نسائى (١٧٧/٤) ابن خزيمة (٢٠١٩) ابن حبان (٣٥٤٩) بيهقى (٢٤١/٤)]

665- [مسلم (١١٢١) كتاب الصيام: باب التخيير في الصوم والفطر في السفر' نسائى (١٨٧/٤) عائشہ کی حدیث کے لیے دیکھئے: بخارى (١٩٤٣) مسلم (١١٢١) ابو داود (٢٤٠٢) ترمذى (٧١١) ابن ماجه (١٦٦١) نسائى (١٨٧/٤) بيهقى (٢٤٣/٤)]

(٦٣) [**ضعيف**: ضعيف ترمذى (١١٤) كتاب الصيام: باب ما جاء في الصائم يذرعه القيء' ترمذى (٧١٩)] اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم راوی ضعیف ہے۔[تقريب التهذيب (٤٨٠/١) الكاشف (١٤٦/٢) المغنى (٣٨٠/٢) ميزان الاعتدال (٥٦٤/٢) المجروحين (٥٧/٢) كتاب الجرح والتعديل (٢٣٣/٥)]

''یہی لوگ نافرمان ہیں'' اس کی توضیح اہل علم نے یوں فرمائی ہے کہ یہ آپ ﷺ نے انہیں خاص اُس دن روزہ کھولنے کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے کہا تھا۔(٦٤) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے فرمایا ہے کہ نافرمان سے مراد ایسا شخص ہے جس پر دورانِ سفر روزہ گراں ہو (اور وہ پھر بھی روزہ رکھے۔(٦٥) علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر میں اگر روزہ گراں ہو تو روزہ چھوڑنا ہی افضل ہے۔ جمہور، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے یہی مؤقف اپنایا ہے۔(٦٦)

666- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((رُخِّصَ لِلشَّيْخِ الْكَبِيرِ أَنْ يُفْطِرَ وَيُطْعِمَ عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا ، وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَاهُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بوڑھے بزرگ کے لیے رخصت دی گئی ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اور اس پر کوئی قضا نہیں۔[اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا بوڑھا شخص جس کے دوبارہ قوی و طاقتور ہونے کی امید ہی نہ ہو' اسی طرح ایسا مریض جس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو' (دونوں) ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں اور ان پر روزے کی قضا بھی لازم نہیں۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول مروی ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کا بھی یہی حکم ہے۔(٦٧) اسی طرح ایک روایت میں مسکین کو کھلائے جانے والے کھانے کی مقدار نصف صاع (تقریباً سوا کلو) گندم مذکور ہے۔(٦٨) اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ کیا مسکین کو ہی کھانا کھلایا جائے یا نصف صاع گندم یا اس کے برابر کچھ اور صدقہ کر دیا جائے؟ جمہور اہل علم کے نزدیک مسکین کو کھانا کھلانا ضروری ہے جبکہ امام مالکؒ اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔(٦٩)

667- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : هَلَكْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ : ((وَمَا أَهْلَكَكَ ؟)) قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ ، فَقَالَ : ((هَلْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی (حضرت سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول ! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کس چیز نے تمہیں ہلاک کر دیا؟'' اس نے عرض کیا'

666- [دارقطنی (٢٠٥/٢) حاکم (٤٠٤/١) ابن الجارود (٣٨١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

667- [بخاری (١٩٣٦) كتاب الصوم : باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيء فتصدق عليه ' مسلم (١١١١) ابو داود (٢٣٩٠) ترمذی (٧٢٤) ابن ماجه (١٦٧١) احمد (٢٠٨/٢) مالك (٢٩٦/١) دارمی (١٧١٦) ابن الجارود (٣٨٤) دارقطنی (١٩٠/٢) بیهقی (٢٢١/٤-٢٢٢)]

---

(٦٤) [سبل السلام (٨٨٦/٢)]

(٦٥) [تحفة الأحوذی (٤٥٣/٣)]

(٦٦) [الروضة الندية (٥٤٩/١) نيل الأوطار (٢٠٠/٣)]

(٦٧) [دار قطنی (٢٠٧/٢) امام دارقطنیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٦٨) [دار قطنی (٢٠٧/٢) امام دارقطنیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٦٩) [الفقه الإسلامي وأدلته (٢٤٧/٢) بداية المجتهد (١٧٧/٢) قوانين الأحكام الشرعية (ص/١٤٣)]

تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً ؟)) قَالَ : لَا ' قَالَ : ((فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ؟)) قَالَ : لَا ' قَالَ : ((فَهَلْ تَجِدُ مَا تُطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ؟)) قَالَ : لَا ' قَالَ : ثُمَّ جَلَسَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ ' فَقَالَ : ((تَصَدَّقْ بِهٰذَا)) فَقَالَ : أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا ؟ فَمَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنَّا ' فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ' ثُمَّ قَالَ : ((اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ)) رَوَاهُ السَّبْعَةُ وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ۔

میں رمضان میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر بیٹھا ہوں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا"کیا تو اتنی طاقت رکھتا ہے کہ ایک غلام آزاد کردے؟"اس نے عرض کیا'نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا"کیا تجھ میں اتنی استطاعت ہے کہ تو دو ماہ کے پے درپے روزے رکھے؟"اس نے کہا' نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا"کیا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہے؟"اس نے کہا'نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا'پھر وہ بیٹھ گیا۔تو (کچھ دیر بعد) نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا"انہیں صدقہ کردو۔" اس نے کہا'کیا اپنے سے زیادہ فقیر محتاج پر (صدقہ کروں)؟ان دو سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ ان کا کوئی محتاج نہیں؟ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں'پھر آپ ﷺ نے فرمایا"جاؤ اسے اپنے اہل وعیال کو ہی کھلا دو۔"[اسے ساتوں نے روایت کیا ہے اور لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح رَقَبَة سے مراد غلام یا لونڈی ہے۔عَرَق ٹوکرے کو کہتے ہیں۔لَا بَتَيْ تثنیہ ہے لَابَة کی'اس سے مراد ہے ایسی پتھریلی زمین جس کے پتھر سیاہ ہوں۔أَنْيَاب جمع ہے نَاب کی'اس سے مراد رباعی دانتوں کے ساتھ کچلی والے دانت ہیں۔

فهم الحديث سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا﴿ وَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ ﴾"اس کی جگہ ایک دن کا روزہ رکھو۔"(۷۰) اور سنن ابی داود کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿ وَصُمْ يَوْمًا وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ﴾"ایک دن کا روزہ رکھو اور اللہ سے استغفار کرو۔"(۷۱) معلوم ہوا کہ دورانِ روزہ بیوی سے ہم بستری کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اور اس سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں۔سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دورانِ روزہ بیوی سے ہم بستری کرنے والے پر قضا' کفارہ اور توبہ تینوں کام لازم ہیں۔(۷۲) کفارے کی ترتیب وہی ہے جو حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے'اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے پے درپے روزے رکھے جائیں اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا دیا جائے۔علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تنگ دستی کی بنا پر کفارہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ایسا کوئی ذکر موجود نہیں'جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ تنگ دستی سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسے اپنے گھر والوں کو ہی کھجوریں کھلانے کا کہا تھا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کی

(۷۰) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۱۳۵٦) كتاب الصيام : باب ماجاء في كفارة من أفطر يوما من رمضان ' إرواء الغليل (۹٤۰) ابن ماجة (۱٦۷۱)]

(۷۱) [صحيح : صحيح أبو داود (۲۰۹٦) كتاب الصوم : باب كفارة من أتى أهله في رمضان ' أبو داود (۲۳۹۳)]

(۷۲) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۱۰/۳۰٤)]

طرف سے کفارے کی ادائیگی بھی درست ہے' بشرطیکہ کفارہ دینے والے کو اس کا علم ہو' کیونکہ عبادت میں نیت ضروری ہے۔

❑ جماع کی وجہ سے آیا عورت کا روزہ بھی فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ بلا اختلاف عورت کا روزہ بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس پر کفارہ بھی لازم ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن منذرؒ نے کہا ہے کہ عورت پر بھی کفارہ لازم ہے جبکہ امام احمدؒ کے نزدیک عورت پر کفارہ لازم نہیں۔ (٧٣) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر عورت ہم بستری پر رضا مند ہو تو اس پر بھی کفارہ لازم ہے لیکن اگر اسے مجبور کیا گیا ہو تو پھر اس پر کفارہ لازم نہیں۔ (٧٤) شیخ ابن عثیمینؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (٧٥)

668- وَعَنْ عَائِشَةَ وَ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ((كَانَ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَزَادَ مُسْلِمٌ فِي حَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ : ((وَلَا يَقْضِي)) .

حضرت عائشہ ؓ اور حضرت اُم سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جماع کی وجہ سے بحالتِ جنابت صبح کرتے' پھر غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔ [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں ام سلمہ ؓ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ] "آپ ﷺ قضا نہیں دیتے تھے۔"

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حالتِ جنابت میں صبح ہو جائے تو روزہ درست ہے۔ جمہور علماء اور امام نوویؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ (٧٦) نیز جس روایت میں ہے کہ "جسے حالت جنابت میں فجر ہو جائے وہ روزہ نہ رکھے۔" (٧٧) اس کے متعلق امام ابن منذرؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق سب سے اچھی بات جو میں نے سنی ہے وہ یہ ہے کہ یہ منسوخ ہو چکی ہے۔ (٧٨) حافظ ابن حجرؒ (٧٩) اور امام شوکانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (٨٠) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم بستری کی وجہ سے جنابت لاحق ہونے پر روزہ درست ہے تو اس کے علاوہ کسی اور ذریعے (مثلاً احتلام وغیرہ) سے جنابت کے باعث تو بالاولیٰ روزہ درست ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کی راتوں میں بیوی سے ہم بستری مباح و درست ہے۔

669- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

668- [بخاری (١٩٢٥ـ١٩٢٦) كتاب الصوم : باب الصائم يصبح جنبا ' مسلم (١١٠٩) ابو داود (٢٣٨٨) ترمذی (٧٧٩) احمد (٣٦/٦) مالك (٢٩١/١) دارمی (١٧٢٥)]

669- [بخاری (١٩٥٢) كتاب الصوم : باب من مات وعليه صوم ' مسلم (١١٤٧) ابو داود (٢٤٠٠) احمد (٩٦/٦) ابن خزيمة (٢٠٥٢) ابن حبان (٣٥٧٤) دارقطنی (١٩٤/٢) بيهقی (٢٥٥/٤)]

(٧٣) [ملخصا : المغنی لابن قدامة (٣٧٥/٤)]

(٧٤) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٣١١/١٠ـ٣١٢)]

(٧٥) [فتاوی إسلامية (١٣٦/٢)] (٧٦) [نيل الأوطار (١٨٦/٣)]

(٧٧) [مسلم (١١٠٩) كتاب الصيام : باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب ' موطا (٢٩٠/١) كتاب الصيام : باب ما جاء فی صيام الذی يصبح جنبا فی رمضان ' بخاری (١٩٢٦) كتاب الصوم : باب الصائم يصبح جنبا]

(٧٨) [تلخيص الحبير (٤٤٤/٢) شرح مسلم للنووی (٤٤٣/٤)]

(٧٩) [أيضا] (٨٠) [نيل الأوطار (١٨٦/٣)]

النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ ”جو شخص فوت ہوا اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی (وارث) روزے رکھے۔“ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ ولی سے مراد وارث ہے۔(۸۱) البتہ امام صنعانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد ہر قریبی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے صرف ورثاء یا عصبہ رشتہ دار مراد ہیں۔(۸۲)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھنا درست ہے۔ اکثر ائمہ اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے روزے نہیں رکھنے چاہییں بلکہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا چاہیے۔ واضح رہے کہ انہوں نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے۔(۸۳) امام نوویؒ نے اس روایت کے متعلق کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں۔(۸۴) بعض اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ میت کی طرف سے صرف نذر کے روزے رکھے جائیں گے رمضان کے نہیں' مگر اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔(۸۵) جمہور علماء کے نزدیک میت کی طرف سے روزے رکھنا مستحب ہے(۸۶) لیکن امام ابن حزمؒ (۸۷)، امام صنعانیؒ (۸۸)، نواب صدیق حسن خان (۸۹) اور علامہ البانیؒ (۹۰) اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

باب صوم التطوع وما نهى عن صومه — نفلی روزے اور جن ایام کے روزے ممنوع ہیں، کا بیان

670- عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ ' فَقَالَ : ((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ)) وَسُئِلَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ ' فَقَالَ : ((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ)) وَ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یوم عرفہ کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”گزشتہ سال اور آئندہ سال کے گناہ مٹا دیتا ہے۔“ اور آپ ﷺ سے یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”(صرف) گزشتہ سال کے

670- [مسلم (۱۱٦۲) کتاب الصیام : باب استحباب صیام ثلاثة أیام من کل شهر ' ابو داود (۲٤۲٥-۲٤۲٦) ابن ماجه (۱۷۳۰) احمد (۲۹٦/٥) بیهقی (۲۸٦/٤)]

(۸۱) [توضيح الأحكام (۵۲۵/۳)]
(۸۲) [سبل السلام (٤۳٥/۲)]
(۸۳) [ضعيف : ضعيف ابن ماجة (۳۸۹) كتاب الصيام : باب من مات وعليه صيام رمضان قد فرط فيه ' ترمذی (۷۱۸) ابن ماجة (۱۷۵۷)]
(۸٤) [شرح مسلم للنووی (٤۷۹/٤)]
(۸٥) [الحاوی (٤٥۲/۳) المغنی (۳۹۹/٤) الأم (۱٤٤/۲) بدائع الصنائع (۱۰۳/۲) المبسوط (۸۹/۳) الكافی (ص/۱۲۲) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۳۳٤/۳) نیل الأوطار (۲۱٤/۳)]
(۸٦) [كما فی نیل الأوطار (۲۱٤/۳)]
(۸۷) [المحلی (٤۲۰/٤)]
(۸۸) [سبل السلام (۸۹٤/۲)]
(۸۹) [الروضة الندية (٥٥۱/۱)]
(۹۰) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲٥/۲)]

يَوْمِ الاِثْنَيْنِ ' فَقَالَ : ((ذٰلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ وَبُعِثْتُ فِيهِ وَ أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

گناہ مٹاتا ہے۔" اور آپ ﷺ سے سوموار کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اس دن میں میں پیدا ہوا' اسی دن میں مجھے نبوت عطا کی گئی اور اسی میں مجھ پر قرآن نازل کیا گیا۔"

[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث **یوم عرفة** سے مراد 9 ذوالحجہ کا دن ہے کہ جس روز حجاج کرام میدانِ عرفات میں ہوتے ہیں۔اس دن کا روزہ مستحب ہے۔کیونکہ اس سے دو سال (ایک گزشتہ اور ایک آئندہ) کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔معاف ہونے والے گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ کبیرہ گناہ صرف توبہ سے ہی معاف ہوتے ہیں۔واضح رہے کہ یہ روزہ حجاجِ کرام کے لیے مستحب نہیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دورانِ حج عرفات میں یہ روزہ نہیں رکھا تھا۔(۹۱) یہی وجہ ہے کہ جمہور علما(۹۲) اور امام شوکانیؒ (۹۳) وغیرہ میدانِ عرفات میں روزے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔**یوم عاشوراء** سے مراد 10 محرم کا دن ہے۔اس دن کا روزہ بھی مستحب ہے کیونکہ اس سے ایک گزشتہ سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔پہلے یہ روزہ فرض تھا لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس کی رخصت دے دی گئی۔(۹۴) یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے تھے' جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو 9 محرم کا روزہ رکھوں گا" (تاکہ روزے کا اجر بھی حاصل ہو جائے اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت بھی) لیکن آئندہ سال سے پہلے ہی آپ ﷺ وفات پا گئے۔(۹۵) البتہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ "نو اور دس محرم کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔"(۹۶) اس روایت کی وجہ سے اہل علم (مثلاً حافظ ابن حجرؒ (۹۷) وغیرہ) نے کہا ہے کہ زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ نو اور دس محرم (دونوں ایام) کا روزہ رکھنا چاہیے' لیکن اگر کوئی صرف نو محرم کا ہی روزہ رکھنا چاہے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔علاوہ ازیں جس روایت میں ہے کہ نو محرم سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد ایک دن روزہ رکھو' وہ ضعیف ہے۔(۹۸) **یوم الاثنین** سے مراد سوموار کا دن ہے۔اس دن کا روزہ بھی مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ

---

(۹۱) [بخاری (۱۹۸۸) کتاب الصوم : باب صوم یوم عرفة' مسلم (۱۱۲۳) ابو داود (۲٤٤۱) ترمذی (۷۵۰) ابن خزیمة (۲۸۲۸) ابن حبان (۳٦۰۵)' (۳٦۰٦) بیهقی (۲۸۳/٤)]

(۹۲) [المغنی لابن قدامة (٤٤٤/٤)] (۹۳) [نیل الأوطار (۲۱۹/۳)]

(۹٤) [بخاری (۱۵۹۲) مسلم (۱۱۲۵) أبوداود (۲٤٤۲) ترمذی (۷۵۳) ابن ماجة (۱۷۳۳) احمد (۲۹/٦) موطا (۲۹۹/۱) حمیدی (۲۰۰) ابن حبان (۳٦۲۱) عبد الرزاق (۷۸٤۲) ابن خزیمة (۲۰۸۰) ابن ابی شیبة (۵۵/۳) طحاوی (۷٤/۲) بیهقی (۲۸۸/٤-۲۹۰)]

(۹۵) [مسلم (۱۱۳٤) کتاب الصیام : باب أی یوم الصیام فی عاشورا' أبو داود (۲٤٤۵) ابن ماجة (۸۰۹۵) تحفة الأشراف (٦۵٦٦)]

(۹٦) [بیهقی فی معرفة السنن والآثار (۸۹٦٦)' (۳۵۰/٦) الفتح الربانی (۱۸۹/۱) طحاوی (۷۸/۲) عبدالرزاق (۷۸۳۹) شیخ احمد عبدالرحمٰن البناء نے اس موقوف روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

(۹۷) [فتح الباری (۷۷۳/٤)]

(۹۸) [أحمد (۲٤۱/۱) ابن خزیمة (۲۰۹۵) الکامل (۹۵٦/۳) السنن الکبری للبیهقی (۲۸۷/٤) اس کی سند میں ابن ابی لیلی اور داود بن علی دونوں راوی ضعیف ہیں۔]

یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جس روز انسان کو کوئی بڑی نعمت حاصل ہوئی ہو اس دن شکرانے کے طور پر روزہ رکھنا درست ہے' جیسا کہ اس روز نبی ﷺ کو نبوت حاصل ہوئی تھی اس لیے آپ اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''ہر سوموار اور جمعرات کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل پیش کیا جائے تو میں روزہ دار ہوں۔'' (۹۹)

671- وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ عمل سارا سال (روزے رکھنے) کی مانند ہو گا۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے بعد شوال میں چھ روزے رکھنا مستحب ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ ان روزوں کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ (۱۰۰) بلا تردد پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔ امام ابن قدامہؒ نے اہل علم کی اکثریت کا یہی مؤقف نقل فرمایا ہے۔ (۱۰۱) واضح رہے کہ یہ روزے شوال کی ابتداء میں' آخر میں' پے در پے یا الگ الگ ہر طرح سے رکھے جا سکتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے متعلق کسی بات کی بھی تعیین نہیں فرمائی۔ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۱۰۲) اور شیخ ابن بازؒ (۱۰۳) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ علاوہ ازیں ان چھ روزوں کو سارے سال کے روزوں کی مانند اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے لہٰذا رمضان کے روزے دس ماہ کے برابر ہوئے اور یہ چھ روزے دو ماہ کے برابر۔

672- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا بَاعَدَ اللَّهُ بِذَلِكَ الْيَوْمِ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ سَبْعِينَ خَرِيفًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو کوئی بندہ اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے چہرے کو ستر سال کے لیے جہنم کی آگ سے دور کر دیتے ہیں۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

671- [مسلم (۱۱٦٤) كتاب الصيام: باب استحباب صوم ستة أيام من شوال' ابو داود (۲٤۳۳) ترمذی (۷۵۹) ابن ماجه (۱۷۱٦) بيهقی (۲۹۲/٤) ابن خزيمة (۲۱۱٤) ابن حبان (۳٦۲٦)]

672- [بخاری (۲۸٤۰) كتاب الجهاد والسير: باب فضل الصوم فی سبيل الله' مسلم (۱۱۵۳) ترمذی (۱۲۲٤) نسائی (۱۷۲/٤) ابن ماجه (۱۷۱۷) احمد (۲٦/۳) دارمی (۲۳۹۹)]

(۹۹) [صحيح: صحيح ترمذی (۵۹٦) كتاب الصوم: باب صوم يوم الإثنين والخميس' أحمد (۲٦۸/۲) ترمذی (۷٤۷) ابن ماجة (۱۷٤۰) كتاب الصيام: باب صيام يوم الاثنين والخميس' دارمی (۱۷۵۸) ابن حبان (۳٦٤٤) ابن خزيمة (۲۱۲۰) عبد الرزاق (۷۹۱٤) حميدی (۹۷۵)]

(۱۰۰) [نيل الأوطار (۲۱٦/۳) تحفة الفقهاء (۵۲۵/۱) حاشية ابن عابدين (٤۳۵/۲) الكافی (۳۵/۱) موطا مالك (ص/۲۱) نهاية المحتاج (۲۰۸/۳) روضة الطالبين (۳۸۷/۲)]

(۱۰۱) [المغنی لابن قدامة (٤۳۸/٤)]

(۱۰۲) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (۳۹۱/۱۰)]

(۱۰۳) [فتاوى إسلامية (۱٦۵/۲)]
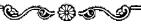
فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راہِ جہاد میں ایک دن روزہ رکھنے والے کو یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں **فی سبیل اللہ** سے مراد جہاد ہی ہے کیونکہ جب فی سبیل اللہ مطلق طور پر استعمال ہو تو اس سے مراد جہاد ہی ہوتا ہے' غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ اس حدیث کو **کتاب الجہاد** میں لائے ہیں۔ امام شوکانیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ (١٠٤) تاہم یہ یاد رہے کہ اگر روزہ رکھنے سے کمزوری اور جہاد میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے فرمایا ہے۔ (١٠٥)

673- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصُومُ حَتّٰى نَقُولَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُولَ لَا يَصُومُ' وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ' وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِي شَعْبَانَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے رکھتے تھے حتی کہ ہم کہتے' آپ کبھی روزے نہیں چھوڑیں گے اور آپ روزے چھوڑ دیتے حتی کہ ہم کہتے' آپ کبھی روزے نہیں رکھیں گے۔ میں نے آپ ﷺ کو رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے آپ ﷺ کو کسی مہینے میں بھی شعبان سے زیادہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حسب احوال بعض اوقات مسلسل و متواتر روزے رکھتے اور بعض اوقات مسلسل ہی روزے چھوڑ دیتے' لیکن رمضان کے علاوہ کسی بھی مہینے کے مکمل دنوں میں روزے نہ رکھتے' اسی طرح تمام مہینوں میں سے سب سے زیادہ شعبان کے روزے رکھتے تھے۔

674- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَصُومَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ: ثَلَاثَ عَشْرَةَ' وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ' وَخَمْسَ عَشْرَةَ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مہینے میں تین دن (یعنی چاند کی) تیرہ' چودہ اور پندرہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ [اسے نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث ان تینوں ایام کو ایامِ بیض بھی کہتے ہیں' جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے۔ (١٠٦) بیض سفیدی کو کہتے ہیں' چونکہ ان تینوں ایام میں چاند خوب روشن ہوتا ہے اس لیے انہیں ایامِ بیض کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ یہ روزے

673- [بخاری (١٩٦٩) كتاب الصوم : باب صوم شعبان' مسلم (١١٥٦) ترمذی (٧٦٨) نسائی (١٩٩/٤) احمد (١٠٧/٦) مالك (٣٠٩/١) بیهقی (٢٩٢/٤)]

674- [حسن صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (٧٦١) كتاب الصوم : باب ما جاء فی صوم ثلاثة أيام من كل شهر' نسائی (٢٢٢/٤-٢٢٣) احمد (١٥٢/٥) ابن حبان (٣٦٥٥) ابن خزيمة (٢١٢٨) بیهقی (٢٩٤/٤) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(١٠٤) [نيل الأوطار (٢٣٩/٣)]
(١٠٥) [شرح مسلم للنووی (٢٧٩/٤)]
(١٠٦) [حسن : الصحيحة (١٠٨٠) هداية الرواة (٣٤٧/٢) نسائی (٢٣٤٧) كتاب الصوم : باب صوم النبی ﷺ بأبی هو وأمی وذكر اختلاف الناقلين' طبرانی كبير (١٢٣٢٠) الضياء المقدسی فی المختارة (١٠٠)]
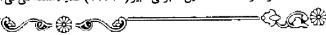
نہ سفر میں چھوڑتے تھے اور نہ ہی حضر میں۔(۱۰۷) جمہور علما نے ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے۔(۱۰۸)

675- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : ((لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُومَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ' زَادَ أَبُو دَاوُدَ ((غَيْرَ رَمَضَانَ))۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ (نفلی) روزہ رکھے جبکہ اس کا خاوند بھی (گھر میں) موجود ہو الا کہ وہ اس کی اجازت دے دے۔"[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور ابوداود نے یہ اضافہ کیا ہے کہ]"رمضان کے علاوہ۔"

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی عبادت کے مقابلے میں شوہر کے حقوق کی ادائیگی زیادہ اہم وضروری ہے۔ البتہ جب فرض روزے یا کسی بھی فرض عبادت کا مسئلہ ہو تو پھر بہر حال اسے ترجیح ہوگی۔ امام نوویؒ نے عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے کو حرام قرار دیا ہے۔(۱۰۹) جبکہ امام ابن حجر ہیثمیؒ نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔(۱۱۰)

676- وَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ : يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ النَّحْرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دنوں کے روزے سے منع فرمایا ہے: عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے دونوں دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے خواہ وہ روزہ نفلی ہو یا فرضی، نذر کا ہو یا کفارے کا۔ جمہور علما، امام شافعیؒ (۱۱۱)، امام نوویؒ (۱۱۲)، امام ابن قدامہؒ (۱۱۳) اور امام ابن حجر ہیثمیؒ (۱۱۴) اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ ان دنوں میں نذر کا روزہ رکھا جا سکتا ہے (جو کہ صریح احادیث کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل تردید ہے)۔

675- [بخاری (۵۱۹۲) كتاب النكاح : باب صوم المرأة بإذن زوجها تطوعا ' مسلم (۱۰۲۶) ابو داود (۲۴۵۸) ترمذی (۷۸۲) ابن ماجه (۱۷۶۱) احمد (۳۱۶/۲) دارمی (۱۷۲۰) حاكم (۱۷۳/۴)]

676- [بخاری (۱۱۹۷) كتاب الجمعة : باب مسجد بيت المقدس ' مسلم (۸۲۷) ابو داود (۲۴۱۷) ترمذی (۷۷۱) ابن ماجه (۱۷۲۱) احمد (۳/۷-۳۴)]

(۱۰۷) [أيضا]

(۱۰۸) [شرح مسلم للنووى (۳۰۸/۴) فتح البارى (۷۴۹/۴) نيل الأوطار (۲۳۵/۳)]

(۱۰۹) [شرح مسلم للنووى (۳۵۱/۴)]

(۱۱۰) [الزواجر لابن حجر الهيثمى (۴۳۱/۱)]

(۱۱۱) [المغنى (۳۹۸/۴) الحاوى (۴۵۵/۳) الأم (۱۴۴/۲) بدائع الصنائع (۷۸/۲) المبسوط (۹۵/۳) الكافى (ص/۱۲۸) بداية المجتهد (۲۱۵/۱) نيل الأوطار (۲۴۶/۳)]

(۱۱۲) [شرح مسلم للنووى (۲۷۱/۴) نيل الأوطار (۲۴۶/۳)]

(۱۱۳) [المغنى لابن قدامة (۴۲۴/۴)]

(۱۱۴) [الزواجر لابن حجر الهيثمى (۴۳۲/۱)]

677- وَ عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرٍ لِلّٰهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ''ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث ایام تشریق سے مراد 11، 12 اور 13 ذوالحجہ کے دن ہیں۔ ان ایام کے روزے حرام ہیں۔ امام ابن حزمؒ (۱۱۵)، امام ابن قدامہؒ (۱۱۶) اور امام ابن حجر ہیثمیؒ (۱۱۷) نے یہی صراحت فرمائی ہے۔ البتہ اگر حج تمتع کرنے والا شخص قربانی کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ ان ایام میں روزے رکھ سکتا ہے' اس کے علاوہ کسی اور کو ان ایام میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ (۱۱۸) اور امام شوکانیؒ (۱۱۹) اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ نے بھی یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے بلا استثناء سب کے لیے ان ایام کے روزے ممنوع قرار دیے ہیں (۱۲۰) حالانکہ یہ مؤقف آئندہ صریح حدیث کے خلاف ہے۔

678- وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَا: ((لَمْ يُرَخَّصْ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَنْ يُصَمْنَ إِلَّا لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْهَدْيَ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی کو ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں سوائے اس شخص کے جو قربانی کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

679- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَخُصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي، وَلَا تَخُصُّوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''دوسری راتوں میں جمعہ کی رات کو قیام کے لیے خاص نہ کرو اور باقی دنوں میں جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص نہ کرو الا کہ جمعہ کا دن ایسے دن میں ہو جس دن تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

677- [مسلم (۱۱٤۱) کتاب الصیام: باب تحریم صوم أیام التشریق' نسائی (۱۷۰/۷) احمد (۷۵/۵)]

678- [بخاری (۱۹۹۷-۱۹۹۸) کتاب الصوم: باب صیام أیام التشریق' دارقطنی (۱۸۵/۲) بیھقی (۲۵/۵)]

679- [مسلم (۱۱٤٤) کتاب الصیام: باب کراھة صیام یوم الجمعة منفردا' بیھقی (۳۰۲/٤)]

---

(۱۱۵) [المحلی بالآثار (٤۵۱/٤)]

(۱۱۶) [المغنی لابن قدامة (٤۲۵/٤)]

(۱۱۷) [الزواجر لابن حجر الھیثمی (٤۳۲/۱)]

(۱۱۸) [فتح الباری (۷٦۸/٤)]

(۱۱۹) [نیل الأوطار (۲٤۹/۳)]

(۱۲۰) [المغنی لابن قدامة (۱٦۹/۳) کشاف القناع (۳٤۲/۲) الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف (۳۵۱/۳) الأم للشافعی (۱۰٤/۲) مغنی المحتاج (٤۳/۱) المھذب (۱۸۹/۱) الخرشی (۲٦۵/۲) المدونة الکبری (۳۸۹/۱)]

680- وَعَنْهُ أَيْضًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَصُومَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُومَ يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" تم میں سے کوئی بھی جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے الا کہ وہ اس سے پہلے یا اس کے بعد ایک دن روزہ رکھے۔" [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ جمہور علما اسے مکروہ کہتے ہیں۔ جبکہ بعض نے اس دن کے روزے کو حرام بھی کہا ہے۔ (۱۲۱) جمعہ کے دن روزہ کے ممنوع ہونے کا یہ سبب بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جمعہ کو رسول اللہ ﷺ نے عید کا دن کہا ہے (۱۲۲) اور عید کے دن بالاتفاق روزہ حرام ہے اس لیے جمعہ کے دن بھی روزہ درست نہیں۔ تاہم عید اور جمعہ میں اتنا فرق ضرور ہے کہ جمعہ سے پہلے ایک دن یا اس کے بعد ایک دن روزہ رکھنے سے جمعہ کا روزہ درست ہو جاتا ہے لیکن عید کا روزہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوتا۔

681- وَعَنْهُ أَيْضًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُومُوا)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ ، وَاسْتَنْكَرَهُ أَحْمَدُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب شعبان نصف ہو جائے تو روزے مت رکھو۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور احمد نے اسے منکر کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نصف شعبان کے بعد روزے رکھنا ممنوع ہے۔ اکثر شافعیہ اس ممانعت کو حرمت پر محمول کرتے ہیں جبکہ بعض دوسرے ائمہ مثلاً امام احمدؒ وغیرہ اسے کراہت پر محمول کرتے ہیں۔ (۱۲۳) یہاں یہ بات یاد رہے کہ اس ممانعت سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جس کی روزے رکھنے کی عادت ہو مثلاً اگر کوئی ہر دو دنوں کے بعد ایک روزہ رکھتا ہو یا ایک دن چھوڑ کر ایک روزہ رکھتا ہو یا ہر سوموار اور جمعرات کا ہی روزہ رکھتا ہو تو وہ نصف شعبان کے بعد بھی اپنی عادت کے روزے رکھ سکتا ہے۔ اس کا بیان گزشتہ حدیث نمبر 643 کے تحت بھی گزر چکا ہے۔

682- وَعَنِ الصَّمَّاءِ بِنْتِ بُسْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبٍ أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ

حضرت صماء بنت بسر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھو سوائے فرض روزے کے۔ پس اگر تم میں سے کوئی انگور کا چھلکا یا کسی درخت کا تنکا پائے تو اسے چاہیے کہ (ہفتے کا روزہ توڑنے کے لیے) اُسی کو کھا لے۔" [اسے

680- [بخاری (۱۹۸۵) كتاب الصوم : باب صوم يوم الجمعة فإذا أصبح صائما يوم الجمعة ، مسلم (۱۱٤۷) ابو داود (۲٤۲۰) ترمذی (۷٤۳) ابن ماجه (۱۷۲۳) احمد (۲/٤۹٥) ابن خزيمة (۲۱٥۸ـ۲۱٦۰) ابن حبان (۳٦۱٤)]

681- [صحيح : صحيح ابو داود ، ابو داود (۲۳۳۷) كتاب الصوم : باب فى كراهية ذالك ، ترمذی (۷۳۸) ابن ماجه (۱٦٥۱) احمد (۲/٤٤۲) دارمی (۱۷٤۰) بیهقی (٤/۲۰۹) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

682- [صحيح : صحيح ابو داود ، ابو داود (۲٤۲۱) كتاب الصوم : باب النهى أن يخص يوم السبت بصوم ، ترمذی (۷٤٤) ابن ماجه (۱۷۲٦) احمد (٦/۳٦۸) دارمی (۱۷٤۹) ابن خزيمة (۲۱٦٤) بیهقی (٤/۳۰۲) حاکم (۱/٤۳٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۲۱) [المجموع (٦/٤۳۸ـ٤۳۹)]

(۱۲۲) [أحمد (۲/٥۳۲)]

(۱۲۳) [كما فى توضيح الأحكام (۳/٥٥۲)]

فَلْيَمْضَغْهَا)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ إِلَّا أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ، وَقَدْ أَنْكَرَهُ مَالِكٌ، وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ: هُوَ مَنْسُوخٌ

پانچوں نے روایت کیا ہے' اس کے راوی تو ثقہ ہیں مگر یہ مضطرب ہے' امام مالکؒ نے اسے منکر اور ابوداودؒ نے اسے منسوخ کہا ہے۔]

لغوی توضیح لِحَاء کسی بھی چیز کے چھلکے کو کہتے ہیں۔ لِيَمْضَغْ فعل امر کا صیغہ ہے باب مَضَغَ يَمْضَغُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے ''نگلنا'' مراد ہے روزہ افطار کرنا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اکیلا ہفتے کا روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ امام ابن قدامہؒ نے اسے مکروہ کہا ہے۔(١٢٤) یہ یاد رہے کہ اگر ہفتے کے ساتھ ایک اور دن کا بھی روزہ ملا لیا جائے تو پھر ممنوع نہیں۔(١٢٥)

683- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ أَكْثَرَ مَا يَصُومُ مِنَ الْأَيَّامِ يَوْمُ السَّبْتِ وَيَوْمُ الْأَحَدِ، وَكَانَ يَقُولُ: ((إِنَّهُمَا يَوْمَا عِيدٍ لِلْمُشْرِكِينَ وَ أَنَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَهُمْ)) أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ، وَهَذَا لَفْظُهُ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر ہفتے اور اتوار کا روزہ رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''یہ مشرکین کے عید کے دن ہیں اور میں ان کی مخالفت کرنا چاہتا ہوں۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ لفظ اسی کے ہیں۔]

فهم الحديث ہفتے کے دن کی یہود تعظیم کرتے تھے اور اتوار کے دن کی نصاریٰ۔ اس لیے آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے اس دن کا روزہ رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہفتے اور اتوار دونوں دنوں کا روزہ رکھ لیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ نیز اس طرح کسی گروہ کی بھی مشابہت لازم نہیں آتی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر کام میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے اجتناب کرنا چاہیے اور ان کے میلوں' عیدوں' تہواروں اور خوشی کے موقعوں میں کسی بھی طریقے سے شرکت نہیں کرنی چاہیے۔ یہی اسلامی نقطہ نظر ہے۔

684- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ غَيْرُ التِّرْمِذِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ الْحَاكِمُ وَاسْتَنْكَرَهُ الْعُقَيْلِيُّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عرفات میں یوم عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔ [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور عقیلی نے اسے منکر کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ عرفات میں حجاجِ کرام کو یوم عرفہ کا روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ گو یہ روایت ضعیف ہے مگر معناً صحیح ہے۔ مزید اس مسئلے کا بیان گزشتہ حدیث نمبر 670 کے تحت گزر چکا ہے۔

683- [ضعيف : ضعيف الترغيب (٦٣٩) كتاب الصوم : باب الترغيب فى صوم الأربعاء' نسائى فى السنن الكبرى (١٤٦/٢) احمد (٣٢٣/٦) ابن خزيمة (٢١٦٧) ابن حبان (٣٦١٦) حاكم (٤٣٦/١) بيهقى (٣٠٣/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

684- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (٢٤٤٠) كتاب الصوم : باب فى صوم عرفة بعرفة' ابن ماجه (١٧٣٢) احمد (٣٠٤/٢) ابن خزيمة (٢٠٩٩) حاكم (٤٣٤/١) بيهقى (٢٨٤/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(١٢٤) [المغنى لابن قدامة (٤٢٨/٤)]

(١٢٥) [ابن خزيمة (٢١٦٧) أحمد (٣٢٣/١)]

685- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے ہمیشہ روزہ رکھا (گویا) اس نے روزہ ہی نہیں رکھا۔“ [بخاری، مسلم]

686- وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ بِلَفْظِ: ((لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ)) ۔

اور مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ ”نہ روزہ رکھا اور نہ ہی افطار کیا۔“

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنا خلافِ سنت ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور جو میری سنت سے بے رغبتی اختیار کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔“ (۱۲۶) آپ ﷺ نے سب سے افضل روزہ حضرت داود علیہ السلام کا قرار دیا ہے اور وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (۱۲۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روزانہ روزہ رکھا کرتے تھے' جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں اس سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ ہر ایک کا حق ادا کرو۔ (۱۲۸) لہٰذا جو شخص زیادہ سے زیادہ نفلی روزے رکھنا چاہے اسے چاہیے کہ ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھے' یہی سب سے افضل روزہ ہے اس سے افضل اور کوئی روزہ نہیں۔

باب الاعتكاف وقيام رمضان — اعتکاف اور قیام رمضان کا بیان

687- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرتا ہے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الاعْتِكَاف مصدر ہے باب اعْتَكَفَ يَعْتَكِفُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ”بیٹھنا' بند رہنا' رُک کے رہنا اور کسی چیز کو لازم پکڑ لینا وغیرہ“۔ مراد ہے ایک خاص طریقے سے اپنے آپ کو مسجد میں روک لینا۔

685- [بخاری (۱۹۷۷۔۱۹۷۹) كتاب الصوم : باب حق الأهل في الصوم ' مسلم (۱۱۵۹) ابن ماجه (۱۷۰٦) نسائي (٤/۲۰٦) احمد (۲/۱٦٤)]

686- [مسلم (۱۱٦۲) كتاب الصيام : باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر ' ابو داود (۲٤۲٥) ترمذی (۷٦۷) نسائي (٤/۲۰۷) احمد (٥/۲۹۷)]

687- [بخاری (۲۰۰۹) كتاب صلاة التراويح : باب فضل من قام رمضان ' مسلم (۷٥۹) ابو داود (۱۳۷۱) ترمذی (۸۰۸) نسائي (٤/۱٥٥) ابن ماجه (۱۳۲٦) احمد (۲/۲۸۱) مالك (۱/۱۱۳) دارمی (۱۷۷٦) ابن خزيمة (۲۲۰۲)]

(۱۲٦) [بخاری (٥۰٦۳) كتاب النكاح : باب الترغيب في النكاح ' مسلم (۱٤۰۱)]

(۱۲۷) [بخاری (۱۹۷۹) كتاب الصوم : باب صوم داود ' مسلم (۱۱٥۹) ابن أبي شيبة (۳/۷۸) أحمد (۲/۱٦٤) نسائي (٤/۲۰٦) ابن خزيمة (۲۱۰٦) طحاوی (۲/۸٥) طيالسی (۲۲٥٥) عبد الرزاق (۷۸٦۲) بيهقی (٤/۲۹۹) ابن حبان (۳٥۷۱) ' (۳٦۳۸) الحلية لأبي نعيم (۳/۳۲۰)]

(۱۲۸) [أيضا]

فهم الحدیث اس حدیث سے قیامِ رمضان کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ قیامِ رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ یہ نماز گیارہ رکعت یا تیرہ رکعت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے جن میں سے آٹھ نوافل اور تین یا پانچ وتر ہوتے تھے۔ اس نماز کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے۔ اس کا تفصیلی بیان گزشتہ حدیث نمبر 369 اور 374 کے تحت گزر چکا ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

688- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ ۔ أَيِ الْعَشْرُ الْأَخِيرَةُ مِنْ رَمَضَانَ ۔ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَأَحْيَا لَيْلَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی کمر کس لیتے' رات کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح شَدَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب شَدَّ يَشُدُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''باندھنا''۔ مِئْزَر تہبند کو کہتے ہیں' مراد ہے آپ ﷺ اپنی چادر باندھ کر عبادت کے لیے تیار ہو جاتے۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری دھاکے میں بطورِ خاص عبادت کے لیے فارغ ہو جانا' اپنی دیگر مشاغل و مصروفیات کم کر دینا' رات بھر عبادت و ریاضت میں گزارنا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی عبادت کی غرض سے رات کا زیادہ سے زیادہ حصہ جگانا مسنون و مستحب ہے۔

689- وَ عَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر پڑھ کر جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحدیث نماز فجر سے مراد اکیس رمضان کی فجر ہے' اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ اس وقت اعتکاف شروع کرتے تھے بلکہ اکیسویں رات آپ ﷺ مسجد میں ہی گزارتے تھے' پھر فجر پڑھ کر اپنی اعتکاف کی مخصوص جگہ میں داخل ہو جاتے تھے۔ اس لیے جو بھی اعتکاف بیٹھنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ بیس (20) رمضان المبارک کی شام کو مسجد میں پہنچ جائے اور پھر اگلے روز فجر پڑھ کر اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں۔ (۱۲۹) نیز آئندہ روایت سے بھی یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ ﷺ دس دنوں کا اعتکاف کیا کرتے تھے اور دس دن تب ہی مکمل ہوتے ہیں کہ جب اکیسویں رات مسجد میں گزاری جائے۔

690- وَ عَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ

حضرت عائشہ ؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان

688- [بخاری (۲۰۲٤) کتاب صلاة التراویح : باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان' مسلم (۱۱۷٤) ابو داود (۱۳۷٦) ابن ماجه (۱۷٦۸) نسائی (۲۱۷/۳) احمد (٤٠/٦) ابن خزیمة (۲۲۱٤)]

689- [بخاری (۲۰۳۳) کتاب الاعتکاف : باب اعتکاف النساء' مسلم (۱۱۷۳) ابو داود (۲٤٦٤) ترمذی (۷۹۱) نسائی (٤٤/۲) ابن ماجه (۱۷۷۱) احمد (۸۱/٦) بیهقی (۳۲۰/٤)]

690- [بخاری (۲۰۲٦) کتاب الاعتکاف : باب الاعتکاف فی العشر الأواخر والاعتکاف فی المساجد' مسلم (۱۱۷۲) ابو داود (۲٤٦۲) ترمذی (۷۹۰) احمد (۹۲/٦) ابن خزیمة (۲۲۲۳) ابن حبان (۳٦٦٥)]

(۱۲۹) [تحفة الأحوذی (٥٨٤/٣) فیض القدیر (٩٦/٥) فتح الباری (۳۲۳/٤)]

كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ ، حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ وفات پا گئے' پھر آپ ﷺ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتیں۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری دھاکے کا اعتکاف مسنون ہے۔ واضح رہے کہ اعتکاف سنت ہے لیکن اگر کوئی اسے نذر کے ذریعے اپنے اوپر لازم کر لے تو پھر یہ واجب ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ (۱۳۰)، امام شوکانیؒ (۱۳۱)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۱۳۲)، امام ابن قدامہؒ (۱۳۳)، امام ابن منذرؒ (۱۳۴)، امام نوویؒ (۱۳۵)، امام قرطبیؒ (۱۳۶) اور شیخ ابن عثیمینؒ (۱۳۷) اسی کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواتین بھی اعتکاف بیٹھ سکتی ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ خواتین بھی مساجد میں ہی اعتکاف بیٹھیں گی کیونکہ ان کے لیے اعتکاف کے الگ احکامات موجود نہیں اور یہ بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ عہد رسالت میں خواتین نے گھروں میں اعتکاف کیا ہو۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں' البتہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ عورتوں کا اعتکاف گھر میں ہی افضل ہے۔ (۱۳۸) پہلا موقف ہی راجح ہے' امام ابن قدامہؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۱۳۹)

691- وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيُدْخِلُ عَلَيَّ رَأْسَهُ ۔ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ ۔ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةٍ إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

حضرت عائشہ ؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا سر میری طرف آگے بڑھا دیتے اور میں آپ ﷺ کو کنگھی کرتی تھی حالانکہ آپ ﷺ مسجد میں (حالت اعتکاف میں) ہوتے تھے اور آپ ﷺ جب اعتکاف میں ہوتے تو کسی حاجت وضرورت کے بغیر گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دورانِ اعتکاف اپنی بیوی سے کنگھی وغیرہ جیسی خدمات حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں بغیر شہوت کے بیوی کا شوہر کو اور شوہر کا بیوی کو چھونا جائز ومباح ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کو بغیر کسی اشد ضرورت کے مسجد سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔

692- وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((السُّنَّةُ

حضرت عائشہ ؓ سے ہی روایت ہے کہ اعتکاف بیٹھنے والے پر

691- [بخاری (۲۰۲۹۔۲۰۴۶) كتاب الاعتكاف : باب لا يدخل البيت إلا لحاجة ' مسلم (۲۹۷) ابو داود (۲٤٦۸) ترمذی (۸۰٤) نسائی (۱۹۳/۱) ابن ماجه (۱۷۷٦) احمد (۸۱/٦) بیهقی (۳۲۰/٤)]

692- [حسن صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (۲٤۷۳) كتاب الصوم : باب المعتكف يعود المريض ' بيهقی (۳۲۱/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳۰) [فتح الباری (۲۷۱/٤)]
(۱۳۱) [نيل الأوطار (۲۵۰/۳)]
(۱۳۲) [تحفة الأحوذی (۵۸۳/۳)]
(۱۳۳) [المغنی لابن قدامة (٤٥٦/٤)]
(۱۳٤) [الإجماع لابن المنذر (ص/٤۷)]
(۱۳۵) [شرح مسلم للنووی (۳۲٤/٤)]
(۱۳٦) [تفسیر قرطبی (۳۳۱/۲)]
(۱۳۷) [فتاوی إسلامية (۱٦۳/۲)]
(۱۳۸) [المغنی (٤٦٤/٤)]
(۱۳۹) [أيضا]

عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضًا، وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً، وَلَا يُبَاشِرَهَا، وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ، وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ لَا بَأْسَ بِرِجَالِهِ إِلَّا أَنَّ الرَّاجِحَ وَقْفُ آخِرِهِ۔

سنت ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کرے نہ کسی جنازے میں شرکت کرے نہ کسی عورت کو چھوئے نہ اس سے مباشرت کرے اور کسی بھی ضرورت کے لیے باہر نہ نکلے الا کہ جس ضرورت کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور اعتکاف صرف روزے کی حالت میں کرے اور صرف جامع مسجد میں اعتکاف کرے۔[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اس کے راویوں پر کوئی اعتراض نہیں الا کہ اس کے آخری الفاظ کا موقوف ہونا ہی راجح ہے۔]

693- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((**لَيْسَ عَلَى الْمُعْتَكِفِ صِيَامٌ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ عَلَى نَفْسِهِ**)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الْحَاكِمُ وَ الرَّاجِحُ وَقْفُهُ أَيْضًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اعتکاف کرنے والے پر روزہ لازم نہیں الا کہ وہ اپنے آپ پر خود لازم کر لے۔" [اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کا بھی موقوف ہونا ہی راجح ہے۔]

فہم الحدیث معلوم ہوا کہ دورانِ اعتکاف کسی سخت حاجت (مثلاً کھانا' پینا اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو' قضائے حاجت' فرض غسل وغیرہ وغیرہ) کے بغیر مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ بلا ضرورت مسجد سے نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔ (۱۴۰) اسی طرح دورانِ اعتکاف مریض کی عیادت' جنازے میں شرکت اور بیوی سے مباشرت بھی جائز نہیں۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف صرف روزے کی حالت میں کرنا چاہیے' جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ اعتکاف کرنے والے پر روزہ لازم نہیں۔ تو یاد رہے کہ دونوں روایات کے یہ الفاظ موقوف ہیں' نبی ﷺ کا فرمان نہیں ہیں۔ اس لیے اس مسئلے میں راجح مؤقف یہی ہے کہ روزے کے بغیر بھی اعتکاف درست ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں کہ آپ نے اعتکاف کے لیے روزے کو شرط قرار دیا ہو۔ اس مؤقف کی دلیل وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے جاہلیت میں نظر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم اپنی نذر پوری کرو۔" (۱۴۱) اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود روزے کے بغیر بھی اعتکاف درست قرار دیا ہے کیونکہ رات کو روزہ نہیں رکھا جاتا۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابن قدامہؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اعتکاف کے لیے روزے کو شرط قرار دیتے ہیں۔ (۱۴۲) پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔ امام شوکانیؒ (۱۴۳) اور نواب

693- [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (٤٨٩٦) السلسلة الضعيفة (٤٣٧٨) دارقطنی (١٩٩/٢) حاکم (٤٣٩/١) بیهقی (٣١٩/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(١٤٠) [المغنی (٤٧٢/٤)]

(١٤١) [بخاری (٢٠٣٢) كتاب الاعتكاف : باب الاعتكاف ليلا' مسلم (١٦٥٦) ترمذی (١٥٣٩) أبو داود (٣٣٢٥) أحمد (٢٧/١) طحاوی (١٣٣/٣) ابن الجارود (٩٤١) دار قطنی (١٩٨/٢) ابن حبان (٤٣٨٠ـ الإحسان) بیهقی (٧٦/١٠)]

(١٤٢) [الأم (١٤٨/٢) الحاوی (٤٨٦/٣) الهداية (١٣٢/١) المبسوط (١١٥/٣) بداية المجتهد (٢٢٠/١)]

(١٤٣) [نيل الأوطار (٢٥٥/٣)]

صدیق حسن خانؒ (۱٤٤) نے اسی کو ترجیح دی ہے۔علاوہ ازیں مذکورہ بالا روایت میں یہ الفاظ بھی موقوف ہیں کہ ''اعتکاف صرف جامع مسجد میں ہی کرو۔'' جامع مسجد سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ جہاں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہو۔اس مسئلے میں بھی راجح مؤقف یہی ہے کہ تمام مساجد میں اعتکاف درست ہے' اعتکاف کے لیے کسی مسجد کی تخصیص وتعیین ثابت نہیں۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔البتہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اعتکاف صرف اسی مسجد میں درست ہے جہاں امام اور مؤذن مقرر ہو۔ (١٤٥)

694- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ ' فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ ' فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ ' فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کچھ صحابہ کو رمضان کے آخری ہفتے میں خواب میں شب قدر دکھائی گئی' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''میں تمہاری خواب کو دیکھتا ہوں کہ وہ آخری ہفتہ میں موافق آیا ہے لہٰذا جو بھی اس کا متلاشی ہوا سے چاہیے کہ اسے آخری ہفتے میں تلاش کرے۔'' [بخاری، مسلم]

695- وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ : ((لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ الرَّاجِحُ وَقْفُهُ ۔وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي تَعْيِينِهَا عَلَى أَرْبَعِينَ قَوْلًا أَوْرَدْتُهَا فِي فَتْحِ الْبَارِي ۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے شب قدر کے بارے میں فرمایا ''شب قدر ستائیسویں رات ہے۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کا موقوف ہونا ہی راجح ہے۔(حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ) اس رات کی تعیین میں چالیس مختلف اقوال ہیں جنھیں میں نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔]

لغوی توضیح أُرُوْا فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب أَرَى يُرِي (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''دکھانا''۔ رُؤْيَا خواب کو کہتے ہیں۔تَوَاطَأَتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَوَاطَأَ يَتَوَاطَأُ (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے ''موافقت ہونا''۔مُتَحَرِّي اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تَحَرَّى يَتَحَرَّى (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے ''تلاش کرنا''۔

فهم الحديث امام شوکانیؒ نے شب قدر کی تعیین میں پینتالیس (45) مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں۔(١٤٦) واضح رہے کہ ان تمام اقوال میں سے راجح قول یہ ہے کہ شب قدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے۔اس کی تائید اُن

694- [بخاری (٢٠١٥) کتاب صلاة التراويح : باب التماس ليلة القدر فى السبع الأواخر' مسلم (١١٦٥) احمد (١٧/٢) مالك (٣٢١/١) ابن خزيمة (٢١٨٢) بيهقى (٣١٠/٤) ابن حبان (٣٦٧٥)]

695- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٣٨٦) كتاب الصلاة : باب من قال سبع وعشرون' ابن حبان (٣٦٨٠) بيهقى (٣١٢/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(١٤٤) [الروضة الندية (٥٧٣/١)]

(١٤٥) [نيل الأوطار (٢٥٥/٣) فتح البارى (٨٠٦/٤) اللباب فى علوم الكتاب "تفسير القرآن" (٣١٩/٣) المغنى لابن قدامة (٤٦١/٤-٤٦٤)]

(١٤٦) [نيل الأوطار (٢٦٣/٣ - ٢٦٦)]

روایات سے ہوتی ہے جن میں آپ ﷺ نے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۱۴۷) حافظ ابن حجرؒ (۱۴۸) اور امام شوکانیؒ (۱۴۹) نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۱۵۰) البتہ جمہور کا کہنا ہے کہ شب قدر ستائیسویں رات ہے۔ (۱۵۱) یاد رہے کہ جن روایات میں شب قدر کی تعیین کی گئی ہے جیسے بعض میں ستائیس' بعض میں اکیس اور بعض میں تیئس کی رات کا ذکر ہے' ان سے مراد یہ ہے کہ اس سال شب قدر اُس رات تھی یہ ہرگز مراد نہیں کہ ہر سال شب قدر اسی رات ہوگی۔

❑ شب قدر کی علامات بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''شب قدر کی صبح کو سورج کے بلند ہونے تک اس کی شعاع نہیں ہوتی' وہ ایسے ہوتا ہے جیسے تھالی۔'' (۱۵۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''(اس رات) جب چاند نکلتا ہے تو ایسے ہوتا ہے جیسے بڑے تھال کا کنارہ۔'' (۱۵۳) اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ ''شب قدر آسان اور معتدل رات ہے جس میں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی' اس صبح کا سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ اس کی سرخی مدہم ہوتی ہے۔'' (۱۵۴)

696- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ' مَا أَقُولُ فِيهَا ؟ قَالَ : ((قُولِي: اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عُفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ غَيْرَ أَبِي دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیے کہ اگر مجھے علم ہو جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس میں کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کہو: اے اللہ! بلاشبہ تو معاف کرنے والا ہے' تو معافی کو پسند فرماتا ہے' اس لیے تو مجھے معاف فرما۔'' [اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

696- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۳۵۱۳) کتاب الدعوات : باب' ابن ماجه (۳۸۵۰) احمد (۱۷۱/۶) حاکم (۵۳۰/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(۱۴۷) [بخاری (۲۰۱۷) کتاب فضل لیلة القدر : باب تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الأواخر' مسلم (۱۱۲۹) ترمذی (۷۹۲) موطا (۳۱۹/۱) أحمد (۵۰/٦) ابن أبی شیبة (۹۵۲۵) بیهقی (۳۰۷/٤) شرح السنة (۱۸۱٦)]

(۱۴۸) [فتح الباری (۷۹۵/٤)]

(۱۴۹) [نیل الأوطار (۲۷۱/۳)]

(۱۵۰) [مجموع الفتاوی (۲۸٤/۲۵)]

(۱۵۱) [سبل السلام (۹۱۵/۲)]

(۱۵۲) [ابو داود (۱۳۷۸) کتاب الصلاة : باب فی لیلة القدر' مسلم (۷٦۲) کتاب صلاة المسافرین وقصرها : باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح' ترمذی (۳۳۵۱) نسائی (۷۹۳) وفی السنن الکبری (۱۱٦۹۰/٦) تحفة الأشراف (۱۸)]

(۱۵۳) [مسلم (۱۱۷۰) کتاب الصیام : باب فضل لیلة القدر والحث علی طلبها وبیان محلها وإرجاء أوقات طلبها' تحفة الأشراف (۱۳٤۵۱)]

(۱۵۴) [حسن : مسند بزار (٤۸٦/٦- فی کشف الاستار) مسند طیالسی (۳٤۹) ابن خزیمة (۲۳۱/۳) شیخ سلیم ہلالی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صفة صوم النبی (ص/۹۰)]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو شب قدر نصیب آ جائے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ معافی مانگنے کے لیے دوسرے مواقع پر بھی یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے۔

697- وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "صرف تین مساجد کی طرف رختِ سفر باندھا جائے: مسجد حرام، میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ حصولِ برکت کے لیے صرف ان تین مساجد کی طرف ہی سفر کیا جا سکتا ہے، ان کے علاوہ کسی اور مقام کی طرف برکت وثواب کی غرض سے سفر کرنا جائز نہیں جیسا کہ آج کل لوگ مختلف مزارات کی طرف صرف برکت کی غرض سے سفر کرتے ہیں، انہیں اس حدیث کی روشنی میں اپنے اس فعل پر غور کرنا چاہیے، البتہ کسی ضرورت اور کام کے لیے ہر مقام کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے۔ یہاں اس حدیث کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان مساجد میں اعتکاف کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ان میں اجر وثواب زیادہ ہے۔

697- [بخاری (۱۹۹۵) كتاب الصوم: باب صوم يوم النحر، مسلم (۹۸۲۷) ترمذی (۳۲۶) ابن ماجه (۱٤۱۰) احمد (۳/۷-۳٤)]

698- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : ((الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک دونوں کے درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور (جس میں کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہ ہو) کا بدلہ جنت کے علاوہ اور کوئی نہیں۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حج مصدر ہے باب حَجَّ يَحُجُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "قصد و ارادہ کرنا"۔ امام خلیل کے نزدیک اس کا معنی "محترم مقام کی طرف کثرت سے قصد کرنا" ہے۔ حج کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مخصوص افعال کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام کی طرف سفر کا قصد کرنا "حج" کہلاتا ہے۔ جمہور کا کہنا ہے کہ حج چھ ہجری میں فرض ہوا۔(۱) جبکہ امام ابن قیم (۲) اور سعودی مستقل فتویٰ میٹی (۳) نے نو یا دس ہجری میں فرضیت حج کا قول راجح قرار دیا ہے۔ عمرہ کا معنی ہے "قصد کرنا اور زیارت کرنا"۔ باب اِعْتَمَرَ يَعْتَمِرُ (بروزن افتعال) "عمرہ کرنا" کے معنی میں مستعمل ہے۔ عمرہ کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کی سعی کرنا اور بال منڈوانا یا کتروانا "عمرہ" ہے۔ اَلْمَبْرُوْر البر سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے "نیکی"۔ حج مبرور سے مراد ہے "ایسا حج جس میں حج کے تمام ارکان و واجبات کو ادا کیا جائے اور ہر ممنوع کام سے اجتناب کیا جائے"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر عبادات کی طرح عمرہ بھی گناہوں کو مٹاتا ہے' البتہ اہل علم نے کہا ہے کہ عمرہ سے صرف صغیرہ گناہ ہی معاف ہوتے ہیں کبیرہ نہیں کیونکہ کبیرہ گناہ صرف توبہ سے معاف ہوتے ہیں۔ مذکورہ حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے جمہور اہل علم نے کہا ہے کہ ایک سال میں متعدد بار بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے' جبکہ مالکیہ کا کہنا ہے کہ سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ عمرہ کرنا مکروہ ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سال میں صرف ایک ہی عمرہ کیا ہے۔ جمہور کی دلیل ایک تو مذکورہ بالا حدیث ہے' دوسری وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "پے در پے حج و عمرہ کرتے رہو' بلاشبہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے' سونے اور چاندی کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔"(٤)

698- [بخاری (١٧٧٣) كتاب الحج : باب وجوب العمرة وفضلها' مسلم (١٣٤٩) ترمذی (٩٣٣) نسائی (١١٥/٥) ابن ماجه (٢٨٨٨) احمد (٢٤٦/٢) مالك (٣٤٦/١) دارمی (١٧٩٥)]

(١) [سبل السلام (٩١٩/٢)] (٢) [زاد المعاد (١٠١/٢)]

(٣) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (١٠/١١)]

(٤) [صحيح : السلسلة الصحيحة (١١٨٥)' (١٢٠٠) هداية الرواة (٢٤٥٨)' (٤٤/٣) ترمذی (٨١٠) كتاب الحج : باب ما جاء في ثواب الحج والعمرة' نسائی (١١٥/٥) احمد (٣٨٧/١) ابن خزيمة (٢٥١٢)]

جمہور کے موقف کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ ہر مہینے میں عمرہ کیا جا سکتا ہے۔(۵)

699- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ، عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَهْ ، وَ اللَّفْظُ لَهُ ، وَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ ، وَ أَصْلُهُ فِي الصَّحِيحِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہاں' ان پر وہ جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں یعنی حج و عمرہ۔" [اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' یہ لفظ ابن ماجہ کے ہیں' اس کی سند صحیح ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

فهم الحديث بخاری میں اس روایت کی اصل ان الفاظ میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ہم بھی کیوں نہ آپ کے ساتھ جہاد اور غزووں میں جایا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تمہارے لیے سب سے اچھا اور مناسب جہاد حج ہے' ایسا حج جو مقبول ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے میں نے کبھی حج نہیں چھوڑا۔(٦) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کے حق میں حج ہی جہاد کے قائم مقام ہے۔

700- وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْعُمْرَةِ ، أَوَاجِبَةٌ هِيَ؟ فَقَالَ : ((لَا ، وَأَنْ تَعْتَمِرَ خَيْرٌ لَكَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ الرَّاجِحُ وَقْفُهُ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے عمرہ کے متعلق بتائیے کیا یہ واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نہیں' لیکن عمرہ کرنا تیرے لیے بہتر ہے۔" [اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کا موقوف ہونا ہی راجح ہے۔]

701- وَ أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ضَعِيفٍ ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا : ((الْحَجُّ وَ الْعُمْرَةُ فَرِيضَتَانِ)) ۔

اور ابن عدی نے ایک دوسری ضعیف سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ" حج اور عمرہ (دونوں) فرض ہیں۔"

فهم الحديث مذکورہ بالا دونوں روایات چونکہ مرفوعاً ضعیف ہیں اس لیے ان سے عمرہ کی فرضیت یا عدم فرضیت

699- [صحیح : صحیح ابن ماجه ' ابن ماجه (۲۹۰۱) كتاب المناسك : باب الحج جهاد النساء ' احمد (۷٥/٦) مزید دیکھیے: بخاری (۱٥۲۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

700- [ضعيف الاسناد : ضعيف ترمذی ' ترمذی (۹۳۱) كتاب الحج : باب ما جاء في العمرة أواجبة هي أم لا ' احمد (۳۱٦/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوف کہا ہے۔]

701- [ضعيف : ضعيف الجامع الصغير (۲۷٦٤) السلسلة الضعيفة (۳٥۲۰) بيهقى (۳٥۰/٤) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(٥) [مسند شافعی (۹۷٦/۱) بيهقى فى السنن الكبرى (۳٤٤/٤) وفى معرفة السنن والآثار (٤۹٦/۳) ابن ابی شیبة (۱۲۷۲٥)]

(٦) [بخاری (۱۸٦۱) كتاب العمرة : باب حج النساء]

پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ عمرہ بھی زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے یا نہیں۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام ثوریؒ اور اہل علم کی ایک جماعت کا یہ مؤقف ہے کہ عمرہ بھی حج کی طرح زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ جبکہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شعبیؒ اسے محض مسنون و مستحب قرار دیتے ہیں۔ (۷) وجوب کے قائل حضرات نے ایک تو مذکورہ بالا دوسری روایت سے استدلال کیا ہے' لیکن وہ ضعیف ہے اور دوسرے اُس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ''حج اور عمرہ کو پورا کرو۔'' اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس آیت میں عمرے کے وجوب کا نہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے اتمام کا حکم ہے جو حج اور عمرہ شروع کر چکے ہوں۔ اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم اپنے والد کی طرف سے حج کرو اور عمرہ بھی کرو۔'' (۸) اس میں حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اجازت کے لیے ہے کیونکہ یہاں امر سوال کے جواب میں واقع ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب امر سوال کے جواب میں آئے تو اجازت کے معنی میں ہوتا ہے۔ جو حضرات عمرہ کے عدمِ وجوب کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس کی فرضیت کی کوئی بھی صحیح وصریح دلیل ثابت نہیں۔ یہی قول راجح ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۹) اور امام شوکانیؒ (۱۰) نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ امام صنعانیؒ (۱۱) اور شیخ عبداللہ بسامؒ (۱۲) نے بھی اسی جانب میلان ظاہر کیا ہے۔

702- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، مَا السَّبِيلُ؟ قَالَ: ((الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَالرَّاجِحُ إِرْسَالُهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''زادِ راہ اور سواری۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کا مرسل ہونا ہی راجح ہے۔]

703- وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ۔

اور ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

لغوی توضیح السَّبِيلُ کا معنی ہے ''راستہ'' مراد وہ سبیل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے وجوبِ حج کے لیے شرط کہا ہے' فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [آل عمران: ۹۷] ''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راستے (یعنی زادِ راہ اور سفر کے اخراجات وغیرہ) کی طاقت رکھتے ہوں اس گھر (یعنی بیت اللہ) کا حج فرض کیا

702- [**ضعيف**: إرواء الغليل (۹۸۸) دارقطنی (۲/۲۱٦) حاكم (۱/٤٤۲) بيهقی (٤/۳۳۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

703- [**ضعيف جدا**: ضعيف ترمذی' ترمذی (۸۱۳) كتاب الحج: باب ما جاء فی إيجاب الحج بالزاد والراحلة' ابن ماجه (۲۸۹٦) دارقطنی (۲/۲۱۸) بيهقی (٤/۳۳۰)]

(۷) [الأم (۲/۱۸۷) الحاوی (٤/۳۳) الهداية (۱/۱۸۳) المغنی (٥/۱۳) نيل الأوطار (۳/۲۷٤)]

(۸) [**صحيح**: صحيح ابن ماجة (۲۳٤۹) كتاب المناسك: باب الحج عن الحی إذا لم يستطع' ابن ماجة (۲۹۰٦) ابو داود (۱۸۱۰) كتاب المناسك: باب الرجل يحج عن غيره' نسائی (٥/۱۱۱) ترمذی (۹۳۰) كتاب الحج: باب منه' أحمد (٤/۱۰) ابن خزيمة (۳۰٤۰) ابن حبان (۳۹۹۱) بيهقی (٤/۳۲۹)]

(۹) [مجموع الفتاوی لابن تيمية (۲٦/٥)]

(۱۰) [نيل الأوطار (۳/۲۷٦)]

(۱۱) [سبل السلام (۲/۹۲۲)]

(۱۲) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٤/۱۳)]

ہے۔"الزَّاد سے مراد ہے"راستے کے اخراجات"اس کی جمع أزواد آتی ہے۔الرَّاحِلَة سواری کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث مذکورہ بالا روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن امت کی اکثریت اسی تفسیر کی قائل ہے۔جیسا کہ امام صنعانیؒ نے فرمایا ہے اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا بھی یہی مؤقف نقل فرمایا ہے۔زاد (یعنی واپسی تک اہل و عیال کے خرچ سے زائد مال) تو مطلقاً شرط ہے اور راحلہ (یعنی کوئی بھی سواری مثلاً مویشی' بحری جہاز' ہوائی جہاز' گاڑی وغیرہ) ایسے شخص کے لیے جس کا گھر (لمبے) فاصلے پر ہو۔(۱۳) نیز امت کا اتفاق ہے کہ حج کی استطاعت رکھنے والے شخص پر حج واجب ہے۔(۱٤)

704- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ : ((مَنِ الْقَوْمُ ؟)) قَالُوا : الْمُسْلِمُونَ ' فَقَالُوا : مَنْ أَنْتَ ؟ فَقَالَ : ((رَسُولُ اللّٰهِ)) فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا ' فَقَالَتْ : أَلِهٰذَا حَجٌّ ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ' وَلَكِ أَجْرٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مقامِ روحاء پر ایک قافلے سے ملے اور دریافت کیا"کون لوگ ہیں؟"انہوں نے کہا"مسلمان"پھر انہوں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا"اللہ کا رسول ہوں"۔پھر ایک عورت بچہ اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت میں لائی اور عرض کیا' کیا اس کے لیے حج ہے؟آپ ﷺ نے فرمایا"ہاں' اور اس کا اجر تمہیں ملے گا۔"[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ بچے کا حج درست ہے لیکن اس کا اجر اُس کو ملتا ہے جو اسے حج کراتا ہے۔یہاں یہ بات یاد رہے کہ بلوغت کے بعد بچے کو یہ حج کافی نہیں ہوگا بلکہ اسے فرض کی ادائیگی کے لیے الگ حج کرنا ہوگا۔چنانچہ فرمانِ نبوی ہے کہ"جو بچہ حج کرے پھر وہ بلوغت کو پہنچ جائے تو اس پر ضروری ہے کہ دوسرا حج کرے۔"(۱۵) جمہور علماء، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے نابالغ بچے کے حج کو صحیح قرار دیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ بچے کا حج درست نہیں۔(۱٦) جمہور کا مؤقف راجح ہے۔علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(۱۷) اور شیخ صالح بن فوزان(۱۸) نے بھی یہی مؤقف اپنایا ہے۔

705- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَتْ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ 'فَجَعَلَ الْفَضْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے کہ خثعم قبیلہ کی ایک عورت آئی تو فضل رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل رضی اللہ عنہ کو دیکھنے لگی

704- [مسلم (۱۳۳٦) كتاب الحج : باب صفة حج الصبي ' ابو داود (۱۷۳٦) نسائي (۱۲۰/۵) احمد (۲۱۹/۱) مالك (٤۲۲/۱) ابن خزيمة (۳۰٤۹) بيهقي (۱۵۵/۵)]

705- [بخاري (۱۵۱۳) كتاب الحج : باب وجوب الحج وفضله ' مسلم (۱۳۳٤) ابو داود (۱۸۰۹) نسائي (۱۱۷/۵) احمد (۲۱۹/۱) مالك (۳۵۹/۱) دارمي (۱۸۳۳)]

(۱۳) [سبل السلام (۹۲۳/۲)] (۱٤) [تفسير اللباب في علوم الكتاب (۳۵۹/۳)]

(۱۵) [صحيح : إرواء الغليل (۹۸٦) تلخيص الحبير (۲۲۰/۲) بيهقي (۳۲۵/٤) كتاب الحج : باب إثبات فرض الحج على من استطاع إليه سبيلا ' طبراني أوسط (۲۷۵۲) ابن خزيمة (۳۰۵۰) كتاب الحج : باب الصبي يحج قبل البلوغ ثم يبلغ ' حاكم (٤۸۱/۱)]

(۱٦) [شرح مسلم للنووي (۱۱۰/۵) تحفة الأحوذي (۱۰۰/۸)]

(۱۷) [تحفة الأحوذي (۸۰۰/۳)] (۱۸) [الملخص الفقهي (۲۸۱/۱)]

يَنظُرُ إِلَيهَا وَتَنظُرُ إِلَيهِ ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصرِفُ وَجهَ الفَضلِ إِلَى الشِّقِّ الآخَرِ ، فَقَالَت يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الحَجِّ أَدرَكَت أَبِي شَيخًا كَبِيرًا لَا يَثبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَفَأَحُجُّ عَنهُ ؟ قَالَ : ((نَعَم)) وَذٰلِكَ فِي حَجَّةِ الوَدَاعِ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيهِ ، وَاللَّفظُ لِلبُخَارِيِّ ۔

اور نبی کریم ﷺ فضل کا چہرہ دوسری جانب پھیر رہے تھے۔ اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! یقیناً حج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو اپنے بندوں پر فریضہ ہے وہ میرے بوڑھے باپ کو پہنچ چکا ہے لیکن وہ سواری پر قائم رہنے کی طاقت نہیں رکھتے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

لغوی توضیح رَدِیف (بروزن فَعِیل) اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی سواری پر سوار دو آدمیوں میں سے پچھلا ہو۔ خَثْعَم ایک معروف قحطانی قبیلے کا نام ہے۔ الشّق جانب کو کہتے ہیں۔ حجۃ الوداع وہ حج ہے جو آپ ﷺ نے 10 ہجری میں کیا تھا' اس کے تقریباً تین ماہ بعد آپ ﷺ وفات پا گئے تھے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان انتہائی بوڑھا ہو یا شدید مریض ہو کہ جس کے تندرست ہونے کی امید ہی نہ ہو اور اس پر حج فرض ہو چکا ہو تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا حج کر سکتا ہے' اسے حج بدل کہتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر اس شخص کے تندرست ہونے کی امید ہو تو پھر کوئی اور اس کی طرف سے حج نہیں کر سکتا۔ شیخ ابن بازؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۱۹) یہ فرض حج کی بات ہے' رہی بات نفل حج کی تو اس میں بہر حال نیابت درست ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محرم عورت اپنا چہرہ ننگا رکھے گی' البتہ اسے اجنبی مردوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور مردوں کو بھی چاہیے کہ اجنبی عورتوں کی طرف مت دیکھیں جیسا کہ اجنبی عورت کو دیکھنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف پھیر رہے تھے۔

706- وَعَنهُ رَضِيَ اللهُ عَنهُ أَنَّ امرَأَةً مِن جُهَينَةَ جَاءَت إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَت : إِنَّ أُمِّي نَذَرَت أَن تَحُجَّ فَلَم تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَت أَفَأَحُجُّ عَنهَا ؟ قَالَ : ((نَعَم حُجِّي عَنهَا ، أَرَأَيتِ لَو كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَينٌ أَكُنتِ قَاضِيَتَهُ ؟ اقضُوا اللهَ فَاللهُ أَحَقُّ بِالوَفَاءِ)) رَوَاهُ البُخَارِيُّ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا' میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں اس کی طرف سے حج کر' اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتی؟ اللہ کا حق بھی ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حق کی ادائیگی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔ جمہور علما اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے خواہ حج فرض ہو یا نفل۔ (۲۰) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ میت کی

706- [بخاری (۱۸۵۲) کتاب الحج : باب الحج والنذور عن المیت ' بیهقی (۳۳۵/٤) نسائی (۱۱٦/٥)]

(۱۹) [مجموع الفتاوی لابن باز (۴۰۳/۱٦)] (۲۰) [تحفة الأحوذی (۸۰۷/۳)]

طرف سے بالاتفاق حج درست ہے۔(۲۱) شیخ ابن بازؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۲۲) علاوہ ازیں اہل علم حجیتِ قیاس کے دلائل میں اس حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس میں اللہ کے حق کو اللہ کے غیر کے حق پر وجوب ادائیگی میں قیاس کیا ہے۔

❑ واضح رہے کہ عورت مرد کی طرف سے اور مرد عورت کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ(۲۳)، امام ابن قدامہؒ(۲٤)، شیخ ابن بازؒ(۲۵) اور شیخ عبداللہ بسامؒ(۲٦) اسی کے قائل ہیں۔

707- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيُّمَا صَبِيٍّ حَجَّ، ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرَى، وَ أَيُّمَا عَبْدٍ حَجَّ، ثُمَّ أُعْتِقَ، فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ حَجَّةً أُخْرَى)) رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي رَفْعِهِ، وَ الْمَحْفُوظُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو بچہ حج کرے پھر بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے تو اس پر دوسرا حج کرنا لازم ہے اور (اسی طرح) جو غلام حج کرے، پھر آزاد کر دیا جائے تو اس پر دوسرا حج لازم ہے۔" [اسے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں' البتہ اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔]

لغوی توضیح اَلْحِنْث کا معنی ہے "گناہ"۔ مطلب یہ ہے کہ جب بچہ ایسی عمر کو پہنچ جائے جس میں اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھنے کی ابتداء ہو جائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔ مراد بلوغت کی عمر ہے کیونکہ بلوغت کے بعد ہی گناہ لکھے جاتے ہیں۔ بلوغت کی علامات اہل علم نے یہ بیان کی ہیں: "احتلام' زیر ناف بالوں کا اُگنا' پندرہ سال عمر ہو جانا یا لڑکی کو حیض شروع ہو جانا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صغرسنی اور زمانہ غلامی میں کیا ہوا حج اسلام کے فرض حج سے کفایت نہیں کرتا' بلکہ جب بچہ بالغ ہو جائے اور غلام آزاد ہو جائے تو اگر وہ صاحب استطاعت ہوں تو ان پر دوبارہ فرض کی ادائیگی کے لیے حج کرنا ضروری ہوگا۔ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔(۲۷)

708- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ يَقُولُ: ((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ وَلَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ)) فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' آپ خطبہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے کہ "کوئی آدمی کسی بھی عورت کے ساتھ ہرگز خلوت اختیار نہ کرے الا کہ اس کے ساتھ کوئی محرم رشتہ دار ہو اور محرم کے بغیر عورت سفر بھی نہ کرے۔" ایک آدمی کھڑا

707- [**صحيح**: إرواء الغليل (٩٨٦) صحيح الجامع الصغير (٢٧٢٩) ابن أبي شيبة (١٤٨٧٥) بيهقى (٣٢٥/٤) ابن خزيمة (٣٠٥٠) حاكم (٤٨١/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفا صحیح کہا ہے۔]

708- [بخارى (٣٠٠٦) كتاب الجهاد والسير: باب من اكتتب في جيش' مسلم (١٣٤١) احمد (٢٢٢/١) ابن خزيمة (٢٥٢٩) ابن حبان (٢٧٣١) بيهقى (١٣٩/٣)]

(٢١) [مجموع الفتاوى (٩/٢٦)] (٢٢) [فتاوى ابن باز' مترجم (١٣٠/١)]
(٢٣) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ١٧٢)] (٢٤) [المغنى لابن قدامة (٢٧/٥)]
(٢٥) [مجموع الفتاوى لابن باز (٤٢٢/١٦)] (٢٦) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٢٤/٤)]
(٢٧) [توضيح الأحكام (٣٠/٤)]

يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' إِنَّ امْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَّةً وَإِنِّي اكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا ' فَقَالَ : ((انْطَلِقْ فَحُجَّ مَعَ امْرَأَتِكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ

ہوا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میری بیوی حج کے لیے نکلی ہے اور میرا فلاں فلاں غزوہ کے لیے نام لکھ دیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا "تو جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث وجوب حج کے لیے اہل علم نے پانچ شرائط بیان کی ہیں: ① اسلام ② بلوغت ③ عقل ④ آزادی ⑤ استطاعت۔ عورت کے لیے ان شرائط کے ساتھ دو مزید شرائط بھی ہیں: ① محرم کا ساتھ ہونا ② عدت میں نہ ہونا۔ مذکورہ بالا حدیث میں عورت پر وجوب حج کے لیے محرم رشتہ دار کی شرط کا ذکر ہوا ہے' یعنی اگر عورت صاحب استطاعت ہو تو اکیلے حج پر نہیں جا سکتی بلکہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم رشتہ دار بھی ہو' ورنہ اس کا حج نہیں ہو گا' کیونکہ شرط کا یہ میزہ وخاصہ ہے کہ جب وہ مفقود ہو تو مشروط بھی مفقود ہوتا ہے۔ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۸)، شیخ عبداللہ بسامؒ (۲۹) اور شیخ سلیم ہلالی (۳۰) وغیرہ نے عورت کے لیے محرم کو شرط قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد و عورت کا کسی بھی مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ بغیر محرم رشتہ دار کے خلوت اختیار کرنا حرام ہے۔

❑ محرم رشتہ دار سے مراد وہ مرد ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے (اور ان سے پردہ بھی نہیں)۔ (۳۱)

709- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ : لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ ' قَالَ : ((مَنْ شُبْرُمَةُ ؟)) قَالَ : أَخٌ لِي أَوْ قَرِيبٌ لِي ' فَقَالَ : ((حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ ؟)) قَالَ : لَا ' قَالَ : ((حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالرَّاجِحُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَقْفُهُ ـ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو سنا' وہ کہہ رہا تھا' شبرمہ کی طرف سے لبیک۔ آپ ﷺ نے فرمایا "شبرمہ کون ہے؟" اس نے عرض کیا' میرا بھائی یا (کہا) میرا قریبی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تو نے اپنی طرف سے حج کیا ہے؟" اس نے کہا' نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "پہلے اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمہ کی طرف سے کر۔" [اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور احمد کے نزدیک اس کا موقوف ہونا ہی راجح ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے سے پہلے یہ شرط ہے کہ خود اپنی طرف سے حج کیا ہو۔ جمہور اسی کے قائل ہیں (۳۲) جبکہ امام ابوحنیفہؒ (۳۳) نے کہا ہے کہ اگر اپنا حج نہ بھی کیا ہو پھر بھی

709- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۱۸۱۱) كتاب المناسك : باب الرجل يحج عن غيره' ابن ماجه (۲۹۰۳) ابن حبان (۳۹۸۸) دارقطني (۲۷۰/۲) بيهقي (۳۳٦/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۸) [فتاوى اسلامية (۱۸۳/۲)]
(۲۹) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱٥/٤)]
(۳۰) [موسوعة المناهي الشرعية (۱۰۲/۲)]
(۳۱) [فيض القدير (۳۹۸/٦)]
(۳۲) [فتح الباري (٥٤٦/٤)]
(۳۳) [تحفة الأحوذي (۸۰۹/۳)]

دوسرے کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔ جمہور کا موقف ہی حدیث کے مطابق ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔ علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

☐ کیا تارکِ نماز کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے؟ اس کے متعلق شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ تارکِ نماز کی طرف سے نہ تو حج کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی صدقہ۔ کیونکہ علماء کے اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق وہ کافر ہے۔ (٣٤)

710- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : ((إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ)) فَقَامَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ : أَفِي كُلِّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : ((لَوْ قُلْتُهَا لَوَجَبَتْ ، الْحَجُّ مَرَّةً ، فَمَا زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ غَيْرَ التِّرْمِذِيِّ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔" یہ سن کر حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج واجب ہو جاتا، حج ایک مرتبہ ہی واجب ہے، جو زیادہ کرے گا تو وہ نفلی ہوگا۔" [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

711- وَأَصْلُهُ فِي مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور اس کی اصل مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مکلف اور صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہی حج فرض ہے۔ اہل علم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ (٣٥)، امام شوکانیؒ (٣٦)، امام نوویؒ (٣٧)، امام ابن کثیرؒ (٣٨)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (٣٩)، شیخ سلیم ہلالی (٤٠) اور شیخ صالح بن فوزان (٤١) وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

710- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (١٧٢١) كتاب المناسك : باب فرض الحج، ابن ماجه (٢٨٨٦) نسائی (١١١/٥) احمد (٢٥٥/١) دارمی (١٧٨٨) دارقطنی (٢٨٠/٢) حاكم (٤٤١/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

711- [مسلم (١٣٣٧) كتاب الحج : باب فرض الحج مرة فی العمر، نسائی (١١٠/٥) احمد (٥٠٨/٢) ابن حبان (٣٧٠٥) دارقطنی (٢٨١/٢) بیهقی (٣٢٦/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٣٤) [مجموع الفتاوى لابن باز (٤٢٤/١٦)]
(٣٥) [فتح الباری (١٥٢/٤)]
(٣٦) [نيل الأوطار (٢٧٣/٣)]
(٣٧) [شرح مسلم (٣٣٠/٤)]
(٣٨) [تفسير ابن كثير (٧١/٢)]
(٣٩) [تحفة الأحوذی (٦٣٣/٣)]
(٤٠) [موسوعة المناهی الشرعية (١٠٠/٢)]
(٤١) [الملخص الفقهی (٢٨١/١)]

یہ یادر ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کے ذریعے اپنے اوپر حج واجب کر لے تو اس پر اس حج کی ادائیگی واجب ہوگی خواہ اس نے واجب حج پہلے ادا کرلیا ہو۔علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرع جس بارے میں خاموش ہو اس کے متعلق خاموشی اور عدم بحث ہی افضل ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پر نہایت شفیق تھے کیونکہ جس وجہ سے امت مشقت میں پڑسکتی تھی آپ ﷺ نے اس کے متعلق سوال پر نہایت غصے اور برہمی کا اظہار فرمایا۔

باب المواقیت — میقات کا بیان

712- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ : ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ ، هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ وَمَنْ كَانَ دُونَ ذٰلِكَ فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ حَتّٰى أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لیے جحفہ، اہل نجد کے لیے قرن المنازل اور اہل یمن کے لیے یلملم میقات مقرر فرمایا ہے۔ یہ میقات ان ملکوں میں مقیم لوگوں کے لیے بھی ہیں اور اُن کے لیے بھی جو حج اور عمرہ کے ارادے سے ان اطراف سے آئیں اور جو ان میقاتوں کے اندر ہو وہ جہاں سے چلے (وہیں سے احرام باندھ لے) حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھ لیں۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح مَوَاقِيت جمع ہے میقات کی، میقات کی دو قسمیں ہیں: ایک ''میقات زمانی'' یعنی وہ وقت جس کے اندر اندر حج کا احرام باندھا جا سکتا ہے اور وہ ہے شوال، ذی القعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن۔ دوسری قسم ہے ''میقات مکانی'' یعنی وہ مقامات جہاں سے حج یا عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔ ذُو الْحُلَيْفَة اس مقام کا نیا نام آبارِ علی ہے، یہ مدینہ کے قریب ہے اور مکہ سے تقریباً 450 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جُحْفَة یہ بستی شام ومصر کی جانب سے آنے والوں کا میقات ہے۔ لیکن اب یہ ویران ہو چکی ہے اسی لیے آج کل اس کے ایک قریبی مقام ''رَابِغ'' سے احرام باندھا جاتا ہے۔ یہ مقام مکہ سے شمال مغرب کی جانب 187 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ قَرْنَ الْمَنَازِل یہ اہل نجد کا میقات ہے۔ دراصل یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے دامن میں ایک بستی تھی جو اب موجود نہیں۔ آج کل اس کے قریب ''السَّيْل'' مقام سے احرام باندھا جاتا ہے جو مکہ سے تقریباً 94 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ يَلَمْلَم یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ سے تقریباً 92 کلومیٹر پر واقع ہے، یہ اہل یمن کا میقات ہے۔ هُنَّ لَهُنَّ سے مراد ہے یہ میقات ان شہروں کے رہنے والوں کے لیے ہیں۔ مِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ کا مطلب یہ ہے کہ ''جہاں سے بھی وہ سفر کا آغاز کرے''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بھی حج یا عمرہ کے ارادے سے مکہ میں داخل ہونا چاہے اس پر لازم ہے کہ ان میقاتوں سے احرام باندھے، لیکن جس شخص کا حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں وہ بغیر احرام کے بھی داخل ہوسکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات ان میقاتوں کے اندر مقیم ہیں انہیں احرام باندھنے کے لیے ان میقاتوں پر آنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اپنی اپنی رہائش گاہوں سے ہی احرام باندھیں گے۔

712- [بخاری (١٥٢٦) كتاب الحج : باب مهل أهل الشام، مسلم (١١٨١) ابو داود (١٧٣٨) نسائی (١٢٣/٥) احمد (٢٣٨/١) دارمی (١٧٩٢) دارقطنی (٢٣٧/٢)]

713- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل عراق کے لیے ذات عرق میقات مقرر فرمایا تھا۔ [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

714- وَ أَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ' إِلَّا أَنَّ رَاوِيَهُ شَكَّ فِي رَفْعِهِ ۔

اور اس کی اصل مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے مگر اس کے راوی کو اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔

715- وَ فِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هُوَ الَّذِي وَقَّتَ ذَاتَ عِرْقٍ ۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذات عرق کو میقات مقرر فرمایا تھا۔

لغوی توضیح ذَاتُ الْعِرْقِ یہ بستی اہل عراق کا میقات ہے جو مکہ سے شمال مشرق میں 94 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اب یہ بستی تو موجود نہیں لیکن اس کے قریب ہی '' الضُّرَيْبَه '' نامی مقام ہے جسے ''خَرِيْبَات'' بھی کہتے ہیں' آج کل لوگ اسی مقام سے احرام باندھتے ہیں۔

فہم الحدیث صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذات عرق کو میقات مقرر فرمانے کا ذکر یوں ہے کہ جب یہ دو شہر (یعنی بصرہ اور کوفہ) فتح ہوئے تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین! رسول اللہ ﷺ نے نجد کے لوگوں کے لیے احرام باندھنے کی جگہ قرن المنازل قرار دی ہے اور ہمارا راستہ اُدھر سے نہیں' اگر ہم قرن المنازل کی طرف جائیں تو ہمارے لیے بڑی دشواری ہوگی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم لوگ اپنے راستے میں اس کے برابر کوئی جگہ تجویز کر لو۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے مقام ''ذات عرق'' کو مقرر کر دیا۔ (٤٢) اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذات عرق مقام کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میقات مقرر فرمایا تھا لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس مقام کو رسول اللہ ﷺ نے ہی میقات مقرر فرمایا تھا جیسا کہ گزشتہ صحیح حدیث میں مذکور ہے اور ان دونوں روایات کو اہل علم نے یوں جمع کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں پہنچی' چنانچہ انہوں نے اجتہاد کیا' درستگی کو پہنچے اور سنت کی موافقت حاصل کر لی۔ جیسا کہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ (٤٣)

716- وَعِنْدَ أَحْمَدَ وَ أَبِي دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ)) ۔

اور احمد، ابوداود اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مشرق کے لیے عقیق کو میقات مقرر فرمایا تھا۔

713- [**صحیح** : صحیح ابو داود' ابو داود (١٧٣٩) كتاب المناسك : باب في المواقيت' نسائی (١٢٥/٥) دارقطنی (٢٣٦/٢) بیهقی (٢٨/٥) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

714- [مسلم (١١٨٣) كتاب الحج : باب مواقيت الحج والعمرة' احمد (٣٣٣/٣) دارقطنی (٢٣٧/٢) بیهقی (٢٨/٥)]

715- [بخاری (١٥٣١) كتاب الحج : باب ذات عرق لأهل العراق' بیهقی (٢٧/٥)]

716- [**ضعیف** : ضعیف ابو داود' ابو داود (١٧٤٠) كتاب المناسك : باب في المواقيت' ترمذی (٨٣٢) احمد (٣٤٤/١) بیهقی (٢٨/٥)]

---

(٤٢) [بخاری (١٥٣١) كتاب الحج : باب ذات عرق لأهل العراق]

(٤٣) [تحفة الأحوذی (٦٦٦/٣)]

لغوی توضیح أَهْلُ الْمَشْرِق سے مراد اہل عراق ہیں۔ عَقِیْق ذات عرق سے کچھ پیچھے ایک مقام کا نام ہے۔

فہم الحدیث یہ روایت چونکہ ضعیف ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔

❑ واضح رہے کہ جو شخص ان مقررہ میقاتوں میں سے کسی ایک سے بھی نہ گزرے تو اسے چاہیے کہ وہ جس میقات کے برابر سے گزرے وہیں سے احرام باندھ لے۔ تمام علماء اس اصول وقانون پر متفق ہیں۔

باب وجوه الاحرام وصفته — احرام کی اقسام اور صفت کا بیان

717- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَأَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْحَجِّ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ عِنْدَ قُدُومِهِ، وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ أَوْ جَمَعَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَلَمْ يَحِلُّوا حَتَّى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے، ہم میں سے بعض نے صرف عمرہ کا تلبیہ پکارا، ہم میں سے کچھ نے حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ پکارا اور ہم میں سے کچھ نے صرف حج کا تلبیہ پکارا، رسول اللہ ﷺ نے بھی صرف حج کا ہی تلبیہ پکارا، پس جنہوں نے صرف عمرہ کا تلبیہ پکارا تھا وہ طواف قدوم کے وقت حلال ہو گئے اور جنہوں نے صرف حج کا تلبیہ کہا یا حج اور عمرہ دونوں کو جمع کیا وہ قربانی کے دن تک حلال نہ ہوئے۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح وُجُوْه سے مراد اقسام اور صفت سے مراد کیفیت ہے۔ خَرَجْنَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب خَرَجَ يَخْرُجُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''نکلنا''۔ آپ ﷺ بروز ہفتہ ظہر کے بعد جبکہ ابھی ذی القعدہ کے پانچ دن باقی تھے مدینہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ حَجَّةُ الْوَدَاع 10 ہجری میں ہوا، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس حج میں آپ ﷺ نے لوگوں کو یوں الوداع کہا تھا کہ ''شاید اس سال کے بعد میں تم سے ملاقات نہ کر سکوں'' اور ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے صرف یہی حج کیا تھا۔ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ صرف عمرہ کا احرام باندھا، اس حج کو حج تمتع کہتے ہیں۔ أَهَلَّ بَحَجٍّ وَعُمْرَةٍ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا، اس حج کو حج قران کہتے ہیں۔ أَهَلَّ بِحَجٍّ صرف حج کا احرام باندھا، اس حج کو حج افراد کہتے ہیں۔ إهلال احرام باندھنے کے بعد تلبیہ پکارنے کو کہتے ہیں۔ يَوْمُ النَّحْر کا معنی ہے قربانی کا دن، مراد ہے 10 ذوالحجہ کا دن۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کی تین اقسام ہیں: ① حَجِّ تَمَتُّعْ ② حَجِّ قِرَانْ ③ حَجِّ إِفْرَادْ اور یہ تینوں قسمیں ہی جائز ومباح ہیں۔ امام نوویؒ نے ان تینوں کے جواز پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ (٤٤) اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ان اقسام میں سے کون سی قسم افضل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے حج قران کو افضل قرار دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ حج اس لیے افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہی حج کیا تھا۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور صحابہ وتابعین کی ایک جماعت نے حج تمتع کو افضل قرار دیا ہے، ان کا مستدل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ (٤٥) اور

717- [بخاری (١٥٦٢) کتاب الحج: باب التمتع والإقران والإفراد بالحج، مسلم (١٢١١) ابو داود (١٧٧٩) نسائی (١٤٥/٥) ابن ماجه (٣٠٠٠) احمد (١٩١/٦) موطا (٣٣٥/١)]

(٤٤) [شرح مسلم (٤٢٧/٤)] (٤٥) [أحمد (١٤٨/٣) طبرانی أوسط (١٨٥٠ـ مجمع البحرين)]

آپ ﷺ صرف افضل عمل کی ہی تمنا کرتے تھے' نیز اس میں سہولت بھی ہے۔(٤٦) امام شوکانی ؒ (٤٧)، نواب صدیق حسن خان ؒ (٤٨)، امام ابن قدامہ ؒ (٤٩) اور علامہ البانی ؒ (٥٠) نے حج تمتع کو ہی افضل کہا ہے۔ البتہ بعض اہل علم نے حج افراد کو افضل کہا ہے' ان کا کہنا ہے کہ خلفائے راشدین صرف حج افراد ہی کرتے رہے اور انہوں نے اسی پر مداومت اختیار کی' لہٰذا یہی حج افضل ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ جس روایت میں یہ بات مذکور ہے وہ ضعیف ہے۔(٥١) علاوہ ازیں اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود کونسا حج کیا تھا' بعض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ متمتع تھے' بعض کے خیال میں آپ مفرد تھے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے حج قران کیا تھا' یہی آخری قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اگر مجھے اپنے معاملے کا پہلے علم ہوتا کہ جس کا مجھے بعد میں علم ہوا تو میں قربانی لے کر نہ چلتا بلکہ اسے عمرہ بنا لیتا۔''(٥٢) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ قارن تھے کیونکہ قارن کے لیے ہی قربانی ساتھ لے جانا لازم ہے۔ امام صنعانی ؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(٥٣)

باب الاحرام وما يتعلق به — احرام اور اس سے متعلقہ مسائل کا بیان

718- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے پاس سے احرام باندھا تھا۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح إِحْرَام مصدر ہے باب أَحْرَمَ يُحْرِمُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''کسی چیز کو حرام کر لینا' رُکنا اور باز آنا وغیرہ۔'' چونکہ احرام باندھنے والا احرام کے ذریعے اپنے اوپر کچھ ایسے کام حرام کر لیتا ہے جو درحقیقت مباح تھے اس لیے اسے ''احرام'' کہتے ہیں۔ اصطلاحاً احرام اُس مخصوص لباس کو کہتے ہیں جو حج و عمرہ کی ادائیگی کے لیے میقات سے پہنا جاتا ہے۔ نیز احرام سے وہ خاص نیت بھی مراد لی جاتی ہے جو حج یا عمرہ کا قصد کرنے والا احرام باندھتے وقت کرتا ہے یعنی اکیلے عمرہ کی نیت' اکیلے حج کی نیت یا اکٹھے دونوں کاموں کی نیت وغیرہ۔ احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے پہلے کپڑے اتار کر احرام کا لباس (یعنی دو سفید چادریں) پہنی جائیں۔ پھر یہ کہتے ہوئے نیت کی جائے کہ ﴿ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً ﴾ ''اے اللہ میں تیری بارگاہ میں عمرہ کے لیے حاضر ہوں۔'' یا اگر حج کا ارادہ ہو تو یوں کہا جائے کہ ﴿ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا ﴾ ''اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں حج کے لیے حاضر ہوں۔'' اور اگر حج و عمرہ دونوں کا ارادہ ہو تو اس طرح کہا جائے کہ ﴿ اَللّٰهُمَّ
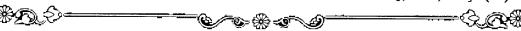
718- [بخاری (١٥٤١) كتاب الحج : باب الإهلال عند مسجد ذی الحليفة ' مسلم (١١٨٦) ابو داود (١٧٧١) ترمذی (٨١٨) نسائی (١٦٢/٥) احمد (١٠/٢) ابن خزيمة (٢٦١١) ابن حبان (٣٧٦٢)]

(٤٦) [فتح الباری (٢١٦/٤) المغنی (٨٢/٥) الأم (٣١٢/٢) الحاوی (٤٣/٤) بدائع الصنائع (١٦٨/٢) المبسوط (٢٥/٤) الكافی (ص/١٣٨)]

(٤٧) [نيل الأوطار (٣١٧/٣)] (٤٨) [الروضة الندية (٥٩٤/١)]

(٤٩) [كما فی تحفة الأحوذی (٦٤٦/٣)] (٥٠) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٦٤/٢)]

(٥١) [ضعيف : ضعيف ترمذی (١٢٦) كتاب الحج : باب ما جاء فی إفراد الحج ' ترمذی (٨٢٠)]

(٥٢) [أحمد (١٤٨/٣)] (٥٣) [سبل السلام (٤٩٣)]

لَبَّيْكَ حَجًّا وَ عُمْرَةً ﴾ ''اے اللہ! میں حج اور عمرہ دونوں کے لیے حاضر ہوں۔'' اَلْمَسْجِد سے مراد ہے ذوالحلیفہ کی مسجد' جس کا نیا نام آبارِ علی ہے۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد کے پاس سے احرام باندھا تھا (جب آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تھے)۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیداء کے مقام سے احرام باندھا تھا' بعض میں ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد کے اندر ہی احرام باندھ لیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس ایک ہی قصے کے بارے میں اختلافی روایات کے مابین نہایت ہی عمدہ تطبیق دی ہے' فرماتے ہیں کہ میں اس مسئلے کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں' رسول اللہ ﷺ جب حج کے لیے نکلے تھے تو آپ ﷺ نے مسجد ذی الحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی' پھر دو رکعتوں سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے وہیں تلبیہ پکارا تھا' جن لوگوں نے وہاں سنا انہوں نے اسی مقام کو یاد رکھ لیا (اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ہی احرام باندھا تھا) پھر جب آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے تو آپ ﷺ نے پھر تلبیہ پکارا' جنہوں نے یہاں آپ ﷺ کی لبیک سنی انہوں نے اسی موقع کو ذہن نشین کر لیا (اور کہا کہ آپ ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر احرام باندھا تھا)' اسی طرح جب آپ ﷺ بیداء کی چوٹی پر پہنچے تو آپ ﷺ نے تلبیہ پکارا' یہاں بھی جنہوں نے سنا انہوں نے اس وقت کو یاد کر لیا (اور یہ مؤقف اختیار کر لیا کہ آپ ﷺ نے مقام بیداء سے ہی احرام باندھا تھا)۔ تو اللہ کی قسم ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں اپنے مصلے پر' اونٹنی پر سوار ہو کر اور بیداء کی چوٹی پر چڑھ کر (تینوں مقامات پر ہی) تلبیہ پکارا تھا۔ (٥٤) معلوم ہوا کہ جس گروہ نے جہاں آپ ﷺ کو تلبیہ پکارتے ہوئے سنا اس نے اسی کو بیان کر دیا' حقیقت میں ان کے مابین کوئی اختلاف و تناقض نہیں۔ لہٰذا مسجد سے تلبیہ کا آغاز مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔

719- وَ عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ

حضرت خلاد بن سائب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ کو اونچی آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم دوں۔'' [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو اونچی آواز سے تلبیہ پکارنا چاہیے' جمہور علماء اسے مستحب قرار دیتے ہیں' جیسا کہ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بیان فرمایا ہے۔ (٥٥) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلے تو ہم زور زور سے تلبیہ پکارتے تھے۔ (٥٦) اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا جبکہ صحابہ کرام اور نبی کریم ﷺ حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا تلبیہ زور زور سے پکار

719- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٨١٤) كتاب المناسك : باب كيف التلبية' ترمذی (٨٢٩) ابن ماجه (٢٩٢٢) نسائی (١٦٢/٥) احمد (٥٦/٤) دارمی (١٨٠٩) ابن حبان (٣٧٩١) ابن خزيمة (٢٦٢٥) حاكم (٤٥٠/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٥٤) [احمد (٢٢٤٠)]
(٥٥) [تحفة الأحوذی (٦٦١/٣)]
(٥٦) [مرعاة المفاتيح (٣٤٠/٦)]

رہے تھے۔(٥٧) علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ نے فرمایا ہے کہ عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پکارے کیونکہ اس کی آواز فتنہ ہے اس لیے اسے چاہیے کہ وہ صرف اتنی آواز سے ہی تلبیہ کہے جسے وہ خود سن سکے' یہی اس کے لیے کافی ہے۔(٥٨)

720- وَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ احرام باندھنے کے لیے علیحدہ ہوئے اور غسل فرمایا۔[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح تَجَرَّدَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَجَرَّدَ يَتَجَرَّدُ (بروزن تفعّل) سے اس کا معنی ہے "علیحدہ ہونا' الگ ہونا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام باندھنے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔ جمہور علماء(٥٩)' امام ابن قدامہؒ(٦٠) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ(٦١) اسی کے قائل ہیں' نیز شیخ ابن بازؒ(٦٢) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

721- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ قَالَ: ((لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ' وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ محرم شخص کون سا لباس پہنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "قمیص' پگڑی' شلوار و پاجامہ' ٹوپی اور موزے نہ پہنے۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے اور اسے چاہیے کہ دونوں موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے اور ایسا کپڑے نہ پہنو جسے زعفران اور ورس (ایک زرد رنگ کی بوٹی) سے رنگا گیا ہو۔" [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح الْعَمَائِمَ جمع ہے عمامة کی' اس کا معنی ہے "پگڑی"۔ السَّرَاوِيلَات جمع ہے سِرْوَال کی' اس کا معنی ہے "شلوار یا پاجامہ"۔ الْبَرَانِس جمع ہے بُرْنُس کی' یہ ٹوپی کو کہتے ہیں۔ نَعْلَيْن تثنیہ ہے نَعْل کی' اس کا معنی ہے "جوتا"۔ الْكَعْبَيْن تثنیہ ہے كَعْب کی' اس کا معنی ہے "ٹخنہ"۔ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَالْوَرْسُ جس کپڑے کو زعفران اور ورس

720- [**صحيح**: صحيح ترمذى' ترمذى (٨٣٠) كتاب الحج: باب ما جاء فى الاغتسال عند الإحرام' ابن خزيمة (٢٥٩٥) دارقطنى (٩٢٢٠/٢) بيهقى (٣٢/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

721- [بخارى (١٥٤٢) كتاب الحج: باب ما لا يلبس المحرم من الثياب' مسلم (١١٧٧) ابو داود (١٨٢٤) ترمذى (٨٣٣) نسائى (١٣١/٥) ابن ماجه (٢٩٢٩) احمد ٣/٢-٢٩' دارمى (١٧٩٨)]

(٥٧) [مسلم (١٢٤٧) كتاب الحج: باب التقصير فى العمرة' ابن حبان (٣٧٩٣) احمد (١١٠١٤) بيهقى (٣١/٥) تحفة الأشراف (٤٣٢٢)]

(٥٨) [بخارى (٢٩٨٦) كتاب الجهاد والسير: باب الارتداف فى الغزو والحج]

(٥٩) [المغنى (٢٣٢/٣) بداية المجتهد (٢٤٦/١)]

(٦٠) [المغنى لابن قدامة (٧٤/٥)]

(٦١) [تحفة الأحوذى (٦٦٣/٣)]

(٦٢) [فتاوى اسلامية (٢١٤/٢)]

(زرد رنگ کی بوٹی) سے رنگا گیا ہو' واضح رہے کہ یہ ممانعت رنگ کی وجہ سے نہیں بلکہ خوشبو کی وجہ سے ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں قمیص' شلوار' ٹوپی اور موزے پہننا منع ہے' لیکن اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے ٹخنوں تک کاٹ کر پہن سکتا ہے۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''جس کے پاس جوتیاں نہ ہوں وہ موزے پہن لے اور جس کے پاس تہبند نہ ہو وہ شلوار پہن لے۔''(٦٣) اس روایت کی وجہ سے امام احمدؒ نے کہا ہے کہ موزے کاٹنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اس روایت میں جوتوں کی غیر موجودگی میں مطلقاً موزے پہننے کی اجازت دی گئی ہے' اس لیے کاٹے بغیر بھی پہنے جاسکتے ہیں' جبکہ جمہور علماء اس مطلق روایت کو گزشتہ مقید روایت کے ساتھ ملاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موزے کاٹنا ہی اولیٰ ہے' امام ابن قدامہؒ نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے۔(٦٤) اور یہی رائے درست ہے۔نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تہبند کی عدم موجودگی میں شلوار پہنی جاسکتی ہے۔امام احمدؒ اور شافعیہ کے نزدیک شلوار کو پھاڑنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث میں ایسا کہیں ذکر موجود نہیں' جبکہ جمہور علماء کہتے ہیں کہ شلوار کو پھاڑ کر پہننا چاہیے۔چونکہ یہ موقف محض قیاس پر مبنی ہے اور اس کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں' اس لیے یہ قابل ترجیح نہیں۔لہٰذا اس مسئلے میں امام احمدؒ وغیرہ کا ہی موقف راجح ہے۔(٦٥) علاوہ ازیں ایک اور حدیث میں عورت کو دستانے اور (سلا ہوا) نقاب پہننے سے بھی منع کیا گیا ہے۔(٦٦)

722- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے احرام باندھنے سے پہلے میں آپ کے احرام کے لیے اور اسی طرح بیت اللہ کے طواف زیارت سے پہلے حلال ہونے کے لیے' خوشبو لگایا کرتی تھی۔[بخاری،مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب احرام باندھنے کا ارادہ ہو تو خوشبو لگانا مستحب ہے اگرچہ اس کا رنگ یا اثر احرام باندھنے کے بعد تک رہے' البتہ احرام باندھنے کے بعد خوشبو لگانا حرام ہے۔جمہور،امام شافعیؒ،امام ابو حنیفہؒ،امام احمدؒ،امام ثوریؒ اور امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں۔علاوہ ازیں صحابہ' تابعین اور جمہور فقہا و محدثین کی ایک بڑی جماعت یہی موقف رکھتی ہے۔جبکہ امام مالکؒ،امام محمد بن حسنؒ اور امام زہریؒ نے کہا ہے کہ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا جائز نہیں۔(٦٧)

722- [بخاری (١٥٣٩) کتاب الحج : باب الطيب عند الإحرام' مسلم (١١٨٩) ابو داود (١٧٤٥) ترمذی (٩١٧) نسائی (١٣٦/٥) ابن ماجه (٢٩٢٦) احمد (١٨١/٦) ابن الجارود (٢٩٢٦)]

(٦٣) [مسلم (١١٧٩) كتاب الحج : باب ما يباح للمحرم بحج أو عمره وما لا يباح' أحمد (٣٢٣/٣) بيهقی (٥١/٥) طبرانی أوسط كما فی المجمع (٢٢٢/٣)]

(٦٤) [المغنی لابن قدامة (١٢٢/٥)]

(٦٥) [تفصیل کے لیے دیکھئے: الأم (٢١٥/٢) الحاوی (٩٦/٤) المبسوط (١٢٦/٤) الكافی لابن عبد البر (ص ١٥٣) المغنی لابن قدامة (٧٦/٥) كشاف القناع (٤٢٦/٢)]

(٦٦) [بخاری (١٨٣٨) كتاب جزاء الصيد : باب ما ينهى من الطيب للمحرم والمحرمة' ابو داود (١٨٢٥) كتاب المناسك : باب ما يلبس المحرم' أحمد (٢٢/٢) نسائی (١٣٣/٥) بيهقی (٤٦/٥)]

(٦٧) [شرح مسلم للنووی (٣٢/٥-٣٣) نيل الأوطار (٣٠٨/٣) فتح الباری (١٧٨/٤)]

پہلا مؤقف راجح ہے۔امام شوکانیؒ (٦٨)، امام نوویؒ (٦٩)، شیخ عبداللہ بسامؒ (٧٠) اور شیخ سلیم ہلالی (٧١) اسی کے قائل ہیں۔

723- وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "محرم نہ نکاح کر سکتا ہے، نہ نکاح کرا سکتا ہے اور نہ ہی پیغام نکاح بھیج سکتا ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا، کسی دوسرے کا نکاح کرانا یا کسی کو نکاح کا پیغام بھیجنا (سب) ممنوع وحرام ہے۔ لیکن ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بحالت احرام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی۔ (٧٢) اہل علم نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا وہم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وہم ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی۔ (٧٣) بلکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شادی کی تو اس وقت ہم دونوں سرف مقام پر حلال (یعنی حالت احرام میں نہیں) تھے۔" (٧٤) معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی شادی احرام کی حالت میں نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی کے لیے احرام کی حالت میں شادی کرانا جائز ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں، جبکہ احناف نے محرم کے لیے شادی کو جائز قرار دیا ہے۔ (٧٥) بلاشبہ جمہور کا مؤقف ہی برحق ہے۔ امام شوکانیؒ (٧٦) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (٧٧) نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

724- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کے جنگلی گدھے کو شکار

723- [مسلم (١٤٠٩) كتاب النكاح: باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، ابو داود (١٨٤١-١٨٤٢) ترمذى (٨٤٠) ابن ماجه (١٩٦٦) نسائى (١٩٢/٥) احمد (٦٩/١) مالك (٣٤٨/١)]

724- [بخارى (١٨٢٤) كتاب الحج: باب لا يشير المحرم إلى الصيد لكى يصطاده الحلال، مسلم (١١٩٦) نسائى (١٨٦/٥) ابن حبان (٣٩٧٤)]

---

(٦٨) [نيل الأوطار (٣٠٩/٣)]
(٦٩) [شرح مسلم للنووى (٣٢/٥)]
(٧٠) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٧٣/٤)]
(٧١) [موسوعة المناهى الشرعية (١١٢/٢)]
(٧٢) [بخارى (١٨٣٧) كتاب الحج: باب تزويج المحرم، مسلم (١٤١٠) كتاب النكاح: باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، ابو داود (١٨٤٤) كتاب المناسك: باب المحرم يتزوج، ترمذى (٨٤٢) كتاب الحج: باب ما جاء فى الرخصة فى ذلك، نسائى (١٩١/٥) ابن ماجة (١٩٦٥) كتاب النكاح: باب المحرم يتزوج]
(٧٣) [**صحيح مقطوع**: صحيح ابو داود (١٦٢٨) كتاب المناسك: باب المحرم يتزوج، ابو داود (١٨٤٥)]
(٧٤) [**صحيح**: صحيح ابو داود (١٦٢٦) كتاب المناسك: باب المحرم يتزوج، ابو داود (١٨٤٣) ترمذى (٨٤٥) كتاب الحج: باب ما جاء فى الرخصة فى ذلك، ابن ماجة (١٩٦٤) كتاب النكاح: باب المحرم يتزوج، دارقطنى (٢٦٢/٣) ابن حبان (٤٤٣/٩) بيهقى (٦٦/٥) طحاوى (٢٧٠/٢) أحمد (٣٣٢/٦)]
(٧٥) [شرح المهذب (٢٩٦/٧) حلية العلماء (٢٩٣/٣) الهداية (١٩٣/١) الحجة على أهل المدينة (٢٠٩/٢) المغنى (١٦٢/٥) هداية السالك (٦٢٠/٢) فتح البارى (٥٢٨/٤) نيل الأوطار (٣٥٨/٣)]
(٧٦) [نيل الأوطار (٣٥٨/٣)]
(٧٧) [تحفة الأحوذى (٦٨٠/٣)]

عَنْهُ ۔ فِيْ قِصَّةِ صَيْدِهِ الْحِمَارَ الْوَحْشِيَّ ' وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ ۔ قَالَ : فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَصْحَابِهِ ۔ وَكَانُوْا مُحْرِمِيْنَ ۔ : ((هَلْ مِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَوْ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ ؟)) قَالُوْا : لَا ' قَالَ : ((فَكُلُوْا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

کرنے کے قصے میں جبکہ وہ محرم نہیں تھے' مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا اور وہ محرم تھے ''کیا تم میں سے کسی نے اس کا حکم دیا ہے یا اس کی طرف کسی چیز کے ساتھ اشارہ کیا ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا' نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر تم اس کا باقی گوشت کھا لو۔'' [بخاری، مسلم]

725- وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ' أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حِمَارًا وَحْشِيًّا ' وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ ' فَرَدَّهُ عَلَيْهِ وَقَالَ : ((إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک جنگلی گدھے کا گوشت رسول اللہ ﷺ کو بطورِ ہدیہ دیا' اس وقت آپ ﷺ ابواء یا ودان کے مقام پر تھے' آپ ﷺ نے انہیں وہ واپس کر دیا اور فرمایا ''ہم نے تمہیں یہ صرف اس لیے واپس کیا ہے کیونکہ ہم محرم ہیں۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم شخص شکار کا گوشت کھا سکتا ہے' جبکہ دوسری حدیث سے اس کی حرمت ظاہر ہوتی ہے۔ ان احادیث میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ محرم شکار کا گوشت صرف اس صورت میں کھا سکتا ہے کہ شکار کرنے والا محرم نہ ہو' اس نے خاص محرم کے لیے شکار نہ کیا ہو اور نہ ہی محرم نے اس کا شکار پر کوئی تعاون ہی کیا ہو' بصورتِ دیگر محرم پر شکار کا گوشت حرام ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں' جبکہ احناف نے کسی صورت میں بھی محرم کے لیے شکار کا گوشت حلال قرار نہیں دیا۔(۷۸) پہلا مؤقف ہی حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ امام شوکانیؒ (۷۹) اور امام صنعانیؒ (۸۰) نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

726- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ : الْعَقْرَبُ وَالْحِدَأَةُ وَالْغُرَابُ وَالْفَأْرَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پانچ جانور فاسق ہیں لہٰذا انہیں حل اور حرم (ہر جگہ میں) قتل کر دیا جائے؟ بچھو' چیل' کوا' چوہیا اور کاٹنے والا کتا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْحِل سے مراد ہے وہ جگہ جو حدودِ حرم سے باہر ہو۔ فَوَاسِق جمع ہے فَاسِقَة کی' ان کا فسق ان کے

725- [بخاری (۱۸۲۵) كتاب الحج : باب إذا أهدى للمحرم حمارا وحشيا حيا لم يقبل ' مسلم (۱۱۹۳) ترمذی (۸٤۹) نسائی (۱۸۳/۵) ابن ماجه (۳۰۹۰) احمد (۳۷/٤)]

726- [بخاری (۱۸۲۹) كتاب الحج : باب ما يقتل المحرم من الدواب ' مسلم (۱۱۹۸) ترمذی (۸۲۷) نسائی (۱۸۸/۵) ابن ماجه (۳۰۸۷) دارمی (۱۸۱۷) دارقطنی (۲۳۱/۲) بیهقی (۲۰۹/۵)]

(۷۸) [الحاوی (۳۰۲/٤) الأم (۳۱۹/۲) المبسوط (۸۵/٤) الإختيار (۱٦۸/۱) الكافی (ص/۱۵۵) نيل الأوطار (۳٦٤/۳) كشاف القناع (٤۳٤/۲) هداية السالك (٦٦۹/۲) الخرشی (۳۷۰/۲)]

(۷۹) [نيل الأوطار (۳٦٤/۳)]

(۸۰) [سبل السلام (۹٤۹/۲)]

نقصان کے باعث ہے۔ اَلْحِدَأَةُ چیل کو ' اَلْغُرَابُ کوے کو' اَلْعَقْرَب بچھو کو' اَلْفَأْرَة چوہیا کو اور اَلْكَلْبُ الْعَقُوْر کاٹنے اور زخمی کرنے والے کتے کو کہتے ہیں۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ جانوروں کو ہر جگہ قتل کر دینا چاہیے خواہ انسان حرم میں ہو یا نہ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان جانوروں کو قتل کرنے میں ثواب ہے (کیونکہ شریعت کے ہر حکم پر عمل کرنے کا یقیناً ثواب ملتا ہے)۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ جانوروں کو حالتِ احرام میں قتل کرنے کے جواز پر اہل علم متفق ہیں' علاوہ ازیں امام شافعیؒ نے ہر ماکول اللحم جانور کو بھی انہی پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو شخص حالتِ احرام میں یا حرم میں ان میں سے کسی (یعنی ماکول اللحم میں سے کسی) جانور کو قتل کر دے تو اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ (۸۱)

727- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حالتِ احرام میں پچھنے لگوائے۔ [بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ احرام میں پچھنے لگوانا جائز و مباح ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۸۲)

728- وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حُمِلْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي، فَقَالَ: ((مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى أَتَجِدُ شَاةً؟)) قُلْتُ: لَا، قَالَ: ((فَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا' اس وقت جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا "میرا خیال نہیں تھا کہ تمہیں اس قدر تکلیف پہنچی ہوگی جو میں اب دیکھتا ہوں' کیا تمہارے پاس بکری ہے؟" میں نے عرض کیا' نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا "پھر تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو' ہر مسکین کو نصف صاع کھلاؤ۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حُمِلْتُ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب حَمَلَ يَحْمِلُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "اٹھانا" یہاں معنی یہ ہے کہ مجھے اٹھا کر لایا گیا۔ اَلْقَمْلُ قُمْلَة کی جمع ہے اس کا معنی ہے "جوئیں"۔ يَتَنَاثَرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَنَاثَرَ يَتَنَاثَرُ (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے "گرنا"۔ اَلْوَجْعُ تکلیف کو کہتے ہیں۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو بیماری یا سر میں تکلیف کے باعث حالتِ احرام میں سر منڈوانا پڑے یا وہ کسی بھی طریقے سے احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزی کرے تو اسے فدیہ دینا ہوگا۔ فدیہ یہ ہے کہ تین روزے رکھے یا

727- [بخاری (۱۸۳۵) کتاب الحج: باب الحجامة للمحرم' مسلم (۱۲۰۲) ابو داود (۱۸۳۵) ترمذی (۸۳۹) نسائی (۱۹۳/۵) ابن ماجه (۳۰۸۱) احمد (۲۱۵/۱) دارمی (۱۸۱۹) ابن خزیمة (۲۶۵۱) ابن حبان (۳۹۵۱) دارقطنی (۲۳۹/۲)]

728- [بخاری (۱۸۱۶) کتاب الحج: باب الإطعام فی الفدیة نصف صاع' مسلم (۱۲۰۲) ابو داود (۱۸۵۶-۱۸۵۸) ترمذی (۹۵۳) نسائی (۱۹۴/۵) ابن ماجه (۳۰۷۹) احمد (۲۴۱/۴) مالك (۴۱۷/۱)]

(۸۱) [کما فی الروضة الندیة (۶۱۲/۱)] (۸۲) [کما فی الموسوعة الفقهیة المیسرة (۳۲۰/۴)]

چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا بکری قربان کرے۔ اس فدیے کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ بِهٖ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ﴾ [البقرة : ١٩٦] ''البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈا لے) تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے' خواہ صدقہ کر دے' خواہ قربانی کر دے۔''

729- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى رَسُوْلِهٖ ﷺ مَكَّةَ ، قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّاسِ ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : ((إِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيْلَ ، وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهُ وَالْمُؤْمِنِيْنَ ، وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِيْ ، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِيْ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِيْ ، فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ ، وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ)) فَقَالَ الْعَبَّاسُ : إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِيْ قُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا ، فَقَالَ : ((إِلَّا الْإِذْخِرَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مکہ کی فتح سے نوازا تو آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے' آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو مکہ سے روک دیا تھا اور اپنے رسول اور مومنوں کو اس پر غلبہ عطا فرمایا ہے اور یقیناً یہ شہر مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی حلال نہیں ہوا' صرف میرے لیے دن کی ایک گھڑی حلال کیا گیا ہے اور میرے بعد یہ کسی کے لیے بھی حلال نہیں ہوگا' پس اس کا شکار نہ بھگایا جائے' اس کے کانٹے کو نہ کاٹا جائے' اس میں گری پڑی چیز صرف اس کا اعلان کرنے والے کے لیے ہی حلال ہے اور جس کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے اسے دو باتوں میں سے ایک بہتر کو اختیار کرنے کا حق ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اذخر کے سوا' کیونکہ ہم اسے اپنی قبروں اور گھروں میں ڈالتے ہیں' تو آپ ﷺ نے فرمایا' سوائے اذخر کے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حَبَسَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَبَسَ يَحْبِسُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''روکنا''۔ اَلْفِيْل ہاتھی کو کہتے ہیں۔ سَلَّطَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب سَلَّطَ يُسَلِّطُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''غلبہ پانا''۔ لَا يُنَفَّرُ فعل نفی مجہول کا صیغہ ہے باب نَفَّرَ يُنَفِّرُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''بھگانا''۔ لَا يُخْتَلَى بھی فعل نفی مجہول کا صیغہ ہے باب اِخْتَلَى يَخْتَلِيْ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''کاٹنا''۔ سَاقِطَة سے مراد ہے گری پڑی چیز۔ مُنْشِد اعلان کرنے والے کو کہتے ہیں۔ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ دو میں سے ایک بہتر کو اختیار کرنے کا حق ہے' مراد ہے یا تو مقتول کا ولی قاتل سے قصاص لے لے یا دیت وصول کر لے اسے دونوں کا اختیار ہے۔ اِذْخِر ایک گھاس کا نام ہے جسے قبروں کو بند کرنے اور گھروں کی چھتیں ڈالنے میں استعمال کیا جاتا تھا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ شہر کو حرام قرار دیا گیا ہے' لہٰذا اس میں قتل وخون ریزی' جانور کا شکار کرنا یا کانٹے یا درخت وغیرہ کاٹنا حرام ہے۔ مدینہ کی حرمت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں گری پڑی چیز صرف وہی اٹھا سکتا ہے جو اس کے اعلان وتشہیر کا ارادہ رکھتا ہے' اس کا استعمال اٹھانے والے کے لیے کبھی بھی جائز نہیں خواہ وہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ ہی کیوں نہ اس کا اعلان کرتا رہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتول کے ورثاء کو

729- [بخاری (٢٤٣٤) كتاب في اللقطة : باب كيف تعرف لقطة أهل مكة' مسلم (١٣٥٥) ابو داود (٢٠١٧) ابن الجارود (٥٠٨)]

اختیار ہے کہ قاتل سے قصاص لے لیں یا دیت وصول کر لیں۔

730- وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لِأَهْلِهَا ، وَ إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ ، وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلِ مَا دَعَا إِبْرَاهِيمُ لِأَهْلِ مَكَّةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا اور اس کے بسنے والوں کے لیے دعا کی اور میں نے مدینہ کو حرام قرار دیا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا تھا اور میں نے اس کے صاع اور مد کے بارے میں دعا کی جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لیے دعا کی تھی۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ بھی حرمت میں مکہ کی طرح ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ کو ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور مدینہ کو محمد ﷺ کی دعا کے باعث حرمت والا قرار دیا گیا۔ صاع اور مد دونوں پیمانے ہیں' صاع تقریباً اڑھائی کلو کا ہوتا ہے اور مد اس کے چوتھے حصے کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے اناج اور غلے میں برکت کی دعا فرمائی۔

731- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مدینہ عیر سے ثور کے درمیان حرم ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح عِیْر مدینہ کے جنوب میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے' اس پہاڑ کے جنوب میں قباء ہے۔ ثَوْر مدینہ کے شمال میں جبل اُحد کے پیچھے ایک گول سا پہاڑ ہے۔

فهم الحديث اس حدیث میں حرم مدینہ کی حد بیان کی گئی۔ پس شمالاً جنوباً حرم مدینہ کی حد مذکورہ دونوں پہاڑ ہیں اور شرقاً غرباً (ایک دوسری روایت کے مطابق) دو حرے ہیں (ایک حرۂ وبرہ اور دوسرا حرۂ واقم)' جیسا کہ شیخ عبداللہ بسام نے نقل فرمایا ہے۔ (۸۳)

باب صفة الحج ودخول مكة — طریقہ حج اور مکہ میں داخلے کا بیان

732- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَجَّ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کیا تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ نکلے حتی کہ ہم ذوالحلیفہ آئے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بچے کو جنم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "غسل کر لو'

730- [بخاری (۲۱۲۹) كتاب البيوع : باب بركة صاع النبي ومده ، مسلم (۱۳۶۰) احمد (۴۰/۴)]

731- [مسلم (۱۳۷۰) كتاب الحج : باب فضل المدينة ، ابو داود (۲۰۳۴) ترمذی (۲۱۲۷) ترمذی (۲۱۲۷) احمد (۸۱/۱) أبو يعلى (۲۶۳) ابن حبان (۳۷۱۷) بيهقى (۱۹۶/۵)]

732- [مسلم (۱۲۱۸) ابو داود (۱۹۰۵) ابن ماجه (۳۰۷۴) احمد (۳۲۰/۳) دارمی (۱۸۵۱) ابن الجارود (۴۶۵) بيهقى (۷/۵)]

(۸۳) [توضيح الأحكام (۱۰۰/۴)]

فَقَالَ: ((اغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي)) وَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ، حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ عَلَى الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ بِالتَّوْحِيدِ ((لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ)) حَتَّى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ، فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا، ثُمَّ أَتَى مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ، فَصَلَّى، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ١٥٨] ((أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ)) فَرَقِيَ الصَّفَا، حَتَّى رَأَى الْبَيْتَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهُ وَقَالَ: ((لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ)) ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذَلِكَ، قَالَ مِثْلَ هَذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ نَزَلَ إِلَى الْمَرْوَةِ، حَتَّى إِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي بَطْنِ الْوَادِي سَعَى، حَتَّى إِذَا صَعِدَتَا مَشَى، حَتَّى أَتَى الْمَرْوَةَ، فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا۔ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔ وَفِيهِ: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلَى مِنًى، وَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ، ثُمَّ مَكَثَ قَلِيلًا حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأَجَازَ حَتَّى أَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا، حَتَّى إِذَا

کسی کپڑے کے ساتھ لنگوٹ باندھ لو اور احرام باندھ لو۔'' رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز ادا فرمائی' پھر قصواء (اونٹنی) پر سوار ہو گئے حتیٰ کہ جب اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر بیداء مقام کے برابر ہوئی تو آپ ﷺ نے (یوں) تلبیہ توحید پکارا ''حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں میں' تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں' تمام حمد و تعریف تیرے لیے ہی ہے اور تمام نعمتیں تیری طرف سے ہی ہیں۔ بادشاہی تیری ہی ہے' تیرا کوئی شریک نہیں۔'' یہاں تک کہ ہم بیت اللہ میں آئے تو آپ ﷺ نے رکن (یعنی حجر اسود) کو بوسہ دیا' پھر تین مرتبہ رمل کیا (یعنی دوڑ کر طواف کیا) اور چار مرتبہ معمول کے مطابق چلے' پھر آپ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس آئے اور (وہاں دو رکعت) نماز پڑھی' پھر رکن (حجر اسود) کی طرف لوٹے اور اسے بوسہ دیا' پھر دروازے سے صفا کی طرف نکل گئے' جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت تلاوت کی ''صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں'' (اور کہا) ''میں بھی وہیں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے' پھر آپ ﷺ صفا پر چڑھ گئے حتیٰ کہ بیت اللہ کو دیکھا' قبلہ رخ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید و کبریائی بیان کی اور کہا ''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے بادشاہت اور تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے' اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے تمام لشکروں کو شکست سے دوچار کیا۔'' پھر اس کے درمیان دعا کی اور تین مرتبہ اس طرح کہا' پھر مروہ کی طرف گئے حتیٰ کہ جب آپ ﷺ کے قدم وادی کے نشیب میں پڑے تو آپ ﷺ دوڑے۔ یہاں تک کہ جب اوپر چڑھے تو چلنے لگے حتیٰ کہ مروہ پر آئے اور مروہ پر بھی اسی طرح کیا جیسے صفا پر کیا تھا۔ پھر جابر رضی اللہ عنہ نے باقی مکمل حدیث بیان کی' اس میں ہے کہ جب یوم الترویہ (یعنی 8 ذوالحجہ کا دن) ہوا تو لوگ منیٰ کی طرف گئے اور نبی ﷺ سوار تھے' پھر آپ ﷺ نے

زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ ' فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِي ' فَخَطَبَ النَّاسَ ' ثُمَّ أَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ' ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ' وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ' ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى أَتَى الْمَوْقِفَ ' فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إِلَى الصَّخَرَاتِ ' وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ' فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلًا ' حَتَّى غَابَ الْقُرْصُ ' وَدَفَعَ ' وَقَدْ شَنَقَ لِلْقَصْوَاءِ الزِّمَامَ حَتَّى إِنَّ رَأْسَهَا لَيُصِيبُ مَوْرِكَ رَحْلِهِ ' وَيَقُولُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى : ((**يَا أَيُّهَا النَّاسُ ' السَّكِينَةَ ' السَّكِينَةَ**)) وَكُلَّمَا أَتَى حَبْلًا مِنَ الْحِبَالِ أَرْخَى لَهَا قَلِيلًا حَتَّى تَصْعَدَ ' حَتَّى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ' بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ ' وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ' ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ ' فَصَلَّى الْفَجْرَ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ ' ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى أَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ ' فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ ' فَدَعَاهُ ' وَكَبَّرَهُ ' وَهَلَّلَهُ ' فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتَّى أَسْفَرَ جِدًّا ' فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ ' حَتَّى أَتَى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيلًا ' ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَى الَّتِي تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى ' حَتَّى أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ ' فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ' يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا ' كُلُّ حَصَاةٍ مِثْلُ حَصَى الْخَذْفِ ' رَمَى مِنْ بَطْنِ الْوَادِي ' ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ '

وہاں ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں' پھر کچھ دیر ٹھہرے رہے حتی کہ سورج طلوع ہو گیا تو روانہ ہوئے' یہاں تک کہ عرفہ آئے تو ایک خیمے میں اترے جو نمرہ میں آپ ﷺ کے لیے لگایا گیا تھا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ ﷺ نے قصواء اونٹنی پر پالان رکھنے کا حکم دیا' پھر (سوار ہو کر) آپ ﷺ وادی کے نشیب میں آئے اور لوگوں کو خطبہ دیا' پھر اذان دلوائی پھر اقامت کہلوائی' پھر ظہر ادا کی' پھر اقامت کہوائی اور عصر ادا کی اور ان دونوں کے درمیان کوئی (نفل) نماز ادا نہ کی' پھر سوار ہوئے اور جائے وقوف پر آئے' پھر اپنی قصواء اونٹنی کا پیٹ چٹانوں کی طرف کر دیا اور جبل مشاۃ اپنے سامنے کر دیا اور قبلہ رخ ہو گئے' پھر وہیں کھڑے رہے حتی کہ سورج غروب ہونے لگا اور تھوڑی سی زردی بھی ختم ہو گئی' یہاں تک کہ سورج مکمل غروب ہو گیا تو آپ ﷺ واپس ہوئے' آپ ﷺ نے قصواء اونٹنی کی مہار اس قدر کھینچ رکھی تھی کہ اس کا سر کجاوے کے اگلے حصے سے لگ گیا تھا اور آپ اپنے دائیں ہاتھ سے (اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کو) کہہ رہے تھے کہ ''اے لوگو! آہستہ آہستہ چلو'' اور جب بھی آپ ﷺ کسی ریت کے ٹیلے پر آتے تو مہار ڈھیلی کر دیتے حتی کہ اونٹنی چڑھ جاتی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ مزدلفہ آئے اور وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کیں اور ان کے درمیان کوئی نفل نماز نہ پڑھی۔ پھر آپ ﷺ لیٹ گئے حتی کہ فجر طلوع ہو گئی۔ جب فجر ظاہر ہو گئی تو آپ ﷺ نے اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی' پھر سوار ہو کر مشعر حرام کے پاس آئے' وہاں قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا اور تکبیر و تہلیل میں مصروف ہو گئے' پھر وہیں ٹھہرے رہے حتی کہ خوب اچھی طرح صبح کی روشنی اور سفیدی نمودار ہو گئی۔ پھر طلوع آفتاب سے پہلے ہی واپس ہوئے' جب آپ ﷺ وادی محسر کے نشیب میں پہنچے تو اونٹنی کو ذرا تیز چلایا اور آپ ﷺ نے درمیانی راہ اختیار کی جو جمرۂ عقبہ پر جا نکلتی ہے۔ پھر آپ ﷺ اس

ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَأَفَاضَ إِلَى الْبَيْتِ ' فَصَلَّى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے (یعنی جمرۂ عقبہ) اور اسے سات کنکریاں ماریں' آپ ﷺ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے' کنکریاں حجم میں اتنی تھیں جتنی چٹکی سے ماری جا سکتی ہیں' آپ ﷺ نے وادی کے نشیب سے (یہ کنکریاں) ماریں' پھر آپ ﷺ قربان گاہ کی جانب گئے اور قربانی کی' پھر سوار ہوئے اور بیت اللہ کا طواف (افاضہ) کیا اور مکہ میں نماز ظہر ادا فرمائی۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اِسْتَثْفِرِی فعل امر کا صیغہ ہے باب استفعال سے' اس کا معنی ہے ''لنگوٹ باندھنا''۔ اَلْقَصْوَاءَ آپ ﷺ کی اونٹنی کا نام ہے۔ اَلْبَيْدَاءَ ذوالحلیفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ اَلْأَحْزَاب جمع ہے حِزْب کی' اس کا معنی ہے ''لشکر اور جماعت''۔ نَمِرَة عرفات کے قریب ایک مقام کا نام ہے جو عرفات کا حصہ نہیں۔ اَلصَّخَرَات جمع ہے اَلصَّخْرَة کی' اس کا معنی ہے ''پتھر یا چٹان''۔ اَلْقُبَّة چھوٹے خیمے کو کہتے ہیں۔ اَلْمَشْعَرُ الْحَرَام مزدلفہ کے ایک معروف پہاڑ کا نام ہے۔ شَنَقَ کا معنی ہے ''کھینچنا' تنگ کرنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث میں بہت سے فوائد اور حج کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ وہ طریقہ حج جو اس حدیث اور دیگر صحیح احادیث کو ملانے سے سامنے آتا ہے اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر تلبیہ کہتے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہوا جائے۔ پھر حجر اسود کا بوسہ لے کر طواف شروع کر دیا جائے (اسے طواف قدوم کہتے ہیں)' طواف کے پہلے تین چکر ہلکی ہلکی دوڑ کے ساتھ جبکہ باقی چار چکر معمول کے مطابق چل کر مکمل کیے جائیں۔ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر آ کر یہ آیت تلاوت کی جائے ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کی جائے' پھر صفا و مروہ کی سات چکروں میں سعی کی جائے (جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے اسی طرح دعائیں کی جائیں)' سعی کے بعد مرد بال منڈوا کر یا کتروا کر احرام کھول دیں اور عورتیں صرف آخر سے کچھ بال کتروا کر احرام کھول دیں (بشرطیکہ حج تمتع کی نیت ہو کیونکہ اگر حج قران کی نیت ہوگی تو پھر مناسکِ حج کی ادائیگی تک احرام کھولنا درست نہیں)۔ اب عمرہ مکمل ہو چکا ہے' پھر حج کا ارادہ رکھنے والے حضرات 8 ذوالحجہ کو فجر کے بعد تلبیہ پکارتے ہوئے منیٰ کی جانب روانہ ہوں اور ظہر سے پہلے منیٰ پہنچیں' پھر ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور فجر کی نمازیں وہیں ادا کریں۔ 9 ذوالحجہ کے روز تمام حجاج طلوع آفتاب کے بعد تلبیہ و تکبیر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے عرفات روانہ ہوں' وہاں خطبہ حج سن کر ظہر و عصر کی نمازیں جمع و قصر کر کے ادا کریں' پھر عرفات میں وقوف کریں۔ نبی کریم ﷺ نے جبلِ رحمت کے قریب وقوف کیا تھا لیکن وقوف کے لیے کوئی جگہ متعین نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''میں نے یہاں وقوف کیا ہے جبکہ سارا عرفہ ہی جائے وقوف ہے۔'' دورانِ وقوف قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھانا اور دعا و مناجات میں مصروف رہنا مسنون ہے۔ البتہ اس دن کی سب سے بہترین دعا یہ ہے: ﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ' لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ' وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ یاد رہے کہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ بکثرت لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتے ہیں۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ اذکار و دعاؤں کا عمل غروب آفتاب تک جاری رکھیں۔ جب سورج غروب ہو جائے تو حجاج کرام تلبیہ کہتے ہوئے اطمینان و سنجیدگی سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوں۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور

عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع کر کے باجماعت ادا کریں۔ عشاء کی نماز قصر کر کے ادا کریں۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان یا بعد میں کوئی سنتیں یا نوافل پڑھنا ثابت نہیں۔ نیز آپ ﷺ نے اس رات تہجد بھی نہیں پڑھی بلکہ صبح تک سوئے ہی رہے۔ پھر آپ ﷺ نے نماز فجر معمول سے کچھ جلدی ادا فرمائی۔ واضح رہے کہ جو شخص مزدلفہ میں فجر کی نماز پالے اس نے وقوف مزدلفہ پالیا۔ نماز فجر کے بعد اگر ممکن ہو تو مشعر الحرام' جو مزدلفہ میں ایک پہاڑی کا نام ہے' کے قریب وقوف کریں۔ تاہم یہ یاد رہے کہ اگر اس پہاڑی کے قریب وقوف ممکن نہ ہو تو مزدلفہ میں کہیں بھی وقوف کیا جا سکتا ہے۔ دورانِ وقوف خوب روشنی ہونے تک دعائیں کی جائیں۔ جب خوب سفیدی ظاہر ہو جائے تو حجاج کرام طلوع آفتاب سے پہلے پہلے سکون ووقار سے تلبیہ پکارتے ہوئے منیٰ روانہ ہو جائیں۔ وادیٔ مُحَسِّر (جہاں ابرہہ کے لشکر پر عذاب نازل ہوا تھا) کو تیزی سے عبور کریں۔ معذور' بیمار' بچے اور بھاری جسم والی خواتین وغیرہ مزدلفہ میں کچھ دیر قیام کر کے رات کو چاند غروب ہونے کے بعد بھی منیٰ روانہ ہو سکتے ہیں اور طلوع آفتاب سے پہلے بھی جمرۂ عقبہ کی رمی کر سکتے ہیں۔ 10 ذوالحجہ کے روز 4 اہم کام سرانجام دیئے جاتے ہیں: ① جمرۂ عقبہ کی رمی ② قربانی ③ بال منڈوانا یا کتروانا ④ طواف زیارت۔ ان کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

حجاجِ کرام کو چاہیے کہ کنکریاں مارنے تک تلبیہ کا عمل جاری رکھیں۔ طلوع آفتاب کے بعد جمرۂ عقبہ (جسے جمرۂ کبریٰ بھی کہتے ہیں) کو ایک ایک کر کے چنے کے دانے کے برابر سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری مارتے وقت "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہیں۔ کنکریاں چنے کے دانے کے برابر ہوں۔ کنکریوں کی جگہ بڑے بڑے پتھر مارنا یا جوتیاں مارنا یا کنکریوں کو دھونا خلافِ سنت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی شرعی عذر کی بنا پر خود کنکریاں مارنے سے قاصر ہو تو کوئی دوسرا بھی اس کی طرف سے کنکریاں مار سکتا ہے۔ نیز اگر کسی وجہ سے کنکریاں مارنے میں شام تک تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن 10 ذوالحجہ کے روز انہیں مار لینا بہر حال ضروری ہے۔ رمی کے بعد دعا کے لیے اس جمرہ کے قریب نہیں رکنا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی یہی سنت ہے۔

جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر حجاجِ کرام قربانی کریں۔ یاد رہے کہ قارن اور متمتع کے لیے قربانی واجب ہے جبکہ مفرد کے لیے مستحب۔ اگر حجِ قران یا حجِ تمتع کرنے والا قربانی کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ 10 روزے رکھے۔ تین ایام حج کے دوران اور سات واپس گھر آ کر۔ حج کی قربانی کے لیے بھی وہی شرائط ملحوظ رکھنی چاہیں جو عیدالاضحیٰ کی قربانی کے لیے ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ منیٰ یا مکہ میں حدودِ حرم کے اندر اندر کہیں بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔ بطورِ قربانی ایک سے زیادہ جانور بھی ذبح کیے جا سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ انسان خود اپنا جانور ذبح کرے لیکن اگر کوئی کسی دوسرے سے ذبح کراتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ جانور ذبح کرنے والا "بِسْمِ اللّٰهِ' وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ" کہہ کر ذبح کرے۔ اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھایا جا سکتا ہے۔ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنا' اس سے اقرباء کی دعوت کرنا یا اسے صدقہ کر دینا سب جائز ہے لیکن اتنا یاد رہے کہ گوشت یا کھال وغیرہ میں سے کچھ بھی قصاب کو بطورِ اجرت نہیں دینا چاہیے بلکہ اسے الگ مزدوری دینی چاہیے۔ اگر کوئی شخص 10 ذوالحجہ کے روز کسی وجہ سے قربانی نہ کر سکے تو ایامِ تشریق یعنی 11' 12 اور 13 ذوالحجہ کے دنوں میں بھی قربانی کر سکتا ہے۔ قربانی کے بعد حجاجِ کرام سر کے بال منڈوائیں یا کتروائیں لیکن منڈوانا ہی افضل ہے۔ اس کے بعد حجاج کو تحلل اول حاصل ہو جائے گا۔ "تحللِ اوّل" سے مراد احرام کی پابندیوں سے پہلا آزاد ہونا ہے یعنی جب حاجی قربانی کے بعد حجامت بنوا لیں گے تو وہ احرام کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو جائیں گے۔ اب وہ احرام کھول کر خوشبو لگا سکتے ہیں' عام لباس پہن سکتے ہیں اور وہ تمام کام کر سکتے ہیں جو احرام کے دوران ممنوع تھے۔ البتہ ایک پابندی ان پر بدستور ابھی بھی باقی ہے اور وہ ہے اپنی بیوی سے ہم بستری کرنا۔

حجامت کے بعد حجاج طوافِ زیارت کریں' اس طواف کا نام طوافِ افاضہ بھی ہے۔ یہ طواف حج کا رکن ہے' اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ لہٰذا تمام حجاج کرام حجامت کے بعد مکہ آئیں اور بیت اللہ کا طواف کریں۔ نیز یاد رہے کہ اس طواف میں احرام' اضطباع اور رمل نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے 10 ذوالحجہ کے روز یہ طواف نہ کر سکے تو ایامِ تشریق کے دوران کر لے۔ اس طواف کے بعد حجاج کو تحلل ثانی حاصل ہو جائے گا۔ ''تحللِ ثانی'' سے مراد احرام کی پابندیوں سے دوسرا (اور آخری) آزاد ہونا ہے یعنی طوافِ زیارت کے بعد اب حجاجِ کرام مکمل طور پر ممنوعاتِ احرام سے آزاد ہیں' اب وہ چاہیں تو اپنی بیویوں سے ہم بستر بھی ہو سکتے ہیں۔ حجِ تمتع کرنے والوں کے لیے طوافِ زیارت کے بعد حج کی سعی بھی ضروری ہے۔ البتہ حجِ قران یا حجِ افراد کرنے والے اگر پہلے سعی کر چکے ہوں تو دوبارہ سعی کرنے میں انہیں اختیار ہے لیکن اگر انہوں نے ابھی تک سعی نہیں کی تو ان پر بھی یہ سعی ضروری ہے۔ مذکورہ بالا چاروں کام بالترتیب انجام دینا بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کام اسی ترتیب سے انجام دیئے تھے۔ لیکن اگر ان چاروں میں تقدیم و تاخیر ہو جائے مثلاً اگر کوئی رمی سے پہلے قربانی کر لے یا قربانی سے پہلے حجامت بنوا لے یا حجامت سے پہلے طوافِ زیارت کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ نیز ایسے شخص پر کوئی دم یا فدیہ بھی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی حکم ارشاد نہیں فرمایا۔ لہٰذا جن حضرات کے نزدیک ان کاموں میں تقدیم و تاخیر کی بنا پر دم لازم آتا ہے ان کا مؤقف درست نہیں۔

طوافِ زیارت اور سعی کرنے کے بعد تمام حجاجِ کرام منیٰ واپس جائیں اور رات منیٰ میں گزاریں' حجاج پر ایامِ تشریق یعنی 11' 12 اور 13 ذوالحجہ کی راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔ البتہ اونٹوں کے چرواہوں اور دیگر خدامِ حجاج وغیرہ کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ یہ تین راتیں منیٰ سے باہر بھی گزار سکتے ہیں۔ ایامِ تشریق کے دوران حجاجِ کرام ہر روز زوالِ آفتاب کے بعد تینوں جمروں (جمرۂ اولیٰ' جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ) کو کنکریاں ماریں۔ کنکریاں مارنے کی ابتدا پہلے جمرہ (جسے جمرۂ دنیا یا جمرۂ صغریٰ بھی کہتے ہیں) سے کی جائے' پھر درمیانے جمرہ کو اور آخر میں بڑے جمرہ (یعنی جمرۂ عقبہ) کو کنکریاں ماری جائیں۔ ہر جمرے کو سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری مارتے وقت ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ'' کہیں۔ پہلے دونوں جمروں کو کنکریاں مارنے کے بعد ذرا ہٹ جائیں اور دعا و مناجات میں مصروف ہو جائیں۔ لیکن تیسرے جمرے (یعنی جمرۂ عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد نہ وہاں ٹھہریں اور نہ ہی دعا کریں۔ ان ایام کی نمازیں باجماعت قصر کر کے ادا کریں۔ اگر کوئی ان ایام میں بیت اللہ کا نفلی طواف کرنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے۔ نیز ان ایام میں بکثرت اذکار کرنے چاہییں کیونکہ انہیں ذکرِ الٰہی کے دن قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کوچ کا پہلا دن 12 ذوالحجہ ہے۔ اگرچہ منیٰ میں 13 ذوالحجہ تک رہنا مسنون ہے لیکن اگر کوئی 12 ذوالحجہ کو ہی منیٰ سے رخصت ہونا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ 12 ذوالحجہ کے روز منیٰ سے کوچ کرنے والے کو چاہیے کہ جمرات کی رمی کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے حدودِ منیٰ سے نکل جائے۔ اگر منیٰ میں ہی سورج غروب ہو گیا تو 13 ذوالحجہ کی رات منیٰ میں ہی گزارنا ہو گی اور اگلے روز رمی بھی ضروری ہو گی۔ کوچ کا دوسرا دن 13 ذوالحجہ ہے۔ جو حاجی 12 ذوالحجہ کو منیٰ سے روانہ نہیں ہوئے تھے وہ 13 ذوالحجہ کو رمیٔ جمار سے فارغ ہو کر مکہ روانہ ہوں گے۔ منیٰ سے رخصت ہو کر تمام حجاجِ کرام مکہ آئیں گے اور بیت اللہ کا الوداعی طواف کریں گے۔ خواہ وہ منیٰ سے 12 ذوالحجہ کو رخصت ہوئے ہوں یا 13 ذوالحجہ کو کیونکہ یہ طواف واجب ہے۔ البتہ حیض و نفاس والی عورتیں اگر 10 ذوالحجہ کے روز طوافِ زیارت کر چکی ہوں تو ان کے لیے طوافِ وداع کی رخصت ہے۔

یہ تھا بالاختصار طریقۂ حج کا بیان۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ نفاس میں بھی احرام باندھا جا سکتا ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء ؓ کو اس کا حکم دیا تھا' البتہ حائضہ اور نفاس والی عورت جب تک پاک نہیں ہوتی بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گی اور نہ ہی بیت اللہ میں داخل ہو گی۔

733- وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ سَأَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهُ وَ الْجَنَّةَ، وَ اسْتَعَاذَ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ)) رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب حج یا عمرہ میں تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضامندی اور جنت کا سوال کرتے اور اس کی رحمت کے ساتھ آتشِ جہنم سے پناہ پکڑتے۔[اسے شافعی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

734- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((نَحَرْتُ هَاهُنَا، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ، فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ، وَوَقَفْتُ هَاهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَوَقَفْتُ هَاهُنَا وَ جَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں نے یہاں قربانی کی ہے اور منیٰ سارا قربان گاہ ہے، پس تم اپنی قیام گاہوں میں ہی قربانیاں کر لیا کرو اور میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور عرفہ سارا ہی جائے وقوف ہے اور میں نے یہاں قیام کیا ہے مگر سارا مزدلفہ ہی جائے وقوف ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح جَمْع سے مراد مزدلفہ ہے۔ اس کا نام یہ کیوں پڑا اس میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی زمین پر اتار دیے جانے کے بعد یہاں ملاقات ہوئی تھی اس لیے اس کا نام جمع پڑ گیا، بعض نے کہا ہے کہ چونکہ یہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اس لیے اسے جمع کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ چونکہ یہاں نمازیں جمع کر کے ادا کی جاتی ہیں اس لیے اس کا نام جمع رکھ دیا گیا۔ (واللہ اعلم)

فهم الحديث یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ منیٰ میں کسی بھی جگہ قربانی کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح عرفہ اور مزدلفہ میں کسی بھی جگہ وقوف کیا جا سکتا ہے۔

735- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا جَاءَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب (حج کے لیے) مکہ میں داخل ہوئے تو بالائی جانب سے داخل ہوئے اور اس کی نشیبی جانب سے نکلے۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث کی وجہ سے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مکہ میں داخلے کے وقت ثنیہ علیا کی جانب سے داخل ہونا اور ثنیہ سفلی کی جانب سے نکلنا مستحب ہے، لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ عمل مستحب نہیں بلکہ یہ تو محض اتفاق تھا کہ جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے تو یہی راستہ آپ کے سامنے تھا۔ تاہم یہ یاد رہے کہ ثنیہ علیا سے داخل ہوتے وقت خانہ کعبہ سامنے آتا ہے۔

733- [ضعیف : ضعيف الجامع الصغير (٤٤٣٥) دارقطني (٢٣٨/٢) بیہقی (٤٦/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

734- [حسن صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (١٩٣٧) كتاب المناسك : باب الصلاة بجمع، ابن ماجه (٣٠٤٨) احمد (٣٢٦/٣)]

735- [بخاری (١٥٧٧) كتاب الحج : باب من أين يخرج من مكة، مسلم (١٢٥٨) ابو داود (١٨٦٨-١٨٦٩) ترمذی (٨٥٣)]

736- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ ((كَانَ لَا يَقْدُمُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بِذِي طُوًى حَتَّى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ)) وَيَذْكُرُ ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ جب بھی مکہ میں آتے تو وادیٔ ذی طویٰ میں صبح تک شب بسری کرتے اور غسل کرتے اور ذکر فرماتے کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں داخلے کے وقت وادیٔ ذی طویٰ میں رات گزارنا اور پھر صبح کے وقت غسل کر کے مکہ میں داخل ہونا مستحب ہے۔

737- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ ((كَانَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَيَسْجُدُ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ الْحَاكِمُ مَرْفُوْعًا وَ الْبَيْهَقِيُّ مَوْقُوْفًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے اور اس کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔[اسے حاکم نے مرفوع اور بیہقی نے موقوف روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دینا مستحب ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے سامنے سجدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت موقوف ہے اس لیے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حجر اسود کے سامنے سجدہ کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا ہے۔(٨٤) البتہ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا' آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور اس پر سجدہ کیا۔ پھر فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے میں نے ایسا کیا ہے۔(٨٥)

738- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((أَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَرْمُلُوا ثَلَاثَةَ أَشْوَاطٍ وَيَمْشُوا أَرْبَعًا ' مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں (طوف کے ابتدائی) تین چکروں میں دو رکنوں (یعنی رکنِ یمانی اور حجر اسود) کے درمیان ہلکی ہلکی دوڑ لگانے اور (باقی) چار چکروں میں معمول کے مطابق چلنے کا حکم دیا تھا۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح رمل کندھے ہلاتے ہوئے ہلکی ہلکی دوڑ لگانے کو کہتے ہیں۔ أَشْوَاط جمع ہے شَوْط کی' اس کا معنی ہے "چکر"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طوافِ قدوم کے پہلے تین چکروں میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہلکی ہلکی دوڑ لگانی چاہیے اور باقی چار چکروں میں معمول کے مطابق چلنا چاہیے۔ واضح رہے کہ طوافِ قدوم اس طواف کو کہتے ہیں جو احرام باندھنے کے بعد مکہ میں داخل ہوتے ہی کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین کے دشمنوں

736- [بخاری (١٥٥٣) كتاب الحج : باب من أهل حين استوت به راحلته ' مسلم (١٢٥٩) ابو داود (١٨٦٥) نسائی (١٩٩/٥) مالك (٣٢٤/١) دارمی (١٩٢٧)]

737- [حاكم (٤٥٥/١) بيهقی (٨٤/٥) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

738- [بخاری (١٦٠٢) كتاب الحج : باب كيف كان بدء الرمل ' مسلم (١٢٦٤) ابو داود (١٨٨٦) نسائی (٢٣٠/٥) احمد (٢٩٠/١)]

(٨٤) [توضيح الأحكام (١٣٧/٤)]

(٨٥) [**صحيح** : صحيح ابن خزيمة (٢٧١٤) كتاب الحج : باب السجود على الحجر الأسود]

کے سامنے قوت کا اظہار مستحب ہے کیونکہ جب آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ تشریف لائے تھے تو مشرکین نے کہا تھا کہ انہیں تو یثرب کی آب وہوا نے کمزور کر دیا ہے' تب آپ ﷺ نے صحابہ کو پہلے تین چکروں میں دوڑنے کا حکم دیا تا کہ اہل اسلام کی قوت ظاہر ہو سکے۔ البتہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے صرف دو رکنوں کے درمیان ہی رمل اس لیے کیا تھا کیونکہ مشرکین صرف اسی جانب تھے۔

739- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ ((كَانَ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ الطَّوَافَ الْأَوَّلَ خَبَّ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا)) وَفِي رِوَايَةٍ : ((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ فَإِنَّهُ يَسْعَى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ بِالْبَيْتِ يَمْشِي أَرْبَعَةً)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ وہ جب بیت اللہ کا پہلا طواف (یعنی طوافِ قدوم) کرتے تو تین چکر دوڑتے ہوئے اور چار چکر معمول کی چال چل کر لگاتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپ جب حج یا عمرہ میں تشریف لاتے ہی پہلا طواف (یعنی طوافِ قدوم) کرتے تو بیت اللہ کے تین چکروں میں دوڑتے اور چار میں معمول کے مطابق چلتے۔[بخاری، مسلم]

740- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((لَمْ أَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ غَيْرَ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابن عمر ﷺ سے ہی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دو یمانی رکنوں کے علاوہ بیت اللہ کے کسی رکن کو چھوتے ہوئے نہیں دیکھا۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ طواف صرف دو یمانی رکنوں (یعنی ایک رکن یمانی اور دوسرا رکن اسود) کو ہی چھونا مستحب ہے باقی دو شامی رکنوں کو نہیں چھونا چاہیے۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ یمانی رکنوں کو شامی رکنوں پر فضیلت دینے کی وجہ یہ ہے کہ یمانی رکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادوں پر قائم ہیں' جیسا کہ حضرت ابن عمر ﷺ نے فرمایا ہے۔

741- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَبَّلَ الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَقَالَ : ((إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ ' وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عمر ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا' میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے' نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے (کبھی) بوسہ نہ دیتا۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس فرمان سے غرض یہ تھی کہ مشرکین کے باطل نظریے کی تردید ہو جائے جو پتھر کے بتوں کو نفع ونقصان کا مالک تصور کرتے ہیں۔ اس حدیث سے ایک عظیم شرعی اصول بھی اخذ کیا گیا ہے کہ عبادات میں اصل ممانعت ہے الا کہ جسے اللہ اور

739- [بخاری (١٦١٧) كتاب الحج : باب من طاف بالبيت إذا قدم مكة ' مسلم (١٢٦١) نسائی (٢٣٠/٥) احمد (١٣/٢) مالك (٣٦٥/١) ۔ والرواية الثانية۔ بخاری (١٦١٦) مسلم (١٢٦١) ابو داود (١٨٩٣) نسائی (٢٢٩/٥) احمد (١٢٥/٢)]

740- [بخاری (١٦٠٩) كتاب الحج : باب من لم يستلم إلا الركنين اليمانيين ' مسلم (١٢٦٧) ابو داود (١٨٧٤) ابن ماجه (٢٩٤٦) نسائی (٢٣٢/٥) احمد (٨٩/٢)]

741- [بخاری (١٥٩٧) كتاب الحج : باب ما ذكر في الحجر الأسود ' مسلم (١٢٧٠) ابو داود (١٨٧٣) ترمذی (٨٦٠) نسائی (٢٢٧/٥) ابن ماجه (٢٩٤٣) احمد (٧٦/١) مالك (٣٦٧/١) دارمی (١٨٦٤) بيهقی (٧٤/٥)]

اس کے رسول نے مشروع قرار دیا ہے (صرف اسی کو اپنایا جا سکتا ہے)' عبادت میں رائے اور استحسان وغیرہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

742- وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهُ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' آپ بیت اللہ کا طواف کرتے اور چھڑی کے ساتھ جو آپ کے پاس تھی' حجر اسود کو چھوتے اور چھڑی کو بوسہ دیتے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح مِحْجَنٍ اس چھڑی کو کہتے ہیں جس کا سرا ٹیڑھا ہو۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ازدہام یا کسی اور وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو کسی چھڑی کے ساتھ اسے چھو کر چھڑی کو بھی بوسہ دیا جا سکتا ہے۔ چھڑی کے علاوہ یہ بھی ثابت ہے کہ حجر اسود کو ہاتھ کے ساتھ چھو کر ہاتھ کا بوسہ لے لیا جائے' جیسا کہ نافع ؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے ہاتھ کے ساتھ پتھر کو چھوتے ہوئے دیکھا پھر انہوں نے اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا' میں نے اس عمل کو اس وقت سے نہیں چھوڑا جب سے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ (۸۶) اگر چھڑی یا ہاتھ سے حجر اسود کو چھونا ممکن نہ ہو تو پھر دور سے بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کا طواف ایک اونٹنی پر سوار ہو کر کیا' جب بھی آپ حجر اسود کے سامنے پہنچے تو کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے۔ (۸۷) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر حجر اسود تک پہنچنے کی جگہ نہ مل رہی ہو تو پھر مزاحمت یا دھکم پیل جائز نہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے فرمایا ''اے عمر! یقیناً تو طاقتور آدمی ہے (اس لیے) تو حجر اسود پر مزاحمت (دھکم پیل) نہ کر (کیونکہ اس طرح) تو کمزور افراد کو اذیت پہنچائے گا۔ اگر تجھے خالی جگہ ملے تو حجر اسود کا بوسہ لے لے اور اگر نہ ملے تو اس کی طرف رخ کر کے تہلیل و تکبیر کہہ دے۔'' (۸۸)

743- وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((طَافَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ أَخْضَرَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سبز چادر کے ساتھ اس طرح طواف کیا کہ اسے دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ [اسے احمد، ترمذی، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح مُضْطَبِعًا اسم فاعل کا صیغہ ہے اضطباع سے اور اضطباع یہ ہے کہ چادر کو دائیں بغل سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالنا اور دائیں کندھے کو ننگا رکھنا۔

فہم الحدیث معلوم ہوا کہ طواف کے لیے اضطباع کی حالت بنانا مستحب ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ حالت صرف

742- [مسلم (۱۲۷۵) کتاب الحج : باب جواز الطواف علی بعیر وغیرہ' ابو داود (۱۸۷۹) ابن ماجہ (۲۹۴۹) احمد (۴۵۴/۵)]

743- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۸۸۳) کتاب المناسك : باب الضطباع فی الطواف' ترمذی (۸۵۹) ابن ماجہ (۲۹۵۴) احمد (۲۲۲/۴) شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۸۶) [احمد (۱۰۸/۲)' (۳۳/۲)] (۸۷) [بخاری (۱۶۱۳) کتاب الحج : باب التکبیر عند الرکن]

(۸۸) [مسند احمد (۲۸/۱) عبد الرزاق (۸۹۱۰) بیهقی (۸۰/۵)]

طواف قدوم یا طواف عمرہ میں صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ شیخ ابن بازؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۸۹)

744- وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ ' وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں تلبیہ پکارنے والے تلبیہ پکارتے تھے تو انہیں برا نہیں سمجھا جاتا تھا اور تکبیر کہنے والے تکبیر کہتے ہیں انہیں بھی برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحديث یہ قصہ منیٰ سے عرفات جانے کا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ سے عرفات جاتے ہوئے تلبیہ کی جگہ تکبیریں کہنا بھی درست ہے' اسی لیے آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

745- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ فِي الثَّقَلِ)) أَوْ قَالَ : ((فِي الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ)) ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے مسافروں کے سامان کے ساتھ یا فرمایا کہ کمزور لوگوں کے ساتھ رات کے وقت ہی مزدلفہ سے (منیٰ کی جانب) بھیج دیا تھا۔ [بخاری، مسلم]

746- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((اسْتَأْذَنَتْ سَوْدَةُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ أَنْ تَدْفَعَ قَبْلَهُ ' وَكَانَتْ ثَبِطَةً ۔ تَعْنِي ثَقِيلَةً ۔ فَأَذِنَ لَهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے مزدلفہ کی رات اس بات کی اجازت طلب کی کہ وہ آپ ﷺ سے پہلے واپس آ جائیں' وہ بھاری جسم والی تھیں (جس باعث ان کے لیے جلدی چلنا مشکل تھا) اس لیے آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الثَّقَل مسافر کے سامان کو کہتے ہیں۔ الضَّعَفَة ضعیف کی جمع ہے' مراد ہے عورتیں' بچے' بوڑھے اور کمزور افراد۔ ثَبِطَة کا معنی ہے بوجھل' مراد ہے بھاری جسم والی' اس کی جمع ثَبِطَات آتی ہے۔

فهم الحديث ان احادیث میں یہ ثبوت موجود ہے کہ بوڑھوں' بچوں' عورتوں اور کمزوروں پر مزدلفہ میں ساری رات گزارنا ضروری نہیں بلکہ وہ فجر سے پہلے بھی منیٰ کی جانب روانہ ہو سکتے ہیں۔

747- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَرْمُوا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے فرمایا" طلوع آفتاب سے پہلے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں

744- [بخاری (١٦٥٩) كتاب الحج : باب التلبية والتكبير إذا غدا من منى إلى عرفة ' مسلم (١٢٨٥) ابن ماجه (٣٠٠٨) نسائی (٢٥٠/٥) احمد (١١٠/٣)]

745- [بخاری (١٦٧٨) كتاب الحج : باب من قدم ضعفة أهله بليل ' مسلم (١٢٩٣) ابو داود (١٩٣٩) ترمذی (٨٩٢) نسائی (٢٦١/٥) ابن ماجه (٣٠٢٦)]

746- [بخاری (١٦٨٠) كتاب الحج : باب من قدم ضعفة أهله بليل ' مسلم (١٢٩٠) نسائی (٢٦٢/٥) ابن ماجه (٣٠٢٧) احمد (٢١٣/٦) دارمی (١٨٨٦)]

747- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (١٩٤٠) كتاب المناسك : باب التعجيل من جمع ' ترمذی (٨٩٣) نسائی (٢٧١/٥) ابن ماجه (٣٠٢٥) احمد (٢٣٤/١) بيهقی (١٣١/٥) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۸۹) [مجموع الفتاوی لابن باز (٢٠٩/١٧)]

الْجَمْرَةَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ فِيْهِ انْقِطَاعٌ ۔

نہ مارو۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس میں انقطاع ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 ذوالحجہ کے روز طلوع آفتاب کے بعد کنکریاں مارنی چاہییں۔ جمہور، احمدؒ اور احناف اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ فجر سے پہلے بھی کنکریاں ماری جا سکتی ہیں۔ (۹۰) راجح مؤقف یہ ہے کہ عام آدمی کو فجر سے پہلے کنکریاں نہیں مارنی چاہییں' کیونکہ جس روایت میں اس کا ذکر ہے' وہ ضعیف ہے۔ البتہ عورتیں' بچے اور معذور لوگ فجر سے پہلے بھی کنکریاں مار سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ شب مزدلفہ میں مزدلفہ کے قریب اتریں اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ پھر تھوڑی دیر نماز پڑھ کر پوچھا کہ اے بیٹے! کیا چاند غروب ہو گیا ہے؟ (بیٹے نے) کہا کہ' نہیں۔ پھر وہ تھوڑی دیر تک نماز پڑھتی رہیں۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ اے بیٹے! کیا چاند غروب ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں' تو کہنے لگیں کہ چلو اب چلیں۔ چنانچہ ہم کوچ کر کے چل دیئے یہاں تک کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے منیٰ پہنچ کر کنکریاں ماریں۔ پھر صبح کی نماز اپنے مقام پر آ کر پڑھی۔ میں نے ان سے کہا کہ ہمیں ایسا خیال ہے کہ ہم نے جلدی کی ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اے بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے لیے (اس بات کی) اجازت پہلے ہی دے رکھی ہے۔ (۹۱) علاوہ ازیں یہ یاد رہے کہ ایام تشریق کے دوران تینوں جمروں کی رمی کا وقت زوالِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے روز جمرۂ عقبہ کو دن چڑھے کنکریاں ماریں جبکہ اس کے بعد (ایام تشریق میں) دن ڈھلے کنکریاں ماریں۔ (۹۲)

748- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ بِأُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ، فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ، ثُمَّ مَضَتْ فَأَفَاضَتْ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَ إِسْنَادُهُ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو قربانی کی رات (پہلے) روانہ کر دیا' تو انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں اور چلی گئیں' پھر طوافِ افاضہ کیا۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔]

749- وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ مُضَرِّسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

748- [ضعيف: ضعيف ابو داود، ابو داود (۱۹۴۲) كتاب المناسك: باب التعجيل من جمع، بيهقى (۱۳۳/۵) حاكم (۴۲۹/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔]

749- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (۱۹۵۰) كتاب المناسك: باب من لم يدرك عرفة، ترمذى (۸۹۱) ابن ماجه (۳۰۱۶) نسائى (۲۶۳/۵) احمد (۱۵/۴) دارمى (۱۸۸۸) ابن خزيمة (۲۸۵۹) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(۹۰) [فتح البارى (۳۴۴/۴) نيل الأوطار (۴۱۹/۳) الأم (۳۳۰/۲) شرح المهذب (۱۷۷/۸) المبسوط (۶۴/۴) الهداية (۱۵۰/۱) الكافى (ص/۱۴۴) المغنى (۲۹۴/۵) كشاف القناع (۵۰۰/۲)]

(۹۱) [بخارى (۱۶۷۹) كتاب الحج: باب من قدم ضعفة أهله بليل، مسلم (۱۲۹۰) كتاب الحج: باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن، ابن ماجه (۳۰۲۷) نسائى (۳۰۳۷) وفى السنن الكبرى (۴۰۳۲) دارمى (۱۸۸۶) ابن حبان (۳۸۶۱) بيهقى (۱۲۴/۵)]

(۹۲) [مسلم (۱۲۹۹) كتاب الحج: باب بيان وقت استحباب الرمى، ابو داود (۱۹۷۱) كتاب المناسك: باب فى رمى الجمار]

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ شَهِدَ صَلَاتَنَا هٰذِهِ ۔ يَعْنِي بِالْمُزْدَلِفَةِ ۔ فَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى نَدْفَعَ ، وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا ، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَقَضٰى تَفَثَهُ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

نے فرمایا" جو ہماری اس یعنی مزدلفہ کی نماز (فجر) میں شریک ہوا اور ہمارے ساتھ (مزدلفہ میں ہی) ٹھہرا رہا حتی کہ ہم لوٹ گئے اور اس سے پہلے رات یا دن کے کسی حصے میں وہ وقوفِ عرفہ بھی کر چکا تھا تو یقیناً اس کا حج مکمل ہوا اور اس نے مناسکِ حج مکمل کر لیے۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں مزدلفہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اُس وقت آیا جب آپ نماز کے لیے نکلے۔ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں طے کے دو پہاڑوں کے درمیان سے آیا ہوں' میں نے اپنی سواری کو اور اپنے آپ کو تھکا دیا۔ اللہ کی قسم میں نے کوئی ایسا ٹیلہ نہیں چھوڑا جس پر وقوف نہ کیا ہو تو کیا میرا حج ہو گیا ہے؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل علم نے ایک تو یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی دن میں وقوفِ عرفات نہ پا سکے تو رات ہونے کے بعد فجر تک کسی بھی وقت وقوف کر لے تو اس کا حج ہو جائے گا' لیکن اگر وقوفِ عرفہ رہ جائے تو پھر حج نہیں ہوگا کیونکہ وقوفِ عرفہ حج کا رکن ہے' اس کے بغیر حج نہیں ہوتا جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ "حج تو وقوفِ عرفات ہی ہے۔" (۹۳) علاوہ ازیں اس حدیث کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ کو بھی رکنِ حج قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ (۹۴)، امام نخعیؒ، امام شعبیؒ، امام اوزاعیؒ (۹۵)، امام ابن رشدؒ (۹۶)، امام ابن العربیؒ (۹۷)، امام حماد بن ابی سلیمانؒ، امام حسن بصریؒ، امام علقمہؒ، امام داود ظاہریؒ، امام ابو عبیدؒ، امام ابن جریرؒ اور امام ابن خزیمہؒ (۹۸) وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ تاہم جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ مزدلفہ میں شب بسری رکن نہیں بلکہ واجب ہے اور اگر یہ رہ جائے تو ایک قربانی اس کی کمی پوری کر دیتی ہے۔ اس مؤقف کے حامل علما میں امام عطاؒ، امام زہریؒ، امام قتادہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابو ثورؒ، امام ثوریؒ اور اصحاب الرائے وغیرہ شامل ہیں۔ (۹۹) بعض اہل علم کی رائے یہ بھی ہے کہ مزدلفہ میں شب بسری نہیں بلکہ نماز فجر کی ادائیگی رکن ہے اور اگر کوئی مزدلفہ میں امام کے ساتھ یہ نماز حاصل نہ کر سکے تو اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔ جیسا کہ امام ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۱۰۰)

750- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((إِنَّ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین طلوعِ آفتاب تک

750- [بخاری (۱٦۸٤) كتاب الحج : باب متى يدفع من جمع ' ابو داود (۱۹۳۸) ترمذی (۸۹٦) ابن ماجه (۳۰۲۲) نسائی (۲٦٥/٥) احمد (۱٤/۱) ابن خزيمة (۲۸٥۹)]

(۹۳) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۲٤٤۱) كتاب الحج : باب من أتى عرفة قبل الفجر ليلة جمع ' إرواء الغليل (۱۰٦٤) صحيح ابو داود (۱۷۰۳) ابن ماجة (۳۰۱٥) ابو داود (۱۹٤۹) ترمذی (۸۸۹) نسائی (۲٦٤/٥) أحمد (۳۰۹) دارقطنی (۲٤۰/۲) بيهقی (۱۱٦/٥)]

(۹٤) [زاد المعاد لابن القيم (۲٥۳/۲)]

(۹٥) [المغنی لابن قدامة (۲۸٤/٥)]

(۹٦) [بداية المجتهد (٦٥۳/۱)]

(۹۷) [عارضة الأحوذی (۱۱۸/٤) زاد المعاد (۲٥۳/۲)]

(۹۸) [الوجيز فی فقه السنة والكتاب العزيز (ص / ۲٥۲)]

(۹۹) [المغنی لابن قدامة (۲۸٤/٥)]

(۱۰۰) [المحلى لابن حزم (۱۷۰/۷)]

الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَيَقُولُونَ : أَشْرِقْ ثَبِيرُ وَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَالَفَهُمْ ' فَأَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

واپس نہیں لوٹتے تھے اور کہتے تھے اے ثبیر! (ایک پہاڑ) روشن ہو جا۔ نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی لوٹ آئے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح لَا يُفِيضُونَ فعل نفی کا صیغہ ہے باب أَفَاضَ يُفِيضُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''لوٹنا''۔ مراد ہے مشرکین 10 ذوالحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی جانب طلوع آفتاب کے بعد لوٹتے تھے۔ أَشْرِقْ فعل امر کا صیغہ ہے باب أَشْرَقَ يُشْرِقُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''روشن ہونا''۔ ثَبِير ایک معروف پہاڑ کا نام ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 ذوالحجہ کی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے ہی خوب روشنی ہو جانے پر مزدلفہ سے منیٰ کی جانب روانہ ہو جانا چاہیے۔ اہل علم کی اکثریت اسی پر ہے۔

751- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَا : ((لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک تلبیہ کہتے رہے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہنا چاہیے۔ تلبیہ چھوڑنے کے وقت کے متعلق فقہا کا اختلاف ہے۔ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے سے فراغت کے ساتھ ہی تلبیہ ختم ہو جائے گا۔ جبکہ جمہور علما کا کہنا ہے کہ پہلی کنکری مارنے پر ہی تلبیہ ختم ہو جائے گا۔(۱۰۱) امام نوویؒ نے جمہور کے مؤقف کو ہی ترجیح دی ہے۔(۱۰۲) جبکہ امام شوکانیؒ (۱۰۳) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۱۰٤) نے امام احمدؒ کے مؤقف کو قابل اتباع قرار دیا ہے اور اس حدیث کو بطور دلیل پیش نظر رکھا ہے کہ ﴿ ثُمَّ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ مَعَ آخِرِ حَصَاةٍ ﴾ 'پھر آپ ﷺ نے آخری کنکری (پھینکنے) کے ساتھ ہی تلبیہ ختم کر دیا۔' (۱۰۵)

752- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهِ وَمِنًى عَنْ يَمِينِهِ ' وَرَمَى الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ' وَقَالَ : ((هٰذَا مَقَامُ الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیت اللہ کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو اپنی دائیں جانب کر لیا اور (پھر) جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں اور فرمایا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں آپ ﷺ پر سورۂ بقرہ نازل کی گئی تھی۔ [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کنکریاں مارنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں

751- [بخاری (۱٦۸٦) کتاب الحج : باب التلبیة والتکبیر غداة النحر' ابو داود (۱۸۱٥) ترمذی (۹۱۸) نسائی (٢٦٨/٥) ابن ماجه (٣٠٤٠) احمد (٢١٠/١) ابن الجارود (٤٧٦)]

752- [بخاری (۱۷٤۹) کتاب الحج : باب من رمی جمرة العقبة فجعل البیت عن یساره' مسلم (۱۲۹٦) ابو داود (۱۹۷٤) ترمذی (۹۰۱) نسائی (٢٧٣/٥) ابن ماجه (٣٠٣٠) احمد (٤١٥/١)]

(۱۰۱) [سبل السلام (٩٩٢/٢)] (۱۰۲) [شرح مسلم للنووی (٣٢/٥)]
(۱۰۳) [نیل الأوطار (٣٦١/٤)] (۱۰٤) [تحفة الأحوذی (٧٩٤/٣)]
(۱۰٥) [ابن خزیمة (٢٨٨٧) السنن الکبری للبیهقی (١٣٧/٥)]
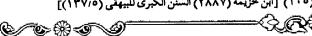
بیت اللہ اس کے بائیں اور منیٰ اس کے دائیں جانب ہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر ایسی جگہ نہ ملے تو جہاں بھی کھڑا ہو سکے وہیں سے کنکریاں مار لے۔

753- وَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((رَمَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى ، وَأَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن (یعنی 10 ذوالحجہ کے دن) چاشت کے وقت جمرہ کو کنکریاں ماریں البتہ اس دن کے بعد (ایام تشریق میں تب کنکریاں مارتے) جب سورج ڈھل جاتا۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 ذوالحجہ کے روز زوال آفتاب سے پہلے اور اس کے بعد کے ایام یعنی ایام تشریق (12,11 اور 13 ذوالحجہ کے دنوں) میں زوال آفتاب کے بعد کنکریاں مارنا مستحب ہے' لیکن اگر پہلے روز بھی کسی شخص کو زوال آفتاب تک تاخیر ہو جائے تو پھر اسے زوال کے بعد ہی کنکریاں مار لینی چاہئیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ میں نے (10 ذوالحجہ کے روز) شام کے بعد رمی کی ہے تو آپ نے فرمایا' کوئی حرج نہیں۔"(١٠٦)

754- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ ((كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ ، يُكَبِّرُ عَلَى أَثَرِ كُلِّ حَصَاةٍ ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ ثُمَّ يُسْهِلُ ، فَيَقُوْمُ فَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ ، ثُمَّ يَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ، ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطَى ، ثُمَّ يَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ ، وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ، ثُمَّ يَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ، ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ ، فَيَقُوْلُ : هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ پہلے جمرہ دنیا کی رمی سات کنکریوں کے ساتھ کرتے اور ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے۔ اس کے بعد آگے بڑھتے اور ایک نرم ہموار زمین پر قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے' دعائیں کرتے رہتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور لمبی دیر کھڑے رہتے' پھر جمرہ وسطٰی کی رمی پر بھی اسی طرح کرتے اور بائیں طرف آگے بڑھ کر ایک نرم زمین پر قبلہ رخ کھڑے ہو جاتے' بہت دیر اسی طرح کھڑے ہو کر دعائیں کرتے رہتے پھر جمرۂ عقبہ کی رمی بطن وادی سے کرتے لیکن وہاں ٹھہرتے نہیں تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام تشریق میں ہر روز تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں ماری

753- [مسلم (١٢٩٩) كتاب الحج : باب استحباب كون حصى الجمار بقدر حصى الخذف' ابو داود (١٩٧١) ترمذی (٨٩٤) نسائی (٢٧٠/٥) ابن ماجه (٣٠٥٣) دارمی (١٨٩٦)]

754- [بخاری (١٧٥١) كتاب الحج : باب إذا رمى الجمرتين يقوم ويسهل ' نسائی (٢٧٦/٥) احمد (١٥٢/٢) حاكم (٤٧٨/١) بیهقی (١٤٨/٥)]

(١٠٦) [بخاری (١٧٢٣) كتاب الحج : باب الذبح قبل الحلق ' مسلم (١٣٠٧) كتاب الحج : باب جواز تقديم الذبح على الرمي ' ابن ماجه (٣٠٥٠) كتاب المناسك : باب من قدم نسكا قبل نسك ' ابن خزيمة (٢٩٥٠) نسائی فی السنن الكبرى (٤١٠٤) بیهقی (١٤٢/٥)]

جائیں' پہلے جمرۂ دنیا کو پھر وسطیٰ کو اور پھر عقبہ کو۔ ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہی جائے۔ جمرۂ دنیا اور وسطیٰ کی رمی کے بعد وہاں قبلہ رخ کھڑے ہو کر' ہاتھ اٹھا کر دعا و فریاد کی جائے۔ جبکہ جمرۂ عقبہ کے قریب نہ کھڑا ہوا جائے اور نہ ہی دعا کی جائے۔

755- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ)) قَالُوا : وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' قَالَ فِي الثَّالِثَةِ : ((وَالْمُقَصِّرِينَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما" لوگوں نے عرض کیا اور بال کتروانے والوں پر بھی' اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا"اور بال کتروانے والوں پر بھی۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح مُحَلِّقِيْن اسم فاعل کا صیغہ ہے تحليق سے' اس کا معنی ہے" بال منڈوانے والے۔" مُقَصِّرِيْن بھی اسم فاعل کا صیغہ ہے تقصير سے' اس کا معنی ہے" بال ترشوانے یا کتروانے والے۔"

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ سے حلال ہوتے وقت بال منڈوانا' کتروانے سے افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے کتروانے والوں کے لیے ابتدا میں دعا نہیں فرمائی بلکہ ان کے لیے صحابہ کے اصرار پر صرف تیسری مرتبہ دعا فرمائی' جبکہ منڈوانے والوں کے لیے پہلی مرتبہ سے آخر تک تین مرتبہ دعا فرمائی۔ علامہ عبد الرحمن مبارکپوری (۱۰۷) اور شیخ ابن بازؒ (۱۰۸) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ حج و عمرہ میں بال منڈوانا' کتروانے سے افضل ہے۔

756- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ ' فَجَعَلُوا يَسْأَلُونَهُ ' فَقَالَ رَجُلٌ : لَمْ أَشْعُرْ ' فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ ' قَالَ: ((اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ)) وَجَاءَ آخَرُ ' فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ ' فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ ' قَالَ : ((ارْمِ وَلَا حَرَجَ)) فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ : ((افْعَلْ وَلَا حَرَجَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر (ایک مقام پر) کھڑے ہو گئے۔ لوگ آپ ﷺ سے سوال کرنا شروع ہو گئے۔ ایک آدمی نے کہا مجھے علم نہیں تھا میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا" (اب) قربانی کر لو کوئی حرج نہیں۔" ایک دوسرے آدمی نے عرض کیا' مجھے معلوم نہیں تھا میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "(اب) کنکریاں مار لو کوئی حرج نہیں۔" (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) اس روز آپ ﷺ سے جس عمل میں بھی تقدیم و تاخیر کے متعلق استفسار کیا گیا آپ ﷺ نے یہی فرمایا" اب کر لو کوئی حرج نہیں۔" [بخاری، مسلم]

755- [بخاری (۱۷۲۷) كتاب الحج : باب الحلق والتقصير عند الإحلال ' مسلم (۱۳۰۱) ابو داود (۱۹۷۹) ترمذی (۹۱۳) ابن ماجه (۳۰٤٤) احمد (۳۵۳/۱) مالك (۳۹۵/۱)]

756- [بخاری (۱۷۳٦) كتاب الحج : باب الفتيا على الدابة عند الجمرة ' مسلم (۱۳۰٦) ابو داود (۲۰۱٤) ترمذی (۹۱٦) ابن ماجه (۳۰۵۱) احمد (۱۵۹/۲) مالك (٤۲۱/۱) بیهقی (۱٤۱/۵)]

(۱۰۷) [تحفة الأحوذی (۷۸٤/۳)]

(۱۰۸) [فتاوی اسلامیة (۲٦۲/۲)]

فهم الحديث واضح رہے کہ 10 ذوالحجہ کے روز ہر حاجی پر چار کام بالترتیب لازم ہیں۔ جمرۂ عقبہ کی رمی' قربانی' بال منڈوانا یا کتروانا اور طوافِ زیارت۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں کسی وجہ سے تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج والی بات نہیں۔ جمہور علماء، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر کوئی دم بھی لازم نہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر کوئی مذکورہ ترتیب کو چھوڑے گا تو اس پر دم لازم آئے گا۔ (۱۰۹) ملا علی قاریؒ بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔ (۱۱۰) لیکن مذکورہ بالا صحیح حدیث کی وجہ سے جمہور کا موقف ہی راجح ہے۔

757- وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذَلِكَ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سر منڈوانے سے پہلے قربانی کی اور اپنے ساتھیوں کو بھی اسی کا حکم دیا۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی سر منڈوانے سے پہلے کرنی چاہیے' لیکن یہ یاد رہے کہ اگر کسی وجہ سے یہ ترتیب قائم نہ رہ سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ گزشتہ حدیث اس کا واضح ثبوت ہے۔

758- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا رَمَيْتُمْ وَحَلَقْتُمْ فَقَدْ حَلَّ لَكُمُ الطِّيبُ وَكُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ فِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم کنکریاں مار لو اور (قربانی کے بعد) سر منڈوا لو تو تمہارے لیے خوشبو اور ہر چیز حلال ہو جائے گی سوائے عورتوں کے۔''[اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 ذوالحجہ کے چار اہم کاموں میں سے تین کر لینے کے بعد حجاج کے لیے بیویوں سے ہم بستری کے سوا سب کچھ حلال ہو جاتا ہے' اب وہ احرام کھول دیں گے۔ اسے تحللِ اول کہتے ہیں۔ البتہ بیویوں سے قربت تب حلال ہوگی جب حجاج اس دن کا چوتھا اہم کام ''طوافِ زیارت'' کر لیں گے۔

759- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ' وَ إِنَّمَا يُقَصِّرْنَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''عورتوں کے لیے بال منڈوانا نہیں بلکہ صرف کچھ بال ترشوانا ہے۔''[اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں سر نہیں منڈوائیں گی بلکہ آخر سے صرف کچھ بال ترشوا لیں گی۔ اس

757- [بخاری (۱۸۱۱) كتاب الحج : باب النحر قبل الحلق في الحصر]

758- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۱۹۷۸) كتاب المناسك : باب في رمي الجمار' احمد (۱٤۳/٦) ابن خزيمة (۲۹۳۷) دارقطنی (۲۷٦/۲) بيهقی (۱۳٦/۵) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعیف ہے۔]

759- [صحيح لغيره : صحيح ابو داود' ابو داود (۱۹۸٤-۱۹۸۵) كتاب المناسك : باب الحلق والتقصير' دارمی (۱۹۰۵) دارقطنی (۲۷۱/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(۱۰۹) [تحفة الأحوذی (۷۹۰/۳)] (۱۱۰) [مرقاة المفاتيح (٥٤۲/٥)]

مسئلے پر اتفاق ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(۱۱۱) لہٰذا عورتوں کو صرف انگلیوں کے اوپر والے پوروں کے برابر بال ترشوا لینے چاہئیں۔(۱۱۲) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔(۱۱۳)

760- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اسْتَأْذَنَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَبِيتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى ، مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ ، فَأَذِنَ لَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کی اجازت طلب کی تا کہ وہ آبِ زمزم پلا سکیں' تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔[بخاری، مسلم]

761- وَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ عَنْ مِنًى يَرْمُونَ يَوْمَ النَّحْرِ ، ثُمَّ يَرْمُونَ الْغَدَ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ لِيَوْمَيْنِ ، ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو منیٰ سے باہر رات گزارنے کی اجازت دی کہ وہ دس ذوالحجہ کو کنکریاں ماریں' پھر دوسرے اور تیسرے روز کنکریاں ماریں' پھر کوچ کے روز بھی ماریں۔[اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَيَالِيَ مِنًى سے مراد ہے 12،11 اور 13 ذوالحجہ کی راتیں۔ أَرْخَصَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَرْخَصَ يُرْخِصُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''رخصت دینا''۔ رُعَاۃ جمع ہے رَاعٍ کی' معنی ہے ''چرواہے''۔ الْبَيْتُوتَة مصدر ہے باب بَاتَ يَبِيتُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''رات گزارنا''۔

فہم الحدیث ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر و مجبوری کی وجہ سے منیٰ سے باہر راتیں گزارنے کی رخصت ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلا عذر منیٰ میں راتیں گزارنا واجب ہے کیونکہ رخصت ہوتی ہی واجب کام میں ہے' کیونکہ اگر کوئی کام واجب ہی نہ ہو تو پھر اس میں رخصت دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور جمہور علماء کا کہنا ہے کہ ایام تشریق (یعنی 12،11 اور 13 ذوالحجہ) کی راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔ امام شافعیؒ سے واجب اور سنت دونوں اقوال منقول ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اس عمل کو سنت قرار دیتے ہیں۔(۱۱٤) امام نوویؒ(۱۱۵)، علامہ ناصر الدین البانیؒ(۱۱٦) اور شیخ عبد

760- [بخاری (۱٦۳٤) کتاب الحج : باب سقایة الحاج ' مسلم (۱۳۱۵) ابو داود (۱۹۵۹) ابن ماجه (۳۰٦۵) احمد (۱۹/۲) دارمی (۱۹٤۳) بیهقی (۱۵۳/۵)]

761- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۱۹۷۵) کتاب المناسك : باب فی رمی الجمار ' ترمذی (۹۵۵) ابن ماجه (۳۰۳۷) نسائی (۲۷۳/۵) احمد (٤۵۰/۵) ابن حبان (۳۸۸۸) حاکم (٤۷۸/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۱۱) [فتح الباری (۳۹۰/٤)] (۱۱۲) [المغنی (۳۱۰/۵)]
(۱۱۳) [تحفة الأحوذی (۷۸۷/۳)]
(۱۱٤) [شرح مسلم للنووی (۲۰۰/۵) نیل الأوطار (٤۳۷/۳)]
(۱۱۵) [أیضا]
(۱۱٦) [التعلیقات الرضیة علی الروضة (۱۰٦/۲)]

اللہ بسامؒ (۱۱۷) نے جمہور کے موقف کو ہی ترجیح دی ہے۔اس سلسلے میں شیخ ابن بازؒ کا یہ فتویٰ بھی قابل اعتناء ہے کہ اگر حاجی منیٰ میں رات بسر کرنے کے لیے جگہ کی تلاش میں پوری کوشش کرنے کے بعد بھی جگہ نہ پاسکے تو وہ منیٰ سے باہر قیام کر لے تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے۔''[التغابن : ١٦] اور منیٰ میں جگہ نہ پاسکنے کی وجہ سے اس پر کوئی فدیہ نہیں۔(۱۱۸)

762- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیا۔[بخاری، مسلم]

فہم الحدیث نبی کریم ﷺ نے دورانِ حج تین خطبے ارشاد فرمائے تھے'ایک عرفہ کے روز (جسے خطبۂ حج بھی کہا جاتا ہے)' دوسرا قربانی کے دن (بروز ہفتہ' چاشت کے وقت' رمی کے بعد' منیٰ میں ہی) اور تیسرا ایام تشریق کے دوران (11 ذوالحجہ یا بعض روایات کے مطابق 12 ذوالحجہ کو)۔اس روایت میں یوم النحر یعنی قربانی کے دن خطبہ کا اثبات ہے۔

763- وَعَنْ سَرَّاءَ بِنْتِ نَبْهَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الرُّءُوسِ ' فَقَالَ: ((أَلَيْسَ أَوْسَطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ؟......)) الْحَدِيثَ ' رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حضرت سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم الرؤس کو ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ کیا یہ ایام تشریق کا درمیانی دن نہیں۔پھر باقی حدیث ذکر کی۔[اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح يَوْمُ الرُّؤُوْس سے مراد ہے 12 ذوالحجہ کا دن۔ الرُّؤُوْس جمع ہے رَأْس کی' جس کا معنی ہے ''سر'' مراد ہے ''سروں کا دن''۔اس دن کو سروں کا دن اس لیے کہتے ہیں کیونکہ لوگ اس دن تک اپنی قربانی کا گوشت بنا کر تین حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔کھانے کے لیے' تقسیم کرنے کے لیے اور ذخیرہ کرنے کے لیے' البتہ ''سریاں'' باقی بچ جاتی تھیں۔ان کی کثرت کی وجہ سے اس دن کا نام يَوْمُ الرُّؤُوْس پڑ گیا۔(۱۱۹)

764- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((طَوَافُكِ بِالْبَيْتِ وَسَعْيُكِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَكْفِيكِ لِحَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تیرا بیت اللہ کا طواف کر لینا اور صفا مروہ کی سعی کر لینا تیرے حج اور عمرہ کے لیے کافی ہے۔''[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

762- [بخاری (١٧٤١) كتاب الحج : باب الخطبة أيام منى ' مسلم (١٦٧٩) ابو داود (١٩٤٨) ابن ماجه (٢٣٣) احمد (٣٧/٥) بيهقى (١٤٠/٥) دارمى (١٩١٦)]

763- [ضعيف : ضعيف ابو داود ' ابو داود (١٩٥٣) كتاب المناسك : باب أى يوم يخطب بمنى ' ابن خزيمة (٢٩٧٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

764- [مسلم (١٢١١) كتاب صلاة المسافرين وقصرها : باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى ' احمد (١٢٤/٦)]

(۱۱۷) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (١٨٦/٤)]

(۱۱۸) [فتاوى ابن باز ' مترجم (١٣١/١)]

(۱۱۹) [دیکھئے: مسنون حج وعمرہ ، اعداد دارالسلام ، صفحہ ٧٠]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قارن کے لیے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے۔ ایک دوسری روایت میں یوں فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ ''جس نے حج اور عمرے کا (اکٹھا) احرام باندھا اسے ان دونوں سے ایک طواف اور ایک سعی ہی کافی ہو جائے گی حتی کہ وہ ان دونوں سے اکٹھا حلال ہو جائے۔''(۱۲۰) جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ قارن پر بھی دو طواف اور دو سعی لازم ہیں۔(۱۲۱) امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ہم رائے حضرات کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایات ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں اور گزشتہ صحیح احادیث کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں' جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی انہیں ضعیف کہا ہے۔(۱۲۲) علاوہ ازیں امام ابن حزمؒ (۱۲۳)، نواب صدیق حسن خانؒ (۱۲۴)، علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ (۱۲۵) اور شیخ عبداللہ بسامؒ (۱۲۶) نے جمہور کے موقف کو ہی ترجیح دی ہے۔

765- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِي أَفَاضَ فِيهِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے طواف افاضہ کے سات چکروں میں سے کسی میں بھی رمل نہیں کیا۔[اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طوافِ افاضہ میں رمل (یعنی پہلے تین چکروں میں ہلکی ہلکی دوڑ) مسنون نہیں' یہ بھی یاد رہے کہ طوافِ وداع (جو حج کے آخر میں اپنے گھروں کو واپسی پر کیا جاتا ہے) میں بھی رمل مسنون نہیں۔ رمل صرف طوافِ قدوم میں ہی مسنون و مستحب ہے اور طوافِ قدوم اس طواف کو کہتے ہیں جو مکہ میں آتے ہی سب سے پہلے کیا جاتا ہے۔ اس مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے گزشتہ حدیث نمبر 738 ملاحظہ فرمائیے۔

766- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ، ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ، ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی' پھر وادیٔ محصب میں کچھ دیر سو گئے' پھر سوار ہو کر بیت اللہ گئے اور طواف کیا۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

765- [**صحیح**: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۰۰۱) کتاب المناسك: باب الإفاضة في الحج' نسائي في السنن الكبرى (۴۱۷۰) ابن ماجه (۳۰۶۰) حاكم (۴۷۵/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

766- [بخاری (۱۷۶۴) كتاب الحج: باب من صلى العصر يوم النفر بالأبطح' ابن خزيمة (۹۶۲)]

(۱۲۰) [**صحیح**: صحیح ترمذی (۷۵۶) صحیح ابن ماجة (۲۴۰۹) ترمذی (۹۴۸) كتاب الحج: باب ما جاء أن القارن يطوف طوافا واحدا' أحمد (۶۷/۲) ابن ماجة (۲۹۷۵) كتاب المناسك: باب طواف القارن' ابن خزيمة (۲۷۴۵)]

(۱۲۱) [شرح مسلم للنووي (۴۲۴/۴) تحفة الأحوذي (۸۳۶/۳) نيل الأوطار (۴۳۴/۳) شرح المهذب (۸۴/۸) الأم (۱۹۳/۲) الحجة على أهل المدينة (۱/۲) حاشية الدسوقي (۲۸/۲) المغني (۳۱۵/۵) كشاف القناع (۴۱۲/۲) هداية السالك (۹۱۴)]

(۱۲۲) [فتح الباري (۳۰۱/۴)]

(۱۲۳) [المحلى بالآثار (۱۸۴/۵)]

(۱۲۴) [الروضة الندية (۶۲۳/۱)]

(۱۲۵) [تحفة الأحوذي (۸۳۸/۳)]

(۱۲۶) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۱۹۱/۴)]

767- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ تَفْعَلُ ذٰلِكَ - أَيِ النُّزُوْلَ بِالْأَبْطَحِ - وَ تَقُوْلُ: ((إِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَنَّهُ كَانَ مَنْزِلًا أَسْمَحَ لِخُرُوْجِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ابطح (یعنی مقامِ محصب) میں نہیں ٹھہرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ اس مقام پر صرف اس لیے ٹھہرے تھے کہ وہ جگہ واپسی کے لیے زیادہ باعث سہولت تھی۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح رَقَدَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب رَقَدَ یَرْقُدُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''سونا''۔ مُحَصَّب حصباء سے ماخوذ ہے اور حصباء چھوٹے پتھروں کو کہتے ہیں' اس مقام کا نام بھی اسی لیے محصب رکھا گیا ہے کہ اس جگہ بہت سے چھوٹے چھوٹے پتھر جمع ہیں۔ یہ مقام منیٰ کے قریب ہے۔ أَبْطَح بھی اسی کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایامِ تشریق منیٰ میں گزارنے کے بعد طوافِ وداع کے لیے بیت اللہ جاتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اگرچہ مقامِ محصب میں قیام فرمایا تھا لیکن یہ قیام مناسکِ حج میں سے نہیں بلکہ صرف اس لیے تھا کہ یہ راستہ واپسی کے لیے آسان تھا۔ البتہ جمہور علماء کا مؤقف یہ ہے کہ اس مقام پر ٹھہرنا باعثِ فضیلت ہے۔

768- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((أُمِرَ النَّاسُ أَنْ يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ سب سے آخر میں ان کا عمل بیت اللہ کا طواف ہو مگر ایام ماہواری والی عورت کے لیے تخفیف کی گئی ہے۔[بخاری' مسلم]

فهم الحديث اس طواف سے مراد ہے طوافِ وداع جو حج کے اختتام پر اپنے گھروں کو واپس لوٹتے وقت کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طواف واجب ہے کیونکہ لوگوں کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام ابن قدامہؒ نے بھی یہی مؤقف اپنایا ہے۔ البتہ امام مالکؒ اور امام داودؒ نے کہا ہے کہ یہ طواف سنت ہے۔ (۱۲۷) راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے' شیخ سلیم ہلالی نے بھی اسی کی تائید میں فتویٰ دیا ہے۔ (۱۲۸) البتہ اگر عورت حالتِ نفاس یا حالتِ حیض میں ہو تو پھر اس کے لیے اس کی رخصت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' کوچ کی رات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ایام شروع ہو گئے۔ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ شاید میری وجہ سے تمہیں رکنا ہوگا؟ (یہ سنا تو) نبی کریم ﷺ نے فرمایا' اللہ اس کے جسم کو تکلیف پہنچائے اور اس کے حلق کو درد پہنچائے' کیا اس نے 10 ذوالحجہ کے روز طوافِ افاضہ کیا تھا؟ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ ہاں' اس نے طواف کیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ تم (بغیر طوافِ وداع کیے ہی) کوچ کرو۔'' (۱۲۹)

767- [بخاری (۱۷٦٥) كتاب الحج: باب المحصب' مسلم (۱۳۱۱) ابو داود (۲۰۰۸) ترمذی (۹۲۳) ابن ماجه (۳۰٦۷) احمد (٤۱/٦۔۱۹۰) ابن خزيمة (۲۹۸۷)]

768- [بخاری (۱۷۵۵) كتاب الحج: باب طواف الوداع' مسلم (۱۳۲۸)]

(۱۲۷) [المغنی لابن قدامة (۳۳۷/۵) نيل الأوطار (٤٤۷/۳)]

(۱۲۸) [موسوعة المناهي الشرعية (۱۳۸/۲)]

(۱۲۹) [بخاری (۱۷۷۱) كتاب الحج: باب الادلاج من المحصب' مسلم (۱۲۱۱) كتاب الحج: باب وجوه الاحرام' طبرانی كبير (۳۱۱/۲۳) نسائی فی السنن الكبرى (۲۷٤۵/۲)]

769- وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةٍ فِي مَسْجِدِي هٰذَا بِمِائَةِ صَلَاةٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری اس مسجد میں نماز کا ثواب دوسری مساجد میں نماز ادا کرنے سے ہزار گنا زیادہ ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں نماز کا ثواب میری اس مسجد میں سو نمازوں کی ادائیگی سے افضل ہے۔'' [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث میں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر اور مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام مسجد نبوی سے افضل ہے کیونکہ اس میں اجر و ثواب زیادہ ہے۔

باب الفوات والاحصار حج کے فوت ہو جانے اور حج سے روکے جانے کا بیان

770- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((قَدْ أُحْصِرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَحَلَقَ رَأْسَهُ وَجَامَعَ نِسَاءَهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ حَتّٰى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا گیا تو آپ ﷺ نے اپنا سر منڈا لیا، اپنی بیویوں سے مباشرت کی اور اپنی قربانی کو نحر کر لیا پھر آئندہ سال عمرہ کیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أُحْصِرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَحْصَرَ يُحْصِرُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''روک دینا''۔ رسول اللہ ﷺ کو چھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر روک دیا گیا تھا تو آپ ﷺ احرام کھول کر حلال ہو گئے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اعْتَمَرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اعْتَمَرَ يَعْتَمِرُ (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے ''عمرہ کرنا''۔ عَامًا قَابِلًا کا معنی ہے ''آئندہ سال''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والے کے راستے میں اگر کوئی رکاوٹ پیش آ جائے اور وہ بیت اللہ نہ پہنچ سکے تو رکاوٹ کی جگہ پر ہی احرام کھول دے، سر منڈوا لے اور قربانی کر دے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ قربانی صرف حرم میں ہی ذبح کی جائے گی۔ (۱۳۰) جمہور کا موقف ہی راجح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے رکاوٹ کی جگہ پر ہی قربانی کر لی تھی۔ تاہم اگر ممکن ہو تو قربانی حرم بھیجنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے جیسا کہ

769- [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۳۸٤۱) احمد (٥/٤) ابن حبان (۱٦۲۰) بزار في كشف الأستار (٤۲٥) بيهقي (٥/٢٤٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

770- [بخاري (۱۸۰۹) كتاب الحج : باب إذا أحصر المعتمر]

(۱۳۰) [نيل الأوطار (۳/٤٥۳) المغني (٥/١٩٤) حلية العلماء (۳/۳٥٥) بدائع الصنائع (۲/۱۷۷) الاختيار (۱/۱٦۷) الكافي (ص/۱٦۱) الإنصاف (۳/٥۱۷) هداية السالك (۳/۱۲۸۱)]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی جمہور کے مؤقف کو ہی ترجیح دی ہے۔(۱۳۱) احصار کی صورت میں بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ کوئی جانور بھی ذبح کیا جا سکتا ہے تاہم کم از کم بکری کفایت کر جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''اگر تم روک دیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو۔'' [البقرة: ۱۹٦] جمہور کا کہنا ہے کہ احصار کی صورت میں ایک بکری کفایت کر جاتی ہے۔(۱۳۲) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسی مؤقف کی جانب میلان ظاہر کیا ہے۔(۱۳۳) اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ محصر پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی واجب نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ساتھیوں کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا، اگر قربانی واجب ہوتی تو سب کے لیے یہ وجوب یکساں ہوتا حالانکہ ایسا ثابت نہیں۔(۱۳٤) امام صنعانی رحمہ اللہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔(۱۳۵)

علاوہ ازیں اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ احصار میں کون کون سی اشیاء شامل ہیں۔ جمہور کا کہنا ہے کہ کوئی شخص راستے میں کسی بیماری یا طوفان وسیلاب یا دشمن یا کسی بھی وجہ سے روک دیا جائے ان تمام صورتوں کو ''احصار'' کہتے ہیں۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ احصار صرف دشمن کے ذریعے رکاوٹ پڑنے کو کہتے ہیں۔(۱۳٦) جمہور کا مؤقف راجح ہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 772 سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی جمہور کے مؤقف کو ہی ترجیح دی ہے۔(۱۳۷) نیز اس حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال عمرہ کیا'' اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ آئندہ سال عمرہ کی قضا دینا واجب ہے بلکہ یہ تو محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فعل تھا اور یہ بات اصول میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ البتہ اگر کوئی صاحبِ استطاعت ہو تو اسے اگلے سال عمرہ یا حج کی قضا دینے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔(۱۳۸)

771- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ، وَأَنَا شَاكِيَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((حُجِّي وَاشْتَرِطِي أَنَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں مگر میں بیمار ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حج کر اور یہ شرط لگا لے کہ میرے احرام کھولنے کی جگہ وہی ہے جہاں (اے اللہ!) تو نے مجھے روک دیا۔'' [بخاری، مسلم]

771- [بخاری (۵۰۸۹) كتاب النكاح: باب الأكفاء في الدين، مسلم (۱۲۰۷) نسائی (۱٦۸/۵) احمد (۱٦٤/٦) ابن حبان (۳۷۷٤) دارقطنی (۲۳٤/۲)]

(۱۳۱) [كما في الموسوعة الفقهية الميسرة (۳۰۲/٤)]
(۱۳۲) [كما في الموسوعة الفقهية الميسرة (۳۰۱/٤)]
(۱۳۳) [تفسير ابن كثير (٤۷۳/۱)]
(۱۳٤) [نيل الأوطار (٤۵۱/۳)]
(۱۳۵) [سبل السلام (۱۰۰۸/۲)]
(۱۳٦) [الأم (۳٤۲/۲) المبسوط (۱۰۷/٤) الأصل (۳۸٦/۲) الحاوی (۳۵۷/٤) الخرشی (۳۹۱/۲) حاشية الدسوقی (۹۷/۲) المغنی (۲۰۳/۵) الإنصاف (۷۷/٤) نيل الأوطار (٤۵۰/۳)]
(۱۳۷) [الاختيارات الفقهية (ص/ ۱۱۹)]
(۱۳۸) [مزید دیکھیے: توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۲۰٦/٤)]

لغوی توضیح شَاكِيَة کا معنی ہے ''بیمار''۔ مَحِلِّي میرے حلال ہونے کی جگہ۔ حَيْثُ جہاں حَبَسْتَنِي تو نے مجھے روک دیا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو راستے میں رکاوٹ پیش آجانے کا خدشہ ہو تو وہ مشروط احرام بھی باندھ سکتا ہے۔ مشروط احرام باندھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اسے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش آ گئی اور احرام کھولنا پڑ گیا تو اس پر کوئی فدیہ لازم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے شرط نہ لگائی اور کسی رکاوٹ کی وجہ سے احرام کھول دیا تو اس پر لازم ہے کہ قربانی کا جانور خرید کر کسی دوسرے کے ہاتھ مکہ روانہ کرے اور جب قربانی کے ذبح ہونے کا وقت ہو جائے تو احرام کھول دے۔ اگر قربانی بھیجنا ممکن نہ ہو تو رکاوٹ کی جگہ پر ہی قربانی ذبح کر دے اور حجامت بنوا کر احرام کھول دے (صحیح بخاری [قبل الحديث / ۱۸۱۳] میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ موجود ہے جبکہ امام مالکؒ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ مطلقاً رکاوٹ کی جگہ پر ہی قربانی ذبح کی جا سکتی ہے) اور اگر قربانی کی طاقت ہی نہ ہو تو 10 روزے رکھ لے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے۔(۱۳۹) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ محرم اگر (راستے میں کوئی رکاوٹ پیش آجانے سے) خائف ہو تو اس کے لیے (احرام باندھتے وقت) شرط لگا لینا مستحب ہے۔(۱۴۰) امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ شرط لگانا درست نہیں۔(۱۴۱) امام احمدؒ وغیرہ کا ہی مؤقف راجح ہے۔ شیخ ابن بازؒ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۱۴۲)

772- وَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ ، وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ)) قَالَ عِكْرِمَةُ: فَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ وَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَا : صَدَقَ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت عکرمہؒ نے حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس کا پاؤں ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ احرام کھول دے اور اس پر آئندہ سال حج کرنا لازم ہے۔'' عکرمہؒ نے بیان کیا ' میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا تو ان دونوں نے کہا کہ حجاج رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔[اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

772- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (۱۸۶۲) كتاب المناسك : باب الإحصار ' ترمذی (۹٤۰) ابن ماجه (۳۰۷۷) نسائی (۱۹۸/۵) احمد (٤٥۰/۳) حاكم (٤۷۰/۱) دارقطنی (۲۷۸/۲) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳۹) [بخاری (۱۸۱۰) كتاب العمرة : باب الإحصار فى الحج]

(۱٤۰) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ۱۷۳)]

(۱٤۱) [نيل الأوطار (۳۱۳/۳) شرح مسلم للنووی (۳۹۲/٤) الأم للشافعی : كتاب الحج : باب الاستثناء فى الحج ' ابن أبی شيبة (۳٤۰/۳) بيهقی فی السنن الكبرى (۲۲۲/۵)]

(۱٤۲) [فتاوى اسلامية (۱۸۱/۲)]

باب شروطه وما نهى عنه منه — بیع کی شروط اور ممنوعہ اقسام کا بیان

773- عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ : أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ ؟ قَالَ : ((عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ ، وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''آدمی کی اپنے ہاتھ سے کی ہوئی کمائی اور ہر بیع مبرور۔'' [اسے بزار نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْبُیُوْع جمع ہے بَیْع کی' اور بیع مصدر ہے باب بَاعَ یَبِیْعُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے'' فروخت کرنا''۔ شِـــرَاء خریدنے کو کہتے ہیں لیکن اہل علم کا کہنا ہے کہ لفظ بیع اور شراء دونوں ایک دوسرے کے معانی میں بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ بیع کی تعریف امام ابن قدامہؒ نے ان الفاظ میں کی ہے کہ ''ایک مال دوسرے کی ملکیت میں دیتے ہوئے اور اس کا مال اپنی ملکیت بناتے ہوئے باہم تبادلہ کرنا۔''(۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے بیع کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ'' ملکیت بنانے کی غرض سے ایک مال کا دوسرے مال کے ساتھ تبادلہ بیع ہے۔''(۲) بیع کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ [البقرة: ۲۷۵] ''اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے۔'' اس کی حلت پر قرآن کے علاوہ سنت' اجماع اور قیاس بھی شاہد ہے۔(۳) تجارتی معاملات کے متعلق یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ تمام تجارتی معاملات میں اصل اباحت ہے البتہ جس کاروبار کی صورت سے منع کر دیا گیا ہے اس سے بچ جانا چاہیے اور حرام تجارتی معاملات کے متعلق یہ اصول ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جس معاملے میں سود' جہالت' دھوکہ یا نقصان ہو وہ حرام ہے۔ شُرُوْط جمع ہے شرط کی' شرط کا معنی ہے ''کسی چیز کو لازم کر لینا''۔ اصطلاحاً شرط کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے ((مَا يَلْزَمُ مِنْ عَدَمِهِ عَدَمُ الْحُكْمِ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ وُجُوْدِهِ وُجُوْدُ الْحُكْمِ)) ''جس کی نفی سے حکم کی نفی لازم ہو جبکہ اس کے وجود سے حکم کا وجود لازم نہ ہو (مثلاً نماز کے لیے وضوء)۔''(٤) اہل علم نے بیع کی شروط یہ بیان کی ہیں: ① فریقین کی باہمی

773- [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۱۰۳۳) بزار فی کشف الأستار (۱۲۵۷) احمد (۱٤۱/٤) حاکم (۱۰/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے لیکن اس کے کچھ شواہد ہیں جو اسے مضبوط بنا دیتے ہیں۔]

(۱) [المغنی لابن قدامة (۵۵۹/۳)]
(۲) [توضیح الأحکام (۲۱۱/٤)] (۳) [أیضا]
(٤) [الإحکام للآمدی (۱۲/۱) الموافقات للشاطبی (۱۸۷/۱) البحر المحیط للزرکشی (۳۰۹/۱)]

رضامندی۔ ② خرید وفروخت کرنے والے عاقل وبالغ ہوں۔ ③ جس چیز کی خرید وفروخت ہو رہی ہے اس کا نفع مباح ہو۔ ④ فروخت کرنے والا چیز کا مالک ہو یا اسے وہ چیز فروخت کرنے کی اجازت دی گئی ہو۔ ⑤ قابل فروخت چیز اور قیمت بائع اور مشتری کو معلوم ہو مجہول نہ ہو۔ بَیْعٌ مَبْرُوْرٌ اس بیع کو کہتے ہیں جو خلاف شرع نہ ہو یعنی اس میں کسی قسم کا جھوٹ' فریب' دھوکہ' جہالت اور ضرر وغیرہ نہ ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پاکیزہ اور افضل کمائی وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کمائے۔ صحیح بخاری میں ایک روایت میں یوں فرمانِ نبوی منقول ہے کہ" اُس کھانے سے بہتر کبھی کسی نے کوئی کھانا نہیں کھایا جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے۔"(٥) ہاتھ کی کمائی میں اہل علم نے بنیادی طور پر دو ہی کاموں کو شمار کیا ہے ایک زراعت اور دوسرا صناعت وحرفت۔ علاوہ ازیں امام ماوردیؒ اور امام نوویؒ نے زراعت کو افضل قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے جہاد کے ذریعے کفار سے مال چھین کر کھانے کے عمل کو افضل قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں اعلائے کلمۃ اللہ بھی ہے اور نبی کریم ﷺ کا اسوہ بھی۔ البتہ شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ نے کہا ہے کہ افضل دنیوی ذریعۂ معاش کے متعلق اختلاف تو ہے لیکن احسن قول یہ ہے کہ (ہاتھ کے کاموں میں سے) جو کام بھی کسی آدمی کی حالت کے زیادہ مناسب ہے وہی اس کے حق میں افضل ہے۔(٦)

774- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ' عَامَ الْفَتْحِ ' وَهُوَ بِمَكَّةَ : ((إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ)) فَقِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهَا تُطْلَى بِهَا السُّفُنُ وَتُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ ؟ فَقَالَ : ((لَا ' هُوَ حَرَامٌ)) ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ : ((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ" بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔" دریافت کیا گیا' اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کا حکم بتلایئے؟ کیونکہ اس کے ساتھ کشتیوں کو طلاء کیا جاتا ہے اور چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ (جلا کر) اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا" نہیں' وہ بھی حرام ہے۔" پھر اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے' یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان پر مردار کی چربی کو بھی حرام کیا تھا (لیکن) انہوں نے اسے پگھلایا پھر اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح عَامَ الْفَتْحِ یعنی فتح مکہ کے سال' مراد ہے" 8 ہجری"۔ اَلْمَيْتَةُ مردار کو کہتے ہیں' مراد ایسا جانور ہے جو شرعی طور پر ذبح کیے بغیر مر جائے۔ اَلْأَصْنَامُ صنم کی جمع ہے' اس کا معنی ہے" بت"۔ تُطْلَى فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب طَلَى يَطْلِي (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے" ملنا"۔ اَلسُّفُنُ جمع ہے سَفِينَةٌ کی' اس کا معنی ہے" کشتی"۔ يَسْتَصْبِحُ

774- [بخاری (٢٢٣٦) كتاب البيوع : باب بيع الميتة والأصنام ' مسلم (١٥٨١) ابو داود (٣٤٨٦) ترمذی (١٢٩٧) نسائی (٣٠٩/٧) ابن ماجه (٢١٦٧) احمد (٣٢٤/٣)]

(٥) [بخاری (٢٠٧٢)]

(٦) [مزید دیکھئے: توضیح الأحكام (٢٢١/٤)]

فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِسْتَصْبَحَ يَسْتَصْبِحُ (بروزن استفعال) سے اس کا معنی ہے "آگ جلانا یا روشنی حاصل کرنا"۔ شُحُوْم جمع ہے شَحْم کی اس کا معنی ہے "چربی"۔ جَمَلُوْا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب جَمَلَ يَجْمُلُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "پگھلانا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت حرام ہے۔ واضح رہے کہ دو مردار حلال ہیں ایک مچھلی اور دوسرا ٹڈی۔ (۷) اسی طرح مردار کے تمام اجزاء کی خرید وفروخت حرام ہے سوائے چمڑے کے جب اسے رنگ دیا جائے۔ (۸) امام شوکانی" فرماتے ہیں کہ مردار کی کسی چیز سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں الا کہ جسے کوئی دلیل خاص کر دے مثلاً رنگا ہوا چمڑا وغیرہ۔ (۹) خنزیر کے متعلق حافظ ابن حجر" نے کہا ہے کہ بالا جماع اس کے تمام اجزاء کی خرید وفروخت حرام ہے۔ (۱۰) شراب کی خرید وفروخت کی حرمت میں ہر وہ چیز شامل ہے جو نشہ آور ہو خواہ مائع ہو یا جامد۔ بتوں کی خرید وفروخت کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ یہ شرک کے آلات وذرائع ہیں وگرنہ جس چیز سے یہ بنائے جاتے ہیں مثلاً پتھر یا لکڑی وغیرہ سے تو اصلاً وہ تو حلال ہی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی خرید وفروخت حرام ہے اس کی قیمت کھانا بھی حرام ہے۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کی خرید وفروخت حرام ہے اس سے فائدہ اٹھانا بھی حرام ہے مثلاً اگر مردار کی خرید وفروخت حرام ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے کسی اور جانور کو کھلانے کے لیے یا اس کی چربی کو آگ جلانے کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا بلکہ مردار سے اس قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے، امام خطابی" نے یہ موقف اپنایا ہے۔ امام ابن قیم" نے بھی فرمایا ہے کہ فائدہ اٹھانے میں خرید وفروخت سے زیادہ وسعت ہے، لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جس کی خرید وفروخت حرام ہے اس سے فائدہ اٹھانا بھی حرام ہو کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی لزوم نہیں۔ (۱۱)

775- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَالْقَوْلُ مَا يَقُوْلُ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "جب خرید وفروخت کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہو جائے اور ان کے پاس ثبوت بھی نہ ہو تو سودے کے مالک کی بات قابل ترجیح ہوگی یا پھر وہ بیع چھوڑ دیں گے۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح رَبُّ السِّلْعَةِ سے مراد ہے فروخت شدہ چیز کا مالک۔ السِّلْعَة سامان اور سودے کو کہتے ہیں۔ يَتَتَارَكَانِ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَتَارَكَ يَتَتَارَكُ (بروزن تفاعل) سے اس کا معنی ہے "ایک دوسرے کو چھوڑ

775- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۳۵۱۱-۳۵۱۲) كتاب الإجارة: باب إذا اختلف البيعان والمبيع قائم، ترمذی (۱۲۷۰) ابن ماجه (۲۱۸۶) نسائی (۳۰۲/۷) احمد (۴۶۶/۱) دارمی (۲۵۴۹) دارقطنی (۲۰/۳) حاکم (۴۵/۲) شیخ عبداللہ بسام" نے کہا ہے کہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی متعدد اسناد اسے قوی بنا دیتی ہیں۔ شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۷) [صحیح: صحیح ابن ماجه، ابن ماجه (۳۲۱۸) احمد (۹۷/۲) دارقطنی (۲۷۱/۴)]

(۸) [مسلم (۳۶۶) ابو داود (۴۱۲۳) ترمذی (۱۷۲۸) نسائی (۱۷۳/۷) ابن ماجه (۳۶۰۹) احمد (۲۱۹/۱) مالك (۴۹۸/۲) دارقطنی (۴۶/۱)]

(۹) [نيل الأوطار (۵۸/۳)]

(۱۰) [فتح الباری (۱۷۸/۵)] (۱۱) [زاد المعاد (۲۴۲/۴)]

دینا''۔ یہاں مراد ہے کہ فروخت شدہ چیز کو چھوڑ دینا اور بیع کو فسخ کر دینا۔

فھم الحدیث سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ''فروخت کرنے والے اور خریدنے والے کے درمیان اختلاف ظاہر ہو'' اور فروخت کردہ چیز اسی حالت میں ہو۔'' مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے ایک دوسرے سے کسی سودے کی بیع کی تھی۔ ایک نے کہا میں نے اس قیمت سے خریدا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میں نے اس قیمت سے فروخت کیا ہے۔ تو ابو عبیدہؒ نے کہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایسا معاملہ لایا گیا تھا' تو انہوں نے بائع کے متعلق حکم دیا کہ اس سے قسم لی جائے پھر خریدار کو اختیار دیا جائے اگر چاہے تو (بیع) قائم رکھے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔(۱۲) ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی دو باہم بیع کرنے والے آپس میں اختلاف کریں تو بائع کی بات (اس کی قسم کے ساتھ) معتبر سمجھی جائے گی (جیسا کہ ابو عبیدہؒ کی حدیث میں ہے) اور دلیل پیش کرنا مشتری پر لازم ہو گا قطع نظر اس فرق کے کہ بائع مدعی ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گذشتہ حدیث اس حدیث ''دلیل پیش کرنا مدعی پر لازم ہے اور قسم وہ کھائے گا جس نے انکار کیا'' سے خاص ہے۔(۱۳) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ جب دو بیع کرنے والوں کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے تو پھر بائع سے قسم لے کر اس کی بات کو ترجیح دی جائے گی اور اور مشتری کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ سودا خریدے یا چھوڑ دے۔(۱٤)

776۔ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت' بدکار عورت کی کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْكَلْبُ کا معنی ہے ''کتا'' اور اس کی جمع كِلَاب آتی ہے۔ اَلْبَغِيُّ سے مراد بدکار و فاحشہ عورت ہے اور مَهْرُ الْبَغِي سے مراد وہ اجرت و کمائی ہے جو بدکار عورت کو بدکاری کے عوض حاصل ہوتی ہے۔ اَلْكَاهِن سے مراد وہ آدمی ہے جو علم غیب اور آئندہ رونما ہونے والے حالات کو جاننے کا دعویٰ کرتا ہے۔ حُلْوَانُ الْكَاهِنِ کاہن کی شیرینی یعنی کہانت کے عوض اسے ملنے والی اجرت کو کہتے ہیں۔ اسے شیرینی سے مشابہت اس لیے دی گئی ہے کیونکہ یہ اسے بآسانی بغیر کسی مشقت طلب محنت سے حاصل ہو جاتی ہے۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتے کی قیمت' بدکار عورت اور کاہن کی کمائی حرام ہے۔ بعض اہل علم نے شکاری کتے کی قیمت کو جائز قرار دیا ہے' ان کا مستدل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کے علاوہ ہر کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔(۱۵) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر (استثناء والی) حدیث قابل حجت ہو تو

776- [بخاری (۲۲۳۷) کتاب البیوع : باب ثمن الکلب ' مسلم (۱۵٦۷) ابو داود (۳٤۸۱) ترمذی (۱۲۷٦) نسائی (۳۰۹/۷) ابن ماجه (۲۱۵۹) احمد (۱۱۸/٤) دارمی (۲۵٦۸) بیهقی (۱۲٦/٦)]

(۱۲) [دارقطنی (۲۰/۳) حاکم (٤۵/۲) بیهقی (۳۳۲/۵) الصحیحة (۷۹۸) إرواء الغلیل (۱۳۲۲ ' ۱۳۲۳)]

(۱۳) [ترمذی (۱۳٤۱) دارقطنی (۲۱۸/٤)]

(۱٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قفو الأثر (۹۵۰/۳) عون المعبود (٤۷۹/۹) الأم (۸۵/۳) الحاوی (۲۹٦/۵) بدائع الصنائع (۲٤۳/۷) المبسوط (۳۰/۱۳) بدایة المجتهد (۱٤۹/۲) الإنصاف (٤٤۷/٤)]

(۱۵) [صحیح : صحیح نسائی (٤۳۵۳) صحیح ابن ماجة (۲۱٦۱) صحیح الجامع (٦۹٤٦) نسائی (٤٦٦۸) ترمذی (۱۲۸۱)] شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق علی سبل السلام (۱۰٤٦/۳)]

مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے شکاری کتے کے علاوہ باقی کتوں کی تجارت حرام ہوگی۔ (۱۶) امام عطاءؒ، امام نخعیؒ اور امام صنعانیؒ (۱۷) اسی کے قائل ہیں' جبکہ جمہور علماء، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ (۱۸) نے کہا ہے کہ کتے کی تجارت مطلقاً حرام ہے خواہ وہ شکاری ہو یا نہ۔ راجح مؤقف امام شوکانیؒ وغیرہ کا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

777- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَا ' فَأَرَادَ أَنْ يُسَيِّبَهُ ' قَالَ : فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ ﷺ ' فَدَعَا لِي ' وَضَرَبَهُ ' فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ ' فَقَالَ : ((**بِعْنِيهِ بِأُوقِيَّةٍ**)) قُلْتُ لَا ' ثُمَّ قَالَ : ((**بِعْنِيهِ**)) فَبِعْتُهُ بِأُوقِيَّةٍ ' وَاشْتَرَطْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي ' فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ ' فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ ' ثُمَّ رَجَعْتُ ' فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي ' فَقَالَ : ((**أَتُرَانِي مَاكَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ ' فَهُوَ لَكَ**)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَهٰذَا السِّيَاقُ لِمُسْلِمٍ -

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک تھکے ہوئے اونٹ پر سفر کر رہے تھے' انہوں نے اسے چھوڑنے کا ارادہ کیا' وہ بیان کرتے ہیں کہ اتنے میں نبی کریم ﷺ مجھے ملے اور میرے لیے دعا فرمائی اور اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز چلا کہ اس قدر تیز پہلے کبھی نہیں چلا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "یہ اونٹ ایک اوقیہ (چالیس درہم) کے بدلے مجھے فروخت کر دو۔" میں نے کہا' نہیں۔ پھر دوبارہ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ مجھے فروخت کر دو۔" تو میں نے ایک اوقیہ کے عوض وہ آپ ﷺ کو فروخت کر دیا اور اپنے گھر تک اس پر سواری کی شرط لگا لی۔ پس جب میں پہنچ گیا تو میں اونٹ لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے مجھے اس کی نقد قیمت ادا کر دی' پھر میں واپس لوٹ گیا تو آپ ﷺ نے میرے پیچھے اونٹ کو بھی بھیج دیا اور فرمایا کہ "کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے تمہارا اونٹ لینے کے لیے تمہیں قیمت کم دی ہے؟ اپنے اونٹ اور درہم دونوں رکھ لو' یہ تمہارے لیے ہے۔" [بخاری، مسلم۔ یہ سیاق مسلم میں ہے۔]

لغوی توضیح أَعْيَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَعْيَا يُعْيِي (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "تھک گیا یا چلنے سے رہ گیا"۔ يُسَيِّبُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب سَيَّبَ يُسَيِّبُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "آزاد چھوڑ دینا تاکہ جہاں چاہے گھومتا پھرتا رہے"۔ أُوقِيَة چاندی کے چالیس درہم کو کہتے ہیں' موجودہ وزن کے مطابق چالیس درہم تقریباً ساڑھے دس (10.50) تولے وزن کے برابر ہے۔ حُمْلَان سے مراد ہے سواری۔ نَقَدَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب نَقَدَ يَنْقُدُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "نقد قیمت ادا کر دی"۔ مَاكَسْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب مَاكَسَ يُمَاكِسُ (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے "قیمت میں کمی کی کوشش کرنا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کو فروخت کرتے وقت شرط لگا لینا درست ہے۔ مثلاً مکان فروخت کرتے وقت ایک ماہ یا دو ماہ اس میں رہائش کی شرط لگا لینا جائز ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی۔ جمہور

777- [بخاری (۲۸۶۱) کتاب الجهاد والسیر : باب من ضرب دابة غیره فی الغزو ' مسلم (۷۱۵) ابو داود (۳۵۰۵) نسائی (۲۹۷/۷) ابن ماجه (۲۲۰۵) احمد (۳۹۲/۳)]

(۱۶) [نیل الاوطار (۵۱۲/۳)] (۱۷) [سبل السلام (۱۰۴۶/۳)]

(۱۸) [فتح الباری (۱۷۹/۵) نیل الأوطار (۵۱۲/۳) الروضة الندیة (۱۹۴/۲)]

اس کے جواز کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ سواری کی شرط صرف اس صورت میں لگائی جا سکتی ہے کہ جب سفر تین دن سے کم ہو۔ جبکہ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ مطلق طور پر اس شرط کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ راجح مؤقف جمہور کا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص سے خود یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی چیز فروخت کر دے۔ اسی طرح خود ہی مناسب قیمت بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔ ہاتھ مارنے کی وجہ سے سواری کے تیز ہو جانے سے نبی کریم ﷺ کا معجزہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکام سے ہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ انسان پہلے سے اس کا حریص نہ ہو۔

778- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَّا عَبْدًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ ، فَدَعَا بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَبَاعَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی نے اپنا ایک غلام مدبر کر دیا' اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور مال بھی نہیں تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس غلام کو بلوایا اور اسے فروخت کر دیا۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَعْتَقَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَعْتَقَ يُعْتِقُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''آزاد کرنا''۔
دُبُــــر کسی بھی چیز کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس آدمی نے اپنے غلام کو کہا کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ ایسے غلام کو مُدَبَّرْ غلام کہتے ہیں۔

فهم الحديث ایک روایت میں ہے کہ اپنے غلام کو مدبر کرنے کے بعد وہ آدمی (اس کی قیمت کا مقروض ہونے کی وجہ سے) محتاج ہو گیا تھا' تو آپ ﷺ نے اس غلام کو پکڑ کر کہا کہ اسے مجھ سے کون خریدے گا؟ پھر حضرت نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ قیمت (800 درہم) کے عوض خرید لیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدبر غلام کو بوقتِ ضرورت فروخت کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ جمہور، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ مدبر غلام کو کسی صورت میں بھی فروخت کرنا جائز نہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جمہور کے مؤقف کا رد کرتی ہے۔ (۱۹) امام شافعیؒ وغیرہ کا مؤقف ہی راجح و برحق ہے۔ (۲۰)

779- وَعَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ، أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ ، فَمَاتَتْ فِيهِ ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهَا ، فَقَالَ : ((أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ، وَزَادَ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ : فِي سَمْنٍ جَامِدٍ ۔

نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا تو نبی کریم ﷺ سے اس گھی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اس چوہے کو پھینک دو اور اس کے اردگرد کا گھی بھی پھینک دو اور (باقی) گھی کھا لو''۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے] اور احمد اور نسائی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ''(چوہا) جامد گھی میں (گرا تھا)''۔

778- [بخاری (۲۱٤۱) كتاب البيوع : باب بيع المزايدة ' مسلم (۹۷۹) ابو داود (۳۹۵۵) ترمذی (۱۲۱۹) نسائی (۳۰٤/۷) ابن ماجه ۲۵۱۲۰-۲۵۱۳ ابن حبان (٤۹۰۸) بیهقی (۳۰۸/۱۰)]

779- [بخاری (۲۳۵-۲۳٦) كتاب الوضوء : باب ما يقع من النجاسات في السمن والماء ' ابو داود (۳۸٤۱-۳۸٤۳) ترمذی (۱۷۹۸) نسائی (۱۷۸/۷) احمد (۳۲۹/٦) ابن الجارود (۸۷۲)]

(۱۹) [فتح الباری (٤۹۳/٤) قفو الأثر (۹۵٦/۳) المهذب (۹/۲) المبسوط (۱۷۹/۷) المغنی (۳۹۰/۲)]

(۲۰) [مزید دیکھئے: نیل الأوطار (۱٦۱/٤) فتح الباری (٤۹۳/٤) الروضة الندية (۳۲۹/۲)]

780- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ فَإِنْ كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ قَدْ حَكَمَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ وَ أَبُو حَاتِمٍ بِالْوَهْمِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب گھی میں چوہا گر جائے تو اگر گھی جامد ہو تو اس چوہے اور اس کے اردگرد کے گھی کو پھینک دو اور اگر گھی مائع ہو تو پھر اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔" [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور بخاری اور ابوحاتم نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْفَأْرَة چوہے کو کہتے ہیں۔ السَّمْن کا معنی ہے "گھی"۔ امام بخاریؒ نے دوسری حدیث پر جو وہم کا حکم لگایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حدیث مسند ابی ہریرہ کی نہیں بلکہ مسند میمونہ کی ہے' یعنی وہم کا حکم بلحاظ سند ہے بلحاظ متن نہیں۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گھی میں چوہا گر جائے اسے پاک کرنے کے لیے چوہے اور اس کے اردگرد حصے کے گھی کو پھینک دیا جائے تو گھی پاک ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ اس گھی سے مراد جامد گھی ہے اور اگر گھی مائع ہو تو مکمل نجس ہو جائے گا' جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔ اور اگر کوئی دوسری حدیث پر ضعف کا حکم لگائے تو پھر یہ یاد رہنا چاہیے کہ یہ مسئلہ پہلی بخاری کی حدیث سے ہی ثابت ہو جاتا ہے' وہ اس طرح کہ پہلی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "چوہیا اور اس کے اردگرد کے حصے کو پھینک دو" تو اردگرد کے حصے کو پھینکنا صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ گھی جامد ہو' کیونکہ اگر گھی مائع ہو گا تو پھر یہ اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں کہ کتنے گھی کو چوہا لگا ہے اور کتنے کو نہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر گھی مائع ہو گا تو پھر اسے ضائع کرنا ہو گا اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جانا جائز نہیں۔

781- وَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ وَالْكَلْبِ ' فَقَالَ: ((زَجَرَ النَّبِيُّ عَنْ ذَلِكَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ النَّسَائِيُّ وَ زَادَ: ((إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ)) ۔

حضرت ابوزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بلی اور کتے کی قیمت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈانٹا ہے۔" [اسے مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے اور نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] "سوائے شکاری کتے کے۔"

لغوی توضیح السِّنَّور بلی کو کہتے ہیں۔ زَجَرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب زَجَرَ يَزْجُرُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "ڈانٹ ڈپٹ کرنا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلی کی خرید و فروخت جائز نہیں (اگرچہ اسے گھر میں رکھنا جائز ہے کیونکہ اس کے متعلق کوئی ممانعت وارد نہیں)۔ امام طاؤسؒ اور امام مجاہدؒ نے کہا ہے کہ بلی کی تجارت حرام ہے۔ جبکہ جمہور علما نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ بلی کی تجارت جائز ہے کیونکہ ممانعت کی حدیث ضعیف ہے۔ امام صنعانیؒ نے حدیث کو ضعیف کہنے والوں کے قول کو مردود قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے کہا ہے کہ حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں۔ (۲۱) اس لیے راجح قول یہی ہے کہ بلی کی خرید و فروخت حرام ہے جیسا کہ مذکورہ صحیح حدیث اس پر شاہد ہے۔ (۲۲)

780- [شاذ: ضعيف ابو داود' ابو داود (٣٨٤٢) كتاب الأطعمة: باب في الفأرة تقع في السمن' احمد (٢٣٢/٢) ابن الجارود (٨٧١) بيهقي (٣٥٣/٩) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو شاذ کہا ہے۔]

781- [مسلم (١٥٦٩) كتاب المساقاة: باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن' ابو داود (٣٤٧٩) ترمذي (١٢٧٩) نسائي (٣٠٩/٧) احمد (٣١٧/٣) ابن الجارود (٥٨٠)]

(٢١) [ابن أبي شيبة (٤٠٢/٤) سبل السلام (١٠٥٢/٣) تحفة الأحوذي (٥٦٨/٤)] (٢٢) [نيل الأوطار (٥١٣/٣)]

782- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ فَقَالَتْ : إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ ، فَأَعِينِينِي ، فَقُلْتُ : إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ ، فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا ، فَقَالَتْ لَهُمْ فَأَبَوْا عَلَيْهَا ، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ ، فَقَالَتْ : إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : ((**خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ**)) فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : ((**أَمَّا بَعْدُ ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ ، قَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ**)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ، وَعِنْدَ مُسْلِمٍ قَالَ : ((**اشْتَرِيهَا وَأَعْتِقِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ**)) .

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس بریرہ (لونڈی) آئی اور اس نے کہا' میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ چاندی پر مکاتبت کی ہے' ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا ہے تو آپ میری اعانت کیجئے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر تیرا مالک پسند کرے کہ میں ساری رقم ادا کر دوں اور تیری ولاء میری ہو جائے تو میں ایسا کر دیتی ہوں۔ بریرہ اپنے مالک کے پاس گئی اور اس نے انہیں یہ بات بتائی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پھر وہ ان کے پاس سے (عائشہ ؓ کے پاس) آئی تو رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے' اس نے عرض کیا' میں نے یہ بات ان کے سامنے رکھی لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ولاء ان کے لیے ہی ہے۔ یہ بات نبی کریم ﷺ نے سنی اور عائشہ ؓ نے بھی آپ ﷺ کو یہ واقعہ سنا دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا" اسے لے لو اور ان سے ولاء کی شرط لگا لو کیونکہ ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔" چنانچہ عائشہ ؓ نے ایسا ہی کر دیا' پھر رسول اللہ ﷺ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا" لوگوں کی کیا حالت ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں؟ (یاد رکھو!) جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے خواہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں' اللہ کا فیصلہ سب سے زیادہ مستحق ہے اور اللہ کی شرط سب سے پختہ ہے اور ولاء صرف اسی کی ہے جس نے آزاد کیا۔" [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور مسلم میں ہے کہ] آپ ﷺ نے فرمایا" اسے خرید کر آزاد کر دو اور ان سے ولاء کی شرط لگا لو۔"

لغوی توضیح بَرِيرَة حضرت عائشہ ؓ کی آزاد کردہ لونڈی کا نام ہے' جو مغیث (غلام) کی بیوی تھی' جب آزاد ہوئی تو نبی ﷺ نے اسے اختیار دے دیا کہ مغیث کے ساتھ رہے یا اس سے علیحدہ ہو جائے تو اس نے علیحدگی اختیار کر لی۔ كَاتَبْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب كَاتَبَ يُكَاتِبُ (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے "مکاتبت کرنا" مکاتبت سے مراد وہ عہد و پیمان ہے جو غلام اور اس کے مالک کے درمیان طے پاتا ہے کہ جب غلام اتنی رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ الْوَلَاء مالک اور اس کے آزاد کردہ غلام کے درمیانی تعلق کو کہتے ہیں' اس تعلق کے باعث جب غلام فوت ہو گا تو

782- [بخاری (٢١٦٨) كتاب البيوع : باب إذا اشترط شروطا في البيع لا تحل ' مسلم (١٥٠٤) ابو داود (٣٩٢٩) ترمذی (١٢٥٦) نسائی (٦/١٦٣) ابن ماجه (٢٥٢١) احمد (٦/٣٣) دارمی (٢٢٨٩)]

مالک اس کی وراثت کا حقدار ہوگا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع المکاتب (یعنی غلام کو ایک مقررہ رقم کے عوض آزاد کرنا) جائز ہے' نیز یہ بھی جائز ہے کہ کوئی دوسرا شخص مقررہ رقم ادا کر کے غلام کو آزاد کر دے اور پھر اس کی وراثت کا حقدار بن جائے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لین دین کے معاملات میں وہ تمام شروط باطل ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔

783- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهَى عُمَرُ عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ فَقَالَ : لَا تُبَاعُ وَلَا تُوهَبُ وَ لَا تُورَثُ ' يَسْتَمْتِعُ بِهَا مَا بَدَا لَهُ ' فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ)) رَوَاهُ مَالِكٌ وَ الْبَيْهَقِيُّ وَقَالَ : رَفَعَهُ بَعْضُ الرُّوَاةِ فَوَهِمَ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُم ولد لونڈیوں کی بیع سے منع کیا اور فرمایا کہ نہ تو انہیں فروخت کیا جائے' نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی میراث میں تقسیم کیا جائے' جب تک مالک چاہے اس سے فائدہ اٹھائے اور جب فوت ہو جائے گا تو وہ آزاد ہو گی۔[اسے مالک اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے کہا ہے کہ بعض نے اسے مرفوع کہا ہے جو وہم ہے۔]

لغوی توضیح أُمَّهَاتُ الْأَوْلَادِ جمع ہے اور اس کی واحد أُمُّ وَلَد ہے۔اُم ولد ایسی لونڈی کو کہتے ہیں جس سے اس کے مالک کا بچہ پیدا ہو چکا ہو۔(۲۳)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُم ولد لونڈی کی بیع جائز نہیں جبکہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُم ولد لونڈی کی بیع جائز ہے۔امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث اگرچہ سنداً صحیح ہے لیکن اسے اس لیے دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اس میں یہ ذکر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس عمل کا علم تھا۔(۲٤) امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ پہلے یہ بیع جائز ہو پھر آخری عمر میں آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا ہو لیکن یہ بات زیادہ مشہور نہ ہوئی ہو پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے منع فرما دیا۔(۲٥) جمہور علماء کا کہنا ہے کہ اُم ولد لونڈی کی بیع جائز نہیں (۲٦) اور امام ابن قدامہؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(۲۷) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ اُم ولد کی بیع حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔حرام اس لیے نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے کسی صحیح حدیث میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں۔جواز اس لیے نہیں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اس عمل کا علم تھا اور پھر بھی آپ ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔(۲۸)

783- [مالك (۷۷٦/۲) دارقطنی (۱۳٤/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ اثر موقوف صحیح ہے۔]

(۲۳) [نيل الأوطار (١٦٨/٤)]
(۲٤) [المحلى بالآثار (٢١٤/٨)]
(۲٥) [معالم السنن (٧٤/٤)]
(۲٦) [نيل الأوطار (١٦٩/٤)]
(۲۷) [المغنى (٥٨٧/١٤)]
(۲۸) [سبل السلام (١٠٥٨/٣) نيل الأوطار (١٧٠/٤)]

784- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((كُنَّا نَبِيعُ سَرَارِيَنَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ ، وَالنَّبِيُّ ﷺ حَيٌّ لَا يَرَى بِذٰلِكَ بَأْسًا)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اپنی اُم ولد لونڈیوں کو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں فروخت کیا کرتے تھے' آپ ﷺ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔[اسے نسائی ، ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

785- وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ : ((وَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ)) ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زائد از ضرورت پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ] اور اونٹ کی جفتی کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے۔

لغوی توضیح فَضْلِ الْمَاءِ کا معنی ہے ''زائد از ضرورت پانی''۔ زائد از ضرورت پانی سے مراد ایسا پانی ہے جو انسان کی ذاتی ملکیت میں نہ ہو بلکہ باہر کسی علاقے میں انسان کوئی پانی چشمے وغیرہ کی صورت میں پائے تو وہ اپنے جانوروں کو اس سے پلا سکتا ہے' خود بھی پی سکتا ہے اور ساتھ لے جانے کے لیے مشکیزے وغیرہ میں بھی ڈال سکتا ہے' لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب وہ اپنی ضرورت پوری کر لے تو باقی زائد پانی کو فروخت کرنا شروع کر دے' البتہ جو پانی کسی کی ملکیت میں ہو مثلاً مشکیزے یا برتنوں میں یا کنواں وغیرہ تو اسے بیچنا اور خریدنا جائز ہے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ (۲۹) ضِرَابَ الْجَمَلِ کا معنی ہے ''نر کی جفتی''۔ مراد ہے کسی نر جانور کی اس کی مادہ کے ساتھ جفتی کرانے کے بدلے معاوضہ وصول کرنا' یہ جائز نہیں۔

786- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نر کی جفتی کے معاوضہ سے منع فرمایا ہے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح عسب باب عَسَبَ يَعْسِبُ (بروزن ضرب) سے مصدر ہے۔ یہ ''نر کی جفتی یا اس سے خارج ہونے والے پانی' یا اس کی نسل واولاد' یا جفتی کے عوض کرایہ دینے'' کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فحل ''نر حیوان'' کو کہتے ہیں مثلاً گھوڑا' اونٹ یا بکرا وغیرہ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی نر جانور کی جفتی کے بدلے معاوضہ وصول کرنا حرام ہے۔ جمہور

784- [صحیح : صحیح ابن ماجه ' ابن ماجه (۲۰۱۷) كتاب العتق : باب أمهات الأولاد ' نسائی فی السنن الکبری (۱۹۹/۳) احمد (۳۵٦/۳) ابن حبان (٤۳۲۳) بیهقی (۳٤۸/۱۰) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

785- [مسلم (۱۵٦۵) كتاب المساقاة : باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة ' نسائی (۳۱۰/۷) ابن ماجه (۲٤۷۷) احمد (۳۵٦/۳) ابن الجارود (۵۹۵) حاكم (٤٤/۲) بيهقی (۱۵/٦)]

786- [بخاری (۲۲۸٤) كتاب الإجارة : باب عسب الفحل ' ابو داود (۳٤۲۹) ترمذی (۱۲۷۳) نسائی (۳۱۰/۷) احمد (۱٤/۲۰) ابن الجارود (۵۸۲) حاكم (٤۲/۲) بيهقی (۳۳۹/۵)]

(۲۹) [بخاری (۲۷۷۸) ترمذی (۳٦۹۹) نسائی (۲۳٦/٦)]

علما اور امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام مالکؒ، امام حسنؒ اور امام ابن سیرینؒ نے کہا ہے کہ نر کو جفتی کے لیے معلوم مدت تک اجرت پر دینا جائز ہے۔(۳۰) پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔

787- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَاعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ : كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے اور یہ بیع دور جاہلیت میں تھی۔ آدمی اس شرط پر اونٹنی خریدتا تھا کہ (اس کی قیمت اس وقت دے گا) جب اونٹنی بچہ جنے گی پھر وہ بچہ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے وہ (آگے ایک بچہ) جنے گا۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فهم الحديث ”حاملہ کے حمل کی بیع“ اس کی دو تفسیریں مشہور ہیں: ایک کے متعلق امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مادہ جانور کے پیٹ میں پرورش پانے والا بچہ پیدائش کے بعد جوان ہو کر جو بچہ جنے گا اس کی بیع حرام ہے۔ دوسری امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور امام ترمذیؒ سے منقول ہے کہ اس قیمت پر جانور دینا کہ یہ جو بچہ جنے گا اس کا بچہ مجھے دینا ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ نے پہلے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ واضح رہے کہ اس بیع میں ممانعت کا سبب یہ ہے کہ یہ معدوم و مجہول شے کی بیع ہے اور دھوکے کی بیع میں داخل ہے۔(۳۱)

788- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کی بیع اور اسے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث ولاء غلام اور اس کے آزاد کرنے والے مالک کے درمیانی تعلق کا نام ہے' جس کے باعث مالک غلام کے فوت ہونے پر اس کی وراثت کا حقدار ٹھہرتا ہے' دوسرے لفظوں میں ولاء وراثت کے حق کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ نسب کی طرح ایک معنوی چیز ہے اس لیے بیع یا ہبہ وغیرہ کسی بھی ذریعے سے اس کی دوسرے کی طرف منتقلی درست نہیں' اسی لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

789- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکر پھینک کر بیع کرنے اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

787- [بخاری (۲۱٤۳) كتاب البيوع : باب بيع الغرر وحبل الحبلة' مسلم (۱۵۱٤) ابو داود (۳۳۸۰) ترمذی (۱۲۲۹) نسائی (۲۹۳/۷) احمد (۶۳/۲) موطا (۶۵۳/۲) ابن الجارود (۵۹۱)]

788- [بخاری (۲۵۳۵-۶۷۵۶) كتاب العتق : باب بيع الولاء وهبته' مسلم (۱۵۰۶) ابو داود (۲۹۱۹) ترمذی (۱۲۳۶،۲۱۲۶) نسائی (۳۰۶/۷) ابن ماجه (۲۷٤۷) احمد (۹/۲-۷۹) دارمی (۲۵۷۲)]

789- [مسلم (۱۵۱۳) كتاب البيوع : باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذى فيه غرر' ابو داود (۳۳۷۶) ترمذی (۱۲۳۰) ابن ماجه (۲۱۹٤) نسائی (۲۶۲/۷) احمد (۳۷۶/۲) ابن الجارود (۵۹۰) دارقطنی (۱۵/۳) بیهقی (۲۶۶/۵)]

(۳۰) [نيل الأوطار (۵۱۵/۳)]

(۳۱) [دیکھئے: فتح الباری (۹۳/۵) تحفة الأحوذی (٤۸۲/٤) نيل الأوطار (۵۱۷/۳) سبل السلام (۱۰۶۱/۳)]

فهم الحديث ''کنکر پھینک کر تجارت کرنے'' کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کنکر جس چیز پر یا جس جانور پر یا جس کپڑے وغیرہ پر گرے گا وہ اتنی رقم کے عوض تمہارا ہو جائے گا' یا یہ کنکر جب پھینک دیا جائے گا تو بیع واجب ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ دھوکے کی بیع سے مراد ایسی بیع ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو' اس خیال کی وجہ سے کہ پتہ نہیں ایسا ہو گا کہ نہیں مثلاً بھاگے ہوئے غلام کی بیع' ہوا میں پرندے کی بیع' پانی میں مچھلی کی بیع اور غائب و مجہول چیز کی بیع وغیرہ۔(۳۲) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ دھوکے کی تجارت سے ممانعت کتاب البیوع کے اصول میں سے ایک عظیم اصل ہے اور اس میں اَن گنت مسائل ہیں مثلاً بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کرنا' معدوم و مجہول شے کی بیع' جسے انسان کسی کے سپرد کرنے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو (اس کی بیع) 'وہ چیز جسے فروخت کرنے والا اس پر مکمل ملکیت نہ رکھتا ہو (اس کی بیع)' کثیر پانی میں موجود مچھلی کی بیع' جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع' پیٹ میں موجود جنین (یعنی پیٹ کے بچے) کی بیع' مبہم یعنی غیر واضح غلے کے انبار و ڈھیر میں سے بعض حصے کی بیع' بہت زیادہ کپڑوں میں سے کسی ایک کپڑے کی بیع اور بہت سی بکریوں میں سے کسی ایک بکری کی بیع وغیرہ۔ ایسی ہی کئی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔ اس قسم کی ہر بیع باطل ہے کیونکہ اس میں بلاضرورت دھوکہ پایا جاتا ہے۔(۳۳) نیز یہ یاد رہے کہ جن اشیا میں تھوڑا بہت دھوکہ ہو ان کے جواز پر اجماع ہے مثلاً گھر' جانور اور کپڑے وغیرہ کو ایک مہینے کے لیے اجرت پر دینا جائز ہے اگرچہ (اس میں یہ دھوکہ موجود ہے کہ) مہینہ کبھی تیس (30) دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس (29) دن کا۔ اور اسی طرح اجرت دے کر حمام میں داخل ہونے کے جواز پر بھی اجماع ہے اگرچہ (اس میں بھی یہ دھوکہ ہے کہ) لوگ پانی استعمال کرنے کے لحاظ سے مختلف ہیں (یعنی کوئی کم استعمال کرتا ہے اور کوئی زیادہ)۔(۳۴)

790- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنِ اشْتَرَى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَكْتَالَهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جس نے کوئی غلہ خریدا وہ جب تک اسے ماپ نہ لے' آگے فروخت نہ کرے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز خریدنے کے بعد اس وقت تک فروخت کرنا جائز نہیں جب تک اسے ماپ تول کر اپنے قبضے میں نہ لے لیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غلہ خرید کر مکمل حاصل کر لینے سے پہلے اسے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔(۳۵) ایک دوسری روایت میں ہے کہ پس رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع فرمایا ہے کہ غلہ وہیں فروخت نہ کریں بلکہ وہاں سے (کہیں اور) منتقل کرنے کے بعد فروخت کریں۔(۳٦) اسی طرح حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سودے کو اُسی جگہ بیچنے سے منع فرمایا ہے جہاں اسے خریدا جاتا ہو حتی کہ اسے اپنے گھروں کی طرف لے جائیں (تو فروخت کر سکتے ہیں)۔(۳۷) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ طعام (یعنی غلے) کے

790- [مسلم (١٥٢٨) كتاب البيوع : باب بطلان بيع المبيع قبل القبض ' احمد (٣٢٩/٢)]

(٣٢) [تحفة الأحوذى (٤٨٣/٤)] (٣٣) [شرح مسلم (٤١٦/٥)]
(٣٤) [تحفة الأحوذى (٤٨٣/٤)]
(٣٥) [مسلم (١٥٢٨) كتاب البيوع : باب بطلان بيع المبيع قبل القبض ' أحمد (٣٣٧/٢)]
(٣٦) [موطا (٦٤١/٢) مسلم (١٥٢٧) أحمد (٥٦/١) ابو داود (٣٤٩٤) نسائى (٢٨٧/٧)]
(٣٧) [صحيح : صحيح ابو داود (٢٩٨٨) كتاب البيوع : باب فى بيع الطعام قبل أن يستوفى ' ابو داود (٣٤٩٩) حاكم (٤٠/٢)]

علاوہ تمام تصرفات میں قبضے سے پہلے بیع جائز ہے۔امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اگر فروخت کنندہ چیز ماپی یا تولی جا سکتی ہو تو قبضے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں بصورت دیگر جائز ہے۔امام شافعیؒ، امام زفرؒ اور محمدؒ نے کہا ہے کہ غلہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز کچھ بھی قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ غیر منقولہ اشیا کی بیع قبضے سے پہلے جائز ہے جبکہ منقولہ کی نہیں۔راجح مؤقف امام شافعیؒ کا ہے کیونکہ گزشتہ صحیح احادیث اسی کو ثابت کرتی ہیں۔(۳۸)

791- وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ ①، وَ لِأَبِي دَاوُدَ : ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْ كَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) ②۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا ہے۔[اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوداود میں ہے کہ] "جس نے ایک بیع میں دو قیمتیں لگائیں اس کے لیے یا تو دونوں میں سے کم قیمت ہے یا سود ہوگا۔"

فهم الحديث ایک بیع میں دو بیعوں سے کیا مراد ہے اس کی دو تاویلیں کی گئی ہیں۔ایک یہ کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے' میں تمہیں فلاں کپڑا نقد ادائیگی کی صورت میں دس روپے کا فروخت کرتا ہوں اور ادھار کی صورت میں بیس روپے کا۔یہ بیع اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے۔دوسری یہ کہ کوئی شخص دوسرے آدمی سے کہے کہ میں تمہیں اپنا غلام بیس دینار پر فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تم اپنی لونڈی مجھے فروخت کرو گے۔یہ بیع بھی فاسد ہے۔(۳۹) اس بیع کی ممانعت کا سبب امام شوکانیؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ایک بیع میں دو بیع کی حرمت کی وجہ قیمت مقرر نہ ہونا ہے۔(۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو قیمتوں پر چیز فروخت کرنے والے کو چاہیے کہ کم قیمت لے اور اگر زیادہ قیمت لے گا تو وہ سود لے گا' جو کہ حرام ہے۔

792- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ ، وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ ، وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ ، وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ الْحَاكِمُ ، وَ أَخْرَجَهُ فِي ((عُلُومِ الْحَدِيثِ)) مِنْ رِوَايَةِ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قرض اور بیع حلال نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں حلال ہیں اور نہ قبضے میں لینے سے پہلے کسی چیز کا منافع جائز ہے اور نہ ہی اس چیز کو فروخت کرنا جائز ہے جو تیرے پاس نہ ہو۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور حاکم نے علوم الحدیث میں مذکورہ عمروؒ کے واسطے سے

791- [① صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۱۲۳۱) کتاب البیوع : باب ما جاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة' نسائی (۲۹۵/۷) احمد (۴۳۲/۲) بیهقی (۳۴۳/۵) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔' ② حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۳۴۶۱) کتاب الإجارة : باب فیمن باع بیعتین فی بیعة' شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کی سند کو جید کہا ہے۔]

792- [حسن صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۳۵۰۴) کتاب الإجارة : باب فی الرجل یبیع ما لیس عنده' ترمذی (۱۲۳۴) نسائی (۲۸۸/۷) ابن ماجه (۲۱۸۸) احمد (۱۷۸/۲) دارمی (۲۵۶۰) دارقطنی (۵۷/۳) حاکم (۱۷/۲) طبرانی فی الأوسط (۱۵۴/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۳۸) [نیل الأوطار (۵۳۲/۳)] (۳۹) [سبل السلام (۱۰۷۰/۳) الروضة الندية (۲۲۳/۲) تحفة الأحوذی (۴۸۷/۴)]
(۴۰) [نیل الأوطار (۵۲۳/۳)]

عَمْرٍو الْمَذْكُورِ بِلَفْظِ : ((نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَ شَرْطٍ)) وَ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي ((الْأَوْسَطِ)) وَ هُوَ غَرِيبٌ

ابوحنیفہؒ کی روایت ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے کہ بیع سے شرط کے ساتھ منع کیا ہے' اور طبرانی نے اسے اوسط میں بھی روایت کیا ہے اور یہ غریب ہے۔]

فهم الحديث ''قرض اور بیع'' کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کہے کہ میں تمہیں اتنا قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم مجھے اپنی فلاں چیز اتنی قیمت پر دے دو وغیرہ وغیرہ۔ یہ بیع اس لیے فاسد ہے کیونکہ وہ اسے قرض ہی اس لیے دے رہا ہے تا کہ وہ اپنی چیز کم قیمت پر اسے دے دے۔ ''ایک بیع میں دو شرطوں'' سے مراد یہ ہے کہ جیسے کوئی کہے میں تمہیں یہ غلام نقداً ایک ہزار کا دوں گا اور اگر تاخیر سے ادائیگی کرو گے تو دو ہزار کا دوں گا' یہ ایک ہی بیع ہے جو کہ دو شرطوں پر مشتمل ہے۔(٤١) ''قبضہ میں لینے سے پہلے نفع حاصل کرنا'' کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی چیز کو خریدنے کے بعد قبضے (ضمانت) میں لینے سے پہلے ہی فروخت کر دے (جبکہ ابھی ضمانت بائع پر ہی ہو) تو بیع باطل ہے اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔(٤٢) اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز میں (انسان کے لیے) نفع حاصل کرنا اسی وقت جائز ہوتا ہے جب اس کا نقصان بھی اسی پر ہو اور اگر نقصان اس پر نہ ہو (جیسے قبضہ سے پہلے بیع اور وہ تلف ہو جائے) اور اس کی ضمانت بائع پر ہو تو مشتری کے لیے اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔(٤٣) ''ایسی چیز کو فروخت کرنا جو انسان کے پاس نہ ہو'' کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز انسان کی ملکیت میں نہ ہو۔ اس بات کی مزید وضاحت حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک شخص آتا ہے وہ مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں' میں اسے وہ چیز بازار سے خرید کر دیتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں اسے فروخت نہ کرو۔'' (٤٤)

793- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ)) رَوَاهُ مَالِكٌ ' قَالَ : بَلَغَنِي عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ بِهِ ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔[اسے مالک نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت مجھے عمرو بن شعیب سے پہنچی ہے۔]

فهم الحديث ''بیع عربان'' یہ ہے کہ خریدار بائع کو بیع سے پہلے ایک درہم یا اس کی مثل کوئی چیز اس شرط پر دے کہ اگر اس نے سودا چھوڑ دیا تو وہ درہم بغیر کسی (عوض) کے بائع کا ہو جائے گا۔ مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے جمہور علماء، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس بیع کو باطل قرار دیتے ہیں' جبکہ امام احمدؒ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی جواز کا قول ہی مروی ہے۔

793- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (٣٥٠٢) كتاب الإجارة : باب في العربان' ابن ماجه (٢١٩٢) مالك (٦٠٩/٢) بیھقی (٣٤٣/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ البتہ شیخ احمد شاکرؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [مسند احمد بتحقیق احمد شاكر (٦٧٢٣)]

---

(٤١) [نيل الأوطار (٥٥٥/٣)]

(٤٢) [شرح السنة (٣٠٧/٤) تحفة الأحوذى (٤٩٣/٤)]

(٤٣) [شرح السنة (٣٠٦/٤)]

(٤٤) [صحیح : إرواء الغليل (١٢٩٢) ابو داود (٣٥٠٣) كتاب البيوع : باب في الرجل يبيع ما ليس عنده' ترمذی (١٢٣٢) نسائی (٢٨٩/٧) ابن ماجة (٢١٨٧) أحمد (٤٠٢/٣) بيهقى (٣١٧/٥)]

794- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ابْتَعْتُ زَيْتًا فِي السُّوقِ، فَلَمَّا اسْتَوْجَبْتُهُ لَقِيَنِي رَجُلٌ فَأَعْطَانِي بِهِ رِبْحًا حَسَنًا، فَأَرَدْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِنْ خَلْفِي بِذِرَاعِي، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، فَقَالَ: لَا تَبِعْهُ حَيْثُ ابْتَعْتَهُ حَتَّى تَحُوزَهُ إِلَى رَحْلِكَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ((نَهَى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ حَتَّى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ اللَّفْظُ لَهُ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے بازار میں زیتون (کا تیل) خریدا' جب میں نے سودا پکا کر لیا تو ایک آدمی مجھے ملا اور اس نے مجھے اچھا نفع دینے کی پیشکش کی' میں نے اس آدمی سے ابھی سودا طے کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی نے پیچھے سے میرا بازو پکڑا' میں مڑا تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے' انہوں نے کہا' وہیں پر فروخت نہ کرو جہاں سے تم نے خریدا ہے حتیٰ کہ تم اسے اپنے گھر کی طرف منتقل کر لو' بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ سودا اسی جگہ فروخت کر دیا جائے جہاں سے خریدا جاتا ہے حتیٰ کہ تاجر حضرات اسے اپنے گھروں کی طرف منتقل کر لیں۔ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ ابوداود کے ہیں اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک خریدی ہوئی چیز مکمل طور پر اپنے قبضے میں نہ لے لی جائے اس وقت تک آگے فروخت نہ کی جائے۔

795- وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ، فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ، وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ، وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ، آخُذُ هٰذَا مِنْ هٰذِهِ وَأُعْطِي هٰذِهِ مِنْ هٰذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں بقیع کے مقام پر اونٹ فروخت کرتا ہوں' میں دیناروں میں فروخت کرتا ہوں اور درہموں میں قیمت وصول کرتا ہوں اور درہموں میں فروخت کرتا ہوں تو دیناروں میں قیمت وصول کرتا ہوں' یعنی اس کے بدلے یہ لے لیتا ہوں اور اس کے بدلے یہ دے دیتا ہوں (تو کیا یہ جائز ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم اس دن کی قیمت کے برابر لو اور جدا ہونے سے پہلے مکمل رقم کی ادائیگی کر دو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔" [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے اور چاندی کا (یعنی ایک کرنسی کا دوسری کرنسی سے) تبادلہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ ادائیگی نقد ہو اور دونوں کی قیمت بھی برابر ہو۔

794- [حسن لغیرہ: صحیح ابو داود' ابو داود (٣٤٩٩) کتاب الإجارة: باب فی بیع الطعام قبل أن یستوفی' احمد (١٩١/٥) طحاوی (٣٨/٤) حاکم (٤٠/٢) بیهقی (٣١٤/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

795- [ضعیف: ضعیف ابو داود' ابو داود (٣٣٥٤) کتاب البیوع: باب فی اقتضاء الذهب من الورق' ترمذی (١٢٤٢) ابن ماجه (٢٢٦٢) نسائی (٢٨١/٧) ابن الجارود (٦٥٥) احمد (٣٣/٢) حاکم (٤٤/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح جبکہ مرفوعاً ضعیف کہا ہے۔]

796- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ النَّجْشِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع نجش سے منع فرمایا ہے۔ [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث ''بیع نجش'' کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ کوئی شخص سودے کی قیمت میں اضافہ کرنے کے ارادے سے بولی لگائے' وہ خود تو اسے خریدنا نہ چاہے لیکن کسی اور کو اس میں پھنسانا چاہے۔ بائع کے ساتھ اس نے پہلے سے ہی اپنا معاوضہ طے کر رکھا ہوتا ہے۔ چونکہ وہ خریدار نہیں بلکہ خریدار بن کر دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے اس لیے یہ بیع جائز نہیں۔ نجش کا معنی ہے'' اُبھارنا اور شکار کو بھگانا'' اس بیع کا نام نجش اسی لیے رکھا گیا ہے کیونکہ بولی لگانے والا سودے میں لوگوں کی رغبت ابھارتا ہے۔

797- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَعَنِ الثُّنْيَا إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیع محاقلہ' مزابنہ' مخابرہ اور بیع میں نامعلوم استثناء سے منع فرمایا ہے۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح مُحَاقَلَة مصدر ہے باب حَاقَلَ يُحَاقِلُ (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے'' کھیتی کو خوشے میں ہی فروخت کر دینا''۔ اَلْحَقْل '' قابل کاشت زمین کو کہتے ہیں۔'' بالیوں میں کھڑی کھیتی کو غلے کے عوض فروخت کر دینا جیسے گندم کے کھیت کے بدلے گندم فروخت کرنا وغیرہ بیع محاقلہ کہلاتی ہے۔ مُزَابَنَة بھی مصدر ہے باب زَابَنَ يُزَابِنُ (بروزن مفاعلۃ) سے' اس کا معنی ہے ''ایک دوسرے سے ہٹانا اور درخت پر پھل بیچنا''۔ اَلزَّبَن ''گوشے'' کو کہتے ہیں۔ درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اُسی جنس کے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کرنا مثلاً کھجوروں کے بدلے کھجور کے درخت پر لگی تازہ اور تر کھجوروں کی بیع اور انگور کے بدلے خشک انگور (یعنی کشمش) کی بیع وغیرہ بیع مزابنہ کہلاتی ہے۔ ان دونوں بیوع کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ ان میں تر کھیتی یا تر میوے کی صحیح مقدار کا علم نہیں ہوتا کہ وہ خشک ہو کر کتنا رہ جائے گا' اس طرح کسی کا بھی نقصان ہو سکتا ہے۔ مُخَابَرَة مزارعت کا ہی دوسرا نام ہے۔ یہ بیع مطلق طور پر حرام نہیں بلکہ اس کی صرف ایک خاص صورت ہی حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک مکمل پیداوار کا تیسرا یا چوتھا حصہ مقرر کرنے کی بجائے مزارع کے لیے زمین کے ایک خاص حصے کی پیداوار بطورِ معاوضہ مقرر کر لے' اس کا نقصان یہ ہوگا کہ بعض اوقات مزارع کی زمین میں پیداوار زیادہ ہو جائے گی اور بعض اوقات مالک کی زمین میں' اس طرح دونوں میں جھگڑے کی نوبت آ جائے گی' اسی لیے اس بیع سے منع کر دیا گیا ہے۔ اَلثُّنْيَا استثناء سے ہے' بیع میں استثناء کی صورت یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز فروخت کرے اور اس کا کچھ حصہ مستثنیٰ کرے۔ اگر تو مستثنیٰ (علیحدہ کی ہوئی چیز) معلوم ہو مثلاً درختوں میں سے ایک درخت' مختلف منازل میں سے ایک منزل اور زمین کی مختلف جگہوں میں سے کوئی ایک جگہ تو بالاتفاق (یہ بیع) صحیح ہے اور اگر (مستثنیٰ) مجہول ہو مثلاً آدمی کسی نامعلوم چیز کو مستثنیٰ کر دے (یعنی وہ

796- [بخاری (۲۱٤۲) کتاب البیوع: باب النجش ومن قال لا یجوز ذالك البیع' مسلم (۱۵۱٦) ابن ماجه (۲۱۷۳) نسائی (۲۵۸/۷) احمد (۱۰۸/۲) مالك (٦۸۳/۲) بیهقی (۳٤۳/۵)]

797- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۳٤۰٤) کتاب البیوع: باب فی المخابرة' ترمذی (۱۲۹۰) نسائی (۲۹٦/۷) احمد (۳۱۳/۲۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

کہے میں نے یہ ڈھیر فروخت کر دیا لیکن اس کا بعض حصہ فروخت نہیں کیا) تو بیع صحیح نہیں ہوگی' اور مجہول استثناء کی بیع سے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ یہ بیع جہالت کی وجہ سے دھوکے پر مشتمل ہے۔

798- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَاضَرَةِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ وَالْمُزَابَنَةِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع محاقلہ' مخاضرہ' ملامسہ' منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح مُخَاضَرَة مصدر ہے باب خَاضَرَ يُخَاضِرُ (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے ''کچے پھل اور غلہ جات کو پکنے سے پہلے (درختوں پر ہی) فروخت کر دینا۔'' مُلَامَسَه اور مُنَابَذَه کی تفسیر صحیح بخاری میں یوں بیان ہوئی ہے کہ ملامسہ یہ ہے کہ خریدار کپڑا بیچنے والے کے کپڑے کو رات یا دن میں ہاتھ لگاتا ہے اور اسے اُلٹ پلٹ کر کے نہیں دیکھتا اور منابذہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف اپنا (برائے فروخت) کپڑا پھینکتا ہے اور بلا غور و فکر اور بلا رضا مندی کے ان کے درمیان بیع پختہ ہو جاتی ہے۔(٤٥) امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیع ملامسہ اور منابذہ سے روکنے کا سبب دھوکہ' جہالت اور خیار مجلس کا ابطال ہے۔(٤٦)

799- عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ)) قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ : مَا قَوْلُهُ : ((وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ ؟)) قَالَ : لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

طاؤس رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تجارت کا سامان لانے والے قافلوں کو آگے جا کر (یعنی شہر سے باہر) نہ ملو اور نہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان بیچے۔'' طاؤس رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فرمانِ نبوی ''کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان نہ بیچے'' کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا' کوئی بھی کسی دیہاتی کا دلال نہ بنے۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

800- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تُلُقِّيَ فَاشْتُرِيَ مِنْهُ ' فَإِذَا أَتَى سَيِّدَهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' باہر سے غلہ لانے والوں کو آگے جا کر نہ ملو' جس سے (بازار پہنچنے سے پہلے ہی) ملاقات کر کے اس کا سامان خرید لیا گیا تو بازار پہنچنے کے بعد

798- [بخاری (٢٢٠٧) كتاب البيوع : باب بيع المخاضرة]

799- [بخاری (٢١٥٨) كتاب البيوع : باب هل يبيع حاضر لباد ' مسلم (١٥٢١) ابو داود (٣٤٣٩) نسائی (٢٥٧/٧) ابن ماجه (٢١٧٧) احمد (٣٦٨/١)]

800- [مسلم (١٥١٩) كتاب البيوع : باب تحريم تلقي الجلب ' ابو داود (٣٤٣٧) ترمذی (١٢٢١) نسائی (٢٥٧/٧) ابن ماجه (٢١٧٨) احمد (٤٨٧/٢) بيهقی (٣٤٨/٥)]

(٤٥) [بخاری (٢١٤٤) كتاب البيوع : باب بيع الملامسة ' مسلم (١٥١٢) ابو داود (٣٣٧٧) نسائی (٢٦٠/٧) ابن ماجة (٢١٧٠) دارمی (١٦٩/٢) حميدی (٧٣٠) ابن الجارود (٥٩٢) عبدالرزاق (١٤٩٨٧) أبو يعلى (٩٧٦) بيهقی (٣٤٢/٥)]

(٤٦) [نيل الأوطار (٥٢١/٣)]

السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

مال کے مالک کو اختیار ہے (چاہے سودا قائم رکھے اور چاہے فسخ کر دے)۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث ''قافلوں کو جا کر مت ملو'' اس کی صورت یہ ہے کہ شہری آدمی بدوی کو شہر کی مارکیٹ میں پہنچنے سے پہلے پہلے راستے ہی میں جا ملے تا کہ بھاؤ کے متعلق غلط بیانی کر کے اس سے سامان سستے داموں خرید لے اور اس کی اصل قیمت سے کم قیمت پر اس سے حاصل کر لے۔ منع کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فروخت کرنے والا دھوکہ دہی اور ضرر رسانی سے بچ جائے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ قافلوں کو جا کر ملنا جائز ہے (مذکورہ بالا حدیث اس مؤقف کی تردید کرتی ہے)۔(٤٧) البتہ دوسری حدیث کے یہ الفاظ ﴿ فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ ﴾ بتلاتے ہیں کہ یہ بیع صحیح ہے فاسد نہیں۔(٤٨) ''کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان نہ بیچے'' امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اجنبی آدمی دیہاتی سے یا دوسرے شہر سے ایسا ساز و سامان جس کی سبھی کو ضرورت ہے' اس روز کے نرخ کے مطابق فروخت کرنے کے لیے لے کر آتا ہے مگر اسے شہری کہتا ہے کہ اس سامان کو میرے پاس چھوڑ دو تا کہ میں اسے بتدریج اعلیٰ نرخ پر بیچ دوں۔(٤٩) اس حدیث کی وجہ سے جمہور علما اور امام شافعیؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ شہری کے لیے کسی بھی دیہاتی کا سامان بیچنا حرام ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ ایسا کرنا مطلقاً جائز ہے (ان کے نزدیک اس معنی کی تمام احادیث منسوخ ہو چکی ہیں)۔ واضح رہے کہ امام صنعانیؒ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ نسخ کا دعویٰ درست نہیں (کیونکہ بلا دلیل ہے)۔(٥٠) لہٰذا جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔(٥١)

801- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ ' وَلَا تَنَاجَشُوا ' وَلَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ ' وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ ' وَلَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَكْفَأَ مَا فِي إِنَائِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَلِمُسْلِمٍ : ((لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ الْمُسْلِمِ)) ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہری کو دیہاتی کا سامان فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور بیع نجش سے بچو اور کوئی آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ ہی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجے اور کوئی عورت اپنی بہن (یعنی دوسری عورت) کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تا کہ اس کا حصہ بھی خود ہی حاصل کر لے۔[بخاری، مسلم۔ مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ] ''کوئی مسلمان کسی مسلمان کے سودے پر سودا نہ کرے۔''

فھم الحدیث ''بیع پر بیع'' کی صورت یہ ہے کہ بیع خیار واقع ہو گئی ہے جتنی مدت اختیار کے لیے دی گئی تھی اس دوران ایک آدمی آ جاتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ تو اس سے سودے کو فسخ کر دے اور میں تمہیں اس سے ارزاں اور عمدہ و بہترین (چیز) فروخت کر دیتا ہوں اور جس طرح بیع پر بیع جائز نہیں اسی طرح شراء پر شراء (خریداری) جائز نہیں۔ اس کی

801- [بخاری (٢١٤٠) کتاب البیوع : باب لا یبیع علی بیع أخیه' مسلم (١٥١٥) نسائی (٢٥٨/٧)]

(٤٧) [نیل الأوطار (٥٣٩/٣)]
(٤٨) [تحفة الأحوذی (٤٦٧/٤) نیل الأوطار (٥٣٩/٣)]
(٤٩) [شرح مسلم للنووی (٤٢٥/٥)]
(٥٠) [فتح الباری (٣٧١/٤) تحفة الأحوذی (٤٦٩/٤)]
(٥١) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیل الأوطار (٥٣٧/٣) سبل السلام (١٠٨٢/٣)]

صورت یہ ہے کہ کوئی فروخت کرنے والے سے مدتِ خیار میں یوں کہے کہ تو یہ بیع فسخ کر دے میں تجھ سے یہی چیز اس سے زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔(٥٢) حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔(٥٣)''خِطبہ پر خطبہ'' یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ہاں پیغامِ نکاح بھیجے' پھر دونوں گھرانوں میں موافقت ہو جائے' صرف عقدِ نکاح باقی رہ جائے' تو کوئی اور آدمی بھی پیغامِ نکاح بھیج دے اور کہے کہ پہلے رشتے کو چھوڑ دو اور مجھ سے نکاح کر دو۔ یہ حرام ہے' دوسرے آدمی کو صرف اس صورت میں پیغام بھیجنے کی اجازت ہے جب پہلا آدمی رشتہ چھوڑ دے یا خود اس کی اجازت دے دے' جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے۔(٥٤) جمہور علماء اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں ممانعت حرمت کی متقاضی ہے۔(٥٥) ''کوئی عورت دوسری عورت کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے'' کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ عورت کسی مرد سے شادی کرنا چاہتی ہو تو اس سے اس کی پہلی بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرے۔ دوسرا یہ کہ عورت اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے۔ اس کا مقصد یہ ہو کہ سوکن کو شوہر کی طرف سے جو سہولیات اور اخراجات وغیرہ میسر ہیں وہ بھی اسے ہی مل جائیں۔ ایسا کرنا حرام ہے۔''سودے پر سودا کرنا'' کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کوئی چیز فروخت کرنا چاہتا ہو اور ایک شخص اس کا طلبگار ہو اور ان کے مابین قیمت طے ہو جائے لیکن ابھی بیع منعقد نہ ہوئی ہو تو ایک اور آدمی آ کر کہے کہ اس سے نہ لو میں تمہیں اس سے ارزاں قیمت پر یہی چیز دے دوں گا یا بائع کو کہے کہ تم یہ چیز مجھے دے دو میں تمہیں اس سے زیادہ قیمت ادا کر دوں گا۔ یہ عمل بھی حرام ہے۔

802- وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ وَلٰكِنْ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلَهُ شَاهِدٌ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے اور اس کے اعزاء و اقارب کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔'' [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، لیکن اس کی سند میں مقال ہے اور اس کا شاہد بھی موجود ہے۔]

803- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَبِيعَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ، فَبِعْتُهُمَا، فَفَرَّقْتُ بَيْنَهُمَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں دو غلام بھائیوں کو فروخت کر دوں' میں نے ان دونوں کو الگ الگ آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر آپ ﷺ سے اس کا

802- [حسن: صحیح ترمذی' ترمذی (١٢٨٣) كتاب البيوع: باب ما جاء في كراهية الفرق بين الأخوين' احمد (٤١٣/٥) دارمی (٢٤٧٩) حاكم (٥٥/٢) دارقطنی (٦٧/٣) بيهقی (١٢٦/٩) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

803- [احمد (٩٧/١-٩٨) دارقطنی (٦٥/٣-٦٦) حاكم (٥٤/٢) ابن الجارود (٥٧٥) طبرانی (١٠٧/٤) بيهقی (١٢٦/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت شواہد کی وجہ سے حسن ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٥٢) [سبل السلام (١٠٨٤/٣) نيل الأوطار (٥٤١/٣)] (٥٣) [فتح الباري (٨٨/٥)]

(٥٤) [بخاری (٥١٤٢) كتاب النكاح: باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أو يدع' نسائی (٧٣/٦) أحمد (٤٦٢/٢) حميدی (١٠٢٧) بيهقی (١٨٠/٧) شرح معانی الآثار (٤/٣)]

(٥٥) [نيل الأوطار (٨٠/٤) فتح الباري (٢٥٠/١٠) شرح مسلم (٢١٤/٥)]

لِلنَّبِيِّ ﷺ ' فَقَالَ : ((أَدْرِكْهُمَا فَارْتَجِعْهُمَا وَلَا تَبِعْهُمَا إِلَّا جَمِيعًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ ' وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَ الطَّبَرَانِيُّ وَ ابْنُ الْقَطَّانِ ۔

ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ان دونوں کو جا کر واپس لاؤ اور دونوں کو اکٹھا فروخت کرو۔'' [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن خزیمہ، ابن جارود، ابن حبان، حاکم، طبرانی اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت کرتے وقت ماؤں اور بچوں کے درمیان' اسی طرح بہنوں اور بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالنا حرام ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ باپ کو بھی ماں پر قیاس کیا جائے گا اور والدہ اور بچے پر تمام محارم کو قیاس کیا جائے گا۔ البتہ بعض نے کہا ہے کہ صرف نص پر توقف ہی بہتر ہے اس لیے صرف ماں اور بچوں اور بہنوں اور بھائیوں میں جدائی ہی ممنوع ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے تو کیا بیع منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیع منعقد نہیں ہوگی۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ بیع منعقد ہو جائے گی۔ راجح مؤقف امام شافعیؒ کا ہے کیونکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ﴿ وَرَدَّ الْبَيْعَ ﴾ ''آپ ﷺ نے بیع رد کر دی'' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بیع منعقد نہیں ہوگی۔ (٥٦)

804- وَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : غَلَا السِّعْرُ فِي الْمَدِيْنَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ' فَقَالَ النَّاسُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' غَلَا السِّعْرُ ' فَسَعِّرْ لَنَا ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ ' وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللّٰهَ تَعَالَى وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يُطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت مآب میں مدینہ میں اشیاء کے نرخ بڑھ گئے۔ لوگوں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اشیا کے نرخ بڑھ گئے ہیں آپ ہمارے لیے نرخ مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ہی نرخ متعین کرنے والا ہے' وہی گراں کرتا ہے اور وہی ارزاں وسستا کرتا ہے اور روزی دینے والا وہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے خون اور مال میں ظلم و ناانصافی کا مطالبہ نہ کرے۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح غَلَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب غَلَا يَغْلُو (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''بڑھ جانا' چڑھ جانا' اشیاء کا بھاؤ معمول سے زیادہ ہو جانا''۔ سَعِّرْ فعل امر کا صیغہ ہے' باب سَعَّرَ يُسَعِّرُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''نرخ مقرر کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نرخ مقرر کرنا حرام ہے۔ نرخ مقرر کرنے کی صورت یہ ہے کہ حکمران یا اس کا نائب یا کوئی بااختیار شخص تاجروں کو پابند کر دے کہ وہ اتنے نرخ سے زیادہ پر اپنی اشیاء فروخت نہ کریں۔ اس سے ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ تجار حضرات کو اگر ایک چیز تمام اخراجات ڈال کر گیارہ روپے کی پڑی ہے اور ریٹ دس روپے مقرر ہے تو انہیں نقصان اٹھانا

804- [**صحیح** : صحیح ابو داود' ابو داود (٣٤٥١) كتاب الإجارة : باب في التسعير' ترمذی (١٣١٤) ابن ماجه (٢٢٠٠) احمد ١٥٦/٣٠) دارمی (٢٥٤٥) ابن حبان (٤٩٣٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٥٦) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : تحفة الأحوذی (٥٧٢/٤) سبل السلام (١٠٨٦/٣) نيل الأوطار (٥٣٤/٣) المبسوط (١٤٠/١٣) مرقاة (٥٢٨/٦)]

پڑے گا اور دوسری طرف تاجر حضرات نقصان سے بچنے کے لیے اشیاء کو روک کر عوام کو ضروریات زندگی سے محروم کر دیں گے۔

805- وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ذخیرہ اندوزی صرف گناہگار ہی کرتا ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ذخیرہ اندوزی کا مفہوم حافظ ابن حجرؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ غلہ کو روک لینا' فروخت نہ کرنا' اس انتظار میں کہ نرخ چڑھیں' عوام کو اس کی شدید ضرورت ہو جبکہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا اس سے مستغنی ہو۔(۵۷) امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ جس ذخیرہ اندوزی کو حرام کیا گیا ہے وہ خوراک کے ساتھ خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص غلے کو مہنگائی کے وقت میں خرید لے اور اسے فروخت نہ کرے بلکہ ذخیرہ کر لے تا کہ اس کے نرخ مزید بڑھ جائیں۔ اگر کوئی شخص اسے (یعنی غلے کو) ان ایام میں خرید کر ذخیرہ کرے جن میں یہ سستا ہو یا اگر کوئی اسے مہنگائی کے وقت میں اپنی کھانے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے خریدتا ہے یا اسے فی الفور بیچنے کے لیے خریدتا ہے تو یہ ذخیرہ اندوزی نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی حرمت ہے۔(۵۸) جمہور علماء نے کہا ہے کہ صرف انسانوں اور حیوانوں کی خورد ونوش کی اشیاء میں ذخیرہ اندوزی حرام ہے۔ جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اشیائے خورد ونوش ہوں یا دیگر اشیاء ذخیرہ اندوزی سب میں حرام ہے۔(۵۹) یہی مؤقف اقرب الی الحدیث ہے۔(۶۰)

806- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا ' إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا ' وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَلِمُسْلِمٍ: ((فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ)) وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَلَّقَهَا الْبُخَارِيُّ: ((وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ ' لَا سَمْرَاءَ)) قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَالتَّمْرُ أَكْثَرُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے تھنوں میں دودھ کو روک کر نہ رکھو (اگر کسی نے دھوکہ میں آ کر) کوئی ایسا جانور خرید لیا تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دونوں اختیارات ہیں چاہے تو جانور کو رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور اس کے ساتھ دودھ کے بدلے دے دے۔" [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں ہے کہ] "اسے تین دن تک اختیار ہے۔" [اور مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے جسے بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے کہ] "اور وہ اس کے ساتھ ایک صاع گندم سے نہیں بلکہ خوراک سے واپس کرے۔" [بخاری نے کہا ہے کہ اکثر روایات میں کھجور کا ہی ذکر ہے۔]

805- [مسلم (۱۶۰۵) كتاب المساقاة : باب تحريم الحتكار في الأقوات ' ابو داود (۳۴۴۷) ترمذی (۱۲۶۷) ابن ماجه (۲۱۵۴) احمد (۴۵۳/۳) دارمی (۲۵۴۳) بيهقی (۲۹/۶)]

806- [بخاری (۲۱۴۸-۲۱۵۰) كتاب البيوع : باب النهي للبائع أن لا يحفل الإبل والبقر ' مسلم (۱۵۱۵-۱۵۲۴) ابو داود (۳۴۴۳-۳۴۴۴) ترمذی (۱۲۵۲) ابن ماجه (۲۲۳۹) نسائی (۲۵۳/۷) احمد (۲۴۲/۲)]

(۵۷) [فتح الباری (۸۱/۵)] (۵۸) [شرح مسلم (۴۳/۱۱)]

(۵۹) [شرح مسلم للنووی (۴۳/۱۱) سبل السلام (۱۰۹۰/۳) تحفة الأحوذی (۵۴۹/۴) ضوء النهار (۱۲۳۷/۳) مرقاة (۱۱۰/۶) البحر الزخار (۳۱۹/۳)]

(۶۰) [نيل الأوطار (۶۰۴/۳)]

لغوی توضیح لَا تُصَرُّوْا فعل نہی کا صیغہ ہے باب صَرَّى يُصَرِّيْ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "روکنا"۔ مراد ہے اونٹنی یا بکری وغیرہ کے تھنوں میں دودھ روک لینا' تا کہ اس کے تھن بڑے ہو جائیں اور خریدار کو یہ دھوکہ ہو جائے کہ یہ جانور تو بہت دودھ دینے والا ہے اور وہ اسے مہنگے داموں بھی خرید لے۔ سَمْرَاء گندم کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خریدار کو دھوکا دینے کے لیے اونٹنی یا بکری وغیرہ کا تھنوں میں دودھ روک لینا حرام ہے اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو پھر خریدنے والے کو اختیار ہو گا کہ یا تو وہ اس جانور کو رکھ لے یا پھر واپس بائع کو لوٹا دے اور ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے تا کہ جو دودھ حاصل کیا ہے اس کا عوض ہو جائے۔ ایک صاع کھجور دراصل بائع اور مشتری کے درمیان جھگڑا ختم کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے کیونکہ تھنوں میں خریدتے وقت کچھ دودھ رکا ہوا تھا اور کچھ خریدار کے پاس جا کر تیار ہوا' اب یہ تمیز مشکل ہے کہ کتنا دودھ جانور کے ساتھ خریدا ہے اور کتنا بعد میں تیار ہوا' اس مشکل کو ایک صاع کھجور مقرر کر کے حل کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ نیز جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے اور صحابہ وتابعین اور ان کے بعد والوں میں بھی اس فتوے کا کوئی مخالف موجود نہیں۔ البتہ احناف نے کہا ہے کہ اس عیب کی وجہ سے نہ تو بیع کو فسخ کرنے کا کوئی اختیار ہے اور نہ ہی کھجور کا ایک صاع لوٹانا واجب ہے۔ (٦١) اس حدیث کو رد کرنے کے لیے احناف نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں تھے اس لیے ان کی وہ روایت جو قیاسِ جلی کے خلاف ہو گی قابل قبول نہیں ہو گی۔ حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ احادیث کے حافظ تھے۔ علاوہ ازیں ان کے دعوے کا رد اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی نہ صرف روایت کیا ہے بلکہ اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے' جو ان کے نزدیک بھی فقہ اور اجتہاد میں امام تھے۔ (٦٢)

807- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ' وَزَادَ الْإِسْمَاعِيلِيُّ : ((مِنْ تَمْرٍ))۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے کوئی ایسی بکری خریدی جس کے تھنوں میں دودھ روک دیا گیا تھا' وہ اسے واپس کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ ایک صاع بھی واپس کرے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اسماعیلی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] کھجور سے (ایک صاع دے)۔

لغوی توضیح مُحَفَّلَة اسم مفعول کا صیغہ ہے باب حَفَّلَ يُحَفِّلُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "جانور کے تھنوں میں زیادہ دکھانے کے لیے دودھ روک دینا"۔

808- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ '

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غلے کے ڈھیر پر سے گزرے تو آپ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا'

807- [بخاری (٢١٤٩-٢١٦٤) كتاب البيوع : باب النهى للبائع أن لا يحفل الإبل والبقر والغنم]

808- [مسلم (١٠٢) كتاب الإيمان : باب قول النبى من غشنا فليس منا ' ابو داود (٣٤٥٢) ترمذی (١٣١٥) ابن ماجه (٢٢٢٤) احمد (٢٤٢) حاكم (٢/٨-٩) ابن حبان (٤٩٠٥) بيهقى (٣٢٠/٥)]

(٦١) [المغنى (٢١٦/٦) الإنصاف (٣٩٩/٤) بداية المجتهد (١٤٤/٢) المبسوط (٣٨/١٣) الأم (٨٢/٣) الحاوى (٢٣٦/٥)]

(٦٢) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح البارى (١٠٢/٥ - ١٠٦) نيل الأوطار (٥٩٨/٣) أعلام الموقعين (٣٠٢/٢)]

فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا، فَقَالَ: ((مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟)) قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: ((أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ؟ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا "اے غلے کے مالک! یہ کیا ہے؟" اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہ رکھا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جس نے دھوکہ دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح صُبْرَة ڈھیر کو کہتے ہیں خواہ غلے کا ہو یا کسی اور چیز کا۔ بَلَلًا کا معنی ہے "تری"۔ غَشَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب غَشَّ يَغُشُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "دھوکہ دینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت اور دیگر تمام معاملات میں دھوکہ دہی حرام ہے اور اس پر اتفاق ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بائع کے مال میں کوئی چیز عیب دار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ چیز اوپر اور سامنے رکھے تا کہ خریدنے والا اس کا عیب جاننے کے بعد اگر چاہے تو خرید لے اور اگر چاہے تو ترک کر دے۔ ﴿ فليس مني ﴾ کی تفسیر کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ سفیان بن عیینہؒ نے تو کہا ہے کہ اس کی تاویل سے بچ جانا چاہیے تا کہ یہ بات دلوں میں اتر جائے اور زجر و توبیخ میں بلیغ ثابت ہو' البتہ امام نوویؒ نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ "ایسا شخص ہدایت یافتہ لوگوں اور میرے علم و حسنِ طریق کی اقتداء کرنے والوں میں سے نہیں۔" (٦٣)

809- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقِطَافِ حَتّٰى يَبِيعَهُ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰى بَصِيرَةٍ)) رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے انگور اتارنے کے دنوں میں انہیں روک لیا حتی کہ انہیں کسی شراب بنانے والے کو فروخت کر دیا تو وہ جانتے بوجھتے آتشِ جہنم میں داخل ہو گیا۔" [اسے طبرانی نے اوسط میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حَبَسَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَبَسَ يَحْبِسُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "روک لینا"۔ الْعِنَبَ انگور کو کہتے ہیں۔ الْقِطَاف سے مراد وہ ایام ہیں جن میں درختوں کا پھل اتارا جاتا ہے۔ تَقَحَّمَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَقَحَّمَ يَتَقَحَّمُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے "اپنے آپ کو داخل کر لیا"۔ عَلٰى بَصِيرَةٍ کا معنی ہے جانتے ہوئے کہ اس عمل کی بنا پر میں جہنم میں داخل ہو جاؤں گا۔

فهم الحديث اس روایت سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ علم ہونے کے باوجود ایسے شخص کو انگور فروخت کرنا جو ان کی شراب بناتا ہے' حرام اور آتشِ جہنم میں داخلے کا موجب ہے۔ البتہ اگر اس بات کا علم نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اگرچہ یہ روایت سنداً کمزور ہے لیکن دیگر صحیح روایات سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔ نیز گناہ کے کام میں تعاون کی وجہ سے بھی یہ عمل حرام ہے جیسا

809- [ضعيف جدا: غاية المرام (٦٢) السلسلة الضعيفة (١٢٦٩) طبراني في الأوسط (٢٩٤/٥)' (٥٣٥٦)]

(٦٣) [دیکھئے: توضيح الأحكام (٣٣٦/٤)]

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدة : ۲] ''اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔''

810- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ((الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ ضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُودِ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَابْنُ الْقَطَّانِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نفع ضمانت کے ساتھ ہی ہے۔'' [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے، بخاری اور ابوداود نے اسے ضعیف جبکہ ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جارود، ابن حبان، حاکم اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْخَرَاجُ ایسے فوائد و منافع جو فروخت شدہ چیز سے حاصل ہوتے ہیں۔ بِالضَّمَانِ (یہ منافع) اُس کفالت و ذمہ داری کے عوض ہیں جو اُس پر لازم ہے۔ (٦٤) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی زمین خریدی اور اسے استعمال کیا یا جانور خریدا اور اس نے بچے کو جنم دیا یا جانور خریدا اور اس پر سوار ہوا یا غلام خریدا اس سے خدمت لی پھر اس میں کوئی نقص وعیب پایا تو اس کے لیے اس غلام کو واپس کرنے کی گنجائش ہے اور جتنا فائدہ اس سے حاصل کیا ہے اس کے عوض اس پر کوئی چیز نہیں۔ اس لیے کہ اگر یہ چیز فسخ اور عقد کی مدت کے درمیان تلف ہو جاتی تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوتی تو پھر اس کی آمدن کا بھی وہی حق دار ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم الخراج بالضمان کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ ''نفع کا حقدار وہی ہے جو نقصان کا ذمہ دار ہے۔''

فهم الحديث یہ فرمانِ نبوی جامع کلمات کی ایک عظیم مثال اور قواعدِ شرعیہ میں سے ایک اہم قاعدہ ہے جس سے اس قدر مسائل اخذ کیے جاتے ہیں کہ جن کا شمار محال ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ قاعدہ اُن تین اصولی قواعد میں سے ہے جو عہد رسالت میں ہی سامنے آگئے تھے۔ باقی دو قاعدے یہ ہیں: ﴿ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ ﴾ ''نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان اٹھاؤ۔'' اور ﴿ طَالِبُ الْوِلَايَةِ لَا يُوَلّٰى ﴾ ''حکومت کے طالب کو حکومت نہیں دی جائے گی۔''

811- وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِيَشْتَرِيَ بِهِ أُضْحِيَّةً أَوْ شَاةً فَاشْتَرَى بِهِ شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، فَكَانَ لَوِ اشْتَرَى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيهِ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَ قَدْ أَخْرَجَهُ

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیا تاکہ وہ اس کے ساتھ ایک قربانی یا بکری خریدیں' لیکن انہوں نے اس دینار کے ساتھ دو بکریاں خرید لیں اور ان دونوں میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت بھی کر دیا' پھر ایک دینار اور ایک بکری لے کر حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی' پھر اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی نفع اٹھاتے تھے۔

810- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (۳۵۰۸) كتاب الإجارة : باب فيمن اشترى عبدا فاستعمله ثم وجد به عيبا' ترمذی (۱۲۸۵ـ۱۲۸٦) نسائی (۲۰٤/۷) ابن ماجه (۲۲٤۲ـ۲۲٤۳) احمد (٤۹/٦) ابن حبان (٤۹۲۷) دارقطنی (۵۳/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

811- [بخاری (۳٦٤۲) كتاب المناقب : باب سؤال المشركين أن يريهم النبي آية' ابو داود (۳۳۸٤) ترمذی (۱۲۵۸) ابن ماجه (۲٤۰۲) احمد (۳۸۵/٤) دارقطنی (۱۰/۳)]

(٦٤) [نيل الأوطار (۵۹۵/۳)]

الْبُخَارِيُّ فِي ضِمْنِ حَدِيْثٍ وَ لَمْ يَسُقْ لَفْظَهُ ۔

[اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام بخاریؒ نے ایک حدیث کے ضمن میں اسے روایت کیا ہے اس کے الفاظ نقل نہیں فرمائے۔]

812- وَ أَوْرَدَ التِّرْمِذِيُّ لَهُ شَاهِدًا مِنْ حَدِيْثِ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور ترمذی نے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کا ایک شاہد بھی ذکر فرمایا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید وفروخت میں وکالت (کسی کو اپنا وکیل و نائب بنانا) جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بیع فضولی جائز ہے۔ بیع فضولی یہ ہے کہ کسی کی چیز بغیر اجازت فروخت کر دینا لیکن یہ مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی (یعنی اگر وہ علم ہونے کے بعد اسے قائم رکھے تو جائز ہے ورنہ نہیں)۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور احناف اس بیع کے جواز کے قائل ہیں۔(٦٥) شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ نے بھی کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ بیع فضولی جائز ہے۔(٦٦) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی کا فائدہ کرے تو اسے برکت کی دعا دینی چاہیے۔

813- وَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ شِرَاءِ مَا فِي بُطُونِ الْأَنْعَامِ حَتَّى تَضَعَ، وَعَنْ بَيْعِ مَا فِي ضُرُوعِهَا، وَعَنْ شِرَاءِ الْعَبْدِ وَهُوَ آبِقٌ، وَعَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتَّى تُقْسَمَ، وَعَنْ شِرَاءِ الصَّدَقَاتِ حَتَّى تُقْبَضَ، وَعَنْ ضَرْبَةِ الْغَائِصِ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَ الْبَزَّارُ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چوپایوں کے پیٹوں میں موجود بچوں کو ان کی پیدائش سے پہلے خریدنے، تھنوں میں پیدا شدہ دودھ کو (دوہنے سے پہلے) فروخت کرنے، بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے، تقسیم سے پہلے غنائم کو خریدنے، قبضے میں لینے سے پہلے صدقات کو خریدنے اور غوطہ خور کے ایک غوطہ کے معاوضے سے منع فرمایا ہے۔[اسے ابن ماجہ، بزار اور دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح بُطُوْن جمع ہے بَطْن کی اس کا معنی ہے "پیٹ"۔ تَضَعَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب وَضَعَ يَضَعُ (بروزن فتح) سے اس کا معنی ہے "حمل وضع کرنا یعنی بچہ جننا"۔ مَا فِيْ ضُرُوْعِهَا کا معنی ہے جو کچھ ان کے تھنوں میں ہے مراد ہے "دودھ"۔ آبِق "بھاگا ہوا"۔ الْمَغَانِم جمع ہے مَغْنَم کی مراد ہے مال غنیمت جو جنگ میں دشمن سے لڑائی کے بعد حاصل ہو۔ الْغَائِص غوطہ خور کو کہتے ہیں۔ غوطہ خور کے ایک غوطہ کا معاوضہ منع ہے سے مراد یہ ہے کہ غوطہ خور کہے میں سمندر یا دریا وغیرہ میں ایک غوطہ لگاؤں گا اور جو کچھ بھی نکل آیا وہ اتنی رقم کے عوض تمہیں دوں گا۔ یہ منع اس لیے ہے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے اور یہ معلوم نہیں کہ معین رقم کے عوض غوطہ خور کے ہاتھ کیا آتا ہے۔

812- [ضعيف : ضعيف ابو داود، ابو داود (٣٣٨٦) كتاب البيوع : باب في المضارب يخالف]

813- [ضعيف : ضعيف ابن ماجه، ابن ماجه (٢١٩٦) كتاب التجارات : باب النهي عن شراء ما في بطون الأنعام، احمد (٤٢/٣) دارقطني (١٥/٣) بيهقي (٣٣٨/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(٦٥) [مرقاة (٨٨/٦) تحفة الأحوذي (٤٩٠/٤) حاشية ابن عابدين (٤٧/٤) القوانين الفقهية (ص/٢٦٠)]

(٦٦) [كما في توضيح الأحكام (٣٤٤/٤)]

814- وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ فَإِنَّهُ غَرَرٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ ، وَ أَشَارَ إِلَى أَنَّ الصَّوَابَ وَقْفُهُ ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”پانی میں مچھلی مت خریدو کیونکہ اس میں دھوکہ ہے۔“ [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔]

815- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةٌ حَتَّى تُطْعِمَ ، وَلَا يُبَاعَ صُوفٌ عَلَى ظَهْرٍ ، وَلَا لَبَنٌ فِي ضَرْعٍ)) رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ ، وَ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ لِعِكْرِمَةَ ، وَ أَخْرَجَهُ أَيْضًا مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ ، وَرَجَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کے (پکنے اور) کھانے کے قابل ہونے سے پہلے انہیں فروخت کرنے سے، جانوروں کی پشت پر اُون فروخت کرنے سے اور تھنوں میں دودھ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [اسے طبرانی نے اوسط میں اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابوداود نے عکرمہ سے مراسیل میں روایت کیا ہے اور ابوداود نے اسے قوی سند کے ساتھ ابن عباس پر موقوفاً بھی روایت کیا ہے، بیہقی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔]

816- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمَضَامِينِ وَ الْمَلَاقِيحِ)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مضامین اور ملاقیح کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ [اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔]

لغوی توضیح مَضَامِیْن مضمونہ کی جمع ہے اس کا مطلب نر اونٹ وغیرہ کی پشت میں منی کے قطرات (جن سے بچے بنتے ہیں) ہے۔ اور مَلَاقِیْح ملقوحہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ بچے ہیں جو مادہ جانوروں کے پیٹوں میں ہیں۔ (٦٧) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بیع مضامین اور ملاقیح کو بیع غرر میں شمار کیا ہے۔ (٦٨)

فهم الحديث مذکورہ بالا چاروں روایات میں جن بیوع سے منع کیا گیا ہے ان سب میں ممانعت کا بنیادی سبب غرر ودھوکہ ہے، کیونکہ یہ کسی کو علم نہیں کہ جانوروں کے پیٹوں میں نر ہے یا مادہ، کمزور ہے یا صحت مند، تھنوں میں دودھ کم ہے یا زیادہ، بھاگا ہوا غلام واپس آئے گا یا نہیں، غوطہ خور قیمتی چیز لائے گا یا سستی، پانی میں مچھلی کم ہے یا زیادہ، قیمتی ہے یا سستی وغیرہ وغیرہ۔ واضح رہے کہ حرام تجارت کے اولین اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس تجارت میں دھوکہ ہوگا وہ حرام ہوگی۔ لہٰذا

814- [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (٦٢٣١) احمد (٣٨٨/١) بیهقی (٣٤٠/٥) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو مرفوعاً ضعیف۔ اور موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

815- [طبرانی فی الأوسط (١٠١/٤) دارقطنی (١٤/٣) ابو داود فی المراسیل (١٨٢) بیهقی (٣٤٠/٥) مسند شافعی (٥٠٢) ابن أبی شیبة (٢١٩١٧) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل صحیح، جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرفوعاً ضعیف اور موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

816- [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٦٩٣٧) بزار فی کشف الأستار (١٢٦٧) تلخیص الحبیر (٢٥/٣) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔]

(٦٧) [سبل السلام (١١٠٥/٣) المسوی (٢٣/٢)] (٦٨) [دیکھئے: توضیح الأحکام (٣٥٥/٤)]

ان بیوع کے علاوہ بھی جس بیع میں دھوکہ ہوگا وہ حرام ہی ہوگی۔ اگر چہ مذکورہ بالا بعض روایات میں ضعف ہے لیکن بیع غرر سے ممانعت صحیح حدیث سے ثابت ہے' جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ﴿ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ ﴾ ''نبی ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔''(٦٩)

817- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا بَيْعَتَهُ أَقَالَ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جو کسی مسلمان کی بیع کو فسخ کر دے اللہ تعالیٰ اس کی لغزشیں معاف فرمائے۔'' [اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَقَالَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَقَالَ يُقِيلُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''بیع فسخ کر دینا''۔ عَثْرَة کا معنی ہے ''کوتاہیاں' خطائیں اور لغزشیں وغیرہ''۔ اِقَالَه کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص کچھ خریدنے کے بعد اس کی ضرورت محسوس نہ کرے اور اسے واپس کرنا چاہے تو بائع وہ چیز واپس لے کر قیمت خریدار کو واپس کر دے۔ چونکہ یہ بائع کا (عقد مکمل ہونے کے بعد) خریدار پر احسان ہے اس لیے اس احسان کے بدلے میں اس کے لیے آپ ﷺ نے دعائے مغفرت فرمائی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقالہ جائز و مستحب ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ چیز واپس لیتے ہوئے قیمت کم دینا یا خریدار کی دی ہوئی چیز کی جنس کے بدلے کسی اور کم تر جنس کی چیز واپس دینا جائز نہیں' کیونکہ اقالہ کا مقتضی ہی یہ ہے کہ معاملہ اسی حالت پر لوٹا دیا جائے جس پر بیع سے پہلے تھا۔

باب الخيار — بیع میں اختیار کا بیان

818- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعًا أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ ' فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلَى ذَلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ ' وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب دو آدمی آپس میں بیع کریں اور وہ اکٹھے ہوں تو جب تک دونوں جدا نہ ہو جائیں انہیں اختیار ہے یا ان دونوں میں سے ایک دوسرے کو اختیار دے دے' اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کو اختیار دے دے پھر وہ اس پر بیع کر لیں تو بیع پختہ ہو گئی اور اگر وہ بیع کرنے کے بعد جدا ہو جائیں اور ان میں سے کوئی بھی بیع کو ترک نہ کرے تو بیع واجب ہو گئی۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

817- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٣٤٦٠) كتاب الإجارة : باب في فضل الإقالة' ابن ماجه (٢١٩٩) ابن حبان (١١٠٣) حاكم (٤٥/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

818- [بخاری (٢١١٢) كتاب البيوع : باب إذا خير أحدهما صاحبه' مسلم (١٥٣١) ابو داود (٣٤٥٤) ترمذی (١٢٤٥) ابن ماجه (٢١٨١) نسائی (٢٤٨/٧) احمد (٥٦/١) مالك (٦٧١/٢) دارقطنی (٥/٣) بيهقی (٢٦٨/٥)]

(٦٩) [مسلم (١٥١٣) كتاب البيوع : باب بطلان بيع الحصاة ' ابو داود (٣٣٧٦) ترمذی (١٢٣٠) نسائی (٢٦٢/٧) ابن ماجة (٢١٩٤) أحمد (٢٧٦/٢) دارمی (٢٥١/٢) ابن الجارود (٥٩) دارقطنی (١٥/٣) بيهقی (٢٦٦/٥) شرح السنة (٢٩٧/٤)]

لغوی توضیح اَلْخِيَار کا معنی ہے "اختیار" مراد ہے "بیع کو جاری کرنے یا فسخ کرنے کا اختیار"۔ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا "جب تک دونوں جدا نہ ہو جائیں"۔ بظاہر ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جدائی سے مراد جسمانی جدائی ہے محض بات ختم ہونا مراد نہیں۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ یہاں تفرق (جدائی) سے مراد تفرق بالابدان (یعنی جسمانی جدائی) ہے یا تفرق بالاقوال (یعنی گفتگو کا اختتام)۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابوثورؒ اور امام ابن حزمؒ تفرق بالابدان کے قائل ہیں (یعنی بائع اور مشتری بیع کا معاملہ طے کرنے کے بعد جب تک ایک مجلس میں رہیں انہیں فسخ کا اختیار ہے)۔ جبکہ احناف اور مالکیہ (سوائے ابن حبیب کے) تفرق بالاقوال کے قائل ہیں (یعنی بائع اور مشتری کے درمیان بات مکمل ہوتے ہی اختیار ختم ہو جائے گا اگر چہ وہ ابھی ایک ہی مجلس میں ہوں)۔ (۷۰) راجح موقف امام شافعیؒ وغیرہ کا ہے کیونکہ حدیث کے واضح الفاظ اسی کی تائید کرتے ہیں۔ (۷۱)

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بائع اور مشتری ایک ہی مجلس میں ہوں انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے اور جب وہ جدا ہو جائیں تو پھر یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے اور بیع پختہ ہو جاتی ہے۔

819- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الْبَائِعُ وَ الْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَهْ، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُودِ، وَفِي رِوَايَةٍ: ((حَتَّى يَتَفَرَّقَا عَنْ مَكَانِهِمَا))۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بائع اور مشتری جب تک جدا نہ ہوں انہیں اختیار ہے الا کہ اختیار والا سودا ہو اور سودا واپس کرنے کے اندیشے سے جلدی جدا ہو جانا حلال نہیں۔[اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی، دارقطنی، ابن خزیمہ اور ابن جارود نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ] "جب تک وہ اپنی جگہ سے الگ نہ ہو جائیں۔"

لغوی توضیح صَفْقَة سے مراد ہے "سودا"۔ يَسْتَقِيل فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِسْتَقَالَ يَسْتَقِيلُ (بروزن استفعال) سے اس کا معنی ہے "سودا واپس کرنا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سودا اختیار والا ہو تو بائع اور مشتری کے جدا ہونے کے بعد بھی بیع فسخ کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے۔ اختیار والے سودے سے مراد یہ ہے کہ بیع کے وقت بائع نے مشتری کو اختیار دیا ہو یا مشتری نے اختیار کی شرط لگائی ہو تو پھر مقررہ مدت پوری ہونے تک دونوں کو اختیار ہوتا ہے چاہے وہ بیع فسخ کر دیں اور چاہے منعقد کر دیں۔

820- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی (حبان بن

819- [حسن : صحيح ابو داود، ابو داود (٣٤٥٦) كتاب الإجارة : باب في خيار المتبايعين، ترمذى (١٢٤٧) نسائى (٧/٢٥١) احمد (٢/١٨٣) دارقطنى (٣/٦) ابن الجارود (٦٢٠) بيهقى (٥/٢٧١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

820- [بخارى (٢١١٧) كتاب البيوع : باب ما يكره من الخداع في البيع، مسلم (١٥٣٣) ابو داود (٣٥٠٠) نسائى (٧/٢٥٢) احمد (٢/٤٤) مالك (٢/٦٨٥)]

(۷۰) [ترمذى : كتاب البيوع : باب ما جآء البيعان بالخيار مالم يتفرقا، ابن أبي شيبة (٢٢٥٧٤) فتح البارى (٥/٥٧) تحفة الأحوذى (٤/٥١٣) المغنى (٦/١٠) بداية المجتهد (٢/١٤٠) الأم (٣/٤-٥) الحاوى (٥/٢٢) المبسوط (١٣/١٧)]

(۷۱) [مزید دیکھئے : فتح البارى (٥/٥٧) تحفة الأحوذى (٤/٥١٤) نيل الأوطار (٣/٥٦١)]

ذَكَرَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ: ((إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

منقذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ اسے بیع میں دھوکہ دیا جاتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تم بیع کرو تو کہہ دیا کرو: کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔'' [بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع کرتے وقت دھوکہ نہ دینے کی شرط لگائی جا سکتی ہے۔ اس حدیث سے خیارِ غبن بھی ثابت کیا جاتا ہے' یعنی اگر کسی کو خرید و فروخت میں دھوکہ ہو جائے تو اسے بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اس اختیار کے قائل ہیں جبکہ جمہور علماء اس اختیار کے قائل نہیں۔ انہوں نے بیع نافذ ہونے کے دلائل کے عموم سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث کو حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی خاص قرار دیا ہے۔

باب الربا — سود کا بیان

821- عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ)) وَقَالَ: ((هُمْ سَوَاءٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

822- وَلِلْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

اور بخاری میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح حدیث مروی ہے۔

823- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ بَابًا، أَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ مُخْتَصَرًا، وَالْحَاكِمُ بِتَمَامِهِ وَصَحَّحَهُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''سود کے تہتر (73) درجے ہیں' سب سے کم درجہ اس گناہ کی طرح ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں سے نکاح کرلے اور سب سے بڑا سود کسی مسلمان آدمی کی عزت (پامال کرنا) ہے۔'' [اسے ابن ماجہ نے مختصر اور حاکم نے مکمل روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح رِبَا مصدر ہے باب رَبَىٰ يَرْبُو (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''زیادتی اور سود''۔ سود کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے ''سود ایسا زائد مال ہے جو شرعی معیار کے مطابق کسی عوض سے خالی ہو اور دو بیع کرنے والوں میں سے کسی ایک کے لیے معاوضہ میں مشروط ہو۔'' (۷۲) بعض نے سود کی تعریف یہ کی ہے ''خرید و فروخت میں جنس کے

821- [مسلم (۱۵۹۸) كتاب المساقاة: باب لعن آكل الربا وموكله' احمد (۳۰٤/۳) ابن الجارود (٦٤٦) بيهقى (۲۷٥/٥)]

822- [بخارى (۲۰۸٦) كتاب البيوع: باب موكل الربا' احمد (۳۰۸/٤) بيهقى (۹/٦)]

823- [صحيح: صحيح الجامع الصغير (۳۵۳۹) ابن ماجه (۲۲۷٥) كتاب التجارات: باب التغليظ فى الربا' حاكم (۳۷/۲) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۷۲) [القاموس الفقهى (ص/۱٤۳)]

تبادلہ کے وقت زیادہ مقدار حاصل کرنا اور ہر قسم کی حرام بیع پر بھی سود کا اطلاق ہوتا ہے۔"(۷۳) سود کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔(۷۴) حرمتِ سود سے متعلقہ چند آیات یہ ہیں: ① ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ [البقرة : ۲۷۵] "اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔" ② ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ [البقرة : ۲۷۵] "سود خور لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے۔" ③ ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ [البقرة : ۲۷۸۔ ۲۷۹] "اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" أَيْسَرُهَا کا معنی ہے "گناہ میں سب سے کم درجہ"۔ أَرْبَى الرِّبَا کا معنی ہے "سب سے بڑا اور عظیم"۔ عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ "مسلمان آدمی کی عزت و آبرو پامال کرنا" یعنی اس کے پیچھے اس کے خلاف ایسی باتیں کرنا جو اس میں نہیں یا اس کی چغلی کرنا' بہتان باندھنا' غیبت کرنا' اس کے عیب بیان کرنا' الغرض کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اس کی عزت پر حرف آئے۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کھانا' کھلانا' لکھنا اور اس کی گواہی وغیرہ سب حرام ہے اور یہ سب لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سود کے مختلف مراتب و درجات ہیں اور سب سے ہلکا درجہ گناہ میں اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے مترادف ہے' اسی سے سود کی شناعت و قباحت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس لیے سود سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ نیز اس ضمن میں یہ فرمانِ نبوی بھی یاد رہنا چاہیے کہ "جس قوم میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے وہ اپنے آپ پر اللہ کا عذاب حلال کر لیتے ہیں۔"(۷۵) علاوہ ازیں یہ بھی یاد رہے کہ سود کھانے والے کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ حرام کھا رہا ہوتا ہے اور فرمانِ نبوی کے مطابق قبولیتِ دعا کے لیے حرام سے اجتناب شرط ہے (۷۶) اس طرح سود کھانے والا قبولیتِ دعا سے محروم ہو کر اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے ہی تعلق ٹوٹ جائے تو پھر مشکلات میں انسان کے اور کون کام آئے گا۔

824- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ ' وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ ' وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سونے کو سونے کے بدلے مت بیچو الا کہ برابر برابر ہو اور ایک دوسرے کے وزن میں (کمی) بیشی نہ کرو اور چاندی کو چاندی کے بدلے نہ بیچو الا کہ برابر برابر ہو اور ایک دوسرے کے وزن میں (کمی) بیشی نہ کرو اور ان میں سے غائب چیز کو حاضر کے بدلے نہ بیچو۔" [بخاری، مسلم]

824- [بخاری (۲۱۷۷) كتاب البيوع : باب بيع الفضة بالفضة ' مسلم (۱۵۸٤) ترمذی (۱۲٤۱) نسائی (۲۷۸/۷) مالك (۶۳۲/۲)]

(۷۳) [فتح الباری (۳٦/۵) سبل السلام (۱۱۱۲/۳)]
(۷٤) [موسوعة الإجماع (٤۲۹/۱)]
(۷۵) [حسن لغيره : صحيح الترغيب (۱۸٦۰) كتاب البيوع : باب الترهيب من الربا ' مسند أبي يعلى (٤۹۸۱)]
(۷٦) [مسلم (۱۰۱۵) كتاب الزكاة : باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها ' ترمذی (۲۹۸۹) كتاب تفسير القرآن: باب ومن سورة البقرة ' احمد (۸۳۵٦)]

لغوی توضیح مِثْلًا بِمِثْلٍ کا معنی ہے "برابر برابر"۔ لَا تُشِفُّوْا فعل نہی کا صیغہ ہے اشفاف (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے "زیادتی کرنا" مراد یہ ہے کہ سونے کو سونے کے بدلے فروخت کرتے ہوئے کسی ایک جانب بھی سونے کی مقدار و وزن میں اضافہ نہ ہو۔ غَائِبًا جو چیز سودا کرتے ہوئے وہاں موجود نہ ہو۔ نَاجِز کا معنی "حاضر و موجود" ہے۔

825- وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے بدلے گندم گندم کے بدلے جو جو کے بدلے کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر اور نقد بنقد (فروخت کیا جائے)۔ اگر اجناس مختلف ہوں تو پھر جیسے چاہو فروخت کرو بشرطیکہ قیمت کی ادائیگی نقد بنقد ہو۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح يَدًا بِيَدٍ سے مراد ہے دونوں طرف سے قیمت نقد ادا کی جائے۔

826- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سونا سونے کے بدلے وزن اور معیار میں برابر ہو اور چاندی چاندی کے بدلے وزن اور معیار میں برابر ہو، پس جو زیادہ دے یا زیادہ طلب کرے تو یہ سود ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح زَادَ کا معنی ہے جو زیادہ دے اور اسْتَزَادَ کا معنی ہے جو زیادہ طلب کرے، مراد یہ ہے کہ زیادہ دینے والا اور زیادہ طلب کرنے والا دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

فهم الحديث جمہور فقہاء نے سود کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ① ربا الفضل: ایک جنس کی دو اشیا کو کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا۔ ② ربا النسیئہ: اُس میں کمی بیشی تو نہ ہو لیکن ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار کا معاملہ ہو۔ (۷۷) مذکورہ بالا احادیث میں سود کی ان دونوں قسموں کی حرمت موجود ہے۔ واضح رہے کہ دوسری حدیث میں جن چھ اجناس کا ذکر ہے ان میں تفاضل اور نسیئہ کی حرمت پر اتفاق ہے، جیسا کہ امام ابن حزمؒ وغیرہ نے نقل فرمایا ہے۔ (۷۸) البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ ان چھ اجناس کے علاوہ دیگر اجناس (مثلاً چاول اور دالیں وغیرہ) کو بھی حکم میں ان کے ساتھ ملایا

825- [مسلم (۱۵۸۷) كتاب المساقاة: باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ابو داود (۳۳۴۹-۳۳۵۰) ترمذی (۱۲۴۰) نسائی (۲۷۴/۷) ابن ماجه (۲۲۵۴) احمد (۳۱۴/۵)]

826- [مسلم (۱۵۸۸) كتاب المساقاة: باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، ابن ماجه (۲۲۵۵) نسائی (۲۷۸/۷) احمد (۲۶۱/۲)]

(۷۷) [المغنی (۱/٤) أعلام المؤقعين (۱۳۵/۲) بداية المجتهد (۱۲۹/۲) بدائع الصنائع (۸۳/۵)]

(۷۸) [المحلی (٤٦٨/٨)]

جائے گا یا نہیں، یعنی دیگر اجناس بھی برابر برابر اور نقد بنقد ہی فروخت کرنا لازم ہے یا نہیں۔ تو امام ابن حزمؒ اور اہل ظاہر نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ حدیث میں مذکور صرف چھ اجناس میں ہی سود ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔ جبکہ جمہور علماء کا کہنا ہے کہ ان چھ اجناس کے علاوہ جہاں بھی سود کی علت پائی جائے گی وہ سود ہی ہوگا۔ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ سود کی حرمت صرف خوراک کے ساتھ ہی خاص ہے۔ (۷۹) اہل ظاہر کا مؤقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ دوسری اجناس کو حکم میں ان چھ کے ساتھ ملانے کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔ امام شوکانیؒ (۸۰)، نواب صدیق حسن خانؒ (۸۱) اور امام بغویؒ (۸۲) بھی اسی کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اجناس مختلف ہوں تو پھر کمی بیشی جائز ہے بشرطیکہ ان کی قیمت نقد ادا کی جائے۔

827- وَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا ؟)) فَقَالَ: لَا وَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هَذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا)) وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مِثْلَ ذَلِكَ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ لِمُسْلِمٍ: ((وَ كَذَلِكَ الْمِيزَانُ)) ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر کا عامل مقرر فرمایا۔ پس وہ آپ ﷺ کے پاس بہت عمدہ کھجوریں لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟'' اس نے عرض کیا، نہیں۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم ان کھجوروں کا ایک صاع دوسری کھجوروں کے دو صاع اور کبھی تین صاع کے عوض حاصل کرتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا نہ کیا کرو، ردی کھجوریں دراہم کے بدلے فروخت کیا کرو اور پھر دراہم کے بدلے ہی عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو اور فرمایا تولی جانے والی چیزیں بھی اسی طرح ہیں۔'' [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں ہے کہ] ''اور اسی طرح تولی جانی والی اشیاء ہیں۔''

لغوی توضیح اسْتَعْمَلَ رَجُلًا آپ ﷺ نے ایک آدمی کو عامل مقرر فرمایا۔ اس آدمی کا نام سواد بن غزیہ بیان کیا جاتا ہے۔ جَنِيب عمدہ اور بہترین۔ جَمْع ردی اور گھٹیا۔ فِي الْمِيزَانِ مِثْلَ ذَلِكَ سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی جنس کی اشیاء (چھ ربوی اجناس میں سے) باہم کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں خواہ وہ معیار میں مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر ان کے معیار میں کمی بیشی ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ گھٹیا اشیاء کو رائج الوقت کرنسی کے بدلے فروخت کر دیا جائے اور پھر عمدہ اشیاء کرنسی کے بدلے ہی خرید لی جائیں۔

827- [بخاری (۲۳۰۲-۲۳۰۳) كتاب الوكالة: باب الوكالة فى الصرف والميزان، مسلم (۱۵۹۳) نسائی (۲۷۱/۷) مالك (۶۲۳/۲)]

---

(۷۹) [روضة الطالبين (۴۰/۳) الفقه الإسلامى وأدلته (۳۷۰۶/۵) سبل السلام (۱۱۱۹/۳) بداية المجتهد (۲۲۷/۲) الحاوى (۸۲/۵) أعلام الموقعين (۱۳۶/۲)]

(۸۰) [السيل الجرار (۶۴/۳-۶۵)]

(۸۱) [الروضة الندية (۲۳۵/۲)]

(۸۲) [شرح السنة (۵۷/۸)]

828- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيلُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے ایسے ڈھیر کو' جس کا ماپ (وزن) معلوم نہ ہو' کھجوروں کے معین ماپ (وزن) کے بدلے میں فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الصُّبْرَة ڈھیر کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی بھی چیز کا ہو۔

829- وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: إِنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ)) وَكَانَ طَعَامُنَا يَوْمَئِذٍ الشَّعِيرَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ ''غلہ غلے کے بدلے برابر برابر (فروخت کیا جائے)''۔اس وقت ہمارا غلہ جو تھے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ان احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ چھ ربوی اجناس کا باہم تبادلہ برابر برابر ہونا چاہیے' ان میں کمی بیشی جائز نہیں۔ کھجوروں کے نامعلوم وزن کے ڈھیر کو کھجوروں کے معین وزن کے ڈھیر کے بدلے فروخت کرنے سے بھی اسی لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں کمی بیشی کا احتمال ہے اور کسی کو بھی نقصان ہو سکتا ہے۔

830- وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا' فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنَ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا' فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((لَا تُبَاعُ حَتّٰى تُفَصَّلَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کے روز ایک ہار بارہ دینار کا خریدا' اس میں سونا اور پتھر کے نگینے تھے۔ میں نے ان کو الگ کر دیا تو میں نے اس میں بارہ دینار سے زیادہ (سونا) پایا۔ میں نے اس کا ذکر نبی ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا'' جب تک ان کو الگ الگ نہ کر لیا جائے فروخت نہ کیا جائے۔''[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح قِلَادَة ہار کو کہتے ہیں جسے گلے میں پہنا جاتا ہے۔خَرَزٌ جمع ہے خَرَزَة کی' اس کا معنی ہے ''عمدہ پتھر''۔ فَصَّلْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب فَصَّلَ يُفَصِّلُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''علیحدہ علیحدہ کرنا' جدا جدا کرنا وغیرہ''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سونے کے ساتھ کوئی اور چیز ملی ہوئی ہو تو اسے سونے کے بدلے میں اس وقت تک فروخت کرنا جائز نہیں جب تک اسے الگ کر کے سونے کا صحیح وزن معلوم نہ کر لیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور امام محمد بن حکم مالکیؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ احناف کسی دوسری جنس کے ملنے سے کمی بیشی

828- [مسلم (١٥٣٠) كتاب البيوع : باب تحريم بيع صبرة التمر' نسائی (٢٧٠/٧) حاكم (٣٨/٢)]

829- [مسلم (١٥٩٢) كتاب المساقاة : باب بيع الطعام مثلا بمثل' احمد (٤٠٠/٦) دارقطنی (٣٤/٣) بيهقی (٢٨٣/٥)]

830- [مسلم (١٥٩١) كتاب المساقاة : باب بيع القلادة فيها خرز وذهب' ابو داود (٣٣٥٢) ترمذی (١٢٥٥) نسائی (٢٧٩/٧) احمد (٢١/٦) دارقطنی (٣/٣) بيهقی (٢٩١/٥)]

کے قائل ہیں اگر چہ علیحدہ سونا' ہار وغیرہ کے سونے سے زیادہ مقدار میں ہو۔ (۸۳) بلاتردد پہلا موقف ہی راجح ہے۔ (۸٤)

831- وَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ الْجَارُوْدِ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حیوان کے بدلے حیوان کو اُدھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح نَسِيئَة سے مراد اُدھار ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کے بدلے حیوان کی اُدھار بیع جائز نہیں۔ لیکن آئندہ حدیث نمبر 835 اس کے مخالف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء نے حیوان کی حیوان کے بدلے بیع ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ مطلق طور پر جائز قرار دی ہے۔ انہوں نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو غلاموں کے عوض ایک غلام خریدا۔ (۸۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دحیہ کلبی سے سات غلاموں کے عوض خریدا۔ (۸٦) امام مالکؒ نے جنس مختلف ہونے کی شرط لگائی ہے اور احناف اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اُدھار کے ساتھ یہ بیع کرنا مطلق طور پر ممنوع ہے۔ (۸۷) جمہور کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ (۸۸)

832- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ)) رَوَاهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے' بیلوں کی دُمیں پکڑ لو گے' کھیتی باڑی میں ہی راضی ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دیں گے اور اس ذلت کو تم سے اس وقت تک دور نہیں کریں گے جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہ آؤ۔''

831- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۳۳۵٦) كتاب البيوع: باب في الحيوان بالحيوان نسيئة' ترمذی (۱۲۳۷) نسائی (۲۹۲/۷) ابن ماجه (۲۲۷۰) احمد (۱۲/۲) دارمی (۲۵٦٤) بيهقی (۲۸۸/۵) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

832- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۳٤٦۲) كتاب الإجارة: باب في النهي عن العينة' احمد (۲۸/۲) بيهقی (۲۸۸/۵) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

---

(۸۳) [حلية العلماء (۱۷۰/٤) الحاوی (۱۱۳/۵) المبسوط (۱۱۸/۱۲) حاشية الدسوقی (۲۹/۳) المغنی (۹۲/٦) بداية المجتهد (۱۱٥/۲)]

(۸٤) [دیکھئے: تلخيص الحبير (۲۰/۳)]

(۸۵) [مسلم (۱٦۰۲) كتاب المساقاة: باب جواز بيع الحيوان' ابو داود (۳۳۵۸) ترمذی (۱۲۳۹) ابن ماجة (۲۸٦۹) أحمد (۳٤۹/۳) بيهقی (۲۸٦/۵)]

(۸٦) [أحمد (۱۲۳/۳) مسلم (۱۳٦۵) ابو داود (۲۹۹۷) ابن ماجة (۲۲۷۲) بيهقی (۲۸۷/۵)]

(۸۷) [حلية العلماء (۱۵٤/٤) الحاوی (۱۰۰/۵) المبسوط (۱۲۲/۱۲) الهداية (٦۲/۳) المغنی (٦٤/٦) سبل السلام (۵۱/۳)]

(۸۸) [سبل السلام (۱۱۳٦/۳)]

أَبُوْ دَاوُدَ مِنْ رِوَايَةِ نَافِعٍ عَنْهُ، وَ فِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلِأَحْمَدَ نَحْوُهُ مِنْ رِوَايَةِ عَطَاءٍ وَ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ۔

[اسے ابوداود نے نافع عن ابن عمر نقل کیا ہے اور اس کی سند میں مقال ہے اور احمد نے عطاء سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح بیع عینہ یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز مقررہ قیمت پر معین وقت تک کے لیے فروخت کرے جب یہ معین میعاد پوری ہو جائے تو خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے کہ زائد رقم اس کے ذمہ باقی رہ جائے۔ اس کا نام عینہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ فروخت کردہ چیز (بعینہ) وہی ہے اور اسی حالت میں حاصل ہو جاتی ہے اور اصل مال خریدار سے لوٹ کر فروخت کنندہ کے پاس پھر پہنچ جاتا ہے۔ (۸۹)

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع عینہ جائز نہیں۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ شافعیہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ (۹۰) راجح مؤقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے۔ چونکہ اس بیع میں سود کو جائز کرنے کا حیلہ کیا جاتا ہے اس لیے یہ ناجائز ہے۔ امام ابن قیمؒ نے بھی اس بیع کی حرمت کو دلائل کے ساتھ آشکار کیا ہے۔ (۹۱) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی معاملات میں مشغولیت اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دینا باعث ذلت ورسوائی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے کفار کے خلاف علم جہاد بلند کیے رکھا وہ باعزت رہے اور جب اسے چھوڑ دیا تو زوال وذلت ان کا مقدر بن گئی اور اس کی واضح مثال عصر حاضر میں مسلمانان عالم کی حالت زار ہے۔

833- وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ شَفَاعَةً، فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً، فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَ فِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جس نے اپنے بھائی کی سفارش کی پھر اس نے اسے ہدیہ دیا اور اس نے قبول کر لیا تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک عظیم دروازے پر پہنچ گیا۔“ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مقال ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث میں سفارش کے بدلے میں ملنے والے تحفے کو سود کہا گیا ہے۔ اس کا سبب اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ جیسے سود بلا معاوضہ حاصل ہونے والے مال کا نام ہے اسی طرح یہ تحفہ بھی سفارش کے بدلے بلا معاوضہ حاصل کیا گیا ہے اس لیے یہ بھی سود کی طرح حرام ہے۔

834- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

833- [حسن: صحيح ابو داود، ابو داود (۳۵۴۱) كتاب الإجارة: باب فى الهدية لقضاء الحاجة، احمد (۲۶۱/۵) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

834- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (۳۵۸۰) كتاب الأقضية: باب فى كراهية الرشوة، ترمذى (۱۳۳۷) ابن ماجه (۲۳۱۳) احمد (۱۶۴/۲) طيالسى (۲۲۷۶) ابن حبان (۵۰۷۷) حاكم (۱۰۲/۴) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۸۹) [اتحاف الكرام شرح بلوغ المرام (۵۵۱/۲) مزید دیکھئے: سبل السلام (۱۱۳۲/۳)]

(۹۰) [روضة الطالبين (۸۱/۳) الأم (۴۸/۳) المغنى (۲۶۰/۶) كشاف القناع (۱۸۵/۳) الهداية (۴۷/۳)]

(۹۱) [كما فى نيل الأوطار (۵۸۸/۳)]

اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ۔

اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الرَّاشِي رشوت دینے والا۔ الْمُرْتَشِي رشوت لینے والا۔ باب رَشَا يَرْشُو رِشْوًا (بروزن نصر) کا معنی ہے "رشوت دینا"۔ رشوت سے مراد ہے باطل طریقے سے کوئی چیز حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرنا۔ اس صورت میں رشوت دینا اور لینا دونوں (کام) حرام ہیں۔ لیکن اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر انسان اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو ہٹانے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرے تو پھر دینے والے کے حق میں یہ رشوت نہیں بلکہ لینے والے کے حق میں رشوت ہوگی۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رشوت دینے والا اور لینے والا ملعون ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رشوت دینا اور لینا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ لعنت صرف کسی کبیرہ گناہ پر ہی ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ حکمران کے لیے رشوت قبول کرنا جائز نہیں خواہ وہ حق کے مطابق فیصلہ کرے یا باطل کے حق میں اور اگر اس نے رشوت یا ہدیہ قبول کر لیا کہ جس کا قبول کرنا اس پر حرام تھا تو اس پر اسے واپس لوٹانا واجب ہے۔(۹۲)

835- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشًا فَنَفِدَتِ الْإِبِلُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ فِي قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ)) فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَ الْبَيْهَقِيُّ وَ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ ختم ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کو صدقہ کے اونٹوں پر (اُدھار اونٹ) لینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ راوی کہتا ہے کہ میں ایک اونٹ صدقہ کے دو اونٹوں کے بدلہ میں لیتا تھا۔[اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح يُجَهِّزُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب جَهَّزَ يُجَهِّزُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "تیار کرنا"۔ جَيْشًا لشکر کو کہتے ہیں۔ نَفِدَتْ کا معنی ہے "ختم ہو گئے"۔ قَلَائِص جمع ہے قَلُوص کی اس کا معنی ہے "جوان اونٹ"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کے بدلے حیوان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ اس مسئلے کا بیان گزشتہ حدیث نمبر 831 کے تحت گزر چکا ہے۔

836- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا، وَإِنْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی اپنے باغ کی تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے بدلے اور اگر تازہ انگور ہوں تو

835- [حسن: ارواء الغليل (۱۳۵۸) ابو داود (۳۳۵۷) كتاب البيوع: باب في الرخصة في ذالك، احمد (۱۷۱/۲) دارقطنی (۷۰/۳) حاكم (۵٦/۲) بيهقي (۲۸۷/۵) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

836- [بخاری (۲۲۰۵) كتاب البيوع: باب بيع الزرع بالطعام كيلا، مسلم (۱۵٤۲) ابو داود (۳۳٦۱) ابن ماجه (۲۲٦۵) نسائی (۲٦٦/۷) احمد (۵/۲)

(۹۲) [دیکھیے: توضيح الأحكام (۱۰۷/٤)]

كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلًا ' وَإِنْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ وَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

(انہیں) منقی کے بدلے ماپ کر فروخت کرے اور اگر کھیتی ہو تو اسے ماپے ہوئے اناج کے بدلے فروخت کرے۔ آپ ﷺ نے ان تمام صورتوں سے منع فرمایا ہے۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع مزابنہ کی تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ اس بیع کا کچھ بیان گزشتہ حدیث نمبر 797 کے تحت بھی گزر چکا ہے۔

837- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُسْأَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ فَقَالَ : ((أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ ؟)) قَالُوا : نَعَمْ ' فَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' آپ سے خشک کھجوروں کے بدلے تر کھجوریں خریدنے کے متعلق دریافت کیا جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تر کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں؟'' صحابہ نے عرض کیا' جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔[اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن مدینی، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خشک کھجوروں کے بدلے میں تازہ کھجوروں کی بیع منع ہے۔ یہ بیع مزابنہ ہی ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں بیع مزابنہ کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے۔

838- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ)) يَعْنِي الدَّيْنَ بِالدَّيْنِ ۔ رَوَاهُ إِسْحَاقُ وَ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُدھار کے بدلے اُدھار یعنی قرض کے بدلے قرض کی بیع کو ممنوع قرار دیا ہے۔[اسے اسحاق اور بزار نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح بَيْعُ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ اُدھار کے بدلے اُدھار کی بیع۔ اس کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک آدمی کسی سے معین مدت (مثلاً ایک سال) تک اُدھار کر کے کوئی چیز مقررہ قیمت (مثلاً ایک ہزار روپے) پر لے۔ لیکن جب ادائیگی کی مدت آ جائے تو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو وہ کہے تم مجھے یہی چیز اس سے زیادہ قیمت (مثلاً گیارہ سو روپے) پر مزید ایک سال کی مدت تک دے دو۔ اب بیع کے وقت دونوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو دونوں کے قبضے میں آ رہی ہو۔ اس روایت میں اسی بیع سے منع کیا گیا ہے۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُدھار کے بدلے اُدھار کی بیع منع ہے۔ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اگرچہ

837- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٣٥٩) كتاب البيوع : باب في التمر بالتمر' ترمذی (١٢٢٥) ابن ماجه (٢٢٦٤) نسائی (٢٦٨/٧) احمد (١٧٥/١) ابن الجارود (٦٥٧) دارقطنی (٤٩/٣) حاكم (٣٨/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

838- [ضعيف : ضعيف الجامع الصغير (٦٠٦١) دارقطنی (٧٢/٣) بزار (٩١/٢-٩٢) حاكم (٥٧/٢) بيهقی (٢٩٠/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

اس مسئلے میں کوئی روایت بھی ثابت نہیں لیکن قرض کے بدلے قرض (کی بیع) کے عدمِ جواز پر اجماع ہو چکا ہے۔(۹۳) امام ابن منذرؒ نے بھی اس بیع کے عدمِ جواز پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔(۹۴)

- اہل علم کا کہنا ہے کہ سودی بینکوں میں اکاؤنٹ کھلوانا ناجائز ہے کیونکہ اگر سیونگ اکاؤنٹ ہوگا تو وہ سود لینے دینے کی وجہ سے حرام ہے اور اگر کرنٹ اکاؤنٹ ہوگا تو وہ سودی کاروبار میں تعاون کی وجہ سے ناجائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة : ٢] ''اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔''
- انشورنس کی ہر صورت اور ہر قسم ناجائز ہے کیونکہ سود لینے' سودی کاروبار میں تعاون اور جوئے پر مشتمل ہے۔ علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوریؒ نے بھی اس کے عدمِ جواز کا ہی فتویٰ دیا ہے۔
- حکومت کی طرف سے جاری کیے جانے والے انعامی بانڈز کی خرید و فروخت ایک ناجائز عمل ہے کیونکہ یہ بھی سود اور جوئے کا ہی مرکب ہے۔(۹۵)

باب الرخصة فى العرايا وبيع الاصول والثمار بیع عرایا، درختوں اور پھلوں کی بیع میں رخصت کا بیان

839- عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَلِمُسْلِمٍ : ((رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا)) ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرایا کے متعلق رخصت دی کہ انہیں اندازے سے ماپ کر فروخت کر دیا جائے۔ [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ] آپ ﷺ نے عرایا کے متعلق رخصت دی کہ گھر والے اندازے سے خشک کھجور دے کر کھانے کے لیے تازہ کھجوریں حاصل کر لیا کریں۔

لغوی توضیح الْعَرَايَا عرية کی جمع ہے۔ باب عَرَا يَعْرُو (بروزن نصر) ''عطیہ مانگنے کے لیے قصد کرنا'' کے معنی میں مستعمل ہے۔ عرایا سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی باغ کا مالک اپنے باغ میں) دوسرے شخص کو کھجور کا درخت (ہبہ کے طور پر) دے دے' پھر اُس شخص کا اپنے باغ میں آنا اچھا نہ سمجھے تو اس صورت میں وہ شخص (مالک) اتری ہوئی کھجور کے عوض اپنا درخت (جسے وہ ہبہ کر چکا ہے) خریدے اِس کی اُس کے لیے رخصت دی گئی ہے۔ فی الواقع عرب قحط اور خشک سالی کے ایام میں اپنے باغات میں سے' فقیروں اور مسکینوں کے درختوں کو چھوڑ کر' پھل صدقات کی صورت میں دیا کرتے تھے کہ فلاں درخت کی کھجوریں تمہاری ہیں۔ اسی طرح عطیہ میں دی گئی کھجور کو بھی ''عریہ'' کہتے ہیں۔ یعنی مساکین باغات میں ان کے درختوں کا پھل کھانے جایا کرتے تھے اس لیے ان کے داخلے سے باغات کے مالک تکلیف محسوس کرتے تھے یا پھر یہ ہوتا کہ مساکین اپنی ضرورت ومحتاجی کی وجہ سے پھل پکنے کا انتظار نہ کرتے اور انہیں فروخت کر دیتے جبکہ پھل ابھی درختوں پر ہی ہوتے اور ان کے عوض خشک کھجوریں لے لیتے اور باغات کے مالک بھی ان کی روزمرہ کی آمد و رفت کی پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے

839- [بخاری (۲۱۹۲۔۲۳۸۰) کتاب البیوع : باب تفسیر العرایا' مسلم (۱۵۳۹) ابو داود (۳۳۶۲) ترمذی (۱۳۰۲) نسائی (۲۶۷/۷) ابن ماجه (۲۲۶۹) احمد (۱۸۱/۵) مالك (۶۱۹/۲) دارمی (۲۵۵۸) بیهقی (۳۱/۵)]

(۹۳) [دیکھئے: نیل الأوطار (۵۲۷/۳) الروضة الندية (۲۰۸/۲)] (۹۴) [كما فی توضيح الأحكام (۴۲۳/۴)]

(۹۵) [مذکورہ مسائل کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب'' فقه الحدیث : کتاب البیوع : باب الربا '' ملاحظہ فرمائیے۔]

درختوں پر موجود تر کھجوروں کو خشک کھجوریں دے کر خرید لیتے تھے۔ یہ بیع مزابنہ ہی ہے جو ممنوع ہے لیکن عرایا کے لیے اس کی رخصت دی گئی ہے۔(۹۶) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ عرایا کی وہ تمام صورتیں جو اہل شرع اور اہل لغت سے ثابت ہوتی ہیں (سب) مباح ہیں۔(۹۷)

840- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عرایا کی اس طرح رخصت عنایت فرمائی کہ تازہ کھجوریں خشک کے بدلے اندازے سے فروخت کر دی جائیں بشرطیکہ یہ پانچ وسق سے کم ہوں یا پانچ وسق ہوں۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرایا کے لیے صرف پانچ وسق یعنی بیس (20) من سے کم کھجوروں کی فروخت ہی درست ہے۔ اس روایت میں راوی (داود بن حصین) کو پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق میں شک ہے اور احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ پہلی بات یعنی پانچ وسق سے کم پر ہی عمل کیا جائے۔ شافعیہ، حنابلہ اور اہل ظاہر اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ بیع عرایا سے متعلقہ تمام احادیث منسوخ ہو چکی ہیں (نسخ کا دعویٰ بلا دلیل ہے اس لیے معتبر نہیں)۔(۹۸) بلاشبہ پہلا موقف ہی راجح ہے۔

841- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ: وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاحِهَا قَالَ: ((حَتَّى تَذْهَبَ عَاهَتُهَا))۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے (یعنی پکنے) سے پہلے بائع اور خریدار کو ان کی بیع سے منع فرمایا ہے۔[بخاری، مسلم۔ اور ایک روایت میں ہے کہ] جب آپ ﷺ سے دریافت کیا جاتا کہ پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے کیا مراد ہے تو آپ ﷺ فرماتے ”جب ان پر آفت کا اندیشہ ختم ہو جائے۔“

لغوی توضیح اَلثِّمَار جمع ہے ثَمَرَة کی، اس کا معنی ”پھل“ ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ یَبْدُو فعل مضارع کا صیغہ ہے باب بَدَا يَبْدُو (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے ”ظاہر ہونا“۔ صَلَاحُهَا سے مراد ہے پھلوں کی سرخی اور زردی (جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے) یعنی ایسا رنگ جس سے ظاہر ہو جائے کہ پھل پک چکا ہے۔ عَاهَة سے مراد وہ آفت ہے جو کھیتوں اور پھلوں کو پہنچ کر انہیں عیب دار اور خراب کر دیتی ہے، اس کی جمع عَاهَات آتی ہے۔

840- [بخاری (۲۱۹۰) كتاب البيوع: باب بيع الثمر على رؤوس النخل بالذهب أو الفضة، مسلم (۱۵۴۱) ابو داود (۳۳۶۴) ترمذی (۱۳۰۱) نسائی (۲۶۸/۷) احمد (۲۳۷-۵-۳/۲)]

841- [بخاری (۲۱۹۴) كتاب البيوع: باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، مسلم (۱۵۳۴) ابو داود (۳۳۶۷) نسائی (۲۶۲/۷) ابن ماجه (۲۲۱۴) احمد (۵۶/۲) دارمی (۲۵۵۵)]

(۹۶) [فتح الباری (۱۳۶/۵) نیل الأوطار (۵۷۹/۳) الروضة الندية (۲۳۸/۲) سبل السلام (۱۱۳۹/۳) بخاری تعليقا (قبل الحديث/ ۲۱۹۲) شرح معانی الآثار (۳۰/۴)]

(۹۷) [نیل الأوطار (۵۸۱/۳)]

(۹۸) [روضة الطالبين (۲۱۸/۳) الهداية (۴۴/۳) الحجة على أهل المدينة (۵۴۷/۲) الكافی (ص/۳۱۵) المغنی (۱۱۹/۶) كشاف القناع (۲۵۹/۳) الأم (۶۸/۳) سبل السلام (۵۷/۳)]

842- وَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ)) قِيلَ : وَمَا زَهْوُهَا ؟ قَالَ : ((تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ پھلوں کے پکنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ سرخ اور زرد ہو جائیں۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح تُزْهِيَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَزْهَى يُزْهِي (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے ''سرخ اور زرد رنگ کے ساتھ پھل کی پختگی ظاہر ہونا شروع ہو جانا''۔ تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ دونوں فعل مضارع کے صیغے ہیں باب افعیلال سے پہلا حُمْرَةٌ سے ہے اس کا معنی ہے ''سرخ ہونا'' اور دوسرا صُفْرَةٌ سے ہے اور اس کا معنی ہے ''زرد ہونا''۔

843- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ، وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انگور کو سیاہ ہونے سے پہلے اور دانے کو سخت ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح يَسْوَدَّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اسْوَدَّ يَسْوَدُّ (بروزن افعلال) سے اس کا معنی ہے ''سیاہ ہونا'' مراد ہے پک جانا۔ يَشْتَدَّ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اشْتَدَّ يَشْتَدُّ (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے ''سخت ہو جانا'' مراد اس سے بھی پک جانا ہی ہے۔

فهم الحديث مذکورہ بالا تینوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پھلوں کی پکنے سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں۔ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔(۹۹) البتہ احناف کچے پھلوں کی خرید و فروخت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔(۱۰۰)

844- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؟)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم اپنے بھائی کو کوئی پھل فروخت کرو اور اسے آفت آن پہنچے تو پھر تمہارے لیے اس سے کچھ بھی وصول کرنا جائز نہیں۔ تم اپنے بھائی کے مال کو ناحق کیسے لے سکتے ہو؟'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ] نبی ﷺ نے آفت زدہ کے

842- [بخاری (۲۱۹۷) كتاب البيوع : باب بيع النخل قبل أن يبدو صلاحها، مسلم (۱۵۵۵) نسائی (۲٦٤/۷) احمد (۱۱۵/۳) مالك (٦۱۸/۲) بيهقی (۳۰۰/۵)]

843- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (۳۳۷۱) كتاب البيوع : باب فی بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، ترمذی (۱۲۲۸) ابن ماجه (۲۲۱۷) احمد (۲۲۱/۳) ابن حبان (٤۹۹۳) حاكم (۱۹/۲) بيهقی (۳۰۱/۵) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

844- [مسلم (۱۵۵٤) كتاب المساقاة : باب وضع الجوائح، ابو داود (۳۳۷٤) نسائی (۲٦٤/۷) ابن ماجه (۲۲۱۹) دارمی (۲۵۵٦) احمد (۳۰۹/۳) بيهقی (۳۰٦/۵)]

(۹۹) [موسوعة الإجماع (۱۹۸/۱)]

(۱۰۰) [كما فی فتح الباری (۳۹٤/٤)]

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ)) ۔ نقصان کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

لغوی توضیح اَلْجَوَائِح جمع ہے جَائِحَة کی' مراد ہے ایسی آفت و مصیبت جو پھلوں اور اموال کو ہلاک کر دیتی ہے۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیع کے بعد پھلوں اور کھیتوں پر کوئی آفت آن پہنچے (مثلاً بارش، سیلاب اور آندھی وغیرہ) تو بائع کو چاہیے کہ خریدار سے ہلاک ہونے والے مال کی قیمت نہ لے خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ خواہ اس نے کچھ قیمت ادا کر دی ہو یا نہ۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اگر خریدار نے فروخت کنندہ کو رقم ادا کر دی ہے تو وہ اسے واپس لوٹائے گا' امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر ثلث سے کم مال کو مصیبت پہنچے تو معاف کرنا ضروری نہیں اور اگر ثلث یا اس سے زیادہ کو پہنچے تو پھر ضروری ہے (امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ثلث کے متعلق کوئی چیز ثابت نہیں)' اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ (ہر حال میں) معاف کرنا ہی مستحب واولیٰ ہے۔ راجح مؤقف یہی ہے کہ ہر حال میں معاف کر دینا چاہیے۔ (۱۰۱)

845- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس نے پیوند کاری کے عمل کے بعد کھجور کے درخت خریدے تو پھل فروخت کنندہ کے ہوں گے الا کہ خریدار پھلوں کی شرط لگالے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اِبْتَاعَ نَخْلًا کا معنی ہے "کھجور کے درخت خریدے"۔ تُؤَبَّرَ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب أَبَّرَ يُؤَبِّرُ (بروزن تفعیل) سے' تابیر پیوند کاری کو کہتے ہیں' اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ نر کھجور کے گودے کو مادہ کھجور کے خوشے پر رکھ دیا جاتا' اس طرح پھل زیادہ ہوتا تھا۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کھجوروں کے درخت پیوند کاری کے عمل کے بعد فروخت کیے گئے ہوں تو پھر پھل کا حقدار فروخت کرنے والا ہی ہوگا الا کہ خریدار نے پھل کی بھی شرط لگائی ہو اور اگر پیوند کاری کے عمل سے پہلے فروخت کیے گئے ہوں تو پھر پھل کا حقدار خریدار ہی ہوگا۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ خواہ پیوند کاری کا عمل ہو چکا ہو یا نہ پھل کا حقدار صرف خریدار ہی ہوگا۔ انہوں نے منطوق (یعنی حدیث کے ظاہری الفاظ) کو ہی دلیل بنایا ہے اور مفہوم مخالف پر عمل نہیں کیا۔ (۱۰۲)

ابواب السلم والقرض والرهن — بیع سلم، قرض اور رہن کا بیان

846- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ سال اور دو سال کے لیے پیشگی پھلوں

845- [بخاری (۲۳۷۹) کتاب المساقاۃ: باب الرجل یکون له ممر أو شرب فی حائط' مسلم (۱۵۴۳) ابو داود (۳۴۳۳) ترمذی (۱۲۴۴) نسائی (۲۹۷/۷) ابن ماجه (۲۲۱۱) مالك (۶۱۷/۲) بیهقی (۳۲۴/۵)]

846- [بخاری (۲۲۳۹-۲۲۴۱) کتاب السلم: باب السلم فی کیل معلوم' مسلم (۱۶۰۴) ابو داود (۳۴۶۳) ترمذی (۱۳۱۱) نسائی (۲۹۰/۷) ابن ماجه (۲۲۸۰) احمد (۲۸۲/۱) دارمی (۲۵۸۳) دارقطنی (۳/۳)]

(۱۰۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نیل الأوطار (۵۵۲/۳) الأم (۷۲/۳) روضة الطالبین (۷۱۹/۳) المبسوط (۱۹۵/۲) المغنی (۱۷۷/۶) حاشیة الدسوقی (۱۸۲/۳)]

(۱۰۲) [سبل السلام (۱۱۱/۳)]

الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ ، فَقَالَ : ((مَنْ أَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ لِلْبُخَارِيِّ: ((مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ)) .

کی قیمت ادا کر دیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا ''جو بھی پھلوں کی پیشگی قیمت ادا کرے اسے چاہیے کہ معلوم وزن اور معلوم مدت کے لیے ادا کرے۔'' [بخاری، مسلم۔اور بخاری میں ہے کہ] ''جو کسی چیز کی بھی پیشگی قیمت ادا کرے۔''

لغوی توضیح سَلَم لفظاً ومعناً سلف ہی ہے (سلف اہل عراق کی جبکہ سلم اہل حجاز کی لغت ہے) اور سلف بیوع کی ایک قسم ہے جس میں ''قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اور سودا تاخیر سے معین مدت پر لیا جاتا ہے'' یعنی سونا چاندی یا مروجہ سکہ کے عوض پیشگی قیمت دے کر ایک معلوم و متعین مدت تک چیز لینے کا سودا کرنا ''بیع سلم'' ہے۔ جو قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے وہ رأس المال جو چیز تاخیر سے فروخت کی جاتی ہے اسے مسلم فیه قیمت ادا کرنے والے کو رب السلم اور جسے وہ چیز فروخت کی جارہی ہے اسے مسلم إليه کہتے ہیں۔اس بیع کی مشروعیت پر علما کا اجماع ہے۔فی الحقیقت یہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز تھی لیکن اقتصادی مصالح کے پیش نظر لوگوں کے لیے نرمی اور ان پر آسانی کرتے ہوئے اسے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔(۱۰۳) قرض مصدر ہے باب قَرَضَ يَقْرِضُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ''کاٹنا' قرض دینا اور بدلہ دینا'' ہے۔باب قَارَضَ (بروزن مفاعلہ) مضاربت کرنا۔باب أَقْرَضَ (بروزن افعال) قرض دینا' باب اِقْتَرَضَ (بروزن افتعال) قرض لینا اور باب اِسْتَقْرَضَ (بروزن استفعال) ''قرض مانگنا'' کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔اصطلاحاً قرض ایسے مال کو کہا جاتا ہے جو قرض لینے والے کو بطور قرض دیا جاتا ہے (اس پر قرض کا لغوی معنیٰ ''کاٹنا'' بھی صادق آتا ہے کیونکہ یہ قرض دینے والے کے مال کا ایک ٹکڑا ہی ہوتا ہے)۔رهن مصدر ہے باب رَهَنَ يَرْهَنُ (بروزن فتح) سے۔اس کا معنی ہے ''گروی رکھنا' گروی ثابت ہونا' ہمیشہ رہنا' روکنا اور لازم ہونا''۔باب اِرْتَهَنَ (بروزن افتعال) گروی لینا۔باب اِسْتَرْهَنَ (بروزن استفعال) گروی طلب کرنا۔رَاهِن گروی رکھنے والا۔مُرْتَهِن جسے گروی دی گئی ہے۔مَرْهُوْن یا رَهِيْن گروی رکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔(۱۰۴) اصطلاحاً رہن یہ ہے کہ قرض کے بدلے کوئی مال بحیثیت دستاویز دینا۔(۱۰۵)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم (معدوم شے کی بیع ہونے کے باوجود) جائز ہے لیکن اس کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی مقدار اور مدت معلوم ہو۔حدیث کے ان الفاظ ''جو کسی چیز کی بھی پیشگی قیمت ادا کرے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم کسی بھی چیز مثلاً پھلوں' باغات' کھیتوں اور ہر چیز) میں جائز ہے۔

847- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَا : ((كُنَّا نُصِيبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، وَكَانَ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (غزوات میں شریک ہوکر) مال غنیمت حاصل کرتے تھے اور ہمارے پاس ملک شام کے

847- [بخاری (۲۲۴۲۔۲۲۴۳) كتاب السَّلم : باب السلم فى وزن معلوم ' ابو داود (۳۴۶۴) نسائی (۲۸۹/۷) ابن ماجه (۲۲۸۲) احمد (۳۵۴/۴) بیهقی (۲۰/۶)]

(۱۰۳) [المغنى (۲۷۵/۴) بداية المجتهد (۱۹۹/۲) مغنى المحتاج (۱۰۲/۲) فتح القدير (۳۲۳/۵) المبسوط (۱۲۴/۱۲)]

(۱۰۴) [المنجد (ص/۸۱۸) القاموس المحيط (ص/۱۵۵۱)]

(۱۰۵) [نيل الأوطار (۲۴۷/۳) سبل السلام (۱۱۵۵/۳) الدر المختار (۳۳۹/۵) المبسوط (۶۳/۲۱) الفقه الإسلامى وأدلته (۴۲۰۷/۶)]

يَـأْتِيـنَـا أَنْبَـاطٌ مِـنْ أَنْبَاطِ الشَّامِ ' فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْـحِنْـطَةِ وَالشَّـعِيـرِ وَالزَّبِيبِ ـ وَفِيْ رِوَايَةٍ : وَ الـزَّيْـتِ ـ إِلَـى أَجَـلٍ مُسَمًّى ' قِيلَ : أَكَانَ لَهُمْ زَرْعٌ ؟ قَـالَا : مَـا كُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذَلِكَ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ـ

نبطی لوگ آتے' ہم انہیں گندم' جو اور منقیٰ' اور ایک روایت میں زیتون کا بھی ذکر ہے' کی قیمت پیشگی ادا کر کے بیع سلم کر لیتے تھے۔ دریافت کیا گیا کہ کیا (بیع سلم کے وقت) ان کے پاس کھیتی موجود ہوتی تھی؟ تو ان دونوں نے کہا' ہم ان سے اس کے متعلق نہیں پوچھتے تھے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَنْبَـاط جمع ہے نَبَـط یا نَبِيْـط کی' مراد شام کے قریب آباد وہ لوگ ہیں جو عرب تھے مگر عجمیوں میں شامل ہو گئے' ان کا نسب اور زبانیں خراب ہو گئیں۔ یہ اس نام سے اس لیے مشہور ہوئے کیونکہ یہ زمین سے پانی نکالنے کے بہت ماہر تھے اور ''انباط'' نکال کر کوئی چیز حاصل کرنے کو ہی کہتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے عبط یا نبایوط کی اولاد سے ہونے کے باعث انباط کہلائے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم کے وقت مسلم فیہ کا مسلم الیہ کے پاس ہونا شرط نہیں' یعنی جسے پیشگی قیمت دی جا رہی ہے اس کے پاس بیع کے وقت اس جنس کا موجود ہونا ضروری نہیں جس کی بیع ہو رہی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا حدیث میں دونوں صحابہ نے واضح طور پر سوال کے جواب میں کہا کہ ہم بیع سلم کرتے وقت یہ پوچھتے ہی نہیں تھے کہ کھیتی موجود ہے یا نہیں۔ جمہور علما، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے یہی مؤقف اپنایا ہے کہ بیع سلم کے وقت جنس نہ بھی ہو تب بھی بیع درست ہوگی تاہم یہ ضروری ہے کہ اختتام مدت پر اس چیز کا دستیاب ہونا ممکن ہو۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ بیع سلم کے معاہدہ کے آغاز سے لے کر مدت معاہدہ کے اختتام تک وہ چیز دستیاب رہے' اس دوران کسی موقع پر بھی اس کا فقدان نہ ہو اور ملنا دشوار و محال نہ ہو۔(١٠٦) جمہور کا مؤقف راجح ہے کیونکہ گزشتہ حدیث اسی کی تائید کرتی ہے۔

848- وَ عَنْ أَبِـي هُـرَيْـرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَـا أَدَّى الـلَّـهُ عَـنْـهُ ' وَمَـنْ أَخَذَهَـا يُـرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص لوگوں کے اموال ادائیگی کے ارادے سے (بطور قرض) لے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دیں گے اور جو ہلاک کرنے کے ارادے سے (لوگوں کے) اموال لے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دیں گے۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں سے قرض لیتا ہے اور اس کی نیت ادائیگی کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے دنیا و آخرت میں ادائیگی کر دیں گے۔ دنیا میں اس طرح کہ اس کے لیے قرض ادا کرنے میں سہولت پیدا فرما دیں گے اور آخرت میں اس طرح کہ اگر وہ قرض ادا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو پھر روزِ قیامت قرض خواہ کو جیسے بھی چاہیں گے اس سے راضی کر دیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص ضرورت و حاجت کی تکمیل کے لیے

848- [بخاری (٢٣٨٧) كتاب في الاستقراض وأداء الديون : باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها أو إتلافها ' ابن ماجه (٢٤١١) احمد (٣٦١/٢)]

(١٠٦) [الأم (١٢٤/٣) الحاوی (٣٩١/٥) المبسوط (١٢٥/١٢) الهداية (٧٢/٣) المغنی (٤٠٦/٦)]

نہیں بلکہ محض لوگوں کے اموال پر قبضہ کرنے کی نیت سے ان کے اموال لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ہلاکت سے دوچار کر دیں گے' اگر چہ وہ کچھ دیر کے لیے مالدار بن بھی جائے لیکن بالآخر وہ فاقے سے دوچار ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام معاملات میں نیت کا کتنا زیادہ دخل ہے کہ اگر نیت صحیح ہو تو عمل صحیح ہو جاتا ہے اور نیت خراب ہو تو عمل بھی خراب ہو جاتا ہے۔

849- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَتْ: ((قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ فُلَانًا قَدِمَ لَهُ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ، فَلَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ، فَأَخَذْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ نَسِيئَةً إِلَى مَيْسَرَةٍ؟ فَبَعَثَ إِلَيْهِ، فَامْتَنَعَ)) أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَ الْبَيْهَقِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! فلاں آدمی کا شام سے کپڑا آیا ہے' اگر آپ بھی اس کی طرف کسی کو بھیج کر دو کپڑے وسعت تک اُدھار خرید لیں (تو بہتر ہے) چنانچہ آپ ﷺ نے (کسی کو) اس کی جانب روانہ کیا' تو اس نے (اُدھار کپڑا دینے سے) انکار کر دیا۔ [اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح فُلَانًا سے مراد ایک یہودی ہے جو نہایت بخیل اور اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھنے والا تھا' اسے ''حلیق'' کہا جاتا تھا۔ (۱۰۷) بَزٌّ کپڑے کی ایک قسم کو کہتے ہیں۔ نَسِيئَةً سے مراد ہے اُدھار' یعنی قیمت کی ادائیگی کو مؤخر کرنا۔ مَيْسَرَةٍ آسانی' فراخی اور وسعت و کشادگی کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز اُدھار خریدنا جائز ہے (اس نے انکار غالباً اس وجہ سے کیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھتا تھا)۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ لین دین کے معاملات میں کوئی قباحت نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مال میں حرام کا شبہ ہو اس کی بھی خرید و فروخت جائز ہے (کیونکہ بالعموم یہودی سودی کاروبار ہی کیا کرتے تھے)۔

850- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الرَّهْنُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''رہن رکھے ہوئے جانور پر اخراجات و مصارف کے عوض سواری کی جا سکتی ہے اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ بھی پیا جا سکتا ہے اور جو سواری کرتا ہے اور دودھ پیتا ہے وہی اخراجات کا ذمہ دار ہے۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الظَّهْر کا معنی ہے ''کمر' پیٹھ اور پشت'' یہاں مراد ہے کسی بھی حیوان مثلاً گدھے' اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کی پشت۔ لَبَنُ الدَّرِّ سے مراد ہے ''دودھ دینے والے جانور کا دودھ''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گروی رکھی ہوئی چیز اگر اخراجات کی محتاج ہو تو پھر اس پر اٹھنے والے اخراجات کے عوض اس سے فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس مسئلے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ جس کے پاس کوئی چیز گروی رکھی گئی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جمہور، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر اصل

849- [حاکم (۲۴/۲) بیہقی (۳۶/۶) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

850- [بخاری (۲۵۱۲) كتاب الرهن: باب الرهن مركوب ومحلوب' ابو داود (۳۵۲۶) ترمذی (۱۲۵۴) ابن ماجه (۲۴۴۰) احمد (۴۷۲/۲) دارقطنی (۳۴/۳) بیہقی (۳۸/۶)]

(۱۰۷) [كما في توضيح الأحكام (۴۵۷/۴)]

مالک نے اس کی اجازت دی ہو یا مرتہن نے شرط لگائی ہو تو پھر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے بصورت دیگر نہیں اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ صرف اتنا ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جتنے اس پر اخراجات آرہے ہیں۔(۱۰۸) امام ابن قیمؒ نے کہا ہے کہ مطلقاً گروی رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے۔(۱۰۹) واضح رہے کہ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔یعنی اگر گروی رکھی جانے والی چیز خرچے کی محتاج نہ ہو مثلاً گھر اور دیگر سامان وغیرہ تو کسی حال میں بھی مرتہن کے لیے اس چیز سے راہن کی اجازت کے بغیر نفع حاصل کرنا جائز نہیں اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ گروی رکھی ہوئی چیز راہن کی ملکیت ہے اور اس کا منافع بھی اسی کا ہوگا لہٰذا کسی اور کے لیے اس کی اجازت کے بغیر اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔امام ابن قدامہؒ اسی کے قائل ہیں۔(۱۱۰) اور اگر گروی رکھی جانے والی چیز خرچے کی محتاج ہو مثلاً مویشی وغیرہ تو اپنے کیے ہوئے خرچے کے برابر مرتہن اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں مذکور ہے۔یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر گھر بھی خرچے کا محتاج ہوگا تو اس سے بھی خرچے کے برابر فائدہ اٹھانا جائز ہوگا کیونکہ فائدہ اٹھانے کو خرچے کے ساتھ معلق قرار دیا گیا ہے۔(واللہ اعلم)

851- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهَنَهُ ، لَهُ غُنْمُهُ ، وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الْحَاكِمُ ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ إِلَّا أَنَّ الْمَحْفُوظَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَ غَيْرِهِ إِرْسَالُهُ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”گروی شدہ چیز اس کے مالک سے روکی نہیں جائے گی' اس کے فائدے اور تاوان کا وہی ذمہ دار ہے۔“ [اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں البتہ ابوداود وغیرہ کے نزدیک اس کا مرسل ہونا ہی محفوظ ہے۔]

لغوی توضیح لَا يَغْلَقُ فعل نفی کا صیغہ ہے باب غَلِقَ يَغْلَقُ (بروزن سمع) سے' اس کا معنی ہے ”روکنا“ مراد ہے جب گروی دینے والا شخص مقررہ مدت تک قرض کی رقم ادا نہ کر سکے تو مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس سے گروی لی ہوئی چیز روک لے جیسا کہ اہل جاہلیت کا طرز عمل تھا۔لَهُ غُنْمُهُ سے مراد ہے اس کا فائدہ اسی (یعنی اصل مالک) کے لیے ہے۔وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ کا معنی ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے یعنی اگر جانور ہلاک ہو جائے تو نقصان بھی اصل مالک کا ہوگا اور اس کے اخراجات کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔

فهم الحديث اس روایت سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ جس جانور کو گروی دیا گیا ہو اس کا خرچہ اصل مالک کے ذمہ ہی ہے اور گروی لینے والا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔لیکن چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے قابل عمل نہیں۔

852- عَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی

851- [ضعيف : دارقطنی (۳۲/۳) حاکم (۵۱/۲) بیهقی (۳۹/۶) موارد الظمآن (۱۱۲۳) ترتیب المسند للشافعی (۱٦٤/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔[تلخیص الحبیر (۸٤/۳)] یہی روایت مختصر الفاظ میں سنن ابن ماجة (۲٤٤۱) میں بھی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔[ضعیف ابن ماجة (۵۳۱) إرواء الغلیل (۲٤۲/۵)' (۱٤۰٦)] شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو مرسل کہا ہے۔]

852- [مسلم (۱٦۰۰) کتاب المساقاة : باب من استسلف شیئا فقضی خیرا منه' ابو داود (۳۳٤٦) ترمذی (۱۳۱۸) نسائی (۲۹۱/۷) ابن ماجه (۲۲۸۵) احمد (۳۹۰/٦) مالك (٦۸۰/۲) بیهقی (۲۱/٦)]

(۱۰۸) [بدائع الصنائع (۱٤٦/٦) تبیین الحقائق (٦۷/٦) بدایة المجتهد (۲۷۳/۲) الإفصاح (۲۳۸/۱) مغنی المحتاج (۱۲۱/۲) نیل الأوطار (٦۲۰/۳)]

(۱۰۹) [أعلام الموقعین (٤۱۱/۲)]

(۱۱۰) [المغنی لابن قدامة (۵۰۹/٦)]

اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا ' فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ ' فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ أَنْ يَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ ' فَقَالَ : لَا أَجِدُ فِيهَا إِلَّا خِيَارًا رَبَاعِيًا ' فَقَالَ : ((أَعْطِهِ إِيَّاهُ فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

سے ایک جوان اونٹ قرض لیا' پھر آپ ﷺ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے ابورافع کو حکم دیا کہ اس آدمی کو جوان اونٹ ادا کر دیا جائے۔ انہوں نے عرض کیا' ان میں صرف سات سالہ (اس جوان اونٹ سے) بہتر اونٹ ہی موجود ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے یہی دے دو' یقیناً بہترین لوگ وہ ہیں جو ادائیگی میں سب سے اچھے ہیں۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اسْتَسْلَفَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اسْتَسْلَفَ يَسْتَسْلِفُ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''قرض لینا' اُدھار لینا''۔ بَكْرًا جوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ خِيَارًا کا معنی ہے ''عمدہ و بہترین''۔ رَبَاعِيًا اُن دانتوں کو کہتے ہیں جو ثنایا اور کچلی والے دانتوں کے درمیان ہوتے ہیں' اونٹوں میں رباعی وہ ہوتا ہے جو اپنی عمر کے ساتویں برس میں داخل ہو چکا ہو اور اس کے رباعی دانت گر چکے ہوں' اسے بہترین اونٹوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقروض شخص قرض کی ادائیگی کے وقت اگر اپنی مرضی سے قرض کی رقم سے زیادہ یا قرض لی ہوئی چیز سے عمدہ چیز مالک کو دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی مؤید حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت بھی ہے' جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ پر میرا کچھ قرض تھا آپ نے مجھے وہ ادا کیا اور مجھے (اس سے) زائد بھی دیا۔ (۱۱۱) البتہ اگر قرض خواہ یہ شرط لگائے کہ وہ قرض کی واپسی پر اس سے زیادہ یا عمدہ چیز لے گا تو پھر اس پر رضامند ہو کر دینے والا اور لینے والا دونوں سودی معاملہ کر رہے ہیں۔ حنابلہ اور مالکیہ نے کہا ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع لے کر آئے حرام ہے۔ (۱۱۲)

853- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا)) رَوَاهُ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ ' وَإِسْنَادُهُ سَاقِطٌ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر وہ قرض جو نفع لائے سود ہے۔'' [اسے حارث بن ابی اسامہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ساقط (یعنی ضعیف) ہے۔]

854- وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ ۔

اور اس کا ایک ضعیف شاہد بیہقی میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

855- وَآخَرُ مَوْقُوفٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ ۔

اور دوسرا (شاہد) بخاری میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے۔

853- [ضعيف : إرواء الغليل (١٣٩٨) ضعيف الجامع الصغير (٤٢٤٤) بيهقى (٣٤٩/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے' البتہ اس کے کچھ شواہد ہیں جن سے اس کے معنی کی صحت ثابت ہو جاتی ہے۔]

854- [بيهقى (٣٥٠/٥)]

855- [بخارى (٣٨١٤) كتاب المناقب : باب مناقب عبد الله بن سلام]

(١١١) [بخارى (٢٣٩٤) كتاب الاستقراض وأداء الديون : باب حسن القضاء ' مسلم (٧١٥) ابو داود (٣٣٤٧) نسائى (٢٨٣/٧)]

(١١٢) [حاشية الدسوقى (٢٢٤/٣) القوانين الفقهية (ص/٢٨٨) رد المحتار (١٨٢/٤)]

ابواب التفليس والحجر — دیوالیہ قرار دینے اور تصرف روک دینے کا بیان

856- عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ① ' وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ مَالِكٌ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُرْسَلًا بِلَفْظِ : ((أَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ مَتَاعًا فَأَفْلَسَ الَّذِي ابْتَاعَهُ وَلَمْ يَقْبِضِ الَّذِي بَاعَهُ مِنْ ثَمَنِهِ شَيْئًا فَوَجَدَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ ' فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ ' وَإِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِي فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ)) ② ' وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَضَعَّفَهُ تَبَعًا لِأَبِي دَاوُدَ ' وَرَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهْ مِنْ رِوَايَةِ عُمَرَ بْنِ خَلْدَةَ قَالَ : أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي صَاحِبٍ لَنَا قَدْ أَفْلَسَ ' فَقَالَ : لَأَقْضِيَنَّ فِيكُمْ بِقَضَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ أَفْلَسَ أَوْ مَاتَ فَوَجَدَ رَجُلٌ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ)) وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ ضَعَّفَهُ أَبُو دَاوُدَ ' وَضَعَّفَ أَيْضًا هٰذِهِ الزِّيَادَةَ فِي ذِكْرِ الْمَوْتِ ③ ۔

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''جو شخص مفلس کے پاس اپنا مال بعینہ اسی حالت میں پالے تو وہ دوسرے کی بہ نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے۔'' [بخاری، مسلم۔ اور ابوداود اور مالک نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی روایت سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ] ''جو آدمی کوئی سامان فروخت کرے پھر اسے خریدنے والا مفلس ہو جائے اور فروخت کرنے والے نے اس کی قیمت سے کچھ بھی نہ لیا ہو اور وہ اپنا مال بعینہ (اس خریدار کے پاس) پالے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر خریدار فوت ہو جائے تو پھر مال کا مالک دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا۔ [بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ابوداود کی اتباع میں اسے ضعیف کہا ہے اور ابوداود اور ابن ماجہ نے عمر بن خلدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ] ہم اپنے ایک مفلس ساتھی کے لیے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا' میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ والا ہی فیصلہ کروں گا ''جو مفلس ہو جائے یا فوت ہو جائے اور آدمی اپنا سامان (اس کے پاس) بعینہ پالے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ [حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوداود نے اسے ضعیف کہا ہے اور اسی طرح ابوداود نے اس زیادتی کو ضعیف کہا ہے جو موت کے ذکر میں ہے۔]

لغوی توضیح التَّفْلِيس مصدر ہے باب فَلَّسَ يُفَلِّسُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''دیوالیہ قرار دینا''۔ یعنی قاضی کا مقروض کو دیوالیہ قرار دے دینا۔ مُفْلِس کنگال ہونے والے کو کہتے ہیں۔ اَلْحَجْر کا معنی ہے ''روک دینا'' مراد ہے قاضی و حاکم کا مقروض کو اپنے مال میں تصرف سے روک دینا۔ أُسْوَةُ الْغُرَمَاء أسوہ کا معنی ہے مساوی و برابر ہونا اور غرماء

856- [① بخاری (٢٤٠٢) كتاب فى الاستقراض : باب إذا وجد ماله عند مفلس ' مسلم (١٥٥٩) ابو داود (٣٥١٩) ترمذی (١٢٦٢) نسائی (٣١١/٧) ابن ماجه (٢٣٥٨) مالك (٦٧٨/٢) دارمی (٢٥٩٠) دارقطنی (٢٩/٣) بيهقی (٤٤/٦) ۔
② صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٣٥٢٠) كتاب الإجارة : باب فى الرجل يفلس فيجد الرجل متاعه بعينه عنده ' مالك (٦٧٨/٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔ ③ ضعيف : ضعيف ابو داود ' ابو داود (٣٥٢٣) كتاب الإجارة : باب فى الرجل يفلس فيجد الرجل متاعه بعينه عنده ' ابن ماجه (٢٣٦٠) دارقطنی (٢٩/٣) حاكم (٥٠/٢) ابن الجارود (٦٣٤) بيهقی (٤٦/٦) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

غریم کی جمع ہے اس سے مراد قرض خواہ ہیں' یعنی وہ شخص بقیہ قرض خواہوں کے برابر حصہ وصول کرے گا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اُدھار کسی کو کوئی چیز فروخت کرے' پھر خریدار کنگال ہو جائے اور اس کے پاس اس چیز کی قیمت ادا کرنے کی طاقت ہی نہ ہو تو بائع اگر اپنی چیز خریدار کے پاس بعینہ پالیتا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چیز اس سے وصول کر لے۔ جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ وہ اپنی چیز کا حقدار نہیں بلکہ اسے بھی دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہی حصہ ملے گا۔(١١٣) یاد رہے کہ یہ مؤقف صریح حدیث کے خلاف ہے۔(١١٤) امام صنعانیؒ اور امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ﴿ بِعَيْنِه ﴾ سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ جب قرض دینے والا یا فروخت کرنے والا اپنی چیز اس حالت میں نہ پائے جس حالت میں دی تھی اور اس کا کوئی وصف تبدیل ہو چکا ہو یا کچھ کمی بیشی ہوگئی ہو تو پھر صاحب مال اس کا زیادہ مستحق نہیں ہوگا بلکہ پھر وہ سارے قرض خواہوں کے برابر ہوگا۔(١١٥) علاوہ ازیں اگر خریدار قیمت کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے تو پھر بعینہ اپنی چیز پانے والا اس کا زیادہ حقدار ہوگا یا نہیں' اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اس صورت میں بائع دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا (امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں' انہوں نے مذکورہ بالا دوسری حدیث کو دلیل بنایا ہے)۔ جبکہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اس صورت میں بھی بائع اپنی چیز کا زیادہ حقدار ہوگا (حافظ ابن حجرؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے' انہوں نے مذکورہ بالا تیسری حدیث کو پیش نظر رکھا ہے)۔(١١٦) واضح رہے کہ ان دونوں روایات میں سے جو روایت بھی زیادہ قوی ہوگی فیصلہ اسی کے مطابق کیا جائے گا۔

857- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت عمرو بن شرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" مالدار کی ٹال مٹول اس کی عزت پامال کرنا اور اسے سزا دلوانا حلال بنا دیتی ہے۔"[اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے' بخاری نے اسے معلق بیان کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَيُّ الْوَاجِدِ کا معنی ہے" مالدار کی ٹال مٹول"۔ يُحِلُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَحَلَّ يُحِلُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے" حلال بنا دینا"۔ عِرْضَهُ اس کی عزت' مراد ہے اس کی بے عزتی کی جا سکتی ہے۔ عُقُوبَتَهُ اس کی سزا' یعنی اسے سزا دلوائی جا سکتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مالدار ہونے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول اور لیت و لعل سے کام لے اس کی بے عزتی کرنا اور عدالت کے ذریعے اسے سزا دلوانا جائز ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر کسی شخص کا مفلس یا غنی ہونا مجہول ہو تو تفتیش کرائی جائے اگر وہ غنی ثابت ہو جائے تو حبس وقید اور عقوبت وسزا کے ذریعے اس سے

857- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٦٢٨) كتاب الأقضية : باب في الحبس في الدين وغيره' نسائی (٣١٦/٧) ابن ماجه (٢٤٢٧) احمد (٣٨٨/٤) ابن حبان (١١٦٤_الموارد) حاكم (١٠٢/٤) بيهقي (٥١/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(١١٣) [الأم (٢٢٩/٣) الحاوى (٢٧٣/٦) الكافى (ص/٤١٧) حاشية الدسوقى (٢٩٠/٣) المغنى (٥٣٨/٦) كشاف القناع (٤٢٥/٣)]

(١١٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نيل الأوطار (٦٣٠/٣) الروضة الندية (٥١٧/٢)]

(١١٥) [سبل السلام (١١٦٣/٣) نيل الأوطار (٦٢٩/٣)] (١١٦) [فتح البارى (٣٤٦/٥)]

مال نکلوایا جائے اور اگر مفلس ہو تو اسے آسانی وفراخی ہونے تک مہلت دی جائے۔(۱۱۷)

858- وَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا ، فَكَثُرَ دَيْنُهُ ، فَأَفْلَسَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ)) فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ ، وَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِغُرَمَائِهِ : ((خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ایک آدمی نے پھل خریدے، ان میں اسے نقصان پہنچا اور اس کے ذمہ قرض بہت زیادہ ہو گیا حتی کہ وہ کنگال ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس پر صدقہ وخیرات کرو۔" لوگوں نے اس پر صدقہ کیا، لیکن وہ اتنا نہ تھا کہ قرض پورا ہو سکے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے کہا "جو کچھ تم پاؤ وہی لے لو اور تمہارے لیے صرف یہی کچھ ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مفلس وکنگال ہونے والے شخص پر قرض کی ادائیگی کے لیے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض خواہوں کو وہی کچھ ملے گا جو قرض دار کے پاس (اشیائے ضروریہ مثلاً لباس، گھر اور کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ کے علاوہ) موجود ہوگا۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو قرض باقی رہ جائے گا وہ قرض دار سے ساقط ہو جائے گا خواہ وہ بعد میں خوشحال ہی کیوں نہ ہو جائے۔

859- وَعَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَجَرَ عَلَى مُعَاذٍ مَالَهُ وَبَاعَهُ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُرْسَلًا ، وَرَجَّحَ إِرْسَالَهُ۔

حضرت ابن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے مال میں تصرف سے روک دیا تھا اور اس قرض کے بدلے جو ان کے ذمہ تھا ان کا مال فروخت کر دیا تھا۔ [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوداود نے اسے مرسل کہا ہے اور اس کے مرسل ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

لغوی توضیح حَجَرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَجَرَ يَحْجُرُ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے "روک دینا"۔ شرعاً حجر یہ ہے کہ مفلس وکنگال شخص کو قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی کے لیے اس کے موجود مال میں تصرف سے روک دینا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ حاکم وقاضی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مفلس شخص کو اس کے مال میں تصرف سے روک دے اور اس کا مال فروخت کر کے قرض خواہوں کو قرض ادا کر دے، خواہ مکمل قرض نہ بھی ادا ہو۔ یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی ثابت ہے کہ انہوں نے مقروض کو مال میں تصرف سے روک دیا تھا اور اس کا مال قرض

858- [مسلم (۱۵۵٦) کتاب المساقاة : باب استحباب الوضع من الدین، ابو داود (۳٤٦۹) ترمذی (٦۵۵) نسائی (۷/۲٦۵) ابن ماجه (۲۳۵٦) احمد (۳/۳٦) حاکم (۲/٤۱) بیهقی (۵/۳۰۵)]

859- [ضعیف : إرواء الغلیل (۱٤۳۵) دارقطنی (٤/۲۳۱) حاکم (۲/۵۸) بیهقی (٦/٤۸) ابو داود فی المراسیل (۱۷۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل، جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۱۱۷) [الروضة الندیة (۲/۵۱۹)]

خواہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔(۱۱۸) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے بھی اس (یعنی حضرت عمرؓ کے فعل) پر انکار ثابت نہیں۔(۱۱۹) البتہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ نہ تو مقروض کو اس کے مال میں تصرف سے روکنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مال کو فروخت کرنا درست ہے۔(۱۲۰)

860- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ ((عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ وَ أَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُجِزْنِي ' وَعُرِضْتُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَأَجَازَنِي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ : ((فَلَمْ يُجِزْنِي وَلَمْ يَرَنِي بَلَغْتُ)) وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مجھے جنگ اُحد کے روز نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا' اس وقت میری عمر چودہ برس تھی' تو آپ ﷺ نے مجھے (جنگ میں شرکت کی) اجازت نہ دی اور (پھر) مجھے جنگ خندق کے روز آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا' اس وقت میری عمر پندرہ برس تھی' تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی۔[بخاری، مسلم۔اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ] آپ ﷺ نے مجھے اجازت نہ دی اور آپ ﷺ نے مجھے بالغ نہیں سمجھا۔[اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

861- وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ ' فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيلُهُ ' فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِتْ فَخُلِّيَ سَبِيلِي)) رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ' وَقَالَ : عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ۔

حضرت عطیہ قرظیؓ سے روایت ہے کہ جنگ قریظہ کے دن ہمیں نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا' پس جس کے (زیر ناف بال) اُگے ہوئے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے نہیں اُگے تھے اسے چھوڑ دیا گیا اور میں ان میں تھا جن کے بال نہیں اُگے تھے اس لیے مجھے بھی چھوڑ دیا گیا۔[اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرط پر ہے۔]

لغوی توضیح **يَوْمَ أُحُدٍ** جنگ اُحد کے روز۔ اُحد مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور یہ حرم مدینہ کی حدود میں داخل ہے' یہاں کفر و اسلام کا دوسرا بڑا معرکہ تین ہجری میں پیش آیا' اس لیے اس جنگ کا نام غزوۂ اُحد پڑ گیا۔ **يَوْمَ الْخَنْدَقِ** جنگ خندق کے روز۔ خندق سے مراد وہ گڑھے ہیں جو میدان قتال میں دشمن کی جانب کھودے گئے تھے' اسی مناسبت سے اس جنگ کا نام

860- [بخاری (۲۶۶۴-۴۰۹۷) کتاب الشهادات : باب بلوغ الصبیان وشهادتهم ' مسلم (۱۸۶۸) ابو داود (۴۴۰۶) ترمذی (۱۷۱۱) ابن ماجه (۲۵۴۳) احمد (۱۷/۲) بیهقی (۸۳/۳)]

861- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۴۴۰۴-۴۴۰۵) کتاب الحدود : باب فی الغلام یصیب الحد ' ترمذی (۱۵۸۴) نسائی (۱۵۵/۶) ابن ماجه (۲۵۴۱) احمد (۳۱۰/۴) دارمی (۲۴۶۴) ابن حبان (۱۴۹۹) حاکم (۳۸۹/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۱۸) [موطا (۷۷۰/۲) بیهقی (۴۹/۶) اس کی سند منقطع ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے۔[تلخیص الحبیر (۹۱/۳)] امام دارقطنیؒ نے اسے موصول بھی بیان کیا ہے۔[دارقطنی فی العلل (۱۴۷/۲)]

(۱۱۹) [نیل الأوطار (۶۳۲/۳)]

(۱۲۰) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الأم (۲۴۲/۳) فتح الوهاب (۲۰۱/۱) بدائع الصنائع (۱۷۳/۷) الهدایة (۱۰۴/۳) الاختیار (۹۸/۲) الکافی (ص/۴۱۸) الخرشی (۶۶۹/۵) المغنی (۵۸۵/۶) کشاف القناع (۴۲۰/۳) تبیین الحقائق (۱۹۹/۵)]

جنگ خندق پڑ گیا' اسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ جنگ پانچ ہجری میں ہوئی۔ **یَوْمَ قُرَیْظَة** جنگ قریظہ کے روز۔ بنو قریظہ یہود کے ایک قبیلے کا نام ہے جس نے جنگ خندق میں نبی کریم ﷺ سے عہد شکنی کی تھی۔ ان کی اس بدعہدی کے نتیجے میں جنگ خندق کے فوراً بعد یہ معرکہ پیش آیا۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیرینہ حلیفانہ تعلقات کی بنا پر انہیں فیصل تسلیم کر لیا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام لونڈیاں بنا لیا جائے' یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے عین مطابق تھا اس لیے پھر مردوں کو قتل کر دیا گیا اور جن مردوں کے بالغ ہونے میں تردد ہوتا ان کے زیر ناف بال دیکھے جاتے' اگر اُگے ہوتے تو انہیں قتل کر دیا جاتا اور اگر نہ اُگے ہوتے تو چھوڑ دیا جاتا۔

فهم الحديث مذکورہ بالا دونوں احادیث میں بلوغت کی علامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بلوغت کی علامت پندرہ سال عمر ہے اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوغت کی علامت زیر ناف بالوں کا اُگنا ہے۔ ایک اور حدیث میں ایک تیسری علامت ''احتلام'' کا بھی ہے' فرمانِ نبوی ہے کہ **﴿ لَا یُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ ﴾** ''احتلام کے بعد یتیم نہیں۔'' (۱۲۱) اس پر اجماع ہے کہ احتلام مع انزال بلوغت کی علامت ہے۔ (۱۲۲) البتہ بلوغت کی عمر میں اختلاف ہے۔ جمہور کا کہنا ہے کہ پندرہ برس کی عمر میں لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہو جاتے ہیں (۱۲۳) اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ لڑکا اٹھارہ سال کی عمر میں اور لڑکی سترہ سال کی عمر میں بالغ ہوتی ہے۔ (۱۲۴) علاوہ ازیں واضح رہے کہ لڑکی کے لیے ان علامات کے ساتھ ساتھ حیض کی ابتداء بھی بلوغت کی علامت ہے۔ یہاں ان روایات کو لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ شرعی احکام کا نفاذ بلوغت کے بعد ہوتا ہے اور یہی وہ عمر ہے جس میں بچوں کو مال میں تصرف کی اجازت دی جائے گی' اس عمر سے قبل انہیں مالی تصرف کی اجازت دینا درست نہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ **﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ ﴾** [النساء:٥] ''بے وقوفوں کو اپنے اموال مت دو۔'' ایک دوسرا ارشاد یوں ہے کہ **﴿ فَاِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ﴾** [النساء : ٦] ''جب تم ان میں رشد (فہم و فراست) محسوس کرو تو انہیں ان کے مال ادا کر دو۔''

862- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا)) وَفِي لَفْظٍ: ((لَا يَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَمْرٌ فِي مَالِهَا إِذَا

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عورت کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں۔'' اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ''عورت کے لیے اپنے مال میں بھی کوئی معاملہ کرنا جائز

862- [حسن صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٣٥٤٦-٣٥٤٧) كتاب الإجارة : باب في عطية المرأة بغير إذن زوجها' نسائی (٥/٦٥-٦٦) ابن ماجه (٢٣٨٨) احمد (٢/١٧٩) حاكم (٢/٤٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(١٢١) [صحیح : صحیح ابو داود (٢٤٩٧) كتاب الوصايا : باب ما جاء متى ينقطع اليتم' ابو داود (٢٨٧٣) بيهقي (٧/٣٢٠) طيالسي (١٦٦٧)]

(١٢٢) [نيل الأوطار (٣/٦٣٧)]

(١٢٣) [تفصیل کے لیے دیکھیے: الأم (٣/٢٤٧) الحاوي (٦/٣٤٢) الهداية (٣/٢٨٤) الاختيار (٢/٩٥) المغني (٦/٥٩٨) كشاف القناع (٣/٤٤٤)]

(١٢٤) [نيل الأوطار (٣/٦٣٧)]

مَلَكَ زَوْجُهَا عِصْمَتَهَا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَصْحَابُ السُّنَنِ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۔

نہیں‘ جب اس کا شوہر اس کی عصمت کا مالک ہو۔‘‘ [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لیے اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی صدقہ وعطیہ دینا جائز نہیں حتی کہ اسے اپنے مال میں بھی تصرف کے لیے شوہر کی اجازت کا پابند ٹھہرایا گیا ہے۔ اس سے گھر میں شوہر کی حکمرانی کا تصور بھی بخوبی عیاں ہوتا ہے۔ یہاں ایک بات قابل توجہ ہے‘ جو کہ علامہ ناصر الدین البانی ؒ نے ذکر فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ’یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت اپنے خاص مال میں بھی شوہر کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتی اور یہ اُس حکمرانی کی تکمیل میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لیے عورت پر مقرر فرمایا ہے۔ لیکن شوہر کے لیے بھی جائز نہیں (جبکہ وہ سچا مسلمان ہو) کہ وہ اس حکم کا (ناجائز) فائدہ اٹھاتے ہوئے عورت پر کسی قسم کی زبردستی کرے یا اسے اس کے (ذاتی) مال میں بھی تصرف سے روکے۔(۱۲۵) واضح رہے کہ عورت کے ذاتی مال سے مراد وہ مال ہے جو اسے بطورِ مہر حاصل ہوا ہو‘ والدین کی طرف سے ملا ہو‘ سہیلیوں اور رشتہ داروں سے تحائف کی صورت میں ملا ہو یا اسے اپنے تجارتی منافع کی شکل میں حاصل ہوا ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس مسئلے کا کچھ بیان گزشتہ حدیث نمبر 630 کے تحت بھی گزر چکا ہے‘ ملاحظہ فرمائیے۔

863- وَ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ: رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ ، وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ ، وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتَّى يَقُومَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ : لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’سوال کرنا صرف تین افراد کے لیے درست ہے۔ ایک وہ شخص جس نے کسی کی ضمانت اٹھائی‘ اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتی کہ ضمانت حاصل کر لے اس کے بعد (سوال کرنے سے) رُک جائے۔ دوسرا وہ شخص جسے آفت پہنچ جائے‘ آفت نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا‘ اس کے لیے اُس وقت تک سوال کرنا جائز ہے جب تک کہ اس کی ضرورت نہ پوری ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہے اس کے قبیلہ کے تین ہوش مند انسان کھڑے ہوں اور (گواہی دیں کہ) فلاں انسان فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے اس وقت تک سوال کرنا جائز ہے جب تک اس کا فاقہ دور نہ ہو جائے۔ اے قبیصہ! ان کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے‘ سوال کرنے والا حرام مال کھائے گا۔‘‘ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح جَائِحَة آفت ومصیبت کو کہتے ہیں خواہ وہ آسمانی ہو یا زمینی۔ اَلْحِجَا سے مراد ہے ’’عقلمند‘‘۔ سُحْت کا معنی ہے ’’حرام‘‘۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت سوال کرنا جائز نہیں اور ضرورت کے تحت سوال کیا جا سکتا ہے

863- [مسلم (۱۰۴٤) كتاب الزكاة : باب من تحل له المسألة ' ابو داود (۱٦٤۰) نسائی (۸۹/٥) احمد (٦۰/٥) دارمی (۱٦۷۸) دارقطنی (۱۲۰/۲) بیهقی (۷۳/٦)]

(۱۲٥) [السلسلة الصحيحة (٤۰٦/۲)]

جس کی تین صورتیں اس حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مفلس و مجبور کے لیے بھی صرف اس وقت تک سوال کرنے کی گنجائش ہے جب تک اس کی ضرورت پوری نہ ہو جائے اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو پھر سوال حرام ہے۔

باب الصلح — صلح کا بیان

864-عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا، وَالْمُسْلِمُونَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ، إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ، وَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ، لِأَنَّ رَاوِيَهُ كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ ضَعِيفٌ، وَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَهُ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ۔

حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو حلال کو حرام بنا دے یا حرام کو حلال بنا دے اور مسلمان اپنی شروط کے پابند ہیں سوائے ایسی شرط کے جو حلال کو حرام بنا دے یا حرام کو حلال بنا دے۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور دیگر محدثین نے اس پر انکار کیا ہے کیونکہ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف ضعیف ہے اور گویا ترمذی نے کثرت طرق کی وجہ سے اسے صحیح کہا ہے۔]

865- وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

اور ابن حبان نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صحیح کہا ہے۔

لغوی توضیح اَلصُّلْحُ مصدر ہے باب صَلُحَ يَصْلُحُ (بروزن کرم' فتح' نصر) سے' اس کا معنی ہے ''درست ہونا''۔ باب صَالَحَ يُصَالِحُ (بروزن مفاعلة) باہم صلح کرنا' باب أَصْلَحَ يُصْلِحُ (بروزن افعال) صلح کروانا' باب اِسْتَصْلَحَ يَسْتَصْلِحُ (بروزن استفعال) صلح چاہنا' کے معنی میں مستعمل ہے۔ اصطلاحاً صلح ایسا عقد ہے جسے اختلاف و افتراق اور تنازعہ و انتشار کے رفع کرنے کے لیے اختیار کیا جائے۔ (١٢٦) صلح کا جواز کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے ساتھ ثابت ہے۔ صلح کی کئی اقسام ہیں مثلاً میاں بیوی کے درمیان صلح' مسلمانوں اور اہل حرب کفار کے درمیان صلح اور لین دین کے معاملات میں نزاع کے وقت صلح وغیرہ۔ یہاں (کتاب البیوع کی مناسبت سے) یہی آخری صلح مراد ہے۔ اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ سے مراد ہے کہ مسلمان اپنی شروط پر قائم و ثابت ہیں اور ان شرائط سے رجوع نہیں کرتے (جب تک کوئی شرط حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنا دینے والی نہ ہو)۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے۔ مسلمانوں کا ذکر اس لیے ہے کیونکہ احکام شرعیہ انہی پر لاگو ہوتے ہیں' علاوہ ازیں کفار کے ساتھ بھی بوقت ضرورت صلح جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے ساتھ (میثاق مدینہ) اور مشرکین کے ساتھ (صلح حدیبیہ کے نام) سے صلح فرمائی تھی۔ حرام کو حلال کرنے والی صلح مثلاً کسی لونڈی

864- [صحيح: صحيح ترمذى' ترمذى (١٣٥٢) كتاب الأحكام: باب ما ذكر فى الصلح بين الناس' ابن ماجه (٢٣٥٣) دارقطنى (٢٧/٣) حاكم (١٠١/٤) بيهقى (٥٦/٦) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح لغیرہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

865- [حسن صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٣٥٩٤) كتاب الأقضية: باب فى الصلح' احمد (٣٦٦/٢) ابن حبان (٥٠٩١) حاكم (٤٩/٢) دارقطنى (٢٧/٣) بيهقى (٦٤/٦)]

(١٢٦) [دیکھئے: نتائج الأفكار (٢٣/٧) تبيين الحقائق (٢٩/٥) الدر المختار (٤٩٣/٤) مغنى المحتاج (١٧٧/٢)]

سے وطی کرنے پر مصالحت کرنا جس سے وطی حلال نہ ہو یا ایسا مال کھانے کے لیے صلح کرنا جسے کھانا حلال نہ ہو۔ حلال کو حرام کرنے والی صلح مثلاً کوئی بیوی اپنے خاوند سے مصالحت کرے کہ وہ اسے طلاق نہ دے گا یا اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا۔ حرام کو حلال کرنے والی شروط مثلاً کسی ظالم کے ساتھ تعاون کی شرط اور محرم کے ساتھ ہم بستری کی شرط وغیرہ اور حلال کو حرام کرنے والی شروط مثلاً ساری عمر شادی نہ کرنے کی شرط اور کاروبار میں کسی خاص چیز کا نفع نہ لینے کی شرط وغیرہ۔ (۱۲۷)

866- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ)) ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ؟ وَاللّٰهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ ـ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے'' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں اس سے اعراض کرنے والے دیکھ رہا ہوں؟ اللہ کی قسم! میں تو اسے تمہارے کندھوں کے درمیان ماروں گا۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح يَغْرِزَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب غَرَزَ يَغْرِزُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے'' گاڑنا''۔ مراد یہ ہے کہ اپنی لکڑی ہمسائے کی دیوار میں اس غرض سے گاڑنا تا کہ اس پر چھت ڈالی جا سکے۔ خَشَبَة لکڑی کو کہتے ہیں۔ لَأَرْمِيَنَّ رمی سے مشتق ہے' اس کا معنی ہے'' پھینکنا''۔ أَكْتَاف جمع ہے کتف کی' اس کا معنی ہے'' کندھا''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چونکہ اس وقت مدینہ کے امیر تھے اس لیے انہوں نے کہا کہ میں زبردستی تم سے اس پر عمل کروا کر رہوں گا کیونکہ ایک امیر کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ احکام شرعیہ کا نفاذ کرے۔ امام صنعانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مخاطب صحابہ نہ تھے بلکہ وہ عام لوگ تھے جو اس حکم سے جاہل تھے۔ (۱۲۸)

فهم الحديث اس حدیث میں پڑوسی کے حقوق کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اپنی لکڑی (شہتیر اور لینٹر وغیرہ) پڑوسی کی دیوار پر رکھنا چاہے تو اسے منع نہ کیا جائے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نہی حرمت کے لیے ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ نے آئندہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث میں نہی کراہت پر محمول ہے' کیونکہ اصل یہ ہے کہ ہر مسلمان کا مال دوسرے پر حرام ہے الا کہ جس کی وہ اجازت دے دے۔ شیخ عبد اللہ بسام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جمہور نے جن عمومی دلائل سے استدلال کیا ہے اس حدیث سے ان کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ (۱۲۹)

867- وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَحِلُّ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی آدمی کے لیے اپنے بھائی کی دلی رضامندی کے

866- [بخاری (۲٤٦۳) كتاب المظالم والغصب: باب لا يمنع جار جاره أن يغرز خشبه في جداره' مسلم (۱٦۰۹) ابو داود (۳٦۳٤) ترمذی (۱۳۵۳) ابن ماجه (۲۳۳۵) احمد (۲٤۰/۲) بيهقى (٦۸/٦)]

867- [صحيح: صحيح الترغيب (۱۸۷۱) كتاب البيوع وغيرها: باب الترهيب من غصب الأرض وغيرها' ابن حبان (۵۹۷۸) احمد (٤۲۵/۵) بزار (۱۳۷۳) بيهقى (۱۰۰/٦) حاكم (٦۳۷/۳) شیخ عبد اللہ بسام رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۲۷) [نيل الأوطار (٦٤٤/۳)]
(۱۲۸) [سبل السلام (۱٤۲/۳)]
(۱۲۹) [توضيح الأحكام (۵۱۱/٤)]

لِامْرِئٍ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ)) رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ فِي صَحِيحَيْهِمَا۔

بغیر اس کی لاٹھی پکڑنا بھی حلال نہیں۔" [اسے ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث رسول اللہ ﷺ نے دورانِ خطبۂ حجۃ الوداع فرمایا تھا کہ ﴿إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا﴾ "تمہارے خون اور اموال ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔" (۱۳۰) مذکورہ بالا حدیث میں بھی یہی بیان ہے کہ لوگوں کے اموال بغیر اجازت لینا حرام ہے حتی کہ لاٹھی جیسی معمولی چیز بھی بغیر اجازت لینے سے احتراز کرنا چاہیے۔

باب الحوالة والضمان — حوالہ اور ضمانت کا بیان

868- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيءٍ فَلْيَتْبَعْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: ((وَ مَنْ أُحِيلَ فَلْيَحْتَلْ))۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو کسی مالدار آدمی کا حوالہ دیا جائے تو اسے قبول کر لینا چاہیے۔ [بخاری، مسلم۔ اور احمد کی ایک روایت میں ہے کہ] "اسے چاہیے کہ حوالہ قبول کرے۔"

لغوی توضیح حوالہ کا معنی ہے "منتقل کرنا"۔ باب أَحَالَ يُحِيلُ (بروزن افعال) حوالے کرنا، باب حَوَّلَ يُحَوِّلُ (بروزن تفعیل) منتقل کرنا، مُحِيل حوالے کرنے والا، مُحَال جسے حوالے کیا جا رہا ہے، مُحَال عَلَيْهِ یہ لفظ دوسرے غریم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مُحَال بِهِ سے مراد مال ہے۔ (۱۳۱) اصطلاحاً حوالہ سے مراد ایسا عقد ہے جو قرض کو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ (۱۳۲) اس کے جواز پر اہل علم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ (۱۳۳) ضمانت کا مطلب "کفالت یا تاوان" ہے۔ یہ باب ضَمِنَ يَضْمَنُ (بروزن سمع) سے مصدر ہے جس کا معنی ضامن اور کفیل ہونا مستعمل ہے۔ لفظ ضَامِن اور ضَمِين کا معنی "کفیل اور ذمہ دار" ہے اور مَضْمُون کا معنی ہے "جس کی کفالت یا ذمہ داری لی جائے۔" اصطلاحاً مطالبے میں مطلق طور پر ایک شخص کے ذمہ کو کسی دوسرے کے ذمہ کے ساتھ ملا دینا، ضمانت ہے۔ (۱۳۴) ضمانت کے جواز پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث میں حوالہ کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقروض قرض خواہ کو کسی مالدار کے حوالے کر دے تو اسے یہ حوالہ قبول کرنا چاہیے۔ اہل ظاہر نے اس (یعنی حوالہ قبول کرنے کے حکم) کو وجوب پر محمول کیا ہے

868- [بخاری (۲۲۸۷) کتاب الحوالات: باب الحوالة وهل يرجع فی الحوالة، مسلم (۱۵٦٤) ابو داود (۳۳٤٥) ترمذی (۱۳۰۸) نسائی (۳۱٦/۷) ابن ماجه (۲٤۰۳) احمد (۲٤٥/۲) مالك (٦٧٤/۲) دارمی (۲٥٨٦) بیهقی (۷۰/٦)]

(۱۳۰) [مسلم (۱۲۱۸) کتاب الحج: باب حجة النبی، احمد (۱٤٤٤٧) نسائی فی السنن الکبری (۳۷٤۲)]

(۱۳۱) [الشرح الکبیر (۳۲٥/۳) مغنی المحتاج (۱۹۳/۲) المغنی (٥۲۸/٤) غاية المنتهی (۱۱٤/۲) کشاف القناع (۳۷/۳)]

(۱۳۲) [المغنی (٥۲۱/٤) المهذب (۳۳۷/۱) مغنی المحتاج (۱۹۳/۲) بداية المجتهد (۲۹٤/۲) فتح القدير (٤٤٤/٥)]

(۱۳۳) [الفقه الإسلامی وأدلته (٤١٤٣/٦) فتح القدير (۳۸۹/٥) بدائع الصنائع (۲/٦) الدر المختار (۲٦۰/٤)]

(۱۳٤) [سبل السلام (٦۲/۳) المبسوط (۱٦۰/۱۹) مغنی المحتاج (۱۹۸/۲) المغنی (٥۳٤/٤)]

جبکہ جمہور اسے استحباب پر محمول کرتے ہیں۔(۱۳۵) شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے ایک فتوے میں سودی بنکوں کے حوالے کو بھی درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کہیں سودی بنکوں کے ذریعے حوالہ دینے کی ضرورت پیش آ جائے تو اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔(۱۳۶) یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس کے حوالے کیا گیا ہے اگر وہ ادائیگی میں ٹال مٹول کرے یا اسے دیوالیہ قرار دے دیا جائے تو قرض خواہ اپنے اصل مقروض سے مطالبہ کرے گا' کیونکہ قرض کی ادائیگی حوالے کرنے والے پر ابھی باقی ہے' جیسا کہ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے۔(۱۳۷)

869- وَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِنَّا ' فَغَسَّلْنَاهُ وَ حَنَّطْنَاهُ وَ كَفَّنَّاهُ ' ثُمَّ أَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا: تُصَلِّي عَلَيْهِ ' فَخَطَا خُطًى ' ثُمَّ قَالَ: ((أَعَلَيْهِ دَيْنٌ ؟)) فَقُلْنَا: دِينَارَانِ ' فَانْصَرَفَ ' فَتَحَمَّلَهُمَا أَبُو قَتَادَةَ ' فَأَتَيْنَاهُ ' فَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: الدِّينَارَانِ عَلَيَّ ' فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَقَّ الْغَرِيمِ وَبَرِيءَ مِنْهُمَا الْمَيِّتُ ؟)) قَالَ: نَعَمْ ' فَصَلَّى عَلَيْهِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارا ایک آدمی فوت ہو گیا تو ہم نے اسے غسل دیا' اسے حنوط (مردوں کی خوشبو) لگائی اور اسے کفن پہنایا' پھر ہم اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور عرض کیا' اس پر جنازہ پڑھ دیجئے' آپ ﷺ چند قدم چلے پھر فرمایا "کیا اس پر قرض ہے؟" ہم نے کہا' (جی ہاں) دو دینار ہے' یہ سنا تو آپ ﷺ واپس آ گئے' پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ان دو دیناروں کی (ادائیگی کی) ذمہ داری لی' پھر ہم آپ ﷺ کے پاس آئے اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا' وہ دو دینار میرے ذمہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "(کیا) مقروض کی طرح یہ تم پر لازم ہو گیا اور میت ان دیناروں سے بری ہو گئی؟" انہوں نے عرض کیا' جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔[اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح حَنَّطْنَا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَنَّطَ يُحَنِّطُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "خوشبو لگانا"۔ خَطَا بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب خَطَا يَخْطُو (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "قدم چلنا"۔ تَحَمَّلَ ذمہ داری اٹھائی۔

870- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی فوت شدہ آدمی لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ دریافت کرتے

869- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۳۳۴۳) کتاب البیوع : باب فی التشدید فی الدین' نسائی (۶۵/۴-۶۶) احمد (۲۳۰/۳) ابن حبان (۲۰۶۴) حاکم (۵۸/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

870- [بخاری (۲۲۹۸) کتاب الحوالات : باب جواز أبی بکر فی عهد النبی وعقده' مسلم (۱۶۱۹) ترمذی (۱۰۷۰) نسائی (۶۶/۴) ابن ماجه (۲۴۱۵) احمد (۳۳۵/۲)]

(۱۳۵) [سبل السلام (۱۴۶/۳)]

(۱۳۶) [توضیح الأحکام (۵۱۷/۴)]

(۱۳۷) [الدرر البهية : کتاب الحوالة]

عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ : ((هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ ؟)) فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى عَلَيْهِ ، وَإِلَّا قَالَ : ((صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ)) فَلَمَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ : ((أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ : ((فَمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً)).

"کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟" اگر تو یہ خبر دی جاتی کہ اس نے مال چھوڑا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ دیتے ورنہ فرما دیتے کہ "اپنے ساتھی پر (خود ہی) نماز جنازہ پڑھ لو" پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "میں مومنوں کے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں پس جو فوت ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔" [بخاری، مسلم۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ "پس جو (مقروض) فوت ہو اور وہ ادائیگی کے لیے مال نہ چھوڑے۔"]

لغوی توضیح حُدِّثَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَدَّثَ يُحَدِّثُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے "خبر دینا، بیان کرنا"۔ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ کا معنی ہے "میں مومنوں کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب اور حقدار ہوں۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض اور دیگر حقوق العباد وفات کے بعد بھی معاف نہیں ہوتے اور اگر کوئی شخص وفات کے بعد میت کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری لے تو یہ ذمہ داری درست ہے۔ ذمہ داری لینے کے بعد اس قرض کی ادائیگی ذمہ دار پر واجب ہو جاتی ہے جیسے کہ مقروض پر واجب تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے اگر قرض ادا کیا جائے تو اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ امام شوکانی رقمطراز ہیں کہ نبی ﷺ نے مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس ڈر سے (کہ نبی ﷺ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھائیں گے) اپنی زندگیوں میں ہی قرض ادا کر دیں۔(۱۳۸) امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ میت کی طرف سے ضمانت میں یہ شرط ہے کہ میت نے ترکہ میں قرض کے برابر مال چھوڑا ہو ورنہ ضمانت صحیح نہیں ہوگی۔(۱۳۹) واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی حدیث میں ایسی شرط نہیں لگائی لہٰذا ایسی تمام شروط جو کتاب وسنت میں نہیں، باطل و بے بنیاد ہیں۔ مذکورہ بالا دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایا کی ضروریات کا خیال رکھنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے حتی کہ اگر ان میں سے کوئی شخص مقروض فوت ہو اور وہ اپنے ترکہ میں اتنا مال نہ چھوڑے جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہو تو حکمران کا یہ فریضہ ہے کہ وہ بیت المال میں سے اس کا قرض ادا کرے کیونکہ بیت المال میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔

871- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((لَا كَفَالَةَ فِي حَدٍّ)) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ .

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "(اللہ کی مقرر کردہ) حد میں کوئی ضمانت نہیں۔" [اسے بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

871- [بیهقی (٦/٧٧) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو منکر اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(١٣٨) [نيل الأوطار (٦٢٤/٣)]

(١٣٩) [تفصیل کے لیے دیکھئے: الهداية (٩٥/٣) الحاوی (٤٥٤/٦) الأم (٢٦٤/٣) الكافی (ص/٣٩٩) الخرشی (٢٣/٦) المغنی (١٠٥/٧) كشاف القناع (٣٧٤/٣) نيل الأوطار (٦٢٤/٣)]

لغوی توضیح كَفَالَة مصدر ہے کَفَلَ سے'اس کا معنی ہے''لازم کر لینا''۔شرعاً کفالت سے مراد ہے کسی سمجھدار آدمی کا اپنے مرضی سے کسی ایسے شخص کو حاضر کرنے کی ذمہ داری اٹھانا جس کے ذمہ کسی حقدار کا مالی حق ہو' جیسا کہ شیخ عبداللہ بسامؒ نے بیان کیا ہے۔(١٤٠) حد کی جمع ہے حدود'اس سے مراد ایسی سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھی ہیں۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود کے معاملے میں کسی کی ضمانت قبول نہیں کی جائے گی۔مگر یہ روایت ضعیف ہے۔البتہ اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر چہ یہ روایت ضعیف ہے مگر معناً صحیح ہے کیونکہ کفالت کا تعلق خاص مالی حقوق سے ہے اور حد کا تعلق بدنی حقوق سے ہے لہٰذا کفالت کسی بھی ایسے کام میں درست نہیں جس کا تعلق صرف بدنی حقوق سے ہو۔نیز اقامتِ حدود کی ترغیب میں جو احادیث وارد ہیں وہ بھی اس روایت کی مؤید ہیں۔

باب الشركة والوكالة — شراکت اور وکالت کا بیان

872- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَإِذَا خَانَ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں دو شریکوں کا تیسرا (ساتھی) ہوں جب تک ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے جب وہ خیانت کرے گا تو میں ان دونوں کے درمیان سے نکل جاؤں گا۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح شَرِكَة مصدر ہے باب شَرِكَ يَشْرَكُ (بروزن سمع) سے'اس کا معنی ہے''شریک ہونا''۔باب أَشْرَكَ (بروزن افعال) شریک کرنا۔باب شَارَكَ' تَشَارَكَ (بروزن مفاعلہ اور تفاعل) باہم شریک ہونا' کے معانی میں مستعمل ہے۔اصطلاحاً شراکت سے مراد ہے' کسی تصرف یا استحقاق میں باہم اکٹھے ہو جانا۔(١٤١) اس کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ [النساء: ١٢] ''تو ایک تہائی میں سب شریک ہوں گے۔'' الْوِكَالَة مصدر ہے باب وَكَّلَ يُوَكِّلُ (بروزن تفعیل) سے'اس کا معنی ہے'' وکیل بنانا''۔باب وَكَلَ يَكِلُ (بروزن ضرب) سپرد کرنا' کسی پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے اپنا نائب بنانا اور باب تَوَكَّلَ يَتَوَكَّلُ (بروزن تفعّل) وکیل بننا' کے معنی میں مستعمل ہے۔اصطلاحاً وکالت سے مراد ہے' مطلق یا مقید طور پر کسی شخص کو اپنا قائم مقام بنانا۔(١٤٢) اس کی مشروعیت کے دلائل میں سے قرآن کی یہ آیت بھی ہے ﴿ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ ﴾ [الكهف: ١٩] ''اپنی اس چاندی کے ساتھ کسی کو شہر کی طرف بھیجو۔'' أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ سے مراد ہے کہ

872- [ضعيف: ضعيف ابو داود' ابو داود (٣٣٨٣) كتاب البيوع: باب في الشركة' دارقطني (٣٥/٣) حاكم (٥٢/٢) بيهقي (٧٨/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(١٤٠) [توضيح الأحكام (٥٢٨/٤)]
(١٤١) [المغني (١/٥) الفقه الإسلامي وأدلته (٣٨٧٥/٥)]
(١٤٢) [نيل الأوطار (٦٥٨/٣) مغني المحتاج (٢١٧/٢)]

میں دونوں شرکاء کی حفاظت ونگہبانی کرتا ہوں۔

873- وَعَنِ السَّائِبِ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ شَرِيكُ النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَ الْبَعْثَةِ، فَجَاءَ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَقَالَ: ((مَرْحَبًا بِأَخِي وَشَرِيكِي)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهُ۔

حضرت سائب مخزومی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ قبل از بعثت نبی کریم ﷺ کے شریک تھے، وہ فتح مکہ کے روز آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "میرے بھائی اور میرے شریک! مبارک ہو۔" [اسے احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب فتح مکہ کے روز حضرت سائب رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا "جاہلیت میں آپ میرے بہترین شریک تھے نہ مجھے فریب دیتے اور نہ مجھ سے جھگڑا کرتے۔"(۱۴۳) معلوم ہوا کہ کاروبار میں شراکت جائز ہے اور اس شراکت کا رواج دورِ جاہلیت میں بھی تھا جسے بعد میں اسلام نے نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس کی مناسب تصحیح و تنقیح بھی کی۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق کا بھی بیان ہے کہ آپ ﷺ اس آدمی کی اچھی صحبت اور حسنِ معاملہ کو اتنے عرصے بعد بھی نہیں بھولے بلکہ اس کا نہایت ہی احسن انداز میں استقبال کیا اور اس کے لیے اچھے کلمات کہے۔

874- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((اشْتَرَكْتُ أَنَا وَعَمَّارٌ وَسَعْدٌ فِيمَا نُصِيبُ يَوْمَ بَدْرٍ ......)) الْحَدِيثُ ـ وَتَمَامُهُ: ((فَجَاءَ سَعْدٌ بِأَسِيرَيْنِ، وَلَمْ أَجِيءْ أَنَا وَعَمَّارٌ بِشَيْءٍ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اور عمار رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ نے اُن اشیاء میں شراکت کی جو ہمیں جنگ بدر کے روز حاصل ہوئی تھیں۔ اس روایت کے آخر میں یوں ہے کہ (اس روز) سعد رضی اللہ عنہ دو قیدی لائے، لیکن میں اور عمار رضی اللہ عنہ کچھ بھی نہ لائے۔ [اسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔]

فھم الحدیث اس روایت سے شرکتِ ابدان کا جواز ثابت کیا جاتا ہے۔ شرکتِ ابدان یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد اُس جائز چیز میں شریک ہوں جسے وہ اپنے بدنوں سے کمائیں گے۔ امام ابوحنیفہؒ اسے جائز قرار دیتے ہیں جبکہ جمہور اس روایت کو ضعیف کہتے ہوئے اسے ناجائز کہتے ہیں۔ امام ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ کسی بھی چیز میں شرکتِ ابدان جائز نہیں، اگر یہ واقع ہوئی تو باطل ہوگی۔(۱۴۴)

875- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کی

873- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۴۸۳۶) کتاب الأدب: باب فی کراھیة المراء، ابن ماجہ (۲۲۸۷) احمد (۴۲۵/۳) حاکم (۶۱/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

874- [ضعیف: ضعیف ابو داود، ابو داود (۳۳۸۸) کتاب البیوع: باب فی الشرکة علی غیر رأس مال، نسائی (۳۱۹/۷) ابن ماجہ (۲۲۸۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو منقطع اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

875- [ضعیف: ضعیف ابو داود، ابو داود (۳۶۳۲) کتاب الأقضیة: باب فی الوکالة، دارقطنی (۱۵۴/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

---

(۱۴۳) [صحیح: صحیح ابن ماجة (۱۸۵۳) ابو داود (۴۸۳۶) کتاب الأدب: باب فی کراھیة المراء، ابن ماجة (۲۲۸۷) حاکم (۶۱/۲)]

(۱۴۴) [سبل السلام (۱۵۳/۳)]

قَالَ : أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلَى خَيْبَرَ ' فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ ' فَقَالَ : ((إِذَا أَتَيْتَ وَكِيلِي بِخَيْبَرَ فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقًا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ۔

طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا ' آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تیرے پاس میرا وکیل (یعنی نمائندہ) آئے تو اس سے پندرہ وسق وصول کر لینا۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت اور اس باب میں آئندہ باقی تمام روایات میں اثبات وکالت کا ذکر ہے۔ معاملات میں کسی کو اپنا وکیل (یعنی نائب و نمائندہ) مقرر کرنا قرآن کی متعدد آیات اور بیشتر احادیث سے ثابت ہے۔ چند ایسی احادیث جو وکالت کے اثبات میں ہیں مگر اس باب میں نہیں پیش خدمت ہیں: ① حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کے مال کا صدقہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ! آل ابی اوفی پر رحمت و برکت نازل فرما۔''(١٤٥) ② ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹوں پر مقرر فرمایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ وہ اونٹوں کے چمڑے اور جلیں تقسیم کر دیں۔(١٤٦) ③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صدقہ فطر کی حفاظت کے لیے مجھے وکیل بنایا اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو کچھ بھیڑ بکریاں دیں کہ وہ انہیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دے۔(١٤٧) ④ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لیے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی کو اپنا وکیل بنایا۔(١٤٨) علاوہ ازیں امام بخاریؒ نے صحیح بخاری' کتاب الوکالۃ میں چھبیس احادیث نقل فرما کر وکالت کو ثابت کیا ہے جن میں سے چھ معلق ہیں اور بقیہ موصول۔ تفصیل کا طالب ان کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔(١٤٩) یہ بھی یاد رہے کہ وکالت کے جواز پر اہل علم نے امت کا اجماع نقل فرمایا ہے۔(١٥٠)

876- وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ مَعَهُ بِدِينَارٍ يَشْتَرِي لَهُ أُضْحِيَّةً ......)) الْحَدِيثَ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي أَثْنَاءِ حَدِيثٍ ' وَقَدْ تَقَدَّمَ ۔

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک دینار دے کر قربانی کا ایک جانور خریدنے کے لیے بھیجا۔ [اسے بخاری نے ایک حدیث کے درمیان میں ذکر فرمایا ہے اور یہ پیچھے گزر چکی ہے۔]

876- [بخاری (٣٦٤٢) كتاب المناقب : باب سوال المشركين أن يريهم النبي ﷺ آية ' ابو داود (٣٣٨٤) ترمذی (١٢٥٨) ابن ماجه (٢٤٠٢) احمد (٣٨٥/٤) دارقطنی (١٠/٣)]

(١٤٥) [أحمد (٣٥٣/٤) شرح السنة (٣١٤/٣) بيهقى (١٥٧/٤) طبرانی كبير (١١) مشكل الآثار (١٦٢/٤) ابن ماجة (١٧٩٦)]

(١٤٦) [بخاری (١٧٠٧) كتاب الحج : باب الجلال للبدن ' مسلم (١٣١٧) ابو داود (١٧٦٩) ابن ماجة (٣٠٩٩) نسائی فی السنن الكبرى (٤٥٦/٢)]

(١٤٧) [بخاری (٢٣١١) كتاب الوكالة : باب إذا وكل رجلا فترك الوكيل ...... ' مسلم (١٩٦٥) ترمذی (١٥٠٠) نسائی (٢١٨/٧) ابن ماجة (٣١٣٨) احمد (١٤٩/٢) دارمی (٧٨/٢) ابن حبان (٥٨٩٨) بيهقى (٢٦٩/٩) ابو يعلى (١٧٥٨) ابن خزيمة (٢٩١٦)]

(١٤٨) [موطا (٣٤٨/١) مسند شافعی (٣١٧/١)]

(١٤٩) [بخاری : كتاب الوكالة ' نيل الأوطار (٦٥٨/٣)]

(١٥٠) [المغنی (٧٩/٥) تكملة فتح القدير (٣/٦) مغنی المحتاج (٢١٧/٢) المهذب (٣٤٨/١) المبسوط (٢/١٩)]

فهم الحدیث اس حدیث سے جہاں وکالت کا جواز ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے اپنا نائب بنا کر بھیجا) وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر وکیل مؤکل (وکیل بنانے والے) کے دیئے ہوئے مال سے کچھ نفع حاصل کر لے تو وہ نفع بھی مؤکل کا ہی ہوگا (جیسا کہ اسی حدیث میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اس دینار کی دو بکریاں خرید لیں اور پھر ایک دینار کے عوض ایک بکری فروخت کر دی اور دینار اور بکری دونوں نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئے' اس پر آپ ﷺ نے ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور پھر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی نفع اٹھاتے)۔ امام شوکانیؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۱۵۱)

877- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ ......)) اَلْحَدِيثُ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقہ کی وصولی پر (نمائندہ مقرر فرما کر) روانہ کیا۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت زکوٰۃ کی وصولی کے لیے کسی دیانتدار شخص کو نمائندہ بنا کر بھیج سکتا ہے۔

878- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَحَرَ ثَلَاثًا وَ سِتِّينَ وَ أَمَرَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْ يَذْبَحَ الْبَاقِيَ ......)) اَلْحَدِيثُ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تریسٹھ اونٹ نحر کیے اور علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باقی اونٹ وہ ذبح کر دیں۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ذبح و نحر کرنے کے لیے بھی کسی کو اپنا نمائندہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سینتیس (37) اونٹ ذبح کیے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض عبادات میں بھی نیابت و وکالت درست ہے' کیونکہ اونٹ نحر کرنا عبادت ہے۔

879- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي قِصَّةِ الْعَسِيفِ ' قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا ......)) اَلْحَدِيثُ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزدور کے قصہ میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اے انیس! صبح اس کی بیوی کی طرف جا اور اگر وہ (زنا کا) اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْعَسِيفُ بروزن فعیل اجیر و مزدور کے معنی میں ہے (یہ قصہ تفصیلاً آئندہ کتاب الحدود میں آئے گا)۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم و قاضی نفاذِ حدود کے سلسلے میں بھی کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیج سکتا

877- [بخاری (۱٤٦۸) کتاب الزکاة : باب قول الله تعالی وفی الرقاب ......' مسلم (۹۸۳) ابو داود (۱٦۲۳) نسائی (۳۳/٥) احمد (۳۲۲/۲) دارقطنی (۱۲۳/۲) بیهقی (۱۱۱/٤) ابن خزیمة (۲۳۳۰)]

878- [مسلم (۱۲۱۸) کتاب الحج : باب حجة النبی' ابو داود (۱۹۰٥) ابن ماجه (۳۰۷٤) احمد (۳۲۰/۳) دارمی (۱۸٥۱) ابن الجارود (٤٦٥) بیهقی (۷/٥)]

879- [بخاری (۲۷۲٤-۲۷۲٥) کتاب الشروط : باب الشروط التی لا تحل فی الحدود' مسلم (۱٦۹۷-۱٦۹۸) ابو داود (٤٤٤٥) ترمذی (۱٤۳۳) نسائی (۲٤۰/۸) ابن ماجه (۲٥٤۹) احمد (۱۱٥/٤) مالك (۸۲۸/۲) دارمی (۲۳۱۷)]

(۱٥۱) [الدرر البهية : کتاب الوکالة]

ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھی جرم کے اثبات کے لیے اعتراف جرم نہایت قوی ترین ذریعہ ہے۔

باب الاقرار — اقرار کا بیان

880- عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: ((قُلِ الْحَقَّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا)) صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''حق بات کہو خواہ کڑوی ہی ہو۔'' [اسے ابن حبان نے ایک لمبی حدیث میں صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت مکمل یوں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' مجھے میرے خلیل (محمد ﷺ) نے چند اُمورِ خیر کی وصیت فرمائی (وہ یہ ہیں) کہ میں اپنے سے اوپر والے کو نہ دیکھوں بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھوں' میں مساکین سے محبت کروں اور ان کے قریب رہوں' میں صلہ رحمی کروں اگرچہ رشتہ دار مجھ سے قطع تعلق کریں' میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں' میں ہمیشہ حق بات کہوں اگرچہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو اور میں کثرت سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ذکر کروں کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔(۱۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ حق اور سچ کہنا چاہیے خواہ اس کے بدلے کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے' کسی بڑے سے بڑے کی مخالفت ہی کیوں نہ مول لینی پڑے اور خواہ وہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام حقوق میں بندے کا اقرار معتبر ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد۔ اقامت ونفاذِ حقوق اللہ کی شرائط میں سے ہے کہ حد تمام ہونے تک انسان اپنے اقرار پر باقی رہے' اگر اقرار کے بعد حد قائم ہونے سے پہلے اس نے اپنی بات سے رجوع کر لیا تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ جبکہ نفاذِ حقوق العباد میں معاملہ اس طرح نہیں بلکہ اس کے ایک مرتبہ اقرار کے بعد حد لازم ہو جائے گی اور اس سے رجوع ناقابل قبول ہوگا' یہی وجہ ہے کہ چوری شدہ چیز کا تاوان ایک مرتبہ اقرار کے ساتھ ہی لازم ہو جاتا ہے۔(۱۰۳)

باب العارية — اُدھار کا بیان

881- عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہاتھ کے ذمہ ہے وہ چیز جو اس نے لی جب تک وہ اسے ادا نہ کر دے۔'' [اسے احمد، ابوداود، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

880- [ابن حبان (۳۶۱۔الموارد) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

881- [ضعیف: ضعیف ابو داود' ابو داود (۳۵۶۱) كتاب الإجارة: باب في تضمين العارية' ترمذی (۱۲۶۶) ابن ماجه (۲۴۰۰) احمد (۸/۵) دارمی (۲۵۹۶) ابن الجارود (۱۰۲۴) حاكم (۴۷/۲) بیهقی (۹۰/۶) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو معلول' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۰۲) [صحیح: صحيح الترغيب (۲۵۲۵) كتاب البر والصلة: باب الترغيب في صلة الرحم وان قطعت]

(۱۰۳) [كما في توضيح الأحكام (۵۶۸/۴)]

لغوی توضیح عَـارِيَة کا مطلب ہے ''اُدھار لی ہوئی چیز''۔ باب أَعَارَ (بروزن افعال) اُدھار دینا اور باب اِسْتَعَارَ (بروزن استفعال) اُدھار لینا' کے معانی میں مستعمل ہے۔ اصطلاحاً عاریۃ کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر عوض کے کسی کو نفع اُٹھانے کی اجازت دینا۔(۱۰٤) اس کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔(۱۰۵)

فهم الحدیث امام صنعانی'' فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی جو کچھ بھی پکڑے' جو کسی اور کی ملکیت ہو' اسے لوٹانا واجب ہے اور وہ اس وقت تک بری نہیں ہوگا جب تک وہ چیز اپنے مالک یا اس کے قائم مقام تک نہ پہنچ جائے۔ اور اس میں غصب' امانت اور اُدھار سب اشیاء شامل ہیں۔ اُدھار لی ہوئی چیز کی ضمانت کس پر ہے؟ اس کے متعلق تین اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ مطلق طور پر اس کی ضمانت اُدھار لینے والے پر ہے (خواہ اس کی شرط ہو یا نہ)' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ، عطاءؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اُدھار کی امانت کی مانند کوئی ضمانت نہیں الا کہ اس کی شرط لگائی گئی ہو' یہ قول امام ہادیؒ اور بعض دیگر اہل علم کا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب تک اُدھار لینے والا خیانت نہ کرے اس پر کوئی ضمانت نہیں خواہ اس کی شرط ہو یا نہ' یہ مؤقف امام حسنؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول ہی زیادہ بہتر ہے۔(۱۰٦)

882- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ : ((أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ حَسَّنَهُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ اسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ الرَّازِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کو امانت واپس کرو جس نے تمہارے پاس امانت رکھی اور جس نے تم سے خیانت کی اس سے خیانت نہ کرو۔'' [اسے ترمذی اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن، حاکم نے اسے صحیح اور ابوحاتم رازی نے اسے منکر سمجھا ہے۔]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔ یہ بات بظاہر ان فرامینِ الٰہیہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے: ① ﴿ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ [الشورى : ٤٠] ''اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔'' ② ﴿ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ﴾ [النحل : ١٢٦] ''اور اگر بدلہ لو تو بالکل اتنا جتنا تمہیں صدمہ پہنچایا گیا ہو۔'' ③ ﴿ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ﴾ [البقرة : ١٩٤] ''جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کی مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے۔'' اس کی تطبیق میں چار اقوال ہیں: پہلا قول احناف کا ہے کہ خیانت جائز ہے بشرطیکہ امانت دیا ہوا مال اُس مال کی جنس سے ہو جس میں خیانت کی گئی ہے۔ دوسرا قول امام شوکانیؒ کا ہے کہ حاکم کی اجازت کے بغیر (خیانت) جائز نہیں۔ تیسرا قول امام ابن حزمؒ کا ہے کہ اپنے حق کے مطابق بدلے میں مال رکھ لینا واجب ہے۔ چوتھا قول امام شافعیؒ کا ہے کہ حدیث میں نہی تنزیہی

882- [حسن صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٥٣٥) كتاب الإجارة : باب فى الرجل يأخذ حقه من تحت يده' ترمذى (١٢٦٤) دارمى (٢٥٩٧) دارقطنى (٣٥/٣) حاكم (٤٦/٢) بيهقى (٢٧١/١٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(١٠٤) [مغنى المحتاج (٢٦٤/٢) كشاف القناع (٦٧/٤) الفقه الإسلامي وأدلته (٤٠٣٦/٥)]
(١٠٥) [المغنى (٣٨٢/٦) المبسوط (١٠٩/١١)] (١٠٦) [سبل السلام (١٦٢/٣)]

ہے' تحریمی نہیں (جمہور علما بھی اسی کے قائل ہیں)۔(۱۵۷) ہمارے علم کے مطابق راجح قول یہ ہے کہ مذکورہ حدیث آیات کے عموم سے خاص ہے اور اس میں نہی تنزیہی ہے۔(۱۵۸)

883- وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَتَتْكَ رُسُلِي فَأَعْطِهِمْ ثَلَاثِينَ دِرْعًا)) قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَعَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ، أَوْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ؟ قَالَ: ((بَلْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس میرے قاصد آئیں تو انہیں تیس زرہیں دے دینا۔ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کیا ایسے اُدھار کے طور پر جس میں ضمانت ہوگی یا ایسے اُدھار کے طور پر جو قابل واپسی ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا" بلکہ ایسا اُدھار جو قابل واپسی ہوگا۔" [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْمَضْمُونَة سے مراد ہے کہ جو چیز اُدھار لی ہوئی ہے اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کی صورت میں ادائیگی ضروری ہے۔ جبکہ الْمُؤَدَّاة کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز بطورِ امانت (عاریتاً) لی ہے وہ بعینہ واپس کرنا ہوگی اگر وہ چیز تلف ہوگئی تو پھر اس کی قیمت دینا لازم نہیں۔

884- وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعَارَ مِنْهُ دُرُوعًا يَوْمَ حُنَيْنٍ، فَقَالَ: أَغَصْبٌ يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ: ((بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَحْمَدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے چند زرہیں جنگ حنین کے روز اُدھار لیں تو اس نے کہا' کیا اے محمد (ﷺ)! آپ غصب کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا" (نہیں) بلکہ عاریتاً لے رہا ہوں جس کی ضمانت دی گئی ہے۔" [اسے ابوداود، احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

885- وَ أَخْرَجَ لَهُ شَاهِدًا ضَعِيفًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک ضعیف شاہد بھی روایت کیا ہے۔

لغوی توضیح أَغَصْبٌ کیا آپ زبردستی چھین رہے ہیں۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اُدھار لی گئی ہو اسے واپس کرنا لازم ہے اور اگر وہ چیز تلف ہو جائے تو پھر اس کی قیمت دینا ہوگی' کیونکہ اُدھار کی صورت میں ضمانت اُدھار لینے والے پر ہی ہوتی ہے۔ لیکن اگر امانت کی

883- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۳۵٦٦) كتاب الإجارة: باب في تضمين العارية' نسائی فی السنن الكبرى (۴۰۹/۳) احمد (۴۰۱/۳) حاکم (۴۷/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

884- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۳۵٦۲-۳۵٦٤) كتاب الإجارة: باب في تضمين العارية' نسائی فی السنن الكبرى (۴۰۹/۳) احمد (۴۰۱/۳) حاکم (۴۷/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

885- [حاکم (۴۷/۲)]

---

(۱۵۷) [نيل الأوطار (۶۹۱/۳) سبل السلام (۱۲۰۳/۳)]

(۱۵۸) [نيل الأوطار (۶۹۰/۳) قفو الأثر (۱۰۹۵/۳)]

صورت میں کوئی چیز لی ہو تو پھر اس میں یہ اصول ہے کہ وہی چیز بعینہٖ واپس کرنا ہوگی جو لی ہے' اگر موجود ہو' ورنہ اس کی قیمت ادا کرنا ضروری نہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے کہ ''جسے امانت دی گئی ہے اس پر خیانت کے بغیر کوئی ضمانت نہیں۔''(۱۵۹) اگرچہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن اس مسئلے پر علما کا اجماع ہو چکا ہے۔(۱۶۰) جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔(۱۶۱) یہاں یہ یاد رہے کہ اگر کوئی جان بوجھ کر وہ چیز تلف کر دے تو پھر اسے اس کی قیمت دینا ہوگی۔ علاوہ ازیں اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کافر سے بھی بوقتِ ضرورت کوئی چیز اُدھار لی جا سکتی ہے' کیونکہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے جب آپ ﷺ نے زرہیں اُدھار لی تھیں اس وقت وہ کافر تھے۔

باب الغصب — غصب کا بیان

886- عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : ((مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللَّهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے کسی سے ایک بالشت برابر زمین زبردستی چھین لی اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اتنی زمین کو ساتوں زمینوں میں سے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیں گے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح غَصْب مصدر ہے باب غَصَبَ يَغْصِبُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''زبردستی کوئی چیز چھین لینا۔'' اصطلاحاً غصب سے مراد ہے' کسی دوسرے کا حق چھین لینا اور اس پر زبردستی قبضہ کر لینا۔(۱۶۲) یہ حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ ﴾ [النساء : ۲۹] ''آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔'' غاصب پر واجب ہے کہ جو چیز اس نے چھینی ہے وہ واپس لوٹائے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ مظلوم شخص اپنے اوپر کیے گئے ظلم کے برابر ظالم کے لیے بددعا کر سکتا ہے۔(۱۶۳) اِقْتَطَعَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِقْتَطَعَ يَقْتَطِعُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''چھین لینا یا لے لینا''۔ شِبْرًا بالشت کو کہتے ہیں۔ طَوَّقَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب طَوَّقَ يُطَوِّقُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''طوق ڈالنا'' مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں تک دھنسا دیں گے۔ أَرَضِينَ جمع ہے أَرْض کی' اس کا معنی ہے ''زمین''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم و زیادتی سے کسی کا بھی مال چھین لینا حرام ہے خواہ وہ زمین ہو یا کچھ اور۔

887- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی کسی

886- [بخاری (۲۴۵۲) کتاب المظالم والغصب : باب إثم من ظلم شيئا من الأرض' مسلم (۱۶۱۰) ترمذی (۱۴۱۸) احمد (۱۸۸/۱) دارمی (۲۶۰۶) بیہقی (۹۸/۶)]

887- [بخاری (۲۴۸۱) کتاب المظالم والغصب : باب إذا كسر قصعة أو شيئا لغيره' ابو داود (۳۵۶۷) ترمذی (۱۳۵۹) نسائی (۷۰/۷) ابن ماجہ (۲۳۳۴) احمد (۱۰۵/۳) دارمی (۲۰۹۸)]

(۱۵۹) [ضعیف : دارقطنی (۴۱/۳)' (۱۶۸) امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں عمرو اور عبیدہ دونوں راوی ضعیف ہیں اور اس روایت کو امام بیہقیؒ نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ [بیہقی (۹۱/۶)]

(۱۶۰) [موسوعة الإجماع فی الفقه الإسلامی لسعدی أبو حبیب (۱۱۰۸/۲) الفقه الإسلامی وأدلته (۴۰۲۲/۵)]

(۱۶۱) [نیل الأوطار (۲۸۹/۳) الروضة الندیة (۳۱۲/۲)]

(۱۶۲) [کما فی فقه السنة (۳۲۳/۳)]

(۱۶۳) [کما فی توضیح الأحکام (۵۸۲/۴)]

كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ ، فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَ خَادِمٍ بِقَصْعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ ، فَضَرَبَتْ بِيَدِهَا ، فَكَسَرَتْ الْقَصْعَةَ ، فَضَمَّهَا ، وَجَعَلَ فِيهَا الطَّعَامَ ، وَقَالَ : ((كُلُوا)) وَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيحَةَ لِلرَّسُولِ ، وَحَبَسَ الْمَكْسُورَةَ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ ، وَ سَمَّى الضَّارِبَةَ عَائِشَةَ ، وَزَادَ : فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((طَعَامٌ بِطَعَامٍ ، وَ إِنَاءٌ بِإِنَاءٍ)) وَ صَحَّحَهُ ۔

بیوی کے ہاں تشریف فرما تھے کہ امہات المومنین میں سے کسی (حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا) نے خادم کے ہاتھ ایک برتن میں کھانا بھیجا۔ تو اس بیوی (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے اسے ہاتھ سے گرا کر توڑ دیا' آپ ﷺ نے اسے جوڑ کر اس میں کھانا ڈالا اور فرمایا "کھاؤ"۔ پھر اپنا صحیح برتن (بدلے میں) واپس بھیج دیا اور ٹوٹا ہوا خود رکھ لیا۔ [اسے بخاری اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے ہاتھ مار کر برتن توڑنے والی کا نام عائشہ ذکر کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ] نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کھانے کے بدلے کھانا ہے اور برتن کے بدلے برتن۔" [اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح قَصْعَة کا معنی ہے پیالہ' اس کی جمع قصاع آتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی کوئی چیز تلف کر دے تو اس پر لازم ہے کہ اس طرح کی چیز بدلے میں دے خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو' اس پر سب کا اتفاق ہے' البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ جو چیز ہلاک کی ہے وہی دینی ہوگی' لیکن اگر اس کی مثل چیز ملنا ہی مشکل ہو تو پھر قیمت دی جا سکتی ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (١٦٤)

888-وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ ، وَ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ يُقَالُ : إِنَّ الْبُخَارِيَّ ضَعَّفَهُ ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی قوم کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر فصل کاشت کی اسے پیداوار سے کچھ نہیں ملے گا البتہ اخراجات مل جائیں گے۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

لغوی توضیح وَلَهُ نَفَقَتُهُ کا مفہوم یہ ہے کہ فصل کی کاشت میں جتنی لاگت آئی ہے وہ اسے دے دی جائے گی جبکہ اسے منافع نہیں دیا جائے گا۔ (١٦٥)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر اجازت کسی کی زمین میں کوئی فصل کاشت کر لے اسے فصل سے حاصل ہونے والا منافع نہیں بلکہ صرف کاشت کی لاگت دے دی جائے گی اور منافع مالک کا ہوگا۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ کا یہی مؤقف ہے جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ کھیتی غاصب کی ہی ہوگی اور مالک کو زمین کا کرایہ ادا کر دیا جائے گا۔ (١٦٦) یہ قول بلا دلیل ہونے کی بنا پر پہلے قول کے مقابلے کا نہیں جو مذکورہ بالا صحیح حدیث پر مبنی ہے۔

888- [صحيح : صحيح ابو داود ، ابو داود (٣٤٠٣) كتاب البيوع : باب في زرع الأرض بغير إذن صاحبها ، ترمذى (١٣٦٦) ابن ماجه (٢٤٦٦) أحمد (٤٦٥/٣) بيهقى (١٣٦/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(١٦٤) [كما فى توضيح الأحكام (٥٩٠/٤)]

(١٦٥) [قفو الأثر (١١٠٢/٣) تلخيص الحبير (٥٤/٣) عون المعبود (٢٦٦/٩)] (١٦٦) [كما فى توضيح الأحكام (٥٩٢/٤)]

889- وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ أَرْضٍ، غَرَسَ أَحَدُهُمَا فِيْهَا نَخْلًا وَالْأَرْضُ لِلْآخَرِ، فَقَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْأَرْضِ لِصَاحِبِهَا وَأَمَرَ صَاحِبَ النَّخْلِ أَنْ يُخْرِجَ نَخْلَهُ، وَقَالَ: ((لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی نے بیان کیا' دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک زمین کا جھگڑا لے کر آئے' ان میں سے ایک نے اس میں کھجور کے درخت لگا دیئے تھے جبکہ زمین دوسرے کی تھی۔ تو آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا ''زمین مالک کی ہے اور کھجور کے درخت لگانے والا اپنے درخت اُکھاڑ لے'' اور فرمایا کہ ''ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔]

890- وَ آخِرُهُ عِنْدَ أَصْحَابِ السُّنَنِ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ، وَ اخْتُلِفَ فِيْ وَصْلِهِ وَ إِرْسَالِهِ، وَفِيْ تَعْيِيْنِ صَحَابِيِّهِ۔

اور اس کا آخری حصہ اصحابِ سنن نے عروہ عن سعید بن زید کے واسطے سے روایت کیا ہے اور اس کے موصول اور مرسل ہونے اور اس کے صحابی کے تعین میں اختلاف ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کرنا حرام اور موجب گناہ ہے اور ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین میں بلا اجازت کوئی چیز مثلاً درخت وغیرہ لگا لے تو اسے اپنے درخت اُکھاڑ لینے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس روایت کے ساتھ پچھلی روایت کو بھی ملایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہ اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اپنے درخت اُکھاڑ کر لے جائے یا پھر اپنی لاگت وصول کر لے اور درخت زمین کے مالک کے ہو جائیں گے۔

891- وَعَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى: ((إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مقامِ منیٰ میں یوم النحر کے خطبے میں فرمایا ''بلاشبہ تمہارے خون' تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کی کسی بھی چیز پر غاصبانہ قبضہ کرنا حرام ہے اور اس پر سب متفق ہیں۔

889- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (٣٠٧٤) كتاب الخراج والإمارة والفيء: باب في إحياء الموات' دارقطني (٣٥/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

890- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٣٠٧٣) كتاب الخراج والإمارة والفيء: باب في إحياء الموات' ترمذي (١٣٧٨) نسائي في السنن الكبرى (٤٠٥/٣) احمد (٣٢٧/٥) مالك (٧٤٣/٢) بيهقي (١٤٢/٦)]

891- [بخاري (٦٧) كتاب العلم: باب قول النبي رب مبلغ أوعى من سامع' مسلم (١٦٧٩) ابو داود (١٩٤٨) احمد (٣٧/٥) دارمي (١٩١٦) بيهقي (١٠٤/٥)]

باب الشفعة — حق شفعہ کا بیان

892- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ، وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ : ((الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شِرْكٍ : فِي أَرْضٍ أَوْ رَبْعٍ أَوْ حَائِطٍ ، لَا يَصْلُحُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يَعْرِضَ عَلَى شَرِيكِهِ)) وَفِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ : ((قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ)) وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اُس چیز میں شفعہ کا فیصلہ دیا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو اور جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ ہو جائیں تو پھر حق شفعہ نہیں ہے۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ] ''شفعہ ہر مشترکہ چیز میں ہے (مثلاً) زمین میں یا مکان میں یا باغ میں۔ اپنے شریک پر پیش کیے بغیر کسی کے لیے چیز فروخت کرنا درست نہیں۔'' [اور طحاوی کی روایت میں ہے کہ] نبی کریم ﷺ نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہے۔

لغوی توضیح شفعہ شفع سے ماخوذ ہے جس کا معنی جوڑا' زائد' ملانا اور تقویت وغیرہ ہے۔ اصطلاحاً شفعہ سے مراد ہے' شریک کے اُس حصے کو مقرر معاوضے کے بدلے شریک کی طرف منتقل کرنا جو اجنبی کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ (۱۶۷) اہل علم کے نزدیک ایسے شریک کے لیے جس نے ابھی مقاسمت نہیں کی حق شفعہ کے اثبات پر اجماع ہے۔ (۱۶۸) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شفعہ کی مشروعیت میں سوائے ابوبکر اصم کے علاوہ کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ (۱۶۹) رَبْع رہائش گاہ۔ حَائِط باغ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو مشترکہ ہو اور ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو اس میں حق شفعہ ہے' خواہ وہ چیز منقولہ ہو (مثلاً سواری اور دیگر ساز وسامان وغیرہ) یا غیر منقولہ (مثلاً گھر' دکان اور دیگر عمارات وغیرہ)۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ، احناف اور اہل ظاہر کا یہی مؤقف ہے۔ جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ شفعہ صرف منقولہ اشیاء میں ہی ہے۔ (۱۷۰) راجح مؤقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے کیونکہ ایک تو طحاوی کی روایت کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ شفعہ کا سبب صرف شراکت ہی ہے اور وہ ہر چیز میں عام ہے خواہ زمین ہو یا گھر' راستہ ہو یا پانی کی کوئی ندی یا کوئی بھی منقولہ چیز' جیسا کہ امام شوکانیؒ نے بھی یہی مؤقف اپنایا ہے۔ (۱۷۱) اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ جب شریک کو مطلع کر دیا جائے اور اس کے بعد وہ کسی دوسرے سے سودا کرے تو کیا شریک کے لیے شفعہ کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟۔ جمہور علما، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اسے حق شفعہ حاصل ہو گا (کیونکہ پہلے اطلاع دینا حق شفعہ کے لیے مانع نہیں)۔ جبکہ امام

892- [بخاری (۲۲۵۷) کتاب الشفعة : باب الشفعة فیما لم یقسم' مسلم (۱۶۰۸) ابو داود (۳۵۱۳) ترمذی (۱۳۷۰) نسائی (۳۰۱/۷) ابن ماجه (۲٤۹۹) احمد (۲۹٦/۳) بیهقی (۱۰۲/٦) طحاوی (۱۲۰/٤)]

(۱٦۷) [فتح الباری (۱۹۲/۵)]
(۱٦۸) [المغنی (۲۸٤/۵) السیل الجرار (۱٦۹/۳)]
(۱٦۹) [فتح الباری (۱۹۲/۵)]
(۱۷۰) [المغنی (٤٤۱/۷) سبل السلام (۹٦/۳-۹۷) الأم (٤/٤) فتح الوهاب للشیخ زکریا (۲۳۸/۱) المبسوط (۹۵/۱٤) الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف]
(۱۷۱) [السیل الجرار (۱۷۲/۳)]

ثوریؒ اور امام ابوعبیدؒ نے کہا ہے کہ اطلاع دینے کے بعد شفعہ کا استحقاق ساقط ہو جاتا ہے۔دوسرا موقف ہی اقرب الی الحدیث ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''اگر وہ چاہے تو اسے رکھ لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے (تو جب اطلاع دینے پر شریک نے اسے نہیں رکھا پھر حق شفعہ کس چیز کا باقی رہا؟)''۔(۱۷۲)

893- وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَ الْحَاكِمُ، وَفِيهِ قِصَّةٌ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' ہمسایہ اپنے قریبی ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔''[اسے بخاری اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس بارے میں قصہ ہے۔]

894- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ عِلَّةٌ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' گھر کا پڑوسی اس گھر کا زیادہ حقدار ہے۔''[اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور اس میں علت ہے۔]

895- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ يُنْتَظَرُ بِهَا ۔ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا ۔ إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہمسایہ اپنے ہمسائے کا شفعہ میں زیادہ حقدار ہے، شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔''[اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح صَقَب کا معنی ہے ''قریبی ہونا'' اسے صاد کی جگہ سین کے ساتھ سَقَب بھی پڑھا گیا ہے۔ وَفِيهِ قِصَّةٌ اور اس میں ایک لمبا قصہ ہے۔ وہ قصہ مختصر الفاظ میں یوں ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ سے کہیے کہ وہ میرے دو مکان جو ان کے قرب میں ہیں خرید لیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو انہیں چار ہزار پر ہی خریدوں گا خواہ وہ اکٹھے لے لو یا قسط وار۔ اس پر حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے تو میں تمہیں یہ مکان چار ہزار میں کبھی نہ دیتا۔ اس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہے۔

فہم الحدیث ان احادیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کو بھی شریک کی طرح حق شفعہ حاصل ہے۔ لیکن اس کا

893- [بخاری (۲۲۵۸) کتاب الشفعة : باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع، ابو داود (۳۵۱۶) نسائی (۳۲۰/۷) ابن ماجه (۲٤۹٥) احمد (۱۰/٦) دارقطنی (۲۲۲/٤) بیهقی (۱۰٥/٦)]

894- [صحیح : إرواء الغلیل (۱٥۳۹) صحیح الجامع الصغیر (۳۰۸۷) ابن حبان (٥۱۸۲) طحاوی (۱۲۲/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو معلول کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کے کچھ شواہد ہیں جن سے اس کے معنی کی صحت ثابت ہو جاتی ہے۔]

895- [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۳٥۱۸) کتاب الإجارة : باب فی الشفعة، ترمذی (۱۳٦۹) ابن ماجه (۲٤۹٤) احمد (۳۰۳/۳) بیهقی (۱۰٦/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۷۲) [نیل الأوطار (٤۰/۳) سبل السلام (۱۲۱۷/۳)]

جواب یوں دیا گیا ہے کہ ان احادیث میں حق شفعہ کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔ البتہ پڑوسی کے زیادہ حقدار ہونے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ تعاون' خیر خواہی اور ایثار وغیرہ کا دوسروں سے زیادہ مستحق ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ قاموس میں ہے کہ لفظ جـــار' پڑوسی کی طرح شریک پر بھی بولا جاتا ہے۔(۱۷۳) اس کی تائید مذکورہ بالا تیسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ پڑوسی کو صرف اسی صورت میں شفعہ کا حق ہے جب دونوں کا راستہ ایک ہو' مراد ہے کہ دونوں شریک ہوں۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مجرد ہمسائیگی کے ذریعے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مشترک راستہ ہونا ضروری ہے اس کی تائید نبی ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ ''جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعہ کا استحقاق نہیں رہتا۔''(۱۷٤) امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ یہی (امام شوکانیؒ کی) بات زیادہ مبنی برانصاف ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱۷۵) امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں' جبکہ احناف نے کہا ہے کہ مجرد ہمسائیگی سے بھی حق شفعہ ثابت ہو جاتا ہے۔(۱۷٦) پہلا موقف ہی دلائل کے زیادہ قریب ہے۔(۱۷۷)

896- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((**الشُّفْعَةُ كَحَلِّ الْعِقَالِ**)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَ الْبَزَّارُ، وَزَادَ: ((**وَلَا شُفْعَةَ لِغَائِبٍ**)) وَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' شفعہ رسی کھولنے کی مانند ہے۔'' [اسے ابن ماجہ اور بزار نے روایت کیا ہے اور بزار نے یہ اضافہ کیا ہے کہ]''غائب شخص کو شفعہ کا حق نہیں۔'' [اس کی سند ضعیف ہے۔]

لغوی توضیح حَلّ کا معنی ہے ''کھولنا'' اور عِقَال اُس رسی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسے رسی کھل جائے تو جانور فوراً بھاگ جاتا ہے اسی طرح اگر فوراً شفعہ نہ کیا جائے تو حق شفعہ بھی باطل ہو جاتا ہے۔

فهم الحديث یہ اور اس معنی کی تمام روایات ثابت نہیں۔ لیکن پھر بھی احناف کا موقف انہی روایات پر مبنی ہے کہ حق شفعہ تاخیر کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن راجح موقف یہ ہے کہ حق شفعہ تاخیر کے باعث باطل نہیں ہوتا اور اس کی دلیل گزشتہ صحیح حدیث ہے جس میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ ''اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا۔'' امام ابن رُشدؒ فرماتے ہیں کہ اگر (شریک) غائب ہو تو علما کا اجماع ہے کہ غائب اپنے شفعہ کے حق پر باقی رہے گا جب تک کہ اسے شریک کی بیع کا علم نہ ہو جائے۔(۱۷۸) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ تاخیر ہو جانے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔(۱۷۹) نواب صدیق حسن خانؒ نے کہا ہے کہ حق بات یہی ہے کہ تاخیر ہو جانے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔(۱۸۰)

896- [**ضعيف جدا** : ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (۲۵۰۰ـ۲۵۰۱) كتاب الشفعة : باب طلب الشفعة' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۱۷۳) [القاموس المحيط (ص/۳۳۲)]
(۱۷٤) [نيل الأوطار (۴۳/۳) منحة الغفاد (۱٤۲۷/۳)]
(۱۷۵) [أعلام الموقعين (۱۹۰/۲)]
(۱۷٦) [سبل السلام (۹۸/۳ـ۹۹) الأم (٦/٤) روضة الطالبين (۱۵۹/٤) المبسوط (۹۲/۱٤) فتح العلام (ص/٤۸۰) المغني (٤۳٦/۷) حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء (۲٦٦/۵) البحر الزخار (۸/٤)]
(۱۷۷) [السيل الجرار (۱۷۲/۳)]
(۱۷۸) [بداية المجتهد (٤٦٤/۲)]
(۱۷۹) [الدرر البهية : كتاب الشفعة]
(۱۸۰) [الروضة الندية (۲۷۰/۲)]
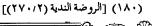
باب القراض — مضاربت کا بیان

897- عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ: الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ، وَالْمُقَارَضَةُ، وَخَلْطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ، لَا لِلْبَيْعِ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" تین کاموں میں برکت ہے: ایک مقررہ مدت تک فروخت کرنا' مضاربت کرنا اور گندم میں جو ملانا گھر کے لیے' تجارت کے لیے نہیں۔" [اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

898- وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَشْتَرِطُ عَلَى الرَّجُلِ إِذَا أَعْطَاهُ مَالًا مُقَارَضَةً: أَنْ لَا تَجْعَلَ مَالِي فِي كَبِدٍ رَطْبَةٍ، وَلَا تَحْمِلَهُ فِي بَحْرٍ، وَلَا تَنْزِلَ بِهِ فِي بَطْنِ مَسِيلٍ، فَإِنْ فَعَلْتَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَدْ ضَمِنْتَ مَالِي۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ کسی کو مضاربت پر اپنا مال دیتے تو شرط لگاتے کہ تم میرے مال سے حیوان کی تجارت نہیں کرو گے' اسے سمندر میں لے کر نہیں جاؤ گے' اسے سیلاب کی جگہوں میں لے کر نہیں جاؤ گے اور اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تم میرے مال کے ضامن ہو گے۔ [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

899- وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأِ: عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: أَنَّهُ عَمِلَ فِي مَالٍ لِعُثْمَانَ عَلَى أَنَّ الرِّبْحَ بَيْنَهُمَا، وَهُوَ مَوْقُوفٌ صَحِيحٌ۔

امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مال میں اس شرط پر تجارت کی تھی کہ منافع دونوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ [یہ روایت موقوف صحیح ہے۔]

لغوی توضیح مُضَارَبَة مصدر ہے باب ضَارَبَ يُضَارِبُ (بروزن مفاعلہ) سے' اسے مقارضۃ بھی کہتے ہیں یعنی مشارکت فی التجارۃ (تجارت میں باہم مشارکت کرنا)۔ مضاربت سے مراد ایسی تجارت ہے جس میں سرمایہ ایک شخص کا اور محنت کسی دوسرے شخص کی ہو اس شرط پر کہ منافع دونوں میں طے شدہ شرائط کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور تجارت کے خسارے میں نقصان صرف مال کے مالک کا ہوگا اور عامل کو اپنی محنت وجدوجہد کا نقصان ہوگا۔ مذکورہ بالا روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن مضاربت آئندہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ نیز بیع کی مشروعیت کے دلائل میں سے اجماع بھی ہے کیونکہ صحابہ کی کثیر تعداد یتیم بچوں کے اموال مضاربت پر دیتی اور کسی نے اس پر اظہار تعجب نہ کیا۔ (۱۸۱) امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

897- [ضعیف جدا: ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (۲۲۸۹) كتاب التجارات: الشركة والمضاربة' شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

898- [صحیح: إرواء الغليل (۱۴۷۲) دارقطنی (۶۲/۳) بیهقی (۱۱۱/۶) شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

899- [مالك (۶۸۸/۲) بیهقی (۱۱۱/۶)]

(۱۸۱) [نصب الراية (۱۱۳/۴)]

دورنبوی میں اس بیع کی موجودگی اور آپ ﷺ کا اس پر اظہار تعجب نہ کرنا اس کی مشروعیت کا واضح ثبوت ہے۔(١٨٢)حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر مضاربت جائز نہ ہوتی تو آپ ﷺ منع فرما دیتے۔(١٨٣) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ اس بیع کی مشروعیت نص پر قائم اجماع کی وجہ سے ہے۔(١٨٤) علامہ البانیؒ نے کہا ہے کہ معاملات میں اصل جواز ہے لہٰذا کوئی ممانعت نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیع درست ہے۔(١٨٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ بیع مضاربت کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کے ساتھ ثابت ہے۔(١٨٦)

باب المساقاة والاجارة — آبپاشی اور زمین کو ٹھیکہ پر دینے کا بیان

900- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا : فَسَأَلُوهُ أَنْ يُقِرَّهُمْ بِهَا عَلَى أَنْ يَكْفُوهُ عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ ' فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا)) فَقَرُّوا بِهَا ' حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - وَلِمُسْلِمٍ : ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَفَعَ إِلَى يَهُودِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا عَلَى أَنْ يَعْتَمِلُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَهُمْ شَطْرُ ثَمَرِهَا)) -

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے یوں معاملہ طے کیا کہ اس کی پیداوار سے جو بھی پھل اور کھیتی حاصل ہو گی اس کا نصف تمہیں ملے گا۔[بخاری، مسلم۔ ان دونوں کی ایک روایت میں ہے کہ] انہوں (یعنی یہود) نے خود آپ ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں ان زمینوں پر برقرار رکھیں وہ ان میں کھیتی باڑی کریں گے اور ان کے لیے نصف پیداوار ہو گی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے فرمایا" ہم تمہیں ان زمینوں میں اس شرط پر ٹھہراتے ہیں کہ جب تک ہم چاہیں گے رہنے دیں گے۔" پھر انہیں وہاں برقرار رکھا گیا حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جلاوطن کر دیا۔[اور مسلم میں ہے کہ] رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجور کے درخت اور زمین اس شرط پر دی کہ وہ اپنے اموال سے ان میں کام کریں گے اور ان کے لیے نصف پیداوار ہو گی۔

لغوی توضیح اَلْمُسَاقَاة مصدر ہے باب سَاقَى يُسَاقِيْ (بروزن مفاعلہ) سے۔ مساقاۃ کہتے ہیں کسی کو نگرانی وآبپاشی کے لیے اپنے درخت اس شرط پر دینا کہ پیداوار کا ایک حصہ اسے بھی ملے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ مزارعت (کھیتی باڑی) کی طرح ہی ہے۔(١٨٧) کیونکہ اس میں درخت مقررہ پیداوار کے عوض دیئے جاتے ہیں اور مزارعت میں زمین۔(١٨٨) اِجَارَه مصدر ہے باب أَجَرَ يَأْجُرُ (بروزن نصر' ضرب) سے' اس کا معنی "اجرت دینا' بدلہ دینا اور اجرت"

900- [بخاری (٢٣٢٩-٢٣٣٨) كتاب المزارعة : باب إذا لم يشترط السنين في المزارعة ' مسلم (١٥٥١) ابو داود (٣٤٠٨-٣٤٠٩) ترمذی (١٣٨٣) نسائی (٥٣/٧) ابن ماجه (٢٤٦٧) احمد (١٧/٢) دارمی (٢٦١٤)]

(١٨٢) [مراتب الإجماع (ص/١٩)]
(١٨٣) [تلخيص الحبير (٥٨/٣)]س
(١٨٤) [مجموع الفتاوى (١٩٥/١٩)]
(١٨٥) [إرواء الغليل (٢٩٤/٥)]
(١٨٦) [توضيح الأحكام (٢٠/٥)]
(١٨٧) [دیکھئے: أنيس الفقهاء (ص/ ٢٧٤) القاموس المحيط (سقى) المصباح المنير (٤٢٨/١)]
(١٨٨) [القاموس (خبر)]

مستعمل ہے۔ اِیجار (بروزن افعال) اور استیجار (بروزن استفعال) کا معنی "کسی کو مزدور بنانا ہے۔" استیجار کا ایک اور معنی ہے "گھر اُجرت پر لینا۔" اَجِیْر مزدور کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً اجارہ سے مراد ہے' کسی چیز کے مباح نفع کا معلوم مدت اور معلوم معاوضے کے ساتھ مالک بنانا۔(۱۸۹) بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ نصف پیداوار کے عوض۔

فھم الحدیث اس حدیث سے مساقاۃ اور مزارعت کا جواز معلوم ہوتا ہے' کیونکہ آپ ﷺ نے یہود کو پیداوار کے مقررہ حصے کے عوض خیبر کے درخت بھی دیئے (جو مساقاۃ ہے) اور زمین بھی (جو مزارعت ہے)۔ جمہور علماء و محدثین اس کے جواز کے ہی قائل ہیں نیز امام محمد بن حسن شیبانی ؒ اور قاضی ابو یوسف ؒ بھی اسے جائز قرار دیتے ہیں' البتہ امام ابو حنیفہ ؒ نے اسے ناجائز کہا ہے۔ امام صنعانی ؒ نے نقل فرمایا ہے کہ احناف نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اہل خیبر آپ ﷺ کے غلام تھے اس لیے انہوں نے جو کچھ لیا اور جو چھوڑا سب کچھ دراصل آپ ﷺ کا ہی تھا لیکن یہ کلام مردود اور قابل اعتماد نہیں۔(۱۹۰) امام ابن قیم ؒ نے مفصل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ مساقاۃ اور مزارعت جائز ہے۔(۱۹۱) شیخ عبداللہ بسام ؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۱۹۲)

901- وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ ؟ فَقَالَ : لَا بَأْسَ بِهِ ' ((إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَأَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَأَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا ' وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا ' وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هٰذَا ' فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ ' فَأَمَّا شَيْءٌ مَعْلُومٌ مَضْمُونٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' وَفِيهِ بَيَانٌ لِمَا أُجْمِلَ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنْ إِطْلَاقِ النَّهْيِ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ ۔

حضرت حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے سونے اور چاندی کے عوض زمین کو ٹھیکے پر دینے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا' اس میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ اس شرط پر زمین ٹھیکے پر دیا کرتے تھے کہ جو کچھ پانی کی نالیوں اور ندیوں کے کناروں پر پیدا ہوگا اور کھیتی کا کچھ حصہ میں لوں گا۔ تو کبھی یہ حصہ تباہ ہو جاتا اور وہ سلامت رہتا اور کبھی یہ سلامت رہتا اور وہ تباہ ہو جاتا' لوگ صرف اسی طرح زمین ٹھیکے پر دیتے تھے۔ پس اس لیے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا' البتہ اگر کوئی چیز مقرر اور ذمہ میں لی گئی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اس میں بخاری و مسلم کی اُس مجمل روایت کی وضاحت ہے جس میں مطلق طور پر زمین ٹھیکے پر دینے کی ممانعت مذکور ہے۔]

لغوی توضیح اَلْمَاذِيَانَات جمع ہے مَاذِيَة کی' اس سے مراد وہ پیداوار ہے جو پانی کے بہاؤ کی جگہوں اور نہر کے کناروں پر اُگ آتی ہے۔ أَقْبَالَ الْجَدَاوِل اس سے مراد چھوٹی ندیوں اور نالوں کے سروں اور ارد گرد اُگنے والی پیداوار ہے۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نقدی یا معلوم منافع کے بدلے زمین کو ٹھیکے پر دینا جائز ہے اور بخاری

901- [مسلم (۱۵٤۷) كتاب البيوع : باب كراء الأرض ' ابو داود (۳۳۹۲) نسائی (۷/۴۳) مزید دیکھئے : بخاری (۴۰۱۲) مسلم (۱۵٤۷) نسائی (۷/٤٤) ابن ماجه (۲٤٦۰)]

(۱۸۹) [الشرح الكبير (٤/۳) الفروق (٤/٤) المغنی (۵/۳۹۸) الفقه الإسلامی وأدلته (۵/۳۸۰٤)]

(۱۹۰) [سبل السلام (۳/۱۹۲)]

(۱۹۱) [زاد المعاد (۳/۳٤۵)]

(۱۹۲) [توضيح الأحكام (۵/۳۹)]

وسلم کی جس روایت میں ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے زمین کو ٹھیکے پر دینے سے منع فرمایا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکے پر دیتے وقت کسی خاص حصے کی پیداوار کو اپنے لیے مخصوص کر لینا' جیسا کہ عہد رسالت میں لوگ کیا کرتے تھے' اس کا نقصان یہ ہوتا تھا کہ کبھی ایک حصے میں پیداوار زیادہ ہو جاتی اور دوسرے حصے میں نہ ہوتی تو مالک کو فائدہ ہو جاتا اور ٹھیکے پر لینے والے کا نقصان' اسی طرح بعض اوقات اس کے برعکس مالک کو نقصان ہو جاتا اور لینے والے کو فائدہ' جس سے نزاع و انتشار پیدا ہو جاتا' تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ اس لیے یہ صورت منع ہے وگرنہ اگر کوئی چیز مقرر ہو مثلاً معین پیداوار' سونا چاندی یا مروجہ نقدی وغیرہ تو پھر کوئی حرج نہیں (ممانعت صرف نامعلوم پیداوار اور قطعۂ ارضی کی تخصیص میں ہے)۔

902- وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور ٹھیکہ پر دینے کی اجازت دی ہے۔ [اسے مسلم نے ہی روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْمُزَارَعَة سے مراد ہے پیداوار کے ایک حصے کے عوض زمین کھیتی باڑی کے لیے کسی کو دینا۔ جبکہ اَلْمُؤَاجَرَة سے مراد ہے سونے چاندی یا مروجہ نقدی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا۔

فهم الحديث اس حدیث میں مزارعت سے منع کیا گیا ہے لیکن گزشتہ احادیث اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ مزارعت ممنوع صرف اس صورت میں ہے جو گزشتہ حدیث میں مذکور ہے کہ مالک زمین کا کوئی حصہ اپنے لیے خاص کر لے۔ البتہ اگر پیداوار کی مقدار متعین کر لی جائے تو پھر مزارعت میں کوئی حرج نہیں۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے اسی جمع و توجیہ کو عمدہ و مستقیم کہا ہے۔

903- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَعْطَى الَّذِي حَجَمَهُ أَجْرَهُ' وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اس کی اجرت بھی دی اور اگر یہ حرام ہوتا تو آپ اسے اجرت نہ دیتے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

904- وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح خَبِيث سے مراد ہے گھٹیا' ردی وغیرہ۔

فهم الحديث بظاہر یہ دونوں احادیث ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ حجام (پچھنے لگانے والے) کی کمائی مکروہ ہے حرام نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظِ خبیث کم تر' گھٹیا اور ادنیٰ کے معنی میں ہے' حرام کے

902- [مسلم (١٥٤٩) كتاب البيوع : باب فى المزارعة والمؤاجرة]

903- [بخاری (٢١٠٣) كتاب البيوع : باب ذكر الحجام' مسلم (١٢٠٢) ابو داود (٣٤٢٣) ابن ماجه (٢١٦٢) احمد (٢٤١/١)]

904- [مسلم (١٥٦٨) كتاب المساقاة : باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن' ابو داود (٣٤٢١) ترمذى (١٢٧٥) نسائى (١٩٠/٧) احمد (٤٦٤/٣)]

معنی میں نہیں' جیسا کہ قرآن میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ﴾ [البقرة : ٢٦٧] ''ان میں سے بُری چیزیں خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا۔'' اس عمل کو مکروہ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ عمل ایسے افعال میں سے ہے جو ضرورت کے وقت ایک مسلمان کی اعانت کرنے کے لیے دوسرے مسلمان پر لازم ہیں لہٰذا اس پر اجرت لینا درست نہیں۔(١٩٣) جمہور علما نے حجام کی کمائی کو حلال قرار دیا ہے۔(١٩٤)

905- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' تین آدمی ایسے ہیں جن کا میں روزِ قیامت مخالف ہوں گا' ایک وہ آدمی جس نے میرے نام پر عہد کر کے بدعہدی کی' دوسرا وہ جو کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھا گیا اور تیسرا وہ جس نے کسی کو مزدور بنایا' پھر اس سے کام تو پورا لیا لیکن اس کی مزدوری (پوری) نہ دی۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَعْطَى بِيْ میرا نام لے کر کوئی حلف اٹھایا یا عہد کیا۔ غَدَرَ خیانت کی' بدعہدی کی۔ اسْتَوْفَى مِنْهُ اس (مزدور) سے پورا کام لیا۔

فهم الحديث اس حدیث سے مذکورہ تینوں کاموں کی حرمت اور شدتِ جرم کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ خود ان تینوں کے مخالف و مدعی ہوں گے۔

906- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ سب سے زیادہ مستحق جس پر تم اجرت لو اللہ کی کتاب ہے۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تبلیغ الاحکام الشرعیہ نماز' روزہ اور زکوۃ کی طرح واجب ہے اور واجب عمل کا اجر اللہ تعالیٰ سے طلب کیا جاتا ہے انسانوں سے نہیں تاہم دم پر اُجرت کا جواز واضح نص کی وجہ سے بہرحال موجود ہے۔(١٩٥) امام ابن حزمؒ نے فرمایا ہے کہ تعلیم القرآن پر اُجرت لینے کے ناجائز ہونے کی تمام احادیث صحیح نہیں۔(١٩٦) امام ابن منذرؒ(١٩٧) اور امام

905- [بخاری (٢٢٢٧۔٢٢٧٠) کتاب البیوع : باب إثم من باع حرا' ابن ماجه (٢٤٤٢) احمد (٣٥٨/٢) بیهقی (١٢١/٦)]

906- [بخاری (٥٧٣٧) کتاب الطب : باب الشرط فی الرقیة بقطیع من الغنم' ابن حبان (٥١٤٦) دارقطنی (٦٥/٣) بیهقی (١٢٤/٦)]

---

(١٩٣) [سبل السلام (١٢٣٢/٣)]

(١٩٤) [نیل الأوطار (٦٧٢/٣)]

(١٩٥) [رد المختار (٣٥/٥) الهدایه (٣٠٣/٢) الروضة الندیة (٢٧٩/٢) نیل الأوطار (٣٢٤/٥)]

(١٩٦) [المحلی (١٥/٩)] (١٩٧) [تفسیر قرطبی (٣٣٥/١)]

صنعانی (۱۹۸) نے بھی قرآن کی تعلیم پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔ یہی مؤقف راجح ہے۔ (۱۹۹)

907- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے اس کی اجرت دو۔" [اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

908- وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ أَبِي يَعْلَى وَ الْبَيْهَقِيِّ۔

اور اس باب میں ابو یعلی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حدیث بیان کی ہے۔

909- وَجَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ، وَ كُلُّهَا ضِعَافٌ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے طبرانی میں بھی روایت مروی ہے اور یہ تمام ضعیف ہیں۔

لغوی توضیح يَجِفَّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب جَفَّ يَجِفُّ (بروزن ضرب) سے، اس کا معنی ہے "خشک ہونا"۔ عَرَق پسینے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس آدمی کو کسی کام پر مزدور بنایا گیا ہو، اس سے اپنا کام لینے کے فوراً بعد اسے اجرت دے دینا واجب ہے، عمداً محض ٹال مٹول کے ذریعے ادائیگی میں تاخیر کرتے جانا جائز نہیں۔

910- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَلْيُتِمَّ لَهُ أُجْرَتَهُ)) رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَفِيهِ انْقِطَاعٌ، وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي حَنِيفَةَ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی کو مزدور بنایا وہ اسے اس کی پوری اجرت دے۔" [اسے عبد الرزاق نے روایت کیا ہے اور اس میں انقطاع ہے اور بیہقی نے اسے ابو حنیفہؒ کے طریق سے موصول بیان کیا ہے۔]

لغوی توضیح فَلْيُتِمَّ أُجْرَتَهُ اسے پوری اجرت دینی چاہیے۔ ایک نسخے میں فَلْيُتِمَّ کی جگہ فَلْيُسَمِّ کے لفظ ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ کسی کو اجیر بناتے وقت اجرت طے کی جائے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدور کو پوری اجرت دینا واجب ہے۔ اگرچہ یہ روایت کمزور ہے لیکن گزشتہ حدیث نمبر 905 سے اس کی تائید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کا خود روزِ قیامت مدِ مقابل ہوگا،

907- [صحیح: صحیح ابن ماجه، ابن ماجه (٢٤٤٣) كتاب الرهون: باب أجر الأجراء، شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

908- [بیهقی (١٢٠/٦) أبو یعلی (٦٦٨٢)]

909- [طبرانی فی الصغیر (٢٠/١-٢١)]

910- [عبد الرزاق (١٥٠٢٤) أبو داود فی المراسیل (١٨١) نسائی (٣١/٧) بیهقی (١٢٠/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۱۹۸) [سبل السلام (١٢٣٤/٣)]

(۱۹۹) [اس مسئلے کی بادلائل مفصل وضاحت کے لیے راقم الحروف کی کتاب "فقه الحدیث: كتاب البیوع: باب الاجاره" ملاحظہ فرمائیے۔]

ان میں سے ایک وہ ہے جو مزدور سے کام تو پورا لے لیکن اسے اُجرت پوری نہ دے۔

باب احياء الموات — بنجر زمین کو آباد کرنے کا بیان

911- عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ عَمَّرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا)) قَالَ عُرْوَةُ: وَقَضَى بِهِ عُمَرُ فِي خِلَافَتِهِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی کی ملکیت میں نہیں تھی تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔'' حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

912- وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ)) رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: رُوِيَ مُرْسَلًا، وَهُوَ كَمَا قَالَ، وَاخْتُلِفَ فِي صَحَابِيِّهِ، فَقِيلَ: جَابِرٌ، وَقِيلَ: عَائِشَةُ، وَقِيلَ: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَالرَّاجِحُ الْأَوَّلُ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' جس نے کسی بنجر زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے۔''[اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ مرسلاً بھی روایت کی گئی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے جو اس نے کہا۔ اس کے صحابی میں بھی اختلاف ہے' کہا گیا ہے کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں' مگر راجح پہلا قول ہی ہے۔]

لغوی توضیح إِحْيَاء مصدر ہے باب أَحْيٰى يُحْيِي (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے'' زمین کو آباد کرنا''۔ الْمَوَات بنجر و بے آباد زمین کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً مراد یہ ہے کہ کسی ایسی زمین کو پانی لگانے کے ذریعے' زراعت و کاشتکاری کے ذریعے یا عمارت تعمیر کرنے کے ذریعے آباد کرنا جو پہلے کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور بے آباد و بنجر ہو۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی بے آباد و بنجر زمین کو آباد کرے گا وہی اس کا مالک ہو گا بشرطیکہ پہلے وہ کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت میں نہ ہو۔ چونکہ ان احادیث میں حاکمِ وقت کی اجازت کا بھی ذکر نہیں اس لیے معلوم یہی ہوتا ہے کہ اس کے لیے حاکم کی اجازت ضروری نہیں۔ جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر زمین آبادی کے قریب ہو تو پھر حاکم سے اجازت لینا ضروری ہے بصورتِ دیگر نہیں۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے بہرصورت حاکم کی اجازت کو لازم ٹھہرایا ہے۔ (۲۰۰) راجح مؤقف امام شافعیؒ وغیرہ کا ہی ہے۔ (۲۰۱)

911- [بخاری (۲۳۳۵) کتاب المزارعة: باب من أحیا أرضا مواتا' احمد (۱۲۰/٦) ابن الجارود (۱۰۱٤) بیهقی (۱٤۱/٦)]

912- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۳۰۷۳) کتاب الخراج: باب فی إحیاء الموات' ترمذی (۱۳۷۸) نسائی فی السنن الکبری (٤۰٥/۳) احمد (۳۲۷/٥) مالك (۷٤۳/۲) بیهقی (۱٤۲/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۲۰۰) [بدائع الصنائع (۱۹٤/٦) الدر المختار (۳۰۷/٥) الشرح الصغیر (۹٤/٤) مغنی المحتاج (۳٦۱/٤) المغنی (٥٤۳/٥)]

(۲۰۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سبل السلام (۱۲۳٦/۳) فقه الأثر (۱۱۱٦/۳) حجة البالغة (۱۰۳/۲)]

913۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَا حِمَى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ نے انہیں خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''چراگاہ مخصوص کرنا صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی جائز ہے۔''

[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح لَا حِمَى کسی چراگاہ کو (صرف اپنی ذات کے لیے) مخصوص کرنا نہیں ہے (کہ اس میں کسی اور کے جانور داخل ہی نہ ہوں)۔ إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ مگر صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے (اور رسول کے بعد خلفاء و حکام کے لیے' تاکہ وہ وہاں زکوۃ و صدقات اور جہاد کے اونٹ اور گھوڑے چرنے کے لیے چھوڑیں)۔

فهم الحديث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نقیع میں چراگاہ بنوائی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرف اور ربذہ کو چراگاہ بنایا۔(۲۰۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے نقیع کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے چراگاہ بنالیا۔(۲۰۳) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حاکم وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیت المال کے گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کو چرانے کے لیے کسی زمین کو خاص کر لے اور وہاں کسی اور کو گھسنے نہ دے' اس کے سوا دوسروں کے لیے جائز نہیں۔ چونکہ دورِ جاہلیت میں قبائل کے سردار ایسا کیا کرتے تھے کہ جہاں کوئی زرخیز اور سرسبز جگہ دیکھتے اسے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو چرانے کے لیے خاص کر لیتے اور پھر دوسروں کو اس میں جانور چرانے کی اجازت نہ دیتے۔ چونکہ ان کا یہ کام دیگر لوگوں کی مصلحت کے خلاف تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کے لیے بیت المال کے مویشیوں کے لیے چراگاہ خاص کر لینا جائز تو ہے لیکن یہ چراگاہ بنجر و غیر آباد جگہ کے علاوہ کوئی اور زمین نہ ہو کیونکہ اس میں عوام کے لیے نقصان و مشقت ہے۔(۲۰۴)

914- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نہ (پہلے) نقصان پہنچاؤ اور نہ (بدلے میں) نقصان پہنچاؤ۔''

[اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

913- [بخاری (۲۳۷۰) كتاب المساقاة : باب لا حمى إلا لله ولرسوله' ابو داود (۳۰۸۳) احمد (۳۷/٤) ابن الجارود (۱۰۱٦) بيهقى (۷۸/٥)]

914- [ابن ماجه (۲۳٤۱) كتاب الأحكام : باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره' احمد (۳۱۳/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(۲۰۲) [بخاری (۲۳۷۰) كتاب المساقاة : باب لا حمى إلا لله ورسوله' ابو داود (۳۰۸٤) حاكم (٦۱/۲)]

(۲۰۳) [صحیح : احمد (٦٤۳۸) ابن حبان (۱٦٤۱۔ الموارد) شیخ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۰٤) [المسوى على موطا (٦۲/۲) الروضة الندية (۲۹٤/۲)]

915- وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلُهُ ' وَ هُوَ فِي الْمُوَطَّا مُرْسَلٌ ۔

اور ابن ماجہ میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے اور یہ مؤطا میں مرسل ہے۔

لغوی توضیح لَا ضَرَرَ نہ نقصان پہنچاؤ۔ ضرر اصل میں نفع کی ضد ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو نقصان پہنچا کر اس کے حق میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ کرے۔ وَلَا ضِرَارَ بدلے میں نقصان نہ پہنچاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے نقصان پہنچایا ہے تو اس کے بدلے میں اس سے بڑھ کر نقصان اور تکلیف نہ پہنچاؤ۔

فهم الحديث اس حدیث کو غالباً مصنف اس باب میں اس لیے لائے ہیں تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ بے آباد زمین کو آباد کرنے والے اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ اس سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث اسلام کا ایک بہت بڑا اور عظیم قاعدہ ہے جس کے تحت بہت سارے مسائل آتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر وسائل بروئے کار لا کر نقصان پہنچنے سے قبل نقصان دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ شرعی احکامات لوگوں کی پانچ ضروری اشیاء کی حفاظت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں: دین' نفس' مال' عقل' نسل اور بعض نے عزت کا بھی اضافہ کیا ہے۔ پس ہر وہ چیز جو ان میں سے کسی کے لیے نقصان دہ ہو اس کا ازالہ ہر ممکن طریقے سے کرنا لازم ہے۔

916- وَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ أَحَاطَ حَائِطًا عَلَى أَرْضٍ فَهِيَ لَهُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُوْدِ ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے کسی زمین کے گرد دیوار بنالی تو وہ زمین اسی کی ہے۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت میں بے آباد زمین کی آبادکاری کی ایک صورت بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بے آباد اور بنجر زمین کے گرد دیوار بنا لیتا ہے تو جتنی زمین پر اس نے دیوار بنائی ہے وہ اس کی ملکیت میں آجائے گی۔

917- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فَلَهُ أَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا عَطَنًا لِمَاشِيَتِهِ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ ۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس نے کہیں کنواں کھودا تو وہاں مویشی باندھنے کے لیے چالیس ہاتھ زمین اس کی ہے۔'' [اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حَفَرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَفَرَ يَحْفِرُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''کھودنا''۔ بِئْرًا کنوئیں کو کہتے ہیں۔ عَطَنًا اونٹ باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں' نیز یہ لفظ بکریوں کے باڑوں کے لیے بھی مستعمل ہے۔

915- [صحيح : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (٢٣٤٠) كتاب الأحكام : باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره ' احمد (٣٢٦/٥) مالك (٧٤٥/٢) بيهقى (١٣٣/١٠)]

916- [ضعيف : ضعيف ابو داود ' ابو داود (٣٠٧٧) كتاب الخراج : باب فى إحياء الموات ' نسائى فى السنن الكبرى (٤٠٤/٣) احمد (١٢/٥_٢١) ابن الجارود (١٠١٥) بيهقى (١٤٢/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

917- [حسن : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (٢٤٨٦) كتاب الرهون : باب حريم البئر ' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کسی بے آباد زمین میں آبادکاری کی غرض سے کنواں کھودا تو اس کنوئیں کے گرد چالیس ہاتھ تک زمین اسی کی ملکیت ہوگی تا کہ وہ وہاں اپنے جانوروں کو باندھ سکے یا گھاس وغیرہ اُگا کر انہیں وہاں چرا سکے۔

918- وَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضْرَمُوتَ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں حضرموت کے علاقے میں زمین عطا کی۔ [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

919- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ حُضْرَ فَرَسِهِ، فَأَجْرَى الْفَرَسَ حَتّٰى قَامَ، ثُمَّ رَمٰى بِسَوْطِهِ، فَقَالَ: ((أَعْطُوهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھوڑے کی دوڑ کے برابر زمین عطا کی، انہوں نے گھوڑا دوڑایا حتی کہ وہ کھڑا ہو گیا پھر انہوں نے اپنا کوڑا (آگے) پھینکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسے وہاں تک جگہ دے دو جہاں کوڑا پہنچا ہے۔“ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح أَقْطَعَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَقْطَعَ يُقْطِعُ (بروزن افعال) سے، اس کا معنی ہے ”زمین کا ٹکڑا (بطورِ جاگیر) دے دینا“۔ حَضْرَ مُوْت یمن کے جنوب میں واقع ایک علاقے کا نام ہے۔ حُضْرَ فَرَسِهِ سے مراد ہے ”گھوڑے کی دوڑ کے برابر“۔ السَّوْط کوڑے کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت کسی آدمی کی قومی اور اجتماعی خدمات دیکھ کر یا کسی اور وجہ سے اسے زمین کا کوئی ٹکڑا بطورِ جاگیر عطا کرنے کا مجاز ہے۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ وہ زمین کسی اور کی ملکیت نہ ہو۔

920- وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: ((النَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي الْكَلَإِ وَالْمَاءِ وَالنَّارِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوٗدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔

ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں شریک تھا تو میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: گھاس، پانی اور آگ۔“ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

فهم الحديث اس فرمانِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ اشیا ذاتی ضرورت سے زائد ہوں تو بوقتِ ضرورت لوگوں کو ان سے روکنا جائز نہیں جیسا کہ ان احادیث سے بھی اس بات کی وضاحت ہوتی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ”پانی، آگ اور

918- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٣٠٥٨) كتاب الخراج والإمارة والفيء : باب في إقطاع الأرضين، ترمذى (١٣٨١) احمد (٣٩٩/٦) ابن حبان (٧١٦١) بيهقى (١٤٤/٦) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

919- [ضعيف : ضعيف ابو داود، ابو داود (٣٠٧٢) كتاب الخراج : باب في إقطاع الأرضين، احمد (١٥٦/٢) تلخيص الحبير (١٤١/٣) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔]

920- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٣٤٧٧) كتاب الإجارة : باب في منع الماء، احمد (٣٦٤/٥) بيهقى (١٥٠/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

گھاس کو نہ روکا جائے۔"(۲۰۵) ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ "زائد پانی مت روکو۔"(۲۰۶)

باب الوقف — وقف کا بیان

921- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب آدم کا بیٹا فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل اس سے منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے' صدقہ جاریہ' ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح وقف مصدر ہے باب وَقَفَ يَقِفُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "ٹھہرنا' ٹھہرانا اور فی سبیل اللہ وقف کرنا"۔ اصطلاحاً وقف سے مراد ہے' قربِ الٰہی کی غرض سے کسی مال کو بعینہ تصرف سے روک دینا اور مباح مصارف میں اس سے نفع پہنچانا۔ اس کی مشروعیت کتاب وسنت کی واضح نصوص سے ثابت ہے اور صحابہ وتابعین کا اس کے جواز پر اجماع ہے۔(۲۰۷)

فهم الحديث • اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' مگر تین اعمال ایسے ہیں جن کا فائدہ اسے مرنے کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے۔ ① صدقہ جاریہ۔ اس سے مراد ایسا صدقہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے وقف ہو مثلاً مسجد' شاہراہ' ہسپتال کی تعمیر وغیرہ۔ ② ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں۔ جیسے دینی تعلیم دینا' درس وتدریس کا بندوبست کر جانا' اسلامی لٹریچر کی فراہمی' تالیف وتصنیف وغیرہ۔ ③ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ اولاد خواہ صلبی ہو یا اولاد کی اولاد' اسی طرح لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب اس میں شامل ہیں۔ وہ جب بھی دعا کریں گے یا فوت شدگان کے لیے صدقہ وخیرات کریں گے یا کوئی بھی نیک عمل کریں گے تو اس کا فائدہ ان کے والدین کو ضرور پہنچے گا' کیونکہ یہ اُن کے ہی اچھے اثرات ونقوش ہیں اور ان کی دینی تربیت کے باعث ہی آج نیکیاں کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اگر مرنے والا کافر ومشرک ہو تو پھر اسے مرنے کے بعد کسی چیز کا بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔(۲۰۸)

921- [مسلم (۱٦۳۱) كتاب الوصية: باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته' ابو داود (۲۸۸۰) ترمذی (۱۳۷٦) نسائی (۲۵۱/٦) احمد (۳۷۲/۲۰) ابن خزیمة (۲٤۹٤) بیهقی (۲۷۸/٦)]

(۲۰۵) [صحیح: إرواء الغليل (۹۰۷/٦) ابن ماجة (۲٤۷۳)]

(۲۰٦) [بخاری (۲۳۵٤) كتاب المساقاة: باب من قال: إن صاحب الماء أحق بالماء]

(۲۰۷) [الفقه الإسلامي وأدلته (۷٦۰۱/۱۰) فتح القدير (۳۷/۵) اللباب (۱۸۰/۲) الدر المختار (۳۹۱/۳) كشاف القناع (۲٦۷/٤)]

(۲۰۸) [حسن: أحكام الجنائز وبدعها (ص / ۲۱۸) احمد (٦۷۰٤) السلسلة الصحيحة (٤۸٤) مزید دیکھئے: صحیح ابو داود (۲۵۰۷) كتاب الوصايا: باب ما جاء في وصية الحربي يسلم وليه أيلزمه أن ينفذها' ابو داود (۲۸۸۳) بیهقی (۲۷۹/٦)]

922- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِي مِنْهُ، فَقَالَ: ((إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا)) قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ: أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ، فَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبَى وَفِي الرِّقَابِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، وَيُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا: لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر کے علاقے میں کچھ زمین حاصل ہوئی تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس اس کے بارے میں مشورہ کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے اور عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں ایسی زمین ملی ہے کہ جس سے زیادہ عمدہ و نفیس مال مجھے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم چاہو تو اس کی اصل اپنے پاس رکھو اور اس کی آمدنی کو صدقہ کر دو۔'' راوی نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو یوں وقف کر دیا کہ نہ تو اس کی اصل کو فروخت کیا جائے' نہ اس کا وارث بنا جائے اور نہ ہی اسے ہبہ کیا جائے۔ انہوں نے وہ زمین فقیروں' قرابت داروں' غلاموں کو آزاد کرانے' جہاد فی سبیل اللہ' مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دی۔ یہ بھی وصیت فرمائی کہ جو بھی اس زمین کا نگران ہو وہ معروف طریقے سے اس سے کھائے' دوست احباب کو کھلائے' لیکن اسے اپنا مال نہ بنائے' تو کوئی حرج نہیں۔ [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں اور بخاری کی روایت میں ہے کہ] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اصل کو یوں وقف کر دیا کہ نہ اسے فروخت کیا جائے اور نہ ہی اسے ہبہ کیا جائے بلکہ اس کی آمدنی کو خرچ کیا جائے۔

لغوی توضیح أَرْضًا بِخَيْبَرَ خیبر کے علاقے میں کچھ زمین۔ اس زمین کا نام ثمغ تھا۔ يَسْتَأْمِرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اِسْتَأْمَرَ يَسْتَأْمِرُ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''مشورہ کرنا''۔ أَنْفَس کا معنی ہے ''سب سے زیادہ عمدہ و نفیس''۔ الرِّقَاب سے مراد ہے غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔ مُتَمَوِّلٍ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تَمَوَّلَ يَتَمَوَّلُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے ''ملکیت بنانا' اپنا مال بنانا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز اس طرح وقف کرنا کہ اس کی پیداوار اور منافع اللہ کی راہ میں صرف ہوتا رہے' مستحب و باعث اجر و فضیلت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وقف شدہ املاک کو نہ تو فروخت کیا جا سکتا ہے' نہ انہیں بطور وراثت تقسیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ وقف شدہ چیز کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہؒ کو عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پہنچی ہوتی تو وہ اپنے اس مؤقف سے رجوع کر لیتے' پس مذہب حنفی میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہی ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ وقف کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ امام احمدؒ نے درمیانہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ وقف کو فروخت کرنا یا اسے کسی

922- [بخاری (۲۷۳۷۔۲۷۶٤) کتاب الشروط: باب الشروط فی الوقف' مسلم (۱٦۳۲) ابو داود (۲۸۷۸) ترمذی (۱۳۷۵) نسائی (٦/۲۳۰) ابن ماجه (۲۳۹٦) احمد (۲/۵۵) دارقطنی (٤/۱۸٦) بیهقی (٦/۱۵۸)]

اور چیز کے ساتھ بدلنا جائز نہیں البتہ اگر اس کا منافع معطل ہو رہا ہو تو پھر اسے فروخت کرنا اور کسی دوسری چیز سے تبدیل کرنا جائز ہے۔ (۲۰۹) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی وقف شدہ اشیاء کا والی ونگران مقرر ہو وہ ان سے حسب ضرورت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے دوست احباب کو بھی کھلا سکتا ہے' لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان اشیاء کو اپنی ملکیت بنا کر مال جمع کرتا رہے۔

923- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ : بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ ...... الْحَدِيثَ ' وَفِيهِ : ((فَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتَادَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقہ کی وصولی پر (عامل بنا کر) بھیجا۔اس حدیث میں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ''رہی بات خالد رضی اللہ عنہ کی تو اس نے اپنی تمام زرہیں اور اسلحہ وسامان اللہ کی راہ میں وقف کر رکھا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اِحْتَبَسَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اِحْتَبَسَ يَحْتَبِسُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''روک لینا' وقف کر دینا''۔ أَدْرَاع جمع ہے دِرْع کی' اس کا معنی ہے ''زرہیں''۔ أَعْتَاد جمع ہے عَتَاد کی' اس کا معنی ہے ''جنگی اسلحہ وسامان وغیرہ''۔ یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ ابن جمیل' خالد بن ولید اور عباس بن عبدالمطلب نے زکوٰۃ ادا نہ کی۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابن جمیل تو صرف اس بات کا انتقام لے رہا ہے کہ وہ فقیر ومحتاج تھا پھر اللہ اور اس کے رسول نے اسے غنی کر دیا اور خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام زرہیں اور سامانِ جنگ اللہ کی راہ میں وقف کر رکھا ہے اور عباس رضی اللہ عنہ (رسول اللہ ﷺ کے چچا) کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے۔''

فهم الحديث اس حدیث سے بھی اپنے اموال وقف کرنے کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت زکوٰۃ کی وصولی کے لیے سرکاری اہلکاروں کو مقرر کر سکتا ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اشیاء عوام الناس کے منافع ومصالح کے لیے وقف شدہ ہوں مثلاً مساجد' مدارس اور ہسپتال وغیرہ' ان میں زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ کسی معین آدمی کی ملکیت نہیں۔البتہ اگر وقف شدہ چیز کسی معین انسان کی ملکیت ہو تو پھر اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔

❑ واضح رہے کہ ایسے کام جن کی شرع میں ممانعت موجود ہے' ان کے لیے اموال وقف کرنا جائز نہیں مثلاً قبروں کی تزئین وآرائش' ان پر مساجد کی تعمیر' ان پر چڑھاوے چڑھانے اور نذر ونیاز' مساجد میں عبث نقش ونگار اور دیگر کسی بھی ایسے کام کے لیے اموال وقف کرنا جو عقائدِ باطلہ کی تشہیر کا باعث اور منکرات میں شمار ہوتے ہوں۔

باب الهبة والعمرى والرقبى — ہبہ، عمریٰ اور رقبیٰ کا بیان

924- عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے

923- [بخاری (١٤٦٨) كتاب الزكاة : باب قول الله تعالى وفي الرقاب ...... ' مسلم (٩٨٣) ابو داود (١٦٢٣) نسائی (٩٢٣/٥) احمد (٣٢٢/٢) دارقطنی (١٢٣/٢) ابن خزيمة (٢٣٣٠) بيهقی (١١١/٤)]

924- [بخاری (٢٥٨٦) كتاب الهبة وفضلها : باب الهبة للولد ' مسلم (١٦٢٣) ابو داود (٣٥٤٢) ترمذی (١٣٦٧) نسائی (٢٥٨/٦) ابن ماجه (٢٣٧٦) احمد (٢٦٨/٤) مالك (٧٥١/٢) دارقطنی (٤٢/٣) بيهقی (١٧٦/٦)]

(٢٠٩) [توضيح الأحكام (١٠٦/٥)]

إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هَذَا غُلَامًا كَانَ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هَذَا؟)) فَقَالَ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: ((فَارْجِعْهُ)). وَفِي لَفْظٍ: فَانْطَلَقَ أَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لِيُشْهِدَهُ عَلَى صَدَقَتِي، فَقَالَ: ((أَفَعَلْتَ هَذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟)) قَالَ: لَا، قَالَ: ((اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ)) فَرَجَعَ أَبِي فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ: ((فَأَشْهِدْ عَلَى هَذَا غَيْرِي)) ثُمَّ قَالَ: ((أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا لَكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟)) قَالَ: بَلَى، قَالَ: ((فَلَا إِذَنْ)).

اسے اپنا ایک ذاتی غلام ہبہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو ایسا ہی غلام ہبہ کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا' نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر اس سے بھی واپس لے لے''۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میرے والد نبی کریم ﷺ کے پاس گئے تا کہ آپ کو میرے ہبہ پر گواہ بنائیں تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیا تم نے اپنی ساری اولاد کے ساتھ اس طرح کیا ہے؟'' انہوں نے کہا' نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔'' پھر میرے والد واپس آئے اور وہ ہبہ واپس لے لیا۔ [بخاری، مسلم۔ اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ] آپ ﷺ نے فرمایا ''تم اس پر میرے سوا کسی اور کو گواہ بنالو'' پھر فرمایا ''کیا تمہیں پسند ہے کہ یہ سب تیرے ساتھ نیکی و حسن سلوک میں برابر ہوں؟'' انہوں نے کہا' کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر اس طرح مت کر۔''

لغوی توضیح هِبَة مصدر ہے باب وَهَبَ يَهَبُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''ہبہ کرنا' عطیہ دینا''۔ اصطلاحاً ہبہ سے مراد ہے' بغیر عوض کے کسی شخص کو کوئی مال یا حق دینا۔ ہدیہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔(۲۱۰) عُمْرىٰ عمر سے ماخوذ ہے یعنی وہ چیز جو زندگی بھر کے لیے دی جائے۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ جاہلیت میں ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو گھر دیتا تو کہتا' میں نے اسے تیری عمر اور زندگی کی مدت تک مباح قرار دیا ہے۔ پھر کہا جاتا تھا کہ یہ فلاں کے لیے عمریٰ ہے۔(۲۱۱) رُقْبىٰ' مراقبہ سے ماخوذ ہے' اس کا نام یہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں دونوں ایک دوسرے کے مرنے کا انتظار کرتے ہیں تا کہ وہ چیز اس کی طرف لوٹ آئے (جو زندہ رہ گیا ہے)' اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو کچھ ہبہ کرے اس شرط پر کہ اگر تم پہلے فوت ہو گئے تو یہ چیز میری طرف لوٹ آئے گی اور اگر میں پہلے فوت ہو گیا تو یہ تمہاری ہو جائے گی۔(۲۱۲) نَحَلْتُ کا معنی ہے أَعْطَيْتُ یعنی میں نے عطا کیا۔ أَشْهِدْ فعل امر کا صیغہ ہے باب أَشْهَدَ يُشْهِدُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''گواہ بنانا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ و عطیہ دینے میں اولاد کے درمیان برابری ضروری ہے اور اگر برابری نہ کی گئی تو ہبہ باطل ہوگا کیونکہ آپ ﷺ نے نعمان رضی اللہ عنہ کو اپنا دیا ہوا عطیہ واپس لینے کا حکم دیا تھا۔ امام بخاریؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اپنے بعض لڑکوں کو اگر کوئی چیز ہبہ میں دی تو جب تک انصاف کے ساتھ تمام لڑکوں کو برابر نہ دے یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا۔(۲۱۳) امام ابن قیمؒ نے بھی اسی کو ثابت کیا ہے۔(۲۱۴) امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور امام ثوریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ جمہور علماء اولاد کے

(۲۱۰) [الفقه الإسلامي وأدلته (۳۹۸۱/۵)]
(۲۱۱) [المنجد (ص/۵۸۲) نيل الأوطار (۷۴/٤) الروضة الندية (۳۵۰/۲) قفو الأثر (۱۱۳۸/۳)]
(۲۱۲) [أيضا]
(۲۱۳) [بخاری (قبل الحديث/ ۲۵۸۶)]
(۲۱٤) [أعلام الموقعين (۳۲۹/۲)]

درمیان عدل کو واجب نہیں بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں۔(۲۱۵) شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ حق بات جس میں کوئی شک وتردد کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ اولاد کے درمیان مساوی سلوک کرنا واجب ہے۔(۲۱۶) شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اولاد میں سے بعض کو بعض دوسروں پر فضیلت دینا منع ہے اور ان کے درمیان عدل کرنا واجب ہے خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں (جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے)۔(۲۱۷) شیخ ابن عثیمینؒ نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی اولاد میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے۔(۲۱۸) شیخ ابن جبرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ والد پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف سے کام لے اور ان میں سے کسی کو بھی کسی دوسرے پر کچھ دینے' نہ دینے' کوئی ہدیہ وعطیہ وغیرہ عطا کرنے میں فضیلت نہ دے۔(۲۱۹)

925- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ : ((لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ الَّذِي يَعُودُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ' ثُمَّ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ)) ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" ہبہ کرنے کے بعد اسے واپس طلب کرنے والا اس کتے کی مانند ہے جو قے کرتا ہے پھر اسے چاٹ لیتا ہے۔" [بخاری، مسلم۔اور بخاری کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ] "ہمارے لیے اس سے بری مثال اور کوئی نہیں کہ جو شخص ہبہ کر کے واپس لیتا ہے وہ اس کتے کی مانند ہے جو قے کرتا ہے پھر اپنی قے کی طرف لوٹ آتا ہے۔"

926- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُعْطِيَ الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدُ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" کسی بھی مسلمان آدمی کے لیے جائز نہیں کہ عطیہ دے کر اسے واپس لے مگر والد کے لیے وہ عطیہ واپس لینا جائز ہے جو اس نے اپنی اولاد کو دیا ہو۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْعَائِدُ کا معنی ہے "لوٹنے والا" یعنی واپس لینے والا۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو ہبہ وتحفہ دے کر اسے واپس لینا حرام ہے اور یہ اس قدر قبیح ورذیل عمل ہے کہ جیسے کتا قے کر کے اسے چاٹ لیتا ہے۔ لیکن پھر بھی ایسے رذیل طبع لوگ موجود ہیں جو اس خلاف تصور حرکت سے بھی گریز نہیں کرتے۔ بہر حال یہ عمل حرام ہے' البتہ صرف والد کے لیے اپنی اولاد کو دیا ہوا عطیہ واپس لینا جائز

925- [بخاری (۲۶۲۱) کتاب الهبة وفضلها : باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته ' مسلم (۱۶۲۲) ابو داود (۳۵۳۸) ترمذی (۱۲۹۸) نسائی (۲۶۵/۶) ابن ماجه (۲۳۸۵) احمد (۲۱۷/۱)]

926- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (۳۵۳۹) کتاب الإجارة : باب الرجوع في الهبة ' ترمذی (۲۱۳۲) نسائی (۲۶۷/۶) ابن ماجه (۲۳۷۷) احمد (۲۷/۲) ابن حبان (۵۱۲۳) دارقطنی (۴۲/۳) حاکم (۴۶/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۱۵) [فتح الباری (۵۳۱/۵) نيل الأوطار (۶۵/۴)]
(۲۱۶) [توضيح الأحكام (۱۱۵/۴)]
(۲۱۷) [الفتاوى الجامعة للمرأة المسلمة (۱۱۵/۳-۱۱۶)]
(۲۱۸) [فتاوى اسلامية (۳۰/۳)]
(۲۱۹) [فتاوى المرأة المسلمة (ص / ۹۳۵)]

ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ کسی شرعی رکاوٹ کے بغیر (ہر ایک سے) ہبہ واپس لینا جائز ہے۔(۲۲۰) یہ مؤقف گزشتہ صریح احادیث کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل تردید ہے۔

❑ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ جس روایت میں ہے کہ ''ذی محرم کو دیا ہوا عطیہ واپس نہیں لیا جائے گا۔'' وہ ضعیف وناقابل حجت ہے۔(۲۲۱)

927- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

928- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: وَهَبَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نَاقَةً، هِبَةً فَأَثَابَهُ عَلَيْهَا، فَقَالَ: ((رَضِيتَ؟)) قَالَ: لَا، فَزَادَهُ، فَقَالَ: ((رَضِيتَ؟)) قَالَ: لَا، فَزَادَهُ، فَقَالَ: ((رَضِيتَ؟)) قَالَ: نَعَمْ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک اونٹنی ہبہ کی۔ آپ ﷺ نے اسے بدلے میں ہدیہ دیا اور پوچھا ''کیا تم اس پر راضی ہو؟'' اس نے کہا' نہیں۔ آپ ﷺ نے مزید عطا فرمایا اور پھر پوچھا ''کیا تم راضی ہو؟'' اس نے کہا' نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر مزید کچھ عنایت فرمایا اور پوچھا ''کیا اب راضی ہو؟'' اس نے کہا' جی ہاں۔[اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح يُثِيبُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَثَابَ يُثِيبُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''بدلے میں کچھ عطا کرنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے ہدیہ دیا جائے اسے بدلے میں بھی حسب توفیق کچھ دینا چاہیے اور اگر بدلہ دینے کے لیے کوئی چیز میسر نہ ہو تو پھر جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا کہہ کر دعا ہی دے دینی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کے ساتھ کوئی نیکی کی جائے اسے چاہیے کہ اس کا بدلہ دے اور اگر بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو پھر اس کی تعریف ہی کر دے۔''(۲۲۲) ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ ''جس کے ساتھ کوئی نیکی کی گئی اور اس نے نیکی کرنے والے کو جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا (یعنی اللہ تمہیں اس کا بہتر بدلہ دے) کہہ دیا تو اس نے اس کی تعریف میں مبالغہ کر دیا۔'' (۲۲۳) یہ یاد رہے کہ تحفہ دینے والے کو اس نیت سے تحفہ نہیں دینا چاہیے کہ وہ اس سے بڑھ کر وصول کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ [المدثر: ٦] ''اور تم احسان نہ کرو کہ تم زیادہ کے طلب گار رہو۔''

927- [بخاری (۲۵۸۵) كتاب الهبة وفضلها: باب المكافأة في الهبة' ابو داود (۳۵۳۶) ترمذی (۱۹۵۳) احمد (۹۰/۶)]

928- [احمد (۲۹۵/۱) ابن حبان (۱۱٤٦۔الموارد) بزار (۱۹۳۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۲۰) [حلية العلماء (٥٢/٦) المبسوط (٥٢/١٢) شرح فتح القدير (٤٩٩/٧) الكافي (ص/٥٣١)]

(۲۲۱) [حاكم (٥٢/٢) دار قطني (٤٤/٣) نيل الأوطار (٧٠/٤)]

(۲۲۲) [**صحيح**: صحيح الأدب المفرد (٢١٥)]

(۲۲۳) [**صحيح**: صحيح الجامع الصغير (٦٣٦٨)]

929- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْعُمْرَى لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: ((أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ وَلَا تُفْسِدُوهَا فَإِنَّهُ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرَى فَهِيَ لِلَّذِي أُعْمِرَهَا حَيًّا وَمَيِّتًا وَلِعَقِبِهِ)) وَفِي لَفْظٍ: ((إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِي أَجَازَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَقُولَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ، فَأَمَّا إِذَا قَالَ: هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى صَاحِبِهَا)) وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ: ((لَا تُرْقِبُوا وَلَا تُعْمِرُوا فَمَنْ أُرْقِبَ شَيْئًا أَوْ أُعْمِرَهُ فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" عمریٰ اسی کے لیے ہے، جس کے لیے اسے ہبہ کیا گیا۔" [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں ہے کہ] "تم اپنے اموال اپنے پاس محفوظ رکھو' انہیں ضائع مت کرو' بلاشبہ جس نے عمریٰ دیا وہ اسی کے لیے ہے جسے وہ دیا گیا' زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اور وفات کے بعد وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔" [اور ایک روایت میں ہے کہ] جس عمریٰ کو رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی کہے یہ تیرے لیے اور تیرے ورثاء کے لیے ہے' البتہ اگر وہ کہے کہ یہ تیرے لیے ہے جب تک تو زندہ ہے تو پھر وہ چیز اس کے مالک کی طرف لوٹ جائے گی۔ [اور ابوداود اور نسائی میں ہے کہ] "نہ تم رقبیٰ کرو اور نہ عمریٰ اور جس نے رقبیٰ یا عمریٰ کیا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔"

فهم الحديث ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمریٰ اور رقبیٰ (ان دونوں کی تعریف ابتدائے باب میں گزر چکی ہے) دینے کی صورت میں وہ چیز اسی کی ہو جائے گی جسے دی گئی ہے خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو جائے کیونکہ وفات کے بعد وہ چیز اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ البتہ اگر دینے والا یہ شرط لگا لے کہ جب تک تم زندہ ہو تب تک اس سے فائدہ اٹھا لو تو وہ چیز اس کی موت تک اس کے پاس عاریتاً رہے گی اور وفات کے بعد اصل مالک کے پاس واپس لوٹ آئے گی۔ اکثر علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ رقبیٰ کی صرف وہ صورت جائز ہے جب عمریٰ کے معنی میں ہو۔ علاوہ ازیں اہل علم نے عمریٰ کی تین صورتیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ مطلق طور پر عمر بھر کے لیے ہبہ کر دینا۔ دوسری یہ کہ موہوب کی زندگی کی شرط پر دینا اور تیسری یہ کہ یوں کہنا کہ یہ تمہارے لیے ہے اور تمہارے بعد تمہارے ورثاء کے لیے ہے۔ تیسری صورت جمہور کا موقف ہے اور یہی راجح ہے۔ (۲۲۴)

930- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَأَضَاعَهُ صَاحِبُهُ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: ((لَا تَبْتَعْهُ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ)) الْحَدِيثَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو اللہ کی راہ میں سواری کے لیے ایک گھوڑا دیا' لیکن اس نے اسے (لاپرواہی سے) کمزور ولاغر کر دیا۔ میں نے سوچا کہ وہ اسے سستے داموں فروخت کر دے گا تو میں نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا" تم اسے مت خریدنا خواہ وہ تمہیں ایک درہم کے بدلے ہی دے دے۔" [بخاری، مسلم]

929- [بخاری (۲٦۲٥) کتاب الهبة وفضلها: باب ما قيل فى العمرى والرقبى، مسلم (١٦٢٥) ابو داود (٣٥٥٥-٣٥٥٦) نسائی (٢٧٣/٦) احمد (٢٩٣/٣)]

930- [بخاری (٢٦٣٤) کتاب الهبة وفضلها: باب فضل المنيحة، مسلم (١٦٢٠) نسائی (١٠٨/٥) احمد (٤٠/١)]

(۲۲۴) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (٢٨٢/٥) نيل الأوطار (٧٤/٤) قفو الأثر (١١٣٩/٣)]

لغوی توضیح فَأَضَاعَهُ صَاحِبُهُ اس کے صاحب نے اسے ضائع کر دیا۔ مراد یہ ہے کہ اس نے بے توجہی برتی اور اس کے چارے وغیرہ کا خیال نہ رکھا جس وجہ سے وہ کمزور ولاغر ہو کر ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ رُخْصٍ کا معنی ہے "سستا وارزاں"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو صدقہ وخیرات کر دیا گیا ہو اسے دوبارہ خریدنا جائز نہیں۔ حدیث کے ظاہر سے تو یہ عمل حرام معلوم ہوتا ہے' جیسا کہ بعض اہل علم کی یہی رائے ہے لیکن جمہور علماء اسے کراہت پر محمول کرتے ہیں۔ (۲۲۵) کراہت پر محمول کرنے والوں کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مالدار شخص کے لیے پانچ صورتوں کے علاوہ صدقہ حلال نہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے مال سے صدقے کی کوئی چیز خرید لے۔" (۲۲۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا مال خریدا جا سکتا ہے' لہٰذا مذکورہ بالا روایت میں ممانعت کو حرمت پر نہیں بلکہ کراہت پر محمول کیا جائے گا۔ البتہ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ مذکورہ بالا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نفلی صدقہ کے بارے میں ہے اور مالدار شخص والی حدیث فرض زکوٰۃ کے بارے میں۔ یعنی فرض زکوٰۃ میں دی ہوئی چیز اپنے مال کے ساتھ خریدی جا سکتی ہے' نفلی صدقہ نہیں۔ (۲۲۷)

931- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((تَهَادُوْا تَحَابُّوْا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ، وَأَبُوْ يَعْلَى بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔" [اسے بخاری نے الادب المفرد میں اور ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح تَهَادُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب تَهَادَى يَتَهَادَى (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے "ایک دوسرے کا ہدیہ وتحفہ دینا"۔ تَحَابُّوْا بھی فعل امر کا صیغہ ہے باب تَحَابَّ يَتَحَابُّ (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے "ایک دوسرے سے محبت کرنا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ وتحفہ دینا باہمی اُلفت ومحبت کا ذریعہ ہے اور اسلام مسلمانوں کی باہمی محبت کو برقرار رکھنے کا درس دیتا ہے۔

932- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَهَادُوْا، فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تَسُلُّ السَّخِيْمَةَ)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو کیونکہ ہدیہ کینہ وبغض کو ختم کر دیتا ہے۔" [اسے بزار نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

931- [حسن: إرواء الغليل (١٦٠١) صحيح الجامع الصغير (٣٠٠٤) الأدب المفرد للبخارى (٥٩٤) أبو يعلى (٦١٤٨) بيهقى (١٦٩/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

932- [بزار فى كشف الأستار (١٩٣٧) ابن حبان (٩٤/٢) طبرانى فى الأوسط (٢٠٥١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

---

(٢٢٥) [توضيح الأحكام (١٢٥/٥)]

(٢٢٦) [صحيح: صحيح أبو داود (١٤٤١) كتاب الزكاة: باب من يحوز له أخذ الصدقة وهو غنى' أبو داود (١٦٣٦) أحمد (٥٦/٣) ابن ماجة (١٨٤١) حاكم (٤٠٧/١) عبدالرزاق (٧١٥١) ابن الجارود (٣٦٥) دارقطنى (١٢١/٢) بيهقى (١٥/٧) ابن خزيمة (٢٣٧٤) التمهيد لابن عبدالبر (٩٦/٥) إرواء الغليل (٨٧٠)]

(٢٢٧) [نيل الأوطار (١٣٩/٣)]

لغوی توضیح تَسُلُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب سَلَّ یَسُلُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "کھینچ لینا، ختم کر دینا"۔ السَّخِیْمَة کی جمع سَخَائِم آتی ہے اس کا معنی ہے "کینہ، بغض، نفرت"۔

933- وَعَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((یَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ! لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ہدیہ بھیجنا حقیر نہ سمجھے خواہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح فِرْسِنَ کھر کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تحفہ وہدیہ کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے خواہ وہ کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو نہ دینے والا معمولی سمجھ کر تحفہ دینے سے رُکے اور نہ ہی لینے والا معمولی سمجھ کر اسے رد کرے۔ اس میں بھی تحائف کے تبادلے کی ترغیب ہے اور بطور خاص پڑوسیوں کا ذکر ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسیوں کو چاہیے کہ وہ کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے رہیں تا کہ ان کی باہمی محبت ومودت برقرار رہے۔ اس حدیث سے اہل علم نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر کی معمولی نوعیت کی اشیاء (مثلاً آٹا' چاول وغیرہ) میں تصرف کر سکتی ہے الا کہ شوہر نے اسے اس سے منع کیا ہو۔

934- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ وَهَبَ هِبَةً فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا مَا لَمْ یُثَبْ عَلَیْهَا)) رَوَاهُ الْحَاکِمُ وَصَحَّحَهُ' وَالْمَحْفُوْظُ مِنْ رِوَایَةِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ۔ قَوْلُهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کوئی چیز ہبہ کرے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے جب تک اسے اس کا بدلہ نہ دیا جائے۔" [اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور محفوظ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے سے یہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔]

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے والے کو جب تک اس کا بدلہ نہ دیا جائے تب تک وہ اس چیز کو واپس لینے کا حق رکھتا ہے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ ہبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ ہبہ بلاعوض دیا جائے' اس میں رجوع جائز نہیں۔ لیکن اگر ہبہ بدلہ لینے کی نیت سے ہی دیا جائے تو پھر یہ بیع کے معنی میں ہوگا (جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ (۲۲۸) اور شیخ عبد اللہ بسام رحمہ اللہ (۲۲۹) وغیرہ نے فرمایا ہے) تب اس میں رجوع بھی جائز ہے۔

باب اللقطة — لقطہ کا بیان

935- عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ راستے میں

933- [بخاری (۲۵٦٦) کتاب الهبة وفضلها: باب' مسلم (۱۰۳۰) ترمذی (۲۱۳۰) احمد (۲٦٤/۲)]

934- [ضعیف: السلسلة الضعیفة (۳٦۳) بیهقی (۱۸۰/٦) حاکم (۵۲/۲) شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو مرفوعاً ضعیف اور موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

935- [بخاری (۲٤۳۱) کتاب فی اللقطة: باب إذا وجد تمرة فی الطریق' مسلم (۱۰۷۱) ابو داود (۱٦۵۱) احمد (۱۸٤/۳) ابن حبان (۳٦۹۳) بیهقی (۱۹۵/٦)]

---

(۲۲۸) [الدرر البهیة: کتاب البیوع: باب الهبة] (۲۲۹) [توضیح الأحکام (۱۳۲/۵)]

النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ: ((لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

ایک گری پڑی کھجور کے پاس سے گزرے تو فرمایا ''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہو سکتی ہے تو میں اسے (اٹھا کر) کھا لیتا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح لقطہ سے مراد ایسی گمشدہ چیز ہے جو راستے میں گری پڑی ملے یا اس کا مالک لا پتہ ہو۔ باب اَلْتَقَطَ يَلْتَقِطُ (بروزن افتعال) اور باب لَقَطَ يَلْقُطُ (بروزن نصر) ''زمین سے اٹھانا''۔ اَللَّقَط اور لَقِيط ''وہ چیز جسے اُٹھایا جائے۔'' یہ لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ایک آیت میں ہے کہ ﴿ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ ﴾ [القصص: ۸] ''اسے آل فرعون نے اٹھا لیا۔'' اس کی مشروعیت کے لیے اہل علم نے یہ دلائل پیش کیے ہیں: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدة: ۲] ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔'' ② فرمانِ نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔'' (۲۳۰)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی معمولی نوعیت کی چیز گری پڑی ملے تو وہ اسے اٹھا کر استعمال میں لا سکتا ہے۔ اہل علم نے لقطہ (یعنی گری پڑی چیز) کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ گری پڑی چیز معمولی ہو اور دوسری یہ کہ وہ قیمتی ہو۔ اگر تو وہ چیز معمولی ہوگی تو پھر یا تو کھانے کے قابل ہوگی یا نہیں' اگر کھانے کے قابل ہوگی تو پھر اسے اٹھا کر فوراً کھا لینا چاہیے اور اگر کھانے کے قابل نہ ہو مثلاً چھڑی' کاپی' قلم وغیرہ تو پھر تین مرتبہ اس کا اعلان کرنے کے بعد اسے استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کا مالک نہ آئے۔ اگر وہ چیز قیمتی ہو تو پھر اٹھانے والے پر واجب ہے کہ وہ سال بھر اس کا اعلان کرے' اگر پھر بھی اس کا مالک نہ ملے تو اسے استعمال میں لے آئے لیکن اگر بعد میں پھر بھی اس کا مالک آ جائے تو اسے وہ چیز یا اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ معمولی چیز تین دن اعلان کرنے کے بعد استعمال میں لانے کے دلائل یہ ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بازار میں ایک دینار ملا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا ''تین مرتبہ اس کا اعلان کرو۔'' انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن اس کا کوئی مالک نہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے تم کھا لو۔'' (۲۳۱) اسی طرح حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کوئی ہلکی (حقیر) چیز اٹھائے مثلاً رسی' درہم یا اس کے مشابہ کوئی چیز تو تین مرتبہ اس کا اعلان کرے اور اگر وہ چیز اس سے کچھ زیادہ قیمتی ہو تو چھ دن اعلان کرے۔'' (۲۳۲) امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ گزشتہ بیان ان اشیا کے متعلق ہے جنہیں کھایا نہیں جا سکتا اور جنہیں کھایا جا سکتا ہے انہیں بغیر اعلان کے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے (جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے)۔ (۲۳۳) علاوہ ازیں قیمتی چیز کا سال بھر اعلان کرنے کی دلیل آئندہ حدیث ہے۔

936- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ

936- [بخاري (۲٤۲۹) كتاب في اللقطة: باب إذا لم يوجد صاحب اللقطة' مسلم (۱۳٤٦) ابو داود (۱۷۰٤) ترمذي (۱۳۷۲) ابن ماجه (۲۵۰٤) احمد (۱۱۵/٤) مالك (۷۵۷/۲) ابن الجارود (٦٦٦) دارقطني (۲۳۵/٤) بيهقي (۱۸۵/٦)]
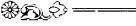
(۲۳۰) [مسلم (۲٦۹۹) كتاب الذكر والدعاء: باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر]

(۲۳۱) [عبدالرزاق (۱٤۲/۱۰)' (۱۸٦۳۷)]

(۲۳۲) [احمد (۱۷۳/٤) طبراني كبير (۲۷۳/۲۲) بيهقي (۱۹۵/٦)]

(۲۳۳) [نيل الأوطار (٤۵/٤)]

عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ ، فَقَالَ : ((اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً ، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا)) قَالَ : فَضَالَّةُ الْغَنَمِ ؟ قَالَ : ((هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ)) قَالَ : فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ : ((مَا لَكَ وَلَهَا ؟ مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا ، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے گری پڑی چیز کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "اس کے برتن اور دھاگے کی خوب پہچان کر لو پھر سال بھر اس کی تشہیر کرو' اگر اس کا مالک آئے (تو اسے دے دو) ورنہ جو چاہو کرو۔" اس نے عرض کیا' گمشدہ بکریوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ تیرے لیے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیئے کے لیے ہے۔" اس نے گمشدہ اونٹ کے متعلق دریافت کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تیری اس سے کیا نسبت؟ اس کا پانی اور اس کے جوتے اس کے پاس ہیں' یہ پانی کے گھاٹ پر آ کر پانی پی لیتا ہے درختوں کے پتے کھا لیتا ہے حتی کہ اس کا مالک اس کے پاس آ جائے گا۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اعْرِفْ فعل امر کا صیغہ ہے باب عَرَفَ يَعْرِفُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "پہچاننا"۔ عِفَاص وہ برتن جس میں لقطہ ملے خواہ وہ برتن چمڑے کا ہو یا کپڑے کا۔ وِكَاء وہ دھاگہ یا تسمہ جس سے تھیلے وغیرہ کا منہ باندھا جاتا ہے۔ عَرِّفْ فعل امر کا صیغہ ہے باب عَرَّفَ يُعَرِّفُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "تشہیر کرنا' اعلان کرنا"۔ ضَالَّة گمشدہ چیز کو کہتے ہیں۔ سِقَاء سے مراد اونٹ کا اندرونی وہ حصہ ہے جہاں وہ پانی جمع کر لیتا ہے اور پھر اسے ایک دو دن تک پانی پینے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ حِذَاء جوتی کو کہتے ہیں یہاں مراد ہے اونٹ کے کھر جو اس کے لیے جوتی کے ہی قائم مقام ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گمشدہ چیز کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جسے سال بھر تشہیر و اعلان کے بعد اپنے استعمال میں لانے کے لیے اٹھایا جا سکتا ہے اور وہ نقدی' مختلف ساز و سامان اور ایسے جانور ہیں جو درندوں سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں' انہیں نہ تو اٹھانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی حفاظت کی مثلاً گمشدہ اونٹ اور اہل علم نے گائے' ہرن اور پرندوں وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے کیونکہ وہ (گائے قوت کے ساتھ' ہرن بھاگ کر اور پرندے اُڑ کر) اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گری پڑی چیز کو حفاظت اور اس کے مالک تک پہنچانے کی غرض سے اٹھانا مستحب ہے۔ گری پڑی چیز اٹھانے والے پر لازم ہے کہ سال بھر لوگوں کے جمع ہونے کے مقامات مثلاً مساجد' مدارس اور بازاروں وغیرہ میں اس کی تشہیر کرے۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اس کے سپرد کر دے اور اگر نہ آئے تو پھر اس کی علامات یاد رکھ کر خود استعمال کر لے۔ لیکن اگر بعد میں خواہ طویل مدت کے بعد ہی اس کا مالک آ جائے اور اپنی چیز کے اوصاف صحیح طور پر بیان کر دے تو اس پر لازم ہے کہ اسے وہ چیز لوٹائے یا پھر اس کی قیمت دے۔

937- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ آوَى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ ، مَا لَمْ يُعَرِّفْهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی گمشدہ چیز کو پناہ دی تو وہ جب تک اس کا اعلان نہ کرے خود گمراہ ہے۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

937- [مسلم (١٧٢٥) کتاب اللقطة : باب فی لقطة الحاج ' احمد (١١٧/٤)]

لغوی توضیح ضَالَّة گمشدہ چیز۔ امام ازہریؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ ضَالَّة کا لفظ صرف حیوانات پر ہی بولا جاتا ہے' رہی بات دیگر ساز وسامان کی تو اس کے لیے لقطه کا لفظ مستعمل ہے۔ ضَالّ گمراہ کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث میں بھی یہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص گمشدہ چیز اٹھاتا ہے تو اسے اس کی تشہیر کرنی چاہیے اور اگر وہ اس کی تشہیر نہیں کرتا بلکہ خود اس پر قابض ہونے کی نیت سے اسے اٹھاتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔ اسے گمراہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس نے دوسرے کی چیز ظلم وزیادتی اور ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی جو سیدھی راہ نہیں۔

938- وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَوَى عَدْلٍ ' وَ لْيَحْفَظْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا ' ثُمَّ لَا يَكْتُمْ وَلَا يُغَيِّبْ ' فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا ' وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ ' وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُودِ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کوئی گری پڑی چیز اٹھائے تو دو دیانتدار آدمیوں کو گواہ بنا لے اور اس کے برتن اور تسمے کو یاد کر لے' پھر نہ تو اسے چھپائے اور نہ ہی غائب کرے' پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو وہی اس کا حقدار ہے اور اگر نہ آئے تو وہ اللہ کا مال ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔'' [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، ابن جارود اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَا يَكْتُمْ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب كَتَمَ يَكْتُمُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''چھپانا''۔ لَا يُغَيِّبْ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب غَيَّبَ يُغَيِّبُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''غائب کرنا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ گری پڑی چیز کو اٹھانا صرف اس صورت میں ہی جائز ہے جبکہ اس کی حفاظت اور اسے اصل مالک تک پہنچانے کی نیت ہو ورنہ چھپانے یا غائب کر کے اپنے مال میں ملانے کی غرض سے اسے اٹھانا جائز نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ گری پڑی چیز اٹھاتے وقت اور اصل مالک کو ادا کرتے وقت دو دیانتدار گواہ بنا لینے چاہئیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ انسان شیطانی وسوسے سے محفوظ رہے گا اور اس کے دل میں اس چیز کو غائب کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوگا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر ایک سے زیادہ آدمی آ کر اس چیز کو اپنی ملکیت ظاہر کرتے ہیں تو گواہوں کی موجودگی میں زیادہ صحیح علامات بتانے والے کو وہ چیز دے کر کسی بھی قسم کے جھگڑے سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ واضح رہے کہ حدیث میں موجود گواہ بنانے کے حکم کو احناف نے وجوب پر جبکہ جمہور علما نے استحباب پر محمول کیا ہے۔ (۲۳۴)

939- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حاجی کی گری پڑی چیز کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

938- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۷۰۹) كتاب اللقطة' نسائی فی السنن الکبری (۲۰۰/۸) ابن ماجه (۲۵۰۵) احمد (۱۶۱/۴) ابن الجارود (۶۷۱) ابن حبان (۱۱۶۹۔ الموارد) بیهقی (۱۹۳/۶) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

939- [مسلم (۱۷۲۴) كتاب اللقطة : باب فی لقطة الحاج' ابو داود (۱۷۱۹) احمد (۴۹۹/۳)]

(۲۳۴) [كما فی توضیح الأحكام (۱۴۴/۵)]

فهم الحدیث اس حدیث میں حاجی کے ساز وسامان میں سے گری پڑی کوئی چیز اٹھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے' تو واضح رہے کہ ممانعت صرف ملکیت بنانے کے لیے اٹھانے میں ہے' البتہ اگر کوئی محض تشہیر کی غرض سے حاجی کی چیز اٹھاتا ہے تو درست ہے۔ حدودِ حرم اور عام علاقوں میں گری پڑی چیز کے مابین فرق یہ ہے کہ عام علاقوں میں تشہیر کے بعد اس چیز کو اپنے استعمال میں لایا جا سکتا ہے جبکہ حدودِ حرم میں ہمیشہ تشہیر کا ہی حکم ہے' جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مکہ کی گمشدہ چیز اٹھانا صرف اعلان وتشہیر کرنے والے کے لیے ہی جائز ہے۔''(۲۳۵) جمہور علماء نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے کہ مکہ کی گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہمیشہ اس کا اعلان کرے گا۔(۲۳۶)

940- وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا لَا يَحِلُّ ذُو نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ وَلَا اللُّقَطَةُ مِنْ مَالِ مُعَاهِدٍ إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خبردار! درندوں میں سے کچلیوں والا جانور حلال نہیں اور نہ گھریلو گدھا اور نہ کسی ذمی کی گری پڑی چیز اٹھانا حلال ہے الا کہ وہ اس سے مستغنی ہو۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح ذُوْنَاب کچلیوں والا جانور۔ ناب کی جمع أنیاب ہے' انیاب اُن دانتوں کو کہتے ہیں جو رباعی دانتوں کے ساتھ نوکیلے دانت ہوتے ہیں۔ کچلی والے درندوں سے مراد وہ جانور ہیں جو چیر پھاڑ کرنے والے ہیں۔ اَلسِّبَاع جمع ہے سَبُعٌ کی' اس کا معنی ہے ''درندے''۔ مُعَاهَد سے مراد ذمی ہے کہ جس کے ساتھ اسلامی حکومت نے امان دینے کا عہد کیا ہو۔ يَسْتَغْنِي فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اسْتَغْنَى يَسْتَغْنِي (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''بے پرواہ ہونا'' مراد وہ معمولی اشیاء ہیں جن میں ذمی مالک کی رغبت نہ ہو اور اسے ان کی ضرورت نہ ہو۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمی کی گری پڑی چیز کا بھی وہی حکم ہے جو مسلمان کی گری پڑی چیز کا ہے اور ذمی کے مال کی حرمت بھی اسی طرح ہے جیسے مسلمان کے مال کی ہے' کیونکہ ذمی سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہے کہ وہ اسے اس کی جان و مال میں امان دے گی۔ البتہ اگر کوئی ایسی معمولی چیز ہو کہ مالک کو جس کی ضرورت ہی نہ ہو اور جس کا گم ہو جانا اس پر گراں نہ گزرے مثلاً کھجور وغیرہ تو پھر اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ وہ چیز ذمی کی ہی ہو۔

باب الفرائض — فرائض کا بیان

941- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

940- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۳۸۰۴) كتاب الأطعمة : باب النهي عن أكل السباع' احمد (۱۳۱/۴) شیخ عبد اللہ بسام نے اس روایت کو صالح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

941- [بخاری (۶۷۳۲) كتاب الفرائض : باب ميراث الولد من أبيه وأمه' مسلم (۱۶۱۵) ابو داود (۲۸۹۸) ترمذی (۲۰۹۸) ابن ماجه (۲۷۴۰) احمد (۳۱۳/۱) دارمی (۲۹۸۷) ابن حبان (۵۹۹۶) دارقطنی (۷۰/۴) بیهقی (۲۳۸/۶)]

(۲۳۵) [بخاری (۲۴۳۴) كتاب اللقطة : باب كيف تعرف لقطة أهل مكة' مسلم (۱۳۵۵)]

(۲۳۶) [نيل الأوطار (۵۲/۴) فتح الباری (۳۷۴/۵)]

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ ''وراثت کے مقررہ حصے ان کے مستحق حصہ داروں کو ادا کر دو اور پھر جو باقی بچ جائے اسے سب سے قریبی مرد (وارث) کو دے دو۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْفَرَائِض جمع ہے فَرِيْضَة کی' اس سے مراد وراثت کے مقرر کردہ حصے ہیں۔ یہ لفظ اللہ کے اس فرمان ﴿نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ سے ماخوذ ہے۔ لفظِ إرث' ورث' وراثة اور تراث بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں۔ باب وَرِثَ يَرِثُ (بروزن حسب) وارث ہونا' باب وَرَّثَ اور اَوْرَثَ (بروزن تفعیل اور افعال) وارث بنانا' باب تَوَارَثَ يَتَوَارَثُ (بروزن تفاعل) ایک دوسرے کا وارث ہونا' کے معانی میں مستعمل ہیں۔ مَوْرُوْث ترکہ چھوڑنے والے کو کہتے ہیں اور وَارِث وہ ہوتا ہے جو ترکے کا حصہ دار ٹھہرتا ہے اس کی جمع وَرَثَة اور وُرَّاث آتی ہے۔ أَلْحِقُوْا کا معنی ہے ادا کر دو' پہنچا دو۔ بِأَهْلِهَا سے مراد اہل فرائض ہیں' یعنی وہ ورثاء جن کے حصے کتاب وسنت میں مقرر کیے گئے ہیں۔ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ سے مراد وہ شخص ہے جو نسب کے اعتبار سے مرنے والے کے سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اس سے مراد عصبہ رشتہ دار ہیں' جیسا کہ علامہ خطابی ؒ نے فرمایا ہے۔(۲۳۷) عصبہ سے مراد میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ مقرر نہ ہو۔(۲۳۸) ان میں پہلے تو بیٹے' پھر پوتے اور پڑپوتے وغیرہ آتے ہیں' پھر باپ' دادا اور اوپر تک' پھر بھائی' پھر بھتیجے اور پھر چچا اور ان کی اولاد آتی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل فرائض کو ان کے حصے ادا کر دینے کے بعد جو مال باقی بچ جائے وہ سب سے قریبی مرد کو دیا جائے گا۔ اس مسئلے پر امام نووی ؒ نے اجماع نقل فرمایا ہے۔(۲۳۹)

❑ قارئین کے استفادے کے لیے یہاں وراثت کے مسائل کا خلاصہ و نچوڑ درج کیا جا رہا ہے:

① بیٹوں اور بیٹیوں کے متعلق احکامات: (1) جب میت کے وارث صرف ایک مذکر اور ایک مؤنث ہو تو ان میں مال کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ مذکر کے لیے دو حصے اور مؤنث کے لیے ایک حصہ۔ (2) جب ورثاء مذکر و مؤنث کی ایک جماعت ہو تو مذکر مؤنث سے دگنے حصے کے وارث ہوں گے۔ (3) اگر اولاد کے ساتھ اصحاب الفروض مثلاً خاوند یا بیوی یا والدین موجود ہوں تو پہلے اصحاب الفروض کو حصہ دے کر باقی اولاد کے درمیان " للذكر مثل حظ الأنثيين " کے اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ (4) جب میت کا وارث صرف ایک بیٹا ہو تو وہ سارے مال کا مالک ہوگا۔ (5) اولاد کی عدم موجودگی میں پوتے ان کا حصہ وصول کریں گے۔

② والدین کے متعلق احکامات: (1) جب میت کی اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (2) جب اولاد نہ ہو تو ماں کو ایک ثلث اور باپ کو باقی دو ثلث مل جائے گا۔ (3) اگر والدین کے ساتھ میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ اور باقی تمام باپ کو مل جائے گا۔ بھائی اور بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ باپ ان کے لیے حاجب (رکاوٹ) ہے۔

③ قرض کو وصیت پر مقدم کیا جائے گا۔

④ خاوند کے متعلق احکامات: (1) بیوی کی وفات پر اولاد نہ ہو تو خاوند کو نصف حصہ ملے گا۔ (2) اگر اولاد ہو تو خاوند کو چوتھا حصہ ملے گا۔

---

(۲۳۷) [معالم السنن (٩٧/٤)]

(۲۳۸) [الفرائض (ص/٣٦)]

(۲۳۹) [شرح مسلم (٦٠/٦)]

⑤ ایک بیوی یا زیادہ بیویوں کے متعلق احکامات: (1) خاوند کی وفات پر اگر اولا دنہ ہو تو ایک یا زیادہ بیویوں کو چوتھا حصہ ملے گا۔(2) اگر اولا د ہو تو آٹھواں حصہ ملے گا۔

⑥ ماں کی طرف سے بہن بھائیوں کے احکامات: (1) جب فوت ہونے والا ماں کی طرف سے صرف ایک بھائی یا ماں کی طرف سے صرف ایک بہن چھوڑے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔(2) اگر ماں کی طرف سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

⑦ سگے بہن بھائیوں یا باپ کی طرف سے بہن بھائیوں کے احکامات: (1) اگر فوت ہونے والا ایک سگی یا باپ کی طرف سے بہن چھوڑے اور میت کے لیے اولا د اور والدین نہ ہوں تو اس کو نصف حصہ ملے گا۔(2) جب میت دو سگی یا باپ کی طرف سے بہنیں چھوڑے اور میت کی اولا د اور والدین نہ ہوں تو یہ ترکے کے دو ثلث کی حقدار ہوں گی۔(3) جب میت بھائی اور بہنیں (یعنی سگے یا باپ کی طرف سے) چھوڑے تو ان کے درمیان ترکے کی تقسیم "للذكر مثل حظ الأنثيين" کے اصول پر ہوگی۔(4) جب سگی بہن فوت ہو جائے اور اولا د اور والدین موجود نہ ہوں تو اس کا سگا بھائی سارے مال کا وارث ہوگا اور اگر زیادہ بھائی ہوں تو آپس میں برابری کے ساتھ اسے تقسیم کر لیں گے۔(5) اسی طرح باپ کی طرف سے بہن بھائیوں کا حکم ہے جب سگے بہن بھائی موجود نہ ہوں۔

❁ میراث کے متعلق چند ضروری اشیاء حسب ذیل ہیں:

① وراثت کے تین ارکان ہیں: (1) مورّث (وارث بنانے والا یعنی میت) (2) وارث (وارث بننے والا) (3) موروث (ترکہ)۔

② وراثت کے تین اسباب ہیں: (1) قرابت (رشتہ داری وغیرہ) (2) نکاح (3) ولاء۔

③ وراثت کے لیے تین شرائط ہیں: (1) مورّث کی موت کا ثابت ہونا۔ (2) مورّث کی موت کے وقت وارث کی حیات کا ثابت ہونا۔(3) وراثت کے متعلق علم ہونا مثلاً وراثت کا سبب' وارث کی جہت' اس کا درجہ اور قوت وغیرہ۔

④ وراثت کے تین موانع (رکاوٹیں) ہیں: (1) غلامی (2) قتل (3) دین مختلف ہونا۔

⑤ علم میراث میں بہن بھائیوں کی تین اقسام ہیں: (1) عيني: جو سگے ہوں۔(2) علاتي: جو باپ کی طرف سے ہوں۔(3) اخيافي: جو ماں کی طرف سے ہوں۔

942- وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" نہ تو مسلمان کسی کافر کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی کافر کسی مسلمان کا۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی مسلمان کافر کا۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں اور بعض اہل علم نے تو اس پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے' البتہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ مسلمان اپنے آزاد کردہ کافر غلام کا وارث ہو سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ﴿ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ ﴾ "ولاء اسی کی ہے جس نے آزاد کیا۔"(٢٤٠)

942- [مسلم (١٦١٤) كتاب الفرائض: باب' ابو داود (٢٩٠٩) ترمذي (٢١٠٧) ابن ماجه (٢٧٢٩) دارمي (٢٩٩٨) بيهقي (٢١٧/٦)]

(٢٤٠) [الفقه الإسلامي وأدلته (٧٧١٩/١٠) المغني (٣٤٨/٦)]

943- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِيْ بِنْتٍ، وَبِنْتِ ابْنٍ، وَ أُخْتٍ - ((قَضَى النَّبِيُّ ﷺ لِلْابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ ابْنِ السُّدُسُ - تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ - وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ -

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیٹی، پوتی اور بہن (کے وارث ہونے) کی صورت میں یہ فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو نصف اور پوتی کو دو تہائی مکمل کرنے کے لیے سدس (چھٹا حصہ) ملے گا اور جو باقی بچے گا وہ بہن کا ہوگا۔[اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بیٹی اکیلی ہو تو اسے نصف ملے گا اور اگر اس کے ساتھ کوئی پوتی بھی ہو تو پھر پوتی کو دو تہائی مکمل کرنے کے لیے چھٹا حصہ ملے گا۔ دو تہائی مکمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پوتی چونکہ بیٹی کے درجے میں ہوتی ہے اور جب ایک بیٹی بھی ہو تو پھر یہ دو بیٹیوں کے درجے میں ہوئیں اور دو بیٹیوں کو دو تہائی حصہ ملتا ہے (جیسا کہ قرآن میں مقرر کر دیا گیا ہے)۔ لہٰذا جب اکیلی بیٹی کو نصف حصہ دیا تو اسے دو تہائی تک پہنچانے کے لیے اب چھٹے حصے کی ہی ضرورت ہے، جو پوتی کو دے دیا جاتا ہے۔ اس طرح دو تہائی مکمل کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ بہن کو بحیثیت عصبہ مل جائے گا۔

944- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ - وَ أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ بِلَفْظِ أُسَامَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ حَدِيْثَ أُسَامَةَ بِهٰذَا اللَّفْظِ -

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مختلف ادیان والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔" [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے اُن الفاظ میں روایت کیا ہے جو اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ہیں اور نسائی نے حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے (جو حدیث ابن عمرو رضی اللہ عنہما کے ہیں)۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ دین وراثت کے موانع میں سے ہے۔ اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ دو مختلف دین والوں سے مراد صرف مسلمان اور کافر ہیں یا کفار کے مختلف ادیان بھی اس میں شامل ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ کفار کے مختلف ادیان میں بھی عدم توارث ہی ہوگا، یعنی نہ تو عیسائی کسی یہودی کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی یہودی کسی عیسائی کا۔ امام اوزاعیؒ نے یہی موقف اپنایا ہے۔ جبکہ جمہور علما نے کہا ہے کہ مختلف ادیان سے مراد صرف کفر و اسلام ہی ہے، ان کے نزدیک کفر و اسلام کے علاوہ باقی مختلف ادیانِ باطلہ کے پیروکار ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ شیخ عبداللہ بسامؒ اور امام صنعانیؒ نے امام اوزاعیؒ وغیرہ کے موقف کو ترجیح دی ہے۔ (۲٤١)

943- [بخاری (٦٧٣٦-٦٧٤٢) كتاب الفرائض : باب ميراث ابنة الابن مع بنت، ابو داود (٢٨٩٠) ترمذی (٢٠٩٣) ابن ماجه (٢٧٢١) احمد (٣٨٩/١) بيهقى (٢٣٠/٦)]

944- [حسن صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٢٩١١) كتاب الفرائض : باب هل يرث المسلم الكافر، نسائى فى السنن الكبرى (٨٢/٤) ابن ماجه (٢٧٣١) احمد (١٧٨/٢) دارقطنى (٧٥/٤) حاكم (٢٤٠/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کی سند کو جید اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٢٤١) [الروضة الندية (٧٠٦/٢) سبل السلام (٢٤٧/٣) توضيح الأحكام (١٦٢/٥)]

945- وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : إِنَّ ابْنَ ابْنِي مَاتَ ، فَمَا لِي مِنْ مِيرَاثِهِ ؟ فَقَالَ : ((لَكَ السُّدُسُ)) فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ ، فَقَالَ : ((لَكَ سُدُسٌ آخَرُ)) فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ ، فَقَالَ : ((إِنَّ السُّدُسَ الْآخَرَ طُعْمَةٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ ، وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ عِمْرَانَ ، وَ فِي سَمَاعِهِ خِلَافٌ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا، میرا پوتا فوت ہو گیا ہے، اس کی میراث سے مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تیرے لیے چھٹا حصہ ہے۔" جب وہ مڑا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور کہا "تیرے لیے ایک اور چھٹا حصہ ہے۔" پھر جب وہ دوبارہ پھرا تو آپ ﷺ نے اسے بلا کر کہا "دوسرا چھٹا حصہ بطور رزق ہے۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور حسن بصریؒ نے بھی عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے سماع میں اختلاف ہے۔]

لغوی توضیح طُعْمَة بطور رزق دیا گیا ہے، مراد یہ ہے کہ اصحاب الفروض کے کم ہونے کی وجہ سے تجھے مقررہ حصے سے زیادہ بطور رزق دیا گیا ہے، یہ حصہ ہمیشہ تجھے نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس کا مقررہ حصہ سدس ہے اور باقی تعصیبا ہے۔ (۲۴۲)

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دادے کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ اسے ساقط کرنے والا کوئی نہ ہو اور اسے ساقط کرنے والا باپ ہے، یعنی باپ کی موجودگی میں دادے کو کچھ نہیں ملے گا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ (۲۴۳) دادے کو چھٹا حصہ ملنے کی ایک صورت اہل علم نے یہ بیان کی ہے کہ میت پیچھے صرف دو بیٹیاں چھوڑ جائے، تو دو بیٹیوں کو دو تہائی مل جائے گا اور دادے کو چھٹا حصہ ملے گا۔

946- وَ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهَا أُمٌّ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُودِ وَ قَوَّاهُ ابْنُ عَدِيٍّ۔

حضرت ابن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دادی کے لیے چھٹا حصہ مقرر فرمایا جب کہ اس کے درمیان میں ماں نہ ہو۔ [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے اور ابن عدی نے اسے قوی کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دادی کو چھٹا حصہ ملے گا لیکن ماں موجود ہو تو پھر اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ دادی سے یہاں والد اور والدہ دونوں کی ماں مراد ہے۔ یعنی خواہ ان میں سے ایک ہو یا دونوں، چھٹے حصے کی مستحق ہوں گی۔ اس روایت سے میراث کا ایک قاعدہ بھی سامنے آتا ہے کہ ہر قریبی وارث دور کے وارث کو ساقط کر دیتا ہے۔

945- [**ضعیف** : ضعیف ابو داود، ابو داود (۲۸۹۶) کتاب الفرائض : باب ما جاء فی میراث الجد، ترمذی (۲۰۹۹) احمد (۴۲۸/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

946- [**ضعیف** : ضعیف ابو داود، ابو داود (۲۸۹۵) کتاب الفرائض : باب فی الجدة، دارقطنی (۹۱/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۴۲) [سبل السلام (۱۲۷۶/۳) نیل الأوطار (۱۲۶/۴)]

(۲۴۳) [فتح الباری (۲۴۴/۱۵)]

947- وَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ سِوَى التِّرْمِذِيِّ، وَ حَسَّنَهُ أَبُوْ زُرْعَةَ وَالرَّازِيُّ، وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں وارث ہوگا۔'' [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' ابوزرعہ اور رازی نے اسے حسن جبکہ حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالارحام بھی وارث بنتے ہیں۔ ذوالارحام سے مراد ایسے قریبی (رشتہ دار) ہیں جن کا نہ تو کوئی حصہ مقرر ہو اور نہ ہی وہ عصبہ بنتے ہوں مثلاً بیٹیوں کی اولاد (نواسے' نواسیاں) یا ماؤں کے باپ (نانا) وغیرہ۔(۲۴۴) واضح رہے کہ ورثاء کی تین اقسام ہیں: اصحاب الفروض، عصبہ رشتہ دار اور ذوالارحام۔ ذوالارحام صرف اسی صورت میں وارث بن سکتے ہیں جب اصحاب الفروض اور عصبہ رشتہ داروں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو اور اگر ذوالارحام میں سے بھی کوئی نہ ہو تو پھر ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ اہل علم کے مابین ذوالارحام کی وراثت کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اصحاب الفروض اور عصبہ رشتہ داروں کی غیر موجودگی میں ذوالارحام وارث بنیں گے۔ حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف منقول ہے۔ جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اصحاب الفروض اور عصبہ رشتہ داروں کی غیر موجودگی میں ذوالارحام وارث نہیں بنیں گے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، امام زہریؒ، امام مکحولؒ، امام قاسمؒ اور امام یحییٰؒ' وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲۴۵) راجح موقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے جیسا کہ اس پر مذکورہ بالا اور آئندہ حدیث شاہد ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(۲۴۶) لہٰذا اگر میت کے اصحاب الفروض اور عصبہ رشتہ داروں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر ترکہ ماموں اور دیگر ذوالارحام میں تقسیم کر دینا چاہیے۔

948- وَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَتَبَ عُمَرُ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَوْلَى مَنْ

حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''جس کا کوئی والی و سرپرست نہ ہو اللہ اور اس کا رسول اس کے

947- [حسن صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۸۹۹-۲۹۰۱) کتاب الفرائض: باب في ميراث ذوي الأرحام' ابن ماجه (۲۷۳۸) احمد (۱۳۱/۴) ابن الجارود (۹۶۵) ابن حبان (۱۲۲۵-الموارد) دارقطنی (۸۵/۴) حاکم (۳۴۴/۴) بیهقی (۲۱۴/۶) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

948- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۲۱۰۳) کتاب الفرائض: باب ما جاء في ميراث الخال' ابن ماجه (۲۷۳۷) احمد (۲۸/۱) ابن الجارود (۹۶۴) ابن حبان (۱۲۲۷-الموارد) دارقطنی (۸۴/۴) بیهقی (۲۱۴/۶) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۴۴) [الفرائض (ص/۲۴۴)]

(۲۴۵) [الأم (۷۶/۴) مغني المحتاج (۷/۳) المبسوط (۱۹۲/۲۹) اللباب (۲۰۰/۴) الكافي (ص/۵۵۶) المغني (۸۲/۷) كشاف القناع (۴۵۵/۴) المحلى (۳۲۲/۹)]

(۲۴۶) [توضيح الأحكام (۱۶۸/۵)]

لَا مَوْلَى لَهُ، وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ سِوَى أَبِي دَاوٗدَ، وَ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

سرپرست ہیں اور جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہے۔" [اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے حسن جبکہ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

949- وَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ وَرِثَ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب نومولود بچہ چیخ پڑے تو وہ وارث ہوگا۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اسْتَهَلَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اسْتَهَلَّ يَسْتَهِلُّ (بروزن استفعال) سے، اس کا معنی ہے "چیخنا، بلند آواز سے رونا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بچہ چیخ پڑے تو وہ بھی وارث ہوگا۔ جمہور علما کا کہنا ہے کہ چیخنے سے مراد یہاں بچے کے زندہ ہونے کی علامت بیان کرنا ہے، یعنی چیخنے کے علاوہ کوئی بھی ایسی علامت (مثلاً جمائی لینا، چھینکنا، زور سے سانس لینا اور زور سے آواز نکالنا وغیرہ) ظاہر ہو جائے کہ جس سے بچے کے زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہو تو بچہ وارث ہوگا۔

950- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَيْءٌ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ قَوَّاهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ، وَأَعَلَّهُ النَّسَائِيُّ وَ الصَّوَابُ وَقْفُهُ عَلَى عَمْرٍو۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قاتل کے لیے (مقتول کی) میراث سے کچھ نہیں ہے۔" [اسے نسائی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے، ابن عبد البر نے اسے قوی کہا ہے جبکہ نسائی نے اسے معلول کہا ہے اور درست بات یہ ہے کہ یہ روایت عمرو رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل میراث کے حصول میں رکاوٹ ہے اور قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔(٢٤٧) امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ قتل عمد ہو یا قتل خطا، قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔ جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر قتل خطا ہو تو وہ مال کا وارث ہوگا دیت کا نہیں۔ (٢٤٨) امام صنعانی فرماتے ہیں کہ اس تفریق کی کوئی دلیل نہیں (یعنی ہر حال میں قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا)۔ (٢٤٩)

949- [ضعیف : ضعیف ابن ماجه، ابن ماجه (٢٧٥٠) كتاب الفرائض : باب إذا استهل المولود ورث، دارمی (٣١٢٦) ترمذی (١٠٣٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

950- [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٥٤٢٢) نسائی فی السنن الکبری (٧٩/٤) دارقطنی (٧٢/٤) ابو داود (٤٥٦٤) ابن ماجه (٢٧٣٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(٢٤٧) [الفقه الإسلامي وأدلته (٧٧١٥/١٠) الفرائض (ص/٢٤)]

(٢٤٨) [الأم للشافعي (٧٦/٤) المعرفة للشافعي (١٠٣/٩) المبسوط (٤٦/٣٠) البحر الزخار (٣٦٧/٥) بداية المجتهد (٢٢٠/٤)]

(٢٤٩) [سبل السلام (١٢٨١/٣)]

951- وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((مَا أَحْرَزَ الْوَالِدُ أَوِ الْوَلَدُ فَهُوَ لِعَصَبَتِهِ مَنْ كَانَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "والد یا اولاد (گھر میں اپنے لیے) جو کچھ بھی محفوظ کرے وہ اس کے عصبہ کے لیے ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔" [اسے ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن مدینی اور ابن عبدالبر نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَحْرَزَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَحْرَزَ يُحْرِزُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "محفوظ کیا' جمع کیا یا ضرورت کے وقت کے لیے ذخیرہ کیا"۔

فہم الحدیث یہ حدیث دراصل ایک طویل روایت کا حصہ ہے۔ اس روایت میں ہے کہ ایک عورت فوت ہوئی تو اس کے بیٹے اس کے وارث بنے' پھر اس کے بیٹے بھی فوت ہو گئے' تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان کے عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث بن گئے' اس کے بعد اس عورت کا آزاد کردہ غلام بھی فوت ہو گیا' تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کے متروکہ مال کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس پر اس عورت کے بھائیوں نے غلام کی میراث کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے معاملہ پیش کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا فرمانِ نبوی سنایا اور غلام کی میراث اس عورت کے بھائیوں کو لے کر دے دی۔ اس واقعہ سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ولاء (آزاد کردہ غلام کا ترکہ) میراث میں تقسیم نہیں ہوتی' بلکہ قریبی عصبہ کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ چونکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس عورت کے عصبہ نہ تھے اس لیے وہ اس کے بھائیوں سے زیادہ اس کے قریبی نہیں تھے لہٰذا اس کے آزاد کردہ غلام کی میراث اس کے بھائیوں کو دلا دی گئی۔

952- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ لَا يُبَاعُ وَ لَا يُوْهَبُ)) رَوَاهُ الْحَاكِمُ مِنْ طَرِيقِ الشَّافِعِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ' وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ أَعَلَّهُ الْبَيْهَقِيُّ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولاء کا تعلق نسب کے تعلق کی مانند ہے' نہ تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔" [اسے حاکم نے شافعی عن محمد بن حسن عن ابی یوسف کے طریق سے روایت کیا ہے' ابن حبان نے اسے صحیح جبکہ بیہقی نے اسے معلول کہا ہے۔]

لغوی توضیح وَلَاء مالک اور اس کے آزاد کردہ غلام کے درمیانی تعلق کو کہتے ہیں' اس تعلق کے باعث جب غلام فوت ہوگا تو مالک اس کی وراثت کا حقدار ہوگا۔ لُحْمَةٌ تعلق کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ولاء کا تعلق نسب کے تعلق کی مانند ہے اس لیے اسے فروخت کرنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں۔ عرب چونکہ ولاء کو فروخت بھی کر دیا کرتے تھے اور ہبہ بھی' اس لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

953- وَعَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت ابوقلابہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول

951- [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (٢٩١٧) كتاب الفرائض : باب في الولاء ' نسائي في السنن الكبرى (٧٥/٤) ابن ماجه (٢٧٣٢) احمد (٢٧/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

952- [صحيح : إرواء الغليل (١٧٣٨) ابن حبان (٤٩٤٩) حاكم (٣٤١/٤) بيهقي (٢٩٢/١٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

953- [صحيح : صحيح ترمذي ' ترمذي (٣٧٩٠) كتاب المناقب : باب مناقب معاذ بن جبل ' ابن ماجه (١٥٤) احمد (١٨٤/٣) ابن حبان (٧١٣١) حاكم (٤٢٢/٣) بيهقي (٢١٠/٦) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَفْرَضُكُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ سِوَىٰ أَبِي دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَ أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ ۔

اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں علم الفرائض کو سب سے زیادہ جاننے والا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے۔" [اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اسے مرسل ہونے کی بنا پر معلول قرار دیا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت دراصل ایک طویل روایت کا جز ہے۔ مکمل روایت یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل انسان ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں' اللہ کے دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ ہیں' سب سے زیادہ حیادار عثمان رضی اللہ عنہ ہیں' قرآن کے سب سے اچھے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں' حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور میراث کو سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہاں مصنف ؒ نے باب کی مناسبت سے صرف زید رضی اللہ عنہ کا ہی ذکر فرمایا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے علم میراث کو سب سے زیادہ جاننے کے باعث اہل علم میراث کے اختلافی مسائل میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی رائے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

باب الوصايا — وصیتوں کا بیان

954- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی کسی چیز کی وصیت کرنا چاہتا ہو مگر دو راتیں بھی اس حال میں گزارے کہ اس کے پاس اس کی وصیت تحریری صورت میں موجود نہ ہو۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح وَصَايَا جمع ہے وَصِيَّة کی' وصیت سے مراد وہ چیز بھی ہے جس کی وصیت کی جائے اور مصدر کے معنی بھی ہیں یعنی "وصیت کرنا"۔ باب أَوْصَىٰ يُوْصِيْ (بروزن افعال) غیر سے کسی کام کا عہد کرنا زندگی میں یا وفات کے بعد۔ باب تَوَاصَىٰ يَتَوَاصَىٰ (بروزن تفاعل) ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔ باب اِسْتَوْصَىٰ يَسْتَوْصِيْ (بروزن استفعال) وصیت قبول کرنا۔ وَصِيّ سے مراد وصیت کرنے والا ہے یا جسے وصیت کی جائے۔ اصطلاحاً وصیت ایسا خاص عہد ہے جس کی نسبت مرنے کے بعد کسی کام کی طرف کی گئی ہو۔ (۲۵۰) مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ کسی مسلمان شخص کے لیے یہ لائق و مناسب نہیں۔ لَهُ شَيْءٌ اس کے پاس کوئی قابل وصیت چیز ہو' مثلاً اس کے پاس مال ہو یا اس پر کسی کا قرض ہو یا اس کے ذمہ کسی کی امانت وغیرہ ہو۔

فهم الحديث ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب سے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے میں نے ایک رات بھی ایسی نہیں گزاری کہ میری وصیت میرے پاس نہ ہو۔ (۲۵۱) اس حدیث سے وصیت کی مشروعیت

954- [بخاری (۲۷۳۸) كتاب الوصايا ، مسلم (۱۶۲۷) كتاب الوصايا : باب الوصايا' ابو داود (۲۸۶۲) ترمذی (۹۷۴) نسائی (۲۲۸/۶) ابن ماجه (۲۷۰۲) احمد (۱۰/۲) مالك (۷۶۱/۲) دارمی (۳۱۷۵) بیهقی (۲۷۲/۶)]

(۲۵۰) [سبل السلام (۱۲۸٤/۳) نيل الأوطار (۹٦/٤)]

(۲۵۱) [بخاری (۲۷۳۸) كتاب الوصايا ، مسلم (۱۶۲۷) كتاب الوصايا : باب الوصايا' موطا (۷٦۱/۲) ابو داود (۲۸٦۲) نسائی (۲۳۸/٦) ترمذی (۲۱۱۸) ابن ماجة (۲۷۰۲) دارمی (٤۰۲/۲) طيالسی (۱۸٤۱) ابن الجارود (۹٤٦) بيهقی (۲۷۲/٦) ابن حبان (٦۰٦/۷) حميدی (۳۰٦/۲) دارقطنی (۱۵۰/٤) شرح السنة (۲۷۷/۵) الحلية لأبي نعيم (۳۵۲/٦)]

ثابت ہوتی ہے۔ پہلے ہر ایک کے لیے وصیت کرنا واجب تھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ ﴾ [البقرة: ١٨٠] ''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابتداروں کے لیے وصیت کر جائے۔'' لیکن آیات میراث کے بعد یہ حکم ورثاء کے حق میں منسوخ ہو گیا' البتہ جو وارث نہیں بنتا مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا یا بیٹے کی موجودگی میں پوتا وغیرہ تو اس کے حق میں ایک تہائی یا اس سے کم مال کی وصیت کر جانا درست ہے۔ اہل علم نے وصیت کی دو قسمیں بنائی ہیں۔ ایک مستحب اور دوسری واجب۔ مستحب اس صورت میں ہے جب اس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو اور وہ اپنی دلی خوشی سے کسی کے حق میں کچھ وصیت کرنا چاہے اور واجب اس صورت میں ہے جب اس پر دوسروں کے حقوق مثلاً قرض اور امانت وغیرہ ہوں تو پھر ان کے لیے مرنے سے پہلے اپنے مال میں وصیت کرنا واجب ہے۔ (٢٠٢) تاہم فقہا نے وصیت کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ جمہور علما اسے مستحب کہتے ہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ اور امام اسحاقؒ اسے واجب کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے جمہور کے مؤقف کو ہی ترجیح دی ہے۔ (٢٠٣) ہمارے علم کے مطابق اس شخص کے لیے وصیت کرنا واجب ہے جس پر دوسروں کے حقوق ہوں مثلاً امانت اور قرض وغیرہ' نیز اس کے پاس مال بھی ہو اور ان حقوق سے وصیت کے علاوہ خلاصی حاصل کرنا بھی ممکن نہ ہو اور جس میں ان شرائط میں سے ایک بھی کم ہوئی تو اس کے حق میں وصیت واجب نہیں۔ (٢٠٤)

955- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' أَنَا ذُوْ مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي وَاحِدَةٌ ' أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ: ((لَا)) قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ ؟ قَالَ: ((لَا)) قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ ؟ قَالَ: ((الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ ' إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں صاحب مال ہوں اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنے مال کا دو تہائی حصہ صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں۔'' میں نے عرض کیا' کیا میں اپنا نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں۔'' میں نے عرض کیا' کیا میں تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں' مگر تہائی بھی بہت ہے' یقیناً تیرا اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ جانا اس سے بہت بہتر ہے کہ تو ان کو فقیر محتاج چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الشَّطْر سے مراد نصف ہے۔ الثُّلُث تہائی حصے کو کہتے ہیں۔ عَالَةً عائل کی جمع ہے' اس کا معنی ہے ''فقیر و محتاج''۔ يَتَكَفَّفُوْنَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَكَفَّفَ يَتَكَفَّفُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے ''فقیروں کی طرح ہاتھ پھیلاتے پھرنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اپنے مال میں وصیت کرنا چاہے تو ایک تہائی تک وصیت کر سکتا

955- [بخاری (١٢٩٥-٢٧٤٢) كتاب الجنائز: باب رثاء النبي سعد بن خولة' مسلم (١٦٢٨) ابو داود (٢٨٦٤) ترمذی (٢١١٦) نسائی (٢٤١/٦) ابن ماجه (٢٧٠٨) احمد (١٧٩/١) مالك (٧٦٣/٢) دارمی (٣١٩٦) بيهقی (٢٦٨/٦)]

(٢٠٢) [توضيح الأحكام (١٨٧/٥)]
(٢٠٣) [سبل السلام (١٢٨٥/٣)]
(٢٠٤) [سبل السلام (١٢٨٥/٣)]

ہے'اس سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں' کیونکہ انسان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑے' البتہ اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر ورثاء خود تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنے کی اجازت دے دیں تو پھر درست ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر ورثاء فقیر ہوں تو مستحب یہی ہے کہ ثلث سے بھی کم مال میں وصیت کی جائے اور اگر غنی ہوں تو پھر یہ مستحب نہیں۔(۲۰۵) اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی وارث ہی نہ ہو تو کیا پھر تہائی مال سے زیادہ وصیت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟۔ جمہور علما کا کہنا ہے کہ تہائی سے زائد مال میں وصیت کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ البتہ احناف نے کہا ہے کہ اس صورت میں تہائی مال سے زائد میں بھی وصیت جائز ہے کیونکہ قرآن میں مطلق طور پر وصیت کا ذکر ہے پھر سنت نے اسے اُس کے لیے مقید کر دیا جس کا وارث ہے اور جس کا وارث نہیں ہے وہ قرآن کے اطلاق پر ہی باقی رہے گا۔(۲۰۶)

956- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسَهَا وَلَمْ تُوصِ وَأَظُنُّهَا ' لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ ' أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا ؟ قَالَ : ((نَعَمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میری والدہ اچانک فوت ہوگئی ہے اور اس نے وصیت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بولتی تو صدقہ ضرور کرتی تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح افْتُلِتَتْ کا معنی ہے "اچانک فوت ہوگئی"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر میت نے صدقہ کی وصیت نہ بھی کی ہو تب بھی اس کی طرف سے صدقہ کیا جا سکتا ہے' بالخصوص جب یہ گمان ہو کہ اگر مرنے والے کو کچھ مہلت ملتی تو وہ صدقہ ضرور کرتا۔

957- وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ حَسَّنَهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ قَوَّاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُودِ ۔

حضرت ابواُمامہ باہلی ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے' پس کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' احمد اور ترمذی نے اسے حسن اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے قوی کہا ہے۔]

956- [بخاری (۱۳۸۸۔۲۷۶۰) كتاب الجنائز : باب موت الفجأة البغتة' مسلم (۱۰۰٤) نسائی (۲۰۰/٦) مالك (۷٦٠/۲) بیهقی (۲۷۷/٦)]

957- [حسن صحيح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۸۷۰۔۳۵٦٥) كتاب الوصايا : باب ما جاء فی الوصية للوارث' ترمذی (۲۱۲۰) ابن ماجه (۲۷۱۳) احمد (۲٦۷/۵) ابن الجارود (۹٤۹) بيهقی (۲٦٤/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(۲۰۵) [شرح مسلم (۸۹/٦ ۔ ۹۰)]
(۲۰٦) [دیکھئے الأم (۳٦/٤) المهذب (٤۵۱/۱) حاشية ابن عابدين (٦۵٦/٦)]

958- وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ، وَزَادَ فِي آخِرِهِ : ((إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ)) وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ ۔

اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ ''الا کہ ورثاء چاہیں۔'' [اس کی سند حسن ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے ورثاء چاہیں تو وارث کے لیے بھی وصیت درست ہے۔ جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے ورثاء راضی ہوں تو (ورثاء کے لیے بھی) وصیت درست ہوگی اور یہ ایسے ہی ہے جیسے عام سے خاص کی صورت ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان الفاظ کی زیادتی ''الا کہ ورثاء چاہیں'' صحیح ہے تو یہ واضح دلیل ہے۔ اور اہل علم نے معنوی اعتبار سے بھی حجت پکڑی ہے کہ دراصل ممانعت دوسرے ورثاء کے حق کی وجہ سے ہے' اگر وہی اجازت دے دیتے ہیں تو پھر ممانعت نہیں۔ (۲۵۷) امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں الا کہ میت کے ورثاء اجازت دے دیں۔ (۲۵۸) نواب صدیق حسن خانؒ نے کہا ہے کہ اسی پر اہل علم ہیں۔ (۲۵۹)

959- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((إِنَّ اللّٰهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ زِيَادَةً فِي حَسَنَاتِكُمْ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری وفات کے وقت تمہارے ثلث مال کے بدلے تمہاری نیکیوں میں اضافے کا صدقہ کیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے تمہارے (اچھے) اعمال میں زیادتی کر دے۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔]

960- وَ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ الْبَزَّارُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور احمد اور بزار نے اسے ابودرداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

961- وَ ابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، وَ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ ، لٰكِنْ قَدْ يُقَوِّي بَعْضُهَا بَعْضًا ، وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ ۔

اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالے سے۔ مگر یہ تمام روایات ضعیف ہے' البتہ یہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ واللہ اعلم

958- [دارقطنی (۹۷/٤) بیهقی (۲٦۳/٦)]

959- [حسن : إرواء الغليل (١٦٤١) ابن ماجة (۲۷۰۹) كتاب الوصايا : باب الوصية بالثلث ' نصب الراية (٤٠٠/٤) بیهقی (۲٦۹/٦) دار قطنی (١٥٠/٤) تلخيص الحبير (۹۱/٤) مجمع الزوائد (۲۱۲/٤) احمد (٤٤١/٦) كشف الأستار (۱۳۹/۲) الحلية لأبي نعيم (١٠٤/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن لغیرہ کہا ہے۔]

960- [احمد (٤٤١/٦) بزار في كشف الأستار (۱۳۸۲)]

961- [ابن ماجه (۲۷۰۹) بیهقی (۲٦۹/٦)]

(۲۵۷) [نيل الأوطار (١٠٥/٤ ـ ١٠٦) فتح الباری (۲٥/٦)]

(۲۵۸) [موطا مع المسوى (۷٤/۲)]

(۲۵۹) [الروضة الندية (٦۷۹/۲)]

فهم الحديث یہ روایت اس بات کا ثبوت ہے کہ ثلث مال کی وصیت سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور معصیت کے کام میں وصیت کرنا (جائز نہیں کیونکہ) کتاب وسنت نے معصیت سے اجتناب کا حکم دیا ہے اگر چہ وصیت میں یہ قید نہیں لگائی گئی کہ وہ معصیت کے بغیر ہو لیکن وہ دلائل جو معصیت سے اجتناب پر دلالت کرتے ہیں معصیت کی وصیت سے اجتناب پر بھی دلالت کرتے ہیں۔(٢٦٠)

باب الوديعة — امانت کا بیان

962- عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ أُودِعَ وَدِيعَةً فَلَا عَلَيْهِ ضَمَانٌ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ وَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جسے کوئی چیز امانت کے طور پر دی گئی اس پر ضمانت نہیں۔" [اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔]

لغوی توضیح وَدِيْـعَة کا معنی ہے "امانت" یعنی وہ چیز جو کسی کے پاس کچھ مدت کے لیے حفاظت کی غرض سے خود رکھوائی جائے۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے پاس کوئی چیز بطورِ امانت رکھوائی گئی ہو اگر اس کے پاس وہ چیز تلف ہو جائے تو وہ اس کی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوگا' جب تک کہ وہ خود خیانت نہ کرے۔ اگر چہ بعض محققین نے اس روایت کو ضعیف بھی کہا ہے لیکن اس مسئلے پر علما کا اجماع ہے۔(٢٦١) جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔(٢٦٢) یہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر وہ جان بوجھ کر امانت تلف کر دے تو پھر اسے اس کی قیمت دینا ہوگی۔ امام حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ اگر امانت رکھوانے والا ضمانت کی شرط لگائے تو پھر جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ ضامن ہوگا۔(٢٦٣)

❁ وَبَابُ قَسْمِ الصَّدَقَاتِ تَقَدَّمَ فِي آخِرِ الزَّكَاةِ ۔ وَبَابُ قَسْمِ الْفَيْءِ وَ الْغَنِيمَةِ يَأْتِي عَقِبَ الْجِهَادِ ' إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى ۔

❁ صدقات کی تقسیم کا باب کتاب الزکاۃ کے آخر میں گزر چکا ہے اور مالِ فے اور مالِ غنیمت کی تقسیم کا باب کتاب الجہاد کے آخر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

962- [حسن: صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (٢٤٠١) كتاب الصدقات: باب الوديعة' بيهقى (٢٨٩/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن لغیرہ کہا ہے۔]

(٢٦٠) [الروضة الندية (٦٨٠/٢)]

(٢٦١) [موسوعة الإجماع فى الفقه الإسلامى لسعدى أبو حبيب (١١٠٨/٢) الفقه الإسلامى وأدلته (٤٠٢٢/٥)]

(٢٦٢) [نيل الأوطار (٢٨٩/٣) الروضة الندية (٣١٢/٢)]

(٢٦٣) [سبل السلام (٢٧٠/٣)]
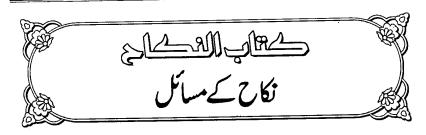
963- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا ''اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے' کیونکہ نکاح نگاہ کو جھکانے اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے کیونکہ روزہ اس کے لیے ڈھال ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح نکاح مصدر ہے باب نَكَحَ يَنْكِحُ (بروزن منع' ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''جماع کرنا اور شادی کرنا''۔ باب اِسْتَنْكَحَ يَسْتَنْكِحُ (بروزن استفعال) شادی کرنا۔ باب أَنْكَحَ يُنْكِحُ (بروزن افعال) شادی کرانا۔ باب تَنَاكَحَ (بروزن تفاعل) ایک دوسرے سے شادی کرنا۔ حافظ ابن ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لفظِ نکاح لغت میں ''ملانا اور ایک دوسرے میں داخل ہونا'' کے معنی میں ہے اور شرع میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کا معنی حقیقی طور پر شادی کرنا اور مجازی طور پر جماع کرنا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کتاب وسنت میں یہ لفظ کثرت کے ساتھ عقدِ نکاح (شادی کرنا) کے لیے ہی استعمال ہوا ہے حتی کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن میں یہ لفظ صرف شادی کرنے کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔(۱) جمہور فقہاء، شافعیہ اور مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظِ نکاح کا معنی ایک ہے لیکن یہ معنی دو معنوں میں مشترک ہے یعنی لفظ نکاح کا معنی ((الضم)) ''ملاپ'' ہے۔ اب اگر اس سے مراد عقدِ نکاح لیا جائے تو یہ بھی ایجاب وقبول کا ملاپ ہے اور اگر جماع مراد لیا جائے تو مرد وعورت کا باہم ملاپ ہے۔(۲) مَعْشَر سے مراد ہے جماعت۔ الشَّبَاب نوجوانوں کے معنی میں ہے' یہ شَابٌّ کی جمع ہے۔ الْبَاءَة جماع کو کہتے ہیں' لیکن یہاں مراد اسباب وضروریاتِ جماع ہے مثلاً خرچہ' مہر اور دیگر اخراجات وغیرہ۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے جماع اور نکاح کی ضروریات دونوں کی استطاعت وقدرت مراد لی جاسکتی ہے۔(۳) أَغَضُّ جھکانے والا' یعنی غیر عورتوں کی جانب دیکھنے سے روکنے والا۔ أَحْصَنُ بچانے والا' محفوظ رکھنے والا۔ الْوِجَاء شہوت کو کچلنے والا' مراد ہے روزہ شہوت میں انتہائی کمی کر دیتا ہے۔

963- [بخاری (۱۹۰۵-۵۰۶۵) کتاب الصوم: باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزبة' مسلم (۱۴۰۰) ابو داود (۲۰۴۶) ترمذی (۱۰۸۱) نسائی (۱۷۱/۴) ابن ماجه (۱۸۴۵) احمد (۳۷۸/۱) دارمی (۲۱۶۵) ابن الجارود (۶۷۲) بیهقی (۷۷/۷)]

(۱) [فتح الباری (۱۰۳/۹)]
(۲) [لسان العرب (۶۲۵/۲) المصباح المنیر (۹۶۵/۲) معجم مقاییس اللغة (۴۷۵/۵) تبیین الحقائق (۹۴/۲) بدائع الصنائع (۱۳۲۴/۳) مغنی المحتاج (۱۲۳/۳) المغنی (۳/۷) الإنصاف (۴/۸) الوجیز (ص/۳۲۷)]
(۳) [فتح الباری (۱۳۶/۱۰)]

فہم الحدیث ایک دوسری روایت میں ہے کہ "جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرے۔"(٤) ان احادیث میں نکاح کی ترغیب دلائی گئی ہے۔اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا نکاح کا حکم وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے۔امام شوکانیؒ نے نکاح کو عام حالات میں سنتِ مؤکدہ کہا ہے' لیکن اگر اپنے نفس کو گناہ سے بچانا صرف نکاح کے ذریعے ہی ممکن ہو تو پھر انہوں نے اسے واجب کہا ہے۔(٥) حنابلہ کے نزدیک نکاح مسنون و مستحب ہے' جیسا کہ امام ابن قدامہؒ نے نقل فرمایا ہے۔(٦) امام ابن حزمؒ نے فرمایا ہے کہ ہم بستری پر قادر ہر شخص پر واجب ہے کہ اگر وہ شادی کی طاقت رکھتا ہے تو شادی کر لے اور اگر کوئی قیدی (لونڈی) خریدنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے خرید لے' یہ اس کے لیے ضروری ہے اور اگر وہ ان دونوں کاموں سے عاجز ہو تو بکثرت روزے رکھے۔(٧) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نکاح سنت ہے اور صاحبِ استطاعت کو اس کی ترغیب دلائی گئی ہے' البتہ بعض لوگوں کے حق میں یہ فرض ہو جاتا ہے جبکہ وہ اپنے نفس پر کسی برائی میں مبتلا ہو جانے سے خائف ہوں اور نکاح کے اخراجات کی بھی طاقت رکھتے ہوں۔(٨)

964- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ' أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَمِدَ اللّٰهَ وَ أَثْنَى عَلَيْهِ' وَقَالَ: ((لٰكِنِّي أَنَا أُصَلِّي وَأَنَامُ' وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ' فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا "لیکن میں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' میں روزہ رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے' پس جس نے میری سنت سے بے رغبتی اختیار کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔[بخاری' مسلم]

فہم الحدیث یہ روایت مکمل یوں ہے کہ تین آدمی نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے' جب انہیں آپ ﷺ کا عمل بتایا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا آپ ﷺ سے کیا مقابلہ' آپ کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ "خبردار! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔میں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں' (رات میں) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ مجھ سے نہیں۔" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاح و کامیابی اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی میں ہی ہے' اس میں نہ کسی قسم کی کمی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور نہ زیادتی۔شادی نہ کرا کے نفس کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا اسلام نہیں۔لہٰذا ہر صاحبِ حیثیت کو نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے شادی کرانی چاہیے۔

964- [بخاری (٥٠٦٣) کتاب النکاح : باب الترغیب فی النکاح' مسلم (١٤٠١) نسائی (٦٠/٦) احمد (٢٤١/٣) بیهقی (٧٧/٧)]

(٤) [حسن : صحیح ابن ماجة (١٤٩٦) کتاب النکاح : باب ما جاء فی فضل النکاح' الصحیحة (٢٣٨٣) صحیح الجامع الصغیر (٦٨٠٧) ابن ماجة (١٨٤٦)]

(٥) [السیل الجرار (٣٣/٢)]

(٦) [المغنی لابن قدامة (٣٤٠/٩)]

(٧) [المحلی بالآثار (٣/٩)]

(٨) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (٧/١٨)]

965- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا بِالْبَاءَةِ وَ يَنْهَى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْيًا شَدِيدًا ' وَيَقُولُ : ((تَزَوَّجُوا الْوَلُودَ الْوَدُودَ ' فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں نکاح کا حکم دیتے اور تجرد کی زندگی سے سخت منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے ”بہت محبت کرنے والی اور بہت بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کے باعث روزِ قیامت (دوسری) امتوں پر فخر کرنے والا ہوں۔“ [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

966- وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَ النَّسَائِيِّ وَابْنِ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور اس روایت کا ایک شاہد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ابوداود، نسائی اور ابن حبان میں ہے۔

لغوی توضیح التَّبَتُّل عورتوں سے قطع تعلق ہو کر زندگی گزارنا' ازدواجی زندگی سے کنارہ کش ہو جانا۔ الْوَدُوْد وہ عورت جو اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت کرتی ہو' حسن اخلاق اور اچھی عادات کی مالک ہو اور ہر طرح سے اپنے شوہر کو خوش رکھنے والی ہو۔ الْوَلُوْد ایسی عورت جو بہت زیادہ بچے جننے والی ہو' کہا جاتا ہے کہ اس بات کا اندازہ عورت کے خاندان کی حالت دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ مُكَاثِرٌ فخر کرنے والا' یعنی دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کرنے والا ہوں۔

فهم الحديث اس حدیث میں تجرد و تنہائی کی زندگی اختیار کرنے سے روکا گیا ہے اور بہت چاہنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ ترغیبِ نکاح کے سلسلے میں یہ فرمانِ نبوی بھی قابل ذکر ہے کہ ”جب بندہ نکاح کرتا ہے تو اس کا آدھا دین مکمل ہو جاتا ہے' اسے چاہیے کہ وہ باقی دین میں اللہ سے ڈرے۔“(۹) تجرد کی زندگی گزارنے کو شیخ سلیم ہلالی اور دیگر اہل علم نے حرام قرار دیا ہے۔(۱۰)

967- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا ' فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مَعَ بَقِيَّةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”عورت سے چار وجوہات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے' اس کے حسب نسب کی وجہ سے' اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی بنا پر' تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دین والی کے

965- [صحیح : إرواء الغلیل (۱۷۸٤) السلسلة الصحيحة (۲۳۸۳) احمد (۱۵۸/۳) ابن حبان (٤۰۲۸) بیهقی (۸۱/۷) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

966- [حسن صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۲۰۵۰) کتاب النکاح : باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء ' نسائی (٦٥/٦-٦٦) ابن حبان (٤۰٥٦) حاكم (١٦٢/٢) بيهقي (٨١/٧)]

967- [بخاری (٥۰۹۰) کتاب النکاح : باب الأكفاء في الدين ' مسلم (١٤٦٦) ابو داود (٢٠٤٧) نسائی (٦٨/٦) ابن ماجه (١٨٥٨) احمد (٤٢٨/٢) دارمی (٢١٧٠) دارقطنی (٣٠٢/٣) ابن حبان (٤٠٤٤) بيهقي (٧٩/٧-٨٠)]

(۹) [حسن : هداية الرولة (۳۰۳۲) ' (۲٤٨/۳) بیهقی فی شعب الایمان (٥٤٨٦) حاکم (١٦١/٢) امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے اس روایت کو تعدد طرق کی وجہ سے حسن کا درجہ دیا ہے۔]

(۱۰) [موسوعة المناهي الشرعية (٦/٣)]

السَّبْعَةِ ۔ ساتھ کامیابی حاصل کر۔" [بخاری، مسلم کے ساتھ باقی ساتوں نے بھی اسی روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اظْفُرْ فعل امر کا صیغہ ہے باب ظَفَرَ يَظْفُرُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "کامیابی حاصل کر"۔ مراد ہے دین والی عورت سے نکاح کرنے میں ہی (دنیا و آخرت کی) کامیابی ہے۔ تَرِبَتْ يَدَاكَ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں' یہ الفاظ کسی کام پر اُبھارنے کے لیے کہے جاتے ہیں' ان سے دعا مقصود نہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث میں دیندار عورت سے نکاح کی ترغیب دلائی گئی ہے' دیندار ہونے کے ساتھ اگر وہ خوبصورت' مالدار اور حسب نسب والی بھی ہو تو اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے لیکن اگر خوبصورت یا مالدار تو ہو مگر دیندار نہ ہو تو انسان کو محض خوبصورتی یا مال و دولت پر ہی فدا نہیں ہو جانا چاہیے۔ واضح رہے کہ دیندار سے مراد ہے شریعت کے احکام پر کاربند' گناہوں سے بچنے والی' اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں تگ و دو کرنے والی خاتون۔ ایسی عورت کو ترجیح اس لیے ہے کیونکہ یہ انسان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کم از کم جتنے دینی عمل کو عورت کی کامیابی کے لیے کافی قرار دیا ہے وہ ہے' نماز روزے کی پابندی' پاکدامنی اور شوہر کی اطاعت جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ "جو عورت پانچ نمازیں ادا کرے' رمضان کے روزے رکھے' اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے' اسے (روز قیامت) کہا جائے گا' جنت کے (آٹھوں) دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جا۔"(۱۱)

968- وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَّأَ إِنْسَانًا إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ : ((بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب دیکھتے کہ کسی نے شادی کی ہے تو اسے ان الفاظ میں مبارکباد دیتے "اللہ تعالیٰ تیرے لیے برکت کرے اور تجھ پر برکت کرے اور تم دونوں کو خیر و بھلائی میں جمع کر دے۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح رَفَّأَ مبارکباد دی۔ مراد ہے خیر و برکت کی دعا دی۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کی شادی ہو اسے ان مذکورہ بالا الفاظ میں خیر و برکت کی دعا دینی چاہیے۔ دعا کے یہ الفاظ دورِ جاہلیت کی دعا کے الفاظ سے بہتر ہیں۔ جاہلیت میں لوگ ان الفاظ میں دعا دیتے تھے ﴿ بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِينَ ﴾ یعنی مبارک ہو اور اللہ اولاد سے نوازے۔ اس میں صرف اولاد کا ذکر ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے جو دعا کے لیے خیر کا کلمہ استعمال فرمایا ہے وہ ایسا جامع ہے کہ اس میں حسنِ معاشرت' راحتِ حیات اور صالح اولاد وغیرہ سب اشیاء شامل ہیں' اس لیے انہی مسنون الفاظ میں دعا دینا مستحب ہے۔

968- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۱۳۰) كتاب النكاح : باب ما يقال للمتزوج' ترمذی (۱۰۹۱) ابن ماجه (۱۹۰۵) احمد (۳۸۱/۲) دارمی (۲۱۷٤) ابن حبان (٤٠٥٢) حاكم (۱۸۳/۲) بيهقی (۱٤۸/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۱) [حسن : هداية الرواة (۳۱۹۰)' (۳۰۰/۳) آداب الزفاف (ص / ۲۸٦) ابن حبان (٤١٦٣)]

969- وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ التَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ :((إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا ، مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ)) وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حاجت کے لیے یہ تشہد سکھایا "یقیناً تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے شر اور اپنی بداعمالیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ اپنے در سے دھتکار دے اس کے لیے کوئی رہبر نہیں ہو سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" اور تین آیات تلاوت فرمائیں۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم نے اسے حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح يَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ تین آیات تلاوت فرمائیں۔ ان تین آیات سے مراد یہ آیات ہیں: ① ﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ [آل عمران : ١٠٢] "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر صرف اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔" ② ﴿ يٰأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ [النساء : ١] "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اس جان سے اس کی بیوی کو بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلایا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے ذریعے (یعنی جس کے نام پر) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں (کو توڑنے) سے بچو۔ بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔" ③ ﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ، يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [الأحزاب : ٧٠-٧١] "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایسی بات کہو جو محکم (سیدھی اور سچی) ہو، اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا اور اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔"

فهم الحديث بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ "جب تم میں سے کوئی نکاح یا اس کے علاوہ کسی حاجت کے لیے خطبہ دینے کا ارادہ کرے تو کہے" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ...... الخ "۔(١٢) شیخ البانیؒ کی تحقیق کے مطابق نبی کریم ﷺ اپنا ہر خطبہ انہی الفاظ سے شروع کرتے تھے خواہ وہ خطبہ نکاح کا ہوتا یا جمعہ کا یا اس کے علاوہ کوئی اور۔ (١٣) اہل ظاہر نے اس خطبہ کو

969- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٢١١٨) كتاب النكاح : باب في خطبة النكاح' ترمذى (١١٠٥) نسائى (١٠٤/٣) ابن ماجه (١٨٩٢) احمد (٤٣٢/١) دارمى (٢٢٠٢) ابن الجارود (٦٧٩) حاكم (١٨٢/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٢) [بیهقی (١٤٦/٧) تلخیص الحبیر (٣١٥/٣)]
(١٣) [مزید دیکھئے: خطبة الحاجة للألباني]

واجب قرار دیا ہے جبکہ دیگر اہل علم اسے مستحب کہتے ہیں۔امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ خوب جان لو! یہ خطبہ سنت ہے اور اگر کوئی یہ خطبہ نہیں پڑھتا تو بالاتفاق نکاح صحیح ہو جائے گا۔(١٤) شیخ صالح بن فوزان نے بھی خطبہ نکاح کو مستحب قرار دیا ہے۔(١٥)

970- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو پیغام نکاح دے اگر ممکن ہو تو اس سے وہ کچھ دیکھ لے جو اس کے لیے نکاح کا باعث ہو۔“ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

971- وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَ النَّسَائِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

اور اس کے لیے ترمذی اور نسائی میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے شاہد موجود ہے۔

972- وَعِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ وَ ابْنِ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

اور ابن ماجہ اور ابن حبان میں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے (اس کا شاہد ہے)۔

973- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً: ((أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟)) قَالَ: لَا، قَالَ: ((فَاذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا))۔

اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی سے جو کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا، کہا ”کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟“ اس نے عرض کیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو جاؤ اور اسے دیکھ لو۔“

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے ایک مرتبہ دیکھ لینا چاہیے۔ امام نوویؒ نے امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، تمام اہل کوفہ، امام احمدؒ اور جمہور علما کا یہی مؤقف نقل فرمایا ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔(١٦) شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ منگیتر کو ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے مگر یہ خلوت کے بغیر ہو۔(١٧) واضح

970- [حسن: صحیح ابو داود، ابو داود (٢٠٨٢) كتاب النكاح: باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها، احمد (٣٣٤/٣) حاكم (١٦٥/٢) بيهقي (٨٤/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

971- [صحیح: صحيح ترمذی، ترمذی (١٠٨٧) كتاب النكاح: باب ما جاء في النظر إلى المخطوبة، نسائی (٦٩/٦) ابن ماجه (١٨٦٥) احمد (٢٤٤/٤) دارمی (٢١٧٢) دارقطنی (٢٥٢/٣) بيهقي (٨٤/٧)]

972- [صحیح: صحيح ابن ماجه، ابن ماجه (١٨٦٤) كتاب النكاح: باب النظر إلى المرأة إذا أراد أن يتزوجها، احمد (٢٢٥/٤) ابن حبان (٤٠٤٢)]

973- [مسلم (١٤٢٤) كتاب النكاح: باب ندب النظر إلى وجه المرأة، نسائی (٦٩/٦) احمد (٢٨٦/٢) دارقطنی (٢٥٣/٣) بيهقي (٨٤/٧)]

---

(١٤) [كما في توضيح الأحكام (٢٤٣/٥)]

(١٥) [الملخص الفقهي (٢٦٤/٢)]

(١٦) [شرح مسلم للنووي (٢٢٧/٥)]

رہے کہ منگیتر کو خود دیکھنا واجب نہیں اس لیے اگر کسی معتبر ذریعے سے عورت کے رنگ روپ اور عادات و خصائل کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہونے کی بنا پر کوئی خود نہ دیکھنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ عورت کو دیکھنے کے لیے اس سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں بلکہ اسے چھپ کر بھی دیکھا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ جب انہوں نے منگیتر کو دیکھنے کے متعلق فرمانِ نبوی سنا تو وہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے ایک لڑکی کو پیغامِ نکاح بھیجا۔ میں اسے چھپ کر دیکھا کرتا تھا حتی کہ میں نے اس کے اُن اعضاء کو دیکھ ہی لیا جو اس سے نکاح کے لیے باعث رغبت تھے تو میں نے اس سے نکاح کر لیا۔(۱۸) جمہور علما، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ عورت کو دیکھنے کے لیے اس کی رضامندی شرط نہیں بلکہ اس کی غفلت میں بھی اسے دیکھا جا سکتا ہے۔(۱۹) امام شوکانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲۰) اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ منگیتر کے کن کن اعضاء کو دیکھا جا سکتا ہے۔ جمہور کا یہ موقف ہے کہ صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھی جا سکتی ہیں' اس کے علاوہ کچھ نہیں' کیونکہ چہرہ دیکھنے سے خوبصورتی اور بدصورتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور ہتھیلیوں سے جسم کے ملائم ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔(۲۱) یہی موقف راجح ہے۔

974- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَخْطُبُ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغامِ نکاح نہ بھیجے حتی کہ اس سے پہلے پیغامِ نکاح بھیجنے والا خود چھوڑ دے یا اسے اجازت دے دے۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان بھائی نے کہیں پیغامِ نکاح بھیجا ہو تو وہاں اپنا پیغامِ نکاح بھیج دینا ممنوع ہے۔ جمہور علما نے اس ممانعت کو حرمت پر محمول کیا ہے۔(۲۲) امام نوویؒ (۲۳)، امام ابن قدامہؒ (۲۴)، شیخ عبداللہ بسامؒ (۲۵)، سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۶)، شیخ صالح بن فوزان (۲۷) اور شیخ سلیم ہلالی (۲۸) اسی کے

974- [بخاری (٥١٤٢) كتاب النكاح: باب لا يخطب على خطبة أخيه' مسلم (١٤١٢) ابو داود (٢٠٨١) نسائی (٧٢/٦) ابن ماجه (١٨٦٨) احمد (٤٢/٢) بيهقی (١٨٠/٧)]

(١٧) [فتاوی اسلامية (١٢٨/٣)]
(١٨) [حسن: صحيح ابو داود (١٨٣٢) كتاب النكاح: باب في الرجل ينظر إلى المرأة]
(١٩) [شرح مسلم للنووی (٢٢٧/٥) تحفة الأحوذی (٢١٣/٤)]
(٢٠) [نيل الأوطار (١٨٥/٤)]
(٢١) [نيل الأوطار (١٨٥/٤) فقه السنة (١١٤/٢) المغنی لابن قدامة (٤٩٠/٩)]
(٢٢) [نيل الأوطار (٨٠/٤) فتح الباری (٢٥٠/١٠)]
(٢٣) [شرح مسلم (٢١٤/٥)]
(٢٤) [المغنی لابن قدامة (٥٧٠/٩)]
(٢٥) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٢٥٢/٥)]
(٢٦) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٥١/١٨)]
(٢٧) [الملخص الفقهی (٢٦٢/٢)]
(٢٨) [موسوعة المناهي الشرعية (١٤/٣)]
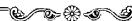
قائل ہیں۔بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اگر کہیں رشتے کی بات چل رہی ہو اور ابھی پختہ نہ ہوئی ہو تو کوئی اور بھی پیغامِ نکاح بھیج سکتا ہے۔جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ دونوں نے پیغامِ نکاح بھیج رکھا تھا' لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ بھی ابھی بات پختہ نہیں ہوئی تھی۔امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس مؤقف کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ ایک کو دوسرے کے پیغام بھیجنے کا علم ہی نہ ہو۔(۲۹) علاوہ ازیں اگر پہلے پیغام بھیجنے والا کافر ہو تو اس کے پیغام پر اپنا پیغام بھیجنا جائز ہے کیونکہ حدیث میں اپنے ''مسلمان بھائی'' کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغام بھیجنے سے منع کیا گیا ہے۔جبکہ کافر کسی مسلمان کا بھائی نہیں لہٰذا اس کے بھیجے ہوئے پیغام پر پیغام بھیجنا جائز ہوا۔نیز یہ جواز اس لیے بھی ہے کہ کسی بھی مسلمان عورت کا نکاح کافر کے ساتھ جائز نہیں لہٰذا اسے کافر کے نکاح میں آنے سے بچانے کی کوشش ہر مسلمان پر لازم ہے۔شافعیہ،امام اوزاعی رحمہ اللہ،امام شوکانی رحمہ اللہ اور امام ابن قدامہ رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔(۳۰)

975- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ' جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي ' فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ' فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ ' ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَأْسَهُ ' فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ ' فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ ' فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ' إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا ' قَالَ : ((فَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ ؟)) فَقَالَ : لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ : ((اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا؟)) فَذَهَبَ ' ثُمَّ رَجَعَ ' فَقَالَ : لَا وَاللَّهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا ' فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((انْظُرْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ)) فَذَهَبَ ' ثُمَّ رَجَعَ ' فَقَالَ : لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ ' وَلَا خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ ' وَلَكِنْ هَذَا إِزَارِي ـ قَالَ سَهْلٌ : مَا لَهُ رِدَاءٌ ـ فَلَهَا نِصْفُهُ ' فَقَالَ رَسُولُ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی خدمت میں اپنے آپ کو آپ کے لیے وقف کرنے حاضر ہوئی ہوں۔آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا' پھر آپ نے اپنی نظر کو نیچا کیا اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو وہ بیٹھ گئی۔اس کے بعد آپ ﷺ کے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو ان سے نکاح کی ضرورت نہیں ہے تو میرا ان سے نکاح کر دیجیے۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''تمہارے پاس (حق مہر کی ادائیگی کے لیے) کچھ ہے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ نہیں' اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''اپنے گھر جاؤ اور دیکھو ممکن ہے تمہیں کوئی چیز مل جائے۔'' وہ گئے اور واپس آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم! میں نے کچھ نہیں پایا۔آپ ﷺ نے فرمایا ''تلاش کرو' اگر لوہے کی ایک انگوٹھی بھی مل جائے تو لے آؤ۔'' وہ گئے اور واپس آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میرے پاس لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ہے۔البتہ میرے پاس یہ تہبند ہے۔انہیں (یعنی اس

975- [بخاری (۵۰۸۷-۵۱۲۱) کتاب النکاح : باب تزویج المعسر ' مسلم (۱۴۲۵) ابو داود (۲۱۱۱) ترمذی (۱۱۱۴) نسائی (۱۱۳/۶) ابن ماجه (۱۸۸۹) احمد (۳۳۰/۵) ابن حبان (۴۰۹۳) بیهقی (۱۴۴/۷)]

(۲۹) [نیل الأوطار (۱۸۱/۴) السیل الجرار (۲۳۴/۲)]

(۳۰) [نیل الأوطار (۱۸۱/۴) المغنی لابن قدامة (۵۷۰/۹)]

اللّٰہِ ﷺ : ((مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ)) فَجَلَسَ الرَّجُلُ ، حَتَّى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ ، فَرَآهُ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ مُوَلِّيًا ، فَأَمَرَ بِهِ ، فَدُعِيَ ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ : ((مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ؟)) قَالَ : مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا ، عَدَّدَهَا ، فَقَالَ : ((تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ ؟)) قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : ((اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ، وَفِي رِوَايَةٍ : قَالَ لَهُ : ((انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ)) وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ : ((أَمْلَكْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ)) ۔

عورت کو) اس میں سے آدھا دے دیجئے۔ راوی نے بیان کیا کہ ان کے پاس چادر بھی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارے اس تہبند کا کیا کرے گی۔ اگر تم اسے پہنو گے تو اس کے لیے اس میں سے کچھ نہیں بچے گا اور اگر وہ پہن لے گی تو تمہارے لیے کچھ نہیں رہے گا۔ اس کے بعد وہ صحابی بیٹھ گئے۔ کافی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد جب وہ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں بلوایا' جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا "تمہیں قرآن مجید کتنا یاد ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ انہوں نے گن کر بتائیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا "کیا تم انہیں بغیر دیکھے پڑھ سکتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "پھر جاؤ میں نے ان سورتوں کے بدلے جو تمہیں یاد ہیں اسے تمہارے نکاح میں دیا۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ] آپ ﷺ نے ان کے لیے فرمایا "جاؤ میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا تم اسے قرآن سکھا دو۔" [اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ] "ہم نے تمہیں قرآن کی اُن سورتوں کے بدلے جو تمہیں یاد ہیں اس کا مالک بنا دیا۔"

976- وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مَا تَحْفَظُ ؟)) قَالَ : سُورَةَ الْبَقَرَةِ أَوِ الَّتِي تَلِيهَا ، قَالَ : ((فَقُمْ فَعَلِّمْهَا عِشْرِينَ آيَةً)) ۔

اور ابوداود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دریافت کیا "تمہیں کیا یاد ہے؟" انہوں نے عرض کیا' سورۂ بقرہ یا اس کے ساتھ والی سورت۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اٹھو اور اسے بیس آیات سکھا دو۔"

لغوی توضیح صَعَّدَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب صَعَّدَ يُصَعِّدُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "نظر دوڑانا"۔ طَأْطَأَ سر جھکا لیا۔ مَلَّكْتُكَهَا میں نے تمہیں اس (کی عصمت) کا مالک بنا دیا۔ معلوم ہوا کہ لفظ تملیک سے بھی نکاح ہو جاتا ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم مہر کی کوئی تعیین نہیں۔ معمولی سے معمولی چیز (مثلاً لوہے کی انگوٹھی) بھی مہر بن سکتی ہے حتی کہ کوئی بھی نفع مند چیز مثلاً قرآن کی تعلیم کو بھی مہر بنایا جا سکتا ہے۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ کم از کم دس درہم یا اس کے برابر قیمت کے ساتھ مہر دینا چاہیے۔ (۳۱) ان کا

976- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۲۱۱۲) کتاب النکاح : باب فی التزویج علی العمل یعمل' نسائی فی السنن الکبری (۳/۳۱۳)]

(۳۱) [المغنی (۱۰/۹۹) بدائع الصنائع (۲/۲۷۵) الأم (۷/۲۲۳) نیل الأوطار (۴/۲۰۰)]

موقف اس ضعیف روایت پر مبنی ہے "دس درہموں سے کم حق مہر نہیں۔"(۳۲) امام شوکانی ؒ، امام ابن قدامہ ؒ(۳۳)، نواب صدیق حسن خان ؒ(۳۴)، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری ؒ(۳۵)، شیخ صالح بن فوزان (۳۶) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۳۷) نے بھی امام شافعی ؒ کی حمایت میں ہی فتویٰ دیا ہے کہ کم از کم مہر کی کوئی حد متعین نہیں۔ علاوہ ازیں واضح رہے کہ معمولی مہر دینے کے جواز کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قیمتی چیز مہر میں نہیں دی جا سکتی بلکہ زیادہ سے زیادہ حسب توفیق جتنا کوئی چاہے دے سکتا ہے' اس میں کوئی قباحت نہیں' البتہ افضل کم مہر دینا ہی ہے۔

☐ نیز یہ بھی یاد رہے کہ بتیس (32) روپے حق مہر مقرر کرنا یا اسے شرعی مہر قرار دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ کتاب وسنت میں ایسی کوئی صحیح وصریح دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بتیس (32) روپے حق مہر ادا کرنا مسنون ہے۔ اس لیے کم یا زیادہ حسب توفیق جتنا بھی میسر ہو مہر مقرر کر لینا چاہیے۔

977- وَعَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَعْلِنُوا النِّكَاحَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نکاح کا اعلان کرو۔" [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح خفیہ نہیں بلکہ اعلانیہ اور ظاہری طور پر ہونا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس نکاح کا ایک ایسا معاملہ لایا گیا جس میں صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خفیہ نکاح ہے اور میں اسے جائز قرار نہیں دیتا' اگر میں اس مسئلے میں مزید پیش قدمی کرتا تو رجم کی سزا مقرر کرتا۔(۳۸) شیخ عبداللہ بسام ؒ نے فرمایا ہے کہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اعلانِ نکاح مشروع ہے۔(۳۹) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔(۴۰) یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اعلانِ نکاح کی غرض سے دَف بجانا بھی مسنون ومستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حلال اور حرام کے درمیان امتیاز' نکاح کا اعلان کرنے اور نکاح کے وقت دَف بجانے سے ہوتا ہے۔"(۴۱) واضح رہے کہ دَف ایک ایسا آلۂ صوت ہے جس پر چوٹ لگائی جائے تو اس سے کوئی سُر پیدا نہیں ہوتی لہٰذا اس پر قیاس کرتے ہوئے ڈھول ڈھمکوں اور ایسے

977- [حسن: صحیح الجامع الصغیر (۱۰۷۲) احمد (۵/۴) حاکم (۱۸۳/۲) شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

---

(۳۲) [دارقطنی (۲۴۴/۳) بیهقی (۱۳۳/۷) نصب الرایة (۱۹۶/۳) امام شوکانی ؒ نے اسے ضعیف ثابت کیا ہے۔[نیل الأوطار (۲۵۰/۴)]

(۳۳) [نیل الأوطار (۲۵۰/۴)] (۳۴) [الروضة الندیة (۷۵/۲)]

(۳۵) [تحفة الأحوذی (۲۶۲/۴)] (۳۶) [الملخص الفقهی (۲۸۲/۲)]

(۳۷) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (۲۹/۱۹)]

(۳۸) [موطا (۵۳۵/۲) کتاب النکاح : باب جامع ما لا یجوز من النکاح]

(۳۹) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۲۵۹/۵)]

(۴۰) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء (۱۱۵/۱۹)]

(۴۱) [حسن : هدایة الرواة (۳۰۸۸)' (۲۶۶/۳) ابن ماجه (۱۸۹۶) کتاب النکاح : باب اعلان النکاح' ترمذی (۱۰۸۸) کتاب النکاح : باب ما جاء فی اعلان النکاح' نسائی (۱۲۷/۶)]

آلات ساز کو مباح قرار دینا ہرگز درست نہیں جن سے سُر پیدا ہوتی ہو۔اسی طرح خوشی کے موقع پر چھوٹی بچیوں کے لیے صرف ایسے گیت گانا بھی مستحب ہے جو کفر و شرک اور فحش و بے ہودگی کی ہر قسم سے پاک ہوں' جیسا کہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔(۴۲)

978- وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ أَعَلَّهُ بِالْإِرْسَالِ۔

حضرت ابوبردہ بن ابوموسیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ولی (کی اجازت) کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن مدینی، ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور مرسل ہونے کی وجہ سے اسے معلول قرار دیا ہے۔]

979- وَرَوَى الْإِمَامُ أَحْمَدُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَ شَاهِدَيْنِ))۔

اور امام احمدؒ نے حسن سے اور انہوں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ "ولی (کی اجازت) اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"

980- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا' اس کا نکاح باطل ہے۔ (پھر اس ممنوع نکاح کے بعد) اگر مرد اس عورت کے ساتھ ہم بستری کرلے تو اس پر مہر کی ادائیگی واجب ہے کہ جس کے بدلے اس نے عورت کی شرمگاہ کو حلال کیا۔ اگر اولیاء کا آپس میں اختلاف ہوجائے تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی حکمران ہے۔" [اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابوعوانہ، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اشْتَجَرُوا فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اشْتَجَرَ يَشْتَجِرُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے

978- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۰۸۵) کتاب النکاح: باب فی الولی' ترمذی (۱۱۰۱) ابن ماجه (۱۸۸۱) احمد (۳۹۴/۴) دارمی (۲۱۸۲) ابن حبان (۱۲۴۳۔الموارد) دارقطنی (۲۱۸/۳) حاکم (۱۷۰/۲) بیهقی (۱۰۷/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

979- [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (۷۵۵۸) عبد الرزاق (۱۰۴۷۳) دارقطنی (۲۲۵/۳) بیهقی (۱۲۵/۷) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

980- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۰۸۳) کتاب النکاح: باب فی الولی' ترمذی (۱۱۰۲) ابن ماجه (۱۸۷۹) احمد (۴۷/۶) دارمی (۲۱۸۴) ابن حبان (۱۲۴۷۔الموارد) دارقطنی (۲۲۱/۳) حاکم (۱۶۸/۲) ابن الجارود (۷۰۰) بیهقی (۱۰۵/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۴۲) [بخاری (۵۱۴۷) کتاب النکاح: باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة' ابو داود (۴۹۲۲) کتاب الأدب: باب فی النهی عن الغناء' ترمذی (۱۰۹۰) کتاب النکاح: باب ما جاء فی اعلان النکاح' ابن ماجه (۱۸۹۷) کتاب النکاح: باب الغناء والدف' مسند احمد (۳۵۹/۶)]

''اختلاف کرنا۔''

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے نکاح کے لیے ولی وسرپرست یعنی والد' اس کی عدم موجودگی میں دادا' پھر چچا وغیرہ کی اجازت شرط ہے۔ ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام ابن منذرؒ نے فرمایا ہے کہ کوئی صحابی بھی اس امر کا مخالف نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ ولی کی اجازت کسی صورت میں بھی ضروری نہیں۔ اہل ظاہر نے کنواری کے لیے ولی کی اجازت کو ضروری قرار دیا ہے جبکہ شوہر دیدہ کے لیے نہیں۔ (٤٣) راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے۔ امام ابن قدامہؒ (٤٤)، شیخ شمس الحق عظیم آباریؒ (٤٥)، علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (٤٦)، سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (٤٧) اور شیخ سلیم ہلالی (٤٨) نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ نیز جس روایت میں ہے کہ ''شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کے متعلق اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے۔'' (٤٩) اس کا مطلب یہ نہیں کہ شوہر دیدہ عورت خود جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر دیدہ جہاں چاہے اس کے اولیاء کو وہاں اس کا نکاح کر دینا چاہیے یعنی شوہر دیدہ کی رضامندی کو ترجیح دینی چاہیے۔ احناف نے نکاح کو بیع پر قیاس کیا ہے کہ جیسے بیع کے انعقاد میں محض بائع اور مشتری کی رضامندی ہی کافی ہے اسی طرح نکاح میں بھی لڑکے اور لڑکی کی رضامندی ہی کافی ہے۔ لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قیاس نص کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی بھی شرط ہے کیونکہ ان کے بغیر بھی نکاح نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مردوں کی گواہی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ نکاح میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی کافی ہے اور احناف کے نزدیک عدالت شرط نہیں۔ امام مالکؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ گواہوں کے بغیر بھی نکاح درست ہے بشرطیکہ اعلانِ نکاح کر دیا جائے۔ (٥٠) راجح مؤقف امام شافعیؒ کا ہے۔ امام شوکانیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (٥١) واضح رہے کہ گواہ دیانتدار ہونے چاہییں یعنی ایسے گواہوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی جو فاسق وفاجر ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (٥٢) امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ گواہوں میں عدالت شرط نہیں۔ پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔ (٥٣) اس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اگر کسی کے دو ولی ہوں اور نکاح کے موقع پر کوئی اختلاف واقع ہو جائے تو ترجیح قریبی ولی کو ہوگی اور اگر دونوں ولی برابر

---

(٤٣) [فتح الباری (١٨٧/٩) بداية المجتهد (٢٠/٣) نيل الأوطار (١٩٥/٤) سبل السلام (١٣٢٠/٣) الروضة الندية (٣٠/٢) المغنی (٣٤٠/٩)]

(٤٤) [المغنی لابن قدامة (٣٤٥/٩)]

(٤٥) [عون المعبود (١٩١/٢)]

(٤٦) [تحفة الأحوذی (٢٤١/٤)]

(٤٧) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (١٤١/١٨)]

(٤٨) [موسوعة المناهی الشرعية (٨/٣)]

(٤٩) [مسلم (١٤٢١) ابو داود (٢٠٩٨) ترمذی (١١٠٨) ابن ماجة (١٨٧٠) نسائی (٨٤) دارمی (١٣٨/٢) بيهقی (١١٥/٧) طحاوی (٣٦٦/٤) شرح السنة (٣٠/٩) حميدی (٢٣٩/١)]

(٥٠) [تحفة الأحوذی (٢٤٤/٤) المهذب (٤١١٢) مغنی المحتاج (١٤٤/٣) المبسوط (٣١/٥) تحفة الفقهاء (١٩٧/٢) الوجيز (٤/٢) البناية (٢٩/٤)]

(٥١) [ملاحظہ فرمائیے: نيل الأوطار (٢٠٣/٤) تحفة الأحوذی (٢٤٤/٤)]

(٥٢) [**صحيح موقوف** : إرواء الغليل (١٨٤٤)]

(٥٣) [نيل الأوطار (٢٠٣/٤)]

حیثیت کے ہوں تو اختلاف کی صورت میں حاکم وقت ولی ہوگا۔

□ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط ہونے سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ ''کورٹ میرج'' شرعاً جائز نہیں یعنی لڑکے اور لڑکی کا بھاگ کر عدالت میں نکاح کر لینا حرام ہے کیونکہ لڑکی کو اپنے سرپرست کی اجازت حاصل نہیں اور ایسا ہر نکاح باطل و کالعدم ہے جس میں ولی کی اجازت شامل نہ ہو۔

981- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ)) قَالُوا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، وَكَيْفَ إِذْنُهَا ؟ قَالَ : ((أَنْ تَسْكُتَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' بیوہ سے مشورہ لیے بغیر اور کنواری سے اجازت لیے بغیر ان کا نکاح نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اس (کنواری) کی اجازت کیسے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کہ وہ خاموش رہے۔'' [بخاری، مسلم]

982- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا ، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ وَإِذْنُهَا سُكُوتُهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ، وَفِيْ لَفْظٍ : ((لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ ، وَالْيَتِيْمَةُ تُسْتَأْمَرُ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' شوہر دیدہ اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری سے مشورہ لیا جائے گا اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہی ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ] ''شوہر دیدہ عورت کے متعلق ولی کو کوئی اختیار نہیں اور یتیم بچیوں سے بھی مشورہ لیا جائے گا۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْأَيِّم ایسی عورت ہے جس کی ہم بستری کے ذریعے بکارت زائل ہو چکی ہو خواہ زنا کے ساتھ ہی زائل ہوئی ہو۔ الثَّيِّب وہ عورت جو کنواری نہ ہو یعنی یا مطلقہ ہو یا بیوہ۔ تُسْتَأْمَرُ اس سے مشورہ طلب کیا جائے گا یعنی شوہر دیدہ عورت کے نکاح کے لیے اس کی خاموشی کافی متصور نہیں ہوگی بلکہ اسے بول کر اپنی رائے کا اظہار کرنا ہوگا۔ لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ سے مراد یہ ہے کہ ولی شوہر دیدہ کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا بلکہ جہاں وہ چاہے ولی کو چاہیے کہ وہاں اس کا نکاح کر دے (بشرطیکہ لڑکا دین اور اخلاق کے ضابطے پر پورا اترتا ہو)۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے سلسلے میں عورت کی رضامندی بھی نہایت ضروری ہے۔ اگر عورت کہیں نکاح کرنے پر رضامند نہ ہو تو ولی کو یہ حق نہیں کہ وہ جبراً اس کا نکاح وہاں کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' یتیم (یعنی بالغ لڑکی) سے اس کے نکاح کے متعلق پوچھا جائے گا' اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کی

981- [بخاری (٥١٣٦) کتاب النکاح : باب لا ینکح الأب وغیره البکر والثیب ' مسلم (١٤١٩) ابو داود (٢٠٩٤) ترمذی (١١٠٩) نسائی (٨٧/٦) ابن ماجه (١٨٧١) احمد (٤٣٤/٢) دارمی (٢١٨٦) بیهقی (١٢٠/٧)]

982- [مسلم (١٤٢١) کتاب النکاح : باب استئذان الثیب فی النکاح ' ابو داود (٢٠٩٨-٢١٠٠) ترمذی (١١٠٨) نسائی (٨٤/٦) ابن ماجه (١٨٧٠) احمد (٢١٩/١) مالك (٥٢٤/٢) دارمی (٢١٩٠) ابن حبان (٤٠٨٨) دارقطنی (٢٣٨/٣) بیهقی (١١٥/٧)]

اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو پھر زبردستی اس کا نکاح کرنے کا کوئی جواز نہیں۔''(٥٤) امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ نکاح میں ہر شوہر دیدہ کی رضامندی صرف اس کے کلام کے ساتھ ہی ظاہر ہوتی ہے۔(٥٥) سعودی مجلس افتاء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بیٹی کو ایسے شخص کے ساتھ شادی پر مجبور کرنا جسے وہ ناپسند کرتی ہے' حرام ہے۔(٥٦)

❑ واضح رہے کہ نابالغ بچی سے نکاح کے سلسلے میں اجازت لینا ضروری نہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اس وقت کر دیا تھا جب وہ چھ سال کی تھیں۔(٥٧)

983- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' کوئی عورت (ولی بن کر) کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت (خود) اپنا نکاح کرے۔'' [اسے ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

فهم الحديث ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ'' بلاشبہ وہ عورت زانیہ ہے جس نے اپنا نکاح خود کر لیا۔''(٥٨) معلوم ہوا کہ عورت نہ تو خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی بحیثیت ولی و سرپرست کسی دوسری عورت کا نکاح کرا سکتی ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں' البتہ احناف کا مؤقف یہ ہے کہ عاقل و بالغ عورت اپنا بھی اور اپنی نابالغ بچی کا بھی نکاح کر سکتی ہے اور کسی دوسرے کی وکیلِ نکاح بھی بن سکتی ہے۔(٥٩) راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے۔ امام ابن حزمؒ (٦٠)، امام ابن قدامہؒ (٦١) اور شیخ سلیم ہلالی (٦٢) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

984- وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا

983- [صحيح : صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (١٨٨٢) كتاب النكاح : باب لا نكاح إلا بولي ' دارقطني (٢٢٧/٣) بيهقي (١١٠/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

984- [بخاري (٥١١٢-٦٩٧٠) كتاب النكاح : باب الشغار' مسلم (١٤١٥) ابو داود (٢٠٧٤) ترمذي (١١٢٤) نسائي (١١٠/٦) ابن ماجه (١٨٨٣) احمد (٦٢/٢) مالك (٥٣٥/٢) دارمي (٢١٨٠) ابن حبان (٤١٦٠) بيهقي (٩٩/٧)]

---

(٥٤) [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٢٠٩٣)' (٢٠٩٤) ترمذي (١١٠٩) احمد (٢٥٩/٢) عبد الرزاق (١٠٢٩٧) حاكم (١٦٦/٢-١٦٧) ابن حبان (٤٠٧٩) ابن أبي شيبة (١٣٨/٤) بيهقي (١٢٠/٧)]

(٥٥) [المحلى بالآثار (٥٧/٩)]

(٥٦) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (١٣٣/١٨)]

(٥٧) [بخاري (٥١٣٣) مسلم (١٤٢٢) ابو داود (٢١٢١) ابن ماجه (١٨٧٦) نسائي (٨٢/٦) احمد (١١٨/٦) طيالسي (١٤٥٤) حميدي (٢٣١) ابن الجارود (٧١١) بيهقي (٣٤/٩-٣٥)]

(٥٨) [حسن : هداية الرواة (٣٠٧٢) صحيح ابن ماجة (١٥٢٧) كتاب النكاح : باب لا نكاح إلا بولي ' ابن ماجة (١٨٨٢) دارقطني (٢٢٧/٣) بيهقي (١١٠/٧)]

(٥٩) [سبل السلام (٢٩٧/٣)]

(٦٠) [المحلى بالآثار (٥٥/٩)]

(٦١) [المغني لابن قدامة (٣٤٥/٩)]

(٦٢) [موسوعة المناهي الشرعية (١١/٣)]

عَنْهُمَا قَالَ : ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ)) وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اتَّفَقَا مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَلَى أَنَّ تَفْسِيْرَ الشِّغَارِ مِنْ كَلَامِ نَافِعٍ ۔

'رسول اللہ ﷺ نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا ہے اور نکاحِ شغار یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرے گا اور ان کے درمیان مہر نہیں ہوگا۔ [بخاری، مسلم۔ اور بخاری و مسلم دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ شغار کی یہ تعریف نافع'' کا کلام ہے۔]

لغوی توضیح شِغَار کا معنی ہے ''کتے کا ایک ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرنا۔'' اصطلاحاً نکاحِ شغار کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے ساتھ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرنا کہ وہ بھی اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس سے کرے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکاح حرام ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''نکاحِ شغار اسلام میں نہیں۔'' (٦٣) جمہور علماء، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس نکاح کو باطل قرار دیتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اگر مہر مثل ادا کر دیا جائے تو پھر یہ نکاح درست ہے۔ (٦٤) پہلا موقف ہی اقرب الی الحدیث ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (٦٥) اور شیخ عبداللہ بسامؒ (٦٦) نے اس نکاح کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع نقل فرمایا ہے۔ نیز امام شوکانیؒ (٦٧) اور شیخ عبدالعزیز بن بازؒ (٦٨) نے بھی اس کی حرمت کا ہی فتویٰ دیا ہے۔ واضح رہے کہ ہر ایسا نکاح شغار ہے جس میں ایک عورت کے بدلے دوسری عورت کے نکاح کی شرط ہو خواہ اس میں حق مہر ادا کیا جائے یا نہ کیا جائے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں حضرت معاویہ ؓ کا اسی کے مطابق فیصلہ موجود ہے۔ (٦٩)

985- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهْ ' وَ أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ ۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے حالانکہ وہ (اس شخص کو) ناپسند کرتی ہے' تو آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (کہ وہ نکاح ختم کرنا چاہے تو کر سکتی ہے)۔'' [اسے احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اسے مرسل ہونے کے ساتھ معلول قرار دیا گیا ہے۔]

985- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٢٠٩٦) كتاب النكاح : باب فى البكر يزوجها أبوها ولا يستأمرها ' ابن ماجه (١٨٧٥) احمد (٢٧٣/١) دارقطنى (٢٣٤/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٦٣) [مسلم (١٤١٥) كتاب النكاح : باب تحريم نكاح الشغار و بطلانه]

(٦٤) [فتح البارى (٢٠٤/١٠) نيل الأوطار (٢٢١/٤) الأم للشافعى (١٧٤/٥) بدائع الصنائع (١٤٣٠/٣) المدونة (١٥٢/٢)]

(٦٥) [فتاوى النساء (ص/٢٨٠)]

(٦٦) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٢٧٥/٥)]

(٦٧) [نيل الأوطار (٢٢١/٤)]

(٦٨) [فتاوى ابن باز ' مترجم (١٦٨/١)]

(٦٩) [حسن : صحيح ابو داود (١٨٢٦) كتاب النكاح : باب فى الشغار ' ابو داود (٢٠٧٥) أحمد (٩٤/٤) بيهقى (٢٠٠/٧)]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کہیں زبردستی کر دیا جائے تو وہ شرعی عدالت میں جا کر اس نکاح کو منسوخ کرانے کا حق رکھتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ حدیث اس وقت کے متعلق ہے جب نکاح کے بعد ابھی رخصتی نہ ہوئی ہو ورنہ نکاح (اور رخصتی) کے بعد علیحدگی صرف خلع یا طلاق کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

986- وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس عورت کا نکاح دو ولی کر دیں تو وہ دونوں میں سے پہلے شوہر کی ہے۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

فهم الحديث یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ جب ایک ہی درجہ کے دو ولی (مثلاً دونوں چچا یا دونوں بھائی) عورت کا نکاح الگ الگ کہیں کر دیں تو عورت اس کی بیوی شمار ہوگی جس سے پہلے نکاح ہوا ہوگا کیونکہ پہلے نکاح کے بعد دوسرا نکاح یقیناً باطل ہے اور اگر دونوں ولی اکٹھے نکاح کریں تو پھر دونوں کا کیا ہوا نکاح باطل شمار ہوگا۔

987- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ أَوْ أَهْلِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ، وَ كَذٰلِكَ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو غلام اپنے مالکوں اور اپنے اہل کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے وہ زانی ہے۔'' [اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے' ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح عَاهِر زانی و بدکار کے معنی میں ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام اگر اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل و بے بنیاد ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۷۰) اور جمہور علماء (۷۱) اسی کے قائل ہیں۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر نکاح کے بعد مالک خود غلام کو اجازت دے دے تو کیا وہ نکاح درست ہو جائے گا یا نہیں۔ احناف کا کہنا ہے کہ غلام کا نکاح مالک کی اجازت پر موقوف ہے' اگر وہ بعد میں اجازت دے دے تو نکاح درست ہوگا ورنہ نہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ مالک کی اجازت کے بعد بھی درست نہیں ہوگا کیونکہ پہلا نکاح باطل تھا اور باطل کسی کی اجازت کے ساتھ درست نہیں ہوتا۔ یہی مؤقف راجح ہے کیونکہ پہلا نکاح دراصل زنا تھا اور زنا باطل ہے اس لیے پہلا کالعدم شمار ہوگا (۷۲) اور مالک اگر اجازت دے دے تو وہ دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

986- [**ضعيف**: ضعيف ابو داود' ابو داود (۲۰۸۸) كتاب النكاح: باب إذا أنكح الوليان' ترمذی (۱۱۱۰) نسائی (۳۱٤/۷) احمد (۸/۵-۱۱) دارمی (۲۱۹۳) حاكم (۱۷٤/۲) بيهقی (۱۳۹/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

987- [**حسن**: صحيح ابو داود' ابو داود (۲۰۷۸) كتاب النكاح: باب فی نكاح العبد بغير إذن سيده' ترمذی (۱۱۱۱) احمد (۳۰۱/۳) دارمی (۲۲۳۳) حاكم (۱۹٤/۲) ابن حبان (٤۳۱۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۷۰) [الفتاوى الكبرى لابن تيمية (۹۰/۲)]

(۷۱) [الروضة الندية (۶۲/۲)] (۷۲) [تحفة الأحوذی (۲۵۹/٤)]

988- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نہ تو پھوپھی اور بھتیجی کو اور نہ ہی خالہ اور بھانجی کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کیا جائے۔“ [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ رشتوں کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔ امام ابن عبدالبرؒ (۷۳)، امام ابن حزمؒ (۷۴)، امام ابن منذرؒ (۷۵)، امام ترمذیؒ (۷۶)، امام شوکانیؒ (۷۷)، امام قرطبیؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ (۷۸) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ البتہ خوارج اور شیعہ کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ رشتے جمع کیے جا سکتے ہیں۔ (۷۹) ان کا موقف صریح دلائل کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود ہے۔

989- وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : ((وَلَا يَخْطُبُ)) وَزَادَ ابْنُ حِبَّانَ : ((وَلَا يُخْطَبُ عَلَيْهِ)) ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”احرام والا شخص نہ خود اپنا نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے۔“ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ] ”اور وہ پیغامِ نکاح بھی نہ دے۔“ اور ابن حبان نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ ”اور نہ ہی اس کے پیغامِ نکاح پر پیغام بھیجا جائے۔“

990- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں شادی کی۔ [بخاری، مسلم]

991- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَيْمُونَةَ نَفْسِهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ)) ۔

اور مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے شادی کی اور وہ اس وقت حلال تھے۔

فهم الحديث مذکورہ بالا پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ احرام میں نکاح کرنا، کسی کا نکاح کرانا اور کسی کو پیغامِ نکاح بھیجنا سب ممنوع و ناجائز ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود حالتِ احرام میں حضرت

988- [بخاری (۵۱۰۹) کتاب النکاح : باب لا تنکح المرأة علي عمتها ' مسلم (۱۴۰۸) ابو داود (۲۰۶۶) نسائی (۹۶/۶) احمد (۴۶۵/۲) مالك (۵۳۲/۲) دارمی (۲۱۷۹) بیهقی (۱۶۵/۷)]

989- [مسلم (۱۴۰۹) کتاب النکاح : باب تحریم نکاح المحرم و کراهة خطبته ' ابو داود (۱۸۴۱) ترمذی (۸۴۰) نسائی (۱۹۲/۵) ابن ماجه (۱۹۶۶) احمد (۶۹/۱) مالك (۳۴۸/۱) دارمی (۲۱۹۸) دارقطنی (۲۶۷/۲) ابن خزیمة (۲۶۴۹)]

990- [بخاری (۱۸۳۷) کتاب الحج : باب تزويج المحرم ' مسلم (۱۴۱۰) ابو داود (۱۸۴۴) ترمذی (۸۴۲) نسائی (۱۹۱/۵) ابن ماجه (۱۹۶۵) احمد (۲۲۱/۱) حاکم (۳۲/۴)]

991- [مسلم (۱۴۱۱) کتاب النکاح : باب تحریم نکاح المحرم و کراهة خطبته ' ابو داود (۱۸۴۳) ترمذی (۸۴۵) ابن ماجه (۱۹۶۴) احمد (۳۳۲/۶) دارمی (۱۸۲۴) ابن الجارود (۴۴۵) ابن حبان (۴۱۳۶)]

---

(۷۳) [التمهيد (۲۷۷/۱۸)]
(۷۴) [كما في فتح الباري (۲۰۲/۱۰)]
(۷۵) [الإجماع لابن المنذر (ص/۹۵)]
(۷۶) [جامع ترمذی (بعد الحديث ۱۱۲۶)]
(۷۷) [نيل الأوطار (۲۲۸/۴)]
(۷۸) [الروضة الندية (۵۰/۲)]
(۷۹) [شرح مسلم للنووی (۳۰۹/۵)]

میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ تو واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو اہل علم نے ان کا وہم قرار دیا ہے کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا جن کا نکاح ہوا تھا وہ خود فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح ہوا اس وقت آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے۔ اس لیے دورانِ احرام کسی کے لیے بھی نکاح کرنا جائز نہیں۔ جمہور علما اسی کے قائل ہیں جبکہ احناف نے حالت احرام میں بھی نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ اس مسئلے کا قدرے تفصیلی بیان گزشتہ حدیث نمبر 723 کے تحت گزر چکا ہے۔

992- وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوْطِ أَنْ يُوَفَّى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ شرط پورا کیے جانے کی زیادہ مستحق ہے جس کے ذریعے تم نے اپنے لیے عورتوں کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے سلسلے میں جو شروط عائد کی جاتی ہیں وہ پورا کیے جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایسی شروط جو شریعت کے خلاف ہوں' انہیں پورا کرنا جائز نہیں۔ امام ابن قیمؒ نے شروط کے متعلق یہ شرعی ضابطہ بیان کیا ہے کہ ہر ایسی شرط جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو وہ باطل ہے اور جو خلاف نہ ہو وہ لازم ہے۔ (۸۰) جن شروط کو پورا کرنا لازم ہے وہ ایسی شروط ہیں جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوں مثلاً عورت مرد سے الگ گھر کی شرط لگائے' اسی طرح مرد عورت کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنے کی شرط لگائے وغیرہ۔ علاوہ ازیں جن شروط کو پورا کرنا جائز نہیں ان سے مراد وہ شروط ہیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں مثلاً عورت اپنی سوکن کی طلاق کی شرط لگائے' اسی طرح مرد اپنے بھائیوں سے پردہ نہ کرنے کی شرط لگائے وغیرہ۔

993- وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ أَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ' ثُمَّ نَهَى عَنْهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اَوطاس کے سال تین دن کے لیے نکاحِ متعہ کی اجازت دی اور پھر اس سے منع فرمادیا۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

994- وَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ خَيْبَرَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ وَعَنْ أَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ)) أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ إِلَّا أَبَا دَاوُدَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے سال متعہ سے منع فرمایا۔ [بخاری، مسلم] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے روز منع فرمایا تھا۔ [اسے بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

992- [بخاری (۲۷۲۱۔۵۱۵۱) کتاب الشروط : باب الشروط فی المهر عند عقدة النکاح' مسلم (۱٤۱۸) ابو داود (۲۱۳۹) ترمذی (۱۱۲۷) نسائی (۹۲/٦) ابن ماجه (۱۹۵٤) احمد (۱٤٤/٤) دارمی (۲۲۰۳) بیهقی (۲٤۸/۷)]

993- [مسلم (۱٤۰۵) کتاب النکاح : باب نکاح المتعة وبیان أنه أبیح ثم نسخ' احمد (۵۵/٤) دارقطنی (۲۵۸/۳) بیهقی (۲۰٤/۷)]

994- [بخاری (٤۲۱٦) کتاب المغازی : باب غزوة خیبر' مسلم (۱٤۰۷) ترمذی (۱۱۲۱) نسائی (۱۲۵/٦) ابن ماجه (۱۹٦۱) احمد (۷۹/۱) دارمی (۲۱۹۷)]

(۸۰) [کما فی توضیح الأحکام (۲۹۰/۵)]

995- وَعَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ أَحْمَدُ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ربیع بن سبرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی' اب اللہ تعالیٰ نے اسے روزِ قیامت تک حرام قرار دے دیا ہے' پس جس کے پاس بھی ان (متعہ والی) عورتوں میں سے کوئی ہو وہ اسے چھوڑ دے اور تم جو کچھ انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔" [اسے مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح عَامَ أَوْطَاس سے مراد عامِ حنین ہی ہے۔ یہ واقعہ 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد پیش آیا۔ اوطاس حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ اَلْمُتْعَة سے مراد ہے' کسی عورت سے ایک مقررہ مدت تک مقررہ معاوضے کے بدلے نکاح کر لینا مثلاً دو دن یا تین دن یا اس کے علاوہ کسی اور مدت تک۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاحِ متعہ پہلے حلال تھا پھر اسے تا قیامت حرام قرار دے دیا گیا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ رخصت کے بعد چھ مختلف مقامات پر نکاحِ متعہ کا منسوخ ہو جانا مروی ہے: ① خیبر میں ② عمرۃ القضاء میں ③ فتح مکہ کے سال ④ اوطاس کے سال ⑤ غزوہ تبوک میں ⑥ حجۃ الوداع میں۔ (۸۱) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ حرام ہوا اور دو ہی مرتبہ جائز ہوا۔ چنانچہ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر اسے غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام کیا گیا۔ پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر جائز کیا گیا اور عام اوطاس بھی اسی کو کہتے ہیں' اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے حرام کر دیا گیا۔ (۸۲) جمہور سلف وخلف کا کہنا ہے کہ نکاحِ متعہ منسوخ ہو چکا ہے۔ (۸۳) قاضی عیاضؒ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صرف شیعہ حضرات اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ (۸۴) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نکاحِ متعہ حرام ہے اور اگر واقع ہو جائے تو باطل ہے۔ (۸۵)

996- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور حلالہ کرانے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔ [اسے احمد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

-995 [مسلم (١٤٠٦) كتاب النكاح : باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح ثم نسخ ' ابو داود (٢٠٧٢) نسائى (١٢٦/٦) ابن ماجه (١٩٦٢) احمد (٤٠٤/٣) ابن حبان (٤١٤٦)]

-996 [صحيح : صحيح ترمذى ' ترمذى (١١٢٠) كتاب النكاح : باب ما جاء فى المحلل والمحلل له ' نسائى (١٤٩/٦) احمد (٤٤٨/١) دارمى (٢٢٥٨) بيهقى (٢٠٨/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٨١) [فتح البارى (١٧٣/٩)]
(٨٢) [شرح مسلم (١٨١/٩)]
(٨٣) [فتح البارى (١٧٣/٩)]
(٨٤) [شرح مسلم للنووى (٧٩/٩)]
(٨٥) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٤٤٠/١٨)]

997- وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ ۔
اور اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت مروی ہے۔[اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حلالہ ایسے عقد کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص مطلقہ ثلاثہ سے محض طلاق کی نیت سے ہی نکاح و مباشرت کرتا ہے تاکہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ اس غرض سے نکاح کرنے والے کو مُحَلِّلٌ (حلالہ کرنے والا) اور جس کے لیے عورت کو حلال کیا جا رہا ہو (یعنی پہلا شوہر) اسے مُحَلَّلٌ لَهُ کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حلالہ کرنا اور کرانا حرام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں اُدھار کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟'' صحابہ نے عرض کیا' کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔''(٨٦) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں لوگ حلالہ کو بدکاری شمار کرتے تھے۔(٨٧) ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میرے پاس حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں لائے گئے تو میں دونوں کو رجم کر دوں گا۔(٨٨) جمہور علماء نے حلالہ کو حرام قرار دیا ہے' صرف احناف نے اسے جائز کہا ہے (حتی کہ ان کی بعض کتب میں ایسے شخص کو اجر کا مستحق بھی کہا گیا ہے)۔(٨٩) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (٩٠) اور امام ابن قیمؒ (٩١) نے فرمایا ہے کہ نکاحِ حلالہ کبھی کسی دین میں بھی جائز نہیں ہوا اور نہ ہی کسی صحابی نے کبھی ایسا کیا اور نہ اس کا فتویٰ دیا۔

998- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایسا زانی جسے کوڑے لگے ہوں صرف اپنے جیسی زانی عورت سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔'' [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح الزَّانِي جس نے فعلِ زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ الْمَجْلُودُ جسے زنا کی حد کے طور پر کوڑے لگائے گئے ہوں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکدامن مرد کے لیے زانیہ عورت سے اور پاکدامن عورت کے لیے

997- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٢٠٧٦) كتاب النكاح: باب في التحليل' ترمذى (١١١٩) ابن ماجه (١٩٣٥) احمد (٨٣/١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

998- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٢٠٥٢) كتاب النكاح: باب في قوله تعالى: الزاني لا ينكح إلا زانية' احمد (٣٢٤/٢) حاكم (١٦٦/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٨٦) [حسن: صحيح ابن ماجة (١٥٧٢) كتاب النكاح: باب المحلل والمحلل له' إرواء الغليل (٣٠٩/٦) ابن ماجة (١٩٣٦) دارقطنى (٢٥١/٣) حاكم (١٩٩/٢) بيهقى (٢٠٨/٧)]

(٨٧) [حاكم (١٩٩/٢) طبرانى أوسط كما فى المجمع (٢٦٧/٤) امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔]

(٨٨) [ابن ابى شيبة (٢٩٤/٤) عبدالرزاق (٢٤٨/٦)]

(٨٩) [تحفة الأحوذى (٢٨١/٤) نيل الأوطار (٢١٨/٤)]

(٩٠) [فتاوى النساء لابن تيمية (ص/٢٤٢)]

(٩١) [أعلام الموقعين (٤١/٣-٤٣)]

زانی مرد سے نکاح حرام ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [النور : ۳] ''اور مومنوں پر یہ (نکاح) حرام کر دیا گیا ہے'' بھی اس کی دلیل ہے۔حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے بھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دورِ جاہلیت کی دوست ''عناق'' (ایک بدکار عورت) سے نکاح کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے ساتھ نکاح سے منع فرما دیا۔(۹۲) امام شوکانی رحمہ اللہ (۹۳) اور شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ (۹٤) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ آدمی کے لیے زانی عورت سے اور عورت کے لیے زانی مرد سے نکاح حرام ہے۔

999- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا ، فَتَزَوَّجَهَا رَجُلٌ ، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا ، فَأَرَادَ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا ، فَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَ : ((لَا ، حَتّٰى يَذُوقَ الْآخِرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' پھر اس عورت سے کسی اور مرد نے شادی کر لی اور پھر دخول سے پہلے اسے طلاق بھی دے دی' تو پہلے شوہر نے اس سے (دوبارہ) شادی کرنا چاہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں' جب تک دوسرا شوہر بھی اس سے اسی طرح لطف اندوز نہ ہو لے جیسے پہلا ہوا تھا۔'' [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح عُسَيْلَتَهَا یہ تصغیر ہے عَسَل کی' عَسَل شہد کو کہتے ہیں' یہاں جماع کی لذت کو شہد چکھنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے (بسنے کی نیت سے) نکاح نہ کر لے اور پھر وہ (دوسرا) مرد اس سے ہم بستری نہ کر لے۔یعنی محض پہلے مرد کے لیے حلال ہونے کی غرض سے کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے سے وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی اور اگر وہ کسی سے حقیقی نکاح کر بھی لے لیکن جب تک دوسرا شوہر اس کے ساتھ ہم بستر نہ ہو جائے تب تک وہ پہلے کے لیے حلال نہیں ہو گی۔جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔البتہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مجرد عقدِ نکاح سے ہی وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔(۹۵) راجح موقف جمہور کا ہی ہے۔امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۹٦) امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے سوا تمام علماء نے اجماع کیا ہے کہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کے لیے (دوسرے شوہر کی) ہم بستری بھی شرط ہے۔(۹۷)

999- [بخاری (٥٢٦١) كتاب الطلاق : باب من أجاز طلاق الثلاث ' مسلم (١٤٣٣) ابو داود (٢٣٠٩) نسائی (١٤٨/٦) احمد (٢٢٦/٦)]

(۹۲) [حسن صحيح : صحيح ابو داود (١٨٠٦) كتاب النكاح : باب فی قوله تعالیٰ : الزانی لا ينكح إلا زانية ' ابو داود (٢٠٥١) ترمذی (٣١٧٧) كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة النور ' نسائی (٦٦/٦)]

(۹۳) [كما فی فقه السنة (١٦٣/٢)]

(۹٤) [تيسير الكريم الرحمن (٧٦٥/٢)]

(۹۵) [تفسير قرطبی (١٤٧/٣) تفسير اللباب فی علوم الكتاب (١٤٦/٤)]

(۹٦) [نيل الأوطار (٣٥١/٤)]

(۹۷) [أيضا]

باب الكفاءة والخيار — کفائت اور اختیار کا بیان

1000- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، وَ الْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، إِلَّا حَائِكًا أَوْ حَجَّامًا)) رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ لَمْ يُسَمَّ، وَ اسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عرب ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں اور موالی بھی ایک دوسرے کے کفو ہیں سوائے جولا ہے اور حجام کے۔'' [اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ایسا ہے جس کا نام نہیں لیا گیا اور ابوحاتم نے اسے منکر کہا ہے۔]

1001- وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الْبَزَّارِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ۔

اور بزار میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقطع سند کے ساتھ اس کا ایک شاہد بھی مروی ہے۔

لغوی توضیح الْكِفَاءَةُ سے مراد ہے برابری، ہمسری اور مساوات وغیرہ۔ الْمَوَالِي جمع ہے مَوْلَى کی، یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو عرب نہ ہوں۔ حَائِك جولاہا، یعنی کپڑا بننے والا۔ حَجَّام پچھنے لگانے والا۔

فهم الحديث واضح رہے کہ مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے اس لیے قابل عمل نہیں۔ لہٰذا ذات، خاندان، رنگ اور نسل کوئی بھی ہو نکاح کے لیے لڑکے اور لڑکی کا صرف دین اور اخلاق میں کفو (یعنی ہمسر و برابر) ہونا ہی شرعاً معتبر ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی چیز میں برابری ضروری نہیں۔ نیز جن روایات سے حسب نسب یا دیگر اشیا میں برابری کا حکم لگایا جاتا ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا ان میں مذکورہ مسئلے کے لیے واضح دلیل موجود نہیں ہے۔

1002- وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: ((انْكِحِي أُسَامَةَ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا ''اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلو۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے لیے لڑکے اور لڑکی کا حسب نسب میں برابر ہونا ضروری نہیں کیونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا قریش کی ایک معزز خاتون تھیں اور اسامہ رضی اللہ عنہ خود بھی غلام تھے اور ان کے باپ (زید رضی اللہ عنہ) بھی۔ علاوہ ازیں اس مسئلے کا ثبوت وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جو کہ غلام تھے) کا نکاح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (جو ایک قریشی خاتون تھیں) سے کرا دیا تھا۔ (۹۸)

☐ واضح رہے کہ مال میں کفائت ضروری نہیں جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (ایک تاجر و مالدار شخص) کی بہن

1000- [بیهقی (۱۳۵ـ۱۳٤/۷) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔]

1001- [بزار فی كشف الأستار (۱٤۲٤) مجمع الزوائد (۲۷۵/٤)]

1002- [مسلم (۱٤۸۰) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها، ابو داود (۲۲۸٤) نسائی (۷۵/٦) ترمذی (بعد الحديث / ۱۱۳٤) ابن ماجه (۱۸٦۹) مالك (۵۸۰/۲) احمد (٤۱۲ـ٤۱۱/٦) دارمی (۲۱۷۷) ابن حبان (٤۲۷٦)]

(۹۸) [تفسير اللباب في علوم الكتاب (۵۵۳/۱۵)]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ (حبشی غلام) کے نکاح میں تھی۔ (۹۹)

1003- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((يَا بَنِي بَيَاضَةَ أَنْكِحُوا أَبَا هِنْدٍ وَأَنْكِحُوا إِلَيْهِ)) وَكَانَ حَجَّامًا۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ الْحَاكِمُ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" اے بنو بیاضہ! ابو ہند کا نکاح کر دو اور اس کی لڑکیوں کی طرف پیغام نکاح بھیجو۔" اور ابو ہند حجام تھے۔ [اسے ابوداود اور حاکم نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ابو ہند عرب قبیلہ بنو بیاضہ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا اور حجام تھا۔ آپ ﷺ کے اس حکم "ابو ہند کا نکاح اپنے قبیلے کی کسی عورت سے کر دو" سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے لیے حسب نسب اور کاروبار و پیشے میں کفو و برابر ہونا ضروری نہیں۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے بھی اسی موقف کو ثابت کیا ہے۔ (۱۰۰)

1004- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((خُيِّرَتْ بَرِيرَةُ عَلَى زَوْجِهَا حِينَ عُتِقَتْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ، وَلِمُسْلِمٍ عَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ((أَنَّ زَوْجَهَا كَانَ عَبْدًا)) وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهَا: ((كَانَ حُرًّا)) وَ الْأَوَّلُ أَثْبَتُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئی تو اسے اپنے شوہر کے متعلق اختیار دے دیا گیا۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لمبی حدیث کا ایک جز ہے۔ اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ] اس (بریرہ) کا شوہر غلام تھا اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی ایک روایت میں ہے کہ وہ آزاد تھا۔ [پہلی روایت ہی زیادہ پختہ ہے۔]

1005- وَصَحَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا۔

اور بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح قول یہ ہے کہ وہ غلام تھا۔

لغوی توضیح خُيِّرَتْ اسے اختیار دے دیا گیا۔ یعنی اپنے شوہر کے ساتھ رہنے یا نکاح فسخ کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ بَرِيرَةُ انصاریوں کی ایک لونڈی کا نام ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ كَانَ عَبْدًا وہ غلام تھا' اس کا نام مغیث تھا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد ہونے کے بعد عورت' جبکہ اس کا خاوند غلام ہو' کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اس کی زوجیت میں رہے اور چاہے تو علیحدہ ہو جائے۔ اس پر اجماع ہے۔ (۱۰۱) اس صورت میں اختلاف ہے کہ جب شوہر آزاد ہو۔ جمہور علما کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو کوئی اختیار نہیں۔ کیونکہ اختیار کی علت غلام ہونے کی وجہ

1003- [حسن: صحيح ابو داود' ابو داود (۲۱۰۲) كتاب النكاح: باب في الأكفاء' حاكم (۱٦٤/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔]

1004- [بخاری (۲۵۳٦ـ۵۲۷۹) كتاب العتق: باب بيع الولاء وهبته' مسلم (۱۵۰٤) ابو داود (۲۲۳۳ـ۲۲۳٤) ترمذی (۱۱۵٤ـ۱۱۵۵) نسائی (۱۰۷/۵) ابن ماجه (۲۰۷٤ـ۲۰۷٦) مالك (۵٦۲/۲) احمد (٤۵/٦ـ۱۱۵) دارمی (۲۲۸۹)]

1005- [بخاری (۵۲۸۰ـ۵۲۸۲) كتاب الطلاق: باب خيار الأمة تحت العبد' ابو داود (۲۲۳۱ـ ۲۲۳۲) ترمذی (۱۱۵٦) نسائی (۲٤۵/۸) ابن ماجه (۲۰۷۵) احمد (۳٦۱/۱) دارمی (۲۲۹۲)]

---

(۹۹) [دارقطنی (۳۰۲/۳)]

(۱۰۰) [توضيح الأحكام (۳۱۵/۵)]

(۱۰۱) [فتح الباری (٤۰۷/۹) نقله الحافظ عن ابن بطال]

سے عدم کفائت تھی جو کہ اب موجود نہیں۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ اسے ابھی بھی اختیار حاصل ہے۔ امام ابن قیمؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۰۲) راجح موقف جمہور کا ہی ہے جیسا کہ ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مروی ہے کہ اگر وہ آزاد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے (یعنی بریرہ کو) اختیار نہ دیتے۔(۱۰۳)

1006- وَ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوزَ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنِّي أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي أُخْتَانِ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ، وَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ ، وَ أَعَلَّهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ان میں سے جس ایک کو چاہو طلاق دے دو۔" [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان، دارقطنی اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے' البتہ بخاری نے اسے معلول کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ کفر میں کیے گئے نکاح معتبر ہیں خواہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہی کیے گئے ہوں اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد نئے نکاح کی ضرورت نہیں۔ جمہور علماء، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صرف وہی نکاح برقرار رہے گا جو اسلام کے مطابق ہوا ہو۔ شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا ظاہر جمہور کے موقف کی تائید کرتا ہے۔(۱۰۴) دونوں بہنوں میں سے ایک کو منتخب کرنے اور دوسری کو طلاق دینے کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے دیا کیونکہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جیسا کہ قرآن میں واضح طور پر ارشاد موجود ہے۔(۱۰۵) امام ابن رشدؒ نے اس مسئلے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(۱۰۶)

1007- وَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهُنَّ

حضرت سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں' وہ سب بھی ان کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئیں' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں

1006- [**حسن** : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۲۴۳) کتاب الطلاق : باب فی من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع' ترمذی (۱۱۲۹-۱۱۳۰) ابن ماجه (۱۹۵۱) احمد (۱۱۳۰) ابن حبان (۴۱۵۵) دارقطنی (۲۷۳/۳) بیهقی (۱۸۴/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس کے معنی کے صحیح ہونے کا ثبوت موجود ہے۔]

1007- [**صحیح** : صحیح ترمذی' ترمذی (۱۱۲۸) کتاب النكاح : باب ما جاء فی الرجل يسلم وعنده عشر نسوة' ابن ماجه (۱۹۵۳) احمد (۱۴/۲) ابن حبان (۴۱۵۶) دارقطنی (۲۷۰/۳) حاکم (۱۹۲/۲) بیهقی (۱۴۹/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

---

(۱۰۲) [الأم (۱۲۲/۵) المبسوط (۳۱۴/۵) المغنی (۴۵۳/۹) نيل الأوطار (۲۳۵/۴) زاد المعاد (۱۶۸/۵)]

(۱۰۳) [مسلم (۱۵۰۴) ابو داود (۳۹۲۹) ترمذی (۲۱۲۴) نسائی (۳۰۵/۷) أحمد (۳۳/۶)]

(۱۰۴) [توضيح الأحكام (۳۲۵/۵)]

(۱۰۵) [النساء : ۲۳]

(۱۰۶) [كما فی توضيح الأحكام (۳۲۲/۵)]

أَرْبَعًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ' وَ أَعَلَّهُ الْبُخَارِيُّ وَ أَبُو زُرْعَةَ وَ أَبُو حَاتِمٍ ۔

حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لو۔ [اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اسے معلول کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کفر کے نکاح اسلام میں معتبر ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ شادی کرنا حرام ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ اہل ظاہر نو عورتوں سے بیک وقت نکاح جائز قرار دیتے ہیں۔ (۱۰۷) جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۱۰۸)، امام ابن قدامہؒ (۱۰۹)، امام ابن رشدؒ (۱۱۰)، امام ابن حزمؒ (۱۱۱)، امام مرغینانیؒ (۱۱۲)، امام ابن ہمام حنفیؒ (۱۱۳) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۱۱٤) نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ بیک وقت نکاح حرام ہے۔

☐ تاہم نبی کریم ﷺ کی جو بیک وقت نو بیویاں تھیں۔ (۱۱۵) اس کی بعض دینی و سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خود آپ ﷺ کو اجازت دے رکھی تھی اور یہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص تھا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ علماء نے اتفاق کیا ہے کہ چار سے زائد بیویاں (بیک وقت) نکاح میں رکھنا آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ مزید حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں نبی کریم ﷺ کی زیادہ شادیوں کی تقریباً دس حکمتیں نقل فرمائی ہیں تفصیل کا طالب اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ (۱۱٦)

1008- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((رَدَّ النَّبِيُّ ﷺ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ ابْنِ الرَّبِيعِ ' بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ ' وَ لَمْ يُحْدِثْ نِكَاحًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد پہلے نکاح پر ہی حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹا دیا اور نیا نکاح نہیں کیا۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور احمد اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1008- [**صحیح**: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۲٤۰) کتاب الطلاق: باب إلی متی ترد علیه امرأته إذا أسلم بعدها' ترمذی (۱۱٤۳) ابن ماجه (۲۰۰۹) احمد (۲۱۷/۱) حاکم (۲۰۰/۲) شیخ البانیؒ نے " سنین " کے لفظ کے علاوہ باقی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۰۷) [نیل الأوطار (۲۳۰/٤)]
(۱۰۸) [الفتاوی (۲۱٦/۳) التعلیقات الرضیة للألبانی (۱۹۱/۲)]
(۱۰۹) [المغنی (٤۷۱/۹)]
(۱۱۰) [بدایة المجتهد (٦۸/۲)]
(۱۱۱) [المحلی بالآثار (٥/۹)]
(۱۱۲) [الهدایة (۱۹٤/۱)]
(۱۱۳) [کما فی تحفة الأحوذی (۳۰٥/٤)]
(۱۱٤) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة و الافتاء (۲٥٦/۱۸)]
(۱۱٥) [بخاری (۲۸٤) کتاب الغسل]
(۱۱٦) [فتح الباری (۱۱٥/۹) تلخیص الحبیر (۱۳۷/۳)]

1009- وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ)) قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَادًا، وَ الْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس نئے نکاح کے ساتھ لوٹایا۔[ترمذی نے کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سند کے اعتبار سے عمدہ ترین ہے اور عمل عمرو بن شعیب سے مروی حدیث پر ہے۔]

فهم الحديث پہلی روایت' جس میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف بغیر جدید نکاح کے ہی لوٹا دیا' صحیح ہے اور دوسری روایت' جس میں جدید نکاح کے ساتھ لوٹانے کا ذکر ہے' وہ ضعیف ہے۔ لہٰذا اس مسئلے میں راجح موقف یہی ہے کہ اگر عورت مسلمان ہو جائے اور وہ عدت گزارنے کے بعد نئے نکاح کے اختیار کے باوجود نکاح نہ کرے اور پھر شوہر بھی مسلمان ہو جائے (خواہ ایک لمبی مدت کے بعد ہی) اور وہ دونوں اکٹھے رہنا چاہیں تو انہیں مل کر زندگی گزارنے کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں۔ امام ابن قیم نے بھی اسی موقف کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔(۱۱۷) امام شوکانی بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱۱۸)

1010- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((أَسْلَمَتْ امْرَأَةٌ، فَتَزَوَّجَتْ، فَجَاءَ زَوْجُهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي كُنْتُ أَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِإِسْلَامِي، فَانْتَزَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ زَوْجِهَا الْآخَرِ، وَرَدَّهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهْ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت مسلمان ہوئی اور اس نے شادی کر لی' پھر اس کا شوہر آیا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! بلاشبہ میں بھی مسلمان ہو گیا تھا اور اسے میرے قبولِ اسلام کا علم تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو دوسرے شوہر سے چھین کر پہلے کی طرف لوٹا دیا۔[اسے احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر مسلمان ہونے والی عورت کا شوہر بھی مسلمان ہو جائے اور عورت کو اس کے قبولِ اسلام کا علم ہو تو پھر اس کے لیے کسی اور مرد سے نکاح کرنا حرام ہے اور اگر وہ نکاح کر لے گی تو دوسرا نکاح باطل و کالعدم قرار پائے گا خواہ اس کی عدت گزر چکی ہو یا نہ' کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ نے عدت گزرنے یا نہ گزرنے کی کوئی شرط نہیں لگائی۔

1009- [ضعيف: ضعيف ترمذی' ترمذی (۱۱۴۲) كتاب النكاح: باب ما جاء في الزوجين المشركين يسلم أحدهما' ابن ماجه (۲۰۱۰) احمد (۲۰۷/۲) بيهقی (۱۸۸/۱۰) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو ضعیف' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے منکر کہا ہے۔]

1010- [ضعيف: ضعيف ابو داود' ابو داود (۲۲۳۹) كتاب الطلاق: باب إذا أسلم أحد الزوجين' ترمذی (۱۱۴۴) ابن ماجه (۲۰۰۸) احمد (۳۶۴/۱) ابن الجارود (۷۵۷) ابن حبان (۴۱۵۹) حاكم (۲۰۰/۲) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو ضعیف' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۱۷) [زاد المعاد (۱۳۷/۵)]

(۱۱۸) [نيل الأوطار (۲۴۶/۴)]

1011- وَعَنْ زَيْدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْعَالِيَةَ مِنْ بَنِي غِفَارٍ، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ وَوَضَعَتْ ثِيَابَهَا، رَأَى بِكَشْحِهَا بَيَاضًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((الْبِسِي ثِيَابَكِ، وَالْحَقِي بِأَهْلِكِ)) وَأَمَرَ لَهَا بِالصَّدَاقِ - رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ جَمِيلُ بْنُ زَيْدٍ، وَهُوَ مَجْهُولٌ، وَاخْتُلِفَ عَلَيْهِ فِي شَيْخِهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا -

حضرت زید بن کعب بن عجرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو غفار کی عالیہ نامی عورت سے شادی کی، جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے اپنا لباس اتارا تو آپ ﷺ نے اس کے پہلو میں برص کی بیماری کے نشان دیکھے تو فرمایا "اپنے کپڑے پہن لے اور اپنے گھر چلی جا۔" نیز آپ ﷺ نے اسے مہر دینے کا بھی حکم ارشاد فرمایا۔[اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جمیل بن زید راوی مجہول ہے اور اس کے شیخ میں بھی کثیر اختلاف کیا گیا ہے۔]

لغوی توضیح كَشْحِهَا جسم کا وہ حصہ جو پہلو اور پسلی کے درمیان ہے۔ بَيَاضًا سفیدی، مراد ہے برص (پھلبہری) کی بیماری کی سفیدی۔ الْحَقِي بِأَهْلِكِ اپنے گھر چلی جا۔ یہ الفاظ طلاق کے لیے کنایہ ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر طلاق کی نیت ہو تو کنائے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

1012- وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا فَوَجَدَهَا بَرْصَاءَ، أَوْ مَجْنُونَةً، أَوْ مَجْذُومَةً، فَلَهَا الصَّدَاقُ بِمَسِيسِهِ إِيَّاهَا، وَهُوَ لَهُ عَلَى مَنْ غَرَّهُ مِنْهَا)) أَخْرَجَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمَالِكٌ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ -

سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو آدمی کسی عورت سے نکاح کرے، پھر اس سے ہم بستری کرے اور اس عورت کو برص، یا پاگل پن یا کوڑھ کی مریضہ پائے تو اسے چھونے کی وجہ سے اسے مہر ادا کرنا ہوگا اور مہر کی رقم اُس سے وصول کی جائے گی جس نے اسے دھوکہ دیا۔[اسے سعید بن منصور، مالک اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

1013- وَرَوَى سَعِيدٌ أَيْضًا عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ، وَزَادَ: ((أَوْ بِهَا قَرْنٌ، فَزَوْجُهَا بِالْخِيَارِ، فَإِنْ مَسَّهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا)) -

اور سعید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ اگر عورت کو قرن کی بیماری ہو تو اس کا شوہر خود مختار ہوگا۔ اگر مرد نے اس عورت سے ہم بستری کر لی ہو تو اس کی شرمگاہ کو حلال کرنے کی وجہ سے اسے مہر دینا ہوگا۔

1011- [**ضعیف**: إرواء الغليل (١٩١٢) أحمد (٤٩٣/٣) الكامل لابن عدى (٣٠٦) حاكم (٣٤/٤) السنن الكبرى للبيهقى (٢١٣/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1012- [**ضعیف**: سعيد بن منصور (٨١٨) موطا (٥٢٦/٢) ابن أبي شيبة (١٧٥/٤) دارقطنى (٢٦٦/٣) یہ حدیث منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔[التعليق على سبل السلام للشيخ صبحى حلاق (٩٤/٦)]]

1013- [**ضعیف**: سعيد بن منصور (٨٢٠) بيهقى (٢١٥/٧) شیخ صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (٩٥/٦)]]

1014-وَمِنْ طَرِيقِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَيْضًا قَالَ : ((قَضَى عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي الْعِنِّينِ أَنْ يُؤَجَّلَ سَنَةً)) وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

اور سعید بن مسیب کے واسطے سے ہی مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نامرد آدمی کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ اسے ایک سال ڈھیل دی جائے۔

لغوی توضیح بَرْصَاء وہ عورت جسے برص (یعنی پھلبھری) کی بیماری ہو۔ مَجْنُوْنَة جو عورت پاگل ہو۔ مَجْذُوْمَة جسے کوڑ کی بیماری ہو۔ مَسِيْس چھونا' یہ جماع وہم بستری سے کنایہ ہے۔ مَنْ غَرَّهُ جس نے اسے دھوکہ دیا۔ قَرَنٌ ایسی بیماری جس کی وجہ سے عورت کی شرمگاہ میں گوشت اُبھر آتا ہے اور وہ جماع کے قابل نہیں رہتی۔ الْعِنِّيْنَ نامرد' جس میں قوتِ جماع نہ ہو۔ يُؤَجَّلُ تاجیل سے ہے' اس کا معنی ہے ''تاخیر کرنا' ڈھیل دینا''۔

فهم الحديث مذکورہ بالا چاروں روایات چونکہ ضعیف ہیں اس لیے ان سے یہ ثابت کرنا درست نہیں کہ محض امراض وعیوب کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور وجوبِ مہر کے لیے صرف خلوت ہی کافی ہے' ہم بستری ضروری نہیں۔ جمہور علما کا کہنا ہے کہ ہر وہ عیب اور نقص جو میاں بیوی کے درمیان نفرت کا موجب ہو اور اس کی وجہ سے مقصد نکاح بھی حاصل نہ ہو سکے' یا وہ عیب جو وظیفۂ زوجیت میں دخل انداز ہو' فسخ نکاح اور اختیار کا سبب بن جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا ہے کہ خاوند بیوی کو کسی وجہ سے بھی رد نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے اختیار میں طلاق ہے اور بیوی صرف اس صورت میں شوہر کو رد کر سکتی ہے کہ اس کا آلۂ تناسل کٹا ہوا ہو یا اس قدر ڈھیلا ہو کہ قوتِ جماع نہ رکھتا ہو۔ امام ابن حزمؒ اور اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ کسی بھی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا۔ (۱۱۹) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ میاں بیوی میں سے جس میں بھی جذام' برص اور پاگل پن ظاہر ہو جائے تو دوسرا فسخ نکاح کا حق رکھتا ہے۔ (۱۲۰) امام ابن قیمؒ نے جمہور کے مؤقف کو ترجیح دی ہے۔ (۱۲۱) ہمارے علم کے مطابق راجح مؤقف یہ ہے کہ کسی عیب کی وجہ سے فسخ نکاح شریعت میں کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں البتہ طلاق اور خلع مشروع ہے لہٰذا اگر کوئی ایسا عیب ظاہر ہو جائے جس کی وجہ سے اکٹھے رہنا دشوار ہو تو مرد طلاق دے سکتا ہے اور عورت خلع لے سکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

باب عشرة النساء — عورتوں کے ساتھ رہن سہن کا بیان

1015-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ اللَّفْظُ لَهُ ' وَ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ ' لَكِنْ أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وہ ملعون ہے جس نے عورت سے اس کی دبر (پشت) میں جماع کیا''۔ [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ نسائی کے ہیں' اس کے راوی ثقہ ہیں البتہ اسے مرسل ہونے کے ساتھ معلول قرار دیا گیا ہے۔]

1014- [ضعيف : ابن أبي شيبة (۲۰۶/٤) شیخ صبحی حلاق نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۹٦/٦)]

1015- [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (۲۱٦۲) كتاب النكاح : باب في جامع النكاح ' نسائي في السنن الكبرى (۹۰۱۵) ابن ماجه (۱۹۲۳) احمد (۲۷۲/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(۱۱۹) [الأم (۸٤/٥) المبسوط (۹٥/٥) الخرشي (۲۳۸/۳) المغني (۱۱۲/۷) المحلى (۱۰۹/۱۰) نيل الأوطار (۲۳۹/٤)]

(۱۲۰) [فتاوى النساء (ص/۱۰۳)] (۱۲۱) [زاد المعاد (۱۸۰/٥)]

1016- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ ، وَ أُعِلَّ بِالْوَقْفِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جس نے کسی مرد سے یا عورت کی پشت میں جماع کیا۔" [اسے ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اسے موقوف ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔]

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی پشت میں جماع کرنا اور مرد سے قوم لوط کا عمل کرنا حرام ہے۔ جمہور علماء (۱۲۲)، امام ابن حزمؒ (۱۲۳)، شیخ عبد اللہ بسامؒ (۱۲٤)، شیخ عبد العزیز بن بازؒ (۱۲۵) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۱۲٦) نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ عورتوں کی پشت میں جماع کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ لعنت کسی کبیرہ گناہ پر ہی ہوتی ہے۔ تاہم اہل علم نے اس بات پر بھی اتفاقِ رائے کا اظہار کیا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کی پشت کی جانب سے یا کسی بھی طریقے سے صرف اس کی قبل (یعنی پیشاب کی جگہ) میں جماع کر سکتا ہے۔ (۱۲۷)

1017- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ ، وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا ، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ، وَلِمُسْلِمٍ : ((فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ ، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا)) ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے اور عورتوں کے بارے میں خیر و بھلائی کی وصیت قبول کرو۔ بلاشبہ انہیں پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کا اوپر والا حصہ ہوتا ہے، پس اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی' لہٰذا عورتوں کے بارے میں خیر و بھلائی کی وصیت قبول کرو۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور مسلم میں ہے کہ] "اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اس کے ٹیڑھ پن سمیت ہی اس سے فائدہ اٹھاؤ گے اور اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے اور اسے توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔"

1016- [حسن : صحیح ترمذی ' ترمذی (۱۱٦۵) کتاب الرضاع : باب ما جاء فی کراهية إتيان النساء في أدبارهن ' نسائی فی السنن الکبری (۹۰۰۱) ابن حبان (٤۲۰۳) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1017- [بخاری (۵۱۸۵-۵۱۸٦) کتاب النکاح : باب الوصاة بالنساء ' مسلم (۱٤٦۸) نسائی فی السنن الکبری (۹۱٤۰) ابن حبان (٤۱۷۹) بیهقی (۲۹۵/۷)]

(۱۲۲) [نیل الأوطار (۲۹۰/٤)]
(۱۲۳) [المحلى بالآثار (۲۲۰/۹)]
(۱۲٤) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۳٤۸/۵)]
(۱۲۵) [فتاوی ابن باز ' مترجم (۱۸۱/۱)]
(۱۲٦) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۷٦/۱۹)]
(۱۲۷) [تفسیر قرطبی (۹۱/۳)]

لغوی توضیح اسْتَوْصُوا وصیت قبول کرو۔ ضِلَع پسلی۔ أَعْوَجُ شَیْءٍ سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ۔ أَعْلَاهُ اس کا اوپر والا حصہ۔ تُقِیْمُه تو اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا۔ کَسَرْتَهُ تو اسے توڑ دے گا۔ مراد یہ ہے کہ عورت میں فطری طور پر ہی ٹیڑھ پن ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا' اس لیے اسے بعینہ ویسا بنانے کی کوشش کرنا جیسا انسان کا ذہن ہے' درست نہیں۔ بلکہ اس کے ٹیڑھ پن کے ساتھ ہی اس سے فائدہ اٹھانا ہو گا' اس کی خامیوں اور کوتاہیوں کو درگزر کر کے اور اس کی طرف سے ناروا سلوک کو برداشت کر کے۔

فهم الحديث اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور ان کی ناگوار عادات وکمزوریوں سے چشم پوشی اور درگزر کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہنا چاہیے ''مومنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھا ہے اور تم میں بہترین شخص وہ ہے جو تم میں سے اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔'' (۱۲۸) اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی قابل ذکر ہے ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنی بیوی کے لیے سب سے بہتر ہے اور میں تم میں اپنی بیوی کے لیے سب سے بہتر ہوں۔'' (۱۲۹)

1018- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزْوَةٍ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ، فَقَالَ: ((أَمْهِلُوا حَتّٰى تَدْخُلُوا لَيْلًا - يَعْنِي عِشَاءً - لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلًا)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے' جب ہم مدینہ (واپس) پہنچ کر اپنے گھروں میں جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ٹھہر جاؤ' رات کے وقت یعنی عشاء کے قریب داخل ہونا تاکہ بکھرے بالوں والیاں کنگھی کر لیں اور جن کے شوہر موجود نہیں تھے وہ اپنے (زیر ناف اور بغلوں وغیرہ کے) بال مونڈ لیں۔'' [بخاری، مسلم۔ اور بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ] ''تم میں سے کوئی جب لمبی مدت کے بعد واپس آئے تو اچانک رات کے وقت گھر میں داخل نہ ہو۔''

لغوی توضیح أَمْهِلُوا ٹھہر جاؤ' کچھ انتظار کر لو' جلدی نہ کرو۔ تَمْتَشِطَ کنگھی کر لے۔ الشَّعِثَةُ جس عورت کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں۔ تَسْتَحِدَّ لوہے کا آلہ استعمال کرنا یعنی زیر ناف بال صاف کرنا۔ الْمُغِيبَةُ جس کا شوہر گھر میں نہ ہو' سفر وغیرہ پر گیا ہو۔ فَلَا يَطْرُقْ فعل نہی کا صیغہ ہے' معنی ہے رات کو سفر سے واپس نہ آئے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کو سفر سے واپسی یا لمبے عرصے کے بعد واپس آنے کی صورت میں پہلے گھروں میں اطلاع کر دینی چاہیے تاکہ خواتین خاوندوں کے آنے سے پہلے بن سنور کر تیار ہو جائیں اور ان کے لیے خوشی و

1018- [بخاری (٥٢٤٤ـ٥٢٤٥) كتاب النكاح: باب لا يطرق أهله ليلا إذا أطال الغيبة' مسلم (٧١٥) ابو داود (٢٧٧٨) ترمذی (٢٧١٢) احمد (٣٠٢/٣) دارمی (٢٢١٦) ابن حبان (٢٧١٤) بيهقی (٢٦٠/٥)]

(١٢٨) [صحيح: الصحيحة (٢٨٥) صحيح الجامع الصغير (٣٢٦٥) ابو داود (٤٦٨٢) كتاب السنة: باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه' ترمذی (١١٦٢) أحمد (٢٥٠/٢) ابن حبان (٤١٧٦)]

(١٢٩) [صحيح: الصحيحة (٢٨٥) صحيح الجامع (٣٣١٤) ترمذی (٣٨٩٥) كتاب المناقب: باب فضل أزواج النبي' دارمی (١٥٩/٢)]

آرام کا باعث بنیں۔ عصرِ حاضر میں یہ اطلاع ڈاک' فون یا ای میل وغیرہ کے ذریعے بآسانی پہنچائی جا سکتی ہے۔ اس میں حکمت کا پہلو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن عورتوں کے شوہر سفر پر ہوتے ہیں وہ گھروں میں عموماً پراگندہ ہی ہوتی ہیں' ایسی حالت میں نہ تو وہ چاہتی ہیں کہ ان کے شوہر انہیں دیکھیں اور نہ ہی شوہر کے لیے انہیں اچانک ایک لمبے عرصے کے بعد یوں دیکھنا مناسب ہے کیونکہ ممکن ہے انہیں اس حال میں دیکھ کر ان کے دل میں نفرت پیدا ہو جائے' اس لیے لمبے سفر سے واپسی پر اچانک گھروں میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے اور واپسی سے پہلے اطلاع دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

1019-وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقام و مرتبے کے لحاظ سے سب سے بدترین شخص وہ ہوگا جو بیوی سے جماع کرتا ہے اور وہ اس سے ہم بستری کرتی ہے پھر وہ شخص اس عورت (یعنی اپنی بیوی) کا راز (لوگوں میں ازراہِ تفنن یا عمداً) پھیلاتا ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے۔ تُفْضِي إِلَيْهِ عورت مرد سے جماع کرتی ہے۔ يَنْشُرُ سِرَّهَا عورت کی راز اور تنہائی کی باتیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ أَشَرّ سب سے برا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مباشرت کے وقت ہونے والے حالات و واقعات لوگوں کے سامنے بیان کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں بلکہ خلافِ مروّۃ فعل ہے لہٰذا اس سے خاموشی ہی بہتر ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔''(۱۳۰) شیخ صالح بن فوزان نے فرمایا ہے کہ دورانِ جماع پیش آنے والی کیفیت کی خبر دینا میاں بیوی دونوں پر حرام ہے۔(۱۳۱)

1020-وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا حَقُّ زَوْجِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: ((تُطْعِمُهَا إِذَا أَكَلْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي

حضرت حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ہمارے ایک کی بیوی کا اس کے ذمہ کیا حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تو خود کھائے تو اسے بھی کھلائے' جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے' چہرے پر نہ مارے' گالی نہ دے' (کبھی الگ کرنا ہو تو) اپنے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ الگ

1019- [مسلم (۱٤۳۷) كتاب النكاح : باب تحريم إفشاء سر المرأة' ابو داود (٤٨٧٠) احمد (٦٩/٣)]

1020- [حسن صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۲۱٤۲-۲۱٤٤) كتاب النكاح : باب فى حق المرأة على زوجها' نسائى فى السنن الكبرى (۹۱۷۱) ابن ماجه (۱۸۵۰) احمد (٤٤٧/٤) ابن حبان (٤١٧٥) حاكم (١٨٧/٢) بيهقى (۳۰۵/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳۰) [بخارى (٦٠١٩) كتاب الأدب : باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره' مسلم (٤٨) كتاب الايمان : باب الحث على اكرام الجار والضيف ولزوم الصمت]

(۱۳۱) [الملخص الفقهى (۲۹۳/۲)]

الْبَيْتِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ، وَعَلَّقَ الْبُخَارِيُّ بَعْضَهُ، وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

نہ کرے۔" [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' بخاری نے اس کا کچھ حصہ معلق بیان کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث میں شوہر کے ذمہ بیوی کے چند حقوق کا ذکر ہے۔ شوہر پر بیوی کا یہ حق ہے کہ وہ اسے مناسب نان ونفقہ' گھریلو اخراجات (خواہ وہ بیوی سے متعلقہ ہوں یا اولاد سے) اور حسب ضرورت لباس مہیا کرے۔ یہ حق قرآن میں یوں مذکور ہے "بچوں کی ماں کا رزق اور کپڑے معروف طریقے کے ساتھ والد کے ذمہ ہیں۔"(۱۳۲) یاد رہے کہ اگر شوہر بیوی بچوں کا خرچہ نہ دیتا ہو یا دیتا ہو تو ضرورت کے مطابق نہ دیتا ہو تو بیوی بغیر اجازت بھی شوہر کے مال سے بقدر کفایت لے سکتی ہے' جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی آئندہ حدیث نمبر 1143 میں واضح طور پر موجود ہے۔ شوہر کو چاہیے کہ حتی الامکان بیوی کو مارنے سے اجتناب کرے' لیکن اگر کبھی تادیباً مارنے کی نوبت آجائے تو پھر ہلکی مار مارے جس سے زخم نہ آئے اور چہرے پر مارنے سے بچے اس لیے کہ چہرہ انسانی جسم میں سب سے زیادہ قابل تکریم اور نازک اعضاء پر مشتمل ہے۔ بیوی کو برا بھلا کہنا اور اسے گالی گلوچ کرنا بھی حسن معاشرت کے منافی اُمور میں سے ہے۔ اسی طرح اگر عورت کو سرزنش کی غرض سے اکیلا چھوڑنا پڑے (یعنی قطع تعلق ہونا پڑے) تو پھر اسے گھر میں ہی چھوڑے' نہ خود گھر چھوڑ کر کہیں جائے اور نہ ہی عورت کو کہیں بھیجے۔

1021- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ: إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ [البقرة: ۲۲۳])) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب آدمی اپنے بیوی سے اس کی پشت کی جانب سے اس کی قبل (یعنی پیشاب کی جگہ) میں جماع کرتا ہے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے تو (ان کی تردید میں) یہ آیت نازل ہوئی "تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتی ہیں لہٰذا تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مرد اپنی بیوی کے پاس آئے' مراد ہے جماع کرے۔ مِنْ دُبُرِهَا یعنی عورت کی پشت کی جانب سے (پشت میں نہیں) فِي قُبُلِهَا یعنی عورت کی شرمگاہ میں۔ أَحْوَلُ بھینگا۔ حَرْثٌ کھیتی۔ عورتوں کو کھیتی سے مشابہت اس لیے دی کیونکہ ان کے رحموں میں بھی بیج کی مانند نطفے ڈال کر پیداوار کی مانند اولاد طلب کی جاتی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث میں یہودیوں کے اس گمان کی تردید ہے کہ اگر عورت کے ساتھ اس کی پشت کی جانب سے شرمگاہ میں ہم بستری کی جائے گی تو بچہ بھینگا پیدا ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرد جیسے چاہے عورت سے ہم بستری کر سکتا ہے خواہ لیٹ کر' بیٹھ کر' پہلو کے بل' آگے سے' پیچھے سے اور جیسے بھی چاہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ دخول کا مقام صرف عورت کی شرمگاہ ہی ہو پشت نہ ہو کیونکہ پشت میں جماع کو حرام قرار دیا گیا ہے اور پشت پیداوار کا مقام بھی نہیں بلکہ پیداوار کا مقام صرف شرمگاہ ہی ہے۔

1021- [بخاری (٤٥٢٨) کتاب تفسیر القرآن: باب نساؤکم حرث لکم' مسلم (١٤٣٥) ابو داود (٢١٦٣) ترمذی (٢٩٧٨) ابن ماجه (١٩٢٥) دارمی (٢٢١٤) ابن حبان (٤١٦٦) بیهقی (١٩٤/٧)]

(۱۳۲) [البقرة: ۲۳۳]

1022-وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ أَبَدًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرتے وقت یہ دعا پڑھے ''اللہ کے نام کے ساتھ' اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور اس اولاد کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ جو تو ہمیں عطا کرے۔'' تو یقیناً اس جماع سے ان کے مقدر میں اولاد ہو گی تو شیطان اسے کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَهْل کا لفظ أَهْلُوْن کی واحد ہے' اس کا معنی ہے گھر والے' مراد ہے بیوی۔ جَنِّبْنَا فعل امر کا صیغہ ہے باب جَنَّبَ يُجَنِّبُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''بچانا''۔ مَا رَزَقْتَنَا جو تو ہمیں عطا کرے' یہاں مراد ہے اس جماع سے جو تو ہمیں اولاد عطا فرمائے۔ لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ اسے شیطان نقصان نہیں پہنچائے گا' اس نقصان میں دینی اور جسمانی ہر طرح کا نقصان شامل ہے۔

فهم الحديث اس حدیث میں آدابِ جماع میں سے ایک اہم ادب سکھایا گیا ہے کہ جب بھی کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستری کا ارادہ کرے تو مذکورہ بالا دعا پڑھ لے' اس سے وہ اپنے ازلی دشمن شیطان سے محفوظ ہو جائے گا۔ لہٰذا اس دعا کی پابندی کرنی چاہیے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ دعا مستحب ہے واجب نہیں' اس لیے اگر کوئی یہ دعا پڑھنا بھول جائے تو وہ گناہگار تو نہیں ہوگا لیکن یہ بہرحال آدابِ جماع کے خلاف ضرور ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اللہ کے ذکر سے ہی بھاگتا ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنے تمام اوقات میں زیادہ سے زیادہ ذکرِ الٰہی کی کوشش کرے تاکہ ہر وقت شیطان سے محفوظ رہ سکے۔

1023-وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ، فَبَاتَ غَضْبَانَ، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، وَلِمُسْلِمٍ: ((كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا))۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جب شوہر اپنی بیوی کو (جماع کے لیے) بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس (بیوی) پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور مسلم میں ہے کہ] ''جو آسمان میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اس عورت سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک خاوند اس سے راضی نہ ہو جائے۔''

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان فراہم کرے' وہ جب بھی اسے ہم بستری کے لیے بلائے وہ انکار نہ کرے حتی کہ ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ تنور پر ہو تب بھی شوہر کے بلانے پر بلا تاخیر آ جائے۔ (۱۳۳) لیکن یہ یاد رہے کہ شوہر کو بھی اپنی بیوی کی صحت اور خواہش کا لحاظ رکھنا

1022- [بخاری (۱۴۱-۵۱۶۵) کتاب الوضوء: باب التسمية على كل حال وعند الوقاع' مسلم (۱۴۳۴) ابو داود (۲۱۶۱) ترمذی (۱۰۹۲) ابن ماجه (۱۹۱۹) دارمی (۲۲۱۲)]

1023- [بخاری (۵۱۹۳) کتاب النکاح: باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها' مسلم (۱۴۳۶) ابو داود (۲۱۴۱) احمد (۴۳۹/۲)]

(۱۳۳) [صحيح: هداية الرواة (۳۱۹۳)' (۳۰۱/۳) الصحيحة (۱۲۰۲) ترمذی (۱۱۶۰) کتاب الرضاع: باب ما جاء في حق الزوج على المرأة' نسائی في السنن الكبرى (۸۹۷۱) أحمد (۲۲/۴)]

چاہیے۔ شیخ ابن عثیمینؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بلائے تو بیوی پر اس کی تعمیل ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ کسی نفسیاتی یا جسمانی بیماری کی وجہ سے اس مطالبے کی تعمیل کرنے سے قاصر ہو تو اس حالت میں خاوند کے لیے ایسا مطالبہ کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تکلیف اٹھانا اور کسی کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔'' لہٰذا اسے توقف کرنا چاہیے' یا کسی غیر مضر طریقے سے اپنی خواہش پوری کرنی چاہیے۔(١٣٤)

1024-وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سر میں مصنوعی بال لگانے والی' بال لگوانے والی' سرمہ بھرنے والی اور بھروانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْوَاصِلَة بالوں کے ساتھ دوسروں کے بال ملانے یا جوڑنے والی' خواہ اپنے بالوں کے ساتھ ایسا کرے یا کسی دوسرے کے ساتھ۔ اَلْمُسْتَوْصِلَة وہ عورت جو بال جڑوانے کی خواہشمند ہو۔ اَلْوَاشِمَة جسم میں خوبصورتی کی غرض سے سرمہ بھرنے والی عورت۔ اَلْمُسْتَوْشِمَة وہ عورت جو سرمہ بھروانے کی خواہشمند ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے اس بات پر ڈھانٹا ہے کہ عورت اپنے سر کے ساتھ کچھ بھی ملائے۔''(١٣٥) اس روایت سے تو بظاہر سر کے بالوں کے ساتھ کچھ بھی ملانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے خواہ وہ بال ہوں یا دھاگہ وغیرہ لیکن بعض محققین نے بالوں کے علاوہ اُون وغیرہ کا پراندہ باندھنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس کا رنگ بالوں کے رنگ جیسا نہ ہو۔(١٣٦)

1025-وَ عَنْ جُذَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي أُنَاسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: ((لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ، فَلَا يَضُرُّ ذٰلِكَ أَوْلَادَهُمْ شَيْئًا)) ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی' اس وقت آپ ﷺ لوگوں میں بیٹھے یہ فرما رہے تھے کہ ''میں نے غیلہ (دودھ پلانے کی مدت کے دوران ہم بستری کرنے) سے منع کرنے کا ارادہ کیا لیکن جلد ہی میری نظر روم و فارس پر پڑی جو غیلہ کرتے ہیں اور یہ غیلہ ان کی اولاد کو کچھ بھی نقصان نہیں دیتا (اس لیے میں اس سے منع کرنے سے رک گیا)۔'' پھر لوگوں نے آپ ﷺ سے عزل کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

1024- [بخاری (٥٩٤٠-٥٩٤٧) كتاب اللباس: باب الموصولة' مسلم (٢١٢٤) ابو داود (٤١٦٨) ترمذی (١٧٥٩) نسائی (١٤٥/٨) ابن ماجه (١٩٨٧) احمد (٢١/٢)]

1025- [مسلم (١٤٤٢) كتاب النكاح: باب جواز الغيلة وهي وطء المرضع و كراهة العزل' ابو داود (٣٨٨٢) ترمذی (٢٠٧٦) نسائی (١٠٦/٦) ابن ماجه (٢٠١١) احمد (٣٦١/٦) مالك (٦٠٧/٢) ابن حبان (٤١٩٦) بيهقی (٣٦٥/٧)]

(١٣٤) [فتاوی برائے خواتین (ص/ ٢١٦)]

(١٣٥) [مسلم (٢١٢٦) كتاب اللباس والزينة: باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة' احمد (١٤١٥٧) ابن حبان (٥٥١٥) بيهقی (٤٢٦/٢)]

(١٣٦) [كما فی اتحاف الكرام شرح بلوغ المرام (٦٧١/٢)]

لغوی توضیح هَمَمْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب هَمَّ يَهُمُّ (بروزن نصر) سے'اس کا معنی ہے''ارادہ کرنا''۔الْغِيْلَة سے مراد ہے مرد کا اپنی عورت سے اس حالت میں ہم بستری کرنا کہ جب وہ حاملہ ہو یا بچے کو دودھ پلانے والی ہو'اس مدت کے دوران اہل عرب اپنی عورت سے ہم بستری کرنا ناپسند کرتے تھے' لیکن نبی کریم ﷺ نے روم وفارس کے لوگوں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ اس سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو اس عمل سے منع نہیں فرمایا۔الْعَزْلُ مصدر ہے باب عَزَلَ يَعْزِلُ (بروزن ضرب) سے'اس کا معنی ہے''جدا کر دینا''۔اصطلاحاً عزل یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرے اور جب انزال ہونے لگے تو آلۂ تناسل کو عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال کر انزال کر دے۔ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ یہ مخفی زندہ درگور کرنا ہے' یعنی چونکہ جس نطفہ کو ضائع کیا جا رہا ہے اس سے ایک نفس کے وجود میں آنے کا امکان تھا اور اسے وجود میں آنے سے پہلے ہی ضائع کر دیا گیا' اس لیے اسے زندہ درگور کرنے سے مشابہت دی گئی ہے۔یہ حقیقی زندہ درگور اس لیے نہیں کیونکہ اس میں کسی حقیقی جان کو تلف نہیں کیا جاتا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ حمل اور دودھ پلانے کی مدت کے دوران اپنی بیوی سے ہم بستری کرنا جائز ہے۔سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دورانِ حمل ولادت تک شوہر کے لیے اپنی بیوی سے ہم بستری کرنا جائز ہے' ایسا کرنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اصل میں یہ عمل اس کے لیے حلال ہے۔(۱۳۷) ایک دوسرے فتوے میں یوں ہے کہ حاملہ عورت سے جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک اس سے حمل کو کوئی نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔(۱۳۸) شیخ ابن عثیمین ؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی حاملہ بیوی سے جب چاہے ہم بستری کرے' ہاں اگر ہم بستری کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچتی ہو تو پھر اس پر حرام ہے کہ کوئی بھی ایسا کام کرے جس سے بیوی کو تکلیف ہو اور اگر (ہم بستری سے) اسے تکلیف نہ پہنچتی ہو بلکہ محض کچھ مشقت محسوس ہوتی ہو تو بھی زیادہ بہتر یہی ہے کہ اس سے ہم بستری نہ کی جائے کیونکہ ہر اس کام سے اجتناب کرنا جو عورت کے لیے باعث مشقت ہو حسن معاشرت کا حصہ ہے۔(۱۳۹) علاوہ ازیں اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عزل کرنا ناپسندیدہ فعل ہے کیونکہ اسے زندہ درگور کرنے سے مشابہت دی گئی ہے' لیکن یہ عمل حرام نہیں کیونکہ یہ حقیقی زندہ درگور کرنا نہیں۔

1026-وَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ' إِنَّ لِي جَارِيَةً ' وَأَنَا أَعْزِلُ عَنْهَا ' وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ ' وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرِّجَالُ ' وَإِنَّ الْيَهُودَ تُحَدِّثُ : أَنَّ الْعَزْلَ مَوْؤُودَةُ الصُّغْرَى ' قَالَ : ((كَذَبَتِ الْيَهُودُ ' لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ ' وَ اللَّفْظُ لَهُ ' وَ النَّسَائِيُّ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میری ایک لونڈی ہے اور میں اس سے عزل کرتا ہوں' میں بھی وہی چاہتا ہوں جو مرد چاہتے ہیں۔یہودی کہتے ہیں کہ عزل چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا'' یہود نے جھوٹ کہا ہے' اگر اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہے تو اسے تو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔'' [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور طحاوی نے روایت کیا ہے' یہ ابوداود کے لفظ ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

1026- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۲۱۷۱) كتاب النكاح : باب ما جاء في العزل' نسائي في السنن الكبرى (۹۰۷۹) احمد (۳۳/۳) طحاوي (۳۵/۳) بيهقي (۲۳۹/۷۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳۷) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۸۱/۱۹)]

(۱۳۸) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۳۰۳/۱۹)]

(۱۳۹) [فتاوى منار الاسلام (۵۵۱/۲)]

لغوی توضیح اَلْمَوْؤُدَةُ الصُّغْرٰی چھوٹا زندہ درگور کرنا۔ كَذَبَتِ الْيَهُوْدُ یہود نے جھوٹ کہا ہے۔ جس چیز میں نبی کریم ﷺ نے یہود کو جھوٹا قرار دیا وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ عزل کی صورت میں حمل کا تصور ہی نہیں' (حقیقت یہ ہے کہ) عزل حمل کو نہیں روک سکتا جبکہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہیں اور اگر اس کا ارادہ ہی تخلیق کا نہ ہو تو فی الحقیقت وہ زندہ درگور کرنا ہی نہیں' جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے۔(١٤٠)

1027-وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ' وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ ' وَلَوْ كَانَ شَيْئًا يُنْهٰى عَنْهُ لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْآنُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَلِمُسْلِمٍ: ((فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ)).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عہد رسالت میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا' اگر کوئی چیز قابل ممانعت ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے منع کر دیتا۔[بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں ہے کہ] یہ بات اللہ کے نبی ﷺ کو پہنچی لیکن آپ ﷺ نے اس سے ہمیں منع نہیں فرمایا۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عزل حرام نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا' بلکہ مکروہ ہے کیونکہ اسے زندہ درگور کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے عزل کو جائز قرار دیا ہے جبکہ امام احمدؒ نے اسے حرام کہا ہے الا کہ بیوی اس کی اجازت دے دے تو پھر درست ہے۔(١٤١) امام ابن حزمؒ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔(١٤٢) امام ابن عبد البرؒ نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ آزاد بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے عزل نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ دعویٰ اس بنا پر درست نہیں کیونکہ شافعیہ کے ہاں مطلقاً عزل کا جواز معروف ہے۔(١٤٣)

❑ یہاں یہ بات یاد رہے کہ عزل پر قیاس کرتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کو جائز قرار دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ عزل میں بچہ پیدا کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے جبکہ خاندانی منصوبہ بندی میں یہ اختیار ختم کر دیا جاتا ہے اور رگ تولید کو ہی آپریشن کے ذریعے کاٹ کر قطع کر دیا جاتا ہے' نیز عزل کرنے سے زوجین میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا جبکہ رگ تولید کاٹ دینے سے عورت کے مختلف قسم کے مہلک امراض میں مبتلا ہو جانے کا یقینی اندیشہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن بازؒ (١٤٤) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ بلا ضرورت محض کم بچے اور خوشحال گھرانہ کے اصول پر عمل کے لیے خاندانی منصوبہ بندی حرام ہے۔(١٤٥)

1028-وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ)) أَخْرَجَاهُ ' وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک ہی غسل کے ساتھ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس چلے جایا کرتے تھے۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

1027- [بخاری (٥٢٠٧-٥٢٠٨) كتاب النكاح : باب العزل ' مسلم (١٤٤٠) ترمذی (١١٣٧) نسائی فی السنن الكبری (٩٠٩٣) احمد (٣٧٧/٣) بیهقی (٢٢٨/٧)]

1028- [بخاری (٢٨٤) كتاب الغسل : باب الجنب يخرج ويمشی فی السوق وغيره ' مسلم (٣٠٩) ابو داود (٢١٨) ترمذی (١٤٠) نسائی (١٤٣/١) ابن ماجه (٥٨٨-٥٨٩) احمد (٩٩/٣) ابن حبان (١٢٠٧)]

(١٤٠) [زاد المعاد (١٤٥/٥)]
(١٤١) [كما فی توضيح الأحكام (٣٨٢/٥)]
(١٤٢) [المحلی (٧٠/١٠-٧١)]
(١٤٣) [فتح الباری (٣٨٥/١٠)]
(١٤٤) [فتاوی برائے خواتين (ص / ١٦٨)]
(١٤٥) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٢٩٩/١٩)]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم بستری کے فوراً بعد غسل واجب نہیں' بلکہ غسل کیے بغیر انسان اپنی دوسری بیوی کے ساتھ بھی ہم بستری کر سکتا ہے' البتہ دوسری مرتبہ ہم بستری سے پہلے وضوء کو زیادہ باعث نشاط قرار دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ میں مردانگی قوت عام آدمیوں سے زیادہ تھی' یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی نو بیویوں کے پاس ایک ہی رات چلے جاتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔ (١٤٦) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اپنی بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم واجب نہیں تھی' اگر واجب ہوتی تو آپ ﷺ ایک رات صرف ایک کے پاس ہی گزارتے۔ جمہور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ پر بھی تقسیم واجب تھی' انہوں نے اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں سے اجازت لے کر ایسا کرتے تھے۔ (١٤٧)

باب الصداق — مہر کا بیان

1029-عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ((أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔ [بخاری، مسلم۔]

لغوی توضیح الصَّدَاق حق مہر کو کہتے ہیں' اس سے مراد وہ ہدیہ وتحفہ ہے جو شادی کے موقع پر شوہر اپنی منکوحہ کو نقدی رقم یا کسی بھی مال ومتاع کی صورت میں حسب توفیق ادا کرتا ہے۔ اس کی ادائیگی شوہر پر واجب ہے۔ البتہ اسے اتنی اجازت ہے کہ اگر فوری طور پر ادا نہیں کر سکتا تو کچھ دیر تک ادا کر دے۔ لیکن اگر عورت حق مہر کا کچھ حصہ یا مکمل حق مہر اسے معاف ہی کر دے تو یہ بھی جائز ودرست ہے۔ (١٤٨) وجوب مہر کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ [النساء : ٤] ''عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی ادا کرو۔'' اسی طرح یہ فرمان بھی اس کی دلیل ہے ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ﴾ [النساء : ٢٤] ''جن عورتوں سے تم (شرعی نکاح کے بعد) فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقررہ مہر ادا کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی تمام بیویوں اور بیٹیوں کو مہر دیا تھا۔ (١٤٩) امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ حق مہر کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (١٥٠) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ عقدِ نکاح میں شوہر پر مہر واجب ہے۔ (١٥١)

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی نفع بخش چیز کو مہر مقرر کیا جا سکتا ہے خواہ اس میں دینی نفع ہو (جیسا کہ تعلیم القرآن کو مہر بنانے کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزرا ہے) یا دنیاوی (جیسا کہ آزادی دنیاوی نفع ہے)۔ امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ اور امام حسنؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ منافع کو مہر مقرر کرنا آزاد کے لیے ناجائز اور غلام کے لیے جائز ہے۔ امام ابن العربیؒ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ تعلیم (اور دیگر منافع) وغیرہ کو مہر مقرر کرنا جائز ہے۔ امام شوکانیؒ

1029- [بخاری (٥٠٨٦) كتاب النكاح : باب من جعل عتق الأمة صداقها ' مسلم (١٣٦٥) ابو داود (٢٠٥٤) ترمذی (١١١٥) نسائی (١١٤/٦) ابن ماجه (١٩٥٧) احمد (١٨١/٣) دارمی (٢٢٤٢) بیهقی (١٢٨/٧)]

(١٤٦) [بخاری (٧٥/١)] (١٤٧) [سبل السلام (٣٦٣/٣)]

(١٤٨) [تفصیل کے لیے دیکھئے: حاشية الدسوقی (٢٩٣/٢) كشاف القناع (١٢٨/٥) حاشية ابن عابدين (٣٢٩/٢)]

(١٤٩) [المغنی لابن قدامة (٩٨/١٠)] (١٥٠) [أيضا]

(١٥١) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٣٤/١٩)]

نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔(۱۵۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نقدی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی مہر مقرر کی جا سکتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آزادی کو بھی مہر بنایا جا سکتا ہے۔ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ تو اسی کے قائل ہیں جبکہ جمہور نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔(۱۵۳) پہلا موقف ہی راجح ہے۔

1030- وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ: ((كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا' قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا' قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَّةٍ' فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ' فَهٰذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِأَزْوَاجِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا' رسول اللہ ﷺ (کی بیویوں) کا مہر کتنا تھا؟ انہوں نے فرمایا' آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ پھر انہوں نے دریافت کیا' تمہیں معلوم ہے نش کیا ہے؟ میں نے عرض کیا' نہیں۔ انہوں نے فرمایا' نصف اوقیہ۔ تو یہ پانچ سو درہم ہوئے۔ یہ تھا رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا حق مہر۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أُوقِيَة چالیس درہم کو کہتے ہیں۔ النَّش نصف اوقیہ یعنی بیس درہم۔

فہم الحدیث اس حدیث سے بھی مہر کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حق مہر کی مقدار بھی معلوم ہوتی ہے۔ آپ ﷺ امت کے لیے ہر عمل میں قدوہ ہیں اس لیے اس معاملے میں بھی آپ کے اسوہ پر عمل کی کوشش کرنی چاہیے۔

1031- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ' قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَعْطِهَا شَيْئًا)) قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ' قَالَ: ((أَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ' وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت علی ؓ نے حضرت فاطمہ ؓ سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"اسے کچھ دو۔" انہوں نے عرض کیا' میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا"تیری حطمی زرہ کہاں ہے؟"۔[اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ جب حضرت علی ؓ نے حضرت فاطمہ ؓ سے نکاح کیا۔ یہ شادی دو ہجری میں ہوئی۔ الْحُطَمِيَّة حطمہ قبیلہ کی طرف منسوب ہے' یہ لوگ زرہیں بنایا کرتے تھے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں ادائیگی مہر ضروری ہے' کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو مہر کی ادائیگی کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی معمولی چیز بھی مہر کے لیے مقرر کی جا سکتی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت

1030- [مسلم (١٤٢٦) كتاب النكاح: باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن' ابو داود (٢١٠٥) نسائی (١١٦/٦) ابن ماجه (١٨٨٦) احمد (٩٣/٦)]

1031- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٢١٢٥) كتاب النكاح: باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها شيئا' نسائی (١٣٠/٦) ابن حبان (٦٩٤٥) اس روایت کو امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

(١٥٢) [نيل الأوطار (٢٥٥/٤)] (١٥٣) [كما في توضيح الأحكام (٣٩٦/٥)]

علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسے کچھ بھی دے دو اور جب نبی کریم ﷺ کی بیٹی کے مہر کی یہ صورت ہے تو کوئی اور بہت قیمتی مہر کی مستحق کیسے ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سسر بھی مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے' لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ مطالبہ اسی چیز کا کرنا درست ہے جو موجود ہو' جو چیز موجود نہ ہو اور لڑکے کے بس میں نہ ہو اس کا مطالبہ درست نہیں۔

1032- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ عَلَى صَدَاقٍ، أَوْ حِبَاءٍ، أَوْ عِدَةٍ قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لَهَا، وَمَا كَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ، وَأَحَقُّ مَا أُكْرِمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ ابْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی عورت مہر' عطیہ یا نکاح سے پہلے کسی وعدے پر نکاح کرے تو وہ اسی کا ہے اور جو کچھ نکاح کے بعد دیا جائے تو وہ اسی کا ہے جسے دیا گیا اور سب سے زیادہ حق جس کے باعث آدمی کی تکریم کی جائے' اس کی بیٹی اور بہن ہے۔" [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح حِبَاء عطیہ و تحفہ' مراد ہے جو چیز عورت کو مہر کے علاوہ اضافی طور پر دی جائے۔ عِدَة وعدہ' مراد وہ وعدہ ہے جو شوہر اپنی بیوی سے کرے۔ عِصْمَةُ النِّكَاحِ سے مراد عقدِ نکاح ہے۔ فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ پس وہ عطیہ اسی کا ہے جسے دیا گیا' یعنی اگر والد یا بھائی کو نکاح کے بعد کچھ دیا جائے تو وہ اسی کا ہے۔ أَحَقُّ مَا أُكْرِمَ سب سے زیادہ حق جس کے باعث آدمی کی عزت کی جائے' اس سے مراد یہ ہے کہ نکاح کے وقت لڑکی کے والد اور بھائی کو بھی عزت افزائی کی غرض سے کچھ نہ کچھ عطیہ دینا چاہیے۔

فھم الحدیث اس روایت سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر لڑکے نے نکاح سے پہلے لڑکی کے والد یا بھائی وغیرہ کو کچھ دیا ہو یا کچھ دینے کا وعدہ کیا ہو تو وہ صرف لڑکی کا ہی ہوگا اور اگر نکاح کے بعد کچھ دے تو وہ جسے دے گا وہ اسی کا ہوگا یعنی اگر والد کو دے تو والد کا اور اگر بھائی کو دے تو بھائی کا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر قابل اعتبار نہیں اس لیے ایفائے عہد اور ہبہ و عطیہ کے عمومی دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز جسے دی جائے وہ اسی کی ہوگی خواہ نکاح سے پہلے دی جائے یا بعد میں۔ (واللہ اعلم) البتہ مہر کی مستحق صرف لڑکی کی ہے کوئی اور نہیں۔

1033- وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: ((لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا،

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسے آدمی کے متعلق دریافت کیا گیا جس نے کسی عورت سے شادی کی اور حق مہر مقرر نہیں کیا اور اس سے ہم بستر ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس عورت کو اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل

1032- [ضعیف: ضعیف ابو داود' ابو داود (٢١٢٩) کتاب النکاح: باب فی الرجل یدخل بامرأته قبل أن ینقدها شیئا' نسائی (١٢٠/٦) ابن ماجه (١٩٥٥) احمد (١٨٢/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1033- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٢١١٤) کتاب النکاح: باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا حتی مات' ترمذی (١١٤٥) نسائی (١٢١/٦) ابن ماجه (١٨٩١) احمد (٤٨٠/٣) ابن حبان (٤١٠٠) بیهقی (٢٤٥/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ)) فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ ، فَقَالَ : ((قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ ـ امْرَأَةٍ مِنَّا ـ مِثْلَ مَا قَضَيْتَ)) فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ ـ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ ، وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ، وَ حَسَّنَهُ جَمَاعَةٌ ـ

مہر ملے گا' اس میں نہ کمی ہوگی نہ زیادتی' اس عورت پر عدت گزارنا بھی لازم ہے اور اس کے لیے میراث بھی ہے۔ (یہ سن کر اس مجلس میں موجود) حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہماری ایک عورت "بروع بنت واشق" کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فیصلہ فرمایا تھا جو کہ آپ نے کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے صحیح اور ایک جماعت نے اسے حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَا وَكْسَ نہ کم کیا جائے گا۔ وَلَا شَطَطَ اور نہ زیادہ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نکاح کے بعد عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اسے مکمل مہر مثل (یعنی اتنا مہر جو عورت کے خاندان میں عام رائج ہے) ہی ملے گا خواہ اس نے حق مہر مقرر نہ کیا ہو اور نہ ہی ہم بستری کی ہو۔ امام احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ ایسی عورت جس سے ہم بستری نہیں کی گئی وہ صرف میراث کی مستحق ہے مہر کی نہیں کیونکہ مہر صرف ہم بستری کے بدلے میں ہی دیا جاتا ہے۔ امام شوکانیؒ نے امام احمدؒ وغیرہ کے موقف کو ہی ترجیح دی ہے۔ (۱۵۴) امام ابن قدامہؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۱۵۵)

1034- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((**مَنْ أَعْطَى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ سَوِيقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ**)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَشَارَ إِلَى تَرْجِيحِ وَقْفِهِ ـ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے حق مہر میں کسی عورت کو ستو یا کھجور دی تو اس نے (عورت کو) حلال کر لیا۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔]

لغوی توضیح سَوِيقًا ستو۔ تَمْرًا کھجور۔ اسْتَحَلَّ اس نے حلال کر لیا' یعنی عورت اس کے لیے حلال ہو گئی۔

1035- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ((أَجَازَ نِكَاحَ امْرَأَةٍ عَلَى نَعْلَيْنِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ، وَخُولِفَ فِي ذٰلِكَ ـ

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح دو جوتیوں کے عوض جائز قرار دیا۔ [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور اس کے صحیح ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔]

1034- [**ضعيف** : ضعيف ابو داود' ابو داود (۲۱۱۰) كتاب النكاح : باب قلة المهر]

1035- [**ضعيف** : ضعيف ترمذی' ترمذی (۱۱۱۳) كتاب النكاح : باب ما جاء فی مهور النساء' ابن ماجه (۱۸۸۸) احمد (۴۴۵/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(۱۵۴) [نيل الأوطار (۲۰۶/۴) الدرر البهية : كتاب النكاح' السيل الجرار (۲۸۱/۲) الحاوی (۵۳۹/۹) المبسوط (۹۴/۵) الخرشی (۲۶۰/۳)]

(۱۵۵) [المغنی لابن قدامة (۱۴۹/۱۰)]

1036- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((زَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا امْرَأَةً بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيْدٍ)) أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَ هُوَ طَرَفٌ مِنَ الْحَدِيْثِ الطَّوِيْلِ الْمُتَقَدِّمِ فِيْ أَوَائِلِ النِّكَاحِ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کا نکاح ایک عورت سے لوہے کی انگوٹھی کے عوض کرا دیا۔[اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ کتاب النکاح کی ابتدا میں مذکور ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔]

لغوی توضیح بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيْدٍ لوہے کی ایک انگوٹھی کے عوض۔ دراصل آپ ﷺ نے لوہے کی انگوٹھی کے عوض نکاح نہیں کیا تھا بلکہ اسے لوہے کی انگوٹھی تلاش کر کے لانے کا کہا تھا' جب اسے وہ بھی نہ ملی تو آپ ﷺ نے قرآن کی تعلیم کے عوض ہی اس کا نکاح اس عورت سے کر دیا تھا۔

فهم الحديث مذکورہ بالا روایات میں سے پہلی دو تو ضعیف ہیں اور تیسری صحیح ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم مہر کی کوئی حد متعین نہیں۔ حسب توفیق انسان جتنا چاہے اور جو چاہے (یعنی کوئی بھی نفع مند چیز خواہ ستو ہوں یا کھجور' جوتیاں یا کچھ اور) بطور مہر دے سکتا ہے۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ کم از کم دس درہم یا اس کی قیمت کے برابر مہر دینا ضروری ہے۔ انہوں نے آئندہ روایت سے استدلال کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ اس لیے راجح موقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے۔ امام شوکانیؒ اور دیگر کبار علماء نے اسی کی تائید میں فتویٰ دیا ہے۔ اس مسئلے کی مزید تفصیل گزشتہ حدیث نمبر 976 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

1037- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((لَا يَكُوْنُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْقُوْفًا' وَفِيْ سَنَدِهِ مَقَالٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حق مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔ [اسے دارقطنی نے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کی سند میں مقال ہے۔]

1038- وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بہترین مہر وہ ہے جس کی ادائیگی آسان ہو۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بہترین مہر وہ ہے جسے ادا کرنا شوہر پر آسان ہو' یعنی کم مہر مقرر کرنا ہی بہتر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا' عورتوں کا مہر بہت زیادہ قیمتی مت کرو کیونکہ یہ اگر دنیا میں عزت اور اللہ کے ہاں تقویٰ

1036- [بخاری (٥٠٨٧-٥١٢١) کتاب النکاح: باب تزویج المعسر' مسلم (١٤٢٥) ابو داود (٢١١١) ترمذی (١١١٤) نسائی (١١٣/٦) ابن ماجه (١٨٨٩) احمد (٣٣٠/٥) ابن حبان (٤٠٩٣) بیهقی (١٤٤/٧) حاکم (١٧٨/٢)]

1037- [ضعیف: دارقطنی (٢٤٥/٣) بیهقی (٢٤٠/٧) اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں۔ ایک تو حجاج بن أرطاۃ جو تدلیس کی وجہ سے مشہور ہے اور دوسرا مبشر بن عبید جو متروک ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔ [نیل الأوطار (٢٠٠/٤)] شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1038- [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (٣٢٧٩) ابو داود (٢١١٧) ابن حبان (٤٠٧٢) حاکم (١٨١/٢) بیهقی (٢٣٢/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

کا باعث ہوتا تو اللہ کے نبی ﷺ اس کے تم میں سب سے زیادہ مستحق ہوتے۔(۱۵۶) امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ مہر بہت زیادہ قیمتی نہ ہو۔(۱۵۷) شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مہر میں تخفیف اور اس کی رقم کا کم ہونا ہی مسنون ہے۔(۱۵۸) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر مہر مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ چیز شوہر کو تنگی و مشقت میں مبتلا کرنے کا باعث ہوگی۔(۱۵۹)

1039- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ عَمْرَةَ بِنْتَ الْجَوْنِ تَعَوَّذَتْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ حِينَ أُدْخِلَتْ عَلَيْهِ ـ تَعْنِي لَمَّا تَزَوَّجَهَا ـ فَقَالَ: ((لَقَدْ عُذْتِ بِمُعَاذٍ)) فَطَلَّقَهَا وَأَمَرَ أُسَامَةَ فَمَتَّعَهَا بِثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ ـ أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ، وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ مَتْرُوكٌ ـ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمرہ بنت جون نے اس وقت رسول اللہ ﷺ سے پناہ مانگی جب اسے آپ ﷺ کے پاس بھیجا گیا یعنی جب آپ ﷺ نے اس سے شادی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یقیناً تو نے پناہ دینے والی کی پناہ طلب کی ہے۔" پھر آپ ﷺ نے اسے طلاق دے دی اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو (اسے کچھ دینے کا) حکم دیا تو انہوں نے اسے تین کپڑے دے دیئے۔[اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے۔]

1040- وَ أَصْلُ الْقِصَّةِ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ ـ

اور اصل قصہ صحیح بخاری میں حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لغوی توضیح عُذْتِ بِمُعَاذٍ تو نے پناہ دینے والے کی پناہ طلب کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی)۔ جب نبی کریم ﷺ نے عمرہ بنت جون کے ساتھ شادی کی اور اس کے پاس گئے تو اس نے کہا "میں آپ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں" (غالباً اس نے یہ اس لیے کہا تھا کیونکہ اسے علم ہی نہیں تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں)۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا 'یقیناً تم نے اسی کی پناہ طلب کی ہے جو پناہ دینے والا ہے' اس پر آپ ﷺ نے اسے طلاق دے دی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اسے تین کپڑوں کے ساتھ کچھ فائدہ دینے کا حکم دیا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نکاح سے پہلے حق مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور پھر نکاح کے بعد شوہر ہم بستری کیے بغیر ہی عورت کو طلاق دے دے تو پھر مرد پر عورت کو حق مہر دینا واجب نہیں۔ لیکن پھر بھی اسے چاہیے کہ حسب توفیق کچھ نہ کچھ عورت کو دے دے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر نکاح سے پہلے حق مہر مقرر کیا گیا ہو اور پھر نکاح کے بعد شوہر ہم بستری کیے بغیر عورت کو طلاق دے دے تو مرد پر نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے' جیسا کہ یہ مسئلہ قرآن کی آیات سے ہی ثابت ہے۔(۱۶۰)

1039- [منكر : ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (۲۰۳۷) كتاب الطلاق : باب متعة الطلاق]

1040- [بخارى (۵۲۵۵ـ۵۲۵۷) كتاب الطلاق : باب من طلق وهل يواجه الرجل امرأته بالطلاق' احمد (۴۹۸/۳) ابن الجارود (۷۵۸)]

(۱۵۶) [صحيح : إرواء الغليل (۱۹۲۷) ابو داود (۲۱۰۶) نسائى (۳۳۴۹) ترمذى (۱۱۱۴) ابن حبان (۱۲۵۹ـ الموارد) دارمى (۱۴۱/۲) حاكم (۱۷۵/۲) بيهقى (۲۳۴/۷)]

(۱۵۷) [المغنى (۱۰۱/۱۰)]

(۱۵۸) [فتاوى ابن باز' مترجم (۱۶۶/۱)]

(۱۵۹) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۷۴/۱۹)]

(۱۶۰) [البقرة : ۲۳۶ـ۲۳۷]

باب الوليمة — ولیمہ کا بیان

1041- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ : ((مَا هٰذَا ؟)) قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ 'إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ ' قَالَ : ((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (کے کپڑوں) پر زرد رنگ کے نشان دیکھے تو دریافت فرمایا "یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں نے ایک عورت سے ایک گٹھلی کے برابر سونا دے کر شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تمہیں برکت دے' ولیمہ کر اگرچہ ایک بکری کا ہی۔" [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح وَلِيْمَة ولم سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے "جمع ہونا' اکٹھے ہونا۔" چونکہ شادی کے ذریعے میاں بیوی اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے اس موقع پر تیار کیے جانے والے کھانے کو "ولیمہ" کہتے ہیں۔ صاحب قاموس نے کہا ہے کہ ولیمہ شادی کے کھانے کو کہتے ہیں' نیز اس سے ہر وہ کھانا بھی مراد لیا جاتا ہے جو کسی بھی دعوت کے لیے تیار کیا جائے۔ (١٦١) أَثَرَ صُفْرَة زرد رنگ کا نشان' مراد ہے زعفران کا نشان' جو انہیں ان کی بیوی سے لگ گیا تھا۔ نَوَاة گٹھلی کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کی شادی ہوئی ہو اسے برکت کی دعا دینی چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ولیمہ کرنا واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ نیز وجوب ولیمہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جتنے بھی نکاح کیے سب میں ولیمہ کیا اور عہد رسالت میں ایسا کوئی بھی نکاح معروف نہیں جس میں ولیمہ نہ کیا گیا ہو۔ حافظ ابن حجرؒ (١٦٢)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (١٦٣) اور امام ابن حزمؒ (١٦٤) نے ولیمہ کو واجب قرار دیا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ (ایک قول کے مطابق) اور اہل ظاہر بھی اسی کے قائل ہیں۔ (١٦٥) البتہ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ولیمہ کرنا مسنون ہے' شرعاً اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ (١٦٦) علاوہ ازیں اس حدیث میں جو بکری کے ساتھ ولیمہ کا ذکر ہے' اس کا مطلب یہ نہیں کہ بکری سے کم کسی چیز کا ولیمہ درست نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ولیمہ کرنا واجب تو ہے لیکن اس میں اہتمام دعوت شوہر کی حیثیت پر موقوف ہے' اس لیے اسے چاہیے کہ حسب توفیق کسی بھی چیز کے ساتھ ولیمہ کر دے۔ اگر کوئی اتنی استطاعت نہ رکھتا ہو کہ گوشت کے ساتھ ولیمہ کر سکے تو اسے بے جا تکلفات میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ حسب توفیق کسی عام کھانے یا مٹھائی یا شربت وغیرہ کے ساتھ ہی ولیمہ کی دعوت کا اہتمام کر لینا چاہیے۔ اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے وقت کھجور اور ستو کے ساتھ

1041- [بخاری (٥١٥٣) كتاب النكاح : باب الصفرة للمتزوج ' مسلم (١٤٢٧) ابو داود (٢١٠٩) ترمذی (١٠٩٤) نسائی (١١٩/٦) ابن ماجه (١٩٠٧) مالك (٥٤٥/٢) احمد (١٩٠/٣)]

(١٦١) [ترتیب القاموس (ولم)]
(١٦٢) [فتح الباری (١٣٨/٩)]
(١٦٣) [تحفة الأحوذی (٢٢٤/٤)]
(١٦٤) [المحلی بالآثار (٢٠/٩)]
(١٦٥) [نيل الأوطار (٢٦٠/٤) المغنی لابن قدامة (١٩٣/١٠) فتح الباری (١٣٨/٩) فقه السنة (٢٠٧/٢)]
(١٦٦) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٩١/١٩)]

ولیمہ کیا۔(۱٦۷) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک بیوی کا ولیمہ دو مد (تقریباً سوا سیر) جو کے ساتھ کیا۔(۱٦۸) قاضی عیاضؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ولیمہ میں کمی بیشی کی کوئی قید نہیں بلکہ حسب ضرورت اور حسب توفیق ولیمے کا کھانا پکایا جا سکتا ہے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔(۱٦۹)

1042- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: ((إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُجِبْ عُرْسًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ))۔

حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو دعوت ولیمہ دی جائے تو اسے چاہیے کہ اس میں شریک ہو۔" [بخاری، مسلم۔ اور مسلم میں ہے کہ] "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دعوت دے تو اسے چاہیے کہ قبول کرے خواہ شادی کی ہو یا اس طرح کی کوئی اور دعوت۔"

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے۔ جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔ امام شوکانیؒ (۱۷۰)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۱۷۱)، امام ابن قدامہؒ، امام ابن عبدالبرؒ (۱۷۲)، امام نوویؒ اور قاضی عیاضؒ (۱۷۳) نے بھی وجوب کو ہی ترجیح دی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ دعوت ولیمہ قبول کرنے کی یہ شرائط ہیں: داعی مکلف، آزاد اور سمجھدار ہو۔ فقراء کو چھوڑ کر خاص اغنیاء کو دعوت نہ دی گئی ہو۔ کسی شخص کے خوف یا لالچ سے (دعوت نہ دی ہو) اسی طرح کوئی اظہار محبت مقصود نہ ہو۔ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ دعوت دینے والا مسلمان ہو۔ مشہور قول کے مطابق ولیمہ پہلے دن کے ساتھ خاص ہو۔ اس سے پہلے کسی اور نے دعوت نہ دی ہو (کیونکہ) اگر پہلے کسی نے دعوت دی ہے تو دوسرے کی بجائے پہلے کی دعوت قبول کرنا واجب ہوگا۔ وہاں کوئی منکر و برا کام نہ (ہو رہا) ہو جس کی وجہ سے انسان وہاں حاضر ہو کر تکلیف میں مبتلا ہو جائے۔ اسے کوئی عذر نہ ہو۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ جسے کوئی عذر ہو یا راستہ دور ہو جس کی وجہ سے مشقت لاحق ہو تو پیچھے رہنے میں کوئی حرج نہیں۔(۱۷٤)

1043- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1042- [بخاری (۵۱۷۳) كتاب النكاح: باب حق إجابة الوليمة والدعوة، مسلم (۱٤۲۹) ابو داود (۳۷۳٦-۳۷۳۸) ترمذی (۱۰۹۸) ابن ماجه (۱۹۱٤) مالك (۵٤٦/۲)]

1043- [مسلم (۱٤۳۲) كتاب النكاح: باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، بخاری (۵۱۷۷) ابو داود (۳۷٤۲) ابن ماجه (۱۹۱۳) مالك (۵٤٦/۲) دارمی (۲۰٦٦)]

(۱٦۷) [صحيح: صحيح ترمذی (۸۷۵) كتاب النكاح: باب الوليمة، ترمذی (۱۰۹۵) ابو داود (۳۷٤٤) كتاب الأطعمة: باب في استحباب الوليمة عند النكاح، ابن ماجة (۱۹۰۹) كتاب النكاح: باب الوليمة، أبو يعلى (۳۰۵۹) ابن حبان (٤۰٦۱) بيهقی (۲٦۰/۷)]

(۱٦۸) [بخاری (۵۱۷۲) كتاب النكاح: باب من أولم بأقل من شاة]

(۱٦۹) [نيل الأوطار (۲٦۰/٤)]

(۱۷۰) [نيل الأوطار (۲٦٤/٤)]

(۱۷۱) [تحفة الأحوذی (۲۳۱/٤)]

(۱۷۲) [المغنی لابن قدامة (۱۹۳/۱۰)]

(۱۷۳) [شرح مسلم للنووی (۳٤۵/۵)]

(۱۷٤) [فتح الباری (۱۵۰/۹) مزید دیکھیے: تحفة الأحوذی (۲۳۱/٤) فقه السنة (۲۵۸/۲)]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ: يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

"بدترین کھانا وہ ولیمہ کا کھانا ہے جس میں آنے کے خواہش مندوں (غریبوں اور محتاجوں) کو روک دیا جاتا ہے اور کھانے سے انکار کرنے والوں (مالداروں) کو بلا لیا جاتا ہے اور جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں واضح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ "ولیمہ کا وہ کھانا بدترین کھانا ہے جس میں صرف مالداروں کو اس کی طرف دعوت دی جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔"(۱۷۵) معلوم ہوا کہ امیر اور غریب ہر طرح کے افراد کو دعوت ولیمہ میں شریک کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا جائز نہیں کہ صرف امیر لوگوں کو بلا لیا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ البتہ یہ کوشش ضرور کرنی چاہیے کہ آپ کا کھانا صرف نیک اور صالح لوگ ہی کھائیں۔ جیسا کہ ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ "صرف مومن کو دوست بناؤ اور تمہارا کھانا صرف پرہیزگار ہی کھائے۔"(۱۷۶) علاوہ ازیں مذکورہ بالا روایت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بلا عذر دعوتِ ولیمہ قبول نہ کرنا جائز نہیں۔

1044- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو وہ اسے قبول کرے، اگر روزہ دار ہو تو دعا کر دے اور اگر روزے سے نہ ہو تو کھا لے۔" [اسے بھی مسلم نے ہی روایت کیا ہے۔]

1045- وَلَهُ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ وَقَالَ: ((فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ))۔

اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، اس میں آپ ﷺ کا فرمان یوں ہے کہ "اگر چاہے تو کھا لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔"

فهم الحديث اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں دعوت میں شریک ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر انسان روزہ دار ہو تو مہمان نوازوں کے لیے دعا ہی کر دے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہمان نوازوں کے لیے یہ دعا فرمایا کرتے تھے ﴿اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ﴾ "اے اللہ! ان کے رزق میں برکت عطا فرما، انہیں بخش دے اور ان پر رحم فرما۔"(۱۷۷) اور اگر انسان روزہ دار نہ ہو تب بھی اسے اختیار

1044- [مسلم (۱٤۳۱) كتاب النكاح: باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، ابو داود (۲٤٦۰) ترمذی (۷۸۰) ابن ماجه (۱۷۵۰) احمد (۵۰۷/۲) ابن حبان (۵۳۰٦) بيهقي (۲٦۳/۷)]

1045- [مسلم (۱٤۳۰) كتاب النكاح: باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، ابو داود (۳۷٤۰) ابن ماجه (۱۷۵۱) احمد (۳۹۲/۳) ابن حبان (۵۳۰۳)]

(۱۷۵) [بخاری (۵۱۷۷) مسلم (۱٤۳۲) ابو داود (۳۷٤۲) ابن ماجه (۱۹۱۳) دارمی (۱۰۵/۲) موطا (٥٤٦/۲) سعيد بن منصور (۵۲٤)]

(۱۷٦) [حسن: صحيح الجامع الصغير (۷۳٤۱) صحيح الترغيب (۳۰۳٦) ابو داود (٤۸۳۲) كتاب الأدب: باب من يؤمر أن يجالس، ترمذی (۲۳۹۵) كتاب الزهد: باب ما جاء في صحبة المؤمن]

(۱۷۷) [مسلم (۲۰٤۲) ابو داود (۲۳۲۹) ترمذی (۳۵۷٦) احمد (۱۷٦۹۱) نسائی في عمل اليوم والليلة (۲۹۳) ابن حبان (۵۲۹۷) بيهقي (۲۷٤/۷)]

ہے کہ اگر دل چاہے تو کھا لے اور اگر نہ چاہے تو نہ کھائے۔

1046- وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((طَعَامُ الْوَلِيمَةِ أَوَّلَ يَوْمٍ حَقٌّ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ، وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اسْتَغْرَبَهُ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" ولیمہ کا کھانا پہلے دن حق ہے، دوسرے دن سنت ہے اور تیسرے دن ریاکاری ہے اور جس نے ریاکاری کی اللہ تعالیٰ بھی اس کی تشہیر (یا اسے رسوا) کرے گا۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔]

1047- وَلَهُ شَاهِدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ۔

اور اس کا ایک شاہد ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لغوی توضیح حَقٌّ حق سے مراد ہے واجب۔ سُنَّةٌ سے مراد ہے لوگوں میں مروج طریقہ جو ناپسندیدہ ہے۔ سُمْعَة ریاکاری کو کہتے ہیں، مراد ہے تیسرے دن پھر ولیمہ محض لوگوں کو دکھانے کی غرض سے ہی کیا جاتا ہے۔ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ اللہ تعالیٰ اس کی تشہیر کرے گا، یعنی جو دنیا میں ریاکاری کی غرض سے سخاوت کرے گا اللہ تعالیٰ بھی روز قیامت اس کی تشہیر اس طرح کرے گا کہ یہ ریاکار ہے۔

فہم الحدیث اس روایت سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ دو دن تک ولیمہ کیا جا سکتا ہے، تیسرے دن پھر ولیمہ کرنا چونکہ ریاکاری کا باعث ہے اس لیے جائز نہیں۔ یہ بات اس لیے درست نہیں کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اس لیے تین دن یا اس سے زیادہ دن بھی ولیمہ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس کی ممانعت کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے سات دن تک ولیمہ کے جواز کا موقف اپنایا ہے۔ (۱۷۸)

1048- وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((أَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد جو سے کیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

1049- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((أَقَامَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر اور مدینہ

1046- [ضعیف : ضعیف ترمذی، ترمذی (۱۰۹۷) کتاب النکاح : باب ما جاء فی الولیمة، شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے لیکن یہ حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔]

1047- [ضعیف : ضعیف ابن ماجه، ابن ماجه (۱۹۱۵) کتاب النکاح : باب إجابة الداعی، ابو داود (۳۷۴۵) احمد (۲۸/۵) دارمی (۲۰۶۵)]

1048- [بخاری (۵۱۷۲) کتاب النکاح : باب من أولم بأقل من شاة]

1049- [بخاری (۵۰۸۵) کتاب النکاح : باب اتخاذ السراری ومن أعتق جاریته، مسلم (۱۳۶۵) نسائی (۱۳۴/۶)]

(۱۷۸) [بخاری (۳۱/۷)]

النبيُّ ﷺ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يُبْنَى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ، فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلَى وَلِيمَتِهِ فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ، وَ مَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ، فَأُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْأَقِطُ وَالسَّمْنُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

کے درمیان تین دن قیام فرمایا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی مقام پر شبِ عروسی گزاری۔ پھر میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کے ولیمہ کی جانب بلایا، تو اس کھانے میں نہ روٹی تھی اور نہ گوشت، اس میں صرف یہی تھا کہ آپ ﷺ کے حکم سے چٹائیاں بچھائی گئیں، پھر ان پر کھجوریں، پنیر اور مکھن رکھ دیا گیا۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

لغوی توضیح يُبْنَى عَلَيْهِ یہ جماع و ہم بستری سے کنایہ ہے۔ الْأَنْطَاع جمع ہے نَطْع کی، اس کا معنی ہے "چٹائی"۔ الْأَقِط پنیر کو اور السَّمْن مکھن کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری نہیں کہ دعوتِ ولیمہ میں گوشت ہی پکایا جائے بلکہ حسبِ توفیق کسی اور چیز کا بھی اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دورانِ سفر شادی کی جا سکتی ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شادی میں ہر رشتہ دار کی شرکت ضروری نہیں۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ دعوتِ ولیمہ میں مختلف النوع کھانوں کا اہتمام درست ہے بشرطیکہ اسراف سے اجتناب کیا جائے۔

1050- وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا اجْتَمَعَ دَاعِيَانِ فَأَجِبْ أَقْرَبَهُمَا بَابًا، فَإِنْ سَبَقَ أَحَدُهُمَا فَأَجِبِ الَّذِي سَبَقَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ ۔

نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب دو دعوت دینے والے اکٹھے ہو جائیں تو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہے اس کی دعوت قبول کرو اور اگر کوئی پہلے آیا ہو تو پہلے آنے والے کی دعوت قبول کرو۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔]

فهم الحديث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں تو میں ان دونوں میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ان دونوں میں سے جو دروازے کے لحاظ سے تیرے قریب ہے۔"(۱۷۹) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے مذکورہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو پہلی حدیث کے لیے شاہد بنایا ہے، وہ اس طرح کہ زیادہ قریبی کو ہدیہ دینے میں ترجیح دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دور والے سے احسان کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا جب ایک وقت میں اکٹھے دو افراد دعوت لے کر آن پہنچیں تو اسی (زیادہ قریبی) کی دعوت قبول کی جائے گی۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی پہلے آیا ہو تو وہ دوسرے سے زیادہ حق رکھتا ہے۔(۱۸۰)

1050- [ضعيف: ضعيف ابو داود، ابو داود (۳۷۵٦) كتاب الأطعمة: باب إذا اجتمع داعيان أيهما أحق، احمد (٤٠٨/٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو شواہد کی وجہ سے حسن کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے لیکن اس کا شاہد موجود ہے۔]

(۱۷۹) [بخاری (٦٠٢٠) كتاب الأدب: باب حق الجوار في قرب الأبواب، احمد (١٧٥/٦)]

(۱۸۰) [نيل الأوطار (٢٦٥/٤)]

1051-وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا آكُلُ مُتَّكِئًا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح مُتَّكِئًا ٹیک لگا کر۔ اس کی وضاحت میں مختلف اقوال ہیں: بعض نے کہا ہے کہ ٹیک لگانے کا مطلب ہے کسی ایک پہلو کی طرف جھک جانا' بعض نے کہا ہے کہ برابر زمین پر چارزانو ہو کر بیٹھنا اور ایک قول یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگانا۔ اہل علم نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح بیٹھ کر کھانا اس لیے ناپسند فرمایا کیونکہ کھانے کا یہ انداز متکبرین کا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر ٹیک لگا کر کھانے کی ضرورت پیش آ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا' بلکہ صرف اپنے عمل کی ہی وضاحت فرمائی' جس سے حرمت نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ کراہت ہی ثابت کی جاسکتی ہے۔

1052-وَعَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا غُلَامُ، سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اے لڑکے! اللہ کا نام لے (کر کھانا شروع کر)' اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔" [بخاری، مسلم]

1053- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيدٍ، فَقَالَ: ((كُلُوا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِي وَسَطِهَا)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَهٰذَا لَفْظُ النَّسَائِيِّ، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ثرید کا ایک پیالہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا" اس کے اطراف سے کھاؤ اور اس کے درمیان سے مت کھاؤ کیونکہ اس کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔" [اسے ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، یہ لفظ نسائی کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔]

لغوی توضیح قَصْعَة بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔ ثَرِيد اس کھانے کو کہتے ہیں جس میں گوشت اور شوربے میں روٹی توڑ کر ڈالی گئی ہو۔

فهم الحديث ان احادیث میں کھانے کے چند آداب کا ذکر ہے کہ کھانا ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے آگے سے ہی کھانا چاہیے۔ البتہ اگر کھانے کی اشیاء مختلف ہوں تو پھر اپنی پسندیدہ چیز کہیں سے بھی لی جاسکتی ہے (جیسا کہ دوسری روایات میں مذکور ہے)۔ اسی طرح کھانے کے درمیان سے نہیں کھانا چاہیے بلکہ اطراف سے کھانا چاہیے کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔

1051- [بخاری (٥٣٩٨-٥٣٩٩) كتاب الأطعمة: باب الأكل متكئا' ابو داود (٣٧٦٩) ترمذی (١٨٣٠) ابن ماجه (٣٢٦٢) احمد (٣٠٨/٤)]

1052- [بخاری (٥٣٧٦-٥٣٧٨) كتاب الأطعمة: باب التسمية على الطعام والأكل باليمين' مسلم (٢٠٢٢) ابو داود (٣٧٧٧) ترمذی (١٨٥٧) دارمی (٢٠٧١) بيهقی (٤٩/٧)]

1053- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٣٧٧٢) كتاب الأطعمة: باب ما جاء في الأكل من أعلى الصحفة' ترمذی (١٨٠٥) ابن ماجه (٣٢٧٧) احمد (٢٧٠/١) دارمی (٢٠٤٦) ابن حبان (٥٢٤٥) حاكم (١١٦/٤) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1054- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((مَا عَابَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهَى شَيْئًا أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے پر عیب نہیں لگایا' اگر کسی چیز کی خواہش ہوتی تو اسے کھا لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو چھوڑ دیتے۔[بخاری، مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہنا چاہیے' بلکہ اگر طبیعت کے موافق ہو تو کھا لینا چاہیے اور اگر پسند نہ ہو تو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اگر کھانے کو برا کہا جائے گا تو کھانا تیار کرنے والے کو تکلیف ہوگی اور اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔

1055- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِالشِّمَالِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

1056- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ)) ثَلَاثًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' جب تم میں سے کوئی مشروب پی رہا ہو تو وہ برتن میں سانس نہ لے۔ [بخاری، مسلم]

1057- وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ، وَزَادَ: ((وَيَنْفُخُ فِيهِ)) وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

اور ابوداود میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے' البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ''اور اس میں پھونک نہ مارے۔''

لغوی توضیح فَلَا يَتَنَفَّسْ سانس نہ لے۔ یہ فعل نہی کا صیغہ ہے باب تَنَفَّسَ يَتَنَفَّسُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے ''سانس لینا''۔

فہم الحدیث اس حدیث میں کسی بھی مشروب میں سانس لینے یا پھونک مارنے کی ممانعت ہے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ شریعت اسلامیہ صرف اسی کام کے کرنے کا حکم دیتی ہے جس میں خیر و بھلائی ہو اور اسی سے منع کرتی ہے جس میں شر و نقصان ہو۔ اس لیے ہمیں کسی حکم کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے اس پر من و عن عمل کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاہم مشروب میں سانس لینے سے روکنے کی حکمت اہل علم نے یہ بیان کی ہے کہ کہیں سانس کے ساتھ تھوک برتن میں نہ گر جائے جو کسی دوسرے کے لیے ناگوار ہو' اسی طرح یہ حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ سانس لینے سے انسان کے معدے کے جراثیم مشروب میں داخل ہو جاتے ہیں' جس باعث وہ مشروب صحت کے لیے مضر بن جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

1054- [بخاری (٥٤٠٩) كتاب الأطعمة: باب ما عاب النبی طعاما' مسلم (٢٠٤٦) ابو داود (٣٧٦٣) ترمذی (٢٠٣١) ابن ماجه (٣٢٥٩) احمد (٤٧٤/٢) بيهقی (٢٧٩/٧)]

1055- [مسلم (٢٠١٩) كتاب الأشربة: باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما' ابن ماجه (٣٢٦٨) احمد (٣٣٤/٣)]

1056- [بخاری (١٥٣۔٥٦٣٠) كتاب الوضوء: باب النهی عن الاستنجاء باليمين' مسلم (٢٦٧) ترمذی (١٨٨٩) نسائی (٤٣/١) احمد (٣٨٣/٤)]

1057- [صحيح: صحيح ترمذی' ترمذی (١٨٨٨) كتاب الأشربة: باب ما جاء فی كراهية النفخ فی الشراب' ابو داود (٣٧٢٨) ابن ماجه (٣٢٨٨۔٣٤٢٩) احمد (٢٢٠/١) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

باب القسم بین الزوجات — بیویوں میں باری تقسیم کرنے کا بیان

1058- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْسِمُ لِنِسَائِهِ ، فَيَعْدِلُ ، وَيَقُولُ : ((اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ، وَلٰكِنْ رَجَّحَ التِّرْمِذِيُّ إِرْسَالَهُ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی عورتوں کے لیے باری تقسیم کیا کرتے تھے اور عدل سے کام لیتے پھر فرمایا کرتے ”اے اللہ یہ میری تقسیم اس چیز میں ہے جو میرے بس میں ہے اور جو صرف تیرے اختیار میں ہے میرے بس میں نہیں اس کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرنا۔“ [اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے لیکن ترمذی نے اس کا مرسل ہونا ہی راجح قرار دیا ہے۔]

لغوی توضیح يَقْسِمُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب قَسَمَ يَقْسِمُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے ”تقسیم کرنا“۔ یہاں مراد ہے اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری تقسیم کرنا یعنی ہر ایک کے پاس ایک ایک دن جائے گا یا دو دو دن وغیرہ۔ يَعْدِلُ بھی فعل مضارع کا صیغہ ہے باب عَدَلَ يَعْدِلُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے ”انصاف کرنا“ عدل ظلم کی ضد ہے۔ فَلَا تَلُمْنِي فعل نہی کا صیغہ ہے باب لَامَ يَلُوْمُ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ”ملامت کرنا“۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم میں عدل سے کام لینا چاہیے جتنا ایک کو وقت دے دوسری کو بھی اتنا ہی دے اسی طرح نان و نفقہ وغیرہ میں بھی برابری کرے اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو اس سے اس کا مؤاخذہ ہوگا کیونکہ یہ چیز اس کے اختیار میں تھی البتہ جو اس کے اختیار میں ہی نہیں یعنی دلی میلان تو اس کے بارے میں اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی بیوی دوسری بیویوں سے زیادہ خوبصورت ہو یا زیادہ حسن اخلاق سے پیش آنے والی ہو تو انسان کے دل میں محبت و اُلفت اسی کے لیے زیادہ ہوگی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ”اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی طرح ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ﴾ ”مکمل طور پر (کسی ایک بیوی کی طرف) مائل نہ ہو جاؤ۔“ اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ تھوڑا بہت میلان جائز ہے۔ اسی طرح کسی کے لیے دل میں اُلفت ڈالنا بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ﴾ ”اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب خرچ کر دے تب بھی ان کے دلوں میں اُلفت نہیں ڈال سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کے دلوں میں الفت ڈالتا ہے۔“ اس لیے اگر کسی ایک بیوی کے لیے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈال رکھی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ انسان کے بس میں نہیں۔

1059- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

1058- [ضعیف : ضعیف ابو داود ، ابو داود (۲۱۳۴) کتاب النکاح : باب فی القسم بین النساء ، ترمذی (۱۱۴۰) نسائی (۶۴/۷) ابن ماجه (۱۹۷۱) احمد (۱۴۴/۶) دارمی (۲۲۰۷) ابن حبان (۴۲۰۵) حاکم (۱۸۷/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1059- [صحیح : صحیح ابو داود ، ابو داود (۲۱۳۳) کتاب النکاح : باب فی القسم بین النساء ، ترمذی (۱۱۴۱) نسائی (۶۳/۷) ابن ماجه (۱۹۶۹) احمد (۴۷۱/۲) دارمی (۲۲۰۶) ابن حبان (۴۲۰۷) حاکم (۱۸۶/۲) بیهقی (۲۹۷/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ ۔

''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو تو روز قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہو گا۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔]

لغوی توضیح شِقُّهُ اس کا پہلو۔ مَائِلٌ مفلوج۔ واضح رہے کہ ایک بیوی کی طرف میلان سے مراد قلبی میلان نہیں بلکہ باری کی تقسیم اور دیگر اخراجات و مصارف میں میلان ہے' کیونکہ دل پر تو کسی کا اختیار ہی نہیں۔

1060- وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا ' ثُمَّ قَسَمَ ' وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ' ثُمَّ قَسَمَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب مرد شوہر دیدہ کی موجودگی میں کنواری بیاہ کر لائے تو اس (نئی بیوی) کے پاس سات روز قیام کرے پھر باری تقسیم کرے اور جب شوہر دیدہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین روز قیام کرے پھر باری تقسیم کرے۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

1061- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا تَزَوَّجَهَا أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ' وَقَالَ : ((إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ ' إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ ' وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس تین روز قیام کیا اور فرمایا ''بلاشبہ تیرے اہل کے نزدیک تیرا مقام کم نہیں ہے' اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن قیام کرتا ہوں' لیکن اگر میں نے تمہارے پاس سات دن قیام کیا تو میں اپنی باقی عورتوں کے پاس بھی سات دن ہی قیام کروں گا۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ شوہر دیدہ پر کنواری سے شادی' مراد ہے شوہر دیدہ بیوی موجود ہو اور کنواری سے دوسری شادی کرے۔ عَلَى أَهْلِكِ تیرے اہل پر' یہاں اہل سے مراد خود نبی کریم ﷺ ہیں۔ هَوَان کا معنی ہے ذلت وحقارت' مراد یہ ہے کہ تم میرے نزدیک حقیر نہیں ہو جو میں تمہارے پاس تین دن قیام کر رہا ہوں۔

فہم الحدیث ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے پاس پہلی بیوی موجود ہے اور وہ کنواری سے شادی کرے تو اسے اس نئی بیوی کے پاس سات روز مسلسل قیام کرنا چاہیے اور اگر دوسری شادی کسی شوہر دیدہ خاتون سے کرے تو اس کے پاس اسے تین روز قیام کرنا چاہیے۔ لیکن یہ سات اور تین دن باری کی تقسیم کے علاوہ ہوں گے۔ یہ نئی دلہن کے لیے خاص ہیں۔ ان دنوں کے بعد سب (خواہ کوئی کنواری یا شوہر دیدہ) باری کی تقسیم میں برابر ہو جائیں گی۔ جمہور اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ شوہر دیدہ اور کنواری دونوں کے پاس تین دن قیام کیا جائے گا (انہوں نے کہا ہے کہ کنواری

1060- [بخاری (٥٢١٣-٥٢١٤) كتاب النكاح : باب العدل بين النساء' مسلم (١٤٦١) ابو داود (٢١٢٤) ترمذی (١١٣٩) ابن ماجه (١٩١٦) ابن حبان (٤٢٠٨) دارمی (٢٢٠٩) دارقطنی (٢٨٣/٣) بيهقی (٣٠٢/٧)]

1061- [مسلم (١٤٦٠) كتاب الرضاع . باب قدر ما تستحقه البكر والثيب من إقامة الزوج عندها' ابو داود (٢١٢٢) ابن ماجه (١٩١٧) مالك (٥٢٩/٢) احمد (٢٩٢/٦) دارمی (٢٢١٠) ابن حبان (٤٠٧٣) دارقطنی (٢٨٤/٣) بيهقی (٣٠٠/٧-٣٠١)]

کے پاس سات دن اور شوہر دیدہ کے پاس تین دن عدل کے منافی ہے' حالانکہ یہ صریح وصحیح حدیث کی مخالفت ہے)۔(۱۸۱)

1062- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: ((أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنا (باری کا) دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا اور نبی کریم ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کا اپنا دن بھی اور سودہ رضی اللہ عنہا کا دن بھی تقسیم کرتے تھے۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک بیوی اپنی باری کسی دوسری بیوی کو ہبہ کر دے تو یہ درست ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے (عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے) طلاق کے اندیشے سے اپنی باری (عائشہ رضی اللہ عنہا کو) ہبہ کر دی تھی۔(۱۸۲) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنا باری کا حق اپنے شوہر یا اپنی کسی ایک سوکن یا سب سوکنوں کو ہبہ کر دے۔ لیکن یہ صرف شوہر کی رضامندی کے ساتھ ہی جائز ہے کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانا شوہر کا حق ہے' لہٰذا یہ حق صرف اس کی رضامندی کے ساتھ ہی ساقط ہو سکتا ہے۔(۱۸۳) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ شوہر کے ساتھ عقد نکاح میں باقی رہنے کے لیے اگر کوئی عورت اپنے حقوق خود ہی چھوڑ دے اور (میاں بیوی) دونوں کا اس پر اتفاق ہو تو (شریعت میں) اس کا کوئی مانع نہیں۔(۱۸٤)

1063- وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: يَا ابْنَ أُخْتِي ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُفَضِّلُ بَعْضَنَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْقَسْمِ مِنْ مُكْثِهِ عِنْدَنَا، وَكَانَ قَلَّ يَوْمٌ إِلَّا وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْنَا جَمِيعًا، فَيَدْنُو مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ مِنْ غَيْرِ مَسِيسٍ حَتَّى يَبْلُغَ الَّتِي هُوَ يَوْمُهَا، فَيَبِيتَ عِنْدَهَا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عروہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' اے میری بہن کے بیٹے! رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس قیام کے اعتبار سے باری کی تقسیم میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ کم ہی کوئی ایسا دن ہوگا جس میں آپ ﷺ ہم سب کے پاس گھومتے نہ ہوں' آپ ہر بیوی کے پاس جاتے لیکن کسی کو (جماع کی غرض سے) چھوتے نہیں تھے حتی کہ گھومتے گھومتے اس بیوی کے پاس پہنچ جاتے جس کی باری ہوتی اور پھر اس کے پاس رات گزارتے۔[اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ ابوداود کے ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1062- [بخاری (۵۲۱۲) كتاب النكاح: باب المرأة تهب يومها من زوجها لضرتها' مسلم (۱٤٦۳) ابو داود (۲۱۳۵) ابن ماجه (۱۹۷۲) ابن حبان (٤۲۱۱) بیهقی (۷٤/۷)]

1063- [حسن صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (۲۱۳۵) كتاب النكاح: باب في القسم بين النساء' احمد (۱۰۷/٦) حاكم (۱۸٦/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۸۱) [تفصیل کے لیے دیکھئے: الأم (۱۱۰/۵) المبسوط (۲۱۸/۵) كشاف القناع (۲۰۷/۵) بداية المجتهد (٥٦/۲) نيل الأوطار (۳۰۷/٤) شرح مسلم للنووی (۳۰۲/۵) فتح الباری (۳۹٤/۱۰)]

(۱۸۲) [فتح الباری (۳۹۱/۱۰)]

(۱۸۳) [المغنى لابن قدامة (۲۵۰/۱۰)]

(۱۸٤) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۰۸/۱۹)]

1064- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ دَارَ عَلَى نِسَائِهِ ثُمَّ يَدْنُو مِنْهُنَّ ......)) اَلْحَدِيثَ ۔

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عصر کی نماز ادا فرماتے تو اپنی تمام بیویوں کے پاس جاتے اور ان سے قرب و محبت کا بھی اظہار فرماتے۔

لغوی توضیح مُكْثِهِ آپ ﷺ کا ہر بیوی کے پاس قیام۔ يَطُوفُ عَلَيْنَا ہم پر گھومتے' چکر لگاتے۔ مَسِيس سے مراد جماع ہے۔ دَارَ کا معنی ہے "گھومے' چکر لگایا"۔ يَدْنُو قریب ہوتے' محبت و الفت کا اظہار فرماتے لیکن جماع نہ کرتے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بیوی کے باری کے دن میں دوسری بیویوں کے پاس خیریت و حالات دریافت کرنے کی غرض سے چکر لگانا' درست ہے۔ البتہ رات اسی کے پاس گزارنی چاہیے جس کی باری ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شوہر کو چاہیے کہ ہر بیوی کے لیے الگ رہائش کا بندوبست کرے۔ امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو شوہر پر واجب ہے کہ ہر ایک کی الگ الگ رہائش کا بندوبست کرے' ہاں اگر وہ سب اکٹھی رہنا چاہتی ہوں تو اور بات ہے۔(١٨٥)

1065- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ : ((أَيْنَ أَنَا غَدًا ؟)) يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ ' فَأَذِنَ لَهُ أَزْوَاجُهُ يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ ' فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بیماری میں فوت ہوئے اس میں پوچھ رہے تھے کہ "میری باری کل کہاں ہو گی؟" مراد آپ ﷺ کی عائشہ رضی اللہ عنہا کا دن تھا' تو باقی بیویوں نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں رہیں تو پھر آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہے۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح غَدًا کا معنی ہے "آئندہ کل"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باری کی تقسیم میں عدل حالتِ مرض میں بھی واجب ہے' اسی لیے آپ ﷺ نے بیویوں سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہنے کی اجازت طلب کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بیوی کے لیے قلبی میلان و محبت کی زیادتی تقسیم میں عدل کے منافی نہیں۔ اس سے آپ ﷺ کا اپنی ازواج کے ساتھ حسنِ معاشرت کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی۔

1066- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ ' فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی عورتوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے' پھر جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ شریک سفر کرتے۔[بخاری، مسلم]

1064- [بخاری (٥٢١٦) کتاب النکاح : باب دخول الرجل علی نسائه فی الیوم ' مسلم (١٤٧٤)]

1065- [بخاری (٥٢١٧) کتاب النکاح : باب إذا استأذن الرجل نسائه فی أن یمرض فی بیت ' مسلم (٢٤٤٣)]

1066- [بخاری (٢٦٦١) کتاب الشهادات : باب تعدیل النساء بعضهن بعضا ' مسلم (٢٧٧٠) ابو داود (٢١٣٨) ابن ماجه (١٩٧٠) احمد (١٩٧/٦) دارمی (٢٢٠٨)]

(١٨٥) [ملخصا ' المغنی لابن قدامة (٢٣٤/١٠)]

فهم الحدیث اس حدیث سے جہاں سفر کے وقت یا دیگر اُمور میں بیویوں کے مابین عدل کا وجوب ثابت ہوتا ہے وہاں بوقتِ ضرورت قرعہ اندازی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ امام ابن منذرؒ نے کہا ہے کہ قرعہ اندازی کا جواز اہل علم کے اجماع کی مانند ہے۔(۱۸۶)

1067- وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَجْلِدْ اَحَدُكُمْ امْرَاَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی بھی اپنی بیوی کو غلام کی مانند کوڑے نہ مارے۔“ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح لَا يَجْلِدْ فعل نہی کا صیغہ ہے باب جَلَدَ يَجْلِدُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے ”کوڑے مارنا“۔ جَلْدَ الْعَبْدِ غلام کو مارنے کی طرح۔ واضح رہے کہ اس حدیث کے آخر میں یہ لفظ بھی ہیں ثُمَّ يُجَامِعُهَا پھر وہ (غلام کی طرح پیٹنے کے بعد) اس کے ساتھ ہم بستری بھی کرے۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے، گو کہ تادیباً ہلکی مار کی اجازت ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ [النساء : ٣٤] ”اور (اگر تم بیویوں سے بری معاشرت پاؤ تو پہلے انہیں نصیحت کرو، اگر کامیابی نہ ہو تو پھر ان کے بستر الگ کر دو، اگر اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مارو (جس سے زخم نہ آئے اور ہڈی نہ ٹوٹے)۔“ لیکن افضل نہ مارنا ہی ہے۔ جیسا کہ شمائل ترمذی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی نہ اپنے کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو۔(۱۸۷)

باب الخلع — خلع کا بیان

1068- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ امْرَاَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَتْ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ، وَلٰكِنِّي اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ ؟)) قَالَتْ : نَعَمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((اقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً))

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! مجھے ثابت کے اخلاق اور دین کی وجہ سے اس سے کوئی شکایت نہیں۔ البتہ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں (کیونکہ اس کے ساتھ رہ کر اس کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتی) اس پر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا، کیا تم اس کا باغ (جو اس نے بطور مہر دیا تھا) واپس کر سکتی ہو؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ ﷺ نے (ثابت رضی اللہ عنہ) سے

1067- [بخاری (٥٢٠٤) کتاب النکاح : باب ما یکره من ضرب النساء، مسلم (٢٨٥٥) ترمذی (٣٣٤٣) ابن ماجه (١٩٨٣) احمد (١٧/٤) دارمی (٢٢٢٠)]

1068- [بخاری (٥٢٧٣-٥٢٧٤) کتاب الطلاق : باب الخلع و کیف الطلاق فیه، نسائی (١٦٩/٦) ابن ماجه (٢٠٥٦) ابن الجارود (٧٥٠) دارقطنی (٤٦/٤) بیهقی (٣١٣/٧)]

(١٨٦) [کما فی توضیح الأحکام (٤٦٣/٥)]

(١٨٧) [کما فی توضیح الأحکام (٤٦٥/٥)]

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ' وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ : وَ أَمَرَهُ بِطَلَاقِهَا۔

فرمایا کہ باغ قبول کر لو اور اسے طلاق دے دو۔" [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ] آپ ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ کو اسے طلاق دینے کا حکم دے دیا۔

1069- وَلِأَبِي دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيِّ وَ حَسَّنَهُ : ((أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عِدَّتَهَا حَيْضَةً))۔

اور ابوداود اور ترمذی میں ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے خلع لیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی عدت ایک حیض مقرر فرمائی۔ [ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

1070-وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ : أَنَّ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ كَانَ دَمِيمًا ' وَ أَنَّ امْرَأَتَهُ قَالَتْ : ((لَوْلَا مَخَافَةُ اللَّهِ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ لَبَصَقْتُ فِي وَجْهِهِ))۔

اور ابن ماجہ میں حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بدصورت تھے اور ان کی بیوی نے کہا' اگر مجھے اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آیا تھا میں اس کے چہرے پر تھوک دیتی۔

1071-وَلِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : ((وَكَانَ ذَلِكَ أَوَّلَ خُلْعٍ فِي الْإِسْلَامِ))

اور مسند احمد میں حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ اسلام میں (واقع ہونے والا) پہلا خلع تھا۔

لغوی توضیح خلع خلع الثوب سے ماخوذ ہے یعنی جب کوئی اپنا لباس اتار دے۔ عورت کو مرد کے لیے اور مرد کو عورت کے لیے لباس کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ [البقرة : ۱۸۷] "وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔" خلع کا نام فداء بھی ہے کیونکہ عورت شوہر کو کچھ فدیہ دے کر اس سے خلاصی حاصل کرتی ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے خلع یہ ہے کہ عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور اس کے ساتھ گزارا محال ہو جائے تو مہر میں وصول کی ہوئی مکمل یا کچھ رقم شوہر کو واپس دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لے۔ امْرَأَةُ ثَابِتٍ ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی' اس کا نام جمیلہ بیان کیا گیا ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام زینب بنت عبداللہ تھا اور اکثر روایات میں اس کا نام حبیبہ بنت سہل مذکور ہے۔ أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں' یعنی اسے ناپسند کرنے کی وجہ سے اس کے حقوق ادا نہیں کر سکتی جن کی ادائیگی اسلام میں لازم ہے۔ الدَّمِيم بدصورت کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت شوہر کو کسی وجہ سے ناپسند کرتی ہو اور اس کے ساتھ نہ رہ سکتی ہو تو اس کا دیا ہوا حق مہر واپس کر کے اس سے خلع لے سکتی ہے۔ خلع کا جواز کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ ثابت

1069- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۲۲۹) كتاب الطلاق : باب في الخلع' ترمذی (۱۱۸۵) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1070- [ضعيف : ضعيف ابن ماجه' ابن ماجه (۲۰۵۷) كتاب الطلاق : باب المختلعة تأخذ ما أعطاها' احمد (۳/٤) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1071- [احمد (۳/٤)]

ہے۔(۱۸۸)اہل علم نے خلع کی چند شرائط ذکر کی ہیں جن کا مختصر بیان پیش خدمت ہے: ناپسندیدگی کا اظہار عورت کی طرف سے ہو مرد کی طرف سے نہ ہو' کیونکہ اگر مرد عورت کو ناپسند کرتا ہے تو صبر و برداشت سے کام لے اور اگر نباہ انتہائی مشکل ہو جائے تو پھر وہ اسے طلاق دے کر علیحدہ ہو جائے۔عورت اس وقت تک خلع کے مطالبے سے گریز کرے جب تک اس کی ناپسندیدگی اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ حقوقِ زوجیت کی ادائیگی ہی مشکل ہو جائے۔شوہر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس انتظار میں نہ رہے کہ وہ خود طلاق طلب کرے تاکہ مہر کی رقم حاصل ہو جائے' ایسی صورت میں عورت سے مال وصول کرنا حرام ہے۔عورت کو بلاوجہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''جو عورت بھی بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرتی ہے' اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔''(۱۸۹)علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب عورت خلع طلب کرے تو شوہر کو چاہیے کہ اس کے مطالبے کو قبول کر لے اور اپنا مہر وصول کر کے اسے علیحدہ کر دے۔عورت کو دیئے ہوئے مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ''نبی ﷺ نے اسے (یعنی ثابت رضی اللہ عنہ کو) حکم دیا کہ وہ اس سے اپنا باغ وصول کر لے اور زیادہ کچھ نہ لے۔''(۱۹۰)امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ نے یہی مؤقف اپنایا ہے جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ شوہر مہر سے زیادہ کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔(۱۹۱) پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح۔راجح مؤقف یہ ہے کہ خلع فسخ ہے طلاق نہیں۔امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ ہم بستری کے بعد طلاق دینے سے تین ایسے احکام لاگو ہوتے ہیں جو سب خلع میں نہیں ہیں: ① طلاق میں مرد رجوع کا زیادہ حقدار ہوتا ہے جبکہ خلع میں نہیں۔② طلاق کا شمار تین تک ہوتا ہے' اس عدد کے پورا ہونے کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی دوسرا مرد اس سے شادی کے بعد ہم بستری نہ کرے۔③ طلاق کی عدت تین حیض ہے جبکہ خلع کی ایک حیض۔(۱۹۲) علاوہ ازیں خلع میں مرد عورت کو دیا ہوا مال واپس لے سکتا ہے جبکہ طلاق میں نہیں۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ(۱۹۳)،امام خطابیؒ(۱۹۴)اور شیخ البانیؒ (۱۹۵) نے بھی خلع کو فسخ ہی کہا ہے۔امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ جمہور علماء نے خلع کو طلاق کہا ہے۔ (۱۹۶)

☐ واضح رہے کہ خلع چونکہ طلاق نہیں اس لیے اس میں طلاق کی شرائط بھی نہیں لگائی جائیں گی مثلاً یہ کہ عورت حائضہ نہ ہو یا ایسے طہر میں ہو جس میں مرد نے اس سے ہم بستری نہ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔امام ابن قدامہؒ اسی کے قائل ہیں۔(۱۹۷)

---

(۱۸۸) [بداية المجتهد (٦٦/٢) الدر المختار (٧٦٧/٢) مغنى المحتاج (٢٦٢/٣) المغنى (٥١/٧)]

(۱۸۹) [صحيح : صحيح ابو داود (١٩٤٧) كتاب الطلاق : باب فى الخلع' ابو داود (٢٢٦٢) ابن ماجة (٢٠٥٥) ترمذى (١١٨٧) أحمد (٢٧٧/٥)]

(۱۹۰) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٦٧٣) كتاب الطلاق : باب المختلعة تاخذ ما أعطاها' إرواء الغليل (٢٠٣٦) ابن ماجة (٢٠٥٦) نسائى (١٦٩/٦)]

(۱۹۱) [المغنى (٢٦٩/١٠-٢٧٠-٢٨٧) نيل الأوطار (٣٤٦/٤) تفسير اللباب فى علوم الكتاب (١٤٢/٤)]

(۱۹۲) [زاد المعاد (١٩٧/٥)]

(۱۹۳) [الفتاوى (٣١/٣-٣٥)]

(۱۹۴) [معالم السنن (٢٥٥/٣)]

(۱۹۵) [التعليقات الرضية على الروضة (٢٧٣/٢)]

(۱۹۶) [تفسير اللباب فى علوم الكتاب (١٤٢/٤) الأم (١١٤/٥) بدائع الصنائع (١٥١/٣) نيل الأوطار (٣٤٤/٤) المغنى (٢٥٠/١١)]

(۱۹۷) [المغنى لابن قدامة (٢٦٩/١٠)]
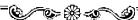
❏ خلع کے سلسلے میں شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ کا یہ فتویٰ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ اگر عورت عقلمند اور سمجھدار ہو تو اسے خلع کے لیے والدین سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور اگر ناسمجھ یا کم عمر یا کم فہم و فراست کی حامل ہو تو پھر اسے والدین یا اپنے بھائی وغیرہ سے اجازت لے لینی چاہیے۔(۱۹۸)

باب الطلاق — طلاق کا بیان

1072- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَهْ، وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ رَجَّحَ أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حلال کاموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ کام طلاق دینا ہے۔'' [اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوحاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

لغوی توضیح الطَّلَاق حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ لغت میں طلاق کا معنی ''بندھن کو کھول دینا'' ہے۔ یہ لفظ إطلاق سے مشتق ہے جس کا معنی چھوڑ دینا اور ترک کر دینا ہے۔ شرعاً طلاق' نکاح کی گرہ کھول دینے کو کہتے ہیں۔ امام الحرمین کا کہنا ہے کہ جاہلیت میں بھی اس کے لیے لفظِ طلاق ہی مستعمل تھا پھر شریعت نے اسی کو برقرار رکھا۔(۱۹۹) حکم کے اعتبار سے اہل علم نے طلاق کی پانچ اقسام بیان کی ہیں: ① حرام: جبکہ بدعی ہو۔ ② مکروہ: جب درست حالت کے باوجود بغیر کسی سبب کے دی جائے۔ ③ واجب: اس کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب طرفین کے فیصلہ کرنے والے جدائی و علیحدگی کو ہی بہتر سمجھیں۔ ④ مستحب: جب عورت عفیف و پاکدامنہ نہ ہو یا شرعی واجبات مثلاً نماز وغیرہ میں ایسی کوتاہ ہو کہ اس پر جبراً ان اعمال کو لازم کر دینا بھی ممکن نہ ہو۔ ⑤ جائز: جب مرد عورت کو اس کے برے اخلاق یا کسی اور وجہ سے ناپسند کرتا ہو۔(۲۰۰) اسلام کے علاوہ دیگر ادیان و مذاہب میں بھی طلاق کا تصور رہا ہے' لیکن کسی میں طلاق کی کھلی چھٹی دی گئی تھی اور کسی میں طلاق کا کلی طور پر جواز ہی موجود نہ تھا۔ مگر اسلام نے جو معتدل تصورِ طلاق پیش کیا ہے دیگر تمام ادیان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اسلام نے جہاں ایک طرف ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت دی ہے وہاں دوسری طرف بلاوجہ طلاق کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے' عورت کو الگ تنگیٔ حالات میں خلع کے ذریعے علیحدگی کا حق عطا کیا ہے' مگر دونوں کو ترجیحی طور پر صبر و تحمل کے ساتھ گزر بسر کرنے کی ہی ترغیب دلائی ہے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا کہ طلاق شریعت کی نظر میں حلال ہونے کے باوجود کراہت سے خالی نہیں۔ اگرچہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے لیکن معنوی طور پر صحیح ہے۔ طلاق کی کراہت اس لیے ہے کیونکہ یہ خاندان کی تباہی پر منتج ہوتی ہے' اس سے کم سن بچے اور خواتین دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور معاشرتی امن و سکون برباد ہو کر رہ جاتا ہے' اس پر کوئی ثواب بھی حاصل نہیں ہوتا اور شیطان کو الگ خوش ہونے کا موقع ملتا ہے اس لیے اس سے

1072- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (۲۱۷۸) كتاب الطلاق : باب فی كراهية الطلاق' ابن ماجه (۲۰۱۸) حاكم (۱۹۶/۲) بيهقی (۳۲۲/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۱۹۸) [فتاوى المرأة المسلمة (۷۸۷/۲)]

(۱۹۹) [فتح البارى (۴۳۵/۱۰)]

(۲۰۰) [نيل الأوطار (۳۱۳/۴) المغنى (۳۲۳/۱۰)]

اجتناب ہی بہتر ہے۔ تاہم یہ حلال بہرحال ضرور ہے کیونکہ بعض اوقات میاں بیوی کے گھریلو حالات اس قدر خراب ہو جاتے ہیں کہ طلاق کے سوا کوئی چارہ ہی باقی نہیں رہتا' اکٹھے رہنا ناممکن ہو جاتا ہے' تو اس صورت میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ دونوں الگ ہو جائیں اور اپنی اپنی پسند کا کوئی اور ساتھی تلاش کر لیں' اسی لیے اسے حلال کیا گیا ہے۔

1073- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ' فَسَأَلَ عُمَرُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ ' فَقَالَ : ((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ' ثُمَّ تَحِيضَ ' ثُمَّ تَطْهُرَ ' ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ ' فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ مُسْلِمٍ : ((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ' ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا)) وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى لِلْبُخَارِيِّ : ((وَحُسِبَتْ تَطْلِيقَةً)) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ' قَالَ ابْنُ عُمَرَ : أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ ' فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَنِي أَنْ أُرَاجِعَهَا ثُمَّ أُمْهِلَهَا حَتّٰى تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرَى ' ثُمَّ أُمْهِلَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ' ثُمَّ أُطَلِّقَهَا قَبْلَ أَنْ أَمَسَّهَا ' وَأَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ ۔ وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى : قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : فَرَدَّهَا عَلَيَّ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا ' وَقَالَ : ((إِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ أَوْ لِيُمْسِكْ)) ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالت میں اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں ہی طلاق دے دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اسے حکم دو کہ اس سے رجوع کر لے پھر اسے روکے رکھے حتی کہ وہ پاک ہو جائے' پھر حائضہ ہو' پھر پاک ہو جائے' پھر اگر چاہے تو بعد میں اسے روک لے اور اگر چاہے تو ہم بستری سے پہلے اسے طلاق دے دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے مطابق عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ [بخاری، مسلم۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] "اسے رجوع کرنے کا حکم دو پھر وہ اسے حالتِ طہر میں یا حالتِ حمل میں طلاق دے۔" [اور بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ] "ایک طلاق شمار کر لی گئی۔" [اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا' اگر تو نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس سے رجوع کر لوں پھر اسے دوسرے حیض تک اپنے پاس رکھوں' پھر اسے پاک ہونے تک مہلت دوں' پھر اسے ہم بستری سے پہلے طلاق دے دوں اور اگر تو نے اسے تین طلاقیں دی ہیں تو یقیناً تو نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے معاملے میں اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ [اور ایک اور روایت میں ہے کہ] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا' آپ ﷺ نے اسے میرے پاس واپس لوٹا دیا اور اسے کچھ تصور نہ کیا اور فرمایا "جب وہ پاک ہو جائے تو اسے طلاق دے دو یا روک لو۔"

لغوی توضیح طَلَّقَ امْرَأَتَهُ اپنی بیوی کو طلاق دی۔ ان کی بیوی کا نام آمنہ بنت غفار تھا' یہ بھی کہا گیا ہے اس کا نام نوار تھا۔

1073- [بخاری (٤٩٠٨-٥٢٥١-٥٢٥٣-٥٣٣٣-٧١٦٠) مسلم ١٤٧١) ابو داود (٢١٧٩-٢١٨١-٢١٨٢-٢١٨٥) ترمذی (١١٧٦) نسائی (١٣٩/٦) ابن ماجه (٢٠١٩-٢٠٢٣) احمد (٢٦/٢) دارمی (٢٢٦٢) ابن الجارود (٧٣٣-٧٣٦) دارقطنی (٦/٤-٧) بیهقی (٣٢٤/٧)]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ حیض طلاق دینا حرام ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طہر میں طلاق دینی ہے اس میں شوہر نے بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔ اگر حالتِ حیض میں یا حالتِ طہر میں ہم بستری کے بعد طلاق دی تو طلاق بدعی ہوگی سنی نہیں۔ یہی طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ طلاقِ سنی وہ ہے جو سنت کے مطابق حالتِ طہر میں ہم بستری کے بغیر ایک طلاق دی جائے اور طلاقِ بدعی اس کے خلاف کسی بھی صورت میں طلاق دینے کو کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رجوع کا حکم دیا' اس کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے کہ آیا رجوع کا حکم وجوب لیے تھا یا استحباب کے لیے۔ امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ اسے وجوب پر اور جمہور اسے استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ (۲۰۱)
اس مسئلے میں بھی اہل علم کے مابین اختلاف ہے کہ کیا طلاقِ بدعی واقع ہو جاتی ہے یا نہیں۔ جمہور علما اور ائمہ اربعہ کا مؤقف یہ ہے کہ طلاقِ بدعی واقع ہو جاتی ہے۔ (۲۰۲) ان کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب حالتِ حیض میں طلاق دی تو نبی ﷺ نے انہیں رجوع کا حکم دیا اور رجوع ہمیشہ طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ دورانِ حیض دی گئی طلاق واقع ہو گئی۔ شیخ البانیؒ (۲۰۳) اور شیخ ابن عثیمینؒ (۲۰۴) نے بھی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ طلاقِ بدعی واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ بعض دیگر اہل علم مثلاً شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۲۰۵)، امام ابن قیمؒ (۲۰۶)، امام ابن حزمؒ (۲۰۷) اور امام شوکانیؒ (۲۰۸) وغیرہ نے کہا ہے کہ طلاقِ بدعی واقع نہیں ہوتی۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ہر بدعت گمراہی ہے تو پھر گمراہی سے حکم کا اثبات کیسا؟۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ حمل طلاق دینا درست ہے' کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ''اسے حالتِ طہر میں یا حالتِ حمل میں طلاق دو۔''

1074- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً' فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ' فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ؟ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں (ایک مجلس کی) تین طلاقیں' ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے ایسے معاملے میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے سہولت تھی تو ہمیں چاہیے کہ ان پر اسے جاری کر دیں؟ پھر انہوں نے لوگوں پر اسے جاری کر دیا۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَنَاةٌ سہولت، مہلت۔ یعنی لوگوں کو یہ سہولت تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے ہر طہر میں طلاق دیں۔ أَمْضَيْنَاهُ ہم اسے نافذ کر دیں' جاری کریں۔ یعنی جب لوگوں نے ایک مرتبہ ہی تین طلاقیں دینی شروع کر دی ہیں تو پھر اسے ان پر جاری ہی کر دینا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنا صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مؤقف تھا۔ عہد رسالت میں ایسا نہیں تھا۔

1074- [مسلم (۱۴۷۲) کتاب الطلاق : باب طلاق الثلاث' ابو داود (۲۱۹۹) احمد (۳۱۴/۱) بیهقی (۳۳۶/۷)]

(۲۰۱) [سبل السلام (۴۲۴/۳)]
(۲۰۲) [نیل الأوطار (۳۱۶/۴)]
(۲۰۳) [إرواء الغلیل (۱۳۳/۷)]
(۲۰۴) [فتاوی اسلامیة (۲۶۸/۳)]
(۲۰۵) [الفتاوی (۳۲-۵)]
(۲۰۶) [زاد المعاد (۲۱۸/۵-۲۳۸)]
(۲۰۷) [المحلی (۳۵۸/۹) المسألة (۱۹۴۵)]
(۲۰۸) [نیل الأوطار (۳۱۹/۴)]

1075- وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أُخْبِرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا ' فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ : ((أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ ؟)) حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' أَلَا أَقْتُلُهُ ؟ ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرُوَاتُهُ مُوَثَّقُونَ ۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنے بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ ﷺ غضبناک ہو کر اٹھے اور فرمایا ''کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اور میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں؟'' ۔حتیٰ کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں اسے قتل نہ کر دوں ۔[اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔]

لغوی توضیح أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ کیا اللہ کی کتاب یعنی احکامات کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے (ان کی توہین واستخفاف کیا جا رہا ہے)۔ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ اور میں ابھی تک تمہارے درمیان موجود ہوں' یعنی میری زندگی میں ہی ایسا ہو رہا ہے۔

1076- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : طَلَّقَ أَبُو رُكَانَةَ أُمَّ رُكَانَةَ ' فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((رَاجِعِ امْرَأَتَكَ)) فَقَالَ : إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا ' قَالَ : ((قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ' وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ : طَلَّقَ أَبُو رُكَانَةَ امْرَأَتَهُ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ثَلَاثًا ' فَحَزِنَ عَلَيْهَا ' فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((فَإِنَّهَا وَاحِدَةٌ)) وَفِي سَنَدِهِمَا ابْنُ إِسْحَاقَ ' وَفِيهِ مَقَالٌ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو رکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''اپنی بیوی سے رجوع کر لو۔'' انہوں نے عرض کیا' میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے علم ہے تم اس سے رجوع کر لو۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور احمد کی ایک روایت میں ہے کہ] ابو رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں' پھر وہ اس پر نادم و پشیمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''یہ ایک ہی ہے۔''
[ان دونوں روایات کی اسناد میں ابن اسحاق راوی ہے جس میں مقال ہے۔]

1077- وَقَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ أَحْسَنَ مِنْهُ : ((أَنَّ أَبَا رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ ' فَقَالَ : وَاللّٰهِ مَا أَرَدْتُ إِلَّا وَاحِدَةً ' فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ)) ۔

اور ابوداود نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے جو اس سے بہتر ہے کہ ابو رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاقِ بتہ دی اور پھر کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے صرف ایک طلاق کا ہی ارادہ کیا تھا' تو نبی کریم ﷺ نے سہیمہ کو اس کی طرف واپس لوٹا دیا۔

1075- [صحیح : غاية المرام (٢٦١) نسائی (٣٤٠١) كتاب الطلاق : باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ ' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1076- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (٢١٩٦) كتاب الطلاق : باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ' احمد (٢٦٥/١) حاكم (٤٩١/٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

1077- [ضعيف : ضعيف ابو داود' ابو داود (٢٢٠٦) كتاب الطلاق : باب في البتة' ترمذی (١١٧٧) ابن ماجه (٢٠٥١) دارقطنی (٣٣/٤) ابن حبان (٤٢٧٤) حاكم (١٩٩/٢۔٢٠٠) بیهقی (٣٤٢/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح: اَلْبَتَّةُ البت سے ماخوذ ہے جس کا معنی کاٹ کر جدا کر دینا ہے۔ یہ لفظ بول کر تین طلاقیں مراد لی جاتی تھیں۔

فہم الحدیث: مذکورہ بالا چاروں روایات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں جن میں نہ تو رجوع ہوا اور نہ نکاح ایک ہی شمار ہوں گی۔ اس مسئلے میں اہل علم کے چار مختلف اقوال ہیں: ① تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ جمہور اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔ ② ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوگی کیونکہ یہ بدعت و حرام ہے۔ یہ امام ابن حزمؒ اور تابعین کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ ③ اگر مطلقہ سے دخول کر لیا گیا ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی بصورت دیگر ایک واقع ہوگی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی ایک جماعت اور امام اسحاقؒ کا مذہب ہے۔ ④ عورت سے دخول ہوا ہو یا نہ ہو صرف ایک رجعی طلاق ہی واقع ہوگی۔ زیادہ درست بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام اسحاقؒ کا یہ مذہب ہے۔ یہی آخری قول سب سے زیادہ صحیح اور راجح ہے۔(۲۰۹) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۲۱۰)، امام ابن قیمؒ (۲۱۱)، شیخ ابن بازؒ (۲۱۲) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۱۳) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی شمار ہوں گی۔

1078- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ : النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ' وَفِي رِوَايَةٍ لِابْنِ عَدِيٍّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ ضَعِيفٍ : ((الطَّلَاقُ وَ النِّكَاحُ وَ الْعِتَاقُ)) ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تین باتیں ایسی ہیں جنہیں اگر سنجیدگی سے کہا جائے تو بھی پختہ ہیں اور اگر مذاق سے کہا جائے تو بھی سنجیدگی ہیں۔ ایک نکاح' دوسری طلاق اور تیسری رجوع۔'' [اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ایک دوسری ضعیف سند سے ابن عدی کی روایت میں ہے کہ] طلاق' نکاح اور آزاد کرنا۔

1079- وَلِلْحَارِثِ بْنِ أَبِي أُسَامَةَ مِنْ حَدِيثِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ـ رَفَعَهُ : ((لَا يَجُوزُ اللَّعِبُ فِي ثَلَاثٍ : الطَّلَاقِ ' وَ النِّكَاحِ ' وَ الْعِتَاقِ ' فَمَنْ قَالَهُنَّ فَقَدْ وَجَبْنَ)) وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ ـ

اور حارث بن ابی اسامہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تین کاموں میں کھیلنا (یعنی ہنسی مذاق) جائز نہیں: طلاق' نکاح اور (غلام کی) آزادی۔ جس نے انہیں (ہنسی مذاق میں بھی) کہا تو یہ واجب ہو جائیں گی۔ [اس کی سند ضعیف ہے۔]

لغوی توضیح: اَلْهَزْلُ ہنسی مذاق کے طور پر' از راہ تفنن۔ اَلْجِدُّ سنجیدگی۔

فہم الحدیث: معلوم ہوا کہ یہ تینوں کام خواہ مذاق میں بغیر نیت کے بھی کیے جائیں تو واقع ہو جائیں گے۔ یعنی مذاق

1078- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۱۹٤) کتاب الطلاق : باب في الطلاق على الهزل ' ترمذی (۱۱۸٤) ابن ماجه (۲۰۳۹) دارقطنی (۲۵٦/۳) حاکم (۱۹۸/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1079- [المطالب العالية لابن حجر (۱٦۵۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۲۰۹) [كما في الروضة الندية (۱۰٦/۲)]
(۲۱۰) [الفتاوى (۱٦/۳ ـ ۱۷)]
(۲۱۱) [زاد المعاد (۲٤۱/۵) أعلام الموقعين (۳۰/۳)]
(۲۱۲) [فتاوى إسلامية (٤۹/۳)]
(۲۱۳) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۱٦۳/۲۰)]

میں بھی طلاق دے دی تو واقع ہو جائے گی' اسی طرح رجوع اور نکاح کا معاملہ ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے ہنسی مذاق میں بھی نکاح' طلاق' رجوع یا عتاق کے الفاظ کہے (جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں ان کا ذکر ہے) تو اس کی طرف سے یہ چیز واقع ہو جائے گی۔ (۲۱٤)

1080- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے دلوں کے وساوس (پر مؤاخذہ) سے درگزر فرمایا ہے جب تک کوئی کلام نہ کرے یا عمل نہ کرے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح تَجَاوَزَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَجَاوَزَ يَتَجَاوَزُ (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے"درگزر کرنا' معاف کرنا"۔ مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا جو خیالات و وساوس دلوں میں پیدا ہوں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے دل میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہو یا کسی سے نکاح کا خیال پیدا ہو تو محض خیال سے طلاق یا نکاح نہیں ہوگا۔ اسی طرح دیگر برے خیالات آنے سے گناہ نہیں لکھا جائے گا جب تک انسان زبان سے یا عملی طور پر کسی گناہ کا ارتکاب نہ کر لے۔

1081- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَالْحَاكِمُ' وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: لَا يَثْبُتُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا' بھول اور جس کام پر انہیں مجبور کیا گیا ہو' معاف کر دیا ہے۔" [اسے ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں۔]

لغوی توضیح وَضَعَ معاف کر دیا ہے۔ اسْتُكْرِهُوا جس کام کے کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خطا و نسیان سے دی گئی طلاق اور جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ جبری طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔ (۲۱۵) جمہور کا موقف ہی راجح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حالت نشہ میں موجود انسان اور مجبور شخص کی (دی ہوئی) طلاق جائز نہیں۔ (۲۱٦) شیخ

1080- [بخاری (۵۲٦۹) كتاب الطلاق : باب الطلاق في الإغلاق والكره والسكران والمجنون' مسلم (۱۲۷) ابو داود (۲۲۰۹) ترمذی (۱۱۸۳) نسائی (۱۵٦/٦) ابن ماجه (۲۰٤٤) احمد (۲۵۵/۲) بیهقی (۲۹۸/۷) ابن حبان (٤۳۳٤)]

1081- [صحیح : صحیح ابن ماجه' ابن ماجه (۲۰٤۵) كتاب الطلاق : باب طلاق المكره والناسي' حاكم (۱۹۸/۲) دارقطنی (۱۷۰/٤۔۱۷۱) ابن حبان (۷۲۱۹) بیهقی (۳۵٦/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۲۱٤) [نيل الأوطار (۳۲۸/٤)]

(۲۱۵) [المدونة (۲٤/۳) الاختيار (۱۲٤/۳) الأم للشافعي (۱۸٤/۵) المغني (۳۵۰/۱۰) المبسوط (۱۷٦/٦) نيل الأوطار (۳۲۹/٤۔۳۳۰)]

(۲۱٦) [بخاری (قبل الحديث / ۵۲٦۹) كتاب الطلاق : باب الطلاق في الاغلاق والمكره والسكران والمجنون وأمرهما والغلط والنسيان في الطلاق]

الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۲۱۷)، امام ابن قدامہؒ (۲۱۸)، امام شوکانیؒ (۲۱۹)، امام ابن حزمؒ (۲۲۰)، سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۲۱) اور شیخ صالح بن فوزان (۲۲۲) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔

1082- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ((إِذَا حَرَّمَ امْرَأَتَهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ)) وَقَالَ: ((لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلِمُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ((إِذَا حَرَّمَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَهِيَ يَمِينٌ يُكَفِّرُهَا)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی کو حرام کر لے تو یہ کچھ نہیں ہے۔ اور فرمایا ''تمہارے لیے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔'' [بخاری۔ اور مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ] جب آدمی اپنی بیوی کو حرام کر لے تو یہ قسم شمار ہوگی جس کا وہ کفارہ ادا کرے گا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے (اور اس کی نیت طلاق کی نہ ہو) تو اس سے نہ تو عورت اس پر حرام ہوگی اور نہ ہی یہ طلاق شمار ہوگی بلکہ اسے قسم شمار کر کے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور امام ابن قیمؒ نے کہا ہے کہ اس کے متعلق اہل علم کے تیرہ اقوال ہیں۔ (۲۲۳) ان سب میں راجح قول یہی ہے جو بیان کر دیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ بیوی کو حرام قرار دینا قسم کے مترادف ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تو حرام قرار دینے سے اس کی نیت طلاق کی ہوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی' اگر اس سے ظہار کی نیت ہوگی تو ظہار ہو جائے گا اور اگر طلاق و ظہار کے علاوہ اس سے محض عورت کو حرام کرنا ہی مقصود ہوگا تو اس حرمت کے لفظ کی وجہ سے قسم کا کفارہ لازم ہوگا لیکن یہ قسم نہیں ہوگی اور اگر کچھ بھی نیت نہ ہو تو بھی اس پر قسم کا کفارہ ہی لازم ہوگا' نیز امام شافعیؒ کا ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ حرام قرار دینا لغو ہوگا جس میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی اور احکام نافذ ہوں گے۔ (۲۲۴)

1083- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَدَنَا مِنْهَا، قَالَتْ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ، فَقَالَ: ((لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمٍ الْحَقِي بِأَهْلِكِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جون کی بیٹی کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت گاہ میں داخل کیا گیا اور آپ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا' میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یقیناً تو نے عظیم ذات کی پناہ پکڑی ہے' اپنے گھر چلی جا۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

1082- [بخاری (٥٢٦٦) كتاب الطلاق: باب لم تحرم ما أحل الله لك' مسلم (١٤٧٣)]

1083- [بخاری (٥٢٥٤) كتاب الطلاق: باب من طلق وهل يواجه الرجل امرأته بالطلاق' ابن ماجه (٢٠٥٠) نسائی (١٥٠/٦) ابن الجارود (٧٣٨) ابن حبان (٤٢٦٦) دارقطنی (٢٩/٤) حاكم (٣٥/٤) بیهقی (٣٩/٧)]

(٢١٧) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص/ ٣٦٦)]
(٢١٨) [المغنی لابن قدامة (٣٥٠/١٠)]
(٢١٩) [نيل الأوطار (٣٣٠/٤)]
(٢٢٠) [المحلى بالآثار (٣٧٥/٩)]
(٢٢١) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (٤١/٢٠)]
(٢٢٢) [الملخص الفقهی (٣٠٨/٢)]
(٢٢٣) [زاد المعاد (٣٠٢/٥)]
(٢٢٤) [سبل السلام (١٤٥٤/٣) شرح مسلم للنووی (٤١١/٥)]

فهم الحدیث اس حدیث میں طلاق بالکنایہ کا بیان ہے۔ طلاق بالکنایہ یہ ہے کہ شوہر ایسے الفاظ میں طلاق دے جس کا مفہوم طلاق بھی ہو سکتا ہو اور کچھ اور بھی۔ مثلاً کہے کہ اپنے گھر چلی جا یا کہے کہ تو آج سے آزاد ہے وغیرہ وغیرہ' تو ایسی صورت میں اگر مرد کی نیت طلاق کی ہو گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۲۲۵)، امام صنعانی (۲۲٦) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۲۷) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ طلاق کا ایسا کنایہ و اشارہ جس سے طلاق مقصود ہو طلاق کے حکم میں ہی ہو گا۔

1084- وَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا طَلَاقَ إِلَّا بَعْدَ نِكَاحٍ وَلَا عِتْقَ إِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ)) رَوَاهُ أَبُوْ يَعْلَى وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ' وَهُوَ مَعْلُوْلٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "طلاق صرف نکاح کے بعد ہی ہوتی ہے اور آزادی صرف ملکیت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ [اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ معلول ہے۔]

1085- وَ أَخْرَجَ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَهُ' وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ' لٰكِنَّهُ مَعْلُوْلٌ أَيْضًا۔

اور ابن ماجہ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [اس کی سند حسن ہے لیکن وہ بھی معلول ہے۔]

1086- وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ' وَلَا عِتْقَ لَهُ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ' وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ' وَنُقِلَ عَنِ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا وَرَدَ فِيْهِ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انسان جس چیز کا مالک نہیں اس میں نذر پوری کرنے' غلام آزاد کرنے اور طلاق دینے کی کوئی حیثیت نہیں۔" [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری سے منقول ہے کہ یہ روایت اس مسئلے میں وارد سب سے زیادہ صحیح ہے۔]

فهم الحدیث ان احادیث سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ نکاح سے پہلے دی ہوئی طلاق کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ ابھی وہ طلاق کا مالک ہی نہیں۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ جب میری شادی ہو تو میری بیوی کو طلاق یا کہے کہ اگر میری فلاں عورت سے شادی ہو تو اسے طلاق وغیرہ وغیرہ' تو اگر بعد میں اس کی شادی ہو جائے تو اس کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہو گی بلکہ اس کی بات

1084- [حاکم (۲۰٤/۲) طیالسی (٦٨٢) بیهقی (۳۱۹/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1085- [حسن صحیح : صحیح ابن ماجه' ابن ماجه (۲۰٤۸) کتاب الطلاق : باب لا طلاق قبل النکاح]

1086- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۱۹۰) کتاب الطلاق : باب فی الطلاق قبل النکاح' ترمذی (۱۱۸۱) ابن ماجه (۲۰٤۷) احمد (۱۸۹/۲) طیالسی (۲۲٦۵) ابن الجارود (۷٤۳) حاکم (۲۰٤/۲) بیهقی (۳۱۸/۷) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح یا حسن ہے۔]

---

(۲۲۵) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ۳٦۹)]

(۲۲٦) [سبل السلام (۱٤۵٦/۳)]

(۲۲۷) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۷۳/۲۰۔۷٤)]

لغو ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ اگر معین عورت کے متعلق کہا جائے کہ اگر میرا فلاں عورت سے نکاح ہوا تو اسے طلاق ہے تو اس سے نکاح ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ عورت معین ہو یا مطلق دونوں صورتوں میں طلاق ہو جائے گی۔ (۲۲۸) راجح موقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے۔ امام شوکانیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۲۲۹) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۲۳۰)

1087- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ : عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبُرَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ أَوْ يُفِيقَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَ أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تین آدمی مرفوع القلم ہیں (یعنی ان کا گناہ نہیں لکھا جاتا) ایک سونے والا حتی کہ وہ بیدار ہو جائے، دوسرا بچہ حتی کہ وہ بڑا (یعنی بالغ) ہو جائے اور تیسرا پاگل حتی کہ وہ عقل مند ہو جائے۔" [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیند میں، نابالغ بچے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ یہ تینوں مکلف نہیں اور طلاق صرف مکلف کی طرف سے ہی واقع ہوتی ہے۔ امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۲۳۱) علامہ مرغینانیؒ نے فرمایا ہے کہ بچے، پاگل اور سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (۲۳۲) سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ وہ زوالِ عقل کی وجہ سے مکلف نہیں۔ (۲۳۳)

باب الرجعة — رجوع کا بیان

1088- عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ ثُمَّ يُرَاجِعُ وَلَا يُشْهِدُ؟ فَقَالَ : ((أَشْهِدْ عَلَى طَلَاقِهَا وَعَلَى رَجْعَتِهَا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ هٰكَذَا مَوْقُوفًا، وَ سَنَدُهُ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جو طلاق دیتا ہے، پھر رجوع کر لیتا ہے اور گواہ نہیں بناتا؟ انہوں نے جواب دیا، اپنی طلاق اور رجوع پر گواہ بنایا کرو۔ [اسے ابوداود نے اسی طرح موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور بیہقی نے اسے ان

1087- [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۴۳۹۸) کتاب الحدود : باب فی المجنون یسرق أو یصیب حدا، نسائی (۱۵۶/۶) ابن ماجه (۲۰۴۱) احمد (۱۰۰/۶-۱۰۱) دارمی (۲۲۹۶) ابن حبان (۱۴۲) حاکم (۵۹/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1088- [صحیح : صحیح ابو داود، ابو داود (۲۱۸۶) کتاب الطلاق : باب الرجل یراجع ولا یشهد، ابن ماجه (۲۰۲۵) بیهقی (۳۷۳/۷) طبرانی فی الکبیر (۱۳۰/۱۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۲۸) [المحلی (۲۰۶/۱۰) المبسوط (۱۲۷/۶) حلية العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء (۸/۷) نیل الأوطار (۳۳۵/۴)]
(۲۲۹) [نیل الأوطار (۳۳۵/۴)]
(۲۳۰) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۱۹۱/۲۰)]
(۲۳۱) [نیل الأوطار (۳۳۰/۴)]
(۲۳۲) [نصب الراية مع الهداية (۲۹۶/۳)]
(۲۳۳) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۴۰/۲۰)]

صَحِیْحٌ ' وَ أَخْرَجَهُ الْبَیْهَقِیُّ بِلَفْظِ : ((أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سُئِلَ عَمَّنْ رَاجَعَ امْرَأَتَهُ ' وَلَمْ یُشْهِدْ ' فَقَالَ : فِیْ غَیْرِ سُنَّةٍ فَلْیُشْهِدِ الْآنَ)) وَزَادَ الطَّبَرَانِیُّ فِیْ رِوَایَةٍ : وَ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۔

لفظوں میں روایت کیا ہے کہ] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایسے آدمی کے متعلق دریافت کیا گیا جس نے اپنی بیوی سے رجوع کیا اور گواہ نہیں بنائے تو انہوں نے فرمایا' یہ غیر مسنون کام ہے' اسے چاہیے کہ اب گواہ بنا لے۔[اور طبرانی نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ] اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

لغوی توضیح الــرَّجْــعَة کا معنی ہے ''لوٹنا'' اور اصطلاحاً رجوع یہ ہے کہ بیوی کو پہلی یا دوسری (رجعی) طلاق دینے کے بعد عدت کے اندر اندر اس سے دوبارہ بسنے کی نیت سے صلح کر لینا۔

فہم الحدیث اس رِوایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رجوع کے لیے گواہ بنانا مستحب ہے' لیکن اگر گواہ میسر نہ ہوں تو بغیر گواہوں کے بھی رجوع درست ہے۔امام احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ رجوع کے لیے گواہ بنانا ضروری نہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ گواہ بنانا شرط ہے۔ پہلا مؤقف ہی راجح ہے کیونکہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ رجوع کے لیے گواہوں کی تقرری شرط یا واجب ہے۔ امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔(۲۳۴) شیخ عبداللہ بسامؒ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔(۲۳۵)

1089- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ لَمَّا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِعُمَرَ : ((مُرْهُ فَلْیُرَاجِعْهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا' ''اسے حکم دو کہ اس سے رجوع کر لے۔'' [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث یہ روایت تفصیل کے ساتھ گزشتہ حدیث نمبر 1074 میں گزر چکی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجوع ہمیشہ طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے۔ نیز رجوع صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب مرد نے اپنی بیوی کو پہلی یا دوسری (رجعی) طلاق دی ہو اور ابھی طلاق کی عدت بھی نہ گزری ہو کیونکہ اگر تیسری طلاق دی ہو گی یا پہلی اور دوسری طلاق کی عدت گزر گئی ہو گی تو پھر اس کے لیے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت گزر جانے پر وہ عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔لیکن تیسری طلاق کے بعد وہ اس وقت تک عورت سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک عورت بسنے کی نیت سے کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے اور پھر وہ بعد میں کسی وجہ سے اسے طلاق نہ دے دے۔(۲۳۶) واضح رہے کہ اگر عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کی غرض سے ہی کسی مرد سے نکاح کرتی ہے تو پھر وہ پہلے کے لیے حلال نہیں ہو گی کیونکہ یہ نکاح حلالہ ہے اور نکاح حلالہ باطل ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ حلالے کے نکاح کے بطلان پر امت کا اتفاق ہے۔(۲۳۷)

1089- [بخاری (۴۹۰۸-۵۲۵۱-۵۲۵۳-۵۳۳۲-۷۱۶۰) مسلم (۱۴۷۱) ابو داود (۲۱۷۹-۲۱۸۱-۲۱۸۲-۲۱۸۵) ترمذی (۱۱۷۶) نسائی (۱۳۹/۶) ابن ماجه (۲۰۱۹-۲۰۲۳) احمد (۲۶/۲) دارمی (۲۲۶۲) ابن الجارود (۷۳۳-۷۳۶) دارقطنی (۶/۴-۷) بیهقی (۳۲۴/۷)]

(۲۳۴) [نیل الأوطار (۳۴۹/۴)]
(۲۳۵) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (۵۲۳/۵)]
(۲۳۶) [دیکھئے: البقرة : ۲۳۰]
(۲۳۷) [فتاوی النساء لابن تیمیة (ص/۲۴۲)]

باب الایلاء والظهار والکفارۃ — ایلاء' ظہار اور کفارہ کا بیان

1090- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((آلَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ وَحَرَّمَ، فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا وَجَعَلَ فِي الْيَمِينِ كَفَّارَةً)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا اور (ان کی قربت کو) حرام کر لیا۔ آپ ﷺ نے حلال کو حرام کر لیا تھا اس لیے قسم کا کفارہ مقرر فرمایا۔ [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح إيلا مصدر ہے باب آلَى يُؤْلِي (بروزن افعال) سے' اس کا معنی "قسم کھانا" ہے۔ یہ لفظ اَلِيَّه (یاء کی تشدید کے ساتھ) سے مشتق ہے۔ اس کی جمع الایا بروزن خطایا آتی ہے۔ اصطلاحاً ایلاء یہ ہے' شوہر قسم اٹھائے کہ وہ اپنی اہلیہ سے (محض تادیب کی غرض سے) چار ماہ یا اس سے کم مدت تک ہم بستر نہیں ہوگا۔ یہ ایلاء جائز ہے اور اگر چار ماہ سے زیادہ مدت تک قسم اٹھائے تو یہ جائز نہیں۔ آلَى رَسُولُ اللّٰهِ رسول اللہ ﷺ نے ایلاء کیا' آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ الگ رہنے کی قسم کھائی تھی' چنانچہ آپ نے اپنے بالا خانے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور پھر انتیس (29) دن بعد نیچے اتر آئے۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے کیوں ایلاء کیا اس میں اختلاف ہے البتہ صحیح مسلم میں جو سبب موجود ہے وہ یہ ہے کہ بیویوں نے آپ ﷺ سے زیادہ خرچے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جَعَلَ الْحَلَالَ حَرَامًا آپ ﷺ نے حلال کو حرام کر لیا۔ دراصل آپ ﷺ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کیا تھا' کیونکہ آپ ﷺ کی دو بیویوں (حفصہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا) نے آپ سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے اور آپ ﷺ نے زینب کے گھر سے شہد ہی پیا ہوتا تھا' اس لیے آپ ﷺ نے اسے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ قرآن کی اس آیت ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تحریم کو قسم قرار دیا اور اس کا کفارہ فرض کر دیا۔ چنانچہ پھر آپ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔

1091- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وُقِفَ الْمُؤْلِي حَتَّى يُطَلِّقَ، وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتَّى يُطَلِّقَ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو ایلاء کرنے والے کو (حاکم وقت کے سامنے) کھڑا کیا جائے گا حتی کہ وہ طلاق دے دے اور طلاق تب تک واقع نہیں ہوگی جب وہ طلاق نہ دے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

1092- وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((أَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَقِفُونَ الْمُؤْلِيَ)) رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ۔

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دس سے زیادہ صحابہ کو پایا کہ وہ سب ایلاء کرنے والے کو کھڑا کرتے تھے۔ [اسے شافعی نے روایت کیا ہے۔]

1090- [ضعیف: ضعیف ترمذی' ترمذی (۱۲۰۱) کتاب الطلاق واللعان: باب ما جاء فی الإیلاء' ابن ماجه (۲۰۷۲) ابن حبان (۴۲۷۸) بیهقی (۳۵۲/۷) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو مرسل کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرفوعاً ضعیف کہا ہے۔]

1091- [بخاری (۵۲۹۱) کتاب الطلاق: باب قول الله تعالی للذین یؤلون من نسائهم تربص أربعة أشهر' مالك (۵۵۶/۲)]

1092- [مسند شافعی (۱۳۹/۲) دارقطنی (۶۲/۴) بیهقی (۳۷۶/۷) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح وُقِفَ الْمُوْلِی یا یَقِفُوْنَ الْمُوْلِی کا معنی یہ ہے کہ ایلاء کرنے والے سے چار ماہ بعد اس بات کا مطالبہ کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور یا پھر اس کے ساتھ تعلقات قائم کرے۔ بِضْعَة تین سے نو تک کے عدد کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث معلوم ہوا کہ ایلاء کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ ہے اس کے بعد شوہر کو طلاق دینے یا پھر خوشگوار تعلقات قائم کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ایلاء کی اس مدت کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے کہ ''جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کر لیں ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے پھر اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ہی ارادہ کر لیں (معلوم ہوا کہ از خود طلاق نہیں ہوگی) تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔''(۲۳۸) امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے چار ماہ سے زیادہ مدت کے لیے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کر لے یا طلاق دے دے اور حاکم شوہر کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تاکہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔(۲۳۹) علاوہ ازیں ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جمہور، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ مجرد مدت ایلاء گزرنے سے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔(۲۴۰) راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے۔ امام ابن قیمؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور ترجیح کی دس وجوہ بھی بیان کی ہیں۔(۲۴۱) امام قرطبیؒ(۲۴۲)، امام ابن العربیؒ(۲۴۳)، نواب صدیق حسن خانؒ(۲۴۴)، شیخ البانیؒ(۲۴۵)، شیخ عبد اللہ بسامؒ(۲۴۶) اور شیخ سلیم ہلالی(۲۴۷) بھی اسی کے قائل ہیں۔

1093- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ إِيلَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ السَّنَةَ وَ السَّنَتَيْنِ، فَوَقَّتَ اللّٰهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَلَيْسَ بِإِيلَاءٍ)) أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں ایلاء سال اور دو سال کا ہوتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے چار ماہ (اس کی مدت) مقرر فرما دی، اب اگر چار ماہ سے کم ہوگا تو وہ ایلاء شمار نہیں ہوگا (مراد حرام ایلاء ہے)۔ [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور اگر کوئی چار ماہ سے کم ایلاء کرے گا تو وہ حرام ایلاء نہیں کیونکہ حرام ایلاء تو صرف وہی ہے جو چار ماہ سے زیادہ مدت کے لیے کیا جائے۔

1093- [حسن: بیهقی (۳۸۱/۷) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ مزید یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ امام شوکانیؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اس روایت کو سعید بن منصور، عبد بن حمید، طبرانی اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔]

(۲۳۸) [البقرة: ۲۲۶-۲۲۷]
(۲۳۹) [تفسیر ابن کثیر (۳٦۱/۱)]
(۲٤۰) [نيل الأوطار (۳۰٤/٤) الأم (۲۵٦/۵) الكافي لابن عبدالبر (ص/۲۷۹) المغني (۳۰/۱۱) تفسير اللباب في علوم الكتاب (۱۰۰/٤)]
(۲٤۱) [زاد المعاد (۱۲۹/٤-۱۳۱)]
(۲٤۲) [تفسير قرطبي (۱۰۷/۳)]
(۲٤۳) [تفسير أحكام القرآن لابن العربي (۲۱۵/۱)]
(۲٤٤) [نيل المرام من تفسير آيات الأحكام (ص/ ۸۰)]
(۲٤۵) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲۸۱/۲)]
(۲٤٦) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (۵۳۰/۵)]
(۲٤۷) [موسوعة المناهي الشرعية (۷۹/۳)]

1094- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهِ، ثُمَّ وَقَعَ عَلَيْهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي وَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ، قَالَ: ((فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهِ)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ إِرْسَالَهُ، وَرَوَاهُ الْبَزَّارُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، وَزَادَ فِيهِ: ((كَفِّرْ وَلَا تَعُدْ)).

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا، پھر اس سے ہم بستری بھی کر بیٹھا تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میں نے کفارہ کی ادائیگی سے پہلے ہی اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اب اس کے قریب مت جانا جب تک تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہ کر لو۔" [اسے چاروں نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے جبکہ نسائی نے اس کے مرسل ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔ اور بزار نے اسے ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ] "کفارہ ادا کر اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔"

لغوی توضیح ظِهَار مصدر ہے باب ظَاهَرَ يُظَاهِرُ (بروزن مفاعلہ وفعال) سے، اس کا معنیٰ "مدد کرنا" ہے۔ قاموس میں ہے، ظہار یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے کہے ((أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي)) "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہے۔"(۲۴۸) تمام اعضاء میں سے پشت کو ہی صرف اس لیے خاص کیا گیا ہے کیونکہ اغلباً یہی جائے سواری ہے اور اسی وجہ سے سواری کو ظهــر بھی کہتے ہیں اور بیوی کو اس کے ساتھ مشابہت اس لیے دی گئی ہے کیونکہ وہ مرد کی سواری ہے (مراد جماع وہم بستری ہے)۔ درحقیقت ظہار پشت کو پشت کے ساتھ تشبیہ دینا ہے یعنی حلال پشت کو حرام پشت کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار کے حکم کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے" وہ ظہار کرنے والا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے اور پھر ظہار کا کفارہ (جو آئندہ حدیث میں مذکور ہے) ادا کرنے سے پہلے ہی اس سے ہم بستر ہو جائے تو اسے اپنے اس گناہ کی توبہ کرنی چاہیے اور دوبارہ ہم بستر ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے شوہر پر ہم بستری حرام ہے اور اس پر اجماع ہے، اس پر کفارہ بھی واجب ہے اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے ہم بستری کرنے سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔(۲۴۹) امام ابن العربیؒ (۲۵۰) اور شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ (۲۵۱) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ اگر ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کر بیٹھے تو کیا وہ ایک ہی کفارہ ادا کرے گا یا دو۔ تو اس سلسلے میں جمہور اور ائمہ اربعہ کا موقف یہ ہے کہ اسے ایک ہی کفارہ ادا کرنا ہوگا۔(۲۵۲)

1094- [حسن: صحيح ترمذي، ترمذي (۱۱۹۹) كتاب الطلاق واللعان: باب ما جاء في المظاهر يواقع قبل أن يكفر، ابو داود (۲۲۲۳) نسائي (۱۶۷/۶) ابن ماجه (۲۰۶۵) ابن الجارود (۷۴۷) حاكم (۲۰۴/۲) بيهقي (۳۸۶/۷) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(۲۴۸) [القاموس المحيط (ص/۳۹۲)]
(۲۴۹) [نيل الأوطار (۳۰۹/۴)]
(۲۵۰) [تفسير أحكام القرآن لابن العربي (۱۴۱/۴)]
(۲۵۱) [تيسير الكريم الرحمن (۱۱۷۶/۲)]
(۲۵۲) [نيل الأوطار (۳۰۹/۴) تحفة الأحوذي (۴۲۷/۴) مرقاة المفاتيح (۴۵۰/۶) الفقه الإسلامي وأدلته (۶۰۵/۷-۶۰۷)]

1095- وَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَخِفْتُ أَنْ أُصِيبَ امْرَأَتِي ، فَظَاهَرْتُ مِنْهَا ، فَانْكَشَفَ لِي شَيْءٌ مِنْهَا لَيْلَةً فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((حَرِّرْ رَقَبَةً)) فَقُلْتُ : مَا أَمْلِكُ إِلَّا رَقَبَتِي ، قَالَ : ((فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ)) قُلْتُ : وَهَلْ أَصَبْتُ الَّذِي أَصَبْتُ إِلَّا مِنَ الصِّيَامِ ؟ قَالَ : ((أَطْعِمْ فَرَقًا مِنْ تَمْرٍ سِتِّينَ مِسْكِينًا)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ ۔

حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان شروع ہوا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اپنی بیوی سے جماع نہ کر بیٹھوں تو میں نے اس سے ظہار کر لیا' پھر ایک رات اس کے بدن کا کچھ حصہ میرے سامنے ظاہر ہوا تو میں نے اس سے ہم بستری کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''ایک گردن (غلام) آزاد کر۔'' میں نے عرض کیا' میں تو صرف اپنی گردن کا ہی مالک ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر پے در پے دو ماہ کے روزے رکھ۔'' میں نے کہا' میں روزوں کی وجہ سے ہی تو اس مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر کھجور کا ایک ٹوکرا ساٹھ مساکین کو کھلا دو۔'' [اسے احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح حَرِّرْ فعل امر کا صیغہ ہے باب حَرَّرَ يُحَرِّرُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''آزاد کرنا''۔ رَقَبَةً کا معنی ہے گردن' مراد ہے غلام۔ فَرَقًا ٹوکرے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث میں ظہار کے کفارے کا ذکر ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ (60) مساکین کو کھانا کھلائے۔ واضح رہے کہ کفارے کی ادائیگی میں مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ امام قرطبیؒ نے بھی اس ترتیب کو واجب ہی قرار دیا ہے۔(۲۰۳) اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ غلام کا مومن ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ کافر غلام بھی کفایت کر جاتا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ غلام کا مومن ہونا ضروری ہے۔(۲۰٤) راجح موقف امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ (۲۰۵) پے در پے روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر درمیان میں بغیر کسی شرعی عذر (بیماری یا سفر وغیرہ) کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو ماہ کے روزے دوبارہ رکھنے پڑیں گے۔ ہر مسکین کو کتنا کھانا کھلانا چاہیے اس میں اہل علم کا اختلاف ہے (۲۰٦) لیکن قرآن کے سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسکین کو اتنا کھانا کھلا دینا چاہیے جس سے وہ شکم سیر ہو جائے۔ (واللہ اعلم)

1095- [**صحيح** : صحيح ترمذى ' ترمذى (۱۲۰۰۔۳۲۹۹) كتاب الطلاق واللعان : باب ما جاء فى كفارة الظهار ' ابو داود (۲۲۲۳) ابن ماجه (۲۰٦۲) احمد (۳۷/٤) دارمى (۲۲۷۳) ابن الجارود (۷٤٤) حاكم (۲۰۳/۲) بيهقى (۳۹۰/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح لغیرہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۰۳) [تفسير قرطبى (۱۸۵/۱۷)]

(۲۰٤) [مزید دیکھئے: بدائع الصنائع (۲۳۵/۳) الأم (۲۸۰/۵) المغنى (۸۱/۱۱) نيل الأوطار (۳۵۷/٤)]

(۲۰۵) [اس مسئلے کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب '' طلاق کی کتاب '' ملاحظہ فرمائیے۔]

(۲۰٦) [نيل الأوطار (۳۵۸/٤) الأم (۲۸٤/۵) المغنى (۹٤/۱۱)]

باب اللعان — لعان کا بیان

1096- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((سَأَلَ فُلَانٌ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ أَنْ لَوْ وَجَدَ أَحَدُنَا امْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ، كَيْفَ يَصْنَعُ؟ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ، وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى مِثْلِ ذٰلِكَ، فَلَمْ يُجِبْهُ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَتَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ابْتُلِيتُ بِهِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْآيَاتِ فِي سُورَةِ النُّورِ [٦-٩] فَتَلَاهُنَّ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ وَذَكَّرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ، قَالَ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا، ثُمَّ دَعَاهَا، فَوَعَظَهَا كَذٰلِكَ، قَالَتْ لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنَّهُ لَكَاذِبٌ، فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ، فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ، ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فلاں آدمی نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! بتلایئے اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو فحش کام (زنا) میں مبتلا دیکھے تو کیا کرے؟ اگر کسی کو بتاتا ہے تو یہ نہایت برا فعل ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو اس جیسے قبیح فعل پر خاموش رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا، پھر جب بعد میں وہ آیا تو اس نے کہا، وہ جس کا میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا میں خود ہی اس میں مبتلا ہو گیا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں آیات نازل فرما دیں۔ آپ ﷺ نے وہ آیات اس کے سامنے پڑھیں اور اسے وعظ و نصیحت کی اور اسے بتایا کہ یقیناً دنیوی سزا اُخروی سزا سے ہلکی ہے۔ اس نے کہا نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں اس پر جھوٹ نہیں بول رہا، پھر آپ ﷺ نے اس عورت (یعنی اس کی بیوی) کو بلایا اور اسے بھی اسی طرح نصیحت فرمائی۔ اس نے بھی کہا، نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! یہ جھوٹا ہے۔ تو آپ ﷺ مرد سے ابتداء کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی چار قسمیں اٹھائیں پھر آپ ﷺ نے عورت سے بھی چار قسمیں لیں اور پھر ان کے درمیان تفریق کرا دی۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح: لعان مصدر ہے باب لَاعَنَ يُلَاعِنُ (بروزن مفاعلہ، فعال) سے، اس کا معنی ہے "ایک دوسرے پر لعنت کرنا"۔ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ لعان لعن سے مشتق ہے کیونکہ لعنت کرنے والا مرد پانچویں شہادت میں کہتا ہے "اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔" نام رکھنے کے لیے غضب کو چھوڑ کر لفظِ لعن کو اس لیے اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ مرد کا قول ہے اور آیت میں اسی سے ابتدا کی گئی ہے اور لعان میں مرد بھی اسی کے ساتھ ابتدا کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہٹانا اور دور کرنا ہے۔ (٢٥٧) لعان کی صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور اس کے پاس گواہ موجود نہیں ہوتے یا شوہر کہتا ہے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ میرا نہیں ہے، جبکہ اس کی بیوی اس سے انکار کرتی ہے تو پھر یہ شخص

1096- [مسلم (١٤٩٣) كتاب اللعان: باب، ترمذی (١٢٠٢) نسائی (١٧٥/٦) احمد (١٩/٢-٤٢) ابن حبان (٤٢٨٦) بیهقی (٤٠٤/٧) دارمی (٢٢٣١)]

(٢٥٧) [فتح الباری (٥٥١/١٠)]

عدالت یا حاکم وقت کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم اٹھا کر گواہی دیتا ہے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہتا ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ پھر اس کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم اٹھا کے شہادت دیتی ہے کہ اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہتی ہے کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ تب وہ حدِ زنا سے بچ جاتی ہے۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ڈال دی جاتی ہے۔ اس عمل کو لعان اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں دونوں جھوٹا ہونے کی صورت میں خود کو لعنت کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ عورت کو لعان کی ترتیب میں دوسرا بنایا۔

فهم الحديث اس حدیث سے لعان کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لعان میں پہلے مرد سے قسمیں لی جائیں گی اور پھر عورت سے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ لعان کے بعد حاکم وقت دونوں میں جدائی کرا دے گا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ لعان سے دونوں میں از خود جدائی ہو جائے گی یا حاکم وقت کے جدائی کرانے سے ہوگی۔ احناف کا مؤقف یہ ہے کہ اس وقت تک جدائی نہیں ہوگی جب تک کہ حاکم انہیں جدا نہ کر دے (جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے جدائی کرائی)۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جب دونوں لعان سے فارغ ہوں گے تو از خود علیحدگی ہو جائے گی خواہ حاکم تفریق نہ بھی کرائے کیونکہ وہ عورت اب شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ہے لہٰذا اگر وہ اکٹھے رہنا بھی چاہیں تو نہیں رہ سکتے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ جب شوہر شہادت مکمل کر لے تو اسی وقت عورت مرد پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔ (۲۵۸)

1097- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ: ((حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ، لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا)) قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَالِي؟ فَقَالَ: ((إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعان کرنے والے میاں بیوی سے فرمایا "تمہارا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، تم میں سے ایک تو جھوٹا ہے، اب تمہارا اس عورت پر کوئی حق نہیں۔ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے مال کا کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تو اس پر الزام لگانے میں سچا ہے تو وہ اس ہم بستری کا عوض ہے جو تم میں اس کی شرمگاہ کو حلال کر کے کی ہے اور اگر تو نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو پھر (تیرا مال) تجھ سے بہت دور ہے۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حِسَابُكُمَا یہاں حساب سے مراد جزاء و بدلہ ہے۔ لَا سَبِيلَ لَكَ سبیل راستے کو کہتے ہیں، یہاں مراد ہے تیرا اس سے اب کوئی تعلق نہیں۔ مَالِي میرا مال، مراد ہے حق مہر۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی احکام ظاہری طور پر ہی نافذ ہوتے ہیں، حاکم و قاضی اس سے زیادہ کا مکلف نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک تو جھوٹا ہی ہے لیکن تم دونوں چونکہ قسمیں کھا کر اپنے آپ کو سچا کہہ رہے ہو اس لیے ہم اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے اور جھوٹے کو سزا اب اللہ ہی دے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لعان کے بعد میاں بیوی ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے

1097- [بخاری (۵۳۱۲) کتاب الطلاق: باب قول الإمام للمتلاعنين إن أحدكما كاذب، مسلم (۱۴۹۳) ابو داود (۲۲۵۷) نسائی (۱۷۷/۶) احمد (۱۱/۲) ابن حبان (۴۲۸۷) بیهقی (۴۰۱/۷) ابن الجارود (۷۵۳)]

(۲۵۸) [تفسير اللباب فى علوم الكتاب (۳۰۶/۱۴)]

فرمایا' اس لعان کے بعد دولعان کرنے والوں کے متعلق یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ ان کے درمیان جدائی ڈال دی جاتی تو پھر کبھی وہ اکٹھے نہ ہو سکتے۔(۲۵۹) شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ وہ دونوں کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے خواہ وہ دوبارہ شادی ہی کرنا چاہیں۔(۲٦۰) یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ علم الغیب نہیں جانتے تھے' بلکہ جو سنتے تھے اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔

1098- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَبْصِرُوهَا ' فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَبْيَضَ سَبِطًا فَهُوَ لِزَوْجِهَا ' وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ جَعْدًا ' فَهُوَ لِلَّذِي رَمَاهَا بِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اس عورت کو دیکھو اگر تو اس کے ہاں سفید رنگ کا سیدھے بالوں والا بچہ پیدا ہو تو وہ اس کے شوہر کا ہی ہے اور اگر سرمگیں آنکھوں اور گھنگریالے بالوں والا پیدا ہو تو وہ اسی کا ہے جس کے ساتھ اس نے تہمت لگائی ہے۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح سَبِطًا سیدھے بالوں والا۔ أَكْحَلَ سرمگیں آنکھوں والا' مراد ایسا شخص ہے جس کی آنکھیں سرمہ لگائے بغیر ہی سرمگیں ہوں۔ جَعْدًا گھنگریالے بالوں والا۔ لِلَّذِي رَمَاهَا بِهِ اسی کا ہے جس کے ساتھ اس نے تہمت لگائی ہے' یعنی زانی کا۔ دراصل تہمت لگانے والے ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں آدمیوں کے اوصاف کے لحاظ سے قیافہ فرمایا کہ اگر بچہ ان صفات سے متصف ہوا تو شوہر کا اور ان سے متصف ہوا تو زانی کا ہوگا' صحیح روایت میں ہے کہ پھر جب بچہ پیدا ہوا تو وہ زانی کے ہی مشابہ تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا " اگر وہ چیز نہ ہوتی جو کتاب اللہ میں گزری ہے تو میں اس کی خوب خبر لیتا۔"

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیافہ معتبر اور قابل عمل ہے جبکہ اس پر عمل کا کوئی مانع موجود نہ ہو جیسا کہ یہاں لعان مانع تھا تو آپ ﷺ نے اس عورت کو حد زنا نہیں لگائی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بچوں میں والدین کی صفات کا منتقل ہونا فطری امر ہے۔

1099- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ عَلَى فِيهِ وَقَالَ : ((إِنَّهَا مُوجِبَةٌ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ پانچویں قسم کے وقت قسم کھانے والے کے منہ پر ہاتھ رکھے اور فرمایا "یقیناً یہ قسم موجب ہلاکت ہے۔"[اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے وقت حاکم کو چاہیے کہ دونوں لعان کرنے والوں کو جھوٹی قسم سے بچنے کی نصیحت کرے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حاکم لعان کرنے والے میاں بیوی کو نصیحت کرے اور انہیں جھوٹی قسم کے وبال سے ڈرائے اور انہیں یہ بھی بتائے کہ دنیاوی عذاب یعنی حد پر صبر کرنا اُخروی عذاب سے زیادہ ہلکا ہے۔(۲٦۱) شیخ عبداللہ بسامؒ فرماتے ہیں کہ حاکم کو چاہیے کہ قسمیں اٹھاتے وقت زوجین میں سے ہر ایک کو وعظ

1098- [مسلم (۱٤۹٦) نسائی (۱۷۱/٦) احمد (۱٤۲/۳)]

1099- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۲۵۵) کتاب الطلاق : باب فی اللعان' نسائی (۱۷۵/٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۵۹) [صحیح : صحیح ابو داود (۱۹٦۹) کتاب الطلاق : باب فی اللعان' ابو داود (۲۲۵۰)]

(۲٦۰) [توضیح الأحکام شرح بلوغ المرام (٥٤۳/٥)]

(۲٦۱) [شرح مسلم للنووی (۳۹۰/٥)]

کرے شاید اگر وہ جھوٹا ہو تو اپنی بات سے رجوع کر لے اور اسی طرح لعان مکمل ہونے کے بعد بھی ان دونوں کو توبہ کی تلقین کی جائے تا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔ (٢٦٢)

1100- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ - قَالَ: ((فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلَاعُنِهِمَا قَالَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے لعان کرنے والوں کے قصہ میں مروی ہے کہ جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو مرد نے کہا' اے اللہ کے رسول! اگر میں اسے اب بھی روکے رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے پہلے ہی عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس صحابی نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد تین طلاقیں اس لیے دیں کیونکہ اسے علم نہیں تھا کہ لعان بذات خود ہمیشہ کی جدائی کا موجب ہے لہٰذا اس نے اپنی بیوی کو بذریعہ طلاق ہی اپنے اوپر حرام کر دینا چاہا۔ بظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں لعان کو پختہ کرنے کے لیے تھیں' ان کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ نیز واضح رہے کہ لعان کے بعد مرد کے ذمہ نہ تو عورت کے لیے کوئی خرچہ باقی رہ جاتا ہے اور نہ ہی رہائش۔

1101- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ، قَالَ: ((غَرِّبْهَا)) قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِي، قَالَ: ((فَاسْتَمْتِعْ بِهَا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ الْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَ أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا بِلَفْظٍ: قَالَ: ((طَلِّقْهَا)) قَالَ: إِنِّي لَا أَصْبِرُ عَنْهَا، قَالَ: ((فَأَمْسِكْهَا))۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا' میری بیوی کسی چھونے والے کا ہاتھ نہیں روکتی' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے دور کر دے۔'' اس نے عرض کیا' مجھے خدشہ ہے کہ میرا نفس اس کا پیچھا کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر اس سے فائدہ اٹھاتا رہ۔'' [اسے ابوداود، ترمذی اور بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور نسائی نے ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ] آپ ﷺ نے فرمایا ''اُسے طلاق دے دے۔'' اس نے کہا' میں اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر اسے روکے رکھ۔''

لغوی توضیح لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ کسی چھونے والے کا ہاتھ نہیں روکتی' مراد ہے وہ اجنبی مردوں سے اجتناب نہیں کرتی' یہ ہرگز مراد نہیں کہ وہ فاحشہ وزانیہ ہے۔ غَرِّبْهَا فعل امر کا صیغہ ہے باب غَرَّبَ يُغَرِّبُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا

1100- [بخاری (٥٢٥٩) کتاب الطلاق: باب من أجاز طلاق الثلاث' مسلم (١٤٩٢) ابو داود (٢٢٤٥) نسائی (١٤٣/٦) مالك (٥٦٦/٢) دارمی (٢٢٢٩) احمد (٣٣٦/٥) ابن حبان (٤٢٨٥) بیهقی (٣٩٨/٧)]

1101- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٢٠٤٩) کتاب النکاح: باب النهی عن تزويج من لم يلد من النساء' نسائی (٦٧/٦-١٦٩) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٢٦٢) [توضيح الأحكام شرح بلوغ المرام (٥٤٣/٥)]

معنی ہے ''دور کر دینا'' مراد یہ تھا طلاق دے دو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو چاہیے کہ وہ اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچے' یہی وجہ ہے کہ محض اسی بنا پر آپ ﷺ نے شوہر کو اسے طلاق دینے کا کہا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ عورت زانیہ و بدکار نہ تھی' کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر کیونکر آپ ﷺ اس کے شوہر کو اسے رکھنے کی اجازت دیتے اور اسے دیوث بن کر جینے دیتے۔ یہ روایت اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اگر عورت اجنبی مردوں سے میل جول رکھے اور شوہر کے نصیحت کرنے پر بھی باز نہ آئے تو اسے طلاق دے دینا ہی بہتر ہے کیونکہ آپ ﷺ نے مرد کو پہلی مرتبہ یہی فرمایا تھا۔

1102- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ ـ حِينَ نَزَلَتْ آيَةُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ : ((أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ، وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهُ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ ـ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ ـ احْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُوسِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ـ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لعان کی آیات نازل ہوئیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''جو عورت کسی قوم میں ایسا بچہ داخل کرے جو ان میں سے نہیں تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جو آدمی اپنے بچے کا انکار کرے جبکہ وہ اسے دیکھ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے پردہ فرمالیں گے اور اسے پہلی اور پچھلی تمام مخلوقات کے سامنے رسوا کریں گے۔ [اسے ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ جو عورت بچہ داخل کر دے' مراد ہے کسی دوسرے سے زنا کرا کے حاملہ ہو جائے اور شوہر کو علم ہی نہ ہو کہ یہ بچہ تو کسی اور کا ہے اور وہ اسے لاعلمی میں اپنا ہی سمجھتا رہے۔ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ وہ اسے دیکھ رہا ہو' مراد یہ ہے کہ مرد اپنے بچے کا انکار کرے اور اسے علم ہو کہ وہ اسی کا بچہ ہے۔ احْتَجَبَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ پردہ فرمالیں گے' یعنی اسے اپنی رحمت سے دور کر لیں گے۔ فَضَحَهُ اور اسے ذلیل و رسوا کریں گے۔

1103- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مَنْ أَقَرَّ بِوَلَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ)) أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَهُوَ حَسَنٌ مَوْقُوفٌ ـ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے لحہ بھر بھی اپنے بچے کا اقرار کر لیا تو پھر اس کے لیے اس کی نفی کرنا درست نہیں۔ [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ حسن موقوف ہے۔]

لغوی توضیح طَرْفَةَ عَيْنٍ پلک جھپکنے کے برابر۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان ایک مرتبہ مکمل ہوش و حواس میں کسی بچے کو اپنا بچہ تسلیم کر لے تو پھر اسے انکار کا حق باقی نہیں رہتا' پھر وہ بچہ ہمیشہ کے لیے اسی کا ہو جاتا ہے اور بچے کی پرورش کی ذمہ داری اور دیگر

1102- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (۲۲۶۳) کتاب الطلاق : باب فی التغلیظ فی الانتفاء' نسائی (۱۷۹/۶) ابن ماجه (۲۷۴۳) دارمی (۲۲۳۸) ابن حبان (۱۳۳۵۔الموارد) حاکم (۲۰۲/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1103- [بیهقی (۴۰۹/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند موقوفا حسن ہے۔]

حقوق اس کے ذمہ لازم ہو جاتے ہیں۔

1104- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ ' قَالَ ((هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ ؟)) قَالَ : نَعَمْ ' قَالَ : ((فَمَا أَلْوَانُهَا ؟)) قَالَ : حُمْرٌ ' قَالَ : ((هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ ؟)) قَالَ : نَعَمْ ' قَالَ : ((فَأَنَّى ذٰلِكَ ؟)) قَالَ : لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ ' قَالَ : ((فَلَعَلَّ ابْنَكَ هٰذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ : وَهُوَ يُعَرِّضُ بِأَنْ يَنْفِيَهُ ' وَقَالَ فِي آخِرِهِ : وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الِانْتِفَاءِ مِنْهُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میری بیوی کے ہاں کالا لڑکا پیدا ہوا ہے (جسے میں اپنا نہیں سمجھتا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس اونٹ ہیں؟" اس نے کہا کہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ "ان کے رنگ کیسے ہیں؟" اس نے کہا' سرخ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "ان میں کوئی خاکی بھی ہے؟" اس نے کہا کہ ہاں ان میں خاکی بھی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ اس رنگ کا کہاں سے آ گیا؟" اس نے کہا' اے اللہ کے رسول! کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ممکن ہے اس بچے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو؟"۔ [بخاری، مسلم۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ] وہ بچے کا انکار کرنے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس روایت کے آخر میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بچے کا انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔

لغوی توضیح حُمْرٌ جمع ہے أَحْمَر کی' اس کا معنی ہے "سرخ"۔ أَلْوَان جمع ہے لَوْن کی' اس کا معنی ہے "رنگ"۔ أَوْرَق خاکی رنگ کو کہتے ہیں۔ نَزَعَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب نَزَعَ يَنْزِعُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "کھینچنا"۔ عِرْق رگ کو کہتے ہیں۔ يُعَرِّضُ وہ اشارہ کر رہا تھا۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا وجہ بیوی پر شک کرنا یا محض شک کی بنیاد پر بچے کا انکار کرنا' درست نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسائل سمجھاتے ہوئے کوئی پیچیدہ یا فلسفیانہ انداز نہیں اپنانا چاہیے بلکہ عام فہم انداز اور مثالوں سے بات سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم کا انداز کتنا ہی عمدہ تھا کہ آپ ہر شخص کی ذہنی سطح پیش نظر رکھتے ہوئے اسے تعلیم دیتے تھے۔ اب یہ آدمی چونکہ دیہاتی تھا اور اونٹوں اور ان کی اقسام وانساب کو جانتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اونٹوں کی مثال دے کر ہی سمجھایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آثار وقرائن معتبر ہیں جب تک کہ ان کے خلاف کوئی صحیح وصریح دلیل نہ مل جائے۔

باب العدة والاحداد والاستبراء وغير ذلك — عدت، سوگ اور استبرائے رحم وغیرہ کا بیان

1105- عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچے کو جنم دیا۔ وہ رسول اللہ

1104- [بخاری (٥٣٠٥) كتاب الطلاق : باب إذا عرض بنفي الولد' مسلم (١٥٠٠) ابو داود (٢٢٦٠-٢٢٦٢) ترمذی (٢١٢٨) نسائی (١٧٨/٦) ابن ماجه (٢٠٠٢) احمد (٢٣٩/٢) ابن حبان (٤١٠٦)]

1105- [بخاری (٥٣٢٠) كتاب الطلاق : باب وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن' نسائی (١٩٠/٦) ابن ماجه (٢٠٢٩)]

زَوْجِهَا بِلَيَالٍ ، فَجَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ ، فَأَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ نکاح کی اجازت طلب کرے تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی اور اس نے نکاح کر لیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

1106- وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ : وَفِي لَفْظٍ : ((أَنَّهَا وَضَعَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً)) وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ : قَالَ الزُّهْرِيُّ : وَلَا أَرَى بَأْسًا أَنْ تَزَوَّجَ وَهِيَ فِي دَمِهَا ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتَّى تَطْهُرَ۔

اس کی اصل صحیحین میں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس روز بعد بچہ جنا۔ [اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ]امام زہریؒ نے فرمایا' میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ عورت شادی کر لے اور اسے ابھی (نفاس کا) خون آ رہا ہو'البتہ جب تک وہ پاک نہ ہو جائے اس کا شوہر اس کے قریب نہ جائے۔

لغوی توضیح اَلْعِدَّة کی جمع عِدَد مستعمل ہے۔ یہ لغت میں ''شمار کرنے'' کو کہتے ہیں جو کہ عدد سے ماخوذ ہے۔ چونکہ یہ حیضوں یا مہینوں کے عدد پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اسے عدت کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ عدت ایسی مدت ہے جسے عورت شادی کی وجہ سے اپنے شوہر کی وفات پر یا اس کے چھوڑ دینے پر ولادت (وضع حمل) کے ساتھ یا (تین) حیضوں کے ساتھ یا (تین) مہینوں کے ساتھ گزارتی ہے۔(٢٦٣) اَلْإِحْدَاد سوگ منانے کو کہتے ہیں' یعنی عورت کا شوہر کی وفات پر زیب و زینت ترک کر کے عدت کے دوران سوگ منانا۔ نُفِسَتْ نفاس والی ہوگئی' یعنی اس نے بچے کو جنم دیا۔ فِي دَمِهَا یعنی ابھی وہ حالت نفاس میں ہی ہو۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ (جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس) پر عدت گزارنا واجب ہے۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے' جیسا کہ قرآن میں ہے۔(٢٦٤) لیکن اگر بیوہ حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہی ہے خواہ وفات کے ایک دن بعد ہی حمل وضع ہو جائے' تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٤] ''حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔'' اور مذکورہ بالا حدیث بھی اس کا واضح ثبوت ہے۔ جمہور علما بیوہ حاملہ کے لیے اسی عدت کے قائل ہیں۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایسی عورت کی عدت أَبْعَدُ الْأَجَلَيْن ہے (یعنی دونوں میں سے بعد والی' اس کا معنی یہ ہے کہ اگر ایسی عورت کو چار ماہ دس دن سے پہلے وضع حمل ہو جائے تو وہ چار ماہ دس دن پورے کرے گی اور اگر چار ماہ دس دن ہو جائیں لیکن وضع حمل نہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی)۔(٢٦٥) امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ سلف کے درمیان پہلے تو بیوہ کی عدت میں اختلاف تھا لیکن بعد میں اتفاق ہو گیا کہ اس کی عدت وضع حمل ہی ہے۔(٢٦٦) امام ابن حزمؒ (٢٦٧)، امام ترمذیؒ (٢٦٨)، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (٢٦٩) اور نواب صدیق حسن خانؒ (٢٧٠) اسی کے قائل ہیں۔

1106- [بخاری (٥٣١٩-٣٩٩١-٥٣١٨-٤٩٠٩) کتاب تفسیر القرآن : باب وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن' مسلم (١٤٨٥-١٤٨٤) ترمذی (١١٩٤) نسائی (١٩١/٦-١٩٤) ابو داود (٢٣٠٦) ابن حبان (٤٢٨١) احمد (٤٣٢/٦)]

(٢٦٣) [فتح الباری (٥٨٩/١٠)]
(٢٦٤) [البقرة : ٢٣٤]
(٢٦٥) [نيل الأوطار (٣٨٨/٤)]
(٢٦٦) [أعلام الموقعين (٨٦/٢)]
(٢٦٧) [المحلى بالآثار (٤١/١٠)]
(٢٦٨) [ترمذی (بعدالحدیث/ ١١٩٣) کتاب الطلاق : باب ما جاء فی الحامل المتوفی عنها زوجها تصنع]
(٢٦٩) [تحفة الأحوذی (٤٢٠/٤)]
(٢٧٠) [الروضة الندية (١٤٥/٢)]

1107- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((أُمِرَتْ بَرِيرَةُ أَنْ تَعْتَدَّ بِثَلَاثِ حِيَضٍ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ، لٰكِنَّهُ مَعْلُولٌ ـ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو تین حیض عدت گزارنے کا حکم دیا گیا۔[اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ معلول ہے۔]

فهم الحديث بریرہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خرید کر آزاد کر دیا تھا' اس وقت ان کا شوہر (مغیث) ابھی غلام ہی تھا' اس لیے اسے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے یا نکاح فسخ کرنے کا اختیار دیا گیا تو اس نے فسخ نکاح کو اختیار کر لیا' اس پر اسے دیگر آزاد عورتوں کی طرح تین حیض عدت گزارنے کا حکم دیا گیا۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ اسے فسخ نکاح (جو طلاق نہیں) کے باوجود تین حیض عدت گزارنے کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ رجوع کی مدت طویل ہو جائے اور اس کا شوہر آزاد ہو کر اس کے پاس آ جائے یا پھر وہ خود ہی شوہر کو ترجیح دے دے' خلع بھی فسخ نکاح ہی ہے لیکن اس کی عدت ایک حیض اس لیے ہے کیونکہ اس میں شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوتا اس لیے محض استبرائے رحم کے لیے خلع یافتہ عورت کی عدت ایک حیض مقرر کی گئی ہے تاکہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو کسی اور سے نکاح کر سکے۔

1108- وَعَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ـ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا ـ ((لَيْسَ لَهَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

شعبیؒ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مطلقہ ثلاثہ کے متعلق فرمایا ''اس کے لیے نہ تو رہائش ہے اور نہ ہی خرچہ۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کو تیسری طلاق (یعنی طلاق بائن) ہوئی ہو اس کے لیے شوہر کے ذمہ نہ تو رہائش ہے اور نہ ہی خرچہ۔ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں' جمہور علما نے کہا ہے کہ اس کے لیے خرچہ نہیں البتہ رہائش واجب ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس کے لیے رہائش اور خرچہ دونوں واجب ہیں۔ (۲۷۱) امام احمدؒ وغیرہ کا قول ہی راجح ہے۔ سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۷۲) اور شیخ سلیم ہلالی (۲۷۳) نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر تیسری طلاق یافتہ عورت حاملہ ہو تو پھر شوہر پر اس کا خرچہ لازم ہے' جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا تھا ''اگر تو حاملہ ہوتی تو پھر تیرے لیے خرچہ لازم ہوتا۔'' (۲۷۴) نیز اگر عورت کو رجعی (یعنی پہلی یا دوسری) طلاق دی گئی ہو تو پھر وہ عدت کے اندر اندر خرچہ اور رہائش دونوں کی مستحق ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ ﴾ [الطلاق : ۱] ''انہیں (جنہیں تم نے طلاق دی ہے) اپنے گھروں سے مت نکالو اِلا کہ وہ کسی فحاشی کے کام کا ارتکاب کریں۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''بے شک خرچہ اور رہائش عورت کے لیے تب ہے جب اس کا خاوند اس پر رجوع کا حق رکھتا ہو۔'' (۲۷۵)

1107- [**صحيح** : صحيح ابن ماجه، ابن ماجه (۲۰۷۷) كتاب الطلاق : باب خيار الأمة إذا أعتقت، شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1108- [مسلم (۱٤۸۰) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها، ابو داود (۲۲۸٤) ترمذی (۱۱۳۵) نسائی (۷۵/٦) ابن ماجه (۲۰۳۵) احمد (٤۱۲/٦) ابن حبان (٤۲۹۱)]

(۲۷۱) [المغنى (٤۰۳/۱۱) فتح البارى (٦۰۲/۱۰) نيل الأوطار (٤۰٤/٤)]

(۲۷۲) [فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۲۲۷/۲۰)] (۲۷۳) [موسوعة المناهى الشرعية (۸۷/۳)]

(۲۷٤) [مسلم (۱٤۸۰) ابو داود (۲۲۹۰) نسائی (٦۲/٦) احمد (٤۱٤/٦)]

(۲۷۵) [**صحيح** : التعليقات الرضية على الروضة الندية (۲۱٤/۲) السلسلة الصحيحة (۱۷۱۱) أحمد (۳۷۳/٦) نسائی (۱٤٤/٦)]

1109- وَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ، وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ طِيبًا إِلَّا إِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ ، وَلِأَبِي دَاوُدَ وَ النَّسَائِيِّ مِنَ الزِّيَادَةِ ((وَلَا تَخْتَضِبُ)) وَ لِلنَّسَائِيِّ : ((وَلَا تَمْتَشِطُ))۔

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے الا کہ شوہر (کی وفات) پر چار ماہ اور دس دن سوگ کرے' (اس دوران) رنگ دار کپڑا نہ پہنے' البتہ وہ کپڑا پہن سکتی ہے جس کا دھاگہ بننے سے پہلے ہی رنگ دیا گیا ہو' سرمہ نہ لگائے' خوشبو استعمال نہ کرے مگر جب ایام ماہواری سے پاک ہو تو اس وقت تھوڑی سی عود ہندی (خوشبودار لکڑی) یا اظفار استعمال کر سکتی ہے۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں اور ابوداود اور نسائی میں یہ اضافہ ہے کہ] ''اور خضاب نہ لگائے۔'' [اور نسائی میں ہے کہ] ''کنگھی بھی نہ کرے۔''

لغوی توضیح لَا تُحِدُّ سوگ نہ کرے۔ مَصْبُوْغًا رنگ دار۔ ثَوْبَ عَصْبٍ سے مراد ہے یمنی چادریں' جن کے دھاگوں کو بننے سے پہلے اس طرح مضبوطی سے باندھا جاتا تھا کہ وہ بننے سے پہلے ہی رنگ دار ہو جاتے تھے۔ نُبْذَةٌ ٹکڑا۔ قُسْط سے مراد عود ہندی ہے جو کہ ایک خوشبودار لکڑی کا نام ہے۔ أَظْفَار بھی خوشبو کی ہی ایک قسم ہے۔ لَا تَخْتَضِبُ خضاب (یعنی مہندی وغیرہ) نہ لگائے۔ لَا تَمْتَشِطُ کنگھی نہ کرے۔

1110- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَعَلْتُ عَلَى عَيْنِي صَبْرًا بَعْدَ أَنْ تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ وَانْزِعِيهِ بِالنَّهَارِ ، وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ ، وَلَا بِالْحِنَّاءِ ، فَإِنَّهُ خِضَابٌ)) قُلْتُ : بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ ؟ قَالَ : ((بِالسِّدْرِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ابوسلمہ کی وفات کے بعد اپنی آنکھوں پر مصبر (ایک قسم کی دوائی) لگائی' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ چہرے کو چمکا دیتی ہے اس لیے تو اسے صرف رات کو لگایا کر اور دن کو اتار دیا کر۔ خوشبو اور مہندی والی کنگھی نہ کر کیونکہ وہ تو خضاب ہے۔'' میں نے عرض کیا' تو پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''بیری کے پتوں (کو پانی میں ڈال کر اس) کے ساتھ۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔]

لغوی توضیح الصَّبِر ایک کڑوے درخت کے رَس کو کہتے ہیں جو بطورِ دوا آنکھوں کے اطراف پر لگایا جاتا ہے۔ يَشُبُّ الْوَجْهَ چہرے کو بارونق' چمکدار اور خوبصورت بنا دیتی ہے' يَشُبُّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب شَبَّ يَشُبُّ (بروزن نصر) سے۔ السِّدْر بیری کے پتوں کو کہتے ہیں۔

1109- [بخاری (٥٣٤١۔٥٣٤٣) كتاب الطلاق : باب القسط للحادة عند الطهر' مسلم (٩٣٨) ابو داود (٢٣٠٢۔٢٣٠٣) نسائی (٢٠٣/٦۔٢٠٤) ابن ماجه (٢٠٨٧) احمد (٤٠٨/٦) دارمی (٢٢٨٦) ابن الجارود ٧٦٦٠) بیهقی (٤٣٩/٧)]

1110- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (٢٣٠٥) كتاب الطلاق : باب فيما تجتنبه المعتدة فی عدتها' نسائی (٢٠٤/٦۔٢٠٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1111- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' إِنَّ ابْنَتِي مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا ' وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا ' أَفَنَكْحُلُهَا ؟ قَالَ : ((لَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا میں اسے سرمہ لگا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَفَنَكْحُلُهَا کیا میں اسے سرمہ لگا دوں؟ یعنی اپنی بیٹی کی آنکھوں میں تکلیف کی وجہ سے سرمہ لگاؤں۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ عورت پر عدت کے اندر (اگر حائضہ ہے تو چار ماہ دس دن اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک) سوگ کرنا واجب ہے۔ سوگ کا مفہوم یہ ہے کہ عورت بناؤ سنگھار اور زیب و زینت اختیار نہ کرے' خوبصورت لباس اور زیورات نہ پہنے' خوشبو' سرمہ اور مہندی نہ لگائے اور کسی سخت ضرورت کے بغیر شوہر کے گھر سے باہر نہ نکلے۔ البتہ جب ایام ماہواری سے پاک ہو تو خوشبو کی غرض سے نہیں بلکہ محض حیض کے خون کی بدبو ختم کرنے کے لیے عود ہندی اور اظفار وغیرہ جیسی خوشبو استعال کر سکتی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ دورانِ سوگ عورت پر ہر وہ چیز کھانا جائز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے مثلاً پھل اور گوشت وغیرہ اور اسی طرح ہر وہ چیز پینا بھی جائز ہے جسے پینے کی اشیاء میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ (۲۷۶) امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ (عدتِ وفات کے دوران) عورت کو ناخن کاٹنے' بغلوں کے بال اُکھیڑنے اور ان بالوں کو مونڈنے سے نہیں روکا جائے گا جن کا مونڈنا جائز ہے اور اسی طرح بیری وغیرہ کے پتوں (آج کل صابن وغیرہ) کے ساتھ غسل کرنے اور کنگھی کرنے سے بھی نہیں روکا جائے گا۔ (۲۷۷) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر شوہر کا کتنا عظیم حق ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس پر اظہارِ افسوس کے لیے چار ماہ دس دن تک عورت کو بناؤ سنگھار سے منع کر دیا گیا ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دورانِ سوگ سرمہ لگانے سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ وہ آنکھوں کے لیے باعثِ زینت ہے' اس لیے منع نہیں کیا کہ اس میں علاج ہے' بلکہ عورت کے لیے بوقتِ ضرورت اپنے سارے بدن کا علاج کرانا مباح و جائز ہے۔ (۲۷۸)

1112- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : طُلِّقَتْ خَالَتِي ' فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا ' فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ ' فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ ' فَقَالَ : ((بَلَى جُدِّي نَخْلَكِ ' فَإِنَّكِ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی' انہوں نے (دورانِ عدت) اپنی کھجور کا پھل اتارنے (کے لیے باہر جانا) چاہا تو ایک آدمی نے انہیں باہر نکلنے پر ڈانٹا' تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیوں نہیں' تم اپنی کھجوروں کا پھل اتارو' کیونکہ قریب ہے تم صدقہ کرو یا کوئی دوسرا نیکی کا کام کرو۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

1111- [بخاری (۵۳۳٦) کتاب الطلاق : باب تحد المتوفی عنها زوجها أربعة أشهر وعشرا' مسلم (۱٤۸۸) ابو داود (۲۲۹۹) ترمذی (۱۱۹۷) نسائی (٦/۲۰۲) ابن حبان (٤۳۰٤) بیهقی (۷/٤۳۷) ابن ماجه (۲۰۸٤)]

1112- [مسلم (۱٤۸۳) کتاب الطلاق : باب جواز خروج المعتدة البائن والمتوفی عنها زوجها' ابو داود (۲۲۹۷) ابن ماجه (۲۰۳٤) نسائی (٦/۲۰۹) احمد (۳/۳۲۱)]

(۲۷٦) [مجموع الفتاوی لابن تیمیة (۳٤/۲۷-۲۸)]

(۲۷۷) [زاد المعاد (۵/۵۰۷)]

(۲۷۸) [توضیح الأحکام (۵/۵۷٦)]

لغوی توضیح تَجُدَّ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب جَدَّ یَجُدُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "اتارنا' توڑنا' کاٹنا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عورت کے لیے دورانِ عدت گھر میں ٹھہرنا ہی افضل ہے لیکن بوقتِ ضرورت وہ گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مسائل جن کے متعلق عوام الناس بلا دلیل فتوے صادر کر رہے ہوں' ان کے متعلق اہل علم و تحقیق سے دریافت کرنا مستحب ہے۔

1113- وَعَنْ فُرَيْعَةَ بِنْتِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ ' فَقَتَلُوهُ ' قَالَتْ : فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي ' فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةً ' فَقَالَ : ((نَعَمْ)) فَلَمَّا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ نَادَانِي ' فَقَالَ : ((امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ)) قَالَتْ : فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ' قَالَتْ : فَقَضَى بِهِ بَعْدَ ذَالِكَ عُثْمَانُ ۔ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ ' وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الذُّهْلِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَ غَيْرُهُمْ ۔

حضرت فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کا شوہر اپنے (بھاگے ہوئے) غلاموں کی تلاش میں نکلا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے میکے لوٹ جانے کے متعلق دریافت کیا' کیونکہ میرے شوہر نے میرے لیے نہ تو کوئی ایسی رہائش چھوڑی تھی جس کا وہ مالک ہو اور نہ ہی خرچہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں۔" جب میں حجرے میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھے آواز دی اور فرمایا "اپنے گھر میں ہی ٹھہرو حتی کہ عدت پوری ہو جائے۔" وہ بیان کرتی ہیں کہ پھر میں نے اسی گھر میں چار ماہ اور دس دن عدت پوری کی۔ فرماتی ہیں کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی بعد میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ [اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ذہلی، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَعْبُد جمع ہے عَبْد کی' اس کا معنی ہے "غلام"۔ اُمْكُثِي (شوہر کے گھر میں ہی) ٹھہری رہ۔ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَه حتی کہ عدتِ وفات پوری ہو جائے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ پر شوہر کے گھر میں ہی عدت گزارنا واجب ہے۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ بیوہ اسی گھر میں عدت گزارے جس میں خاوند کی وفات کے وقت تھی یا جہاں اسے وفات کی اطلاع موصول ہوئی۔ (۲۷۹) امام ابن قیمؒ (۲۸۰) اور امام صنعانیؒ (۲۸۱) بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ صحابہ میں سے اکثر کا اسی پر عمل ہے اور یہی قول راجح ہے۔ (۲۸۲) ائمہ ثلاثہ (امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ) بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲۸۳) تاہم بعض صحابہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے دورانِ عدت دوسری جگہ منتقل ہونے کی مطلقاً اجازت بھی مروی ہے اور بعض صحابہ مثلاً حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ

1113- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۳۰۰) کتاب الطلاق : باب فی المتوفی عنها تنتقل' ترمذی (۱۲۰٤) نسائی (۱۹۹/٦) ابن ماجه (۲۰۳۱) دارمی (۲۲۸۷) ابن الجارود (۷۵۹) ابن حبان (٤۲۹۲) حاکم (۲۰۸/۲) بیهقی (٤۳٤/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۷۹) [الدرر البهية : کتاب الطلاق : باب العدة]
(۲۸۰) [زاد المعاد (۳۰۹/٤)]
(۲۸۱) [سبل السلام (۱۵۰۰/۳)]
(۲۸۲) [ترمذی (بعد الحدیث ۱۲۰٤) کتاب الطلاق واللعان]
(۲۸۳) [نیل الأوطار (٤۰۰/٤) سبل السلام (۱۵۰۰/۳)]

سے کسی عذر کی بنا پر منتقلی کی اجازت مروی ہے۔لیکن یہ آثار وروایات گزشتہ صحیح مرفوع روایت کے مقابلے میں قابل احتجاج نہیں۔(٢٨٤) البتہ اگر اضطراری حالت پیش آجائے (مثلاً دشمن کا خوف' مکان گھر جانے کا اندیشہ یا کوئی اور سبب وغیرہ) کہ جس کے باعث شوہر کے گھر میں عورت کے لیے کسی صورت میں بھی رہنا ممکن نہ ہو تو وہ دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے کیونکہ مجبوری میں ممنوع کام جائز ہو جاتے ہیں اور یہ اصولی قاعدہ بھی اس کا مؤید ہے کہ ﴿الضَّرُوْرَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُوْرَاتِ﴾ ''ضرورتیں حرام کاموں کو مباح بنادیتی ہیں۔'' (واللہ اعلم)

1114- وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ زَوْجِي طَلَّقَنِي ثَلَاثًا، وَأَخَافُ أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ؟ فَأَمَرَهَا فَتَحَوَّلَتْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور مجھے خوف ہے کہ کوئی میرے گھر میں نہ گھس جائے تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی اور انہوں نے رہائش تبدیل کر لی۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ میرے گھر میں کوئی اجنبی اچانک گھس آئے۔تَحَوَّلَتْ وہ منتقل ہو گئیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے اخذ کیا جاتا ہے کہ عورت دورانِ عدت اگر کسی قسم کے خوف میں مبتلا ہو یا تنہائی سے گھبراتی ہو تو وہ شوہر کے گھر سے کسی دوسرے مقام کی طرف بھی منتقل ہو سکتی ہے۔

1115- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((لَا تَلْبِسُوا عَلَيْنَا سُنَّةَ نَبِيِّنَا: عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَأَعَلَّهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِالْإِنْقِطَاعِ۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کی سنت ہم پر خلط ملط نہ کرو' جب اُم ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔[اسے احمد، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور دارقطنی نے اسے منقطع ہونے کے ساتھ معلول قرار دیا ہے۔]

لغوی توضیح لَا تَلْبِسُوْا فعل نہی کا صیغہ ہے باب لَبَسَ يَلْبِسُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''خلط ملط کرنا' مشتبہ کرنا''۔ اُمِّ وَلَد ایسی لونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک سے حاملہ ہو چکی ہو یا بچہ جن چکی ہو۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُم ولد لونڈی کا مالک فوت ہو جائے تو وہ بھی آزاد عورت کی طرح چار ماہ اور دس دن عدت گزارے گی۔اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔امام اوزاعیؒ اور اہل ظاہر تو حدیث کے ظاہر پر عمل کے ہی قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اہل علم کی ایک جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ اُم ولد ایک حیض عدت گزارے گی کیونکہ یہ نہ تو زوجہ ہے اور نہ ہی مطلقہ' اس لیے اسے محض استبرائے رحم کی ہی ضرورت ہے جو ایک حیض سے ہو جاتا

1114- [مسلم (١٤٨٢) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها' ابن ماجه (٢٠٣٣) نسائی (٢٠٨/٦)]

1115- [صحیح : صحيح ابو داود' ابو داود (٢٣٠٨) كتاب الطلاق : باب فی عدة أم الولد' ابن ماجه (٢٠٨٣) احمد (٢٠٣/٤) ابن الجارود (٧٦٩) دارقطنى (٣٠٩/٣) حاكم (٢٠٩/٢) بيهقى (٤٤٧/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٢٨٤) [تحفة الأحوذى (٤٤٢/٤) نيل الأوطار (٤٠١/٤) ابن أبي شيبة (١٥٥/٤) عبدالرزاق (١٢٠٦٤)]

ہے۔امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس کی عدت تین حیض ہے۔امام صنعانیؒ نے امام احمدؒ وغیرہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔(۲۸۵)

1116- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : ((إِنَّمَا الْأَقْرَاءُ : الْأَطْهَارُ)) أَخْرَجَهُ مَالِكٌ فِي قِصَّةٍ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اقراء سے مراد طہر ہے۔[اسے مالک نے ایک قصے میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حائضہ کی عدت تین قروء بیان کی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی وضاحت فرما رہی ہیں۔لیکن ان کا یہ مؤقف مرجوح ہے۔کیونکہ ایک دوسری صحیح حدیث میں لفظ قرء حیض کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔مستحاضہ عورت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ﴿ أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ﴾ ''وہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔'' (۲۸۶) امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ لفظ قرء شارع کے کلام میں صرف حیض کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔(۲۸۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ راجح مؤقف یہ ہے کہ اقراء سے مراد حیض ہے۔(۲۸۸) احناف بھی اسی کے قائل ہیں۔البتہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے قرء سے طہر مراد لیا ہے۔(۲۸۹)

1117- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((طَلَاقُ الْأَمَةِ اثْنَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَأَخْرَجَهُ مَرْفُوعًا وَضَعَّفَهُ -

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اسے مرفوع بھی روایت کیا ہے مگر اسے ضعیف کہا ہے۔]

1118- وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهُ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَخَالَفُوهُ ، فَاتَّفَقُوا عَلَى ضَعْفِهِ -

اور ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن دوسرے محدثین نے ان کی مخالفت کی ہے انہوں نے اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

فهم الحديث لونڈی کی عدت کے متعلق مذکورہ بالا روایات مرفوعاً ضعیف ہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً صحیح ثابت

1116- [صحیح : آداب الزفاف (ص / ۱۹۱) مالك (۵۷۶/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1117- [ضعیف : ضعیف ابن ماجه ' ابن ماجه (۲۰۷۹) كتاب الطلاق : باب فی طلاق الأمة وعدتها ' مالك (۵۷٤/۲) دارقطنی (۳۸/٤) بیهقی (۳٦۹/۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے' جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرفوعاً ضعیف اور موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

1118- [ضعیف : ضعیف ابو داود ' ابو داود (۲۱۸۹) كتاب الطلاق : باب فی سنة طلاق العبد ' ترمذی (۱۱۸۲) ابن ماجه (۲۰۸۰) دارمی (۲۲۹٤) دارقطنی (۳۹/٤) بیهقی (۳٦۹/۷) حاكم (۲۰۵/۲)]

(۲۸۵) [سبل السلام (۵۰۷/۳)]

(۲۸٦) [صحیح : إرواء الغليل (۲۱۱۸) ابو داود (۲۹۷ ' ۲۸۱ ' ۲۸۵) أبو عوانة (۳۲۲/۱) ترمذی (۱۲٦) ابن ماجة (٦۲۵)]

(۲۸۷) [زاد المعاد (٦۰۹/۵)]

(۲۸۸) [توضیح الأحکام (۵۹۱/۵)]

(۲۸۹) [المبسوط (۱۳/٦) المغنی (۱۹۹/۱۱) الأم (۲۰۹/۵) نيل الأوطار (۳۹۲/٤)]

ہے کہ انہوں نے فرمایا ﴿ وَ تَعْتَدُّ الْأَمَةُ حَيْضَتَيْنِ ﴾ ''اور لونڈی دو حیض عدت گزارے گی۔'' (۲۹۰)

1119- وَ عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَائَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ حَسَّنَهُ الْبَزَّارُ۔

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنا پانی کسی دوسرے کی کھیتی کو پلائے۔'' [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح جبکہ بزار نے اسے حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَنْ يَسْقِيَ پانی پلانا' مراد یہ ہے کہ اپنا نطفہ کسی غیر عورت کے رحم میں داخل کرنا۔ زَرْعَ غَيْرِهِ اپنے غیر کی کھیتی' مراد ہے دوسرے کا حمل۔ یعنی اگر کوئی لونڈی پہلے مالک سے حاملہ ہو چکی ہو تو کسی اور کے لیے اس کے ساتھ اس وقت تک ہم بستری کرنا جائز نہیں جب تک وہ حمل وضع نہ کر لے۔ علاوہ ازیں اس روایت سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ کسی اور کی عدت کے دوران عورت سے عقدِ نکاح حرام ہے کیونکہ نکاح اس کے ساتھ ہم بستری کا ایک وسیلہ ہے اور یہ اصول ہے کہ ﴿ الْوَسَائِلُ لَهَا أَحْكَامُ الْمَسَائِلِ ﴾ 'وسائل کے لیے مسائل کے احکام ہی ہوتے ہیں۔''

1120- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ - ((تَرَبَّصُ أَرْبَعَ سِنِينَ ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ عَشْرًا)) أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَ الشَّافِعِيُّ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گمشدہ کی بیوی کے بارے میں مروی ہے کہ وہ چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ اور دس دن (بیوہ کی) عدت گزار لے۔ [اسے مالک اور شافعی نے روایت کیا ہے۔]

1121- وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''گمشدہ کی بیوی اسی کی بیوی شمار ہوگی جب تک گمشدہ کی کوئی واضح اطلاع نہ مل جائے۔'' [اسے دارقطنی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث گمشدہ آدمی کی بیوی کی عدت کے متعلق کوئی واضح صحیح حدیث نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا دوسری مرفوع روایت ضعیف ہے' اس لیے اس کی عدت میں اختلاف ہے' البتہ راجح قول یہ ہے کہ گمشدہ کی بیوی چار سال تک اس کے آنے کا انتظار کرے' اگر وہ نہ آئے تو اسے فوت شدہ تصور کر کے بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن گزار لے' پھر نیا نکاح کر لے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا پہلی صحیح موقوف روایت میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

1119- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۱۵۸-۲۱۵۹) كتاب النكاح: باب في وطء السبايا' ترمذی (۱۱۳۱) دارمی (۲٤۷۷) احمد (۱۰۸/٤) ابن حبان (٤۸۵۰) بیهقی (٦۲/۹) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1120- [مالك (۵۷۵/۲) مسند شافعی (٦۱/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

1121- [ضعیف جدا: ضعیف الجامع الصغیر (۱۲۵۳) السلسلة الضعيفة (۲۹۳۱) دارقطنی (۳۱۲/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۲۹۰) [صحیح: إرواء الغليل (۲۰٦۷) دارقطنی (۲٤۲/۲) بیهقی (٤۲۵/۷)]

بھی لا پتہ کی بیوی کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ چار سال انتظار کرے۔(۲۹۱) حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ علماء کی اکثریت اسی کی قائل ہے۔(۲۹۲) امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے بھی یہی موقف اپنایا ہے۔البتہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ لا پتہ شوہر کی بیوی اس کی زوجیت سے نہیں نکلے گی تاوقتیکہ اس کی اطلاع وفات کی صحت یا ثبوتِ طلاق یا خاوند کے مرتد ہو جانے کا ثبوت نہ مل جائے۔ نیز احناف کے نزدیک موت سے مراد طبعی موت کی مقدار ہے جس میں پھر انہوں نے اختلاف کیا ہے۔بعض کے نزدیک یہ مدت ساٹھ سال ہے' بعض کے خیال میں ستر سال' اسی طرح نوے سال' ایک سو بیس سال اور ایک سو پچاس سے دو سو برس تک کا قول بھی بیان کیا جاتا ہے۔(۲۹۳) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ لا پتہ مرد کی بیوی کے متعلق درست بات وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کا موقف ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عورت چار سال انتظار کرے۔(۲۹۴)

1122- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاكِحًا أَوْ ذَا مَحْرَمٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کوئی مرد ہرگز کسی عورت کے پاس رات نہ گزارے الا کہ وہ اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

1123- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' کوئی مرد ہرگز کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے الا کہ وہ اس کا محرم ہو۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح مَحْرَم کی جمع ہے مَحَارِم آتی ہے' اس سے مراد وہ رشتہ دار ہے جس کے ساتھ ابدی طور پر شادی حرام ہو مثلاً چچا' ماموں اور بیٹا وغیرہ۔

فہم الحدیث ان دونوں احادیث میں غیر محرم و اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ کہیں دونوں کو شیطان بہکا کر برائی میں مبتلا نہ کر دے' جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ'' جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''(۲۹۵)

1122- [مسلم (۲۱۷۱) کتاب السلام : باب تحریم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها]

1123- [بخاری (۵۲۳۳) کتاب النکاح : باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم' مسلم (۱۳۴۱) احمد (۲۲۲/۱) ابن حبان (۲۷۳۱) بیهقی (۱۳۹/۳)]

(۲۹۱) [سعيد بن منصور (۱۷۵٦) بیهقی (٤٤٥/۷)]

(۲۹۲) [فتح الباری (٤۳۱/۹)]

(۲۹۳) [المهذب (۱٤٦/۲) كشاف القناع (٤۸۷/٥) الشرح الصغير (٦۹۳/۲) غاية المنتهى (۲۱۲/۳) المغنى (٤۸۸/۷) الدر المختار (۱٦۰/۳) مغنى المحتاج (۳۹۷/۳) الروضة الندية (۱۱٦/۲)]

(۲۹٤) [الأخبار العلمية من الاختيارات الفقهية (ص / ٤۰٤)]

(۲۹٥) [صحیح : صحيح الجامع الصغير (۲۰٤٦) ارواء الغليل (۱۸۱۳) صحيح الترغيب (۱۹۰۸) السلسلة الصحيحة (٤۳۰) ترمذی (۱۱۷۱)]

1124- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسَ : ((لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ حَيْضَةً)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ـ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے متعلق فرمایا "حاملہ سے اس وقت تک ہم بستری نہ کی جائے جب تک وہ حمل وضع نہ کر لے اور غیر حاملہ کے ساتھ اس وقت تک ہم بستری نہ کی جائے جب تک وہ ایک حیض عدت نہ گزار لے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1125- وَلَهُ شَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي الدَّارَقُطْنِيِّ ـ

اور اس کے لیے دارقطنی میں ایک شاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

لغوی توضیح سَبَايَا جمع ہے سَبْيٌ کی' مراد وہ عورت ہے جو جنگ میں قید ہو کر آئے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدی حاملہ لونڈیوں سے وضع حمل سے پہلے اور غیر حاملہ سے ایک حیض گزرنے سے پہلے ہم بستری حرام ہے۔ شافعیہ، حنفیہ، امام ثوریؒ، امام نخعیؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۱) غالباً اس حرمت کا سبب وہ ہے جو حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوا کہ "کوئی بھی کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنا پانی نہ پلائے۔" معلوم ہوا کہ اس قسم کی لونڈیوں سے ہم بستری اس لیے منع ہے تاکہ براءتِ رحم حاصل ہو جائے یعنی کسی اور کے حمل میں اپنا نطفہ نہ ملا دیا جائے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ یہ علت جس طرح قیدی عورتوں میں ہے اسی طرح خریدی ہوئی' بطور ہدیہ حاصل شدہ' یا اس کی مثل کسی اور ذریعے سے حاصل کی ہوئی لونڈیوں کو بھی شامل ہے' اس لیے ان سے بھی مذکورہ صورت میں ہم بستری نہیں کرنی چاہیے۔

1126- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيثِهِ ـ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بچہ صاحبِ فراش کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔" [بخاری، مسلم]

1127- وَمِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِي قِصَّةٍ ـ

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ایک قصہ کے متعلق بھی اسی طرح مروی ہے۔

1124- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۱۵۷) کتاب النکاح : باب فی وطء السبایا' احمد (۲۸/۳) حاکم (۱۹۵/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1125- [دارقطنی (۳۵۷/۳)]

1126- [بخاری (۶۷۵۰ ـ ۶۸۱۸) کتاب الفرائض : باب الولد للفراش حرة كانت أو أمة' مسلم (۱۴۵۸) ترمذی (۱۱۵۷) نسائی (۱۸۰/۶) ابن ماجه (۲۰۰۶) احمد (۲۳۹) دارمی (۲۲۳۵) بیهقی (۴۱۲/۷)]

1127- [بخاری (۲۰۵۳) کتاب البیوع : باب تفسیر الشبهات' مسلم (۱۴۵۷) ابو داود (۲۲۷۳) ابن ماجه (۲۰۰۴) نسائی (۱۸۰/۶) دارمی (۲۲۳۶) مالك (۷۳۹/۲) احمد (۳۷/۶) دارقطنی (۲۴۱/۴۰)]

(۲۹۶) [تحفة الأحوذی (۱۷۱/۵) الأم (۹۶/۵) المبسوط (۱۵۲/۱۲)]

1128- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عِنْدَ النَّسَائِيِّ ۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نسائی میں۔

1129-وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ ۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ابوداود میں یہی روایت بیان کی گئی ہے۔

لغوی توضیح لِـلْـفِـرَاشِ بستر والے (یعنی شوہر) کے لیے ہے' یعنی بچہ اس کا شمار ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ عَاهِر زانی کو کہتے ہیں۔ اَلْحَجَر کا معنی ہے پتھر۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کو اسی کے ساتھ ملحق کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا' مراد ہے بچے کا باپ' خواہ اس کی ماں سے کسی نے زنا ہی کیوں نہ کیا ہو اور زنا کی وجہ سے وہ باپ کے علاوہ کسی اور کے مشابہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کوئی اور اس بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ ہی کیوں نہ کر دے۔ لیکن اگر باپ ہی اس بچے کا انکار کر دے تو پھر اسے ماں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا۔ باپ کے ساتھ ملحق و منسوب کرنے کا معنی یہ ہے کہ باپ بیٹے کے باہمی جو احکام ہیں مثلاً وراثت وغیرہ' وہ ان کے درمیان جاری ہوں گے۔ جمہور اہل علم نے بچے کو باپ کے ساتھ ملحق کرنے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ باپ کے لیے بچے کی ماں کے ساتھ ہم بستری کرنے کا امکان موجود ہو (یعنی ان دونوں کی ملاقات ثابت ہو)۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے محض عقدِ نکاح کے ثبوت پر ہی بچے کو باپ کے ساتھ ملانے کا مؤقف اپنایا ہے خواہ انہوں نے ہم بستری کی ہو یا نہ (یعنی اگر مرد ایک شہر میں اور عورت دوسرے شہر میں ہو اور دونوں کا نکاح ہو جائے' پھر ان دونوں کی ملاقات کے بغیر ہی نو ماہ بعد بچہ پیدا ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بچہ اسی باپ کا ہوگا جو ابھی تک بچے کی ماں سے ملا بھی نہیں' یہ مؤقف بلاشبہ قابل تردید ہے)۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ بچے کو باپ کے ساتھ ملانے کے لیے عورت کے ساتھ ہم بستری ثابت ہونا ضروری ہے۔ امام ابن قیمؒ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔(۲۹۷)

باب الرضاع — رضاعت کا بیان

1130- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ : ((لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک یا دو مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الرَّضَاع بچے کا دودھ پینا' مراد ہے صغرسنی میں دو سال کی عمر کے اندر اندر بچے کا عورت کے پستان سے دودھ پینا۔ اگر بچہ کسی کا ہوگا تو اس عمر میں پانچ مرتبہ دودھ پینے سے پلانے والی ماں بن جائے گی اور اس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو جائے گا' اسی طرح اس کے بچے دودھ پینے والے کے بہن بھائی قرار پائیں گے۔ اَلْمَصَّةُ کا معنی ہے ''چوسنا''۔

1128- [نسائی (۱۸۱/٦)]

1129- [ابو داود (۲۲۷٥)]

1130- [مسلم (۱٤٥٠) كتاب الرضاع : باب في المصة والمصتان ' ابو داود (۲۰٦۳) ترمذی (۱۱٥۰) نسائی (۱۰۱/٦) ابن ماجه (۱۹٤۰) احمد (۳۱/٦-۹٥) دارمی (۲۲٥۱) ابن حبان (٤۲۱٤) دارقطنی (۱۷۲/٤) بیهقی (٤٥٥/۷)]

(۲۹۷) [دیکھئے: سبل السلام (٥۲۱/۳)]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک یا دو مرتبہ پستان چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ بچے کو کتنی مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ راجح مؤقف یہ ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے' جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 1136 میں ہے۔ امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲۹۸) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۲۹۹)، امام ترمذیؒ (۳۰۰)، امام صنعانیؒ (۳۰۱)، امام ابن حزمؒ (۳۰۲) اور نواب صدیق حسن خانؒ (۳۰۳) نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ البتہ جمہور علماء، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ کم یا زیادہ جتنا بھی دودھ پیے حرمت ثابت ہو جائے گی خواہ ایک مرتبہ ہی پیے۔ (۳۰۴) انہوں نے اس آیت ﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ ﴾ [النساء: ۲۳] ''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔'' کے عموم سے استدلال کیا ہے اور احناف خبر واحد کے ذریعے قرآن کے اس قطعی حکم میں تخصیص جائز نہیں سمجھتے۔ واضح رہے کہ اس مسئلے میں راجح مؤقف وہی ہے جو ابتدا میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

☐ پانچ مرتبہ دودھ پلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مرتبہ جب بچہ ماں کا پستان منہ میں لے کر چوسے پھر بغیر کسی عارضہ کے اپنی مرضی سے اسے چھوڑ دے تو یہ ایک مرتبہ ہے اور اگر کسی عارض کی وجہ سے چھوڑے مثلاً سانس لینے کے لیے' یا کچھ آرام کے لیے' یا کسی اور ایسی وجہ سے جو اسے دوسری طرف مشغول کر دے' پھر جلد ہی دوبارہ پینا یا چوسنا شروع کر دے تو یہ وقفہ ایک مرتبہ میں ہی شمار ہوگا۔ (۳۰۵)

1131- وَعَنْهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' خوب غور کر لیا کرو کہ کون تمہارے (رضاعی) بھائی ہیں کیونکہ رضاعت وہی مؤثر ہے جو بھوک سے ہو۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحدیث یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے ہاں ایک مرد بیٹھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا گویا آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''دیکھو یہ سوچ سمجھ کر کہو کون تمہارا بھائی ہے کیونکہ رضاعت وہی مؤثر ہوتی ہے جو بھوک سے ہو (یعنی جب بچے کو دودھ پلایا جائے اور اس سے اس کی بھوک مٹ جائے اور وہ صرف بچپن میں دو سال کی عمر کے اندر ہی ہوتی ہے)۔'' اس سے معلوم ہوا کہ رضاعت کے معاملے میں خوب تحقیق کر لینی چاہیے کہ آیا اس نے رضاعت کی عمر میں دودھ پیا تھا یا نہیں' اسی طرح پانچ مرتبہ پیا تھا یا نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رضاعت اسی صورت میں معتبر ہے جب بچپن میں یعنی دو سال کی عمر کے اندر اندر دودھ پیا ہو۔ آئندہ حدیث نمبر
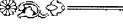
1131- [بخاری (۵۱۰۲) كتاب النكاح: باب من قال لا رضاع بعد حولين' مسلم (۱٤٥٥) ابو داود (۲۰۵۸) ابن ماجه (۱۹٤٥) نسائی (۱۰۲/٦) احمد (۹٤/٦) دارمی (۲۲٥٦) بیهقی (٤٦۰/۷)]

(۲۹۸) [الأم للشافعی (۲٦/٥) المغنی لابن قدامة (۳۱۰/۱۱)]
(۲۹۹) [فتاوی النساء (ص/٤۷۱)]
(۳۰۰) [ترمذی (بعد الحدیث/۱۱۵۰)]
(۳۰۱) [سبل السلام (۱۵۲۹/۳)]
(۳۰۲) [المحلی بالآثار (۱۸۹/۱۰)]
(۳۰۳) [الروضة الندية (۱۷٤/۲)]
(۳۰٤) [المدونة الكبرى (٤۱۳/۲) تحفة الأحوذی (۳٤۲/٤) فتح الباری (٥۰/۹) نيل الأوطار (٤۱٤/٤)]
(۳۰٥) [مزید دیکھئے: نيل الأوطار (٤۱۲/٤) سبل السلام (۱۵۲۹/۳)]

1139,1138 اور 1140 بھی اسی کی مؤید ہے۔

1132- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : جَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' إِنَّ سَالِمًا مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ مَعَنَا فِي بَيْتِنَا ' وَقَدْ بَلَغَ مَا يَبْلُغُ الرِّجَالُ ؟ فَقَالَ : ((أَرْضِعِيهِ تَحْرُمِي عَلَيْهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول ! بلاشبہ ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے اور وہ مردوں کی طرح بلوغت کو پہنچ گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے دودھ پلا دو تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔" [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ایک روایت میں ہے کہ (اس حکم کے بعد) سہلہ رضی اللہ عنہا نے سالم کو پانچ مرتبہ دودھ پلا دیا پھر وہ اس کے رضاعی بیٹے کی جگہ ہو گیا۔(٣٠٦) اس روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت بڑی عمر کے لڑکے کو بھی دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ حضرت علی، حضرت عائشہ، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، امام عطاءؒ، امام لیثؒ، امام داودؒ اور امام ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔(٣٠٧) جمہور علماء کا مؤقف یہ ہے کہ صرف رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کی عمر کے اندر اندر ہوئی ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ اس معنی کی احادیث کثرت سے ہیں جبکہ بڑے لڑکے کو دودھ پلانے کے متعلق صرف ایک حدیث سالم ہی ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات بھی اسی کی قائل تھیں' احتیاط بھی اسی میں ہے' بڑے آدمی کو دودھ پلانے سے نہ تو گوشت اُگتا ہے' نہ ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں اور نہ ہی اس سے جسم کا کوئی حصہ بنتا ہے حالانکہ یہی حرمت کے وہ اسباب ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں اور ممکن ہے یہ معاملہ صرف سالم کے ساتھ ہی خاص ہو کیونکہ یہ چیز صرف اسی کے قصہ میں موجود ہے۔ اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ کسی بھی شرعی مسئلے کے اثبات کے لیے ایک صحیح حدیث ہی کافی ہے' اسی طرح اگرچہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی ازواجِ مطہرات اس کے خلاف تھیں لیکن وہ ان کا اپنا فہم تھا جو صریح حدیث کے مقابلے میں حجت نہیں' اسی طرح کسی کام کا احوط ہونا دوسرے کے عدمِ جواز کا ثبوت نہیں' اگرچہ اس سے گوشت نہیں بنتا لیکن نبی ﷺ نے یہ جاننے کے باوجود سہلہ کو دودھ پلانے کا کہا تھا اور سالم کے ساتھ اس مسئلہ کے خاص ہونے کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف وہ ہے جسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ رضاعت میں بچپن کا اعتبار کیا جائے گا الا کہ کوئی حاجت وضرورت پیش آ جائے جیسا کہ بڑی عمر کے آدمی کی رضاعت کا مسئلہ ہے' ایسا شخص جسے کسی عورت کے پاس جانا بھی ضروری ہو اور اس عورت کا اس سے پردہ کرنا بھی دشوار ہو جیسا کہ سالم کا ابوحذیفہ کی بیوی کے ساتھ معاملہ تھا۔ اس طرح کے بڑی عمر کے آدمی کو اگر عورت نے دودھ پلا دیا تو اس آدمی کے لیے دودھ پینا قابلِ تاثیر ہوگا۔ نیز ایسی صورت کے علاوہ دودھ پینے کی مدت بچپن کی عمر ہی ہے۔(٣٠٨) امام شوکانیؒ (٣٠٩)، امام

1132- [مسلم (١٥٤٣) كتاب البيوع : باب من باع نخلا عليها ثمر ' ابو داود (٢٠٦١) نسائی (١٠٤/٦) ابن ماجه (١٩٤٣) احمد (٣٩/٦) دارمی (٢٢٥٧) بيهقی (٤٥٩/٧)]

(٣٠٦) [مسلم (١٤٥٣) احمد (٣٨/٦) حميدی (٢٨٧) ابن ماجة (١٩٤٣) نسائی (١٠٤/٦) بخاری (٥٠٨٨) بيهقی (٤٥٩/٧) صحيح ابو داود (١٨١٥) ابو داود (٢٠٦١)]

(٣٠٧) [تفصیل کے لیے دیکھئے نيل الأوطار (٤١٧/٤) شرح مسلم (٢٨٩/٥) الاستذكار لابن عبدالبر (٢٧٣/١٨) المحلى بالآثار (٢٠٢/١٠)]

(٣٠٨) [مجموع الفتاوى (٦٠/٣٤)] (٣٠٩) [نيل الأوطار (٤١٨/٤)]

ابن قیمؒ (۳۱۰)، امام صنعانیؒ (۳۱۱) اور نواب صدیق حسن خانؒ (۳۱۲) نے بھی اسی تطبیق کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔

1133- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أَنَّ أَفْلَحَ ـ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ ـ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا بَعْدَ الْحِجَابِ، قَالَتْ: فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي صَنَعْتُهُ، فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ، وَقَالَ: ((إِنَّهُ عَمُّكِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ افلح ابوالقعیس کا بھائی حکم حجاب نازل ہونے کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آنے کی اجازت طلب کرتا رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ آئے تو میں نے آپ کو اس کی خبر دی جو میں نے کیا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت دوں اور فرمایا کہ "وہ تمہارا (رضاعی) چچا ہے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کا شوہر باپ کے قائم مقام ہو جاتا ہے کیونکہ اسی کے جماع کی وجہ سے عورت میں دودھ پیدا ہوا ہے اس لیے وہ بھی دودھ پینے والے پر حرام ہے' یعنی اس سے نکاح جائز نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں کہ جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مؤقف ہے۔ (۳۱۳) علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۳۱۴) چونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوالقعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا' اس لیے اس کا بھائی آپ رضی اللہ عنہا کا چچا ہوا اور چچا سے پردہ نہیں' اس لیے آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ انہیں اپنے ہاں آنے دو۔

1134- وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ: عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلے قرآن میں یہ حکم اترا تھا کہ دس مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا اور یہ (نازل ہوا کہ) پانچ مرتبہ دودھ پینا حرمت کا سبب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ قرآن میں پڑھا جاتا تھا۔ [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ یہ آیت اگرچہ قرآن میں موجود نہیں لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ واضح رہے کہ اہل علم نے نسخ کی تین اقسام بیان کی ہیں: ایک یہ کہ جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہو چکی ہوں جیسے دس مرتبہ دودھ پلانے کا حکم۔ دوسری یہ کہ تلاوت منسوخ ہو مگر حکم باقی ہو جیسے پانچ مرتبہ دودھ پلانے کا حکم اور آیت رجم (الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا) اور تیسری یہ کہ تلاوت موجود ہو لیکن حکم منسوخ ہو چکا

1133- [بخاری (۵۱۰۳) کتاب النکاح: باب لبن الفحل' مسلم (۱۴۴۵) ابو داود (۲۰۵۷) ترمذی (۱۱۴۸) نسائی (۱۰۳/۶) ابن ماجه (۱۹۴۹) مالك (۶۰۱/۲) احمد (۳۸/۶) دارمی (۲۲۴۸)]

1134- [مسلم (۱۴۵۲) کتاب الرضاع: باب التحریم بخمس رضعات' ابو داود (۲۰۶۲) ترمذی (۱۱۵۰) نسائی (۱۰۰/۶) ابن ماجه (۱۹۴۲) مالك (۶۰۸/۲) دارمی ۲۲۵۳) ابن حبان (۴۲۰۷) بیهقی (۴۵۴/۷)]

(۳۱۰) [أعلام الموقعين (۳۴۶/۴)]
(۳۱۱) [سبل السلام (۱۵۳۳/۳)]
(۳۱۲) [الروضة الندية (۱۸۰/۲)]
(۳۱۳) [فتح الباری (۵۵/۹)]
(۳۱۴) [تحفة الأحوذی (۳۳۸/۴)]

ہو جیسا کہ اس کی قرآن میں بہت سی مثالیں ہیں مثلاً آیت وصیت وغیرہ۔

1135- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُرِيدَ عَلَى ابْنَةِ حَمْزَةَ ' فَقَالَ : ((إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ ' وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے شادی پر آمادہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ میرے لیے حلال نہیں کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے اور رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے ہوتے ہیں۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعت بھی حرمت میں نسب کی مانند ہے۔ رضاعت سے حرام ہونے والے رشتے یہ ہیں: رضاعی ماں' بہن' بیٹی' پھوپھی' خالی' بھانجی اور بھتیجی۔ (۳۱۵) چونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھے (کیونکہ ان دونوں کو ابولہب کی آزادہ کردہ لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا)' اس طرح حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی آپ ﷺ کی رضاعی بھتیجی ہوئی (جو کہ نسبی بھتیجی کی مانند ہی حرام ہے) اس لیے آپ ﷺ نے اس کے ساتھ شادی سے انکار کیا۔

1136- وَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ هُوَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''صرف وہی رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو انتڑیوں کو کھول دے اور دودھ چھڑانے کی مدت (یعنی دو سال کی عمر) سے پہلے ہو۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَا يُحَرِّمُ حرمت کا سبب نہیں بنتی۔ مَا فَتَقَ جو کھول دے۔ الْأَمْعَاءَ آنتوں کو کہتے ہیں' یہ معی کی جمع ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو دودھ بچے کی آنتوں کو کھولے اور اس کی غذا کے قائم مقام ہو اسی سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور وہی دودھ بچے کی غذا کے مقام پر ہوتا ہے جو دو سال کی عمر سے پہلے پہلے پلایا جائے' کیونکہ اسی عمر میں بچے کی غذا کا انحصار دودھ پر ہوتا ہے۔ الْفِطَامِ سے مراد ہے بچے کو دودھ چھڑانا۔ یعنی اسی دودھ سے حرمت ثابت ہو گی جو دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پلایا گیا ہو اور دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہی ہے جیسا کہ قرآن کی آیت میں (۳۱۶) اور آئندہ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے۔

1137- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((لَا رَضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ ابْنُ عَدِيٍّ مَرْفُوعًا وَ مَوْقُوفًا ' وَرَجَّحَا الْمَوْقُوفَ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا' کوئی رضاعت معتبر نہیں سوائے اس رضاعت کے جو دو سال کے دوران ہو۔ [اسے دارقطنی اور ابن عدی نے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے اور دونوں نے (اس کے) موقوف ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

1135- [بخاری (٥١٠٠) كتاب النكاح : باب وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم' مسلم (١٤٤٧) نسائی (١٠٠/٦) ابن ماجه (١٩٣٨)]

1136- [صحيح : صحيح ترمذی' ترمذی (١١٥٢) كتاب الرضاع : باب ما جاء ما ذكر أن الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر' ابن حبان (١٢٥٠ـ الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1137- [دارقطنی (١٧٤/٤) بیهقی (٤٦١/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(٣١٥) [تفسير فتح القدير (٤٤١/١ـ٤٥٦) فقه السنة (١٤٨/٢)] (٣١٦) [البقرة : ٢٣٣]

1138- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " رضاعت وہی معتبر ہے جو ہڈیوں کی نشوونما کرے اور گوشت اُگائے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ کا معنی ہے' جو دودھ ہڈیوں کو مضبوط کرے اور انہیں بڑھائے۔ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ اور گوشت اُگائے۔ اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ رضاعت محرمہ وہی ہے جو دو سال کی عمر میں ہو کیونکہ اسی عمر میں دودھ سے بچے کی ہڈیاں بڑھتی اور گوشت اُگتا ہے۔

1139- وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ أُمَّ يَحْيَى بِنْتَ أَبِي إِهَابٍ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: لَقَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: ((كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ؟)) فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اُم یحییٰ بنت ابی اہاب سے شادی کی' پھر ایک عورت نے آ کر کہا' میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ اس پر انہوں (عقبہ رضی اللہ عنہ) نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اب وہ تمہاری بیوی کیسے ہوسکتی ہے جبکہ رضاعت کے متعلق بتا دیا گیا ہے۔" یہ سننے کے بعد عقبہ رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور اس نے ان کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرلیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ رضاعت کے متعلق اکیلی عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار آدمیوں اور ان کی بیویوں کے درمیان رضاعت کے مسئلہ میں ایک عورت کی گواہی کی وجہ سے جدائی کرا دی تھی۔ (۳۱۷) امام احمدؒ نے یہی موقف اپنایا ہے' نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام طاؤس' امام زہری' ابن ابی ذئب اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ البتہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ چار عورتوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ دو عورتیں گواہی میں ایک مرد کے برابر ہیں اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ صرف دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی (ان کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے ﴿ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ [البقرة : ۲۸۲] "اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔" حالانکہ یہ آیت عام ہے اور حدیث خاص ہے اور عام کو خاص پر محمول کرنا واجب ہے)۔ (۳۱۸) راجح موقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا صحیح حدیث اس پر شاہد ہے۔ امام شوکانیؒ نے اسی کو برحق قرار دیا ہے۔ (۳۱۹) امام ابن قیمؒ اور امام

1138- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۲۰۵۹) كتاب النكاح : باب فى رضاعة الكبير' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرفوعاً ضعیف اور موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

1139- [بخارى (۲۶۴۰-۲۶۵۹) كتاب الشهادات : باب إذا شهد شاهد أو شهود بشيء' ابو داود (۳۶۰۴) ترمذى (۱۱۵۱) نسائى (۱۰۹/۶) احمد (۸/۴) ابن حبان (۴۲۱۶) دارقطنى (۱۷۵/۴) بيهقى (۴۶۳/۷)]

(۳۱۷) [عبدالرزاق (۴۸۲/۷) كتاب الطلاق : باب شهادة امرأة على الرضاع]

(۳۱۸) [المغنى لابن قدامة (۳۴۰/۱۱) نيل الأوطار (۴۲۳/۴)] (۳۱۹) [نيل الأوطار (۳۵۹/۶)]

صنعانیؒ نے بھی یہی موقف اپنایا ہے۔(۳۲۰)

1140- وَعَنْ زِيَادٍ السَّهْمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُسْتَرْضَعَ الْحَمْقَى)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَهُوَ مُرْسَلٌ وَلَيْسَتْ لِزِيَادٍ صُحْبَةٌ.

حضرت زیاد سہمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احمق وکم عقل عورتوں کا دودھ پلانے سے منع فرمایا ہے۔[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ مرسل کیونکہ زیاد صحابی نہیں۔]

لغوی توضیح تُسْتَرْضَعَ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب اسْتَرْضَعَ يَسْتَرْضِعُ (بروزن استفعال) سے اس کا معنی ہے''دودھ پلوانا''۔ اَلْحُمْقَى فُعْلَى کے وزن پر تفضیل کا صیغہ ہے' معنی ہے زیادہ بیوقوف وکم عقل عورت۔

فهم الحديث یہ روایت ثابت نہیں اس لیے اگر کوئی کسی کم عقل عورت سے دودھ پلواتا ہے تو گناہگار تو نہیں ہوگا' البتہ اطباء نے اس قول کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ چونکہ ابتدائی عمر میں بچے کی جسمانی نشوونما کا سارا انحصار دودھ پر ہی ہوتا ہے اس لیے بچے کی طبیعت اور مزاج پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں' لہٰذا اگر کسی احمق عورت سے دودھ پلوایا گیا تو امکان ہے کہ دودھ کے ذریعے بچے میں بھی کم عقلی کے اثرات سرایت کر جائیں' جس کے نتیجے میں دین ودنیا دونوں کا خسارہ اس کا مقدر بن جائے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ بچے کو دودھ پلوانے کے لیے کسی عقلمند اور شریف خاتون کا انتخاب کیا جائے۔

بَابُ النَّفَقَاتِ — خرچہ کا بیان

1141- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ - امْرَأَةُ أَبِي سُفْيَانَ - عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ' إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ' لَا يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِيَّ' إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ' فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ: ((خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہے وہ مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو مگر میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں تو کیا ایسا کرنے میں مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا''تم معروف طریقے سے اس کے مال سے اتنا لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو۔''[بخاری' مسلم]

لغوی توضیح اَلنَّفَقَاتُ جمع ہے نَفَقَه کی' اس کا معنی ہے''خرچہ''۔ شَحِيحٌ بخیل وکنجوس کو کہتے ہیں۔ مَعْرُوف سے مراد عرف وعادت ہے' یعنی حسب حال وعادت جتنا خرچہ تمہیں کفایت کرتا ہے اتنا لے لو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے بیوی بچوں کا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے' اس پر اہل علم کا اتفاق ہے

1140- [ابو داود فی المراسیل (۱٤٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو مرسل ضعیف کہا ہے۔]

1141- [بخاری (٥٣٦٤) کتاب النفقات: باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه' مسلم (۱۷۱٤) ابو داود (۳٥۳۲) نسائی (۲٤٦/۸) ابن ماجه (۲۲۹۳) احمد (٥۰/٦) دارمی (۲۲٥۹) ابن حبان (٤۲٤۱)]

(۳۲۰) [كما فی توضيح الأحكام (۲۹/٦)]

(۳۲۱) [موسوعة الإجماع فی الفقه الإسلامی (۱۰٥۹/۲) المغنی (۳٤۸/۱۱) نيل الأوطار (٤۲٥/٤)]

(۳۲۱) اور اگر شوہر مالدار ہونے کے باوجود حسب ضرورت خرچہ نہ دے تو بیوی خفیہ طور پر بھی ضرورت کے مطابق خرچہ لے سکتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر عورت اپنے شوہر کے مال سے حسب کفایت خرچہ لے سکتی ہو تو اس کے لیے فسخ نکاح کا کوئی جواز نہیں۔ بیوی کے خرچہ کی مقدار بھی متعین نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ''اتنا لے لو جو تمہیں کافی ہو'' اس لیے جتنا خرچہ عورت کو کفایت کرتا ہو اسے معروف طریقے سے اتنا ہی دینا لازم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ واجب حقوق میں سے جس کی مقدار اللہ اور اس کے رسول نے مقرر نہیں کی اس میں عرف کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ نیز عورت کا اجنبی مرد سے بوقت ضرورت بات کرنا اور بذریعہ عدالت اپنے حقوق حاصل کرنا بھی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

1142- وَ عَنْ طَارِقٍ الْمُحَارِبِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ، فَإِذَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ النَّاسَ ، وَهُوَ يَقُولُ: ((يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ ۔

حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے، آپ فرما رہے تھے کہ ''دینے والا ہاتھ بلند ہوتا ہے اور ان سے شروع کرو جو تمہاری کفالت میں ہیں (یعنی) اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن، اپنے بھائی اور پھر درجہ بدرجہ جو بھی زیادہ قریبی ہو۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور دارقطنی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اِبْدَأْ خرچ شروع کر بِمَنْ ان سے جو تَعُوْلُ تیری کفالت میں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ تیرے خرچ کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جن کا خرچہ تم پر واجب ہے مثلاً والدین اور بیوی بچے وغیرہ۔ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ پھر جو بھی درجہ بدرجہ زیادہ قریبی ہو۔ یعنی جن کا خرچہ واجب ہے ان کی ضروریات پوری کرنے کے بعد بھی اگر تم خرچ کرنا چاہو تو پھر جو بھی زیادہ قریبی ہوگا وہی تمہارے خرچ کا زیادہ مستحق ٹھہرے گا۔

1143- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''غلام کی خوراک اور لباس مالک پر واجب ہے اور طاقت سے بڑھ کر (اسے) کام کی تکلیف نہ دی جائے۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''پس اللہ تعالیٰ جس کی ماتحتی میں اس کے بھائی (یعنی غلام) کو رکھے اسے چاہیے کہ جو وہ کھائے اسے بھی کھلائے اور جو وہ پہنے اسے بھی پہنائے۔'' (۳۲۲) امام صنعانی ؒ نے نقل فرمایا ہے کہ غلاموں کا خرچہ اور ان کا لباس وغیرہ مالک پر واجب ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ (۳۲۳)

1142- [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۸۰۶۷) نسائی (۶۱/۵) دارقطنی (۴۴/۳) ابن حبان (۳۳۴۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1143- [مسلم (۱۶۶۲) كتاب الأيمان : باب إطعام المملوك مما يأكل وإلباسه مما يلبس ، مالك (۹۸۰/۲) الأدب المفرد (۱۹۲-۱۹۳) احمد (۳۴۲/۲) بیهقی (۸/۸)]

(۳۲۲) [بخاری (۶۰۵۰) كتاب الأدب : باب ما ينهى من السباب واللعن ، مسلم (۱۶۶۱)]

(۳۲۳) [سبل السلام (۱۰۴۹/۳)]

1144- وَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ 'مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ ؟ قَالَ : ((أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ)) الْحَدِيثُ ' وَتَقَدَّمَ فِي عِشْرَةِ النِّسَاءِ ۔

حضرت حکیم بن معاویہ قشیری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! ہمارے ایک پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تو خود کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے۔'' [یہ روایت پیچھے باب عشرۃ النساء میں گزر چکی ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو حسب ضرورت گھریلو خرچہ دینا اور مناسب لباس مہیا کرنا شوہر پر واجب اور بیوی کا حق ہے۔ اس حدیث کی وضاحت گزشتہ حدیث نمبر 1021 کے تحت گزر چکی ہے اور آئندہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے۔

1145- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ۔ فِي حَدِيثِ الْحَجِّ بِطُولِهِ ۔ قَالَ فِي ذِكْرِ النِّسَاءِ : ((وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حج کی طویل حدیث میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کے متعلق فرمایا ''تم پر ان (یعنی تمہاری بیویوں) کا یہ حق ہے کہ تم انہیں معروف طریقے سے خوراک اور لباس مہیا کرو۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

1146- وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ ' وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ :((أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ)) ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''آدمی کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ وہ جن کی خوراک کا ذمہ دار ہے انہیں ضائع کر دے۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور مسلم میں یہ روایت ان لفظوں میں ہے] ''جس کی خوراک کا مالک ہے اسے روک لے۔''

لغوی توضیح كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا انسان کے لیے یہی گناہ کافی ہے۔ أَنْ يُّضَيِّعَ کہ وہ ضائع کر دے' یعنی چھوڑ دے' خوراک مہیا نہ کرے وغیرہ۔ مَنْ يَّقُوتُ جنہیں کھلاتا ہے' یا جن کی خوراک کا ذمہ دار ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے ذمہ جن کی کفالت ہے (مثلاً بیوی بچے اور غلام وغیرہ) ان کی خوراک' لباس اور دیگر ضروریات کا بندوبست کرنا اس پر واجب ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے والے کو گناہگار قرار دیا گیا ہے اور گناہ صرف کسی واجب کام کو ترک کرنے پر ہی ہوتا ہے۔

1144- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۱٤۲-۲۱٤٤) کتاب النکاح : باب فی حق المرأة علی زوجها' نسائی فی السنن الکبری (۹۱۷۱) ابن ماجه (۱۸۵۰) احمد (٤٤٧/٤) ابن حبان (٤۱۷۵) حاکم (۱۸۷/۲) بیهقی (۳۰۵/۷) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1145- [مسلم (۱۲۱۸) کتاب الحج : باب حجة النبی' ابو داود (۱۹۰۵) ابن ماجه (۳۰۷٤) احمد (۳۲۰/۳) دارمی (۱۸۵۱) ابن الجارود (٤٦۵) بیهقی (۷/۵)]

1146- [مسلم (۹۹٦) کتاب الزکلة : باب فضل النفقة علی العیال والمملوك' ابو داود (۱٦۹۲) نسائی فی السنن الکبری (۹۱۷٦) احمد (۱٦۰/۲) ابن حبان (٤۲٤۱) حاکم (۵۰۰/٤)]

1147- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - يَرْفَعُهُ ' فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا - قَالَ : ((لَا نَفَقَةَ لَهَا)) أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ لٰكِنْ قَالَ: الْمَحْفُوظُ وَقْفُهُ -

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایسی حاملہ' جس کا شوہر فوت ہو جائے' کے متعلق مرفوعاً مروی ہے کہ ''اس کے لیے خرچہ نہیں۔'' [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس کا موقوف ہونا ہی محفوظ ہے۔]

1148- وَثَبَتَ نَفْيُ النَّفَقَةِ فِي حَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَمَا تَقَدَّمَ ' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

اور خرچہ کی نفی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی ثابت ہے جو پیچھے گزر چکی ہے۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کا اگر شوہر فوت ہو جائے تو اس کے لیے خرچہ نہیں۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے لیکن ہمارے علم کے مطابق راجح مؤقف یہ ہے کہ ایسی عورت کو حمل کی وجہ سے خرچہ ملے گا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق : ٦] ''اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے انہیں خرچہ دیتے رہو۔'' خلاصہ کلام یہ ہے کہ میاں بیوی کی جدائی یا تو طلاق کے ذریعے ہو گی' یا وفات کے ذریعے' یا فسخ نکاح کے ذریعے۔ اگر طلاق کے ذریعے جدائی ہو تو یا طلاق رجعی ہو گی یا طلاق بائنہ۔ اگر طلاق رجعی ہو تو شوہر پر خرچہ اور رہائش دونوں لازم ہیں خواہ عورت حاملہ ہو یا نہ۔ اور اگر طلاق بائنہ ہو تو شوہر پر نہ خرچہ لازم ہے اور نہ رہائش الا کہ عورت حاملہ ہو تو خرچہ لازم ہے۔ اگر وفات کے ذریعے جدائی ہو تو شوہر پر نہ خرچہ لازم ہے نہ رہائش البتہ اگر حاملہ ہو تو خرچہ لازم ہے۔ اگر فسخ کے ذریعے جدائی ہو تو یا تو لعان کے ذریعے جدائی ہو گی یا خلع کے ذریعے۔ اگر لعان کے ذریعے جدائی ہو تو مرد پر خرچہ اور رہائش لازم نہیں خواہ عورت حاملہ ہو یا نہ کیونکہ مرد نے تو حمل کا بھی انکار کر دیا ہے اور اگر خلع کے ذریعے فسخ نکاح ہو تو خرچہ اور رہائش دونوں لازم نہیں الا کہ عورت حاملہ ہو تو مطلقہ بائنہ کی طرح عموم آیت کی وجہ سے صرف خرچہ ہی لازم آئے گا۔ (٣٢٤)

1149- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى ' وَيَبْدَأُ أَحَدُكُمْ بِمَنْ يَعُولُ ' تَقُولُ الْمَرْأَةُ : أَطْعِمْنِي أَوْ طَلِّقْنِي)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اوپر والا ہاتھ (یعنی دینے والا) نیچے والے ہاتھ (یعنی لینے والے) سے بہتر ہے اور تمہارا ایک خرچہ کا آغاز اس سے کرے جس کی کفالت کا ذمہ دار ہے' مبادا کہ عورت کہے' مجھے خرچہ دو یا طلاق دے دو۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر مرد کسی وجہ سے عورت کا خرچہ پورا نہ کر سکے تو عورت کو طلاق

1147- [بیهقی (٤٣١/٧)]

1148- [مسلم (١٤٨٠) كتاب الطلاق : باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ' ابو داود (٢٢٨٤) ترمذى (١١٣٥) نسائى (٧٥/٦) ابن ماجه (٢٠٣٥) احمد (٤١٢/٦) ابن حبان (٤٢٩١)]

1149- [صحيح : صحيح الترغيب (٨٨١) احمد (٤٧٦/٢) دارقطنى (٢٩٧/٣) ابن حبان (٣٣٦٣) بيهقى (٤٧٠/٧) مزید دیکھیے: بخاری (٥٣٥٥) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٣٢٤) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغنى (٤٠٢/١١)]

کے مطالبے کا حق حاصل ہے۔

1150- وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ - فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ - قَالَ : ((يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا)) أَخْرَجَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْهُ قَالَ : قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ : سُنَّةٌ ؟ فَقَالَ : سُنَّةٌ ، وَهَذَا مُرْسَلٌ قَوِيٌّ ۔

سعید بن مسیبؒ سے ایسے آدمی کے متعلق مروی ہے جس کے پاس اپنی بیوی پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو کہ ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے۔[اسے سعید بن منصور نے سفیان عن ابی الزناد روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن مسیبؒ سے پوچھا کہ کیا یہ سنت ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں سنت ہے۔ یہ روایت مرسل قوی ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شوہر بیوی کے خرچہ کا بندوبست نہ کر سکتا ہو تو حاکم وقت دونوں کے درمیان جدائی ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ عورت کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے اور قرآن میں ہے کہ ﴿ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ ﴾ [الطلاق : ٦] ''اور انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ۔'' اسی طرح یہ صورت معروف طریقے سے اکٹھے گزر بسر کرنے کے بھی منافی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء : ١٩] ''اور ان کے ساتھ معروف طریقے سے گزر بسر کرو۔'' مزید برآں نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ﴿ لَا ضَـرَرَ وَلَا ضِـرَارَ ﴾ ''نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔''(٣٢٥) جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ (امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ) اور امام شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی یہی موقف اپنایا ہے کہ اگر شوہر خرچہ پورا نہ کر سکے تو حاکم دونوں میں جدائی کرا دے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ ایسی صورت میں بھی عورت کو صبر و قناعت کی ہی ترغیب دلائی جائے گی اور ان کے درمیان جدائی نہیں ڈالی جائے گی۔ نیز مرد پر اس قدر ہی خرچہ واجب ہے جتنی اس میں طاقت ہو اس سے زیادہ نہیں' جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ''کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے (حسب توفیق) دے۔''(٣٢٦) اسی طرح جب آپ ﷺ سے بیوی کے حق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے۔''(٣٢٧) اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تو نہ کھائے (یعنی تمہارے پاس کھانے یا پہننے کی استطاعت نہ ہو) تو اپنی بیوی کو کھلانا بھی واجب نہیں لہٰذا پھر نکاح فسخ کیسے ہو سکتا ہے؟ امام ابن حزمؒ (٤) اور علامہ ناصر الدین البانیؒ (٣٢٨) نے اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔

1151- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ فِي رِجَالٍ غَابُوا عَنْ

حضرت عمر ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے لشکروں کے امراء کی جانب ایسے مردوں کے بارے میں تحریر کر کے بھیجا جو اپنی بیویوں سے

1150- [عبد الرزاق (١٢٣٥٧) سعيد بن منصور (٢٠٢٢) دارقطني (٢٩٧/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو مرسل صحیح کہا ہے۔]

1151- [عبد الرزاق (١٢٣٤٦) بيهقي (١٩٨/٩) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(٣٢٥) [صحيح : صحيح ابن ماجة (١٨٩٥) كتاب الأحكام : باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره ' الصحيحة (٢٥٠) ابن ماجة (٢٣٤٠) كتاب الأحكام : باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره ' بيهقي (١٣٣/١٠) أحمد (٣٢٦/٥)]

(٣٢٦) [الطلاق : ٧]

(٣٢٧) [حسن صحيح : صحيح ابو داود (١٨٧٥) ابو داود (٢١٤٢)]

(٣٢٨) [المحلى (١٠٩/١٠)]

(٣٢٩) [التعليقات الرضية على الروضة الندية (٢٥٩/٢)]

نِسَائِهِمْ : أَنْ يَأْخُذُوهُمْ بِأَنْ يُنْفِقُوا أَوْ يُطَلِّقُوا ، فَإِنْ طَلَّقُوا بَعَثُوا بِنَفَقَةِ مَا حَبَسُوا ۔ أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ ۔

غائب تھے کہ وہ اپنی بیویوں کو خرچہ بھیجیں یا انہیں طلاق دے دیں اور اگر وہ طلاق دیں تو جتنی دیر انہوں نے روکے رکھا ہے اتنا خرچہ بھی روانہ کریں۔ [اسے شافعی اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْاَجْنَاد جمع ہے جُنْد کی' اس کا معنی ہے "لشکر"۔ مَا حَبَسُوْا جتنی مدت انہوں نے روکے رکھا ہے' یعنی جتنی مدت سے انہوں نے عورتوں کو خرچہ نہیں دیا۔ یہ فرمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے تحریر کر کے بھیجا تھا کیونکہ ایک رات دورانِ گشت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک خیمے سے گزرے جس میں ایک عورت شوہر کی جدائی میں نہایت درد بھرے اشعار پڑھ رہی تھی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورت شوہر کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے تو انہوں نے کہا چار ماہ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے سپہ سالاروں کو یہ فرمان لکھ کر بھیج دیا کہ فوجیوں کو حکم دیا جائے کہ وہ چار ماہ بعد ضرور گھر آیا کریں ورنہ اپنی بیویوں کو طلاقیں بھجوا دیں اور جتنی دیر انہیں روکے رکھا ہے اتنا خرچہ بھی۔

فهم الحديث اس روایت سے بھی اسی بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر شوہر بیوی کا خرچہ پورا نہ کرے تو وہ فسخ نکاح یا مطالبۂ طلاق کا حق رکھتی ہے۔ اس کے متعلق بحث گزشتہ حدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

1152- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، عِنْدِي دِينَارٌ ؟ قَالَ : ((أَنْفِقْهُ عَلَى نَفْسِكَ)) قَالَ : عِنْدِي آخَرُ ؟ قَالَ : ((أَنْفِقْهُ عَلَى وَلَدِكَ)) قَالَ : عِنْدِي آخَرُ ؟ قَالَ : ((أَنْفِقْهُ عَلَى أَهْلِكَ)) قَالَ : عِنْدِي آخَرُ ؟ قَالَ : ((أَنْفِقْهُ عَلَى خَادِمِكَ)) قَالَ: عِنْدِي آخَرُ ؟ قَالَ : ((أَنْتَ أَعْلَمُ)) أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَ اللَّفْظُ لَهُ ، وَ أَبُو دَاوُدَ ، وَ أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَ الْحَاكِمُ بِتَقْدِيمِ الزَّوْجَةِ عَلَى الْوَلَدِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے اپنے نفس پر خرچ کر۔" اس نے عرض کیا' میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا "اسے اپنی اولاد پر خرچ کر۔" وہ بولا' میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا "اسے اپنی بیوی پر خرچ کر۔" اس نے پھر کہا' میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا "اسے اپنے خادم پر خرچ کر۔" اس نے کہا' میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا "تو خوب جانتا ہے کہ اسے کہاں خرچ کرے۔" [اسے شافعی اور ابو داود نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ شافعی کے ہیں اور نسائی اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے' اس میں بیوی کا ذکر اولاد سے پہلے ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مالی نعمت سے نوازا ہو تو اسے مال کس ترتیب سے خرچ کرنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خرچ کا آغاز اپنے آپ اور پھر گھر والوں سے کرنا چاہیے۔ اگر ان کے اخراجات پورے کرنے کے بعد بھی انسان کے پاس گنجائش ہو تو پھر جہاں وہ مناسب سمجھے خرچ کرے' حدیث کے ان الفاظ "تو خوب جانتا ہے کہ اسے کہاں خرچ کرے" کا بھی یہی مطلب ہے۔

1152- [حسن : صحيح ابو داود' كتاب الزكاة : باب في صلة الرحم' ابو داود (١٦٩١) مسند شافعي (٦٣/٢) احمد (٢٥١/٢) نسائي (٦٢/٥) ابن حبان (٤٢٣٣) حاكم (٤١٥/١) بيهقي (٤٦٦/٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1153- وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، مَنْ أَبَرُّ ؟ قَالَ : ((أُمَّكَ)) قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : ((أُمَّكَ)) قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((أُمَّكَ)) قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ((أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ ۔

حضرت بھز بن حکیم اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ نیکی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' میں نے عرض کیا' پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' میں نے پوچھا' پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' میں نے (چوتھی مرتبہ) پوچھا کہ پھر کس کے ساتھ؟ تو فرمایا ''اپنے باپ کے ساتھ پھر درجہ بدرجہ جو زیادہ قریبی ہو۔'' [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے کیونکہ ماں حمل سے لے کر ولادت تک اور پھر بچپن سے جوانی تک جس قدر بچے کے حوالے سے تکالیف اٹھاتی ہے' اس قدر باپ نہیں اٹھاتا اور یہ شرعی اصول ہے کہ مقام و مرتبہ اور اجر و ثواب قربانی کے بقدر ہی ملتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ﴿ إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ ﴾ ''یقیناً بڑی جزا بڑی آزمائش (اور قربانی) کے نتیجے میں ہی ملتی ہے۔''(۳۳۰)

باب الحضانة — تربیت و پرورش کا بیان

1154- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، إِنَّ ابْنِي كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّي ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! یہ جو میرا بیٹا ہے' میرا پیٹ اس کے لیے برتن تھا' میری چھاتی (پستان) اس کے لیے مشکیزہ تھی اور میری آغوش اس کے لیے جائے قرار تھی۔ اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب وہ مجھ سے اس بچے کو بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تک تو دوسرا نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تو ہی اس کی زیادہ حق دار ہے۔'' [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْحِضَانَة کا معنی ہے ''گود میں لینا اور پرورش کرنا''۔ اصطلاحا اس سے مراد ہے کم سن بچے کی تربیت

1153- [حسن صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٥١٣٩) كتاب الأدب : باب في بر الوالدين' ترمذی (١٨٩٧) احمد (٥_٣/٥) حاكم (٦٤٢/٣) بيهقی (١٧٩/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1154- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (٢٢٧٦) كتاب الطلاق : باب من أحق بالولد' احمد (١٨٢/٢) دارقطنی (٣٠٥/٣) حاكم (٢٠٧/٢) بيهقی (٤/٨_٥) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٣٣٠) [حسن : صحيح الجامع الصغير (٢١١٠) ابن ماجه (٤٠٣١) ترمذی (٢٣٩٦) صحيح الترغيب (٣٤٠٧)]

و پرورش اور حفاظت کرنا حتیٰ کہ وہ بالغ و سمجھدار ہو جائے۔ وِعَاء برتن کو کہتے ہیں' مراد ہے اس نے بچے کو دورانِ حمل پیٹ میں اٹھائے رکھا۔ ثَدْيِىْ میرے پستان۔ سِقَاء مشکیزہ' چونکہ چھاتی میں بچے کے لیے دودھ محفوظ رہتا تھا اس لیے اسے مشکیزہ سے تشبیہ دی۔ حِجْر گود کو کہتے ہیں۔ حِوَاء سے مراد ہر وہ چیز ہے جو دوسری چیز کو اپنے ساتھ ملا لے یا گود میں لے لے۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عورت کو طلاق ہو جائے اور اس کے پاس بچہ ہو تو بچے کی تربیت کی سب سے زیادہ مستحق وہی ہے کیونکہ اس کے مذکورہ بالا تینوں اوصاف ایسے ہیں جو صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں' اس لیے وہ بچے کے استحقاق میں باپ سے بڑھ کر ہے۔ البتہ اگر وہ دوسرا نکاح کر لے تو پھر یہ استحقاق اس سے ختم ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ بچے کی تربیت کے لیے باپ سے زیادہ حقدار ماں ہے کیونکہ وہ زیادہ رحمدل' اس کی تربیت کو زیادہ سمجھنے والی اور زیادہ صبر کرنے والی ہے۔(۳۳۱) امام ابن منذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۳۳۲) شافعیہ، حنفیہ اور مالکیہ اسی کے قائل ہیں۔(۳۳۳) اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ مجرد عقدِ نکاح سے ہی ماں کا حق ساقط ہو جائے گا یا دوسرے شوہر کی ہم بستری کے بعد ساقط ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ مجرد عقدِ نکاح سے ہی یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ہم بستری کے بعد ساقط ہوگا۔(۳۳٤) امام ابن قیمؒ نے پہلے قول کی طرف میلان ظاہر کیا ہے اور اسے جمہور کا قول قرار دیا ہے(۳۳۵) اور امام قرطبیؒ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔(۳۳٦)

1155- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ' إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ نَفَعَنِي وَسَقَانِي مِنْ بِئْرِ أَبِي عِنَبَةَ ؟ فَجَاءَ زَوْجُهَا : فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((يَا غُلَامُ هَذَا أَبُوكَ وَهَذِهِ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ)) فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ فَانْطَلَقَتْ بِهِ ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرا شوہر میرا بچہ لے جانا چاہتا ہے اور یہ بچہ مجھے فائدہ پہنچانے لگا ہے اور مجھے ابوعنبہ کے کنویں سے پانی لا کر پلاتا ہے؟ اتنے میں اس کا شوہر بھی آ گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا'' اے لڑکے! یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں' تو ان میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے۔'' تو اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چلی گئی۔[اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1155- [صحيح : صحیح ابو داود ' ابو داوذ (۲۲۷۷) كتاب الطلاق : باب من أحق بالولد ' ترمذی (۱۳۵۷) نسائی (۱۸۵/٦) ابن ماجه (۲۳۵۱) احمد (۲٤٦/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۳۳۱) [التعليق على سبل السلام للشيخ عبدالله بسام (۱۰٦۱/۳)]

(۳۳۲) [الإجماع لابن المنذر (۳۹۲)]

(۳۳۳) [نيل الأوطار (٤۳٤/٤)]

(۳۳٤) [التعليقات الرضية للألباني (۳۳۵/۲)]

(۳۳۵) [زاد المعاد (۱۸٦/٤)]

(۳۳٦) [تفسير قرطبی (۱۰۱/۳)]

1156- وَ عَنْ رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَسْلَمَ، وَأَبَتِ امْرَأَتُهُ أَنْ تُسْلِمَ، فَأَقْعَدَ النَّبِيُّ ﷺ الْأُمَّ نَاحِيَةً وَ الْأَبَ نَاحِيَةً، وَأَقْعَدَ الصَّبِيَّ بَيْنَهُمَا، فَمَالَ إِلَى أُمِّهِ فَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ)) فَمَالَ إِلَى أَبِيهِ فَأَخَذَهُ ۔ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۔

حضرت رافع بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کی بیوی نے قبولِ اسلام سے انکار کر دیا تو نبی ﷺ نے ماں کو ایک جانب اور باپ کو دوسری جانب بٹھا لیا اور بچے کو دونوں کے درمیان بٹھایا، تو بچہ ماں کی طرف مائل ہوا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی "اے اللہ اسے ہدایت دے۔" تو بچہ باپ کی طرف مائل ہو گیا اور اس نے اسے پکڑ لیا۔

[اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث ان روایات سے معلوم ہوتا کہ ماں بچے کی تربیت کی زیادہ مستحق تب تک ہے جب تک بچہ سن شعور کو نہ پہنچے اور جب بچہ سن شعور کو پہنچ جائے اور اسے تربیت و پرورش کی یکسر ضرورت نہ رہے تو اسے ماں اور باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا، خواہ ان میں سے کوئی ایک ابھی کافر ہی کیوں نہ ہو۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے کہا ہے کہ سن تمیز کو پہنچنے کے بعد بچے کو اختیار دینا واجب ہے۔(۳۳۷) امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے اختیار کی عمر سات یا آٹھ سال مقرر کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ تب تک ماں کے پاس ہی رہے گا جب تک اس کا حق ساقط نہیں ہو جاتا۔ امام مالکؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ بچے کو اختیار نہیں دیا جائے گا اور لڑکیوں کا نکاح ہونے تک ماں ان کی زیادہ مستحق جبکہ لڑکوں کے جوان ہونے تک باپ ان کا زیادہ مستحق ہے۔(۳۳۸) راجح موقف امام شافعیؒ وغیرہ کا ہی ہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اگر بچے پر ماں اور باپ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا دشوار ہو جائے تو پھر دونوں کے درمیان قرعہ ڈال لیا جائے گا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تم دونوں اس بچے میں قرعہ ڈال لو۔"(۳۳۹)

امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ جس میں بچے کے لیے مصلحت اور خیر خواہی کا پہلو زیادہ ہو اسے اختیار کرنا چاہیے۔ اگر باپ کے مقابلے میں ماں زیادہ صحیح تربیت اور حفاظت کر سکتی ہو اور غیرت مند عورت ہو تو ماں کو باپ پر ترجیح دی جائے گی۔ اس صورت میں قرعہ اندازی یا اختیار میں سے کسی چیز کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا کیونکہ بچہ تو کم فہم و کم عقل اور نادان و ناعاقبت اندیش ہوتا ہے۔ ماں باپ میں سے جو بچے کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو بچہ اسی کے حوالے کر دیا جائے (اگر ماں سے زیادہ باپ میں یہ اوصاف موجود ہوں تو بچہ باپ کے حوالے کر دیا جائے پھر وہی اس کی تربیت کا ذمہ دار ہو گا)۔ شریعت اس کے علاوہ کسی چیز کی متحمل نہیں ہو سکتی اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔" [التحريم : ٦] پس جب ماں اسے مکتب و مدرس میں چھوڑتی ہو اور اسے قرآن سکھاتی ہو اور بچہ کھیل کود اور اپنے ساتھیوں سے میل جول کو ہی ترجیح دیتا ہو

1156- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٢٢٤٤) كتاب الطلاق : باب إذا أسلم أحد الأبوين مع من يكون الولد، نسائى (١٨٥/٦) احمد (٤٤٦/٥) حاكم (٢٠٦/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٣٣٧) [تحفة الأحوذى (٦٧٩/٤)]

(٣٣٨) [الأم (٩٢/٥) المبسوط (٢١١/٥) المغنى (٤٣٥/٤) تفسير قرطبى (١٠٨/٣)]

(٣٣٩) [صحيح : صحيح ابو داود (١٩٩٢) كتاب الطلاق : باب من أحق بالولد، ابو داود (٢٢٧٧) نسائى (١٨٥/٦) ابن أبى شيبة (٢٣٧/٥)]

اور اس کا والد اسے ان کاموں کی اجازت دیتا ہو تو ماں ہی اس کی زیادہ مستحق ہے۔ اختیار اور قرعہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اسی طرح اس کے برعکس (اگر والد دین سکھاتا ہو اور ماں کھیل کود کی اجازت دیتی ہو تو باپ زیادہ مستحق) ہے۔(۳۴۰) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، امام شوکانی (۳۴۱) اور علامہ البانیؒ (۳۴۲) نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

1157- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى فِي ابْنَةِ حَمْزَةَ لِخَالَتِهَا ، وَقَالَ : ((الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں فرمایا اور فرمایا کہ ”خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے۔“ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

1158- وَ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ : ((وَ الْجَارِيَةُ عِنْدَ خَالَتِهَا ، فَإِنَّ الْخَالَةَ وَالِدَةٌ)) ۔

اور احمد نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”لڑکی اپنی خالہ کے پاس ہوگی کیونکہ خالہ والدہ (کی مانند) ہے۔“

لغوی توضیح ابْنَةِ حَمْزَةَ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی۔ اس بچی کا نام عمارہ تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام امامہ تھا اور اس کی کنیت اُم فضل تھی، اس کی خالہ کا نام اسماء بنت عمیس تھا۔ یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے درمیان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی کفالت کے سلسلے میں جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کا زیادہ حقدار میں ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے اور جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میری چچازاد ہے اور اس کی خالہ بھی میرے نکاح میں ہے اس لیے میں اس کا زیادہ مستحق ہوں، تو آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا کیونکہ بچی کی خالہ ان کے نکاح میں تھی۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ماں فوت ہو جائے یا دوسری شادی کر لے تو پھر بچوں کی پرورش کی زیادہ حقدار خالہ ہوگی۔ امام شوکانیؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(۳۴۳)

1159- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو اگر

1157- [بخاری (۲۶۹۹) کتاب الصلح : باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان بن فلان ، احمد (۲۹۸/٤) ابن حبان (٤٨٧٣) بیهقی (٥/٨-٦)]

1158- [صحیح : صحیح ابو داود ، ابو داود (۲۲۷۸-۲۲۸۰) کتاب الطلاق : باب من أحق بالولد ، احمد (۹۸/۱) حاکم (۱۰/۲) ، بیهقی (٦/٨)]

1159- [بخاری (۲۵۵۷-٥٤٦٠) کتاب العتق : باب إذا أتاه خادمه بطعامه ، مسلم (۱٦٦٣) ابو داود (۳۸٤٦) ابن ماجه (۳۲۸۹) احمد (٤٠٩/٢)]

---

(۳٤٠) [زاد المعاد (٤٧٤/٥-٤٧٥)]
(۳٤١) [نيل الأوطار (٤٣٦/٤)]
(۳٤٢) [التعليقات الرضية على الروضة (۳۳۸/۲)]
(۳٤٣) [نيل الأوطار (٤٣٣/٤)]

خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر نہ کھلائے تو اسے ایک یا دو لقمے ہی دے دے۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک جو کھانا خود کھائے اسی میں سے کچھ غلام کو بھی کھلانا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خادم کو اپنے خاص کھانے میں سے پیٹ بھر کر کھلانا ضروری نہیں' البتہ افضل ضرور ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام امیر غریب' قوی ضعیف اور گورے کالے سب میں مساوات کا علمبردار ہے۔

1160- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ، سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ، فَدَخَلَتِ النَّارَ فِيهَا، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا إِذْ هِيَ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا' اس نے اسے قید کر رکھا تھا حتی کہ وہ مر گئی اور اسی وجہ سے وہ آتشِ جہنم میں داخل ہو گئی۔ جب اس نے بلی کو قید کر رکھا تھا وہ نہ اسے کھلاتی پلاتی تھی اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح فِيْ هِرَّةٍ بلی کی وجہ سے۔ سَجَنَتْهَا اس نے اسے قید کر رکھا تھا یا باندھ رکھا تھا۔ خَشَاش حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے وغیرہ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کا خرچہ ان کے مالکوں پر واجب ہے۔ شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ نے فرمایا ہے کہ علماء نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ مویشیوں کے مالکان پر ان کی خوراک کا بندوبست کرنا لازم ہے اگر وہ ایسا کرنے سے عاجز ہوں تو پھر ان پر انہیں فروخت کر دینا یا اُجرت پر دینا یا ذبح کر دینا لازم ہے۔ (۳٤٤)

1160- [بخاری (۳۳۱۸) کتاب بدء الخلق: باب خمس من الدواب فواسق يقتلن في الحرم' مسلم (۲۲٤۲) دارمی (۲۸۱٤) ابن حبان (٥٤٦)]

(۳٤٤) [كما في توضيح الأحكام (۷۲/٦)]
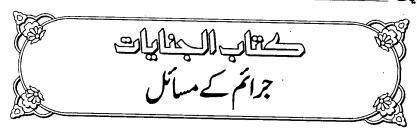
1161- عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبِ الزَّانِي، وَالنَّفْسِ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكِ لِدِينِهِ الْمُفَارِقِ لِلْجَمَاعَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں جو یہ شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' البتہ تین قسم کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ شادی شدہ زانی' جان کے بدلے میں جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جانے والا۔“ [بخاری، مسلم]

1162- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَحِلُّ قَتْلُ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ: زَانٍ مُحْصَنٌ فَيُرْجَمُ وَرَجُلٍ يَقْتُلُ مُسْلِمًا مُتَعَمِّدًا فَيُقْتَلُ وَرَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ فَيُحَارِبُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَيُقْتَلُ أَوْ يُصْلَبُ أَوْ يُنْفَى مِنَ الْأَرْضِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کسی مسلمان کا قتل تین صورتوں میں سے کسی ایک کے بغیر حلال نہیں۔ شادی شدہ زانی اسے رجم کیا جائے گا' ایسا آدمی جو کسی دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کر دے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا اور وہ آدمی جو اسلام سے نکل جائے اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی شروع کر دے' تو اسے یا تو قتل کر دیا جائے گا یا سولی دے دیا جائے گا یا پھر جلاوطن کر دیا جائے گا۔“ [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْجَنَايَات جمع ہے جَنَايَة کی اور جنایت جرم کے ارتکاب کو کہتے ہیں۔ یہاں اسے جمع اس لیے لایا گیا ہے کیونکہ جرائم مختلف انواع و اقسام کے ہوتے ہیں۔ اَلثَّيِّب شادی شدہ کو کہتے ہیں' اسے زنا کی وجہ سے رجم کر دیا جائے گا۔ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ جان کے بدلے میں جان' مراد ہے جب کوئی کسی دوسرے مسلمان کو عمداً ناحق قتل کر دے تو پھر اس کی جان کے بدلے اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اَلتَّارِكُ لِدِينِهِ اپنا دین چھوڑ دینے والا' اس سے مراد مرتد ہے۔ اَلْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَة مسلمانوں کی جماعت چھوڑ دینے والا' یعنی مرتد ہو کر مسلمانوں سے الگ ہو جانے والا' کیونکہ جو مرتد نہ ہو اور جماعت چھوڑ دے

1161- [بخاری (٦٨٧٨) كتاب الديات : باب قول الله تعالى أن النفس بالنفس والعين بالعين' مسلم (١٦٧٦) ابو داود (٤٣٥٢) ترمذی (١٤٠٢) نسائی (٩٢/٧) ابن ماجه (٢٥٣٤) احمد (٣٨٢/١)]

1162- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٣٥٣) كتاب الحدود : باب الحكم فيمن ارتد' نسائی (٢٣/٨) احمد (٢١٤/٦) حاکم (٣٦٧/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

اسے قتل کرنا جائز نہیں۔ مُحْصَنٌ شادی شدہ۔ یَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ جو اسلام سے نکل جائے یعنی مرتد ہو جائے تو اسے مذکورہ تینوں سزاؤں میں سے کوئی ایک حاکم وقت حسب احوال دے سکتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہ سزائیں ہر مرتد کو نہیں بلکہ صرف اُس مرتد کو دی جائیں گی جو دین سے خارج ہو کر اسلام اور اہل اسلام کے خلاف لڑائی شروع کر دے۔ اس کا ذکر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: ﴿ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ [المائدۃ : ۳۳] ''جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔'' امام شوکانی نے فرمایا ہے کہ حاکم وقت جس سزا میں مصلحت سمجھے گا وہی ان کو دے گا۔ (۱) علاوہ ازیں جو مرتد صرف دین چھوڑتا ہے مگر اہل اسلام کے خلاف لڑائی نہیں کرتا اسے صرف قتل ہی کیا جائے گا۔

1163- وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''روزِ قیامت لوگوں کے درمیان سب سے پہلے جن مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا وہ خون (یعنی قتل) کے مقدمات ہوں گے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الدِّمَاء جمع ہے دَم کی، اس کا معنی ہے ''خون'' مراد ہے قتل۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق العباد میں قتل سب سے بڑا جرم ہے اسی لیے روزِ قیامت سب سے پہلے اس کا حساب ہوگا۔ یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف معلوم ہوتی ہے جس میں ہے کہ ''روزِ قیامت سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔'' لیکن درحقیقت ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہ حدیث حقوق اللہ کے متعلق ہے اور مذکورہ بالا حقوق العباد کے متعلق، تو مطلب یہ ہوا کہ روزِ قیامت حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں قتل کا۔ شیخ عبداللہ بسام اور امام صنعانی نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے۔ (۲)

1164- وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے جس نے

1163- [بخاری (٦٨٦٤) كتاب الديات : باب قول الله تعالى ومن يقتل مؤمنا متعمدا، مسلم (١٦٧٨) ترمذی (١٣٩٦) نسائی (٨٣/٧) ابن ماجه (٢٦١٥) احمد (٤٤٠/١) بیهقی (٢١/٨)]

1164- [ضعیف : ضعیف ابو داود، ابو داود (٤٥١٥-٤٥١٦) كتاب الديات : باب من قتل عبده أو مثل به أيقاد منه، ترمذی (١٤١٤) نسائی (٢٠/٨-٢١) ابن ماجه (٢٦٦٣) احمد (١٠/٥) دارمی (٢٣٥٨) بیهقی (٣٥/٨) حاکم (٣٦٧/٤) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۱) [الدرر البهية : كتاب الحدود : باب حد المحارب] (۲) [توضيح الأحكام (٨١/٦) سبل السلام (٨/٤)]

وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ ' وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ سَمُرَةَ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي سَمَاعِهِ مِنْهُ ' وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ وَ النَّسَائِيِّ بِزِيَادَةٍ : ((وَمَنْ خَصَى عَبْدَهُ خَصَيْنَاهُ)) وَصَحَّحَ الْحَاكِمُ هَذِهِ الزِّيَادَةَ ۔

اپنے غلام کا ناک' کان کاٹا ہم بھی اس کا ناک' کان کاٹ دیں گے۔ "[اسے احمد، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور یہ سمرہ سے حسن بصری کی روایت ہے اور سمرہ سے حسن بصری کے سماع میں اختلاف ہے اور ابوداود اور نسائی کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ] "اور جس نے اپنے غلام کو خصی کیا ہم اسے خصی کر دیں گے۔" [حاکم نے اس زیادتی کو صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح جَدَعَ عَبْدَهُ اپنے غلام کے کان' ناک' ہونٹ وغیرہ کاٹے' لیکن یہ لفظ ناک کاٹنے کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قصاصاً قتل کیا جائے گا' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے کوڑے لگائے اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا اور اس کا حصہ مسلمانوں سے ختم کر دیا اور اس سے قصاص نہیں لیا اور اسے حکم دیا کہ ایک گردن آزاد کرے۔ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا' لیکن یہ بھی ضعیف ہے' کیونکہ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ضعیف ہے۔ (٤) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (٥) یہ بھی ضعیف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "غلام کا قصاص اس کے مالک سے نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی بچے کا باپ سے۔" (٦) یہ روایت بھی ثابت نہیں۔ اس مسئلے میں کوئی صریح صحیح دلیل نہ ہونے کی بنا پر فقہا نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ احناف نے کہا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا جبکہ مقتول قاتل کا اپنا غلام نہ ہو اور اگر مالک کا اپنا غلام ہو تو بالا جماع اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ مطلق طور پر مالک کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا خواہ وہ غلام اس کا اپنا ہو یا کسی اور کا۔ (٧) ہمارے علم کے مطابق آزاد کو غلام کے بدلے قتل کرنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ (٨)

1165- وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ :((لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَ الْبَيْهَقِيُّ ' وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ : إِنَّهُ مُضْطَرِبٌ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "والد سے بچے کے بدلے قصاص نہیں لیا جائے گا۔" [اسے احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن جارود اور بیہقی نے اسے صحیح کہا ہے جبکہ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ مضطرب ہے۔]

1165- [**صحیح** : صحیح ترمذی ' ترمذی (۱٤۰۰) كتاب الديات : باب ما جاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا ' ابن ماجه (۲٦٦۲) احمد (۱/۱٦-٤۹) ابن الجارود (۷۸۸) دارقطني (۳/۱٤۰) بيهقي (۸/۳۸-۳۹) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو متعدد اسناد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

---

(۳) [دار قطني (۳/۱٤۳) ' (رقم/ ۱۸۷)] (٤) [الجرح والتعديل (۲/۱۹۱) ميزان الاعتدال (۱/۲٤۰)]

(٥) [بيهقي (۸/۳٤) اس کی سند میں جابر جعفی راوی متروک ہے۔ [المجروحين (۱/۱٦۸) الجرح والتعديل (۲/٤۹۷) المغني (۱/۱۲٦) الكاشف (۱/۱۲۲)]

(٦) [بيهقي (۸/۳٦) الكامل لا بن عدى (٥/۱۷۱۳) اس کی سند میں عمر بن عیسی اسلمی راوی منکر الحدیث ہے۔ [الكامل لا بن عدى (٥/۱۷۱۳)]

(۷) [نيل الأوطار (٤/٤٥۱) الأم للشافعي (٦/۲٦) المبسوط (۲٦/۱۲۹) المغني (۱۱/٤۷۳) بداية المجتهد (۲/۳۹۸)]

(۸) [مزید دیکھئے: السيل الجرار (٤/۳۹۳) سبل السلام (٤/۱٥۷٦)]

لغوی توضیح لَا یُقَادُ قصاص نہیں لیا جائے گا' یہ لفظ قود سے ماخوذ ہے جس کا معنی ''قصاص'' ہے اور قصاص سے مراد ہے قتل کے بدلے قاتل کو قتل کرنا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر باپ بچے کو قتل کر دے تو قصاصاً باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا (بلکہ اس سے صرف دیت ہی لی جائے گی اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ والد کبھی بھی جان بوجھ کر اپنے لخت جگر کو قتل نہیں کرتا بلکہ خطا سے ہی کرتا ہے اور خطا کی صورت میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہی واجب ہے)۔ جمہور علماء، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور احناف اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر باپ بیٹے کو زمین پر لٹا کر ذبح کرے تو پھر اس سے قصاص لیا جائے گا' بصورت دیگر نہیں۔ (۹) باپ کو بچے کے بدلے قتل نہ کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ باپ بچے کے وجود کا سبب ہے اس لیے بچہ باپ کے خاتمے کا سبب نہیں بن سکتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے صرف والد کو قصاص سے مستثنیٰ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی اعزاء واقارب سے قصاص لیا جائے گا اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔

1166- وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِنَ الْوَحْيِ غَيْرَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: ((لَا، وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللَّهُ تَعَالَى رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ)) قُلْتُ: وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: ((الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا' کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی کوئی بذریعہ وحی نازل شدہ چیز موجود ہے؟ تو انہوں نے کہا' نہیں' اس ذات کی قسم جس نے دانا اُگایا اور جان کو پیدا کیا سوائے اس فہم کے جو اللہ تعالیٰ کسی بندے کو قرآن کے بارے میں عطا کرتا ہے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا' اس صحیفے میں کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا' دیت اور قیدی کو آزاد کرنے کے احکام اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

1167- وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَالَ فِيهِ: ((الْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ، وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ، وَلَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ)) وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

اور اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے ایک دوسری سند سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ ''مسلمانوں کے خون برابر ہیں' ان کے ادنیٰ آدمی کی پناہ بڑے آدمی کی مانند ہے' وہ اپنے سوا دوسروں کے مقابلے میں متحد ہیں اور کسی مسلمان کو کافر کے بدلے اور کسی معاہد (ذمی) کو زمانہ عہد میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔'' [اسے حاکم نے صحیح کہا ہے۔]

1166- [بخاری (۳۰٤۷) كتاب الجهاد والسير: باب فكاك الأسير' ترمذی (۱٤۱۲) نسائی (۸/۲۳۔۲٤) احمد (۱/۷۹) دارمی (۲۳۵٦) ابن الجارود (۷۹٤) بیهقی (۸/۲۸)]

1167- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٤۵۳۰) كتاب الديات: باب أيقاد المسلم بالكافر' نسائی (۸/۱۹۔۲۰) احمد (۱/۱۱۹) حاکم (۲/۱٤۱) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۹) [سبل السلام (۳/۱۵۷۷) تحفة الأحوذی (٤/۷۵۲) الأم (٤/۱۹۵) السيل الجرار (٤/۳۹۰) السنن الكبرى للبيهقی (۸/۳۸)]

لغوی توضیح هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ کیا آپ کے پاس (قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعے نازل شدہ) کوئی چیز ہے۔امام صنعانیؒ فرماتے ہیں' حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال اس لیے کیا کیونکہ شیعہ کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن کے علاوہ بذریعہ وحی نازل شدہ کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کا علم ان کے سوا کسی کو نہیں اور جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اہل بیت کے لیے ہی مخصوص کر رکھا ہے۔(۱۰) فَلَقَ پھاڑا یا اُگایا الْحَبَّةَ دانے کو مراد ہے غلہ اُگایا۔بَرَأَ پیدا کیا' النَّسَمَةَ جان کو۔ إِلَّا فَهْمٌ یعنی میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں سوائے اس فہم وفراست کے جسے اللہ تعالیٰ قرآن کے متعلق کسی بندے کو عنایت فرماتے ہیں۔وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔مراد یہ ہے کہ اگر میرے پاس کوئی خاص چیز ہوتی تو اس صحیفے میں ہوتی لیکن اس میں بھی وہی چیزیں ہیں جو سب لوگوں کے پاس ہیں' اس لیے یہ بات درست نہیں کہ میرے پاس کوئی خاص منزل من اللہ احکام موجود ہیں۔الْعَقْلُ دیت' یعنی اس صحیفے میں دیت کے احکام ہیں۔فِكَاكُ الْأَسِيرِ قیدی چھڑانا' یعنی اس میں قیدی چھڑانے کے متعلق بھی احکام موجود ہیں۔يَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ ان کے ادنیٰ آدمی کی امان بڑے آدمی کی مانند ہے' ذمہ سے مراد امان ہے' معنی یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں سے کوئی ادنیٰ شخص بھی کسی کافر کو امان دے دے تو وہ امان ایسے ہی ہوگی جیسے کسی بڑے آدمی نے دی ہو اور تمام مسلمانوں پر اس کافر کو قتل کرنا حرام ہوگا۔وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ وہ اپنے سوا دوسروں کے خلاف متحد ہیں' یعنی وہ دشمن کے مقابلے میں اکٹھے ہیں' اس لیے وہ کبھی آپس میں ایک دوسرے کو ذلیل ورسوا نہیں کرتے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک ذمی اپنے عہد پر قائم رہے اسے قتل کرنا جائز نہیں۔اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو کیا اسے بدلے میں قتل کیا جائے گا یا نہیں۔جمہور اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ ذمی بھی کافر ہے اس لیے مسلمان کو اس کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔احناف کا مؤقف یہ ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا الا کہ مسلمان اسے دھوکے سے قتل کر دے۔(۱۱) جن حضرات کے نزدیک ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ "کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی معاہد (ذمی) کو اپنے عہد میں۔" ہمارے علم کے مطابق اس روایت میں صرف یہ ہے کہ ذمی کو عہد توڑنے سے پہلے قتل نہیں کیا جائے گا' یہ وضاحت نہیں کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کر دیا جائے گا اور نہ ہی اس پر کوئی قابل حجت دلیل موجود ہے لہٰذا درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذمی کے بدلے بھی مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا' کیونکہ ذمی بہرحال کافر ہی ہے۔(۱۲)

1168- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ جَارِيَةً وُجِدَ رَأْسُهَا قَدْ رُضَّ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَسَأَلُوهَا: مَنْ صَنَعَ بِكِ هَذَا؟ فُلَانٌ' فُلَانٌ؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک لونڈی یوں پائی گئی کہ اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا تھا' لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ فلاں

1168- [بخاری (٦٨٧٩) کتاب الدیات : باب من أقاد بالحجر' مسلم (١٦٧٢) ابو داود (٤٥٢٧) ترمذی (١٣٩٤) نسائی (٢٢/٨) ابن ماجه (٢٦٦٥) احمد (١٨٣/٣-١٩٣) دارمی (٢٣٥٥)]

(١٠) [سبل السلام (١٤/٤)]
(١١) [نيل الأوطار (٤٤٦/٤) الأم للشافعي (٢٥/٦) المبسوط(١٣١/٢٦) المغنى (٤٦٦/١١) بداية المجتهد (٣٩٩/٢)]
(١٢) [السيل الجرار (٣٩٤/٤) نيل الأوطار (٤٤٦/٤) فقه السنة (٢٦/٣) سبل السلام (١٥٨١/٣)]

حَتّٰی ذَکَرُوا یَهُودِیًّا، فَأَوْمَتْ بِرَأْسِهَا، فَأُخِذَ الْیَهُودِیُّ، فَأَقَرَّ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ یُرَضَّ رَأْسُهُ بَیْنَ حَجَرَیْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ، وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

نے فلاں نے؟ حتیٰ کہ انہوں نے ایک یہودی کا نام لیا تو اس نے سر کے ساتھ (ہاں میں) اشارہ کیا' تو یہودی کو پکڑ لیا گیا' اس نے اقرارِ جرم کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے۔ [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح جَارِیَة لونڈی کو کہتے ہیں خواہ جوان ہو یا بوڑھی۔ رُضَّ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب رَضَّ یَرُضُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''کچلنا''۔ أَوْمَأَتْ بھی ماضی کا صیغہ ہے ایماء سے' اس کا معنی ہے ''اشارہ کرنا''۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص میں قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے گا جیسے اس نے مقتول کو قتل کیا ہو۔ جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ قصاص صرف تلوار یا چھری وغیرہ جیسے ماضی کے آلات سے ہی لیا جائے گا۔ (۱۳) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا (اور اس کے برعکس عورت کو مرد کے بدلے تو بالاولیٰ قتل کیا جائے گا)۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل یمن کی طرف اپنے خط میں لکھا ﴿ أَنَّ الذَّكَرَ يُقْتَلُ بِالْأُنْثَى ﴾ ''مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔'' (۱۴) امام بخاریؒ نے اہل علم کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ (۱۵) امام ابن منذرؒ نے امام عطاءؒ اور امام حسنؒ سے منقول روایت کے سوا اس مسئلے پر اجماع نقل کیا ہے۔ (۱۶) جمہور بھی اسی کے قائل ہیں۔ نیز امام شوکانیؒ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (۱۷)

1169- وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَنَّ غُلَامًا لِأُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ أُذُنَ غُلَامٍ لِأُنَاسٍ أَغْنِیَاءَ، فَأَتَوُا النَّبِیَّ ﷺ، فَلَمْ یَجْعَلْ عَلَیْهِ شَیْئًا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الثَّلَاثَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِیحٍ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک فقیر لوگوں کے غلام نے امیر لوگوں کے غلام کا کان کاٹ دیا' وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے اس کے ذمہ کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔ [اسے احمد اور تینوں نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک غلام دوسرے غلام کا کوئی عضو کاٹ ڈالے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور اس کے فقیر مالک کے ذمہ اس کی دیت کی ادائیگی بھی لازم نہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے دیگر مختلف مفاہیم بیان کیے گئے ہیں۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کا سب سے عمدہ مفہوم یہ ہے کہ یہاں غلام سے مراد نابالغ لڑکا ہے کیونکہ یہ لفظ عربی میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا بلوغت سے قبل کسی جرم پر قصاص نہیں کیونکہ بچے کا حکم اہل علم کے اجماع کے ساتھ خطا کا ہوتا ہے۔ اور اس کے ورثاء پر دیت اس لیے لازم نہیں کی گئی کیونکہ وہ فقیر تھے۔ یہی توجیہ سب سے عمدہ ہے۔ شیخ

1169- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۴۵۹۰) کتاب الدیات : باب فی جنایة العبد یکون للفقراء' نسائی (۲۵/۸) احمد (۴۳۸/۴) دارمی (۲۳۶۸) بیهقی (۱۰۵/۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳) [کما فی توضیح الأحکام (۹۴/۶)]
(۱۴) [موطا (۸۴۹/۲) ترتیب المسند للشافعی (۱۰۸/۲)' (۳۶۳)]
(۱۵) [بخاری (قبل الحدیث/ ۶۸۸۶) کتاب الدیات : باب القصاص بین الرجال والنساء فی الجراحات]
(۱۶) [الاجماع لابن المنذر (ص/۱۴۴)' (رقم/۶۵۳)]
(۱۷) [نیل الأوطار (۴۵۳/۴) السیل الجرار (۳۹۷/۴)]
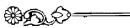
الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ بچوں، پاگلوں اور تمام فاتر العقل افراد کے مابین نہ تو قصاص ہے اور نہ ہی دیت کا لزوم۔ (۱۸)

1170- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَنَّ رَجُلًا طَعَنَ رَجُلًا بِقَرْنٍ فِي رُكْبَتِهِ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَقِدْنِي، فَقَالَ: ((حَتَّى تَبْرَأَ)) ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَقِدْنِي، فَأَقَادَهُ، ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، عَرِجْتُ، فَقَالَ: ((قَدْ نَهَيْتُكَ فَعَصَيْتَنِي، فَأَبْعَدَكَ اللّٰهُ، وَبَطَلَ عَرَجُكَ)) ثُمَّ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُقْتَصَّ مِنْ جُرْحٍ حَتَّى يَبْرَأَ صَاحِبُهُ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے گھٹنے میں سینگ چبھو دیا تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا' مجھے قصاص دلوایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "زخم صحیح ہو جانے کے بعد آنا۔" وہ پھر آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا' مجھے قصاص دلوایئے تو آپ ﷺ نے اسے قصاص دلوا دیا۔ پھر (کچھ مدت بعد دوبارہ) وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا' اے اللہ کے رسول! میں لنگڑا ہو گیا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا "میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نے میری بات نہ مانی۔ اب اللہ تعالیٰ نے تجھے دور کر دیا ہے اور تیرا لنگڑا پن باطل قرار دے دیا ہے۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے زخموں کا قصاص لینے سے اس وقت تک منع فرما دیا جب تک زخمی آدمی تندرست نہ ہو جائے۔" [اسے احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے مرسل ہونے کے ساتھ معلول قرار دیا گیا ہے۔]

لغوی توضیح قَرْن سینگ کو کہتے ہیں۔ طَعَنَ کا معنی ہے نیزہ وغیرہ مارنا' کوئی چیز چبھونا۔ أَقِدْنِي فعل امر کا صیغہ ہے باب أَقَادَ يُقِيدُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "قصاص دلوانا"۔ تَبْرَأَ براءۃ سے ہے' مراد ہے زخم کا ٹھیک ہو جانا۔ عَرِجْتُ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب عَرَجَ يَعْرُجُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے "لنگڑا ہونا"۔ يُقْتَصَّ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب اقْتَصَّ يَقْتَصُّ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے "قصاص لینا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زخموں کا قصاص اس وقت لینا چاہیے جب زخم صحیح ہو جائیں' اس سے پہلے قصاص لینا حرام ہے۔ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ (امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ) نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ زخم صحیح ہونے سے پہلے قصاص یا دیت لینا حرام نہیں اس لیے اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو گناہگار نہیں ہوگا' اگرچہ اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا۔ (۱۹) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت کی اتباع میں ہی خیر و فلاح ہے۔

1171- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں

1170- [صحیح: إرواء الغلیل (۲۲۳۷) احمد (۲۱۷/۲) دارقطنی (۹۰/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1171- [بخاری (۵۷۵۸-۵۷۵۹) کتاب الطب: باب الکھانۃ' مسلم (۱٦۸۱) ابو داود (٤٥۷٦) ترمذی (۱٤۱۰) ابن ماجه (۲٦۳۹) نسائی (٤۸/۸) احمد (۲۳٦/۲) دارمی (۲۳۸۲) ابن الجارود (۷۷٦) بیهقی (۷۰/۸)]

(۱۸) [دیکھئے: توضیح الأحکام (۹۵/٦)]

(۱۹) [دیکھئے: کما فی توضیح الأحکام (۹۹/٦)]

اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ، فَقَتَلَهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا، وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ، فَقَالَ حَمَلُ ابْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِيُّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، كَيْفَ يُغْرَمُ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ، فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((**إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ**)) مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ الَّذِي سَجَعَ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

لڑ پڑیں' ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مار کر اسے اور اس کے پیٹ کے بچے کو قتل کر دیا۔ وہ لوگ (یعنی اس کے ورثاء) مقدمہ نبی کریم ﷺ کے پاس لائے تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچے کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے اور عورت کی دیت اس (قاتل) کے ورثاء پر لازم ہے اور دیت کا وارث اس عورت کی اولاد اور ان ورثاء کو بنایا جو ان کے ساتھ تھے۔ حمل بن نابغہ ہذلی رضی اللہ عنہ نے کہا' اے اللہ کے رسول! اس بچے کا بدلہ کیسے دیا جائے جس نے ابھی نہ کھایا' نہ پیا' نہ بولا اور نہ ہی چیخا' اس جیسے کو تو رائیگاں کیا جانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ تو کاہنوں کے بھائیوں میں سے ہے کیونکہ اس نے ان جیسا ہی مسجع کلام کیا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

1172- وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: ((أَنَّ عُمَرَ سَأَلَ مَنْ شَهِدَ قَضَاءَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْجَنِينِ؟ قَالَ: فَقَامَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ، فَقَالَ: كُنْتُ بَيْنَ يَدَيِ امْرَأَتَيْنِ، فَضَرَبَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ......)) فَذَكَرَهُ مُخْتَصَرًا ۔ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ۔

اور ابوداود اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا' پیٹ کے بچے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے فیصلے میں کون حاضر تھا؟ حمل بن نابغہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا' میں دونوں عورتوں کے درمیان تھا' ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر دے مارا تھا...... پھر مختصر حدیث ذکر کی۔ [اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح جَنِین اس بچے کو کہتے ہیں جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو۔ غُرَّۃ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے چہرے پر ہوتی ہے اور امام جوہریؒ فرماتے ہیں کہ گویا کہ غرہ سے تمام جسم مراد لیا گیا ہے' یہاں اس سے مرد غلام یا لونڈی ہے۔ وَلِيدَة کا معنی ہے ''لونڈی'' اس کی جمع وَلَائِد آتی ہے۔ عَلَى عَاقِلَتِهَا اس کے ورثاء پر ہے' یعنی قاتل عورت کے ورثاء دیت ادا کریں گے۔ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ یہ قبیلہ ہذیل کا ایک فرد تھا اور مذکورہ جھگڑنے والی دونوں عورتوں کا شوہر تھا اور وہ دونوں سوکنیں تھیں۔ كَيْفَ نَغْرِمُ ہم کیسے دیت دیں؟ یہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ بچہ نہ تو زندہ پیدا ہوا' نہ اس نے کچھ کھایا پیا اور نہ ہی وہ چیخا چلایا تو پھر ہم دیت کس چیز کی دیں؟ يُطَلُّ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب طَلَّ يَطُلُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''رائیگاں کیا جائے یا باطل کیا جائے۔'' الْكُهَّان کاہن کی جمع ہے اور کاہن اسے کہتے ہیں جو علم غیب کا دعویٰ کرے اور گمشدہ چیزوں کی خبر دے' آپ ﷺ نے اسے کاہن کا بھائی اس لیے کہا کیونکہ اس نے کاہنوں کی مانند مسجع کلام پیش کیا تھا' آپ ﷺ نے اس کی تردید کی غرض سے اسے ایسا کہا۔ كُنْتُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ میں دو عورتوں کے درمیان تھا' مراد ہے کہ میں دونوں کا شوہر تھا۔

1172- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٤٥٧٢) كتاب الديات: باب دية الجنين' نسائى (٢١/٨) ابن ماجه (٢٦٤١) احمد (٣٦٤/١) دارمى (٢٣٨١) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیٹ کے بچے کی دیت ایک غلام یا لونڈی کی ادائیگی ہے۔ وجوب دیت کے لیے پیٹ کے بچے کی کیفیت کیا ہونی چاہیے اس میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ احناف نے کہا ہے کہ پیدائش کا کچھ حصہ ظاہر ہو جانا ہی کافی ہے مثلاً ناخن اور بال وغیرہ۔ (۲۰) مالکیہ کا کہنا ہے کہ دیت تب واجب ہوگی جب جنین مکمل ہو یا (کم از کم) گوشت کا لوتھڑا بن چکا ہو۔ (۲۱) شافعیہ اور حنابلہ نے کہا ہے کہ دیت اس وقت واجب ہوگی جب گوشت کا لوتھڑا بن چکا ہو اور یہ شہادت سے ثابت بھی ہو جائے۔ شافعیہ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت اور حنابلہ کے نزدیک کچھ ثقہ عورتوں کی شہادت قبول ہوگی۔ (۲۲) حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ فقہا نے غرہ (یعنی غلام یا لونڈی) کے وجوب میں یہ شرط لگائی ہے کہ جنین ماں کے پیٹ سے مردہ نکلے اور زندہ نکلے گا تو اس میں قصاص یا دیت واجب ہوگی۔ (۲۳)

1173- وَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ الرُّبَيِّعَ بِنْتَ النَّضْرِ - عَمَّتَهُ - كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ، فَطَلَبُوا إِلَيْهَا الْعَفْوَ، فَأَبَوْا فَعَرَضُوا الْأَرْشَ، فَأَبَوْا، فَأَتَوْا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَبَوْا إِلَّا الْقِصَاصَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ؟ لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((**يَا أَنَسُ، كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ**)) فَرَضِيَ الْقَوْمُ فَعَفَوْا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((**إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ**)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے ایک انصاری لڑکی کے سامنے والے دانت توڑ دیئے۔ ربیع کے رشتہ داروں نے لڑکی والوں سے معافی مانگی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے دیت دینے کی پیش کش کی تو اسے بھی انہوں نے رد کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ کیا اور قصاص کے سوا ہر چیز کو ٹھکرا دیا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا فیصلہ فرما دیا۔ یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ربیع کے سامنے والے دانت توڑے جائیں گے؟ نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے! اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اے انس! ''اللہ کا حکم تو قصاص ہی ہے۔'' اتنے میں وہ لوگ اس پر رضامند ہو گئے اور پھر معافی دے دی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یقیناً اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دیتے ہیں۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

لغوی توضیح ثَنِيَّة کی جمع ثَنَايَا آتی ہے' یہ سامنے والے چار دانتوں کو کہتے ہیں' دو اوپر والے اور دو نیچے والے۔ الْأَرْش کا معنی ہے ''دیت''۔ أَتُكْسَرُ کیا ربیع کا دانت توڑا جائے گا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بات انکار کی غرض سے نہیں بلکہ محض اس

1173- [بخاری (٤٥٠٠) کتاب تفسیر القرآن: باب یأیها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص، مسلم (١٦٧٥) ابو داود (٤٥٩٥) نسائی (٢٦/٨) ابن ماجه (٢٦٤٩) احمد (١٢٨/٣)]

(٢٠) [الفتاوى الهندية (٣٤/٦) حاشية ابن عابدين (٥٨٧/٦)]

(٢١) [مواهب الجليل للحطاب (٢٥٧/٦) الخرشي (٣٨/٨) حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (٢٦٨/٤)]

(٢٢) [المهذب (١٩٨/٢) المغني (٤٠٦/٨)] (٢٣) [فتح الباری (٢٤٧/١٤)]

توقع سے کہی کہ شاید فریق مخالف دیت پر راضی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں قصاص معاف کرنے کی بات ڈال دے۔ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ یعنی اللہ کی کتاب تو قصاص کا حکم دیتی ہے۔ لَأَبَرَّهُ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری فرما دے گا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دانتوں میں بھی قصاص واجب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قصاص لینا اللہ کا حکم ہونے کی بنا پر واجب ہے جب تک قصاص کے حقدار معاف نہ کر دیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قصاص اس بندے کا حق ہے جس پر جرم ہوا' اگر وہ معاف کر دے تو یہ ساقط ہو جائے گا اور اس سقوط کو حدود اللہ کی تعطیل سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔

1174- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيًّا أَوْ رِمِّيًّا بِحَجَرٍ أَوْ سَوْطٍ أَوْ عَصًا، فَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَإِ، وَمَنْ قُتِلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدٌ، وَمَنْ حَالَ دُوْنَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اندھا دھند لڑائی میں یا پتھر پھینکنے سے یا کوڑے یا لاٹھی سے قتل ہو جائے تو اس کی دیت خطا کی دیت ہوگی اور جسے عمداً قتل کیا جائے تو اس کا قصاص ہے اور جو قصاص لینے میں حائل ہو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔'' [اسے ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے قوی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح عِمِّيًّا جو شخص ایسی صورت میں قتل ہو جائے کہ قاتل کا علم نہ ہو سکے۔ رِمِّيًّا رمی سے ماخوذ ہے یعنی پتھر پھینکنا یا تیر اندازی کرنا' اس سے بھی یہی مراد ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو پتھر مار رہے تھے یا ایک دوسرے کی طرف تیر پھینک رہے تھے کہ کوئی قتل ہو گیا اور قاتل کا علم نہ ہو سکا۔ عَقْلُ الْخَطَإِ قتل خطا کی دیت (یعنی سو اونٹ)۔ مَنْ حَالَ دُوْنَهُ جو قصاص لینے میں حائل ہو جائے' یعنی جو قصاص لینے میں رکاوٹ بن جائے تو وہ لعنتی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا مقتول جس کے قاتل کا علم نہ ہو سکے اس میں دیت واجب ہوگی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر قتل عمد ثابت ہو جائے تو پھر قصاص واجب ہے۔

- واضح رہے کہ اہل علم نے قتل کی تین اقسام بیان کی ہیں: ① قتل عمد ② قتل شبہ عمد ③ قتل خطا۔

① قتل عمد سے مراد ایسا قتل ہے جس سے مکلف شخص کسی قتل کے غیر مستحق شخص کو ایسے آلے سے قتل کرنے کی نیت کرے جس میں اغلب گمان یہی ہو کہ وہ اسے قتل کر دے گا (مثلاً بندوق، تلوار یا تیر وغیرہ)۔

② وہ قتل جس میں مکلف کسی کو ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جس سے عموماً انسان مرتا نہیں مثلاً چھڑی' کنکری یا چھوٹا پتھر وغیرہ اور اس سے وہ شخص مر جائے۔ اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت واجب ہوگی۔

③ قتل خطا یہ ہے کہ مارنا کسی اور کو چاہے لیکن قتل کوئی اور ہو جائے مثلاً شکاری گولی تو شکار کی طرف چلائے لیکن کسی انسان کو لگ جائے۔ اسی طرح اگر کوئی کنواں کھودے تو اس میں کوئی انسان گر جائے وغیرہ۔ اس میں دیت اور کفارہ (ایک گردن کی آزادی) لازم آئے گا۔(٢٤)

1174- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٤٥٩١) كتاب الديات : باب فيمن قتل فى عميا بين قوم' ابن ماجه (٢٦٣٥) نسائى (٣٩/٨-٤٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کی سند کو قوی کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(٢٤) [الروضة الندية (٦٣٩/٢) فقه السنة (١٦/٣)]

1175- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ الْآخَرُ يُقْتَلُ الَّذِي قَتَلَ ، وَيُحْبَسُ الَّذِي أَمْسَكَ)) رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْصُولًا وَمُرْسَلًا ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ، إِلَّا أَنَّ الْبَيْهَقِيَّ رَجَّحَ الْمُرْسَلَ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب ایک آدمی (کسی) آدمی کو پکڑے اور دوسرا اسے قتل کرے تو قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کیا جائے گا۔" [اسے دارقطنی نے موصولاً اور مرسلاً روایت کیا ہے اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں مگر بیہقی نے اس کے مرسل ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو دو آدمی یوں قتل کریں کہ ایک نے اسے پکڑا ہوا اور دوسرا قتل کر دے تو پھر قاتل کو قصاصاً قتل کر دیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کیا جائے گا۔ احناف اور شافعیہ اسی کے قائل ہیں' مزید فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے ﴿ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ ﴾ [البقرة : ١٩٤] "جو تم پر زیادتی کرے اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے۔" "امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ پکڑنے والے کو بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ اگر وہ نہ پکڑتا تو قتل ممکن ہی نہیں تھا۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث پر عمل کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ نیز قید کرنے کی مدت جمہور نے حاکم کی رائے پر چھوڑ دی ہے۔ (٢٥) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ اگر قاتل کے پکڑنے کے سوا مقتول کو قتل کرنا ممکن نہیں تھا اور وہ قتل کے وقت حاضر تھا تو دونوں کو قتل میں شریک ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا اور جس حدیث میں قید کا ذکر ہے اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب پکڑنے والا قتل کے وقت حاضر نہ ہو وہ محض پکڑ کے حوالے کر گیا ہو تو اسے قید کر دیا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

1176- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَتَلَ مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ ، وَقَالَ : ((أَنَا أَوْلَى مَنْ وَفَى بِذِمَّتِهِ)) أَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ هٰكَذَا مُرْسَلًا ، وَوَصَلَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِذِكْرِ ابْنِ عُمَرَ فِيهِ ، وَإِسْنَادُ الْمَوْصُولِ وَاهٍ .

حضرت عبدالرحمٰن بن بیلمانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ذمی (کافر) کے بدلے ایک مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا "میں سب سے بہتر وعدہ وفا کرنے والا ہوں۔" [اسے اسی طرح عبد الرزاق نے مرسلاً روایت کیا ہے اور دارقطنی نے اس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ذکر کے ساتھ اسے موصول بیان کیا ہے اور موصول کی سند کمزور ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا لیکن ایک تو یہ روایت ضعیف ہے اور دوسرے یہ گزشتہ صحیح حدیث "کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا" کے خلاف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں۔ جمہور علما اسی طرف گئے ہیں کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن احناف نے مذکورہ بالا ضعیف روایت کی بنا پر یہ مؤقف اپنایا ہے کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

1175- [دارقطنی (١٣٩/٣) بيهقى (٥٠/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل کہا ہے۔]

1176- [عبد الرزاق (١٨٥١٤) ابو داود فى المراسيل (٢٥٠) دارقطنى (١٣٥/٣) بيهقى (٣٠/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(٢٥) [نيل الأوطار (٤٦١/٤) سبل السلام (١٥٩٥/٣) فقه السنة (٣٠/٣) الروضة الندية (٦٥٠/٢)]

1177- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((قُتِلَ غُلَامٌ غِيلَةً ' فَقَالَ عُمَرُ : لَوِ اشْتَرَكَ فِيهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ بِهِ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک غلام کو دھوکے سے قتل کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اگر تمام اہل صنعاء بھی اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں اس کے بدلے سب کو قتل کر دیتا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح غِيلَة دھوکہ دہی' یعنی کسی کو غفلت و لاعلمی میں قتل کرنا۔ صَنْعَاء یمن کا دارالخلافہ ہے۔

فہم الحدیث ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دھوکے سے قتل کرنے والے پانچ یا سات افراد کو قتل کیا اور کہا' اگر تمام اہل صنعاء اس کے خلاف تعاون کرتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ (۲۶) اسی طرح عرنیین نے بھی ایک چرواہے کو قتل کیا تھا لیکن قصاص میں ان سب کو قتل کر دیا گیا تھا۔ (۲۷) معلوم ہوا کہ اگر ایک آدمی کے قتل میں زیادہ آدمی براہ راست شریک ہوں تو ان سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر ان تمام سے قتل کرنا ثابت ہو جائے تو سب کو قصاصاً قتل کر دیا جائے۔ (۲۸) نواب صدیق حسن خانؒ نے کہا ہے کہ ایک کے بدلے جماعت کو قتل کرنے کے خلاف کوئی شرعی دلیل ثابت نہیں۔ (۲۹) شیخ وہبہ زحیلی نے نقل فرمایا ہے کہ جماعت کو ایک کے بدلے قتل کرنا ائمہ اربعہ کے اتفاق کے ساتھ واجب ہے۔ (۳۰) یہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر ایک آدمی جماعت کو قتل کر دے تو اسے بھی جماعت کے بدلے قتل کر دیا جائے گا۔ (۳۱)

1178- وَعَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((فَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ بَعْدَ مَقَالَتِي هٰذِهِ فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيرَتَيْنِ : إِمَّا أَنْ يَأْخُذُوا الْعَقْلَ أَوْ يَقْتُلُوا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ ۔

حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرے اس فرمان کے بعد جن کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے تو مقتول کے ورثاء کو دو اختیار ہیں یا تو وہ دیت لے لیں یا (قاتل کو بدلے میں) قتل کر دیں۔" [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔]

1179- وَ أَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمَعْنَاهُ ۔

اور اس کی اصل صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی معنی میں مروی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول کے ورثاء کو دونوں اختیار ہیں خواہ قاتل کو قصاصاً قتل کر دیں یا دیت لے

1177- [بخاری (٦٨٩٦) كتاب الديات : باب دية الأصابع]

1178- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٤٥٠٤) كتاب الديات : باب ولي العمد يرضى بالدية ' ترمذى (١٤٠٦) احمد (٣٨٥/٦) بيهقى (٥٢/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1179- [بخارى (٦٨٨٠) كتاب الديات : باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين ' مسلم (١٣٥٥) ابو داود (٤٥٠٥) ترمذى (١٤٠٥) نسائى (٣٨/٨) ابن ماجه (٢٦٢٤) احمد (٢٣٨/٢)]

(٢٦) [موطا (٢٠١/٤)]
(٢٧) [بخارى (٥٦٨٥ ' ٥٦٨٦) كتاب الطب : باب الدواء بالبان الإبل]
(٢٨) [السيل الجرار (٣٩٨/٤)]
(٢٩) [الروضة الندية (٦٥١/٢)]
(٣٠) [الفقه الإسلامى وأدلته (٥٦٣٣/٧) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے : بدائع الصنائع (٢٣٨/٧) اللباب (١٥٠/٣) الدر المختار (٣٩٤/٥) تبيين الحقائق (١١٤/٦)]
(٣١) [السيل الجرار (٣٩٩/٤) الفقه الإسلامى وأدلته (٥٦٣٦/٧)]

لیں۔امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ دیگر ائمہ ثلاثہ نے کہا ہے کہ قتل عمد کی سزا صرف قصاص ہی ہے۔پہلا موقف ہی راجح ہے۔

باب الديات — دیت کا بیان

1180- عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ ـ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ ' وَفِيهِ : ((إِنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا عَنْ بَيِّنَةٍ فَإِنَّهُ قَوَدٌ ' إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ ' وَإِنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَةَ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ ' وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ ' وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ ' وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ ' وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ ' وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ ' وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ ' وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ ' وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ ' وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ ' وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ ' وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْإِبِلِ ' وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ ' وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ ' وَفِي الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ ' وَإِنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ ' وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ ' وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُودِ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ أَحْمَدُ ' وَ اخْتَلَفُوا فِي صِحَّتِهِ ـ

حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو جو خط لکھا اس میں یہ بھی تھا کہ ''جس نے کسی مومن کا بلاوجہ قتل کر دیا اور اس پر گواہ بھی ہوں تو اس پر قصاص لازم ہے الا کہ اگر مقتول کے ورثاء (معاف کرنے پر) رضامند ہو جائیں تو ایک جان کے بدلے میں سو اونٹ دیت ہے۔ ناک کے بدلے میں بھی پوری دیت ہے جبکہ اسے جڑ سے کاٹا گیا ہو اور دونوں آنکھوں اور زبان اور دونوں ہونٹوں کے بدلے میں بھی پوری دیت ہے۔ اسی طرح آلہ تناسل اور خصیتین میں پوری دیت ہے اور پشت میں بھی پوری دیت ہے اور ایک پاؤں کی صورت میں آدھی دیت ہے اور دماغ کے زخم اور پیٹ کے زخم میں ایک تہائی دیت ہے اور ہڈی ٹوٹ جانے والے زخم میں پندرہ اونٹ اور ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ ہے اور ایسے زخم میں جس سے ہڈی نظر آنے لگے پانچ اونٹ دیت ہے اور آدمی کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا اور سونے والوں کے ذمہ (اگر اونٹ نہ ہوں تو) ہزار دینار دیت ہے۔'' [اسے ابوداود نے مراسیل میں اور نسائی، ابن خزیمہ، ابن جارود، ابن حبان اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی صحت میں اختلاف کیا ہے۔]

لغوی توضیح دیات دية کی جمع ہے اس سے مراد ''خون بہا'' ہے۔ یہ باب وَدَى يَدِي (بروزن ضرب) سے مصدر ہے جس کا معنی دیت دینا آتا ہے اور باب اِتَّدَى يَتَّدِي (بروزن افتعال) ''دیت لینا''۔ اصطلاحاً دیت سے ایسا مال مراد ہے جو کسی جرم کی وجہ سے انسان پر واجب ہو۔ اعْتَبَطَ بغیر کسی جرم کے قتل کیا۔ بَيِّنَة سے مراد ہر وہ دلیل و شاہد ہے جس سے جرم ثابت ہو

1180- [ضعیف : ضعيف الجامع الصغير (٢٣٣٣) ابو داود فی المراسيل (٢٥٩) نسائی (٥٧/٨-٥٨) مالك (٨٤٩/٢) دارقطنی (١٢١/١) ابن حبان (٦٥٥٩) ابن خزيمة (٢٢٦٩) ابن الجارود (٧٨٠) حاكم (٣٩٥/١) بيهقی (٨٧/١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

جائے۔ أُوعِبَ جَدْعُهُ اس کا مکمل ناک جڑ سے کاٹ دیا۔ الْبَيْضَتَيْن سے مراد خصیتین ہیں۔ الْمَأْمُومَة ایسا زخم جو دماغ تک پہنچ جائے (یعنی دماغ اور زخم کے درمیان صرف باریک جھلی حائل ہو)۔ الْجَائِفَة وہ زخم جو پیٹ تک پہنچ کر اس میں داخل ہو جائے۔ الْمُنَقِّلَة وہ زخم جو ہڈی کو اپنی جگہ سے ہلا دے۔ الْمُوْضِحَة ایسا زخم جو ہڈی کو ظاہر کر دے۔ الْهَاشِمَة ہڈی توڑ دینے والا زخم۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی کو بلا وجہ قتل کر دے تو اس سے قصاص لینا واجب ہے لیکن اگر مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ مکمل دیت سو اونٹ ہے اور اگر کوئی عضو کاٹا گیا ہو تو اس میں بھی دیت واجب ہے' ہر عضو کی دیت کی تفصیل مذکورہ بالا روایت میں بیان کر دی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زخموں میں بھی دیت ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ سو اونٹوں کی عدم موجودگی میں سونے والوں پر جو ہزار دینار لازم کیے گئے ہیں وہ اونٹوں کی قیمتوں میں کمی بیشی کے ساتھ کم یا زیادہ ہوں گے یا بہر صورت ہزار دینار ہی دینے ہوں گے' تو اس میں راجح موقف یہ ہے کہ دیت میں اصل اونٹ ہیں لہٰذا ان کی عدم موجودگی میں ان کی اس وقت کی قیمت کے برابر سونا ادا کیا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

1181- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((دِيَةُ الْخَطَإِ أَخْمَاسًا : عِشْرُوْنَ حِقَّةً ' وَعِشْرُوْنَ جَذَعَةً ' وَعِشْرُوْنَ بَنَاتِ مَخَاضٍ ' وَعِشْرُوْنَ بَنَاتِ لَبُوْنٍ ' وَعِشْرُوْنَ بَنِي لَبُوْنٍ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ ' وَأَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ بِلَفْظِ ((وَعِشْرُوْنَ بَنِي مَخَاضٍ)) بَدَلَ ((لَبُوْنٍ)) وَإِسْنَادُ الْأَوَّلِ أَقْوَى ' وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ مَوْقُوْفًا ' وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الْمَرْفُوْعِ ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''قتل خطا میں پانچ قسم کے اونٹ بطورِ دیت ادا کرنا لازم ہے۔ بیس تین سال کی عمر کے' بیس چار سال کی عمر کے' بیس ایک سال کی عمر کے مادہ' بیس دو سال کی عمر کے مادہ اور بیس دو سال کی عمر کے نر اونٹ۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور چاروں نے یہ لفظ ذکر کیے ہیں کہ] ''دو سال کی عمر کے نر اونٹوں کے بدلے بیس ایک سال کے نر اونٹ۔'' [پہلی روایت کی سند قوی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ نے ایک دوسری سند سے موقوفاً روایت کیا ہے اور وہ مرفوع سے زیادہ صحیح ہے۔]

1182- وَأَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيْقِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ' رَفَعَهُ : ((الدِّيَةُ ثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَثَلَاثُوْنَ جَذَعَةً وَأَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً فِيْ بُطُوْنِهَا أَوْلَادُهَا)) ۔

اور اسے ابوداود اور ترمذی نے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اسے مرفوع بیان کیا ہے کہ ''دیت میں تیس تین سالہ' تیس چار سالہ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں ادا کی جائیں گی۔''

لغوی توضیح حِقَّة وہ اونٹ جو اپنی عمر کے تین سال مکمل کر کے چوتھے میں داخل ہو چکا ہو۔ جَذَعَة وہ اونٹ جو اپنی عمر کے چار سال مکمل کر کے پانچویں میں داخل ہو چکا ہو۔ بِنْتِ مَخَاض ایسی اونٹنی جو ایک سال کی عمر کے بعد دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ بِنْتِ لَبُوْن ایسی اونٹنی جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ خَلِفَة سے حاملہ اونٹنیاں مراد ہیں۔

1181- [ضعیف : ضعیف ابو داود' ابو داود (٤٥٤٥) کتاب الدیات : باب الدیة کم هی' ترمذی (١٣٨٦) دارقطنی (١٧٢/٣-١٧٣) نسائی (٤٣/٨) ابن ماجه (٢٦٣١) احمد (٣٨٤١) بیهقی (٧٤/٨) بزار (١٩٢٢)]

1182- [حسن : صحیح ترمذی' ترمذی (١٣٨٧) کتاب الدیات : باب ما جاء فی الدیة کم هی من الابل' ابو داود (٤٥٤١) نسائی (٤٢/٨) ابن ماجه (٢٦٢٦) احمد (١٨٣/٢) بیهقی (٩٢٣/٨) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

فهم الحدیث پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل خطا کی دیت میں پانچ قسم کے اونٹ دیئے جائیں گے لیکن وہ ضعیف ہے البتہ دوسری روایت' جس میں تین طرح کے اونٹ دینے کا ذکر ہے' صحیح ہے لیکن اس میں مطلق دیت کا ذکر ہے یہ وضاحت نہیں کہ یہ قتل خطا کی دیت ہے یا قتل عمد کی۔ تاہم آئندہ حدیث نمبر 1184 سے معلوم ہوتا ہے کہ جس دیت میں چالیس حاملہ اونٹیوں کا ذکر ہے وہ قتل خطا اور قتل شبہ عمد کی دیت ہے۔ لہٰذا قتل کی ان دونوں قسموں میں مذکورہ دیت دینی چاہیے۔ (واللہ اعلم)

1183- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((إِنَّ أَعْتَى النَّاسِ عَلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ : مَنْ قَتَلَ فِي حَرَمِ اللّٰهِ ' أَوْ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِهِ ' أَوْ قَتَلَ لِذَحْلِ الْجَاهِلِيَّةِ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي حَدِيثٍ صَحَّحَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین آدمی سب سے زیادہ سرکش ہیں: ایک جو اللہ کے حرم میں قتل کرے' دوسرا وہ جو قاتل کے بجائے کسی اور (قاتل کے رشتہ دار وغیرہ) کو قتل کر دے اور تیسرا وہ جو جاہلیت کی عداوت کی بنا پر قتل کرے۔" [اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَعْتَى عتو سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے سب سے زیادہ سرکشی کرنے والا۔ فِي حَرَمِ اللّٰهِ اللہ کے حرم میں یعنی حرم مکہ و مدینہ میں۔ لِذَحْلِ الْجَاهِلِيَّةِ جاہلیت کی عداوت و دشمنی کی وجہ سے۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں جرائم کی حرمت نہایت سخت ہے کیونکہ ان کے مرتکبین کو سب سے زیادہ سرکش قرار دیا گیا ہے۔

1184- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((أَلَا إِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ وَشِبْهِ الْعَمْدِ ـ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا ـ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ ' مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِ أَوْلَادِهَا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ـ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قتل خطا اور قتل شبہ عمد' جو کوڑا اور لاٹھی مارنے سے واقع ہوں' کی دیت سو اونٹ ہے' ان میں سے چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں گی جن کے پیٹوں میں ان کے بچے ہوں گے (یعنی حاملہ ہوں گی)۔" [اسے ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1185- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ)) يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ ـ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ' وَلِأَبِي دَاوُدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "یہ اور یہ یعنی چھنگلی اور انگوٹھا دونوں برابر ہیں۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداود اور ترمذی میں ہے کہ] "انگلیوں کی دیت برابر ہے اور

1183- [ابن حبان (٥٩٩٦) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1184- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٥٤٧-٤٥٨٨) کتاب الدیات : باب فی الخطأ شبه العمد' نسائی (١١/٨) ابن ماجه (٢٦٢٧) احمد (١٦٤/٢) دارمی (٢٣٨٣) ابن حبان (٦٠١١) بیهقی (٦٨/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1185- [بخاری (٦٨٩٥) کتاب الدیات : باب دیة الأصابع' ابو داود (٤٥٥٨-٤٥٥٩) ترمذی (١٣٩١-١٣٩٢) نسائی (٥٦/٨) ابن ماجه (٢٦٥٠) احمد (٢٢٧/١) دارمی (٢٣٧٠) ابن حبان (٦٠١٢)]

وَالتِّرْمِذِيِّ : ((دِيَةُ الْأَصَابِعِ سَوَاءٌ ، وَالْأَسْنَانُ سَوَاءٌ ، الثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ)) وَلِابْنِ حِبَّانَ : ((دِيَةُ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَ الرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ : عَشَرَةٌ مِنَ الْإِبِلِ لِكُلِّ إِصْبَعٍ)) ۔

تمام دانت برابر ہیں' سامنے والے دانت اور داڑھ برابر ہے۔" [اور ابن حبان میں ہے کہ] "ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے' ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔"

لغوی توضیح الْأَصَابِعُ جمع ہے اِصْبَع کی' اس کا معنی ہے "انگلیاں"۔ الْأَسْنَان جمع ہے سِنٌّ کی' اس کا معنی ہے "دانت"۔ الثَّنِيَّة سامنے والے چار دانتوں کو کہتے ہیں دو اوپر کے اور دو نیچے کے۔ الضِّرْس کی جمع ہے اَضْرَاس' اس کا معنی ہے "داڑھ"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں' پاؤں کی انگلیوں اور تمام دانتوں کی دیت برابر ہے' خواہ کوئی طاقت و نفع میں دوسرے سے بڑھ کر ہی ہو اور خواہ کوئی جسامت میں دوسرے سے چھوٹا ہی ہو۔

1186- وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، رَفَعَهُ قَالَ : ((مَنْ تَطَبَّبَ ۔ وَلَمْ يَكُنْ بِالطِّبِّ مَعْرُوفًا ۔ فَأَصَابَ نَفْسًا فَمَا دُونَهَا ، فَهُوَ ضَامِنٌ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَهُوَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَ النَّسَائِيِّ وَغَيْرِهِمَا ، إِلَّا أَنَّ مَنْ أَرْسَلَهُ أَقْوَى مِمَّنْ وَصَلَهُ ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ "جو شخص طبیب بنا حالانکہ وہ طب میں ماہر نہیں اور اس نے کسی جان کو قتل کر دیا یا کوئی اور نقصان پہنچا دیا تو وہ ضامن ہو گا۔" [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ روایت ابوداود اور نسائی وغیرہ میں بھی ہے لیکن جنہوں نے اسے مرسل کہا ہے وہ ان سے قوی ہیں جنہوں نے اسے موصول کہا ہے۔]

لغوی توضیح تَطَبَّبَ جس نے طبیب ہونے کا دعویٰ کیا (اور حقیقت میں وہ طبیب نہیں)۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص طب و حکمت میں مہارت نہ رکھتا ہو اور کسی کو غلط دوا دے کر قتل کر ڈالے یا کوئی اور نقصان پہنچا دے تو اس کے ذمہ دیت واجب ہو گی' اگر ہلاک کر دیا ہے تو مکمل دیت اور اگر کوئی عضو ناکارہ کیا ہے تو اس کی مقررہ دیت۔ امام طیبیؒ نے شرح مشکاۃ میں اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔ (۳۲) امام صنعانیؒ نے بھی کہا ہے کہ اس موقف پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ (۳۳) امام ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں وہ بیس اُمور تحریر فرمائے ہیں جنہیں ایک ماہر طبیب کو علاج کرتے وقت ملحوظ رکھنا چاہیے' تفصیل کا طالب اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ (۳۴)

1187- وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ ، وَزَادَ أَحْمَدُ :

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ہڈی ظاہر کر دینے والے زخم میں پانچ اونٹ دیت ہے۔" [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور

1186- [حسن : صحیح ابن ماجہ' دارقطنی (۱۹۶/۳) حاکم (۲۱۲/٤) ابو داود (٤٥٨٦) نسائی (۵۲/۸) ابن ماجہ (۳٤٦٦) بیهقی (۱٤۱/۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرسل کہا ہے۔]

1187- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٥٦٦ـ٤٥٥٦) ترمذی (۱۳۹۰) نسائی (۵۷/۸) ابن ماجہ (۲٦۵۵) احمد (۱۷۹/۲) دارمی (۲۳۷۲) ابن الجارود (۷۸۵) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

(۳۲) [كما فی توضیح الأحكام (۱٤۸/٦)]

(۳۳) [سبل السلام (۵۱/٤)]

(۳٤) [زاد المعاد (۱٤۲/٤ـ۱٤۵)]

((وَالْأَصَابِعُ سَوَاءٌ، كُلُّهُنَّ عَشْرٌ، عَشْرٌ، مِنَ الْإِبِلِ)) وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُوْدِ ۔ احمد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ] ''اور تمام انگلیاں برابر ہیں، ہر ایک میں دس دس اونٹ ہیں۔'' [ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْمَوَاضِح جمع ہے الْمُوْضِحَه کی، اس کا معنی ہے ایسا زخم جو ہڈی تو نہ توڑے لیکن اسے ظاہر کر دے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ایسا زخم لگے جس سے ہڈی سے گوشت الگ ہو جائے لیکن ہڈی سلامت رہے تو پانچ اونٹ دیت ہے اور ہر انگلی (خواہ ہاتھ کی ہو یا پاؤں کی) کی دیت دس اونٹ ہے۔ ان دونوں مسئلوں کا ذکر ابھی پیچھے گزرا ہے۔

1188- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((عَقْلُ أَهْلِ الذِّمَّةِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِيْنَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ، وَلَفْظُ أَبِيْ دَاوُدَ: ((دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ)) وَلِلنَّسَائِيِّ: ((عَقْلُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ عَقْلِ الرَّجُلِ حَتّٰى يَبْلُغَ الثُّلُثَ مِنْ دِيَتِهَا)) وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ ۔

حضرت عمرو بن شعیب سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ذمیوں کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے۔'' [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابوداود کے یہ لفظ ہیں] ''ذمی کی دیت آزاد کی دیت کا نصف ہے۔'' [اور نسائی میں ہے کہ] ''عورت کی دیت مرد کی دیت کی مانند ہی ہے حتی کہ وہ اپنی دیت کے تہائی تک پہنچ جائے۔'' [اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح ذمی و معاہد سے مراد وہ کافر ہے جو اسلامی ریاست میں مقیم ہو اور اسے جان و مال کا تحفظ دیا گیا ہو۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔ امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں، احناف کا کہنا ہے کہ ذمی کی دیت بھی مسلمان کی دیت کی مانند ہی ہے، امام احمدؒ نے کہا ہے کہ اگر ذمی نے قتل عمد کیا ہو تو اس کی دیت بھی مسلمان کی دیت کی مانند ہے بصورت دیگر نہیں اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ کافر کی دیت چار ہزار درہم ہے۔ (۳۵) اس مسئلے میں بلاتر و دراجح مؤقف امام مالکؒ کا ہے کیونکہ مذکورہ حدیث کے مطابق ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی دیت تہائی تک مرد کی دیت کی مانند ہے اس کے بعد نہیں۔ یعنی اگر عورت کی تین انگلیاں کٹ جائیں تو دیت مرد کی طرح تیس اونٹ ہے لیکن اگر چار انگلیاں کٹ جائیں تو بیس اونٹ ہوگی لیکن مرد کی چالیس اونٹ ہوگی۔ کیونکہ چالیس تہائی دیت سے زیادہ ہے اور عورت کی دیت تہائی تک مرد کی مانند ہے اور اس سے اوپر مرد سے نصف ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی فرمان ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ (۳۶) جمہور اہل مدینہ، مالکیہ، سعید بن مسیب، امام احمدؒ، امام اسحاق اور امام شافعی رحمہم اللہ وغیرہ سب کا یہی مؤقف ہے۔ (۳۷)

1189- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حضرت عمرو بن شعیب سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1188- [حسن : صحیح ابو داود، ابو داود (۴۵۸۳) ترمذی (۱۴۱۳) ۔ ضعیف : ضعیف نسائی، نسائی (۴۴/۸) ابن ماجہ (۲٦۴۴) احمد (۱۷۸/۲) دارقطنی (۹۱/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1189- [حسن : صحیح ابو داود، ابو داود (۴۵٦۵) کتاب الدیات : باب دیات الأعضاء، دارقطنی (۹۵/۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۳۵) [نیل الأوطار (۵۰۷/۴) المبسوط (۸۴/۲٦) المغنی (۵۱/۱۲) بدایة المجتهد (۴۱۴/۲) الأم (٦/ ۹۲)]

(۳٦) [صحیح : إرواء الغلیل (۳۰۷/۷)، (تحت الحدیث / ۲۲۵۰) ابن ابی شیبة (۲/۲۸/۱۱)]

(۳۷) [نیل الأوطار (۵۱۰/۴)]

((عَقْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمْدِ، وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ، وَذَلِكَ أَنْ يَنْزُوَ الشَّيْطَانُ فَتَكُونَ دِمَاءٌ بَيْنَ النَّاسِ فِي غَيْرِ ضَغِينَةٍ وَلَا حَمْلِ سِلَاحٍ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَضَعَّفَهُ۔

''قتل شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی دیت کی مانند مغلظ ہے' اس لیے قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا' ممکن ہے کہ شیطان (لوگوں کو) برانگیختہ کرے اور لوگوں کے درمیان بغیر کسی دشمنی اور اسلحہ کے قتل عام شروع ہو جائے۔'' [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ضعیف کہا ہے۔]

لغوی توضیح شِبْهُ الْعَمْدِ سے مراد وہ قتل ہے جس میں مقتول کو ایسی چیز کے ساتھ مارنے کا قصد کیا جائے جس سے عموماً کوئی انسان مرتا نہیں مثلاً لاٹھی اور کنکر وغیرہ۔ مُغَلَّظَه سے مراد وہ دیت ہے جس میں ایسے سو اونٹ دیے جائیں جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں' جیسا کہ پیچھے حدیث نمبر 1182 میں گزر چکا ہے۔ یَنْزُوْ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب نَزَا یَنْزُوْ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''اُبھارنا' آمادہ کرنا' برانگیختہ کرنا''۔ ضَغِینَة عداوت' بغض اور کینہ وغیرہ کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل شبہ عمد میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کے ذمہ دیت ہی لازم ہوگی اور وہ دیت مکمل سو اونٹ ہے جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی' اسی کو دیت مغلظہ کہتے ہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مؤقف ہے۔ ''بغیر عداوت اور اسلحہ اٹھانے کے قتل عام شروع ہو جائے'' کا مفہوم یہ ہے کہ قتل شبہ عمد نہ تو عداوت و دشمنی کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس میں اسلحہ اٹھایا جاتا ہے' بلکہ یہ تو بلا ارادہ ہی ہو جاتا ہے' اس لیے اس میں قاتل سے قصاص نہ لیا جائے' کیونکہ اگر اس صورت میں بھی قصاص لیا گیا تو امکان ہے کہ شیطان قاتل کے متعلقین کو بدلے میں خون ریزی پر اُبھارے اور پھر بغیر کسی دشمنی کے ہی لوگوں میں قتل عام شروع ہو جائے۔

1190- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ دِيَتَهُ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ایک آدمی نے ایک دوسرے آدمی کو قتل کر دیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار (درہم) مقرر فرمائی۔ [اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور نسائی اور ابو حاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

فہم الحدیث واضح رہے کہ دیت میں اصل اونٹ ہیں درہم یا دینار نہیں' لہٰذا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دیت کی ادائیگی کے لیے اونٹ نہ ہوں تو پھر مروّجہ کرنسی (خواہ سونا ہو یا چاندی یا کچھ اور) میں ان کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔ نیز یہ مسئلہ گزشتہ حدیث نمبر 1180 کے تحت بھی گزر چکا ہے۔

1191- وَعَنْ أَبِي رِمْثَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعِي ابْنِي فَقَالَ: ((مَنْ هَذَا؟)) فَقُلْتُ: ابْنِي وَأَشْهَدُ بِهِ، فَقَالَ: ((أَمَا إِنَّهُ

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کیا' میرا بیٹا ہے اور میں اس پر گواہ ہوں۔

1190- [**ضعیف**: ضعیف ابو داود' ابو داود (٤٥٤٦) كتاب الديات: باب الدية كم هي' ترمذی (١٣٨٨) نسائی (٤٤/٨) ابن ماجه (٢٦٢٩-٢٦٣٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1191- [**صحیح**: صحيح ابو داود' ابو داود (٤٢٠٨-٤٤٩٥) كتاب الترجل: باب في الخضاب' نسائی (٥٣/٨) احمد (١٦٣/٤) دارمی (٢٣٨٨) ابن الجارود (٧٧٠) حاكم (٤٢٥/٢) بيهقی (٢٧/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُودِ۔

آپ ﷺ نے فرمایا "خبردار! یہ تیرے کسی جرم کا ذمہ دار نہیں اور نہ تم اس کے کسی جرم کے ذمہ دار ہو۔" [اسے نسائی اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے جرم کیا ہے قصاص بھی اسی سے لیا جائے گا' ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی حتی کہ باپ کو بیٹے کے بدلے اور بیٹے کو باپ کے بدلے سزا نہیں دی جائے گی بلکہ جو مجرم ہے اسی سے قصاص لیا جائے گا۔ یہاں اگر یہ اعتراض اٹھایا جائے کہ پھر اسلام نے قتل خطا اور قسامت میں دیت کا بوجھ قاتل کے عصبہ رشتہ داروں پر کیوں ڈالا ہے؟ تو اس کا جواب ایک تو یہ دیا گیا ہے کہ خطا و قسامت میں دیت کی صورت مذکورہ بالا عام حکم سے خاص ہے اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عصبہ رشتہ داروں پر دیت ڈالنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر جرم ڈال دیا گیا ہے بلکہ یہ محض مسلمانوں کے مابین باہمی امداد و تعاون کو فروغ دینے کی غرض سے ہے۔ (۳۸)

باب دعوى الدم والقسامة — دعویٰ خون اور قسامت کا بیان

1192- عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رِجَالٍ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ، خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ، فَأُتِيَ مُحَيِّصَةُ فَأُخْبِرَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي عَيْنٍ، فَأَتَى يَهُودَ، فَقَالَ: أَنْتُمْ وَاللَّهِ قَتَلْتُمُوهُ، قَالُوا: وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَأَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((كَبِّرْ كَبِّرْ)) يُرِيدُ السِّنَّ، فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ يَأْذَنُوا بِحَرْبٍ)) فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ، فَكَتَبُوا: إِنَّا وَاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ،

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود اپنی مشقت و تنگ دستی کے باعث خیبر کی طرف نکلے۔ محیصہ نے آکر اطلاع دی کہ عبداللہ بن سہل کو قتل کر دیا گیا ہے اور اسے ایک چشمے میں پھینک دیا گیا ہے۔ محیصہ یہود کے پاس آیا اور کہا کہ اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ پھر محیصہ اور اس کا بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل تینوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ محیصہ گفتگو کرنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بڑے کو بات کرنے دو۔ آپ ﷺ کی مراد تھی جو عمر میں بڑا ہے وہ بات کرے۔ چنانچہ حویصہ نے گفتگو کی' پھر محیصہ بولا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ لوگ یا تو تمہارے ساتھی کی دیت ادا کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔" پھر آپ ﷺ نے ان کو اس سلسلے میں خط ارسال فرمایا۔ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اللہ کی قسم ہم

1192- [بخاری (۳۱۷۳-۷۱۹۲) کتاب الجزية : باب الموادعة والمصالحة مع المشركين' مسلم (۱٦٦٩) ابو داود (٤٥٢٠) ترمذی (۱٤۲۲) نسائی (۱۲۷/۸) ابن ماجه (۲٦۷۷) مالك (۸۷۷/۲) احمد (۲/٤-۳-۱٤۲) دارمی (۲۳۵۳) ابن الجارود (۷۹۹) دارقطنی (۱۰۹/۳)]

(۳۸) [سبل السلام (۵۹/٤)]

فَقَالَ لِحُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْلٍ : ((أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ ؟)) قَالُوا : لَا ' قَالَ : ((فَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ ؟)) قَالُوا : لَيْسُوا مُسْلِمِينَ ' فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ ' فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مِائَةَ نَاقَةٍ ' قَالَ سَهْلٌ : فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ ـ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ

نے اسے قتل نہیں کیا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے حویصہ' محیصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل سے فرمایا ''کیا تم لوگ قسم کھا کر اپنے ساتھی کے خون کے حقدار بنو گے؟'' انہوں نے جواب دیا' نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا ''یہودی تمہارے لیے قسمیں اٹھائیں۔'' انہوں نے جواب دیا کہ وہ تو مسلمان نہیں (لہٰذا ان کی قسم کا کیا اعتبار) پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی دیت اپنے پاس سے دی (یعنی بیت المال سے) اور ان کو سو اونٹنیاں بھیج دیں۔ سہل نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک سرخ اونٹنی نے مجھے لات ماری۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح قسامة کا معنی ہے ''دشمن اور مسلمانوں کے درمیان صلح' یا جماعت جو کسی چیز کے لیے قسم اٹھائے اور پھر وہ اسے وصول کر لے۔'' باب أَقْسَمَ يُقْسِمُ (بروزن افعال) قسم کھانا' باب قَاسَمَ يُقَاسِمُ (بروزن مفاعلہ) قسم اٹھوانا۔ اصطلاحاً احناف نے قسامت کی تعریف یہ کی ہے کہ ایسی متعدد قسمیں جو قتل کے دعوے میں اٹھائی جائیں اور وہ پچاس قسمیں ہیں جنہیں (اہل محلّہ) کے پچاس افراد اٹھائیں گے۔ جمہور نے یہ تعریف کی ہے کہ ایسا حلف جسے مقتول کے اولیاء مجرم پر قتل ثابت کرنے کے لیے اٹھائیں کہ اللہ کی قسم! فلاں نے اسے قتل کیا ہے۔(۳۹) قسامت کی صورت یہ ہے کہ کسی بستی یا شہر میں کوئی آدمی مقتول پایا جائے جبکہ اس کے قاتل کا علم نہ ہو اور اس کے قتل پر کوئی گواہ بھی کھڑا نہ ہو۔ لیکن مقتول کا ولی اس کے قتل کا الزام کسی آدمی یا جماعت پر لگائے اور ان کے خلاف ثبوت کمزور ہو' جس علاقے میں مقتول پایا گیا ہے اس کی ان کے ساتھ دشمنی تھی تو پھر مقتول کے اولیاء سے ان کے خلاف پچاس قسمیں کھانے کا حکم دیا جائے گا اگر انہوں نے قسمیں اٹھا لیں تو دیت کے مستحق قرار پائیں گے جبکہ قتل خطا یا قتل شبہ عمد ہو اور اگر قتل عمد کیا گیا ہو تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک وہ قصاص کے مستحق ہوں گے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے صحیح ترین قول کے مطابق قتل عمد میں بھی وہ دیت لینے کے ہی مستحق ہوں گے اور اگر مقتول کے اولیاء اعراض کریں اور قسم اٹھانے سے گریز کریں اور پیچھے ہٹیں تو پھر جن کے خلاف انہوں نے دعویٰ کیا ہے ان کو قسمیں اٹھانے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ اس بات کی قسم اٹھائیں گے کہ نہ تو انہوں نے قتل کیا ہے اور نہ ہی انہیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ اگر وہ قسم اٹھا لیں تو بری ہو جائیں گے اور ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہو گی اور اگر انہوں نے قسم اٹھانے سے گریز کیا تو ان پر دیت کی ادائیگی لازم کر دی جائے گی۔(۴۰)

فهم الحديث اس حدیث سے قسامت کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین اس کے مشروع ہونے کے قائل ہیں۔(۴۱) واضح رہے کہ قسامت صرف خون کے مقدمے میں ہوتی ہے باقی حدود میں نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قسامت میں غیر مسلموں کی قسمیں بھی معتبر ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے یہود کی قسموں کا ذکر فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ بھی

(۳۹) [الفقه الإسلامي وأدلته (۵۸۰۵/۷) بدائع الصنائع (۲۸٦/۷) الدر المختار (٤٤٢/۵) بداية المجتهد (٤٢١/٢) مغني المحتاج (١٠٩/٤) المغني (٦٨/٨)]

(٤٠) [سبل السلام (١٦٢١/٣-١٦٢٢) فقه السنة (٧٩/٣) الروضة الندية (٦٦٩/٢-٦٧٠)]

(٤١) [نيل الأوطار (٤٧٤/٤)]

معلوم ہوتا ہے کہ معاملات میں بڑی عمر کے آدمی کو مقدم رکھنا مستحب ہے۔

1193- وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَقَرَّ الْقَسَامَةَ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ نَاسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فِي قَتِيلٍ ادَّعَوْهُ عَلَى الْيَهُودِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

ایک انصاری صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کی قسامت کو برقرار رکھا اور آپ ﷺ نے انصار کے کچھ لوگوں کے مابین ایک مقتول کے مقدمے میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا' جس کا انہوں نے یہود کے خلاف دعویٰ کیا تھا۔[اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی رسمِ قسامت موجود تھی کہ جسے اسلام نے بھی برقرار رکھا' معلوم ہوا کہ جاہلیت کے اچھے کاموں کو اسلام نے قائم رکھا ہے۔صحیح بخاری میں قسامت جاہلی کی تفصیل یوں مذکور ہے کہ ایک قریشی نے کسی ہاشمی کو قتل کر دیا تو ابو طالب نے کہا' ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک پسند کر لو: اگر تم چاہو تو سو اونٹ دیت دے دو کیونکہ تم نے ہمارے قبیلے کے آدمی کو قتل کیا ہے اور اگر چاہو تو تمہارے قبیلے کے پچاس آدمی یہ قسم اٹھا لیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا اور اگر تم اس کے لیے تیار نہیں تو ہم تمہیں اس کے بدلے میں قتل کر دیں گے۔(٤٢) واضح رہے کہ مجرد مقتول کے اولیاء کے دعوے سے فریق مخالف پر دیت واجب نہیں ہوگی بلکہ انہیں اس کے شواہد بھی پیش کرنے ہوں گے' اگر وہ شواہد پیش کرنے سے انکار کریں تو جن پر قتل کا دعویٰ کیا گیا ہے ان کے پچاس آدمی قسمیں کھا کر بری ہو جائیں گے اور اگر وہ قسمیں کھانے سے انکار کریں تو پھر ان پر دیت کی ادائیگی واجب ہو جائے گی۔حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر اہل علم کا اتفاق نقل فرمایا ہے۔(٤٣)

باب قتال اهل البغي — باغیوں سے قتال کا بیان

1194- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جس نے ہمارے خلاف اسلحہ اٹھایا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔'' [بخاری،مسلم]

لغوی توضیح بَغی کا معنی ہے ظلم اور حق کا انکار۔باغیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمان امرا کی اطاعت چھوڑ کر ان کے خلاف بغاوت کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ باغی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی واجب کردہ حاکم وقت کی اطاعت سے نکل جائے۔(٤٤) شرع کے متبع حکام کے خلاف خروج جائز نہیں اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔(٤٥)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اسلحہ اٹھانا حرام ہے اور جو ایسا کرے گا وہ

1193- [مسلم (١٦٧٠) كتاب القسامة : باب القسامة' نسائى (٤/٨-٥) احمد (٦٣/٤) ابن الجارود (٧٩٧)]

1194- [بخارى (٦٨٧٤-٧٠٧٠) كتاب الديات : باب قول الله ومن أحياها' مسلم (٩٨) نسائى ١١٧/٧٠ ابن ماجه (٢٥٧٦) احمد (٣/٢-٥٣)]

(٤٢) [بخارى (٣٨٤٥) كتاب مناقب الأنصار : باب القسامة فى الجاهلية' نسائى (٢/٨)]

(٤٣) [كما فى توضيح الأحكام (١٧٠/٦)]

(٤٤) [السيل الجرار (٥٥٦/٤)] (٤٥) [أيضا]

بغاوت وسرکشی کا مرتکب ہوکر مسلمانوں کی جماعت سے نکل جائے گا' حاکم وقت ایسے لوگوں کو بلا کر ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کرے گا اور انہیں جماعت میں شرکت کی دعوت دے گا۔ اگر وہ تسلیم کرلیں تو درست ورنہ ان کے راہِ راست پر آنے تک ان سے قتال کیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ ﴾ [الحجرات : ٩] ''باغی گروہ سے لڑائی کرو حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔''

1195- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ خَرَجَ عَنِ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَمَاتَ فَمِيتَتُهُ مِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' جو شخص اطاعت (امیر) سے نکل جائے اور جماعت چھوڑ دے اور پھر (اسی حال میں) فوت ہو جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی ایسے امیر المومنین کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے جس کی امارت پر سب مسلمان متفق ہوں اور اس نے اس کی بیعت بھی کر لی ہو' اور وہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل جائے تو وہ جاہلیت یعنی گمراہی کی موت پر مرے گا' واضح رہے کہ ایسا شخص کافر نہیں بلکہ گمراہ ہے۔ ایسے شخص سے لڑائی نہیں کی جائے گی جب تک وہ کوئی باغیانہ اقدام نہ کرے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک امیر کسی خلافِ شرع کام کا حکم نہ دے اس کی اطاعت واجب ہے اور جب وہ خلافِ شرع حکم دے تو پھر اس کی اطاعت جائز نہیں کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ '' خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔'' (٤٦) اسی طرح جب تک وہ نماز کے نظام کو قائم رکھے اور کسی صریح کفر کا ارتکاب نہ کرے اس کی اطاعت بہر صورت کی جائے گی' جیسا کہ مختلف صحیح روایات میں آپ ﷺ نے یہ تصریح فرمائی ہے۔ (٤٧)

1196- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا '' عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔'' [اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی بعد میں بعینہ ثابت ہوئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو جنگ صفین میں قتل کیا گیا۔ یہ جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں تھے اس لیے اس روایت سے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ حق پر تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ باغی تھا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گروہ اگرچہ حق پر تھا لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی باغی نہ تھا کیونکہ انہوں نے تو اپنے اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا تھا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان کے گروہ نے نہیں بلکہ اس باغی گروہ نے قتل کیا تھا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا

1195- [مسلم (١٨٤٨) كتاب الإمارة : باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن' نسائی (١٢٣/٧) ابن ماجه (٣٩٤٨)]

1196- [مسلم (٢٩١٦) كتاب الفتن وأشراط الساعة : باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل' احمد (٢٨٩/٦) ابن حبان (٦٧٣٦)]

(٤٦) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (٧٥٢٠)]

(٤٧) [مسلم (١٨٥٥) كتاب الإمارة : باب خيار الأئمة وشرارهم' مزید دیکھیے : بخاری (٧٠٥٥' ٧٠٥٦) كتاب الفتن : باب قول النبي : سترون بعدي أمورا تنكرونها ' مسلم (١٧٠٩)]

تھا اور وہی لوگ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں اہل السنہ والجماعہ کا موقف یہی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی دوسرے صحابی کو مشاجرت کے سلسلے میں طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا جائز نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ جنتی ہیں، جیسا کہ اس پر متعدد آیات و احادیث شاہد ہیں۔

1197- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((هَلْ تَدْرِي يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ، كَيْفَ حُكْمُ اللّٰهِ فِيمَنْ بَغَى مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ؟)) قَالَ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ((لَا يُجْهَزُ عَلَى جَرِيحِهَا، وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرُهَا، وَلَا يُطْلَبُ هَارِبُهَا، وَلَا يُقْسَمُ فَيْؤُهَا)) رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ فَوَهِمَ، فَإِنَّ فِي إِسْنَادِهِ كَوْثَرَ بْنَ حَكِيمٍ وَهُوَ مَتْرُوكٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابن ام عبد! کیا تو جانتا ہے کہ اس امت کے باغی کے متعلق اللہ کا حکم کیا ہے؟" اس نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کے زخمی کو ختم نہیں کیا جائے گا، اس کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس کے بھاگے ہوئے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے مالِ غنیمت کو تقسیم کیا جائے گا۔" [اسے بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے، لیکن یہ حاکم کا وہم ہے کیونکہ اس کی سند میں کوثر بن حکیم راوی متروک ہے۔]

1198- وَصَحَّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ طُرُقٍ نَحْوُهُ مَوْقُوفًا، أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْحَاكِمُ۔

اور متعدد طرق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح موقوفاً مروی ہے، جو ثابت ہے۔ [اسے ابن ابی شیبہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ سے مراد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ لَا يُجْهَزُ جهز سے ماخوذ ہے، مراد ہے قتل میں جلدی کرنا اور زخمی کا کام تمام کر دینا، یہ منع ہے۔ هَارِب جو میدانِ قتال سے بھاگ کھڑا ہو۔ وَلَا يُقْسَمُ فَيْئُهَا سے مراد ہے، باغیوں کے اموال کو غنیمت بنا کر تقسیم کرنا درست نہیں۔

فهم الحديث واضح رہے کہ چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے اس پر عمل میں اختلاف ہے۔ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ باغیوں سے قتال کیا جائے گا جب تک وہ بغاوت سے باز نہ آئیں۔

1199- وَعَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ شُرَيْحٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عرفجہ بن شریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "جو تمہارے پاس اس ارادے سے آئے کہ تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنا چاہتا ہو، جبکہ تم سب ایک امیر پر متفق ہو، تو اسے قتل کر دو۔" [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کی امارت پر سب مسلمان متفق ہوں تو پھر کوئی اور

1197- [حاكم (۱۵۵/۲) بيهقى (۱۸۲/۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔]

1198- [ابن أبي شيبة (۳۳۲۷۷) حاكم (۱۵۵/۲) بيهقى (۱۸۱/۸)]

1199- [مسلم (۱۸۵۲) كتاب الإمارة : باب حكم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع، ابو داود (٤٧٦٢) نسائى (۹۲/۷) احمد (٢٦١/٤) ابن حبان (٤٥٧٧) حاكم (١٥٦/٢)]

مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے اور ان کے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے امراء کی اطاعت واجب ہے خواہ ان میں کچھ کمیاں کوتاہیاں ہی ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لزوم جماعت المسلمین واجب ہے۔

باب قتال الجاني وقتل المرتد — مجرم سے لڑنے اور مرتد کو قتل کرنے کا بیان

1200- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے۔“ [اسے ابوداود، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْجَانِي سے مراد ہے ”مجرم“ جو بدن، مال یا عزت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ہر ممکن طریقے سے اس کا دفاع کرنا چاہیے لیکن اگر قتل کے سوا کسی طریقے سے اس کا دفاع ممکن ہی نہ ہو تو پھر اسے قتل کر دینا چاہیے اور اس صورت میں قاتل پر نہ تو کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی ضمانت۔ اَلْمُرْتَدُّ بخوشی اسلام کے بعد کفر کی جانب پھر جانے والا۔

فہم الحدیث بعض دوسری روایات میں مال کے ساتھ دین، اہل و عیال اور نفس کا بھی ذکر ہے۔ (۴۸) معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کے مال، جان یا عزت پر حملہ کرے تو اس سے لڑائی کی جا سکتی ہے اور اس دوران اگر اپنا دفاع کرنے والا قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے اور اگر حملہ کرنے والا مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا، نہ تو قاتل پر اس کا کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی اس سے قصاص و دیت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ شہید حکم میں معرکہ کے شہید کی مانند نہیں ہوگا، یعنی اسے غسل بھی دیا جائے گا، کفن بھی پہنایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی۔ امام نوویؒ (۴۹)، امام ابن حزمؒ (۵۰)، امام ابن قدامہؒ (۵۱) اور شیخ ابن عثیمینؒ (۵۲) نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

1201- وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَاتَلَ يَعْلَى بْنُ أُمَيَّةَ رَجُلًا، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ فَمِهِ، فَنَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، فَاخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کی ایک آدمی سے لڑائی ہو گئی تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو کاٹ لیا، اس نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا سامنے والا دانت ٹوٹ گیا، دونوں جھگڑا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

1200- [بخاری (۲۴۸۰) كتاب المظالم والغصب: باب من قاتل دون ماله، مسلم (۱۴۱) ابو داود (۴۷۷۱) ترمذی (۱۴۱۹-۱۴۲۰) نسائی (۱۱۵/۷) احمد (۱۹۳/۲-۱۹۴)]

1201- [بخاری (۶۸۹۲) كتاب الديات: باب إذا عض رجلا فوقعت ثناياه، مسلم (۱۶۷۳) ترمذی (۱۴۱۶) نسائی (۲۸/۸) ابن ماجه (۲۶۵۷) احمد (۴۲۷/۴) دارمی (۲۳۷۶) ابن حبان (۵۹۹۸)]

(۴۸) [صحيح: صحيح الجامع الصغير (۶۴۴۵) نسائی (۴۰۹۵) ترمذی (۱۴۲۱)]

(۴۹) [المجموع (۲۶۴/۵)] (۵۰) [المحلى بالآثار (۳۳۷/۳)]

(۵۱) [المغنى لابن قدامة (۴۷۶/۳)] (۵۲) [مجموع فتاوى لابن عثيمين (۸۹/۱۷)]

((أَيَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ ؟ لَا دِيَةَ لَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ۔

حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا " کیا تم میں سے ایک اپنے بھائی کو نر اونٹ کی مانند کاٹتا ہے؟ اس کے لیے کوئی دیت نہیں۔"

[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح عَضَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب عَضَّ يَعُضُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے "دانتوں سے کاٹنا"۔ ثَنِيَّة واحد ہے ثَنَايَا کی اس کا معنی ہے "سامنے والے چار دانت دو اوپر کے اور دو نیچے کے"۔ الْفَحْل نر جانور کو کہتے ہیں' یہاں نر اونٹ مراد ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے شر کو دور کرتے ہوئے کوئی جرم ہو جائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں اور ایسے مجرم سے نہ تو قصاص لیا جائے گا اور نہ ہی دیت۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ البتہ اہل علم نے اس جرم کو رائیگاں قرار دینے کی دو شرطیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ جسے کاٹا گیا ہے اسے تکلیف ہوتی ہو اور دوسری یہ کہ اس سے خلاصی کا کوئی اور راستہ نہ ہو۔ (۵۳)

1202- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ : ((لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ فَحَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ ' فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ ' لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ وَ النَّسَائِيِّ ' وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ : ((فَلَا دِيَةَ لَهُ وَلَا قِصَاصَ)) ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا " اگر کوئی آدمی تمہارے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور تم کنکر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔" [بخاری، مسلم۔ احمد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے' جسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے] "اس کے لیے نہ تو دیت ہے اور نہ قصاص۔"

لغوی توضیح اطَّلَعَ نگاہ ڈالے' جھانکے۔ فَحَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ تو اسے کنکری مار دے۔ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ اور تو اس کی آنکھ پھوڑ دے۔

فهم الحديث معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر بلا اجازت جھانکنے کا جرم کرے اور گھر والا اسے کنکر وغیرہ مار کر اس کی آنکھ ہی پھوڑ دے تو اس سے نہ تو قصاص کا مطالبہ کیا جائے گا اور نہ ہی دیت کا۔ جمہور کا یہی مذہب ہے البتہ مالکیوں نے کہا ہے کہ اس سے دیت لی جائے گی' لیکن یہ مؤقف درست نہیں۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا حرام ہے' لیکن اگر کوئی گھر میں داخل ہونے یا بلند جگہ سے دیکھنے کی اجازت دے دے اور پھر اس کی نگاہ گھر کی کسی غیر محرم عورت پر پڑ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ وہ جان بوجھ کر ایسا نہ کرے)۔

1203- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

1202- [بخاری (۶۹۰۲) کتاب الدیات : باب من اطلع فی بیت قوم ' مسلم (۲۱۵۸) ابو داود (۵۱۷۲) نسائی (۶۱/۸) احمد (۲۴۳/۲) ابن حبان (۶۰۰۴) ابن الجارود (۷۹۰) بیهقی (۳۳۸/۸)]

1203- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۳۵۷۰) کتاب الإجارة : باب المواشی تفسد زرع قوم ' نسائی فی السنن الکبری (۴۱۱/۳) ابن ماجه (۲۳۳۲) احمد (۲۹۵/۴) ابن الجارود (۷۹۶) ابن حبان (۶۰۰۸) حاکم (۴۷/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مقبول اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۵۳) [سبل السلام (۸۳/۴)]

قَالَ : ((قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أَنَّ حِفْظَ الْحَوَائِطِ بِالنَّھَارِ عَلٰی أَھْلِھَا ، وَأَنَّ حِفْظَ الْمَاشِیَۃِ بِاللَّیْلِ عَلٰی أَھْلِھَا ، وَأَنَّ عَلٰی أَھْلِ الْمَاشِیَۃِ مَا أَصَابَتْ مَاشِیَتُھُمْ بِاللَّیْلِ)) رَوَاہُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَۃُ إِلَّا التِّرْمِذِیَّ وَصَحَّحَہُ ابْنُ حِبَّانَ ، وَفِیْ إِسْنَادِہٖ اخْتِلَافٌ ۔

نے فیصلہ فرمایا ''دن کے وقت باغات کی حفاظت ان کے مالکوں کے ذمہ ہے اور رات کے وقت مویشیوں کے مالک ان کی حفاظت کریں اور رات کے وقت مویشی کسی کا نقصان کریں تو اس کا تاوان مویشیوں کے مالکوں کے ذمہ ہوگا۔'' [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی سند میں اختلاف ہے۔]

لغوی توضیح اَلْحَوَائِط جمع ہے حَائِط کی، اس کا معنی ہے باغات۔ اَلْمَاشِیَۃ واحد ہے اَلْمَوَاشِی کی، مراد ہے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے مویشی دن کے وقت کسی کی فصل یا باغ اُجاڑ دیں تو مویشیوں کے مالک ذمہ دار نہیں ہوں گے کیونکہ دن کے وقت باغات کی حفاظت ان کے مالکوں کے ذمہ ہے، البتہ اگر رات کے وقت مویشی کسی کا نقصان کر دیں تو پھر مویشیوں کے مالکان ذمہ دار ہوں گے کیونکہ رات کے وقت باغات اور فصلوں کے مالکان تو سو رہے ہوتے ہیں اس لیے وہ حفاظت نہیں کر سکتے۔ امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ دن کے وقت اگر جانور کوئی نقصان پہنچا دیں تو اس کا کوئی تاوان نہیں، البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ (دن کے وقت) اگر جانوروں کے ساتھ کوئی سوار وغیرہ ہو، تو جمہور کہتے ہیں کہ تب جتنا نقصان ہوگا اسے اتنا تاوان دینا پڑے گا۔ (٥٤)

1204- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ۔ فِیْ رَجُلٍ أَسْلَمَ ثُمَّ تَھَوَّدَ ۔ : ((لَا أَجْلِسُ حَتّٰی یُقْتَلَ ، قَضَاءُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ، فَأُمِرَ بِہٖ فَقُتِلَ)) مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِأَبِیْ دَاوٗدَ : وَکَانَ قَدِ اسْتُتِیْبَ قَبْلَ ذٰلِكَ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایسے آدمی کے متعلق جو مسلمان ہوا پھر یہودی ہو گیا، مروی ہے کہ میں اس وقت تک (سکون سے) نہیں بیٹھوں گا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے، اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے، لہٰذا اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ [بخاری، مسلم۔ ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ] اسے قتل سے پہلے توبہ کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

1205- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ)) رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔'' [بخاری]

1204- [بخاری (٦٩٢٣) کتاب استتابۃ المرتدین : باب حکم المرتد والمرتدۃ ، مسلم (١٧٣٣) ابو داود (٤٣٥٤) احمد (٤٠٩/٤)]

1205- [بخاری (٣٠١٧-٦٩٢٢) کتاب الجھاد والسیر : باب لا یعذب بعذاب اللہ ، ابو داود (٤٣٥١) ترمذی (١٤٥٨) نسائی (١٠٤/٧) ابن ماجہ (٢٥٣٥) احمد (٢١٧/١) ابن حبان (٤٤٧٦-٥٦٠٦) دارقطنی (١٠٨/٣) بیھقی (٢٠٢/٨) حاکم (٥٣٨/٣)]

(٥٤) [کما فی توضیح الأحکام (٢٠٢/٦)]

فهم الحديث ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد (قبولِ اسلام کے بعد دوبارہ کفر میں داخل ہو جانے والا) واجب القتل ہے۔ البتہ انہیں جلانا جائز نہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتدین کو جلا دیا' یہ بات جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں قتل کرتا تو انہیں نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب مت دو۔'' جب علی رضی اللہ عنہ کو یہ پتہ چلا تو انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔(٥٥)

اگر مرتد ہونے والی عورت ہو تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ جمہور علماء، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ مرتد عورت کو قتل نہیں بلکہ صرف قید کیا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ جنگ عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔(٥٦) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ مرتد عورت کو بھی قتل کیا جائے گا اور جن عورتوں کے قتل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا وہ ایسی عورتیں تھیں جو اصل میں کافر تھیں اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہیں تھیں۔ البتہ جو مسلمان ہو کر مرتد ہو جائیں وہ عمومی دلائل مثلاً ''جس نے (مرد ہو یا عورت) اپنا دین بدل دیا اسے قتل کر دو'' کے تحت ہوں گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتد عورت کو قتل کیا تھا لیکن کسی صحابی سے اس پر انکار ثابت نہیں۔(٥٧) یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر کسی کو جبراً دین سے پھیرا گیا ہو تو پھر اسے قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ قرآن میں ایسے شخص کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔(٥٨) علاوہ ازیں مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کو سزا دینے سے پہلے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا' اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کے مرتد ہو جانے کا علم ہو جائے تو پھر اسے سزا دینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

1206- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ أَعْمَى كَانَتْ لَهُ أُمُّ وَلَدٍ تَشْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ وَتَقَعُ فِيهِ، فَيَنْهَاهَا، فَلَا تَنْتَهِي، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ أَخَذَ الْمِعْوَلَ، فَجَعَلَهُ فِي بَطْنِهَا وَ اتَّكَأَ عَلَيْهَا فَقَتَلَهَا، فَبَلَغَ ذَالِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: ((**أَلَا اشْهَدُوا فَإِنَّ دَمَهَا هَدَرٌ**)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اندھے آدمی کی اُم ولد لونڈی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ کی شان میں گستاخی کی مرتکب ہوتی تھی' وہ اسے روکتا تھا لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ تو ایک روز (جب وہ اس آدمی کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے رہی تھی) تو اس نے کدال پکڑ کر اس کے پیٹ پر رکھی اور زور سے دبا کر اسے قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اعلانیہ) فرمایا ''خبردار! گواہ ہو جاؤ بلاشبہ اس لونڈی کا خون رائیگاں ہے۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

1206- [**صحیح**: صحیح ابو داود' ابو داود (٤٣٦١) كتاب الحدود: باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ' نسائی (١٠٧/٧-١٠٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]
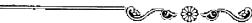
(٥٥) [ترمذی (١٤٥٨) كتاب الحدود: باب ما جآء في المرتد' بخاری (٣٠١٧)]

(٥٦) [تحفة الأحوذی (٨٥٠/٤) فتح الباری (٢٨٤/١٢)]

(٥٧) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تحفة الأحوذی (٨٥٠/٤) السيل الجرار (٣٧٣/٤) فتح الباری (٢٨٤/١٢) الروضة الندية (٦٢٣/٢) نيل الأوطار (٦٥٥/٤) الأم للشافعي (١٥٦/٦) الإختيار (١٤٩/٤) الحجة على أهل المدينة (٥٣٠/٣)]

(٥٨) [النحل: ١٠٦]

لغوی توضیح تَشْتِمُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب شَتَمَ یَشْتِمُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے "گالی دینا"۔ تَقَعُ فِیْهِ وہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی۔ الْمِعْوَلَ کدال کو کہتے ہیں جس سے زمین کی کھدائی کی جاتی ہے۔ اتَّكَأَ عَلَيْهَا اس پر اپنا بوجھ ڈالا۔ هَدَرٌ رائیگاں و باطل یعنی اس پر کوئی قصاص و دیت نہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شاتم رسول واجب القتل ہے۔ امام ابن منذرؒ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(٥٩) امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں۔(٦٠) امام شوکانیؒ (٦١) اور شیخ وہبہ زحیلی (٦٢) نے بھی ایسے شخص کو واجب القتل ہی قرار دیا ہے۔ شاتم رسول ذمی کو قتل کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے اسے واجب القتل کہا ہے جبکہ احناف نے اسے سخت مار مارنے کا مؤقف اپنایا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق راجح مؤقف یہ ہے کہ جب وہ اعلانیہ سب و شتم نہ کریں بلکہ تعریض و کنایہ کے ذریعے ہی عداوت کی بھڑاس نکالیں تو انہیں قتل نہ کرنا ہی زیادہ بہتر ہے بصورت دیگر انہیں قتل کر دیا جائے گا۔(٦٣)

(٥٩) [الإجماع لابن المنذر (ص/١٥٣)، (رقم/٧٢٢)]
(٦٠) [كما في فتح الباري (٢٨٤/١٤)]
(٦١) [السيل الجرار (٣٧٥/٤)]
(٦٢) [الفقه الإسلامي وأدلته (٥٥٧٧/٧)]
(٦٣) [دیکھئے: فتح الباري (٢٨٤/١٤)]

باب حد الزانی — زانی کی حد کا بیان
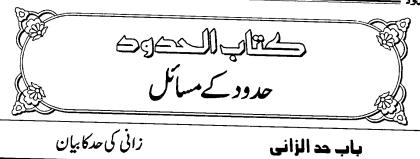
1207- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَعْرَابِ أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنْشُدُكَ اللّٰهَ إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللّٰهِ، فَقَالَ الْآخَرُ - وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ -: نَعَمْ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَأْذَنْ لِي، فَقَالَ: ((قُلْ)) قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَوَلِيدَةٍ، فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا الرَّجْمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: **((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ: الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا))** مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق میرا فیصلہ فرمائیں اور دوسرا جو اس کی بہ نسبت زیادہ سمجھدار تھا' نے بھی کہا کہ ہمارے درمیان آپ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیان کرو۔ وہ بولا میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری پر کام کرتا تھا۔ اس کی اہلیہ سے زنا کا مرتکب ہو گیا ہے اور مجھے خبر دی گئی کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے تو میں نے اس کے فدیے میں ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اس کی جان چھڑائی۔ اس کے بعد میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس عورت پر سزائے رجم ہے۔ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے عین مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تمہیں واپس لوٹائی جائیں گی اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی ہے۔ اے انیس! تم اس کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف زنا کر لے تو اسے رجم (سنگسار) کر دینا۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حدود حد کی جمع ہے اس کا معنی ہے "رکاوٹ"۔ باب حَدَّ يَحُدُّ (بروزن نصر) حد مقرر کرنا۔ باب حَدَّدَ

1207- [بخاری (٦٨٢٧-٦٨٢٨) كتاب الحدود: باب الاعتراف بالزنا، مسلم (١٦٩٧-١٦٩٨) ابو داود (٤٤٤٥) ترمذی (١٤٣٣) نسائی ٢٤٠/٨٠ ابن ماجه (٢٥٤٩) مالك (٨٢٨/٢) احمد (١١٥/٤) دارمی (٢٣١٧) بیهقی (٢٢٥/٨)]

يُحَدِّدُ (بروزن تفعیل) حدود قائم کرنا۔ اصطلاحاً حد سے مراد ہے ایسی سزا جو اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے مقرر ہو۔ اس سے تعزیر غیر مقرر سزا اور قصاص وغیرہ خارج ہے۔ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔ عَسِيْفًا مزدور۔ تَغْرِيْب جلا وطنی۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کنوارے زانی کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے۔ خلفائے راشدین، عام صحابہ، تابعین اور اکثر فقہا نے جلا وطنی کے حکم پر مسلسل عمل کیا ہے۔ (۱) امام ابن منذرؒ نے کنوارے زانی کو جلا وطن کرنے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔ (۲) جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے جلا وطن کرنا واجب نہیں۔ (۳) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ احادیث امام ابو حنیفہؒ کے رد میں ہیں۔ (٤) اس مسئلے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے کہ کیا عورت کو جلا وطن کیا جائے گا یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عمومی حکم کی بنا پر مرد اور عورت دونوں کو جلا وطن کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ نے اس کے برخلاف کہا ہے کہ عورت کو جلا وطن نہیں کیا جائے گا، ان کی دلیل وہ روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ ''جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے تو وہ اسے کوڑے لگائے۔'' (٥) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ درج بالا حدیث کی وجہ سے صرف لونڈی پر جلا وطنی واجب نہیں اور یہ جلا وطنی کے عمومی حکم سے خاص ہے۔ اس کے علاوہ جلا وطنی کے حکم میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں فرمائی۔ (٦)

علاوہ ازیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا صرف رجم ہے جبکہ آئندہ حدیث میں رجم کے ساتھ سو کوڑوں کا بھی ذکر ہے تو یاد رہے کہ شادی شدہ کے لیے سو کوڑوں کا حکم نبی ﷺ کے عمل کی وجہ سے منسوخ ہو چکا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور غامدیہ عورت کو صرف رجم ہی کرایا تھا۔ جمہور، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام احمدؒ اور داود ظاہریؒ وغیرہ کا کہنا ہے کہ رجم سے پہلے کوڑے لگانا بھی فرض ہے (ان کی دلیل آئندہ حدیث ہے)۔ امام شوکانیؒ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ (۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو بروز جمعرات کوڑے لگائے اور بروز جمعہ رجم کرا دیا اور فرمایا، میں نے اسے اللہ کی کتاب (کے حکم) سے کوڑے لگائے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی وجہ سے رجم کیا ہے۔ (۸) واضح رہے کہ اللہ کی کتاب سے مراد یہ آیت ہے ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النور: ۲] ''زنا کار مرد و عورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ ان پر شرعی حد جاری کرتے ہوئے تمہیں ہرگز نرمی نہیں اختیار کرنی چاہیے۔ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے۔'' نیز اس حدیث سے یہ بھی

---

(۱) [شرح السنة للبغوی (۲۷۸/۱۰)]

(۲) [الإجماع لابن المنذر (ص/۱٤۲) شرح فتح القدير (۲٦/٥)]

(۳) [المبسوط (٤٤/۹) بداية المجتهد (٤۳٦/۲) الام للشافعی (۱۳۳/٦) المغنی (۳۲۲/۱۲)]

(٤) [نيل الأوطار (٥۳٥/٤)]

(٥) [بخاری (۲۱٥۳) كتاب البيوع : باب بيع العبد الزانی]

(٦) [نيل الأوطار (٥۳٥/٤) سبل السلام (۱٦۷۲/٤)]

(۷) [نيل الأوطار (٥۳۷/٤) سبل السلام (۱٦۷۳/٤) تحفة الأحوذی (۸۰۸/٤۔ ۸۰۹)]

(۸) [تحفه الأحوذی (۸۰۹/٤) سبل السلام (۱٦۷۳/٤) نيل الأوطار (٥۳۸/٤)]

معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایک مرتبہ اعتراف زنا کر لے تو اس پر حد واجب ہو جاتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر اس کی بیوی اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دو۔

1208- وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((خُذُوا عَنِّي خُذُوا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے (معاشرتی احکام) سیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے راستہ بنا دیا ہے' کنوارہ کنواری سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اگر شادی شدہ عورت کے ساتھ شادی شدہ مرد زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے۔'' [مسلم]

لغوی توضیح خُذُوْا عَنِّیْ مجھ سے زنا کا حکم حاصل کرلو۔ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راستہ واضح کر دیا ہے۔ دراصل پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا تھا کہ زانی عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم نازل نہ فرما دے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ...... سَبِيْلًا ﴾ [النساء : ۱۵] ''تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو' اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو حتیٰ کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکال دے۔'' چونکہ مسلمانوں کو نئے حکم کے لیے انتظار کرنے کا کہا گیا تھا اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھ سے (نیا حکم) حاصل کرلو۔''

1209- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ۔ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ۔ فَنَادَاهُ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَتَنَحَّى تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، حَتَّى ثَنَى ذَالِكَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((أَبِكَ جُنُونٌ؟)) قَالَ: لَا، قَالَ: ((فَهَلْ أَحْصَنْتَ؟)) قَالَ نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان (ماعز اسلمی) رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا' اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ آواز بلند کہنے لگا اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا' اس نے پھر آپ کے سامنے آ کر اعتراف کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا رخ پھیر لیا۔ اس طرح اس شخص نے چار مرتبہ سامنے آ کر اقرار کیا' یوں اس نے جب اپنے آپ پر چار مرتبہ گواہیاں دے دیں تو آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا ''کیا تو پاگل ہے؟'' وہ بولا نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا ''کیا تو شادی شدہ ہے'' اس نے کہا ہاں' پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے لے جاؤ اور رجم کر دو۔'' [بخاری' مسلم]

1208- [مسلم (۱۶۹۰) کتاب الحدود : باب حد الزنی' ابو داود (۴۴۱۵-۴۴۱۶) ترمذی (۱۴۳۴) ابن ماجه (۲۵۵۰) احمد (۳۱۳/۵) دارمی (۲۳۲۷) بیهقی (۲۱۹/۸)]

1209- [بخاری (۵۲۷۱) کتاب الطلاق : باب الطلاق فی الإغلاق والکره والسکران والمجنون' مسلم (۱۶۹۱) احمد (۴۵۳/۲) بیهقی (۲۱۹/۸)]

1210- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا أَتَى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَهُ: ((لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ أَوْ غَمَزْتَ أَوْ نَظَرْتَ ؟)) قَالَ: لَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ماعز بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا ''شاید تو نے اس کا بوسہ لیا ہو یا چھیڑا ہو یا اس پر بری نگاہ ہی ڈالی ہو؟'' اس نے عرض کیا' نہیں اے اللہ کے رسول!'' [بخاری]

لغوی توضیح غَمَزْتَ تو نے اشارہ کیا ہوگا' یہاں مراد چھیڑ چھاڑ ہے۔

فهم الحديث مذکورہ روایت میں چونکہ ماعز رضی اللہ عنہ نے چار مرتبہ اقرارِ جرم کیا' اس سے بعض اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا شرط ہے ورنہ حد ساقط ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ واضح رہے کہ یہ بات اس لیے درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں ایسا کہیں ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے چار مرتبہ اقرار کو لازم یا شرط قرار دیا ہو بلکہ صرف ماعز کے اپنے فعل کا ہی ذکر ہے' جو شرط کے ثبوت کے لیے کافی نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ ایک مرتبہ اقرار ہی کافی ہے۔ (۹) ان کے دلائل میں سے ایک گزشتہ وہ روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے انیس کو حکم دیا کہ اگر اس کی بیوی اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا (اس میں آپ ﷺ نے چار مرتبہ اعتراف کا ذکر نہیں فرمایا)' اسی طرح غامدیہ عورت کو رسول اللہ ﷺ نے اس کے صرف ایک مرتبہ اقرار کے ساتھ ہی رجم کر دیا۔ (۱۰) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اقرار کافی ہے اور جن احادیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز اسلمی سے بار بار دریافت کیا وہ محض معاملے کی تحقیق پر مبنی ہیں۔ (۱۱) امام نوویؒ (۱۲) اور نواب صدیق حسن خانؒ (۱۳) نے بھی یہی مؤقف اپنایا ہے اور یہی راجح ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو فیصلہ کرتے وقت خوب اچھی طرح تحقیق و تفتیش کر لینی چاہیے' جب تک مکمل شرح صدر نہ ہو فیصلہ نہ کرے۔

1211- وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ خَطَبَ فَقَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ ' فَكَانَ فِيمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ ' قَرَأْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا ' فَرَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ' وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ ' فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے خطبہ میں فرمایا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی ہے' آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا اس میں آیتِ رجم بھی تھی' ہم نے اسے پڑھا' یاد کیا اور سمجھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا' اب مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد

1210- [بخاری (٦٨٢٤) كتاب الحدود : باب هل يقول الإمام للمقر لعلك لمست أو غمزت' ابو داود (٤٤٢٧) احمد (٢٣٨/١)]

1211- [بخاری (٦٨٢٩) كتاب الحدود : باب الاعتراف بالزنا' مسلم (١٦٩١) ابو داود (٤٤١٨) ترمذی (١٤٣٢) ابن ماجه (٢٥٥٣) احمد (٢٣/١-٢٤) دارمی (٢٣٢٢)]

(٩) [الأم للشافعي (١٣٣/٦) المبسوط (٩١/٩) المغني (٣٥٤/١٢)]

(١٠) [مسلم (١٦٩٥) كتاب الحدود : باب من اعترف على نفسه بالزنى]

(١١) [نيل الأوطار (٥٤٥/٤)]

(١٢) [شرح مسلم (٢١٥/٦)]

(١٣) [الروضة الندية (٥٨٠/٢)]

يَقُولَ قَائِلٌ : مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ ، وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى : عَلَى مَنْ زَنَى ، إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

کہنے والے کہیں گے کہ ہم رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے، یوں وہ ایسے فرض کو ترک کر کے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے گمراہ ہو جائیں گے اور بلاشبہ رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں حق و ثابت ہے، ایسے شخص کے لیے جس نے زنا کیا جبکہ وہ شادی شدہ ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، جب ثبوت قائم ہو جائے یا حمل ظاہر ہو یا خود اعتراف کر لے۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح آيَةَ الرَّجْمِ سے مراد یہ آیت ہے ﴿ الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾۔ وَعَيْنَاهَا ہم نے اس حکم کو یاد کیا۔ الْحَبَلُ سے مراد ہے حمل۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت زنا کے دلائل تین ہیں۔ ① زانی کا اقرار ② چار دیانتدار گواہوں کی شہادت ③ اور بغیر شادی کے عورت کا حاملہ ہونا۔ اگر کوئی عورت نہ تو شادی شدہ ہو اور نہ ہی کسی کی لونڈی ہو اور حاملہ ہو جائے تو امام مالکؒ کے نزدیک اس پر حد قائم کی جائے گی جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، ان کا کہنا ہے کہ ممکن ہے اسے زنا پر مجبور کیا گیا ہو وغیرہ وغیرہ۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔(١٤) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں رجم واقع ہوا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سلف صالحین کو اندیشہ تھا کہ آئندہ زمانوں میں اللہ کے فرائض وحدود کو ترک کر دیا جائے گا جیسا کہ آج ایسا ہو چکا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی احکام صرف قرآن تک محدود نہیں بلکہ قرآن کی مثل آپ ﷺ کو اور بھی فرامین عطا کیے گئے تھے (جو حدیث کی صورت میں ہیں) ان سب پر عمل واجب ہے۔

1212- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا ، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَهَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اسے حد لگائے اور اسے مزید ملامت نہ کرے، پھر اگر وہ زنا کرے تو وہ اسے حد لگائے اور اسے ملامت نہ کرے اور اگر تیسری مرتبہ پھر زنا کرے اور اس کا ثبوت مل جائے تو اسے فروخت کر دے خواہ بالوں سے بنی ایک رسی کے بدلے ہی۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

1213- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَقِيمُوا الْحُدُودَ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ، وَهُوَ فِي مُسْلِمٍ مَوْقُوفٌ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنے غلام لونڈیوں پر حدود قائم کرو۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ مسلم میں موقوف ہے۔]

1212- [بخاری (٦٨٣٩) كتاب الحدود : باب لا يثرب على الأمة إذا زنت ولا تنفى ، مسلم (١٧٠٣) ابو داود (٤٤٧٠) ترمذی (١٤٤٠) احمد (٣٤٩/٢) بيهقى (٢٤٢/٨)]

1213- [ضعيف : إرواء الغليل (٢٣٢٥) ضعيف الجامع الصغير (١٠٨٤) ابو داود (٤٤٧٣) احمد (١٥٦/١) مسلم (١٧٠٥) ترمذی (١٤٤١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے مرفوعاً ضعیف اور موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(١٤) [توضيح الأحكام (٢٢٦/٦)]

فهم الحديث ان روایات سے معلوم ہوا کہ لونڈی پر بھی حد اسی وقت جاری کی جائے گی جب اس پر آزاد کی طرح جرم زنا ثابت ہوگا اور وہ ثبوت تین طرح سے ہی ہو سکتا ہے' اقرار' حمل یا چار گواہوں کی شہادت۔ البتہ بعض دوسرے اہل علم نے کہا ہے کہ اگر کوئی ثبوت نہ ہو لیکن مالک کو یقین ہو کہ اس نے زنا کیا ہے تو وہ اپنے یقین کی بنا پر بھی لونڈی کو حد لگانے کا مجاز ہے۔ (واللہ اعلم) یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے غلام لونڈیوں کو خود ہی حد لگانی چاہیے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ احناف کا کہنا ہے کہ غلاموں پر بھی صرف حاکم ہی حد جاری کرے گا۔ (۱۵) پہلا موقف راجح ہے۔ امام شوکانیؒ (۱۶)، امام ترمذیؒ (۱۷) اور امام ابن حزمؒ (۱۸) نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ اگر لونڈی شادی شدہ ہو تو پھر اسے حد لگانے کا کسے زیادہ حق ہے مالک کو یا حاکم کو؟ جمہور نے اس صورت میں بھی یہی کہا ہے کہ مالک ہی حد لگائے۔ یہی موقف راجح ہے کیونکہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دورانِ خطبہ فرمایا' اے لوگو! اپنے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ ہر طرح کے غلاموں پر حد قائم کرو۔ (۱۹)

1214- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ ـ وَهِيَ حُبْلَى مِنَ الزِّنٰى ـ فَقَالَتْ : يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ، أَصَبْتُ حَدًّا ، فَأَقِمْهُ عَلَيَّ ، فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَلِيَّهَا ، فَقَالَ : ((**أَحْسِنْ إِلَيْهَا فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِي بِهَا**)) فَفَعَلَ ، فَأَمَرَ بِهَا فَشُكَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ ، ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا ، فَقَالَ عُمَرُ : أَتُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَقَدْ زَنَتْ ؟ فَقَالَ : ((**لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ ، وَهَلْ وَجَدْتَ أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالَى** ؟)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہینہ قبیلہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی' وہ زنا کی وجہ سے حاملہ تھی' تو اس نے عرض کیا' اے اللہ کے نبی! میں حد کی مستحق ہوں لہٰذا آپ مجھ پر حد قائم کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سرپرست کو بلایا اور فرمایا" اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور جب یہ بچے کو جنم دے تو پھر اسے لے کر آنا۔" اس نے ایسا ہی کیا' پھر اس عورت کے متعلق حکم دیا تو اس کے کپڑوں کو مضبوطی سے باندھ دیا گیا' پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا' پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ بھی ادا فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اے اللہ کے نبی! اس نے زنا کیا ہے اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا" بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر اسے مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ ان سب کو کافی ہو جائے اور کیا تم نے اس شخص سے افضل کسی کو دیکھا ہے جس نے اللہ کے لیے اپنی جان پیش کر دی ہو۔" [مسلم]

لغوی توضیح جُهَيْنَة ایک بہت بڑے قبیلے کا نام ہے' اس کی ایک شاخ غامد تھی' یہ عورت اسی سے تعلق رکھتی تھی' اسی

1214- [مسلم (۱٦۹٦) كتاب الحدود : باب من اعترف على نفسه بالزنى ' ابو داود (٤٤٤١) ترمذى (۱٤۳٥) نسائى (٦٣/٤) احمد (٤١٩/٤) دارمى (٢٣٢٥) دارقطنى (١٠١/٣-١٠٢) ابن حبان (٤٤٠٣) بيهقى (٢٢٥/٩)]

(۱۵) [الأم للشافعى (١٣٥/٦) المبسوط (٨٠/٩) المغنى (٣٣٤/١٢)] (۱٦) [نيل الأوطار (٥٧٤/٤)]

(۱۷) [تحفة الأحوذى (٨٢١/٤)] (۱۸) [المحلى بالآثار (٧٣/١٢-٧٥)]

(۱۹) [مسلم (١٧٠٥) كتاب الحدود : باب تاخير الحد عن النفساء ' ابن الجارود (٨١٦) بيهقى (٢٤٤/٨) طيالسى (١١٢)]

لیے یہ غامدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ حُبْلٰی حاملہ اس کی جمع حُبَالٰی آتی ہے۔ شُكَّتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب شَكَّ يَشُكُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''باندھنا''۔ جَادَتْ بِنَفْسِهَا اپنی جان کو پیش کر دیا۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاقل انسان کا ایک مرتبہ اقرار اسے رجم کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ زنا کی وجہ سے حاملہ عورت پر فوراً حد نافذ نہیں کی جائے گی بلکہ وضع حمل تک اسے مہلت دی جائے گی اور اگر وضع حمل کے بعد بچے کو دودھ پلانے والی کا انتظام نہ ہو تو پھر اس کی سزا کو دودھ چھڑانے کی مدت تک مؤخر کر دیا جائے گا' خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عورت کا ولی وسرپرست بھی موجود تھا (شاید اُن حضرات کو اس حدیث کا علم نہیں جنہوں نے مذکورہ غامدیہ عورت کو فاحشہ اور ڈیرے والیوں میں شمار کیا ہے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ اس کے ساتھ کہیں بھی اس کے کسی سرپرست کا ذکر نہیں ملتا)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ حمل یا دودھ پلانے کی مدت کے دوران ایسی عورت کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے اور اس کے ساتھ بدکلامی یا اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے سے بچنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جسے سزائے رجم دی جائے اس کا جنازہ عوام وخواص سب کو پڑھنا چاہیے۔ امام شوکانی ؒ نے اسے پراجماع نقل فرمایا ہے۔ (۲۰) امام نوویؒ (۲۱)، امام ابن قدامہؒ (۲۲)، امام صنعانیؒ (۲۳) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی (۲۴) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ جسے حد کے سلسلے میں قتل کیا گیا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقامتِ حد مجرم کے گناہ کا کفارہ ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (۲۵)

1215- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((رَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ وَامْرَأَةً)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسلم قبیلہ کے ایک آدمی اور ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا۔ [مسلم]

1216- وَقِصَّةُ رَجْمِ الْيَهُودِيَّيْنِ فِي الصَّحِيحَيْنِ، مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

اور یہودی مرد وعورت کو رجم کرنے کا قصہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

فھم الحدیث یہ قصہ بالاختصار یوں ہے کہ یہودی ایک عورت اور مرد کو نبی کریم ﷺ کے پاس لائے جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کتاب میں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم انہیں ذلیل ورسوا کرنے کے لیے ان کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھا کر شہر میں چکر لگاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بطور ثبوت انہیں

1215- [مسلم (۱۷۰۱) كتاب الحدود : باب رجم اليهود أهل الذمة في الزنى ' ابو داود (٤٤٥٥) احمد (۳۲۱/۳)]

1216- [بخاری (٦٨٤١) كتاب الحدود : باب أحكام أهل الذمة ' مسلم ١٦٩٩٠) ابو داود (٤٤٤٦) ترمذی (١٤٣٦) مالك (٨١٩/٢) احمد (٧/٢-٦٢) دارمی ٢٣٢١) بیهقی (٢٤٦/٨)]

(۲۰) [نيل الأوطار (٧٠٢/٢)]
(۲۱) [شرح مسلم للنووی (٥٤٣/٤)]
(۲۲) [المغنی لابن قدامة (٥٠٨/٣)]
(۲۳) [سبل السلام (٢٦٧/٢)]
(۲٤) [فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (٤١٤/٨)]
(۲٥) [كما في توضيح الأحكام (٢٣٤/٦)]

تورات لانے کا حکم دیا' چنانچہ وہ تورات لا کر اسے پڑھنے لگے اور جب آیت رجم پر پہنچے تو اس پر ہاتھ رکھ لیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا' اے اللہ کے رسول! اسے کہیے کہ اپنا ہاتھ اٹھائے' پس جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم موجود تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست میں مقیم غیر مسلم بھی اگر کسی جرم کا ارتکاب کریں گے تو ان پر حد جاری کی جائے گی تاکہ معاشرے کا امن وامان برقرار رہ سکے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی غیر مسلم شرعی عدالت میں فیصلہ کرانے کے لیے آئے تو کتاب وسنت کے عین مطابق ہی اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔

1217- وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ بَيْنَ أَبْيَاتِنَا رُوَيْجِلٌ ضَعِيفٌ، فَخَبَثَ بِأَمَةٍ مِنْ إِمَائِهِمْ، فَذَكَرَ ذَالِكَ سَعْدٌ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: ((اجْلِدُوهُ حَدَّهُ)) فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهُ أَضْعَفُ مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: ((خُذُوا عِثْكَالًا فِيهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ ثُمَّ اضْرِبُوهُ بِهِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً)) فَفَعَلُوا ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لَكِنِ اخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ وَإِرْسَالِهِ ۔

حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے گھروں (یعنی محلے) میں ایک چھوٹا سا کمزور آدمی رہتا تھا' وہ ہماری ایک لونڈی کے ساتھ زنا کر بیٹھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے حد لگاؤ۔'' تو سب لوگ بول اٹھے کہ اے اللہ کے رسول! وہ تو نہایت کمزور و لاغر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کھجور کے درخت کی ایک ایسی ٹہنی لو جس میں سو شاخیں ہوں۔ پھر اسے ایک ہی مرتبہ اس آدمی پر دے مارو۔'' چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کر دیا۔ [اسے احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے لیکن اس کے موصول یا مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔]

لغوی توضیح رُوَيْجِل رجل کی تصغیر ہے' معنی ہے چھوٹا آدمی۔ عِثْكَالًا ٹہنی۔ شِمْرَاخ شاخ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کنوارہ زانی اس قدر لاغر و کمزور ہو کہ اسے کوڑے لگانے پر اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر اس کی سزا میں یوں تخفیف کی جائے گی کہ اسے ایک ایسی ٹہنی' جس میں سو شاخیں ہوں' ایک مرتبہ ہی مار دی جائے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے شخص کو بلا تاخیر حد لگا دی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک لونڈی نے بدکاری کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس پر حد قائم کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں اس کے پاس آیا تو وہ ابھی ابھی حالت نفاس سے فارغ ہوئی تھی۔ میں ڈر گیا کہ کہیں کوڑے لگانے کی وجہ سے وہ مر نہ جائے۔ لہٰذا میں نے واپس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تو نے اچھا کیا' اس کے تندرست ہونے تک اسے چھوڑ دو۔''(۲٦) یہ روایت بظاہر گزشتہ حدیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ بیمار کو تندرست ہونے تک مہلت دینی چاہیے۔ ان دونوں روایات میں یوں تطبیق دی گئی ہے کہ اگر مریض کے تندرست ہونے کی توقع ہو تو اسے صحت یاب ہونے تک مہلت دی جائے گی پھر اسے حد لگا دی جائے گی (جیسا کہ نفاس والی عورت کے ساتھ کیا گیا) اور اگر اس کے صحت

1217- [**صحیح**: صحيح ابن ماجه' نسائی فی السنن الكبرى (۳۱۳/٤) ابن ماجه (۲۵۷٤) احمد (۲۲۲/۵) بيهقى (۲۳۰/۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲٦) [مسلم (۱۸۰۵) کتاب الحدود: باب تاخير الحد عن النفساء' احمد (۱۵٦/۱) ترمذی (۱٤٤۱)]

یاب ہونے کی امید نہ ہو تو اس پر سو شاخوں والی ٹہنی سے ہی ایک مرتبہ مار کر حد قائم کر دی جائے گی۔(۲۷)

❑ واضح رہے کہ اگر کوئی غلام یا لونڈی زنا کرے تو اس کی حد آزاد کی حد سے نصف ہے یعنی اسے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے جیسا کہ قرآن میں لونڈیوں کے متعلق ارشاد ہے کہ ﴿ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ...... ﴾ [النساء : ۲۵] ''اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر نصف حد ہے۔'' غلام کو بھی اسی پر قیاس کیا جاتا ہے۔

1218- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ، وَمَنْ وَجَدْتُمُوهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيمَةَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ، إِلَّا أَنَّ فِيهِ اخْتِلَافًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جسے تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ اس کے فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو اور جسے تم پاؤ کہ وہ جانوروں کے ساتھ بدفعلی کا مرتکب ہوا ہے تو اسے اور اس جانور دونوں کو مار ڈالو۔'' [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بیان کی گئی ہے مگر اس میں اختلاف ہے۔]

فهم الحديث قوم لوط کے عمل سے مراد ہے مرد کا مرد کی دبر (پشت) میں دخول کرنا۔ ایسا عمل کرنے والے اور (رضامندی سے) کروانے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس کی سزا کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسے تلوار کے ساتھ قتل کر کے جلا دینا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس پر دیوار گرا دی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسے شہر کی بلند عمارت سے گرا دیا جائے۔ امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اس کی سزا وہی ہے جو زانی کی ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے اسے بہرصورت رجم کیا جائے گا خواہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اس پر کوئی حد نافذ نہیں کی جائے گی بلکہ بطور تعزیر چند کوڑے لگا دیئے جائیں گے۔ (۲۸) ہمارے علم کے مطابق اس مسئلے میں راجح مؤقف یہ ہے کہ کوئی بھی ایسی سزا دی جائے جو سرکش نافرمانوں کے لیے باعث عبرت ہو اور وہ اُس سزا کے بھی مشابہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو دی تھی' انہیں زمین میں دھنسا دیا تھا اور پتھروں کی بارش برسائی تھی۔ (۲۹) علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو کسی جانور سے بدفعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں۔'' (۳۰) امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے اور امام ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ اس پر حدِ زنا جاری کی جائے گی۔ ملا علی قاری حنفیؒ نے کہا ہے کہ جس روایت

1218- [حسن صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٤٤٦٢) كتاب الحدود : باب فيمن عمل عمل قوم لوط، ترمذی (١٤٥٥) نسائی فی السنن الكبرى (٣٢٢/٤) ابن ماجه (٢٥٦١) احمد (٢٦٩/١) حاكم (٣٥٥/٤) دارقطنی (١٢٤/٣) بيهقی (٢٣٢/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۷) [نيل الأوطار (٥٦٣/٤)]

(۲۸) [نيل الأوطار (٥٦٧/٤) الترغيب والترهيب (٢٨٩/٣) شرح السنة للبغوی (٣٠٩/١٠) تحفة الأحوذی (٨٤٧/٤) الام للشافعی (١٦٣/٧) المغنی (٣٥٠/١٢)]

(۲۹) [نيل الأوطار (٥٦٨/٤)]

(۳۰) [حسن : صحيح ابو داود (٣٧٤٨) ترمذی (١٤٥٥) كتاب الحدود : باب ما جآء فيمن يقع على البهيمة، ابو داود (٤٤٦٥)]

میں قتل کا حکم ہے اس کا معنی ہے شدید مار ماری جائے۔(۳۱)

ہمارے علم کے مطابق راجح یہ ہے کہ ایسے شخص کو صرف تعزیر ہی لگائی جائے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ ایسے شخص پر کوئی حد نہیں' اس لیے جس میں قتل کا حکم ہے اس سے یہی مراد ہوگا کہ اسے سخت مار ماری جائے۔(واللہ اعلم)(۳۲) نیز جانور کو قتل کرنے کا سبب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا' تو انہوں نے فرمایا میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا البتہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بدفعلی کی وجہ سے اس کا گوشت کھانے یا اس سے فائدہ حاصل کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔(۳۳)

1219- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ وَغَرَّبَ ' وَ أَبُوبَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ' إِلَّا أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي وَقْفِهِ وَرَفْعِهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (زانی کو) مارا اور جلاوطن کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی (زانی کو) مارا اور جلاوطن کیا۔[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔]

لغوی توضیح غَرَّبَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب غَرَّبَ يُغَرِّبُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''جلاوطن کرنا''۔مراد ہے حاکم کا ایک سال کے لیے کنوارے زانی کو شہر سے نکل جانے کا حکم صادر فرمانا۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کنوارے زانی کے لیے سو کوڑوں کے ساتھ سال بھر کی جلاوطنی کی سزا منسوخ نہیں ہوئی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین بھی یہ سزا دیتے رہے۔اس مسئلے کا تفصیلی بیان گزشتہ حدیث نمبر 1207 کے تحت گزر چکا ہے۔

1220- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ ' وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ ' وَقَالَ : ((أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں اور ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی جو مرد بنیں اور فرمایا کہ ''انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔''[بخاری]

لغوی توضیح اَلْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ ایسے مرد جو تکلف کے ساتھ اپنی چال ڈھال' لباس آواز اور دیگر اُمور میں عورتوں کی مشابہت اختیار کریں' البتہ اگر فطری طور پر ان میں عورتوں جیسی صفات وعادات ہوں تو پھر کوئی گناہ نہیں۔ اَلْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ ایسی عورتیں جو اپنے انداز گفتگو' حرکات اور تمام کاموں میں مرد بننے کی کوشش کریں۔

1219- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۱۴۳۸) کتاب الحدود : باب ما جاء فی النفی' بیهقی (۲۲۳/۸) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1220- [بخاری (۶۸۳۴) کتاب الحدود : باب نفی أهل المعاصی والمخنثین' ابو داود (۴۹۳۰) احمد (۲۲۵/۱)]

(۳۱) [نیل الأوطار (۵۶۹/۴) تحفة الأحوذی (۸۴۵/۴) بیهقی (۲۳۴/۸) الروضة الندية (۵۹۳/۲) المرقاة (۱۶۳/۷) سبل السلام (۱۶۸۹/۴)]

(۳۲) [تلخیص الحبیر (۵۵/۴)]

(۳۳) [حسن صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۱۴۵۵) کتاب الحدود : باب ما جاء فیمن یقع علی البهیمة]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کے لیے مردوں کی مشابہت اختیار کرنا کبیرہ گناہ اور حرام ہے' کیونکہ لعنت ہمیشہ کسی حرام اور کبیرہ گناہ پر ہی وارد ہوتی ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی نسل نو اس برائی میں پوری شدت کے ساتھ مبتلا ہو چکی ہے جنہیں ہر ممکن طریقے سے راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔ غالباً انہیں گھروں سے نکالنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تا کہ انہیں دیکھ کر کہیں دوسرے شریف گھرانوں کے افراد بھی اس مرض میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (واللہ اعلم)

1221- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((**ادْفَعُوا الْحُدُودَ مَا وَجَدْتُمْ لَهَا مَدْفَعًا**)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جن حدود کو دور ہٹانے کی تم گنجائش پاؤ انہیں دور ہٹاؤ۔" [اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

1222- وَ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِلَفْظِ: ((**ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**)) وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا۔

اور ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ "جتنی استطاعت ہے مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ۔" [یہ روایت بھی ضعیف ہے۔]

1223- وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهِ بِلَفْظِ: ((**ادْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ**))۔

اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ان لفظوں میں روایت کیا ہے کہ "شبہات کی وجہ سے حدود کو دور ہٹاؤ۔"

لغوی توضیح ادْرَءُوا فعل امر کا صیغہ ہے باب دَرَأَ يَدْرَأُ (بروزن منع) سے' اس کا معنی ہے "دور کرنا' ہٹانا"۔ **مَدْفَعًا** دور ہٹانے کا راستہ و گنجائش۔ **الشُّبُهَات** سے مراد ایسے اُمور ہیں جن سے حد ساقط کرنے کی گنجائش نکلتی ہو مثلاً عورت کہے کہ مجھے زنا پر مجبور کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

فهم الحدیث ان روایات سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ جب تک مکمل طور پر ثبوت نہ مل جائے کسی پر حد نافذ نہیں کرنی چاہیے اور اگر کسی جرم کے سلسلے میں شبہ پیدا ہو جائے تو پھر حد نافذ نہ کرنا ہی اولیٰ و بہتر ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط کر دینا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں شبہات کے باوجود حدود قائم کر دوں۔ (٣٤) امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (٣٥)

1224- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ان

1221- [**ضعیف**: ضعیف ابن ماجہ' ابن ماجہ (٢٥٤٥) كتاب الحدود: باب الستر على المومن ودفع الحدود بالشبهات' شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1222- [**ضعیف**: ضعیف ترمذی' ترمذی (١٤٢٤) كتاب الحدود: باب ما جاء في درء الحدود' حاکم (٣٨٤/٤)' شیخ عبد اللہ بسام رحمہ اللہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1223- [دارقطنی (٨٤/٣) بیہقی (٢٣٨/٨)]

1224- [**صحیح**: صحیح الجامع الصغیر (١٤٩) حاکم (٢٤٤/٤) شیخ عبداللہ بسام رحمہ اللہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٣٤) [ابن أبي شيبة (٢/٧٠/١١)] (٣٥) [نيل الأوطار (٥٥٣/٤)]

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اجْتَنِبُوا هٰذِهِ الْقَاذُورَاتِ الَّتِي نَهَى اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا، فَمَنْ أَلَمَّ بِهَا فَلْيَسْتَتِرْ بِسَتْرِ اللّٰهِ تَعَالَى، وَلْيَتُبْ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى، فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِ لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالَى)) رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَهُوَ فِي الْمُوَطَّا مِنْ مَرَاسِيلِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ۔

گندے کاموں سے اجتناب کرو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جو ان میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈالے ہوئے پردے میں چھپا رہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا رہے کیونکہ جس نے اپنی پیٹھ (یعنی حقیقتِ حال) کو ہمارے سامنے ظاہر کیا ہم اس پر اللہ تعالیٰ کی کتاب (کا حکم) نافذ کر دیں گے۔'' [اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ روایت مؤطا میں مراسیلِ زید بن اسلم سے ہے۔]

لغوی توضیح اَلْقَاذُوْرَات جمع ہے اَلْقَاذُوْرَۃ کی' اس کا معنی ہے ''گندے اور فحش افعال و حرکات'' مثلاً زنا وغیرہ۔ أَلَمَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے اور المام سے ماخوذ ہے' مراد ہے جس نے جرم کا ارتکاب کیا۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی انسان سے کوئی برائی سرزد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ بھی اسے مخفی رکھے اور خفیہ طور پر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگتا رہے لیکن اگر وہ اس جرم کو ظاہر کر دے یا معاملہ عدالت تک پہنچ جائے تو پھر اس میں معافی نہیں بلکہ اس پر لازماً شرعی حد نافذ کر دی جائے گی۔ آئندہ حدیث نمبر 1241 بھی اس کی مؤید ہے۔

باب حد القذف — تہمتِ زنا کی حد کا بیان

1225- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ وَتَلَا الْقُرْآنَ، فَلَمَّا نَزَلَ أَمَرَ بِرَجُلَيْنِ وَامْرَأَةٍ فَضُرِبُوا الْحَدَّ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ وَأَشَارَ إِلَيْهِ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب میری براءت کے متعلق آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اس کا ذکر کیا اور قرآن کی تلاوت فرمائی' پھر جب منبر سے نیچے اترے تو دو آدمیوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا تو انہیں (اسی کوڑے) حد لگائی گئی۔ [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور بخاری نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔]

لغوی توضیح قذف کا معنی ہے ''تہمت لگانا' پھینکنا'' یہ مصدر ہے باب قَذَفَ يَقْذِفُ (بروزن ضرب) سے۔ باب قَاذَفَ يُقَاذِفُ (بروزن مفاعلة) ایک دوسرے کو تہمت لگانا اور باب اِسْتَقْذَفَ يَسْتَقْذِفُ (بروزن استفعال) تہمت لگانا' کے معانی میں مستعمل ہیں۔ اصطلاحاً آدمی کا کسی دوسرے پر زنا کی تہمت لگانا قذف کہلاتا ہے۔ (٣٦) کسی پر زنا کی تہمت لگانا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور: ٢٣] ''یقیناً جو لوگ پاکدامن' بےخبر' مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں۔''

1225- [حسن: صحيح ابو داود' ابو داود (٤٤٧٤) كتاب الحدود: باب في حد القذف' ترمذى (٣١٨١) نسائى فى السنن الكبرى (٧٣٥٢) ابن ماجه (٢٩٢٥) احمد ٦٠/٣٥-٦١) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(٣٦) [الفقه الإسلامي وأدلته (٥٣٩٨/٧)]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''سات ہلاک کرنے والے کاموں سے بچو (ان میں سے ایک آپ ﷺ نے یہ ذکر فرمایا) ''پاکدامن' بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔''(۳۷) تہمت زنا کی حداسی (80) کوڑے ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً﴾ [النور : ٤]'اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے انہیں اسی (80) کوڑے لگاؤ۔'' امام شوکانی ؒ نے فرمایا ہے کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(۳۸) لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي جب میری براءت نازل ہوئی۔ مراد سورۂ نور کی گیارہ سے لے کر بیس تک دس آیات ہیں۔ دراصل جب 6ھ میں غزوہ مریسیع سے واپسی پر منافقین نے حضرت عائشہ ؓ کو حضرت صفوان بن معطل ؓ کے ساتھ متہم کیا اور اس بات کو اتنا مشہور کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے تین مخلص صحابہ' حضرت حسان ؓ، حضرت مسطح ؓ اور حضرت حمنہ بنت جحش ؓ' بھی اس میں شریک ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ خود بھی اس باعث کم وبیش ایک ماہ تک پریشان رہے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ ؓ کی براءت میں آیات نازل فرما دیں' تو آپ ﷺ نے تینوں صحابہ کو تہمت زنا لگانے کی بنا پر اسی اسی کوڑے لگوائے۔ مذکورہ بالا روایت میں جو دو مردوں اور ایک عورت کو حد قذف لگانے کا ذکر ہے ان سے یہی تینوں صحابہ مراد ہیں۔

1226- وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أَوَّلُ لِعَانٍ كَانَ فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ شَرِيكَ بْنَ سَحْمَاءَ قَذَفَهُ هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ بِامْرَأَتِهِ ' فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : ((الْبَيِّنَةَ وَإِلَّا فَحَدٌّ فِي ظَهْرِكَ)) ...... الْحَدِيثَ ـ أَخْرَجَهُ أَبُو يَعْلَى وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ـ

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ اسلام میں پہلا لعان کا واقعہ یہ تھا کہ ہلال بن امیہ نے شریک بن سحماء پر اپنی بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا ''ثبوت پیش کرو ورنہ تجھے حد لگائی جائے گی۔'' [اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

1227- وَفِي الْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ـ

اور بخاری میں اسی طرح حضرت ابن عباس ؓ سے بھی مروی ہے۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اس پر بھی حد واجب ہے' لیکن یہ حکم لعان کے ساتھ منسوخ ہو چکا ہے۔ البتہ اگر شوہر لعان بھی نہ کرے اور گواہ بھی پیش نہ کرے تو پھر اس پر حد لگائی جائے گی۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔(۳۹)

1228- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((لَقَدْ أَدْرَكْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان ؓ اور ان کے بعد

1226- [صحيح : صحيح نسائي ' نسائي (١٧٢/٦-١٧١٣) كتاب الطلاق : باب كيف اللعان ' أبو يعلى (٢٨٢٤) شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1227- [بخاري (٤٧٤٧) كتاب تفسير القرآن : باب ويدرأ عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات ' ابو داود (٢٢٥٤) ترمذي (٣١٧٩) ابن ماجه (٢٠٦٧) احمد (٢٣٨/١) بيهقي (٣٩٣/٧)]

1228- [مالك (٨٢٨/٢) بيهقي (٢٥١/٨٠) شیخ عبداللہ بسام ؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٣٧) [بخاري (٦٨٥٧) كتاب الحدود : باب رمي المحصنات]

(٣٨) [السيل الجرار (٣٤١/٤)] (٣٩) [سبل السلام (١٢٥/٤)]

وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَمَنْ بَعْدَهُمْ فَلَمْ أَرَهُمْ يَضْرِبُوْنَ الْمَمْلُوكَ فِي الْقَذْفِ إِلَّا أَرْبَعِيْنَ)) رَوَاهُ مَالِكٌ وَ الثَّوْرِيُّ فِيْ جَامِعِهِ ۔

والوں کا زمانہ پایا۔ میں نے انہیں غلاموں کو حدِ قذف میں چالیس سے زیادہ کوڑے مارتے ہوئے نہیں دیکھا۔[اسے مالک اور ثوری نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد سے نصف حد لگائی جائے گی یعنی آزاد کی حدِ قذف اسّی کوڑے ہے تو غلام کو چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ جمہور علما اور حافظ ابن حجرؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام لیثؒ، امام زہریؒ، امام اوزاعیؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ...... ﴾ کے عموم کی وجہ سے غلام کو بھی مکمل حد لگانے کے قائل ہیں۔ (۴۰) امام ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۴۱) نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں کہ جس آیت میں نصف حد کا ذکر ہے وہ زنا کے متعلق ہے ﴿ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ...... ﴾ [النساء : ۲۵] لہٰذا حدِ قذف کو حدِ زنا پر قیاس کرنا درست نہیں بلکہ غلام کو بھی مکمل حدِ قذف لگائی جائے گی۔ (۴۲) امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ غلام کو بھی مکمل حد لگائی جائے گی۔ (۴۳) یہی رائے زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

1229- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ كَمَا قَالَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اپنے غلام پر تہمتِ زنا لگائی اس پر روزِ قیامت حد قائم کی جائے گی الا کہ اسی طرح ہو جیسے اس نے کہا۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام پر جھوٹی تہمت لگانا مالک پر حرام ہے اور اگر وہ ایسا کرے گا تو دنیا میں تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی (اس پر علما کا اتفاق ہے (۴۴)) لیکن روزِ قیامت وہ سزا سے نہیں بچ پائے گا' ہاں اگر غلام نے واقعی جرم کیا ہو اور مالک تہمت میں سچا ہو تو پھر مالک کو چھوڑ دیا جائے گا اور غلام کو سزا دی جائے گی۔

باب حد السرقة — چوری کی حد کا بیان

1230- عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبُعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر ربع دینار یا اس سے زیادہ مالیت کی چوری میں۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں اور بخاری کے لفظ یہ ہیں]

1229- [بخاری (٦٨٥٨) كتاب الحدود : باب قذف العبيد ' مسلم (١٦٦٠) ابو داود (٥١٦٥) ترمذی (١٩٤٧) احمد (٤٣١/٢) دارقطنی (٢١٣/٣) بيهقی (١٠/٨)]

1230- [بخاری (٦٧٨٩-٦٧٩١) كتاب الحدود : باب قول الله تعالى والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما ' مسلم (١٦٨٤) ابو داود (١٣٨٣-١٣٨٤) ترمذی (١٤٤٥) نسائی (٧٧/٨) ابن ماجه (٢٥٨٥) دارمی (٢٣٠٠) ابن الجارود (٨٢٤) دارقطنی (١٨٩/٣) بيهقی (٢٥٨/٨)]

(٤٠) [فتح البارى (٤٩٥/١٥)]

(٤١) [المحلى بالآثار (٧١/١٢)]

(٤٢) [الروضة الندية (٦٠٧/٢)]

(٤٣) [سبل السلام (١٦٩٧/٤)]

(٤٤) [كما فى توضيح الأحكام (٢٦٠/٩)]

وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ، وَ لَفْظُ الْبُخَارِيِّ: ((تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا))۔

"ربع دینار یا اس سے زیادہ مالیت کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔"

1231- وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: ((اقْطَعُوا فِي رُبْعِ دِينَارٍ، وَلَا تَقْطَعُوا فِيمَا هُوَ أَدْنَى مِنْ ذَالِكَ))۔

اور احمد کی ایک روایت میں ہے کہ "ربع دینار (کی چوری) میں ہاتھ کاٹ دو اور اس سے کم مالیت کی چوری میں نہ کاٹو۔"

1232- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹے، جس کی قیمت تین درہم تھی۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح السَّرِقَه سے مراد چرائی ہوئی چیز ہے۔ باب سَرَقَ يَسْرِقُ (بروزن ضرب) اور باب اِسْتَرَقَ يَسْتَرِقُ (بروزن افتعال) چرانا۔ سَارِق اور سَرُوْق "چور" کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً چوری کسی کا مال اس کی حفاظت کی جگہ سے چھپ کر لینے کو کہتے ہیں جسے لینا جائز نہ ہو۔ فَصَاعِدًا کا معنی ہے وَلَوْ زَادَ یعنی اگر اس سے زیادہ ہو۔ مِجَنٌّ ڈھال کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث ان احادیث میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا نصاب مذکور ہے اور وہ ہے دینار کا چوتھائی حصہ یا تین درہم (اُن دنوں تین درہم اور چوتھائی دینار کی قیمت برابر تھی)۔ اگر چور اتنی یا اس سے زائد مالیت کی چیز چرائے گا تو پھر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا بصورت دیگر نہیں۔ جمہور علما اور خلفائے اربعہ اسی کے قائل ہیں، احناف کا کہنا ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا نصاب دس درہم ہے اور اہل ظاہر نے کہا ہے کہ چوری کم مالیت کی ہو یا زیادہ کی قرآنی آیت کے عموم اور آئندہ حدیث کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا (واضح رہے کہ اس مسئلے میں امام شوکانی نے گیارہ اور حافظ ابن حجر نے اُنیس مذاہب نقل فرمائے ہیں، تفصیل کا طالب انکی طرف رجوع کرسکتا ہے)۔(٤٥) جمہور کا موقف گزشتہ صحیح احادیث کے مطابق ہونے کی بنا پر راجح ہے۔

1233- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَعَنَ اللَّهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ أَيْضًا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس چور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو انڈہ چوری کر کے اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے اور رسی چوری کر کے اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔" [بخاری، مسلم]

1231- [احمد (٣٦/٦) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

1232- [بخاری (٦٧٩٥-٦٧٩٨) كتاب الحدود: باب قول الله تعالى والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما، مسلم (١٦٨٦) ابو داود (٤٣٨٦) ترمذی (١٤٤٦) نسائی (٧٦/٨) ابن ماجه (٢٥٨٤) احمد (٦/٢-٥٤) دارمی (٢٣٠١) ابن الجارود (٨٢٥) دارقطنی (١٩٠/٣)]

1233- [بخاری (٦٧٨٣-٦٧٩٩) كتاب الحدود: باب لعن السارق إذا لم يسم، مسلم (١٦٨٧) نسائی (٦٥/٨) ابن ماجه (٢٥٨٣) احمد (٢٥٣/٢) بیهقی (٢٥٣/٨٠)]

(٤٥) [نيل الأوطار (٥٧٦/٤-٥٧٨) فتح الباری (٦١/١٤) الأم للشافعی (١٣٠/٦) الاختيار (١٠٣/٤) المغنی (٤١٦/١٢) بداية المجتهد (٤٤٧/٢)]

فهم الحديث اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی معمولی چیز کی ہی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اہل ظاہر نے اسی سے استدلال کیا ہے۔ لیکن دیگر اہل علم نے اس حدیث کی وضاحت یوں کی ہے کہ اگرچہ انڈہ اور رسّی معمولی اشیاء ہیں لیکن جب انسان ان کی چوری شروع کر دیتا ہے تو آہستہ آہستہ اسے چوری کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر وہ ایک دن اُس چیز کی بھی چوری کر گزرتا ہے جس کی قیمت نصابِ سرقہ کے برابر ہوتی ہے اور وہ اپنا ہاتھ کٹوا بیٹھتا ہے۔

1234- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟)) ثُمَّ قَامَ: فَخَطَبَ، فَقَالَ: ((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ، وَلَهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتِ امْرَأَةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَطْعِ يَدِهَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے) فرمایا ''کیا تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا ''اے لوگو! بلاشبہ تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کر دیا کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں] اور مسلم میں ہی ایک دوسری سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، ایک عورت لوگوں سے اُدھار (چیزیں) لیا کرتی تھی اور پھر انکار کر دیتی تھی تو نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔

فهم الحديث پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود کے معاملے میں کسی کی سفارش کرنا حرام ہے، خواہ کوئی مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، غیر ہو یا عزیز۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کی سفارش حدودِ الٰہی میں سے کسی حد کے درمیان حائل ہوگئی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے۔''(٤٦) مذکورہ بالا دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اُدھار چیز لے کر اس کا انکار کر دے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابن حزمؒ اور اہل ظاہر اسی کے قائل ہیں۔ جمہور کا کہنا ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ قرآن میں سارق (چور) کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور یہ لغوی اعتبار سے سارق نہیں۔(٤٧) امام ابن قیمؒ نے فرمایا ہے کہ اُدھار کا انکار بھی سرقہ میں شامل ہے۔(٤٨) نواب صدیق حسن خانؒ نے جمہور کا جواب یوں دیا ہے کہ اگرچہ لغوی اعتبار سے سارق نہیں لیکن شرعی اعتبار سے تو سارق ہے اور شرع کو لغت پر ترجیح حاصل ہے۔(٤٩) امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث امانت کا انکار کرنے والے

1234- [بخاری (٣٤٧٥-٦٧٨٨) كتاب أحاديث الأنبياء: باب حديث الغار، مسلم (١٦٨٨) ابو داود (٤٣٧٣) ترمذی (١٤٣٠) نسائی (٧٢/٨) ابن ماجه (٢٥٤٧) احمد (٦٢/٦) دارمی (٢٣٠٢)]
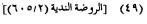
(٤٦) [صحيح: صحيح ابو داود (٣٠٦٦) كتاب القضاء: باب في الرجل يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها، ابو داود (٣٥٩٧) احمد (٥٥٤٤- بتحقيق شاكر) حاكم (٣٨٣/٤)]

(٤٧) [نيل الأوطار (٥٨٥/٤) المحلى بالآثار (٣٥٨/١٢)]

(٤٨) [زاد المعاد (٥٠/٥)] (٤٩) [الروضة الندية (٦٠٥/٢)]

پر بھی صادق آتی ہے کہ وہ چور ہے اور برحق بات یہی ہے کہ امانت کا انکار کرنے والے کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہ ان دلائل سے خاص ہوگا جن میں حرز کا اعتبار ہے۔(۵۰) امام احمدؒ وغیرہ کا مؤقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔(واللہ اعلم) نیز یہ بھی یاد رہے کہ جس روایت میں ہے کہ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے گھر سے ایک چادر چرائی تھی' وہ ضعیف ہے۔(۵۱)

1235- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ قَطْعٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ أَيْضًا التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" خائن' ڈاکو اور غاصب کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"[اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور اسے ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح خَائِن وہ ہے جو ظاہراً خیر خواہ اور خفیہ (دھوکہ وفریب کے ذریعے) مال حاصل کرنے والا ہو۔ مُخْتَلِسْ جو کسی کا مال جھپٹا مار کر سلب کرلے۔ مُنْتَهِب جو زبردستی غلبہ پا کر مال چھین لے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان تینوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ شافعیہ اور حنفیہ اسی کے قائل ہیں۔(۵۲) جبکہ امام احمدؒ نے کہا ہے کہ ان سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔(۵۳) امام نوویؒ نے نقل فرمایا ہے کہ قاضی عیاضؒ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کاٹنے کی سزا چور پر واجب کی ہے جبکہ اس کے علاوہ اختلاس' انتہاب اور غصب میں نہیں۔(۵۴) پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔

1236- وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ)) رَوَاهُ الْمَذْكُورُونَ وَصَحَّحَهُ أَيْضًا التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا" پھل اور درختِ خرما کے گوند (کی چوری) میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں۔"[اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح كَثَر سے مراد وہ گوند ہے جو کھجور کے درخت کے وسط میں ہوتی ہے اور اسے کھایا بھی جاتا ہے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوا کہ پھلوں اور درختِ خرما کی گوند کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ دراصل چوری کی سزا کے لیے اہل علم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ چیز محفوظ جگہ سے چرائی گئی ہو اور اہل مدینہ کے

1235- [**صحیح**: صحیح ترمذی' ترمذی (۱٤٤٨) كتاب الحدود : باب ما جاء فی الخائن والمختلس والمنتهب' ابو داود (٤٣٩١) نسائی (٨٨/٨) ابن ماجه (٢٥٩١) احمد (٣٨٠/٣) ابن حبان (٤٤٥٧) بیهقی (٢٧٩/٨٠) حاكم (٣٨٢/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1236- [**صحیح**: صحیح ابو داود' ابو داود (٤٣٨٨) كتاب الحدود : باب ما لا قطع فيه' ترمذی (١٤٤٩) نسائی (٨٧/٨) ابن ماجه (٢٥٩٣) احمد (٤٦٣/٣) دارمی (٢٣٠٤) ابن حبان (٤٤٦٦) بیهقی (٢٦٢/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٥٠) [نيل الأوطار (٥٨٦/٤)]

(٥١) [**ضعیف**: ضعیف ابن ماجة (٥٥٥) كتاب الحدود : باب الشفاعة فی الحدود' ابن ماجة (٢٥٤٨) ابن ابی شیبة (٤٧٤/٥)' (٢٨٠٨١) حاكم (٣٧٩/٤) بیهقی (٢٨١/٨)]

(٥٢) [تحفة الأحوذی (٨٣٥/٤)]

(٥٣) [نيل الأوطار (٥٨٣/٤)]

(٥٤) [شرح مسلم (١٩٩/٦)]

باغات چونکہ غیر محفوظ ہوا کرتے تھے اس لیے ان کے پھلوں کی چوری کو قطع ید سے مستثنیٰ کیا گیا جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر باغات کے گرد دیوار یا کوئی اور باڑ وغیرہ لگا کر انہیں محفوظ کر لیا گیا ہو تو پھر وہاں سے پھل چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا بشرطیکہ چوری شدہ پھل کی قیمت نصاب سرقہ (یعنی چوتھائی دینار یا تین درہم) تک پہنچتی ہو۔

1237- وَعَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِلِصٍّ قَدِ اعْتَرَفَ اعْتِرَافًا وَلَمْ يُوجَدْ مَعَهُ مَتَاعٌ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ)) قَالَ بَلَى ، فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ، فَأَمَرَ بِهِ فَقُطِعَ ، وَجِيءَ بِهِ ، فَقَالَ : ((اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ)) فَقَالَ : أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ ، فَقَالَ : ((اللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ)) ثَلَاثًا ۔ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ وَأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔

حضرت ابوامیہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا' اس نے چوری کا اعتراف بھی کر لیا لیکن اس سے سامان برآمد نہ ہوا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا ''میں خیال نہیں کرتا کہ تم نے چوری کی ہو۔'' اس نے کہا کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اسی طرح دُہرایا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے متعلق حکم دیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا' پھر اسے لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور توبہ کر۔'' اس نے کہا' میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا ''اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔'' [اسے ابوداود، احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے، یہ لفظ ابوداود کے ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

1238- وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، فَسَاقَهُ بِمَعْنَاهُ ، وَقَالَ فِيهِ : ((اذْهَبُوا بِهِ فَاقْطَعُوهُ ، ثُمَّ احْسِمُوهُ)) وَأَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ أَيْضًا ، وَقَالَ : لَا بَأْسَ بِهِ ۔

اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے لے جاؤ' اس کا ہاتھ کاٹ دو اور پھر اسے داغ دو۔'' [اسے بزار نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔]

لغوی توضیح لِصّ چور کو کہتے ہیں' اس کی جمع لصوص آتی ہے۔ مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ میرا خیال نہیں کہ تم نے چوری کی ہو' اس بات سے اسے اپنے اعتراف سے رجوع کرنے کی تلقین کرنا تھا۔ احْسِمُوهُ فعل امر کا صیغہ ہے باب حَسَمَ يَحْسِمُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''داغ دینا''۔

فهم الحديث اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ چوری کی حد نافذ کرنے کے لیے چور کی طرف سے کم از کم دو مرتبہ اقرار ضروری ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ اقرار بھی کافی ہے۔(۵۵) یہی مؤقف راجح ہے کیونکہ اولاً مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے اور ثانیاً اس میں مجرد آپ ﷺ کے

1237- [ضعيف : ضعيف ابو داود ' ابو داود (٤٣٨٠) كتاب الحدود : باب في التلقين في الحد ' نسائي (٦٧/٨) ابن ماجه (٢٥٩٧) احمد (٢٩٣/٥) دارمي (٢٣٠٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1238- [دارقطني (١٠٢/٣) حاكم (٣٨١/٤) بيهقي (٢٧٥/٨) بزار في كشف الأستار (١٥٦٠) ابو داود في المراسيل (٢٤٤)]

(٥٥) [نيل الأوطار (٥٨٧/٤)]

فعل کا ذکر ہے جس سے کسی کام کا لازم وشرط ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ کر اس کے زخم کو داغ دینا چاہیے تاکہ خون بند ہو جائے۔ اگرچہ یہ روایت بھی ضعیف ہے لیکن اگر زخم کو داغا نہ جائے تو پھر مسلسل خون بہنے کی وجہ سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے گی جو کہ یقیناً ہاتھ کاٹنے سے مقصود نہیں' نیز مسلمانوں کی جان بچانا بھی فرض ہے اور یہ خیر کے کام میں تعاون بھی ہے' اس لیے ہاتھ کاٹنے کے بعد کسی بھی دوا کے ذریعے خون بند کرنا ضروری ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ ہاتھ کاٹنے والے کو اُجرت اور داغنے والے کو دوا وغیرہ کی قیمت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔(٥٦)

1239- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا يَغْرَمُ السَّارِقُ إِذَا أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ بَيَّنَ أَنَّهُ مُنْقَطِعٌ ' وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ : هُوَ مُنْكَرٌ -

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب چور پر حد قائم کر دی جائے تو پھر مال کی ضمانت اس پر نہیں۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ منقطع ہے اور ابوحاتم نے اسے منکر کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور مالِ مسروقہ تلف ہو چکا ہو تو پھر اس کی ادائیگی چور کے ذمہ لازم نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے یہی مؤقف اپنایا ہے۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس لیے یہ مؤقف درست نہیں بلکہ اس سلسلے میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مؤقف قوی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چور پر مطلقاً دو حق واجب ہو جاتے ہیں ایک اللہ کا حق جو اقامتِ حد کی صورت میں ادا ہوتا ہے اور دوسرا بندے کا حق جو مالِ مسروقہ کی واپسی کے ساتھ ادا ہوتا ہے' اگر وہ چیز اس کے پاس بعینہٖ موجود ہو تو وہ اسے واپس کرے' اگر نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کرے اور اگر تنگ دست ہونے کی بنا پر قیمت ادا نہ کر سکے تو پھر بھی وہ دیگر حقوق (مثلاً قرض وغیرہ) کی طرح اس کے ذمہ ثابت ہو جائے گا' جب وہ ادائیگی کے قابل ہو جائے گا تب اسے ادا کرے گا۔

1240- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ ؟ فَقَالَ : ((مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ' وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ الْغَرَامَةُ وَالْعُقُوبَةُ ' وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ -

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے لٹکے ہوئے پھل (توڑنے) کے متعلق دریافت کیا گیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص (پھلوں کو) ضرورت کے وقت اپنے منہ سے پکڑے اور چھپا کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ (سرزنش) نہیں اور جو اسے اٹھا کر لے جائے اس پر تاوان بھی ہے اور سزا بھی اور جو شخص اس صورت میں کوئی چیز اٹھائے کہ مالک نے اسے توڑ کر ڈھیروں کی صورت میں محفوظ کر لیا ہو اور اس چوری شدہ چیز کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس میں (ہاتھ) کاٹا جائے گا۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1239- [ضعيف : ضعيف نسائی ' نسائی (٩٣/٨) كتاب قطع السارق : باب تعليق يد السارق فی عنقه ' شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو منقطع اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1240- [حسن : صحيح ابو اود ' ابو داود (٤٣٩٠) كتاب الحدود : باب ما لا قطع فيه ' ترمذی (١٢٨٩) نسائی (٨٥/٨) ابن ماجه (٢٥٩٦) احمد (١٨٠/٢) حاكم (٣٨١/٤) بيهقی (٢٧٨/٨) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٥٦) [سبل السلام (١٧١١/٤) نيل الأوطار (٥٨٩/٤)]

لغوی توضیح خُبْنَة کپڑے کا کنارہ اور پلو۔ مراد یہ ہے کہ کپڑے میں باندھ کر نہ لے جائے۔ جَرِیْن کھجور خشک کرنے کی جگہ۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بھوکا شخص پھلوں کے درخت دیکھے اور کچھ پھل کھا کر اپنا پیٹ بھر لے اور چلتا بنے تو اس پر کوئی حد یا تاوان نہیں' لیکن اگر وہ پھل اتار کر کھا بھی لے اور ساتھ بھی لے جائے تو پھر اسے کچھ سزا (زیادہ سے زیادہ دس کوڑے) بھی دی جائے گی اور اس کے ذمہ اتارے ہوئے پھلوں کی قیمت ادا کرنا بھی لازم ہوگا اور اگر مالک پھل درختوں سے اتار کر محفوظ کر چکا ہو اور کوئی وہاں سے بلا اجازت پھل اٹھا لے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا بشرطیکہ اٹھائی ہوئی چیز کی قیمت تین درہم یا ربع دینار تک پہنچتی ہو۔ اہل علم نے اسی حدیث سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ ہاتھ صرف اسی صورت میں کاٹا جائے گا جب کسی کے محفوظ مال سے کچھ چوری کیا گیا ہو۔

1241- وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ۔ لَمَّا أَمَرَ بِقَطْعِ الَّذِي سَرَقَ رِدَاءَهُ فَشَفَعَ فِيهِ ۔ : ((هَلَّا كَانَ ذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ ؟)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس نے ان (یعنی صفوان رضی اللہ عنہ) کی چادر چرائی تھی اور انہوں نے اس (چور) کے بارے میں سفارش کی تھی' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اسے میرے پاس لانے سے پہلے تو نے ایسا کیوں نہ کیا۔" [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن جارود اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ مسجد میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے آپ کی چادر اٹھالی' حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اس چور کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا' جب یہ سنا تو صفوان رضی اللہ عنہ کو ترس آ گیا اور انہوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ اسے معاف کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا "تو نے ہمارے پاس آنے سے پہلے ایسا کیوں نہ کیا۔" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب معاملہ شرعی عدالت میں پہنچ جائے تو پھر لازماً سزا دی جائے گی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "آپس میں حدود کو معاف کر دیا کرو لیکن جو حد کا معاملہ میرے پاس پہنچ گیا تو (سمجھ لو) وہ واجب ہوگئی۔"(۵۷) امام ابن عبدالبرؒ نے فرمایا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جب معاملہ سلطان وحکمران کے پاس پہنچ جائے گا تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ حد کو نافذ کرے۔(۵۸)

1242- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چور کو نبی کریم ﷺ کے

1241- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٣٩٤) كتاب الحدود : باب من سرق من حرز' نسائی (٦٨/٨) ابن ماجه (٢٥٩٥) مالك (٨٣٤/٢) احمد (٤٦٥/٦) ابن الجارود (٨٢٨) حاكم (٣٨٠/٤) بیهقی (٢٦٥/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1242- [ابو داود (٤٤١٠) كتاب الحدود : باب فی السارق یسرق مرارا' نسائی (٩٠/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن یزید بن سنان ہے' جسے دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔]

(٥٧) [صحیح : صحیح ابو داود (٣٦٨٠) كتاب الحدود : باب یعفی عن الحدود ما لم تبلغ السلطان' ابو داود (٤٣٧٦) نسائی (٦٠/٨)]

(٥٨) [الاستذکار لابن عبدالبر (١٧٧/٢٤)]

جِيءَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: ((اقْتُلُوهُ)) فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّمَا سَرَقَ؟ قَالَ: ((اقْطَعُوهُ)) فَقُطِعَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: ((اقْتُلُوهُ)) فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّالِثَةَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الرَّابِعَةَ كَذَالِكَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الْخَامِسَةَ، فَقَالَ: ((اقْتُلُوهُ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ اسْتَنْكَرَهُ۔

پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اسے قتل کر دو۔" لوگوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اس نے تو چوری کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس کا ہاتھ کاٹ دو۔" چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر اسے دوسری مرتبہ آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اسے قتل کر دو۔" پھر اسی طرح ذکر کیا۔ پھر اسے تیسری مرتبہ آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو پھر اسی طرح ذکر کیا۔ پھر اسے اسی طرح چوتھی مرتبہ آپ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ پھر پانچویں مرتبہ آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اسے قتل کر دو۔" [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اسے منکر قرار دیا ہے۔]

1243- وَ أَخْرَجَ مِنْ حَدِيثِ الْحَارِثِ بْنِ حَاطِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ، وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ أَنَّ الْقَتْلَ فِي الْخَامِسَةِ مَنْسُوخٌ۔

اور نسائی نے حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور شافعی نے ذکر کیا ہے کہ پانچویں مرتبہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

فہم الحدیث یہ روایت سب کے نزدیک ضعیف ہونے کی بنا پر قابل عمل نہیں۔ امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ مجھے کسی فقیہ کے متعلق علم نہیں کہ اس نے چور کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا ہو خواہ وہ کئی مرتبہ ہی چوری کر لے۔ (۵۹)

باب حد الشارب وبيان المسكر — شرابی کی حد اور نشہ آور چیزوں کا بیان

1244- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ، فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ)) قَالَ: وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: أَخَفُّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ایسا آدمی لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی تو آپ ﷺ نے اسے دو چھڑیوں سے تقریباً چالیس کوڑے لگوائے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سزا دی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب سے ہلکی سزا اسّی کوڑے ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم دے دیا۔ [بخاری، مسلم]

1243- [نسائی (۸۹/۸) امام ذہبیؒ نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ [کما فی التلخیص (۳۸۲/۴)]

1244- [بخاری (۶۷۷۳) کتاب الحدود: باب ما جاء فی ضرب شارب الخمر، مسلم (۱۷۰۶) ابو داود (۴۴۷۹) ترمذی (۱۴۴۳) ابن ماجہ (۲۵۷۰) احمد (۱۱۵/۳) دارمی (۲۳۱۱) بیہقی (۳۱۹/۸)]

(۵۹) [کما فی توضیح الأحکام (۲۹۲/۶)]

1245- وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ فِيْ قِصَّةِ الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ ۔ ((جَلَدَ النَّبِيُّ ﷺ أَرْبَعِيْنَ ، وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِيْنَ ، وَجَلَدَ عُمَرُ ثَمَانِيْنَ ، وَكُلٌّ سُنَّةٌ ، وَهٰذَا أَحَبُّ إِلَيَّ)) وَفِي الْحَدِيْثِ : أَنَّ رَجُلًا شَهِدَ عَلَيْهِ أَنَّهُ رَآهُ يَتَقَيَّأُ الْخَمْرَ ، فَقَالَ عُثْمَانُ : إِنَّهُ لَمْ يَتَقَيَّأْهَا حَتّٰى شَرِبَهَا ۔

اور مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ولید بن عقبہ کے قصہ میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چالیس کوڑے لگوائے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے لگوائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑے لگوائے اور ہر ایک مسنون ہے اور یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی نے یہ گواہی دی کہ اس نے ولید کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اس نے شراب پی ہوگی تب ہی تو اس نے قے کی ہوگی۔

لغوی توضیح اَلْخَمْر شراب۔ شراب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل پر پردہ ڈال دے خواہ مشروبات کی کسی بھی قسم سے ہو۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے'' جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 1252 میں ہے۔
بِجَرِيْدَتَيْنِ کھجور کی دو ٹہنیاں' اس کی واحد جَرِيْدَة آتی ہے۔

فهم الحديث معلوم ہوا کہ شرابی کی حد ثابت ہے۔ البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ شرابی کی حد اسّی کوڑے ہے یا چالیس۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس چالیس کوڑے لگوائے (لیکن جن روایات میں چالیس کوڑوں کا ذکر ہے ان میں ساتھ ہی تقریباً کا بھی ذکر ہے)' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سب نے اسّی کوڑوں کی سزا پر اتفاق کر لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں شرابی کو چالیس کوڑے ہی لگوائے تھے لیکن جب لوگوں نے شراب پینے میں سرکشی کی تو پھر اسّی کوڑوں کی سزا مقرر فرما دی۔ (٦٠) ایک دوسری روایت میں ہے کہ نعمان یا ابن نعمان کو شراب پینے کی وجہ سے لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے تمام گھر والوں کو اسے مارنے کا حکم دیا' (راوی کا بیان ہے کہ) میں ان میں تھا جنہوں نے اسے جوتیوں اور چھڑیوں سے مارا۔ (٦١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شرابی کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ (٦٢) ان روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرابی کو حد لگانا تو واجب ہے البتہ اس کی سزا مقرر نہیں' حاکم وقت جرم کے مطابق ہی سزا تجویز کرے گا۔ (٦٣) امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ شرابی کی حد اسّی کوڑے ہے اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ نے چالیس کوڑے کہا ہے۔ (٦٤) راجح مؤقف یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرابی کی سزا کی مقدار حاکم کی صوابدید پر ہے۔ (واللہ اعلم)

1245- [مسلم (١٧٠٧) كتاب الحدود : باب حد الخمر ' ابو داود (٤٤٨٠) ابن ماجه ٢٥٧١٠ احمد (١٤٤/١) دارمی (٢٣١٢) بيهقى (٣١٨/٨)]

(٦٠) [بخاری (٦٧٧٩) كتاب الحدود : باب الضرب بالجريد والنعال ' نسائی فی السنن الكبرى (٢٥٠/٣) احمد (٤٤٩/٣)]
(٦١) [بخاری (٦٧٧٤ ' ٦٧٧٥) كتاب الحدود : باب الضرب بالجريد والنعال ' احمد (٧/٤)]
(٦٢) [ابو داود (٤٤٧٦) احمد (٣٢٢/١)]
(٦٣) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: السيل الجرار (٣٤٧/٤) الروضة الندية (٦١٢/٢) نيل الأوطار (٥٩٧/٤) سبل السلام (١٧٢٤/٤)]
(٦٤) [المبسوط (٣/٢٤) بداية المجتهد (٤٤٤/٢) الأم للشافعی (١٤٤/٦) فتح القدير (١٨٥/٤) بدائع الصنائع (١١٣/٥) المغنی (٣٠٤/٨) القوانين الفقهية (ص/٣٦١)]

1246- وَ عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي شَارِبِ الْخَمْرِ: ((إِذَا شَرِبَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الثَّالِثَةَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الرَّابِعَةَ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ هٰذَا لَفْظُهُ، وَ الْأَرْبَعَةُ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شرابی کے متعلق فرمایا "جب وہ شراب پیئے تو اسے کوڑے لگاؤ، پھر دوبارہ شراب پیئے تو پھر اسے کوڑے لگاؤ، پھر جب تیسری مرتبہ شراب پیئے تو پھر کوڑے لگاؤ اور جب چوتھی مرتبہ شراب پیئے تو اس کی گردن مار دو۔" [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور یہ احمد کے لفظ ہیں۔]

1247- وَ ذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ مَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ مَنْسُوخٌ، وَ أَخْرَجَ ذٰلِكَ أَبُو دَاوُدَ صَرِيحًا عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

اور ترمذی نے جو ذکر کیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ روایت منسوخ ہے اور ابوداود نے اسے صریحاً زہری سے روایت کیا ہے۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو قتل کر دینا چاہیے، امام ابن حزمؒ اسی کے قائل ہیں۔ (٦٥) لیکن جمہور علما اور ائمہ اربعہ نے کہا ہے کہ قتل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ یہی مؤقف راجح ہے۔ (٦٦) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ شراب پینے والے کو قتل کرنے کا حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو چکا ہے، اسی پر عام اہل علم ہیں اور ہم ان کے درمیان کسی اختلاف کو نہیں جانتے اور اس مسئلے کی مزید تائید وہ حدیث کرتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے "کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تینوں میں سے ایک کے ساتھ؛ جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی اور مرتد۔"

1248- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے (پر مارنے) سے بچے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت حد یا تعزیراً سزا دیتے ہوئے چہرے پر مارنے سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ سزا دینے سے مقصود انسان کو ذلیل و رسوا کرنا نہیں بلکہ اسے اس گناہ سے پاک کرنا ہے جو اس سے سرزد ہوا ہے۔

1246- [حسن صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (٤٤٨٢) كتاب الحدود: باب إذا تتابع فی شرب الخمر، ترمذی (١٤٤٤) ابن ماجه (٢٥٧٣) احمد (٤/٩٥-٩٦) حاكم (٤/٣٧٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1247- [ضعیف: ضعیف ابو داود، ابو داود (٤٤٨٥) كتاب الحدود: باب إذا تتابع فی شرب الخمر، بيهقی (٨/٣١٤) ترمذی (بعد الحديث / ١٤٤٤)]

1248- [بخاری (٢٥٥٩) كتاب العتق: باب إذا ضرب العبد فليجتنب الوجه، الأدب المفرد (١٧٤) مسلم (٢٦١٢) ابو داود (٤٤٩٣) احمد (٢/٢٥١) ابن حبان (٥٥٧٥)]

---

(٦٥) [ترمذی (بعد الحديث / ١٤٤٤) كتاب الحدود: باب ما جاء من شرب الخمر فاجلدوه ومن عاد فی الرابعة فاقتلوه]

(٦٦) [نيل الأوطار (٤/٦٠٤) سبل السلام (٤/١٧٢٦) الروضة الندية (٢/٦١٤)]

1249- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مساجد میں حدود قائم نہ کی جائیں۔'' [اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد میں حدود کا قیام ممنوع ہے۔ اس کی حکمت ایک تو یہ بیان کی گئی ہے کہ مساجد اللہ کے ذکر و عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں اقامت حدود کے لیے نہیں اور دوسرے یہ کہ مساجد کو پاکیزہ وصاف ستھرا رکھنے کا حکم ہے جبکہ حدود کے قیام سے خون وغیرہ کے ذریعے ان کے آلودہ ہونے کا امکان ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عمومی قاعدہ تو یہی ہے کہ ممانعت ممنوع کام کے فاسد ہونے کا تقاضا کرتی ہے' لیکن اگر مسجد میں کسی پر حد قائم کردی جائے تو اسے فاسد سمجھتے ہوئے اس پر دوبارہ حد قائم نہیں کی جائے گی بلکہ پہلی حد ہی اسے کافی ہوگی' البتہ مسجد میں حد قائم کرنے والے نافرمانی کی وجہ سے گناہگار ضرور ہوں گے۔

1250- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((لَقَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ تَحْرِيْمَ الْخَمْرِ وَمَا بِالْمَدِيْنَةِ شَرَابٌ يُشْرَبُ إِلَّا مِنْ تَمْرٍ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کا حکم نازل فرمایا تو اس وقت مدینہ میں صرف کھجور سے تیار کردہ شراب ہی پی جاتی تھی۔ [مسلم]

1251- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ ' وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ : مِنَ الْعِنَبِ ' وَالتَّمْرِ ' وَالْعَسَلِ ' وَالْحِنْطَةِ ' وَالشَّعِيْرِ ' وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو وہ پانچ چیزوں سے تیار کیا جاتی تھی؛ انگور' کھجور' شہد' گندم اور جو سے اور خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ [بخاری' مسلم]

1252- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' [مسلم]

1253- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1249- [حسن : صحیح ترمذی' ترمذی (١٤٠١) كتاب الديات : باب ما جاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا ' ابن ماجه (٢٥٩٩) حاکم (٣٦٩/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن لغیرہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

1250- [مسلم (١٩٨٢) كتاب الأشربة : باب تحريم الخمر وبيان أنها تكون من عصير العنب]

1251- [بخاری (٤٦١٠ـ٥٥٨١) كتاب تفسير القرآن : باب إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ' مسلم (٣٠٣٢) ابو داود (٣٦٦٩) نسائی (٢٩٥/٨)]

1252- [مسلم (٢٠٠٣) كتاب الأشربة : باب بيان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام ' ابو داود (٣٦٧٩) ترمذی (١٨٦١) نسائی (٢٩٦/٨) احمد (١٦/٢)]

1253- [حسن صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (٣٦٨١) كتاب الأشربة : باب النهي عن المسكر ' ترمذی (١٨٦٥) ابن ماجه (٣٣٩٣) احمد (٣٤٣/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

اللّٰہِ ﷺ قَالَ : ((مَا أَسْکَرَ کَثِیرُہُ فَقَلِیلُہُ حَرَامٌ)) ''جس چیز کی کثیر مقدار نشہ کرے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔''

أَخْرَجَہُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَۃُ وَ صَحَّحَہُ ابْنُ حِبَّانَ۔ [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حرمتِ شراب کا حکم نازل ہوا تو مدینہ میں صرف کھجور سے اور دیگر علاقوں میں مذکورہ بالا پانچ اشیاء سے شراب تیار کی جاتی تھی۔ حرمتِ شراب کے حکم سے صحابہ نے یہ سمجھا کہ ہر نشہ آور مشروب حرام ہے خواہ وہ کسی بھی چیز سے تیار ہوا ہو اور خواہ وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر۔ جمہور علما اسی کے قائل ہیں۔ البتہ احناف نے کہا ہے کہ خمر سے مراد صرف انگور سے تیار کردہ شراب ہے' دیگر اشیاء سے تیار کردہ شراب پینے والے کو حد نہیں لگائی جائے گی جب تک اس کے پینے سے نشہ نہ آئے۔ لیکن مذکورہ بالا آخری حدیث سے ان کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ احادیث اہل کوفہ کے اس مذہب کو باطل قرار دیتی ہیں کہ خمر (شراب) صرف وہی ہے جو انگور سے تیار ہوا اور جو انگور کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار ہو وہ خمر نہیں' ان کا یہ قول لغتِ عرب' سنتِ صحیحہ اور عملِ صحابہ کے خلاف ہے۔ (٦٧)

1254- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : ((کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ یُنْبَذُ لَہُ الزَّبِیبُ فِی السِّقَاءِ ' فَیَشْرَبُہُ یَوْمَہُ وَالْغَدَ ' وَبَعْدَ الْغَدِ ' فَإِذَا کَانَ مَسَاءُ الثَّالِثَۃِ شَرِبَہُ وَسَقَاہُ ' فَإِنْ فَضَلَ شَیْءٌ أَھْرَاقَہُ)) أَخْرَجَہُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے منقیٰ مشکیزے میں ڈال کر نبیذ تیار کی جاتی تھی' آپ اسے اس دن' اگلے دن اور اس سے اگلے دن پیا کرتے تھے۔ جب تیسرے دن کی شام ہوتی تو اسے پیتے اور کسی دوسرے کو پلاتے' اگر کچھ بچ جاتی تو اسے بہا دیتے۔ [مسلم]

لغوی توضیح یُنْبَذُ مضارع مجہول کا صیغہ ہے' نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ اَلزَّبِیبُ خشک انگور یعنی منقیٰ۔ اَلسِّقَاءُ مشکیزہ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبیذ کا استعمال جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بالعموم تیسرے دن کے بعد نبیذ میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اس لیے اسے تین دن کے بعد استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین دن تک بہر صورت نبیذ پیا جا سکتا ہے خواہ اس میں نشہ ہی پیدا ہو جائے بلکہ جب بھی نشہ کے اثرات ظاہر ہوں اسے گرا دینا چاہیے خواہ دوسرے دن ہی۔

1255- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : ((إِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَکُمْ فِیمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ)) أَخْرَجَہُ الْبَیْھَقِیُّ وَ صَحَّحَہُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت اُم سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا ان اشیاء میں نہیں رکھی جنہیں تم پر حرام کیا ہے۔'' [اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔]

1254- [مسلم (٢٠٠٤) کتاب الأشربة : باب إباحة النبیذ الذی لم یشتد ولم یصر مسکرا' ابو داود (٣٧١٣) نسائی (٣٣٣/٨) احمد (٢٣٢/١)]

1255- [ابن حبان (١٣٩٧۔الموارد) بیھقی (٥/١٠) شیخ البانیؒ نے ان الفاظ میں حضرت اُم سلمہؓ سے مروی مرفوع روایت کو ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (١٦٣٧)] جبکہ ان الفاظ کو حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً صحیح کہا ہے۔[غایة المرام (٦٧) السلسلة الصحیحة (١٦٣٣)] شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٦٧) [کما فی توضیح الأحکام (٣٠٩/٦)]

1256- وَعَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ يَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ، فَقَالَ: ((إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهَا دَاءٌ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ غَيْرُهُمَا ـ

حضرت وائل حضرمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے شراب سے دواء تیار کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔'' [اسے مسلم اور ابوداود وغیرہ نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح اَلدَّوَاء جس کے ساتھ علاج کیا جاتا ہے' اس کی جمع اَدْوِيَة آتی ہے۔ اَلدَّاء بیماری۔

فهم الحديث مذکورہ بالا دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اور ہر نشہ آور چیز بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ان میں شفاء نہیں بلکہ بیماری ہے۔ ڈاکٹر محمد علی ارجمندی (مدیر اُمورِ صحت محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض) اپنے ایک مقالہ میں شراب کے طبی نقصانات کے متعلق رقمطراز ہیں کہ شراب نوشی منہ' گلہ' مسوڑوں اور زبان کی بیماریوں کا سبب بنتی ہے اور اس سے ایسی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں جو عام علاج سے ختم نہیں ہوتیں' اس سے انسان کی ذائقہ محسوس کرنے والی حس کمزور پڑ جاتی ہے' معدہ بھی متاثر ہوتا ہے' کھانے کی رغبت کم ہو جاتی ہے' انتڑیاں زخمی ہو جاتی ہیں اور مسلسل شراب نوشی سے موت کا واقع ہو جانا بعید از امکان نہیں رہتا۔ (٦٨)

باب التعزير وحكم الصائل — تعزیر اور حملہ آور کے حکم کا بیان

1257- عَنْ أَبِي بُرْدَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: ((لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ تَعَالَى)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ـ

حضرت ابو بردہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے علاوہ (کسی جرم میں) دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلتَّعْزِيْر کا معنی ہے ''سخت مارنا اور ادب دینا۔'' یہ مصدر ہے باب عَزَّرَ يُعَزِّرُ (بروزن تفعیل) سے۔ اصطلاحاً تعزیر سے مراد ایسی سزا ہے جو حد کے علاوہ (ہلکے درجے کی) ہو۔ أَسْوَاط جمع ہے سَوْط کی' اس کا معنی ہے ''کوڑے''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو تعزیر کے طور پر کوڑے لگانے کی نوبت پیش آئے تو اسے دس سے زیادہ کوڑے نہیں لگانے چاہییں۔ امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بطورِ تعزیر دس سے زیادہ کوڑے بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ (٦٩) پہلا موقف ہی راجح ہے۔ (٧٠) یہاں یہ بھی یاد رہے کہ تعزیر جائز ہے

1256- [مسلم (١٩٨٤) كتاب الأشربة: باب تحريم التداوى بالخمر' ابو داود (٣٨٧٣) ترمذى (٢٠٤٦) احمد (٣١١/٤) دارمى (٢٠٩٥)]

1257- [بخارى (٦٨٤٨) كتاب الحدود: باب كم التعزير والأدب' مسلم (١٧٠٨) ابو داود (٤٤٩١) ترمذى (١٤٦٣) ابن ماجه (٢٦٠١) احمد (٤٦٦/٣) دارمى (٢٣١٤) دارقطنى (٢٠٨/٣) حاكم (٣٦٩/٤)]

(٦٨) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: موقف الاسلام من الخمر (ص ٢٦ـ٣٦) بحواله ' شراب كى حرمت ومذمت از شيخ محمد منير قمر (ص ١٧١)]

(٦٩) [نيل الأوطار (٦٠٧/٤) تحفة الأحوذى (٨٥٨/٤) فتح البارى (١٨٥/١٢)]

(٧٠) [نيل الأوطار (٦٠٨/٤)]

واجب نہیں' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بعض ایسے معاملات کی اطلاع دی گئی جن کے فاعلین پر حد لازم نہیں تھی تو آپ ﷺ نے انہیں کچھ نہ کہا مثلاً ماہِ رمضان میں اپنی بیوی سے بحالتِ روزہ ہم بستری کرنے والا' اسی طرح وہ شخص جو ایک عورت سے ملا اور اس نے ہم بستری کے علاوہ اس کے ساتھ سب کچھ کیا وغیرہ وغیرہ۔

1258- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُودَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "معزز لوگوں کی لغزشوں سے حدود کے سوا درگزر کر دیا کرو۔" [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح أَقِيلُوا امر کا صیغہ ہے باب أَقَالَ يُقِيلُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "درگزر کرنا' معاف کرنا"۔ ذَوِي الْهَيْئَاتِ معزز لوگ' اچھی ہیئت والے' صاحبِ عزوشرف۔ عَثَرَات جمع ہے عَثْرَة کی' اس کا معنی ہے "لغزشیں' کوتاہیاں"۔

فهم الحديث اس روایت میں خطاب مسلمانوں کے حکام و امراء اور اُمورِ رعایا کے نگرانوں کو ہے کہ جب حسنِ سیرت و کردار کے مالک حضرات کبھی کسی کوتاہی اور لغزش میں مبتلا ہو جائیں تو ان سے درگزر کر دیا جائے' لیکن یہ لغزش حد کو نہ پہنچتی ہو کیونکہ حد کسی کو بھی معاف نہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

1259- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((مَا كُنْتُ لِأُقِيمَ عَلَى أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتَ فَأَجِدَ فِي نَفْسِي ' إِلَّا شَارِبَ الْخَمْرِ ' فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهُ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر حد قائم نہیں کروں گا کہ وہ مر جائے اور مجھے اپنے دل میں غم محسوس ہو سوائے شرابی کے' کیونکہ اگر وہ (سزا کی وجہ سے) مر گیا تو میں اس کی دیت دوں گا۔ [بخاری]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرابی کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ اسے تعزیر لگائی جائے گی اور اگر دورانِ تعزیر وہ مر گیا یا کوئی بھی کسی غلطی کی وجہ سے تعزیر میں مر گیا تو حاکم وقت پر اس کی دیت کی ادائیگی لازم ہو گی کیونکہ اس قتل پر قتلِ خطا کا حکم لگایا جائے گا اور قتلِ خطا میں دیت واجب ہوتی ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ (۷۱)

1260- وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

1258- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٤٣٧٥) كتاب الحدود : باب فى الحد يشفع فيه ' نسائى فى السنن الكبرى (٧٢٩٣) احمد ١٨١/٦٠ بيهقى (٣٣٤/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

1259- [بخارى (٦٧٧٨) كتاب الحدود : باب الضرب بالجريد والنعال ' مسلم (١٧٠٧) ابو داود (٤٤٨٦) ابن ماجه (٢٥٦٩) دارقطنى (١٦٥/٣)]

1260- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٤٧٧٢) كتاب السنة : باب فى قتال اللصوص ' ترمذى (١٤٢١) نسائى (١١٥/٧) ابن ماجه (٢٥٨٠) احمد (١٨٧/١) ابن حبان (٣١٩٤) بيهقى (٢٦٦/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۷۱) [دیکھئے: سبل السلام (١٨١/٦)]

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ ۔

نے فرمایا ”جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔“ [اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور سے لڑائی کی جا سکتی ہے۔ اس دوران اگر دفاع کرنے والا مارا جائے تو وہ شہید ہوگا اور اگر حملہ آور مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا' نہ تو قاتل کو اس کا کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی اس سے قصاص و دیت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اس مسئلے کی مزید وضاحت گزشتہ حدیث نمبر 1200 کے تحت گزر چکی ہے۔

1261- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((تَكُوْنُ فِتَنٌ ' فَكُنْ فِيْهَا عَبْدَ اللّٰهِ الْمَقْتُوْلَ ' وَلَا تَكُنِ الْقَاتِلَ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِيْ خَيْثَمَةَ وَ الدَّارَقُطْنِيُّ ۔

حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے ”(میرے بعد) فتنے ہوں گے تو اے اللہ کے بندے! تو ان میں مقتول بن جانا' قاتل نہ بننا۔“ [اسے ابن ابی خیثمہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔]

1262- وَ أَخْرَجَ أَحْمَدُ نَحْوَهُ عَنْ خَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

اور احمد نے حضرت خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

فھم الحدیث اہل علم کا کہنا ہے کہ اس روایت میں جن فتنوں کا ذکر ہے ان سے مراد وہ وقت ہے جب مسلمانوں کا کوئی امیر نہیں ہوگا' ان کی جمعیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگی' وہ آپس میں ہی جنگ و جدل میں مصروف ہوں گے تو اس وقت ان میں سے کسی کے ساتھ بھی مل کر لڑنا درست نہیں بلکہ ان سے الگ رہنا لازم ہے۔ واضح رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اہل حق اور اہل باطل کے درمیان تمیز نہ ہو سکے کیونکہ جب اہل حق کا پتہ ہو تو پھر ان کا تعاون کرنا اور اہل باطل کی سرکوبی کرنا تمام اہل اسلام پر ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ ”باغی گروہ سے اس وقت تک لڑو جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ نہ آئے۔“

1261- [ابن أبی شیبة (۵۵۵/۷) دارقطنی (۱۳۲/۳) بیهقی (۱۸۵/۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1262- [احمد (۲۹۲/۵)]

1263- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِهِ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔
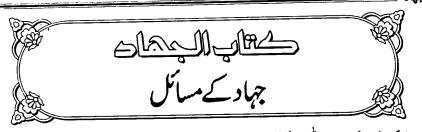
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ نہ تو کبھی اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی اس کا ارادہ ہی پیدا ہوا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔" [مسلم]

لغوی توضیح جِهَاد مصدر ہے باب جَاهَدَ يُجَاهِدُ (بروزن مفاعلہ) سے اس کا معنی ہے پوری طاقت صرف کرنا، دشمن کے ساتھ لڑائی کرنا اور محنت و مشقت کرنا وغیرہ۔ اصطلاحاً جہاد کی مختلف اہل علم نے مختلف تعریفات کی ہیں، مگر ان کا جو خلاصہ و نچوڑ ہے وہ یہ ہے کہ "ہر وہ انتھک محنت و کوشش جہاد میں شامل ہے جو کسی بھی طریقے سے غلبۂ اسلام کی نیت سے کی جائے خواہ وہ محنت انفرادی ہو یا اجتماعی، لسانی ہو یا قلمی، مالی ہو یا جانی۔" واضح رہے کہ جس جدوجہد میں دین اسلام کی سربلندی مقصود نہیں ہوگی وہ جہاد میں ہرگز شامل نہیں۔ وَلَمْ يَغْزُ اس نے کبھی غزوہ یعنی جہاد نہ کیا۔ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِهِ اور نہ ہی اس کے دل میں یہ خیال ہی پیدا ہوا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم جہاد کا ارادہ رکھنا، کہ اے اللہ! جب بھی موقع میسر آئے گا اور حالات اجازت دیں گے تو میں ضرور جہاد میں شرکت کروں گا، ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کیونکہ اگر اس نے ارادہ بھی نہ کیا تو وہ نفاق کے ایک حصے پر مرے گا اور یہ یاد رہے کہ ارادے کی علامت تیاری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ ﴿ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً ﴾ [التوبة : ٤٦] "اور اگر ان کا (جہاد کے لیے) نکلنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اس کے لیے تیاری کرتے۔" لہٰذا ہر مسلمان کو جہادی تربیت ضرور حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے ارادے اور نیت میں سچا بن سکے۔

☐ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ عام حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہے لیکن تین صورتوں میں فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ ① جب لشکر آپس میں ٹکرانے لگیں تو ہر حاضر شخص پر دشمن کے خلاف ڈٹے رہنا فرض عین ہے۔ ② جب دشمن کسی شہر پر حملہ آور ہو جائے تو دفاع کی غرض سے سب پر لڑائی کرنا فرض عین ہے۔ ③ جب امیر المومنین سب کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دے دے تو سب پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ (۱) واضح رہے کہ فرضِ عین سے مراد ایسا فرض ہے جسے کرنا بذات خود ہر مسلمان پر واجب ہو مثلاً نماز اور روزہ وغیرہ اور فرضِ کفایہ وہ ہے جسے اتنے لوگ ادا کریں جو کافی رہیں تو باقی تمام لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے اور اگر اتنے لوگ ادا نہ کریں جو کافی ہوں تو تمام لوگ گناہگار ہوتے ہیں۔ اس کا حکم شروع میں تمام لوگوں کو ہوتا ہے بعد میں دونوں کا فرق یہ ہے کہ فرضِ کفایہ کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے باقی سب سے ساقط ہو جاتا

1263- [مسلم (۱۹۱۰) كتاب الإمارة : باب ذم من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بالغزو، ابو داود (۲۵۰۲) نسائی (۸/٦) احمد (۳۷/۲) بيهقی (٤٨/٩) حاكم (٧٩/٢) ابن الجارود (۱۰۳٦)]

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع (ص/٩٨) تبيين الحقائق (٢٤١/٣) فتح القدير (٢٧٨/٤) الدر المختار (٢٣٩/٣) آثار الحرب (ص/٨٧)]

ہے اور فرض عین کسی ایک کے ادا کرنے سے دوسروں سے ساقط نہیں ہوتا۔ (۲) اس کی مثال نماز جنازہ ہے' یعنی اگر کچھ لوگ نماز جنازہ ادا کرلیں تو سب کے لیے اس میں حاضر ہونا ضروری نہیں لیکن اگر اتنے لوگ بھی حاضر نہ ہوں جو تجہیز و تکفین کے معاملات میں کفایت کرسکیں تو تمام مسلمان گناہ میں فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے شریک ہوں گے۔

1264- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مشرکوں سے اپنے مالوں' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔'' [اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے خلاف ہر طرح سے جہاد کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اگر مال کی ضرورت پیش آئے تو مال پیش کیا جائے' اگر جان کی ضرورت پیش آئے تو جان پیش کی جائے اور اگر کہیں زبان سے کفار کی سازشوں کو بے نقاب کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ جہاد صرف لڑائی کے لیے نہیں بلکہ کفار کے خلاف ہر طرح سے جدوجہد کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

1265- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيهِ، هُوَ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ۔

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں' ایسا جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں اور وہ ہے حج و عمرہ۔'' [اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر دشمنوں کے خلاف جہاد واجب نہیں' کیونکہ وہ ضعیف البدن' رقیق القلب اور خطرات برداشت کرنے کے قابل نہیں' لیکن انہیں حج و عمرہ کرنے سے ہی جہاد کے برابر ثواب مل جاتا ہے جیسے مردوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے سے ثواب ملتا ہے (البتہ اگر ضرورت پیش آجائے تو زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کو پانی وغیرہ فراہم کرنے کی غرض سے خواتین بھی جہاد میں شرکت کرسکتی ہیں جیسا کہ یہ اسوۂ صحابیات سے ثابت ہے)۔

1266- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: ((أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟))

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیا تیرے

1264- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۵۰۴) كتاب الجهاد: باب كراهية ترك الغزو' نسائی (۷/۶) احمد (۱۲۴/۳) دارمی (۲۴۳۱) ابن حبان (۴۷۰۸) حاکم (۸۱/۲) بیهقی (۲۰/۹) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1265- [صحیح: صحیح ابن ماجه' ابن ماجه (۲۹۰۱) كتاب المناسك: باب الحج جهاد النساء' احمد (۷۱/۶) دارقطنی (۲۸۴/۲) مزید دیکھئے: بخاری (۱۸۶۱) بیهقی (۳۲۶/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1266- [بخاری (۳۰۰۴-۵۹۷۲) كتاب الجهاد والسير: باب الجهاد بإذن الأبوين' مسلم (۲۵۴۹) ابو داود (۲۵۲۹) ترمذی (۱۶۷۱) نسائی (۱۰/۶) احمد (۱۶۵/۲) ابن حبان (۳۱۸-۴۲۰)]

(۲) [المغنی (۳۴۵/۸)]

قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : ((فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

والدین زندہ ہیں۔" اس نے عرض کیا' جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "توان دونوں کی خدمت میں جدوجہد کر۔" [بخاری، مسلم]

1267- وَلِأَحْمَدَ وَ أَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ ، وَزَادَ : ((ارْجِعْ فَاسْتَأْذِنْهُمَا ، فَإِنْ أَذِنَا لَكَ ، وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا)) ۔

اور احمد اور ابوداود میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے' اس میں اتنا اضافہ ہے کہ "واپس جا اور ان دونوں سے اجازت لے' اگر وہ تجھے اجازت دیں تو ٹھیک ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ۔"

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد میں شرکت کے لیے والدین کی اجازت واجب ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں' مزید فرماتے ہیں کہ والدین میں سے دونوں یا ان میں سے ایک کی اجازت کے بغیر (جہاد میں شرکت) حرام ہے کیونکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ لیکن جب جہاد فرض عین ہو جائے پھر کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔(۳) امام بغویؒ نے فرمایا ہے کہ جب جہاد فرض عین نہ ہو اور والدین مسلمان ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نہ نکلے لیکن جب جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر کسی اجازت کی ضرورت نہیں اور جب والدین کافر ہوں تو فرض عین یا فرض کفایہ دونوں صورتوں میں جہاد کے لیے بغیر اجازت جانا درست ہے۔(٤) اس سلسلے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ والدین سے اجازت لینا یا نہ لینا مسلمانوں کے امیر پر منحصر ہے اگر وہ کہے تو اجازت لی جائے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے اور اگر وہ نہ کہے تو اجازت نہ لی جائے جیسا کہ اکثر و بیشتر' صحابہ کرام کے متعلق غزوات میں شرکت منقول ہے مثلاً غزوہ بدر' احد' احزاب وغیرہ لیکن کسی کو آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ واپس جاؤ اور اجازت لے کر آؤ۔

1268- وَ عَنْ جَرِيرٍ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ الْمُشْرِكِينَ)) رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ ، وَ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ ، وَرَجَّحَ الْبُخَارِيُّ إِرْسَالَهُ ۔

حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان مقیم ہے۔" [اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے لیکن امام بخاریؒ نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مسلمان کفار کے علاقوں میں رہائش پذیر ہوں اور مجاہدینِ اسلام کفار پر حملہ آور ہو جائیں' جس کے نتیجے میں کچھ مسلمانوں کا بھی خون بہہ جائے تو مجاہدین پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا' اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ کفار کے علاقوں سے نکل کر مسلمانوں کے علاقوں میں سکونت اختیار کی جائے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے ممالک سے مسلمانوں کے ممالک کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي
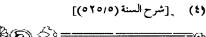
1267- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٢٥٣٠) كتاب الجهاد : باب في الرجل يغزو وأبواه كارهان ' احمد (٧٥/٣-٧٦) ابن حبان (٤٢٢) حاکم (١٠٣/٢) بیهقی (٢٦/٩) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1268- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٢٦٤٥) كتاب الجهاد : باب النهي عن قتل من اعتصم بالسجود ' ترمذی (١٦٠٤) نسائی (٣٥/٨) بیهقی (١٣١/٨) شیخ حازم علی قاضی نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔]

(٣) [نيل الأوطار (٦٨٧/٤) المغني (٢٦/١٣)] (٤) [شرح السنة (٥٢٥/٥)]

الْأَرْضِ قَالُوْا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَأُولٰئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ [النساء: ٩٧] ''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں' تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری پہنچنے کی جگہ ہے۔'' شیخ عبدالرحمٰن سعدیؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں یہ ثبوت موجود ہے کہ (بلادِ کفار سے) ہجرت عظیم واجبات میں سے ہے اور اسے چھوڑنا حرام بلکہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ (٥)

1269- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت فرض نہیں رہی۔ مطلب یہ ہے کہ ہجرت دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف کی جاتی ہے' لیکن جب مکہ فتح ہو کر دارالاسلام بن گیا تو پھر دارالاسلام سے دارالاسلام کی طرف ہجرت فرض نہیں اور اگر اب کوئی مکہ سے مدینہ منتقل ہوگا تو اسے ہجرت کا ثواب نہیں ملے گا۔ البتہ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کا حکم تا قیامت باقی ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 1271 بھی اس کی مؤید ہے۔

1270- وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اس نیت سے قتال کیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک آدمی مالِ غنیمت کے حصول کی نیت سے قتال کرتا ہے' ایک اپنی مدح وستائش کی غرض سے قتال کرتا ہے اور ایک اپنے مقام ومرتبے کو بلند کرنے کے لیے سے قتال کرتا ہے تو ان میں سے اللہ کی راہ میں کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت سے قتال کرے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔'' معلوم ہوا کہ جو جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کی نیت سے نہ کیا جائے وہ اللہ کی راہ میں نہیں بلکہ محض اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہے اور ایسے مجاہد کو اس کا اجر وثواب نہیں بلکہ اُلٹا وبال ہوگا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ روزِ قیامت سب سے پہلے جن تین اشخاص کو جہنم میں پھینکا جائے گا ان میں ایک وہ شہید ہوگا جو دکھاوے کے لیے جہاد کرتا رہا۔ (٦) اس لیے جہاد کے لیے (بھی دیگر نیک اعمال کی طرح) اخلاص ضروری ہے۔ البتہ امام طبریؒ وغیرہ نے فرمایا ہے

1269- [بخاری (٢٨٢٥) كتاب الجهاد والسير: باب وجوب النفير وما يجب من الجهاد والنية' مسلم (١٣٥٣) ابو داود (٢٤٨٠) ترمذی (١٥٩٠) نسائی (١٤٦/٧) احمد (٢٢٦/١) دارمی (٢٥١٢) بیهقی (١٩٥/٥)]

1270- [بخاری (٢٨١٠) كتاب الجهاد والسير: باب من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا' مسلم (١٩٠٤) ابو داود (٢٥١٧) ترمذی (١٦٤٦) نسائی (٢٣/٦) ابن ماجه (٢٧٨٣) احمد (٣٩٢/٤) ابن حبان (٤٦٣٦) بیهقی (١٦٧/٩)]

(٥) [كما فی توضيح الأحكام (٣٤٦/٦)]

(٦) [مسلم (١٩٠٥) كتاب الإمارة: باب من قاتل للرياء' احمد (٣٢١/٢) نسائی (٢٣/٦)]

کہ اگر نیت اعلائے کلمۃ اللہ کی ہو لیکن بعد میں غنیمت اور عزت و مقام بھی حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۷)

1271- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّعْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا قُوْتِلَ الْعَدُوُّ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہجرت منقطع نہیں ہوگی جب تک دشمن سے جنگ جاری رہے گی۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلادِ کفر سے بلادِ اسلام کی جانب ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے۔ اہل علم نے اس صورت میں بہر حال ہجرت کو واجب قرار دیا ہے کہ جب کفار کے علاقوں میں اسلام کے احکامات پر عمل کرنا مشکل ہو۔

1272- وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ : ((أَغَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ ، وَهُمْ غَارُّوْنَ ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ)) حَدَّثَنِي بِذَالِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر شب خون مارا اس وقت وہ غافل تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور ان کے بچوں کو قیدی بنا لیا۔ یہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَغَارَ شب خون مارا۔ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ بنو مصطلق پر، بنو مصطلق بنو خزاعہ قبیلے کی ایک شاخ تھا، یہ غزوہ شعبان 6 ھ میں ہوا، اسے غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں، مریسیع اس علاقے میں موجود ایک چشمے کا نام تھا، اسی غزوہ میں ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قیدی بن کر آئیں جنہیں بعد میں آزاد کر کے آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا، اسی غزوہ سے واپسی پر واقعہ افک (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا واقعہ) پیش آیا۔ غَارُّوْنَ جمع ہے غَارٌّ کی، معنی ہے ''غافل'' یعنی جب آپ ﷺ نے حملہ کیا تو وہ غافل و بے خبر تھے۔ مُقَاتِلَتَهُمْ یعنی لڑائی کے قابل مرد (اس میں بچے، بوڑھے اور عورتیں شامل نہیں)۔ سَبَى قیدی بنا لیا۔ ذَرَارِيَّهُمْ جمع ہے ذُرِّيَّةٌ کی، اس کا معنی ہے اولاد یا نسل انسانی۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بنو مصطلق پر اچانک بغیر کسی اعلان کے ان کی غفلت میں ہی حملہ کر دیا۔ جبکہ آئندہ حدیث میں لڑائی سے پہلے کفار کو دعوتِ اسلام پیش کرنے کا حکم ہے۔ ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ جب کفار کو پہلے دعوت تو حید پہنچ چکی ہو اور انہوں نے اسے رد کر دیا ہو تو پھر دوبارہ دعوت دیئے بغیر ان پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ شیخ عبداللہ بسام نے یہی تطبیق بیان فرمائی ہے اور امام ابن منذر نے اسی کو اکثر علماء کا قول قرار دیا ہے۔ (۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرب غلام بنائے جا سکتے ہیں۔ (۹)

1271- [صحیح : صحیح نسائی، نسائی (۱٤٦/۷) ، (٤۱۷۳) کتاب البیعۃ : باب ذکر الاختلاف فی انقطاع الهجرة، احمد (۲۷۹/۵) ابن حبان (٤۸٦٦) بیهقی (۱۷/۹) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1272- [بخاری (۲٥٤۱) کتاب العتق : باب من ملك من العرب رقیقا، مسلم (۱۷۳۰) ابو داود (۲٦۳۳) احمد (۳۱/۲)]

(۷) [کما فی توضیح الأحکام (۳٥۰/٦)]

(۸) [توضیح الأحکام (۳٥۳/٦)]

(۹) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے : نیل الأوطار (۷۰۱/٤) سبل السلام (۱۷٦۰/٤)]

1273- وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ ، وَبِمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا ، ثُمَّ قَالَ : ((اغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ ، اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا ، وَلَا تُمَثِّلُوا ، وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا ، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ ، فَأَيَّتُهُنَّ أَجَابُوكَ إِلَيْهَا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ : ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ ، فَإِنْ أَبَوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ ، فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِمْ بِاللّٰهِ تَعَالَى وَقَاتِلْهُمْ ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلَا تَفْعَلْ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ ، فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللّٰهِ ، وَإِنْ أَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تَفْعَلْ بَلْ عَلَى حُكْمِكَ ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ فِيهِمْ حُكْمَ اللّٰهِ أَمْ لَا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے باپ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو اسے بطورِ خاص اللہ سے ڈرنے اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ خیر وبھلائی کی نصیحت فرماتے۔ پھر فرماتے ''اللہ کے نام کے ساتھ' اس کے راستے میں جہاد کرو' ان لوگوں سے جو خدا کے منکر و کافر ہیں۔ لڑائی کرو' خیانت نہ کرنا' دھوکہ نہ دینا' مثلہ نہ کرنا' بچوں کو قتل نہ کرنا' جب مشرک دشمنوں سے ملاقات ہو تو ان کو لڑائی سے پہلے تین چیزوں کی دعوت دو۔ ان میں سے جسے وہ قبول کر لیں اسے قبول کر لو اور ان سے لڑائی نہ کرو۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو' اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو اسے قبول کر لو۔ پھر ان کو دعوت دو کہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر دار المہاجرین کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اگر وہ اس سے انکار کریں تو انہیں بتاؤ کہ ان کے حقوق دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور ان کے لیے مال غنیمت اور مال فے میں سے کچھ بھی حصہ نہیں ہوگا الا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ اگر وہ (اسلام قبول کرنے سے) انکار کریں تو ان سے جزیہ لو۔ اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو اسے بھی قبول کر لو اور اگر وہ (جزیہ دینے سے بھی) انکار کر دیں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے لڑائی شروع کر دو۔ جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ تم سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ طلب کریں تو ایسا مت کرو بلکہ انہیں اپنا ذمہ دو' کیونکہ اگر تم اپنا ذمہ توڑ دو تو یہ اللہ کا ذمہ توڑنے سے ہلکا ہے اور اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے حکم پر اتارو تو ایسا نہ کرو بلکہ انہیں اپنے حکم پر اتارو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کے فیصلے پر پہنچ سکو گے یا نہیں۔'' [مسلم]

لغوی توضیح: جَيْش بڑے لشکر کو اور سَرِيَّة چھوٹے لشکر (یعنی دستے) کو کہتے ہیں۔ لَا تَغُلُّوْا خیانت نہ کرو' یہ فعل نہی کا صیغہ ہے باب غَلَّ يَغُلُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''مال غنیمت میں خیانت کرنا''۔ لَا تَغْدِرُوْا عہد شکنی مت کرو۔ لَا تُمَثِّلُوْا مثلہ نہ کرو' مثلہ ناک' کان' آلہ تناسل اور دیگر مقتول کے اعضاء کاٹ دینے کو کہتے ہیں۔ وَلِيْدًا بچہ' مراد وہ

1273- [مسلم (١٧٣١) كتاب الجهاد والسير : باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ' ابو داود (٢٦١٢-٢٦١٣) ترمذی (١٤٩٨-١٦١٧) ابن ماجه (٢٨٥٨) احمد (٣٥٢/٥) ابن حبان (٤٧٣٩) بیهقی (٤٩-١٥/٩) ابن الجارود (١٠٤٢)]

بچہ ہے جو ابھی نابالغ ہو اور لڑائی کے قابل نہ ہو۔ اَلْغَنِیْمَة دشمن سے جنگ کے بعد حاصل ہونے والا مال۔ اَلْفَیْئ وہ مال جو دشمن سے بغیر جنگ کے ہی حاصل ہو جائے۔ اَلْجِزْیَة وہ مال جو اہل ذمہ سے انہیں اپنے علاقوں میں رہائش کی اجازت دینے کے عوض وصول کیا جاتا ہے۔ حِصْن قلعے کو کہتے ہیں' اس کی جمع حُصُوْن آتی ہے۔ ذِمَّة سے مراد ہے صلح کا عہد و پیان۔ تُخْفِرُوْا فعل مضارع کا صیغہ ہے باب افعال سے' اس کا معنی ہے ''عہد توڑنا''۔

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر لشکر کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے اور اپنے ساتھی مجاہدوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دورانِ جنگ مقتولین کا مثلہ کرنا' مالِ غنیمت میں خیانت کرنا اور عہد شکنی کا مرتکب ہونا حرام ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ اگر کفار کو دعوتِ اسلام نہ دی گئی ہو تو پھر لڑائی سے پہلے انہیں دعوت دینا واجب ہے' جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ کفار کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے انہیں پہلے دعوت پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو اور حنابلہ نے کہا ہے کہ کفار کو دعوت دینا کسی صورت میں بھی واجب نہیں۔ (۱۰) پہلا مؤقف ہی راجح ہے۔ امام ابن منذرؒ (۱۱) اور امام صنعانیؒ (۱۲) بھی اسی کے قائل ہیں۔ اگر وہ دعوتِ اسلام قبول کر لیں تو پھر انہیں مہاجرین کے علاقوں کی طرف ہجرت کا حکم دیا جائے گا تاکہ وہ ان کے ساتھ رہ کر اسلامی تعلیمات سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے نابالغ بچوں (اور عورتوں اور بوڑھوں' جو لڑائی کے قابل نہیں) کو قتل کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دورانِ جنگ کفار اللہ کے فیصلے کے مطابق صلح کرنا چاہیں تو ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کسی کو کیا معلوم کہ اللہ کا فیصلہ کیا ہے' اس لیے صرف اپنے فیصلے پر اور اپنے عہد و پیان پر صلح کرنی چاہیے۔

1274- وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ غَزْوَةً وَرَّى بِغَيْرِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کسی غزوہ (کے لیے نکلنے) کا ارادہ فرماتے تو اسے غیر سے چھپاتے (یعنی توریہ سے کام لیتے)۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح وَرَّى فعل ماضی کا صیغہ ہے باب وَرَّى يُوَرِّيْ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''توریہ کرنا' چھپانا'' یعنی جانا کسی اور طرف ہو اور اشارہ کسی اور طرف کرنا' مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو اس غرض سے کہ کہیں کوئی جاسوس مخبری نہ کر دے جس جانب جانا ہوتا اس کے مخالف کسی اور سمت کے حالات دریافت کرتے۔ اس میں دھوکے کی صورت ہے اور جنگ میں دھوکہ جائز ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ﴿ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ ﴾ ''جنگ دھوکہ ہے۔'' (۱۳)

1275- وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((شَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا لَمْ

حضرت معقل بن نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (غزوات میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہا' جب آپ دن

1274- [بخاری (۲۹۴۸) کتاب الجهاد والسیر: باب من أراد غزوة فوری بغیرها' مسلم (۲۷۶۹) ابو داود (۲۶۳۷) احمد (۳۹۰/۶)]

1275- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۲۶۵۵) كتاب الجهاد: باب فی أی وقت يستحب اللقاء' ترمذی (۱۶۱۲-۱۶۱۳) احمد (۴۴۴/۵) مزید دیکھئے: بخاری (۳۱۶۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۱۰) [الفقه الإسلامی وأدلته (۳۸۵۳/۸) المغنی (۲۹/۱۳)]

(۱۱) [كما فی نيل الأوطار (۷۰۰/۴)] (۱۲) [سبل السلام (۱۷۶۰/۴)]

(۱۳) [بخاری (۳۰۳۰) کتاب الجهاد والسیر: باب الحرب خدعة' مسلم (۱۷۳۹)]
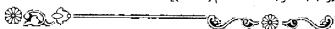
يُقَاتِلُ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَخَّرَ الْقِتَالَ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ' وَ أَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ .

کے ابتدائی حصے میں لڑائی شروع نہ کرتے تو زوال آفتاب تک لڑائی کو مؤخر کر دیتے' پھر ہوائیں چلتیں اور مدد نازل ہوتی۔ [اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

فهم الحديث زوال آفتاب تک قتال کو مؤخر کرنے کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ نماز ظہر کا وقت آ جائے اور پھر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے خوب دعائیں کر کے لڑائی کا آغاز کیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہو اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہو۔

1276- وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَهْلِ الدَّارِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يُبَيَّتُونَ ' فَيُصِيبُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ ؟ فَقَالَ : ((هُمْ مِنْهُمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے ان گھروں کے متعلق دریافت کیا گیا جن پر شب خون مارا جاتا ہے اور پھر ان کی خواتین اور بچے بھی اس کی زد میں آ جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "وہ انہی میں سے ہیں۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح يُبَيَّتُونَ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب بَيَّتَ يُبَيِّتُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "شب خون مارنا' یعنی رات کے وقت جب دشمن غافل ہو اس پر حملہ کر دینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار پر شب خون مارنا جائز ہے۔ امام شوکانیؒ اسی کے قائل ہیں۔ (١٤) امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض اہل علم نے رات کو حملہ کرنے کی اجازت دی ہے لیکن بعض نے اسے ناپسند کیا ہے۔ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ نے کہا کہ رات کو دشمن پر شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں۔ (١٥) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ دورانِ جنگ عورتوں اور بچوں کو عمداً مارنا جائز نہیں (جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 1278 اس پر شاہد ہے) لیکن اگر رات کے وقت کفار پر حملے کی صورت میں دشمن تک پہنچنے کے لیے عورتوں اور بچوں کا قتل ناگزیر ہو جائے تو پھر انہیں مارنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ بھی انہی میں سے ہیں' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں جان بوجھ کر قتل کرنا جائز ہے' بلکہ یہ ایک ایسی صورت ہے جس میں انہیں قتل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "وہ انہی میں سے ہیں" کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں قتل کرنے کے ارادے سے جا کر مارو بلکہ یہ جواز محض اس وقت ہے جب مشرکین تک پہنچنا انہیں روندنے کے بغیر ممکن نہ ہو۔ (١٦) امام شافعیؒ اور اہل کوفہ نے کہا ہے کہ جو عورت بھی لڑائی شروع کر دے تو اسے قتل کرنا جائز ہے' لیکن امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ نے کہا ہے کہ عورتوں اور بچوں کا قتل کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ (١٧)

1277- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص

1276- [بخاری (٣٠١٢) كتاب الجهاد والسير : باب أهل الدار يبيتون فيصاب الولدان والذراري' مسلم (١٧٤٥) ابو داود (٢٦٧٢) ترمذی (١٥٧٠) ابن ماجه (٢٨٣٩) احمد (٣٧/٤)]

1277- [مسلم (١٨١٧) كتاب الجهاد والسير : باب كراهة الاستعانة فى الغزو بكافر' ابو داود (٢٧٣٢) ترمذی (١٥٥٨) ابن ماجه (٢٨٣٢) احمد (٦٧/٦) دارمی (٢٤٩٦)]

(١٤) [نيل الأوطار (٧١٧/٤)]
(١٥) [ترمذی (١٢٢/٤)]
(١٦) [شرح مسلم (٢٩٣/٦)]
(١٧) [كما فى نيل الأوطار (٧١٨/٤)]

النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ تَبِعَهُ فِيْ يَوْمِ بَدْرٍ: ((ارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

سے کہا جو جنگ بدر کے روز آپ ﷺ کے ساتھ مل گیا تھا کہ "واپس لوٹ جا میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا۔" [مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتال میں مشرک و کافر سے مدد لینا جائز نہیں۔ لیکن بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود مشرکوں سے مدد لی ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ قزمان مشرک تھا لیکن جنگ احد میں شریک ہو کر اس نے بنو عبدالدار کے تین افراد قتل کر دیئے جو کہ مشرکین کے علمبردار تھے حتی کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس دین کو فاجر شخص کے ساتھ بھی قوت پہنچاتے ہیں۔"(۱۸) اسی طرح جنگ حنین کے دن آپ ﷺ نے صفوان بن اُمیہ سے مدد لی۔(۱۹) علاوہ ازیں آپ ﷺ نے جنگ کے علاوہ بھی مشرکین سے مدد لی ہے مثلاً ابوطالب آپ ﷺ کے چچا مشرک ہونے کے باوجود تاحیات آپ ﷺ کی ہر طرح سے امداد کرتے رہے۔(۲۰) شعب ابی طالب میں محصور ہونے کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب (جو مشرک تھے) نے آپ کا ساتھ دیا لیکن آپ نے اس پر کوئی انکار نہ کیا۔ طائف سے واپسی پر آپ ﷺ نے مطعم بن عدی (ایک مشرک) سے مدد لی۔ مذکورہ تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شدید ضرورت ہو تو پھر کفار و مشرکین سے مدد لی جا سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اسی کے قائل ہیں' جبکہ ائمہ ثلاثہ نے بہرصورت مشرک سے مدد لینا ناجائز قرار دیا ہے' کیونکہ کافر کے مکر سے کبھی بھی بے خوف نہیں ہوا جا سکتا۔

1278- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى امْرَأَةً مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَأَنْكَرَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَ الصِّبْيَانِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی غزوہ میں ایک عورت کو مقتول پایا تو عورتوں اور بچوں کے قتل سے روک دیا۔ [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث معلوم ہوا کہ دورانِ جنگ عورتوں اور بچوں کو قصداً قتل کرنا ناجائز ہے' لیکن اگر بلا قصد ان میں سے کوئی قتل ہو جائے یا دشمنوں کے خاتمے کے لیے ان کا قتل ناگزیر ہو جائے تو پھر اہل علم ان کے قتل کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

1279- وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اقْتُلُوا شُيُوخَ الْمُشْرِكِينَ وَاسْتَبْقُوا شَرْخَهُمْ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مشرکین کے (ماہر و تجربہ کار) عمر رسیدہ لوگوں کو قتل کر دو اور ان کے نابالغ لڑکوں کو باقی چھوڑ دو۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح شُيُوخَ الْمُشْرِكِينَ مشرکین کے شیوخ' بزرگ اور عمر رسیدہ لوگ' مراد ایسے تجربہ کار اور ماہر بزرگ ہیں جن کی موجودگی اہل اسلام کے لیے خطرہ بن سکتی ہو' اس میں وہ بڑی عمر کے لوگ شامل نہیں جو نہ تو جنگ میں شرکت کے

1278- [بخاری (۳۰۱۴-۳۰۱۵) كتاب الجهاد والسير: باب قتل الصبيان فى الحرب' مسلم (۱۷٤٤) ابو داود (۲٦٦۸) ترمذی (۱۵٦۹) ابن ماجه (۲۸٤۱) مالك (۲/٤٤۷) احمد (۲/۱۲۲)]

1279- [ضعيف: ضعيف ابو داود' ابو داود (۲٦۷۰) كتاب الجهاد: باب فى قتل النساء' ترمذی (۱۵۸۳) احمد (۵/۱۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۸) [الإصابة (۵/۳۳۵-۳۳٦) فتح البارى (۸/۲٤۸)]

(۱۹) [نيل الأوطار (۵/۳۹۰)] (۲۰) [كما فى توضيح الأحكام (٦/۳٦۸)]

قابل ہوں اور نہ ہی کفار کو مسلمانوں کے خلاف مفید تجاویز و مشوروں سے نواز سکیں۔ شَرْخَهُمْ سے مراد ایسے لڑکے ہیں جو ابھی نابالغ ہوں' یعنی جنگ میں بچوں کا قتل جائز نہیں اس لیے انہیں باقی چھوڑ دینا چاہیے۔

1280- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّهُمْ تَبَارَزُوا يَوْمَ بَدْرٍ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُطَوَّلًا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر کے روز ان (مشرکوں) کو دعوتِ مبارزت دی۔ [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداود میں یہ حدیث طویل ہے۔]

لغوی توضیح أَنَّهُمْ ''انہوں نے'' سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں۔ تَبَارَزُوا دعوتِ مبارزت دی' مبارزت یہ ہے کہ عمومی جنگ سے پہلے ایک یا چند نوجوان خود کفار کو لڑائی کی دعوت دیں اور پھر بہادری کا مظاہرہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو دعوتِ مبارزت دی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تو اپنے مدمقابل کو ایک ایک وار میں ہی ڈھیر کر دیا لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مدمقابل نے ایک دوسرے کو ضرب لگا کر زخمی کر دیا' پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو بھی جہنم واصل کر دیا اور عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے زخم کی وجہ سے بعد میں شہید ہو گئے۔

فہم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے باقاعدہ جنگ کے آغاز سے پہلے دشمن کو دعوتِ مبارزت دینا جائز ہے۔ البتہ اہل علم نے یہ کہا ہے کہ دشمن کو لڑائی کی دعوت وہی دے جو اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھے' مبادا کہ لڑائی کی دعوت دینے کے بعد خود قتل کر دیا جائے اور مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔

1281- وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِينَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ)) يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالَى: ﴿ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ [البقرة: ١٩٥] قَالَهُ رَدًّا عَلَى مَنْ حَمَلَ عَلَى صَفِّ الرُّومِ حَتّٰى دَخَلَ فِيهِمْ۔ رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ''اور تم اپنے ہاتھوں کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔'' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ بات ان حضرات کی تردید میں کہی تھی جنہوں نے اس شخص کی نفی کی تھی جس نے رومیوں پر حملہ کیا تھا اور وہ ان کی صفوں میں جا گھسا تھا۔ [اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث مکمل واقعہ یوں ہے کہ اسلم بن یزید ابوعمران بیان کرتے ہیں کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے کہ ایک مضبوط رومی دستہ ہماری طرف بڑھا۔ مسلمان مجاہدین میں سے بھی اسی طرح کا یا اس سے بھی بڑا دستہ ان کے مقابلے کے لیے نکلا۔ مسلمان مجاہدین میں سے ایک مجاہد رومیوں کی صف میں جا داخل ہوا تو لوگوں نے چلانا شروع کر دیا اور کہنے لگے کتنی عجیب بات ہے کہ یہ آدمی اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈال رہا ہے' اتنے میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا' اے

1280- [بخاری (٣٩٦٥_٣٩٦٧_٤٧٤٤) كتاب المغازى: باب قتل أبي جهل' ابو داود (٢٦٦٥) احمد (١١٧/١) حاكم (١٩٤/٣)]

1281- [صحيح: صحيح ترمذى' ترمذى (٢٩٧٢) كتاب تفسير القرآن: باب ومن سورة البقرة' ابو داود (٢٥٠٢) نسائى فى السنن الكبرى (٢٩٨/٦) ابن حبان (١٦٦٧_الموارد) حاكم (٢٦٥/٢) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

لوگو! تم اس آیت کی غلط تاویل کر رہے ہو' حالانکہ یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ نے اپنے نبی کو کامیاب کر دیا اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا تو ہم میں سے کسی نے دوسرے سے خفیہ طور پر کہا کہ ہمارے مال ضائع ہو گئے ہیں اور اللہ نے اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا ہے اور اس کے مددگار بھی کافی ہیں' اگر ہم اپنے کاروبار میں لگ جائیں اور جو ضائع ہو گیا ہے اس کی اصلاح کر لیں تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ ''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو۔'' تو ہلاکت سے مراد ہمارا اُن ارادوں پر قائم رہنا تھا جو ہم نے کیے تھے (یعنی جہاد چھوڑنا اور دنیوی کاروبار میں مصروف ہو جانا)۔ معلوم ہوا کہ ترکِ جہاد اور صرف دنیاوی کاموں میں مشغولیت موجب ہلاکت و بربادی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے جمہور علماء کا یہ موقف نقل فرمایا ہے کہ اگر کوئی بہادر آدمی دشمن کو ڈرانے اور مسلمانوں کو اقدام پر جرأت دلانے یا اور کسی اچھے مقصد سے اکیلا ہی بڑے لشکر پر حملہ آور ہو جائے تو یہ جائز ہے لیکن اگر وہ محض لاپرواہی برتتے ہوئے ایسا کرے تو پھر جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے مسلمانوں میں کمزوری ظاہر ہوگی اور ان کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ (۲۱)

1282- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((حَرَّقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے درخت نذرِ آتش کروا دیئے اور کٹوا دیئے۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حَرَّقَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَرَّقَ يُحَرِّقُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''آگ کا کسی چیز کو جلانا''۔ بَنِي النَّضِيرِ یہ مدینہ میں رہائش پذیر یہود کا ایک قبیلہ تھا' ان کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا لیکن انہوں نے عہد شکنی کی تو نبی ﷺ نے چھ روز (یا بقولِ بعض پندرہ روز) ان کا محاصرہ کیے رکھا' پھر انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔ یہ غزوہ ربیع الاول 4ھ میں پیش آیا۔ بنو نضیر کے یہود جب اپنے قلعے میں محصور ہو کر مسلمانوں پر تیر برسا رہے تھے' اس وقت ان کے کھجوروں کے باغات ان کے لیے سپر کا کام دے رہے تھے اس لیے آپ ﷺ نے انہیں کاٹ کر جلانے کا حکم دیا۔

فهم الحديث یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ دورانِ جنگ اگر مسلمانوں کی مصلحت تقاضا کرے اور شدید جنگی ضرورت پیش آ جائے تو پھلدار درخت کاٹے اور جلائے جا سکتے ہیں بصورتِ دیگر ایسا کرنا درست نہیں۔

1283- وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا تَغُلُّوا فَإِنَّ الْغُلُولَ نَارٌ وَعَارٌ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''(مالِ غنیمت میں) خیانت نہ کرو کیونکہ خیانت خائن کے لیے دنیا و آخرت میں آگ اور عار ہے۔'' [اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1282- [بخاری (۴۰۳۱) کتاب المغازی: باب حدیث بنی النضیر' مسلم (۱۷۴۶) ابو داود (۲۶۱۵) ترمذی (۱۵۵۲) ابن ماجه (۲۸۴۴) احمد (۲/۸۰-۸۶-۱۲۳)]

1283- [حسن صحیح: صحیح ابن ماجه' ابن ماجه (۲۸۵۰) کتاب الجهاد: باب الغلول' احمد (۳۱۶/۵) دارمی (۲۴۸۷) ابن حبان (۴۸۵۵) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۲۱) [کما فی توضیح الأحکام (۳۷۶/۶)]

لغوی توضیح اَلْغُلُوْل مالِ غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں۔ نَارٌ اس لیے کہا گیا کہ کیونکہ روزِ قیامت اسے آتشِ جہنم میں ڈالا جائے گا اور عَارٌ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ عیب ہے۔

فهم الحديث مالِ غنیمت میں خیانت حرام ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ [آل عمران : ١٦١] ''ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لیے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا۔'' ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی کو تیر لگا اور وہ قتل ہو گیا' لوگوں نے کہا' اسے جنت مبارک ہو' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہرگز نہیں' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن مالِ غنیمت سے تقسیم سے پہلے پکڑ لی تھی اس پر آگ بن کر شعلہ مار رہی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''ایک تسمہ یا دو تسمے (کی خیانت) بھی آگ میں داخل کرنے والے ہیں۔''(٢٢) امام شوکانی ؒ نے کہا ہے' خیانت حرام ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔(٢٣) امام نوویؒ نے خیانت کے کبیرہ گناہ ہونے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔(٢٤)

1284- وَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالسَّلَبِ لِلْقَاتِلِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قاتل (غازی) کے لیے سلب (یعنی مقتول سے چھینے ہوئے مال) کا فیصلہ فرمایا۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے۔]

لغوی توضیح اَلسَّلَب سے مراد مقتول کافر سے چھینا ہوا مال مثلاً اسلحہ' لباس اور سواری وغیرہ ہے۔

فهم الحديث معلوم ہوا کہ مقتول کافر سے چھینا ہوا مال اسے قتل کرنے والے مجاہد کو دیا جائے گا۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ قاتل مجاہد کو مقتول کافر سے چھینا ہوا مال نہیں دیا جائے گا الا کہ امیر نے لڑائی سے پہلے یہ کہا ہو کہ جو کسی کو قتل کرے گا اسے اس سے چھینا ہوا مال ملے گا ورنہ وہ مال بھی مالِ غنیمت میں شامل کر لیا جائے گا۔ امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا قول ہے کہ دلائل جس کی موافقت نہیں کرتے۔(٢٥)

1285- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي - قِصَّةِ قَتْلِ أَبِي جَهْلٍ - قَالَ : فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا حَتَّى قَتَلَاهُ' ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرَاهُ' فَقَالَ : ((أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟ قَالَا : لَا' قَالَ :

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ابوجہل کے قتل کے قصے میں مروی ہے کہ دونوں (معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ) اپنی اپنی تلوار لے کر (ابوجہل کی طرف) آگے بڑھے حتی کہ اسے قتل کر دیا' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوٹے اور آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ کیا تم نے اپنی

1284- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٢٧١٩) كتاب الجهاد : باب في الإمام يمنع القاتل السلب إن رأى والفرس' مزید دیکھئے: مسلم (١٧٥٣) احمد (٢٦/٦-٢٧) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1285- [بخاری (٣١٤١) كتاب فرض الخمس : باب من لم يخمس الأسلاب' مسلم (١٧٥٢) احمد (١٩٢/١)]

(٢٢) [بخاری (٤٢٣٤) مسلم (١١٥) موطا (٤٥٩/٢) نسائی (٢٤/٧) ابو داود (٢٧١١) كتاب الجهاد : باب في تعظيم الغلول]

(٢٣) [نيل الأوطار (٦٠/٥)]

(٢٤) [شرح مسلم (٤٥٨/٦)]   (٢٥) [سبل السلام (٢١٥/٤)]

فَنَظَرَ فِيهِمَا ، فَقَالَ : ((كِلَاكُمَا قَتَلَهُ)) فَقَضَى ﷺ بِسَلَبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

تلواریں صاف کر لی ہیں؟" دونوں نے کہا نہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا "تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے۔" پھر آپ ﷺ نے اس (ابوجہل) سے چھینے ہوئے مال کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ یہ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔[بخاری، مسلم]

فھم الحدیث یہ غزوہ بدر کا واقعہ ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو قتل کیا' پہلے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو ایک کاری ضرب لگائی اور پاؤں سمیت اس کی پنڈلی بھی کاٹ کر رکھ دی' پھر معوذ رضی اللہ عنہ نے اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل سے چھینا ہوا مال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا کیونکہ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ بعد میں اسی غزوہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کی تلوار حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی' لیکن وہ ضعیف ہے۔ (٢٦)

1286- وَعَنْ مَكْحُولٍ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ ۔

حضرت مکحولؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل طائف پر منجنیق نصب فرمائی۔ [اسے ابوداود نے مراسیل میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

1287- وَوَصَلَهُ الْعُقَيْلِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ۔

اور عقیلی نے ضعیف سند کے ساتھ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موصول بیان کیا ہے۔

لغوی توضیح اَلْمَنْجَنِيقُ ایک جنگی ہتھیار' جس کے ذریعے مضبوط قلعوں کو گرانے کے لیے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔

فھم الحدیث اس روایت سے معلوم ہوا کہ دشمنوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے نئے نئے آلات جنگ ایجاد کرنے چاہییں تاکہ کفار پر مسلمانوں کی ہیبت برقرار رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دوران جنگ ضرورت کے وقت عورتیں اور بچے بھی مسلمانوں کی گولہ باری کی زد میں آ جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

1288- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ ، فَلَمَّا نَزَعَهُ ، جَاءَهُ رَجُلٌ ، فَقَالَ : ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ ، فَقَالَ : ((اقْتُلُوهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے سر پر خود تھا' جب آپ نے اسے اتارا تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے قتل کر دو۔" [بخاری، مسلم]

1286- [ابو داود فی المراسیل (٣٣٥) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے قابل تحسین کہا ہے۔]

1287- [عقیلی فی کتاب الضعفاء (٢/٢٤٣)]

1288- [بخاری (٣٠٤٤) کتاب الجهاد والسیر : باب قتل الأسیر وقتل الصبر' مسلم (١٣٥٧) ابو داود (٢٦٨٥) ترمذی (١٦٩٣) نسائی (٥/٢٠٠) ابن ماجه (٢٨٠٥) مالك ١٠/٤٢٣) احمد (٣/١٠٩) دارمی (١٩٣٨) ابن حبان (٣٧١٩)]

(٢٦) [ضعیف : ضعیف ابوداود' ابوداود (٢٧٢٢) کتاب الجهاد : باب من أجاز علی جریح مثخن ینفل من سلبه]

لغوی توضیح الْمِغْفَر لوہے کی بنی ہوئی ٹوپی جسے خود کہا جاتا ہے۔ابْنِ خَطَل اس نے اسلام قبول کیا' پھر مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ مل گیا۔اسے قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کیونکہ جب یہ مسلمان ہوا نبی کریم ﷺ نے اسے صدقہ کی وصولی پر مقرر فرمایا اور اس کے ساتھ ایک انصاری صحابی بھی کو روانہ کیا' اس نے انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مشرکوں کے ساتھ مل گیا اور اس کی دو لونڈیاں تھیں جو نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو گایا کرتی تھیں' تو نبی کریم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا' لہٰذا اسے قتل کر دیا گیا جبکہ وہ (بچنے کی غرض سے) کعبہ کے پردوں کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔أَسْتَار جمع ہے سترۃ کی' اس سے مراد ہے (کعبہ کے) پردے۔

فہم الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ مرتد اور نبی کریم ﷺ کو توہین کا نشانہ بنانے والا واجب القتل ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کعبہ میں لڑائی کو حلال قرار دیا گیا تھا' لیکن بعد میں آپ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ اب اسے تا قیامت حرام کر دیا گیا ہے۔اس روایت سے اہل علم نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مکہ میں حج یا عمرہ کا احرام باندھے بغیر بھی داخل ہونا جائز ہے۔

1289- وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ ((أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَتَلَ يَوْمَ بَدْرٍ ثَلَاثَةً صَبْرًا)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر کے روز تین آدمیوں کو باندھ کر قتل کیا۔[اسے ابوداود نے مراسیل میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح الثَّلَاثَةَ تین آدمیوں سے مراد' نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط اور کہا گیا ہے کہ تیسرا طعیمہ بن عدی تھا' لیکن شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ طعیمہ معرکے میں قتل کر دیا گیا تھا' یہ قیدیوں میں نہیں تھا۔(۲۷) صَبْرًا سے مراد ہے باندھ کر قتل کرنا' بعض نے کہا ہے کہ ہر وہ مقتول اس میں شامل ہے جو جنگ اور خطا کے علاوہ قتل کیا گیا ہو۔

1290- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَدَى رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ.

حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک قیدی کے بدلے میں دو مسلمان مردوں کو چھڑایا۔[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے۔]

لغوی توضیح فَدَى فدیہ لیا۔دراصل بنو ثقیف بنو عقیل کے حلیف تھے۔جب صحابہ نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو قیدی بنایا تو بنو ثقیف نے مسلمانوں کے دو آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔پھر آپ ﷺ نے اس ایک مشرک آدمی کے عوض دو مسلمانوں کو چھڑایا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیدیوں کا تبادلہ جائز ہے۔جمہور اسی کے قائل ہیں' جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے یہ درست نہیں بلکہ قیدیوں کو قتل کرنا یا غلام بنانا لازم ہے۔پہلا موقف ہی راجح ہے اور اس کی دلیل مذکورہ بالا واضح حدیث ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جب بھی مسلمان کفار کو قیدی بنائیں تو امیر کو حالات کے مطابق چار چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب

1289- [ابو داود فی المراسیل (۳۰۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل کہا ہے۔]

1290- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (۱۵٦۸) کتاب السیر : باب ما جاء فی قتل الأساری والفداء' احمد (٤٢٦/٤) مزید دیکھئے: مسلم (۱٦٤۱) ابو داود (۳۳۱٦) احمد (٤۳۰/٤) ابن حبان (٤۸۵۹)]

(۲۷) [توضیح الأحکام (۳۹۰/٦)]

کرنا ہوتا ہے' یا تو قیدیوں کو قتل کر دیا جائے' یا غلام بنا لیا جائے' یا ان سے فدیہ (مال یا اپنے مسلمان قیدی کی صورت میں) لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے اور یا پھر انہیں بغیر فدیے کے ہی احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیا جائے' ان چاروں میں سے جسے بھی امیر المومنین اختیار کر لے گا وہ متعین ہو جائے گا' پھر کسی کے لیے بھی اس کا انکار جائز نہیں۔ (۲۸)

1291-وَعَنْ صَخْرِ بْنِ الْعَيْلَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الْقَوْمَ إِذَا أَسْلَمُوا أَحْرَزُوا دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ۔

حضرت صخر بن عیلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب لوگ اسلام قبول کر لیں تو انہوں نے اپنے خون اور اموال کو محفوظ کر لیا۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی کافر (خواہ وہ جنگی دشمن ہو یا عام فرد) اسلام قبول کر لے تو پھر اس کا خون بہانا یا اس کا مال و متاع لوٹنا حرام ہے' کیونکہ وہ قبولِ اسلام کے بعد مسلمانوں کا بھائی ہے کہ جس کے مال' جان اور عزت کو رسول اللہ ﷺ نے دوسرے مسلمانوں پر حرام قرار دیا ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑتا رہوں حتی کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کام کریں گے تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔" (۲۹)

1292- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي أُسَارَى بَدْرٍ: ((لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هَؤُلَاءِ النَّتْنَى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا "اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا' پھر وہ مجھ سے ان مرداروں کے متعلق بات کرتا تو میں انہیں اس کے لیے چھوڑ دیتا۔" [بخاری]

لغوی توضیح اَلْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ یہ وہ شخص ہے جس نے آپ ﷺ کو اس وقت مکہ میں پناہ دی تھی جب آپ انتہائی پریشانی اور مایوسی کی حالت میں طائف سے واپس آئے تھے۔ أَسَارَى جمع ہے أَسِيرٌ کی' اس کا معنی ہے قیدی۔ النَّتْنَى جمع ہے نَتِنٌ کی' اس کا معنی ہے بدبودار چیز' مراد ہے ان مشرکوں کے عقائد و اعمال کی گندگی۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احسان کا بدلہ دینا مستحب ہے خواہ احسان کرنے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن میں ہے کہ ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ [الرحمن: ۶۰] "احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔" اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو کسی کی سفارش پر مشرک قیدیوں کو بغیر کسی فدیے کے بھی چھوڑ سکتا ہے۔

1293- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس

1291- [ضعيف : ابو داود' ابو داود (۳۰۶۷) كتاب الخراج : باب في إقطاع الأرضين' احمد (۳۱۰/۴)]

1292- [بخاری (۳۱۳۹) كتاب فرض الخمس : باب ما من النبي على الأسارى من غير أن يخمس' ابو داود (۲۶۸۹) احمد (۸۰/۴)]

1293- [مسلم (۱۴۵۶) كتاب الرضاع : باب جواز وطء المسبية بعد الاستبراء' ابو داود (۲۱۵۵) ترمذی (۱۱۳۲-۳۰۱۷) احمد (۷۲/۳)]

(۲۸) [دیکھئے: توضيح الأحكام (۳۹۲/۶)]

(۲۹) [بخاری (۲۵) كتاب الإيمان : باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة]

عَنْهُ قَالَ: ((أَصَبْنَا سَبَايَا يَوْمَ أَوْطَاسٍ لَهُنَّ أَزْوَاجٌ، فَتَحَرَّجُوا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ [النساء: ٢٤] الْآيَة)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

کے روز کچھ عورتیں ہماری قید میں آئیں جن کے شوہر (زندہ) تھے۔ مسلمانوں نے (ان سے ہم بستری کرنے میں) حرج سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی ''تم پر خاوندوں والی عورتیں حرام ہے الا کہ جن کے تم مالک بن جاؤ۔'' [مسلم]

لغوی توضیح فَتَحَرَّجُوْا انہوں نے حرج سمجھا' یعنی مسلمانوں نے خاوندوں والی قیدی عورتوں سے ہم بستری کو گناہ خیال کیا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ کے بعد جب کفار کی قیدی عورتیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں تو جو جس کے حصے میں آئے وہ اس سے اپنی بیوی کی طرح ہم بستری کر سکتا ہے اور لطف اندوز ہو سکتا ہے خواہ ان کے خاوند زندہ ہی کیوں نہ ہوں اور خواہ وہ عورتیں مسلمان ہوں یا کافر۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ان عورتوں کے ساتھ بھی ہم بستری تب جائز ہے جب ان کے رحموں کی براءت حاصل کر لی جائے' وہ اس طرح کہ اگر حائضہ ہوں تو ایک ماہواری تک انتظار کیا جائے اور اگر حاملہ ہوں تو پھر وضع حمل تک انتظار کیا جائے۔ یہ مسئلہ تفصیل سے گزشتہ حدیث نمبر 1125 کے تحت گزر چکا ہے۔

1294- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَرِيَّةً وَأَنَا فِيهِمْ، قِبَلَ نَجْدٍ، فَغَنِمُوا إِبِلًا كَثِيرَةً، فَكَانَتْ سِهَامُهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا، وَنُفِّلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک دستہ روانہ کیا اور میں بھی اس میں موجود تھا۔ انہوں نے مال غنیمت میں بہت سے اونٹ حاصل کیے۔ ان میں سے ہر ایک کے حصے بارہ بارہ اونٹ آئے اور انہیں ایک ایک اونٹ زائد بھی دیا گیا۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح سِهَام جمع ہے سَهْم کی' اس کا معنی ہے ''حصہ''۔ نُفِّلُوْا تنفیل (بروزن تفعیل) سے ہے' اس کا معنی ہے انہیں بطورِ نفل دیا گیا' مراد وہ چیز ہے جو مجاہدین کو ان کے حصوں سے زائد دی جائے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم وقت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ سب غازیوں کو ان کے مال غنیمت کے مقررہ حصوں سے زیادہ کوئی چیز عطا کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر حاکم مناسب سمجھے تو کسی غازی کو بطورِ خاص اس کی حُسنِ کارکردگی کی بنا پر بھی کوئی چیز اضافی طور پر عنایت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سوار اور پیدل دونوں کا حصہ عطا کیا اور ان دونوں کو میرے لیے جمع کر دیا۔ (۳۰) ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن ایک تلوار اضافی حصے کے طور پر عطا کی۔ (۳۱)

1295- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((قَسَمَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر

1294- [بخاری (۳۱۳٤) كتاب فرض الخمس: باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين، مسلم (۳۱٤۹) ابو داود (۲۷٤۱) مالك (۲/٤٥۰) احمد (۲/٦۲)]

1295- [بخاری (۲۸٦۳) كتاب الجهاد والسير: باب سهام الفرس، مسلم (۱۷٦۲) ترمذی (۱٥٥٤) ابن ماجه (۲۸٥٤) ابو داود (۲۷۳۳) احمد (۲/٤۱)]

(۳۰) [مسلم (۱۸۰۷) كتاب الجهاد والسير: باب غزوة ذى قرد وغيرها، ابو داود (۲۷٥۲) احمد (٤/٥۲)]

(۳۱) [مسلم (۱۷٤۸) احمد (۱/۱۷۸) ابو داود (۲۷٤۰) كتاب الجهاد: باب فى النفل، ترمذی (۳۰۷۹) نسائى فى السنن الكبرى (٦/۳٤۸) حاكم (۲/۱۳۲)]

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، وَ لِأَبِي دَاوُدَ: ((أَسْهَمَ لِرَجُلٍ وَلِفَرَسِهِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ: سَهْمَيْنِ لِفَرَسِهِ، وَسَهْمًا لَهُ)) ۔

کے روز گھڑ سوار کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ تقسیم فرمایا۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور ابوداود میں ہے کہ] آپ ﷺ نے ایک گھڑ سوار کے لیے تین حصے مقرر فرمائے، دو حصے گھوڑے کے لیے اور ایک حصہ خود اس کے لیے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھڑ سوار کو تین حصے دیئے جائیں گے۔ جمہور، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ گھڑ سوار کو دو حصے دیئے جائیں گے۔ (۳۲) انہوں نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ ضعیف ہے۔(۳۳) لہٰذا پہلا موقف ہی راجح ہے۔ گھڑ سوار کو زیادہ حصے اس لیے دیئے گئے ہیں کیونکہ اسے گھوڑے کے کافی اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔

1296- وَعَنْ مَعْنِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا نَفْلَ إِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الطَّحَاوِيُّ ۔

حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''خمس (یعنی پانچواں حصہ) نکالنے کے بعد ہی نفل یعنی اضافی طور پر دیا جائے گا۔''[اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور طحاوی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو جو کچھ بھی اضافی طور پر دیا جائے گا وہ مالِ غنیمت سے خمس نکالنے کے بعد دیا جائے گا۔

1297- وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((شَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے پہلی مرتبہ (حملہ کے لیے) جانے پر چوتھا حصہ اور دوسری مرتبہ جانے پر تیسرا حصہ عطا فرمایا۔[اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن جارود، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْبَدْأَةُ ابتدائے سفر یعنی جب اسلامی لشکر دشمن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو اور فاتح بن کر واپس لوٹے۔ اَلرَّجْعَةُ

1296- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۲۷۵۳-۲۷۵٤) کتاب الجهاد: باب فی النفل من الذهب والفضة ومن أول مغنم، احمد (۳/۴۷۰) بیهقی (٦/۳۱٤) طحاوی (۳/۲۴۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1297- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۲۷٤۸-۲۷۵۰) کتاب الجهاد: باب فیمن قال الخمس قبل النفل، ابن ماجه (۲۸۵۱) احمد (٤/۱۵۹) ابن حبان (٤۸۳۵) حاکم (۲/۱۳۳) بیهقی (٦/۳۱۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(۳۲) [تحفة الأحوذی (۵/۱۵۱) المغنی (۱۳/۸۵) سبل السلام (٤/۱۷۸٤) الروضة الندیة (۲/۷۳۵) الفقه الإسلامی وأدلته (۸/۵۹۰۳) بدائع الصنائع (۷/۱۲٦) فتح القدیر (٤/۳۲۳) تبیین الحقائق (۳/۲۵٤)]

(۳۳) [ضعیف: ضعیف ابو داود (۵۸۷) کتاب الجهاد: باب فیمن أسهم له سهما، ابو داود (۲۷۳٦) شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔[التعلیق علی الروضة الندیة (۲/۷۳۵)] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں (ان کے لیے) کوئی حجت نہیں ہے۔[فتح الباری (٦/۸۰)]

کسی لڑائی سے واپسی پر دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے دوبارہ نکلنا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی لشکر پہلی مرتبہ دشمن پر حملہ کے لیے نکلے اور پھر کامیاب ہو کر مال غنیمت لائے تو اسے چوتھا حصہ دینا چاہیے اور اگر لڑائی سے واپسی پر کوئی دستہ دشمن پر دوبارہ حملے کے لیے روانہ ہو تو اسے تیسرے حصے سے نوازنا چاہیے۔ دوبارہ حملے پر آپ ﷺ نے زیادہ حصہ اس لیے دیا کیونکہ اس صورت میں لڑائی زیادہ مشقت طلب ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اگر امیر کسی جہادی دستے کو اضافی طور پر کچھ دینا چاہے تو زیادہ سے زیادہ کل مال کا تہائی حصہ دے سکتا ہے۔

1298- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً ، سِوَى قِسْمَةِ عَامَّةِ الْجَيْشِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لشکر میں سے کچھ دستوں کو بطور خاص اضافی حصہ عطا فرمایا کرتے تھے اور یہ عام لشکر کی تقسیم کے علاوہ ہوتا تھا۔ [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لشکر کے ہر فوجی کو اضافی حصہ نہیں دیتے تھے بلکہ صرف مخصوص دستوں کو ہی کسی خاص مصلحت کے تحت عنایت فرمایا کرتے تھے ' پھر جس دستے کے جوانوں کو یہ حصہ عطا فرماتے ان سب کو بھی برابر برابر نہیں دیتے تھے بلکہ ہر ایک کو خدمات کے بقدر عطا فرماتے تھے۔

1299- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ ، فَنَأْكُلُهُ وَلَا نَرْفَعُهُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ، وَلِأَبِي دَاوُدَ : ((فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ الْخُمُسُ)) صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں غزوات میں شہد اور انگور مل جاتے تو ہم انہیں کھا لیتے لیکن اٹھا کر نہ لے جاتے۔ [بخاری] اور ابوداود میں ہے کہ ان سے خمس نہیں لیا جاتا تھا۔ [اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔]

1300- وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((أَصَبْنَا طَعَامًا يَوْمَ خَيْبَرَ ، فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ فَيَأْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيهِ ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے موقع پر کھانے کی اشیاء ہمارے ہاتھ آئیں تو ہر آدمی آتا اور اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کھانے کے لیے لیتا ' پھر واپس چلا جاتا۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن جارود اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1298- [بخاری (٣١٣٥) کتاب فرض الخمس : باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين ' مسلم (١٧٥٠) ابو داود (٢٧٤٦) احمد (١٤٠/٢)]

1299- [بخاری (٣١٥٤) کتاب فرض الخمس : باب ما يصيب من الطعام فى أرض الحرب ' ابو داود (٢٧٠١) ابن حبان (٤٨٢٥) بیهقی (٥٩/٩)]

1300- [صحیح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٢٧٠٤) کتاب الجهاد : باب فى النهى عن النهبى إذا كان فى الطعام قلة ' احمد (٣٥٤/٤) حاكم (١٢٦/٢) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1301- وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ، وَلَا يَلْبَسْ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَرِجَالُهُ لَا بَأْسَ بِهِمْ.

حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے مال غنیمت کے جانور پر سوار نہ ہوحتی کہ جب وہ کمزور ہو جائے تو اسے واپس کر دے اور وہ مسلمانوں کے مال غنیمت سے کوئی کپڑا نہ پہنے حتی کہ جب وہ پرانا ہو جائے تو اسے واپس لوٹا دے۔" [اسے ابوداود اور دارمی نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں کوئی حرج نہیں۔]

لغوی توضیح أَعْجَفَ اعجاف (بروزن افعال) سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے "لاغر کر دینا"۔ أَخْلَقَ اخلاق (بروزن افعال) سے ہے' اس کا معنی ہے "پرانا و بوسیدہ کرنا"۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ جنگ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ (تقسیم سے پہلے) کسی بھی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ البتہ کھانے پینے کی اشیاء استعمال میں لانے کی اجازت ہے خواہ زیادہ شدید ضرورت نہ بھی ہو اور مالِ غنیمت میں خیانت کی احادیث سے یہ صورت خاص ہے۔ اسی طرح اگر دورانِ جنگ مالِ غنیمت کے جانوروں یا ہتھیاروں کی ضرورت پیش آ جائے تو انہیں استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن جنگ کے اختتام پر انہیں مالِ غنیمت میں جمع کرانا ہوگا۔ امام شوکانیؒ نے فرمایا ہے کہ خوراک اور گھاس کے سوا تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت کی کسی بھی چیز سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ (٣٤) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ دورانِ جنگ دشمنوں کے جانوروں پر سواری' ان کے کپڑے اور اسلحے کا استعمال بالاتفاق جائز ہے لیکن جنگ کے خاتمے پر انہیں لوٹا دیا جائے گا۔ (٣٥)

1302- وَعَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ بَعْضُهُمْ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَ أَحْمَدُ وَ فِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "مسلمانوں میں سے کوئی بھی آدمی پناہ دے سکتا ہے۔" [اسے ابن ابی شیبہ اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔]

1303- وَلِلطَّيَالِسِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ))

اور طیالسی میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "مسلمانوں کا ادنیٰ وحقیر شخص بھی پناہ دے سکتا ہے۔"

1301- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (٢١٥٩-٢٧٠٨) كتاب النكاح : باب في وطء السبايا' احمد (١٠٨/٤) دارمي (٢٤٨٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1302- [ابن أبي شيبة (٣٣٣٨٨) احمد (١٩٥/١) شیخ حازم علی قاضی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے اور اس کے کچھ ایسے شواہد ہیں جو اسے مضبوط بنا دیتے ہیں۔]

1303- [حسن صحيح : صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (٢٦٨٥) كتاب الديات : باب المسلمون تتكافأ دماؤهم' السلسلة الصحيحة (٢٨١٩)]

(٣٤) [الدرر البهية : كتاب الجهاد] (٣٥) [فتح الباري (٣٨٨/٦)]

1304- وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ((ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ)).

اور صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''مسلمانوں کی پناہ ایک ہی ہے' ان کا ادنیٰ آدمی بھی اس کے لیے کوشش کر سکتا ہے۔''

1305- زَادَ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ: ((وَيُجِيرُ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ)).

ابن ماجہ نے ایک دوسری سند سے اتنا اضافہ کیا ہے کہ ''ان کا کوئی دور کا آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔''

1306- وَفِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ أُمِّ هَانِيءٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: ((قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ)).

اور صحیحین میں حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''ہم نے اسے پناہ دی جسے تم نے پناہ دی۔''

لغوی توضیح يُجِيرُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَجَارَ يُجِيرُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''امان وپناہ دینا''۔ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مسلمانوں پر' یعنی ایک آدمی بھی اپنی پناہ تمام مسلمانوں پر نافذ کر سکتا ہے۔ أَدْنَاهُمْ ان میں سے کم ترین' خواہ وہ تعداد میں کم ترین ہو یعنی ایک ہو یا حیثیت میں کم ترین ہو یعنی عورت اور نوکر وغیرہ۔ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ مسلمانوں کا عہد' امان' پناہ اور کفالت' اس کا نام ذمہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اسے توڑنا مذمت واجب کر دیتا ہے۔ أَقْصَاهُمْ ان میں سے جو دور کا رہائشی ہو' یعنی جو مسلمان میدانِ جنگ سے کہیں دور کا رہنے والا بھی ہو اس کی دی ہوئی پناہ سب مسلمانوں کو قبول کرنا ہوگی۔ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ ہم نے اسے پناہ دی جسے تو نے پناہ دی' یہ آپ ﷺ نے حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جب انہوں نے آپ ﷺ کو یہ پیغام بھجوایا کہ انہوں نے اپنے دو سسرالی رشتہ داروں کو پناہ دی ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا عورت کی امان درست ہے' جمہور اسی کے قائل ہیں۔

فہم الحدیث ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان (خواہ وہ مرد ہو یا عورت' حیثیت میں ارفع ہو یا ادنیٰ' میدانِ جنگ کے قریبی علاقے کا رہائشی ہو یا دور کا) کسی کافر کو پناہ دے تو باقی تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کی پناہ کو قبول کریں اور اس کافر کا خون نہ بہائیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی کافر اسلامی تعلیمات جاننے اور کلام سننے کی غرض سے امان وپناہ طلب کرے تو اسے پناہ دینا واجب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ﴾ [التوبة : ۶] ''اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اپنی جائے امان تک پہنچا دے۔'' امام اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا حکم تا قیامت باقی ہے۔ (۳۶)

1307- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو

1304- [بخاری (۳۱۷۹) كتاب الجزية : باب إثم من عاهد ثم غدر' مسلم (۱۳۷۰) ابو داود (۴۰۳۰) ترمذی (۲۱۲۷) نسائی (۲۰/۸) احمد (۱۱۹/۱) بیهقی (۹۴/۹)]

1305- [حسن صحيح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۷۵۱) كتاب الجهاد : باب فى السرية ترد على أهل العسكر' ابن ماجه (۲۶۸۳)]

1306- [بخاری (۳۵۷-۳۱۷۱-۶۱۵۸) كتاب الصلاة : باب الصلاة فى الثوب الواحد ملتحفا به' مسلم (۳۳۶) ابو داود (۲۷۶۳) احمد (۳۴۱/۶)]

1307- [مسلم (۱۷۶۷) كتاب الجهاد والسير : باب إخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب' ابو داود (۳۰۳۰) ترمذی (۱۶۰۶) احمد (۲۹/۱) ابن الجارود (۱۱۰۳) بیهقی ۲۰۷/۹۰]

(۳۶) [كما فى توضيح الأحكام (۴۱۳/۶)]

النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : ((لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

یہ فرماتے ہوئے سنا ''میں ضرور یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کروں گا حتی کہ (عرب میں) صرف مسلمان کو ہی باقی چھوڑوں گا۔'' [مسلم]

لغوی توضیح جَزِيْرَةُ الْعَرَب اسے جزیرہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ مختلف سمندروں یعنی بحرِ ہند، بحر فارس اور بحر احمر نے اسے گھیرا ہوا ہے اور عرب کی طرف نسبت اس وجہ سے ہے کیونکہ قبل از اسلام یہ علاقہ انہی کا مسکن تھا۔ (۳۷) جمہور کا کہنا ہے کہ جزیرۃ العرب سے مراد حجاز ہے۔ (۳۸) تو یاد رہے کہ حجاز جزیرۃ العرب کا ہی ایک حصہ ہے اور کسی چیز کے بعض پر حکم اس کے کل پر حکم کے مخالف نہیں۔ اس لیے راجح مؤقف یہی ہے کہ جزیرۃ العرب جن جن علاقوں پر بولا جاتا ہے ان تمام سے یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین کو نکالنا واجب ہے۔ (۳۹)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے لیکن آپ ﷺ اپنی زندگی میں ایسا نہ کر سکے تو وفات کے وقت اپنی آخری وصیت میں یہ فرمایا کہ ''مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔'' (۴۰) پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہیں اپنے دو سالہ دورِ خلافت میں ایسے ایسے فتنوں نے آلیا کہ وہ یہ فریضہ سرانجام نہ دے سکے تو بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تمام یہود و نصاریٰ کو سرزمینِ عرب سے نکال دیا۔ (۴۱)

❑ واضح رہے کہ مجوسی بھی جزیرۃ العرب سے نکالنے کے حکم میں اہل کتاب کی طرح ہی ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ حدیث ہے کہ ﴿لَا يَجْتَمِعُ دِيْنَانِ فِيْ أَرْضِ الْعَرَبِ﴾ ''ارضِ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔''

1308- وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : ((كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ، مِمَّا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ ، فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خَاصَّةً ، فَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَةٍ ، وَمَا بَقِيَ يَجْعَلُهُ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ بنو نضیر کے اموال، اُن اموال میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائے، جن پر مسلمانوں نے نہ تو گھوڑے دوڑائے اور نہ ہی اونٹ۔ یہ اموال نبی کریم ﷺ کے لیے خاص تھے، آپ ﷺ ان سے اپنے گھر والوں پر سال بھر خرچ کرتے تھے اور جو مال باقی بچ جاتا اسے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے گھوڑوں اور اسلحہ کی تیاری میں وقف کر دیتے۔ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَفَاءَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَفَاءَ يُفِيْءُ (بروزن افعال) سے، اس کا معنی ہے ''عطا کرنا

1308- [بخاری (۲۹۰۴) كتاب الجهاد والسير : باب المجن ومن يترس بترس صاحبه ، مسلم (۱۷۵۷) ابو داود (۲۹٦۵) ترمذی ۱۷۱۹۰) نسائی (۱۳۲/۷) احمد (۴۸/۱) ابن الجارود (۱۰۹۷) بیهقی (۲۹٦/٦)]

(۳۷) [نیل الأوطار (۱۳۳/۵)]

(۳۸) [تحفة الأحوذی (۲۲۲/۵) شرح مسلم للنووی (۱۰۵/٦) نیل الأوطار (۱۳۴/۵) سبل السلام (۱۷۹/۴) فتح الباری (۲۸۴/٦) الاستذکار لابن عبدالبر (٦۲/۲٦)]

(۳۹) [تفصیل کے لیے دیکھئے: سبل السلام (۱۷۹۱/۴) الروضة الندية (۷٦٦/۲) نیل الأوطار (۱۳۵/۵)]

(۴۰) [بخاری (۳۰۵۳) كتاب الجهاد والسير : باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم ، مسلم (۱٦۳۷)]

(۴۱) [بخاری (۲۳۳۸) كتاب الحرث والمزارعة : باب إذا قال رب الأرض أترك ما أترك الله]

'لوٹانا''۔ مالِ فے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کیے دشمن سے حاصل ہو (جبکہ مالِ غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو دشمن سے جنگ کے بعد حاصل ہو)۔ يُوْجِفُ ايجاف سے ماخوذ ہے' جس کا معنی ہے ''دوڑانا''۔ خَيْـل گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ رِكَاب ان اونٹوں کو کہتے ہیں جن پر جہاد اور دیگر مصالح کے لیے سوار ہوا جاتا ہے۔ الْكُرَاع بھی گھوڑوں اور اسلحہ جات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عُدَّة کا معنی ہے' جنگ کی تیاری کے لیے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالِ فے مالِ غنیمت کی طرح خمس نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جائے گا' بلکہ اس کا مصرف خود رسول اللہ ﷺ' آپ کے قرابت دار اور یتامیٰ ومساکین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے غزوہ بنو نضیر سے حاصل ہونے والے مالِ فے (کھجوروں کے درختوں) کو اپنے اور اپنی ازواج کے خرچے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا اور اگر کچھ بچ جاتا تو اسے جہاد فی سبیل اللہ میں صرف فرما دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد مالِ فے کو یتامیٰ ومساکین' محتاج مسافروں' جہادِ فی سبیل اللہ' دعوت توحید کی نشر و اشاعت اور دیگر مسلمانوں کے مصالح کے لیے صرف کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مالِ فے کا مصرف قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے کہ ﴿ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَ الْيَتَمَى وَ الْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ [الحشر : ۷] ''بستیوں کا جو مال اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا۔''

1309- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خَيْبَرَ ' فَأَصَبْنَا فِيهَا غَنَمًا ' فَقَسَمَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَائِفَةً ' وَجَعَلَ بَقِيَّتَهَا فِي الْمَغْنَمِ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ رِجَالُهُ لَا بَأْسَ بِهِمْ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں غزوہ خیبر میں حصہ لیا' اس میں ہمیں (بطورِ مالِ غنیمت) بکریاں ملیں' تو رسول اللہ ﷺ نے کچھ ہم میں تقسیم فرما دیں اور باقی کو اموالِ غنیمت میں شامل فرما لیا۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں کوئی قباحت نہیں۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین اگر مناسب سمجھے تو غنیمت کے مال سے بعض مجاہدین کو اضافی طور پر کوئی حصہ عطا کر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل سابقہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

1310- وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((إِنِّي لَا أَخِيسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الرُّسُلَ)) رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''نہ تو میں عہد شکنی کرتا ہوں اور نہ ہی قاصدوں کو قید کرتا ہوں۔'' [اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوى توضيح لَا أَخِيسُ فعل نفی کا صیغہ ہے باب خَاسَ يَخِيسُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''عہد شکنی کرنا''۔

فهم الحديث یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام قبل از اسلام قریش

1309- [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (۲۷۰۷) كتاب الجهاد : باب في بيع الطعام إذا فضل عن الناس في أرض العدو ' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1310- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (۲۷۵۸) كتاب الجهاد : باب في الإمام يستجن به في العهود ' احمد (۸/٦) ابن حبان (٤٨٧٧) حاكم (۳/۵۹۸) بيهقي (۹/۱٤٥) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

کے سفیر بن کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے' جب انہوں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تو اسلام قبول کر لیا' پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ان کی طرف واپس نہیں جانا چاہتا۔ تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا'' میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصدوں کو قید نہیں کرتا۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد شکنی نہیں کرنی چاہیے اور قاصدوں کو قید نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ اس پر خود تیار کیوں نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کذاب کے قاصدوں (سفراء) سے فرمایا'' اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم قاصد ہو تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔''(٤٢) ایک دوسری روایت میں ہے کہ'' اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ایلچیوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کی گردن کاٹ دیتا۔''(٤٣) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث ثبوت ہیں کہ کفار کے قاصدوں کو قتل کرنا حرام ہے خواہ وہ کلمہ کفر ہی کہہ دیں۔(٤٤) امام ابن قدامہؒ نے فرمایا ہے کہ (سفراء کا قتل جائز نہیں) کیونکہ ضرورت اس کی متقاضی ہے' اگر ہم ان (کفار) کے سفیروں کو قتل کریں گے تو وہ ہمارے سفیروں کو قتل کریں گے جس وجہ سے باہمی پیغام رسانی اور خط وکتابت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔(٤٥)

1311- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا وَأَقَمْتُمْ فِيهَا فَسَهْمُكُمْ فِيهَا، وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' تم جس بستی میں بھی آؤ اور اس میں قیام کرو تو اس میں تمہارا حصہ ہے اور جو بستی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمان ہو تو وہاں سے حاصل ہونے والے کا مال کا خمس اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے' پھر وہ بھی تمہارے لیے ہے۔'' [مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تم جس بستی میں بغیر لڑائی کے قیام کرو اور مالِ فے حاصل ہو جائے تو اس میں بھی دیگر مسلمانوں کی طرح تمہارا حصہ ہے اور جو بستی اللہ کی نافرمان ہو اور تم لڑائی کے ذریعے اس پر قبضہ کرو' تو اس صورت میں جو مال حاصل ہوگا اس میں سے خمس نکالا جائے گا اور باقی مال تم میں ہی تقسیم کر دیا جائے گا۔ قاضی عیاضؒ نے اسی مفہوم کا احتمال ظاہر کیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مالِ فے سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔ امام ابن منذرؒ نے فرمایا ہے کہ ہمیں علم نہیں کہ امام شافعیؒ سے پہلے کوئی مالِ فے سے خمس نکالنے کا قائل ہو۔(٤٦) نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مالِ فے اور مالِ غنیمت الگ الگ اموال ہیں۔

باب الجزية والهدنة — جزیہ اور صلح کا بیان

1312- عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَهَا - يَعْنِي الْجِزْيَةَ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔ [اسے بخاری نے روایت کیا

1311- [مسلم (١٧٥٦) كتاب الجهاد والسير: باب حكم الفيء' ابو داود (٣٠٣٦) احمد (٣١٧/٢)]

1312- [بخاری (٣١٥٧) كتاب الجزية: باب الجزية والموادعة مع أهل الكتاب' ابو داود (٣٠٤٣) ترمذی (١٥٨٧) احمد (١٩٠/١)]

(٤٢) [صحيح: صحيح ابو داود (٢٤٠٠) كتاب الجهاد: باب فی الرسل' ابو داود (٢٧٦٢) احمد (٣٩٠/١) نسائی (٩٢٨٠)]

(٤٣) [صحيح: صحيح ابو داود (٢٣٩٩) أيضا' ابو داود (٢٧٦١) احمد (٤٨٧/٣)]

(٤٤) [نيل الأوطار (١٠٠/٥)]

(٤٥) [المغنی (٧٩/١٣)] (٤٦) [سبل السلام (١٧٩٦/٤)]

مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ، وَلَهُ طَرِيقٌ فِي الْمُوَطَّا فِيهَا انْقِطَاعٌ ۔

ہے اور مؤطا میں اس حدیث کی ایک دوسری سند ہے جس میں انقطاع ہے۔]

لغوی توضیح الْجِزْيَةَ سے مراد وہ معاوضہ ہے جو اہل ذمہ سے اسلامی ریاست میں رہنے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں لیا جاتا ہے۔ الْهُدْنَة سے مراد وہ جنگ بندی کا معاہدہ ہے جو کسی بھی دو حکومتوں کے درمیان طے پاتا ہے۔ الْمَجُوس آتش پرست لوگ۔ هَجَر بحرین کے سب سے بڑے شہر کا نام۔

فهم الحديث اس حدیث میں ان حضرات کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ صرف اہل کتاب سے جزیہ وصول کیا جائے گا' اس سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ مجوسی مشرکوں سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا۔

1313- وَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَنَسٍ ، وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى أُكَيْدِرِ دُومَةَ الْجَنْدَلِ ، فَأَخَذُوهُ فَأَتَوْهُ بِهِ ، فَحَقَنَ لَهُ دَمَهُ ، وَصَالَحَهُ عَلَى الْجِزْيَةِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ ۔

حضرت عاصم بن عمرؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر کے پاس بھیجا۔ خالد رضی اللہ عنہ اسے گرفتار کر کے آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے اس کا خون نہ بہایا اور جزیہ پر اس سے مصالحت کر لی۔[ابوداود]

لغوی توضیح بَعَثَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا' آپ ﷺ نے انہیں غزوہ تبوک کے دنوں میں بھیجا تھا۔ أُكَيْدِر سے مراد ہے اکیدر بن عبدالملک کندی جو اس وقت دومۃ الجندل کا حاکم تھا۔ دُوْمَةُ الْجَنْدَل غربی نجد کے شمال میں واقع وادیٔ سرحان کے ایک شہر کا نام ہے' آج کل یہ علاقہ جوف کہلاتا ہے۔ حقَنَ دَمَهُ اس کا خون نہ بہایا' اسے چھوڑ دیا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے سب سے جزیہ وصول کیا جائے گا' اُکیدر عرب کا عیسائی حاکم تھا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں جبکہ احناف عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لینے کے قائل نہیں۔ (٤٧) مذکورہ صحیح حدیث ان کا رد کرتی ہے۔

1314- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: ((بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ ، فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ عَدْلَهُ مَعَافِرِيًّا)) أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے یمن کی طرف روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ میں ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا بطور جزیہ وصول کروں۔[اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔]

1313- [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (٣٠٣٧) كتاب الخراج : باب فى أخذ الجزية ' بيهقى (١٨٧/٩) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو قابل حجت اور مقبول کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

1314- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (١٥٧٦-٣٠٣٨) كتاب الزكاة : باب فى زكاة السائمة ' ترمذى (٦١٩) نسائى (٢٦/٥) احمد (٢٣٠/٥) ابن حبان (٧٩٤-الموارد) حاكم (٣٩٨/١) دارقطنى (١٠٢/٢) بيهقى (٩٨/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٤٧) [المغنى (٢٠٣/١٣) الاختيار (١٣٧/٤) فتح البارى (٣٩٣/٦) نيل الأوطار (١٢٥/٥) الروضة الندية (٧٦٣/٢)]

لغوی توضیح حَالِم بالغ ـ عِدْلَهُ اس کے برابر ـ مُعَافِرِيًّا معافر کی طرف نسبت ہے' یہ یمن کا ایک شہر ہے' اس میں جو کپڑا تیار کیا جاتا تھا اسے معافری کہا جاتا تھا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سال ایک دینار یا اس کے برابر قیمت کی کوئی چیز بطورِ جزیہ وصول کرنی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ لینے کے لیے تین طبقے بنا رکھے تھے: ① اغنیاء سے 48 درہم ② متوسطین سے 24 درہم ③ اور فقراء سے 12 درہم۔ (۴۸) ایک دوسری روایت میں ابن أبی نجیح بیان کرتے ہیں کہ میں نے مجاہدؒ سے پوچھا' اس کی کیا وجہ ہے کہ شام کے اہل کتاب پر چار دینار (جزیہ) ہے اور یمن کے اہل کتاب پر صرف ایک دینار تو انہوں نے کہا کہ شام کے کافر زیادہ مالدار ہیں۔ (۴۹) ان مختلف روایات کی وجہ سے فقہاء نے جزیہ کی مقدار کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کم از کم جزیہ ایک دینار ضروری ہے اور اگر امام درست سمجھے تو زیادہ بھی لے سکتا ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا موقف وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا یعنی تین طبقات۔ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اغنیاء کے لیے 40 درہم یا 4 دینار اور فقراء کے لیے 10 درہم یا ایک دینار۔ امام ثوریؒ، امام عطاؒ، امام یحییٰؒ اور امام ابوعبیدؒ نے کہا ہے کہ جزیہ کی کوئی مقدار معین نہیں' جس پر مصالحت ہو جائے وہی لیا جائے گا۔ (۵۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے کہا ہے کہ جزیہ کی مقدار کا تعین حاکم وقت کے اجتہاد پر موقوف ہے وہ حسب احوال اسے مقرر کرے گا۔ (۵۱) یہی رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

1315- وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((الْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى عَلَيْهِ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ۔

حضرت عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا' "اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔" [دارقطنی]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام غلبے والا دین ہے' یہ ہمیشہ غالب رہنے کے لیے آیا ہے۔ اس لیے اہل اسلام کو چاہیے کہ جان' مال' قلم اور زبان ہر طریقے سے اسے غالب کرنے کی کوشش کرتے رہیں (لیکن اگر اہل اسلام ہی اسلام کو ترک کر دیں اور یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے طور طریقے اپنا لیں تو پھر ان کی مغلوبیت اور ذلت و رسوائی میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے' جیسا کہ دورِ حاضر میں مسلمانوں کی حالت زار اسی کی غماز نظر آتی ہے)۔ یہاں صلح کے بیان میں اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ وضاحت کرنا ہے کہ کفار سے مصالحت کے وقت اگر کوئی ایسی شرط بھی طے کرنی پڑ جائے کہ جو بظاہر اہل اسلام کے مفاد کے خلاف ہو تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے' اللہ تعالیٰ اسے بہر صورت غالب کر کے ہی رہے گا۔

1315- [حسن: صحيح الجامع الصغير (۲۷۷۸) دارقطني (۲۵۲/۳) بيهقي (۲۰۵/۶) بخاري تعليقا (۱۳۵۴) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۴۸) [ابن أبي شيبة (۲۴۱/۱۲) كتاب الجهاد: باب ما قالوا في وضع الجزية والقتال عليها' بيهقي (۱۹۶/۹) كتاب الجزية]

(۴۹) [بخاري (قبل الحديث / ۳۱۵۶) كتاب الجزية والموادعة: باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب]

(۵۰) [المغني (۲۱۱/۱۳) بدائع الصنائع (۱۱۲/۷) الدر المختار (۲۹۲/۳) تبيين الحقائق (۲۷۶/۳) الشرح الكبير (۲۰۱/۲) مغني المحتاج (۲۴۸/۴) تفسير فتح القدير (۴۲۵/۲) بداية المجتهد (۷۴۹/۲)]

(۵۱) [توضيح الأحكام (۴۳۳/۶)]

1316- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا تَبْدَؤُوا الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى بِالسَّلَامِ فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں ملو تو اسے راستے کی تنگ جانب چلنے پر مجبور کر دو۔'' [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل کرنا جائز نہیں ۔ اسی طرح اگر ان میں سے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے راستہ بھی نہیں دینا چاہیے ۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انہیں احساس ہو کہ وہ (دین اسلام کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے) کم تر درجہ کے لوگ ہیں ۔

1317- وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ ۔ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ ، وَفِيهِ : ((هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو : عَلَى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ يَأْمَنُ فِيهَا النَّاسُ ، وَيَكُفُّ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ ۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ صلح حدیبیہ کے سال (6ھ میں مکہ سے) روانہ ہوئے ۔ پھر راوی نے طویل حدیث بیان کی ۔ اس میں یہ ہے کہ ''یہ وہ (تحریر) ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے کہ دس سال جنگ نہیں ہو گی ' اس مدت میں لوگ امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔'' [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔]

1318- وَ أَخْرَجَ مُسْلِمٌ بَعْضَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، وَفِيهِ : ((أَنَّ مَنْ جَاءَ مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ ، وَمَنْ جَاءَكُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوهُ عَلَيْنَا ، فَقَالُوا : أَنَكْتُبُ هٰذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قَالَ : ((نَعَمْ ، إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ ، وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا)) ۔

اور مسلم نے اس کا کچھ حصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں ہے کہ جو تم (مسلمانوں) میں سے ہمارے پاس آ جائے گا ہم اسے واپس نہیں لوٹائیں گے لیکن جو ہم میں سے تمہارے پاس آئے گا تم اسے ہماری طرف واپس لوٹاؤ گے ۔ انہوں (صحابہ) نے عرض کیا ' اے اللہ کے رسول ! کیا ہم یہ بات لکھ لیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں ۔ بلاشبہ ہم میں سے جو ان کی طرف چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہم سے دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آ گیا عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی کشائش اور راستہ نکال دے گا۔''

لغوی توضیح اَلْحُدَيْبِيَة مکہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے ۔ دراصل اس بستی میں ایک حدیبیہ نام کا کنواں تھا ' پھر اسی

1316- [مسلم (٢١٦٧) كتاب السلام : باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب ' الأدب المفرد (١١٠٣) ابو داود (٥٢٠٥) ترمذى (١٦٠٢-٢٧٠٠) احمد (٢٢٥/٢) ابن حبان (٥٠٠) بيهقى (٢٠٣/٩)]

1317- [حسن : صحيح ابو داود ' ابو داود (٢٧٦٦) كتاب الجهاد : باب فى صلح العدو ' مزید دیکھئے: بخارى (٢٧٣١-٢٧٣٢) احمد (٣٢٣/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1318- [مسلم (١٧٨٤) كتاب الجهاد والسير : باب صلح الحديبية فى الحديبية ' احمد (٢٦٨/٣)]

سے اس علاقے کا نام حدیبیہ پڑ گیا۔ وَضْعُ الْحَرْبِ جنگ چھوڑ دینا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امیر حالات کے مطابق کفار کے ساتھ معین مدت تک کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کرے تو ایسا کرنا جائز ہے خواہ معاہدے میں کوئی ایسی شرط ہی کیوں نہ طے کرنی پڑے جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف ہو۔

❑ یہاں یہ بات یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کے بعد آنے والی خواتین کو واپس نہیں کیا تھا کیونکہ صلح مردوں کے حق میں ہوئی تھی عورتوں کے حق میں نہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی تھی ﴿ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ﴾ [الممتحنة : ١٠] ''ان عورتوں کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔''(٥٢)

1319- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ' وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے پائی جائے گی۔'' [بخاری]

لغوی توضیح مُعَاهَد اس غیر مسلم شخص کو کہتے ہیں جو امان لے کر اسلامی ریاست میں مقیم ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی مسلمان کے لیے ذمی کو قتل کرنا حرام ہے اور اگر کوئی ایسا کر دے تو اس سے دنیا میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اسے آخرت میں ہی سزا ملے گی جیسا کہ حدیث میں صرف اُخروی سزا کا ذکر ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ''ذمی کو قتل کرنے والا جنت کی خوشبو نہیں پائے گا'' کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اس مسئلے میں راجح مؤقف یہی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کی حالت میں فوت ہوا ہو تو خواہ اس نے کتنے ہی کبیرہ گناہ کیے ہوں وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر بالآخر جنت میں داخل ہو ہی جائے گا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔(٥٣)

باب السبق والرمي — گھڑ دوڑ اور تیر اندازی کا بیان

1320- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((سَابَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْخَيْلِ الَّتِي قَدْ ضُمِّرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ ' وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ ' وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيمَنْ سَابَقَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' زَادَ الْبُخَارِيُّ '

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (دوڑ کے لیے) تیار شدہ گھوڑوں کی حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک اور غیر تیار شدہ گھوڑوں کی ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک دوڑ کرائی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس دوڑ میں شریک تھے۔ [بخاری، مسلم] بخاری میں اتنا اضافہ ہے کہ سفیان نے کہا' حفیاء سے ثنیۃ

1319- [بخاری (٣١٦٦) کتاب الجزية : باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم ' نسائی (٢٥/٨) ابن ماجه (٢٦٨٦) احمد (١٨٦/٢)]

1320- [بخاری (٤٢٠) کتاب الصلاة : باب هل يقال مسجد بني فلان ' مسلم (١٨٧٠) ابو داود (٢٥٧٥) ترمذی (١٦٩٩) نسائی (٢٢٢/٦) دارمی (٢٤٢٩) ابن حبان (٤٦٨٦) دارقطنی (٣٠٠/٤)]

(٥٢) [بخاری (٢٧١١ ' ٢٣١٢) بیهقی (١٧٠/٧) شرح السنة (٦٤٧/٥) الأم (٢٥٩/٥) سبل السلام (١٨٠٤/٤) نيل الأوطار (١١٨/٥)]

(٥٣) [فتح الباری (تحت الحديث / ٣١٦٦)]

قَالَ سُفْيَانُ: مِنَ الْحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ خَمْسَةُ أَمْيَالٍ، أَوْ سِتَّةٌ، وَمِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ مِيلٌ

الوداع تک پانچ یا چھ میل کا اور ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک ایک میل کا فاصلہ ہے۔

1321- وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ، وَفَضَّلَ الْقُرَّحَ فِي الْغَايَةِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گھوڑوں کے درمیان دوڑ لگوائی اور نوجوان گھوڑوں کی منزل دور مقرر فرمائی۔ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح السَّبْق سے مراد ہے گھڑ دوڑ اور الرَّمْی سے مراد ہے تیر اندازی۔ ضُمِّرَتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے تضمیر (بروزن تفعیل) سے، گھوڑے کو پہلے خوب کھلا پلا کر موٹا کرنے پھر اس کی خوراک میں کمی کر کے اس کے جسم کو مضبوط کرنے اور اسے دوڑ کے لیے تیار کرنے کے عمل کو تضمیر کہتے ہیں۔ قُرَّح جمع ہے قارح کی، اس سے مراد وہ گھوڑا ہے جو مکمل جوانی کی عمر کو پہنچ چکا ہو۔

فهم الحديث معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جنگی مشقیں مثلاً گھڑ سواری اور تیر اندازی وغیرہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس وقت عموماً یہی چیزیں جنگ میں کام آتی تھیں اس لیے احادیث میں انہی کا ذکر ملتا ہے اور جو اسلحہ جات دورِ حاضر میں جنگ کے لیے ضروری ہیں اب ان کی تربیت حاصل کرنی چاہیے۔

1322- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ أَوْ نَصْلٍ أَوْ حَافِرٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الثَّلَاثَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اونٹوں، گھوڑوں اور تیر اندازی کے سوا اور کسی چیز میں مسابقت نہیں۔" [اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَا سَبَقَ لا نافیہ ہے اور سبق کا معنی ہے "دوڑ وغیرہ کے مقابلے میں مالی انعام مقرر کرنا"۔ خُفٌّ اونٹ۔ حَافِر گھوڑے۔ نَصْل تیر اندازی۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقررہ انعام پر دوڑ کا مقابلہ کرانا جائز ہے۔ اگر تو انعام دوڑ لگانے والے فریقین کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہو (مثلاً حاکم وغیرہ کی طرف سے) تو بلا اختلاف یہ جائز ہے لیکن اگر دوڑ لگانے والے آپس میں انعام مقرر کریں تو یہ جوا ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ نیز حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ مقررہ انعام پر مقابلے بازی صرف مذکورہ تینوں کھیلوں میں ہی جائز ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ عطاءؒ نے ہر کھیل میں اسے جائز قرار دیا ہے۔ (۵۴)

1323- وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

1321- [**صحیح**: صحیح ابو داود، ابو داود (۲۵۷۷) کتاب الجهاد: باب فی السبق، احمد (۱۵۷/۲) دارقطنی (۲۹۹/٤) ابن حبان (٤٦٨٨) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1322- [**صحیح**: صحیح ابو داود، ابو داود (۲۵۷٤) کتاب الجهاد: باب فی السبق، ترمذی (۱۷۰۰) نسائی (۲۲٦/٦-۲۲۷) احمد (٤۷٤/۲) ابن حبان (٤٦۹۰) بیهقی (۱٦/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1323- [**ضعیف**: ضعیف ابو داود، ابو داود (۲۵۷۹) کتاب الجهاد: باب فی المحلل، ابن ماجه (۲۸۷٦) احمد (۵۰۵/۲) حاکم (۱۱٤/۲) بیهقی (۲۰/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۵٤) [سبل السلام (۲٦٤/٤)]

قَالَ : ((مَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَهُوَ لَا يَأْمَنُ أَنْ يُسْبَقَ فَلَا بَأْسَ بِهِ ، فَإِنْ أَمِنَ فَهُوَ قِمَارٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ ، وَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ ـ

فرمایا "جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان ایک (تیسرا) گھوڑا داخل کر دے اور اسے یہ یقین نہ ہو کہ وہ آگے بڑھ جائے گا تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر اسے یہ یقین ہو تو پھر یہ جوا ہے۔" [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔]

لغوی توضیح لَا يَأْمَنُ أَنْ يُسْبَقَ اسے یقین نہ ہو کہ وہ (تیسرا گھوڑا) آگے بڑھ جائے گا۔ فَإِنْ أَمِنَ اگر اسے یہ یقین ہو۔ فَهُوَ قِمَارٌ تو یہ جوا ہے۔ کیونکہ گھڑ دوڑ کا مقصد ہی یہ ہے کہ گھوڑوں کی قوت کا اندازہ لگایا جائے اور انہیں امتحان میں ڈالا جائے لیکن اگر پہلے سے ہی کسی گھوڑے کے آگے بڑھ جانے کا علم ہو تو پھر یہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے' اسی لیے اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ تاہم یہ روایت بہر حال ثابت نہیں۔

1324- وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقْرَأُ : ﴿ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ ﴾ [الأنفال : ٦٠] الآية: ((أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' آپ منبر پر یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے "اور تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی۔" (اور یہ فرما رہے تھے کہ) "خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے' خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے' خبردار! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔" [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث میں قرآن کی مذکورہ آیت میں موجود لفظ قوت کی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد تیر اندازی ہے۔ اس آیت اور حدیث کی رو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں پر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیاری کرنا واجب ہے اور جس چیز کو دشمن پر پھینکا جاتا ہے' مثلاً تیر نیزے وغیرہ اور دورِ حاضر میں بندوقوں' ٹینکوں اور جہازوں وغیرہ کے ذریعے پھینکے جانے والے گولہ بارود' کی بطورِ خاص تربیت لینا ضروری ہے' کیونکہ رمی (یعنی پھینکنے) کا یہی مفہوم ہے۔ نشانہ بازی کی اہمیت اس فرمانِ نبوی سے بھی واضح ہوتی ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہارے لیے زمینوں کو فتح کرا دے گا اور اللہ تمہیں اپنی نصرتوں سے نواز دے گا لہٰذا تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے تیروں سے جہادی مشقیں کرنے سے عاجز نہ آئے۔" (٥٥) اسی طرح آپ ﷺ کا ایک فرمان یوں ہے کہ "جس نے نشانہ بازی سیکھی پھر اس کو بھلا دیا تو وہ ہم میں سے نہیں یا فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔" (٥٦) ذرا تصور کیجیے کہ جس نے نشانہ بازی کو سیکھ کر بھلا دیا اسے آپ ﷺ نافرمان قرار دے کر اس سے لاتعلقی کا اظہار کر رہے ہیں اور جس نے اسے سیکھا ہی نہیں وہ کتنا بڑا نافرمان قرار پائے گا۔

1324- [مسلم (١٩١٧) كتاب الإمارة : باب فضل الرمي والحث عليه وذم من علمه ثم نسيه ' ابو داود (٢٥١٤) ترمذی (٣٠٨٣) ابن ماجه (٢٨١٣) احمد (١٥٦/٤) دارمی (٢٤٠٤) ابن حبان (٤٧٠٩) بيهقی (١٣/١٠)]

(٥٥) [مسلم (١٩١٨) كتاب الامارة : باب فضل الرمي والحث عليه]

(٥٦) [مسلم (١٩١٩) كتاب الامارة : باب فضل الرمي والحث عليه]
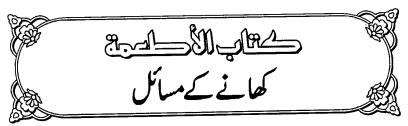
كتاب الأطعمة
کھانے کے مسائل

1325- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''درندوں میں سے ہر کچلی والے جانور کا کھانا حرام ہے۔'' [مسلم]

1326- وَ أَخْرَجَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِلَفْظِ : ((نَهَى)) وَزَادَ : ((كُلُّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ)) .

اور مسلم نے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان لفظوں میں روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ ''پرندوں میں سے ہر ایسے پرندے کا کھانا (حرام ہے) جو پنجے کے ذریعے شکار کرے۔''

لغوی توضیح أطعمة جمع قلت ہے اس کی واحد طعام ہے۔ طعام سے مراد وہ چیز ہے جسے کھایا جائے یا پیا جائے جیسا کہ قرآن میں ہے ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّىْ ﴾ [البقرة : ٢٤٩] ''جس نے اسے (یعنی پانی کو) نہ چکھا وہ مجھ سے ہے۔'' باب طَعِمَ يَطْعَمُ (بروزن سمع) کھانا۔ باب أَطْعَمَ يُطْعِمُ (بروزن افعال) کھلانا۔ نَاب کی جمع أَنْيَاب ہے' اس سے مراد ایسا دانت ہے جو رباعی (دانتوں) کے پیچھے ہو (اور رباعی ثنایا کے ساتھ ہوتے ہیں اور ثنایا درمیان والے دو دانتوں کو کہتے ہیں)۔ سِبَاع سَبُعٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ جانور ہے جو چیر پھاڑ کرے۔ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ سے مراد ایسا درندہ ہے جو کچلیوں کے ساتھ شکار کر کے کھائے مثلاً شیر' بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔ مخلب کا معنی ''پنجہ یا چنگل'' ہے یعنی پرندے کی وہ چیز جو انسان کے ناخنوں کے مثل ہو۔ ذِيْ مِخْلَبٍ سے مراد ایسا پرندہ ہے جو اپنے پنجوں کے ذریعے شکار کرے (مثلاً چیل' شاہین اور باز وغیرہ)۔ (۱)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درندوں میں سے کچلی والا (گوشت خور) جانور اور پرندوں میں سے پنجوں کے ذریعے شکار کرنے والا پرندہ حرام ہے۔ شرع نے یہ ایک جامع اصول بیان کر دیا ہے' اب جو جانور اس کے تحت آئے گا وہ حرام ہوگا اور جو اس کے تحت نہیں آئے گا وہ حلال ہوگا الا کہ کسی جانور کی الگ سے حرمت بیان کر دی گئی ہو۔ بجو اور لومڑی کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اسے حرام جبکہ امام شافعیؒ اسے حلال قرار دیتے ہیں۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ہر گوشت خور جانور حرام ہے یا صرف وہ جو کچلیوں کے ساتھ شکار کرے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر گوشت خور جانور درندہ ہونے کی بنا پر حرام ہے اس لیے وہ بجو اور لومڑی کو حرام قرار دیتے ہیں جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف وہی جانور حرام ہے جو

1325- [مسلم (١٩٣٣) كتاب الصيد والذبائح : باب تحريم أكل كل ذى ناب من السباع ' ترمذى (١٤٧٩) نسائى (٢٠٠/٧) ابن ماجه (٣٢٣٣) احمد (٢٣٦/٢)]

1326- [مسلم (١٩٣٤) كتاب الصيد والذبائح : باب تحريم أكل كل ذى ناب من السباع ' ابو داود (٣٨٠٣-٣٨٠٥) نسائى (٢٠٦/٧) ابن ماجه (٣٢٣٤) احمد (٢٤٤/١) ابن الجارود (٨٩٢)]

(١) [سبل السلام (١٨٢١/٤)]

چیر پھاڑ کرنے والا ہو' چونکہ یہ دونوں جانور اس طرح نہیں اس لیے انہوں نے اسے حلال قرار دیا ہے۔ (۲) یہی مؤقف حدیث کے موافق ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔ نیز ایک صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بجو کو کھایا۔ (۳)

❑ شیخ عبداللہ بسامؒ نے فرمایا ہے کہ تمام غیر خبیث اشیاء پاک ہیں اور خبیث اشیاء کی خباثت مندرجہ ذیل اُمور سے معلوم کی جاسکتی ہے:

(1) شارع علیہ السلام نے نص بیان کی ہو کہ فلاں چیز خبیث ہے مثلاً گھریلو گدھے۔
(2) جس کی تعریف پر نص موجود ہو مثلاً " كل ذى ناب من السباع و كل ذى مخلب من الطير "۔
(3) جس کی خباثت معروف ہو مثلاً چوہیا اور سانپ وغیرہ۔
(4) شارع علیہ السلام نے جس کے قتل کا حکم دیا ہو یا جس کے قتل سے منع کیا ہو مثلاً چیل اور مینڈک وغیرہ۔
(5) جس جانور کے متعلق مشہور ہو کہ وہ مردار کھاتا ہے مثلاً گدھ۔
(6) جس کی پیدائش حلال وحرام کے مابین ہوئی ہو تو اغلب تحریم ہی ہوگی جیسے خچر۔
(7) جس کی خباثت عارضی ہو مثلاً جلالہ جانور۔
(8) جو چیز انسان کے لیے جسمانی طور پر ضرر رساں ہو مثلاً زہر۔
(9) جو چیز عقل کو نقصان پہنچاتی ہو مثلاً شراب اور تمام نشہ آور اُشیاء وغیرہ۔
(10) جسے ناجائز طریقے سے ذبح کیا گیا ہو مثلاً کسی کافر نے ذبح کیا ہو' یا غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو وغیرہ۔

یاد رہے کہ جن اشیا میں یہ اسبابِ خبث موجود نہیں وہ حلال ہیں۔ (٤)

1327- وَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((وَرَخَّصَ)) ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی۔ [بخاری، مسلم] بخاری میں یہ لفظ ہیں' اور رخصت دے دی (یعنی اجازت کے بجائے رخصت کا لفظ ہے)۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پالتو گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اس کی حرمت کا سبب بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ یہ ناپاک جانور ہے۔ (٥) ایک روایت میں ہے کہ جب اعلان کرنے والے نے پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت کا اعلان کیا' اس وقت ہنڈیوں میں ان کا گوشت پک رہا تھا لیکن صحابہ نے کمال اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہنڈیاں ہی اُلٹ دیں۔ (٦) حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں پالتو گدھوں کے کچے اور پکے ہر طرح کے گوشت کی حرمت کا

1327- [بخاری (٤٢١٩) كتاب المغازى: باب غزوة خيبر' مسلم (١٩٤١) ابو دود (٣٧٨٨) نسائى (٢٠١/٧) احمد (٣٦١/٣) دارمى (١٩٩٣) ابن الجارود (٨٨٥) بيهقى (٣٢٦/٩)]

(٢) [الروضة الندية (٣٨٦/٢) سبل السلام (١٨١٨/٤) الفقه الإسلامي وأدلته (٢٥٩٥/٤)]
(٣) [صحيح: صحيح ترمذى' ترمذى (١٧٩١) كتاب الأطعمة: باب ما جاء فى أكل الضبع' ابو داود (٣٨٠١) ابن ماجة (٣٢٣٦) نسائى (٤٣٢٣)]
(٤) [توضيح الأحكام (٣/٧)]
(٥) [بخارى (٤١٩٨) كتاب المغازى: باب غزوة خيبر]
(٦) [بخارى (٥٥٢٧) كتاب الذبائح والصيد: باب لحوم الحمر الانسية]
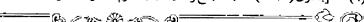
ذکر ہے۔(۷) یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ جنگلی گدھے کا گوشت حلال ہے جیسا کہ یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔(۸) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔ امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ (۹) مذکورہ صریح حدیث امام احمدؒ وغیرہ کے مؤقف کو ثابت کرتی ہے۔ نیز اسی طرح آئندہ حدیث نمبر 1335 بھی اس کا واضح ثبوت ہے۔

1328- وَعَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی' ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹڈی کھانا حلال ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس کے کھانے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(۱۰) وہ روایت بھی اس کا ثبوت ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''دو خون (جگر اور تلی) اور دو مردار (ٹڈی اور مچھلی) حلال ہیں۔''(۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ٹڈی مردار ہو تب بھی حلال ہے' ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں۔

1329- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - فِيْ قِصَّةِ الْأَرْنَبِ - قَالَ : ((فَذَبَحَهَا فَبَعَثَ بِوَرِكِهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَبِلَهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خرگوش کے قصے میں مروی ہے کہ انہوں (یعنی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) نے اسے ذبح کیا اور اس کی ران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے اسے قبول فرما لیا۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح قِصَّةُ الْأَرْنَبِ خرگوش کا قصہ۔ یہ قصہ یوں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا اس وقت ہم مر الظہران مقام پر تھے' بالآخر میں نے اسے پکڑ لیا اور اسے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا' پھر انہوں نے اسے ذبح کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ الْأَرْنَب خرگوش۔ وَرِك ران کا اوپر والا حصہ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرگوش کا گوشت حلال ہے اسی لیے آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا۔ اہل علم نے گوشت کی حلت پر اجماع نقل کیا ہے۔ تاہم بعض دیگر اہل علم مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عکرمہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ سے اس کی کراہت بھی منقول ہے۔(۱۲)

1328- [بخاری (۵۴۹۵) كتاب الذبائح والصيد : باب أكل الجراد' مسلم (۱۹۵۲) ابو داود (۳۸۱۲) ترمذی (۱۸۲۱-۱۸۲۲) نسائی (۲۱۰/۷) احمد (۳۸۰/٤) دارمی (۲۰۱۰)]

1329- [بخاری (۵۵۳۵) كتاب الذبائح والصيد : باب الأرنب' مسلم (۱۹۵۳) ابو داود (۳۷۹۱) ترمذی (۱۷۸۹) نسائی (۱۹۷/۷) ابن ماجه (۳۲٤۳) احمد (۱۱۸/۳)]

(۷) [بخاری (٤۲۲٦) كتاب المغازی : باب غزوة خيبر]

(۸) [مسلم (۱۱۹٤' ۱۱۹٦) كتاب الحج : باب تحريم الصيد المأكول البری]

(۹) [سبل السلام (۱۸۲٤/٤) الفقه الإسلامی وأدلته (۲۵۹٤/٤)]

(۱۰) [توضيح الأحكام (۱۰/۷)]

(۱۱) [مسند احمد (۵٦۹۰) ابن ماجه (۳۲۱۸)]

(۱۲) [فتح الباری (۹۸/۱۱)]

1330- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ((نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِنَ الدَّوَابِّ: النَّمْلَةُ ، وَالنَّحْلَةُ ، وَالْهُدْهُدُ ، وَالصُّرَدُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور ممولا۔ [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح النَّمْلَة چیونٹی، اس کی جمع نمال آتی ہے۔ النَّحْلَة شہد کی مکھی، اس کا معنی ہے عطیہ، اس کا نام یہ اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے خارج ہونے والا شہد لوگوں کو بطورِ عطیہ عنایت فرمایا ہے۔ الْهُدْهُد ایک معروف پرندے کا نام ہے۔ الصُّرَد ممولا، بعض نے اس کا معنی "لٹورا" بھی کیا ہے۔ اس پرندے کی چونچ اور سر بڑا، پیٹ سفید اور پشت سبز ہوتی ہے۔

فهم الحديث اہل علم کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے مذکورہ جانوروں کے قتل کی حرمت معلوم ہوتی ہے بعینہ جیسے ان کا کھانا حرام ہے کیونکہ اگر انہیں کھانا حلال ہوتا تو پھر انہیں قتل کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔ اس سے یہ ایک ضابطہ اخذ کیا گیا ہے کہ جن جانوروں اور پرندوں کا قتل حرام ہے ان کا کھانا بھی حرام ہے۔

1331- وَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ : قُلْتُ لِجَابِرٍ : ((الضَّبُعُ صَيْدٌ هِيَ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قُلْتُ: قَالَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ : نَعَمْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ الْبُخَارِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابن ابی عمار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، بجو شکار ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا، ہاں۔ میں نے کہا، یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور بخاری اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الضَّبُع بجو، یہ عموماً قبروں کو نقصان پہنچاتا ہے اور انسانوں کے گوشت کا شوقین ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ اس کا حیران کن معاملہ یہ ہے کہ یہ ایک سال مذکر ہوتا ہے اور ایک سال مؤنث، حالتِ نر میں حاملہ ہوتا ہے اور حالتِ مادہ میں بچے جنم دیتا ہے۔ (۱۳)

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بجو کھانا حلال ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اسی کے قائل ہیں جبکہ جمہور اور امام ابوحنیفہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ (۱۴) راجح موقف امام شافعی کا ہی ہے۔ اس مسئلے کا کچھ بیان اس باب کی پہلی حدیث کے تحت بھی گزر چکا ہے۔

1330- [**صحيح** : صحيح ابو داود ، ابو داود (٥٢٦٧) كتاب الأدب : باب فى قتل الذر ، ابن ماجه (٣٢٢٤) احمد (٣٣٢/١) ابن حبان (٤٦٤٦) بيهقى (٣١٧/٩) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1331- [**صحيح** : صحيح ابو داود ، ابو داود (٣٨٠١) كتاب الأطعمة : باب فى أكل الضبع ، ترمذى (٨٥١-١٧٩٢) نسائى (١٩١/٥) ابن ماجه (٣٠٨٥) احمد (٢٩٧/٣) ابن الجارود (٤٣٨) ابن حبان (٣٩٦٤) حاكم (٤٥٢/١) بيهقى (١٨٣/٥) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٣) [نيل الأوطار (١٩٦/٥)]

(١٤) [شرح المهذب (٩/٩) مغنى المحتاج (٢٩٩/٤) الحاوى (٢٥٠/١) المغنى (٣٢١/١٣)]

1332- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْقُنْفُذِ، فَقَالَ: ﴿ قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا ﴾ [الأنعام: ١٤٥] الْآيَةَ، فَقَالَ شَيْخٌ عِنْدَهُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: ((خَبِيثَةٌ مِنَ الْخَبَائِثِ)) ۔ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خار پشت (یعنی سیہہ) کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی "(اے اللہ کے رسول!) فرما دیجئے کہ میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا جو میری طرف وحی نازل کی گئی ہے (آیت)۔" یہ سن کر ان کے پاس بیٹھا ہوا ایک بزرگ بولا میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "یہ خبیث جانوروں میں سے ایک خبیث جانور ہے۔" [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔]

لغوی توضیح قُنْفُذ خار پشت، سیہہ۔ یہ جانور تقریباً بلی کے برابر ہوتا ہے اور اس کے جسم پر کانٹے ہوتے ہیں، جن سے یہ اپنا دفاع کرتا ہے۔ خَبِيثَةٌ مِنَ الْخَبَائِثِ سے معلوم ہوا کہ یہ جانور خبیث ہے اور قرآن میں ہے کہ ﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾ [الأعراف: ١٥٧] "وہ (یعنی نبی ﷺ) خبیث اشیا ان پر حرام کرتا ہے۔" اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یہ جانور حرام ہے۔

فہم الحدیث بظاہر اس روایت سے معلوم ہوا کہ خار پشت حرام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ یہ جانور حلال ہے کیونکہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل ثابت نہیں اور یہ روایت بھی ضعیف ہے۔(١٥) یہی موقف راجح ہے۔

1333- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گندگی خور جانور کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔ [اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح جَلَّالَة باب جَلَّ (بروزن نصر، ضرب) سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے "مینگنی چننا"۔ جلالہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے ((هِيَ الَّتِي تَأْكُلُ الْعَذِرَةَ مِنَ الْحَيْوَانِ)) "جانوروں میں جو نجاست و غلاظت کھاتا ہو (جلالہ کہلاتا ہے)۔"(١٦)

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گندگی خور جانور کھانا اور اس کا دودھ پینا حرام ہے، کیونکہ اس کا گوشت اور دودھ نجاست سے ہی تیار ہوا ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ ایسے جانور کی گندگی والی حالت بدل جانے سے حرمت کا حکم بھی حلت

1332- [ضعيف: ضعيف ابو داود، ابو داود (٣٧٩٩) كتاب الأطعمة: باب في أكل حشرات الأرض، احمد (٣٨١/٢) بيهقى (٣٢٦/٩) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1333- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (٣٧٨٥-٣٧٨٧) كتاب الأطعمة: باب النهي عن أكل الجلالة وألبانها، ترمذى (١٨٢٤) ابن ماجه (٣١٨٩) احمد (٢١٩/١) بيهقى (٣٣٢/٩) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(١٥) [كما فى توضيح الأحكام (٢١/٧)]

(١٦) [سبل السلام (١٨٣١/٤) لسان العرب (٣٣٦/٢)]

میں تبدیل ہو جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تین دن گندگی خور مرغی کو قید کر کے رکھتے تھے (اور پھر کھا لیتے تھے)۔(۱۷)
اس سے ثابت ہوا کہ گندگی خور جانور سے اگر نجاست و بدبو زائل ہو جائے تو وہ حلال ہو جائے گا۔(۱۸)

1334- وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي قِصَّةِ الْحِمَارِ الْوَحْشِيِّ : ((فَأَكَلَ مِنْهُ النَّبِيُّ ﷺ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے جنگلی گدھے کے قصے میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا گوشت کھایا۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگلی گدھے کا گوشت حلال ہے۔ اس مسئلے کا بیان گزشتہ حدیث نمبر 1327 کے تحت گزر چکا ہے۔

1335- وَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ : ((نَحَرْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَرَسًا فَأَكَلْنَاهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے عہد رسالت میں گھوڑا ذبح کیا اور پھر اسے کھایا۔[بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا کھانا حلال ہے۔ اس مسئلے کا ذکر بھی گزشتہ حدیث نمبر 1327 کے تحت گزر چکا ہے۔

1336- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : ((أُكِلَ الضَّبُّ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ اللّٰهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر سانڈا کھایا گیا۔[بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلضَّب کا معنی ہے سانڈا' اسے فارسی میں سوسمار کہتے ہیں۔ یہ جانور زمین پر رینگتا ہے اور گرگٹ کے مشابہ ہوتا ہے (خود گرگٹ نہیں ہوتا' اس لیے ضب کا معنی گرگٹ یا گوہ کرنا درست نہیں)۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سات سو سال زندہ رہتا ہے اور اس کا کوئی دانت نہیں گرتا' یہ پانی نہیں پیتا اور چالیس دنوں میں صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے' یہ ذبح ہونے کے بعد بھی ایک دن زندہ رہتا ہے اور اسے (پکانے کے لیے) آگ میں پھینک دیا جاتا ہے لیکن اس کا جسم حرکت کر رہا ہوتا ہے۔ اس کا گوشت قوت جماع کے لیے بے حد مفید اور اس سے نکلنے والا روغن آلہ تناسل کے امراض کے لیے نہایت شفا بخش ہے۔(۱۹)

فهم الحديث یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے' وہاں آپ ﷺ کے دستر خوان پر سانڈے کا گوشت پیش کیا گیا' آپ ﷺ نے اسے نہیں کھایا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ میری سرزمین میں نہیں ہوتا لیکن آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کھانے سے روکا بھی نہیں۔ اس

1334- [بخاری (۱۸۲٤) كتاب الحج : باب لا يشير المحرم إلى الصيد ' مسلم (۱۱۹٦) نسائی (۱۸٦/٥) ابن حبان (۳۹۷٤)]
1335- [بخاری (٥٥١٠) كتاب الذبائح والصيد : باب النحر والذبح ' مسلم (۱۹٤۲) نسائی (۲۲۷/۷) ابن ماجه (۳۱۹۰) احمد (۳٤٥/٦)]
1336- [بخاری (٥۳۸۹) كتاب الأطعمة : باب الخبز المرقق والأكل على الخوان والسفرة ' مسلم (۱۹٤۷) ابو داود (۳۷۹۳) نسائی (۱۹۸/۷) احمد (۲٥٥/۱)]

(۱۷) [صحيح : إرواء الغليل (۱٥۱/۸)]
(۱۸) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سبل السلام (۱۸۳۱/٤) فتح الباری (٥٦٥/۹) المغنی لابن قدامة (٤۱/۹) الروضة الندية (۳۹۰/۲)]
(۱۹) [نيل الأوطار (۱۹۳/٥) فتح الباری (۹۹/۱۱) توضيح الأحكام (۲۷/۷)]

سے معلوم ہوا کہ سانڈا حلال ہے' اگر حرام ہوتا تو آپ ﷺ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اسے کھانے سے منع فرما دیتے۔ امام نووی نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سانڈا حلال ہے مکروہ نہیں سوائے اصحاب ابی حنیفہ کے' انہوں نے اسے مکروہ کہا ہے اور سوائے اس کے جو قاضی عیاض نے ایک قوم سے اس کی حرمت کا قول نقل کیا ہے اور میرا گمان نہیں کہ ان میں سے کچھ بھی صحیح ہو اور اگر صحیح ہے بھی تو گزشتہ نصوص اور اجماع کے مقابلے میں مردود ہے۔ (۲۰)

1337- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عُثْمَانَ الْقُرَشِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ طَبِيبًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الضِّفْدَعِ يَجْعَلُهَا فِي دَوَاءٍ، فَنَهَى عَنْ قَتْلِهَا)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان قرشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے رسول اللہ ﷺ سے مینڈک کو بطورِ دواء استعمال کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اسے قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الضِّفْدَع مینڈک۔

فهم الحديث اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ حدیث مینڈک کو قتل کرنے کی ممانعت کا فائدہ دیتی ہے اور ممانعت اس کے قتل کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے اور اس کے قتل کی حرمت اسے کھانے کی حرمت کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اگر اسے کھانا جائز ہوتا تو اس کا قتل حرام نہ ہوتا حالانکہ اسے کھانے کی حرمت اور اس کے قتل کی ممانعت پر علما کا اجماع ہے۔ (۲۱)

باب الصيد والذبائح — شکار اور ذبائح کا بیان

1338- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے مویشیوں یا زراعت کی حفاظت کے لیے یا شکاری کتے کے علاوہ (شوقیہ) کتا رکھا تو اس کے ثواب سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہتا ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الصید مصدر ہے باب صَادَ يَصِيْدُ (بروزن ضرب) سے' اس کا معنی ہے "شکار کرنا"۔ باب تَصَيَّدَ (بروزن تفعل) اور باب اِصْطَادَ (بروزن افتعال) کا بھی یہی معنی ہے۔ صید شکار کو اور صائد شکاری کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً مراد ہے حلال جنگلی جانور کا شکار کرنا جو بالعموم کسی کی ملکیت و قبضہ میں نہیں ہوتا۔ الذَّبَائِح ذَبِيْحَة کی جمع ہے' اس سے مراد وہ جانور ہے جسے ذبح کیا جا رہا ہے۔ الذَّبْحُ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔

1337- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۳۸۷۱ـ۵۲۶۹) كتاب الطب : باب في الأدوية المكروهة' نسائي (۲۱۰/۷) احمد (۴۵۳/۳) حاكم (۴۱۰/۴) بيهقي (۲۵۸/۹) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1338- [بخاري (۲۳۲۲ـ۳۳۲۴) كتاب المزارعة : باب اقتناء الكلب للحرث' مسلم (۱۵۷۵) ابو داود (۲۸۴۴) ترمذي (۱۴۹۰) نسائي (۱۸۸/۷) ابن ماجه (۳۲۰۴) احمد (۲۶۷/۲)]

(۲۰) [شرح مسلم للنووي (۱۱۳/۷ـ۱۱۴)]

(۲۱) [توضيح الأحكام (۳۰/۷)]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف تین مقاصد کے لیے کتا رکھا جا سکتا ہے: مال مویشیوں کی دیکھ بھال' زراعت کی حفاظت اور شکار۔ ان کے علاوہ محض شوقیہ طور پر کتا رکھنا جائز نہیں اور جو ایسا کرے گا اس کے اجر سے روزانہ ایک قیراط ثواب کم ہوتا رہے گا۔ بعض روایات میں یہ وضاحت ہے کہ ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ (۲۲)

1339- وَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ' فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ ' وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قَتَلَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ ' وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ ' وَقَدْ قَتَلَ فَلَا تَأْكُلْ ' فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ ' وَإِنْ رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالَى ' فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ ' وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقًا فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تم اپنا (شکاری) کتا شکار کے لیے چھوڑو تو اس پر اللہ کا نام (یعنی بسم اللہ) پڑھ لیا کرو' پھر اگر وہ تمہارے لیے شکار کو روک لے اور تم اسے زندہ پالو تو اسے ذبح کر لو اور اگر تم اسے مردہ حالت میں پاؤ اور اس کتے نے اس سے کچھ نہ کھایا ہو تو تم اسے کھا لو اور اگر تم اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو پاؤ اور شکار کو مرا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے اور اگر تم اپنا تیر پھینکو تو اللہ کا نام پڑھ لو' پھر اگر شکار ایک دن تک بھی تمہاری نظروں سے اوجھل رہے اور تم اس میں صرف اپنے تیر کا ہی نشان پاؤ تو چاہو تو کھا لو اور اگر تم اسے پانی میں ڈوبا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ مسلم کے لفظ ہیں۔]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے۔ سدھانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کتا شکار پر چھوڑا جائے جو دوڑتا ہوا جائے جب اسے روکا جائے تو رک جائے اور جب شکار پکڑے تو اس سے کچھ نہ کھائے۔ (۲۳) اگر وہ شکار سے خود کچھ کھا لے تو پھر وہ شکار حلال نہیں کیونکہ اس نے وہ شکار تمہارے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پکڑا ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا شکار صرف کتوں کے ذریعے ہی کیا جائے گا یا دیگر درندوں مثلاً شیر' چیتا وغیرہ اور پرندوں مثلاً شاہین' باز وغیرہ کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ یہ تمام جانور بھی کتے کی مانند ہی ہیں جبکہ مجاہدؒ نے کہا ہے کہ کتے کے علاوہ کسی بھی جانور کے ساتھ شکار جائز نہیں۔ (۲۴) امام مالکؒ وغیرہ کا موقف ہی راجح ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر تیر یا نیزہ وغیرہ پھینک کر شکار کیا گیا ہو اور شکار گم ہو جائے' پھر وہ کچھ دیر بعد حتی کہ ایک دن بعد بھی ملے تو اگر اس میں اپنے تیر یا نیزے کے زخم کے علاوہ کسی اور چیز کا زخم نہ ہو تو اسے کھانا جائز ہے

1339- [بخاری (٥٤٧٥-٥٤٧٧-٥٤٨٣-٥٤٨٧) كتاب الذبائح والصيد : باب التسمية على الصيد' مسلم (١٩٢٩) ابو داود (٢٨٤٧-٢٨٥١) ترمذی (١٤٦٤-١٤٦٨-١٤٧١) نسائی (١٧٩/٧) ابن ماجه (٣٢٠٨-٣٢١٣) احمد (٢٥٦/٤) بيهقی (٢٣٥/٩-٢٣٧) ابن الجارود (٩١٤-٩١٥)]

(٢٢) [بخاری (١٣٢٥) كتاب الجنائز : باب من انتظر حتى تدفن' مسلم (٩٤٥) ابو داود (٣١٦٨) ترمذی (١٠٤٠) نسائی (٧٦/٤-٧٧) ابن ماجه (١٥٣٩) احمد (٤٠١/٢)]

(٢٣) [سبل السلام (١٨٤٣/٤) الروضة الندية (٣٩٩/٢) نيل الأوطار (٢١٠/٥) كشاف (٦٠٦/١) تفسير فتح القدير (١٣/٢)]

(٢٤) [تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسير فتح القدير (١٣/٢) سبل السلام (١٨٤٣/٤)]

بصورت دیگر اسے کھانا جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ کسی اور وجہ سے مرا ہو۔ اسی طرح اگر شکار پانی میں گر جائے تب بھی اسے نہیں کھانا چاہیے کیونکہ اس صورت میں بھی یہ امکان ہے کہ وہ شکار تیر کی وجہ سے نہیں بلکہ پانی میں گرنے کی وجہ سے مرا ہو۔

1340- وَعَنْ عَدِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ ، فَقَالَ : ((إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ ، وَإِذَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ ، فَلَا تَأْكُلْ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معراض (بغیر پھل کے تیر) کے شکار کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”جب تم اسے دھار کی جانب سے مارو تو کھالو اور جب تم اسے چوڑائی کی جانب سے مارو اور وہ مر جائے تو نہ کھاؤ کیونکہ وہ موقوذہ (چوٹ سے مرنے والا حرام) جانور ہے۔“ [بخاری]

لغوی توضیح الْمِعْرَاض بغیر پھل کے تیر یا ایسی لکڑی جس کے اطراف تیز دھار کی شکل میں ہوں۔ وَقِيذٌ وہ جانور جو پتھر' لاٹھی یا چھڑی وغیرہ کی چوٹ لگنے سے مرے۔ اس جانور کی حرمت کا ذکر قرآن میں یوں ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ...... وَالْمَوْقُوذَةُ﴾ [المائدۃ : ۳] ”تم پر وہ جانور بھی حرام کیا گیا ہے جسے چھڑی یا لاٹھی ماری جائے اور وہ مر جائے۔“

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ جانور جو کسی تیز دھار آلے سے مرے اور اس کا خون بہہ جائے تو وہ حلال ہے اور جو کسی چوٹ سے مرے وہ حرام ہے۔ پتھر یا غلیل سے کیا ہوا شکار بھی اسی (چوٹ کے) زمرے میں آتا ہے الا کہ اسے ذبح کر لیا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کنکری پھینکنے سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ”وہ نہ شکار مار سکتی ہے اور نہ دشمن کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے' البتہ آنکھ پھوڑ سکتی ہے اور دانت توڑ سکتی ہے۔“(۱)

❏ بندوق کے ذریعے کیا ہوا شکار حلال ہے یا حرام اس میں اختلاف ہے لیکن راجح مؤقف یہ ہے کہ یہ حلال ہے۔ کیونکہ اس کی گولی لاٹھی یا چھڑی کی طرح جسم سے نہیں ٹکراتی بلکہ تیر' نیزہ' کیل یا کسی بھی تیز دھار آلے کی طرح جسم کو پھاڑ کے نکل جاتی ہے نیز جن روایات میں بندوق کے شکار کی ممانعت یا کراہت موجود ہے اس سے مراد موجودہ گولی نہیں بلکہ مٹی کی بنی ہوئی گولی ہے جو ”موقوذۃ“ کی مانند جسم سے ٹکراتی تھی۔(۲)

1341- وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَغَابَ عَنْكَ فَأَدْرَكْتَهُ فَكُلْهُ مَا لَمْ يُنْتِنْ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جب تم اپنا تیر پھینکو اور شکار تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جائے پھر تم اسے پالو تو جب تک وہ بدبودار نہ ہوا ہو اسے کھالو۔“ [مسلم]

لغوی توضیح لَمْ يُنْتِنْ نفی کا صیغہ ہے باب أَنْتَنَ يُنْتِنُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ”بدبودار ہونا“۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تیر لگنے کے بعد شکار نظروں سے اوجھل ہو جائے' پھر مر جائے تو (اگر زندہ ہو تو اسے ذبح کر کے کھانا حلال ہے اور اگر پانی میں ڈوب کر مر گیا ہو تو حرام ہے اور) اگر خشکی پر مرا ہوا ملے تو پھر دیکھنا

(۱) [بخاری (۶۲۲۰) کتاب الأدب : باب النهي عن الخذف' مسلم (۱۹۵٤) أحمد (٥٤/٥) ابو داود (٥۲۷۰) ابن ماجة (٤۲۲۷)]

(۲) [سبل السلام (۱۸٥٠/٤) الروضة الندية (۳۹۹/۲)]

1340- [أيضا]

1341- [مسلم (۱۹۳۱) کتاب الصيد والذبائح : باب إذا غاب عنه الصيد ثم وجده' ابو داود (۲۸٦۱) نسائی (۱۹۳/۷) احمد (۱۹٤/٤)]

چاہیے کہ اسے کوئی اور تیر یا زخم تو نہیں لگا' اگر اپنے تیر کے زخم کے علاوہ کوئی اور زخم نہ ہو تو پھر اسے کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ بد بودار نہ ہوا ہو کیونکہ اگر وہ بد بودار ہو گیا ہو تو پھر اسے کھانا جائز نہیں۔

1342- وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ : إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ ' لَا نَدْرِي أَذَكَرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَمْ لَا ؟ فَقَالَ : ((سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَ كُلُوهُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا' لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں' ہمیں علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس (ذبیحے) پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اس پر اللہ کا نام لے کر اسے کھا لیا کرو۔" [بخاری]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک کسی ذبیحے کے متعلق یقین نہ ہو جائے کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تب تک اسے حرام قرار نہیں دینا چاہیے اور جس کے متعلق شک ہو اس پر خود بسم اللہ پڑھ کر اسے کھا لینا چاہیے۔

واضح رہے کہ ذبح کی تین شرائط ہیں:

① چھری پھیرتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔ ② ذبح کرنے والا شخص مسلمان ہو یا اہل کتاب سے ہو۔

③ شرعی طریقہ سے ذبح کرتے ہوئے جانور کی شہ رگ کاٹ دی جائے۔ (٢٥)

1343- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْخَذْفِ ' وَقَالَ : ((إِنَّهَا لَا تَصِيدُ صَيْدًا ' وَلَا تَنْكَأُ عَدُوًّا ' وَلٰكِنَّهَا تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ' وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری پھینکنے سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ نہ شکار مار سکتی ہے اور نہ دشمن کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے' البتہ آنکھ پھوڑ سکتی ہے اور دانت توڑ سکتی ہے۔" [بخاری' مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح اَلْخَذْف درمیانی اور شہادت والی انگلی یا شہادت والی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ کنکری پھینکنا۔ لَا تَنْكَأُ فعل نفی کا صیغہ ہے باب نَكَأَ يَنْكَأُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے "زخمی کرنا"۔ اَلسِّنَّ دانت کو کہتے ہیں۔ تَفْقَأُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب فَقَأَ يَفْقَأُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے "آنکھ پھوڑ دینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کنکری مارنے سے جانور مر جائے تو اسے کھانا حرام ہے۔ غلیل وغیرہ سے مارے ہوئے جانور کا بھی یہی حکم ہے۔ دراصل کنکر لگنے سے مرنے والا جانور موقوذہ (چوٹ لگنے سے مرنے والا) ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے الا کہ اسے مرنے سے ذبح کر لیا جائے۔

1344- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے

1342- [بخاری (٢٠٥٧-٥٥٠٧) كتاب البيوع : باب من لم ير الوساوس ونحوها من الشبهات ' ابو داود (٢٨٢٩) نسائی (٢٣٧/٧) ابن ماجه (٣١٧٤) ابن الجارود (٨٨١) بيهقى (٢٣٩/٩)]

1343- [بخاری (٥٤٧٩) كتاب الذبائح والصيد : باب الخذف والبندقة ' مسلم (١٩٥٤) ابو داود (٥٢٧٠) نسائی (٤٧/٨) ابن ماجه (٣٢٢٦) احمد (٥٤/٥)]

1344- [مسلم (١٩٥٧) كتاب الصيد والذبائح : باب النهى عن صبر البهائم ' ترمذی (١٤٧٥) نسائی (٢٣٨/٧) ابن ماجه (٣١٨٧) احمد (٢٨٠/١) ابن حبان (٥٦٠٨)]

(٢٥) [توضيح الأحكام (٤٧/٧)]

النَّبِیُّ ﷺ قَالَ: ((لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

فرمایا "کسی ذی روح چیز کو نشانہ بنا کر نہ مارو۔" [مسلم]

لغوی توضیح غَرَضًا ہدف یعنی زندہ جانور کو باندھ کر اسے نشانے مت مارو کیونکہ اس میں جانور کے لیے تعذیب کا پہلو ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی زندہ جانور کو ہدف بنا کر اسے تیر، گولی یا کسی اور چیز کے ساتھ نشانہ مارنا جائز نہیں کیونکہ اس سے جانور کو شدید تکلیف ہوتی ہے اور جانوروں کو اذیت پہنچانا ممنوع ہے، بلکہ ذبح کرتے وقت بھی جانوروں کو کسی تیز دھار آلے سے فوراً ذبح کرنے اور انہیں راحت پہنچانے کا حکم ہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 1348 میں ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (٢٦)

1345- وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ((أَنَّ امْرَأَةً ذَبَحَتْ شَاةً بِحَجَرٍ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَأَمَرَ بِأَكْلِهَا)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پتھر کے ساتھ بکری ذبح کر دی، پھر نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے کھانے کا حکم دے دیا۔ [بخاری]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف چھری ہی نہیں بلکہ کسی بھی تیز دھار آلے سے جانور کو ذبح کیا جا سکتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس سے خون بہہ جائے جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا ذبیحہ حلال ہے اور اسے کھانا جائز ہے۔ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ شیخ ابن جبرین نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کہ اگر عورت ذبح کرنے کی اہلیت رکھتی ہو تو وہ بھی جانور ذبح کر سکتی ہے۔ (٢٧) اس روایت سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ حائضہ عورت بھی ذبح کر سکتی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس عورت سے یہ دریافت نہیں کیا تھا کہ وہ حائضہ تو نہیں بلکہ مطلقاً اس کے ذبیحے کو درست قرار دیا۔

1346- وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھا لو، دانت اور ناخن سے ذبح نہ کیا جائے کیونکہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح مَا أَنْهَرَ الدَّمَ جو چیز خون بہا دے۔ مُدًى جمع ہے مُدْيَة کی، اس کا معنی ہے چھری۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر خون بہا دینے والی چیز مثلاً چھری، تلوار، نوکیلا پتھر، تیز لکڑی یا کسی بھی تیز دھار آلے سے ذبح کرنا جائز ہے۔ واضح رہے کہ خون بہنے سے مراد ہے گردن کی رگوں کو اچھی طرح کاٹ دینا۔ ناخن کے ساتھ ذبح کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے تاکہ کفار سے مشابہت نہ ہو، نیز اس میں منخنقہ (یعنی گلا گھٹ کر مرنے

1345- [بخاری (٥٥٠٤) کتاب الذبائح والصيد : باب ذبيحة المرأة والأمة، ابن ماجه (٣١٨٢) احمد (٤٥٤/٣) مالك (٤٨٩/٢)]

1346- [بخاری (٥٥٠٩) کتاب الذبائح والصيد : باب ما ند من البهائم فهو بمنزلة الوحش، مسلم (١٩٦٨) ابو داود (٢٨٢١) ترمذی (١٤٩١) نسائی (٢٢١/٧) ابن ماجه (٣١٣٧) احمد (١٤٠/٤)]

(٢٦) [بخاری (٥٥١٣) کتاب الذبائح : باب ما یکره من المثلة، مسلم (١٩٥٦)]

(٢٧) [فتاوى إسلاميه (٣١٨/٢)]

والے) جانور کی شبیہ بھی ہے اور دانت کے ساتھ ذبح کرنے سے غالباً اس لیے منع کیا گیا کہ یہ ہڈی ہے اور ہڈیاں جنوں کی خوراک ہیں' یا اس لیے کہ دانتوں سے ذبح کرنے میں درندوں کی مشابہت ہے۔ (واللہ اعلم)

1347- وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُقْتَلَ شَيْءٌ مِنَ الدَّوَابِّ صَبْرًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔[مسلم]

لغوی توضیح صَبْرًا سے مراد ہے کسی زندہ جانور کو باندھ کر اسے تیر یا کسی اور چیز کے ساتھ نشانہ مارنا۔

فہم الحدیث اس روایت کی وضاحت گزشتہ حدیث نمبر 1344 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

1348- وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کر دیا ہے' پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب (کوئی جانور) ذبح کرو تو عمدہ طریقے سے ذبح کرو اور تم میں سے ہر ایک (ذبح کرنے والے) کو چاہیے کہ اپنی چھری تیز کرے اور اپنے ذبیحے کو راحت پہنچائے۔"[مسلم]

لغوی توضیح اَلْقِتْلَةَ اور اَلذِّبْحَةَ کا معنی ہے قتل کی ہیئت وصورت اور ذبح کی ہیئت وصورت۔ لِيُحِدَّ فعل امر کا صیغہ ہے باب أَحَدَّ يُحِدُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "تیز کرنا"۔ شَفْرَةٌ بڑی اور چوڑی چھری کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور ہمیشہ تیز چھری یا کسی بھی تیز دھار آلے سے ذبح کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح اس کی رگیں جلدی کٹ جائیں گی' خون جلدی بہہ جائے گا اور روح جلدی نکل جائے گی' جس سے اسے تکلیف کم ہو گی۔ جانور کو راحت پہنچانے کا یہی مفہوم ہے۔

1349- وَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "(حاملہ) ماں کو ذبح کرنے سے اس کا پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔"[اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح جَنِين پیٹ کے بچے کو کہتے ہیں۔

فہم الحدیث اس فرمانِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی حاملہ جانور کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ سے بچہ

1347- [مسلم (۱۹۵۹) کتاب الصید والذبائح : باب النهی عن صبر البهائم' ابن ماجه (۳۱۸۸) احمد (۳۱۸/۳) بیهقی (۳۳٤/۹)]

1348- [مسلم (۱۹۵۵) کتاب الصید والذبائح : باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرة' ابو داود (۲۸۱۵) ترمذی (۱٤۰۹) نسائی (۲۲۷/۷) ابن ماجه (۳۱۷۰) احمد (۱۲۳/٤) ابن الجارود (۸۹۹) بیهقی (٦۰/۸)]

1349- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۸۲۷) کتاب الضحایا : باب ما جاء فی ذکاة الجنین' ترمذی (۱٤۷٦) ابن ماجه (۳۱۹۹) احمد (۳۱/۳) ابن الجارود (۹۰۰) دارقطنی (۲۷۳/٤) ابن حبان (۵۸۸۹) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

حاصل ہو تو اسے الگ سے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ جمہور، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ پیٹ کا بچہ اگر زندہ باہر نکل آئے تو اسے ذبح کرنا ضروری ہے ورنہ اسے کھانا جائز نہیں۔ (۲۸) یہ حدیث ان کے مؤقف کی تردید کرتی ہے۔ نیز فی الحقیقت جنین اپنی ماں کے بدن کا ایک جزو ہوتا ہے اور ماں کے ہر جزوِ بدن کو ذبح کرنا ضروری نہیں۔ (۲۹)

1350- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((الْمُسْلِمُ يَكْفِيهِ اسْمُهُ، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ حِينَ يَذْبَحُ فَلْيُسَمِّ ثُمَّ لِيَأْكُلْ)) أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَفِي إِسْنَادِهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ وَهُوَ صَدُوقٌ ضَعِيفُ الْحِفْظِ، وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مسلمان کے لیے اللہ کا نام ہی کافی ہے اگر وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو بسم اللہ پڑھ کر کھا لے۔“ [اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن یزید بن سنان راوی صدوق ضعیف الحفظ ہے اور اسے عبد الرزاق نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ تک موقوف روایت کیا ہے۔]

1351- وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ فِي مَرَاسِيلِهِ بِلَفْظِ: ((ذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ، ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا أَمْ لَمْ يَذْكُرْ)) وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ۔

اور مراسیل ابو داود میں اس کا ایک شاہد ان لفظوں میں ہے کہ ”مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اس نے اس پر اللہ کا نام ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔“ [اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔]

فهم الحديث معلوم ہوا کہ اگر مسلمان جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ یہ دونوں روایات ضعیف ہیں اس لیے قابل حجت نہیں۔ لہٰذا راجح قول یہی ہے کہ جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب و شرط ہے اور اسے چھوڑنا باعث گناہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ [الأنعام: ۱۲۱] ”اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔“ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر جانور ذبح کرتے وقت یاد ہو تو بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور اگر یاد نہ ہو تو پھر وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ اہل ظاہر کا مؤقف یہ ہے کہ خواہ یاد ہو یا نہ مطلقاً واجب ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ نے اسے سنتِ مؤکدہ قرار دیا ہے۔ (۳۰) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے جمہور کے مؤقف کو ترجیح دی ہے۔ (۳۱)

1350- [دارقطنی (۲۹۶/٤) بیهقی (۲۳۹/۹) عبد الرزاق (۸۵۳۸) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفا صحیح کہا ہے۔]

1351- [ضعیف: ضعیف الجامع الصغیر (۳۰۳۹) ابو داود فی المراسیل (۳٤۱) نصب الراية (۱۸۲/٤)]

---

(۲۸) [نيل الأوطار (۲۲۳/٥) سبل السلام (۱۸۰٥/٤)]

(۲۹) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: أعلام الموقعين (۳۰۳/۲) سبل السلام (۱۸۰٦/٤)]

(۳۰) [المغني (٥٦٥/۸) الشرح الكبير (۱۰٦/۲) بدائع الصنائع (٤٦/٥) المهذب (۲٥۲/۱) مغني المحتاج (۲۷۲/٤) الفقه الإسلامي وأدلته (۲۷۷۱/٤) سبل السلام (۱۸٤٦/٤) الروضة الندية (٤۰٥/۲)]

(۳۱) [توضيح الأحكام (۷۰/۷)]

باب الأضاحي — قربانی کا بیان

1352- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، وَيُسَمِّي، وَيُكَبِّرُ، وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا)) وَفِي لَفْظٍ: ((ذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ)) وَفِي لَفْظٍ: ((سَمِينَيْنِ)) وَلِأَبِي عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ: ((ثَمِينَيْنِ)) - بِالْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ السِّينِ- وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ، وَيَقُولُ: ((بِاسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ)).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو چتکبرے سینگ والے مینڈھے ذبح کرتے تھے' آپ بسم اللہ پڑھتے اور اللہ اکبر کہتے اور ان کے پہلوؤں پر اپنا قدم رکھتے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے تھے۔ایک اور روایت میں ہے کہ دو موٹے تازے جانور ذبح کرتے اور ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں سین کے بدلے ثاء کے ساتھ ثَمِينَيْنِ نقل کیا ہے (یعنی دو قیمتی جانور ذبح کرتے)۔اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ (ذبح کرتے وقت) یہ دعا پڑھتے بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ (اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرتا ہوں اور اللہ سب سے بڑا ہے)۔

1353- وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ، يَطَأُ فِي سَوَادٍ، وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ، وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ، فَأُتِيَ بِهِ لِيُضَحِّيَ بِهِ، فَقَالَ لَهَا: ((يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ)) ثُمَّ قَالَ: ((اشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ)) فَفَعَلَتْ، ثُمَّ أَخَذَهَا، وَأَخَذَهُ، فَأَضْجَعَهُ، ثُمَّ ذَبَحَهُ، ثُمَّ قَالَ: ((بِاسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ)).

اور مسلم میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے سینگ والا مینڈھا (لانے کا) حکم دیا' جس کے پاؤں' پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں تا کہ آپ اسے ذبح کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا"اے عائشہ! چھری تیز کرو۔" پھر فرمایا" پتھر کے ساتھ اسے تیز کرو۔" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' پھر آپ ﷺ نے چھری کو پکڑا اور اس مینڈھے کو پکڑ کر لٹا دیا پھر اسے ذبح کیا اور یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ (اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرتا ہوں' اے اللہ! اسے محمد' آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما)۔

لغوی توضیح امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اضحیۃ میں چار لغات ہیں: ① أُضْحِيَّةٌ ② إِضْحِيَّةٌ اس کی جمع أَضَاحِي ہے ③ ضَحِيَّةٌ اس کی جمع ضَحَايَا ہے ④ أَضْحَاةٌ اس کی جمع أَضْحَى ہے۔(۳۲) كَبْش مینڈھے (نر بھیڑ) کو کہتے ہیں۔أَمْلَح وہ جانور جس کے جسم پر سفید اور سیاہ بال ہوں مگر سفید بال زیادہ ہوں۔أَقْرَن جس جانور کے دو

1352- [بخاري (٥٥٥٨-٥٥٦٤) كتاب الأضاحي: باب من ذبح الأضاحي بيده، مسلم ١٩٦٦) ابو داود (٢٧٩٤) ترمذی (١٤٩٤٠) نسائی (٢٢٠/٧) ابن ماجه (٣١٢٠-٣١٥٥) احمد (١١٥/٣) دارمی (١٩٤٥) ابن الجارود (٩٠٢) ابن حبان (٥٩٠٠) بيهقى (٢٣٨/٥) دارقطنی (٢٨٥/٤)]

1353- [مسلم (١٩٦٧) كتاب الأضاحي: باب استحباب الضحية وذبحها مباشرة، ابو داود (٢٧٩٢) احمد (٧٨/٦)]

(٣٢) [شرح مسلم للنووی (١٢٧/٧)]

سینگ ہوں۔ صِفَاح جمع ہے صَفْحَة کی' اس کا معنی ہے ''پہلو''۔ سَمِیْن موٹا تازہ۔ ثَمِیْن قیمتی۔ یَطَأُ فِیْ سَوَادٍ سیاہ رنگ میں چلتا ہو یعنی پاؤں سیاہ ہوں۔ یَبْرُكُ فِیْ سَوَادٍ سیاہ رنگ میں بیٹھتا ہو یعنی پیٹ سیاہ ہو۔ یَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ سیاہ رنگ میں دیکھے یعنی آنکھوں کے اردگرد کا حصہ سیاہ ہو۔

فهم الحديث ان احادیث سے قربانی کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے (۳۳) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ [الکوثر : ۲] ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔'' یہ بھی معلوم ہوا کہ سیاہ پاؤں' سیاہ پیٹ اور سیاہ آنکھوں والا اور خوب موٹا تازہ جانور آپ ﷺ کو قربانی میں پسند تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جانور ذبح کرنے سے پہلے چھری خوب تیز کرنی چاہیے اور مسنون دعا پڑھ لینی چاہیے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر ذبح کا طریقہ آتا ہو تو اپنا جانور خود قربان کرنا مستحب ہے اور اگر خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو کسی دوسرے سے بھی ذبح کرایا جا سکتا ہے۔

1354- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ لٰكِنْ رَجَّحَ الْأَئِمَّةُ غَيْرُهُ وَقْفَهُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جس کے پاس وسعت و طاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی ہرگز نہ آئے۔'' [اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس کے علاوہ دیگر ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو ہی راجح قرار دیا ہے۔]

فهم الحديث یہ روایت اُن حضرات کی دلیل ہے جو ہر صاحبِ استطاعت پر قربانی کو واجب کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مؤقف ہے۔ (۳٤) جبکہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور قربانی کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں۔ (۳٥) راجح مؤقف جمہور کا ہی ہے۔ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ﴿ بَابُ سُنَّةِ الْأُضْحِيَةِ ﴾ ''قربانی کی سنت کا بیان۔'' پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ﴿ هِيَ سُنَّةٌ وَمَعْرُوْفٌ ﴾ 'قربانی سنت ہے اور یہ امر مشہور ہے۔'' امام ترمذیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے بلکہ نبی ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ (۳٦) امام شوکانیؒ (۳۷) اور علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ (۳۸) بھی اسی کے قائل ہیں۔

1355- وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : شَهِدْتُ الْأَضْحَى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا' جب آپ ﷺ نے لوگوں

1354- [حسن : صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (۳۱۲۳) كتاب الأضاحي : باب الأضاحي واجبة هي أم لا' احمد (۲/۳۲۱) حاكم (۲۰/۳۸۹) بيهقي (۹/۲٦۰) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو موقوفاً حسن کہا ہے۔]

1355- [بخاري (۵۵۰۰_۵۵٦۲) كتاب الذبائح والصيد : باب قول النبي فليذبح على اسم الله' مسلم (۱۹٦۰) نسائي (۷/۲۲٤) ابن ماجه (۳۱۵۲) احمد (٤/۳۱۲) ابن حبان (۵۹۱۳) بيهقي (۹/۲٦۲)]

(۳۳) [المغني (۱۳/۳٦۰)]

(۳٤) [بدائع الصنائع (۵/٦۲) اللباب (۳/۲۳۲) تكملة فتح القدير (۸/٦۷)]

(۳۵) [بداية المجتهد (۱/٤۱۵) القوانين الفقهية (ص/۱۸٦) الشرح الكبير (۲/۱۱۸) المهذب (۱/۲۳۷) المغني (۸/٦۱۷)]

(۳٦) [ترمذي (بعد الحديث/ ۱۵۰٦)]

(۳۷) [السيل الجرار (٤/۷۳)] (۳۸) [تحفة الأحوذي (۵/۷٦)]

'فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ بِالنَّاسِ نَظَرَ إِلَى غَنَمٍ قَدْ ذُبِحَتْ ' فَقَالَ : ((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ شَاةً مَكَانَهَا ' وَمَنْ لَمْ يَكُنْ ذَبَحَ فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللَّهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

کو نماز پڑھا دی تو آپ نے دیکھا کہ ایک بکری کو ذبح بھی کر دیا گیا تھا تو فرمایا ''جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ اس کی جگہ ایک اور بکری ذبح کرے اور جس نے ابھی ذبح نہیں کیا وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔'' [بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی اسے اس جانور کی جگہ دوبارہ جانور قربان کرنا پڑے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''آج کے دن کی ابتداء ہم نماز عید سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے جو شخص اس طرح کرے گا وہ قربانی کو پالے گا لیکن جس نے (نماز عید سے پہلے) جانور ذبح کر لیا تو وہ ایسا گوشت ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے تیار کیا ہے وہ قربانی کسی درجہ میں بھی نہیں۔'' (۳۹)

❑ قربانی کے دن کتنے ہیں اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے یہ مؤقف اپنایا ہے کہ قربانی کے دن تین ہیں' ایک عید کا دن اور دو اس کے بعد کے ایام۔ جبکہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ قربانی کے دن چار ہیں ایک عید کا دن اور تین اس کے بعد والے (یعنی 11، 12 اور 13 ذوالحجہ کے) دن۔ (۴۰) ائمہ ثلاثہ کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کا یہ قول ہے کہ قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد دو دن ہے۔ (۴۱) جبکہ امام شافعیؒ اور ان کے ہم رائے حضرات کی دلیل یہ مرفوع روایت ہے کہ ''تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔'' (۴۲) ایام تشریق سے مراد 11، 12 اور 13 ذوالحجہ کے دن ہیں۔ (۴۳) راجح مؤقف امام شافعیؒ کا ہے کیونکہ مرفوع روایت کو موقوف پر ترجیح ہوتی ہے اور دوسری بات یہ کہ موقوف روایت میں چوتھے دن کی نفی ہے جبکہ مرفوع میں اثبات اور یہ اصول ہے کہ جب نفی و اثبات کا تعارض ہو جائے تو اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔ امام شوکانیؒ (۴۴) اور امام نوویؒ (۴۵) بھی اسی کے قائل ہیں۔

1356- وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ : ((أَرْبَعٌ لَا تَجُوزُ فِي الضَّحَايَا : الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا ' وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا ' وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا ''چار جانور قربانی میں جائز نہیں؛ واضح طور پر آنکھ کا کانا' ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو' لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسا کمزور جس میں چربی نہ ہو۔'' [اسے احمد اور چاروں نے

1356- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۲۸۰۲) كتاب الضحايا : باب ما يكره من الضحايا' ترمذی (۱٤۰۷) نسائی (۲۱٤/۷) ابن ماجه ۳۱٤٤۰) مالك (٤۸۲/۲) احمد ۱۸٤/٤۰) دارمی (۱۹٤۹) ابن الجارود (٤۸۱) بیهقی (۲۷٤/۹) حاکم (۲۲۳/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۳۹) [بخاری (۵۵٦۰) كتاب الأضاحی : باب الذبح بعد الصلاة]

(٤۰) [نيل الأوطار (٤۹۰/۳) بدائع الصنائع (۷۳/۵) تبيين الحقائق (٦/٤) الدر المختار (۲۲۲/۵) اللباب (۲۳۳/۳)]

(٤۱) [صحیح : صحیح الجامع الصغير (٤۵۳۷) احمد (۸۲/٤) ابن حبان (۳۸۵٤) بیهقی (۲۹۵/۵) نيل الأوطار (٤۹۰/۳) فتح الباری (۱۱/۱۰) زاد المعاد (۳۱۸/۲)]

(٤۲) [موطا (٤۸۷/۲) بیهقی (۲۹۷/۹) شرح مسلم (۱۲۸/۷)]

(٤۳) [تفسير أحسن البيان (ص/۸۲) نيل الأوطار (٤۹۰/۳)]

(٤٤) [نيل الأوطار (٤۹۰/۳)]

(٤۵) [شرح مسلم (۱۲۸/۷)]

ضَلَعُهَا ، وَالْكَسِيرُ الَّتِي لَا تُنْقِي)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ ۔

روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْعَوْرَاءُ بھینگا۔ الْبَيِّنُ ظاہر و واضح۔ الْمَرِيضَةُ بیمار۔ الْعَرْجَاءُ لنگڑا۔ ضَلَعُهَا اس کا لنگڑا پن۔ لَا تُنْقِي جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو یعنی اس قدر لاغر ہو چکا ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس جانور میں مذکورہ چار یا کوئی ایک عیب بھی ہو اس کی قربانی کفایت نہیں کرے گی۔ حدیث کے ان الفاظ ''اس کی بیماری یا دیگر عیوب ظاہر و واضح ہوں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر ظاہر اور معمولی نوعیت کی بیماری ہو تو اس سے قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (واللہ اعلم)

1357- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ تَعَسَّرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسنہ ہی ذبح کرو الا کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کر لو۔'' [مسلم]

لغوی توضیح مُسِنَّہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں۔ امام نووی نے فرمایا ہے کہ مسنہ اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ میں سے دوندے کو کہتے ہیں۔ (٤٦) امام شوکانی نے فرمایا ہے کہ دودانتا یا اس سے بڑا جانور مسنہ ہے خواہ وہ اونٹ اونٹنی ہو، خواہ گائے بیل ہو اور خواہ بھیڑ مینڈھا، بکری بکرا وغیرہ ہو۔ (٤٧) یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اونٹوں میں مسنہ عمر کے پانچویں سال میں، گائے میں عمر کے تیسرے سال میں اور بکری میں عمر کے دوسرے سال میں ہوتا ہے۔ جَذَعَة بھیڑ کا وہ بچہ ہوتا ہے جو ایک سال کا ہو اور دوندا نہ ہو۔ لہٰذا اونٹ، گائے اور بکری میں دوندے سے کم عمر والے جانور کی قربانی جائز نہیں البتہ دنبے میں (کسی مجبوری کے وقت) دوندے سے کم عمر کے جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوندا جانور ہی قربان کرنا چاہیے لیکن اگر یہ جانور میسر نہ ہو یا خریدنے کی قوت نہ ہو تو پھر بھیڑ کا کھیرا بھی قربان کیا جا سکتا ہے۔ جمہور کا کہنا ہے کہ مطلقاً بھیڑ کا کھیرا جائز ہے خواہ طاقت ہو یا نہ ہو، انہوں نے اس روایت کو افضلیت و استحباب پر محمول کیا ہے۔ ان کا مؤقف مذکورہ صریح حدیث کے خلاف ہونے کی بنا پر درست نہیں۔

1358- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ وَلَا نُضَحِّي بِعَوْرَاءَ وَلَا مُقَابَلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا خَرْقَاءَ وَلَا شَرْقَاءَ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھیں اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جو بھینگا ہو، یا جس کے کان آگے سے کٹے ہوں، یا جس کے کان پیچھے سے کٹے ہوں، یا جس کے کان میں گول سوراخ ہو یا جس

1357- [مسلم (١٩٦٣) كتاب الأضاحى : باب سن الأضحية ' ابو داود (٢٧٩٧) نسائى (٢١٨/٧) ابن ماجه (٣١٤١) احمد (٣١٢/٣) ابن الجارود (٩٠٤) بيهقى (٢٦٩/٩)]

1358- [ابو داود (٢٨٠٤) ترمذى (١٤٩٨) نسائى (٢١٦/٧) ابن ماجه (٣١٤٢) احمد (٨٠/١) دارمى (١٩٥٢) ابن الجارود (٩٠٦) حاكم (٢٢٤/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٤٦) [شرح مسلم للنووى (٩٩/١٣)] (٤٧) [نيل الأوطار (٢٠٢/٥)]

وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔ کے کان لمبائی میں کٹے ہوں۔[اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح نَسْتَشْرِفَ فعل مضارع کا صیغہ ہے استشراف (بروزن استفعال) سے اس کا معنی ہے "غور سے دیکھنا"۔ عَوْرَاءَ بھینگا یا کانا۔ مُقَابَلَة جس کے کان آگے سے کٹے ہوں۔ مُدَابَرَة جس کے کان پیچھے سے کٹے ہوں۔ خَرْقَاءَ جس کے کانوں میں گول سوراخ ہو۔ شَرْقَاءَ جس کے کان لمبے رخ کٹے ہوئے ہوں۔

1359- وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَقُومَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَنْ أُقَسِّمَ لُحُومَهَا وَجُلُودَهَا وَجِلَالَهَا عَلَى الْمَسَاكِينِ وَلَا أُعْطِيَ فِي جِزَارَتِهَا شَيْئًا مِنْهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کی قربانیوں کی نگرانی کروں اور میں ان قربانیوں کا گوشت، ان کے چمڑے اور ان کی جلیں مساکین پر صدقہ کر دوں اور ان سے کچھ بھی قصائی کو نہ دوں۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح بُدْن جمع ہے بَدَنَة کی، اس کا معنی ہے "اونٹ"، لیکن بعض اوقات یہ لفظ گائے پر بھی بولا جاتا ہے۔ جِلَال جمع ہے جُلّ کی، اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو سردی وغیرہ سے بچاؤ کے لیے جانور پر ڈالا جاتا ہے۔ جِزَارَة اجرت و معاوضے کو کہتے ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانیوں کا گوشت، ان کے چمڑے اور جلیں وغیرہ سب کچھ صدقہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ قربانی کے گوشت کو اپنے استعمال میں لانا یا قرابت داروں کو کھلانا بھی درست ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت قصائی کو بطور اجرت دینا جائز نہیں، بلکہ اسے الگ اجرت دینی چاہیے۔

1360- وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی طرف سے نحر کی۔ [مسلم]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کے شریک ہونے کا ذکر ہے۔(۴۸) اہل علم نے اس تعارض کو یوں حل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص حج یا عمرہ میں قربانی کرے تو اونٹ میں سات آدمی شریک ہوں گے اور اگر عید کے موقع پر عام قربانی کرے تو پھر دس۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے یعنی اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں اور سات بھی۔ (واللہ اعلم) پہلی تطبیق ہی زیادہ قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔

1359- [بخاری (۱۷۱۶) كتاب الحج : باب لا يعطى الجزار من الهدى شيئا ' مسلم (۱۳۱۷) ابو داود (۱۷۶۹) ابن ماجه (۳۰۹۹-۳۱۵۷) احمد (۷۹/۱) دارمی (۱۹۴۰) ابن الجارود (۴۸۲) بیهقی (۲۹۴/۹)]

1360- [مسلم (۱۳۱۸) كتاب الحج : باب الاشتراك فى الهدى وإجزاء البقرة والبدنة كل منهما ' ابو داود (۲۸۰۹) ترمذی (۱۵۰۲) ابن ماجه (۳۱۳۲) احمد (۳۷۸/۳) دارمی (۱۹۵۵) بیهقی (۲۹۵/۹)]

(۴۸) [صحيح : صحيح ابن ماجة (۲۵۳۶) ابن ماجة (۳۱۳۱) كتاب الأضحى : باب عن كم تجزى البدنة والبقرة ' ترمذی (۹۰۵) نسائی (۴۴۰۴) احمد (۲۴۸۴)]

باب العقيقة — عقیقہ کا بیان

1361- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَعَبْدُ الْحَقِّ لٰكِنْ رَجَّحَ أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے سے عقیقہ کیا۔ [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، ابن جارود اور عبدالحق نے اسے صحیح کہا ہے لیکن ابوحاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

1362- وَ أَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ ۔

اور ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

لغوی توضیح عَقِيْقَة ایسے جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔ عربی گرائمر میں عقیقہ کرنے کے لیے باب عَقَّ يَعُقُّ (بروزن نصر) استعمال ہوتا ہے۔ كَبْشًا كَبْشًا ایک ایک مینڈھا۔ سنن نسائی کی روایت میں كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ دو دو مینڈھوں کا ذکر ہے علامہ البانی ؒ نے اسے زیادہ صحیح قرار دیا ہے اور آئندہ حدیث سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ میں دو جانور قربان کرنے چاہییں۔

فهم الحديث اس حدیث سے عقیقہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ اہل ظاہر نے اسے واجب، جمہور نے مستحب اور احناف نے فقط مباح و جائز قرار دیا ہے۔(٤٩) راجح مؤقف یہ ہے کہ عقیقہ سنت مؤکدہ و مستحب عمل ہے لہٰذا جو بھی صاحب استطاعت ہو اسے اپنی اولاد کی طرف سے ضرور عقیقہ کرنا چاہیے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو ضرور قربانی کرے۔''(٥٠) امام ابن قدامہ ؒ(٥١)، امام شوکانی ؒ(٥٢)، شیخ ابن عثیمین ؒ(٥٣) اور شیخ ابن جبرین(٥٤) نے عقیقہ کو سنت مؤکدہ ہی کہا ہے۔

1361- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (٢٨٤١) كتاب الضحايا : باب في العقيقة، نسائي ١٦٥/٧٠، عبد الرزاق (٧٨٦٢) ابن الجارود (٩١١-٩١٢) بيهقي (٢٩٩/٩) شیخ البانی ؒ نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے لیکن سنن نسائی کی روایت میں '' كبشين كبشين '' کے لفظ ہیں وہ زیادہ صحیح ہیں۔ شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1362- [ابن حبان (١٠٦١-المراد)]

(٤٩) [نيل الأوطار (٤٩٩/٣) بدائع الصنائع (٦٩/٥) الشرح الكبير (١٢٦/٢) القوانين الفقهية (ص/١٩١) مغني المحتاج (٢٩٣/٤) المهذب (٢٤١/١) المغني (٦٤٥/٨) بداية المجتهد (٤٤٨/١) المجموع (٤٤٧/٨)]

(٥٠) [حسن : صحيح ابوداود (٢٤٦٨) ابو داود (٢٨٤٢) كتاب الضحايا : باب في العقيقة، احمد (١٨٢/٢) نسائي (١٦٢/٧) مشكل الآثار (٤٦١/١) حاكم (٢٣٨/٤)]

(٥١) [المغني (٣٩٣/١٣)]

(٥٢) [السيل الجرار (٢٥١/٣)]

(٥٣) [فتاوى إسلامية (٣٢٤/٢)]

(٥٤) [فتاوى إسلامية (٣٢٤/٢)]

1363- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَهُمْ أَنْ يُعَقَّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کی جائے۔ [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔]

1364- وَ أَخْرَجَ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ عَنْ أُمِّ كُرْزٍ الْكَعْبِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا نَحْوَهُ۔

اور احمد اور چاروں نے حضرت اُم کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

لغوی توضیح شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ دو برابر بکریاں، یعنی ہم عمر۔ امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ دونوں جانور عمر میں برابر ہوں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے ایک دوندا ہو اور دوسرا دوندا نہ ہو۔ (۵۵)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری بطورِ عقیقہ قربان کی جائے گی۔ گزشتہ روایت میں جو لڑکے کی طرف سے ایک جانور قربان کرنے کا ذکر ہے اس کے متعلق اہل علم نے کہا ہے کہ وہ آپ ﷺ کا فعل ہے اور یہ قول اور جب قول و فعل میں تعارض آ جائے تو قول کو ترجیح ہوتی ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ ﷺ کا ایک بکری پر اکتفاء کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ (لڑکے کی طرف سے) دو بکریاں متعین نہیں بلکہ مستحب ہیں اور ایک بکری مستحب نہیں بلکہ جائز ہے۔ (۵۶) علاوہ ازیں عقیقہ سے متعلقہ احادیث میں مطلقاً شَاةٌ (بکری) کے لفظ سے اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط عائد نہیں کی جائیں گی۔ امام شوکانیؒ (۵۷) اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۵۸) نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ تاہم عقیقہ کے جانور کے ساتھ متقارب یا مساوی کی قید سے اہل علم نے یہ اخذ کیا ہے کہ شریعت نے قربانی کے جانور میں جن عیوب و نقائص سے بچنے کا حکم دیا ہے انہیں عقیقہ کے جانور میں بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ (واللہ اعلم) امام ابن قدامہؒ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ (۵۹) واضح رہے کہ عقیقہ میں نر اور مادہ دونوں طرح کے جانور قربان کیے جاسکتے ہیں جیسا کہ حضرت اُم کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے۔ (۶۰)

1363- [صحیح : صحیح ترمذی ' ترمذی (۱۵۱۳) كتاب الأضاحى : باب ما جاء فى العقيقة ' ابن ماجه (۳۱٦۳) احمد (٦/١٥٨) ابن حبان (۱۰۵۸۔الموارد) حاكم (٢٣٨/٤) بيهقى (٣٠١/٩) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1364- [صحیح : صحیح ابو داود ' ابو داود (۲۸۳٤۔۲۸۳۵) كتاب الضحايا : باب فى العقيقة ' ترمذی (۱۵۱٦) نسائی (١٦٥/٧) ابن ماجه (۳۱٦۲) احمد (٣٨١/٦) دارمی (۱۹٦٦۔۱۹٦۸) ابن حبان (۱۰۵۹۔الموارد) حاكم (٢٣٧/٤) بيهقى (٣٠١۔٣٣٠/٩)]

(۵۵) [معالم السنن (٢٨٤/٤)]
(۵٦) [نيل الأوطار (٥٠١/٣)]
(۵۷) [نيل الأوطار (٥٠٦/٣)]
(۵۸) [تحفة الأحوذى (٩٩/٥)]
(۵۹) [المغنى (٣٩٩/١٣)]
(٦٠) [صحیح : صحیح موارد الظمآن للألبانی (۸۸۵) كتاب الأضاحى : باب ماجاء فى العقيقة ' المشكاة (٤١٥٢) إرواء الغليل (٣٩٠/٤) صحيح ابو داود (٢٥٢٥)]

نیز یہ بھی یاد رہے کہ عقیقہ میں نبی کریم ﷺ سے بکری یا دنبہ ہی ثابت ہے اس لیے یہی جانور قربان کرنے چاہئیں اور جمہور نے جو اونٹ اور گائے کو بھی عقیقہ میں کافی قرار دیا ہے' ان کی دلیل ضعیف روایت ہے۔(٦١)

1365- وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((كُلُّ غُلَامٍ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُحْلَقُ وَيُسَمَّى)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے' اس کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے' سر کے بال منڈائے جائیں اور اس کا نام رکھا جائے۔'' [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح مُرْتَهَنٌ گروی رکھا ہوا۔ اس کے مفہوم میں اختلاف ہے' البتہ امام خطابیؒ نے جسے سب سے عمدہ قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ فوت ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو وہ اپنے والدین کے حق میں سفارش نہیں کرے گا۔(واللہ اعلم)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا وقت ساتواں روز ہے۔ لیکن اگر کوئی ساتویں روز عقیقہ نہ کر سکے تو ایک صحیح روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پھر اسے چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے کہ ''عقیقہ کا جانور ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔''(٦٢) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساتویں روز تک سوچ کر بچے کا نام تجویز کر لینا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ساتویں روز بچے کا سر بھی منڈانا چاہیے۔ ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ساتویں روز بچے کا سر منڈا کر اس کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنی چاہیے۔(٦٣) امام شوکانیؒ (٦٤) اور امام ابن قدامہؒ (٥) نے اس عمل کو مستحب قرار دیا ہے۔(٦٦)

1365- [صحيح : صحیح ترمذی' ترمذی (١٥٢٢) كتاب الأضاحي : باب من العقيقة' نسائی (١٦٦/٧) ابن ماجه (٣١٦٥٠) احمد (٧/٥-٨) بیهقی (٣٠٣/٩) ابن الجارود (٩١٠) طیالسی (٩٠٩) حاکم (٢٣٧/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٦١) [طبرانی صغیر (٨٤/١) فتح الباری (١١/١١) امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مسعدة بن الیسع راوی کذاب ہے۔[مجمع الزوائد (٦١/٤)]

(٦٢) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (٤١٣٢)]

(٦٣) [حسن : إرواء الغليل (١١٧٥) ترمذی (١٥١٩) كتاب الأضاحي : باب العقيقة بشاة] اسی معنی کی حدیث مسند احمد (٣٩٠/٦) اور السنن الكبرى للبيهقي (٣٠٤/٩) میں بھی ہے۔ شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (٢٥٢/٣)]

(٦٤) [السيل الجرار (٢٥٢/٣)]

(٦٥) [المغنى (٣٩٧/١٣)]

(٦٦) [قربانی اور عقیقہ کے مسائل کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "پانچ اہم دینی مسائل" ملاحظہ فرمائیے۔]

كتاب الأيمان والنذور
قسموں اور نذر کے مسائل

1366- عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ، وَعُمَرُ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلَا إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قافلے میں اپنے باپ کی قسم اٹھاتے ہوئے پایا تو انہیں بلا کر فرمایا ''خبردار! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء واجداد کی قسمیں کھانے سے منع کرتا ہے اور جو قسم اٹھانا چاہے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا خاموش رہے۔'' [بخاری، مسلم]

1367- وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ وَ النَّسَائِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا: ((لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ وَلَا بِأُمَّهَاتِكُمْ وَلَا بِالْأَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوا بِاللّٰهِ إِلَّا وَأَنْتُمْ صَادِقُونَ))۔

اور ابوداود اور نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''نہ تم اپنے آبا واجداد کی قسم کھاؤ' نہ اپنی ماؤں کی اور نہ ہی (اللہ کے) شریکوں کی اور اللہ کی قسم بھی صرف تب کھاؤ جب تم سچے ہو۔''

لغوی توضیح أَیْمَان یمین کی جمع ہے' اس کا معنی ہے ''قسم' قوت اور دایاں ہاتھ''۔ اصطلاحاً ایسے مضبوط عقد کا نام ہے جس کے ذریعے حالف کسی فعل کے کرنے یا چھوڑنے کا عزم کرتا ہے۔ النُّذُوْر نذر کی جمع ہے' یہ مصدر ہے باب نَذَرَ یَنْذُرُ (بروزن نصر' ضرب) سے' اس کا معنی ہے ''نذر ماننا اور کسی غیر واجب کام کو اپنے اوپر واجب کر لینا''۔ اصطلاحاً کسی خیر کے کام کا عہد کر لینا نذر کہلاتا ہے۔ رَکْبٌ راکب کی جمع ہے' اس کا معنی ہے ''قافلہ''۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔ شیخ عبداللہ بسام ؒ نے نقل فرمایا ہے کہ قدیم زمانوں سے لوگوں کا یہ عقیدہ چلا آ رہا تھا کہ جس کی قسم کھائی جائے وہ قسم کھانے والے پر تسلط وغلبہ رکھتا ہے اور مافوق الاسباب بھی اسے نفع ونقصان دینے پر قادر ہے' جب قسم کھانے والا اپنی قسم پوری کرے تو وہ اس سے راضی ہوتا ہے اور اسے نفع پہنچاتا ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو وہ اسے نقصان پہنچاتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے علاوہ دوسروں کے نام کی قسم اٹھانا اللہ کے ساتھ شرک بن جاتا۔ (۱) اس اعتقاد کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھانا صریحاً شرک ہے اور اسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھائی یقیناً اس نے شرک کیا۔'' (۲) لیکن اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو پھر

1366- [بخاری (٦٦٤٦) كتاب الأيمان والنذور: باب لا تحلفوا بآبائكم' مسلم (١٦٤٦) ابو داود (٣٢٤٩) ترمذی (١٥٣٤) نسائی (٤/٧-٥) ابن ماجه (٢٠٩٤) احمد ٨/٢٠-١١) دارمی (٢٣٤١)]

1367- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٣٢٤٨) كتاب الأيمان والنذور: باب فی كراهية الحلف بالآباء' نسائی (٥/٧) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱) [توضيح الأحكام (١٠٨/٧)]

بھی غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانا شرک تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ضرور ہے۔ اس لیے اس سے بھی بہر صورت اجتناب کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ مجھے غیر اللہ کے نام کی سچی قسم کھانے سے اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھانا زیادہ پسند ہے۔ (۳) بعض حضرات نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کھانے نے منع کیا ہے لیکن قرآن میں متعدد مقامات پر خود غیر اللہ کی قسم کھائی ہے مثلاً سورج وغیرہ کی قسم۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ جو کرے اسی جیسا کرنا ہمارے لائق نہیں اور لوگوں سے ان کے افعال کے متعلق سوال ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ سے اس کے کیے ہوئے کام کے متعلق کوئی سوال نہیں کرسکتا۔ چونکہ ہمیں غیر اللہ کی قسم سے منع کیا گیا ہے اس لیے ہمیں اسی پر عمل کرنا ہے۔

1368- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَمِينُكَ عَلَى مَا يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ)) وَفِي رِوَايَةٍ: ((الْيَمِينُ عَلَى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ)) أَخْرَجَهُمَا مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہاری قسم اس پر ہے جس پر تمہارا ساتھی تمہیں سچا سمجھے۔" اور ایک روایت میں ہے کہ "قسم کا دارومدار قسم لینے والے کی نیت پر ہے۔" [مسلم]

لغوی توضیح صَاحِبُكَ تمہارا ساتھی، مراد ہے مدِمقابل، جس سے جھگڑا یا اختلاف ہو۔ الْمُسْتَحْلِفُ قسم لینے والا، یہ باب استحلاف (بروزن استفعال) سے ماخوذ ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کھانا جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قسم میں ذو معنی کلام درست نہیں (یعنی قسم کھانے والا جو بات ظاہر کر رہا ہو اس سے اس کی نیت کچھ اور ہو) بلکہ قسم کا اعتبار تب ہوگا جب قسم کھانے والا قسم لینے والے (مدعی یا مدِمقابل) کی نیت کے مطابق قسم کھائے۔

1369- وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: ((فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ)) وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ: ((فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ ثُمَّ ائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ)) وَإِسْنَادُهُمَا صَحِيحٌ۔

حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم کسی کام پر قسم اٹھاؤ اور اس کے مخالف کام کو بہتر سمجھو تو قسم کا کفارہ ادا کر دو اور بہتر کام کرلو۔" [بخاری، مسلم] بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ "بہتر کام کرلو اور قسم کا کفارہ ادا کر دو۔" اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ "(پہلے) اپنی قسم کا کفارہ دو پھر وہ کام کرو جو بہتر ہے۔" [ان دونوں کی سند صحیح ہے۔]

1368- [مسلم (١٦٥٣) كتاب الأيمان : باب يمين الحالف على نية المستحلف ' ابو داود (٣٢٥٥) ترمذی (١٣٥٤) ابن ماجه (٢١٢٠-٢١٢١) احمد (٢٢٨/٢) دارمی (٢٣٤٩)]

1369- [بخاری (٦٦٢٢-٦٧٢٢) كتاب الأيمان والنذور : باب قول الله تعالى لا يؤاخذكم الله باللغو فى أيمانكم ' مسلم (١٦٥٢) ابو داود (٣٢٧٧-٣٢٧٨) ترمذی (١٥٢٩) نسائی (١٠/٧-١٢) احمد (٦١/٥-٦٣) دارمی (٢٣٤٦) بیهقی (٣٢/١٠)]

(٢) [صحيح : صحيح ابو داود (٢٧٨٧) كتاب الأيمان والنذور : باب كراهية الحلف بالآباء ' ابو داود (٣٢٥١) ترمذی (١٥٣٥) حاكم (٥٢/١) احمد (٣٤/٢)]

(٣) [صحيح : ارواء الغليل (٢٥٦٢) صحيح الترغيب (٢٩٥٣)]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے اور بعد میں بھی۔ جمہور اسی کے قائل ہیں' جبکہ احناف کا مؤقف یہ ہے کہ کفارہ بہر صورت قسم توڑنے کے بعد ہی ادا کیا جائے گا۔ (٤) جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے اور امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ﴿ الْكَفَّارَةُ قَبْلَ الْحِنْثِ وَبَعْدَهُ ﴾ ''قسم توڑنے سے پہلے اور بعد میں کفارہ ادا کرنا۔''

❑ واضح رہے کہ قسم توڑنے کا کفارہ قرآن میں یوں بیان ہوا ہے: ﴿ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ﴾ [المائدة : ٨٩] ''اس (یعنی قسم) کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔''

1370- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَقَالَ : إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ' فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے کسی کام پر قسم اٹھائی اور ان شاء اللہ بھی کہہ دیا تو اس پر قسم توڑنے کا کفارہ نہیں۔'' [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر قسم کھاتے وقت ان شاء اللہ کہہ دیا جائے تو پھر اس قسم کو توڑنے پر کفارہ لازم نہیں آتا کیونکہ اسے اللہ کی مشیت پر موقوف کر دینا درحقیقت وہ پختہ قسم ہے ہی نہیں جسے توڑنے پر کفارہ واجب کیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت بھی اس کی مؤید ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ قسم اٹھا کر کہا ''اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا۔'' پھر آخر میں آپ ﷺ نے کہا ﴿ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ﴾ ''اگر اللہ نے چاہا'' اور پھر آپ نے ان سے غزوہ نہ کیا۔ (٥) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں ضرور ایک رات میں اپنی 70 بیویوں کے قریب جاؤں گا اور ان میں سے ہر ایک بچہ جنے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول کے متعلق فرمایا ''اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی۔'' (٦) نیز یاد رہے کہ اس مسئلے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (٧)

1371- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ: ((لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی (ایک) قسم یہ تھی ''نہیں' قسم ہے دلوں کو پھیرنے والے کی۔'' [بخاری]

1370- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٢٦١-٣٢٦٢) كتاب الأيمان والنذور : باب الاستثناء في اليمين' ترمذي (١٥٣١) نسائي (١٢/٧-٢٥) ابن ماجه (٢١٠٥) احمد (٦/٢) دارمي (٢٣٤٢) ابن الجارود (٩٢٨) ابن حبان (٤٣٣٩) حاكم (٣٠٣/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1371- [بخاري (٦٦١٧-٦٦٢٨) كتاب القدر : باب يحول بين المرء وقلبه' ابو داود (٣٢٦٣) ترمذي (١٥٤٠) نسائي (٢/٧-٣) ابن ماجه (٢٠٩٢) مالك (٤٨٠/٢) احمد (٢٥/٢) دارمي (٢٣٥٠)]

(٤) [سبل السلام (١٨٨٢/٤) الروضة الندية (٣٦١/٢) فقه الأثر (١٦٨٣/٥)]

(٥) [صحيح : صحيح ابو داود (٢٨١١) كتاب الأيمان والنذور : باب الحالف يستثني بعد مايتكلم' ابو داود (٣٢٨٥) بيهقي (٤٨/١٠)]

(٦) [بخاري (٣٤٢٤' ٦٦٣٩) كتاب أحاديث الأنبياء : باب قول الله تعالى ووهبنا لداود وسليمان......]

(٧) [عارضة الأحوذي (١٣/٧)]

فهم الحديث اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے قسم کھانے کا ایک انداز بیان ہوا ہے کہ آپ پہلے لا کے ساتھ سابقہ کلام کی نفی فرما دیتے (اگر وہ درست نہ ہوتا) پھر قسم اٹھاتے۔ دلوں کو پھیرنے والا (نیکی سے بدی کی طرف' ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف اور سختی سے نرمی کی طرف وغیرہ وغیرہ)' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی قسم اٹھانا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ میں بھی قسم اٹھایا کرتے تھے ''اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔''(۸) اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائی۔(۹)

1372- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا الْكَبَائِرُ؟ ـ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَفِيهِ: ((الْيَمِينُ الْغَمُوسُ)) وَفِيهِ: قُلْتُ: وَمَا الْيَمِينُ الْغَمُوسُ؟ قَالَ: ((الَّذِي يُقْتَطَعُ بِهَا مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ ـ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ پھر راوی نے ساری حدیث بیان کی۔ اس میں جھوٹی قسم کا بھی ذکر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جھوٹی قسم سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کے ذریعے کسی مسلمان آدمی کا مال ہڑپ کیا جائے اور وہ اس میں جھوٹا ہو۔'' [بخاری]

لغوی توضیح **الْكَبَائِر** کبیرہ کی جمع ہے' مراد ہے بڑے بڑے گناہ۔ **الْيَمِينُ الْغَمُوس** جھوٹی قسم۔ **الْغَمُوْس** غمس سے ماخوذ ہے' اس کا معنی ہے ''غوطہ لگانا' ڈوبنا'' جھوٹی قسم کو غموس اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے مرتکب کو آگ میں ڈبویا جائے گا۔ اکثر اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ قسم کسی ایسے کام پر اٹھائی جاتی ہے جو ماضی میں ہو چکا ہو اور انسان کو علم ہو کہ وہ اس میں جھوٹا ہے۔(۱۰)

فهم الحديث اس حدیث سے جھوٹی قسم کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ جمہور کا کہنا ہے کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں کیونکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ کفارے سے معاف نہیں ہوتا اس لیے ایسے شخص کو توبہ و استغفار کے ذریعے ہی اپنا گناہ معاف کرانا چاہیے۔

1373- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ ﴾ [المائدة: ٨٩] قَالَتْ: ((هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ: لَا وَاللّٰهِ، وَبَلَى وَاللّٰهِ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مَرْفُوعًا ـ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے مؤاخذہ نہیں فرماتا'' کے متعلق مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ اس سے مراد آدمی کا یوں قسمیں کھانا ہے ''نہیں اللہ کی قسم' ہاں اللہ کی قسم۔'' [اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداود نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔]

1372- [بخاری (٦٩٢٠) كتاب استتابة المرتدين: باب إثم من أشرك بالله' ترمذی (٣٠٢١) نسائی (٨٩/٧) احمد (٢٠١/٢) دارمی (٢٣٦٠) ابن حبان (٥٥٦٢)]

1373- [بخاری (٤٦١٣) كتاب تفسير القرآن: باب قوله لا يؤاخذكم الله باللغو فی أيمانكم' مالك (٤٧٧/٢) ابن الجارود (٩٢٥) بيهقی (٤٨/١٠) ابو داود (٣٢٥٤) ابن حبان (١١٨٧_الموارد) بيهقی (٤٩/١٠)]

(٨) [بخاری (٦٦٢٩) كتاب الأيمان والنذور: باب كيف كانت يمين النبی]

(٩) [حسن صحيح: صحيح نسائی (٣٥٢٣) كتاب الأيمان والنذور: باب الحلف بعزة الله' نسائی (٣٧٩٤) ابو داود (٤٧٤٤)]

(١٠) [سبل السلام (١٨٨٨/٤) موطا (٤٧٧/٢) الروضة الندية (٣٦٢/٢) فقه السنة (٨١/٣)]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر قسم کھانا کسی کا تکیہ کلام ہی بن چکا ہو اور بات بات پر غیر ارادی طور پر قسم کھانے کا عادی ہو چکا ہو تو اس پر کفارہ نہیں۔ واضح رہے کہ قسم کی تین اقسام ہیں: (1) لغو (2) غموس (3) معقدہ۔ لغو قسم وہ ہے جو انسان بات بات میں عادتاً بغیر ارادہ و نیت کے کھاتا رہتا ہے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ غموس وہ جھوٹی قسم ہے جو انسان دھوکہ اور فریب دینے کے لیے کھائے' یہ کبیرہ گناہ ہے لیکن اس پر کوئی کفارہ نہیں (اس پر صرف توبہ و استغفار ہی ہے)۔ معقدہ وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لیے ارادۃً اور نیۃً کھائے' ایسی قسم اگر توڑے گا تو اس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔(۱۱)

1374- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَسَاقَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ الْأَسْمَاءَ، وَ التَّحْقِيقُ أَنَّ سَرْدَهَا إِدْرَاجٌ مِنْ بَعْضِ الرُّوَاةِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں' جس نے انہیں یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گا۔'' [بخاری، مسلم۔ ترمذی اور ابن حبان نے یہ تمام (ننانوے) نام بھی ذکر کیے ہیں لیکن تحقیق یہ کہتی ہے کہ یہ نام حدیث کا حصہ نہیں بلکہ کسی راوی کے درج کردہ ہیں۔]

لغوی توضیح مَنْ أَحْصَاهَا جس نے انہیں شمار کیا' یہاں شمار کرنے سے مراد ہے انہیں یاد کرنا' ان پر اور ان کے مقتضیٰ پر ایمان لانا اور ان کے مدلولات پر عمل کرنا' جیسا کہ شیخ عبداللہ بسامؒ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔(۱۲) اس روایت سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اسے یہاں نقل کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی قسم اٹھانا جائز ہے۔

1375- وَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس کے ساتھ کوئی نیکی کی جائے اور وہ نیکی کرنے والے سے کہے' اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اچھا بدلہ عطا فرمائے تو اس نے نہایت بلیغ انداز میں اس کی تعریف کر دی۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے ساتھ کوئی احسان اور اچھا سلوک کرے اسے چاہیے کہ احسان کرنے والے کو (احسان کا بدلہ دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اسے) ان الفاظ ﴿جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا﴾ میں دعا دے کیونکہ اس سے اس کا مکمل طور پر شکر ادا ہو جائے گا۔ اہل علم نے کہا ہے کہ اس روایت کا محل کتاب الایمان والنذور نہیں بلکہ کتاب الجامع کا باب الادب ہے۔

1374- [بخاری (۶۴۱۰) كتاب الدعوات : باب لله مائة اسم غير واحد' مسلم (۲۶۷۷) ترمذی (۳۵۰۶) ابن ماجه (۳۸۶۰) احمد (۲۶۷/۲) ابن حبان (۸۰۷) ابن ماجه (۳۸۶۱)]

1375- [**صحيح** : صحيح ترمذی' ترمذی (۲۰۳۵) كتاب البر والصلة : باب ما جاء في المتشبع بما لم يعطه' نسائی فی عمل اليوم والليلة (۱۸۰) ابن حبان (۳۴۱۳) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۱) [تفسير أحسن البيان (ص/۳۲۵)]

(۱۲) [توضيح الأحكام (۱۲۰/۷)]

1376- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى عَنِ النَّذْرِ، وَقَالَ: ((إِنَّهُ لَا يَأْتِي بِخَيْرٍ وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا کہ "یہ کوئی خیر نہیں لاتی بلکہ اس کے ذریعے تو محض کنجوس آدمی سے مال نکلوایا جاتا ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح لَا يَأْتِي بِخَيْرٍ نذر کوئی خیر نہیں لاتی، یعنی اس کا انجام محمود نہیں اور بعض اوقات اسے پورا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ اس کے ذریعے کنجوس آدمی سے مال نکلوایا جاتا ہے، یعنی کنجوس آدمی خود صدقہ نہیں کرتا بلکہ جب نذر کے ذریعے اپنے اوپر صدقہ لازم کر لیتا ہے تب ایسا کرتا ہے۔ نذر ماننا مکروہ اس لیے ہے کیونکہ اس میں نذر ماننے والا اللہ تعالیٰ سے شرط لگا رہا ہوتا ہے اور معاوضہ طے کر رہا ہوتا ہے، یعنی اگر اسے فلاں چیز حاصل ہوگی تب وہ اتنا مال خرچ کرے گا یا اتنے نوافل پڑھے گا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ نذر ماننے سے تقدیر نہیں بدلتی، البتہ بعض اوقات نذر تقدیر کے موافق ضرور ہو جاتی ہے مگر نذر ماننے والا اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے نذر ماننے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ نذر کے حکم میں اختلاف ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے کیونکہ قرآن میں اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ "وہ نذر پوری کرتے ہیں۔" یقیناً نذر پوری تب ہی کی جاتی ہے جب نذر مانی گئی ہو۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے اسے مکروہ ہی قرار دیا ہے۔ (۱۳) یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ مکروہ نذر بھی وہ ہے جو اللہ کے لیے مانی گئی ہو اور جو غیر اللہ مثلاً مردوں، اہل قبور، طواغیت اور شیاطین کے لیے مانی گئی ہو وہ تو صریحاً شرک ہے۔

1377- وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ فِيهِ: ((إِذَا لَمْ يُسَمِّهِ)) وَصَحَّحَهُ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہی ہے۔" [مسلم] ترمذی نے اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ "جب وہ اس کا نام نہ لے۔" [اور اسے صحیح کہا ہے۔]

1378- وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرْفُوعًا: ((مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّهِ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِي مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيقُهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ)) وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ، إِلَّا أَنَّ الْحُفَّاظَ رَجَّحُوا وَقْفَهُ۔

اور ابو داود میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "جس نے کوئی نذر مانی اور اس کا نام نہ لیا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہی ہے اور جس نے کسی نافرمانی کے کام کی نذر مانی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہی ہے اور جس نے کسی ایسے کام کی نذر مانی جسے کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہی ہے۔" [اس کی سند صحیح ہے مگر حفاظ نے اس کے موقوف ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

1376- [بخاری (٦٦٠٨-٦٦٩٣) كتاب القدر: باب إلقاء النذر العبد إلى القدر، مسلم (١٦٣٩) ابو داود (٣٢٨٧) نسائی (١٥/٧) ابن ماجه (٢١٢٢) احمد (٦١/٢) دارمی (٢٣٤٠) ابن حبان (٤٣٧٥) طحاوی (٣٦٢/١)]

1377- [مسلم (١٦٤٥) كتاب النذر: باب في كفارة النذر، ابو داود (٣٣٢٣-٣٣٢٤) ترمذی (١٥٢٨) نسائی (٢٦/٧) احمد (١٤٦/٤٠) بیهقی (٦٧/١٠)]

1378- [ضعيف: ضعیف ابو داود، ابو داود (٣٣٢٢) ابن ماجه (٢١٢٨) شیخ البانیؒ نے اس روایت کو مرفوعاً ضعیف کہا ہے۔ شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

(١٣) [مغنی المحتاج (٤٥٤/٤) المغنی (٦٢١/١٣) سبل السلام (١٨٩٨/٤)]

1379- وَ لِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا:((وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ))۔

اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کی نافرمانی مت کرے۔''

1380- وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ عِمْرَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ)) ۔

اور مسلم میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نافرمانی کے کام میں نذر پوری کرنا جائز نہیں۔''

فهم الحديث ان روایات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص غیر معین کام کی نذر مانے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے اور یہ متعین نہ کرے کہ وہ روزہ رکھے گا یا کیا کرے گا؟ تو اس پر کفارۂ قسم ادا کرنا لازم ہے (قسم کا کفارہ گزشتہ حدیث نمبر 1369 کے تحت ملاحظہ فرمائیے)۔ اسی طرح جو کسی نافرمانی یا طاقت سے باہر کام کی نذر مانے اس پر بھی کفارۂ قسم لازم ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا جن روایات میں غیر معین نذر پر ادائیگی کفارہ کا ذکر ہے انہیں علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن دیگر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہو ہی جاتا ہے۔(١٤) لہٰذا اگر کوئی شخص کسی غیر معین کام یا معصیت کی یا کسی ایسے کام کی نذر مان لے جس کی اس میں طاقت نہیں تو اسے چاہیے کہ اسے پورا نہ کرے بلکہ کفارۂ قسم ادا کردے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(١٥)

1381- وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ حَافِيَةً ، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُهُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : ((لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ ① ، وَ لِأَحْمَدَ وَ الْأَرْبَعَةِ : فَقَالَ : ((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ شَيْئًا ، مُرْهَا فَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَرْكَبْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ)) ②۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے بیت اللہ کی طرف ننگے پاؤں چل کر جانے کی نذر مانی اور مجھے اپنے لیے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے چاہیے کہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔'' [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں] اور احمد اور چاروں کی روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تیری بہن کے مشقت میں مبتلا ہونے پر کچھ نہیں کرے گا، اسے کہو کہ چادر اوڑھے سوار ہو اور تین دن کے روزے رکھ لے۔''

1379- [بخاری (٦٦٩٦۔٦٧٠٠) كتاب الأيمان والنذور : باب النذر في الطاعة، ابو داود (٣٢٨٩۔٣٢٩٢) ترمذی (١٥٢٤۔١٥٢٦) نسائی (١٧/٧) ابن ماجه (٢١٢٥۔٢١٢٦) احمد (٣٦/٦) دارمی (٢٣٣٨) ابن حبان (٤٣٨٨) ابن الجارود (٩٣٤) بيهقی (٦٨/١٠)]

1380- [مسلم (١٦٤١) كتاب النذر : باب لا وفاء لنذر في معصية الله، ابو داود ٣٣١٦٠ نسائی (٣٠/٧) ابن ماجه (٢١٢٤) احمد (٤٢٩/٤) دارمی (٢٣٣٧)]

1381- [① بخاری (١٨٦٦) كتاب الحج : باب من نذر المشي إلى الكعبة، مسلم (١٦٤٤) ابو داود (٣٢٩٩) نسائی ١٩/٧٠) احمد (١٥٢/٤)، ② ضعيف : ضعيف ابو داود، ابو داود (٣٢٩٣) كتاب الأيمان والنذور : باب من رأى عليه كفارة إذا كان في معصية، ترمذی (١٥٤٤) نسائی (٢٠/٧) ابن ماجه (٢١٣٤) احمد (١٤٣/٤) دارمی (٢٣٣٤) بيهقی (٨٠/١٠) شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(١٤) [موطا (٤٨١/٢) بيهقی (٦٥/١٠) تلخيص الحبير (١٧٦/٤)]

(١٥) [الدرر البهية : كتاب النذر]

لغوی توضیح حَافِيَةً ننگے پاؤں۔ شَقَاءِ أُخْتِكَ تیری بہن کو مشقت و تکلیف دے کر۔ لِتَخْتَمِرْ وہ چادر اوڑھ لے' یہ اس لیے کہا کیونکہ اس نے یہ بھی نذر مانی تھی کہ وہ چادر نہیں اوڑھے گی (جیسا کہ ابوداود اور ترمذی کی روایت میں ہے)۔ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وہ تین دن کے روزے رکھے' یہ حکم اس لیے دیا تا کہ وہ اپنی نذر چھوڑ کر کفارۂ قسم کے طور پر روزے رکھ لے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ وہ بیت اللہ کی طرف حج یا عمرہ کے لیے پیدل یا ننگے پاؤں جائے گا (یا کسی بھی ایسے کام کی نذر مانے جس میں اس کے لیے مشقت ہو) تو اس پر اپنی نذر پوری کرنا لازم نہیں بلکہ اسے چاہیے کہ سوار ہو جائے اور کفارۂ قسم ادا کرے۔ امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر کفارہ واجب نہیں۔(١٦) پہلا موقف ہی راجح ہے۔

1382- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ؟ فَقَالَ : ((اقْضِهِ عَنْهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس نذر کے متعلق دریافت کیا جو ان کی والدہ کے ذمہ تھی اور وہ اسے پورا کرنے سے پہلے فوت ہو گئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اسے اس (اپنی والدہ) کی طرف سے پورا کر دو۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ اس نذر کے متعلق جو اُن کی والدہ کے ذمہ تھی۔ وہ نذر کیا تھی اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے روزے' بعض نے صدقہ اور بعض نے غلام کی آزادی کا ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مطلق نذر تھی۔(١٧)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر میت کے ذمہ کسی مشروع کام کی نذر ہو یا دیگر حقوق ہوں تو ورثاء پر اس کی ادائیگی لازم ہے (خواہ میت نے اس کی وصیت نہ بھی کی ہو) بطور خاص اولاد پر۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا مشروع ہے اور ایک عظیم نیکی یہ ہے کہ جو حقوق و واجبات والدین کے ذمہ ہوں انہیں ادا کر دیا جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کو صدقہ و خیرات' روزے اور غلام کی آزادی کا ثواب پہنچتا ہے۔

1383- وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ ' فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلَهُ ' فَقَالَ : ((هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ يُعْبَدُ ؟)) قَالَ : لَا ' قَالَ : ((فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ ؟)) فَقَالَ : لَا ' فَقَالَ : ((أَوْفِ

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ مقام پر اونٹ نحر کرے گا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا اس جگہ کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی رہی ہو؟" اس نے عرض کیا' نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا "کیا وہاں ان (مشرکوں) کا کوئی میلہ تو نہیں لگتا تھا؟" اس نے عرض کیا'

1382- [بخاری (٢٧٦١-٦٩٥٩) كتاب الوصايا : باب ما يستحب لمن توفى فجاءة' مسلم (١٦٣٨) ابو داود (٣٣٠٧) ترمذی (١٥٤٦) نسائی (٢١/٧) ابن ماجه (٢١٣٢) مالك (٤٧٢/٢)]

1383- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (٣٣١٣) كتاب الأيمان والنذور : باب ما يؤمر به من الوفاء بالنذر' طبرانی کبیر (١٣٤١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٦) [توضيح الأحكام (١٣٩/٧)]

(١٧) [توضيح الأحكام (١٤٠/٧)]

بِنَذْرِكَ ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا فِي قَطِيعَةِ رَحِمٍ ، وَ لَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ الطَّبَرَانِيُّ وَ اللَّفْظُ لَهُ ، وَهُوَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ ۔

نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی نذر پوری کرو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، قطع رحمی اور جس کام کا آدم کا بیٹا مالک نہیں، اس میں نذر پوری نہیں کرنی چاہیے۔ [اسے ابوداود اور طبرانی نے روایت کیا ہے، یہ طبرانی کے لفظ ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔]

1384- وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ كَرْدَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عِنْدَ أَحْمَدَ ۔

اور اس کا ایک شاہد مسند احمد میں کردم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

لغوی توضیح بُوَانَة بحر احمر کے قریب واقع ایک مقام کا نام ہے۔ وَثَن بت اور مورتیاں، جن کی پوجا کی جاتی ہے خواہ وہ سونا، چاندی، تانبا، لکڑی اور پتھر وغیرہ کسی بھی چیز سے بنائی گئی ہوں۔ اس کی جمع أَوْثَان آتی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس جگہ پر کوئی نافرمانی کا کام ہوتا ہے وہاں نذر پوری نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنے کے لیے کسی مقام کو خاص کر لینا جائز ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، قطع رحمی اور طاقت سے باہر کسی کام میں نذر مانی ہو تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیے (بلکہ اسے چھوڑ کر کفارۂ قسم ادا کر دینا چاہیے)۔

1385- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنِّي نَذَرْتُ إِنْ فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، فَقَالَ : ((صَلِّ هَاهُنَا)) فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : ((صَلِّ هَاهُنَا)) فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : ((شَأْنُكَ إِذَنْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز ایک آدمی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں مکہ فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہاں (مسجد حرام میں) نماز پڑھ لو۔" اس نے پھر اس کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہیں نماز پڑھ لو۔" اس نے پھر (تیسری بار) پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "پھر جو تمہاری مرضی۔" [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نذر پوری کرنے کے لیے کوئی مقام خاص کیا ہو تو وہ اس سے افضل مقام پر اپنی نذر پوری کر سکتا ہے مثلاً مسجد اقصیٰ میں نماز کی نذر مسجد حرام میں پوری کی جا سکتی ہے لیکن اس کے برعکس (افضل مقام کی نذر مفضول مقام پر پوری کرنا) درست نہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ (۱۸) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کثرت سوال اور معاملات میں غلو ناپسندیدہ امر ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر تقرب

1384- [ابو داود (۳۳۱۵) احمد (۴۱۹/۳)]

1385- [**صحيح**: صحيح ابو داود، ابو داود (۳۳۰۵) كتاب الأيمان والنذور: باب من نذر أن يصلي في بيت المقدس، احمد (۳۶۳/۳) دارمی (۲۳۳۹) ابن الجارود (۹۴۵) حاکم (۳۰۴/۴) بیهقی (۸۲/۱۰-۸۳) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۸) [توضيح الأحكام (۱۴۸/۷)]

الٰہی کے کسی کام کی نذر مانی ہو تو اسے پورا کرنا واجب ہے۔

1386- وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى ، وَمَسْجِدِي هَذَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَ اللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "صرف تین مساجد کی طرف ہی رختِ سفر باندھا جائے؛ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی)۔[بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تبرک کی غرض سے صرف ان تین مساجد کی طرف ہی سفر کرنا چاہیے۔ یہ روایت گزشتہ باب الاعتکاف میں 697 نمبر پر بھی گزر چکی ہے' یہاں اسے نقل کرنے کا مقصد اہل علم نے یہ بتایا ہے کہ نذر پوری کرنے کے لیے صرف ان تین مقامات کو ہی متعین کرنا چاہیے۔ لیکن زیادہ صحیح مؤقف یہ ہے کہ نذر پوری کرنے کے لیے کسی بھی ایسے مقام کو متعین کیا جا سکتا ہے جہاں کوئی اللہ کی نافرمانی کا کام نہ ہوتا ہو' جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر 1383 اس پر شاہد ہے۔

1387- وَ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، قَالَ : ((أَوْفِ بِنَذْرِكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ : فَاعْتَكَفَ لَيْلَةً ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی نذر پوری کر۔" [بخاری، مسلم] بخاری نے ایک روایت میں اتنا اضافہ نقل کیا ہے کہ پھر انہوں نے ایک رات اعتکاف کیا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالتِ کفر میں مانی ہوئی نذر حالتِ اسلام میں پوری کرنا لازم ہے۔ امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام ابن جریرؒ اور شافعیہ کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ کافر کی مانی ہوئی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اس لیے قبولِ اسلام کے بعد اس پر اس نذر کو پورا کرنا بھی لازم نہیں۔ لیکن پہلا مؤقف ہی حدیث کے موافق ہونے کی بنا پر راجح ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۱۹) امام شوکانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲۰) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک رات کا اعتکاف جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں کیونکہ اگر روزہ شرط ہوتا تو آپ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت اعتکاف بیٹھنے سے منع فرما دیتے۔ نیز جس روایت میں یہ ہے کہ "روزے کے بغیر اعتکاف درست نہیں" وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔

1386- [بخاری (۱۱۹۷۔۱۹۹۵) كتاب الجمعة : باب مسجد بيت المقدس ' مسلم (۸۲۷) ترمذی (۳۲۶) ابن ماجه (۱٤۱۰) احمد (۷/۳) ابن حبان (۱٦۱۷) أبو يعلى (۱۱٦۰) حمیدی (۷۵۰)]
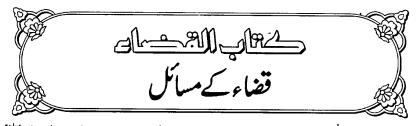
1387- [بخاری (۲۰۳۲) كتاب الاعتكاف : باب الاعتكاف ليلا ' مسلم (۱٦۵٦) ابو داود (۳۳۲۵) ترمذی (۱۵۳۹) نسائی (۲۱/۷) ابن ماجه (۲۱۲۹) احمد (۳۵/۲) دارمی (۲۳۳۳)]

(۱۹) [توضيح الأحكام (۱۵٤/۷)]

(۲۰) [الدرر البهية : كتاب النذر]

1388- عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: اثْنَانِ فِي النَّارِ، وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ: رَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ فِي الْجَنَّةِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَلَمْ يَقْضِ بِهِ وَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ لَمْ يَعْرِفِ الْحَقَّ فَقَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قاضی تین طرح کے ہیں، دو جہنمی ہیں اور ایک جنتی۔ ایک وہ آدمی جس نے حق کو پہچانا اور اس کے ساتھ فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ دوسرا وہ جس نے حق کو پہچان لیا مگر اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا بلکہ فیصلے میں ظلم کیا وہ دوزخی ہے اور تیسرا وہ جس نے حق کو نہ پہچانا اور لوگوں میں جہالت و نادانی سے فیصلہ کر دیا وہ بھی دوزخی ہے۔" [اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح قضاء کا معنی ہے "حکم، فیصلہ وغیرہ"۔ اس کی جمع اقضیة آتی ہے۔ باب قَضَى يَقْضِي (بروزن ضرب) فیصلہ کرنا، باب قَضَّى يُقَضِّي (بروزن تفعیل) قاضی بنانا، باب قَاضَى يُقَاضِي (بروزن مفاعلہ) اور باب تَقَاضَى يَتَقَاضَى (بروزن تفاعل) حاکم کے پاس فیصلہ لے کر جانا۔ قَاضِي شرعی حاکم کو کہتے ہیں، اس کی جمع قُضَاة آتی ہے۔ قَضِيَّة کا معنی ہے "معاملہ" اور اس کی جمع قَضَايَا ہے۔ اصطلاحاً قضا سے مراد ہے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور تنازعات کا خاتمہ کرنا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی یا جج پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا بہت عظیم حق ہے اور اگر وہ اس میں کوتاہی کرتے ہوئے اپنی خواہش کی اتباع میں یا بلا تحقیق و تفتیش محض جہالت پر مبنی فیصلہ کرے گا تو عذابِ جہنم کا مستحق قرار پائے گا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے شخص کو عہدۂ قضا پر فائز نہیں کرنا چاہیے جو مجتہد نہ ہو یا اس عہدے کا اہل نہ ہو۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ قاضی اور مفتی میں یہ فرق ہے کہ قاضی شرعی حکم کی وضاحت کرتا ہے اور پھر اسے نافذ بھی کرتا ہے لیکن مفتی صرف شرعی حکم کی وضاحت ہی کرتا ہے۔ (1)

1389- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ وُلِّيَ الْقَضَاءَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جسے عہدۂ قضا پر فائز کر دیا گیا اسے چھری کے بغیر ہی ذبح کر دیا گیا۔"

1388- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (3573) كتاب الأقضية: باب في القاضي يخطىء، ترمذی (1322) ابن ماجه (2315) بیهقی (116/10) حاکم (90/4) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

1389- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (3571-3572) كتاب الأقضية: باب في طلب القضاء، ترمذی (1325) ابن ماجه (2308) احمد (365/2) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(1) [كما في توضيح الأحكام (158/7)]

فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ ۔ [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح وُلِّيَ فعل مجہول کا صیغہ ہے باب وَلَّى يُوَلِّيْ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے والی و سرپرست بنا دینا' مراد ہے جسے منصب قضاء پر متمکن کر دیا گیا یا جسے قاضی و جج بنا دیا گیا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منصب قضا انتہائی نازک ترین مناصب میں سے ایک ہے کیونکہ اکثر و بیشتر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہی ہے۔ اس میں انسان کے مال' جان اور عزت کے متعلق فیصلہ کرنا ہوتا ہے اور امکان ہے کہ قاضی فریقین میں سے کسی ایک کے قرابت دار ہونے کے باعث یا جاہ و حشمت والے ہونے یا کسی بڑے عہدے پر متمکن ہونے یا کسی حصول منفعت کے باعث فیصلے میں اس کی طرف مائل ہو جائے اور عذاب کا مستحق بن جائے۔ اس لیے اس منصب سے بچنے کی ہی کوشش کرنی چاہیے۔

1390- وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ' وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ' فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتْ الْفَاطِمَةُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' یقیناً تم لوگ حکومت کی حرص کرو گے حالانکہ وہ روزِ قیامت ندامت کا باعث ہو گی' پس دودھ پلانے والی (ماں) اچھی ہے اور دودھ چھڑانے والی (ماں) بری ہے۔[بخاری]

لغوی توضیح الْإِمَارَة حکومت و ولایت' خواہ ملک و قوم کی ہو یا بستی و محلے کی۔ نِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ اچھی ہے دودھ پلانے والی' مراد ہے حکمرانی کے فوائد و منافع جو دودھ پلائی کی مدت کی طرح محدود ہیں۔ بِئْسَتِ الْفَاطِمَة بری ہے دودھ چھڑانے والی' یہاں حکمرانی کے فوائد کا انقطاع مراد ہے اور اُس وبال و عذاب کی طرف اشارہ ہے جو حکومت کی وجہ سے روزِ قیامت بھگتنا پڑے گا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکومت و سیادت سے بچنے کی ہی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ جب اس کی ابتدا ہوتی ہے اس وقت انسان بڑی عیش کرتا ہے لیکن جب یہ ختم ہوتی ہے اور انسان کی ناانصافیوں کی اسے سزا بھگتنی پڑتی ہے تو پھر یہ بہت بری معلوم ہوتی ہے بعینہ جب ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور جب دودھ چھڑاتی ہے تو چیختا چلاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امارت کی حرص و طمع نہیں کرنی چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا'' امارت کا سوال نہ کرو اور اگر تمہیں بغیر مانگنے کے مل جائے تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی اور اگر طلب کرنے پر دی جائے تو تم اسی کے حوالے کر دیئے جاؤ گے۔''(۲) یہاں ایک اشکال یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر حکومت کی طلب حرام ہے تو پھر انبیاء نے ایسا کیوں کیا؟ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں حکومت کا مطالبہ کیا'' مجھے زمین کے خزانوں کا والی بنا دیجیے۔''[یوسف : ۵۵] اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی'' (اے اللہ!) مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔''[ص : ۳۵] اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایک تو انبیاء کو یہ وثوق تھا کہ وہ بداعمالیوں اور ناانصافیوں سے باز رہیں گے۔ دوسرے یہ کہ جو مسائل ہماری شریعت میں ثابت ہیں ضروری نہیں کہ وہ اس سے پچھلی شریعتوں میں

1390- [بخاری (۷۱۴۸) کتاب الأحکام : باب ما یکرہ من الحرص علی الإمارة' نسائی (۱۶۲/۷) احمد (۴۴۸/۲)]

(۲) [بخاری (۶۶۲۲) مسلم (۱۶۵۲) نسائی (۲۲۵/۸) ابو داود (۲۹۲۹) ترمذی (۱۵۲۹) احمد (۶۲/۵) عبدالرزاق (۲۰۶۵۴) ابو یعلی (۱۵۱۶) طبرانی اوسط (۳۷/۱) بیهقی (۱۰۰/۱۰) الحلیة لأبی نعیم (۱۶۱/۷) دارمی (۱۸۶/۲) ابن الجارود (۹۹۸)]

بھی ثابت ہوں۔ عین ممکن ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں امارت طلب کرنا جائز ہو۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا سوال محل نزاع ہے ہی نہیں کیونکہ اختلاف تو مخلوق سے سوال کرنے میں ہے نہ کہ خالق سے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ طلب امارت کی ممانعت انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لیے ہو۔ (٣)

1391- وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''جب حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے (مکمل غور وخوض کرے) اور صحیح فیصلہ کر دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں (ایک اجتہاد کا اور دوسرا صحیح فیصلے کا) اور جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد تو کرے لیکن فیصلہ میں خطا کر جائے تو اس کے لیے (اجتہاد کا) ایک اجر ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الْإِجْتِهَاد مصدر ہے باب افتعال سے' اس کا معنی ہے ''جدو جہد کرنا' کوشش کرنا''۔ اصطلاحاً اجتہاد سے مراد ہے کسی فقیہ کا شرعی عملی حکم تک پہنچنے کے لیے بطریق استنباط جدو جہد کرنا۔ مجتہد کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس میں اجتہاد کا ملکہ ہو یعنی اس میں تفصیلی مآخذ سے شریعت کے عملی احکام مستنبط کرنے کی پوری قدرت موجود ہو۔ (٤) بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مجتہد وہ ہے جسے پانچ قسم کے علوم پر مکمل دسترس حاصل ہو: ① کتاب اللہ کا علم ② سنت رسول اللہ کا علم ③ علمائے سلف کے اقوال اور اجماع واختلاف کا علم ④ علم لغت ⑤ علم قیاس۔ (٥) مجتہد کے مقابلے میں مقلد کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور مقلد وہ ہے جو کسی دوسرے کی بات پر بغیر دلیل کے عمل کر لیتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کسی کی بات بلا دلیل قبول کر لینا تقلید ہے اور ایسا کرنے والا مقلد ہے۔ (٦) اجتہاد کے متعلق ایک معروف روایت یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ان سے دریافت کیا ''تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے؟'' انہوں نے کہا' اللہ کی کتاب کے ساتھ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تو (وہ مسئلہ) اس میں نہ پائے۔'' تو انہوں نے کہا' پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ (فیصلہ کروں گا)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر اس میں بھی نہ پائے۔'' تو انہوں نے کہا' پھر میں اپنی رائے کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن نص کی عدم موجودگی میں اجتہاد کے لیے معناً صحیح ہے۔ (٧)

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اصول اجتہاد سے مکمل واقفیت رکھنے والا مجتہد قاضی فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کے بعد صحیح فیصلہ کر دے تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر فیصلہ صحیح نہ کر سکے تو اسے ایک اجر ملے گا۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قاضی اجتہاد نہ کرے بلکہ بغیر غور وخوض کے ہی فیصلہ کر دے تو وہ گنا ہگار ہوگا کیونکہ اس نے حق کی معرفت حاصل

1391- [بخاری (٧٣٥٢) كتاب المناقب : باب مناقب الحسن والحسين' مسلم (١٧١٦) ابو داود (٣٥٧٤) ابن ماجه (٢٣١٤) احمد (١٩٨/٤) دارقطنی (٢١٠/٤) ابن حبان (٥٠٦١)]

(٣) [نيل الأوطار (٣٤٨/٥)]
(٤) [الوجيز (ص/٤٠١) الموافقات للشاطبی (٥٧/٤) المستصفى للغزالی (١٠٣/٢)]
(٥) [إرشاد النقاد إلى تيسير الاجتهاد للأمير صنعانی ' سبل السلام (١٩١١/٤)]
(٦) [مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: إرشاد الفحول (ص/٣٧٨) الإحكام للآمدی (١٩٢/٤)]
(٧) [السلسلة الضعيفة (٢٨٦/٢)]

کیے بغیر ہی لوگوں کے مابین فیصلہ کر دیا اور ایسا قاضی آگ میں جائے گا جیسا کہ گزشتہ پہلی حدیث میں ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر چہ مجتہد کو فیصلہ کرنے میں غلطی کے باوجود (اجتہاد کا) ایک اجر دیا جاتا ہے لیکن اس کا فیصلہ بہر حال مردود ہوگا (کیونکہ وہ غلط ہے' خواہ اس کا تعلق اصولِ شریعت سے ہو یا فروع سے)۔

1392- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((لَا يَحْكُمُ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''کوئی بھی دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی یا جج کے لیے غصے کی حالت میں فیصلہ کرنا حرام ہے۔ امام شوکانی ؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۸) البتہ جمہور علماء نے اسے مکروہ کہا ہے لیکن راجح قول حرمت کا ہی ہے۔ بحالتِ غصہ فیصلہ کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس حالت میں صحیح اجتہاد نہ ہونے کی بنا پر غلط فیصلہ ہونے کا امکان ہے' اسی پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے ہر اُس حالت میں فیصلہ کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں انسان فیصلے پر مکمل توجہ نہ دے سکتا ہو مثلاً شدید بھوک اور غلبہ نیند وغیرہ۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا غصے کی حالت میں کیا ہوا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا لیکن حنابلہ کے نزدیک نافذ نہیں ہوگا (کیونکہ ممانعت اس کام کے فاسد و باطل ہونے کا تقاضا کرتی ہے جس سے منع کیا گیا ہے' جب وہ فیصلہ ہی فاسد ہے تو پھر اس کا نفاذ کیسا؟)۔ (۹)

1393- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ، فَسَوْفَ تَدْرِي كَيْفَ تَقْضِي)) قَالَ عَلِيٌّ: فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ، وَقَوَّاهُ ابْنُ الْمَدِينِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب دو آدمی تیرے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئیں تو پہلے کے لیے اس وقت تک فیصلہ نہ کر جب تک دوسرے کی بات نہ سن لے' اس سے تو جان لے گا کہ تو نے کیسے فیصلہ کرنا ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے بعد میں نے ہمیشہ اسی طرح فیصلہ کیا۔ [اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے' ترمذی نے اسے حسن، ابن مدینی نے قوی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔]

1394- وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الْحَاكِمِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا۔

اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک شاہد مروی ہے۔

1392- [بخاری (۷۱۵۸) كتاب الأحكام: باب هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان' مسلم (۱۷۱۷) ابو داود (۳۵۸۹) ترمذی (۱۳۳۴) نسائی (۲۳۷/۸) ابن ماجه (۲۳۱٦) ابن الجارود (۹۹۷) بيهقی (۱۰٤/۱۰) ابن حبان (۵۰٦۳) احمد (۳٦/۵)]

1393- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (۳۵۸۲) كتاب الأقضية: باب كيف القضاء' ترمذی (۱۳۳۱) ابن ماجه (۲۳۱۰) احمد (۹۰/۱) ابن حبان (۱۳۳۱) حاکم (۱۳۵/۳) بيهقی (۱۳۷/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1394- [حاکم (۱۳۵/۳)]

(۸) [نيل الأوطار (۳٦٦/۵)] (۹) [أعلام الموقعين (۲۲۷/٤) نيل الأوطار (۳٦٦/۵) فتح الباری (۳٦/۱۵)]

لغوی توضیح تَقَاضَى فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تفاعل سے' معنی ہے حاکم کے پاس فیصلہ لے کر جانا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف پہلے آنے والے کی بات سن کر ہی قاضی کو فیصلہ نہیں کر دینا چاہیے بلکہ دوسرے فریق کی بات بھی سنی چاہیے اور اس کے دلائل وشواہد کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یوں دونوں کی بات سننے سے معاملہ کھل کر سامنے آجائے گا اور فیصلہ کرنے میں آسانی اور درستگی کا امکان زیادہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریقین میں عدل وانصاف فیصلے کی اساس ہے۔ امام ابن رشدؒ نے فرمایا ہے' علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ فیصلے کی مجلس میں فریقین کے ساتھ مساوی سلوک کرنا قاضی پر واجب ہے۔ (۱۰)

1395- وَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ ' فَأَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ ' فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم لوگ اپنے تنازعات میرے پاس (فیصلے کے لیے) لے کر آتے ہو اور یہ امکان ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے دلائل دوسرے کی بہ نسبت زیادہ خوبی اور عمدہ انداز میں پیش کرے اور جو کچھ میں نے سنا ہو میں اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں' پس میں جسے اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دے دوں تو میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَلْحَنَ لحن سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے' زیادہ سمجھدار اور ہوشیار ہونا۔ یعنی اپنے دلائل دوسرے کے مقابلے میں زیادہ احسن اسلوب اور مؤثر انداز میں پیش کرے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری طور پر نافذ ہوگا باطنی طور پر نہیں' یعنی اگر قاضی ظاہری دلائل وشواہد کی بنا پر کوئی غلط فیصلہ کر دے تو وہ کام صحیح نہیں ہوگا یعنی قاضی کے فیصلے سے نہ تو کوئی حرام کام حلال ہوگا اور نہ ہی حلال کام حرام' مثلاً اگر کوئی قاضی جھوٹی گواہیوں کی بنا پر کسی عورت کو کسی مرد کی منکوحہ قرار دے دے حالانکہ وہ اس کی منکوحہ نہ ہو تو اس کے فیصلے سے وہ اس کی بیوی نہیں بن جائے گی اور نہ ہی اس کے لیے اس سے ہم بستری حلال ہوگی۔ جمہور اسی کے قائل ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری اور باطنی طور پر نافذ ہوگا یعنی اس کے غلط فیصلے سے بھی وہ عورت اس کی بیوی بن جائے گی۔ (۱۱) یہ مؤقف سراسر کتاب وسنت کے روشن دلائل اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہے۔ امام شوکانیؒ (۱۲)، امام نوویؒ (۱۳)، حافظ ابن حجرؒ (۱۴) اور حافظ ابن حزمؒ (۱۵) نے جمہور کے مؤقف کو ثابت کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مؤقف کا دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔

1395- [بخاری (۷۱۶۹) کتاب الأحكام : باب موعظة الإمام للخصوم' مسلم (۱۷۱۳) ابو داود (۳۵۸۳) ترمذی (۱۳۳۹) نسائی (۲۳۳/۸) ابن ماجه (۲۳۱۷) احمد (۲۰۳/۶) ابن حبان (۵۰۷۰) بیهقی (۱۴۹/۱۰)]

(۱۰) [كما في توضيح الأحكام (۱۷۳/۷)]

(۱۱) [شرح مسلم للنووی (۳۴۷/۶) نيل الأوطار (۳۷۳/۵) شرح معانی الآثار (۱۵۵/۴) الروضة الندية (۵۰۰/۲) قفو الأثر (۱۸۴۲/۵) سبل السلام (۱۹۲۱/۴)]

(۱۲) [نيل الأوطار (۳۷۳/۵)] (۱۳) [شرح مسلم (۲۴۷/۶)]

(۱۴) [فتح الباری (۸۰/۱۵)] (۱۵) [المحلى بالآثار (۵۱۶/۸)]

1396- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((كَيْفَ تُقَدَّسُ أُمَّةٌ لَا يُؤْخَذُ مِنْ شَدِيْدِهِمْ لِضَعِيْفِهِمْ)) رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''وہ امت کیسے پاکیزہ ہو سکتی ہے جس کے قوی لوگوں سے اس کے کمزور لوگوں کا حق نہ لیا جائے۔'' [ابن حبان]

1397- وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيْثِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ الْبَزَّارِ ۔

اور بزار میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک شاہد مروی ہے۔

1398- وَ آخَرُ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عِنْدَ ابْنِ مَاجَهْ ۔

اور اس کا دوسرا شاہد ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ امت کبھی گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتی جو طاقتور لوگوں سے کمزوروں کا حق نہیں لیتی ۔ لہٰذا طاقتور سے جب تک کمزور کا حق وصول نہیں کر لیا جاتا کمزور کی مدد کرنا واجب ہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ فرمانِ نبوی مذکور ہے کہ '' اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔''(۱٦) مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکام اور قضاۃ پر امیر اور غریب (ہر طرح کے آدمی) کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا واجب ہے۔ نیز اس ضمن میں یہ فرمانِ نبوی بھی یاد رکھنا چاہیے کہ '' مظلوم کی بد دعا سے بچو کیونکہ بے شک اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔''(۱۷) اور یہ فرمان بھی کہ '' تین بندے ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی: ان میں سے ایک مظلوم ہے۔''(۱۸)

1399- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : ((يُدْعَى بِالْقَاضِي الْعَادِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَيَلْقَى مِنْ شِدَّةِ الْحِسَابِ مَا يَتَمَنَّى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''روزِ قیامت عادل قاضی کو بلایا جائے گا، وہ بھی حساب میں سختی کی وجہ سے یہ تمنا کرے گا کہ (کاش!) اس نے اپنی زندگی میں کبھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کیا ہوتا۔'' [اسے ابن

1396- [حسن : صحيح ابن ماجه ، ابن ماجه (٤٠١٠) كتاب الفتن : باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر ، ابن حبان (١٥٥٤۔الموارد) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1397- [بزار فى كشف الأستار (١٥٩٦)]

1398- [صحيح : صحيح ابن ماجه ، ابن ماجه (٢٤٢٦) كتاب الصدقات : باب لصاحب الحق سلطان]

1399- [ابن حبان (١٥٦٣۔الموارد) بيهقى (٩٦/١٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

---

(١٦) [بخارى (٢٤٤٤)]

(١٧) [بخارى (١٤٩٦) كتاب الزكاة : باب أخذ الصدقة من الأغنياء وترد فى الفقراء حيث كانوا ، مسلم (١٩) ابو داود (١٥٨٤) نسائى (٢/٥) ترمذى (٦٢٥)]

(١٨) [احمد (٤٤٥/٢) ترمذى (٣٥٩٨) ابن ماجة (١٧٥٢) ابن خزيمة (١٩٠١) ابن حبان فى صحيحه (٣٤١٩) بزار فى كشف الأستار (٣١٣٩)]

اثْنَيْنِ فِي عُمْرِهِ)) رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَ أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَلَفْظُهُ: ((فِي تَمْرَةٍ)).

حبان اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔] بیہقی میں یہ لفظ ہیں کہ "اس نے ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔"

فهم الحديث اس حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قاضی اور جج حضرات کس قدر نازک ترین عہدے پر فائز ہیں کہ جب مکمل عدل وانصاف کرنے والے قاضی سے اس قدر سخت حساب لیا جائے گا تو پھر شب وروز عوام الناس کے ساتھ ناانصافیاں کرنے والوں کا کیا حال ہوگا۔

1400- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ امْرَأَةً)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "وہ قوم کبھی فلاح یاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کر دیئے۔" [بخاری]

لغوی توضیح وَلَّوْا أَمْرَهُمْ امْرَأَةً جنہوں نے اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کر دیئے' یعنی اسے حکمران بنا لیا۔ یہ عام ہے اس میں چھوٹی اور بڑی ہر حکمرانی شامل ہے۔ یہ ارشاد آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا جب آپ ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو حاکم بنا لیا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت حاکم نہیں بلکہ محکوم ہے اور اسے حاکم بنانا ہلاکت و بربادی کا موجب ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ اور پھر خلفاء کے دور میں کبھی کسی عورت کو حاکم نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ عورت کا کام حکمرانی نہیں بلکہ گھر کی نگہبانی ہے' شوہر کی خدمت اور بچوں کی تربیت ہے۔ اور چونکہ نبی کریم ﷺ نے عورت کو دین وعقل میں ناقص قرار دیا ہے اس لیے بھی وہ حکومت وسربراہی کی اہل نہیں۔ نیز یہ آیات بھی اسی موقف کی مؤید ہیں ① ﴿ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى ﴾ [آل عمران: ٣٦] "اور مرد عورت کی طرح نہیں۔" ② ﴿ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ [النساء: ٣٤] "مرد عورتوں پر حاکم ونگران ہیں۔" ان صریح دلائل کی بنا پر جمہور' امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے یہ موقف اپنایا ہے کہ عورت کی ولایت درست نہیں جبکہ احناف نے کہا ہے کہ حدود کے معاملات کے علاوہ دیگر احکام میں عورت کی ولایت درست ہے۔ ان کا یہ موقف نص اور فطرت ربانی کے خلاف ہے۔ (١٩)

1401- وَعَنْ أَبِي مَرْيَمَ الْأَزْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ' عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ فَاحْتَجَبَ عَنْ حَاجَتِهِمْ وَفَقِيرِهِمْ' احْتَجَبَ اللّٰهُ دُونَ حَاجَتِهِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت ابومریم ازدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جسے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کسی کام کا حاکم بنائے اور وہ ان کی حوائج وضروریات (پوری کرنے) سے پردے میں رہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت (پوری کرنے) سے پردے میں رہیں گے۔" [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔]

1400- [بخاری (٤٤٢٥-٧٠٩٩) كتاب المغازي: باب كتاب النبي إلى كسرى وقيصر' ترمذی (٢٢٦٢) نسائی (٢٢٧/٨) احمد (٤٣/٥)]

1401- [صحيح: صحيح ابو داود' ابو داود (٢٩٤٨) كتاب الخراج: باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجبة عنه' ترمذی (١٣٣٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس کی سند کو جید اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(١٩) [دیکھئے: توضیح الأحكام (١٨٤/٧)]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمران کو زیادہ سے زیادہ وقت عوام کی ضروریات پوری کرنے میں صرف کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ عوام مسائل کا شکار ہوں اور حاکم وقت خواب غفلت میں محو یا دیگر فضول قسم کے مشغلوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان کے لیے اپنے دروازے ہی نہ کھولے اور وہ دربانوں کی ٹھوکریں کھا کر ہی واپس لوٹنے پر مجبور ہوں۔ اگر کسی حاکم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر اپنی رحمت کے دروازے بند کر لیں گے۔

1402- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَ حَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلے میں رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن جبکہ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1403- وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عِنْدَ الْأَرْبَعَةِ إِلَّا النَّسَائِيَّ۔

اور ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک شاہد مروی ہے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم و قاضی سے ناحق فیصلہ کرانے کے لیے رشوت دینا اور لینا حرام ہے اور دینے اور لینے والا لعنتی ہے۔ یہ حدیث اور اس کی وضاحت پیچھے 834 نمبر پر گزر چکی ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

1404- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: ((قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَكَمِ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جھگڑا کرنے والے فریقین حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ [اسے ابو داود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو جھگڑا لے کر آنے والے فریقین کے ساتھ مساوی سلوک کرنا چاہیے اور دونوں کو اپنے سامنے بٹھا کر ان کا بیان لینا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کو چاہیے کہ فیصلے کی مجلس میں دونوں فریقوں کو حاضر کرے اور دونوں کے بیانات سننے کے بعد فیصلہ کرے۔ اگرچہ یہ روایت کمزور ہے لیکن یہ مسئلہ گزشتہ حدیث نمبر 1394 اور دیگر دلائل سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

1402- [**صحیح**: صحیح ترمذی، ترمذی (۱۳۳۶) كتاب الأحكام: باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، احمد (۳۸۷/۲) ابن حبان (۵۰۷۶) حاکم (۱۰۳/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1403- [**صحیح**: صحیح ابو داود، ابو داود (۳۵۸۰) كتاب الأقضية: باب في كراهية الرشوة، ترمذی (۱۳۳۷) ابن ماجه (۲۳۱۳) احمد (۱٦٤/۲) ابن حبان (۵۰۷۷) حاکم (۱۰۲/٤) بیهقی (۱۳٥/۱۰) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1404- [**ضعیف الاسناد**: ضعیف ابو داود، ابو داود (۳۵۸۸) كتاب الأقضية: باب كيف يجلس الخصمان بين يدي القاضي، احمد (٤/٤) حاکم (۱۰۲/٤) بیهقی (۱۳٥/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

باب الشهادات — گواہیوں کا بیان

1405- عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ هُوَ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں بہترین گواہ کے متعلق نہ بتاؤں؟ وہ جو گواہی طلب کیے جانے سے پہلے ہی اسے پیش کر دے۔'' [مسلم]

1406- وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ خَيْرَكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَكُونُ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُوفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بے شک میرا زمانہ تمہارا بہترین زمانہ ہے' پھر اس کے بعد آنے والوں کا اور پھر اس کے بعد آنے والوں کا' پھر ایسے لوگ آئیں گے جو خود گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور خیانت کریں گے' امانت دار نہیں سمجھے جائیں گے اور نذریں مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔'' [بخاری' مسلم]

لغوی توضیح . الشَّهَادَات جمع ہے شَهَادَة کی' اس کا معنی ہے ''گواہی''۔ يُسْتَشْهَدُوْنَ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب استشهاد (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''گواہی کا مطالبہ کرنا''۔ السِّمَنُ موٹاپا۔ قَرْن زمانہ' اس کی جمع قُرُوْن آتی ہے۔

فهم الحديث مذکورہ بالا پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ بہترین گواہ وہ ہے جو بغیر مطالبے کے گواہی دے اور دوسری حدیث میں اس کے برخلاف ایسے گواہ کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ان بظاہر متعارض روایات میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ مطالبے کے بغیر گواہی کی مذمت تب ہے جب وہ جھوٹ پر مبنی ہو اور اس کے ذریعے دوسروں کا مال ناحق ہڑپ کرنے کی کوشش ہو لیکن اگر کسی کے حق کے تحفظ کے لیے بغیر مطالبے کے گواہی دی جائے تو پھر وہ ممدوح و محمود ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بہترین زمانہ نبی کریم ﷺ کا ہے اور امت کے سب سے افضل لوگ صحابہ ہیں اور ان کے بعد تابعین افضل ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹی گواہیاں دینا' امانتوں میں خیانت کرنا' نذریں پوری نہ کرنا اور صرف کھانے پینے پر ہی زور دینا کہ جسموں پر چربی چڑھ جائے' افضل لوگوں کا کام نہیں بلکہ یہ تو اُن کا کام ہے جو صرف دنیا کی زندگی کو ہی اپنا مطمع نظر بنائے بیٹھے ہیں۔

1407- عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

1405- [مسلم (۱۷۱۹) كتاب الأقضية : باب بيان خير الشهود' ابو داود (۳۵۹۶) ترمذی (۲۲۹۵) ابن ماجه (۲۳٦٤) احمد (۱۱٥/٤)]

1406- [بخاری (۲٦٥۱) كتاب الشهادات : باب لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد' مسلم (۲۵۳۵) ابو داود (٤٦٥۷) ترمذی (۲۲۲۱-۲۲۲۲-۲۳۰۲) نسائی (۱۷/۷) احمد (٤۲٦/٤) ابن حبان (٦۷۲۹)]

1407- [حسن : صحيح ابو داود' ابو داود (۳٦۰۰) كتاب الأقضية : باب من ترد شهادته' ابن ماجه (۲۳٦٦) احمد (۲۰٤/۲) دارقطنی (۲٤۳/٤) بیهقی (۲۰۰/۱۰) شیخ عبد اللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ وَلَا تَجُوزُ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوٗدَ ۔

نے فرمایا ''خائن مرد اور خائن عورت کی گواہی جائز نہیں اور کینہ رکھنے والے کی گواہی اس کے بھائی کے خلاف جائز نہیں اور جو شخص کسی دوسرے کے زیر کفالت ہو اس کی گواہی کفیل خاندان کے حق میں جائز نہیں۔'' [اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح ذِیْ غِمْرٍ کینہ رکھنے والا۔ اَلْقَانِعُ خادم۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خائن' کینہ رکھنے والے دشمن اور خادم (نوکر اور ماتحت وغیرہ) کی اپنے کفیل مالکان کے حق میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ان کی گواہی میں جانبداری کا امکان ہے' یعنی جو جس کا دشمن ہے یا جس سے بغض و نفرت رکھتا ہے اس کے خلاف گواہی دے دے اور جو جس کا محتاج ہے یا جس کا دوست ہے وہ اس کے حق میں گواہی دے دے۔ امام ابن رشدؒ نے فرمایا ہے کہ قبول شہادت کے لیے مسلمانوں نے عدالت و دیانت کی شرط لگائی ہے۔ (۲۰)

1408- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلَى صَاحِبِ قَرْيَةٍ)) رَوَاهُ أَبُو دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا' آپ نے فرمایا ''کسی دیہاتی کی شہری کے خلاف گواہی جائز نہیں۔'' [اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ دیہاتی کی شہادت سے کراہت اس لیے ہے کیونکہ (ممکن ہے) وہ علم میں کمی کے باعث شہادت کا حق ادا نہیں کرے گا اور (بات کو) اصل واقعہ سے تبدیل کر دے گا۔ (۲۱) امام مالکؒ اس حدیث پر عمل کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ نے کہا ہے کہ دیہاتی کی گواہی بھی قبول کی جائے گی جبکہ اس کی عدالت و ثقاہت معلوم ہو۔ (۲۲) جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان کا چاند دیکھنے کے متعلق ایک دیہاتی کی گواہی قبول فرمائی۔ (۲۳) امام شوکانیؒ (۲٤) اور شیخ عبداللہ بسامؒ (۲۵) نے اسی دوسرے مؤقف کو ترجیح دی ہے۔

1409- وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ خَطَبَ فَقَالَ : ((إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا ''عہد رسالت میں وحی کے ذریعے لوگوں کا مؤاخذہ کیا جاتا تھا اور اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اس لیے اب ہم تمہارے اُن اعمال کے ذریعے ہی تمہارا مؤاخذہ کریں گے جو ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔'' [بخاری]

1408- [**صحيح** : صحیح ابو داود' ابو داود (۳٦۰۲) كتاب الأقضية : باب شهادة البدوى على أهل الأمصار' ابن ماجه (۲۳٦۷) ابن الجارود (۱۰۰۹) حاکم (۹۹/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو منکر اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1409- [بخاری (۲٦٤۱) كتاب الشهادات : باب الشهداء العدول]

(۲۰) [كما فى توضيح الأحكام (۱۹۹/۷)]

(۲۱) [معالم السنن (۱۷۰/٤)]

(۲۲) [المغنى (۳۲/۱۲)]

(۲۳) [**صحيح** : صحيح أبو داود (۲۰۵۲) كتاب الصيام : باب فى شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان' ابو داود (۲۳٤۲)]

(۲٤) [نيل الأوطار (۳۸۸/۵)]

(۲۵) [توضيح الأحكام (۲۰۱/۷)]

فهم الحديث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور اب جو کوئی بھی یہ دعویٰ کرے گا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے وہ کذاب ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں تو لوگوں کے احوال کے متعلق وحی کے ذریعے اطلاع دے دی جاتی تھی لیکن وحی کے انقطاع کے بعد اب چونکہ یہ ممکن نہیں لہٰذا اب لوگوں کے ظاہری اعمال کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جائے گا' اگر تو کسی کے حالات بظاہر تقویٰ و پرہیز گاری کے آئینہ دار ہوں گے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی اور اگر اس کے برخلاف ہوں گے تو پھر شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

1410- وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ((عَدَّ شَهَادَةَ الزُّوْرِ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ' فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جھوٹی گواہی کو بہت بڑے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا۔ [بخاری، مسلم۔ یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔]

لغوی توضیح عَدَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب عَدَّ يَعُدُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''شمار کرنا''۔ الْكَبَائِر جمع ہے كَبِيْرَة کی' مراد ہے کبیرہ گناہ۔ کبیرہ گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جن کے فاعل پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں لعنت یا کوئی حد مقرر کی ہو یا اس پر آخرت کی کسی سزا کا ذکر کیا ہو' نیز یہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ ایک لمبی حدیث میں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جھوٹی گواہی کے علاوہ جن کبیرہ گناہوں کا تذکرہ فرمایا ہے وہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے حکام کو گمراہ کر کے لوگوں کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں' ناجائز املاک پر قبضہ کیا جاتا ہے' مستحقین کو ان کے حق سے محروم کیا جاتا ہے' حلال کو حرام اور حرام کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر صرف جھوٹی گواہیوں کا ہی سد باب کر دیا جائے تو کافی حد تک معاشرے کا امن وامان بحال ہو سکتا ہے۔

1411- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ: ((تَرَى الشَّمْسَ؟)) قَالَ: نَعَمْ' قَالَ: ((عَلَى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ' أَوْ دَعْ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ' وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی سے دریافت فرمایا ''تو سورج کو دیکھ رہا ہے؟'' اس نے عرض کیا' جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کی مثل (معاملہ واضح ہو تو) گواہی دو ورنہ چھوڑ دو۔'' [اسے ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے لیکن یہ ان کی خطا ہے۔]

فهم الحديث اگرچہ مذکورہ روایت ضعیف ہے لیکن معنوی طور پر صحیح ہے کہ گواہی صرف اسی وقت دینی چاہیے جب معاملہ روز روشن کی طرح عیاں ہو اور جب محض وہم وگمان ہی ہو تو پھر گواہی دینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

1410- [بخاری (٢٦٥٤۔٦٢٧٤) کتاب الشهادات : باب ما قيل في شهادة الزور' الأدب المفرد (١٥) مسلم (٨٧) ترمذی (١٩٠١۔٢٣٠١۔٣٠١٩) احمد (٣٦/٥) بيهقی (١٢١/١٠)]

1411- [حاکم (٩٨/٤۔٩٩) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1412- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضَى بِيَمِينٍ وَشَاهِدٍ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ، وَقَالَ : إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔[اسے مسلم، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔]

1413- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَهُ ، أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اصل تو یہ ہے کہ مدعی دو گواہ پیش کرے یا ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ لائے کیونکہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ [البقرة : ٢٨٢] ''اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنالو پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو۔'' لیکن اگر دو گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لیے میسر نہ ہوں بلکہ صرف ایک گواہ ہی موجود ہو تو پھر (جمہور کے نزدیک مالی معاملات میں) ایک گواہ اور مدعی کی ایک قسم کے ساتھ بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے' جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس معنی کی روایات بیان کرنے والے صحابہ کی تعداد 20 کے قریب ہے۔ (٢٦) جمہور، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ احناف نے مذکورہ بالا قرآنی آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ (٢٧) حالانکہ جب ایک مسئلہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہو رہا ہو تو اسے قبول کرنا بھی واجب ہے۔ لہٰذا جمہور کا مؤقف ہی راجح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ (٢٨) اور امام شوکانیؒ (٢٩) نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

باب الدعوى والبينات — دعویٰ اور دلائل کا بیان

1414- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : ((لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ وَلَكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' اگر لوگوں کو ان کے دعووں پر ہی حق دے دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کے خون اور ان کے اموال کا دعویٰ کریں گے لیکن قسم مدعیٰ علیہ کے ذمہ لازم ہے۔'' [بخاری، مسلم]

1412- [مسلم (١٧١٢) كتاب الأقضية : باب القضاء باليمين والشاهد ' ابو داود (٣٦٠٨) ابن ماجه (٢٣٧٠) احمد (٢٤٨/١) بيهقى (١٦٧/١٠)]

1413- [صحيح : صحيح ابو داود ' ابو داود (٣٦١٠) كتاب الأقضية : باب القضاء باليمين والشاهد ' ترمذى (١٣٤٣) ابن ماجه (٢٣٦٨) ابن حبان (٥٠٧٣) بيهقى (١٦٨/١٠) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1414- [مسلم (١٧١١) كتاب الأقضية : باب اليمين على المدعى عليه ' نسائى (٢٤٨/٨) ابن ماجه (٢٣٢١) احمد (٣٤٢/١) بيهقى (٢٥٢/١٠) ابن حبان (٥٠٨٣)]

(٢٦) [تلخيص الحبير (٢٠٦/٤)]

(٢٧) [نيل الأوطار (٣٧٩/٥) الأم للشافعى (٢٥٦/٦) المغنى لابن قدامة (١٢٩/١٤) بداية المجتهد (٤٦٧/٢)]

(٢٨) [فتح البارى (٦١٥/٥)] (٢٩) [نيل الأوطار (٣٧٩/٥-٣٨٠)]

1415- وَلِلْبَيْهَقِيِّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ : ((الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَ الْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ)) ۔

اور بیہقی میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ "مدعی پر ثبوت (یعنی گواہ وغیرہ) پیش کرنا لازم ہے اور قسم وہ اٹھائے گا جس نے انکار کیا۔"

لغوی توضیح اَلْبَیِّنَات جمع ہے بَیِّنَۃٌ کی' مراد ہے "ثبوت اور دلیل وغیرہ"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجرد دعوے سے ہی مدعی (جو غیر سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہو) کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا مدعا دلائل وشواہد کے ساتھ ثابت کرے' اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر مدعا علیہ سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ امام ابن منذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ مذکورہ دوسری روایت کو اہل علم نے شریعت کا ایک عظیم قاعدہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اسی پر اکثر و بیشتر فیصلوں کا انحصار ہے۔

1416- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَرَضَ عَلَى قَوْمٍ الْيَمِينَ ' فَأَسْرَعُوا ' فَأَمَرَ أَنْ يُسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ : أَيُّهُمْ يَحْلِفُ)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قوم پر قسم پیش کی تو وہ فوراً اس کے لیے تیار ہو گئے' اس پر آپ ﷺ نے قسم کے متعلق ان کے مابین قرعہ اندازی کا حکم دیا کہ ان میں سے کون قسم کھائے۔[بخاری]

فہم الحدیث اس حدیث کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ دو آدمی جھگڑا لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' لیکن دونوں کے پاس دلیل اور گواہ موجود نہ تھے تو آپ ﷺ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کرائی کہ ان میں سے کون قسم اٹھائے؟۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی معاملے کی نوعیت ایسی ہو کہ فریقین مدعی ہوں یا یہ واضح نہ ہو رہا ہو کہ مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون؟ تو پھر دونوں کو قسم کھانے کا حکم دیا جائے گا' اگر ان میں سے کوئی قسم کھانے سے انکار کرے تو دوسرا قسم کھا کر اس چیز کا مستحق بن جائے گا' لیکن اگر دونوں ہی قسم کھانے کے لیے تیار ہو جائیں تو پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کرائی جائے گی' جس کے نام قرعہ نکلے گا وہی قسم کھا کر اس چیز کا مستحق قرار پائے گا۔

1417- وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْحَارِثِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : ((مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللَّهُ لَهُ النَّارَ ' وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ : وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟ قَالَ : ((وَإِنْ كَانَ قَضِيبًا مِنْ أَرَاكٍ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابوامامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے اپنی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق مارا اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ واجب کر دی اور اس پر جنت حرام کر دی۔" ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! اگرچہ وہ کوئی معمولی چیز ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگرچہ وہ پیلو کی ایک شاخ ہو۔" [مسلم]

1415- [صحیح : إرواء الغلیل (١٩٣٨) دارقطنی (٢١٨/٤) بیهقی (١٢٣/٨) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1416- [بخاری (٢٦٧٤) کتاب الشهادات : باب إذا تسارع قوم فی الیمین ' ابو داود (٣٦١٦-٣٦١٨) ابن ماجه (٢٣٢٩-٢٣٤٧) احمد (٤٨٩/٢) دارقطنی (٩٢١١/٤) بیهقی (٢٥٥/١٠)]

1417- [مسلم (١٣٧) کتاب الإیمان : باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرة بالنار ' نسائی (٢٤٦/٨) ابن ماجه (٢٣٢٤) احمد (٢٦٠/٥) دارمی (٢٦٠٣)]

1418- وَعَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص قسم اٹھا کر کسی مسلمان آدمی کا مال ہڑپ کر لے اور وہ اس میں جھوٹا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْقَضِيبُ شاخ، ٹہنی۔ أَرَاكٌ پیلو کا درخت۔

فهم الحديث ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم کھا کر اپنے کسی مسلمان بھائی کا حق مارنا حرام ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے اموال قلیل ہوں یا کثیر، انہیں ناحق ہڑپ کرنا حرام ہے۔ نیز اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت غضب بھی ثابت ہوتی ہے۔

1419- وَعَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي دَابَّةٍ، لَيْسَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ، فَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَهَذَا لَفْظُهُ، وَقَالَ: إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی ایک جانور کے بارے میں جھگڑ پڑے اور ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل نہیں تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس جانور کو دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے، یہ لفظ نسائی کے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔]

فهم الحديث اس روایت میں یہ احتمال ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ جانور دونوں کے قبضہ و تصرف میں تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے مجرد دونوں کے دعووں کی بنیاد پر ہی وہ جانور ان کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ فرما دیا اور اگر وہ کسی ایک کے قبضہ میں ہوتا تو لازماً آپ ﷺ اسی کے حق میں فیصلہ فرماتے (کیونکہ یہ ترجیح کا ایک سبب ہے)۔ اس مفہوم کی تائید کی غرض سے آئندہ حدیث نمبر 1422 کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن اس روایت کی طرح وہ بھی اکثر محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔

1420- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ حَلَفَ عَلَى مِنْبَرِي هَذَا بِيَمِينٍ آثِمَةٍ تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے میرے اس منبر پر کھڑے ہو کر جھوٹی قسم کھائی اس نے اپنا ٹھکانہ آتش جہنم میں بنا لیا۔'' [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1418- [بخاری (۲۵۱۶) كتاب الرهن: باب إذا اختلف الراهن والمرتهن ونحوه، مسلم (۱۳۸) ابو داود (۳۲۴۳) ترمذی (۲۹۹۶) احمد (۲۱۱/۵) بیهقی (۴۴/۱۰) ابن حبان (۵۰۸۴)]

1419- [ضعیف: ضعيف ابن ماجه، ابن ماجه (۲۳۳۰) كتاب الأحكام: باب الرجلان يدعيان السلعة وليس بينهما بينة، ابو داود (۳۶۱۳) نسائی (۲۴۸/۸) احمد (۴۰۲/۴) حاکم (۹۴/۴-۹۵) بیهقی (۲۵۴/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس کی سند کو جید اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1420- [صحیح: صحيح ابو داود، ابو داود (۳۲۴۶) كتاب الأيمان والنذور: باب ما جاء في تعظيم اليمين عند منبر النبي ﷺ، ابن ماجه (۲۳۲۵) احمد (۳۴۴/۳) مالك (۷۲۷/۲) ابن الجارود (۹۲۷) ابن حبان (۴۳۶۸) بیهقی (۱۷۶/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح مِنْبَر سے مراد وہ بلند مقام ہے جس پر کھڑا ہو کر خطیب و واعظ نصیحت کرتا ہے۔ آثِمَة گناہ کی موجب یعنی جھوٹی قسم۔ تَبَوَّأَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَبَوَّأَ يَتَبَوَّأُ (بروزن تفعّل) سے اس کا معنی ہے "ٹھکانہ بنا لینا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم کھانا حرام ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان جتنے بلند مقام پر فائز ہو کر کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا اسے اس کا اتنا ہی زیادہ عذاب ہوگا۔

1421- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ يَمْنَعُهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ لَأَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا، فَصَدَّقَهُ، وَهُوَ عَلَى غَيْرِ ذٰلِكَ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفَى، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نہ تو کلام کریں گے نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کا تزکیہ کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ایک وہ آدمی جس کے پاس جنگل میں زائد پانی ہو اور وہ اسے مسافروں سے روک لے، دوسرا وہ آدمی جو عصر کے بعد کسی آدمی سے کوئی سودا طے کرتا ہے اور اس کے لیے اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ اس نے اتنی اور اتنی قیمت میں خود خریدا ہے اور وہ (خریدار) اسے سچا سمجھ لیتا ہے حالانکہ وہ (قسم اٹھانے والا) اس میں سچا نہیں ہوتا اور تیسرا وہ آدمی جس نے محض دنیا کے لیے کسی حاکم کی بیعت کی پھر اگر حاکم اسے کچھ دے دیتا ہے تو وہ اس سے وفا کرتا ہے اور اگر وہ اسے کچھ نہ دے تو وفا نہیں کرتا۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح عَلَى فَضْلِ مَاءٍ ضرورت سے زائد پانی۔ الْفَلَاة جنگل، چٹیل میدان۔ ابْنِ سَبِيل مسافر۔ سِلْعَة سودا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زائد از ضرورت پانی مسافروں اور محتاجوں سے روک لینا، عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنا اور محض دنیاوی اغراض کی خاطر حاکم کی بیعت کرنا حرام اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب ہے۔ نیز اس حدیث میں عذابِ آخرت کا بھی اثبات ہے۔

1422- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ((أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي نَاقَةٍ، فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا: نُتِجَتْ هٰذِهِ النَّاقَةُ عِنْدِي، وَأَقَامَا بَيِّنَةً، فَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِمَنْ هِيَ فِي يَدِهِ))۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹنی کے بارے میں تنازعہ کیا اور ان میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ اس نے میرے ہاں بچے کو جنم دیا ہے اور دونوں نے گواہ بھی پیش کر دیئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں فیصلہ کیا جس کے قبضہ میں اونٹنی تھی۔

1421- [بخاری (۷۲۱۲) كتاب الأحكام: باب من بايع رجلا لا يبايعه إلا للدنيا، مسلم (۱۰۸) ابو داود (۳۴۷۴) نسائی (۲۴۶/۷) ابن ماجه (۲۲۰۷-۷۸۷۰) احمد (۴۸۰/۲) ابن حبان (۴۹۰۸) بیهقی (۱۷۷/۱۰)]

1422- [دارقطنی (۲۰۹/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1423- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ الْيَمِينَ عَلَى طَالِبِ الْحَقِّ)) رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ وَفِي إِسْنَادِهِمَا ضَعْفٌ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قسم کو طالبِ حق پر لوٹا دیا۔ [ان دونوں کو دارقطنی نے روایت کیا ہے ان کی سند میں ضعف ہے۔]

فهم الحديث اس روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر مدعا علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے تو پھر مدعی کو قسم کھانے کا کہا جائے گا اور اگر وہ قسم اٹھا لے تو وہ متنازعہ چیز کا مستحق بن جائے گا۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

1424- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ : ((أَلَمْ تَرَيْ إِلَى مُجَزِّزٍ الْمُدْلِجِيِّ ؟ نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ، وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ : هَذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نہایت خوش وخرم میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجزز مدلجی نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کو دیکھ کر کہا ہے کہ یہ پاؤں ایک دوسرے سے ہیں۔“ [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح مَسْرُوْر خوش۔ تَبْرُقُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب بَرَقَ يَبْرُقُ (بروزن نصر) ”چمکنا“۔ أَسَارِيْر جمع ہے اَسْرَار کی اور اَسْرَار جمع ہے سِر کی یا سَرَر کی' اس سے مراد ہیں چہرے کے وہ خطوط جو پیشانی پر ہوتے ہیں۔ مُجَزِّزْ مُدْلَجِی بنومدلج قبیلے کا ایک قیافہ شناس۔ هَذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ' ان دونوں کا آپس میں نسبی تعلق ہے۔ یہ اس نے اس وقت کہا جب اس نے حضرت زید اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو اکٹھے سوئے ہوئے دیکھا' دونوں کے سر پر چادر تھی لیکن پاؤں ننگے تھے۔ دراصل زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا رنگ سفید تھا اور ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کا رنگ کالا تھا' اس وجہ سے بعض منافق لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے۔ تو جب مجزز مدلجی نے دونوں کو دیکھ کر کہا کہ ان دونوں کا آپس میں تعلق ہے تو آپ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اثباتِ نسب میں قیافہ معتبر اور معاون ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں ایک قیافہ شناس کی گواہی بھی کافی ہے۔

1423- [دارقطنی (٢١٣/٤) حاکم (١٠٠/٤) بیهقی (١٨٤/١٠) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1424- [بخاری (٦٧٧٠-٦٧٧١) كتاب الفرائض : باب القائف' مسلم (١٤٥٩) ابو داود (٢٢٦٧) ترمذی (٢١٢٩) نسائی (١٨٤/٦) ابن ماجه (٢٣٤٩) احمد (٨٢/٦) دارقطنی (٢٤٠/٤) بیهقی (٢٦٢/١٠)]
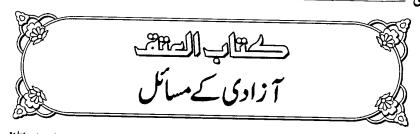
1425- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَيُّمَا امْرِیءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس مسلمان آدمی نے کسی مسلمان آدمی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس کے ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیں گے۔" [بخاری، مسلم]

1426- وَلِلتِّرْمِذِيِّ وَصَحَّحَهُ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((أَيُّمَا امْرِیءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فَكَاكَهُ مِنَ النَّارِ)) ۔

اور ترمذی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام ترمذیؒ نے صحیح کہا ہے کہ "جس مسلمان آدمی نے دو مسلمان عورتوں کو آزاد کیا تو وہ دونوں اس کے لیے جہنم سے چھٹکارے کا ذریعہ بن جائیں گی۔"

1427- وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فِكَاكَهَا مِنَ النَّارِ)) ۔

اور ابوداود میں حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اور جس مسلمان عورت نے کسی مسلمان عورت کو آزاد کیا تو وہ اس کے لیے جہنم سے خلاصی کا موجب بن جائے گی۔"

لغوی توضیح عتق مصدر ہے باب عَتَقَ يَعْتِقُ (بروزن ضرب) سے، اس کا معنی ہے "آزاد ہونا" اور باب أَعْتَقَ (بروزن افعال) "آزاد کرنا" کے معنی میں مستعمل ہے۔ اصطلاحاً عتق سے مراد ہے، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کسی آدمی سے ملکیت کو ساقط کر دینا، یہ عمل مستحب ہے لیکن کفارات میں واجب ہے۔(۱) اسْتَنْقَذَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب استنقاذ (بروزن استفعال) سے، اس کا معنی ہے "بچا لینا، نجات دینا"۔ فِكَاك خلاصی، چھٹکارا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی غلام یا لونڈی کو آزادی کی نعمت عطا کرنا جہنم سے آزادی کا ذریعہ ہے۔ اسی فضیلت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تاسٹھ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ستر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محاصرے کے دوران بیس، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے سو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار، ذوالکلاع

1425- [بخاری (۲۰۱۷) كتاب العتق : باب في العتق وفضله، مسلم (۱۵۰۹) ترمذی (۱۵٤۱) احمد (٤٢٠/٢) بیهقی (۲۷۳/٦)]

1426- [صحيح : صحيح ترمذی، ترمذی (۱۵٤۷) كتاب النذور والأيمان : باب ما جاء في فضل من أعتق، شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1427- [صحيح : صحيح ابو داود، ابو داود (۳۹٦۷) كتاب العتق : باب أي الرقاب أفضل، ابن ماجه (۲۵۲۲) احمد (۲۳۵/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو قابل حجت قرار دیا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱) [سبل السلام (۱۹۵۳/٤)]

حمیری رضی اللہ عنہ نے ایک دن میں آٹھ ہزار اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے۔(۲)

1428- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ : أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ : ((إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ)) قُلْتُ : فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ ؟ قَالَ : ((أَعْلَاهَا ثَمَنًا وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا' کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے عرض کیا' کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو زیادہ قیمتی اور اپنے مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو غلام مالکوں کے نزدیک زیادہ معزز و نفیس ہوا سے آزاد کرنا زیادہ باعث اجر ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ﴾ [آل عمران : ۹۲] ''تم اس وقت تک ہرگز نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک اس چیز میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہو۔'' یقیناً نفیس' قیمتی اور عمدہ غلام اپنے مالکوں کے نزدیک زیادہ معزز ہوتا ہے اور اسے آزاد کرنے کو دل نہیں چاہتا لیکن اس کے باوجود بھی اگر کوئی خالص اللہ کی رضا کے لیے اسے آزاد کر دے تو بلاتردد یہ ایسے غلام کی آزادی سے افضل اور زیادہ باعث اجر ہے جو بوڑھا' کمزور' بیمار اور غیر نفیس ہو۔

1429- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ قِيمَةَ عَدْلٍ ' فَأَعْطَى شُرَكَائَهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ ' وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص مشترکہ غلام میں سے اپنے حصے کا غلام آزاد کر دے اور اس کے پاس غلام کی قیمت کے برابر مال بھی ہو تو انصاف کے ساتھ اس کی قیمت مقرر کر کے دوسرے شرکاء کو ان کے حصے کی قیمت ادا کر دے' یوں یہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا ورنہ جتنا آزاد ہو چکا ہے اتنا ہی آزاد ہے۔'' [بخاری، مسلم]

1430- وَلَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((وَإِلَّا قُوِّمَ عَلَيْهِ وَاسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ)) وَقِيلَ : إِنَّ السِّعَايَةَ

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''ورنہ اس کی قیمت مقرر کی جائے گی اور اس پر مشقت ڈالے بغیر اسے حصولِ آزادی کا موقع فراہم کیا جائے گا۔'' [یہ کہا گیا ہے کہ غلام کے لیے کوشش و محنت کا لفظ

1428- [بخاری (۲۵۱۸) کتاب العتق : باب أی الرقاب أفضل ' مسلم (۸٤) ابن ماجه (۲۵۲۳) احمد (۱۵۰/۵) ابن الجارود (۹٦۹) ابن حبان (۱۵۲) بیهقی (۲۷۳/۱۰)]

1429- [بخاری (۲۵۲۲) کتاب العتق : باب إذا أعتق عبدا بین اثنین أو أمة بین الشرکاء ' مسلم (۱۵۰۱) ابو داود (۳۹٤۰) ترمذی (۱۳٤٦) نسائی (۳۱۹/۷) ابن ماجه (۲۵۲۸) مالك (۷۷۲/۲) احمد (۱۱۲/۲)]

1430- [بخاری (۲٤۹۲) کتاب الشرکة : باب تقویم الأشیاء بین الشرکاء بقیمة عدل ' مسلم (۱۵۰۳) ابو داود (۳۹۳۸) ترمذی (۱۳٤۸) ابن ماجه (۲۵۲۷) احمد (٤۲٦/۲) بیهقی (۲۸۰/۱۰)]

(۲) [سبل السلام (۱۹۵۵/٤)]

مُدْرَجَةٌ فِي الْخَبَرِ ۔ حدیث میں مدرج ہے (لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ مدرج نہیں بلکہ مرفوعاً ثابت ہے جیسا کہ امام صنعانی وغیرہ نے فرمایا ہے)۔]

لغوی توضیح شِرْكًا حصہ۔ قُوِّمَ قیمت لگائی جائے۔ اسْتُسْعِيَ غلام سے محنت کرائی جائے۔

فہم الحدیث معلوم ہوا کہ اگر کوئی غلام دو یا زیادہ افراد کی ملکیت میں ہو اور ان میں سے کوئی ایک اپنے حصے کا غلام آزاد کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ مکمل غلام کی قیمت لگائے اور پھر اگر اس کے پاس اتنی مالیت ہو تو وہ اپنے باقی شرکاء کو انصاف کے ساتھ ان کے حصے ادا کر دے اور غلام کو آزاد کرا دے لیکن اگر آزاد کرنے والے کے پاس مزید اتنا مال نہیں جو اس کی مکمل قیمت کے برابر ہو تو پھر غلام کو اتنا مال کما کر لانے کی زحمت دی جائے گی جو دوسرے شرکاء کے حصص کے برابر ہو۔ جب وہ حصص مالکان کو ادا کر دیئے جائیں گے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ بعض علما نے پہلی حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ غلام کا بقیہ حصہ غلام ہی رہے گا اس سے محنت وسعی نہیں کرائی جائے گی اور کچھ نے دوسری حدیث کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور سعی ومحنت کی اجازت دی ہے۔ ان بظاہر متعارض اقوال میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ تمام شرکائے حصص میں سے صرف ایک اگر اپنا حصہ آزاد کر دے تو فی الفور غلام مکمل آزاد نہیں ہوگا بلکہ اس کی حیثیت ایسے مکاتب غلام جیسی ہوگی جس نے اپنی مکاتبت کا کچھ حصہ تو ادا کر دیا ہے اور کچھ باقی ہے یہی رائے امام بخاریؒ کی ہے۔ (۳)

1431- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا الا کہ وہ اسے غلام پائے اور خرید کر آزاد کر دے۔" [مسلم]

فہم الحدیث اس حدیث میں والدین کے ساتھ نیکی وحسن سلوک کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین' جو بچے کو عدم سے وجود میں لانے کا سبب ہیں' کا حق صرف اس صورت میں ہی ادا کیا جا سکتا ہے کہ اولاد اپنے والدین کو غلام پائے اور انہیں خرید کر آزاد کر دے' گویا اس طرح اولاد بھی والدین کو عدم سے وجود میں لانے کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ غلام کی کمائی اور منافع کسی اور کی ملکیت ہوتے ہیں' یوں وہ زندگی میں خود غیر موجود کی طرح ہوتا ہے اور جب وہ آزاد ہو جائے اور اپنی جان اور اپنی کمائی کا مالک بن جائے تو موجود لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجرد والد کو خریدنے سے والد آزاد نہیں ہوگا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہر محرم رشتہ دار مجرد خریدنے سے ہی آزاد ہو جاتا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ اسی کے قائل ہیں۔ البتہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ صرف اولاد' باپ اور ماں آزاد ہوں گی ان کے علاوہ اور کوئی قریبی آزاد نہیں ہوگا۔ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ صرف اولاد' والد اور بہن بھائی آزاد ہوں گے اور اہل ظاہر کا موقف یہ ہے کہ ملکیت سے کوئی بھی آزاد نہیں ہوگا۔ (۴) راجح موقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے۔ (۵) نیز مذکورہ بالا حدیث بھی اس موقف کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں آزاد کرنے کا ذکر محض تاکید کی غرض سے ہے۔ (۶)

1431- [مسلم (۱۵۱۰) كتاب العتق : باب فضل عتق الوالد' ابو داود (۵۱۳۷) ترمذی (۱۹۰۶) ابن ماجه (۳۶۵۹) احمد (۲۳۰/۲) بيهقی (۲۸۹/۱۰) ابن الجارود (۹۷۱) ابن حبان (۴۲۵)]

(۳) [دیکھئے: سبل السلام (۱۹۵۸/۴) نيل الأوطار (۱۵۷/۴) الروضة الندية (۳۲۶/۲-۳۲۸)]

(۴) [نيل الأوطار (۱۵۲/۴) سبل السلام (۱۹۶۱/۴) شرح مسلم للنووی (۱۵۳/۱۰) الروضة الندية (۳۲۳/۲) عون المعبود (۴۸۰/۱۰) قفو الأثر (۱۷۸۲/۵)]

(۵) [سبل السلام (۱۹۶۱/۴)] (۶) [الروضة الندية (۳۲۳/۲)]

1432- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَرَجَّحَ جَمْعٌ مِنَ الْحُفَّاظِ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کسی محرم رشتہ دار کا مالک بنا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔'' [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور حفاظ کی ایک جماعت نے اسے موقوف قرار دیا ہے۔]

1433- وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: ((أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمَالِيكَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا، ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی وفات کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے' اس کے پاس ان کے علاوہ اور کوئی مال بھی نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلایا اور انہیں تین حصوں میں تقسیم کر دیا' پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی' پھر دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام ہی رہنے دیا اور اسے نہایت سخت بات کہی۔ [مسلم]

لغوی توضیح جَزَّأَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب جَزَّأَ يُجَزِّئُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''حصوں میں تقسیم کرنا''۔ أَرَقَّ بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَرَقَّ يُرِقُّ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے ''غلام بنا لینا''۔ قَوْلًا شَدِيدًا سخت بات' وہ سخت بات یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر اسے دفن کرنے سے پہلے میں موجود ہوتا تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔''

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وفات کے وقت صدقہ و خیرات کا حکم وصیت والا ہوتا ہے' یعنی جیسے ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں اسی طرح وفات کے وقت تہائی مال سے زیادہ صدقہ بھی درست نہیں۔

1434- وَعَنْ سَفِينَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كُنْتُ مَمْلُوكًا لِأُمِّ سَلَمَةَ، فَقَالَتْ: أُعْتِقُكَ وَأَشْتَرِطُ عَلَيْكَ أَنْ تَخْدُمَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا عِشْتَ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ الْحَاكِمُ۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا۔ انہوں نے فرمایا میں تمہیں اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرو گے۔ [اسے احمد، ابوداود، نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشروط طور پر غلام آزاد کرنا جائز ہے حتی کہ تاحیات بھی کسی کی خدمت کی شرط لگائی جا سکتی ہے۔

1432- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٣٩٤٩) کتاب العتق: باب فیمن ملك ذا رحم محرم' ترمذی (١٣٦٥) ابن ماجه (٢٥٢٤) احمد (١٥/٥) بیهقی (٢٨٩/١٠) حاکم (٢١٤/٢) شیخ حازم علی قاضی نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔]

1433- [مسلم (١٦٦٨) کتاب الأیمان: باب من أعتق شرکا له فی عبد' ابو داود (٣٩٥٨) ترمذی (١٣٦٤) نسائی (٦٤/٤) ابن ماجه (٢٥٢٦) احمد (٤٢٦/٤) بیهقی (٢٨٥/١٠)]

1434- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (٣٩٣٢) کتاب العتق: باب فی العتق علی الشرط' ابن ماجه (٢٥٢٦) احمد (٢٢١/٥) بیهقی (٢٩١/١٠) حاکم (٦٠٦/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1435- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ولاء اسی کی ہے جس نے آزاد کیا۔“ [بخاری، مسلم۔ یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔]

لغوی توضیح اَلْوَلَاءُ مالک اور اس کے آزاد کردہ غلام کے درمیانی تعلق کو کہتے ہیں، اس تعلق کے باعث جب غلام فوت ہوگا تو مالک اس کی وراثت کا حقدار ہوگا۔ یہ حدیث تفصیلاً پیچھے 782 نمبر پر گزر چکی ہے۔

1436- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوْهَبُ)) رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ بِغَيْرِ هٰذَا اللَّفْظِ ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ولاء کا تعلق نسب کے تعلق کی مانند ہے، نہ تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ۔“ [اسے شافعی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی اصل صحیحین میں ہے جس کے یہ الفاظ نہیں۔]

لغوی توضیح لُحْمَةٌ تعلق کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ولاء بھی نسب کے تعلق کی مانند ایک تعلق ہے، اس لیے جیسے نسب کا تعلق فروخت یا ہبہ نہیں ہوتا اسی طرح ولاء کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ یہ حدیث بھی پیچھے 952 نمبر پر گزر چکی ہے۔

باب المدبر والمكاتب وأم الولد — مدبر، مکاتب اور اُم ولد کا بیان

1437- عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : ((مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي ؟)) فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ : فَاحْتَاجَ ، وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ : وَكَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَبَاعَهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ ، فَأَعْطَاهُ ، وَقَالَ : ((اقْضِ دَيْنَكَ)) ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے مرتے وقت اپنا ایک غلام آزاد کر دیا، اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اسے کون مجھ سے خریدے گا؟“ تو حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آٹھ سو درہم کے عوض اسے خرید لیا۔ [بخاری، مسلم] بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ محتاج ہو گیا۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے ذمہ قرض تھا اس لیے آپ ﷺ نے اسے آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کیا اور اسے دے کر کہا ”اپنا قرض ادا کرو۔“

1435- [بخاری (٢١٥٦) كتاب البيوع : باب البيع والشراء مع النساء ، مسلم (١٥٠٤) ابو داود (٣٩٢٩) ترمذی (٢١٢٤) نسائی (١٦٤/٦) ابن ماجه (٢٥٢١) احمد (٨١/٦-٨٢) مالك (٧٨٠/٢) ابن حبان (٤٢٥٨)]

1436- [صحيح : إرواء الغليل (١٧٣٨) ابن حبان (٤٩٤٩) حاكم (٣٤١/٤) بيهقی (٢٩٢/١٠) شافعی (٧٢/٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ مزید دیکھیے: بخاری (٢٥٣٥) مسلم (١٥٠٦) ابو داود (٢٩١٩) ترمذی (١٢٣٦) نسائی (٣٠٦/٧) ابن ماجه (٢٧٤٧) احمد (٩/٢-٧٩) ابن حبان (٤٩٢٧)]

1437- [بخاری (٢١٤١-٦٧١٦) كتاب البيوع : باب بيع المزايدة ، مسلم (٩٩٧) ابو داود (٣٩٥٥) ترمذی (١٢١٩) نسائی (٣٠٤/٧) ابن ماجه (٢٥١٢) احمد (٣٩٣/٣) ابن حبان (٤٩٠٨)]

لغوی توضیح اَلْمُدَبَّرُ ایسا غلام جس سے اس کے مالک نے یہ کہا ہو کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ اَلْمُکَاتَب وہ غلام جس نے اپنے مالک سے معاہدہ کیا ہو کہ وہ مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔ اُمُّ الْوَلَد ایسی لونڈی جو اپنے مالک سے حاملہ ہو چکی ہو یا جس سے اس کے مالک کا بچہ پیدا ہو چکا ہو۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام کو مدبر بنانا جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت مدبر غلام کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے لیکن راجح مؤقف یہی ہے۔ یہ حدیث اور اس کی توضیح پیچھے 778 نمبر پر گزر چکی ہے۔

1438- وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ، وَ أَصْلُهُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَ الثَّلَاثَةِ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" مکاتب کے ذمہ جب تک اس کی مکاتبت کا ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہی شمار ہوگا۔" [اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی اصل احمد اور تینوں میں ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب بھی حکم میں غلام کی طرح ہی ہے جب تک اس کے ذمہ مکاتبت کا ایک درہم بھی باقی ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں' البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ادائیگی کے مطابق آزادی ہوتی جائے گی۔ بعض کا کہنا ہے کہ نصف رقم کی ادائیگی کے بعد وہ غلام نہیں رہے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مکاتب جب مکاتبت کی مکمل رقم کا مالک بن جائے تو وہ آزاد ہے (یہ امام احمدؒ کی طرف منسوب ہے)' ان کی دلیل آئندہ روایت ہے کہ عورت کو اس وقت اپنے غلام سے پردہ شروع کر دینا چاہیے جب وہ مکاتبت کی رقم کا مالک بن جائے۔ راجح قول یہ ہے کہ مکاتب غلام جتنی رقم ادا کرتا جائے گا اتنا آزاد ہوتا جائے گا اور جتنی رقم باقی رہ جائے گی اتنا غلام ہوگا۔ (۷) اس مؤقف کی دلیل آئندہ حدیث نمبر 1440 بھی ہے۔

1439- وَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كَانَ لِإِحْدَاكُنَّ مُكَاتَبٌ وَ كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جب تم عورتوں میں سے کسی کے پاس مکاتب غلام ہو اور اس کے پاس اتنی رقم ہو جائے جو اسے (مکاتبت کے سلسلہ میں) ادا کرنی ہے تو وہ اس سے پردہ شروع کر دے۔" [اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لِتَحْتَجِبْ فعل امر کا صیغہ ہے باب اِحْتَجَبَ يَحْتَجِبُ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے "پردہ کرنا"۔

فهم الحدیث اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ عورت پر اپنے غلام سے پردہ واجب نہیں' وہ اس کے سامنے اپنا

1438- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (۳۹۲٦-۳۹۲۷) کتاب العتق: باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابته فیعجز أو یموت' ترمذی (۱۲٦۰) نسائی فی السنن الکبری (۱۹۷/۳) ابن ماجه (۲۵۱۹) احمد (۱۷۸/۲) ابن حبان (٤۳۰٦) حاکم (۲۱۸/۲) بیهقی (۳۲٤/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1439- [ضعیف: ضعیف ترمذی' ترمذی (۱۲٦۱) کتاب البیوع: باب ما جاء فی المکاتب إذا کان عنده ما یؤدی' ابن ماجه (۲۵۲۰) احمد (۲۸۹/٦) ابن حبان (٤۳۲۲) حاکم (۲۱۹/۲) بیهقی (۳۲۷/۱۰) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۷) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قفو الأثر (۱۷۸۸/٥-۱۷۸۹) عون المعبود (٤۲۷/۱۰-٤۳٥) نیل الأوطار (۱٦٤/٤-۱٦٥)]

چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے۔ البتہ جب غلام اپنی مالکہ سے مکاتبت کرلے اور اس کے پاس اتنی رقم آ جائے جتنی اس نے اپنی آزادی کے لیے طے کی تھی تو پھر عورت کو غلام سے پردہ شروع کر دینا چاہیے' کیونکہ اب وہ آزاد کے حکم میں ہے (جیسا کہ امام احمدؒ نے مؤقف اپنایا ہے' لیکن یہ یاد رہے کہ اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے)۔

1440- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((يُودَى الْمُكَاتَبُ بِقَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ دِيَةَ الْحُرِّ، وَبِقَدْرِ مَا رَقَّ مِنْهُ دِيَةَ الْعَبْدِ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مکاتب جس قدر آزاد ہے اتنی اس کی دیت آزاد کی ادا کی جائے گی اور جتنا غلام ہے اتنی غلام کی۔" [اسے احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح يُودَى فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب وَدَى يَدِي دِيَةً (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے "دیت دینا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مکاتب غلام نے اپنی مکاتبت کی کچھ رقم ادا کر دی ہو' پھر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت یوں دی جائے گی کہ جتنا وہ آزاد ہے اتنی آزاد کی دیت اور جتنا غلام ہے اتنی غلام کی دیت ادا کر دی جائے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام جتنی رقم ادا کرتا جائے اتنا آزاد ہوتا جائے گا اور جتنی رقم باقی رہتی جائے گی اتنا غلام ہی رہے گا۔

1441- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ - أَخِي جُوَيْرِيَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا - قَالَ: ((مَا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلَا عَبْدًا وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً)) رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ کوئی دینار' نہ کوئی غلام نہ کوئی لونڈی اور نہ ہی کچھ اور۔ صرف آپ ﷺ نے اپنی سفید خچر' اپنا اسلحہ اور کچھ زمین چھوڑی جسے آپ ﷺ نے صدقہ کر دیا تھا۔ [بخاری]

فهم الحديث اس حدیث میں محل شاہد یہ ہے کہ "آپ ﷺ نے پیچھے کوئی لونڈی نہیں چھوڑی۔" حالانکہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی لونڈی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا' جن سے آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے تھے' آپ ﷺ کی وفات کے وقت زندہ تھیں اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئی تھیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی وفات کے بعد لونڈی نہیں رہی تھیں بلکہ از خود آزاد ہو گئی تھیں کیونکہ وہ اُم ولد تھیں اور اُم ولد اپنے مالک کی وفات کے بعد از خود آزاد ہو جاتی ہے۔ بس اس حدیث کو اس باب میں لانے کا یہی مقصد ہے۔

1442- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَيُّمَا أَمَةٍ وَلَدَتْ مِنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس لونڈی نے اپنے مالک کے نطفہ سے بچہ جنا تو وہ اس کی

1440- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (٤٥٨١) كتاب الديات: باب فى دية المكاتب' ترمذى (١٢٥٩) نسائى (٤٥/٨-٤٦) احمد (٢٢٢/١) ابن الجارود (٩٨٢) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1441- [بخاری (٢٧٣٩) كتاب الوصايا: باب الوصايا' نسائى (٢٢٩/٦) احمد (٢٧٩/٤) دارقطنى (٨٥/٤) بيهقى (١٨٠/٦)]

1442- [ضعیف: ضعیف ابن ماجه' ابن ماجه (٢٥١٥) كتاب العتق: باب أمهات الأولاد' مالك (٧٧٦/٢) احمد (٣٠٣/١) دارمى (٢٥٧٤) دارقطنى (١٣٠/٤) بيهقى (٣٤٦/١٠) حاكم (١٩/٢) نصب الراية (٢٨٧/٣) شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

سَیِّدِھَا فَھِیَ حُرَّۃٌ بَعْدَ مَوْتِہٖ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ وَ الْحَاكِمُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، وَرَجَّحَ جَمَاعَةٌ وَقْفَهُ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

وفات کے بعد آزاد ہے۔'' [اسے ابن ماجہ اور حاکم نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ایک جماعت نے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف قرار دیا ہے۔]

فھم الحدیث اگر چہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ مسئلہ گزشتہ حدیث سے ثابت ہے۔

1443- وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : ((مَنْ أَعَانَ مُجَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ غَارِمًا فِي عُسْرَتِهِ أَوْ مُكَاتَبًا فِي رَقَبَتِهِ، أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے کسی مجاہد فی سبیل اللہ کی یا تنگ دست مقروض کی یا مکاتب غلام کی اس کی آزادی کے معاملے میں مدد کی اسے اللہ تعالیٰ اس دن سایہ عطا فرمائیں گے جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔'' [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح غَارِم مقروض۔ عُسْرَۃ تنگ دستی۔

فھم الحدیث اس روایت میں مجاہد فی سبیل اللہ، مقروض اور مکاتب غلام کی اعانت کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اگر چہ اس روایت کو بعض اہل علم نے ضعیف کہا ہے لیکن ان تینوں کی اعانت کی ترغیب کتاب وسنت کے دیگر دلائل سے ثابت ہو جاتی ہے، جیسا کہ مصارف زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو مستحق زکوٰۃ قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر فرمایا ہے کہ ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ [المائدۃ : ۲] ''اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔'' ایک روایت میں ہے کہ جس نے کسی مجاہد کو سامانِ جنگ فراہم کیا وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے اس نے خود جہاد میں شرکت کی۔ (۸) اسی طرح ایک روایت میں انتہائی سخت مقروض کو لوگوں سے مانگنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ (۹) نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تین بندے ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے: ایک مجاہد فی سبیل اللہ، دوسرا وہ مکاتب غلام جو (اپنی مکاتبت کی رقم) ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور تیسرا پاکدامنی کی غرض سے نکاح کی خواہش رکھنے والا۔'' (۱۰)

1443- [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (۵۴۴۷) ضعیف الترغیب (۷۹۶) السلسلة الضعیفة (۴۵۵۵) احمد (۴۸۷/۳) حاکم (۸۹/۲۔۹۰) بیهقی (۳۲۰/۱۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۸) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (۶۱۹۳) ابوداود (۲۵۰۹) ابن ماجه (۲۷۵۸) نسائی (۳۱۸۰) ترمذی (۱۶۲۸) صحیح الترغیب (۱۰۷۸)]

(۹) [مسند احمد (۱۱۸۶۹) ابوداود (۱۶۴۱)]

(۱۰) [حسن : صحیح الترغیب (۱۳۰۸) کتاب الجهاد : باب الترغیب فی الجهاد فی سبیل الله، ترمذی (۱۶۵۵) ابن حبان (۴۰۱۹) حاکم (۱۶۰/۲) امام حاکمؒ نے اس حدیث کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔]

باب الأدب — ادب کا بیان
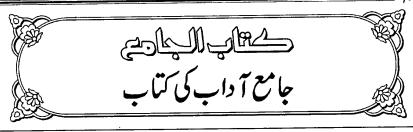
1444- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں؛ جب تو اسے ملے تو سلام کہے' جب وہ تجھے دعوت دے تو اسے قبول کرے' جب وہ تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کرے' جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کے لیے یرحمك الله کہے' جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔'' [مسلم]

لغوی توضیح کِتَابُ الْجَامِعِ سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب میں مختلف موضوعات مثلاً آداب و اخلاق' زہد و تقویٰ اور اذکار وغیرہ کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اَلْأَدَب مصدر ہے باب سمع اور کرم سے' اس کا معنی ہے ''مؤدب ہونا'' حافظ ابن حجرؒ نے (فتح الباری میں) ادب کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ''ادب قابل تعریف اقوال و افعال کے استعمال کا نام ہے۔'' سِتٌّ چھ' یاد رہے کہ یہاں چھ حقوق کے ذکر کا مطلب یہ نہیں حقوق صرف چھ ہی ہیں' اس سے زیادہ نہیں۔ عَطَسَ چھینک مارے۔ فَشَمِّتْهُ امر کا صیغہ ہے باب شَمَّتَ يُشَمِّتُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے ''چھینک مارنے والے کو جواب دینا'' یعنی چھینک مارنے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو اس کے جواب میں يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہنا۔ فَعُدْهُ، عَادَ يَعُوْدُ (بروزن نصر) سے امر کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے ''عیادت کرنا''۔ فَاتَّبِعْهُ اتباع سے ہے' اس کا معنی ہے ''پیروی کرنا' پیچھے چلنا'' یہاں مراد ہے جنازے کے پیچھے چلنا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں جن کی ادائیگی راجح قول کے مطابق واجب ہے' البتہ بعض نے اسے مستحب بھی کہا ہے۔ حدیث کے ان الفاظ ''مسلمان کے حق'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقوق کافر کے لیے نہیں۔ لفظ سلام درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نام ہے جیسا کہ قرآن کی سورۂ حشر میں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام سلام بھی مذکور ہے۔(۱) جب کوئی سلام کہے تو اس سے بہتر جواب دینا چاہیے یا کم از کم اتنا جواب ضرور دینا چاہیے۔(۲)

1444- [مسلم (۲۱٦۲) كتاب السلام : باب من حق المسلم للمسلم رد السلام' ترمذی (۲۷۳۷) نسائی (٤/٥۳) احمد (۲/۳۷۲) ابن حبان (۲٤۲) الأدب المفرد (۹۲٥) بیهقی (٥/۳٤۷)]

(۱) [الحشر : ۲۳] (۲) [النساء : ۸٦]

سلام کو باہمی محبت واُلفت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔(۳) ایک روایت میں آپ ﷺ نے بہترین اسلامی اعمال میں سلام کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ سب کو سلام کرو خواہ تمہارا کسی سے تعارف ہو یا نہ ہو۔(٤) نمازی کو بھی سلام کرنا چاہیے البتہ نمازی ہاتھ کے اشارے کے ساتھ جواب دے گا' جیسا کہ یہ مسئلہ پیچھے **کتاب الصلاۃ** میں گزر چکا ہے۔مسلمان کی دعوت قبول کرنا بھی واجب ہے اور بلا عذر اسے ترک کرنا جائز نہیں' اگر کسی کا روزہ ہو تو اسے بھی دعوت میں شریک ہو جانا چاہیے اور کھانے سے گریز کا سبب بیان کر دینا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں۔اس کے متعلق بھی مفصل بیان **کتاب النکاح** میں ولیمہ کے بیان میں گزر چکا ہے۔اسی طرح اگر مسلمان کوئی مشورہ طلب کرے تو اسے نیک مشورہ دینا چاہیے اور اسے اسی کام کی صلاح دینی چاہیے جو انسان خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔انبیاء کا یہی اخلاق تھا اور صحابہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے اس بات کا بھی اقرار کرتے تھے کہ وہ ہر مسلمان سے خیر خواہی کریں گے۔(۵) جسے چھینک آئے اسے **الحمد لله** کہنا چاہیے اور سننے والا اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔امام نوویؒ نے اس عمل کے استحباب پر اتفاق نقل فرمایا ہے۔(٦) مریض کی عیادت کی احادیث میں بہت فضیلت بیان ہوئی ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والا اگر صبح عیادت کرے تو شام تک اور اگر شام کو عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔(۷) ایک روایت میں ہے کہ مریض کی عیادت کرنے والا واپسی تک جنت کے باغیچے میں رہتا ہے۔(۸) امام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ نص اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ عیادتِ مریض واجب ہے' امام بخاریؒ نے بالجزم اسی رائے کا اظہار کیا ہے' البتہ جمہور علماء اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔حدیث کا مفہوم تو یہ ہے کہ عیادت کا حق صرف مسلمان کا ہے لیکن آپ ﷺ نے یہودی کی بھی عیادت فرمائی تھی۔(۹) دورانِ عیادت مریض کے لیے دعا کرنا اور اسے صبر کی تلقین کرنا مستحب ہے۔مسلمان میت کے جنازے میں شرکت فرض کفایہ ہے' یعنی اگر کچھ مسلمان یہ فرض ادا کر دیں (جو کافی ہوں) تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے اور اگر کچھ بھی اس میں شرکت نہ کریں تو پھر سارے مسلمان گناہگار ہوں گے۔ایک روایت میں ہے کہ نماز تک جنازے میں شریک ہونے والے کو ایک اُحد پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے اور جو تدفین تک ساتھ رہے اسے دو اُحد پہاڑوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔(۱۰)

1445- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((انْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے (غریب) ہے اور اس کی

1445- [بخاری (٦٤٩٠) کتاب الرقاق : باب لینظر إلی من هو أسفل منه' مسلم (٢٩٦٣) ترمذی (٢٥١٣) ابن ماجه (٤١٤٢) احمد (٢٥٤/٢) ابن حبان (٧١١-٧١٤) بغوی (٤١٠١)]

(۳) [مسلم (٥٤) ابوداود (٥١٩٣) ترمذی (٢٦٨٨) ابن ماجه (٣٦٩/٢)]

(٤) [بخاری (١٢) مسلم (٣٩) نسائی (١٠٧/٨)]

(٥) [بخاری (١٣) مسلم (٤٥)]

(٦) [کما فی توضیح الأحکام (٢٨٥/٧)]

(۷) [**صحیح** : صحیح ترمذی (٧٧٥) کتاب الجنائز : باب ما جاء فی عیادة المریض' الصحیحة (١٣٦٧) ترمذی (٩٦٩) أبو داود (٣٠٩٨) ابن ماجة (١٤٤٢)]

(۸) [مسلم (٢٥٦٨) کتاب البر والصلة والأداب : باب فضل عیادة المریض' بخاری فی الأدب المفرد (٥١٩) أحمد (٢٧٦/٥) ترمذی (٩٦٧)]

(۹) [بخاری (٥٦٥٧) کتاب المرضی : باب عیادة المشرك]

(۱۰) [بخاری (١٣٢٥) کتاب الجنائز : باب من انتظر حتی تدفن' مسلم (٩٤٥' ٩٤٦) نسائی (٧٦٣٤) أحمد (٤٠١/٢) ابن حبان (٣٠٧٨) بیهقی (٤١٢/٣) ابن جارود (٥٢٦)]

مِنكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر (امیر) ہے' یہی زیادہ لائق ہے کہ تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح أَجْدَرُ زیادہ لائق ومناسب ہے۔أَنْ لَا تَزْدَرُوْا کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ جانو۔

فهم الحديث یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ انسان جب اپنے سے زیادہ مالدار' زیادہ جاہ وحشمت والے اور زیادہ نعمتوں والے شخص کو دیکھتا ہے تو اُس نعمت کو حقیر سمجھتا ہے جو اس پر ہے اور حرص ولالچ اور ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے اور جب اپنے سے غریب' درجے میں کم تر اور کم نعمتوں والے انسان کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت پر شکر کرتا ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ دین کے معاملات میں اپنے سے کم تر (یعنی کم عبادت واطاعت کرنے والے) کو نہیں بلکہ بلندتر (جو تقویٰ و پرہیز گاری میں زیادہ ہو) کو دیکھنا چاہیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ﴾ ''نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔'' اور فرمایا ﴿ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴾ ''اور اس (جنت) میں ہی ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے والے لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر رغبت کریں۔''

1446- وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ، فَقَالَ: ((الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تجھے ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو۔'' [مسلم]

لغوی توضیح حُسْنُ الْخُلُقِ اچھا اخلاق' امام ابن دقیق العیدؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث میں حسن اخلاق سے مراد ہے معاملات میں منصفانہ رویہ اپنانا' لڑائی جھگڑے کے وقت نرم برتاؤ کرنا' فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف سے کام لینا' لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسن سلوک سے پیش آنا اور اہل ایمان کی دیگر وہ صفات اپنانا جن کا قرآن وسنت میں تذکرہ ہے (مثلاً فخر وتکبر سے بچنا' میٹھی بات کرنا اور سختی سے پرہیز کرنا وغیرہ)۔بعض اہل علم نے اچھے اخلاق کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل ہے۔کیونکہ قرآن میں ہے کہ ''یقیناً آپ ﷺ عظیم خلق پر ہیں۔'' (۱۱) اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا ''اللہ کے نبی کا خلق قرآن ہی تھا۔'' (۱۲) مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ جو تیرے سینے میں کھٹکے یعنی جس کے متعلق تم تذبذب کا شکار ہو کہ آیا اسے کرنا چاہیے یا نہیں اور اس کام کے متعلق تمہاری خواہش ہو کہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہو اور اگر انہیں علم ہو گیا تو وہ کیا کہیں گے؟ بس یہی گناہ کی نشانی ہے۔ایک دوسری روایت میں بھی شک والے کام سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا ﴿ دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ ﴾ ''جس کام میں شک وشبہ ہو اسے چھوڑ کر وہ کام اپناؤ جس میں شک نہ ہو۔'' (۱۳)

1446- [مسلم (۲۵۵۳) كتاب البر والصلة والآداب: باب تفسير البر والإثم' الأدب المفرد (۲۹۶) ترمذی (۲۳۸۹) احمد (۱۸۲/۴) دارمی (۲۷۸۹) ابن حبان (۳۹۷) بیهقی (۱۹۲/۱۰)]

(۱۱) [ن: ۴] (۱۲) [مسلم: كتاب صلاة المسافرين: باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه]

(۱۳) [صحيح: ارواء الغليل (۱۲) صحيح الجامع الصغير (۳۳۷۷) نسائی (۵۳۹۸) ترمذی (۲۵۱۸)]

1447- وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الْآخَرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ مِنْ أَجْلِ أَنَّ ذَالِكَ يُحْزِنُهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم تین ہو تو دو آدمی تیسرے سے الگ ہو کر آپس میں سرگوشی نہ کریں حتی کہ تم لوگوں کے ساتھ مل جاؤ کیونکہ یہ چیز اسے غمگین کرے گی۔" [بخاری، مسلم۔ یہ لفظ مسلم کے ہیں۔]

لغوی توضیح لَا يَتَنَاجَى فعل نفی کا صیغہ ہے باب تَنَاجَى يَتَنَاجَى (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے "باہم سرگوشی کرنا"۔ يُحْزِنُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَحْزَنَ يُحْزِنُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "غم میں مبتلا کرنا"۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کہیں تین آدمی اکٹھے ہوں تو دو الگ ہو کر آپس میں گفتگو شروع نہ کر دیں' ممکن ہے کہ تیسرا یہ سوچ کر پریشان ہو کہ انہوں نے مجھے اس بات کے قابل نہیں سمجھا یا یہ سوچے کہ شاید یہ دونوں میرے خلاف ہی کوئی سازش کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام ہر ایسے عمل سے روکتا ہے جس سے دوسرے مسلمان غمگین ہوں یا تکلیف محسوس کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل جانے کے بعد (خواہ کوئی ایک ہی ملے) دو آدمی اکیلے بھی سرگوشی کر سکتے ہیں کیونکہ اب تیسرا آدمی تنہا نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ممانعت تب ہے جب تین آدمی اکٹھے ہوں اور جب دو آدمی اکیلے گفتگو کر رہے ہوں اور بعد میں تیسرا آئے تو پھر ان کے لیے الگ گفتگو کرنا ممنوع نہیں۔

1448- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے مت اٹھائے کہ پھر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے لیکن کھل جاؤ اور کشادہ ہو جاؤ۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح تَفَسَّحُوا امر کا صیغہ ہے باب تَفَسَّحَ يَتَفَسَّحُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے "کھل جانا' کشادہ ہو جانا"۔ تَوَسَّعُوا بھی امر کا صیغہ ہے باب تَوَسَّعَ يَتَوَسَّعُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی بھی "کشادہ ہو جانا" ہی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مجلس میں پہلے آ کر بیٹھ جائے وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے اسے وہاں سے اٹھانا نہیں چاہیے بلکہ مجلس میں اگر جگہ تنگ ہو تو سب کو چاہیے کہ ذرا سکڑ جائیں تاکہ مجلس وسیع ہو سکے۔ البتہ اگر کوئی خود ہی اپنی جگہ چھوڑ کر چلا جائے تو پھر کوئی دوسرا بھی وہاں بیٹھ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے ہے مثلاً مسجد' مدرسہ' بازار وغیرہ اور اگر کوئی کسی کی ذاتی جگہ (مثلاً گھر یا دکان) میں بلا اجازت آ کر بیٹھ جائے تو اسے وہاں سے اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مجلس میں اگر بچوں کے شور یا پاگلوں کی عجیب حرکات سے دوسرے لوگ تنگ ہو رہے ہوں تو انہیں باہر نکالا جا سکتا ہے۔ نیز جو شخص پیاز یا تھوم وغیرہ جیسی سبزیاں کھا کر مسجد میں آ جائے کہ جن کی بو سے دوسرے نمازیوں کو

1447- [بخاری (٦٢٩٠) كتاب الاستئذان : باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة فلا بأس بالمسارة و المناجاة' الأدب المفرد (١١٧٤) مسلم (٢١٨٤) ابو داود ٤٨٥١٠ ترمذی (٢٨٢٥) ابن ماجه (٣٧٧٥) احمد (٣٧٥/١) دارمی (٢٦٥٧) ابن حبان (٥٨٣)]

1448- [بخاری (٦٢٦٩) كتاب الاستئذان : باب لا يقيم الرجل الرجل من مجلسه' الأدب المفرد (١١٤٣) مسلم (٢١٧٧) ترمذی (٢٧٤٩_٢٧٥٠) احمد (١٧/٢) دارمی (٢٦٥٣) ابن حبان (٥٨٦)]

تکلیف ہو تو اسے بھی اس کی جگہ سے اٹھا کر مسجد سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔(١٤)

1449- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتّٰى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ صاف نہ کرے حتیٰ کہ اسے خود چاٹ لے یا کسی کو چٹا دے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح يَلْعَقَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب لَعِقَ يَلْعَقُ (بروزن سمع) سے اس کا معنی ہے "چاٹنا"۔ يُلْعِقَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَلْعَقَ يُلْعِقُ (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے "چٹانا" یعنی بیوی، بچے یا کسی خادم وغیرہ کو چٹا لینا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے خود اس کا سبب بیان کیا ہے کہ "تم نہیں جانتے کہ تمہارے کس کھانے میں برکت ہے۔"(١٥)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے یا کسی رومال وغیرہ سے صاف کرنے سے پہلے انہیں چاٹ لینا چاہیے کیونکہ ممکن ہے جو کھانا ہاتھ پر لگا ہے اسی میں برکت ہو۔ برکت کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانا بآسانی ہضم ہو جائے، قوت کا باعث بنے اور کسی بیماری کا سبب نہ بنے۔

1450- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لِيُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: ((وَالرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي))۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ تعداد والوں کو سلام کہیں۔" [بخاری، مسلم] مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ "اور سوار پیدل کو سلام کہے۔"

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کی ابتداء کے حوالے سے مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھنا مستحب ہے۔ اس کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں البتہ مختلف اہل علم نے اپنے اپنے علم کے مطابق اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ چھوٹا بڑے کو سلام میں پہل اس لیے کرے کیونکہ بڑے کا حق زیادہ ہے اور اس کی عزت و توقیر کا حکم بھی ہے۔ راہگیر بیٹھے ہوئے کو پہلے سلام اس لیے کرے کیونکہ بیٹھنے والے کے لیے بار بار ہر راہگیر کی طرف متوجہ ہو کر اسے سلام کرنا مشکل ہے، نیز اس لیے بھی کہ جب راہگیر پہلے سلام کر دے گا تو اس کی اجنبیت دور ہو جائے گی اور اس سے ضرر و نقصان کا اندیشہ بھی کم ہو جائے گا۔ کم تعداد زیادہ تعداد کو اس وجہ سے پہلے سلام کرے کیونکہ کثرت کو قلت پر تفوق و برتری حاصل ہے۔ سوار اس لیے پیدل کو سلام کرنے میں پہل کرے تاکہ سواری کی نعمت کی وجہ سے اس میں تکبر نہ آ جائے اور اس میں تواضع پیدا ہو جائے۔

1449- [بخاری (٥٤٥٦) كتاب الأطعمة : باب لعق الأصابع ومصها قبل أن تمسح بالمنديل، مسلم (٢٠٣١) ابو داود (٣٨٤٧) ابن ماجه ٣٢٦٩٠) احمد (٢٢١/١) دارمی (٢٠٢٦)]

1450- [بخاری (٦٢٣١-٦٢٣٤) كتاب الاستئذان : باب تسليم القليل على الكثير، الأدب المفرد (٩٩٦-٩٩٨-١٠٠٣) مسلم (٢١٦٠) ابو داود (٥١٩٨-٥١٩٩) ترمذی (٢٧٠٣-٢٧٠٤) احمد (٥١٠/٢) بغوی فی شرح السنة (٩٩٣) بیهقی (٢٠٣/٩)]

(١٤) [مسلم : كتاب المساجد ومواضع الصلاة : باب نهى من أكل ثوما أو بصلا]

(١٥) [مسلم (٢٠٣٣) ترمذی (١٨٠١) ابن حبان (٥٢٢٩)]

1451- وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((يُجْزِىءُ عَنِ الْجَمَاعَةِ إِذَا مَرُّوا أَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ وَيُجْزِىءُ عَنِ الْجَمَاعَةِ أَنْ يَرُدَّ أَحَدُهُمْ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْبَيْهَقِيُّ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب کوئی جماعت کسی دوسری جماعت کے پاس سے گزرے تو ان میں سے کسی ایک آدمی کا سلام کر دینا اور دوسری جماعت میں سے کسی ایک آدمی کا جواب دے دینا کافی ہے۔'' [اسے احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے اس لیے اگر جماعت میں سے کوئی ایک آدمی سلام کہہ دے اور اسی طرح کوئی ایک جواب دے دے تو کافی ہے۔ حدیث کے ان الفاظ'' کافی ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک جماعت کے تمام افراد سلام کہیں اور دوسری جماعت کے تمام افراد جواب دیں تو یہ افضل ہے۔

1452- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَبْدَؤُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم انہیں کسی راستے میں ملو تو انہیں تنگ جگہ کی طرف مجبور کر دو۔'' [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل کرنا جائز نہیں۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ انہیں پہلے سلام کرنے میں ان کی عزت ہے حالانکہ قرآن میں ہے کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔(١٦) یہ حدیث پیچھے 1318 نمبر پر بھی گزر چکی ہے۔

1453- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَلْيَقُلْ لَهُ: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ الحمد لله (تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے) کہے اور اس کا بھائی اس کے لیے یرحمك الله (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے اور جب وہ اس کے لیے یرحمك الله کہے تو وہ (جسے چھینک آئی ہے) کہے يهديكم الله ويصلح بالكم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست فرمائے)۔ [بخاری]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مسلمان کو چھینک آئے تو اسے مذکورہ دعا دینی چاہیے جبکہ وہ الحمد للہ کہے۔ یہ یاد رہے کہ اسے صرف تین مرتبہ چھینک کا جواب دینا چاہیے اگر اسے چوتھی مرتبہ چھینک آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا

1451- [صحيح : صحیح ابو داود، ابو داود (٥٢١٠) كتاب الأدب : باب ما جاء في رد الواحد عن الجماعة، احمد (١٦٣/١) بيهقى (٤٩/٩) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1452- [مسلم (٢١٦٧) كتاب السلام : باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، الأدب المفرد (١١٠٣) ابو داود (٥٢٠٥) ترمذی (١٦٠٢ ـ ٢٧٠٠) احمد (٢٢٥/٢) ابن حبان (٥٠٠) بيهقى (٢٠٣/٩)]

1453- [بخاری (٦٢٢٤) كتاب الأدب : باب إذا عطس كيف يشمت، الأدب المفرد (٩٢٤) ابو داود (٥٠٣٣) احمد (٣٥٣/٢)]

(١٦) [المنافقون : ٨]

ہے کہ اسے زکام ہے۔ (۱۷) نیز جسے چھینک آئے اسے اپنی آواز آہستہ رکھنی چاہیے اور اپنے منہ پر ہاتھ یا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ لینا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔ (۱۸)

1454- وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((لَا يَشْرَبَنَّ أَحَدُكُمْ قَائِمًا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی بھی ہرگز کھڑا ہو کر پانی نہ پیئے۔" [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث میں موجود ممانعت کو تحریم پر محمول کرتے ہوئے اہل ظاہر نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے۔ لیکن جمہور علما اسے کراہت پر محمول کرتے ہیں (یعنی کھڑے ہو کر پینا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے لہٰذا اگر کوئی کھڑے ہو کر پی لے تو اسے گناہ نہیں ہوگا) کیونکہ بعض دیگر احادیث میں نبی کریم ﷺ کے کھڑے ہو کر پانی پینے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ (۱۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر بھی پانی پیا ہے۔ (۲۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم عہد رسالت میں کھڑے کھا پی لیا کرتے تھے۔ (۲۱) جمہور کا موقف ہی راجح ہے۔ امام شوکانیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (۲۲)

1455- وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، وَلْتَكُنِ الْيُمْنَى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دایاں جوتا پہنے اور جب اتارے تو پہلے بایاں اتارے اور دایاں جوتا پہننے میں پہلا اور اتارنے میں آخری ہو۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اِنْتَعَلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے انتعال (بروزن افتعال) سے اس کا معنی ہے "جوتا پہننا"۔ نَزَعَ بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب نَزَعَ يَنْزِعُ (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے "اتارنا، کھینچنا" مراد ہے جوتا اتارنا۔

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضوء کرنے اور اپنے ہر کام میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔ (۲۳) معلوم ہوا کہ ہر موجب تکریم اور باعث زینت کام (مثلاً جوتے پہننا، کنگھی کرنا، مسجد میں داخل ہونا، وضوء کرنا، لباس پہننا وغیرہ) کو دائیں جانب سے شروع کرنا اور اس کے برعکس ہر کام (مثلاً بیت الخلاء میں داخل ہونا، استنجاء کرنا اور مسجد سے باہر آنا وغیرہ) کو بائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے۔

1454- [مسلم (۲۰۲٦) كتاب الأشربة : باب كراهية الشرب قائما]

1455- [بخاری (٥٨٥٦) كتاب اللباس : باب ينزع نعله اليسرى، ابو داود (٤١٣٩) ترمذی (١٧٧٦) مالك (٩١٦/٢) احمد (٢٨٣/٢) مسلم (٢٠٩٧) ابن ماجه (٣٦١٦)]

(۱۷) [صحیح : السلسلة الصحيحة (١٣٣٠)]
(۱۸) [صحیح : صحیح ابو داود (٤٢٠٧)]
(۱۹) [بخاری (٥٦١٧) كتاب الأشربة : باب الشرب قائما، مسلم (٢٠٢٧) ترمذی (١٨٨٢) نسائی (٢٩٦٤)]
(۲۰) [بخاری (٥٦١٦) ابو داود (٣٧١٨) نسائی (١٣٠)]
(۲۱) [صحیح : صحیح ابن ماجه (٢٦٧٠) ابن ماجه (٣٣٠١) ترمذی (١٨٨٠)]
(۲۲) [نيل الأوطار (٢٧٨/٥) فتح الباری (٢١٦/١١)]
(۲۳) [بخاری (١٦٨) كتاب الوضوء : باب التيمن في الوضوء والغسل، ابو داود (٤١٤٠) ترمذی (٦٠٨) نسائی (٧٨/١) ابن ماجه (٤٠١) احمد (٩٤/٦)]

1456- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَمْشِ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَلْيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی بھی ایک جوتے میں مت چلے' اسے چاہیے کہ دونوں اکٹھے پہنے یا دونوں اکٹھے اتارے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح لِيَنْعَلْ فعل امر کا صیغہ ہے باب نَعَلَ يَنْعَلُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے ''جوتا پہننا''۔ لِيَخْلَعْ بھی فعل امر کا صیغہ ہے باب خَلَعَ يَخْلَعُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے ''اتارنا'' مراد ہے جوتے اتارنا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک جوتا پہن کر چلنا ممنوع ہے لہٰذا دونوں جوتے پہنے یا دونوں اتار دے۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ جوتے پہننے کا مقصد پاؤں کو تکلیف دہ اشیاء مثلاً کانٹوں یا پتھروں وغیرہ سے بچانا ہے اور اگر ایک پاؤں ننگا ہوگا تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس پر مستزاد وہ صحیح طریقے سے چل بھی نہیں سکے گا' ایک طرف جہاں اس کے گرنے کا اندیشہ ہے تو دوسری طرف اسے پاؤں میں موچ آنے کا بھی خدشہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اگر کوئی کبھی کبھار ایک جوتا پہن کر چل لے تو یہ جائز ہے لیکن یہ مؤقف ضعیف روایت پر مبنی ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

1457- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جس نے تکبر سے اپنا کپڑا لٹکایا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الْخُيَلَاء تکبر۔ گھوڑے کو بھی خیل اسی لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کی چال میں تکبر ہوتا ہے۔ (۲۴)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (مردوں کے لیے) اپنے تہبند یا چادر کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر چلنا حرام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں تکبر سے لٹکانے کی ممانعت ہے اور ہم تکبر سے نہیں لٹکاتے تو انہیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے شلوار لٹکانے کو ہی تکبر قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنی چادر نصف پنڈلی تک اٹھاؤ' اگر تم اسے نہ مانو تو پھر ٹخنوں تک (ضرور) اٹھاؤ اور چادر کو لٹکانے سے بچو کیونکہ بلاشبہ یہ عمل تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔'' (۲۵)

1458- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ' فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیے تو اپنے دائیں ہاتھ سے پیے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔'' [مسلم]

1456- [بخاری (۵۸۵۵) كتاب اللباس : باب لا يمشى فى نعل واحدة' مسلم (۲۰۹۷) ابو داود (۴۱۳۶) ترمذی (۱۷۷۴)]

1457- [بخاری (۵۷۸۳) كتاب اللباس : باب قول الله تعالى قل من حرم زينة الله التى أخرج لعباده' مسلم (۲۰۸۵) ابو داود (۴۰۸۵) ترمذی (۱۷۳۰) نسائی (۲۰۶/۸) ابن ماجه (۳۵۶۹ـ۳۵۷۶) احمد (۵/۲ـ۱۰) مالك (۹۱۴/۲) ابن حبان (۵۴۴۳)]

1458- [مسلم (۲۰۲۰) كتاب الأشربة : باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما' الأدب المفرد (۱۱۸۹) ابو داود (۳۷۷۶) ترمذی (۱۸۰۰) مالك (۹۲۲/۲) دارمی (۲۰۳۰) احمد (۳۳/۲ـ۱۰۶) بیهقی (۲۲۷/۷) ابن الجارود (۸۶۹)]

(۲۴) [القاموس (خيل)]

(۲۵) [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (۴۰۸۴) كتاب اللباس : باب ما جاء فى اسبال الازار]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا حرام ہے کیونکہ اس میں شیطان کے ساتھ مشابہت ہے اور فرمانِ نبوی ہے کہ ''جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔'' لہٰذا جب نافرمانوں اور سرکشوں کی مشابہت حرام ہے تو شیاطین کی مشابہت بالاولیٰ حرام ہے۔ اس لیے صرف دائیں ہاتھ سے ہی کھانا پینا چاہیے' البتہ اگر کوئی مجبوری ہو مثلاً دایاں ہاتھ موجود ہی نہ ہو یا دایاں ہاتھ زخمی ہو یا اس میں شدید تکلیف ہو تو بائیں ہاتھ سے کھایا جا سکتا ہے کیونکہ مجبوری میں ممنوع کام مباح ہو جاتے ہیں۔

1459- وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلْ، وَ اشْرَبْ، وَ الْبَسْ، وَتَصَدَّقْ فِي غَيْرِ سَرَفٍ وَلَا مَخِيلَةٍ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ أَحْمَدُ وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کھاؤ' پیؤ' پہنو اور صدقہ کرو لیکن اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو۔'' [اسے ابوداود اور احمد نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے معلق بیان کیا ہے۔]

لغوی توضیح سَرَف حد سے تجاوز کرنا۔ مَخِيلَة فخر و تکبر۔

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدِ اعتدال سے تجاوز اور تکبر حلال اشیاء کو بھی حرام بنا دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کھانے' پینے اور پہننے کی تمام پاکیزہ اشیاء کو حلال قرار دیا ہے لیکن جب انسان ان میں حد سے تجاوز کرے مثلاً حد سے زیادہ کھائے پیئے یا صدقہ و خیرات کرے کے یا خوبصورت اور قیمتی لباس پہن کر اکڑ کر متکبرانہ چال چلے تو یہ اشیاء حرام ہو جاتی ہیں۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ﴾ [الأعراف: ٣١] ''کھاؤ پیؤ اور اسراف نہ کرو۔'' چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر منع کردہ کام میں نقصان ضرور ہے اس لیے یہ دونوں عمل بھی نقصان سے خالی نہیں۔ اگر کوئی کھانے پینے میں اسراف کرے گا تو بیماریوں کا شکار ہو جائے گا اور جو ہر وقت اِتراتا پھرے گا وہ دوسروں کی نظروں میں قابل نفرت بن جائے گا اور آخرت میں عذاب الگ بھگتے گا۔

باب البر والصلة — نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

1460- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جسے پسند ہو کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔'' [بخاری]

لغوی توضیح يُنْسَأُ فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے باب أَنْسَىءَ يُنْسِيءُ (بروزن افعال) سے اور بعض نے کہا ہے کہ باب نَسَأَ يَنْسَأُ (بروزن فتح) سے' اس کا معنی ہے ''تاخیر کرنا''۔ أَثَرِهِ نشانِ قدم کو کہتے ہیں لیکن یہاں مراد ہے' اس کی عمر۔ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ وہ اپنی رشتہ داری ملائے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ رشتہ داری ملانے کا مطلب یہ نہیں کہ جو رشتہ دار تعلق جوڑ کر رکھے صرف اسی کے ساتھ تعلق جوڑا جائے بلکہ صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ جو رشتہ توڑے اس کے ساتھ بھی

1459- [حسن: صحيح ابن ماجه' نسائي (٧٩/٥) ابن ماجه (٣٦٠٥) احمد (١٨١/٢) حاكم (١٣٥/٤) بخاري تعليقا (قبل الحديث / ٥٧٨٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1460- [بخاري (٥٩٨٥) كتاب الأدب: باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم' الأدب المفرد (٥٧) مسلم (٢٥٥٧)]

رشتہ جوڑا جائے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی خود وضاحت فرمائی ہے۔(۲۶)

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کرنے والے کے رزق میں اضافہ اور عمر دراز کر دی جاتی ہے۔ یہ روایت بظاہر اس شرعی حقیقت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا رزق اور عمر پہلے سے مقرر کر رکھی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی لکھ رکھا ہے کہ جو رزق میں فراخی اور عمر میں اضافے کے اسباب اپنائے گا اس کے لیے ان دونوں میں اضافہ بھی کر دیا جائے گا۔ یعنی اگر کوئی صلہ رحمی کرے گا تو یقیناً اس سے اسے معاملات میں برکت اور قلبی اطمینان نصیب ہوگا اور قلبی اطمینان اسے بے شمار پریشانیوں سے نجات دلائے رکھا ہے' جس باعث ایک طرف وہ متعدد مہلک بیماریوں سے محفوظ رہ کر صحت مند و توانا رہے گا جو اس کی عمر میں اضافے کا باعث بنے گا اور دوسری طرف دلی طمانیت وسکون اس کے لیے کاروبار میں بھی نشاط اور دلجمعی کا ذریعہ بنے گا جس سے اس کے رزق میں فراخی ہوگی اور اس کے برخلاف قطع رحمی کرنے والا ہر وقت رشتہ داروں کے خلاف سازشیں کرنے کی تدابیر سوچتا رہے گا اور اندر ہی اندر جلتا رہے گا' جس سے ایک طرف وہ مختلف امراض کا شکار ہو کر موت کے قریب پہنچ جائے گا اور دوسری طرف ذہنی سکون نہ ہونے کے باعث کاروبار میں بھی ناکامی سے دوچار ہوگا۔ اس لیے جو بھی اپنے رزق میں فراخی اور عمر میں درازی چاہتا ہے وہ ضرور صلہ رحمی کرے۔

1461- وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ)) يَعْنِي قَاطِعَ رَحِمٍ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "رشتہ داری توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔" [بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی واجب اور قطع رحمی حرام ہے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُّوْصَلَ ﴾ [الرعد : ۲۵] "اور جن تعلقات کو اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں۔" ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ ، أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ﴾ [محمد : ۲۲-۲۳] "تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ناطہ عرش کے ساتھ معلق ہے اور کہتا ہے کہ جو مجھے ملائے اللہ اسے ملائے اور جو مجھے توڑے اسے اللہ توڑے۔"(۲۷) ایک روایت میں ہے کہ ہر جمعرات کو اولادِ آدم کے اعمال (اللہ کے حضور) پیش کیے جاتے ہیں اور قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔(۲۸) ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے' ان میں سے ایک قطع رحمی کرنے والا ہے۔(۲۹) ان دلائل سے معلوم ہوا کہ قطع رحمی کبیرہ گناہ ہے اور قطع رحمی کرنے والا اللہ کا نافرمان اور ملعون ہے۔ جنت میں داخل نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا مسلمان ابتدائی طور پر جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اپنے گناہ کی سزا پا کر داخل ہوگا۔

1461- [بخاری (۵۹۸۴) کتاب الأدب : باب إثم القاطع' الأدب المفرد (٦٤) مسلم (۲۰۵٦) ابوداود (۱٦۹٦) ترمذی (۱۹۰۹) احمد (۸۰/٤) بیهقی (۲۷/۷)]

(۲٦) [بخاری (۵۹۹۱) ابوداود (۱٦۹۷) ترمذی (۱۹۰۸)] (۲۷) [بخاری (۵۹۸۹) مسلم (۲۰۵۵)]

(۲۸) [حسن : صحیح الترغیب (۲۰۳۸) احمد (٤٨٤/۲)]

(۲۹) [صحیح لغیره : صحیح الترغیب (۲۰۳۹) ابن حبان (٥٣٤٦-٦١٣٧)]

1462- وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ: عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، خود کچھ نہ دینا اور دوسروں سے مانگتے پھرنا حرام قرار دیا ہے اور فضول گفتگو، کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال کو تمہارے لیے ناپسند کیا ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح عُقُوق، عق سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے نافرمانی۔ یعنی والدین کو اپنے قول یا فعل سے اذیت پہنچانا اور ان سے نرم رویہ نہ برتنا، یہ اس لیے حرام ہے کیونکہ اولاد پر والدین کا سب سے زیادہ حق ہے (اور بطورِ خاص ماں کا) اس لیے کہ انہوں نے بچپن سے جوانی تک اولاد کی پرورش کے سلسلے میں بہت زیادہ قربانیاں دی ہیں، البتہ یہ یاد رہے کہ اگر والدین کسی حرام کام کے ارتکاب کا حکم دیں تو پھر ان کی نافرمانی میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اسے نہ ماننا واجب ہے۔ وَأْدَ الْبَنَاتِ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، یہ اہل جاہلیت کا قبیح عمل تھا، وہ بیٹیوں سے نفرت کرتے اور جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو وہ اسے زندہ ہی زمین میں دفن کر دیتا، اسلام نے اسے نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ بیٹیوں کی اچھی تربیت پر جنت کی بشارت بھی دی۔ مَنْعًا وَهَاتِ روک لینا اور (کہنا) لاؤ، مراد ہے خود دوسروں کے واجب حقوق (مثلاً زکوۃ و صدقات اور حسن سلوک وغیرہ) ادا نہ کرنا اور پھر دوسروں سے کہنا مجھے ہر چیز دو۔ قِيلَ وَقَالَ سے مراد ایسی فضول گفتگو ہے جس کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی آخرت میں۔ كَثْرَةَ السُّؤَالِ کثرت سے سوال کرنا عہد رسالت میں اس لیے منع تھا کہ کہیں کسی کے سوال کی وجہ سے کوئی ایسا کام فرض یا حرام نہ ہو جائے جو فرض یا حرام نہیں۔ اب اس سے کراہت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً بلا ضرورت دوسروں کے ذاتی معاملات کے متعلق سوال کرتے پھرنا یا علماء کو پھنسانے کے لیے زیادہ سوال کرنا وغیرہ۔ إِضَاعَةَ الْمَالِ مال کا ضیاع، یہ اس لیے ناپسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔

1463- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((رِضَى اللّٰهِ فِي رِضَى الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُ اللّٰهِ فِي سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والدین کی خوشنودی میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کو راضی رکھنا واجب اور انہیں ناراض کرنا حرام ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے۔ (۳۰) ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ "جس نے اپنے والدین میں

1462- [بخاری (۵۹۷۵) کتاب الأدب : باب عقوق الوالدين من الكبائر، الأدب المفرد (۲۹۸۔۴۶۰) مسلم (۵۹۳) احمد (۲۳۳/۴) دارمی (۲۷۵۱) ابن حبان (۵۵۵۵)]

1463- [حسن لغيره : صحيح الترغيب (۲۵۰۱) كتاب البر والصلة : باب الترغيب في بر الوالدين وصلتهما، ترمذی (۱۹۰۰) بخاری في الأدب المفرد (۲) ابن حبان (۴۲۹) حاكم (۱۵۱/۴) بغوی فی شرح السنة (۳۴۲۴) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۳۰) [لقمان : ۱۴]

سے دونوں یا ایک کو بڑھاپے میں پالیا اور پھر وہ (ان کی خدمت واطاعت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو سکا تو وہ ذلیل ورسوا ہو۔" (۳۱) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے نماز کے بعد والدین کے ساتھ نیکی وحسن سلوک کا ذکر فرمایا۔ (۳۲) ایک روایت میں آپ ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں والدین کی نافرمانی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ (۳۳) تاہم یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک یا کسی بھی دوسرے نافرمانی کے کام میں والدین کی اطاعت جائز نہیں اور ایسے کاموں میں ان کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول بیان فرما دیا ہے کہ "خالق کی نافرمانی والے کام میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔ (۳۴)

1464- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: ((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ أَوْ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے پڑوسی یا اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث میں فتنہ وفساد سے بچنے اور معاشرتی امن وسکون قائم کرنے کا ایک فارمولا بتا دیا گیا کہ ہر انسان اپنے پڑوسی یا دوسرے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے' یعنی اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت کی جائے تو دوسروں کی عزت کرے' اگر وہ چاہتا ہے کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے تو وہ دوسروں کو نقصان نہ پہنچائے' اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کے امن وامان کو کوئی تہ وبالا نہ کرے تو وہ دوسروں کے امن وامان کا بھی خیال رکھے وغیرہ وغیرہ۔ اگر تمام مسلمان اس فارمولے کو اپنا لیں تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ سارا اسلامی معاشرہ امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے گا۔ نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں جو ایمان کی نفی ہے اس کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد نفی کمال ہے یعنی جو شخص یہ کام نہیں کرتا ہے وہ مکمل مومن نہیں' ایسا نہیں کہ وہ شخص ایمان سے ہی خارج ہے۔

1465- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ: أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: ((أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ((أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ)) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔" میں نے عرض کیا' پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔" میں نے

1464- [بخاری (۱۳) كتاب الإيمان : باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه ' مسلم (٤٥) ترمذی (۲۵۱۵) نسائی (۱۱۵/۸) ابن ماجه (٦٦) احمد (۱۷٦/۳) دارمی (۲۷٤٠) ابن حبان (۲۳۳) طیالسی (۲۰۰٤) بغوی (۳٤۷٤)]

1465- [بخاری (٤٤٧٧) كتاب تفسير القرآن : باب قوله تعالى فلا تجعلوا لله أندادا ' مسلم (٨٦) ابو داود (۲۳۱۰) ترمذی (۳۱۸۲-۳۱۸۳) نسائی (۸۹/۷) احمد (۳۸۰/۱) ابن حبان (٤٤١٤)]

(۳۱) [مسلم (۲۵۵۱)] (۳۲) [بخاری (۵۲۷) مسلم (۸۵)]

(۳۳) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۱۱۹۵) ترمذی (۱۲۰۷) ابوداود (۲۸۷۵)]

(۳٤) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۷۵۲۰) المشكاة (۳٦۹٦)]

((أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

عرض کیا' پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہو۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح نِدًّا شریک' شبیہ' مثیل' نظیر۔ تُزَانِيَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تفاعل سے "زنا کرنا" اہل علم نے کہا ہے کہ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کی بیوی کی رضامندی سے زنا کرنا کیونکہ باب تفاعل میں مشارکت پائی جاتی ہے۔ حَلِيلَةِ جَارِكَ اپنے پڑوسی کی بیوی۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک' پھر قتل ناحق اور پھر زنا ہے۔ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ (۳۵) یعنی مشرک ابدی جہنمی ہے۔ افلاس کے اندیشے سے اولاد کے قتل کو حرام قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "تم کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی (اس لیے اولاد کو کیوں قتل کرتے ہو مگر آج کل بلا عذر منصوبہ بندی کا پھیلتا ہوا رجحان اس حکم کی کھلی خلاف ورزی کا مظہر ہے)۔" (۳۶) زنا ویسے ہی بہت بڑا گناہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی کے ساتھ اس کا گناہ اور بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ پڑوسی سے عزت وعصمت کی حفاظت کی توقع ہوتی ہے اور جب پڑوسی ہی اپنے پڑوسی سے غیر محفوظ ہو جائے تو پھر یقیناً معاشرہ فساد فی الارض کی نذر ہو جائے گا۔

1466- وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ)) قِيلَ: وَهَلْ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔" دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی آدمی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں وہ کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے پھر وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے پھر وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والدین کو گالی گلوچ کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کسی گناہ کا سبب بنتا ہے وہ بھی اتنا ہی گنا ہگار ہوتا ہے جتنا اس گناہ کا مرتکب۔ اسی سے یہ قاعدہ اخذ کیا گیا ہے کہ ﴿الْوَسَائِلُ لَهَا أَحْكَامُ الْمَسَائِلِ﴾ "وسائل واسباب کے لیے بھی مسائل کے ہی احکام ہیں۔" یعنی اگر کام حرام ہے تو اس کا وسیلہ وسبب بننا بھی حرام ہے۔

1467- وَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کسی آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے' دونوں ملیں تو یہ اس طرف منہ پھیر

1466- [بخاری (۵۹۷۳) کتاب الأدب: باب لا یسب الرجل والدیه' الأدب المفرد (۲۷) مسلم (۹۰) ابو داود (۵۱٤۱) ترمذی (۱۹۰۲) احمد (۲/۲۱٤) ابن حبان (٤۱۱) طیالسی (۲۲٦۹)]

1467- [بخاری (٦۰۷۷-٦۲۳۷) کتاب الأدب: باب الهجرة' الأدب المفرد (٤۰۸) مسلم (۲٥٦۰) ابو داود (٤۹۱۱) ترمذی (۱۹۳۲) احمد (٤۱٦/٥)]

(۳۵) [النساء: ٤۸] (۳٦) [الأنعام: ۱٥۱]

يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

لے اور وہ اُس طرف اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔'' [بخاری، مسلم]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے زیادہ آپس میں بول چال بند رکھنا حرام ہے اور جب تک بول چال بند رہے گی تب تک دونوں گناہگار ہوتے رہیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''جس نے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے بول چال چھوڑے رکھی وہ آگ میں جائے گا الا کہ اس پر اللہ کی رحمت سایہ فگن ہو جائے۔'' (۳۹) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''جس نے ایک سال تک اپنے بھائی سے بول چال بند رکھی یہ اس کا خون بہانے کے مترادف ہے۔'' (۴۰) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کہنے سے یہ قطع تعلقی ختم ہو جائے گی اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو صلح میں پہل کرے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر قطعِ تعلق کا سبب دینی ہو تو پھر جب تک وہ سبب دور نہ ہو جائے ناراضگی و علیحدگی میں کوئی حرج نہیں۔

1468- وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر نیکی صدقہ ہے۔'' [بخاری]

1469- وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو خواہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے بات کرنا ہی کیوں نہ ہو۔'' [مسلم]

لغوی توضیح مَعْرُوف نیکی و بھلائی کا کام۔ بِوَجْهٍ طَلْقٍ کھلے چہرے کے ساتھ یعنی خندہ پیشانی اور مسکرا کر اپنے بھائی کو ملنا۔

فھم الحدیث معلوم ہوا کہ صدقہ صرف مال خرچ کرنے کا نام نہیں بلکہ ہر نیکی کا کام صدقہ ہے خواہ وہ معمولی نوعیت کی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ اپنے بھائی کو خوشی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴾ [الزلزلة : ۷] ''جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے وہ اسے (روزِ قیامت) دیکھ لے گا۔'' ایک دوسرا فرمان یوں ہے کہ ﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾ [البقرة : ۲۱۵] ''اور تم جو بھی بھلائی کرو اللہ تعالیٰ اسے جاننے والا ہے۔'' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، اگر اس میں طاقت نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنے ہاتھوں سے کام کر کے اپنے آپ کو نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔'' لوگوں نے پھر عرض کیا کہ اگر وہ کام کرنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر کسی حاجت مند مظلوم کی مدد کرے۔'' انہوں نے کہا اگر وہ یہ کام بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر وہ نیکی کا حکم دے۔'' انہوں نے

1468- [بخاری (۶۰۲۱) کتاب الأدب : باب کل معروف صدقة، الأدب المفرد (۲۲۴) مسلم (۱۰۰۵)]

1469- [مسلم (۲۶۲۶) کتاب البر والصلة والآداب : باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، ترمذی (۱۸۳۳) احمد (۶۳/۵) ابن حبان (۴۶۸)]

(۳۹) [حسن : الترغيب والترهيب بتحقيق محيي الدين ديب (۴۰۷۱) امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۶۷/۸)]

(۴۰) [حسن : الترغيب والترهيب بتحقيق محيي الدين ديب (۴۰۷۲) ابوداود (۴۹۱۵) بیهقی فی الآداب (۲۸۰) حاکم (۱۶۳/۴) الأدب المفرد للبخاری (۴۰۴)]

کہا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "پھر وہ برائی سے باز رہے یہی اس کے لیے صدقہ ہے۔" (٤١)

1470- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَ هَا وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ)) أَخْرَجَهُمَا مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم شوربا پکاؤ تو اس کا پانی زیادہ کر لو اور اپنے ہمسائے کا خیال رکھو۔" [مسلم]

لغوی توضیح مَرَقَة وہ پانی جس میں گوشت کو اُبالا جاتا ہے' مراد ہے شوربا۔ تَعَاهَدْ امر کا صیغہ ہے باب تَعَاهَدَ يَتَعَاهَدُ (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے "خیال رکھنا"۔ جِيرَان جمع ہے جَار کی' اس کا معنی ہے "ہمسایہ و پڑوسی"۔

فہم الحدیث اس حدیث میں ہمسائے کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ نیکی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے خواہ ہمسائے کو شوربے کا ہدیہ پیش کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ میں ہمسائے کے حقوق کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ "جبرئیل علیہ السلام نے مجھے ہمسائے کے حقوق کا خیال رکھنے کی اس قدر تاکید فرمائی حتی کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ ہمسائے کو وارث بنا دیں گے۔" (٤٢) ایک روایت میں ہے کہ "جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے۔" (٤٣)

1471- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے کسی مسلمان سے دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ اس سے روزِ قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کر دیں گے اور جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائیں گے اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔" [مسلم]

لغوی توضیح نَفَّسَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب نَفَّسَ يُنَفِّسُ (بروزن تفعیل) سے' اس کا معنی ہے "دور ہٹانا' تنگی ختم کرنا"۔ كُرْبَة غم' پریشانی اور تکلیف' اس کی جمع كُرَب ہے۔ مُعْسِر تنگدست۔

1470- [مسلم (٢٦٢٥) كتاب البر والصلة والآداب: باب الوصية بالجار والإحسان إليه ' بخاری فی الأدب المفرد 1470-(١١٤) ترمذی (١٨٣٣) ابن ماجه (٣٣٦٢) احمد (١٤٩/٥) دارمی (٢٠٧٩)]

1471- [مسلم (٢٦٩٩) كتاب الذكر والدعاء: باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن ' ابو داود (٤٩٤٦) ترمذی (١٤٢٥-١٩٣٠-٢٩٤٥) ابن ماجه (٢٢٥) احمد (٢٥٢/٢)]

(٤١) [بخاری (٦٠٢٢) كتاب الأدب: باب كل معروف صدقة]

(٤٢) [بخاری (٦٠١٤ ' ٦٠١٥) مسلم (٢٦٢٤ ' ٢٦٢٥) ترمذی (١٩٤٢ ' ١٩٤٣) ابو داود (٥١٥١) ابن ماجه (٣٦٧٣) ابن حبان (٥١٢ ' ٥١٣)]

(٤٣) [بخاری (٦١٣٦ ' ٦١٣٨) مسلم (٤٨)]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی تنگی دور کرنا' کسی تنگ دست (مقروض وغیرہ) کو آسانی تک مہلت دینا' کسی کی لغزش وخطا پر پردہ ڈالنا اور دوسروں کے تعاون میں لگے رہنا دنیا وآخرت کی کامیابی اور نصرت الٰہی کے نزول کے ذرائع ہیں۔

1472- وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے (کسی کو) خیر و بھلائی کا راستہ دکھایا تو اسے بھی بھلائی کا کام کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔'' [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی دوسرے کو کوئی نیکی کا کام بتائے تو اسے بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے خواہ یہ رہنمائی خود کرے یا کسی عالم کی طرف بھیج دے۔ اس فضیلت میں بطورِ خاص علماء' واعظین' اساتذہ اور مصنفین شامل ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کے لیے اس کا اجر ہے اور ان سب لوگوں کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کریں' اس سے ان کے اجروں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔''(٤٤)

1473- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللَّهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللَّهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ آتَى إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَادْعُوا لَهُ)) أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو تم سے اللہ کے نام پر پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو تم سے اللہ کے نام پر کسی چیز کا سوال کرے اسے عطا کرو اور جو تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے اسے پورا پورا بدلہ دو اور اگر تم (بدلہ دینے کے لیے کچھ) نہ پاؤ تو اس کے لیے دعا کر دو۔'' [بیہقی]

لغوی توضیح اسْتَعَاذَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اسْتَعَاذَ يَسْتَعِيذُ (بروزن استفعال) سے' اس کا معنی ہے ''پناہ طلب کرنا''۔ كَافِئُوهُ فعل امر کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے' اس کا معنی ہے ''پورا پورا بدلہ دینا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بھی اللہ کے نام پر پناہ طلب کرے اسے پناہ دینی چاہیے اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے اسے کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے (البتہ سوال کرنے والے کو بھی چاہیے کہ ہر بات پر اللہ کا نام لے کر دوسرے کو مشکل میں مت ڈالے)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے ساتھ نیکی کی جائے اسے چاہیے کہ نیکی کرنے والے کو پورا پورا بدلہ دے اور اگر اتنی گنجائش نہ ہو تو پھر اس کے لیے دعا ہی کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''اگر بدلہ دینے کی گنجائش نہ ہو تو پھر اس کے لیے اتنی دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔''(٤٥) ایک دوسری رویت میں ہے کہ ''جس کے ساتھ کوئی نیکی کی جائے وہ نیکی کرنے والے کو جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا (اللہ تجھے بہتر بدلہ دے) کہے۔''(٤٦)

1472- [مسلم (١٨٩٣) كتاب الإمارة : باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله بمركوب وغيره' بخاري في الأدب المفرد (٢٤٢) ابو داود (٥١٢٩) ترمذی (٢٦٧١) احمد (١٢٠/٤) بيهقی (٢٨/٩) ابن حبان (٨٦٧)]

1473- [صحيح : صحيح ابو داود' ابو داود (١٦٧٢-٥١٠٩) كتاب الزكاة : باب عطية من سأل بالله' بخاری فی الأدب المفرد (٢١٦) نسائی (٨٢/٥) احمد (٦٨/٢) حاكم (٤١٢/١) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(٤٤) [مسلم (١٠١٧)]
(٤٥) [صحيح : ارواء الغليل (١٦١٧) ابوداود (٥١٠٩)]
(٤٦) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (٦٣٦٨) ترمذی (٢٠٣٥) صحيح الترغيب (٩٦٩)]

باب الزهد والورع — دنیا سے بے رغبتی اور تقویٰ کا بیان

1474- عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ - وَأَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَى أُذُنَيْهِ - : ((إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ ، لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ : كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى ، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا (یہ کہتے ہوئے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنی انگلیوں کو کانوں کی طرف اٹھایا' مقصود یہ بتانا تھا کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔) ''بلاشبہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی' ان دونوں کے درمیان شبہات ہیں۔لوگوں کی اکثریت انہیں نہیں جانتی۔ پس جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا' اس چرواہے کی طرح جو کسی کی مخصوص چراگاہ کے اردگرد مویشی چراتا ہے' ممکن ہے کہ وہ اس میں داخل ہو جائیں۔خبردار! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے' خبردار! اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔خبردار! جسم میں ایک ٹکڑا ہے' جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے' خبردار! وہ دل ہے۔'' [بخاری' مسلم]

لغوی توضیح الزُّهْد دنیا سے بے رغبتی۔ الْوَرَع پرہیزگاری' گناہوں سے اجتناب۔ مُشْتَبِهَات ایسے اُمور جن کی حلت وحرمت غیر واضح ہو' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسے اُمور جن کے دلائل میں تعارض ہو۔ اِسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ اس نے اپنے دین میں برائت حاصل کر لی' مراد ہے دین کو بچا لیا یا محفوظ کر لیا۔ الْحِمَى اس چراگاہ کو کہتے ہیں جسے بادشاہ نے اپنے جانوروں کے چرنے کے لیے خاص کر رکھا ہو اور اس میں دوسروں کا داخلہ ممنوع ہو۔ يُوشِكُ قریب ہے۔ مَحَارِمُهُ اس کے حرام کردہ گناہ۔ مُضْغَة گوشت کا لوتھڑا' ٹکڑا۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلال بھی ظاہر ہے (مثلاً پھل' دودھ اور دیگر کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ) اور حرام بھی (مثلاً زنا' شراب' اور چوری وغیرہ) اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ اُمور ہیں جن کی حلت اور حرمت میں شبہ ہے یا جن کے متعلق دونوں طرح کے دلائل ملتے ہیں۔اپنے دین اور عزت کی حفاظت کے لیے ان سے بچنا ہی بہتر ہے کیونکہ جو ان میں پڑ جائے گا عین ممکن ہے کہ وہ آہستہ آہستہ حرام کاموں میں بھی مبتلا ہو جائے۔شبہ والی چیز کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ راستے میں گری پڑی کھجور دیکھی تو فرمایا ''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہو سکتی ہے تو میں اسے اٹھا کر کھا لیتا۔'' (٤٧) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانی جسم میں دل کو بادشاہ کی اور باقی اعضاء کو رعایا کی حیثیت حاصل ہے' جیسے دل کے درست یا خراب ہونے سے سارا جسم درست یا خراب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر بادشاہ نیک ہو گا تو

1474- [بخاری (٥٢) كتاب الإيمان : باب فضل من استبرأ لدينه' مسلم (١٥٩٩) ابو داود (٣٣٢٩) ترمذی (١٢٠٥) نسائی (٢٤١/٧) ابن ماجه (٣٩٨٤) احمد (٢٦٩/٤) دارمی (٢٥٣١) ابن الجارود ٥٥٥٠ بیهقی (٢٦٤/٥)]

(٤٧) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٥٣٠٩) ارواء الغلیل (١٥٥٩) ابو داود (١٦٥٢)]

رعایا بھی نیک ہوگی اور اگر بادشاہ بد اور سرکش ہوگا تو رعایا بھی نافرمان ہو جائے گی۔

1475- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہلاک ہوگیا دینار، درہم اور چادر کا (غلام) بندہ، اگر اسے دیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض۔" [بخاری]

لغوی توضیح تَعِسَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَعِسَ يَتْعَسُ (بروزن سمع) سے، اس کا معنی ہے "ہلاک ہونا، برباد ہونا"۔ عَبْدُ الدِّينَارِ دینار کا غلام، مراد ہے جسے دنیاوی مال و متاع نے اپنا غلام بنا رکھا ہو اور اس کا دنیا میں جینے کا صرف ایک ہی مقصد ہو کہ مال و دولت کیسے کمایا جائے؟ عہدے کیسے حاصل کیے جائیں؟ بلند مقام و مرتبے تک کیسے پہنچا جائے؟ اور خوبصورت عورت کیسے حاصل کی جائے؟ الغرض اس کا مطمح نظر اور مرکز نگاہ صرف دنیا ہی ہو، جس بنا پر اس کی خوشی اور ناخوشی کا انحصار بھی ان اشیاء کے ملنے یا نہ ملنے پر ہی ہو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہ صفت بیان کی ہے، فرمایا: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ﴾ [التوبة: ۵۸] "اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ صدقات کی تقسیم میں تجھ پر طعن کرتے ہیں۔ اگر انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر کچھ نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔"

1476- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبَيَّ، فَقَالَ: ((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ)) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پکڑ کر فرمایا "دنیا میں ایسے رہ جیسے تو پردیسی یا راہ گزر مسافر ہے۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر اور اپنی صحت سے بیماری کے لیے اور اپنی زندگی میں موت کے لیے (تیاری کر کے ضرور کچھ) حاصل کر لے۔ [بخاری]

لغوی توضیح مَنْكِبٌ کندھے کو کہتے ہیں۔ غَرِيبٌ پردیسی اور عَابِرِ السَّبِيلِ راستہ عبور کرنے والا یعنی مسافر، دونوں میں فرق یہ ہے کہ بعض اوقات مسافر راستے میں مختصر وقت کے لیے کہیں اقامت اختیار کر لیتا ہے تو اس صورت میں وہ پردیسی ہے اور جب سفر پر رواں دواں ہو تو مسافر ہے۔ سَقَم بیماری۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو مسافر کی طرح زندگی بسر کرنی چاہیے جیسے مسافر زیادہ سامان اکٹھا نہیں کرتا، جائیداد نہیں بناتا اور راستے میں کہیں بھی مستقل آباد ہونے کا خیال تک نہیں لاتا بعینہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دنیا میں رغبت کم کر کے صرف اتنا ہی سامان جمع کرے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور آخرت کی فکر زیادہ سے زیادہ کرے۔ نیز حضرت ابن

1475- [بخاری (٦٤٣٥) كتاب الرقاق: باب ما يتقى من فتنة المال، ابن ماجه (٤١٣٥) ابن حبان (٣٢١٨) بيهقى (١٥٩/٩)]

1476- [بخاری (٦٤١٦) كتاب الرقاق: باب قول النبى كن فى الدنيا كأنك غريب، ترمذى (٢٣٣٣) ابن ماجه (٤١١٤) احمد (٢٤/٢) ابن حبان (٦٩٨)]

عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا میں لمبی لمبی امیدیں نہیں باندھنی چاہییں اور اپنی صحت وحیات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے اتنے کام کر لینے چاہییں کہ وہ بیماری کے لیے ذخیرہ اور موت کے لیے تیاری کا سامان بن جائیں۔

1477- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ـ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔" [اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان اہل اسلام کو چھوڑ کر کفار ومشرکین کی مشابہت اختیار کرے گا' ان جیسی وضع قطع' عادات واطوار اور رسوم ورواج اپنائے گا تو انہی میں سے شمار ہوگا' اس سے کفار کے ساتھ مشابہت کی حرمت ظاہر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ کی کتاب **اقتضاء الصراط المستقیم** نہایت مفید ہے' اس میں انہوں نے کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں پر کفار کی مشابہت حرام ہے۔

1478- وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا ' فَقَالَ : ((يَا غُلَامُ ' احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ' احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ ' وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ ' وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَسَنٌ صَحِيحٌ ـ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز نبی ﷺ کے پیچھے (سوار) تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کے (احکام کی) حفاظت کر وہ تیری حفاظت فرمائے گا' اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر اور جب تو مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح احْفَظِ اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر' مراد ہے اللہ تعالیٰ کے احکام' حدود اور اوامر ونواہی کی حفاظت کر۔ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ تو اسے اپنے سامنے پائے گا' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کی وجہ سے تمہیں محسوس ہوگا کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

فهم الحديث یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر جگہ حفاظت فرماتے ہیں اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے ساتھ ہے۔ قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ﴾ [البقرة : ١٥٢] "تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام سے فرمایا تھا کہ ﴿ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا ﴾ [البقرة : ١٥٢] "تم مت گھبراؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" ہجرت کے راستے میں غار میں پناہ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا ﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ "تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔" (٤٨) علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر قسم کا سوال اور ہر مشکل میں مدد صرف اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرنی چاہیے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی بھی مشکلات میں کام آنے والا

1477- [حسن صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٠٣١) کتاب اللباس : باب فی لبس الشهرة' احمد (٥٠/٢) شیخ عبداللہ بسام ؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1478- [صحیح : صحیح ترمذی' ترمذی (٢٥١٦) کتاب صفة القیامة والرقائق' احمد (٢٩٣/١) حاکم (٥٤١/٣) شیخ عبداللہ بسام ؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٤٨) [بخاری (٣٦١٥) مسلم (٢٠٠٩)]

نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ ﴾ [النمل : ٦٢] ''مجبور کی پکار کو' جبکہ وہ پکارے' کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے۔'' قرآن کریم کی پہلی سورۃ سورۂ فاتحہ میں بھی یہی درس دیا گیا ہے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ ''ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

1479- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللّٰهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ ' فَقَالَ : ((ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ ' وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ)) رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَغَيْرُهُ ' وَسَنَدُهُ حَسَنٌ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو دنیا سے بے رغبت ہو جا اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کریں گے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہو جا تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔'' [اسے ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ دنیا سے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہو جائے۔ دنیا سے بے رغبتی کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان تمام اشیاء سے بے رغبت ہو جائے جن کا نفع صرف دنیا تک ہی محدود ہے' آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے زہد فی الدنیا کی یہی توضیح فرمائی ہے اور لوگوں کے پاس جو مال و متاع ہے یقیناً وہ انہیں محبوب ہے اور جو ان سے ان کی محبوب چیز مانگے گا یا اس کی حرص و طمع رکھے گا بلاشبہ وہ اس سے نفرت کریں گے' اس لیے لوگوں کی محبت حاصل کرنے کا نسخہ یہی ہے کہ لوگوں کے مال و متاع سے بے رغبتی اختیار کی جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کی محبت حاصل کرنے کی تمنا و خواہش مستحب ہے۔ شیخ عبداللہ بسامؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی نے پوچھا اہل بصرہ کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا حسن بصریؒ۔ اس نے کہا وہ کیسے سردار بن گیا؟ انہوں نے کہا لوگ اس کے علم کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا سے مستغنی و بے نیاز ہے۔ (٤٩)

1480- وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ : ((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ پرہیزگار' بے نیاز اور غیر معروف بندے کو پسند کرتا ہے۔'' [مسلم]

لغوی توضیح اَلتَّقِيّ پرہیزگار' جو اللہ تعالیٰ کی سزا و عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کے تمام منع کردہ کاموں سے پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ کاموں پر عمل کرے۔ اَلْغَنِيّ بے نیاز' وہ شخص جس کا دل غنی ہو یعنی وہ غریب و محتاج ہونے کے باوجود بھی ہر اس چیز سے بے نیاز ہو جو لوگوں کے پاس ہے' اسے لوگوں کی چیزوں میں کوئی طمع و لالچ نہ ہو۔ اَلْخَفِيّ غیر

1479- [صحيح : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (٤١٠٢) كتاب الزهد : باب الزهد في الدنيا ' حاكم (٣١٣/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1480- [مسلم (٢٩٦٥) كتاب الزهد : باب ' احمد (١٦٨/١-١٧٧) أبو يعلى (٧٣٧) بغوى (٤٢٢٨)]

(٤٩) [توضيح الأحكام (٣٧١/٧)]
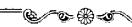
معروف وگمنام' ایسا شخص جو خفیہ طور پر عبادات سرانجام دے اور ریا کاری وشہرت کے مقامات سے بچے جس باعث لوگوں کو اس کے حال کا علم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ محبت بھی ثابت ہوئی۔

1481- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ)) رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' آدمی کے اسلام کی خوبی اس کا لایعنی وفضول کاموں کو چھوڑ دینا ہے۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح مَا لَا يَعْنِيهِ جو کام فضول اور غیر اہم ہو۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان بندے کو چاہیے کہ دنیا میں ایسے کاموں میں ہی وقت ضائع نہ کرتا پھرے جو بے فائدہ ہیں بلکہ اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اسے دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور آخرت کے امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے بھرپور تیاری کرے۔ اس لیے اسے تمام بے فائدہ اقوال وافعال کو ترک کر کے صرف اُن کاموں کو ہی سرانجام دینا ہوگا جو اسے کل روزِ قیامت کامیابی کی منزل تک پہنچا دیں۔ امام ابن عبد البرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے جامع کلمات کا نمونہ ہے یعنی الفاظ کم ہیں مگر معنی ومفہوم بہت زیادہ ہے۔

1482- وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ۔

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' آدم کے بیٹے نے اپنے پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرا۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح وِعَاء برتن۔ بَطْن پیٹ۔

فهم الحديث یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ'' آدم کے بیٹے کو اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں اور اگر ضروری (زیادہ) کھانا ہو تو تیسرا حصہ کھانے کے لیے' تیسرا حصہ پینے کے لیے اور تیسرا حصہ سانس کے لیے۔'' اس حدیث میں زیادہ کھانے پینے کی مذمت اور کم کھانے کی ترغیب ہے۔ زیادہ کھانے پینے سے انسان میں زیادہ کھانے پینے کی حرص بڑھتی ہے اور پھر وہ اپنا زیادہ وقت انہی کاموں میں صرف کرتا ہے' نیز زیادہ کھانے سے اسے قضائے حاجت کے لیے بھی زیادہ وقت دینا پڑتا ہے اور اسے نیند بھی زیادہ آتی ہے' ان تمام کاموں کی وجہ سے اس کی زندگی کا اکثر حصہ انہی بے فائدہ کاموں میں صرف ہو جاتا ہے۔ زیادہ کھانا مختلف امراض کا بھی باعث ہے۔ اطباء نے ذکر کیا ہے کہ بسیار خوری سے شوگر' دل کے' معدے کے اور دماغ کے مختلف امراض کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ (۵۰) یہاں یہ بات یاد رہے کہ کم کھانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حسبِ ضرورت بھی نہ کھایا جائے اور فاقہ کشی کے ذریعے اپنے آپ کو اذیت دی جائے جیسا کہ بعض تصوف کے دعویدار حضرات کا طرزِ عمل رہا۔

1481- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۲۳۱۷) کتاب الزھد: باب' ابن ماجہ (۳۹۷۶) ابن حبان (۲۶۶/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو مرسل کہا ہے۔ امام نوویؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

1482- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (۲۳۸۰) کتاب الزھد: باب ما جاء فی کراھیۃ کثرۃ الأکل' ابن ماجہ (۳۳۴۹) احمد (۱۳۲/۴) ابن حبان (۶۷۴) حاکم (۱۲۱/۴) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۵۰) [تفصیل کے لیے دیکھیے: سنت نبوی اور جدید سائنس (۱۰۱/۱)]

1483- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ، وَسَنَدُهُ قَوِيٌّ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمام اولادِ آدم خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔" [اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی انسان خطا سے مبرا نہیں' لیکن بہترین انسان وہ ہے جس سے جب خطا سرزد ہو تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔ جیسا کہ قرآن میں حضرت آدم اور حضرت یونس علیہما السلام کی توبہ کا ذکر ملتا ہے۔ گناہ کے بعد توبہ تائب ہونا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے' فرمانِ نبوی ہے کہ توبہ کرنے والے بندے سے اللہ تعالیٰ اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جس کی سواری جنگل میں گم ہو جائے پھر لمبے انتظار کے بعد اچانک وہ اس کے سامنے آ جائے اور وہ دم بخود ہو کر خوشی سے پکار اٹھے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ (۵۱) توبہ کرنے والے کا گناہ اللہ تعالیٰ اس طرح مٹا دیتے ہیں جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (۵۲) اور قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والے کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ (۵۳) واضح رہے کہ جو شخص گناہ کے بعد توبہ کی بجائے اس گناہ پر ہی مصر رہتا ہے تو وہ شیطان کا پیروکار ہے اور اس کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہوگا۔

1484- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((الصَّمْتُ حِكْمَةٌ وَقَلِيلٌ فَاعِلُهُ)) أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الشُّعَبِ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ، وَصَحَّ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ مِنْ قَوْلِ لُقْمَانَ الْحَكِيمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "خاموشی دانائی ہے اور اسے اختیار کرنے والے کم ہیں۔" [اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت لقمان حکیم علیہ السلام کا قول ہے۔]

لغوی توضیح الصَّمْتُ خاموشی۔ حِكْمَة دانائی۔

فهم الحديث یہ روایت اگرچہ مرفوعاً ضعیف اور حضرت لقمان علیہ السلام پر موقوف ہے مگر دیگر صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ "جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔" (۵۴) اور ایک روایت میں ہے کہ "جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا۔" (۵۵) واضح رہے کہ خاموش رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ اگر انسان کہیں برائی دیکھے تو وہاں بھی خاموش رہے' دعوتِ دین کی ضرورت پیش آئے تو وہاں بھی حیا سے دامن گیر ہو' بیوی بچوں سے خوش طبعی کا موقع ہو تو وہاں بھی اس کی زبان پر قفل پڑے ہوں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بری بات کہنے یا فضول و بے فائدہ گفتگو کرنے سے خاموش رہے۔

1483- [حسن : صحیح ترمذی' ترمذی (۲٤۹۹) کتاب صفة القیامة والرقائق' ابن ماجه (٤۲۵۱) احمد (۱۹۸/۳) دارمی (۲۷۲۷) ابو یعلی (۲۹۲۲) حاکم (۲٤٤/٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس کی سند کو قوی کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

1484- [بیهقی فی شعب الایمان (۵۰۲۷) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو موقوف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۵۱) [مسلم (۲۷٤۷) بخاری (٦۳۰۹)]
(۵۲) [حسن : صحیح الجامع الصغیر (۳۰۰۸) ابن ماجه (٤۲۵۰) صحیح الترغیب (۳۱٤۵)]
(۵۳) [الفرقان : ۷۰]
(۵٤) [بخاری (٦۱۳۸) مسلم (٤۷)]
(۵۵) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٦۳٦۷) ترمذی (۲۵۰۱)]

باب الترهیب من مساویء الاخلاق — برے اخلاق سے ڈرانے کا بیان

1485- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔" [ابوداود]

1486- وَلِابْنِ مَاجَةَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ۔

اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

لغوی توضیح اَلتَّرْهِيْب مصدر ہے باب تفعیل سے اس کا معنی ہے "ڈرانا، خوف دلانا"۔ مَسَاوِيء جمع ہے مَسَاوَة کی اس کا معنی ہے "برائی (یعنی برے اقوال وافعال)"۔ اَلْحَسَد یہ ہے کہ کسی دوسرے کے لیے زوالِ نعمت کی تمنا کرے اور یہ خواہش رکھے کہ یہ چیز اس سے چھن کر مجھے مل جائے، یہ ناجائز وحرام ہے۔ البتہ اگر یہ تمنا کی جائے کہ جیسی اللہ تعالیٰ نے فلاں کو نعمت دی ہے مجھے بھی دے اور اس میں دوسرے کی نعمت چھن جانے کی نیت نہ ہو تو پھر جائز ہے اور اسے رشک کہتے ہیں۔

فہم الحدیث یہ روایت اگرچہ کمزور ہے لیکن دیگر صحیح احادیث میں حسد کی مذمت وحرمت موجود ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر 1502 میں حسد سے یوں منع کیا گیا ہے کہ ﴿ لَا تَحَاسَدُوْا ﴾ "ایک دوسرے سے حسد مت رکھو۔" اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ "کسی بھی مومن بندے کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں ہو سکتے۔" (٥٦) حسد سے ممانعت کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ فی الواقع حاسد اللہ تعالیٰ پر ناراض ہو رہا ہوتا ہے کہ اسے وہ چیز کیوں دی مجھے کیوں نہ دی، حالانکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور جس کے لیے جو چیز بہتر سمجھتا ہے اسے وہ عطا کر دیتا ہے۔ حسد جہاں خود کبیرہ گناہ ہے وہاں دیگر بہت سے گناہوں کا سبب بھی بنتا ہے جیسے اس دنیا میں ہونے والا پہلا گناہ شیطان کا آدم علیہ السلام کو سجدے سے انکار حسد کی وجہ سے ہی تھا، اسی طرح (آدم علیہ السلام کے بیٹے) قابیل نے ہابیل کو حسد کی بنا پر ہی قتل کیا، حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے حسد کی بنا پر ہی کنوئیں میں پھینکا اور عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے بھی حسد کی بنا پر ہی آپ ﷺ سے عداوت کا مظاہرہ کیا۔

1487- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بہادر وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پا لے۔" [بخاری، مسلم]

1485- [ضعیف : ضعیف ابو داود، ابو داود (٤٩٠٣) کتاب الأدب : باب فی الحسد، شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1486- [ضعیف : ضعیف ابن ماجه، ابن ماجه (٤٢١٠) کتاب الزهد : باب الحسد]

1487- [بخاری (٦١١٤) کتاب الأدب : باب الحذر من الغضب، الأدب المفرد (١٣٢٣) مسلم (٢٦٠٩) احمد (٢٣٦/٢) مالك (٩٠٦/٢) طیالسی (٢٥٢٥) بغوی (٣٥٨١) ابن حبان (٢٠١٨)]

(٥٦) [حسن : الترغیب والترهیب بتحقیق محیی الدین دیب (٤٢٥٢) احمد (٣٤٠/٢) ابن حبان (٤٥٨٧) بیهقی فی شعب الایمان (٦٦٠٩)]

لغوی توضیح الشَّدِیْد قوی و بہادر۔ الصُّرَعَة ایسا طاقتور جو اپنی قوت و طاقت سے لوگوں کو پچھاڑ دے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غصہ پر قابو پانا سب سے بڑی بہادری ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ ﴿ وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴾ [الشوری : ٣٧] ''اور جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔'' اسی طرح ایک دوسرے مقام پر یہ صفت بیان کی ہے کہ ﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ ﴾ [آل عمران : ١٣٤] ''اور وہ غصہ پی جانے والے ہیں۔'' آئندہ حدیث نمبر 1498 میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کو بار بار کوئی وصیت کرنے کو کہا تو آپ ﷺ نے اسے ہر بار ایک ہی وصیت فرمائی ﴿ لَا تَغْضَبْ ﴾ ''غصہ مت کر۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''جو شخص غصہ پی گیا حالانکہ وہ اسے نافذ کرنے کی طاقت بھی رکھتا تھا تو روزِ قیامت اسے تمام مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دیا جائے گا کہ جو چاہے جنتی عورت پسند کر لے۔''(٥٧) غصہ ایک طبعی خصلت ہے اس لیے اگر کسی کو غصہ آ جائے تو اسے دور کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ تعوذ پڑھے۔(٥٨) ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''جسے غصہ آئے وہ خاموش ہو جائے۔''(٥٩) ایک اور روایت میں ہے کہ جسے غصہ آ جائے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے' یوں اگر غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔''(٦٠)

1488- وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ظلم روزِ قیامت اندھیروں کا باعث ہے۔'' [بخاری' مسلم]

فہم الحدیث معلوم ہوا کہ ظلم حرام ہے اور اس میں ظلم کی تمام انواع و اقسام ہی شامل ہیں۔ بعض اہل علم نے ظلم کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ایک یہ کہ انسان اپنے نفس پر ظلم کرے اور اپنے اوپر کیا جانے والا سب سے بڑا ظلم شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مشرک کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے' اس کے بعد باقی تمام گناہ بھی مختلف مراتب کے لحاظ سے نفس پر ظلم میں شامل ہیں۔ ظلم کی دوسری قسم یہ ہے کہ اپنے علاوہ دوسرے بندوں پر ظلم کیا جائے خواہ کسی کی جان پر' مال پر یا عزت و آبرو وغیرہ پر (سب حرام ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا تھا کہ ''بلاشبہ تمہارے خون' تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں آپس میں اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس مہینے میں اور اس شہر میں ہے۔''(٦١) اس لیے اگر کسی سے دوسرے مسلمان پر کوئی ظلم وزیادتی ہوئی ہو تو اسے چاہیے کہ دنیا میں ہی اس سے معافی مانگ کر یا کسی بھی طریقے سے حساب برابر کر لے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو اسے چاہیے کہ اس سے (دنیا میں) معاف کرا لے' اس لیے کہ آخرت میں روپے پیسے نہیں ہوں گے اور اس کے بھائی کے لیے اس کی نیکیوں سے حق دلایا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس (مظلوم) بھائی کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔''(٦٢)

1488- [بخاری (٢٤٤٧) کتاب المظالم والغصب : باب الظلم ظلمات یوم القیامة' مسلم (٢٥٧٩) ترمذی (٢٠٣٠)]

(٥٧) [حسن : صحیح ابوداود' ابوداود (٤٧٧٧) کتاب الأدب : باب من کظم غیظا' ترمذی (٢٠٢١)]

(٥٨) [بخاری (٣٢٨٢) کتاب بدء الخلق : باب صفة ابلیس وجنوده]

(٥٩) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٦٩٣)]

(٦٠) [صحیح : صحیح الجامع الصغیر (٦٩٤)]

(٦١) [بخاری (٦٧) مسلم (١٦٧٩)] (٦٢) [بخاری (٦٥٣٤)]

1489- وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اتَّقُوا الظُّلْمَ ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم روزِ قیامت تاریکیوں کا باعث ہے اور بخیلی سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا۔'' [مسلم]

لغوی توضیح الشُّحّ جو پاس ہے اس میں بخیلی و کنجوسی اور جو پاس نہیں اس کی حرص وطمع۔

فهم الحديث اس حدیث سے ظلم کے ساتھ ساتھ بخیلی ولالچ کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الحشر : ٩] ''اور جو شخص اپنے نفس کی بخیلی وحرص سے بچالیا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔'' ایک اور فرمان یوں ہے کہ ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ [الحشر : ٩] ''اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے، عنقریب روزِ قیامت یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے۔'' ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ''شدید بخیلی و کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو خون بہانے اور حرام کاموں کو حلال کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔'' (٦٣) ایک روایت میں ہے کہ ''انسان میں بدترین خصلت شدید بخیلی ہے۔'' (٦٤) بخیلی کی اس قدر مذمت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ ہر نماز میں بخیلی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتے تھے۔ (٦٥)

1490- وَ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ : الرِّيَاءُ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ ۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سب سے زیادہ میں تم پر جس چیز سے خائف ہوں وہ شرک اصغر یعنی ریاکاری ہے۔'' [اسے احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الرِّيَاء ریاکاری ودکھلاوا، مراد ہے لوگوں کو دکھانے اور ان میں قابل تعریف بننے کی غرض سے کسی نیک کام کا اظہار کرنا (یا تو دکھا کے نیک عمل کرنا یا عمل کر کے لوگوں کو بتاتے پھرنا)۔ ریاکاری کو چھوٹا شرک اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ ہر نیک عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا چاہیے لیکن ریاکار وہ عمل لوگوں کو دکھانے کی غرض کرتا ہے اور یوں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیتا ہے۔ شرکِ اصغر کا مرتکب دائرۂ اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا مگر یہ عمل خطرناک ضرور ہے۔

فهم الحديث معلوم ہوا کہ ریاکاری حرام ہے۔ قرآن میں منافقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ﴿ وَإِذَا قَامُوْا إِلَى

1489- [مسلم (٢٥٧٨) كتاب البر والصلة والآداب : باب تحريم الظلم ، بخارى فى الأدب المفرد (٤٨٣) احمد (٣٢٣/٣) بيهقى فى السنن الكبرى (٩٣/٤)]

1490- [صحيح : السلسلة الصحيحة (٩٥١) احمد (٤٢٨/٥) بيهقى فى شعب الايمان (٦٨٣١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس کی سند کو جید اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔]

(٦٣) [مسلم (٢٥٨٧) كتاب البر والصلة والآداب] (٦٤) [صحيح : صحيح ابوداود (٢١٩٢) ابوداود (٢٥١١)]

(٦٥) [بخارى (٢٨٢٢) كتاب الجهاد والسير : باب ما يتعوذ من الجبن ، ترمذى (٣٥٦٧) نسائى (٢٥٦/٨) احمد (١٨٣/١) ابن حبان (١٠٠٤-١٠١١)]

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ﴾ [النساء : ١٤٢] ''وہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست کھڑے ہوتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے ہیں۔'' ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [البينة : ٥] ''لوگوں کو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔'' ایک روایت میں ہے کہ روزِ قیامت سب سے پہلے شہید' قاری اور سخی کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس لیے کہ انہوں نے اپنے اپنے عمل میں ریاکاری کی ہوگی۔ (٦٦) یہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر کوئی نیک عمل لوگوں کو (عزت حاصل کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ) ترغیب دلانے کے لیے دکھایا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ''اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بھی بہت اچھا ہے اور اگر انہیں چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔'' (٦٧)

1491- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''منافق کی تین علامات ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔'' [بخاری، مسلم]

1492- وَلَهُمَا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : ((وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) ۔

اور صحیحین میں ہی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث میں (اتنا اضافہ) ہے کہ ''اور جب جھگڑے تو گالی گلوچ کرے۔''

لغوی توضیح آيَةُ الْمُنَافِقِ منافق کی نشانی۔ منافق اسم فاعل کا صیغہ ہے باب نَافَقَ يُنَافِقُ (بروزن مفاعلہ) سے' مراد اس سے وہ شخص ہے جو ایمان کو ظاہر کرے اور کفر کو چھپائے' ایسا شخص اعتقادی منافق ہے لیکن اگر اس میں کفر تو نہ ہو مگر مذکورہ علامات پائی جائیں تو وہ عملی منافق ہے' یوں منافق کی دو قسمیں ہوئیں: ① اعتقادی منافق ② عملی منافق۔ خَاصَمَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب خَاصَمَ يُخَاصِمُ (بروزن مفاعلہ) سے' اس کا معنی ہے ''جھگڑا کرنا''۔ فَجَرَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب فَجَرَ يَفْجُرُ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''گالی گلوچ کرنا' بدزبانی کرنا''۔

فهم الحديث صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''جس شخص میں (مذکورہ) چار خصلتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی وہ نفاق کی ایک خصلت پر ہوگا۔'' معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا اور لڑائی جھگڑے کے وقت بدزبانی اور گالی گلوچ کرنا منافق کی علامات ہیں اور جس میں ان میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے گی وہ نفاق کے ایک شعبہ پر ہوگا۔ مذکورہ چاروں کام حرام ہیں اور کتب احادیث میں ان کی الگ الگ تفصیلات موجود ہیں جنہیں طوالت سے اجتناب کی غرض سے ترک کیا جا رہا ہے۔

1491- [بخاری (٣٣-٢٦٨٢) كتاب الإيمان : باب علامة المنافق' مسلم (٥٩) ترمذی (٢٦٣١) نسائی (١١٧/٨) احمد (٣٥٧/٢) بيهقی (٢٨٨/٦)]

1492- [بخاری (٣٤) كتاب الإيمان : باب علامة المنافق' مسلم (٥٨) ابو داود (٤٦٨٨) ترمذی (٢٦٣٢) نسائی (١١٦/٨)]

(٦٦) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (٢٠١٤) نسائی (٣١٣٧) ترمذی (٢٣٨٢)]

(٦٧) [البقرة : ٢٧١]

1493- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا نافرمانی ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح سِبَاب مصدر ہے باب مفاعلہ سے، اس کا معنی ہے ''گالی دینا''۔ فُسُوْق مصدر ہے باب فَسَقَ یَفْسُقُ (بروزن نصر) سے، اس کا معنی ہے ''نافرمانی کرنا، حق اور اطاعت سے نکل جانا''۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو گالی دینے والا فاسق ہے، چونکہ اسلام میں گالی دینا ممنوع ہے اس لیے مسلمان کو گالی دینے والے کو فاسق یعنی نافرمان کہا گیا ہے۔ مسلمان سے لڑائی کرنے والے کے متعلق یاد رہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان سے قتال کو حلال سمجھے تو بالاتفاق کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور اگر حلال نہ سمجھے تو پھر کافر نہیں بلکہ گناہگار مسلمان ہے البتہ اس کا یہ گناہ کفر اور کبیرہ گناہ ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مسلمان سے (حلال نہ سمجھتے ہوئے) قتال کرنے والے پر حقیقی طور پر نہیں بلکہ مجازی طور پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ کفر اور فسق دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے، فرمایا ﴿ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ﴾ [الحجرات: ٤] ''اور اس نے کفر، فسوق اور عصیان کو تمہارے لیے ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔''

1494- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث یہاں گمان سے مراد ہے برا گمان۔ بعض اہل علم نے ظن کو تہمت کے معنوں میں لیا ہے کیونکہ انسان اپنے دل میں بلاسبب کسی کے بارے میں برے خیالات لاتا رہتا ہے اور بالآخر اسے زبان سے نکال بھی دیتا ہے جبکہ اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور یہی تہمت ہے کہ کسی پر ایسا الزام لگانا جو اس میں نہ ہو۔ اسے سب سے جھوٹی بات بھی اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ تہمت کے مشابہ ہے اور تہمت کبیرہ گناہ ہے۔ علامہ زمخشریؒ نے گمان کی چار اقسام بیان کی ہیں جو کہ عمدہ تقسیم ہے: ① حرام: اللہ تعالیٰ سے برا گمان رکھنا یا ایسے شخص سے برا گمان رکھنا جس کی عدالت و دیانت ظاہر ہو۔ ② واجب: اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھنا۔ ③ مستحب: جس کا تقویٰ و پرہیزگاری ظاہر ہو اس سے اچھا گمان رکھنا۔ ④ مباح: جس میں فسق کی علامات ظاہر ہو جائیں۔ (٦٨)

1495- وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَا مِنْ عَبْدٍ

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''اللہ تعالیٰ جسے کسی رعایا کا حاکم مقرر فرما دے

1493- [بخاری (٤٨-٦٠٤٤) كتاب الإيمان: باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر' الأدب المفرد (٤٣١) مسلم (٦٤) ترمذی (١٩٨٣-٢٦٣٥) ابن ماجه (٦٩-٣٩٣٩) احمد (٣٨٥/١) ابن حبان (٥٩٣٩)]
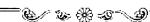
1494- [بخاری (٥١٤٣) كتاب النكاح: باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح' الأدب المفرد (٤١٢) مسلم (٢٥٦٣) ابو داود (٤٨٨٢) ترمذی (١٩٨٨) مالك (٩٠٧/٢) احمد (٣١٢/٢) ابن حبان (٥٦٨٧) بغوی (٣٥٣٣)]

1495- [بخاری (٧١٥٠) كتاب الأحكام: باب من استرعى رعية فلم ينصح' مسلم (١٤٢) احمد (٢٥/٥) دارمی (٢٧٩٦) ابن حبان (٤٤٩٥) طيالسی (٩٢٩) بيهقی (٤١/٩)]

(٦٨) [كما فی توضيح الأحكام (٤١٥/٧)]

يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

اور اسے اس حال میں موت آئے کہ وہ اپنی رعایا سے خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح يَسْتَرْعِي فعل مضارع کا صیغہ ہے باب اسْتَرْعَى يَسْتَرْعِي (بروزن استفعال) سے اس کا معنی ہے "حاکم و سربراہ بنانا"۔ رَعِيَّة اس کی جمع رعایا ہے مراد ہے عوام و محکومین۔ غَاشٌّ دھوکہ دینے والا یا خیانت کرنے والا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکام و امراء پر عوام کو دھوکہ دینا اور ان کے حقوق غصب کرنا حرام و کبیرہ گناہ ہے اور ایسے حکام پر جنت حرام ہے۔ اس لیے اگر کوئی حاکم و امیر چاہتا ہے کہ اسے جنت میں داخلہ مل جائے تو وہ اپنی رعایا کے مکمل حقوق ادا کرے ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے ان سے ناانصافی نہ کرے ان پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ نہ ڈالے انہیں دہشت گردوں اور لٹیروں سے تحفظ فراہم کرے وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ رعایا میں نظامِ عدل کو فروغ دے گا اور بہر حال انصاف کا دامن نہیں چھوڑے گا تو پھر اس کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ روزِ قیامت جب کسی چیز کا سایہ نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ جن سات آدمیوں کو اپنے سائے میں سے سایہ عطا فرمائیں گے ان میں سے ایک عادل حکمران بھی ہوگا۔ (٦٩)

1496- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! میری امت میں سے جو شخص کسی کام کا ذمہ دار بنا اور پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال۔" [مسلم]

لغوی توضیح فَشَقَّ عَلَيْهِمْ وہ ان پر مشقت ڈالے بے جا پابندیاں لگائے اور انہیں اذیت و تکلیف میں مبتلا کرے۔

فہم الحدیث اس حدیث کا باقی حصہ یہ ہے کہ "اور جو میری امت میں سے کسی کام کا سربراہ بنا اور وہ ان پر نرمی کرے تو تو بھی ان پر نرمی فرما۔" معلوم ہوا کہ حاکم کو چاہیے کہ عوام پر ناجائز سختیاں اور پابندیاں مت بڑھائے انہیں مسائل کے حل کے لیے کسی مشقت میں مبتلا نہ کرے اور ان سے نرم رویہ برتے اور اگر وہ عوام پر مشقت ڈالے گا تو رسول اللہ ﷺ کی بددعا کی بدولت اللہ تعالیٰ بھی اس پر مشقت ڈال دیں گے اور اگر وہ ان پر نرمی کرے گا تو رسول اللہ ﷺ کی دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی اس سے نرمی فرمائیں گے۔

1497- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی لڑائی کرے تو چہرے (پر مارنے) سے بچے۔" [بخاری، مسلم]

فہم الحدیث معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی کسی کو حد یا تعزیر کے بطور یا تادیباً یا لڑتے ہوئے مارے تو چہرے پر نہ مارے۔ اس حدیث سے چہرے پر مارنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اسی سے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ باکسنگ حرام ہے کیونکہ اس میں بطورِ خاص مد مقابل کو صرف چہرے پر ہی مارا جاتا ہے۔ نیز بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ جانوروں کے چہروں پر مارنے سے بھی اجتناب ہی بہتر ہے۔

1496- [مسلم (١٨٢٨) كتاب الإمارة : باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر ' احمد (٦٢/٦) ابن حبان (٥٥٣) بيهقي (١٣٦/١٠)]

1497- [بخاری (٢٥٥٩) كتاب العتق : باب إذا ضرب العبد فليجتنب الوجه ' الأدب المفرد (١٧٤) مسلم (٢٦١٢) ابو داود (٤٤٩٣) احمد (٢٥١/٢) ابن حبان (٥٥٧٥)]

(٦٩) [بخاری (٦٦٠) مسلم (١٠٣١)]

1498- وَ عَنهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ' أَوْصِنِي ' قَالَ : ((لَا تَغْضَبْ)) فَرَدَّدَ مِرَارًا ' قَالَ : ((لَا تَغْضَبْ)) أَخرَجَهُ البُخَارِيُّ ـ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "غصہ نہ کر۔" اس نے کئی بار سوال دہرایا۔ آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ "غصہ نہ کر۔" [بخاری]

لغوی توضیح اس حدیث میں غصہ سے بچنے کی ترغیب ہے۔ بار بار سوال پر آپ ﷺ نے اس صحابی کو صرف غصہ نہ کرنے کی ہی وصیت فرمائی جس سے غصہ نہ کرنے کی اہمیت اور غصہ کرنے کے نقصانات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات انسان شدید غصے کی وجہ سے ہوش میں نہیں رہتا پھر کبھی لڑائی جھگڑا قتل تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی گالی گلوچ طلاق تک' لیکن جب غصہ اترتا ہے تو سوائے ندامت و پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہیں ہوتا۔ اس لیے اپنے اندر ایسی عادات پیدا کرنی چاہییں جس سے حتی الوسع غصے سے بچا جا سکے مثلاً عفو و درگزر' صبر و استقامت' حلم و برداشت اور ہر حال میں خوش رہنا وغیرہ۔ غصے کے متعلق مزید بیان گزشتہ حدیث نمبر 1487 کے تحت گزر چکا ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

1499- وَ عَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) أَخرَجَهُ البُخَارِيُّ ـ

حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق دخل اندازی کے مرتکب ہوتے ہیں روزِ قیامت ان کے لیے آگ ہے۔" [بخاری]

لغوی توضیح يَتَخَوَّضُوْنَ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب تَخَوَّضَ يَتَخَوَّضُ (بروزن تفعّل) سے' اس کا معنی ہے "دخل اندازی کرنا" یہ اصل میں خَوْض سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے "پانی میں داخل ہونا" لیکن بعد میں ہر کام میں دخل اندازی کے لیے استعمال ہونے لگا۔ فِيْ مَالِ اللّٰهِ اللہ کے مال میں' اللہ کے مال سے مراد مالِ غنیمت' بیت المال میں زکوٰۃ' جزیہ اور دیگر صدقات وغیرہ کی جمع شدہ رقوم ہیں۔

فهم الحديث معلوم ہوا کہ اللہ کے مال میں ناحق دخل اندازی کسی کے لیے بھی جائز نہیں خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم۔ ناحق دخل اندازی کا مطلب یہ ہے کہ ان اموال میں جیسے تصرف کرنے کا حکم ہے ویسے تصرف نہ کرے بلکہ انہیں اپنا ذاتی مال سمجھ کر جیسے چاہے تصرف کرتا پھرے۔ تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے کچھ لے لینا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم بیت المال سے صرف اپنی جائز ضروریات کے مطابق ہی مال لے سکتا ہے' اس سے زیادہ لینا اس پر حرام ہے۔

1500- وَ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ـ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ ـ قَالَ : ((يَا عِبَادِي ' إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اُن اُمور کے متعلق روایت کیا ہے جو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کیا

1498- [بخاری (٦١١٦) كتاب الأدب : باب الحذر من الغضب ' ترمذی (٢٠٢٠) احمد (٣٦٢/٢) بغوی (٣٥٨٠)]

1499- [بخاری (٣١١٨) كتاب فرض الخمس : باب قول الله تعالى فأن لله خمسه وللرسول ' احمد (٤١٠/٦)]

1500- [مسلم (٢٥٧٧) كتاب البر والصلة والآداب : باب تحريم الظلم ' بخاری فی الأدب المفرد (٤٩٠) احمد (١٦٠/٥) ابن حبان (٦١٩)]

بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

ہے اور تمہارے مابین بھی اسے حرام قرار دیا ہے لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔" [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر بھی ظلم حرام کر رکھا ہے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴾ [ق : ٢٩] "اور میں بندوں پر بہت زیادہ ظلم کرنے والا نہیں۔" ایک دوسری آیت میں ہے کہ ﴿ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴾ [آل عمران : ١٠٨] "اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔" معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر بھی اسے حرام کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں ظلم نہیں کرتا تو تم کیونکر ظلم کر سکتے ہو؟ ظلم کے متعلق مزید بیان گزشتہ حدیث نمبر 1488 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔ علاوہ ازیں واضح رہے کہ یہ حدیث حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی سے مراد وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت بیان کریں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ حدیث قدسی اور قرآن میں یہ فرق ہے کہ قرآن کریم کے لفظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جبکہ حدیث قدسی کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور لفظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں۔ (٧٠)

1501- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : ((أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟)) قَالُوا : اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ : ((ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ)) قِيلَ : أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ ؟ قَالَ : ((إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا' اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تیرا ایسی چیز کے ساتھ اپنے بھائی کا ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔" دریافت کیا گیا کہ بتلائیے اگر جو میں کہہ رہا ہوں وہ میرے بھائی میں موجود ہو (تو کیا پھر بھی یہ غیبت ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم جو کہہ رہے ہو وہ اس میں موجود ہے تو یقیناً تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ اس میں موجود نہیں تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔" [مسلم]

لغوی توضیح اغْتَبْتَهُ تو نے اس کی غیبت کی۔ امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ غیبت سے مراد ہے کسی بھی آدمی (کے پیچھے اس) کا ایسا ذکر جو اسے ناپسند ہو خواہ اس کا تعلق اس کے بدن سے ہو یا اس کے دین' دنیا' نفس' اخلاق' مال' اولاد' بیوی' خادم' اس کی حرکات' خوش مزاجی یا سخت مزاجی سے' سب اس کے برے ذکر میں شامل ہے اور خواہ یہ ذکر لفظوں میں ہو یا اشارے و کنائے میں۔ (٧١) بَهَتَّهُ تو نے اس پر بہتان باندھا۔

فهم الحديث اس حدیث میں غیبت اور بہتان کا ذکر ہے۔ غیبت کی حرمت اور اس کے کبیرہ گناہ ہونے پر اجماع ہے جیسا کہ امام قرطبیؒ نے نقل فرمایا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے غیبت سے منع کرتے ہوئے اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ (٧٢) کیونکہ جیسے مردہ کا گوشت کھایا جائے تو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا اسی طرح جب اپنے بھائی کی

1501- [مسلم (٢٥٨٩) كتاب البر والصلة والآداب : تحريم الغيبة' باب ابو داود (٤٨٧٤) ترمذی (١٩٣٤) احمد (٣٨٤/٢) دارمی (٢٧١٤) ابن حبان (٥٧٥٨) بیهقی (٢٤٧/١٠) بغوی (٣٥٦٠)]

(٧٠) [مزید دیکھئے: مباحث في علوم القرآن للمناع القطان]

(٧١) [كما في توضيح الأحكام (٤٢٩/٧)]

(٧٢) [الحجرات : ١٢]

غیبت کی جائے اور اس کی عزت پر حملہ کیا جائے تو وہ بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ واضح رہے کہ اہل علم نے چھ اُمور کو غیبت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان میں غیبت جائز ہے۔ ① مظلوم کو ظالم کے پیچھے اس کے خلاف بات کرنے کا حق ہے۔ ② برائی کو روکنے کی غرض سے کسی سے مدد مانگتے ہوئے برائی بیان کی جا سکتی ہے۔ ③ فتویٰ طلب کرتے وقت مفتی کے سامنے کسی کا نقص و عیب بیان کیا جا سکتا ہے۔ ④ مسلمانوں کو کسی شخص کے شر سے بچانے کے لیے اس کی برائی بیان کرنا درست ہے۔ ⑤ جو شخص اعلانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرے اور اپنے جرم کو چھپانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرے اس کا جرم بیان کیا جا سکتا ہے۔ ⑥ جو (عیب دار) نام کسی کی پہچان بن چکا ہو اور اس کے بغیر اس کی معرفت ممکن نہ ہو مثلاً اندھا اور لنگڑا وغیرہ تو یہ الفاظ کسی کے پیچھے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

1502- وَ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ: لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ اَلتَّقْوَى هَاهُنَا ـ وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ـ بِحَسْبِ امْرِىءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، خریدنے کی نیت کے بغیر بولی لگا کر قیمت نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے قطع تعلقی نہ کرو، ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے اور آپ ﷺ تین مرتبہ اپنے سینے کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت۔'' [مسلم]

لغوی توضیح لَا تَنَاجَشُوْا بیع نجش نہ کرو۔ بیع نجش یہ ہے کہ سودا خریدنے کا ارادہ نہ ہو مگر مالک کے ساتھ خفیہ ساز باز کی بنا پر صرف قیمت بڑھانے کے لیے بولی لگائے، یہ حرام ہے۔ اس کا ذکر پیچھے حدیث نمبر 796 کے تحت گزر چکا ہے۔ لَا تَدَابَرُوْا ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، بے رخی اختیار نہ کرو، قطع تعلقی نہ کرو۔ لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو، یعنی اگر پہلے کسی مسلمان کا سودا طے ہو چکا ہو تو بائع کو جا کر یہ نہ کہو کہ تم مجھ سے زیادہ قیمت لے کر یہ چیز مجھے دے دو، ایسا کرنا حرام ہے، اس مسئلے کا بیان پیچھے حدیث نمبر 801 کے تحت گزر چکا ہے۔ لَا يَخْذُلُهُ وہ اس کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچتا، یعنی اگر مسلمان مظلوم ہے تو اسے ظالم سے نجات دلانے کے لیے کوشش کرتا ہے اور اگر ظالم ہے تو اس کے ظلم کو روک کر اس کی مدد کرتا ہے۔ لَا يَحْقِرُهُ اسے حقیر نہیں سمجھتا، کیونکہ مسلمان کو حقیر سمجھنا تکبر ہے اور تکبر ایمان کے منافی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''تکبر حق کے انکار اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔'' اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ''جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (٧٣) اَلتَّقْوَى هَاهُنَا تقویٰ یہاں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا محل دل ہے مگر اس کے اثرات سارے بدن پر نمایاں ہوتے ہیں۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ آدمی کو یہی گناہ کافی ہے، یعنی مسلمان کو حقیر جاننا۔

1502- [مسلم (٢٥٦٤) كتاب البر والصلة والآداب: باب تحريم ظلم المسلم، ابو داود (٤٨٨٢) ترمذى (١٩٢٧) مالك (٩٠٧/٢) احمد (٢٧٧/٢) بغوى (٣٥٤٩) بيهقى (٩٢/٦)]

(٧٣) [مسلم (٩١) كتاب الايمان: باب تحريم الكبر وبيانه]

1503- وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِي مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ وَالْأَدْوَاءِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَاللَّفْظُ لَهُ۔

حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے ''اے اللہ! مجھے برے اخلاق' برے اعمال' بری خواہشات اور بری بیماریوں سے بچالے۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ لفظ اسی کے ہیں۔]

لغوی توضیح جَنِّبْ فعل امر کا صیغہ ہے باب جَنَّبَ يُجَنِّبُ (بروزن تفعیل) سے اس کا معنی ہے ''بچانا''۔ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ برے اخلاق مثلاً تکبر' حسد' بخیلی اور کینہ وغیرہ جیسے وہ تمام برے اوصاف جو عادتاً یا شرعاً قبیح و مذموم ہوں۔ الْأَعْمَال برے اعمال' مراد وہ تمام کام ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں مثلاً قتل ناحق' چوری' زنا وغیرہ۔ الْأَهْوَاء هَوَى کی جمع ہے' بری خواہشات' یعنی ایسی خواہشات جن کے پیچھے لگنے سے دنیا و آخرت کی بربادی مقدر بن جائے۔ الْأَدْوَاء دَوَاء کی جمع ہے' بری بیماریاں' مراد ایسی بیماریاں ہیں جو قابل نفرت ہوں اور انسان کو دوسروں کے لیے ناپسندیدہ بنا دیں مثلاً برص' جزام' سرطان' طاعون اور فالج وغیرہ۔

فهم الحديث اس روایت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اشیاء سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے رہنا چاہیے۔

1504- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑو مت' اس سے مزاق نہ کرو اور ایسا وعدہ بھی نہ کرو پھر جس کی تم خلاف ورزی کرو۔'' [اسے ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح لَا تُمَارِ فعل نہی کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے' اس کا معنی ہے لڑائی جھگڑا مت کرو۔ ناجائز مراء کی حقیقت یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی کی گفتگو پر اعتراض کرنا اور اس کی خرابی نکالنا' مقصد اس سے یہ ہو کہ اسے ذلیل کیا جائے اور اس پر اپنی برتری کو ثابت کیا جائے۔ اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن اس طرح کا فضول جھگڑا آئندہ حدیث نمبر 1524 کی رو سے ناجائز ہے۔ لَا تُمَازِحْهُ بھی فعل نہی کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے' اس کا معنی ہے ''مذاق کرنا''۔ واضح رہے کہ اس مذاق سے مراد وہ مذاق ہے جس سے کسی مسلمان بھائی کی تحقیر و تذلیل مقصود ہو اور اس سے اس کی دل آزاری ہو' یہ حرام ہے۔ اس کے متعلق قرآن میں ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ [الحجرات: ١١] ''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو اور نہ ہی عورتیں عورتوں سے مذاق کریں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔'' البتہ ایسا مزاق جس سے کسی کی تذلیل نہیں بلکہ محض خوش طبعی مقصود ہو جائز ہے' رسول اللہ ﷺ بھی ایسا مذاق کیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں وعدہ خلافی کی مذمت اور ایفائے عہد کی ترغیب بھی دیگر صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ گزشتہ حدیث نمبر 1491 میں وعدہ خلافی کو منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں ہے کہ ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ [الاسراء: ٣٤] ''اور وعدہ پورا کرو یقیناً وعدے

1503- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (٣٥٩١) كتاب الدعوات: باب دعا أم سلمة' ابن حبان (٩٦٠) حاكم (٥٣٢/١) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1504- [ضعیف: ضعیف ترمذی' ترمذی (١٩٩٥) كتاب البر والصلة: باب ما جاء في المراء' بخاري في الأدب المفرد (٣٩٦) أبو نعيم في الحلية (٢٤٤/٣) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' ایک دوسری آیت میں ہے ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ [الصف : ۲] ''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔''

1505- وَ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ : الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دو خصلتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بخل اور بد خلقی۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔]

فهم الحديث اگرچہ مذکورہ روایت ضعیف ہے لیکن بخیلی اور برے اخلاق کی مذمت صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ بخیلی کی قباحت کا بیان تو تفصیلاً گزشتہ حدیث نمبر 1489 کے تحت گزر چکا ہے اور برے اخلاق کی مذمت اور اچھے اخلاق کی ترغیب میں بھی صحیح احادیث کچھ پیچھے گزری ہیں اور کچھ آئندہ آ رہی ہیں' جن سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ برے اخلاق کسی بھی مومن کو زیب نہیں دیتے بلکہ وہ صرف کفار کے لیے ہی ہیں۔

1506- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيءِ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی جو کچھ کہیں (اس کا گناہ) پہل کرنے والے پر ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔'' [مسلم]

لغوی توضیح الْمُسْتَبَّانِ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب اِسْتَبَّ يَسْتَبُّ (بروزن افتعال) سے' اس کا معنی ہے ''ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنا''۔ فَعَلَى الْبَادِيءِ اس پر جس نے ابتدا کی' یعنی جو گالی دینے میں پہل کرے گا سارا گناہ اسی پر ہوگا۔ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے' یعنی جسے پہلے گالی دی گئی ہے اگر وہ جواب میں اس سے بھی زیادہ گالی گلوچ کرے اور اذیت پہنچائے تو وہ گنہگار ہوگا اور اگر وہ اتنی ہی زیادتی کرے جتنی اس کے ساتھ کی گئی ہے تو یہ جائز ہے' البتہ اگر اتنی بھی زیادتی نہ کرے اور معاف ہی کر دے تو یہ بہر حال افضل ہے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ ﴾ [البقرة : ۱۹۴] ''جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کی مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے۔'' ایک دوسرے مقام پر ہے کہ ﴿ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ أَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ﴾ [الشورى : ۴۰] ''اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔'' اسی طرح ایک اور آیت میں ہے کہ ﴿ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ ﴾ [النحل : ۱۲۶] ''اور اگر تم صبر کرو تو یہی بہتر ہے۔'' ایک صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی کے ساتھ کوئی دوسرا شخص زیادتی کرے یا گالی گلوچ کرے اور وہ خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اس کی طرف سے جواب دیتا ہے۔(۷۴)

1505- [ضعیف : ضعیف ترمذی' ترمذی (۱۹۶۲) كتاب البر والصلة : باب ما جاء في البخيل' بخاری فی الأدب المفرد (۲۸۳) أبو يعلى (۱۳۲۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن لغیرہ اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

1506- [مسلم (۲۵۸۷) كتاب البر والصلة والآداب : باب النهي عن السباب' بخاری فی الأدب المفرد (۴۲۴) ابو داود (۴۸۹۴) ترمذی (۱۹۸۱) احمد (۲۳۵/۲) ابن حبان (۵۷۲۸)]

(۷۴) [حسن : صحیح ابو داود (۴۸۹۷) مسند احمد (۴۳۶/۲)]

1507- وَ عَنْ أَبِي صِرْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ ضَارَّ مُسْلِمًا ضَارَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ شَاقَّ مُسْلِمًا شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ۔

حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس نے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی اللہ تعالیٰ اسے تکلیف پہنچائے گا اور جس نے کسی مسلمان کو مشقت میں ڈالا اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈالے گا۔" [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔]

لغوی توضیح ضَارَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے' اس کا معنی ہے "قصداً کسی کو تکلیف پہنچانا"۔ شَاقَّ بھی باب مفاعلہ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے "مقابلے میں مخالفت کرنا' دشمنی رکھنا اور مشقت میں مبتلا کرنا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کو (ناحق) تکلیف دینا یا کسی بھی ذریعے سے مشقت میں مبتلا کرنا جائز نہیں' خواہ ایذا رسانی کرنے والا کوئی عام مسلمان ہو یا حاکم وسربراہ۔ اس کی مؤید وہ روایت بھی ہے جس میں ہے کہ ﴿ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ ﴾ "نہ ابتداء میں تکلیف پہنچاؤ اور نہ ہی مقابلے میں تکلیف پہنچاؤ۔"(٧٥)

1508- وَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ صَحَّحَهُ۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو انسان سے نفرت کرتا ہے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔]

1509- وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ـ رَفَعَهُ: ((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ)) وَحَسَّنَهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَرَجَّحَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَقْفَهُ۔

اور ترمذی میں ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "مومن بہت زیادہ طعن کرنے والا' بہت زیادہ لعنت ملامت کرنے والا اور فحش گوئی کرنے والا اور بدزبان نہیں ہوتا۔" [ترمذی نے اسے حسن جبکہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور دارقطنی نے اس کے موقوف ہونے کو ہی ترجیح دی ہے۔]

لغوی توضیح يُبْغِضُ فعل مضارع کا صیغہ ہے باب أَبْغَضَ يُبْغِضُ (بروزن افعال) سے' اس کا معنی ہے "بغض رکھنا' نفرت کرنا وغیرہ"۔ الْفَاحِش بیہودہ گوئی کرنے والا یعنی گالیاں بکنے والا اور گندی باتیں کرنے والا۔ الْبَذِيء بدزبان' یعنی بری گفتگو کرنے والا۔ الطَّعَّان بہت زیادہ طعن کرنے والا' یعنی لوگوں کے نسبوں اور عزتوں میں طعن کرنے والا اور ان کے اقوال وافعال میں عیب لگانے والا۔ اللَّعَّان بہت زیادہ لعنت ملامت کرنے والا' مراد ایسا شخص ہے جو بات بات

1507- [حسن: صحیح ابو داود' ابو داود (٣٦٣٥) كتاب الأقضية: باب من القضاء' ترمذی (١٩٤٠) ابن ماجه (٢٣٤٢) احمد (٤٥٣/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

1508- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (٢٠٠٢) كتاب البر والصلة: باب ما جاء في حسن الخلق' بخاری في الأدب المفرد (٤٦٤) ابن حبان (١٩٢٠) احمد (٤٥١/٦) بيهقی (١٩٣/١٠) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔]

1509- [صحیح: صحیح ترمذی' ترمذی (١٩٧٧) كتاب البر والصلة: باب ما جاء في اللعنة' بخاری في الأدب المفرد (٣١٣-٣٣٣) احمد (٤١٦/١) ابن حبان (١٩٢) حاكم (١٢/١) بيهقی (٢٤٣/١٠) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(٧٥) [صحیح: ارواء الغليل (١٢٥٠) صحيح الجامع الصغير (٧٥١٧) ابن ماجه (٢٣٤٠)]

پر لعنت ملامت کرے اور گالیاں بکے خواہ اس کا کوئی سبب ہو یا نہ۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مومن کے لائق نہیں کہ وہ بدزبان، بہت زیادہ لعن طعن کرنے والا اور گالی گلوچ کرنے والا ہو کیونکہ ایک کامل مومن کا ایمان اسے ان تمام بری صفات سے بچائے رکھتا ہے۔ البتہ یہ ان لوگوں کی صفات ضرور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور منافق قسم کے لوگ ہیں۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَلَا تَلْمِزُوْا أَنْفُسَكُمْ ﴾ [الحجرات : ۱۱] ''ایک دوسرے پر عیب مت لگاؤ۔'' لعنت کی مذمت میں ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ ﴿ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ ﴾ ''جو کسی مومن پر لعنت کرے تو وہ اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔''(۷٦)

1510- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مردوں کو گالی مت دو کیونکہ وہ اس تک پہنچ چکے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا۔'' [بخاری]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کو گالی گلوچ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے اس کے لواحقین کو تکلیف پہنچتی ہے جس باعث لڑائی جھگڑے کا بھی خدشہ ہے۔ البتہ زندہ کافروں کو ذلیل ورسوا کرنے کی غرض سے انہیں گالی دینا جائز ہے جیسا کہ حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ''جاؤ لات کی شرمگاہ چوسو' کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کر لیں گے۔''(۷۷) مزید اس حدیث کی وضاحت کے لیے گزشتہ حدیث نمبر 593 ملاحظہ فرمائیے۔

1511- وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح قَتَّات باب قَتَّ يَقُتُّ (بروزن نصر) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد نَمَّام یعنی چغل خور ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے۔(۷۸) چغل خور اسے کہتے ہیں جو فساد اور لڑائی جھگڑے کی غرض سے لوگوں کی باتیں دوسروں تک پہنچائے۔ بعض نے ان دونوں میں کچھ فرق بھی کیا ہے کہ نمام وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ گفتگو میں شریک ہو اور بعد ازاں ان کی چغلی کرے اور قتات وہ ہے جو چھپ کر لوگوں کی باتیں سنے اور پھر ان کی چغلی کرے بہر حال یہ دونوں فعل ہی مذموم ہیں۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چغل خوری حرام ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ ﴾ [ن : ۱۱] ''بہت زیادہ ملامت کرنے والا اور بہت زیادہ چغلی کرنے والا۔'' ایک دوسری آیت سے بھی چغلی کی قباحت کی طرف اشارہ ملتا ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَ إِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ [الأحزاب : ۵۸] ''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیں بغیر کسی

1510- [بخاری (۱۳۹۳) کتاب الجنائز : باب ما ینهی عن سب الأموات ' نسائی (۵۳/٤) احمد (۱۸۰/٦) ابن حبان (۳۰۲۱) دارمی (۲۵۱۱) بیهقی (۷۵/٤)]

1511- [بخاری (٦۰۵٦) کتاب الأدب : باب ما یکره من النمیمة ' الأدب المفرد (۳۲۳) مسلم (۱۰۵) ابو داود (٤۸۷۱) ترمذی (۲۰۲٦) احمد (۳۸۲/۵) بیهقی (۲٤۷/۱۰)]

(۷٦) [بخاری (٦۰٤۷) کتاب الأدب : باب ما ینهی من السباب و اللعن]

(۷۷) [بخاری : کتاب الشروط : باب الشروط فی الجهاد] (۷۸) [نقله المنذری فی الترغیب (تحت الحدیث / ٤۱۵۰)]

جرم کے جوان سے سرزد ہوا ہو' وہ بڑے ہی بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔'' ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ دو قبروں کے قریب سے گزرے تو فرمایا کہ انہیں عذاب دیا جارہا ہے اور ان میں سے ایک کو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کیونکہ وہ چغل خور تھا۔(۷۹) امام منذریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ چغلی حرام اور اللہ کے ہاں کبیرہ گناہ ہے۔(۸۰) واضح رہے کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ چغل خور ابتدائی طور پر جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ بعد میں اپنے گناہ کی سزا پا کر بالآخر جنت میں داخل ہو جائے گا اور دوسرے ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کا بھی یہی حال ہے (سوائے شرک کے)۔

1512- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ)) أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اپنے غصے کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔'' [طبرانی اوسط]

1513- وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ ابْنِ أَبِي الدُّنْيَا۔

اور اس کا ایک شاہد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جسے ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔

فهم الحديث اس حدیث میں غصہ پی جانے کی ترغیب ہے۔ مزید غصہ پی جانے کی فضیلت' اہمیت اور غصہ پر قابو پانے کا مسنون طریقہ کار گزشتہ حدیث نمبر 1487 کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

1514- وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا سَيِّءُ الْمَلَكَةِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَفَرَّقَهُ حَدِيثَيْنِ' وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دھوکہ باز' بخیل اور بداخلاق جنت میں داخل نہیں ہوگا'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور الگ الگ دو احادیث کی صورت میں بیان کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔]

لغوی توضیح خَبٌّ دھوکہ باز' سَيِّءُ الْمَلَكَةِ بدخلق اور بدعادت' اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اپنے غلاموں' نوکروں اور ماتحتوں سے بدسلوکی کرنے والا۔ اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن ان افعال کی مذمت دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

1515- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ تَسَمَّعَ حَدِيثَ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ' صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) يَعْنِي: الرَّصَاصَ۔ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو لوگوں کی بات سننے کی کوشش کرے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا'' آنک سے مراد سیسہ ہے۔ [بخاری]

1512- [حسن: السلسلة الصحيحة (۲۳٦۰) أبو يعلى (٤۳۳۸) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

1513- [ابن أبي الدنيا (۲۱)]

1514- [ضعيف: ضعيف ترمذي' ترمذي (۱۹٤٦-۱۹٦۳) كتاب البر والصلة: باب ما جاء في الإحسان إلى الخدم' احمد (۷-٤/۱) ابن ماجه (۳٦۹۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1515- [بخاري (۷۰٤۲) كتاب التعبير: باب من كذب في حلمه' ابو داود (۵۰۲٤) ترمذي (۱۷۵۱) احمد (۲٤٦/۱) دارمي (۲۷۰۸) ابن حبان (۵٦۸٦) الأدب المفرد (۱۱۷۲)]

(۷۹) [بخاري (۲۱۸) مسلم (۲۹۲)] (۸۰) [كما في توضيح الأحكام (٤۵۲/۷)]

لغوی توضیح تَسَمَّعَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَسَمَّعَ يَتَسَمَّعُ (بروزن تفعّل) سے ''کسی کی بات سننے کی کوشش کرنا''۔ صُبَّ ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب صَبَّ يَصُبُّ (بروزن نصر) سے اس کا معنی ہے ''اُنڈیلنا' ڈالنا''۔ الآنُكُ سیسہ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خفیہ طور پر کوشش کر کے کسی کی باہمی بات چیت سننا' جسے سننا وہ ناپسند کرتے ہوں' حرام ہے کیونکہ ایسی سخت وعید کسی حرام کام پر ہی ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے کان میں کسی کی پوشیدہ بات از خود پڑ جائے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں کیونکہ حدیث میں تکلف سے باتیں سننے والے پر وعید کا ذکر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے کہ سعید مقبریؒ بھی ان کے قریب کھڑے ہو گئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں دھکا دیا اور فرمایا جب دو آدمی الگ ہو کر باتیں کر رہے ہوں تو ان کی باتیں مت سنو' یہ جائز نہیں۔ (۸۱) علاوہ ازیں اس سے اہل علم نے یہ بھی اخذ کیا ہے کہ جب دو باتیں کرنے والوں کی خفیہ باتیں سننا اس قدر شدید ہے تو بلند جگہوں سے دوسروں کے گھروں میں جھانکنا اور ان کی پردے کی چیزیں دیکھنا' جسے دیکھنا وہ ناپسند کرتے ہیں' کس قدر عظیم گناہ ہے۔

1516- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((طُوْبَى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوْبِ النَّاسِ)) أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کے لیے طوبیٰ ہے جسے اس کا اپنا عیب لوگوں کے عیب تلاش کرنے سے روکے رکھے۔'' [اسے بزار نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح طُوْبَى طِيْبٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ''مبارکباد' خوشخبری اور پاکیزہ زندگی وغیرہ'' کیا گیا ہے۔ البتہ ایک روایت میں ہے کہ ﴿ طُوْبَى شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ ﴾ ''طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔'' (۸۲)

فہم الحدیث اس روایت میں ایسے شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو ہر وقت اپنے ہی عیب تلاش کرنے کی جستجو میں ہے کہ اسے دوسروں کے عیب تلاش کرنے کی فرصت ہی نہیں اور اگر کسی کا کوئی عیب نظر آ بھی جائے تو وہ اس پر پردہ پوشی ڈال دیتا ہے اور اسے لوگوں میں پھیلاتا نہیں۔

1517- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ تَعَاظَمَ فِيْ نَفْسِهِ، وَاخْتَالَ فِيْ مِشْيَتِهِ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ)) أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور اکڑ کر چلے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہو گا۔'' [اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

لغوی توضیح تَعَاظَمَ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب تَعَاظَمَ يَتَعَاظَمُ (بروزن تفاعل) سے اس کا معنی ہے ''اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا اور تعظیم کا مستحق سمجھنا''۔ اخْتَالَ بھی فعل ماضی کا صیغہ ہے باب اخْتَالَ يَخْتَالُ (بروزن افتعال) سے'

1516- [ضعيف جدا : ضعيف الجامع الصغير (٣٦٤٤) بزار في كشف الأستار (١٦٧٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1517- [بخاري في الأدب المفرد (٥٤٩) احمد (١١٨/٢) حاكم (٦٠/١) صحيح الجامع الصغير (٦١٥٧) السلسلة الصحيحة (٥٤٣) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۸۱) [مسند احمد (۵۹۴۹۔ بتحقیق احمد شاکر)]

(۸۲) [حسن : صحيح الجامع الصغير (٣٩١٨) رواه احمد وابن حبان]

اس کا معنی ہے ''اکڑ کر چلنا' تکبرانہ انداز اپنانا''۔ فرمانِ نبوی کے مطابق تکبر کا مفہوم یہ ہے ﴿ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ ﴾ ''حق کا انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام تکبر ہے۔'' (۸۳)

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فخر و تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ واضح رہے کہ تکبر دو طرح کا ہوتا ہے ایک اپنے آپ کو دل میں برا جاننا اور دوسرا ظاہری طور پر اکڑے رہنا' اپنی چال ڈھال اور گفتگو وغیرہ کے ذریعے بڑا پن ظاہر کرتے رہنا۔ یہ دونوں قسمیں ہی مذکورہ حدیث میں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہیں۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴾ [الاسراء : ۳۷] ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔'' ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ﴾ [القصص : ۸۳] ''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔'' شیطان نے بھی تکبر کی وجہ سے ہی آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا اور پھر کافروں میں سے قرار پایا تھا۔ (۸٤) قارون کو بھی اللہ تعالیٰ نے تکبر کی وجہ سے ہی اس کے تمام خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا۔ (۸۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کو جہنمیوں کی صفت قرار دیا ہے۔ (۸٦) یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (۸۷) ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی تکبرانہ چال چل رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔ (۸۸) اسی طرح ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''عزت میرا ازار اور تہبند میری چادر ہے اور جو ان میں سے کوئی بھی مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے عذاب دوں گا۔'' (۸۹)

1518- وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((الْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ : حَسَنٌ ۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

فهم الحديث اگرچہ اس روایت میں ضعف ہے لیکن دیگر اُن تمام روایات' جن میں حلم و بردباری اور ہر کام میں ٹھہراؤ اپنانے کی تلقین ہے' سے اس کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا تھا ''تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرتے ہیں۔ بردباری اور سوچ سمجھ کر کام کرنا۔'' (۹۰) واضح رہے کہ جو معاملات غور و فکر کے محتاج ہیں ان میں واجب ہے کہ مکمل غور و فکر اور سوچ سمجھ کر کوئی اقدام اٹھایا جائے تاکہ نفع مند نتائج حاصل کیے جا سکیں' انہی امور کے متعلق اللہ تعالیٰ نے باہم مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۹۱)

1518- [**ضعيف** : ضعيف ترمذی' ترمذی (۲۰۱۲) كتاب البر والصلة : باب ما جاء في التأني والعجلة' شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۸۳) [مسلم (۹۱) كتاب الايمان : باب تحريم الكبر وبيانه]
(۸٤) [البقرة : ۳٤]
(۸۵) [القصص : ۷٦]
(۸٦) [بخاری (٤۹۱۸) مسلم (۲۸۵۲)]
(۸۷) [مسلم (۹۱)]
(۸۸) [بخاری (۵۷۸۹) مسلم (۲۰۸۸)]
(۸۹) [مسلم (۲٦۲۰)]
(۹۰) [مسلم (۱۷) كتاب الايمان : باب الأمر بالايمان بالله تعالى ورسوله]
(۹۱) [الشوری : ۳۸]' [آل عمران : ۱۵۹]

لیکن جو معاملات بالکل واضح ہیں مثلاً نیکیوں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سے بچنا وغیرہ ' ایسے اُمور میں بلا وجہ سوچ میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ فوراً ان پر عمل کرنا چاہیے۔

1519- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الشُّؤْمُ سُوْءُ الْخُلُقِ)) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نحوست بد خلقی (کی وجہ سے) ہے۔" [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔]

لغوی توضیح الشُّؤْمُ نحوست ' یہ برکت کی ضد ہے یعنی بے برکتی۔

فهم الحديث اس روایت میں برے اخلاق کو بے برکتی کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ اگر کوئی انسان برے اوصاف وخصائل اپنا لے گا تو اس کے ہر کام سے برکت اٹھ جائے گی اور معاشرہ اس کے لیے اور وہ خود معاشرے کے لیے ایک بوجھ اور مصیبت بن کر رہ جائے گا ' لوگ اس سے نفرت کریں گے اور وہ لوگوں سے۔ اس لیے اگر کوئی چاہتا ہے کہ اسے زندگی میں سکون اور برکت نصیب ہو تو وہ اچھے اوصاف وشمائل اپنائے۔ ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔"(۹۲)

1520- وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یقیناً بہت زیادہ لعنت کرنے والے روزِ قیامت نہ تو شفاعت کرنے والے ہوں گے اور نہ ہی گواہی دینے والے۔" [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے بہت زیادہ لعن طعن کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کی نہ تو سفارش قابل قبول ہے اور نہ ہی گواہی۔ اہل علم نے گواہی کا تعلق دنیا وآخرت دونوں کے لیے بتایا ہے یعنی دنیا میں بھی ایسے لوگوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ گواہی کے لیے عدالت و دیانت یعنی تقویٰ و پرہیز گاری کی شرط ہے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَ أَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ [الطلاق : ۲] "اور اپنوں میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالو۔" اور یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں کہ بہت زیادہ لعن طعن اور گالی گلوچ کرنے والا فاسق اور ناپسندیدہ شخص ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو یہ شرف نہ تو دنیا میں دیا جائے گا اور نہ ہی آخرت میں۔

1521- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ ' لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ وَسَنَدُهُ مُنْقَطِعٌ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ کا عار دلائے گا تو خود وہ کام کر کے مرے گا۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے اور اس کی سند منقطع ہے۔]

1519- [**ضعیف** : ضعیف الجامع الصغیر (٣٤٢٦) السلسلة الضعيفة (٧٩٣) احمد (٨٥/٦) مجمع الزوائد (٢٥/٨) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1520- [مسلم (٢٥٩٨) كتاب البر والصلة والآداب : باب النهي عن لعن الدواب وغيرها ' بخاری فی الأدب المفرد (٣١٧) ابو داود (٤٩٠٧) احمد (٤٤٨/٦) بیہقی (١٩٣/١٠)]

1521- [**موضوع** : ضعیف ترمذی ' ترمذی (٢٥٠٥) كتاب صفة القيامة والرقائق والورع]

(۹۲) [بخاری (٦٠٣٥) مسلم (٢٣٢١)]

لغوی توضیح عَيَّرَ أَخَاهُ باب عَيَّرَ يُعَيِّرُ (بروزن تفعیل) سے فعل ماضی کا صیغہ ہے' اپنے بھائی کو (ذلیل ورسوا کرنے کی غرض سے اسے) عار دلائی۔

فہم الحدیث یہ بات تو واضح ہے کہ کسی مسلمان کو اس کی برائی یاد دلا کر مطعون کرنا اور اس کی عزت اُچھالنے کی کوشش کرنا ایک نہایت مذموم فعل ہے لیکن یہ بات کہ جو ایسا کرے گا وہ خود بھی اس برائی کا ارتکاب کر کے ہی مرے گا' رسول اللہ ﷺ پر افتراء و کذب بیانی کی ہی ایک مثال ہے' اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

1522- وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ: ((وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ ثُمَّ وَيْلٌ لَهُ)) أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ۔

حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو جھوٹی باتیں سنا کر لوگوں کو خوش کرتا ہے' ہلاکت ہے اس کے لیے پھر ہلاکت ہے اس کے لیے۔'' [اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔]

لغوی توضیح وَيْلٌ ہلاکت و بربادی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

فہم الحدیث قرآن وسنت کے بیشتر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ کبیرہ گناہ اور حرام ہے۔ لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محض لوگوں کو ہنسانے اور خوش طبعی کے لیے بھی جھوٹ کا سہارا لینا جائز نہیں بلکہ ایسا کرنا ہلاکت و بربادی کا موجب ہے۔ اس لیے دوسروں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹے قصے' کہانیاں اور افسانے وغیرہ سنانے سے خود بھی گریز کرنا چاہیے اور دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہیے اور اگر انسان کسی ایسی مجلس میں ہو تو اسے وہ مجلس چھوڑ دینی چاہیے۔

1523- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((كَفَّارَةُ مَنِ اغْتَبْتَهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ)) رَوَاهُ الْحَارِثُ ابْنُ أَبِي أُسَامَةَ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تو نے جس کی غیبت کی اس کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کے لیے استغفار کرے۔'' [اسے حارث بن ابی اسامہ نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان نے جس کی غیبت کی ہے اگر اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو یہ اس کا کفارہ ہے' اس کے پاس جا کر معافی مانگنے کی ضرورت نہیں لیکن یہ روایت ثابت نہیں' البتہ وہ روایت ثابت ہے کہ جس نے کسی مسلمان پر ظلم و زیادتی کی ہو وہ قیامت سے پہلے ہی اسے معاف کرا لے۔ (۹۳) اس حدیث کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کی غیبت کی ہو اس سے جا کر معافی مانگنی چاہیے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی توبہ کرے اور جن لوگوں میں اپنے اس بھائی کی غیبت کی تھی وہاں جا کر اس کی تعریف بھی کرے۔

1522- [حسن: صحيح ابو داود' ابو داود (٤٩٩٠) كتاب الأدب: باب في التشديد في الكذب' ترمذی (٢٣١٥) احمد (٢/٥-٣) دارمی (٢٧٠٢) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1523- [ضعيف: ابن أبي الدنيا في كتاب الصمت (٢٩١) ابن عدی فی الکامل (٢٤٧/٣) المقاصد الحسنة (٨٠٤) ابن الجوزی فی الموضوعات (١١٨/٣) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

(۹۳) [بخاری (٦٥٣٤)]

1524- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض (قابل نفرت) شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔'' [مسلم]

لغوی توضیح اَلْأَلَدُّ سخت جھگڑالو۔ اَلْخَصِمُ بھی جھگڑالو کے معنی میں ہے البتہ اس کا معنی مدمقابل اور مخالف بھی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معاملات میں شدت اختیار کرنا اور لڑائی جھگڑے میں انتہائی سخت رویہ اپنانا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ ناپسند ہے۔ واضح رہے کہ یہاں مراد ایسا شخص ہے جو ناحق لڑائی جھگڑا کرتا ہے کیونکہ اپنے حق کے حصول اور غلبہ اسلام کے لیے جھگڑا کرنا قابل مذمت نہیں بلکہ بالاتفاق قابل تعریف ہے۔

باب الترغيب من مكارم الأخلاق — اچھے اخلاق کی ترغیب کا بیان

1525- عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور گناہ آتش جہنم کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ کے ہاں بھی کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح مَكَارِمُ جمع ہے مَكْرَمَة کی' مراد ہے معزز و مشرف کام۔ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ سچ کو لازم پکڑلو اور سچ یہ ہے کہ واقع کے مطابق خبر دینا یا عمل کرنا۔ اَلْبِرّ میں ہر قسم کی نیکی شامل ہے خواہ وہ عقیدے سے متعلقہ ہو یا اعمال سے۔ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے یعنی انتہائی جدوجہد کرتا ہے کہ ہمیشہ سچ بولے۔ صِدِّيْق انتہائی سچا انسان' بہت زیادہ سچ بولنے والا۔ اَلْفُجُوْر میں ہر قسم کی برائی و گناہ شامل ہے۔ كَذَّابًا انتہائی زیادہ جھوٹا شخص۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ سچ جنت میں اور جھوٹ جہنم میں لے جانے کا ذریعہ ہے اور یہ وصف کسبی ہے یعنی مسلسل محنت و کوشش سے انسان اسے حاصل کر سکتا ہے۔

1524- [بخاری (٢٤٥٧_٢٥٢٣_٤٥٢٣) كتاب المظالم والغصب : باب قول الله تعالى وهو ألد الخصم' مسلم (٢٦٦٨) ترمذی (٢٩٧٦) نسائی (٢٤٧/٨) احمد (٥٥/٦) ابن حبان (٥٦٩٧) بيهقی (١٠٨/١٠)]

1525- [بخاری (٦٠٩٤) كتاب الأدب : باب قول الله تعالى يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين' مسلم (٢٦٠٧) ابو داود (٤٩٨٩) ترمذی (١٩٧١) احمد (٣٨٤/١) ابن حبان (٢٧٣) بيهقی (٢٤٣/١٠)]

1526- وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔" [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے متعلق برے گمان سے بچنا چاہیے۔ یہ حدیث اور اس کی شرح پیچھے 1494 نمبر پر گزر چکی ہے۔

1527- وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ)) فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا نَتَحَدَّثُ فِيْهَا، قَالَ: ((فَأَمَّا إِذَا أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهُ)) قَالُوْا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: ((غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔" صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ہماری مجلسوں کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں کیونکہ ہم ان میں بات چیت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم نہیں مانتے تو راستے کا حق ادا کرو۔" صحابہ نے عرض کیا، اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نظر نیچی رکھنا، تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح الطُّرُقَات طُرُق کی جمع ہے اور طُرُق طَرِيْق کی جمع ہے، اس کا معنی ہے "راستے"۔ أَبَيْتُمْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب أَبٰى يَأْبٰى سے، اس کا معنی ہے "انکار کرنا"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گلی کوچوں اور لوگوں کی گزرگاہوں پر بیٹھے رہنا اور فضول قسم کی گفتگو کرتے رہنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے ایک طرف جہاں راستہ تنگ ہو جائے گا وہاں دوسری طرف عورتوں کے لیے حیاء یا جھجک کی وجہ سے گزرنا بھی مشکل ہو جائے گا حالانکہ راستے کا یہ حق ہے کہ کسی کو تکلیف نہ دی جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے لیے راستے میں بیٹھنا لابدی ہو اور اس کے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ راستے کے حقوق ادا کرے، اگر وہ یہ حقوق ادا کر سکتا ہے تو راستے میں بیٹھے ورنہ نہ بیٹھے۔ وہ حقوق یہ ہیں: اپنی نگاہیں نیچی رکھے (یعنی اجنبی عورتوں کو گھورنا تو دور کی بات انہیں دیکھے بھی مت)، کسی کو تکلیف نہ دے (نہ قول کے ساتھ اور نہ ہی فعل کے ساتھ)، سلام کا جواب دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ بعض روایات میں مزید ان حقوق کا بھی تذکرہ ہے کہ مسافر کو راستہ بتائے، مظلوم کی مدد کرے، جو چھینک مارے اور پھر الحمد لله کہے اسے جواب میں يرحمك الله کہے اور بوجھ اٹھانے میں دوسروں کی مدد کرے۔

1528- وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1526- [بخاری (٥١٤٣) كتاب النكاح: باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أو يدع، الأدب المفرد (٤١٢) مسلم (٢٥٦٣) ابو داود (٤٨٨٢) ترمذي (١٩٨٨) مالك (٩٠٧/٢) احمد (٣١٢/٢) ابن حبان (٥٦٨٧) بغوى (٣٥٣٣)]

1527- [بخاری (٦٢٢٩) كتاب الاستئذان: باب قول الله تعالى يأيها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا، الأدب المفرد (١١٥٣) مسلم (٢١٢١) ابو داود (٤٨١٥) احمد (٣٦/٣) ابن حبان (٥٩٥)]

1528- [بخاری (٧١-٣١١٦) كتاب العلم: باب من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين، مسلم (١٠٣٧) ابن ماجه (٢٢١) احمد (٩٢/٤-٩٣) مالك (٩٠٠/٢) دارمى (٢٢٤) ابن حبان (٨٩)]

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ فرما لیتے ہیں اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کی سمجھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی کے ارادے کی علامت ہے' یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے اس کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں اور جسے یہ سمجھ عطا نہیں فرمائی اس کے ساتھ بھلائی نہیں چاہتے۔ واضح رہے کہ تفقہ فی الدین سے مراد مکمل شریعت اسلامیہ کا علم ہے خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات و معاملات سے اور فقہ کی جو یہ تعریف کی جاتی ہے کہ ((اَلْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ الْمُكْتَسَبَةِ مِنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ)) ''شریعت کے عملی مسائل کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننا'' یہ محض فقہاء کی اپنی ایک جدید اصطلاح ہے اس کا شرع سے کوئی تعلق نہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دینی علم کا نفع مرنے کے بعد بھی انسان کو حاصل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین کے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''مرنے والا ایسا علم چھوڑ جائے جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔''(٩٤) جیسے کوئی شرعی مسائل و احکام پر مشتمل کتاب تصنیف کر جائے یا لوگوں کو دین پڑھا جائے اور بعد میں وہ لوگ اسے آگے پھیلانے کے لیے کوشاں ہوں تو اس پہلے شخص کو مرنے کے بعد بھی اس کا اجر ملتا رہے گا۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ خود بھی دین سیکھنے کی کوشش کرے اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی سکھائے۔

1529- وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ)) أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں۔'' [اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ روزِ قیامت ترازو قائم کیا جائے گا جس میں اعمال تولے جائیں گے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سب سے زیادہ وزن اچھے اخلاق کا ہوگا۔ اس سے اچھے اخلاق کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''سب سے کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔''(٩٥) اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ ''بلاشبہ بندہ اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ دار اور تہجد گزار کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔''(٩٦)

1530- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

1529- [**صحیح** : صحیح ابو داود' ابو داود (٤٧٩٩) کتاب الأدب : باب فی حسن الخلق' بخاری فی الأدب المفرد (٢٧١) ترمذی (٢٠٠٢) احمد (٤٤٢/٦٠) ابن حبان (١٩٢٠-١٩٢١) بزار (١٩٧٥) بغوی (٣٤٩٦) شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1530- [بخاری (٢٤-٦١١٨) کتاب الإیمان : باب الحیاء من الإیمان' الأدب المفرد (٦٠٢) مسلم (٣٦) ابو داود (٤٧٩٥) ترمذی (٢٦١٥) نسائی (١٢١/٨) ابن ماجه (٥٨) احمد (٩/٢-٥٦) مالك (٩٠٥/٢) ابن حبان (٥٩٩)]

(٩٤) [مسلم (١٦٣١) الأدب المفرد (٣٨) أبو داود (٢٨٨٠) نسائی (١٢٩/٢) مشکل الآثار (٨٥/١) بیهقی (٢٧٨/٦) أحمد (٣٧٢/٢) ابن حبان (٣٠١٦) بغوی (١٣٩) نسائی فی السنن الکبری (٦٤٧٨/٤)]

(٩٥) [**حسن صحیح** : صحیح ترمذی' ترمذی (١١٦٢) کتاب الرضاع : باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجها]

(٩٦) [**صحیح** : صحیح ابوداود' ابوداود (٤٧٩٨) کتاب الأدب : باب فی حسن الخلق]

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"حیاء ایمان کا حصہ ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْحَيَاءُ سے مراد ہے کسی کام سے اس لیے رک جانا کہ اسے کرنے سے عیب لگنے کا خدشہ ہو اور اصطلاحاً حیاء کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایسا وصف جو انسان کو برائی سے اجتناب پر ابھارے اور کسی حقدار کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکے۔

فہم الحدیث یہ حدیث مکمل یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری آدمی کے پاس سے گزرے وہ اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا (کہ حیاء کی وجہ سے کیوں اپنا نقصان کر رہے ہو' اتنی بھی حیاء اچھی نہیں وغیرہ) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو' حیاء تو ایمان کا حصہ ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے' کیونکہ حیاء انسان کو گناہوں کے ارتکاب اور واجبات ترک کرنے سے روکتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ "حیاء صرف خیر ہی لاتی ہے۔"(۹۷) ایک دوسری روایت میں ہے کہ "حیاء ساری کی ساری خیر ہی ہے۔"(۹۸) رسول اللہ ﷺ کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ آپ مخصوص حجرے میں موجود کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔"(۹۹) واضح رہے کہ جو حیاء قابل تعریف ہے وہ ایسی حیاء ہے جو معاصی سے روکے' لیکن جو حیاء نیکیوں اور واجبات پر عمل سے ہی روک دے مثلاً اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے یا اہل علم سے شرعی مسائل واحکام دریافت کرنے سے شرم محسوس ہو تو یہ حیاء قابل مذمت ہے قابل تعریف نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ بہترین عورتیں انصار کی عورتیں ہیں کیونکہ انہیں دین کے مسائل سیکھنے سے حیاء نہیں روکتی۔(۱۰۰)

1531- وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُوْلَى : إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" بلاشبہ لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے جو کچھ پایا ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ جب تو حیاء نہ کرے تو جو چاہے کر۔" [بخاری]

لغوی توضیح النُّبُوَّةِ الْأُوْلَى پہلی نبوت کے کلام سے مراد وہ حکم ہے جس پر گزشتہ تمام انبیاء کا اتفاق رہا ہے اور وہ پہلی شریعتوں کے دیگر احکام کی طرح منسوخ نہیں ہوا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیاء کے متعلق یہ بات پہلی امتوں میں بھی مسلم رہی ہے کہ جب حیاء نہ رہے تو پھر انسان جو چاہے کرتا پھرے۔ یعنی حیاء ہی وہ چیز ہے جو انسان کو گناہوں سے روکے رکھتی ہے اگر انسان سے حیاء ہی ختم ہو جائے تو پھر اس کے پاس برائیوں سے روکنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

1532- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1531- [بخاری (۳٤۸٤) كتاب أحاديث الأنبياء : باب حديث الغار ' الأدب المفرد (۵۹۷-۱۳۲۲) ابو داود (٤۷۹۷) ابن ماجه (٤۱۸۳) احمد (۲۷۳/۵)]

1532- [مسلم (۲٦٦٤) كتاب القدر : باب في الأمر بالقوة وترك العجز والاستعانة بالله ' ابن ماجه (۷۹-٤۱٦۸) احمد (۳٦٦/۲) ابن حبان (۵۷۲۱)]

(۹۷) [بخاری (٦۱۱۷) مسلم (۳۷)]
(۹۸) [بخاری (۵۷٦٦) مسلم (۳۷)]
(۹۹) [بخاری (۳۵٦۲) مسلم (۲۳۲۰)]
(۱۰۰) [حسن : صحيح ابن ماجه ' ابن ماجه (٦٤۲) كتاب الطهارة وسننها : باب في الحائض كيف تغتسل]

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ ، احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ، وَلَا تَعْجَزْ ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ : لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ : قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

فرمایا ''طاقتور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہر مومن میں ہی خیر ہے۔ اس چیز کی حرص کر جو تجھے نفع دے' صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ' عاجز بن کر مت بیٹھ اور اگر تجھے کوئی (نقصان دہ) چیز پہنچے تو یوں نہ کہہ اگر میں اس طرح کرتا تو اس طرح اور اس طرح ہوتا لیکن یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے (اسی طرح) تقدیر میں لکھا تھا اور اس نے جو چاہا کر دیا' یقیناً لَوْ یعنی اگر (کا لفظ) شیطان کا عمل شروع کر دیتا ہے۔'' [مسلم]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔ اگرچہ کمزور مومن بھی خیر سے خالی نہیں کیونکہ اسے ایمان کی دولت حاصل ہے مگر طاقتور مومن کو اس لیے بہتر کہا گیا ہے کیونکہ وہ دینی احکام پر قوت کے ساتھ عمل کر سکتا ہے' بطورِ خاص امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے فرائض کو کمزور کی بہ نسبت زیادہ احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ اس حدیث میں نفع بخش اشیاء کی حرص رکھنے کی بھی ترغیب ہے۔ نفع بخش اشیاء سے مراد وہ اشیاء ہیں جو دنیا و آخرت میں فائدہ دینے والی ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفع بخش اشیاء صرف حرص و طمع رکھنے سے ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور حوصلہ و ہمت کرنے سے ہی حاصل ہوں گی' اس لیے ایسی اشیاء کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد بھی طلب کرنا ہوگی اور ہمت سے بھی کام لینا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ عاجز بن کر بیٹھنے سے یوں پناہ مانگا کرتے تھے ﴿ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ ﴾ ''اے اللہ! میں عاجزی اور سستی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''(۱۰۱) نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی نقصان پہنچ جائے تو یہ کہنا کہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا یا یوں نہ ہوتا وغیرہ' درست نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے ﴿ قَدَّرَ اللّٰهُ وَ مَا شَاءَ فَعَلَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے (اسی طرح) تقدیر میں لکھا تھا اور اس نے جو چاہا کر دیا۔'' البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ''اگر'' کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے' تو اہل علم نے ان میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر تقدیر کا انکار مقصود نہ ہو تو اس لفظ کا استعمال درست ہے بصورت دیگر نہیں۔

1533- وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَبْغِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تواضع اختیار کرو حتی کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر فخر کرے۔'' [مسلم]

لغوی توضیح تَوَاضَعُوا فعل امر کا صیغہ ہے باب تَوَاضَعَ يَتَوَاضَعُ (بروزن تفاعل) سے' اس کا معنی ہے ''تذلل وانکساری اختیار کرنا'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا اور لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنا۔ تواضع تکبر کی ضد ہے۔

1533- [مسلم (۲۸٦۵) کتاب الجنة وصفة نعيمها : باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا ' بخاري في الأدب المفرد (٤٢٨) ابو داود (٤٨٩٥) ابن ماجه (٤١٧٩)]

(۱۰۱) [بخاري : كتاب الجهاد والسير : باب ما يتعوذ من الجبن ' مسلم : كتاب الذكر والدعاء : باب التعوذ من العجز والكسل وغيره]

فهم الحدیث اس حدیث میں تواضع اختیار کرنے کا حکم اور فخر و تکبر اور دوسروں پر زیادتی سے بچنے کی تلقین ہے۔ یقیناً جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے وہ فخر و تکبر سے بھی بچ جاتا ہے اور دوسروں پر زیادتی سے بھی اور جو تواضع کی بجائے تکبر اور فخر وغرور کی راہ اختیار کرتا ہے وہ ایک طرف خود کبیرہ گناہ کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور دوسری طرف لوگ بھی اس کی زیادتی سے محفوظ نہیں رہتے۔ تکبر کی مذمت میں متعدد دلائل گزشتہ حدیث نمبر 1517 کے تحت گزر چکے ہیں۔

1534- وَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : ((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهُ ـ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کے چہرے سے آگ ہٹا لیں گے۔“ [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

1535- وَلِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا نَحْوَهُ ـ

اور مسند احمد میں حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے۔

فهم الحدیث اس حدیث میں غیبت سے روکنے والے مسلمان کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سے نہ روکنا اور اسے سننا بھی حرام ہے۔ قرآن میں ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ زبان کے اعمال کا حساب لیں گے اسی طرح کانوں اور آنکھوں کے اعمال کا بھی محاسبہ کریں گے۔(۱۰۲) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی مدد کرنا فرض ہے(۱۰۳) جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جب بھی کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ ہو تو دوسرے مسلمان پر اس کا دفاع واجب ہے۔ اسی طرح وہ روایت بھی اس کی مؤید ہے جس میں ہے کہ تم میں سے جو کوئی بھی برائی دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے روکے......“(۱۰۴)

1536- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ تَعَالَى)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ـ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”صدقہ کسی مال کو کم نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے کی وجہ سے بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو کوئی بھی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند کر دیتا ہے۔“ [مسلم]

فهم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کے تین مفہوم بیان کیے گئے

1534- [صحيح : صحيح ترمذي، ترمذي (۱۹۳۱) كتاب البر و الصلة : باب ما جاء في الذب عن عرض المسلم، احمد (۶/۴۴۹) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1535- [احمد (۶/۴۶۱)]

1536- [مسلم (۲۵۸۸) كتاب البر و الصلة والآداب : باب استحباب العفو والتواضع، ترمذي (۲۰۲۹) احمد (۲/۲۳۵) دارمي (۱۶۷۶) ابن حبان (۳۲۴۸) بيهقي في السنن (۴/۱۸۷)]

(۱۰۲) [الاسراء : ۳۶] (۱۰۳) [دیکھیے گزشتہ حدیث نمبر 1502]

(۱۰۴) [صحيح : صحيح الجامع الصغير (۶۲۵۰) ابن ماجه (۴۰۱۳)]

ہیں۔ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت ڈال دیتے ہیں اور پھر وہ اپنے تھوڑے مال سے اتنا فائدہ اٹھاتا ہے جتنا زیادہ مال سے بھی نہ اٹھاتا۔ دوسرا یہ کہ صدقہ کے ذریعے حاصل ہونے والا ثواب اس کے مال کی کمی پوری کر دیتا ہے اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس مال کے عوض اور مال دیتا ہے حتی کہ بعض اوقات اس سے بھی بڑھا کر دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں یہ وضاحت موجود ہے۔(١٠٥) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاف کرنے سے عزت بڑھتی ہے کیونکہ برابر بدلہ لینے کے جواز کے باوجود معاف کر دینے والا شخص لوگوں کے دلوں میں مقام حاصل کر لیتا ہے جس سے وہ لوگوں میں معزز بن جاتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اسے عزت وشرف سے نوازیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تواضع اختیار کرنے والا شخص اگرچہ اپنی نظر میں تو چھوٹا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی نظر میں بہت بلند بنا دیتے ہیں۔

1537- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَصِلُوْا الْأَرْحَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے لوگو! سلام پھیلاؤ، رشتہ داریاں ملاؤ، کھانا کھلاؤ اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَفْشُوْا فعل امر کا صیغہ ہے باب أَفْشَى يُفْشِي (بروزن افعال) سے اس کا معنی ہے "پھیلانا، عام کرنا"۔ صِلُوْا بھی فعل امر ہے وصل سے "ملاؤ"۔ نِيَام جمع ہے نَائِم کی "سونے والے"۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ چار اعمال موجبات جنت ہیں۔ پہلے تین اعمال لوگوں سے متعلقہ اور آخری اللہ تعالیٰ سے متعلقہ ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق درست ہو گیا تو جنت میں داخلہ یقینی ہے۔ سلام کو عام کرنے کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کرو خواہ اس سے تعارف ہو یا نہ۔(١٠٦) صلہ رحمی کی بھی بڑی فضیلت واہمیت ہے، اس کا تفصیلی بیان پیچھے حدیث نمبر 1460 اور 1461 کے تحت گزر چکا ہے۔ کھانا کھلانے میں واجب اور مستحب اخراجات دونوں ہی شامل ہیں یعنی جن کی کفالت انسان کے ذمہ واجب ہے مثلاً بیوی بچے وغیرہ اور جن کی کفالت واجب نہیں مثلاً مہمان، مسافر، سائل، یتیم اور مسکین وغیرہ۔ قرآن میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ "وہ مال کی محبت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔"(١٠٧) جب لوگ سوئے ہوں تو نماز ادا کرنا بھی بڑا باعث فضیلت ہے۔ قرآن میں متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وہ رات کو کم سوتے ہیں اور سحری کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں۔"(١٠٨) ایک دوسرے مقام پر ہے کہ "ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں وہ اپنے پروردگار کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں۔"(١٠٩)

1537- [صحیح: صحیح ترمذی، ترمذی (٢٤٨٥) کتاب صفة القيامة والرقائق، ابن ماجه (١٣٣٤ـ٣٢٥١) احمد (٢٨٢/٤) دارمی (١٤٦٠ـ٢٦٣٢) حاکم (١٣/٣) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١٠٥) [البقرة: ٢٤٥]، [سبا: ٣٩]
(١٠٦) [بخاری (١٢) مسلم (٣٩) نسائی (١٠٧/٨)]
(١٠٧) [الانسان: ٨]
(١٠٨) [الذاريات: ١٧ـ١٨]
(١٠٩) [السجدة: ١٦]

1538- وَعَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الدِّينُ النَّصِيحَةُ)) ثَلَاثًا ، قُلْنَا : لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : ((لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''دین خیرخواہی کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ ہم نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! یہ خیرخواہی کس کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں کے ائمہ کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔'' [مسلم]

لغوی توضیح اَلنَّصِیْحَۃ کا لغوی معنی ہے خالص ہونا۔ قرآن میں ﴿تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ کا بھی یہی معنی ہے ''خالص توبہ''۔ نہایہ میں ہے کہ نصیحت ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں جملہ اُمورِ خیر شامل ہیں۔ دین کو بھی نصیحت اسی لیے کہا گیا ہے کہ تمام دینی اعمال کا دار و مدار خلوص اور کھوٹ سے پاک ہونے پر ہی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین نصیحت و خیرخواہی کا نام ہے۔ اللہ کے لیے خیرخواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے' اس کی توحید کا اقرار کیا جائے اور اس کے مقابلے میں کسی کو شریک نہ کیا جائے وغیرہ۔ اللہ کی کتاب کے لیے خیرخواہی سے مراد ہے اس پر ایمان لانا' اس کی تصدیق کرنا' اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کرنا' اسے ذریعۂ علم سمجھنا اور اسے آگے پھیلانے کی کوشش کرتے رہنا وغیرہ۔ اللہ کے رسول کے لیے خیرخواہی سے مراد ہے اس کی تصدیق کرنا' اس کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا' اس کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنا اور انہیں دوسروں تک پہنچانا وغیرہ۔ مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ تمام اچھے کاموں میں ان کی اطاعت کرنا اور جب تک وہ نماز کا نظام قائم رکھیں اور کسی واضح کفر کے مرتکب نہ ہوں ان کے خلاف بغاوت نہ کرنا اور ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کرتے رہنا وغیرہ اور عام مسلمانوں کے لیے خیرخواہی کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے دل میں ان کے لیے محبت رکھنا' ان کی اصلاح کی کوشش کرنا' یہ تمنا رکھنا کہ انہیں خیر و بھلائی نصیب ہو اور ان سے برائی دور ہو اور ان کی دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے کوشاں رہنا وغیرہ۔

1539- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سب سے زیادہ جو چیز جنت میں داخل کرے گی وہ اللہ کا تقویٰ اور اچھا اخلاق ہے۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اچھا اخلاق اپنانے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ تقویٰ سے مراد ہے اوامر پر عمل اور نواھی سے اجتناب۔ متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے (۱۱۰) جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ مشکلات و مصائب سے نجات اور رزقِ حلال کے حصول کا ذریعہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا

1538- [مسلم (٥٥) کتاب الإیمان : باب بیان أن الدین النصیحة' ابو داود (٤٩٤٤) نسائی (١٥٦/٧) احمد (١٠٢/٤) ابن حبان فی الاحسان (٤٥٧٤۔٤٥٧٥)]

1539- [حسن : صحیح ترمذی' ترمذی (٢٠٠٤) کتاب البر والصلة : باب ما جاء فی حسن الخلق' بخاری فی الأدب المفرد (٢٩٠۔٢٩٥) ابن ماجه (٤٢٤٦) ابن حبان (١٩٢٣) حاکم (٣٢٤/٤) شیخ عبد اللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١١٠) [آل عمران : ١٠٢]' [التغابن : ١٦]' الأحزاب : ٧٠]' الأنفال : ٢٩]

تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسا نور پیدا فرما دے گا جس کے ذریعے وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے گا۔(۱۱۱) اچھے اخلاق کے متعلق پیچھے بیان گزر چکا ہے۔

1540- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((إِنَّكُمْ لَا تَسَعُونَ النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ لِيَسَعْهُمْ مِنْكُمْ بَسْطُ الْوَجْهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو يَعْلَى وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ تم اپنے مالوں کے ذریعے لوگوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے لیکن خندہ پیشانی اور حسن خلق کے ذریعے ان تک رسائی حاصل کرو۔" [اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح لَا تَسَعُونَ فعل نفی کا صیغہ ہے باب وَسَعَ يَسَعُ (بروزن فتح) سے اس کا معنی ہے "کشادہ و فراخ ہونا"۔

فہم الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ وہ مال خرچ کر کے تمام لوگوں تک رسائی حاصل کر لے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ لوگ زیادہ ہیں اور مال کم' البتہ یہ اس ذریعے سے ممکن ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسن اخلاق سے پیش آیا جائے۔ اس لیے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

1541- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ)) أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مومن اپنے مومن بھائی کا آئینہ ہے۔" [اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الْمِرْآة آئینہ' شیشہ۔ اس کی جمع مَرَاءٍ آتی ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث میں ایک مومن کو دوسرے مومن کے لیے آئینہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے آئینہ اپنے دیکھنے والے کے محاسن و نقائص بغیر کسی کمی بیشی کے صرف اسی کے سامنے خاموشی سے ظاہر کرتا ہے' اسی طرح ایک مومن بھی اپنے بھائی کو اس کے محاسن کے ساتھ ساتھ اس کے نقائص سے بھی خبردار کرتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکے اور اس کے نقائص صرف اسی کے سامنے ظاہر کرتا ہے کسی دوسرے کو نہیں بتاتا' چغلی و غیبت کا مرتکب نہیں ہوتا' اسی طرح اسے خاموشی سے بتا دیتا ہے اسے ذلیل و رسوا کرنے کے لیے لوگوں میں شور نہیں مچاتا۔

1542- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور

1540- [ضعیف : ضعیف الجامع الصغیر (۲۰۴۳) أبو یعلی (۶۵۵۰) بزار فی کشف الأستار (۱۹۷۷) حاکم (۱۲۴/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1541- [حسن : صحیح ابو داود' ابو داود (۴۹۱۸) کتاب الأدب : باب فی النصیحة والحیاطة' بخاری فی الأدب المفرد (۲۳۸-۲۳۹) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1542- [صحیح : صحیح ابن ماجه' ابن ماجه (۴۰۳۲) بخاری فی الأدب المفرد (۳۹۰) احمد (۴۳/۲) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

(۱۱۱) [مزید دیکھئے: ریاض الصالحین للنووی (ص / ۴۴)]

الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ، وَهُوَ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُسَمِّ الصَّحَابِيَّ.

نہ ہی ان کی تکلیف پر صبر کرتا ہے۔" [اسے ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ روایت ترمذی میں بھی ہے مگر اس نے صحابی کا نام نہیں لیا۔]

فھم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا' ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا' انہیں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور پھر اس سلسلے میں ان کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں پر صبر کرنا تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی سے افضل ہے۔ البتہ اہل علم کا کہنا ہے کہ بعض اوقات لوگوں سے الگ رہنا ہی افضل ہوتا ہے جبکہ لوگوں کے ساتھ رہنے سے کسی فتنہ میں مبتلا ہونے' گناہوں میں ملوث ہونے یا ان کی اذیتوں پر صبر نہ کر سکنے وغیرہ کا اندیشہ ہو' بعض احادیث میں جو دنیا سے کنارہ کشی کی ترغیب ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔

1543- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((اللَّهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! جیسے تو نے میری تخلیق خوب اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا۔" [اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔]

فھم الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین صورت پر انسان کی تخلیق فرمائی ہے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [التين: ٤] "یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا فرمایا ہے۔" ایک دوسرے مقام پر ہے کہ ﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ [التغابن: ٣] "اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں۔" انسان خواہ کسی بھی رنگ و نقش کا ہو وہ دیگر مخلوقات سے بہت بہتر بنایا گیا ہے اس لیے اسے چاہیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی ایمان وایقان اور اچھے اوصاف وخصائل کے حصول کی بھی دعا کرتا رہے کیونکہ صورت جیسی بھی ہو کامیابی ونجات کا دارومدار تو انہی خصائل پر ہے۔ علاوہ ازیں جن روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آئینہ دیکھتے وقت مذکورہ بالا دعا مانگا کرتے تھے' وہ ضعیف ہیں۔ (١١٢)

باب الذكر والدعاء — ذکر اور دعا کا بیان

1544- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا مَعَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک

1543- [**صحیح**: صحيح الجامع الصغير (١٣٠٧) احمد (٤٠٣/١) ابن حبان (٩٥٩) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1544- [**صحیح**: صحيح ابن ماجه' ابن ماجه (٣٧٩٢) كتاب الأدب: باب فضل الذكر' احمد (٥٤٠/٢) ابن حبان (٨١٥) حاكم (٤٩٦/١) بخاری تعليقا (قبل الحديث / ٧٥٢٤) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(١١٢) [**ضعيف جدا**: ابن السني في عمل اليوم والليلة (١٦٣) الأذكار للنووي (٩٠٠) اس روایت کی سند میں حسین بن ابی السری راوی متروک ہے۔ عبدالرحمٰن بن اسحٰق واسطی ضعیف ہے اور نعمان بن سعد راوی مجہول ہے۔ شیخ سلیم ہلالی نے اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على الأذكار للنووي (٦٦٣/٢)] شیخ محمد بن ریاض اللبابیدی نے بھی اس روایت کو بہت زیادہ ضعیف کہا ہے۔ [التعليق على عمل اليوم والليلة لابن السني (ص / ٥٩)]

عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا۔

وہ میرا ذکر کرتا رہتا ہے اور میرے لیے اس کے ہونٹ حرکت میں رہتے ہیں۔" [اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری نے اسے تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔]

1545- وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ عَمَلًا أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آدم کے بیٹے کا کوئی عمل ذکر الٰہی سے بڑھ کر اسے عذاب الٰہی سے نجات دینے والا نہیں۔" [اسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح الذِّكر یاد کرنا' خواہ زبان سے یاد کیا جائے یا دل سے یا دونوں سے' مراد ہے اللہ کا ذکر۔ الدُّعَاء پکارنا' البتہ بعض اہل علم نے لفظِ دعا کے چند دیگر معانی بھی ذکر کیے ہیں جیسے عبادت' رغبت الی اللہ' استغاثہ وفریاد' طلب وسوال' قول' تسمیہ' تحریض اور بددعا وغیرہ۔ دعا کا اصطلاحی مفہوم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دعا وسوال اس طلب کو کہتے ہیں جس سے سائل کو نفع حاصل ہو اور ضرر دور ہو۔(۱۱۳) دعا صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنی چاہیے۔ قرآن میں ہے کہ "تم اللہ تعالیٰ کو پکارو اس کے لیے دین کو خالص کر کے۔"(۱۱٤) اور ایک فرمانِ نبوی یوں ہے کہ "جب تم سوال کا ارادہ کرو تو صرف اللہ سے ہی سوال کرو اور جب مدد مانگنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگو۔"(۱۱۵) حقیقت یہ ہے کہ ہدایت' رزق' بخشش اور ہر چیز عطا کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے خزانے ہیں کہ ساری کائنات کی حاجات پوری کرنے کے بعد بھی ان میں کوئی کمی نہیں آتی۔(۱۱٦) اس لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو مشکلات ومصائب میں پکارنے والے کو قرآن میں کم عقل اور سب سے بڑا گمراہ قرار دیا گیا ہے۔(۱۱۷) یہاں یہ بھی یاد رہے کہ دعا کے لیے کسی بھی غائب یا میت کو وسیلہ بنانا جائز نہیں بلکہ صرف تین طرح کا وسیلہ جائز ہے۔ ① اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا صفت کے ساتھ وسیلہ پکڑنا۔ ② دعا کرنے والے کا اپنے کسی نیک عمل کو وسیلہ بنانا۔ ③ کسی صالح آدمی کی دعا کا وسیلہ پکڑنا۔(۱۱۸)

فہم الحدیث ان احادیث میں اللہ کے ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ جو شخص اللہ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے ایک تو اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معیت (یعنی نصرت' حفاظت اور اعانت وغیرہ) نصیب رہتی ہے اور دوسرے یہ کہ قیامت کے روز یہی ذکر اس کے لیے جہنم سے چھٹکارے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسی باعث رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں ہی مشغول رہا کرتے تھے۔(۱۱۹)

1545- [ابن أبي شيبة (۲۳۵/۸) مجمع الزوائد (۷۳/۱۰) مالك (۲۱۳/۱) احمد (۲۳۹/۵) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۱۳) [الفتاوی لابن تيمية (۱۰/۱۵)] (۱۱٤) [غافر: ۱٤]

(۱۱۵) [صحیح: صحيح الجامع الصغير (۷۹۵۷) ترمذی (۲۵۱۶) كتاب صفة القيامة والرقائق والورع: باب' المشكاة (۵۳۰۲)]

(۱۱٦)-[مسلم (۲۵۷۷) كتاب البر والصلة والآداب: باب تحريم الظلم' الأدب المفرد للبخاری (٤۹۰) مسند احمد (۲۱٤۷۷) ابن حبان (٦۱۹) حاكم (۷٦۰٦) طيالسی (٤٦۳) عبد الرزاق (۲۰۲۷۲)]

(۱۱۷) [الرعد: ۱٤]' [الأحقاف: ۵]

(۱۱۸) [دیکھئے: التوسل للألبانی (ص / ٤۳)]

قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ خود کو ذکر الٰہی میں مصروف رکھو۔(۱۲۰) رسول اللہ ﷺ نے ذکر کرنے والے کو زندہ اور ذکر نہ کرنے والے کو مردہ قرار دیا ہے۔(۱۲۱) ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اسلام کے احکام بہت ہیں' مجھے ایسی بات بتائیے میں جس میں ہر وقت لگا رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔''(۱۲۲) ذکر کی فضیلت میں ایک حدیث قدسی یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''میں اپنے مومن بندے کے اس خیال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ پوشیدہ طور پر میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی پوشیدہ طور پر اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر (فرشتوں کی) جماعت میں کرتا ہوں۔''(۱۲۳) اسی طرح ذکر کی فضیلت میں یہ فرمانِ نبوی بھی قابل ذکر ہے کہ ''کیا میں ایسا عمل نہ بتاؤں جو بہترین ہو اور تمہارے بادشاہ (یعنی اللہ) کے نزدیک زیادہ اجر والا ہو اور تمہارے درجات بلند کرنے والا ہو اور تمہارے لیے سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہو اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم اپنے دشمنوں سے لڑائی کرو' تم ان کی گردنوں کو تہہ تیغ کرو اور وہ تمہاری گردنوں کو اڑائیں۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا' ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا ''وہ اللہ کا ذکر ہے۔''(۱۲۴)

1546- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ، إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو قوم بھی کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہے تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں' انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔'' [مسلم]

لغوی توضیح حَفَّتْ فعل ماضی کا صیغہ ہے باب حَفَّ يَحُفُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے ''گھیرنا''۔

فهم الحديث اس روایت کی تفصیل ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''بلاشبہ اللہ کی جانب سے کچھ زائد فرشتے مقرر ہیں جو (زمین میں) چلتے پھرتے رہتے ہیں' ذکر کی مجلسیں تلاش کرتے رہتے ہیں' جب کسی مجلس کو پا لیتے ہیں جس میں اللہ کا ذکر ہو رہا ہو تو وہ ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں اور انہیں اپنے پروں کے ساتھ ڈھانپ لیتے ہیں حتی کہ ان سے لے کر آسمانِ دنیا تک کی فضا کو بھر دیتے ہیں۔ جب ذکر کرنے والے اٹھ جاتے ہیں تو فرشتے آسمان کی جانب چڑھ جاتے

1546- [مسلم (۲۶۹۹) كتاب الذكر والدعاء : باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن' ابو داود (۱٤٥٥) ترمذی (۲۹٤٥) ابن ماجه (۲۲٥) احمد (۲۵۲/۲)]

(۱۱۹) [مسلم (۳۷۳) بخاری تعليقا (۳۰۵/۱) ابو داود (۱۸) ترمذی (۳۳۸٤) ابن ماجه (۳۰۲) بيهقی (۹۰/۱) مسند احمد (۷۰/٦)]

(۱۲۰) [الأحزاب : ٤١]' [آل عمران : ٤١]

(۱۲۱) [بخاری (٦٤۰۷) كتاب الدعوات : باب فضل ذكر الله عزوجل' مسلم (۷۷۹)]

(۱۲۲) [صحيح : هداية الرواة (۲۲۱۹)' (٤۲٥/۲) ترمذی (۳۳۷٥) كتاب الدعوات]

(۱۲۳) [بخاری (۷٤۰٥) كتاب التوحيد : باب قول الله ويحذركم الله نفسه' مسلم (۲٦۷٥) كتاب الذكر والدعاء : باب الحث على ذكر الله' مسند احمد (۷٤۲٦) ترمذی (۲۳۸۸) كتاب الزهد : باب ما جاء فی حسن الظن بالله' ابن ماجه (۳۸۲۲) كتاب الأدب : باب فضل العمل' ابن حبان (۳۷٦) بغوی فی شرح السنة (۱۲٥۱)]

(۱۲٤) [صحيح : هداية الرواة (۲۲۰۹) ترمذی (۳۳۷۷) كتاب الدعوات : باب' امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا' اللہ ان سے دریافت کرتا ہے' تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم زمین سے تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں' وہ تیری پاکیزگی بیان کرنے میں مصروف تھے' تیری عظمت وکبریائی کا اقرار کر رہے تھے' تیری توحید بیان کر رہے تھے' تیری بزرگی اور تیری تعریف بیان کر رہے تھے اور تجھ سے سوال کر رہے تھے۔اللہ دریافت کرتا ہے کہ وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کر رہے تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں' وہ تجھ سے تیری جنت کا سوال کر رہے تھے۔اللہ دریافت کرتا ہے' کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں' نہیں اے ہمارے پروردگار! اللہ دریافت کرتا ہے' اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے پناہ طلب کر رہے تھے۔اللہ دریافت کرتا ہے' وہ کس چیز سے میری پناہ طلب کر رہے تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ دوزخ سے تیری پناہ طلب کر رہے تھے۔اللہ دریافت کرتا ہے' کیا انہوں نے میری دوزخ دیکھی ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں' نہیں۔اللہ دریافت کرتا ہے' ان کا کیا حال ہوتا اگر وہ میری دوزخ کو دیکھ لیتے۔پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے مغفرت طلب کر رہے تھے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا'' اللہ فرماتا ہے' میں نے انہیں بخش دیا' میں نے انہیں وہ چیز عطا کر دی جس کا انہوں نے سوال کیا اور میں نے انہیں اس چیز سے پناہ دے دی جس سے انہوں نے پناہ مانگی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا'' فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں فلاں انسان خطا کار تھا' بس وہ تو وہاں سے گزر رہا تھا کہ ان میں بیٹھ گیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا'' اللہ فرماتا ہے میں نے اس کو بھی معاف کر دیا (اس مجلس والے) ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدقسمت نہیں ہے۔''(۱۲۵)

معلوم ہوا کہ مجالسِ ذکر کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے اہل ذکر کی مجالس میں شریک ہونے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی اطلاع دینے کی غرض سے زمین میں پھرتے رہتے ہیں۔یہاں یہ بات یاد رہے کہ مجالسِ ذکر سے مراد ہماری مروجہ مجالس نہیں جن میں شرکیہ نعتیں یا صرف اللہ اللہ یا اللہ ھو وغیرہ کا ہی بار بار ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ذکر تو بے معنی اور خلافِ شرع ہے' بلکہ ان سے مراد ایسی مجالس ہیں جن میں یا تو وہی اذکار وتسبیحات پڑھی جائیں جو عہد رسالت میں پڑھی جاتی تھیں یا جن میں کتاب وسنت کا وعظ وغیرہ کیا جائے یا جن میں درس وتدریس اور تعلیم وتعلم وغیرہ کا سلسلہ جاری ہو۔

1547- وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کوئی قوم کسی ایسی مجلس میں نہیں بیٹھتی جس میں انہوں نے نہ اللہ کا ذکر کیا اور نہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا تو وہ مجلس روزِ قیامت ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگی۔'' [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مجلس میں اللہ کے ذکر کے ساتھ (کم از کم ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا بھی ضروری ہے۔قرآن میں جہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حکم ہے وہاں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا بھی حکم ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ'' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں' اے ایمان

1547- [صحيح : صحيح ترمذي' ترمذي (۳۳۸۰) كتاب الدعوات : باب في القوم يجلسون ولا يذكرون الله' احمد (۴۴۶/۲) ابن حبان (۵۹۰) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۲۵) [مسلم (۲۶۸۹) كتاب الذكر والدعاء : باب فضل مجالس الذكر' بخاري تعليقا (۶۴۰۸) كتاب الدعوات : باب فضل ذكر الله' مسند احمد (۷۴۳۰) ترمذي (۳۶۰۰) ابن حبان (۸۵۶)]

والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔''(۱۲۶) نبی کریم ﷺ کا نام سن کر (۱۲۷)، تشہد میں (۱۲۸) اور نماز جنازہ میں (۱۲۹) درود پڑھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں صبح وشام (۱۳۰)، بروز جمعہ (۱۳۱) اور اذان کے بعد (۱۳۲) بھی درود پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ نیز دعا مانگتے وقت بھی ضرور درود پڑھنا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ ''دعا آسمان وزمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے' اس سے کچھ بھی اوپر نہیں چڑھتا جب تک تم اپنے نبی محمد ﷺ پر درود نہ پڑھ لو۔''(۱۳۳) واضح رہے کہ مروّجہ مجالسِ درود شریعت سے ثابت نہیں۔

1548- وَ عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْـهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، يُحْيِي وَ يُمِيتُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ، كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ أَرْبَعَةَ أَنْفُسٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمٰعِيلَ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص دس مرتبہ یہ کلمات کہے کہ ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اس کے لیے تمام تعریف ہے' اسی کے ہاتھ میں خیر وبھلائی ہے' وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ اس شخص کی مانند ہو گا جس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار شخص آزاد کیے۔'' [بخاری، مسلم]

فهم الحديث اس روایت سے مذکورہ کلمات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ان کے متعلق ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو دن میں سو بار یہ کلمات کہے گا اسے دس گردنیں آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا' اس کے نامہ اعمال میں سو نیکیاں ثبت ہو جائیں گی' سو برائیاں مٹادی جائیں گی' وہ دن بھر شیطان سے حفاظت میں رہے گا اور کوئی شخص اس کے عمل سے بہتر عمل نہیں لائے گا البتہ وہ شخص جس نے اس سے زیادہ عمل کیا۔ (۱۳٤) ایک روایت میں ہے کہ عرفہ کے روز رسول اللہ ﷺ اور پہلے نبیوں نے جو

1548- [بخاری (٦٤٠٤) کتاب الدعوات: باب فضل التهليل' مسلم (٢٦٩٣) ترمذی (٣٥٥٣) احمد (٤٢٢/٥)]

(١٢٦) [الأحزاب: ٥٦]

(١٢٧) [**حسن صحيح**: صحیح ترمذی' ترمذی (٣٥٤٥) کتاب الدعوات' صحیح الجامع الصغیر (٣٥١٠) صحیح الترغیب (١٦٨٠)]

(١٢٨) [مسلم (٤٠٦) كتاب الصلاة: باب الصلاة على النبى بعد التشهد]

(١٢٩) [الأم للشافعی (٢٣٩/١) بیهقی (٣٩/٤) ابن الجارود (٢٦٥) حاكم (٣٦٠/١)]

(١٣٠) [**حسن**: صحيح الجامع الصغير (٦٣٥٧)]

(١٣١) [**صحيح**: صحيح ابو داود (١٠٤٧) صحيح الجامع الصغير (٢٢١٢) صحيح الترغيب والترهيب (١٦٧٤) ابن ماجه (١٠٨٥) نسائی (٩١/٣-٩٢) دارمی (٣٦٩/١) مسند احمد (٨/٤) حاكم (٢٧٨/١)]

(١٣٢) [مسلم (٣٨٤) ابو داود (٥٢٣) ترمذی (٣٦١٤) مسند احمد (٦٥٧٩) نسائی (٦٧٧) ابن حبان (١٦٩٠) ابن خزيمة (٤١٨) أبو عوانة (٣٣٦/١-٣٣٧) شرح السنة للبغوی (٤٢١) بیهقی (٤٠٩/١)]

(١٣٣) [**صحيح لغيره**: صحيح الترغيب والترهيب (١٦٧٦) ترمذی (٣٨٦) ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی سے ملتا جلتا قول مروی ہے۔[صحيح الترغيب (١٦٧٥)]

(١٣٤) [بخاری (٦٤٠٣) مسلم (٢٦٩١) موطا (٤٨٦) مسند احمد (٨٠١٤) ترمذی (٣٤٦٨) ابن ماجه (٣٨١٢) ابن حبان (٨٤٩) بغوی (١٢٧٢)]

سب سے بہتر کلمات کہے وہ یہی تھے۔(۱۳۵) مذکورہ بالا روایت میں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے غلاموں کی آزادی کا ذکر اس لیے ہے کیونکہ اولادِ اسماعیل خاندانی شرافت میں دوسروں سے بڑھ کر ہے' اس لیے ان کے غلام آزاد کرنا بھی افضل ہے۔

1549- وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ قَالَ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ، حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جس نے سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ (پاک ہے اللہ اپنی تعریف کے ساتھ) کہا اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی ہوں۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح حُطَّتْ فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے باب حَطَّ يَحُطُّ (بروزن نصر) سے' اس کا معنی ہے'' مٹا دینا' درگزر کر دینا' زائل کر دینا وغیرہ'' ۔ زَبَدِ الْبَحْرِ سمندر کی جھاگ۔

فہم الحدیث اس حدیث سے مذکورہ کلمہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ اس سے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اہل علم نے کہا ہے کہ ان گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کبیرہ نہیں کیونکہ کبیرہ گناہ تو صرف توبہ کے ساتھ ہی معاف ہوتے ہیں البتہ بعض نے کہا ہے کہ اگر کسی کے صغیرہ گناہ نہ ہوں صرف کبیرہ ہی ہوں تو امید ہے کہ اس کلمہ کی برکت سے اُن میں بھی تخفیف کر دی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهِ کہے اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگ جاتا ہے۔(۱۳۶) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کے وقت سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ کہتا ہے قیامت کے دن کوئی شخص اس سے افضل کلمات نہیں لائے گا البتہ وہ شخص جس نے اس طرح کلمات کہے یا اس سے زائد کلمات کہے۔(۱۳۷)

1550- وَ عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَتْ : قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ، لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا'' میں نے تیرے بعد چار ایسے کلمے ادا کیے ہیں کہ اگر ان کا تیرے اب تک کہے گئے کلمات سے موازنہ کیا جائے تو ان کا وزن زیادہ ہو جائے (وہ کلمے یہ ہیں) اللہ تعالیٰ پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ اپنی مخلوق کی تعداد' اپنے نفس کی رضا' اپنے عرش کے وزن اور اپنے کلمات کی سیاہی کے برابر۔'' [مسلم]

1549- [بخاری (٦٤٠٥) كتاب الدعوات : باب فضل التسبيح' مسلم (٢٦٩١) ترمذی (٣٤٦٦) ابن ماجه (٣٨١٢) مالك (٢١٢/١) احمد (٣٠٢/٢) ابن حبان (٨٢٩)]

1550- [مسلم (٢٧٢٦) كتاب الشروط : باب ما يجوز من شروط المكاتب' بخاری فی الأدب المفرد (٦٤٧) ابو داود (١٥٠٣) ترمذی (٣٥٥٥) نسائی (٧٧/٣) ابن ماجه (٣٨٠٨) احمد (٤٣٠/٦)]

(١٣٥) [حسن : صحیح ترمذی' ترمذی (٣٥٨٥) كتاب الدعوات' أحمد (٢١٠/٢)]

(١٣٦) [صحيح : السلسلة الصحيحة (٦٤) هداية الرواة (٢٢٤٤)' (٤٣٥/٢) ترمذی (٣٤٦٤) نسائی فی عمل اليوم والليلة (٨٢٧) صحيح ابن حبان (٨٢٤) مستدرك حاكم (٥٠١/١)]

(١٣٧) [مسلم (٢٦٩٢) كتاب الذكر والدعاء : باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء' مسند احمد (٨٨٤٤) ابو داود (٥٠٩١) ترمذی (٣٤٦٩) نسائی فی عمل اليوم والليلة (٥٧٣) وفی السنن الكبرى (١٠٦٠٣)]

لغوی توضیح زِنَةَ کا معنی ہے وزن' یہ عدۃ ، صلۃ اور ھبۃ کے ہم وزن ہے جو اصل میں وعد ، وصل اور وھب ہیں ۔مِدَاد سیاہی ۔

فہم الحدیث مکمل حدیث یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز کے بعد اُم المومنین حضرت جویریہ ؓ کے پاس سے نکلے' اس وقت وہ اپنی جائے نماز میں بیٹھی ذکر میں مصروف تھیں ۔ پھر آپ ﷺ دوپہر کے قریب واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ وہیں بیٹھی ہیں' یہ دیکھ کر فرمایا ''میں نے تمہیں جس حالت میں چھوڑا تھا تم ابھی اسی حالت میں بیٹھی (ذکر میں مصروف) ہو؟'' انہوں نے عرض کیا' جی ہاں ۔ تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے بعد......۔ اس روایت سے مذکورہ بالا کلمات کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کلمہ جتنا زیادہ افضل ہو گا روزِ قیامت ترازو میں اس کا وزن بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا ۔ نیز اس روایت میں چونکہ ان کلمات کا کوئی خاص وقت متعین نہیں اس لیے یہ کسی وقت بھی پڑھے جا سکتے ہیں ۔

1551- وَعَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ)) أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ .

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''باقی رہنے والے اچھے کلمات (یہ ہیں) ''اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں' اللہ پاک ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ ہی کی توفیق و مدد کے ساتھ ہے ۔'' [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے ۔]

لغوی توضیح اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ باقی رہنے والے نیک اعمال' ان سے مراد ایسے اعمال ہیں جن کا اجر و ثواب عامل کے لیے ہمیشہ باقی رہتا ہے ۔ ویسے تو ہر نیک عمل ہی باقیات صالحات میں شامل ہے لیکن ان کلمات کو بطورِ خاص اس لیے باقیات صالحات کہا گیا ہے کیونکہ ان میں ایمان باللہ کا ذکر ہے جو کہ ہر عمل کی بنیاد ہے اور جس کے بغیر کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ۔ لَا حَوْلَ کے متعلق اہل علم کا کہنا ہے کہ حَوْل کا معنی ہے حرکت اور حیلہ یعنی اللہ کی توفیق کے بغیر نہ کوئی حرکت کرنے کی طاقت ہے اور نہ ہی کوئی حیلہ اور بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں مگر صرف اللہ کی توفیق سے ہی ۔

1552- وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ أَرْبَعٌ ، لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ کلام چار کلمے ہیں' تو ان میں سے جس کے ساتھ بھی ابتدا کرے تجھے نقصان نہیں پہنچے گا ۔ (وہ کلمے یہ ہیں) ''اللہ پاک ہے' تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے ۔'' [مسلم]

1551- [صحيح : السلسلة الصحيحة (٣٢٦٤) احمد (٧٥/٣) ابن حبان (٨٤٠) حاكم (٥١٢/١) أبو يعلى (١٣٨٤) شیخ عبد اللہ بسام ؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے ۔]

1552- [مسلم (٢١٣٧) كتاب الآداب : باب كراهة التسمية بالأسماء القبيحة ' ابن ماجه (٣٨١١) احمد (١٠/٥-١١)]

1553- وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ، أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، زَادَ النَّسَائِيُّ ((وَلَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ)).

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ (وہ یہ کلمہ ہے) "نہ نیکی کرنے کی طاقت ہے اور نہ گناہ سے بچنے کی قوت مگر صرف اللہ کی مدد و توفیق سے ہی۔" [بخاری، مسلم] نسائی نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ "اللہ کے علاوہ کہیں جائے پناہ نہیں۔"

لغوی توضیح كَنْز خزانہ اس کی جمع كُنُوز ہے۔ مَلْجَأ جائے پناہ۔

فهم الحديث اس حدیث سے کلمہ لاحول ولا قوة الا بالله کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اہل علم نے کہا ہے کہ اس کلمہ کی اس قدر فضیلت اس لیے ہے کیونکہ اس کا کہنے والا اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا لیتا ہے اور اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ ہر کام کی طاقت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسے خزانہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ جو اس کی پابندی کرے گا اور بکثرت یہ کلمہ کہتا رہے گا اس کے لیے اللہ تعالیٰ نہایت عمدہ بدلہ جنت میں ذخیرہ کر دیں گے۔

1554- وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ)) رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ دعا ہی عبادت ہے۔" [اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔]

1555- وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوعًا بِلَفْظِ: ((الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)).

اور ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت میں یہ لفظ ہیں "دعا عبادت کا مغز ہے۔"

1556- وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهُ: ((لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ)) وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

اور ترمذی میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ معزز کوئی چیز نہیں۔" [اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔]

1553- [بخاری (٦٣٨٤-٦٦١٠) كتاب الدعوات: باب الدعاء إذا علا عقبه، مسلم (٢٧٠٤) ابو داود (١٥٢٦) ترمذی (٣٣٧٤-٣٤٦١) نسائی فی عمل اليوم والليلة (٥٥٢) ابن ماجه (٣٨٢٤) احمد (٤٠٢/٤) أبو يعلى (٧٢٥٢)]

1554- [صحيح: صحيح ابو داود، ابو داود (١٤٧٩) بخاری فی الأدب المفرد (٧١٥) ترمذی (٣٢٤٧-٣٣٧٢) نسائی فی السنن الكبرى (١١٤٦٤) ابن ماجه (٣٨٢٨) احمد (٢٦٧/٤) ابن حبان (٨٩٠) حاكم (٤٩٠/١) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

1555- [ضعيف: ضعيف ترمذی، ترمذی (٣٣٧١) كتاب الدعوات: باب ما جاء فی فضل الدعاء، ضعيف الجامع الصغير (٣٠٠٣) ديلمی (٣٠٨٧) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

1556- [حسن: صحيح ترمذی، ترمذی (٣٣٧٠) كتاب الدعوات: باب ما جاء فی فضل الدعاء، بخاری فی الأدب المفرد (٧١٣) ابن ماجه (٣٨٢٩) احمد (٣٦٢/٢) ابن حبان (٨٧٠) حاكم (٤٩٠/١) بغوی (١٣٨٨) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح مُخٌّ مغز، اصل اور خالص حصہ۔ یعنی عبادت کی تمام انواع واقسام میں سے دعا سب سے اہم اور افضل ہے بلکہ یہی اصل عبادت ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا ہی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لیے ہی پیدا فرمایا ہے۔(۱۳۸) اس لیے اسے بکثرت دعائیں کرنی چاہیے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''تمہارے رب کا فرمان سرزد ہو چکا ہے کہ مجھ سے دعا کرتے رہو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کرتا ہوں، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔''(۱۳۹) ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہو جاتے ہیں۔''(۱۴۰) لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہنا چاہیے۔ ''دعا عبادت ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو مشکل کشائی کے لیے پکارنا شرک فی العبادۃ ہے جو کبھی معاف نہیں ہوگا۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ''جو شخص فوت ہوا اور وہ اللہ کے علاوہ کسی اور شریک کو پکارتا تھا، وہ آتش جہنم میں داخل ہوگا۔''(۱۴۱) علاوہ ازیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز چیز دعا ہے۔ دعا کی فضیلت میں یہ فرمانِ نبوی بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ''تقدیر کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کر سکتی سوائے نیکی (یعنی احسان واطاعت) کے۔''(۱۴۲) نیز ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''یقیناً دعا ایسی آفات کہ جو نازل ہو چکی ہیں اور ایسی کہ جو ابھی نازل نہیں ہوئیں سب کے لیے فائدہ مند ہے، اس لیے اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم پکڑو۔''(۱۴۳)

1557- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لَا يُرَدُّ)) أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔'' [اسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان اور اقامت کا درمیانی وقفہ قبولیت دعا کا وقت ہے اس لیے اس وقت میں زیادہ دعا کی کوشش وجستجو کرنی چاہیے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے ہر وقت کے متعلق ہی فرمایا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں

1557- [صحیح: صحیح ابو داود، ابو داود (۵۲۱) کتاب الصلاۃ: باب ما جاء فی الدعاء بین الأذان والإقامۃ، ترمذی (۲۱۲-۳۵۹۴-۳۵۹۵) نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ (۶۷-۶۹) احمد (۱۱۹/۳) ابن حبان (۱۶۹۶) ابن خزیمۃ (۴۲۵) بیہقی (۴۱۰/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۳۸) [الذاریات: ۵۶] (۱۳۹) [غافر: ۶۰]

(۱۴۰) [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (۲۴۱۸) ہدایۃ الرواۃ (۲۱۷۸) السلسلۃ الصحیحۃ (۲۶۵۴)، ترمذی (۳۳۷۳) کتاب الدعوات: باب، المشکاۃ (۲۲۳۸) الأدب المفرد (۲۲۹/۱)، (۶۵۸) مستدرک حاکم (۴۹۱/۱) امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔]

(۱۴۱) [بخاری (۴۴۹۷) کتاب تفسیر القرآن: باب قولہ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ أندادا]

(۱۴۲) [حسن: صحیح ترمذی، ترمذی (۲۱۳۹) صحیح الجامع الصغیر (۷۶۸۷) ہدایۃ الرواۃ (۲۱۷۴) صحیح الترغیب والترہیب (۱۶۳۹) السلسلۃ الصحیحۃ (۱۵۴) امام ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔]

(۱۴۳) [حسن: صحیح ترمذی، ترمذی (۳۵۴۸) صحیح الجامع الصغیر (۳۴۰۹) صحیح الترغیب والترہیب (۱۶۳۴) ہدایۃ الرواۃ (۲۱۷۵)، (۴۱۰/۲)]

گا' لیکن کچھ اوقات کو بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے کہ ان میں قبولیت کا امکان زیادہ ہے جن میں سے ایک وقت تو مذکورہ حدیث میں ہے اور بعض اوقات کا ذکر چند دیگر احادیث میں ہے مثلاً ماہِ رمضان (۱٤٤)، شبِ قدر (۱٤٥)، رات کا آخری حصہ (۱٤٦)، حالتِ سجدہ (۱٤٧)، فرض نمازوں کے بعد (۱٤٨)، دورانِ جنگ (۱٤٩)، زمزم کا پانی نوش کرتے وقت (۱٥٠)، نزولِ بارش کے وقت (۱٥۱) اور دورانِ حج وعمرہ (۱٥٢) وغیرہ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر دعا میں خلوص نہ ہو (۱٥٣) یا دعا کرنے والا حرام کھاتا پیتا ہو (۱٥٤) تو پھر اس کی دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی خواہ وہ شبِ قدر میں خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر ہی کیوں نہ دعا کرے۔

☐ واضح رہے کہ قبولیتِ دعا کی تین اقسام ہیں: یا تو مطلوبہ چیز (دنیا میں ہی جلد یا بدیر) مل جاتی ہے' یا مطلوبہ چیز تو نہیں ملتی مگر دعا کے عوض کوئی آنے والی مصیبت ٹل جاتی ہے یا پھر وہ دعا ذخیرۂ آخرت بنالی جاتی ہے۔ (۱٥٥)

1558- وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ تمہارا رب حیادار کرم والا ہے' جب اس کا بندہ اس کی جانب (دعا کے لیے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اپنے بندے سے شرم کرتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی واپس لوٹائے۔" [اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح حَيِيٌّ حیادار۔ كَرِيمٌ کرم والا۔ صِفْرًا خالی۔

1558- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۱٤٨٨) كتاب الصلاة: باب الدعاء' ترمذی (۳٥٥٦) ابن ماجه (۳٨٦٥) احمد (٤٣٨/٥) حاکم (٤٩٧/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱٤٤) [صحیح لغیرہ: صحیح الترغیب (۱۰۰۲) كتاب الصوم: باب الترغيب في صيام رمضان احتسابا' بزار في كشف الأستار (٩٦٢)]

(۱٤٥) [القدر: ۳-٥]' صحیح ابن ماجة (۳۱۰٥) ترمذی (۳٥۱۳) ابن ماجة (۳٨٥۰) نسائی فی الكبرى (۲۱٨/٦) أحمد (۱۷۱/٦) المشكاة (۲۰٩۱)]

(۱٤٦) [بخاری (۱۱٤٥) مسلم (۷٥٨) ترمذی (٤٤٦) ابو داود (۱۳۱٥) ابن ماجه (۱۳٦٦) مسند احمد (۷۱٩٦) موطا (٤٤۷) دارمی (۱٤٤۲)]

(۱٤۷) [صحیح: صحيح الجامع الصغير (۱۱۷٥) صحيح الترغيب والترهيب (۳٨۷) ابو داود (٨۷٥) نسائی (۱۱۳۷) المشكاة (٨٩٤)]

(۱٤٨) [حسن: صحیح ترمذی' ترمذی (۳٤٩٩) صحيح الترغيب (۱٦٤٨) المشكاة (۱۲۳۱)]

(۱٤٩) [صحیح: صحيح الجامع الصغير (۳۰۷٩) صحيح الترغيب والترهيب (۲٦٦) ابو داود (۲٥٤۰)]

(۱٥۰) [صحیح: صحیح ابن ماجه (۲٤٨٤) كتاب المناسك: باب الشرب من زمزم' إرواء الغليل (۱۱۲۳) ابن ماجه (۳۰٦۲) مسند احمد (۳٥۷/۳)]

(۱٥۱) [حسن: السلسلة الصحيحة (۱٤٦٩)]

(۱٥۲) [حسن: صحيح الترغيب والترهيب (۱۱۰٨) ابن ماجه (۲٨٩۳) ابن حبان فی صحیحه (٤٥٩٤)]

(۱٥۳) [بخاری (۱) مسلم (۱٩۰۷) ابو داود (۲۲۰۱) ترمذی (۱٦٤۷) ابن ماجه (٤۲۲۷) نسائی (٥٨/۱)]

(۱٥٤) [مسلم (۱۰۱٥) ترمذی (۲٩٨٩) احمد (٨۳٥٦)]

(۱٥٥) [صحیح: هداية الرواة (۲۱٩٩)' (٤۱٨/۲) مسند احمد (۱٨/۳) مستدرك حاكم (٤٦۳/۱) امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔]

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا قبولیتِ دعا کا ایک ذریعہ اور آدابِ دعا میں سے ایک ادب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ایک صحابی کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کی گئی تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔(١٥٦) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔(١٥٧) امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ ''باب دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا' اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے دعا کی اور اپنے ہاتھ اٹھائے تو میں نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی' اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں ...... یحییٰ بن سعید اور شریک بن ابی نمر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ (دعا کے لیے) اتنے اٹھائے کہ میں نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔''(١٥٨) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ(١٥٩) اور امام نوویؒ(١٦٠) نے فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس قدر کثرت کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے کہ اس کا شمار محال و مشکل ہے۔ امام سیوطیؒ(١٦١) اور امام منذریؒ(١٦٢) نے کہا ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے سے متعلقہ احادیث متواتر منقول ہیں۔ شیخ ابن بازؒ نے ایک فتویٰ میں فرمایا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا قبولیتِ دعا کا ایک سبب ہے۔(١٦٣) تاہم یہ یاد رہے کہ جس روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ صرف دعائے استسقاء میں ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے(١٦٤) اس سے مراد یہ ہے کہ جس خاص کیفیت اور مبالغے سے آپ ﷺ اس دعا میں ہاتھ اٹھاتے تھے اس کیفیت و مبالغے سے عام دعاؤں میں نہ اٹھاتے۔

☐ واضح رہے کہ ہر فرض نماز کے بعد امام کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور باقی مقتدیوں کا آمین کہنا یعنی اجتماعی دعا سنت سے ثابت نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد (اجتماعی دعا) نہیں کی۔ اگر اس موقع پر آپ ﷺ اجتماعی دعا کرتے تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام آپ ﷺ سے ضرور نقل فرماتے' پھر تابعین' پھر دیگر علماء (اسے ضرور نقل کرتے) جیسا کہ انہوں نے اس سے کم درجہ کی اشیاء آپ ﷺ سے نقل کی ہیں۔(١٦٥) امام ابن تیمیہؒ نے ایک دوسرے مقام پر اس عمل کو واضح طور پر بدعت کہا ہے۔(١٦٦) امام ابن قیمؒ(١٦٧) اور سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی(١٦٨) نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

☐ مختلف صحیح احادیث سے ثابت چند آدابِ دعا یہ ہیں۔ دعا سے پہلے وضوء کرنا(١٦٩)، قبلہ رخ ہونا(١٧٠)، دعا سے

---

(١٥٦) [بخاری (٤٣٢٣) كتاب المغازی : باب غزوة أوطاس]

(١٥٧) [فتح الباری (تحت الحديث / ٤٣٢٣)]

(١٥٨) [بخاری (قبل الحديث / ٦٣٤١) كتاب الدعوات]

(١٥٩) [مجموع الفتاوی لابن تيمية (٢٦٥/٥)]

(١٦٠) [شرح مسلم للنووی (١٩٠/٦)]

(١٦١) [تدريب الراوی (١٨٠/٢)]

(١٦٢) [الفتح (١٤٢/١١)]

(١٦٣) [فتاوی علماء البلد الحرام (ص / ١٧٠٢)]

(١٦٤) [بخاری : كتاب الاستسقاء : باب رفع الامام يده فی الاستسقاء]

(١٦٥) [الفتاوی الكبری (١٥٨/١)]

(١٦٦) [مجموع الفتاوی (٥١٩/٢٢)]

(١٦٧) [زاد المعاد (٢٥٧/١)]

(١٦٨) [فتاوی إسلامية (٢٩٠/١)]

(١٦٩) [بخاری (٤٣٢٣) كتاب المغازی : باب غزوة أوطاس]

(١٧٠) [بخاری (٣٩٦٠) كتاب المغازی : باب دعاء النبی علی كفار قريش ' مسلم (١٧٩٤)]

پہلے حمد وثناء اور درود پڑھنا(۱۷۱)، دعا میں زیادتی سے اجتناب کرنا(۱۷۲)، جلد بازی سے اجتناب کرنا(۱۷۳)، معلق دعا سے اجتناب کرنا(۱۷٤)، کامل یکسوئی، توجہ اور قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کرنا(۱۷۵)، عاجزی وانکساری(۱۷٦) اور ہلکی آواز سے دعا کرنا(۱۷۷)، جامع کلمات استعمال کرنا(۱۷۸)، خوشحالی میں دعا کرنا(۱۷۹) اور کسی گناہ کے کام اور قطع رحمی کی دعا نہ کرنا وغیرہ(۱۸۰)۔

1559- وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ إِذَا مَدَّ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَرُدَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَلَهُ شَاهِدٌ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تو انہیں اس وقت تک نیچے نہ کرتے جب تک چہرے پر نہ پھیر لیتے۔[اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے کئی شواہد ہیں۔]

1560- مِنْهَا حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ وَمَجْمُوعُهَا يَقْضِي بِأَنَّهُ حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

ان (شواہد) میں سے ایک ابوداود وغیرہ کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور ان کا مجموعہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

فہم الحدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مسنون ہے۔ لیکن یہ اور اس معنی کی تمام روایات ضعیف ہیں اس لیے یہ مسئلہ درست نہیں' جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۱۸۱) اور علامہ ناصرالدین

1559- [**ضعیف**: ضعیف ترمذی' ترمذی (۳۳۸٦) كتاب الدعوات: باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء' حاكم (۵۳٦/۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

1560- [**ضعیف**: ضعیف ابو داود' ابو داود (۱٤۸۵) كتاب الصلاة: باب الدعاء' ابن ماجه (۱۱۸۱-۳۸٦٦) بيهقى (۲۷۲/۷) حاكم (۵۳٦/۱)]

(۱۷۱) [**صحیح**: صحيح الترغيب والترهيب (۱٦٤۳) ترمذى (۳٤۷٦) ابو داود (۱٤۸۱) احمد (۱۸/٦)]

(۱۷۲) [**صحیح**: صحيح الجامع الصغير (۲۳۹٦) صحيح ابو داود' ابو داود (۹٦) المشكاة (٤۱۸)]

(۱۷۳) [بخارى (٦۳٤۰) مسلم (۲۷۳۵) ابو داود (۱٤۸٤) ترمذى (۳۳۸۷)]

(۱۷٤) [بخارى (۷٤۷۷) كتاب التوحيد: باب في المشيئة والارادة' مسلم (۲٦۷۸) الأدب المفرد (٦۰۸) نسائى فى الكبرى (۱۰٤۲۰/٦) ابن أبى شيبة (۱۹۸/۱۰)]

(۱۷۵) [**حسن**: صحيح ترمذى' ترمذى (۳٤۷۹) صحيح الجامع الصغير (۲٤۵) صحيح الترغيب والترهيب (۱٦٤۹) هداية الرواة (۲۱۸۱)]

(۱۷٦) [الأنعام: ٦۳]' [الأعراف: ۵۵]

(۱۷۷) [بخارى (۲۹۹۲) مسلم (۲۷۰٤) احمد (۱۹٦۱٦) ابو داود (۱۵۲٦) ترمذى (۳٤٦۱)]

(۱۷۸) [**صحیح**: صحيح ابو داود' ابو داود (۱٤۸۲) صحيح الجامع الصغير (٤۹٤۹)]

(۱۷۹) [**صحیح**: السلسلة الصحيحة (۵۹۳) هداية الرواة (۲۱۸۰) صحيح الترغيب (۱٦۲۸) ترمذى (۳۳۸۲)]

(۱۸۰) [مسلم (۲۷۳۵) ابو داود (۱٤۸٤) ترمذى (۳۳۸۷) ابن ماجه (۳۸۵۳)]

(۱۸۱) [مجموع الفتاوى لابن تيمية (۵۱۹/۲۲)]

البانیؒ (۱۸۲) نے فرمایا ہے۔ شیخ ابن بازؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ (دعا کے بعد) چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے متعلق صحیح احادیث مروی نہیں بلکہ اس ضمن میں صرف ایسی روایات ہی مروی ہیں جو ضعف سے خالی نہیں اس لیے زیادہ راجح اور زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ (دعا کے بعد) اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر نہ پھیرا جائے۔ (۱۸۳) شیخ ابن عثیمینؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ (دعا کے بعد چہرے پر) ہاتھ نہیں پھیرنے چاہییں۔ (۱۸٤)

1561- وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً)) أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ قیامت کے روز میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہے۔" [اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح أَوْلَى النَّاسِ بِي لوگوں میں سب سے زیادہ میرے قریب یا سب سے زیادہ میری شفاعت کا مستحق۔

فہم الحدیث اس روایت میں نبی کریم ﷺ پر بکثرت درود پڑھنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ بعض دیگر احادیث سے بھی درود کی اہمیت وفضیلت ثابت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بددعا فرمائی کہ ایسے شخص کے لیے ہلاکت ہے جس کے پاس آپ (ﷺ) کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہ بھیجا' تو آپ ﷺ نے اس پر آمین کہا۔ (۱۸۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ شخص بخیل ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔" (۱۸٦) ایک روایت میں ہے کہ "جس مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کریں اور نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجیں تو وہ مجلس روزِ قیامت ان پر باعثِ حسرت ہوگی خواہ وہ اپنے نیک اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہی ہو جائیں۔" (۱۸۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کی دس غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں اور اس کے دس درجات بلند ہو جاتے ہیں۔" (۱۸۸) ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بکثرت درود پڑھنے سے گناہوں کی بخشش اور

1561- [ضعیف: ضعیف ترمذی' ترمذی (٤٨٤) کتاب الصلاۃ: باب ما جاء فی فضل الصلاۃ علی النبی' بخاری فی التاریخ الکبیر (١٧٧/٥) ابن حبان (٩١١) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۸۲) [دیکھئے: ہدایۃ الرواۃ (٤١٧/٢) ارواء الغلیل (٤٣٣-٤٣٤)]

(۱۸۳) [فتاوی اسلامیۃ (١٨٤/٤)]

(۱۸٤) [فتاوی اسلامیۃ (١٧٢/٤)]

(۱۸۵) [صحیح: صحیح الجامع الصغیر (٧٥) صحیح الترغیب والترہیب (١٦٧٧) الأدب المفرد (٦٤٤) صحیح ابن حبان (٤٠٩) مستدرک حاکم (١٥٣/٤) امام حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے۔]

(۱۸٦) [صحیح: صحیح الترغیب والترہیب (١٦٨٣) ترمذی (٣٥٤٦) عمل الیوم واللیلۃ (٥٦) احمد (٢٠١/١) ابن حبان (٩٠٩) حاکم (٥٤٩/١)]

(۱۸۷) [صحیح: السلسلۃ الصحیحۃ (٧٦)]

(۱۸۸) [صحیح: ہدایۃ الرواۃ (٨٨٢)' (٤١٥/١) نسائی (١٢٩٧) صحیح الجامع الصغیر (٦٣٥٩) صحیح الترغیب (١٦٥٧) احمد (١٠٢/٣) عمل الیوم واللیلۃ (٦٢) ابن حبان (٩٠١) حاکم (٥٥٠/١)]

غموں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔(۱۸۹) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا سے پہلے درود پڑھنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔(۱۹۰) امام ابن حبانؒ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس امت میں سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے والے محدثین ہیں کیونکہ وہ ہر وقت حدیث لکھنے پڑھنے اور بیان کرنے میں ہی مصروف رہتے ہیں اور بار بار آپ ﷺ کے نام کے ساتھ درود بھی پڑھتے ہیں۔

1562- وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((سَيِّدُ الِاسْتِغْفَارِ أَنْ يَقُولَ الْعَبْدُ : اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ)) أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" سید الاستغفار (دعا) یہ ہے کہ بندہ یوں کہے" اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں میں تیرے ذریعے سے اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کا میں نے ارتکاب کیا میں تیرے سامنے تیرے انعام کا اقرار کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں لہٰذا تو مجھے معاف کر دے حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو تیرے سوا کوئی بھی معاف نہیں کر سکتا۔" [بخاری]

لغوی توضیح سَيِّدُ الِاسْتِغْفَار استغفار کی سردار اس دعا کو سید الاستغفار اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس کے الفاظ توبہ و استغفار کے لیے جامع معانی پر مشتمل ہیں۔ عَلَى عَهْدِكَ تیرے عہد پر مراد وہ عہد ہے جسے وفا کرنا ہر صاحب ایمان پر اللہ کی اطاعت کی صورت میں واجب ہوتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ساری انسانیت سے لیا تھا کہ وہ اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ مَا اسْتَطَعْتُ اپنی استطاعت کے مطابق کیونکہ انسان اس چیز کا مکلف ہی نہیں جو اس کی استطاعت سے باہر ہے اور فرمانِ نبوی ہے کہ" جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس پر عمل کر لیا کرو۔"(۱۹۱) أَبُوءُ میں اقرار و اعتراف کرتا ہوں۔

فہم الحدیث اس حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کی فضیلت یہ بیان فرمائی ہے کہ" جو شخص یقین کی حالت میں دن کو یہ دعا پڑھے اور اسی دن شام سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنت میں جائے گا اور جو شخص یقین کی حالت میں رات کو یہ دعا پڑھے اور پھر اسی رات صبح سے پہلے فوت ہو جائے تو جنت میں جائے گا۔" قرآن میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر استغفار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔(۱۹۲) توبہ و استغفار کرنے والے لوگ ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں جیسا کہ ایک

1562- [بخاری (٦٣٠٦) كتاب الدعوات : باب أفضل الاستغفار ' الأدب المفرد (٦١٧-٦٢٠) ترمذی (٣٣٩٣) نسائی (٢٧٩/٨) احمد (١٢٢/٤) ابن حبان (٩٣٣)]

(۱۸۹) [حسن : هداية الرواة (٨٨٩) ' (٤١٨/١) ترمذی (٢٤٥٧) كتاب صفة القيامة والرقائق والورع : باب' مستدرك حاكم (٤٢١/٢) امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۱۹۰) [حسن : هداية الرواة (٨٩١) ' (٤١٩/١) ترمذی (٥٩٣)]

(۱۹۱) [ارواء الغليل (١٥٥) رواه البخاري ومسلم]

(۱۹۲) [غافر : ٥٥] ' [محمد : ١٩] ' [البقرة : ١٩٩] ' [هود : ٩٠] ' [الأنفال : ٣٣]

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے اور ایسے لوگ لے آئے جو گناہ کریں' پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔" (۱۹۳)
ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں دن میں سو (100) مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔" (۱۹۴)
جب نبی کریم ﷺ کی یہ حالت تھی جن کے تمام گناہ بخش دیئے گئے تھے تو ہماری کیا حالت ہونی چاہیے جن کے گناہوں کا کوئی شمار ہی نہیں۔ بکثرت استغفار کرنے والے کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ جسے یہ پسند ہے کہ اس کا نامہ اعمال اسے خوش کر دے تو اسے بکثرت استغفار کرنا چاہیے۔ (۱۹۵)

1563- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِينَ يُمْسِي وَحِينَ يُصْبِحُ: ((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي، وَاحْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي)) أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ کلمات صبح اور شام کے وقت کبھی نہیں چھوڑتے تھے "اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اپنے دین' اپنی دنیا' اپنے اہل وعیال اور اپنے مال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میرے عیبوں پر پردہ ڈال دے اور میری گھبراہٹوں کو امن دے' اے اللہ! میرے سامنے سے' میرے پیچھے سے' میری دائیں طرف سے' میری بائیں طرف سے اور میرے اوپر سے میری حفاظت فرما اور میں تیری عظمت کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے اچانک ہلاک کر دیا جاؤں۔"
[اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح اَلْعَافِيَةَ عافیت' دین میں عافیت سے مراد یہ ہے کہ انسان تمام اُمورِ دین (مثلاً عقائد و عبادات وغیرہ) میں ہر قسم کی گمراہی سے سلامت رہے۔ دنیا میں عافیت یہ ہے کہ دنیا کے مصائب و مشکلات اور آزمائشوں سے انسان کو چھٹکارہ مل جائے۔ اہل وعیال میں عافیت یہ ہے کہ انسان کو گھریلو امن وسکون' اتفاق واتحاد اور محبت واُلفت نصیب ہو جائے۔ مال میں عافیت یہ ہے کہ انسان ہر اس فتنے سے محفوظ ہو جائے جو انسان کو مال کی بدولت پیش آنے والا ہے۔ عَوْرَاتِي جمع ہے عَوْرَةٌ کی' اس سے مراد وہ تمام عیوب و گناہ اور ایسی اشیاء ہیں جن کے ظاہر ہونے سے انسان خائف ہو۔ رَوْعَاتِي جمع ہے رَوْعَةٌ کی' اس کا معنی ہے "گھبراہٹ"۔ وَاحْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ میرے سامنے سے میری حفاظت فرما' مختلف اطراف سے اپنی حفاظت کی دعا اس لیے کی گئی ہے کیونکہ انسان ہر طرف سے آفات و مصائب میں گھرا ہوا' کسی وقت بھی اس پر اس کے دشمنوں (خواہ انسانوں میں سے ہوں یا شیطانوں میں سے) کا حملہ ہو سکتا ہے کہ جن سے حفاظت صرف اللہ تعالیٰ ہی

1563- [صحیح: صحیح ابو داود' ابو داود (۵۰۷٤) بخاری فی الأدب المفرد (۱۲۰۰) نسائی (۲۸۲/۸) ابن ماجه (۳۸۷۱) احمد (۲۵/۲) ابن حبان (۹٦۱) حاکم (۵۱۷/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۱۹۳) [حسن: هداية الرواة (۲۲۸۰)' (٤٤۹/۲) ترمذی (۲٤۹۹) ابن ماجه (٤۲۵۱) صحیح الجامع الصغیر (٤۵۱۵) صحیح الترغیب والترهیب (۳۱۳۹)]

(۱۹٤) [حسن: صحیح الجامع الصغیر (۱۹۰۳) صحیح الترغیب والترهیب (۳۱٤۳) ابن ماجه (٤۲۵۳) ترمذی (۳۵۳۷) المشکاة (۲۳٤۳)]

(۱۹۵) [حسن: صحیح الترغیب (۱٦۱۹) بیهقی فی شعب الایمان (٦٤۸)]

کر سکتے ہیں۔ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي کہ میں اپنے نیچے سے اچانک ہلاک کر دیا جاؤں' جیسے (فرعون کی طرح) ڈوب کر یا (قارون کی طرح) زمین میں دھنس کر موت آنا وغیرہ۔ اچانک موت سے اس لیے پناہ مانگی گئی ہے کیونکہ اس صورت میں انسان کو بہت سے اہم معاملات ادھورے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونا پڑتا ہے اور توبہ کا بھی موقع نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں یہ دعا صبح وشام پابندی سے پڑھنا مسنون ہے۔

1564- وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ! بے شک میں تجھ سے تیری نعمت کے زائل ہو جانے' تیری عافیت کے پھر جانے' تیرے اچانک عذاب اور تیری ہر طرح کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔" [مسلم]

لغوی توضیح تَحَوُّل مصدر ہے باب تفعّل سے' اس کا معنی ہے "منتقل ہو جانا' پھر جانا' بدل جانا وغیرہ"۔ فُجَاءَة اچانک۔ نِقْمَة انتقام وبدلہ۔

فهم الحديث نعمتوں کا زوال دراصل اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور گناہوں کے ارتکاب کے باعث ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی اس کی روزی اس کے پاس بافراغت ہر جگہ سے چلی آ رہی تھی' پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو بدلہ تھا ان کے کرتوتوں کا۔"(١٩٦) ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ "اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔" (١٩٧) اس لیے یہاں زوالِ نعمت کی پناہ میں ضمناً ایسے گناہوں کی پناہ شامل ہے جو نعمت کے زوال کا ذریعہ وسبب بنتے ہیں۔

1565- وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ "اے اللہ! میں تجھ سے قرض کے غلبے اور دشمن کے غلبے اور (میرے نقصان پر) دشمنوں کے خوش ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" [اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الدَّيْن قرض۔ عَدُو دشمن' اس کی جمع أَعْدَاء آتی ہے۔ غَلَبَة قرض کا غلبہ یہ ہے کہ ادائیگی قرض کی طاقت نہ ہو' غلبہ قرض سے پناہ اس لیے مانگی کیونکہ جب انسان قرض سے مغلوب ہو جاتا ہے تو پھر بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے(١٩٨) اور دشمن کے غلبہ سے پناہ اس لیے مانگی کیونکہ اس صورت

1564- [مسلم (٢٧٣٩) كتاب الذكر والدعاء: باب أكثر أهل الجنة الفقراء' بخاري في الأدب المفرد (٦٨٦) ابو داود (١٥٤٥)]

1565- [صحيح: صحيح الجامع الصغير (١٢٩٦) السلسلة الصحيحة (١٥٤١) نسائي (٢٦٥/٨) احمد (١٧٣/٢) حاكم (٥٣١/١) شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

---

(١٩٦) [النحل: ١١٢] (١٩٧) [ابراهيم: ٧]

(١٩٨) [بخاري: كتاب الأذان: باب الدعاء قبل السلام]

میں عزت و ناموس' جان و مال اور دین و مذہب سب غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ شَمَاتَة وہ خوشی جو نقصان کے وقت دشمن کو حاصل ہو۔

1566- وَ عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقُولُ : ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ' الْأَحَدُ الصَّمَدُ ' الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ' وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ' فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : ((لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ)) أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس واسطے سے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے' تیرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں' تو اکیلا و بے نیاز ہے' جس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ خود جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کا شریک و ہمسر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کے اس نام کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے۔"
[اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح الْأَحَد اکیلا ہے' یعنی الوہیت' ربوبیت اور اسماء وصفات کسی بھی چیز میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ الصَّمَدُ جو قاضی الحاجات ہو اور لوگ اپنی حوائج وضروریات پوری کرانے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ لَمْ يَلِدْ اس نے کسی کو نہیں جنا' یعنی اس کی کوئی اولاد نہیں' اس سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں کا بھی یہ عقیدہ غلط ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ لَمْ يُولَدْ نہ ہی وہ خود جنا گیا ہے' یعنی وہ خود بھی کسی کا بیٹا نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ پہلے اللہ موجود نہیں تھا بعد میں اس کی پیدائش ہوئی' حالانکہ اللہ تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ كُفُوًا ہمسر' برابر۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ الفاظ کے ساتھ دعا کی جائے تو دعا قبول ہوتی ہے اس لیے دعا کے وقت انہیں پڑھنا چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ دعا کرنا مستحب ہے اور قرآن میں بھی ہے کہ ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ [الاعراف : ۱۸۰] "اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں تم اسے ان کے ذریعے پکارو۔"

1567- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَصْبَحَ يَقُولُ : ((اللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ النُّشُورُ)) وَإِذَا أَمْسَى قَالَ مِثْلَ ذَالِكَ ' إِلَّا أَنَّهُ قَالَ : ((وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کرتے تو کہتے "اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ ہم نے صبح کی اور تیرے نام کے ساتھ ہم نے شام کی اور تیرے ہی نام کے ساتھ ہم زندہ ہیں اور تیرے ہی نام کے ساتھ ہم مریں گے اور تیری ہی طرف اٹھ کر جانا ہے۔" اور جب شام کرتے تو اسی کی مثل کہتے الا کہ (آخر

1566- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۱۴۹۳) کتاب الصلاۃ : باب الدعاء' ترمذی (۳۴۷۵) ابن ماجہ (۳۸۵۷) احمد (۳۵۰/۵) ابن حبان (۸۹۱) حاکم (۵۰۴/۱) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو حسن اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

1567- [صحیح : صحیح ابو داود' ابو داود (۵۰۶۸) بخاری فی الأدب المفرد (۱۲۰۴) ترمذی (۳۳۹۱) ابن ماجہ (۳۸۶۸) احمد (۳۵۴/۲۔۵۲۲) شیخ عبداللہ بسامؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ ۔

میں) یوں کہتے ''اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' [اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔]

لغوی توضیح النُّشُوْر مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا۔ الْمَصِيْر واپس لوٹنا (یہاں سونے اور بیدار ہونے کو موت وحیات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یعنی صبح کے وقت پہلا کلمہ اس لیے کہا کیونکہ انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے جو کہ موت کی بہن ہے اور شام کے وقت دوسرا کلمہ اس لیے کہا کیونکہ انسان نیند یعنی موت کی طرف دوبارہ لوٹ رہا ہوتا ہے)۔

فهم الحديث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح و شام (ایک ایک مرتبہ) یہ دعا پڑھنا مسنون ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ شام کے وقت یہ دعا پڑھتے ہوئے بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا کی جگہ بِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ أَصْبَحْنَا پڑھنا چاہیے جیسا کہ جامع ترمذی کی روایت میں یہ وضاحت ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اقرار ہے کہ ہر قسم کی نعمت صرف اللہ کی طرف سے ہی ہے کسی دوسرے کی طرف سے نہیں۔

1568- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ : ((رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا سب سے زیادہ کیا کرتے تھے کہ ''اے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی حسنات سے نواز اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمانا اور ہمیں آتش جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔'' [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح قِنَا نون وقایہ اور ضمیر متکلم کے علاوہ لفظ قِ فعل امر کا صیغہ ہے باب وَقَى يَقِي (بروزن ضرب) سے اس کا معنی ہے ''بچانا' محفوظ رکھنا''۔ آپ ﷺ اکثر اوقات یہ دعا اس لیے مانگتے کیونکہ اس میں دنیا و آخرت کی ہر نعمت کا سوال ہے۔ نیز یہ دعا قرآن کریم کی ایک آیت بھی ہے۔(۱۹۹)

1569- وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو : ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي جِدِّي وَهَزْلِي وَخَطَئِي وَعَمْدِي ، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ ، وَمَا أَنْتَ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے ''اے اللہ! مجھے بخش دے میری خطا' میری جہالت' میرے معاملے میں میرا حد سے گزرنا اور جسے تو مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ! مجھے بخش دے میرے سنجیدگی سے کیے ہوئے' میرے مذاق سے کیے ہوئے' میرے غیر ارادی طور پر اور ارادتاً کیے ہوئے (سب) گناہ اور جو کچھ بھی مجھ سے سرزد ہوا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے جو گناہ میں نے پہلے کیے' جو بعد میں کیے' جو چھپا کر کیے

1568- [بخاری (۴۵۲۲-۶۳۸۹) كتاب تفسير القرآن : باب ومنهم من يقول ربنا آتنا في الدنيا حسنة ' الأدب المفرد (۶۷۸) مسلم (۲۶۹۰) ابو داود (۱۵۱۹) احمد (۲۰۹/۳) ابن حبان (۹۴۰)]

1569- [بخاری (۶۳۹۸) كتاب الدعوات : باب قول النبي اللهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت ' الأدب المفرد (۶۸۹) مسلم (۲۷۱۹) احمد (۴۱۷/۴) ابن حبان (۹۵۴-۹۵۷)]

(۱۹۹) [البقرة : ۲۰۱]

أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔

اور جو ظاہر کر کے کیے اور جو تو مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی پہلے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔" [بخاری، مسلم]

لغوی توضیح اَلْخَطِيئَةُ گناہ۔ جِدّ سنجیدگی۔ خَطَئِي غیر ارادی طور پر کیے جانے والے گناہ۔ عَمْدِي ارادتاً کیے ہوئے گناہ۔ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ تو ہی آگے کرنے والا ہے' یعنی اپنی توفیق وعنایت کے ساتھ جسے چاہے صفات کمال عطا فرما دیتا ہے۔ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ تو ہی پیچھے کرنے والا ہے' یعنی جسے چاہے ذلیل ورسوا کر کے' اس پر خیر و بھلائی کے تمام دروازے بند کر کے اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔

فهم الحديث اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہر طرح کے گناہوں کی معافی مانگی ہے حالانکہ قرآن کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔ (۲۰۰) تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ یہ اور اس طرح کی تمام دعائیں اللہ کے اُس حکم پر عمل کرنے کے لیے مانگتے جو سورۂ نصر میں ہے کہ "اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کر اور بخشش طلب کر۔" (۲۰۱) نیز اس میں اختلاف ہے کہ یہ دعا آپ ﷺ کس وقت پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں تشہد میں سلام سے پہلے اور بعض میں سلام کے بعد کا ذکر ہے' اہل علم نے کہا ہے کہ ممکن ہے آپ ﷺ کبھی سلام سے پہلے اور کبھی سلام کے بعد پڑھتے ہوں۔

1570- وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : ((اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي ، وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي ، وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي إِلَيْهَا مَعَادِي ، وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ)) أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے کہ "اے اللہ! میرا دین درست فرما دے جو میرے معاملے کو بچانے کا ذریعہ ہے اور میری دنیا درست فرما دے جس میں میری معاش ہے اور میری آخرت درست فرما دے جس کی طرف میرا لوٹنا ہے اور میری زندگی کو ہر خیر و بھلائی میں اضافے کا باعث بنا دے اور میری موت کو ہر شر سے راحت کا ذریعہ بنا دے۔" [مسلم]

لغوی توضیح عِصْمَةٌ بچاؤ کا ذریعہ۔ مَعَاد لوٹنا۔ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً موت کو (ہر شر سے) راحت کا سبب بنا' اس کا مطلب یہ نہیں کہ موت کی تمنا کرنا جائز ہے کیونکہ موت کی تمنا سے تو بہر حال نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (۲۰۲) اس کا تو بس یہی مطلب ہے کہ جب میں مروں تو تمام شرور سے نجات پا جاؤں کوئی شر باقی نہ رہ جائے مثلاً عذاب قبر' سخت حساب و کتاب اور عذاب جہنم وغیرہ۔

1570- [مسلم (۲۷۲۰) كتاب الذكر والدعاء : باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم يعمل ' بخاري في الأدب المفرد (٦٦٩)]

(۲۰۰) [الفتح : ۲] (۲۰۱) [النصر : ۳]

(۲۰۲) [بخاری (۲۳۵۱) مسلم (۲۶۸۰) أبو داود (۳۱۰۸) ترمذی (۹۷۱) نسائی (۱۸۲۰) ابن ماجة (٤٢٦٥)]

1571- وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ((اللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَارْزُقْنِي عِلْمًا يَنْفَعُنِي)) رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! تو نے جو مجھے علم عطا فرمایا ہے اس سے مجھے نفع پہنچا اور مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع دے اور مجھے نفع بخش علم عطا فرما۔'' [اسے نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔]

1572- وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نَحْوَهُ، وَقَالَ فِي آخِرِهِ: ((وَزِدْنِي عِلْمًا، الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ)) وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے البتہ اس کے آخر میں اتنا اضافہ ہے کہ ''اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ ہر حال میں تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور میں جہنمیوں کے حال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' [اس کی سند حسن ہے۔]

فهم الحديث ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ کی یہ دعا بھی مذکور ہے کہ ﴿ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ ﴾ ''اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔''(۲۰۳) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے علم کا سوال کرنا چاہیے جو نافع ہو اور جو علم غیر نافع ہو اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ نافع علم میں دینی علوم سرفہرست ہیں کیونکہ ان کا نفع دنیا و آخرت میں حاصل ہوتا ہے اور پھر نافع علم میں وہ تمام علوم وفنون بھی شامل ہیں جن کے ذریعے کسی بھی طریقے سے دنیا میں غلبہ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا جا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ اور غیر نافع علم میں وہ علوم شامل ہیں جن کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی آخرت میں مثلاً جھوٹے قصے کہانیاں، افسانے اور ناول وغیرہ۔

1573- وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهَا هَذَا الدُّعَاءَ: ((اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ بِهِ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ دعا سکھائی ''اے اللہ! میں تجھ سے جلدی ملنے والی یا دیر سے ملنے والی ہر طرح کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، جسے میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا اور میں جلدی آنے والے یا دیر سے آنے والے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، جس کا مجھے علم ہے یا نہیں ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس چیز کی خیر کا سوال کرتا ہوں جس کا تیرے بندے اور تیرے نبی نے تجھ سے سوال کیا اور میں اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس سے تیرے بندے اور تیرے نبی نے پناہ مانگی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور (ہر)

1571- [**صحیح**: السلسلة الصحيحة (۳۱۵۱) حاکم (۵۱۰/۱) شیخ عبداللہ بسام نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

1572- [**صحیح**: صحیح ترمذی، ترمذی (۳۳۵۹) كتاب الدعوات: باب في العفو والعافية، ابن ماجه (۲۵۱-۳۸۳۳)]

1573- [**صحیح**: صحیح ابن ماجه، ابن ماجه (۳۸۴۶) كتاب الدعاء: باب الجوامع من الدعاء، الأدب المفرد (۶۳۹) حاکم (۵۲۱/۱) ابن حبان (۸۶۹) شیخ عبداللہ بسام اور شیخ حازم علی قاضی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔]

(۲۰۳) [**صحیح**: صحیح الجامع الصغير (۱۲۸۶) ابو داود (۱۵۴۸) ابن ماجه (۲۵۰) نسائی (۵۴۴۲)]

إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي خَيْرًا)) أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ۔

اس قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو اس کے قریب کر دے اور میں آتش جہنم سے اور (ہر) اس قول و عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو اس کے قریب کر دے اور میں تجھ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ تو ہر وہ فیصلہ جو میرے حق میں کر چکا ہے اسے میرے لیے بہتر بنا دے۔
[اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لغوی توضیح عَاجِلِهِ ایسی خیر جو جلد ملنے والی ہے' مراد ہے جو خیر حاضر و موجود ہو' بعض نے اس سے دنیا کی خیر و بھلائی بھی مراد لی ہے۔ آجِلِهِ ایسی خیر جو دیر سے ملنے والی ہے خواہ دنیا میں یا آخرت میں' بعض نے اس سے صرف آخرت میں ملنے والی خیر مراد لی ہے۔ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا اور جو قول و عمل بھی اس کے قریب کر دے۔ یہ تقریب (بروزن تفعیل) سے مصدر ہے۔ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي ایسا فیصلہ جو تو نے میرے حق میں کر دیا ہے' یعنی تو نے جو کچھ میری تقدیر میں لکھ دیا ہے اسے میرے لیے بہتر بنا دے۔

فہم الحدیث یہ دعا نہایت نفع مند' بہت ہی جامع اور دنیا و آخرت کی خیر اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے بالخصوص اس لیے کہ اس میں ہر اس چیز کا سوال کیا گیا ہے جس کا رسول ﷺ نے سوال کیا اور ہر اس چیز سے پناہ مانگی گئی ہے جس سے رسول ﷺ نے پناہ مانگی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ نہایت مفید دعا سکھائی اسی طرح ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ضروری اور نفع مند دعائیں سکھائے۔

1574- وَأَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ))۔

اور بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "دو کلمے ایسے ہیں جو رحمان کو بڑے محبوب' زبان پر بہت ہلکے اور میزان میں نہایت وزنی ہیں (اور وہ یہ ہیں) سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اپنی حمد کے ساتھ' اللہ پاک ہے عظمت والا۔"

لغوی توضیح كَلِمَتَانِ دو کلمے' یہ كلمة سے تثنیہ ہے اور سبحان اللہ مبتدا مؤخر کی خبر مقدم ہے اور حبیبتان' خفیفتان اور ثقیلتان اس کی صفات ہیں۔ حَبِيبَتَانِ تثنیہ ہے حَبِيب سے اور حَبِيب بمعنی محبوب ہے' یعنی پسندیدہ۔ خَفِيفَتَانِ تثنیہ ہے خَفِيفَة سے' اس کا معنی ہے (زبان پر) ہلکے کیونکہ ان کے حروف نہایت کم ہیں۔ ثَقِيلَتَانِ تثنیہ ہے ثَقِيلَة سے' اس کا معنی ہے (ترازو میں) وزنی' کیونکہ ان کا اجر بہت زیادہ ہے۔ سُبْحَانَ پاک ہونا' یہ منصوب اس لیے ہے کیونکہ یہ مفعول مطلق ہے فعل محذوف أُسَبِّحُ کا۔

فہم الحدیث اس حدیث سے مذکورہ کلمات کی خاص فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روزِ قیامت میزان قائم کیا جائے گا جس میں لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ﴾ [الأنبياء: ٤٧] "اور روزِ قیامت ہم انصاف کے ترازو رکھ دیں گے پھر کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں

1574- [بخاری (٦٤٠٦-٧٥٦٣) کتاب الدعوات: باب فضل التسبیح' مسلم (٢٦٩٤) ترمذی (٣٤٦٧) ابن ماجہ (٣٨٠٦) احمد (٢٣٢/٢) ابن حبان (٨٣١)]

کیا جائے گا۔'' یہاں بعض عقل پرستوں نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ اعمال تو اعراض کی صورت میں ہیں جن کا کوئی جسم نہیں اس لیے ان کا وزن کرنا کیسے ممکن ہے؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان پر کامل ایمان ہونا چاہیے خواہ اس کی کیفیت سمجھ میں آئے یا نہ آئے' دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عین ممکن ہے کہ روزِ قیامت اعمال کو مجسم صورت میں لا کر ان کا وزن کیا جائے جیسا کہ صحیح احادیث میں بعض اعمال کے متعلق ایسا ذکر ملتا ہے مثلاً ایک روایت میں قرآن کے متعلق ہے کہ روزِ قیامت وہ ایک خوبصورت نوجوان کی صورت میں آئے گا اور پھر اپنے پڑھنے والے کو بتائے گا کہ میں قرآن ہوں جسے تو راتوں کو بیدار ہو کر پڑھتا رہا۔(٢٠٤) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ مومن کی قبر میں اس کا عمل صالح ایک خوبصورت نوجوان کی صورت میں آئے گا۔(٢٠٥) اس کا تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک تو یہ اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے لیکن اب تو سائنس کی بدولت ایسی ایسی اشیاء کا بھی وزن ہونے لگا ہے جن کا بظاہر کوئی جسم نہیں مثلاً آواز و حرارت وغیرہ' تو جب انسان اعراض کا وزن کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خالقِ انسانیت کے لیے ایسا کیونکر ناممکن ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے رحمتِ الٰہی کی وسعت بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ان مختصر کلموں کے بدلے عظیم اجر و بدلہ عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کے سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ روایت بھی قابل ذکر ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمام مخلوق کے سامنے میری امت کے ایک شخص کا انتخاب فرمائیں گے۔ اس کے سامنے اس کے اعمال کے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ہر رجسٹر کا طول و عرض انسان کی حدِ نگاہ کے برابر ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا تجھے ان میں کسی بات پر کوئی اعتراض ہے؟ کیا میرے کراماً کاتبین فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم تو نہیں کیا؟ وہ جواب دے گا' اے پروردگار! نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے کوئی عذر تھا؟ وہ جواب دے گا' اے پروردگار! نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' ہاں میرے پاس تیری ایک نیکی ہے اور آج کے دن تجھ پر ظلم نہیں ہو گا چنانچہ ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ نکالا جائے گا اس میں یہ کلمہ ﴿ أشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله ﴾ تحریر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو اعمال کے وزن کے وقت موجود رہنا۔ وہ کہے گا' اے پروردگار! ان بہت سے رجسٹروں کے مقابلے میں ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا' بلا شبہ تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا' تمام رجسٹروں کو ایک پلڑے میں اور کاغذ کے پرزے کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو رجسٹروں کا وزن کم ہو جائے گا اور کاغذ کا پرزہ بھاری ہو جائے گا اس لیے کہ اللہ کے نام سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں۔''(٢٠٦)

❑ حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کی اقتداء کرتے ہوئے اپنی کتاب کو اس حدیث پر ختم کیا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنی الجامع الصحیح کو اسی حدیث پر ختم کیا ہے اور یہ اقتداء نہایت عمدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول محمد ﷺ کی رسالت کو اسی عمل پر ختم کیا ہے' فرمایا ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴾ [النصر : ٣] ''اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو اور اس سے بخشش طلب کرو یقیناً وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

(٢٠٤) [مسند احمد (٣٤٨/٥-٣٥٢)] (٢٠٥) [مسند احمد (٢٨٧/٥)]

(٢٠٦) [صحيح : هداية الرولة (٥٤٩٢)' (١٧٤/٥) السلسلة الصحيحة (١٣٥) ترمذی (٢٦٣٩) ابن ماجه (٤٣٠٠) مستدرك حاكم (٦٨) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

احادیث بلوغ المرام کے رواۃ

ابی بن عمارہ	انصاری صحابی، مصر میں رہائش اختیار کی، انہیں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔
ابن ابی عمار	نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ، کثرت عبادت کی وجہ سے لقب القَس یعنی پادری تھا اور نسائیؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔
ابی بن کعب	کنیت ابو منذر، انصار سے تعلق، قراء کے سربراہ، کاتب وحی، مفتی عہد رسالت، بیعت عقبہ ثانیہ اور غزوات میں شریک رہے۔
اسامہ بن زید	کنیت ابو محمد یا ابو زید، والدہ کا نام اُم ایمن، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید کے بیٹے، وفات ۵۴ھ۔
ابو اسحٰق السبیعی	نام عمرو بن عبداللہ، معروف تابعی، آخری عمر میں اختلاط ہو گیا، عہد عثمانی میں پیدائش اور وفات ۱۲۹ھ۔
اسماء بنت ابی بکر	عائشہ کی بڑی بہن اور عبداللہ بن زبیر کی والدہ، قدیم الاسلام صحابیہ، ۷۳ھ میں ابن زبیر کی شہادت کے بعد وفات۔
اسماء بنت عمیس	جعفر بن ابی طالب کی بیوی، ان کی وفات کے بعد ابو بکرؓ نے اور ان کی وفات کے بعد علیؓ نے ان سے نکاح کیا۔
اسماء بنت یزید	یزید بن سکن کی بیٹی، خواتین کی خطیبہ، جنگ یرموک میں شریک تھیں، اس روز انہوں نے ۹ دشمن ہلاک کیے۔
ابو اسید	نام مالک بن ربیعہ بن بدن، غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور ۳۰ھ میں وفات پائی۔
اشعث بن قیس	کنیت ابو محمد، جنگ یرموک میں ایک آنکھ ضائع ہو گئی، آذربائیجان کے والی بنے اور جنگ صفین میں علی کے ساتھ تھے۔
افلح اخوابی	کنیت ابو الجعد، رسول اللہ ﷺ یا اُم سلمہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور ابو القعیس ان کا بھائی تھا۔
اقرع بن حابس	عہد جاہلیت اور عہد اسلام میں اپنے قبیلے کے سردار تھے، قبیلہ تمیم سے تعلق تھا اور عہد فاروقی میں فوت ہوئے۔
ابو امامہ الباھلی	بکثرت روایت کرنے والے صحابی، مصر میں رہائش پذیر رہے، پھر ملک شام میں ۸۱ھ یا ۸۶ھ میں فوت ہوئے۔
ابو امامہ الحارثی	نام ایاس بن ثعلبہ بلوی، انصاری قبیلہ بنو حارثہ کے حلیف تھے، بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔
ابو امامہ بن سھل	نام اسعد یا سعد، انصاری صحابی، نبی ﷺ کو دیکھا مگر کچھ سنا نہیں، ۱۰۰ھ میں ۹۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔
ابو امیہ مخزومی	انصاری صحابی ہیں، ان سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے۔
انس بن مالک	معروف خادم نبوی، والدہ کا نام اُم سلیم، نبی ﷺ کی وفات تک آپ کے خادم رہے، ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔
انس بن نضر	حضرت ربیع کے بھائی ہیں، غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے پھر غزوہ اُحد میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔
ابو ایوب انصاری	نام خالد بن زید، کبار صحابہ میں سے ہیں، غزوہ بدر میں شریک تھے اور ۵۰ھ میں جہادِ روم میں شہید ہوئے۔
براء بن عازب	کنیت ابو عمارہ، انصاری صحابی، غزوہ بدر کے بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے، کوفہ میں ۷۲ھ میں فوت ہوئے۔
ابو بردہ انصاری	نام ہانی بن نیار، بدری صحابی ہیں، ۴۱، ۴۲ یا ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔
ابو بردہ	نام عامر بن ابی موسیٰ، معروف تابعی علی اور ابن عمر سے سماع کیا اور ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔
ابو برزہ اسلمی	نام نضلہ بن عبید، قدیم الاسلام صحابی، فتح مکہ اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، ۶۰ یا ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔
بریدہ بن حصیب	کنیت ابو عبداللہ، غزوہ اُحد کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، ۶۲ یا ۶۳ھ میں وفات پائی۔
بسرہ بنت صفوان	ابتدائی اسلام قبول کرنے والوں ان کا شمار ہوتا ہے۔ یہ عہد معاویہ تک زندہ رہے۔

ابو بکر صدیق	نام عبداللہ بن عثمان، آپ کے والد کی کنیت ابوقحافہ، آپ پہلے خلیفہ راشد ہیں، ۱۳ھ میں فوت ہوئے۔
ابو بکر ابن حزم	پورا نام ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری، کتب ستہ کے راوی، طبقہ پانچواں، ۱۲۰ھ میں وفات ہوئی۔
ابو بکر نفیع	کبار صحابہ میں سے ہیں، طائف کے قلعہ سے باہر نکل کر اسلام قبول کیا، ۵۱ یا ۵۲ھ میں فوت ہوئے۔
بلال بن حارث	صحابی رسول، نسبت مزنی، مدینہ میں رہائش اختیار کی پھر بصرہ چلے گئے، ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔
بلال بن رباح حبشی	معروف مؤذن اسلام، نبی ﷺ کی وفات کے بعد اذان کہنا بند کردی، ۱۷ یا ۱۸ھ میں دمشق میں فوت ہوئے۔
بهز بن حکیم	کنیت ابوعبدالملک، طبقہ سادسہ کے تابعی، ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے، ۱۴۰ھ میں فوت ہوئے۔
تمیم داری	کنیت ابورقیہ، ۹ھ میں مسلمان ہوئے، ایک قول کے مطابق روزانہ سارا قرآن ختم کرتے، ۴۰ھ میں فوت ہوئے۔
ثابت بن ضحاک	کنیت ابوزید، انصاری صحابی، بیعت رضوان میں شریک، ۴۵ یا ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔
ثابت بن قیس	انصاری صحابی، نبی ﷺ کے خطیب، نبی ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی، ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔
ابو ثعلبه خشنی	بیعت رضوان میں شریک صحابی، شام میں رہائش اختیار کی اور وہیں ۷۵ھ میں فوت ہوئے۔
ثمامه بن اثال	یمامہ کے قبیلہ بنوحنیفہ کے سردار، انہیں تین دن مسجد میں باندھا گیا پھر چھوڑ دیا گیا تو مسلمان ہوگئے۔
ثوبان مولی رسول	کنیت ابوعبداللہ، حمیر قبیلہ سے تعلق، اکثر اوقات رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے، ۵۴ھ میں وفات پائی۔
جابر بن سمره	معروف صحابی، کوفہ میں مقیم رہے، ۱۴۶ کے قریب احادیث کے راوی ہیں، ۷۳ھ میں فوت ہوئے۔
جابر بن عبد الله	کنیت ابوعبداللہ، انصاری صحابی، آخری عمر میں نابینا ہوگئے، ۷۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔
جبیر بن مطعم	کنیت ابومحمد یا ابوامیہ، حلیم الطبع شخصیت کے مالک، فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا، ۵۴ یا ۵۷ یا ۵۹ھ میں وفات۔
ابو جحیفه	نام وہب بن عبداللہ، صغار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، علی نے انہیں بیت المال پر عامل بنایا، ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔
جدامه بنت وهب	مشہور صحابیہ، عکاشہ بن محصن کی سگی بہن، مکہ میں قبل از ہجرت اسلام قبول کیا، انیس بن قتادہ کے نکاح میں تھیں۔
جریر بجلی	کنیت ابوعمرو، بجیلہ قبیلہ سے تعلق، ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے، انہیں یمن کا عامل مقرر کیا گیا، ۵۲ یا ۵۴ھ میں وفات۔
جعفر بن ابی طالب	علی کے بھائی، حبشہ کی طرف ہجرت کی، انہی کے ہاتھ پر نجاشی نے اسلام قبول کیا، ۸ھ میں جنگ موتہ میں شہید۔
جندب بن سفیان	بجیلہ قبیلہ سے تعلق، صحابی رسول ہیں، پہلے کوفہ پھر بصرہ میں مقیم ہوئے، ۶۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔
جویریه بنت حارث	زوجہ رسول، غزوہ مریسیع کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ۵۶ھ میں فوت ہوئیں۔
ابو جهیم	حارث بن صمہ کے بیٹے، انصاری صحابی، خلافت معاویہ تک بقید حیات رہے۔
حبیب بن مسلمه	کنیت ابوعبدالرحمان، صحابی رسول، حبیب روم کے نام سے معروف، ارمینیہ کے والی بنے، ۴۱ یا ۴۲ھ میں وفات۔
ام حبیبه	ابوسفیان کی بیٹی اور معاویہ کی بہن، معروف زوجہ رسول، ۷ھ میں آپ کے نکاح میں آئیں، ۴۲ یا ۴۴ یا ۵۰ھ میں وفات۔
حجاج بن عمرو	انصاری صحابی، علی کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھے، انہوں نے دو احادیث روایت کی ہیں۔
ابو حذیفه	نام مھشم یا ہاشم، غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے، جنگ یمامہ میں ۵۳ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔
حذیفه بن یمان	کنیت ابوعبداللہ، پیغمبر اسلام کے راز دان، شہادت عثمان کے چالیس روز بعد فوت ہوئے۔
حسن بن علی	نواسۂ رسول، ۳ھ میں پیدا ہوئے، انہیں علی کے بعد خلیفہ بنایا گیا تو ۷ ماہ بعد دستبردار ہوگئے، ۴۹ھ میں وفات ہوئی۔
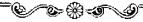
حسن بصری	معروف تابعی، والد کا نام یسار، علم وعمل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، علی اور عثمان کو دیکھا، ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔
حفصہ بنت عمر	زوجہ رسول، پہلے خنیس بن حذافہ کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں۔ ۴۵ھ میں وفات۔
حکم بن حزن	فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، انہوں نے نبی ﷺ کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی۔
حکیم بن حزام	کنیت ابوخالد، زوجہ رسول خدیجہ کے بھانجے، فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، ۵۴ھ کے بعد فوت ہوئے۔
حمران مولی عثمان	انہیں خلیفہ راشد عثمان نے خرید کر آزاد کیا، ثقہ تابعی ہیں، ۷۵ یا ۷۶ھ میں فوت ہوئے۔
حمزہ بن عمرو	کنیت ابوصالح یا ابومحمد، حجازی صحابی، ۶۱ھ میں ۸۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔
حمنہ بنت جحش	زوجہ رسول زینب بنت جحش کی بہن، پہلے مصعب کے نکاح میں تھیں، ان کی شہادت کے بعد طلحہ کے نکاح میں آئیں۔
ابو حمید ساعدی	نام عمرو، غزوہ احد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، خلافت معاویہ کے آخری ایام میں فوت ہوئے۔
حنظلہ بن قیس	زرقی انصاری، ثقہ تابعی، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام کو بھی دیکھا ہے۔
ابو حنیفہ نعمان	معروف ائمہ اربعہ میں سے ایک امام، فقہ، زہد وتقویٰ اور سخاوت میں مشہور، ۸۰ھ میں پیدائش اور ۱۵۰ھ میں وفات۔
خارجہ بن حذافہ	انتہائی شجاع صحابی حتی کہ اکیلے ایک ہزار کے برابر، مصر کے قاضی مقرر ہوئے، ۴۰ھ میں قتل ہوئے۔
خالد بن عرفطہ	صحابی رسول، کوفہ کے حاکم مقرر ہوئے، ۶۱ یا ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔
خالد بن معدان	کنیت ابوعبداللہ، فقیہ تابعی، ان کے بقول ستر صحابہ سے ان کی ملاقات ہوئی، ۱۰۳ یا ۱۰۴ یا ۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔
خالد بن ولید	فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے، جنگ موتہ میں ۹ تلواریں توڑیں تو سیف اللہ کا لقب ملا۔ ۲۱ھ میں حمص میں وفات۔
خباب بن ارت	بدری صحابی، قبول اسلام کے بعد بہت زیادہ مصائب برداشت کیے، کوفہ میں ۳۷ھ میں فوت ہوئے۔
خزیمہ بن ثابت	کنیت ابوعمارہ، انصاری صحابی، بدر اور بعد کی جنگوں میں شریک ہوئے، صفین میں شہید ہوئے۔
خلاد بن سائب	ثقہ تابعی ہیں، ان کا مکمل نام خلاد بن سائب بن خلاد بن سوید انصاری خزرجی ہے۔
خوات بن جبیر	جلیل القدر صحابی ہیں، غزوات اسلام میں شریک رہے، ۴۰ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔
خولہ انصاری	قیس بن فہد کی بیٹی، سیدالشہداء حضرت حمزہ کی بیوی تھیں، ان کی شہادت کے بعد نعمان زرقی سے نکاح ہوا۔
ابو الدرداء	جلیل القدر صحابی، بدر کے روز مسلمان ہوئے، دمشق کے والی بنے، ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔
ابو ذر	نام جندب بن جنادہ، زاہد صحابہ میں سے ایک، اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی مسلمان ہوئے ۳۲ھ میں وفات پائی۔
رافع بن خدیج	کنیت ابوعبداللہ، غزوۂ احد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، ۷۳ یا ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔
رافع بن سنان	کنیت ابوالحکم، انصاری صحابی، عامر بن ثعلبہ کی اولاد سے ہیں۔
ابو رافع مولی رسول	نام اسلم یا ہرمز، غزوہ بدر سے پہلے مسلمان ہوئے، نبی ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا، ۳۶ھ میں وفات پائی۔
ربیع بن سبرہ	پورا نام، ربیع بن سبرہ بن معبد جہنی مدنی ہے، انہیں نسائی اور عجلی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔
ربیعہ بن کعب	کنیت ابوفراس، خادم رسول تھے، اکثر وقت آپ کے ساتھ گزارا، ۶۳ھ میں فوت ہوئے۔
رفاعہ بن رافع	کنیت ابومعاذ جلیل القدر صحابی، بیعت عقبہ اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، ۴۱ھ میں فوت ہوئے۔
ابو رمثہ	معروف کوفی صحابی ہیں، حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ سے ملاقات ہوئی۔

رویفع بن ثابت	انصاری صحابی ہیں، مصر میں مقیم ہوئے، ۴۶ھ میں وفات پائی۔
زبیر بن عوام	پیغمبر اسلام کے قریبی اور آپ کی پھوپھی صفیہ کے بیٹے اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، ۳۶ھ میں فوت ہوئے۔
ابو الزبیر	نام محمد بن مسلم بن تدرس، حکیم بن حزام کے غلام، ثقہ تابعی ہیں، تدلیس کرتے ہیں، ۱۲۸ھ میں فوت ہوئے۔
ابو الزناد	نام عبداللہ بن ذکوان اموی، ثقہ راوی ہیں، ۱۳۰ یا ۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔
زیاد بن حارث	صداء یمنی قبیلہ کے ایک فرد، انہوں نے رسول ﷺ کے سامنے اذان دی تھی۔
زیاد السہمی	تیسرے طبقہ کے راوی، مرسل روایات بیان کرتے ہیں، ایک قول ہے کہ عمرو بن عاص کے آزادہ کردہ غلام ہیں۔
زید بن ارقم	کنیت ابو عمرو، انصاری صحابی، غزوہ خندق اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، ۶۶ھ میں فوت ہوئے۔
زید بن ثابت	کنیت ابو سعید، کاتب وحی، دور صدیقی اور عثمانی میں جمع قرآن کی خدمت کرنے والے، ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔
زید بن خالد جہنی	کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابو طلحہ، کبار صحابہ میں سے ایک، کوفہ میں مقیم ہوئے اور وہیں ۶۸ یا ۷۸ یا ۸۵ھ میں وفات۔
سائب مخزومی	نام صیفی بن عائذ مخزومی، صحابی رسول، یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، عہد معاویہ تک زندہ رہے۔
سائب بن یزید	کنیت ابو یزید کندی، ۲ھ میں پیدا ہوئے، حجۃ الوداع میں والد کے ساتھ تھے اور ۸۰ھ میں فوت ہوئے۔
سالم بن عبد اللہ	ابن عمر کے بیٹے، کبار تابعین اور فقہاء سبعہ میں سے ایک، علم و فضل میں یکتا، ۱۰۶ھ میں فوت ہوئے۔
سبرہ بن معبد	نسبت جہنی، مدنی صحابی، خلافت معاویہ کے آخری ایام میں فوت ہوئے۔
سراء بنت نبہان	قبیلہ سے غنو سے تعلق رکھتی تھیں، ان سے روایت بیان کرنے والے ربیعہ بن عبدالرحمٰن ہیں۔
سراقہ بن مالک	معروف صحابی رسول، قبیلہ مدلج سے ہونے کی وجہ سے مدلجی کہلائے ۲۴ھ میں وفات پائی۔
سعد بن طارق	پورا نام سعد بن طارق بن اشیم بن مسعود اشجعی کوفی، کنیت ابو مالک، ثقہ تابعی، ۱۴۰ھ میں فوت ہوئے۔
سعد بن ابی وقاص	کنیت ابو اسحٰق، عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ایک، فاتح عراق، ۵۵ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔
سعید بن جبیر	کبار تابعی، حجاج ثقہ نے انہیں قتل کروایا تھا، انہیں ۹۰ھ میں بڑھاپے کی عمر میں قتل کیا گیا۔
ابو سعید خدری	نام سعد بن مالک، انصاری صحابی، خدرہ قبیلہ کی طرف نسبت، ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔
سعید بن سعد	مشہور انصاری صحابی، ایک قول کے مطابق تابعی تھے، علی کے عہد خلافت میں یمن کے والی مقرر ہوئے۔
سعید بن مسیب	کبار تابعین میں سے ایک، آپ فقہ، حدیث، زہد اور تقویٰ وورع کے جامع تھے، ۹۰ھ میں فوت ہوئے۔
سلمان بن عامر	نسبت ضبی، مشہور صحابی، حیات نبوی میں ہی یہ عمر رسیدہ تھے، خلافت معاویہ تک بقید حیات رہے۔
سلمان فارسی	کنیت ابو عبداللہ، فارس سے تعلق تھا، پہلے عیسائی تھے پھر اسلام قبول کرلیا، ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔
سلمہ بن اکوع	کنیت ابو مسلم، نہایت بہادر صحابی تھے، اتنی تیز دوڑتے کہ گھوڑے سے بھی آگے نکل جاتے، ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔
سلمہ بن صخر	نسبت بیاضی، قبیلہ بنی بیاضہ کی طرف منسوب، بہت زیادہ رونے والے صحابہ میں سے ایک تھے۔
ابو سلمہ	والد کا نام عبدالرحمٰن، فقہاء تابعین میں سے ایک تھے، ان کی کنیت ہی ان کا نام تھا، ۱۰۴ھ میں فوت ہوئے۔
ابو سلمہ	نام عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی، رسول ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی، غزوۂ احد کے زخم کی وجہ سے ۴ھ میں فوت ہوئے۔
ام سلمہ	زوجہ رسول، پہلے ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد آپ کے نکاح میں آگئیں، ۵۹ یا ۶۲ھ میں وفات۔

ام سلیم	نام رمیصاء، انس خادم رسول کی والدہ، پہلے مالک بن نضر اور پھر ابوطلحہ کے نکاح میں تھیں، عہد عثمانی میں وفات ہوئی۔
سلمہ بن محبق	کنیت ابوسفیان، نسبت ہذلی، بصری صحابی ہیں، متعدد غزوات میں شریک رہے۔
سلیمان بن بریدہ	معروف تابعی، ابن معین اور ابوحاتم وغیرہ نے انہیں ثقہ کہا ہے۔
سلیمان بن یسار	کنیت ابوایوب، کبار تابعین اور فقہائے سبعہ میں سے ایک، زوجہ رسول میمونہ کے آزاد کردہ غلام، ۱۰۷ھ میں وفات۔
ابو السمح	نام ایاد، رسول ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم، ان کی وفات کہاں ہوئی اس کے متعلق علم نہیں ہو سکا۔
سمرہ بن جندب	کنیت ابوعبداللہ، مشہور صحابی رسول، انہیں بکثرت احادیث اور قرآن حفظ تھا، ۵۹ھ میں وفات پائی۔
سھل بن ابی حثمہ	صغار تابعین میں سے ایک، ۳ھ میں پیدائش ہوئی، کوفہ میں مقیم رہے، مصعب بن زبیر کے عہد میں فوت ہوئے۔
سھل بن سعد	کنیت ابوالعباس، انصاری صحابی، رسول ﷺ کی وفات کے وقت عمر ۱۵ برس، ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔
شداد بن اوس	کنیت ابویعلی، انصاری صحابی، حضرت حسان کے بھتیجے تھے، ۵۸ھ میں ۷۵ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔
ابو شریح خزاعی	نام عمرو بن خویلد، انہوں نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کیا اور مدینہ میں ۶۸ھ میں وفات پائی۔
شرید بن سوید	پہلے نام مالک تھا، پھر آپ ﷺ نے شرید رکھ دیا اور ان کا تعلق قبیلہ ثقیف سے تھا۔
صالح بن خوات	مشہور تابعین میں سے ایک، انہوں نے بہت سے صحابہ سے احادیث سنی ہیں۔
صخر بن العیلہ	انہیں احمسی کہا جاتا تھا، کنیت ابوحازم تھی، یہ صحابی ہیں اور صرف اسی حدیث کے راوی ہیں۔
ابو صرمہ	نام مالک بن قیس، نسبت مازنی، بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے، چند احادیث کے راوی ہیں۔
صعب بن جثامہ	نسبت لیثی، ودان اور ابواء کے رہائشی، عہد صدیقی میں یا بقول بعض عہد عثمانی میں وفات پائی۔
صفوان بن امیہ	مؤلفۃ القلوب صحابہ میں سے ہیں، جنگ حنین میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، شہادت عثمانؓ کے ایام میں فوت ہوئے۔
صفوان بن عسال	مشہور صحابی ہیں، نبی ﷺ کے ساتھ ۱۲ غزوات میں شریک رہے، کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔
صفیۃ بنت شیبہ	پورا نام صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ ہے، کچھ نے انہیں صحابیہ کہا ہے اور کچھ نے تابعیہ کہا ہے۔
صماء بنت بسر	ان کا تعلق قبیلہ مازن سے تھا، صحابیہ تھیں، کچھ نے انہیں عبداللہ بن بسر کی بہن اور کچھ نے ان کی پھوپھی کہا ہے۔
صھیب رومی	کنیت ابویحیٰ، عربی النسل ہیں مگر رومیوں کی قید میں تھے، پھر وہاں سے بھاگ کر مکہ آ گئے، ۳۸ھ میں فوت ہوئے۔
ضحاک بن فیروز	نسبت دیلمی، معروف تابعی ہیں، ابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے۔
ضمرہ بن حبیب	کنیت ابوعتبہ، حمص میں رہتے تھے اس لیے حمصی کہلائے، ثقہ تابعی ہیں۔
طارق اشجعی	مشہور صحابی ہیں، ان سے چودہ احادیث مروی ہیں، ان سے صرف ان کے بیٹے سعد نے ہی روایت کی ہے۔
طارق بن شھاب	کوفہ کے رہائشی، ابوبکر و عمر کے دور میں متعدد غزوات میں شریک ہوئے، مخضرم صحابی ہیں۔
طارق بن عبد اللہ	نسبت محاربی، انہوں نے ذوالمجاز میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا، چند احادیث کے راوی ہیں۔
طاؤس	کنیت ابوعبدالرحمٰن، پورا نام طاؤس بن کیسان، فارسی النسل، فقیہ و ثقہ تابعی ہیں، ۱۰۶ھ میں فوت ہوئے۔
ابو الطفیل	نام عامر بن واثلہ، ۱۰۰ یا ۱۰۲ یا ۱۰۳ھ میں فوت ہوئے، یہ روئے زمین پر فوت ہونے والے آخری صحابی تھے۔
طلحہ بن عبد اللہ	معروف صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کے بھتیجے، فقیہ و ثقہ تابعی، ۹۷ھ میں فوت ہوئے۔

طلحه بن مصرف	کنیت ابومحمد یا ابوعبداللہ، ثقہ تابعی، قاری قرآن، ۱۱۲ھ میں فوت ہوئے۔
طلق بن علی	کنیت ابوعلی، نسبت یمامی، مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک تھے، چودہ احادیث کے راوی ہیں۔
عائذ بن عمرو	نسبت مزنی، بصرہ میں رہائش اختیار کی، بیعت رضوان میں شریک تھے، عہد یزید بن معاویہ میں فوت ہوئے۔
عائشه صدیقه	محبوب زوجہ رسول، پہلے خلیفہ راشد ابوبکر کی لخت جگر، ۵۷یا ۵۸ھ میں وفات پائی۔
عاصم بن عدی	کنیت ابوعبداللہ یا ابوعمرو، بدر اور بعد کے غزوات میں شریک رہے، ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔
عاصم بن عمر	کنیت ابوعمر، بہت زیادہ احادیث روایت کرنے والے تابعی تھے، انہیں مغازی وسیر کے علم میں بھی مہارت تھی۔
ابو عامر اشعری	نام عبداللہ بن ہانی، صحابی تھے، شام میں مقیم تھے، عبدالملک بن مروان کے عہد میں فوت ہوئے۔
عامر بن ربیعه	قدیم الاسلام صحابی تھے، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شریک تھے، متعدد معرکوں میں بھی شریک ہوئے۔
عامر بن عبد الله	ابن زبیر کے بیٹے، والد محترم اور دیگر متعدد صحابہ سے احادیث کا سماع کیا، ثقہ تابعی، ۱۲۴ھ میں فوت ہوئے۔
عبادہ بن صامت	معروف انصاری صحابی، بیعت عقبہ اولی وثانیہ اور بہت سے معرکوں میں شریک رہے، ۳۴ھ میں فوت ہوئے۔
عبد الرحمن بن ابزی	صغار صحابہ میں سے ایک، قبیلہ خزاعہ کے آزاد کردہ غلام، خراسان کے عامل مقرر ہوئے اور کوفہ میں فوت ہوئے۔
عبد الرحمن بن بیلمانی	پورا نام عبدالرحمٰن بن ابی زید مولی عمر مدنی ہے، بعض نے اس راوی کو ثقہ اور بعض نے کمزور کہا ہے۔
عبد الرحمن بن سمره	کنیت ابوسعید، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، بصرہ میں رہائش اختیار کی اور ۵۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔
عبد الرحمن بن عثمان	یہ طلحہ بن عبیداللہ کے بھتیجے ہیں، صحابی ہیں، حدیبیہ کے روز یا ایک قول کے مطابق فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔
عبد الرحمن بن عوف	کنیت ابومحمد، حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں اور بدر واُحد کے علاوہ باقی غزوات میں شریک، ۳۴ھ میں فوت ہوئے۔
عبد الرحمن بن کعب	کنیت ابوالخطاب، مدنی، کبار ثقہ تابعین میں سے ایک، سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں ان کی وفات ہوئی۔
عبد الرحمن بن ابی لیلی	کنیت ابوعیسیٰ، کبار تابعین میں سے ایک، ۸۶ھ میں معرکہ جماجم میں فوت ہوئے۔
عبد الله بن ابی اوفی	کنیت ابومحمد یا ابومعاویہ، والد کا نام علقمہ بن حارث، باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں، انہوں نے ۸۷ھ میں وفات پائی۔
عبد الله بن بحینه	پورا نام عبداللہ بن مالک بن القشب ازدی، قدیم الاسلام زاہد صحابی ہیں، ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔
عبد الله بن بریده	کنیت ابوسہل، تیسرے طبقہ کے ثقہ تابعین میں سے ہیں، ۱۱۵ھ میں فوت ہوئے۔
عبد الله بن ابی بکر	مشہور تابعی ہیں، ستر برس کی عمر میں ۱۳۵ھ میں فوت ہوئے۔
عبد الله بن جعفر	کنیت ابوجعفر، والدہ کا نام اسماء بنت عمیس، بڑے سخی اور بہادر تھے، ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔
عبد الله بن خباب	ثقہ تابعی ہیں، ۳۷ھ کو خارجیوں نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو قتل کر دیا اور یہی جنگ نہروان کا باعث بنا۔
عبد الله بن زبیر	کنیت ابوبکر، نسبت اسدی، والدہ کا نام اسماء بنت ابی بکر، ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف نے انہیں شہید کیا۔
عبد الله بن زمعه	زوجہ رسول سودہ بنت زمعہ کے بھائی، اہل مدینہ کے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔
عبد الله بن زید	بن عاصم، انصاری صحابی، غزوہ اُحد اور جنگ یمامہ میں شریک تھے، ۶۳ھ میں معرکہ حرہ میں شہید ہوئے۔
عبد الله بن زید	بن عبدربہ، کنیت ابومحمد، انصاری صحابی، غزوہ بدر کے علاوہ باقی غزوات میں شریک ہوئے، ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔
عبد الله بن سعدی	قرشی صحابی تھے، ان کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی اور سعدی کا نام عمرو یا قدامہ تھا۔

عبد اللہ بن سلام	کنیت ابو یوسف، یہود کے معتبر عالم تھے، پھر مسلمان ہو گئے، ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔
عبد اللہ بن شخیر	بصری صحابی ہیں، بنی عامر کا جو وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس میں یہ بھی شامل تھے۔
عبد اللہ بن عامر	کنیت ابو عمران، رسول ﷺ کی وفات کے وقت ۱۴ یا ۱۵ برس کے تھے، ۸۵ یا ۹۰ھ میں فوت ہوئے۔
عبد اللہ بن عباس	عبادلہ اربعہ میں سے ایک، مشہور فقیہ امت صحابی، ہجرت سے ۳ سال قبل پیدا ہوئے اور ۶۷ھ میں فوت ہوئے۔
عبد اللہ بن عمر	زاہد اور علم وحکمت کے مالک صحابی، پہلی بار غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، ۷۳ھ میں فوت ہوئے۔
عبد اللہ بن عمرو	جلیل القدر صحابی ہیں، والد سے صرف ۱۳ برس چھوٹے ہیں، بکثرت احادیث کے راوی ہیں، ۶۳ یا ۷۰ھ میں وفات۔
عبد اللہ بن مسعود	معروف فقیہ صحابی، بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے، طویل عرصہ نبی ﷺ کے رفیق رہے، ۳۲ھ میں وفات۔
عبد اللہ بن مغفل	نسبت مزنی، پہلے مدینہ میں تھے پھر مصر چلے گئے، ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔
عبد المطلب بن ربیعہ	قرشی صحابی، پہلے مدینہ میں رہائش اختیار کی پھر دمشق چلے گئے اور وہیں ۶۲ھ میں وفات پائی۔
ابو عبیدہ بن جراح	نام عامر بن عبد اللہ، عشرہ مبشرہ میں سے ایک، دوسری ہجرت حبشہ میں شریک تھے، ۱۸ھ میں وفات پائی۔
عبید اللہ بن عدی	ثقہ تابعی ہیں، ایک قول کے مطابق صحابی ہیں، قریش کے فقہا وعلما میں شمار ہوتے ہیں، ۹۰ھ میں فوت ہوئے۔
عتاب بن اسید	معروف صحابی ہیں، فتح مکہ کے بعد حنین کی طرف جاتے وقت نبی ﷺ نے مکہ میں انہیں عامل مقرر کیا تھا۔
عثمان بن ابی العاص	کنیت ابو عبد اللہ، طائف سے نبی ﷺ کی خدمت میں آنے والے وفد میں شامل تھے، بصرہ میں ۵۱ھ میں فوت ہوئے۔
عثمان بن عفان	تیسرے خلیفہ راشد، نبی ﷺ کے داماد، ذو النورین کے لقب سے معروف، بروز جمعہ ۳۵ھ کو شہید کیے گئے۔
عدی بن حاتم	باپ کی طرح انتہائی سخی تھے اور ان کی مثالیں معروف ہیں، ۱۲۰ برس کی عمر میں ۶۸ھ میں فوت ہوئے۔
عرفجہ بن شریح	مشہور صحابی ہیں، والد کا نام صریح یا طریح یا شریک وغیرہ ذکر کیا گیا ہے، کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔
عروہ بارقی	مشہور صحابی، عمرؓ نے انہیں کوفہ میں منصب قضاء پر فائز کیا تھا، یہ اہل کوفہ میں سے ہی شمار ہوتے ہیں۔
عروہ بن زبیر	کنیت ابو عبد اللہ، کبار تابعین اور فقہائے سبعہ میں سے ایک، ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔
عروہ بن مضرس	سلسلہ نسب ابن اوس بن حارثہ بن لام الطائی ہے، حجۃ الوداع میں شامل تھے، دس احادیث کے راوی ہیں۔
عطیہ قرظی	صغیر صحابی، بنو قریظہ کی طرف منسوب ہیں، ایک حدیث کے راوی ہیں، کوفہ میں رہائش پذیر تھے۔
ام عطیہ	نام نسیبہ، والد کا نام کعب، بزرگ صحابیات میں سے ایک، زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے لیے جنگوں میں بھی شریک رہیں۔
عقبہ بن حارث	کنیت ابو سروعہ، مشہور صحابی ہیں، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور بعد میں ۵۰ برس زندہ رہے۔
عقبہ بن عامر	کنیت ابو حماد یا ابو عامر، میراث اور فقہ کے عالم صحابی، شاعر بھی تھے، مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔
عکرمہ	کنیت ابو عبد اللہ، ابن عباس کے غلام تھے، بڑے عالم وفقیہ تھے، ۱۰۷ھ میں فوت ہوئے۔
علاء بن عبد الرحمن	کنیت ابو شبل، صغار تابعین میں سے ہیں، امام احمد اور دیگر اہل علم نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔
علقمہ بن قیس	جلیل القدر تابعی ہیں، عمر اور ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں، ۶۱ھ میں فوت ہوئے۔
علقمہ بن وائل	پورا نام علقمہ بن وائل بن حجر کندی حضرمی کوفی ہے، ابن حبان نے انہیں ثقہ راوی قرار دیا ہے۔
علی بن ابی طالب	چوتھے خلیفہ راشد، رسول ﷺ کے چچازاد اور داماد، حسن وحسین کے والد، ۴۰ھ کو شہید کیے گئے۔

علی بن طلق	صحابی ہیں، طلق بن علی کے والد ہیں اور ایک قول کے مطابق دونوں ایک ہی شخص ہیں۔
عمار بن یاسر	کنیت ابوالیقظان، اولین صحابہ میں سے ایک، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ میں شریک، ۳۶ھ میں قتل کیے گئے۔
عمر بن خطاب	جلیل القدر صحابی، دوسرے خلیفہ راشد، وسیع ترین علاقے کے فاتح، محرم ۲۴ھ میں شہید کیے گئے۔
عمر بن ابی سلمہ	زوجہ رسول ام سلمہ کے لخت جگر صحابی، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے درمیانی عرصہ میں پیدا ہوئے، ۸۳ھ وفات۔
عمرو بن حارث	صحابی رسول ہیں، قبیلہ خزاعہ کی شاخ مصطلق سے تعلق تھا، ان سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔
عمرو بن خارجہ	انصاری صحابی، ابوسفیان کے حلیف تھے، شام میں رہائش پذیر تھے۔
عمرو بن سلمہ	کنیت ابویزید، اپنے والد کے ساتھ رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت ان کی عمر چھ یا سات برس تھی۔
عمرو بن شرید	کنیت ابوالولید، طائف کے قبیلہ ثقیف سے تعلق ہونے کی وجہ سے ثقفی کہلائے، ثقہ تابعین میں سے ہیں۔
عمرو بن عوف مزنی	کثیر بن عبداللہ کے جد امجد ہیں، بدر میں حاضر تھے، بہت زیادہ رویا کرتے، عہد معاویہ میں وفات پائی۔
عمران بن حصین	کنیت ابونجید، کبار صحابہ میں سے ہیں، غزوہ خیبر کے قریب مسلمان ہوئے، بصرہ میں ۵۲ یا ۵۳ھ میں فوت ہوئے۔
ابو عمیر بن انس	نام عبداللہ بن مالک انصاری، صغار تابعین میں سے ہیں اور ثقہ قرار دیے گئے ہیں۔
عوف بن مالک	نسبت اشجعی، سب سے پہلے غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے، شام میں رہائش اختیار کی اور ۷۳ھ میں فوت ہوئے۔
ابو عیاش الزرقی	نام زید بن ثابت، ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے، ۴۰ھ میں فوت ہوئے۔
عیاض بن حمار	معروف صحابی ہیں، بصرہ میں مقیم رہے حتی کہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔
عیسی بن یزداد	یہ دونوں باپ بیٹا مجہول راوی ہیں جیسا کہ امام ابن معین وغیرہ نے فرمایا ہے۔
فاطمہ بنت قیس	مشہور صحابی ضحاک کی بہن ہیں، اولین مہاجرین میں سے ہیں، انہیں طلاق ہوئی تو ان کا نکاح اسامہ بن زید سے ہوا۔
فریعہ بنت مالک	صحابی ابوسعید خدری کی بہن ہیں، بیعت رضوان میں شریک تھیں۔
فضالہ بن عبید	کنیت ابومحمد، انصاری صحابی ہیں، غزوہ اُحد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، ۵۶ھ میں وفات پائی۔
فیروز دیلمی	کنیت ابوعبداللہ، حمیری بھی کہا جاتا ہے، کذاب مدعی نبوت اسود عنسی کے قاتل، عہد عثمانی میں فوت ہوئے۔
قبیصہ بن مخارق	کنیت ابوبشر، صحابی ہیں، بصرہ میں رہائش پذیر تھے، چھ احادیث کے راوی ہیں۔
ابو قتادہ	نام حارث بن ربعی، مشہور صحابی ہیں، غزوہ احد وغیرہ میں شریک ہوئے، ۴۰ یا ۵۴ھ میں فوت ہوئے۔
قطبہ بن مالک	نسبت ثعلبی وذبیانی، کوفہ میں رہائش پذیر تھے، ان کے بھتیجے زیاد بن علاقہ نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔
ابو قلابہ	نام عبداللہ بن زید بن عمرو، ثقہ تابعی، ارسال بہت کرتے ہیں، شام میں مقیم رہے، ۱۰۴ یا ۱۰۶ھ میں فوت ہوئے۔
کعب بن عجرہ	انصاری صحابی ہیں، کوفہ گئے لیکن پھر مدینہ آگئے اور ۵۱ھ میں فوت ہوئے۔
کعب بن مالک	شاعر صحابی تھے، بیعت عقبہ ثانیہ اور جنگ بدر وغیرہ میں شریک تھے، ۵۰ یا ۵۱ھ میں فوت ہوئے۔
لقیط بن صبرہ	صحابی رسول ہیں، پورا نام یوں ہے کہ لقیط بن صبرہ بن المنتفق بن عامر العامری۔
مالک بن حویرث	کنیت ابوسلمان، نبی ﷺ کے پاس دین کی تعلیم کے لیے آئے اور بیس دن رہے، ۷۴ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے۔
ابو محذورہ	نام سمرہ یا اوس، معروف مؤذن رسول، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور وہیں مقیم ہو گئے، ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔
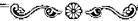
محمود بن لبید	عہد رسالت میں پیدا ہوئے، بقول امام بخاری صحابی تھے، بقول امام مسلم تابعی تھے، ۹۶ھ میں فوت ہوئے۔
ابو مرثد غنوی	نام کناز، بدری صحابی ہیں، دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے ک، ۱۲ھ میں ۶۶ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔
مروان بن حکم	کنیت ابوعبدالملک، معاویہ نے انہیں مدینہ کا گورنر مقرر کیا ہوا تھا، دمشق میں ۶۵ھ میں فوت ہوئے۔
ابو مریم ازدی	حضرمی اور اسدی بھی معروف ہیں، شام میں معاویہ کے پاس تشریف لے آئے تھے اور وہیں مقیم رہے۔
ابو مسعود انصاری	نام عقبہ بن عمرو، انصاری صحابی ہیں، بدر وغیرہ غزوات میں شریک ہوئے، ۴۰ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے۔
مسور بن مخرمہ	جلیل القدر صحابی ہیں، شہادت عثمان کے بعد مکہ چلے گئے، ۶۴ھ میں دوران نماز منجنیق کا گولہ لگنے سے شہید ہوئے۔
معاذ بن جبل	جلیل القدر انصاری صحابی، فقیہ صحابہ میں سے ایک، بیعت عقبہ اور بدر وغیرہ میں شریک ہوئے، ۱۸ھ میں وفات۔
معاویہ بن حکم	حجازی صحابی ہیں، مدینہ میں رہائش اختیار کی اور قبیلہ بنی سلیم کے باشندے بن گئے۔
معاویہ بن ابی سفیان	فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، عہد فاروقی میں شام کے والی بنے اور ۴۰ھ میں خلیفہ وقت قرار پائے، ۶۰ھ میں وفات۔
معقل بن یسار	مزینہ قبیلہ سے تعلق، حدیبیہ سے قبل مسلمان ہوئے، بیعت رضوان میں شریک تھے، ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔
معمر بن عبد اللہ	قدیم الاسلام صحابی، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شریک تھے، پھر مدینہ میں ہی آباد ہو گئے۔
معن بن یزید	باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں، کوفہ میں مقیم رہے، پھر مصر اور پھر دمشق چلے گئے، ۶۴ھ میں مرج راہط کی جنگ میں شہید ہوئے۔
مغیرہ بن شعبہ	کنیت ابوعبداللہ، غزوۂ خندق کے قریب مسلمان ہوئے، معاویہ نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا، ۵۰ھ میں وہیں وفات پائی۔
مقدام	بن معدی کرب، کنیت ابوکریمہ، معروف صحابی ہیں، شام میں رہائش پذیر ہوئے، ۸۷ھ میں وفات پائی۔
مکحول	فقیہ شام، بہت بڑے عالم دین تھے، ۱۱۳ھ میں فوت ہوئے۔
ابو موسیٰ اشعری	نام عبداللہ بن قیس، ہجرت حبشہ میں شریک تھے، عہد فاروقی میں کوفہ و بصرہ کے والی بنے، ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔
نبیشہ ھذلی	صحابی ہیں، بصرہ میں رہائش اختیار کی، ان سے گیارہ احادیث مروی ہیں۔
نعمان بن بشیر	کنیت ابوعبداللہ، انصاری صحابی، شام میں رہائش اختیار کی، کوفہ کے والی بنے، ۶۴ھ میں شہید ہوئے۔
نعیم المجمر	کنیت ابوعبداللہ، آل عمر کے آزاد کردہ غلام، بروز جمعہ مسجد نبوی میں خوشبو چھڑکتے، انہیں ثقہ تابعی قرار دیا گیا ہے۔
نواس بن سمعان	بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے، شام میں رہائش پذیر تھے، نبی ﷺ کو جوتے تحفے میں دیے، جنہیں آپ نے قبول فرمایا۔
وائل بن حجر	کنیت ابوھندہ، حضرموت کے سرداروں میں سے ایک صحابی، خلافت معاویہ کے آخری ایام میں فوت ہوئے۔
وابصہ بن معبد	کنیت ابوقرصافہ، انصاری صحابی، ۹ھ میں خدمت رسول میں حاضر ہوئے، کوفہ چلے گئے، ۹۰ھ میں فوت ہوئے۔
ابو واقد لیثی	نام حارث بن عوف، قدیم الاسلام صحابی ہیں، بدر وغیرہ میں شریک ہوئے، مکہ میں مقیم ہوئے، ۶۵ یا ۶۷ھ میں وفات۔
ام ورقہ	انصاری صحابیہ، قرآن کی حافظہ، انہیں نبی ﷺ نے اجازت دی تھی کہ اپنے اہل علاقہ کی امامت کرائیں۔
ام ھانی	ابوطلب کی بیٹی، علی کی بہن، ان کا نام فاختہ یا ہند تھا، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئیں۔
ابو ھریرہ	بزرگ ترین صحابی، بہت زیادہ احادیث روایت کرنے والے، ۶ھ میں مسلمان ہوئے، ۵۹ھ میں وفات پائی۔
ام ھشام	انصاری صحابیہ جو بیعت رضوان میں شریک تھیں، حارثہ بن نعمان کی بیٹی تھیں۔
یزید بن اسود	کنیت ابوجابر عامری، صحابی رسول، طائف میں رہائش اختیار کی، ان سے صرف ایک ہی روایت مروی ہے۔
یعلی بن امیہ	کنیت ابوصفوان، مکہ کے رہائشی معروف صحابی ہیں، متعدد معرکوں میں شریک ہوئے، کم وبیش ۵۰ برس زندہ رہے۔

فہرست اطراف الحدیث

حرف الألف

حرف الباء

حرف التاء

حرف الثاء

حرف الجیم

حرف الحاء

حرف الخاء

حرف الدال

حرف الذال

حرف الراء

حرف الطاء

حرف الظاء

حرف العين

حرف الغين

حرف الفاء

حرف القاف

حرف الكاف

حرف اللام

حرف الميم

حرف النون

حرف الهاء

حرف الواو

حرف الياء

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

Phone: 0300-4206199
E-mail: fiqhulhadith@yahoo.com

خالص دینی علم وتحقیق اور دنیا بھر میں اس کی اشاعت اس ادارے کا بنیادی مقصد ہے۔ جس کی تکمیل کے لیے یہ اپنے قیام کے روزِ اوّل سے سرگرم ہے۔ اس کی شائع کردہ کتب لوگوں کو اصلاحِ عقیدہ واصلاحِ عمل کے لیے معاون ثابت ہوتی ہیں، جس سے ایک اسلامی معاشرے کی تشکیل میں مدد ملتی ہے۔ بے شمار لوگ ان کتب کے مطالعہ سے مستفید ہو کر اپنی زندگیوں کو اسوۂ محمدی کے مطابق بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں اور اَن گنت لوگ اپنی علمی تشنگی دور کرتے ہیں۔ اس لیے معاشروں کو فلاح اور روحوں کو جلاء بخشنے والے اس لٹریچر کو خود پڑھیے' دوسروں کو پڑھایئے اور اسے گھر گھر پہنچا کر ادارے کے مقصدِ تعمیر اور فریضۂ دعوت وتبلیغ میں شرکت کیجیے۔

فقہ الاسلام

شرح

بُلوغ المَرام

مِنْ ادلّة الاحْکام

فقہ الاسلام شروحاتِ بلوغ المرام میں اس لحاظ سے ایک نہایت مفید اضافہ ہے کہ اسے سلفی علما کی تحقیقات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ یقیناً یہ ایک مفید اور قابل اعتماد شرح ہے جو شائقینِ تحقیق اور تشنگانِ علم کے لیے علمی استفادے کا بہترین ذریعہ ہے۔ **حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ**

مدیر شعبہ تحقیق وتالیف وترجمہ، دارالسلام لاہور

پیش نظر کتاب فقہ الاسلام اس اعتبار سے نہایت مفید ہے کہ اس میں ہر حدیث کے تحت پہلے اس کے مشکل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے اور پھر اس کے مسائل و فوائد پر بحث کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب اپنی جامعیت، تحقیق وتخریج کے اعلیٰ معیار اور عام فہم اسلوب کی وجہ سے جہاں علماء وطلباء کے لیے مفید ہے وہاں عوام الناس کے لیے بھی مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

پروفیسر حافظ ثناء اللہ خان مدنی حفظہ اللہ

شعبۂ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج لاہور

فاضل نوجوان حافظ عمران ایوب لاہوری نے متعدد شروحاتِ بلوغ المرام سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جدید اور مفید شرح فقہ الاسلام کے عنوان سے تیار کی ہے۔ اپنے اسلوب اور منہج کے لحاظ سے بلوغ المرام کی یہ شرح ایک ایسے معیار کو پیش کرتی ہے جس سے اہل علم اور مدارس کے شیوخ کے علاوہ عامۃ المسلمین بھی بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ جدید شرح ان شاء اللہ ایک بلند مقام حاصل کرے گی۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر حفظہ اللہ

ڈائریکٹر دعوہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

فقہ الاسلام کو مرتب کرتے ہوئے مؤلف حفظہ اللہ نے انتہائی علمی اور معیاری اسلوبِ تحقیق اختیار کیا ہے، مسائل کی توضیح وتشریح میں عصری مسائل کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ زبان آسان اور سلیس اختیار کی ہے جس کے نتیجے میں ہر سطح کا قاری کتاب ہذا سے کماحقہ مستفید ہو سکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ حفظہ اللہ

شعبۂ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

بلوغ المرام کی یہ شرح جدید وقدیم علوم کے امتزاج کی حامل ہے جو اس کی انفرادیت ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں (مثلاً معاشرت، تجارت، جرائم، حدود اور جہاد وغیرہ) سے متعلق فقہی رہنمائی میں عام لوگوں کی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور

تبصرہ از، امجد عباسی

یہ کتاب حافظ عمران ایوب لاہوری کی شب و روز کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ اس میں مسائل کے ساتھ ساتھ فقہی آراء کے ذکر اور پھر راجح مسلک کے بیان نے اسے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ کتاب نہایت مفید ہے اور مطالعہ میں رہنی چاہیے۔

ہفت روزہ اعتصام، لاہور

تبصرہ از، ابوبکر ظفر

تفہیم کتاب وسنت کا تحقیقی وطباعتی ادارہ

فقہ الحدیث پبلیکیشنز

لاہور — پاکستان

0300-4206199

Website: fiqhulhadith.com, E-Mail: editor@fiqhulhadith.com